بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور
پاکستان

فون: — ۵۳۷۳۷

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

• رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
• تار: احمدیہ
• تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
• پاک و ہند سے: پندرہ روپے
• بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خُدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دے گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ | یوم چہار شنبہ ۳ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۷۹ء | نمبر ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

اللہ تعالیٰ کے بے پایاں افضال اور احسان سے ہمارا چونسٹھواں سالانہ جلسہ بڑی کامیابی اور خیر و خوبی سے انجام پذیر ہوا فالحمد للہ علیٰ ذالک — اس مرتبہ حاضری گذشتہ سالوں سے بڑھ کر تھی اور رہائشی سہولتیں اور انتظام خورد و نوش بھی پہلے سے بہتر تھے لیکن سب سے زیادہ قابلِ حمد احباب و خواتین کا جوش و خلوص اور جذبۂ ایثار تھا۔

ہر سال جلسہ سالانہ پر مالی قربانی کے لئے قوم سے اپیل کی جاتی ہے اور احباب و خواتین بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں اور ان کا قدم اللہ تعالیٰ کے فضل سے آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے، اور یہی جماعت کی زندگی کی علامت ہے۔

۱۹۷۶ء کے جلسہ سالانہ میں ایک لاکھ روپے کی اپیل کی گئی تھی جس کے جواب میں جمع شدہ رقم کی میزان اکانوے ہزار (91000-00) تھی۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں کل میزان نقد اور وعدہ جات ایک لاکھ تئیس ہزار (123000-00) تھی۔ جس میں سے ایک لاکھ سترہ ہزار (117000-00) کی رقم وصول ہوئی اور امسال کل **میزان نقد اور وعدہ جات ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ ثم الحمد للہ علیٰ ذالک۔**

چندہ کی اپیل دُور رس ہوئی اور کئی دوستوں نے دوسرے روز اپنی رقم کو دُگنا کر دیا اور بعض نے اپنے مرحوم والدین کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے الگ عطیہ جات پیش کئے جو ایک نہایت قابلِ قدر جذبہ ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

جلسۂ سالانہ کی کامیابی میں ہماری محترم بہنوں کا حصہ نمایاں اور گرانقدر ہے۔ ان کے کامیاب جلسۂ خواتین کے علاوہ ان کی مختلف النوع خدمات، نمائشِ دستکاری اور فراہمی چندہ میں نمونۂ ایثار بہت قابلِ قدر ہے۔ سالِ گذشتہ خواتین کے چندہ کی کل میزان 38533-00 تھی اور امسال یہ رقم 54419-00 ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ آمین۔

امسال جلسہ کا نمایاں پہلو بیرونی ممالک سے ہمارے بہت سے محترم احباب و خواتین کی تشریف آوری تھی۔ ہالینڈ کی جماعت ہیگ، روٹرڈم اور اوٹرخٹ سے دس احباب و خواتین تشریف لائے۔ جماعتِ انگلستان کے صدر اور سیکرٹری کے علاوہ سات نفوس پر مشتمل ایک خاندان نے شرکت فرمائی اور ہمارے بیرونی مشنوں کے انچارج صاحبان انگلستان، جرمنی، ہالینڈ اور فجی سے تشریف لائے اور ان کے بیش قیمت خیالات سے جماعت مستفیض ہوئی۔

جماعت کی یہ روایات بڑی مستحسن ہیں کہ بہت سے خاندانوں میں تمام افراد، صاحبِ خانہ، خاتون خانہ، بچے اور نوجوان سب الگ الگ چندہ کی ادائیگی میں حصہ لیتے ہیں۔ لیکن ساری جماعت کا پورے طور پہ ابھی اس پر عمل نہیں ہوا اور یہ امر سب دوستوں کی توجہ کا محتاج ہے۔

تمام احبابِ جماعت، خواتین و حضرات اور بچوں کو نیا سال مبارک ہو!

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس نئے سال میں ہمارے جذبۂ خدمت اور قوتِ عمل میں مزید ترقی ہو اور ہمارا قدم آگے بڑھے۔ والسلام مع الاکرام۔

خاکسار (مرزا) مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

تنظیم خواتین احمدیہ کا سالانہ جلسہ

اور اس کی مختصر روئداد

جلسہ کی کاروائی شائع شدہ پروگرام کے مطابق زیر صدارت محترمہ جمیلہ خان صاحبہ شروع ہوئی۔ محترمہ جمیلہ خان صاحبہ کی آمد پر خواتین نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور انہیں کرسیٔ صدارت پیش کی۔

مس طاہرہ جنجوعہ نے تلاوت کلام پاک سے کاروائی جلسہ کا آغاز کیا۔ بعدازاں بیرونی ممالک سے آمدہ خواتین کا تعارف کرایا گیا۔ مس جمعراتن جگو صاحبہ۔ مسز لال محمد صاحبہ اور مسز عبدالکریم صاحبہ کا تعلق ہالینڈ سے اور ناصرہ عبداللہ صاحبہ کا تعلق سرینام جنوبی امریکہ سے ہے۔

تعارف کے بعد مس زاہدہ جنجوعہ نے حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام ؎

جمال و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ترنم سے پڑھا۔ محترمہ ذکیہ شیخ صاحبہ نے اپنی تقریر میں جلسہ میں شامل ہونے والی خواتین کا اپنی اور تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کی جانب سے شکریہ ادا کیا اور ہالینڈ اور سرینام کی خواتین کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی آمد ہمارے حوصلہ اور عزم کو بلند کرتی ہے کیونکہ اس سے حضرت مسیح موعودؑ کی وہ پیشگوئی پوری ہوتی ہے کہ "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ ہم نے آج کے جلسہ میں یہ جائزہ لینا ہے کہ ہم نے اپنے گذشتہ سال کے عہد کو کس حد تک پورا کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ [illegible]نا ہے۔ مقررہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اپنی کم سمجھی اور حق دشمنی کی وجہ سے مسیح موعودؑ کا انکار کیا جس کا فائدہ دشمنانِ اسلام کو پہنچ رہا ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے اسلام پر دشمنوں کے عائد کردہ الزامات کو دور کیا اور دلائل و براہین سے اسلام کو زندہ دین قرار دیا۔ موصوفہ نے کہا کہ ہماری جماعت محض ایک تبلیغی جماعت ہے جس نے قرآن پاک کا انگلش ترجمہ کیا اور ریلیجن آف اسلام و دیگر عظیم الشان لٹریچر کے ذریعہ سے اقوام یورپ کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرا رہی ہے۔

آپ نے خواتین پر زور دیا کہ وہ اپنی جماعتوں کا ماہانہ اجلاس مقامی طور پر کیا کریں۔ بچوں کو صحیح اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں۔ مساجد کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیں۔ اور روزانہ ایک گھنٹہ دین کے لئے وقف کریں۔ آپ نے مسز جمیلہ خان صاحبہ کا شکریہ ادا کیا اور ان کی مساعی کو جو وہ ترقی جماعت کے لئے کر رہی ہیں سراہا۔

آپ کے بعد محترمہ مسز خورشید راجہ صاحبہ نے دعا کی اہمیت پر تقریر کرتے ہوئے اپنی زندگی کے تجربات بیان کئے کہ دعا یقینی طور پر خدا سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے دعا کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔

محترمہ مسز عبادت نذر رب صاحبہ نے ایک نظم پڑھی جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے:—

؎ کبھی اے احمدی خاتون تو نے یہ بھی سوچا ہے

اس نظم میں احمدی خواتین کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو علم ظاہری اور باطنی سے آراستہ کریں کیونکہ علم و عمل زندہ جماعت کے لئے ضروری ہے اور کہا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت فاطمۃ الزہرا کے نقش قدم پر چل کر سادگی اور پاکیزگی اپنائیں۔ اور دین کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔

ازاں بعد محترمہ مسز ڈاکٹر کرم الٰہی صاحبہ نے قولوا قولاً سدیداً پڑھ کر بتایا کہ ابتدا میں ہمیشہ سچ بولنے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن بالآخر اللہ کے فضل سے سب دور ہو جاتی ہیں۔ اور سچ بولنے سے نیت بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اور دل میں ہمیشہ دوسرے انسانوں سے بھلائی کرنے کا خیال رہتا ہے۔ واقعی سچ میں نجات اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔

محترمہ مس جمعراتن جگو صاحبہ نے جماعت احمدیہ ہالینڈ کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے وہاں کے لوگوں میں اسلام کے پھیلنے کی کیفیت بیان کی:

موصوفہ نے بتایا کہ مجھے یہ موقعہ ملا ہے اور مجھے اپنی بہنوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ اور ذکیہ شیخ صاحبہ کے دورۂ ہالینڈ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے دورہ سے ہالینڈ کی خواتین کی تنظیم زیادہ فعال ہو گئی ہے۔ بلکہ اب مزید چھ جگہ خواتین کی تنظیم قائم کی گئی ہے۔

یورپ کے لوگ بے دین ماحول میں رہتے ہیں۔ ان کا علاج صرف اسلام یعنی احمدیت میں ہے۔ اس کے بعد محترمہ مسز لال محمد صاحبہ نے ایک دعائیہ نظم پڑھی جس میں احمدیہ بستی ؎

الٰہی اس جگہ کو تو بنا دے امن کی بستی
خدا کے نیک بندوں سے بسا دے امن کی بستی

محترمہ مسز عبدالکریم صاحبہ نے کہا ہم بہنوں کو مل کر بہت خوشی ہوئی ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ انجمن کے کام تبلیغ اسلام کے جھنڈے کو سربلند رکھے۔

محترمہ مسز زبیدہ محمد احمد صاحبہ نے اپنی تقریر کا آغاز اس مصرع سے کیا "اٹھو دگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی" آپ نے افغانستان۔ ایران کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز یقینی ہے تو وہ موت ہے۔ اور بتایا کہ ان ملکوں کے حالات ہمارے لئے عبرت انگیز ہیں۔ ہمیں زندگی کی مہلت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور آج کا کام آج ہی کرنا چاہیئے۔ اور آج ہم پر جمود کی جو کیفیت طاری ہے نہیں ہونی چاہیئے۔

ہم حضرت مرزا صاحب کی سچائی کا اعتراف کرتے ہیں اس لئے ہمارے قول اور عمل میں تضاد نہیں ہونا چاہیئے اور ہمیں ان کی کامل تقلید کرنا چاہیئے۔ ان کے صحیح جانشین بننے کے لئے اپنے بزرگوں کے حالات کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ ہمیں "یادِ رفتگاں" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کینیا۔ انڈونیشیا۔ ہالینڈ۔ لندن وغیرہ کے لوگ خوش قسمت ہیں کہ ان لوگوں کو بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ اور وہ خدمتِ دین کے لئے ہر طرح آزاد ہیں۔ ہمیں ایک مجاہد کی زندگی بسر کرنا ہے۔ اور جہاد کے مختلف مورچوں پر کام کرنا ہے۔ اس لئے ہم متحد ہو کر بہ ارشاد الٰہی تعاونوا علی البر و التقویٰ۔ بھلائی میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اتفاق و اتحاد رکھیں اور افتراق سے بچیں کہ اس سے دشمن کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ان کے بعد محترمہ مس رضیہ مدد علی صاحبہ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے نبی یا رسول ہونے کا دعوےٰ ہرگز نہیں کیا۔ کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ تاہم احیائے اسلام کے لئے بعثتِ مجددین کا سلسلہ بمطابق ارشادِ نبویؐ جاری رہے گا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے فرمایا کہ وہ غلام احمد ہیں یعنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں اور قرآن اور اسلام کی تعلیم کو زندہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت صاحب نے تمام عالم کو مخاطب کر کے کہا کہ جو خدا کو نہیں مانتا یا اسلام اور حضرت محمد صلعم کو سچا نہیں جانتا میرے پاس آئے تاکہ اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن پاک اور اسلام کی سچائی اور خدا کی عظمت اس پر واضح کروں۔ زندہ خدا کے زندہ نشانات دکھلاؤں اور اسلام کی صداقت و حقانیت ثابت کروں۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کی تقریر بڑی مدلل اور پُراثر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر کرنے کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔ آپکا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ اسلیئے آپکی تقریر میں روانی ہوتی ہے۔

آپ کے بعد محترمہ جمیلہ خان صاحبہ نے خواتین کو انگریزی زبان میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بہنوں نے جس خلوص سے میرا خیر مقدم کیا ہے وہ میرے لئے ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ نے کہا کہ مسلمان عورت مغرب میں ہو یا مشرق میں اسے اسلام اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ موصوفہ نے فرمایا کہ ہم حضرت امام زمانؑ کے انتہائی شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ہمیں زندہ اسلام کی طرف بلایا ہے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ۔ حضرت خواجہ کمال الدینؒ اور مولانا صدر الدین صاحب [illegible] اللہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہم عیسائیت کی آغوش میں چلے جاتے۔ انہوں نے لاہور کے اکابرین جماعت، خصوصاً حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

(باقی بر صفحہ کالم نمبر ۲)

رپورٹ:- مرتبہ جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام لنڈن مشن

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب چیئرمین کمیٹی تبلیغ بیرون پاکستان احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی لنڈن میں مصروفیات

جناب قبلہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اکتوبر کے آخر میں لندن تشریف لائے - آپ جب لندن پہنچے تو آپ کی صحت اچھی نہ تھی، کمزوری بھی کافی تھی - اور ساتھ ہی بخار بھی تھا - لیکن کمزوری اور صحت کی خرابی کے باوجود جناب ڈاکٹر صاحب نے جماعتی معاملات میں انہماک میں کمی نہ آنے دی -

لنڈن میں قیام کے دوران جماعت کے احباب فرداً فرداً ملاقات کے لئے آتے رہے اور جناب ڈاکٹر صاحب سے کئی کئی گھنٹے تک گفتگو کرتے رہے - جناب مجید علی صاحب - جنابہ جمیلہ خان صاحبہ اور ان کے شوہر جناب فیض خان صاحب - جناب عزیز احمد صاحب اور شاہد عزیز صاحب - جناب سید محمود حسین صاحب - جناب راس محمود صاحب اور جنابہ بیگم رضیہ فاروقی صاحبہ ڈارٹفرڈ (DART FORD) جاکر علیحدہ علیحدہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقاتیں کرتے رہے - علاوہ ازیں جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور راقم الحروف بھی حاضر خدمت ہوتے رہے - اور جناب ڈاکٹر صاحب ہر ایک سے جماعتی معاملات پر گفتگو فرماتے رہے - بعض اوقات تو طبیعت کی خرابی کے باوجود اسپرین کی گولیاں کھا کر ڈاکٹر صاحب ملاقات کے لئے آنے والوں کے پاس دو دو گھنٹے سے بھی زیادہ وقت بیٹھتے رہے -

جناب ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف نماز عید الاضحیٰ پڑھائی اور پانچ چھ گھنٹے مہمانوں کے ساتھ رہے بلکہ تین بار احمدیہ ہاؤس میں نماز جمعہ کے لئے بھی وہاں تشریف لے گئے - حالانکہ DART FORD (ڈارٹ فورڈ) احمدیہ ہاؤس سے پچاس ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے -

اپنے قیام لنڈن کے دوران جناب ڈاکٹر صاحب ایسٹ لندن میں مقیم احباب جماعت سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے اور جناب قاضی عبد الجبار صاحب کے گھر ایک دعوت میں شریک ہوئے - جہاں قاضی صاحب موصوف کے خاندان کے افراد سے ڈاکٹر صاحب نے ملاقات کی -

آپ مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی مسز عزیزہ صاحبہ جن کا حال ہی میں اپنڈیکس (APPENDIX) کا اپریشن ہوا ہے کو ملنے کے لئے SCOUGH بکنگھم شائر بھی تشریف لے گئے -

اسی طرح آپ جناب ڈاکٹر فاروق عبد اللہ صاحب کے گھر بھی تشریف لے گئے اور وہاں رات کا کھانا بھی ان کے ساتھ تناول فرمایا - وہاں جناب ڈاکٹر فاروق عبد اللہ صاحب اور بیگم صاحبہ جناب ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب مرحوم سے جماعتی معاملات پر کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے -

لنڈن میں احباب کے گھر بہت فاصلوں پر ہیں اور اکثر رات کو بارہ بجے اور اس کے بعد بھی واپسی ہوتی رہی - کمزوری اور بیماری میں اس قدر تکلیف برداشت کرنے کے لئے احمدیت سے دلی لگاؤ اور لگن ہی نے جناب ڈاکٹر صاحب کو جواں ہمت بنا رکھا ہے - اور وہ اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر دن رات احمدیت کی ترقی کے لئے کوشاں ہیں -

وہ قومیں خوش قسمت ہیں جن کو ایسے مخلص اور قربانی کے پیکر افراد میسر ہوتے ہیں - جناب ڈاکٹر صاحب کا یہ جذبہ اور یہ لگن ہر ملنے والے کو متاثر کرتا ہے -

جنابہ بیگم رضیہ فاروقی صاحبہ نے جناب ڈاکٹر صاحب کو شام کے کھانے پر مدعو کیا - اور وہ ایسٹ لندن میں مقیم احمدی احباب کے ہاں بھی ملنے کے لئے ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ تشریف لے گئیں -

ہالینڈ سے واپسی پر جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۵ دسمبر کو احمدیہ ہاؤس میں یو کے جماعت کی منتظمہ کے ممبران کی ایک میٹنگ میں پھر شامل ہوئے اور تمام احباب کو احمدیت کے فروغ کے لئے اور زیادہ تندہی سے کام کرنے کی نصیحت فرمائی -

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا دورۂ ہالینڈ

یکم دسمبر ۱۹۷۸ء کو احمدیہ ہاؤس لندن میں نماز جمعہ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی اور اسی شام ڈاکٹر صاحب موصوف راقم الحروف کو ساتھ لے کر ۳۰-۵ بجے لندن کی ہیتھرو ایئرپورٹ سے ایمسٹرڈم (ہالینڈ) کے لئے روانہ ہوئے -

ایمسٹرڈم کے ہوائی اڈہ پر ہالینڈ کی جماعت کے بہت سے احباب خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھے - ہیگ کی جماعت کے صدر جناب نور سردار صاحب - نائب صدر جناب الٰہی بخش صاحب - جناب اے حسین صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ - جناب حاجی محمد حسن صاحب - جناب فاضل رمضان صاحب - اوترخت سے جناب بگو صاحب - اور اس جماعت کے صدر جناب ایوب صاحب - جناب جگو صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ بھی ڈاکٹر صاحب کی پذیرائی کے لئے موجود تھے - جونہی ہم ہوائی جہاز سے اتر کر ان کے پاس پہنچے انہوں نے ہمیں پھولوں کے ہار پہنائے اور ہوائی اڈہ پر تھوڑی دیر ایمسٹرڈم کے احباب سے بات چیت کے بعد ہم لوگ ہیگ روانہ ہو گئے - ہیگ کے احمدیہ سنٹر میں جہاں اب جناب فاضل رمضان صاحب بمعہ اہل و عیال قیام پذیر ہیں ہمارے ٹھہرنے کا انتظام تھا - رات گئے تک جناب فاضل رمضان صاحب سے گفتگو ہوتی رہی -

۲ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ہیگ جماعت کے احباب جناب نور سردار صاحب - الٰہی بخش - رفیق عبد الرزاق صاحب - اے حسین صاحب - حافظ حبیب اللہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ اور دیگر احباب ملاقات کے لئے تشریف لائے اور جناب ڈاکٹر صاحب سے ہالینڈ کی جماعت کے معاملات پر گفتگو فرماتے رہے -

جناب نور سردار صاحب نے دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا جس میں ہیگ جماعت کے بہت سے ممبران بھی مدعو تھے - شام کا کھانا جناب فاضل رمضان صاحب نے دیا - جناب فاضل رمضان صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے ہمیں ہر سہولت بہم پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی - اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے -

۳ دسمبر کو ہیگ احمدیہ سنٹر میں ایک جلسہ ہوا - جس میں ہیگ کے علاوہ اوترخت - روٹرڈم - ایمسٹرڈم اور دیگر مقامات کی جماعتوں کے احباب شامل ہوئے - جلسہ کی صدارت جناب نور سردار نے کی اور جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور راقم الحروف نے تقریریں کیں -

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی تقریر میں آیات قرآنی اور احادیث کے حوالے سے بتایا کہ کس طرح موجودہ صدی میں دجال کے فتنہ اور یاجوج ماجوج کا ذکر کیا گیا ہے وہ پورا ہو چکا ہے - اور حضور نبی کریم صلعم نے اس صدی کے مجدد کے متعلق جو پیشگوئیاں کی تھیں وہ بھی حضرت مجدد زمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی ذات میں پوری ہو چکی ہیں اور فتنہ دجال کمزور ہوتا جا رہا ہے - یہ تمام باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دین اسلام کو تقویت اور غلبہ بخشا ہے - آپ نے فرمایا کہ اسلام کے دیگر ادیان پر غلبہ کی پیشگوئی بھی باقی تمام

پیشگوئیوں کی طرح بفضلہ تعالےٰ ضرور پوری ہو کر رہے گی ۔ اس کے آثار اب ظاہر ہونے لگے ہیں اور بلاشبہ یہ غلبہ حضرت مسیح موعود اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ذریعہ ہی ممکن ہوا ہے ۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے کسی صورت بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا ۔ آپ نے جس امام کا دامن پکڑا ہے وہ بہت عظیم امام ہے اور اس کا بہت عظیم مشن ہے ۔ آپ کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اسلام کے دیگر ادیان پر غلبہ کا ہراول دستہ آپ لوگ ہیں اور آپ کا امام وہ فتح نصیب جرنیل ہے جس کی بدولت یہ فتح ممکن ہو سکی ۔ آپ اس کام میں اور تندہی سے لگ جائیے ۔ آخری فتح بھی آپ کے نام سے ہو گی ۔ جناب جگو صاحب نے بعد ازیں اس تقریر کا ڈچ میں ترجمہ کیا ۔

راقم الحروف نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہر تحریک کا ایک مقصد ہوتا ہے اس کو سمجھنے کے لئے علم چاہیئے ۔ علم کے بعد ہی ایمان پختہ ہوتا ہے ۔ اور پھر ایمان کے ساتھ صحیح عمل چاہیئے ۔ احمدیت احیائے اسلام کی تحریک ہے جس کا آغاز مجدد زمان نے اللہ تعالےٰ سے صحیح علم پا کر کیا ۔ آپ کو صحیح علم ملا کہ دین کیا ہے ۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی کیا ہے ۔ اسلام کیا ہے ۔ اس علم کے بعد اپنے نمونہ سے آپ نے ہمارے دلوں میں ایمان کی حرارت پیدا کی اور کوشش اور عمل کا نمونہ بھی پیش کیا ۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کے وعدے پورے ہوئے ۔ ہمیں بھی اسی راہ پر چلنا ہے ۔ علم ۔ ایمان ۔ اور صحیح عمل ہی احمدیت ہے ۔ (دونوں تقریریں علیحدہ شائع کرنے کے لئے دی جا رہی ہیں)

اس سے پیشتر جناب نور سردار صاحب نے ڈاکٹر صاحب ، اور راقم الحروف اور تمام حاضرین جلسہ کو خوش آمدید کہا اور ان کا شکریہ ادا کیا ۔ جناب جگو صاحب نے ہماری تقریروں سے پیشتر ایک مختصر سی تقریر میں ہم لوگوں کا تعارف کرایا ۔ جناب جی اے بشیر صاحب بھی جلسہ میں شامل ہوئے ۔ جلسہ سے پیشتر نماز ظہر و عصر تمام حاضرین نے باجماعت ادا کی ۔

ایمسٹرڈم اور روٹرڈم میں کچھ حضرات نے احمدی ہونے کے باوجود کچھ عرصہ تک احمدیت کا نام اپنی جماعتوں کے ساتھ لکھنا بند کر دیا تھا ۔ وہ اب واپس جماعت کے ساتھ آ ملے ہیں ۔ اور جلسہ میں اُن صاحبان نے باقاعدہ اعلان کیا کہ احمدیت ہی اصل اسلام ہے اور ان کی یہ غلط فہمی تھی کہ نام میں کیا ہے اور اب اس بات کا احساس ہوا ہے کہ غلبۂ اسلام احمدیت ہی سے وابستہ ہے ۔

کچھ بھائی آپس میں کھچے کھچے سے تھے ۔ جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے ان اصحاب سے گفتگو کی اور اس طرح بچھڑے ہوئے بھائی پھر آپس میں بغلگیر ہو گئے ۔ یہ دونوں بڑے روح پرور نظارے تھے ۔

۴ر دسمبر ۱۹۷۸ء : بہت سے احباب جناب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لائے ۔ جن میں فاضل رمضان صاحب کے بھائی بھی شامل تھے ۔ دوپہر کا کھانا جناب رفیق عبدالرزاق صاحب کے ہاں تھا ۔ وہاں ان کی بیگم صاحبہ کی شگفتہ باتیں محفل کو زعفران زار بناتی رہیں ۔ جناب رفیق عبدالرزاق صاحب جماعت ہیگ کے خزانچی ہیں ۔ اس کے بعد احباب احمدیہ سنٹر میں ہمیں الوداع کہنے کے لئے جمع ہوئے ۔ اور تین بجے کے قریب ایمسٹرڈم کے لئے روانہ ہوئے ۔ جناب نور سردار صاحب ۔ الٰہی بخش صاحب ۔ جناب رفیق عبدالرزاق صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ ۔ جناب اے حسینی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ ۔ جناب فاضل رمضان صاحب ۔ جناب محمد حسن صاحب ۔ اوترخت سے جناب جگو صاحب اور وہاں کے صدر جناب ادیب صاحب الوداع کہنے کے لئے ایمسٹرڈم کے ہوائی اڈہ تک آئے جہاز کی پرواز میں کچھ تاخیر تھی اسلئے ایئرپورٹ پر بھی بات چیت ہوتی رہی ۔ جناب جگو صاحب اور جناب فاضل رمضان صاحب بتاتے رہے کہ ان کا یہ ایمان ہے کہ بغیر مرکزی انجمن سے وابستگی کے احمدیہ تحریک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور جو لوگ مرکزی انجمن سے علیحدہ تنظیمیں بنا کر کام کرنے کا سوچتے ہیں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں ۔ ماضی میں جو لوگ مرکزی انجمن کو کمزور کرنے کی کارروائیوں میں مشغول رہے وہ یہ سراسر بے بنیاد تاثر دیتے رہے ہیں کہ ہالینڈ کے کچھ احمدی بھی انکی حمایت کرتے ہیں ۔ ہالینڈ کی جماعتوں کے تمام ممبران مرکزی انجمن اور احمدیت سے اپنے تعلق کو اٹوٹ سمجھتے ہیں جس کا اظہار ہالینڈ کی جماعتوں کے فیصلوں سے ہوتا ہے ۔ ۴½ بجے ہوائی جہاز لندن کیلئے روانہ ہوا ۔ جناب فاضل رمضان اور انکی بیگم صاحبہ ہالینڈ میں احمدیت کی گرانقدر خدمات سر انجام دے رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور اسلام اور احمدیت کیلئے زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کا موقع دے ۔

آسمانِ احمدیت کا ایک اور درخشندہ ستارہ ڈوب گیا

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر میاں ممتاز احمد فاروقی انتقال فرما گئے

جناب فاروقی صاحب مرحوم حسبِ معمول جلسہ سالانہ میں شمولیت اور پروگرام کے مطابق ابتدائی اجلاس کی صدارت کے لئے لاہور تشریف لائے اور محترم میاں فضل احمد صاحب کے دولت خانہ پر فروکش ہوئے ۔ آپ نے ۲۷ر دسمبر کے اجلاس میں ۹½ بجے جلسہ کی صدارت فرمانا تھی لیکن ۳ بجے صبح انہیں مالکِ حقیقی کا بلاوا آ گیا اور وہ لبیک کہتے ہوئے ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر دنیا سے منہ موڑ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ آپ دل کے مریض تھے ۔ اسلام آباد سے لاہور کے لئے روانہ ہونے سے قبل انہوں نے اپنے معالج سے مشورہ کیا تو اس نے سفر سے منع کیا مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ مجھے بہر حال وہاں جانا ہے ، اور آپ لاہور چلے آئے ۔

آپ ۲۱ر دسمبر کو لاہور آئے اور ۲۲ر دسمبر کا جمعہ دارالسلام میں پڑھا ، احباب سے معانقے فرماتے رہے ۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ احباب سے یہ ان کی آخری ملاقات ثابت ہو گی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

مرحوم و مغفور فاروقی صاحب نے انجمن کے لٹریچر میں متعدد مفید کتب کا اضافہ فرمایا اور اخبارات انجمن میں انکے مضامین اکثر شائع ہوتے رہے ۔ آپ نے عمر بھر باقاعدگی سے چندہ ماہوار ادا فرمایا اور ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ۔ نیز اپنی طرف سے صدقہ جاریہ کے طور پر دس ہزار روپے کے NIT یونٹ اور اپنی مرحومہ بیگم صاحبہ کی طرف سے ایک ہزار روپے کے یونٹ انجمن کو مرحمت فرمائے تاکہ ان کے منافع سے مفید لٹریچر شائع ہوتا رہے ۔ اللہ تعالیٰ انکو اپنے جوارِ رحمت میں بلند درجات مرحمت فرمائے اور جملہ عزیزان کو صبرِ جمیل کی توفیق مرحمت کرے ۔ آمین ۔ احباب جنازۂ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت کریں ۔

اے خدا بر تربتِ او بارشِ رحمت ببار
داخلش کن از کمالِ فضل در بیت النعیم

(ادارہ)

تبلیغی خط و کتابت

بلادِ غیر میں ترسیلِ لٹریچر

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔"

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

اقصائے عالم میں اسلام پر شائع کردہ ہمارے لٹریچر کی وسیع مقبولیت

دیکھو خُدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا ؛ گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا

مرتبہ: چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری

ریاست کوارا (مغربی افریقہ) کے ٹیچرز کالج سے مسٹر موسیٰ یوسف لکھتے ہیں:-

"میں بڑے عجز و انکسار کے ساتھ اور آپ کی تکریم و تعظیم کرتے ہوئے چند الفاظ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اور آپ سے ملتمس ہوں کہ مجھے حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کا انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اس کرم فرمائی کے لئے میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں گا۔ مجھے اس عظیم القدر تالیف کے مطالعہ کا ازحد شوق ہے۔ اس لئے کہ مجھے دینِ اسلام سے نہایت محبت و پیار ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ اسلام کی حقیقی اور سچی کھری تعلیمات سے روشناسی کے لئے یہ ترجمہ و تفسیر نہایت مفید و مؤثر ہے۔ میں انہی مختصر الفاظ کے ساتھ اپنی معروضات ختم کرتا ہوں۔ اور اپنے ہمدردوں سے اثباتی جواب باصواب کا منتظر ہوں۔ والسلام۔ آپ کا مخلص۔

الجواب:- محترم القدر موسیٰ یوسف صاحب! آپ کا گرامی نامہ ملا۔ ہم آپ کی خواہش کے مطابق حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کریم ارسال کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالے آپ کو اس کے مطالعہ، تفہیم اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ آپ زندگی کے ایک ایسے شعبہ یعنی تعلیم و تدریس سے تعلق رکھتے ہیں، جہاں اسلامی تعلیم و تربیت کے اظہار و عمل کا نہ صرف انفرادی موقعہ حاصل ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی طرف تحریک و ترغیب کی ممکن آسانیاں ہیں، خدا کرے آپ اسلام کی حقیقی اور فطری تعلیمات کی بالفعل ترجمانی فرما کر حقِ تبلیغ ادا کر سکیں۔ آپ نے اس ترجمہ و تفسیر کے بارے جو کچھ سُنا ہے، یہ تفسیر تقریباً نصف صدی سے مسلم و غیر مسلم طبقہ کی بڑی مؤثر و مفید رہنمائی کر رہی ہے اور تفسیری باب میں ایک نہایت قابلِ قدر اضافہ ہے۔

اللہ تعالے اس کے مترجم و مفسّر کے جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے اور ہمیں اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔ مزید کار لائقہ سے یاد فرمائیں۔ والسّلام۔

تامل (گھانا) سے مسٹر الحسن الیسیغو رقمطراز ہیں:-

"محترم و مکرم اخی فی الاسلام، سلام مسنون! آپ کا گرامی نامہ محررہ ۳۰ رجون ملا۔ کاشف احوال ہوا۔ یاد آوری کے لئے آپ کا بیحد شکر گذار ہوں۔ آپ کا ارسال کردہ اسلامی لٹریچر بھی مجھے موصول ہو چکا ہے۔ اس کرم فرمائی کے لئے بھی مکرر سہ کرر شکریہ۔ مجھے یہ کتابیں بے حد پسند آئیں اور دینِ اسلام کے بارے میں مجھے کافی شافی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ عیسائی مذہب کے بارے میں جو حقائق ان کتابوں سے ملے ہیں وہ نہایت معقول و معتبر ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے میں عیسائی دوستوں سے عیسائی مذہب پر کھُل کر اور بڑے اعتماد سے بات کر سکتا ہوں۔ اس قسم کا لٹریچر ہمارے اس علاقہ میں بکثرت تقسیم ہونا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ لوگ عیسائیت کی تبلیغ و تحریک سے متاثر نہ ہوں، اور دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات پر مطلع ہو کر ان میں استقامت پیدا ہو۔

جناب مکرم! آپ نے مطلوبہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کریم کا ہدیہ رقم فرمایا ہے۔ اس ترجمہ و تفسیر کی مادی اور معنوی افادیت کے مقابلہ میں یہ ہدیہ نہایت قلیل و حقیر ہے۔ تاہم مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی مالی کم مائیگی کی وجہ سے اس قلیل رقم کی ادائیگی سے بھی قاصر ہوں۔ ایک طرف مجھے اپنی مالی کمزوری کا شدت سے احساس ہے۔ دوسری طرف اس عظیم الشان انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کریم کا بھی بے حد شوق ہے۔ یہاں پر انگریزی میں اور بھی ایک دو ترجمے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی تفسیرِ قرآن کا مقابلہ کسی صورت میں بھی نہیں کر سکتے۔ اسلام قرآن کی تعلیمات کے صحیح اور براہِ راست مطالعہ کے باب میں یہ تفسیر موجودہ دور کی عظیم تالیف ہے۔

میں نے ایک دوست کے پاس یہ تفسیر دیکھی اور ان سے عاریۃً لے کر اس کا مطالعہ کیا ہے۔ تاہم میں اسے اپنی لائبریری کی زینت بنانا چاہتا ہوں اور ہمہ وقتی مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ اُمید ہے میری مالی پستی اور رفعتِ شوق کے پیش نظر مذکورہ تفسیر قرآن تحفۃً مرحمت فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں گے اور عنداللہ ماجور ہوں گے۔

آپ کا مخلص اسلامی بھائی

الجواب:- جناب مکرم الحسن الیسیغو۔ ایک عرصہ سے ہماری مراسلت جاری ہے۔ اس دوران ہم نے آپ کی ہر خواہش و طلب لٹریچر پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں ازحد خوشی ہوئی ہے کہ ہماری ارسال کردہ کتب آپ کو پسند آئیں اور مذہبی معلومات آپ کو حاصل ہوئیں۔ ہماری تو یہی کوشش، کام اور دُعا ہے کہ دینِ اسلام کا نور اکناف عالم میں پھیل جائے۔ تا عالمِ انسانیت اپنے خالق و مالک ربّ سے آشنا ہو کر اس کی منشاء پوری کرے۔

آپ کی طلب پر ہم آپ کو ترجمہ و تفسیر قرآن کریم از حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ ارسال کر رہے ہیں۔ خدا کرے آپ اس سے مستفید و مستفیض ہو کر نہ صرف خود اپنی دنیوی دینی زندگی کو بامراد و کامیاب کرنے میں کامیاب ہوں بلکہ دوسروں کے لئے بھی چراغ راہ ثابت ہوں۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ والسلام۔

جنوبی افریقہ سے مسٹر محمد عبداللہ لکھتے ہیں:-

"جناب مکرم! آپ جس انداز سے دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے میدان میں للہ فی اللہ جہاد کر رہے ہیں، جس اہتمام سے اسلامی لٹریچر بالخصوص قرآن کریم کو اکنافِ عالم میں پھیلا رہے ہیں وہ عند اللہ اور عند النّاس نہایت عزیز و مقبول ہے۔ اللہ تعالے آپ کو خدماتِ دینیہ کے بیش از بیش مواقع عطا فرمائے۔ مجھے آپ کی مساعی جمیلہ کے بارے میں اپنے دوستوں سے پتہ چلا ہے۔ اس لئے میں تحریری طور پر باعث زحمت ہوا ہوں۔

میں ایک مسلمان بھائی کی حیثیت سے کہ میں اللہ تعالے کے دین کے بارے میں زیادہ سے زیادہ علم و آگاہی حاصل کرنا چاہتا اور دوسروں تک اسے پھیلانا چاہتا ہوں۔ آپ سے ملتمس ہوں کہ ازراہ لطف و کرم مجھے انگریزی قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر کا ایک نسخہ ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ جہاں تک میری حالیہ مصروفیت کا تعلق ہے، میں احمدیہ اسلامیہ سکول کا ایک ادنےٰ طالب علم ہوں اور دینِ اسلام کی تعلیمات حاصل کر رہا ہوں۔ میرے والدین غربت و افلاس کے باعث مجھے قرآن کریم خرید کر نہیں دے سکتے۔ اس لئے میں آپ سے مدد کا طالب ہوں۔ میرے مخلصانہ تسلیم و نیاز قبول فرمایئے اور دیگر احباب کو سلام پیش کیجئے۔ آپ کا

مخلص محمد عبداللہ ۔"

الجواب :- محترمی محمد عبداللہ صاحب! آپ کا مکتوبِ گرامی پیش نظر ہے ۔ آپ نے دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں ہماری مساعی کو سراہا ہے اس کے لئے ہم آپ کے نہایت شکرگزار ہیں ۔

اس آسمانی مقدس کام کو چلانے اور آگے بڑھانے کی توفیق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس دَور کے مہدی و مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کی پھونکی ہوئی رُوحِ قدسی کی وجہ سے ہے ۔ کہ وہ کام جو انبیاء و مُرسلین کے کرنے کا ہے وہ اس امام کی جماعت اپنے نہایت قلیل مالی ذرائع اور زمانہ کے نامساعد حالات کے باوجود بڑے ایثار و صبر اور استقامت و عشق کے ساتھ سرانجام دے رہی ہے ۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ ہم اس احسان الہٰی کے لئے بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں ۔ ہم آپ کی دعاؤں کے بھی محتاج ہیں ۔

الحمد للہ آپ کے دل میں دینِ اسلام کو جاننے پہچاننے اور اس سے دوسروں کو متعارف کروانے کی تڑپ ہے اللہ تعالیٰ آپ کا ساتھ دے ۔ اور آپ کا حامی و ناصر ہو ۔ ہم آپ کو اسلامی لٹریچر بھجوا رہے ہیں، جس میں قرآن کریم بھی شامل ہے ۔ آپ اس لٹریچر کا بغور مطالعہ کریں، اور قرآن کریم کو حرزِ جان بنالیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس دُنیا کی حسنات بھی عطا فرمائے اور آخرت کی بھی ۔ اور آپ کو اور آپ کے والدین کو فراخی بخشے ۔

ابادان زنائیجیریا سے مسٹر فتح الاسلام لکھتے ہیں :—

"اخی فی الاسلام ۔ آپ کا مکتوب گرامی ملا ۔ آپ کی للہ فی اللہ محبت و توجہ کے لئے سراپا ممنون و مشکور اور دعاگو ہوں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دینی خدمات کی زیادہ سے زیادہ ہمت و توفیق عطا فرمائے ۔ آپ کے ساتھ ایک لمبے عرصہ سے مراسلت جاری ہے تعلیم و تفہیم دینِ اسلام اور دیگر مذاہب سے آگاہی کے سلسلہ میں آپ کی رہنمائی کے اور آپ کے ارسال کردہ لٹریچر سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور کرتا رہتا ہوں ۔ جزاک اللہ تعالیٰ ۔

اس دفعہ مجھے سیرتِ نبویؐ اور سوانح مسیح ناصری اور اسلام و عیسائیت کے تقابلی مطالعہ پر لٹریچر بھجوائیں ۔ یہاں پر عیسائی دوست حضرت نبی کریمؐ اور حضرت مسیحؑ کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کرتے اور طرح طرح سے حضرت مسیحؑ کی افضلیت بر حضرت نبی کریمؐ ظاہر کرتے رہتے ہیں، وہ ولادتِ مسیح اور صلیبِ مسیح کے بارے میں بھی کرامات و معجزات سناتے رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔

مکرم جناب! میں یہ سوالات کرکے آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا نہ آپ کی سمع خراشی مقصود ہے ۔ بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ مجھے اسلام و عیسائیت کے بارے میں مجھے سیر حاصل معلومات حاصل ہو جائیں تاکہ میں عیسائی حلقہ میں علم و آگاہی کے ساتھ اور ایمان و اعتماد کے ساتھ گفتگو کر سکوں ۔ بنا بریں آپ سے گذارش ہے کہ اس موضوع پر لٹریچر ارسال کرکے عنداللہ ماجور ہوں، مجھے ایسے لٹریچر کی اشد ضرورت ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت و توفیق عطا فرمائے اور آپ کا حامی و ناصر ہو ۔ والسلام آپکا مخلص ۔"

الجواب :- محترم فتح الاسلام صاحب! آپ کا مکتوب ملا ۔ یاد آوری کے لئے ہم انتہائی شکرگذار ہیں ۔ آپ کی دعائیں ہمارے شاملِ حال رہتی ہیں الحمد للہ حسب طلب آپ کو لٹریچر بھجوایا جا رہا ہے ۔ جو زیادہ تر عیسائی مذہب سے متعلق ہے ۔ آپ اس کا مطالعہ فرمائیں ۔

اس لٹریچر سے آپ کو ردِ عیسائیت اور حقانیت اسلام کے بارے میں بیش بہا معلومات حاصل ہوں گی انشاء اللہ العزیز ۔ کار لائقہ سے یاد کرتے رہیئے ۔

والسلام

جلسہِ خواتین کی مختصر روئیداد

(بسلسلہ صفحہ ۲)

کو روشنی کا مینار قرار دیا اور خدا سے اس صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق طلب کی ۔ جو ان بزرگوں نے بے شمار قربانیوں کے ساتھ ہم مغربیوں کو دکھایا ہے ۔

محترمہ مسز ختمہ نذیر نے کراچی اور مس پروین واجد صاحبہ نے پشاور کی تنظیم ہائے خواتین احمدیہ کی رپورٹیں سنائیں ۔

محترمہ مسز لال محمد صاحبہ نے حضرت امام زمان علیہ السلام کے منظوم کلام سے

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہُدیٰ یہی ہے

مترنم آواز سے سنایا ۔

ان کے بعد مجلس مذاکرہ قائم ہوئی جس کا موضوع "میری نظر میں حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت" تھا ۔ اس میں بچیوں نے حصہ لیا ۔ کالج گروپ میں مس شمائلہ غفور ۔ مس طاہرہ جنجوعہ ۔ مس پروین واجد نے اور سکول گروپ میں مس منزہ غفور ۔ مدیحہ رسول اور ساجدہ رحمٰن نے حصہ لیا ۔

شمائلہ غفور صاحبہ نے بتایا کہ ایک بشپ نے عام مسلمان علماء کی مسیح کو زندہ ماننے کی کمزوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے زندہ رسول اور معصوم رسول پر لیکچر دیا اور عام مسلمانوں سے کوئی سوال کرنے کے لئے کہا لیکن مسلمان اس پر کوئی گرفت نہ کر سکے حتیٰ کہ مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کو امرتسر سے بلایا گیا ۔ لیکن انہیں عیسائی بشپ کے سامنے جانے کی ہمت نہ ہوئی ۔ بالآخر حضرت مسیح موعودؑ سے رجوع کیا گیا اور آپ نے فوری طور پر صرف دو گھنٹے میں ایک جواب لکھ دیا جو بشپ مذکور کے جملہ اعتراضات کا جواب تھا ۔ اور مفتی محمد صادق صاحب نے یہ مضمون پڑھا جس کو سُن کر بشپ صاحب میدان سے بھاگ گئے ۔ یہ حضرت صاحب کی سچائی کا نشان ہے کہ آپ نے کسرِ صلیب کا منصب پورا کیا اور عیسائیت کو شکست دی ۔

طاہرہ جنجوعہ نے اپنی تقریر میں حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کی صداقت کو کہ (انی احافظ کل من فی الدار) طاعون کے زمانہ میں اس کا حرف بحرف پورا ہونا حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا سب سے بڑا نشان قرار دیا ۔

پروین واجد صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان جلسہ مذاہب عالم میں حضرت صاحبؑ کے مضمون کی برتری کا قبل از وقت اعلان کرنا اور اس میں صادق ہونا قرار دیا ۔

مس منزہ غفور صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ صاحب کے مضمون کو جو جلسہ مذاہب عالم میں پڑھا گیا اور بالا رہا ۔ ہی کو صداقت کا سب سے بڑا نشان قرار دیا ۔

مدیحہ رسول صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کو کہ :—

"میں تیری تبلیغ دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

کو سب سے بڑا نشانِ صداقت قرار دیا ۔ جس کا ثبوت حضرت صاحب کے متبعین شرق و غرب اور شمال و جنوب میں پھیلے ہوئے لوگوں کا وجود ہے ۔

مس ساجدہ رحمٰن صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کا سچا ہونا جن سے ڈوئی کی ہلاکت ۔ لیکھرام کی ہلاکت ۔ طاعون وغیرہ سے آپ کے ماننے والوں کی حفاظت اور آپ کے دیگر بے شمار الہامات کا صحیح ہو جانا ان کے من جانب اللہ صادق ہونے کا سب سے بڑا ثبوت قرار دیا ۔

آخر میں محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لئے خواتین سے چندہ کی اپیل کی اور ان کی ان قربانیوں کا ذکر کیا جو انہوں نے حضرت امیر مولانا محمد علیؒ کی اپیل برائے تعمیر مسجد کے لئے (برلین مسجد) کی تھیں ۔

محترمہ مسز خورشید صاحبہ نے استحکام جماعت اور جلسہ میں شریک خواتین و حضرات کی فلاح و بہبود اور ترقی اور ان کی مصائب و مشکلات سے رہائی کے لئے دُعا کی ۔ دُعا کے بعد جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا ۔

{ رپورٹ : مولوی شفقت رسول
تلخیص : عبدالرؤف کھوکھر }

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب بھکسی (ملتان)

ایک قادیانی دوست کے اعتراضات

قادیانی جماعت کے سب بزرگ تاریخِ احمدیت سے واقف ہیں۔ حضرت صاحب نے ۱۸۸۲ء میں کہا:۔

"مجھے علم دیا گیا ہے کہ میں مجدد ہوں"۔

پھر سن ۱۸۹۰ء میں کہا کہ:۔

"مسیح ابنِ مریم فوت ہو چکا ہے۔ آنے والا مسیح موعود اسی اُمت کا ایک مجدد ہوگا اور وہ میں ہوں۔"

اور پھر کہا کہ "مسیح موعود ہی مہدی ہوگا۔ اس لئے میں ہی مہدی ہوں"۔

حضرت صاحب ۲۶ مئی سن ۱۹۰۸ء اور مولانا نورالدین صاحبؓ ۱۳ مارچ سن ۱۹۱۴ء کو فوت ہوئے۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں مندرجہ بالا تین دعوے ہی کئے ہیں۔ اور ایسا کوئی اعلان موجود نہیں کہ ان کے علاوہ بھی میرا کوئی دعوٰے ہے۔ ان کے بعد نہ ہی مولوی نورالدین صاحب نے ایسا کوئی ذکر کیا۔ اور نہ ہی کسی اور شخص نے جماعت میں ایسا کوئی ذکر کیا کہ حضرت نے نبوت کا دعوٰے کیا۔

میاں محمود احمد صاحب جماعت کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے مولوی نورالدینؓ کی وفات کے بعد کہا کہ:۔

"سن ۱۹۰۱ء میں حضرت صاحب نے اپنے دعوٰے میں تبدیلی کر لی تھی۔ اور تعریفِ نبوت بدل لی تھی۔"

کیا قادیانی جماعت ایسی کسی تحریر کی نشاندہی کر سکتی ہے کہ حضرت صاحب نے سن ۱۹۰۱ء میں دعوٰے نبوت کر کے اپنی سن ۱۹۰۱ء سے پہلے کی انکارِ نبوت کی تحریریں منسوخ کر دی تھیں۔ اگر وہ ایسا کوئی اعلان حضرت صاحب کی طرف سے نہ دکھلا سکیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ تقریباً ان کی وفات کے بعد میاں صاحب کا ایسا اعلان کرنا ایسی ہی زیادتی ہے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی طرف خدائی کا دعوٰی منسوب کر دیا تھا۔ اگر قادیانی حضرات عیسائیوں کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف ان کے خدا بنانے میں غلط راستہ پر سمجھتے ہیں۔ تو یقیناً وہی غلط راستہ حضرت کی وفات کے بعد قادیانی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور یہی وہ فتنہ ہے جو حضرت صاحب نے اپنے ایک کشف میں بیان کیا ہے۔ اس کی تصدیق کے طور پر نواب صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۴۲۔ ۴۴۳ کا حوالہ دیا ہے۔ احادیث میں لکھا ہے:۔

"کہ امام مہدی کی وفات کے بعد ایک خلیفہ ہوگا۔ اور جب وہ فوت ہوگا تو قرآن کریم لوگوں کے دل سے اُٹھ جاوے گا۔ اور لوگ فتنہ میں پڑ جاویں گے۔ اس کے بعد اس کے اہلِ بیت میں سے ایک آدمی کو خلیفہ بنائیں گے۔ **جس کا شر خیر سے زیادہ ہوگا۔** اس کے خلاف ایک شخص خروج کرے گا۔ جس کا لقب منصور ہوگا۔"

"اور اس کے لشکر یعنی جماعت کا سردار ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جاوے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اگرچہ منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں۔ بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی۔ کہ اس حارث کو دی جاوے گی۔ جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو آدمی بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔ تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا۔ اور اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب میں نے دوسرے شخص کی طرف رُخ کیا وہ چھت کے قریب آسمان کی طرف تھا۔ اس سے میں نے مخاطب کر کے کہا مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری بات سُن کر بولا۔ ایک لاکھ نہیں پانچ ہزار سپاہی دیا جاویگا۔ تعالےٰ کی کسی حکمتِ خفیہ نے میری نظر اس کو پہنچانے سے قاصر رہی لیکن اُمید رکھتا ہوں کسی دوسرے وقت دکھایا جاوے گا۔"

(ازالہ اوہام ۔ صفحہ ۹۵ ۔ ۹۶) (تذکرہ صفحہ ۱۸۱۔۱۸۲)

دنیا میں کوئی شخص بھی جو مندرجہ بالا احادیث اور حضرت صاحب کے کشف کو احمدیت کی تاریخ میں پڑھے گا۔ اور قادیان میں جو کچھ مولانا نورالدینؓ کی وفات کے بعد ہوا اس کو جانتا ہوگا تو اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ حضرت مرزا صاحب امام مہدی۔ ان کی وفات کے بعد مولوی نورالدین جانشین اوّل اور ان کی وفات کے بعد فتنہ پڑ گیا۔ لوگوں نے میاں محمود احمد صاحب کو خلیفہ بنا لیا جو زمین پر تھے اور اس خلیفہ کا شر خیر سے زیادہ تھا۔ اور مولانا محمد علی نے بحیثیت منصور ان کے خلاف خروج کیا جو چھت کی طرف آسمان پر تھے جنہوں نے حضرت صاحب کو پانچ ہزار روحانی فوج دی۔ جبکہ میاں محمود احمد صاحب نے انکار کر دیا۔ اب آپ ہی بتائیں کونسی جماعت حضرت صاحب کی شاخ ہے۔

اب آخر میں ایک ایسے شخص کی گواہی ہے جو مارچ ۱۹۱۳ء میں بغرض مذہبی معلومات حاصل کرنے قادیان گیا تھا۔ اس کا نام محمد اسلم اور رہنے والا امرتسر کا تھا۔ دو دن قادیان [illegible] اس نے اپنی [illegible] کا اظہار کیا۔ [illegible] اخبار [illegible] ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ پر چھپا تھا اور وہ احمدی نہ تھا:۔

"مولانا نورالدین اور قادیان کے متعلق رائے۔" "جہاں تک میں نے دو دن ان کی مجالس وعظ اور درس قرآن شریف میں رہ کر ان کے کام کے متعلق غور کیا۔ مجھے وہ نہایت پاکیزہ اور خالصۃً للہ اصول پر پایا۔ مولوی صاحب کا طرزِ عمل ریا اور منافقت سے پاک ہے اور ان کے آئینہ دل میں صداقت اسلام کا ایک زبردست جوش ہے۔۔۔۔۔ اگر حقیقی اسلام قرآن کریم ہے تو قرآن کریم کی صادقانہ محبت جیسی مولوی صاحب میں میں نے دیکھی اور کسی میں نہیں دیکھی۔ یہ نہیں کہ وہ تقلیداً ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بلکہ وہ ایک زبردست فیلسوف انسان ہے۔ اور نہایت زبردست فلسفیانہ تنقید کے ذریعہ قرآن کریم کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ ایک اسّی سالہ بوڑھا صبح سے شام تک لگاتار کام کرتا ہے۔ مولوی صاحب کے تمام حرکات و سکنات میں صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی سادگی اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے ــــــ پیر پرستی کی لعنت مولانا نورالدین کی مجالس میں کسی جگہ نہیں تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاں ایک بات کسی حد تک پیر پرستی کی آئندہ قادیان میں قائم ہونے کے متعلق مجھے نظر آئی۔ وہ الحکم کے ایڈیٹر کا مطبوعہ اشتہار تھا۔ جو قادیان میں بہت جگہ چسپاں پایا گیا۔ جو صاحبزادہ محمود احمد صاحب کے سفرِ حج سے بخیریت واپس آنے کی مبارکباد کے لئے شائع کیا گیا جس کا مفہوم سیاق عبارت سے پیر پرستی کے خط و خال نمایاں کر رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ کیوں ایسے اشتہار کی اشاعت اس حد تک جائز رکھی گئی۔ کہ وہ

بہت دنوں سے خُدا پرست قادیان کی دیواروں سے چمٹا

ہُوا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کو دیکھ کر مجھے خوف پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں یہ پیر پرستی کی خاموش چنگاری بڑھتے بڑھتے سارے

قادیان کو بھسم نہ کر ڈالے۔ جو غالباً مولوی نورالدین صاحب کے اس دنیا سے رحلت فرمانیکے انتظار میں ہے۔"

محمد اسلم امرتسری ۱۳ / مارچ ۱۹۱۳ء کو قادیان دیکھنے آئے تھے۔ ٹھیک ایک سال بعد ۱۳ / مارچ ۱۹۱۴ء کو مولوی نورالدینؓ صاحب کی وفات ہوئی اور چودہ مارچ ۱۹۱۴ء کو قادیان میں جس پیر پرستی کی چنگاری کی نشاندہی کی گئی تھی اس نے بھسم کر ڈالا اور بقول مولانا محمد احسن صاحب مرحوم جن کی ذات والاصفات سے جماعتِ احمدیہ کا ہر فرد بخوبی واقف ہے۔ جن کو جنابِ الٰہی میں قبولیت کا شرف حاصل ہوا اور حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا ؎

از برائش محمد احسن را
تارکِ روزگار مے بینم

"میں ڈرتا ہوں کہ اپنے سامنے حضرت کے خلاف عقائد کی تعلیم دیکھ کر خاموش رہوں جس میں اسلام کے اندر ایک فتنۂ عظیم پیدا ہوتا ہے ....
میں اعلان کرتا ہوں کہ صاحبزادہ بشیرالدین محمود احمد صاحب بوجہ اپنے عقائد فاسدہ پر مصر ہونے کے میرے نزدیک اب اس بات کے اہل نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کے خلیفہ یا امیر ہوں۔ اور اس لئے میں اس خلافت سے جو محض ارادی ہے سیاسی نہیں صاحبزادہ صاحب کا عزل کر کر عنداللہ وعندالناس اس ذمہ داری سے بری ہوتا ہوں جو میرے سر پر تھی .... ایسے عقائد اسلام میں موجب ایک خطرناک فتنہ کے ہیں۔ جس کو دور کرنے کے لئے کھڑا ہو جانا ہر ایک احمدی کا فرض اولین ہے .... میں یہ بھی اپنے احباب کو اطلاع دیتا ہوں کہ ان عقائد کے باطل ہونے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقرر کردہ معتمدین کی بھی کثرت رائے ہے۔ یعنی [illegible] بارہ ممبر [illegible] کے مقرر کردہ زندہ ہیں۔ ان میں سے سات ممبر علی الاعلان ان عقائد سے [illegible] کا اظہار کر چکے ہیں اور باقی پانچ میں سے بھی اغلب ہے کہ ایک [illegible] جب ان عقائد میں صاحبزادہ کے ساتھ شامل نہیں۔"

قادیانی حضرات کی اطلاع کے لئے یہ بھی عرض ہے [illegible] مولوی محمد احسن صاحب نے اس وقت کیا جب ان کو مباحثہ رام پور [illegible] کہا گیا:

"مباحثہ رامپور سے تو محمد علی کی تائید ہوتی [illegible] اقبال کو رفع فرماویں اور اپنے عقیدہ میں تغیر۔ اور [illegible] تحریر تا کہ لوگوں کے وہم دور ہو کہ [illegible] احسن [illegible] کا کچھ [illegible] ہے۔"

حضرت صاحب کی شارح [illegible] عقائد کو ابتداً ہی عقائد میں [illegible] پر ان کی بنائی ہوئی مجلس معتمدین [illegible] مولوی نورالدینؒ کی وفات کے بعد مجلس معتمدین کے سات ممبر قائم رہے [illegible] زندہ ممبران میں سے سات۔) حضرت صاحب کے عقائد نبوت کا دعویٰ نہیں [illegible] دعویٰ ہے۔ جو خدا کے حکم سے کیا گیا ہے۔ (۲) میرے نہ ماننے سے کوئی کا[illegible] نہیں ہو جاتا۔

آخر میں عرض ہے کہ حضرت صاحب کی وفات کے فوراً بعد اگر میاں صاحب کو ان عقائد کا اعلان کرنا کچھ مناسب نہ تھا۔ ایک [illegible] کی وفات کے چھ سال بعد ان کی تحریروں کے خلاف کوئی اعلان اس کی طرف منسوب کرنا۔ اس کی تحریروں کو منسوخ کرنا کسی ایماندار آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ میاں صاحب نے جس مقصد کے لئے یہ سب کچھ کیا وہ ان کو حاصل ہو کر اب پختہ ہو چکا ہے۔ یعنی گدی قائم کر کے خاندانی خلافت جاری کرنا۔ اب اگر عقائد حضرت صاحب کے مطابق اختیار کر لئے جاویں تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے اور اس سے فتنہ ختم ہو سکتا ہے۔

اِصلاحِ معاشرہ کس طرح ہو؟

(بسلسلہ صفحہ ۸)

بہتر رنگ میں اصلاح ہو سکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں مسلمانوں کو مخاطب کر کے:

"لا تحاسدوا۔ اے مسلمانو کبھی کسی پر حسد نہ کرنا۔ حسد کرنے والے کی نیکیاں اس طرح جل جاتی ہیں جس طرح آگ لکڑی کو راکھ کر دیتی ہے۔ ولا تنابذوا۔ کبھی کسی بھائی کے ساتھ بدخلقی سے پیش نہ آؤ۔ دل میں کینہ نہ رکھو۔ ولا تباغضوا۔ اور کبھی کسی سے دشمنی نہ رکھو۔ کسی کی بربادی یا نقصان کا نہ سوچو۔ ولا تدابروا کبھی کسی سے بائیکاٹ نہ کرو۔ اور اس کی خوشی و غمی میں برابر کے شریک رہو۔ اور کبھی اس سے عدم ہمدردی کا سلوک نہ کرو۔ ولا یبیع بعضکم علیٰ بیع بعض۔ کبھی دوسرے کے سودے پر کچھ رقم بڑھا کر نیا سودا نہ کرو۔ اپنے نفع کی خاطر دوسروں کو محروم نہ کرو۔ کونوا عباد اللہ اخواناً تم سب بھائیوں کی طرح ہو جاؤ۔ المسلم اخو المسلم ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ لا یظلمہ۔ وہ کسی کا حق نہ دبائے۔ زیادتی نہ کرے۔ ولا یحقرہ۔ اس کو اپنے سے کمتر اور حقیر نہ جانے۔ ولا یخذلہ اور کبھی اس کو بھلائی سے محروم نہ کرے۔ اور اگر اس کو تیری مدد کی ضرورت پڑے تو ضرور اس کی مدد کرو۔

کل المسلم علی المسلم حرامٌ دمہ وما لہ وعرضہ۔ ہر مسلمان پر لازم اور فرض ہے کہ دوسرے مسلمان کی جان کی حفاظت کرنا۔ اس کے مال کی حفاظت کرنا اور اس کی عزت کی حفاظت کرنا۔ یہ ایک فریضہ ہے" (مسلم)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج پاکستان کی موجودہ بے قراری میں اصلاح معاشرہ کس طرح ہو؟ اگر ان پاک ارشادات پر ہم سب عمل کرنے کا پختہ عزم کر لیں تو کل ہی ہماری صبح طلوع ہو جائے۔ اے خدا آپ ہم سب کو ان صفات (خواہ ہم کسی شعبہ و مقام پر کام کر رہے ہیں) پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخش۔ آمین۔

موجودہ زمانہ کے مذہبی مسائل ...... (بقیہ صک)

میرے پر کھول دیا ہے یہ ہے کہ مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کا قرآن شریف میں تو کہیں ذکر نہیں۔ قرآن شریف تو ہمیشہ کے لئے اس کو دنیا سے رخصت کرتا ہے، البتہ بعض حدیثوں میں جو استعارات سے پر ہیں مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کے لئے بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے۔ سو حدیثوں کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ اس جگہ درحقیقت مسیح ابنِ مریم کا ہی دوبارہ دنیا میں آجانا ہرگز مراد نہیں۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۳۷)

آپ نے اسی نظریہ کی تائید میں نصرت قرآن کریم اور صحفِ قدیم (اناجیل، تاریخ، احادیث اور اقوالِ آئمہ کو بطور شہادت پیش کیا بلکہ اس امر کا بھی انکشاف کیا کہ مسیح ابنِ مریم کے نزول کی جو پیشگوئی ہے، اس سے مراد اس اُمت کا کوئی فرد ہو سکتا ہے جو حضرت مسیح ناصری سے شدید مشابہت رکھنے کی وجہ سے احادیث میں اُسے مسیح کے نام سے پکارا گیا ہے۔ آپ نے یہ فرد اپنے آپ کو قرار دے کر اس امر کا بھی انکشاف کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہدی کوئی الگ شخصیت نہیں بلکہ اُمت کے ایک ہی کامل شخص کو دو مختلف حیثیتوں سے یہ دو نام دیئے گئے ہیں۔ عیسائیت یعنی صلیبی مذہب کی طاقت کو پاش پاش کرنے اور اسلام کی برتری ثابت کرنے کی وجہ سے احادیث میں اسے مسیح کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور مسلمانوں کی اعتقادی اور عملی اصلاح کی وجہ سے مہدی کے نام سے پکارا گیا ہے۔

از محترم علامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری دامت برکاتہٗ

آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دُنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اسی مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دُعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے رُوح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔"

لوگوں

سلسلہ کا انتظام چلانے اور اس کو ترقی دینے کی راہ بتلانے کے بعد اب تمام دوسرے کو جو جماعت احمدیہ میں داخل نہ ہوئے تھے جماعت میں داخل کرنے کے لئے کیا طریق اختیار کرنا چاہئیے۔ اس کے متعلق بتلایا کہ انجمن کی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے جو لوگ حق کو قبول کرتے ہوئے سلسلہ میں داخل ہونا چاہیں تو ان کے لئے داخل ہونے کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر جماعت کے کسی ایک نیک اور راستباز اور خُدا رسیدہ انسان کو اس قابل سمجھیں کہ اس کے ہاتھ پر میرے نام پر بیعت کر کے اس سلسلہ میں داخل ہو جائیں تو جائیں اور اگر کوئی ایسا زمانہ آجائے کہ جماعت میں داخل ہونے والے لوگوں کو ایسا ایک آدمی نظر آئے جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے متفق ہو جائیں تو پھر انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی پسند کے آدمی کے ہاتھ پر میرے نام پر سلسلہ میں داخل ہو جائیں۔ بشرطیکہ وہ آدمی ایسا ہو جس پر کم از کم چالیس مؤمن متفق ہو جائیں جماعت میں داخل ہونے کے لئے تو اس طریق کو اختیار کیا جائے لیکن سلسلہ کی خدمت کے لئے باقی تمام امور میں انجمن کی اطاعت کی جائے۔ اسی اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد تمام جماعت نے حضرت مولوی نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وجود میں ایسا انسان پالیا جس پر بیعت کرنے کے لئے سب متفق ہو سکتے تھے اور سب متفق ہو گئے سوائے شاذ و نادر کے اور یہ شاذ و نادر الگ ہی رہے کیونکہ کوئی دوسرا آدمی انہیں ایسا نظر نہ آیا جس پر چالیس مؤمن بھی متفق ہو سکیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی ایک اور وصیّت

اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے جماعت کو یہ بھی ہدایت کی

سلہ ایسے لوگوں کا انتخاب مومنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا۔ پس جس شخص کی نسبت چالیس مؤمن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا۔ اور چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں دوسروں کے لئے نمونہ بناوے۔

خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریّت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا اور اس کے ذریعہ سے حق ترقی کرے گا اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کریں گے سو ان دنوں کے منتظر رہو اور تمہیں یاد رہے کہ ہر ایک کی شناخت اس کے وقت میں ہوتی ہے اور قبل از وقت ممکن ہے کہ وہ معمولی انسان دکھائی دے یا بعض دھوکہ دینے والے خیالات کی وجہ سے قابلِ اعتراض ٹھہرے جیسا کہ قبل از وقت ایک کامل انسان بننے والا بھی پیٹ میں صرف ایک نطفہ یا علقہ ہوتا ہے۔ منہ

ہے کہ جب تک کوئی شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے رُوح القدس پا کر کھڑا نہ ہو اس وقت تک تمام جماعت مل کر کام کرے۔

مصری صاحب اور ان کے ہمنوا حضورؑ کے مندرجہ بالا الفاظ پر غور کریں اور بتلائیں کہ وہ شخص جو خدا کی وحی سے مخصوص کیا جائے گا وہ مجدّد نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ حضورؑ کے یہ الفاظ کہاں تک آپ لوگوں کے نظریہ کی تائید کر رہے ہیں۔ آپ کا نظریہ تو یہ ہے کہ اب قیامت تک خلیفے ہی منتخب ہوتے رہیں گے کسی مجدّد کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ خلفاء جو منتخب ہوں گے بذریعہ وحی تو کھڑے نہیں کئے جائیں گے۔ کیا میاں محمود احمد صاحب یا میاں ناصر احمد صاحب وحی الٰہی کے ذریعہ خلافت کی کرسی پر متمکن ہوئے ہیں۔

ہر ایک احمدی جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی وحی الٰہی کے ذریعہ حضرت صاحب کا جانشین نہیں بنا تھا۔ باقی رہے حضرت مولوی نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو ان کے ساتھ دوسرے رنگ کی رُوح القدس کی تائید حاصل ہوئی تھی یعنی شاذ و نادر کے سوا ساری کی ساری جماعت ان کو جانشین تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گئی تھی، اور تائید سے بھی میاں محمود احمد صاحب اور میاں ناصر احمد صاحب محروم رہے۔ نہ ان کو براہ راست رُوح القدس کی تائید حاصل ہوئی اور نہ بالواسطہ حاصل ہوئی۔ باقی رہا ذریّت کا لفظ تو یہ دونوں قسم کی اولاد پر بولا جاتا ہے صلبی اولاد پر بھی اور رُوحانی اولاد پر بھی۔ جیسا کہ جماعت احمدیہ کے افراد کو الہام الٰہی میں بنی اسرائیل کے لقب سے پکارا گیا ہے۔

پس اگر کوئی ایسا شخص حضرت اقدسؑ کی صلبی اولاد سے پیدا ہو جائے اور وہ حضورؑ کی روحانیت کا بھی وارث ہو تو وہ بھی ذریّت کے لفظ کا مصداق ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خالص روحانی اولاد میں سے پیدا ہو تو وہ بھی ذریّت کے لفظ کا مصداق ہو سکتا ہے۔ اور یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے الفاظ میں ذریّت کا کونسا مفہوم رکھا گیا ہے جیسا کہ حضرت نوحؑ کو بشارت ملی تھی کہ ان کا بیٹا عذاب الٰہی کا نشانہ نہیں بنے گا۔ اور اس تباہی سے محفوظ رہے گا جو ساری قوم پر آنے والی تھی۔

حضرت نوحؑ نے بیٹے کے الہامی لفظ سے صلبی بیٹا سمجھا تھا لیکن اللہ تعالےٰ کے مدِنظر خالص رُوحانی بیٹا تھا جس کا صلبی ہونے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ جب حضرت نوحؑ نے اللہ تعالےٰ سے اپنے الہام کی تشریح چاہی تو خدا تعالےٰ نے بتلایا یہ تیرا بیٹا تیرے اہل سے نہیں تھا کیونکہ وہ مجسّم بدعملی تھا۔ اس واقعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ حضورؑ کے الہام میں ذریّت سے مراد صلبی اور روحانی دونوں کا مجموعہ ہو یا خالص روحانی بیٹا مدِنظر رکھا گیا ہو۔ یہ تو واقعات ہی بتلائیں گے کہ دونوں میں سے کونسا مفہوم خدا تعالےٰ کے مدِنظر تھا۔ باقی جو اس کے بعد حضورؑ نے فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ حق ترقی کرے گا حضورؑ کے ان الفاظ میں حق سے مراد وہی حق ہو سکتا ہے جو اسلامی شریعت اور حضورؑ کی تحریروں کے مطابق ہو۔

اب واقعات تو ہمیں یہ بتلا رہے ہیں کہ میاں محمود احمد صاحب جس حق کو لے کر کھڑے ہوئے اس کو نہ تو شریعت اسلامیہ کی تائید حاصل تھی اور نہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریریں اور حضورؑ کے الہامات اس کی تائید کر رہے ہیں بلکہ ان دونوں اُمور کی خلاف ورزی کی وجہ سے وہ حق جو غلطی سے حق سمجھا گیا ہے کھُلی کھُلی گمراہی کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے

اور حضرت نبی کریم صلعم کے ختم نبوّت کی عمارت کو گرانے کا موجب بن رہا ہے اور قرآن کریم کی اس صریح ہدایت کو کہ نبی اور رسُول صرف خُدا ہی بناتا ہے ان کے بننے میں کسی انسان کی پیروی کا دخل نہیں ہوتا پس پشت ڈال رہا ہے۔ اور یہ جو حضور نے فرمایا کہ بہت سے لوگ سچائی کو قبول کریں گے۔ میاں محمود احمد صاحب کے ذریعہ جن لوگوں نے ان کی بیعت کی انہوں نے تو جیسا کہ حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے۔ سچائی کی بجائے غلط عقائد کو قبول کیا اور انہی غلط عقائد کو دُنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

اگر مقرر صاحب! اور ان کے ہمنوا کے اندر جرأت ہے تو وہ اس موضوع پر تبادلۂ خیالات کر لیں۔ شرائط طے کر کے اس تبادلۂ خیالات کو شروع کر دیا جائے۔ پھر اس تبادلۂ خیالات کو طبع کروا کر دونوں جماعتوں میں تقسیم کر دیا جائے تا اصل حقیقت اور سچائی دونوں جماعتوں کے منصف مزاج لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ حضرت نبی کریم صلعم کی بعض احادیث بھی جناب میاں محمود احمد صاحب کے خیالات کی غلطی کی وضاحت کر رہی ہیں اور اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کا ایک کشف بھی ان کے خیالات کی غلطی پر روشنی ڈال رہا ہے۔

"پس ابوالشیخ از ابوہریرہ مرفوعاً روایت کردہ کہ ینزل عیسیٰ بن مریم فیقتل الدجال و یمکث اربعین عاماً یعمل فیھم کتاب اللہ و سنتی و یموت فیستخلفون بامر عیسیٰ رجلاً من بنی تمیم یقال له المقعد فاذا مات المقعد لم یات علی الناس ثلث سنین حتی یرفع القرآن من صدور الرجال۔ یعنی بعد موت عیسیٰ مقعد خلیفہ شود و سہ سال بر موت او نہ گذرد کہ قرآن از سینہ ہائے مردم بعد از دے مردی را از اہل بیت او والی کنند در وی خیر و شر ہر دو باشد و شر او بیشتر از خیر اوست خشم گیرد بر مردم و بخواند ایشاں را بسوئے فرقت بعد جماعت۔"

(حجج الکرامہ۔ ص ۴۴۲)

ان دونوں حدیثوں کے متعلق میں نے تفصیل سے بحث کی ہوئی ہے۔ مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ مسیح موعود کی وفات پر جس شخص کو خلیفہ منتخب کیا جائے گا روایت بتلاتی ہے کہ وہ نہایت ہی نیک اور پاک طبع شخص ہوگا جماعت کے اندر قرآن کریم کا عشق پیدا کرے گا۔ اس کی وفات کے بعد جس شخص کو جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کا موجب بن جائے گا سخت غصیلی طبیعت کا مالک ہوگا۔ اس کے اندر شر اور خیر دونوں ہوں گے۔ لیکن اس کا شر اس کے خیر پر غالب ہوگا۔ یہ اوصاف جن کے اندر پائے جاتے تھے، احباب کرام خود غور کر لیں۔ ایک بڑی علامت اس کی یہ ہوگی کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان میں سے ہوگا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا کشف

"اب اوّل ہم ابوداؤد کی حدیث کو اس کے اصل الفاظ میں بیان کر کے پھر جس قدر مناسب اور کافی ہو اپنی نسبت اس کا ثبوت پیش کریں گے۔ سو واضح ہو کہ حدیث یہ ہے

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یخرج رجل من وراء النھر یقال له الحارث حراث علی مقدمته رجل یقال له منصور یوطن او یمکن لال محمد کما سکنت قریش لرسول اللہ صلعم وجب علی کل مؤمن نصرہ او قال اجابته۔ یعنی روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص پیچھے نہر کے سے نکلے گا یعنی بخارا یا سمرقند اس کا اصل وطن ہوگا اور وہ حارث کے نام سے پکارا جاوے گا یعنی باعتبار اپنے آباؤ اجداد کے پیشہ کے افواہ عام میں یا اس گورنمنٹ کی نظر میں حارث یعنی ایک زمیندار کہلائے گا۔ پھر آگے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیوں حارث کہلائے گا اس وجہ سے کہ وہ حراث ہوگا یعنے ممیز زمینداروں میں سے ہوگا اور کھیتی کرنے والوں میں سے ایک معزز خاندان کا آدمی شمار کیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ اس کے لشکر یعنی جماعت کا سردار سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جاوے گا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اس جگہ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک رُوحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دی جائے گی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چُپ رہا اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا تب میں نے اس دوسرے کی طرف رُخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اور اسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری اس بات کو سُن کر بولا ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خُدا تعالےٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ۔ پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا کہ خوشحال ہے مگر خدائے تعالےٰ کی کسی حکمتِ خفیہ نے میری نظر کو اسکے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن اُمید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے۔" (ازالہ اوہام حاشیہ۔ صفحہ ۹۵-۹۹)

جیسا کہ حضورؑ کو مولوی محمد علی صاحبؒ کئی مرتبہ کشف میں دکھلائے گئے اور حضورؑ نے اپنی کتابوں وغیرہ میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ کشف کھلے طور پر ہمارے امیر مرحوم کی نشاندہی کر رہا ہے کہ دوسرا شخص تو حضورؑ کا لڑکا ہی تھا اس کو تو حضورؑ پہچان ہی سکتے تھے اور پہچان ہی رہے تھے کیونکہ جماعت کے دو سربراہ وہی قرار پائے تھے۔ حضرت امیر مرحوم کے اسلام کی خدمت کے دلی ارادوں کو ہر ایک شخص نے عملاً دیکھ لیا تھا اور ان کی خدمتِ اسلام کے متعلق جو خوشحال زندگی تھی وہ بھی اظہر من الشمس رہی ہے۔

اَب ان واضح حقائق کی موجودگی میں ان کی ذات سے دشمنی کرنے والا اپنی عاقبت کی فکر کرے۔ اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو راہِ ہدایت پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اعتذار

۲۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء کا پیغامِ صلح جلسہ سالانہ کی مصروفیات کے باعث شائع نہیں ہو سکا۔ احباب کرام سے ہم معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ـــــــ مؤرخہ ۳ر جنوری ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــــ شمارہ نمبر ۱

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ پیغام صلح

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین

میرا پیغام دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے ...
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

• تار کا پتہ
• تبلیغ لاہور

پاک و ہند سے: ——— پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے: ——— ایک پونڈ
(علاوہ محصولڈاک)

فون نمبر ۵۳۷۷۷

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۱۰ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۷۹ء | نمبر ۲

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہار دھم علیہ السلام

حضرت مسیح موعودؑ کی حضرت عیسیٰؑ کے باباپ ہونے کے عقیدہ پر ایک کھلی تحریر

"قرآن کریم عیسائیوں کے ایسے دعاوی کو جن سے حضرت عیسیٰؑ کی خدائی ثابت ہوتی ہے رد کرتا ہے"

"قرآن شریف نے حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ پیدا ہونا (جس سے ان کی خدائی پر دلیل پیش کی جاتی تھی۔) یہ کہکر رد کیا کہ انّ مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم خلقہٗ من تراب ثمّ قال لہٗ کن فیکون"۔

> حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ ہونے کے عقیدہ میں مسلمانوں میں اختلاف چلا آیا ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے متعلق بھی آج تک آپ کی جماعت میں یہ خیال رہا کہ بانیٔ سلسلہ حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ ہونے کے عقیدہ کے قائل ہیں۔ لیکن ہمارے ایک کرم فرمانے ہماری توجہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۴۱ کی طرف منعطف کرائی ہے کہ ——— بانیٔ سلسلہ بھی باباپ عقیدہ کو مطابق قرآن مانتے تھے۔ چنانچہ احباب کی ضیافت طبع کی خاطر یہ تحریر درج کی جاتی ہے۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

"ہمارے مخالفوں کا یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے محفوظ رہ کر آسمان پر مع جسم عنصری چڑھ گئے یہ ایسا اعتقاد ہے جس سے قرآن شریف سخت اعتراض کا نشانہ ٹھہرتا ہے کیونکہ قرآن شریف ہر ایک جگہ عیسائیوں کے ایسے دعاوی کو جن سے حضرت عیسےٰ کی خدائی ثابت کی جاتی ہے رد کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف سے حضرت عیسےٰؑ کا بغیر باپ پیدا ہونا (جس سے ان کی خدائی پر دلیل پیش کی جاتی تھی) یہ کہکر رد کیا کہ انّ مثل عیسےٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہٗ من تراب ثمّ قال لہٗ کن فیکون۔ پھر اگر حضرت عیسےٰؑ درحقیقت مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ گئے تھے اور پھر نازل ہونے والے ہیں تو یہ تو ان کی ایسی خصوصیت تھی کہ بے باپ ہونے سے زیادہ دھوکا میں ڈالتی تھی ——— پس جواب دو کہ کہاں قرآن شریف نے اس کی کوئی نظیر پیش کر کے اس کو رد کیا ہے کیا خدا تعالیٰ اس خصوصیت کے توڑنے سے عاجز رہا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۱)

رپورٹ: مولوی شفقت رسول خان
تلخیص: عبدالرؤف کھوکھر

جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مختصر روئداد

۲۷ر دسمبر - بروز بدھ

مردانہ اجلاس کی پہلی نشست کا آغاز زیر صدارت حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز صبح ۹½ بجے ہوا۔ محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبلغ جماعت پشاور نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ اور جناب عبدالسلام صاحب (سرحد) نے حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام "نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا" ترنم سے پڑھ کر سامعین کو محظوظ کیا۔

عزیز زاہد جنجوعہ سیکرٹری شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے حضرت مجددِ زمان، مہدیِ دوران کے ملفوظات پڑھ کر سنائے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ

"زندہ خدا وہی ہے جس کا پانا گناہ سے روکتا ہے .... محبوبِ حقیقی سے سچا تعلق پیدا کریں۔"

حضرت امیرِ قوم ایدہ اللہ تعالےٰ نے افتتاحی تقریر فرمائی جس میں آپ نے مقاصد جلسہ سالانہ، جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت، انجمن کی خدماتِ دینیہ، اور جماعت کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔ اور جلسہ کے بخیریت تمام منعقد ہونے کی دعا فرمائی۔

محترم مرزا مسعود بیگ صاحب نے ضرورت مذہب کے موضوع پر قرآن پاک کی آیت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا .... لا یعلمون کی تلاوت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ قرآن پاک میں کسی مقام پر مذہب کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ دین اور ملت کے الفاظ آئے ہیں۔

دین خدا اور بندے کے درمیان تعلق کا نام ہے۔ آپ نے بتایا کہ جس طرح انسانی جسم خوراک کا محتاج ہے، اسی طرح روح بھی روحانی غذا کی محتاج ہے جو اس کو دین مہیا کرتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کے مطابق انسان کی پیدائش کی غرض و غایت عبادتِ خداوندی ہے۔ خلقناکم ازواجاً کے تحت آپ نے فرمایا کہ انسان کی ترقی اور نشو و نما اپنے جوڑے کے بغیر ممکن نہیں اور انسان کا روحانی جوڑا اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔ اور جس طرح بارش سے زمین پر روئیدگی پیدا ہوتی ہے بالکل اسی طرح انسان کے خدا کے ساتھ جوڑ کے بغیر روحانی روئیدگی ممکن نہیں ہے۔ مکرم مرزا صاحب موصوف نے دین کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ کے حوالہ سے سامعین کو توجہ دلائی کہ خدا کے احکام کی برتری اور اس کی مخلوق سے شفقت ہی اصل دین ہے اور یہی اس کی غرض ہے اور اس دین کا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ ہیں۔

چونکہ حضور صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی دوسرے نبی و رسول اور اس کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ فاضل مقرر نے فرمایا کہ اس علم و سائنس کے زمانہ میں لوگوں نے وجودِ باری تعالےٰ کا انکار کیا ہے۔ اور وہ یہاں تک کہتے ہیں GOD IS DEAD یعنی خدا مر چکا ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ خدا تعالےٰ نے اس زمانہ میں ایک مامور حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کو مبعوث فرمایا۔ جس نے ببانگ دہل خدا کے وجود، اس کے حی و قیوم، سمیع و علیم اور عزیز و قدیر ہونے کے زندہ و تابندہ دلائل و ثبوت مہیا کئے، اور اپنی ذات کو ثبوت و مشاہدہ کے لئے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ دینِ اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے خدا ملتا ہے اور اس کی برکات و انوار کے لئے اتباع رسولِ خدا شرط ہے۔ نیز تحدی سے فرمایا کہ میرے پاس رہ کر اس مقام کو حاصل کر سکتے ہو۔

تعلق باللہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فاضل مقرر نے کہا۔ کہ جب تک بچہ روتا نہیں ماں بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع و زاری سے رجوع نہیں کرتا اور صبر و صلوٰۃ سے کام نہیں لیتا، اپنے خدا کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کر سکتا۔ صبر و صلوٰۃ ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔

آپ کے بعد جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب۔ امام لندن مشن نے "اسلام ہی ایک زندہ دین ہے" کے موضوع پر تقریر فرمائی اور بتایا کہ قرآن پاک میں دین کا لفظ کم و بیش چالیس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ پوری انسانی زندگی کے لئے ضابطہ کا نام دین ہے ان الدین عند اللہ الاسلام، کہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی ایک مقبول دین ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم کی رو سے دین کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ اور نوع انسان کے لئے یہی آخری دین ہے جو بنی نوع انسان کی دنیاوی اور اخروی کامیابی و کامرانی کے لئے ہے۔ دیگر مذاہب باطل اور سیدھے راستہ سے گمراہ کرنے والے ہیں۔ من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ۔ صرف اور صرف دینِ اسلام ہی ہے جو ازلی و ابدی ہے اور زندہ رہیگا اس کا خدا زندہ ہے، اس کا رسول زندہ ہے۔ اس کی کتاب زندہ ہے۔

فاضل مقرر نے کہا حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ۔

"خدا زندہ ہے وہ بات سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور یہ زندہ اسلام کا معجزہ ہے کہ خدا زندہ ہے سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور حضرت مامورِ وقت نے ہم میں جو بات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ تعلق باللہ ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں مزید فرمایا کہ یورپ میں گرجے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ باطل مذاہب پر موت طاری ہے اور یہ اسلام کی سچائی کا زندہ معجزہ ہے۔ لوگوں کا عملاً اسلام کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ یورپ میں اسلام کا مستقبل روشن ہے اور محبِ اسلام قوتوں کو مغرب کی دنیا میں اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کی مساعی تیز تر کر دینا چاہئیں۔ یہ کام صرف حضرت امام زمانؑ کی جماعت ہی کر سکتی ہے۔ اور یہی اس کے لائق ہے اور یہی اس کا حق بھی رکھتی ہے۔

آپ کے بعد محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن نے "احمدیت اسلام کی صحیح تصویر ہے" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام احمدیت ہے اور احمدیت اسلام ہے۔ احمدیت نے حقیقی اسلام کی صحیح تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اسلام کے عالمگیر اور قابلِ عمل دین ہونے کو ترقی یافتہ اقوام پر ثابت کر دکھایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ احمدیت کے اصول اسلام کے اصولوں سے متصادم نہیں ہیں۔

ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول مانتے ہیں۔ قرآن کریم کو آخری کتاب مانتے ہیں۔ ہم نے اسلام کے کسی رکن کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں سے کسی کا انکار نہیں کیا۔ اور حضرت بانیٔ سلسلہ نے کوئی نیا مذہب پیش نہیں کیا۔ ہم نے بھی ملک و ملت کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ تحریک قیام پاکستان کے باب میں ہماری خدمات روشن ہیں، ہم خدا کے فضل سے اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔

بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن، جس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا وہ محسن ہے یہ ہمارا ایمان ہے۔ جناب پروفیسر صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ محض خواہشات سے جنت نہیں ملتی، محض آرزوؤں سے

(باقی بر صفحہ ۲ کالم ملا)

مکرم مولانا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

کیا اب مجدّدین کا آنا بند ہو گیا ہے؟

حدیث مجدّد کا صریح انکار

((قسط سوم))

لفظ نبی کا استعمال مقرر صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن مقرر صاحب الحان کے ہمنوا لوگوں پر واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں اور مولانا نورالدینؓ کے زمانہ میں نبی کا لفظ حضور کی شان میں محض لغوی معنوں میں اور محض مجازی معنوں میں ہی استعمال ہوتا تھا۔ شرعی اصطلاح کی رو سے کبھی استعمال نہیں ہوا چنانچہ حضورؑ اپنی کتاب اربعین نمبر ۲ کے صفحہ نمبر ۱۸ پر اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

”یہ خدا کا رسول ہے نبیوں کے حُلّوں میں اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں جیسا کہ حدیث میں بھی مسیح موعودؑ کے لئے نبی کا لفظ آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو خدا بھیجتا ہے وہ اس کا فرستادہ ہی ہوتا ہے اور فرستادہ کو عربی میں رسول کہتے ہیں اور جو غیب کی خبر خدا سے پا کر دیوے اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں اسلامی اصطلاح کے معنے الگ ہیں اس جگہ محض لغوی معنے مراد ہیں۔“

حضورؑ کی اس عبارت سے واضح ہے کہ حضورؑ لفظ نبی اور رسول دو مختلف مفہوموں میں استعمال فرمایا کرتے تھے ایک استعارہ کے طور پر اور محض لغوی معنے میں اور دوسرے شرعی اصطلاح میں چنانچہ حضورؑ ایک احمدی کے سوال کے جواب میں اپنے ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء کے خط میں جو اخبار الحکم میں شائع ہوا ہے لکھتے ہیں:۔

”محبی عزیزی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا ہے۔ جیسا کہ یہ الہام ہوا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق اور جیسا کہ یہ الہام ہوا۔ جری اللہ فی حلل الانبیاء اور جیسا کہ یہ الہام ہوا۔ دنیا میں ایک نبی آیا۔ مگر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ ایسے ہی بہت سے الہام ہیں۔ جن میں اس عاجز کی نسبت نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے۔ جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا۔ اور نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہوتا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گذرتا ہے وہ ایک خطرناک حالت میں ہے۔ جس طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گذر جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے اور ہم محض دین اسلام کے خادم بن کر دنیا میں آئے ہیں۔ اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بنا دیں۔ ہمیشہ شیطان کی رہزنی سے اپنے تئیں بچانا چاہیئے اور اسلام سے محبت سچی رکھنی چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بھلانا نہیں چاہیئے۔ ہم خادم اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے۔ اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں اور نبوت یہ ہے کہ خدا سے علم پا کر پوشیدہ حقائق اور معارف کو بیان کرنا سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اس جگہ بھی یہی معنے نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے۔ اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ بالمقابل نہیں۔ اور جو شخص ہماری طرف اسکے خلاف منسوب کرے وہ ہم پر افتراء کرتا ہے۔ ہم اپنے نبی کریم کے ذریعہ فیض و برکات پاتے ہیں اور قرآن کے ذریعہ سے ہمیں فیض معارف ملتا ہے۔ سو مناسب ہے کہ کوئی شخص اس ہدایت کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے۔ ورنہ وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا جواب دہ ہو گا۔ اگر ہم اسلام کے خادم نہیں ہیں تو ہمارا سب کاروبار عبث اور مردود اور قابل مواخذہ ہے۔ زیادہ خیریت۔ والسلام مؤرخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء۔ نوٹ۔ ایک قرأت اس الہام میں یہ بھی ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ اور یہی قرأت براہین میں درج ہے اور فتنہ سے بچنے کے لئے یہ دوسری قرأت درج نہیں کی گئی۔“

حقیقی اور مجازی نبوت کا مفہوم حضورؑ اپنی کتاب سراج منیر صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں:۔

”جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ محدث بھی ایک مرسل ہوتا ہے۔ کیا قرأت وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث کی یاد نہیں رہی پھر یہ کیسی بیہودہ نکتہ چینی ہے کہ مرسل ہونے کا دعویٰ کیا ہے! اے نادانو! بھلا بتلاؤ کہ جو بھیجا گیا ہے اس کو عربی میں مرسل یا رسول ہی کہیں گے۔ یا اور کچھ کہیں گے۔ مگر یاد رکھو کہ خدا کے الہام میں اس جگہ حقیقی معنے مراد نہیں۔ جو صاحب شریعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ جو مامور کیا جاتا ہے وہ مرسل ہی ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اپنے اس بندہ پر نازل فرمایا اس میں اس بندہ کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں ولکل ان یصطلح۔ سو خدا کی یہ اصطلاح ہے جو اس نے ایسے لفظ استعمال کئے ہیں۔ ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی

نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رُو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے .... عرب لوگ تو اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسُول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں یہ حرام ہو گیا کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں پر بھی استدلال کرے۔ کیا قرآن میں سے فقالوا انا الیکم مرسلون بھی یاد نہیں رہا۔ انصافاً دیکھو کیا یہی تکفیر کی بناء ہے۔ اگر خدا کے حضور میں پوچھے جاؤ تو بتاؤ کہ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کونسی دلیل ہے۔ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسُول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالےٰ کی طرف سے بے شک ہیں۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں اور جیسے یہ محمول نہیں ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔ میرے پر کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوّت کے دروازے خاتم النبییّن صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد بکلی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کی رُو سے آسکتا ہے اور نہ کوئی قدیم نبی۔ مگر ہمارے ظالم مخالف ختم نبوّت کے دروازوں کو پُورے طور پر بند نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے نزدیک مسیح اسرائیلی نبی کے واپس آنے کے لئے ابھی ایک کھڑکی کھلی ہے۔ پس جب قرآن کے بعد بھی ایک حقیقی نبی آ گیا اور وحی نبوّت کا سلسلہ شروع ہوا تو کہو کہ ختم نبوّت کیونکر اور کیا ہوا۔ نبی کی وحی دحی نبوّت کہلائے گی یا کچھ اور۔"

آخری حوالہ } مندرجہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے کہ شرعی اصطلاح میں حقیقی نبی ہی نبی کہلا سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مجازی معنوں کی رُو سے نبی کا اطلاق جس پر ہوگا وہ زمرۂ انبیاء کا فرد نہیں کہلا سکتا۔ اس پر اپنی تمام کتابوں میں روشنی ڈالتے ہوئے آپ کتاب حقیقۃ الوحی میں جو ۱۹۰۷ء کی تصنیف ہے صاف فرماتے ہیں "میرا نام خدا نے مجازی طور پر نبی رکھا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر جس کے معنے صرف مکالمہ الٰہیہ کے ہیں۔ حقیقی نبی وہی ہوگا جو مکمل شریعت لائے یا جزوی طور پر شریعت میں ترمیم یا تنسیخ کر سکے یا براہ راست بغیر کسی نبی کی اتباع کے نبی بنایا گیا ہو۔

امتی نبی کا مفہوم } مقرر صاحب کہتے ہیں:۔
" اور اسی زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی اور محبت سے شریعت جدیدہ کے بغیر اُمتی نبی اور اُمتی رسُول ہیں جس کا آپ نے خصوصیت سے سنہ ۱۹۰۱ء سے بار بار اپنی کتابوں میں دعوےٰ فرمایا ہے جس کے مطابق سنہ ۱۹۱۴ء تک مولوی محمد علی صاحب بھی رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں آپ کو ہندوستان کا مقدس نبی مانتے رہے۔"

اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ مقرر صاحب نے ہمارے امیر مرحوم و مغفور مولانا مولوی محمد علی صاحب کے متعلق یہ تسلیم کر لیا ہے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کو ایک پہلو سے اُمتی نبی اور اُمتی رسُول مانتے رہے ہیں اس کے بعد مقرر صاحب کہتے ہیں کہ حضور نے خصوصیت سے سنہ ۱۹۰۱ء سے بار بار اپنی کتابوں میں اُمتی نبی اور اُمتی رسُول ہونے کا دعوےٰ کیا ہے مقرر صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضورؑ نے سنہ ۱۹۰۱ء سے نہیں بلکہ سنہ ۱۹۰۱ء سے قبل کی بھی تمام کتابوں میں ایک پہلو سے اُمتی اور ایک پہلو سے نبی ہونے کا بار بار دعوےٰ کیا ہے اور اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ یہ اصطلاح تو حضرت صاحب کی اپنی ہے اور لازماً اس کے وہی معنے ہوں گے جو خود حضورؑ اسکے فرمائیں گے اور لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت مولوی محمد علی صاحب یا اور دیگر بزرگوں نے اس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہوگا جو حضورؑ نے اسکے مقرر فرمائے ہیں کسی اور شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس اصطلاح کے کوئی اور معنے کرے جو حضورؑ کے مقرر کردہ معنے کے علاوہ ہوں۔ (جاری ہے)

خدا کا قرب اور اس کا فضل نہیں ملتا خدا تو عمل کو دیکھتا ہے۔ جو خدا کا بن جاتا ہے اس کو ہی وہاں پذیرائی ہوتی ہے، جو خدا سے تعلق رکھتے ہیں ان کو کوئی ڈر اور خوف نہیں ہوتا۔ دین ایک عشق ہے جس کا راستہ بڑا کٹھن اور مشکلات سے پُر ہے۔

صد ہزاراں آتشے تا آسماں + صد ہزاراں سیل خونخوار و دماں
صد ہزار فرسنگے تا کوئے یار + دشت پُر خار و بلائش صد ہزار

حضرت ابراھیم علیہ السلام عاشق خدا تھے۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو اس کی راہ میں قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں حضرت خاتم النبییّن صلعم کے غلام مرزا غلام احمد صاحب نے بھی جو اس صدی کے امام و مہدی ہیں مسلمانوں کے دلوں میں خدا و رسولؐ و قرآن سے محبت اور عشق پیدا کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کی محبت نبی اکرم صلعم کی اتباع سے مشروط ہے۔ چنانچہ آپ نے شعروں میں اس کا اظہار فرمایا ہے۔

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا + نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم + گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

جناب پروفیسر صاحب کی تقریر کے بعد اس روز کی پہلی نشست کا اختتام ہوا۔

اجلاس دوم زیر صدارت ڈاکٹر عبدالعزیز خان صاحب

آج کا دوسرا اجلاس، مسٹر سردیمان (انڈونیشیائی طالب علم) کی تلاوت قرآن کریم سے آج کی دوپہری۲ کی کاروائی کا آغاز ہوا۔

جناب مظہر الدین احمد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات پڑھ کر سُنائے۔ جس میں حضورؑ نے تقویٰ اختیار کرنے اور حصُول قرب الٰہی پر زور دیا ہے۔ ملفوظات کے بعد یورپ میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر محترم الحاج عبدالرحیم جگو صاحب نے تقریر کی۔ آپ نے آیت قرآنی یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (ال عمران۔ ۱۰۱) کی تلاوت کے بعد حاضرین جلسہ کو احباب جماعت ہالینڈ کا سلام پہنچایا اور کہا کہ ہالینڈ میں تقریباً تین لاکھ مسلمان بستے ہیں جن میں ترکی، مراکش، تیونس، پاکستان، بھارت اور سرینام کے لوگ شامل ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ہالینڈ میں آباد احمدی مسلمانوں کی تعداد دس ہزار ہے۔ اگرچہ وہاں بھی ہمیں مخالفت کا سامنا ہے اور ہمیشہ حق کی مخالفت ہوتی ہی ہے۔ مگر بالآخر حق غالب آجاتا ہے۔ ہم چونکہ اللہ کے فضل و کرم سے حق پر ہیں۔ اس لئے ہم اپنی تبلیغی مساعی کو بلا خوف و خطر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے پانچ جگہ جماعتیں تین سال کے عرصہ میں قائم کی گئی ہیں۔ لوگ آہستہ آہستہ احمدیت سے متاثر ہو رہے جا رہے ہیں۔ اب وقت آنے والا ہے کہ احمدیہ جماعت کے ہاتھوں ہی اسلام کی فتح ہوگی اور اس کے ذریعہ اسلام اکناف عالم میں پھیلے گا۔ آپ بفضلہ تعالےٰ ثابت قدم ہیں اور احمدیت کو لے کر ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہمارے لڑکے ہی نہیں بیٹیاں بھی مجاہد ہیں۔ وہ بڑے جذبہ و حوصلہ کے ساتھ خدمت دین اسلام کے کاموں میں مصروف ہیں۔ آپ نے بتایا کہ ٹرینیڈاڈ اور انڈونیشیا میں احمدیہ تحریک کی خدمات روشن ہیں۔ فیجی میں بھی ترقی ہو رہی ہے۔

محترم جگو صاحب کے بعد مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے "کیا حضرت مرزا صاحب نے بتدریج دعوےٰ نبوّت کیا؟" کے موضوع پر بڑے فاضلانہ اور محققانہ انداز میں تقریر شروع کی۔ آپ نے کہا کہ یہ الزام سراسر غلط ہے اور افتراء ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے دعوےٰ نبوّت کیا۔ مخالفین اہل ربوہ کی کُتب کا حوالہ دے کر حضرت صاحب پر اعتراض کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر مرحوم و مغفور مولانا مولوی ...

(باقی بر صفحہ ۳۵ کالم ۲)

محمد عبدالحق مجاہد صاحب امرتسری - گنج مغلپورہ لاہور

اسلام میں مُرتد کی سزا قتل نہیں

دیوبندی و اہل حدیث علماء کا اعتراف

چند دنوں سے اخبارات میں عقیدہ قتل مُرتد کے متعلق کہا اور لکھا جا رہا ہے۔ امروز ۵ دسمبر ۱۹۷۸ء میں اس عقیدے پر ایک مضمون لکھا گیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ قرآن پاک اس عقیدہ کی زبردست تردید کر رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس پر تفصیلی بحث کریں ذیل میں دیوبندی و اہلحدیث علماء کے مضامین کے چند اقتباسات درج کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث سے اس مسئلے کی زبردست تردید ہوتی ہیں۔

مولانا محمد حنیف ندوی کہتے ہیں

"قرآن کریم میں مجھے کوئی ایسی آیت نظر نہیں آتی جس میں محض ارتداد کی سزا قتل قرار دی گئی ہے اور مرتد کے ذہن میں بغاوت یا ریاست سے وفاداری ترک کرنا نہ ہو تو اس کی سزا قتل نہیں پھر یہودیت اور عیسائیت میں کوئی قانون ایسا نہیں جس میں ارتداد کی سزا قتل قرار دی گئی ہو اس طرح ہمارا "لاجک" (LOGIC) بھی غلط ہو جاتا ہے پھر اس سے اسلام میں داخل ہونے والوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور ہم "دین میں جبر نہیں" سے متصادم پالیسی پر چل نکلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مرتد کو صرف اسی صورت میں سزا دی جا سکتی ہے جب وہ محض ارتداد ہی نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ اور اسباب بھی ہوں مثلاً مابعد الطبیعات اعتقادات سے ارتداد کرنے والے شخص کی قرآن میں کوئی سزا نہیں۔ اگر کوئی شخص خدا، یوم آخرت یا اس نوع کے مابعد الطبیعات اعتقادات سے ارتداد کرتا ہے تو ہم اسے قرآن کی رُو سے قتل نہیں کر سکتے - البتہ بغاوت، فتنہ یا مقابلہ کی صورت میں مرتد کو قتل کیا جا سکتا ہے۔"

(اخبار نوائے وقت ۷/ جون ۱۹۷۳ء)

علّامہ علاؤالدین صدیقی فرماتے ہیں

"قرآن حکیم میں ارتداد کی سزا کسی بھی جگہ قتل بیان نہیں کی گئی۔ سورۃ البقرۃ - آل عمران اور سورۃ مائدۃ میں ارتداد کا ذکر ہے مگر اس کی سزا کہیں بھی قتل قرار نہیں دی گئی۔ سورۃ البقرۃ میں ہے (ترجمہ) "تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا اس کے اعمال دنیا و آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔" سورۃ مائدہ میں ارشادِ خداوندی ہے (ترجمہ) "اے ایمان والو اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا جو مومنوں میں نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے اللہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔" سورۃ آل عمران میں خداوند ارض و سماء نے آیت ۸۰ سے آگے اس مفہوم کی آیات نازل کی ہیں۔ رہا حدیث نبوی کا تعلق تو جن احادیث کی بناء پر فقہاء نے ارتداد کی سزا قتل قرار دی ہے۔ ان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محض ارتداد کو واجب القتل نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس کے ساتھ بغاوت - فتنہ - فساد - مقابلہ یا اسی نوع کے دیگر اسباب بھی پائے گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کی سزا ارتداد کی مفرد صورت میں نہیں مرکب صورت میں ہے فقہاء کے زمانے میں محض ارتداد ہوتا ہی نہیں تھا بلکہ یہ بغاوت بن جاتا تھا دین میں جبر نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ نہ دین میں کسی کو شامل کرنے اور نہ اس کے دین سے نکل جانے پر کوئی جبر واجب ہے۔"

(نوائے وقت ۷/ جون ۱۹۷۳ء)

مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث

مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث نے "کابل میں سنگساری" کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:-

"ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ صورت موجودہ میں سنگسار کرنے کا حکم نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ کتب حنفیہ میں نہ شافعیہ وغیرہ میں اگر اس کا نام سیاسی حکم رکھا جائے تو ہمیں اس سے بحث نہیں۔"

(اخبار اہل حدیث امرتسر ۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

اخبار احمدیہ

مکرم ... نصیر اللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی تحریر فرماتے ہیں:-

"جناب شیخ ظہور الحسن مرحوم کی وفات کی خبر ۱۲/ دسمبر ۱۹۷۸ء کے جلسہ تمہید میں اخبار احمدیہ کے تحت شائع ہو چکی ہے۔ مرحوم و مغفور کے مزید کوائف زندگی حسب ذیل ہیں:-

آپ فیض اللہ چک (نزد قادیان) کے ایک قدیمی معزز خاندان کے فرد تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شیخ فضل الرحمٰن تھا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابیوں میں سے تھے۔ آپ نے بھی بچپن میں حضرت مسیح موعود کی زیارت کی تھی۔ یہ ایک پرانا خوشحال احمدی خاندان ہے۔

فیض اللہ چک کے قادیان کے قریب ہونے کے باعث احمدیت اپنے آغاز ہی میں وہاں پہنچ گئی تھی۔ اور اس خاندان کو اوائل ہی میں جھنڈی دوران امام وقت کی شناخت کی اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تھی۔ قادیان ... قریب ہونے کے سبب ان لوگوں کی کثرت سے وہاں آمد و رفت تھی۔

یہ لوگ حضرت مسیح موعود سے براہ راست فیض یاب ہوئے اور ان کے سینے نور احمدیت سے منور ہو گئے۔ اس خاندان کے بچوں نے بھی اس چک کے اور لوگوں کی طرح تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم حاصل کی، نیز آپ نے حضرت امیر قوم مولنا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ سے جو ان دنوں اس سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ تربیت حاصل کی۔ آپ کو امام وقت سے بڑی عقیدت اور مولنا نور الدین سے بھی محبت تھی۔ احمدیت سے تعلق کو یہ خاندان بڑی وفاداری سے اب تک نبھاتا چلا آ رہا ہے اور انہوں نے سلسلہ کی بڑی خدمت کی ہے شیخ صاحب مرحوم بڑی با اثر شخصیت تھے سلسلہ کیلئے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے تھے۔ وفات سے کچھ عرصہ پیشتر مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کیلئے ستادن ہزار (-/57000) روپے ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ اس رقم کو اپنی زندگی میں ہی ادا کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ مگر موت نے مہلت نہ دی۔ اب انکے صاحبزادگان

ادی بات نہیں بات ہے زمانے کی

ھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

بادی دینی فیصلے تمام دنیائے اسلام میں رائج کرنے کی تجویز

لت عالیہ کے فیصلے سامنے رکھ کر انتظامیہ اپنی اصلاح کرے۔

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ۔

اور شاید اسی لئے جھوٹ کو آسانی سے پکڑ لیا جاتا ہے ۔

پاکستان کی ایک خبر رساں ایجنسی نے جس پر ظاہری طور سے سرکاری نہ ہونے کا لیبل لگا ہے اس مقام سے جہاں لندن پلان نے جنم لیا تھا، ایک خبر پاکستان میں چھپوائی ہے جس کے بق قادیانیوں، یہودیوں اور بھارتیوں نے بھٹو صاحب کے حق میں ایک زبردست بین الاقوامی چلا رکھی ہے ۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مسئلہ برسوں پرانا - بڑے بڑے فسادات بھی ہو چکے تھے - مارشل لا تک لگایا گیا تھا اور فوج کو گولیاں نی پڑی تھیں - لیکن یہ مسئلہ کبھی حل نہ ہو سکا - بھٹو صاحب کی حکومت کے دور میں بھی تحریک ا گئی - بہت جانی اور مالی نقصان ہوا۔ آخر بھٹو صاحب نے پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ کیا - جس نے تمام فریقین کو اپنا موقف بیان کرنے کی پوری آزادی دی اور پھر یانیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کر دیا - اس فیصلے کے بعد قتل عام بند ہوا اور تحریک ہوت انجام کو پہنچ گئی - .... یہ ایک مذہبی معاملہ تھا اور اس مسئلہ کو ند علماء کے مشورے سے حل کرنا چاہیئے تھا - مسلمان صرف پاکستان میں ہی نہیں رہتے طرح قادیانی صرف پاکستان میں نہیں رہتے - ہمارے ہاں کے علمائے کرام جتنے جید ہیں اتنی یت و صلاحیت بھارت کے علماء بھی رکھتے ہیں ۔

آج ہم اسلامی قانون بنانے کے لئے ادھر ادھر سے ماہرین کو ادھار مانگ رہے ہیں - یا - انڈونیشیا - مصر - سعودی عرب - اور سوڈان وغیرہ کے کچھ ماہرین آتے رہے ہیں - سے قادیانیوں کے مسئلہ پر بھی بات ہونی چاہیئے تھی - اور ان سے پوچھنا تھا کہ قادیانیوں کو ت قرار دیا جائے یا نہیں - پہلے جو ہوا وہ ختم ہوا - اب یہ سوچئے کہ ہم نے جب قادیانیوں یت قرار دیا تو دنیا کے کتنے اسلامی ملکوں نے ہمارے متفقہ فیصلہ پر صاد کیا - اس کے ہ یہ بھی سوچئے کہ دنیا میں اسلامی اتحاد کے لئے جتنی بین الاقوامی اور بین الاسلامی ں سرگرم عمل ہیں کیا ان میں سے کسی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا ہے ۔

دین کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دماغ کو روشن کرتا ہے - مگر ہم نے تنگ نظری ضیف کا نام دین رکھ لیا - ہم دیوبندی - بریلوی - اہل حدیث - شیعہ - سنی - آغاخانی ا اور نہ معلوم کیا کیا بن گئے ۔

یہ جھوٹ نہیں کہ اب بھی مسلمانوں میں متعدد ایسے فرقے موجود ہیں جن میں روحانی کو پیغمبر یا پیغمبر کے جانشین کا درجہ حاصل ہے - ان کا اس قدر احترام کیا جاتا ہے جیسے ا کی مقدس ترین ہستی ہوں - حالانکہ وہ دیندار نہیں اور دنیادار ہیں - ہم کس کس کو ہ قرار دے سکتے ہیں - دین کا معاملہ اللہ اور بندہ کا معاملہ ہے - کوئی سنی ہے تو اپنے لئے ہے - اور اگر کوئی شیعہ ہے تو وہ بھی اپنے اللہ کے لئے ہے - کوئی عیسائی ہے بھی اپنے اللہ کے لئے ہے - کوئی یہودی ہے تو وہ بھی اپنے اللہ کے لئے ہے - سب ہے - اس حقیقت پر ذرا بھی اختلاف کسی کو نہیں کہ موت آنے والی ہے - مرنے کے فص کو چاہیئے کہ وہ کسی بھی فرقے کا ہو، مسلمان ہو یا ہندو - عیسائی ہو یا یہودی - سنی ہو - قادیانی ہو یا آغاخانی اپنے خدا کے پاس جاتا ہے اور اس کے دربار میں حاضر ہوتا ہے گمراہ ہوا تھا - اور کسی نے دنیا میں اللہ کے احکام کی پابندی نہیں کی تھی یا ان احکام کی روزی کی تھی تو سزا دینے والا صرف اللہ ہے اس نے جنت دوزخ تیار کر رکھی ہے -

امریکہ میں ایک صاحب عالی جاہ محمد ہوتے تھے اور ان کا ایک بڑا بااثر فرقہ بنا ہوا تھا - کیا کبھی کسی مسلمان نے اس پر اعتراض کیا تھا - آج بعض مسلمان ملکوں میں ہمارے پیغمبروں اور خلفائے راشدین کی تصاویر کھلے عام مکانوں و دکانوں میں نظر آتی ہیں - کیا کوئی احتجاج کرتا ہے - کیا ہم کسی کو زبردستی سنی - شیعہ - اہل حدیث بنانے کی اجازت دے سکتے ہیں -

جب اس بات پر اعتراض نہیں کہ کوئی شیعہ یا سنی ہے، سلام پڑھتا ہے یا سلام پڑھنے کا مخالف ہے - مزار کو مانتا ہے یا مزار کو نہیں مانتا - ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتا ہے یا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتا ہے تو ہم کسی بھی فرقہ کو اس کے اپنے طے شدہ طریقہ کے مطابق عبادت کرنے پر کیوں اعتراض کرتے ہیں - جو شخص کلمہ گو ہے نماز پڑھتا ہے اس کے بارے میں یہ فتوے دینا کہاں تک مناسب ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور اس کے ساتھ غیر مسلموں جیسا سلوک کیا جائے ۔

اس حقیقت کو کون جھٹلائے گا کہ بھٹو صاحب کے دور میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا گیا - چنانچہ اس سے بڑا جھوٹ کوئی نہیں ہو سکتا کہ قادیانی مسٹر بھٹو کی مدد کے لئے آگے آ سکتے ہیں - اسی طرح بھٹو صاحب نے اسلامی سربراہ کانفرنس لاہور میں بلائی جس نے اسرائیل کے خلاف محاذ آرائی اور تنظیم آزادی فلسطین کو واحد نمائندہ تنظیم قرار دینے کی کوشش کی - کیا یہودی اس کارنامہ پر بھٹو صاحب کو معاف کر سکتے ہیں -

اب بات آتی ہے بھارت کی

من گھڑت خبر بنانے والے نے یہ نہ سوچا کہ بھٹو صاحب نے بھارت سے کشیدگی ختم کرنے کے لئے جو راستے مقرر کئے تھے ان پر جنرل ضیاء الحق کی حکومت بھی چل رہی ہے بھارتی وزیر بھی آ رہے ہیں - کرکٹ ٹیم بھی آ چکی ہے، ہماری کرکٹ ٹیم جانے والی ہے - ہمارے فنکار بھارت جا چکے ہیں اور بھارت کے فنکار پاکستان آ رہے ہیں - بھارت کو بھٹو کا حامی قرار دینے کے الزام پر میں اس لئے کچھ اور نہیں لکھنا چاہتا کہ کچھ پردہ نشینوں کے نام بھی آ جائیں گے ۔

میں نے لکھا تھا کہ عدالتوں کے ہر فیصلے کا احترام کرنا پڑتا ہے - اچھا فیصلہ ہوتا ہے تو خوشی ہوتی ہے - برا فیصلہ ہوتا ہے تو افسوس ہوتا ہے - جس کے حق میں فیصلہ ہو وہ ضرور خوش ہوتا ہے - اور جس کے خلاف فیصلہ ہو وہ افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا - یہ ایک فطرت کا تقاضا ہے - عدالت کے نزدیک اور معاشرہ کے نزدیک ہر فیصلہ سچا اور درست فیصلہ ہوتا ہے کوئی اسے غلط قرار دے یا قبول نہ کرے اس سے فرق نہیں پڑ سکتا - کالعدم نیپ کے سربراہ جناب ولی خان - اپنی جماعت کے خلاف سپریم کورٹ کی رائے پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت کی کسی رائے پر اختلاف کا حق سلب نہیں کیا جا سکتا لیکن فیصلہ اٹل رہتا ہے اور کسی بھی طرح کے اختلاف سے فیصلے بدلا نہیں کرتے وہ قائم رہتے ہیں جیسے نیپ پر پابندی کا فیصلہ ہے ۔

جب بیگم نصرت بھٹو رہا ہوئیں تو ان کی جماعت کے کارکنوں نے اور ان کے مداحوں نے خوشی منائی - یقیناً یہ ان کا حق تھا کہ وہ مسرت کا اظہار کرتے - اسی طرح جب ہائیکورٹ سے پیپلز پارٹی کے دو رہنماؤں اور سابق وفاقی وزیر جناب ممتاز بھٹو اور جناب پیرزادہ کو جیل سے گھر منتقل کرنے اور وہاں نظر بند رکھنے کا فیصلہ ہوا تو اس پر پارٹی کے کارکنوں نے گہرے اطمینان کا سانس لیا - اب آزاد کشمیر سے یہ پرمسرت خبر آئی ہے کہ وہاں کی ہائیکورٹ کے چیف جسٹس مسٹر محمد یوسف صراف نے سابق صدر و سابق اسپیکر اور پیپلز پارٹی کے رہنما جناب منظر مسعود کو جو مارشل لاء ۱۲ کے تحت قید تھے فوری طور پر رہائی کا حکم دے دیا ہے - عدالتوں نے اب تک پیپلز پارٹی کے بہت سے کارکنوں کی نظر بندی یا اسیری کو ناجائز قرار دے کر رہا کیا ہے - اسی وجہ سے جب بیگم نصرت بھٹو یہ کہتی ہیں کہ بے گناہ کارکنوں کو گرفتار کیا گیا ہے تو وہ غلط نہیں کہتیں ۔

عدالت عالیہ کے مذکورہ بالا فیصلوں کے پیش نظر اب انتظامیہ کے لئے یہ سوچنے کا وقت آ چکا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے یا نہ کرے - اچھی حکومت وہ ہے جو عدلیہ کے فیصلوں کا احترام کرتے ہوئے آئندہ قانون کی پاسداری کرے اور غیر قانونی اقدام سے گریز کرے - وفاقی حکومت ہو یا صوبائی حکومت ہو، سرکار کے پاس ماہرین قانون کی کمی نہیں اور جس قدر سہولتیں حکومت کو حاصل ہوتی ہیں اتنی سہولتیں ایک عام قانون داں کو حاصل نہیں ہوتیں - پھر کیا وجہ ہے کہ غلط مقدمات بنائے جاتے ہیں اور حکومت کو مقدمات میں

... اٹھانی پڑتی ہے - اگر قانون میں سقم ہے تو اس کو دور کیا جائے ورنہ لاقانونیت سے گریز کا مشورہ خلوص دل سے قبول کرنا چاہیئے تاکہ انتظامیہ کی بھی نیکنامی ہو اور اس پر

مکرم مولوی احمد گل صاحب فاضل دیوبند۔ لاہور

امام وقت حضرت مسیح موعود [illegible]

قسط نمبر (۲)

نزولِ ابنِ مریم کی پیشگوئی } نزولِ ابنِ مریم کی پیشگوئی صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس کی بناء پر ہمارے علماء اور ان کی معیت میں عوام کا کثیر طبقہ حضرت عیسیٰ کے آسمان سے اُترنے کا دعوےٰ کرتے ہیں اور ان کے متعلق عجیب و غریب اعتقاد رکھتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں:۔

"کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم" ۔ (بخاری)

یعنی تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابنِ مریم آئے گا اور وہ تم ہی میں سے تمہارا امام ہوگا۔

کیف انتم } اس حدیث کو کیف انتم یعنے تعجب انگیز الفاظ سے شروع کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تعجب اس وقت لاحق ہوتا ہے جب کوئی بات ہمارے توقعات کے خلاف ہو۔ چنانچہ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ نزولِ مسیح کے معاملہ میں مسلمانوں کے مابین حالت تعجب خیز آنے والی ہے یعنے مسلمانوں کو نزولِ ابنِ مریم کی توقعات کچھ اور ہوں گی مگر اس کا نزول کسی اور رنگ میں ہوگا۔

اذا نزل } اس کے بعد اذا نزل کے الفاظ آتے ہیں۔ جن کے لفظی اور ظاہری معنی یہ ہیں کہ "جب عیسےٰ اتریں گے"۔ دراصل یہی وہ الفاظ ہیں جن سے عام مسلمان غلطی میں مبتلا ہو کر حضرت عیسےٰ کے آسمان سے اُترنے کے قائل ہیں۔ حالانکہ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ حدیث میں آسمان کا لفظ [illegible] نہیں۔ اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ لفظ نزول ہمیشہ جسمانی طور پر اُترنے کے معنی میں نہیں آتا بلکہ جو چیز اللہ تعالےٰ کا عطیہ ہو، اس کے لئے بھی لفظ نزول استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کے لئے جہت علو ہے۔ اس لئے جو چیز اللہ تعالےٰ عنایت فرمائے اُسے اُترنے کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) انزلنا الحدید (الحدید۔ ۲۵) یعنی نے لوہا اتارا حالانکہ لوہا آسمان سے نہیں اترتا بلکہ کانوں میں سے نکلتا ہے۔

(۲) قد انزلنا علیکم لباساً۔ (اعراف ۲۶)۔ ہم نے تمہارے لئے لباس اُتارا۔ (کیا وہ سِلا سِلایا اور تیار شدہ آسمان سے اُتارا جاتا ہے؟ یا کپڑوں کے بندھے بندھائے تھان آسمان سے گرتے ہیں؟ قطعاً نہیں۔

(۳) الذین آمنوا قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً (طلاق ۱۱) اے ایمان والو اللہ نے تمہاری طرف نصیحت کرنے والا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اتارا ہے۔ حالانکہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ آپ آسمان سے اُترے تھے۔

ان آیات کی روشنی میں حدیث کے الفاظ اذا نزل کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر مع جسد عنصری بیٹھے ہیں، وہاں سے اُتر کر نیچے تشریف فرما ہوں گے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آنے والے کو خدا بھیجے گا اور وہ مبعوث ہو کر مامور من اللہ ہوگا۔ اس کی وضاحت صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جہاں نزول اور بعثت کے دونوں لفظ ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ فرمایا:۔

"اذا بعث اللہ المسیح ابن مریم فنزل عند [illegible]"

[illegible]

ابنِ مریم } اس لفظ سے بھی ان لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ جو اسرائیلی قوم کے نبی تھے، وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ اس عقیدے کی بناء پر ان کا کہنا ہے کہ جبکہ حدیث میں ابنِ مریم کے الفاظ آتے ہیں نہ کہ ابنِ مریم کے۔ اور چونکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی فی الحقیقت ابنِ مریم نہیں ہیں۔ اس لئے آپ اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

استعارات کا استعمال } یہ لوگ اگر قرآن کریم، احادیث اور عربی زبان کے محاوروں پر غور کرتے تو ان کے لئے یہ امر غلطی کا موجب نہ بنتا۔ انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں اور دیگر عام لکھی جانے والی کتابیں تمام اس پر شاہد ہیں کہ ان میں استعارے اور مجازات، کنائے اور اشارات پائے جاتے ہیں۔ علم بیان اور علم معانی کا معرض وجود میں آنا زیادہ انہی کی وجہ سے ہے۔ کلام میں خوبصورتی، رنگینی اور چاشنی انہی سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح کا بیان و کلام اور وعظ و نصیحت بیشتر تمثیلات میں ہوا کرتی تھیں۔ تمام قومیں جو روئے زمین پر رہتی ہیں، استعاروں اور کنایوں سے کام لیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وحشی سے وحشی اقوام بھی اپنے ہاں انہیں استعمال کرتی ہیں۔

علم کلام میں "تشبیہ" اور "استعارہ" کے مابین نمایاں فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ تشبیہ میں مرف [illegible] بہت مذکور اور استعاروں میں محذوف مقصود ہوتا ہے مثلاً اگر زید کو شیر سے تشبیہ دینی مقصود ہو تو کہا جاتا ہے "زید شیر کی مانند ہے"۔ اور اگر استعارہ کا بیان مقصود ہو تو کہا [illegible] "زید شیر ہے"۔ اگرچہ ان دونوں کا مقصود اور مآل ایک ہی ہوتا ہے تاہم [illegible] زور اور تاکید زیادہ پائی جاتی ہے۔ اسی فرق کو ملحوظ رکھ کر عربی زبان میں زید کالاسد اور زید اسد کہا جاتا ہے۔

قرآن میں استعارات } اس امر سے کسی کو انکار نہیں کہ قرآن کریم میں بھی استعارات اور مجازات کا استعمال بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فرمایا:۔

"من کان فی ھٰذہ اعمیٰ وھو فی الاخرۃ اعمیٰ"

یعنی جو اس دنیا میں اندھا ہے۔ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۷۳)

اس آیت کے الفاظ کو اگر حقیقت پر محمول کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ تمام لوگ جو اندھے اور بینائی سے محروم ہیں، قیامت میں بھی اندھے ہوں گے۔ تو کوئی عقلمند اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ لامحالہ اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ جو لوگ دنیا میں معرفت الٰہی سے اندھے رہے، وہ قیامت میں بھی اندھے ہوں گے۔

جبکہ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے اور قرآن میں متعدد مقامات [illegible] استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس بات سے بھی کسی کو [illegible] پر مجاز اور استعارہ بھی پائی جاتی ہیں۔ تو اس صورت میں اگر ا[illegible] انکار نہیں کہ قرآن میں محکم آیات رکھا جائے بلکہ بقول علمائے کرام [illegible] استعارے کو استعارے کی حد تک محدود نہ انہیں حقیقت سمجھ کر [illegible] النصوص تحمل علیٰ ظاہرھا [illegible] ہونے کی وجہ سے [illegible] سے کام لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ آیات [illegible] مفہوم کو ساتھ [illegible] باہم ٹکرا جائیں گی جو اسلامی روایات کے قطعاً خلاف [illegible]

"علما [illegible] حضرت مسیح موعودؑ نے علماء کو توجہ دلائی ہے:

[illegible] مادی صد اس بات پر ہے کہ ابنِ مریم کے اترنے کے بارے میں جو حدیث ہے اس کو حقیقت پر حمل کرنا چاہیئے لیکن ان کے بعض

عقلمندوں سے جب اس حدیث کے معنے پوچھے جائیں کہ ابنِ مریم اُترے گا اور صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا تو ابنِ مریم کے لفظ کو تو حقیقت پر ہی حمل رکھتے ہیں اور صلیب اور خنزیر کے بارے میں کچھ دبی زبان سے ہماری طرح استعارہ اور مجاز سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں .... دو لفظوں کی نسبت تو آپ بھی قائل ہو گئے کہ بطور استعارہ ان سے اور معنی مراد ہیں۔ تو پھر یہ تیسرا کلمہ جو ابنِ مریم کا اُترنا ہے کیوں اس میں بھی بطور استعارہ کوئی اور شخص مراد نہیں؟ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان خیالات مجموعہ تناقضات پر بجز رسا طریق عقلمندی و فرزانگی ہے یا وہ معارف قریب بفہم و مطابق عقل ہیں جو اس عاجز پر کھولے گئے ہیں۔"

(ازالہ اوہام ص۴۵)

حدیث میں استعارات

اسی طرح احادیث میں بھی استعارات کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہاں صرف صحیح بخاری کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں شاہ روم اور ابوسفیان کا مکالمہ درج ہے وہ اس طرح کہ جب ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شاہی دربار سے باہر آیا، تو اس نے انہیں کہا:۔

لقد أمِرَ أمرُ ابن ابی کبشۃ انہ یخافہ ملك بنی الاصفر۔ یعنے ابنِ ابی کبشہ کا معاملہ طول پکڑ گیا ہے یہاں تک کہ شاہ روم بھی اس سے خوف کھاتا ہے۔

یہاں ابنِ ابی کبشہ آنحضرت صلعم کو کہا گیا ہے۔ چنانچہ شارحین حدیث نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ:۔

"ھو رجل من خزاعۃ اسمہ وجز بن عامر بن غالب خالف قریشا فی عبادۃ الاوثان .... فنسبوہ الیہ الاشتراک فی مطلق المخالفۃ"

(عون الباری شرح بخاری جلد ۱ ص۱۰۲)

یعنی ابن کبشہ جو بنی خزاعہ کے قبیلہ سے تھا جس کا نام وجز بن عامر بن غالب تھا۔ چونکہ اس نے بت پرستی میں قریش کی مخالفت کی تھی۔ اور آنحضرت صلعم بھی بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔ ان کی مخالفت کی وجہ سے آنحضرت صلعم کو ابنِ ابی کبشہ کہا گیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عربی زبان میں مماثلت اور مبالغہ کی غرض سے کسی شخص کا نام دوسرے کو دے کر اداۃ التشبیہ یعنی حروف تشبیہ کا گرا دینا جائز ہے۔ بلکہ ہم اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بھی بہادر آدمی کو "شیر کی طرح" کہنے کی بجائے "شیر" اور سخاوت کرنے والے کو حاتم کی طرح کی بجائے محض "حاتم" کا لفظ استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، تاکہ وقوع پذیر امور میں اہمیت پیدا ہو سکے۔ اسی طریق کو قرآن کریم نے بھی متعدد جگہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ منافقین کے متعلق کہا ہے صمٌّ بکمٌ عمیٌ۔ یعنے یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ جس طرح یہاں حروف تشبیہ کو گرا کر مخالفین کو بہرا۔ گونگا اور اندھا کہا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث میں بھی کابن مریم کی بجائے ابن مریم کہہ کر حرف تشبیہ گرا دیا گیا ہے۔

امامکم منکم

نزولِ ابنِ مریم کی پیشگوئی کا چوتھا اور آخری حصہ "امامکم منکم" کے الفاظ سے بیان ہوا ہے منکم کا یہ لفظ بخاری کے علاوہ مسلم نے بھی لیا ہے، جس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ آنے والا ابن مریم اُمتِ محمدیہ کا ہی ایک فرد ہے نہ کہ بنی اسرائیل کا کوئی شخص کیونکہ وہ منکم میں داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ اس لئے کہ کیف انتم میں اُمتِ محمدیہ کو ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ اس بناء پر انتم اور کم دونوں ضمیریں ایک ہی طرف جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ آیت استخلاف وعد اللّٰہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات اور سورۃ البقرہ کی آیت کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم میں لفظ منکم پر غور کیا جائے اور پھر حدیث نزول مسیح کے الفاظ امامکم منکم کے مفہوم کو سمجھا جائے تو معاملہ اور بھی صاف ہو جاتا ہے۔ یعنے جس طرح خلفاء محمدیہ کے آنے اور حضرت نبی کریمؐ کی پیدائش کا اظہار منکم سے کیا گیا ہے اسی طرح ابنِ مریم کے متعلق امامکم منکم کہکر بتا دیا ہے کہ آنے والے کی ولادت اے مسلمانو تم ہی میں سے ہو گی۔

اس وضاحت کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حدیث میں جس ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی کا ذکر ہے۔ وہ کوئی بنی اسرائیلی نبی نہیں بلکہ وہ اُمتِ محمدیہ میں سے ہے اور ان کا ایک امام ہے۔

ہمارے ظاہر پرست علماء شروع ہی میں حیات مسیحؑ کا عقیدہ اپنا کر ایک ایسی غلط روش کے مرتکب ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے نزول مسیح کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے ہر حصہ میں انہیں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ

خشت اول چون نہد معمار کج + تا ثریا میرود دیوار کج

یفیض المال کی پیشگوئی

نزول مسیح کے ضمن میں ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ یفیض المال حتیٰ لا یقبلہ احد۔ یعنے آنے والا مسیح مال و دولت اور درہم و دینار لوگوں میں تقسیم کرے گا جن کی وجہ سے لوگ اس قدر دولت مند ہو جائیں گے کہ ان میں سے کوئی بھی قبول کرنے کی خواہش نہ کرے گا۔ مسیحؑ کے متعلق یہ غلط تصور دراصل قرآن اور حدیث پر غور نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اس کی وضاحت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:۔

"جو مال کی بابت اعتراض کیا گیا ہے۔ البتہ اس کا تو مجھے اقرار کرنا پڑے گا کہ میں نے علماء کا بہت نقصان کیا ہے کہ ان کی موہوم امیدیں جو درہم و دینار کے متعلق تھیں سب ٹوٹ گئیں۔ لیکن ذرا زیادہ غور کر کے وہ خود سمجھ جائیں گے کہ یہ امیدیں کسی نص قرآنی یا حدیث پر مبنی نہ تھیں۔ صرف غلط فہمی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ تو کیا بے شمار مال دے کر خدا ان کو فتنہ میں ڈالے گا؟ اور بجز اس کے ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام درہم و دینار نہیں چھوڑتے۔ ان کے وارث ان کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔ پس ان تمام حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود جو دنیا میں آئے گا وہ ایک رُوحانی مال عطا کرے گا، جس کی دُنیا محتاج ہو گی۔ ورنہ مسیح کسی مہاجن اور ساہوکار کی صورت میں نہیں آئے گا کہ لوگوں کو اپنی اسامیاں ٹھہرا کر روپیہ تقسیم کرے۔ اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کا نام مال رکھا ہے اور حکمت کا نام بھی مال رکھا ہے جیسا کہ فرمایا یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں مالاً کثیراً۔ لغت میں خیر کے معنی مال کے لکھے ہیں۔

اور ایک اور حدیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

میں نے ایک بڑی دعوت کی اور ہر ایک قسم کا کھانا پکایا۔ بعض کھانا کھانے کے لئے آئے، انہوں نے کھانا کھا کر حظ اُٹھایا اور بعض نے اس دعوت سے انکار کیا، وہ بے نصیب رہے۔

اب دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پلاؤ اور قورمہ پکایا یا روحانی کھانے تھے۔"

(الحکم جلد ۴ - نمبر ۲۷ - ۲۴ جولائی ۱۹۰۰ء)

(باقی آئندہ)

مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات۔

تحریکِ احمدیت

احمدیت کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ احمدیت کا منشاء محض مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کرنا ہے۔ تحریک احمدیت کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ جماعت صرف اس غرض کے لئے کھڑی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کی دینی حالت کو درست کر کے انہیں ایک رشتہ میں پروئے تاکہ وہ مل کر اسلام کے دشمنوں کا اخلاقی اور روحانی ہتھیاروں سے مقابلہ کر سکیں۔ اسی بات کو سمجھتے ہوئے غیر ممالک میں احمدی مبلغ گئے۔ چنانچہ اس وقت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے متعدد تبلیغی مرکز ہیں۔ احمدیہ جماعت ایک متحدہ پروگرام رکھتی ہے اور کوئی جماعت متحدہ پروگرام نہیں رکھتی۔ جماعتِ احمدیہ عیسائیت کے حملے کے [illegible] بغیر جماعت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اگر کہو کہ جماعت تو بہانے [illegible] ملے جلے رہتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جان کو جوکھوں میں ڈالنے والے کاموں کے لئے ہر شخص کہاں تیار ہوتا ہے۔ ایسے کام تو دیوانے ہی کیا کرتے ہیں اور

دیوانوں کو ہوشیاروں سے الگ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

سارے اعتراضات قلت تدبر کا نتیجہ ہیں۔ اگر عقل سے کام لیا جاوے تو وہی طریقہ درست ہے جو جماعت احمدیہ نے اختیار کیا ہے۔ اسی صحیح طریقہ پر عمل کر کے وہ اسلام کے لئے قربانی کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کر سکی۔ اور جب تک اس طریقے پر عمل کرتی رہے گی روز بروز ایسے افراد کی تعداد بڑھتی چلی جاوے گی۔ یہاں تک کہ کفر محسوس کرے گا کہ اب اسلام طاقت پکڑ گیا ہے۔ اگر کسی کو ہمارا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے تو وہ ہم میں آملے۔ ہمارے طریقے میں قربانی زیادہ اور شہرت کم۔

قرآن کریم اور احادیث اس پر شاہد ہیں کہ اُمتِ محمدیہؐ میں جب کوئی خرابی پیدا ہوگی، خدا تعالےٰ اپنی طرف سے ہادی اور رہنما بھیجتا رہے گا۔ خصوصاً اس آخری زمانہ میں جبکہ دجّال کا فتنہ ظاہر ہوگا۔ عیسائیت غالب آجائے گی۔ اسلام ظاہری طور پر مغلوب ہوجائے گا اور مسلمان دین کو چھوڑ بیٹھیں گے۔ دوسری اقوام کے رسم و رواج کو اختیار کریں گے تو نبی کریم صلعم کا ایک کامل مظہر ظاہر ہوگا اور اس زمانہ کی اصلاح کرے گا۔

پس اے میرے دوستو سلسلہ احمدیہ کا قیام اسی سنتِ قدیمہ کے تحت ہوا۔ اور اسی فرض کو پورا کروانے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ دنیا میں آئے۔ ان کا یہ کام تھا کہ دنیا دار لوگوں کو دیندار بنائیں اور اسلام کی حکومت دلوں پر قائم کریں۔ آپ نے ایک جماعت قائم کی اور عہدِ بیعت میں یہ شرط مقرر کی کہ **مَیں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔**

درحقیقت یہی مرض تھا جو مسلمانوں کو گھُن کی طرح کھا رہا تھا۔ دنیا میں مذہبی تحریکیں اصلاح نفس تبلیغ اسلام اور قربانی کے ساتھ غالب آتی رہی ہیں۔ احمدیت نے جہاں اغیار کی آنکھیں اسلامی نور سے منور کیں وہاں مسلمانوں کے سینوں میں بھی نورِ ایمان بھر دیا۔ اسلام کی عالمگیر "اخوت"۔ "مساوات"۔ "حرّیت"۔ "جمہوریت"۔ آج تمام دنیا کی زبانوں سے دادِ تحسین حاصل کر رہی ہے۔ تحریک احمدیت سے پیشتر اسلام کو غیر مہذب اور پسماندہ لوگوں کا مذہب خیال کیا جاتا تھا اور خود مسلمان دوسروں کے سامنے تعلیماتِ اسلامی کو پیش کرنے میں خجالت محسوس کرتے تھے۔

قرآن کریم کے اندر جو معارف اور علوم بھرے ہوئے ہیں ان سے خود مسلمان ناواقف تھے۔ احمدیت نے اس خوبصورت چاند کو غلط فہمیوں کے بادل سے نکال کر آسمان علم پر چمکا دیا جس کی روشنی نے ایک عالم کو منور کر دیا ہے اب مسلمانوں کے گھروں میں قرآن کریم بھی پڑھا جاتا ہے۔ احمدیت نے مسلمانوں کو ان کا فرض یاد دلایا اور ایک جماعت مستقل پیدا کر دی جو دنیا کے تمام ہنگامی جھمیلوں سے علیحدہ رہ کر تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے کام میں مشغول ہے۔ مگر افسوس ہمارے مسلمان بھائی احمدیوں کو یہ فرصت نہیں دیتے کہ وہ اپنے اس کام کو اور زیادہ ترقی دیں اور تبلیغِ اسلام کے کام کو اور وسیع کریں۔ وہ چاہتے ہیں کہ احمدیت کی ساری طاقت ہی باہمی جھگڑوں میں صرف ہو اور اشاعتِ اسلام کا کام رُک جاوے۔ حیرت ہے دشمن اسلام کی مخالفت میں اتنا زور نہیں لگا رہے جتنا وہ لگا رہے ہیں۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم + کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص سب سے پہلے اپنے گھر کی اصلاح کرے۔ ہمارے گھروں میں اسلامی سادگی کا نمونہ ہو۔ اور ہر قسم کے بیہودہ رسم و رواج سے اجتناب ہو۔ غلط رسُومات کی جگہ اخلاقِ فاضلہ۔ فضول خرچی کی جگہ کفایت شعاری ہو اور صرف خدا کی طرف رجوع کرو اور خدا کے آگے [illegible] وجہ سے دوسروں سے تکمیل دین اور ختم نبوت پر حقیقی ایمان رکھنے والی واحد جماعت ہے جو ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتی ہے۔ بلکہ **تکفیر المسلمین** سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔ غیر ممالک میں اشاعتِ اسلام کرنے والی واحد جماعت ہے جس کی کوششوں سے قرآن کریم کا آٹھ زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں غیر ممالک میں تقسیم کیا جاچکا ہے۔ **سیرتِ نبویؐ** کا ترجمہ ستّرہ زبانوں میں ہوچکا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا موقف

خونے نہ کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم
جُرمم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

اگر حضرت مرزا صاحب کا کوئی قصور ہے تو وہ صرف یہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو زندہ کرنا چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ دنیا کا مستقبل اگر قرآن کریم اور اسلام سے وابستہ کر دیا جائے تو انسانیت امن و سلامتی کے حلقہ میں داخل ہو کر مامون و محفوظ رہ سکتی ہے

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور ان کی سیرت سے بے پناہ محبت و عشق کے باعث حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اصلاح خلق کی عظیم جدوجہد میں بسر ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

میں نے روتے روتے سجدہ گاہ کو بھگو دیا
اب تلک تم میں وہی خشکی رہی یا حال زار

ختمِ قرآن اور عطیہ مکرم راجہ محمد افضل صاحب امام جامع احمدیہ دارالسلام کے ایک ہونہار کمسن شاگرد عزیز فواد نذیر نے گذشتہ روز قرآن کریم ختم کیا ہے۔ اس خوشی کے موقع پر فواد نذیر کے والد محترم جناب چوہدری نذیر احمد صاحب اسسٹنٹ انجینئر نے اشاعتِ اسلام فنڈ میں مبلغ -/50 روپیہ عطیہ دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔ راجہ صاحب موصوف بڑی محنت، لگن اور دلچسپی سے دارالسلام کے بچوں کو دینیات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ بیشتر بچے ان سے قرآن کریم پڑھ چکے ہیں اور متعدد زیرِ تعلیم ہیں۔ دارالسلام اور احمدیہ بلڈنگس کی مختلف تقریبات میں ان کے کمسن شاگردوں سے نماز با ترجمہ قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور دعائیں سُن کر احباب کرام راجہ محمد افضل صاحب کی محنت اور معلمانہ تڑپ کا اندازہ لگا چکے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اظہار تشکر

جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء کا آنکھوں دیکھا حال

باہمی مودت، مالی ایثار اور جہاد فی سبیل اللہ کا ایمان افروز نظارہ

الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اس عزوجل کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کے اپنے فضل و کرم سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا چونسٹھواں چہار روزہ سالانہ جلسہ بخیر و عافیت گذر گیا۔ اگرچہ ہم صدمہ زدہ ہیں اور ہمارے قلوب مغموم و ملول ہیں کہ اس سال ہماری جماعت کے متعدد بزرگ، مخلص احباب و خواتین قضائے الٰہی کے ازلی قانون کے تحت اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور اپنے خاص الخاص انعامات روحانی سے نوازے۔ تاہم ہمارے دل اس قدیر و عزیز خداوند قدوس کے آستانہ پر بصد عجز و نیاز سجدہ ریز ہیں کہ اس کی رحمت و مغفرت، بخشش و کرم اور تائید و نصرت ہمارے شامل حال رہی اور اس خدائے ذوالجلال نے ہماری ہر موقعہ پر راہنمائی فرمائی۔ ہم باوجود مخالفت مخاصمت کے شدید سیلابوں و طوفانوں کے باوجود اپنے اس موقف اور مقصد و مشن پر قائم و دائم رہے جو سلسلۂ عالیہ احمدیہ کے بانی مبانی، مسیح زمان، مہدی دوران، حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کے پیش نظر تھا اور جس کی انجام دہی کے لئے اس امام و مہدی نے اپنی جماعت کو تلقین و تاکید فرمائی تھی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

اس مرتبہ جلسہ سالانہ پر ایمان افروز مناظر دیکھنے میں آئے۔ خواتین و احباب سلسلہ نے بڑے ذوق و شوق سے شرکت کی۔ انگلستان اور ہالینڈ کے احمدی احباب و خواتین اس موقعہ پر تشریف لائے تھے۔ الغرض پاکستان و بیرون پاکستان کی جماعتہائے احمدیہ کے اراکین نے جس ذوق و شوق سے حصہ لیا اور جس ایمان و یقین کے ساتھ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا وہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس ربانی جماعت سے مختص ہے۔

پہلے دن خواتین جماعت احمدیہ لاہور کا خصوصی اجلاس ہوا۔ جس سے خواتین سلسلہ کا جذبۂ اشاعت اسلام نمایاں تھا۔ دستکاری کی نمائش سے بیش قرار رقم جمع ہوئی جو تبلیغ دین اسلام کے لئے پیش کی گئی۔ مقرر خواتین نے اسلام و احمدیت پر تقاریر کیں۔ باقی تین دن مردانہ اجلاس ہوئے۔ جن میں بزرگان سلسلہ اور مقررین جماعت اور بلاد غیر سے آئے ہوئے مندوبین نے خطاب فرمایا۔

تقاریر کے موضوعات حالات حاضرہ کے مطابق اور افادیت کے حامل تھے۔ خواتین احباب نے اس چہار روزہ سالانہ اجلاس میں اسلام کی ترقی و اشاعت کے لئے دعائیں کیں اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

حضرت الحاج ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کی اپیل پر ڈیڑھ لاکھ (نقد و وعدہ جات) روپے کی رقم جماعتی فنڈ میں سرفروشانہ ایثار کا یہ نظارہ بڑا ایمان افروز اور روح پرور تھا۔ جماعت کا ہر فرد مرد و زن، بچہ بوڑھا کھلے دل کے ساتھ اموال پیش کرنے میں آگے آگے تھا۔

حضرت امام الزمان مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسی جو اس جماعت کی روح رواں بنی زندہ ہے۔ اور اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی روحانی قوت کا ہی نتیجہ ہے کہ ۱۹۱۴ء سے لے کر آج تک کہ عرصہ زائد از ساٹھ سال ہونے کو آتا ہے اس جماعت میں زبردست ایثار کا جوہر موجود ہے۔ اس قدر طویل عرصہ تک ایک جماعت کا خالصتاً دینی مقصد کے لئے مسلسل یہ قربانی دیتے چلے جانا یقیناً مامور وقت کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت اور اس کے زندہ تاثرات کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی غیر صادق شخص کو یہ قوت نہیں رہ جاتی کہ اس سے وابستگی رکھنے والے مادہ پرستی کے اس دور میں مسلسل ایثار کرتے چلے جائیں۔ نہ جانے کتنی تحریکیں گذشتہ صدی میں اس امت میں ابھریں لیکن اب ان کا کہیں نام و نشان نہیں۔ تحریک احمدیہ جو خالصتہً ایک دینی تحریک ہے اور تبلیغ و اشاعت اسلام اس کا نصب العین ہے اپنے اس یقین پر اور قربانی اعمال پر قائم ہے جو روز اوّل سے اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اپنے مرشد و مقتدا کی اطاعت میں خالصتہً دینی مقاصد کی حامل ایک جماعت ہے۔ اس لئے ایسی ایک جماعت کا ساٹھ برس سے زائد عرصہ تک قائم رہنا اور اپنے اصل مقصد سے نہ ہٹنا اگر خدائی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اس سال جلسہ پر ہفتہ عشرہ پہلے ہی دارالسلام لاہور میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ بلاد غیر انگلستان اور ہالینڈ وغیرہ سے مندوبین آنا شروع ہو گئے تھے۔ جلسہ کے منتظمین جناب میاں فضل احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ کی سرکردگی میں بڑے انہماک، جوش اور جذبہ سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

ناظم صاحب دارالسلام جناب چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری انجمن جلسہ گاہ دارالسلام کو اپنے معزز مہمانوں کے لئے صاف ستھرا رکھنے اور اسے خوشنما بنانے میں مصروف تھے۔ کارکنان انجمن۔ ممبران شبان الاحمدیہ، نوجوانان جماعت اور خواتین سلسلہ نے رضا کارانہ طور پر جس اخلاص، ولولے اور تندہی سے کام کیا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔

اس مبارک موقعہ پر تبتل الی اللہ اور پر حضور عبادت کے روح پرور اور ایمان افروز مناظر دیکھنے میں آئے۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں خواتین و احباب نے اجتماعی نمازیں بڑے درد اور خلوص سے پڑھیں اور شب بیداری بھی کی، تہجد میں اسلام کے غلبہ اور نصرت کے لئے گریہ و زاری کے ساتھ اپنے سمیع و علیم خدا سے دعائیں مانگی گئیں۔ تمام نمازیں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے پڑھائیں۔ نماز فجر میں آپ کی پرسوز و پر رقت اور ملکوتی لے میں قرأت کے اثر سے نمازیوں کی روحیں پگھل کر آستانۂ الٰہی پر بہہ جاتی تھیں۔

نماز فجر کے بعد مکرم و محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی درس قرآن کریم دیتے رہے۔ جناب میاں صاحب موصوف کا تفسیری انداز بڑا دلکش، موثر مدلل، علمی، تحقیقی اور خشیۃ اللہ پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ سامعین پر فوراً فکر، قرآنی حقائق و معارف اور اس کے مفاہیم و مطالب کی راہیں کھلتی ہیں۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں خطبہ جمعہ بھی آپ ہی دیتے ہیں۔ جو بڑا بصیرت افروز ہوتا ہے۔

میاں صاحب موصوف اسلام اور جماعت کی جس جذبہ و ذوق سے مالی قلمی، علمی، وقتی اور فکری خدمت سرانجام دے رہے ہیں، اللہ تعالےٰ انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

دوران جلسہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی شخصیت مرکزی کردار کی حامل تھی۔ آپ دارالسلام کو ٹھیٹھ اسلامی بستی بنانے میں شب و روز کوشاں ہیں۔ آپ اپنی دعاؤں اور دواؤں سے احباب کی روحانی اور جسمانی امراض کا علاج کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس عاشق خدا و رسول اور محب امام زمانؑ کی نیم شبی دعائیں رنگ لا رہی ہیں اور جماعت اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے میں مصروف عمل ہے دعا ہے کہ اللہ اپنے بندۂ سعید کو صحت والی لمبی عمر عطا فرمائے اور خدمت دین کا بیش از بیش موقعہ دے۔ آمین ثم آمین۔ (رپورٹر)

بقیہ کارروائی جلسہ ۲۸ر دسمبر آپ کی مسئلہ نبوت کے سلسلہ میں مایۂ ناز کتاب النبوۃ فی الاسلام جو اس باب میں منفرد کتاب ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور یہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا۔ (آپ کی تقریر جناب میاں ممتاز احمد فاروقی کے جنازہ تدفین کا وقت ہو جانے کے باعث جاری نہ رہ سکی) مکمل تقریر دوبارہ شائع کر دی جائے گی انشاءاللہ تعالےٰ۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کشمیر میں فوت ہوئے

ایک یورپی مفکر اور صحافی مسٹر فیبر اے قیصر کی شہادت

{ از جناب سید ناصر احمد صاحب مانچسٹر }

جناب سید ناصر احمد صاحب نے مانچسٹر سے اردو ترجمہ کر کے برائے اشاعت پیغام صلح بھیجا ہے۔ جو ہدیہ قارئین کرام ہے۔ (ادارہ)

کتاب کے آخری باب کا اردو ترجمہ

کتاب کے آخر میں مَیں ان امور کے بارے میں جن پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ اپنی ذاتی رائے دینا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے میں ان باتوں کا ذکر کروں گا جو کتاب کے لکھنے کا موجب بنیں۔

دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح جب میں نے بھی پہلی دفعہ یہ سنا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ وہ وہاں سے کسی مشرقی علاقہ کی طرف ہجرت کر گئے اور شاید وہیں دفن ہوئے۔ تو میں نے ان باتوں کی طرف سنجیدگی سے دھیان نہ دیا۔ لیکن جب مجھے یہ علم ہوا کہ ہسپانیہ میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی کشمیر میں قبر کی تصویر موجود ہے تب مجھے حقیقی طور پر اس بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

اس تصویر کی ایک کاپی حاصل کرنے کے بعد میں نے اس بارہ میں کچھ بنیادی معلومات حاصل کیں۔ ابھی میں کوشش میں تھا کہ میرے ایک دوست نے جرمنی کے جریدہ "سٹرن" میں شائع کردہ ایک مضمون دکھایا جس میں یہ مفروضہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے کشمیر کی طرف ہجرت کی اور آخر کار وہیں فوت ہوئے۔ اس سے متعلق مشکلات پر تفصیلی بحث تھی۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد میں نے اس کے مصنف کلاوس لِڈکے (KLAUS LIEDTKE) سے رسالہ سٹرن کے دفتر واقعہ نیویارک اور فوٹوگرافر جے اولل (JAY ULLAL) کے دفتر واقعہ ہمبرگ (جرمن) سے رابطہ قائم کیا۔ ان دونوں اصحاب نے کمال مہربانی سے ان تمام تفصیلات اور مواد کو جو ان کے پاس تھا۔ مجھے بھیج دیا۔ اسی کی بناء پر میں نے تحریک احمدیت کے جرمنی میں مشن اور پھر تحریک کے پاکستان میں مرکز سے رابطہ قائم کیا پھر مجھے پروفیسر فدا حسین کا پتہ چلا جو ایک نہایت ہی فاضل کشمیری ہیں اور اسی موضوع پر جس کے بارہ میں رسالہ سٹرن میں مضمون شائع کیا تھا تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ پھر اس طرح مجھے صاحبزادہ بشارت سلیم کا پتہ چلا جو اپنا شجرہ نسب حضرت عیسٰے علیہ السلام سے ملاتے ہیں۔

جب میں اپنی اس تحقیق میں آگے بڑھا تو مجھے احساس ہوا کہ میں کسی ایسی منزل کی طرف رواں نہیں جس کا پہلے کسی کو علم نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس اس موضوع پر تحریک احمدیت کے علاوہ کافی کام ہو چکا ہے۔ گذشتہ صدی کے آخر میں پیرس میں ایک روسی سیاح نیکولائی نوٹووچ (NICOLAI NOTOVICH) کی کتاب شائع ہوئی جس کا بعد میں انگریزی زبان میں ترجمہ THE UNKNOWN LIFE OF JESUS CHRIST (دی ان نون لائف آف جیسس کرائسٹ) یعنی "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نامعلوم زندگی" کے نام شائع ہوا۔ اس میں اس امکان کا ذکر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جوانی میں ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔

۱۹۳۸-۳۹ء میں لاہور کے ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار دی سن رائز میں تحریک احمدیت کے بانی حضرت مرزا غلام احمد کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" کا انگریزی ترجمہ قسط وار شائع ہوا۔ اس کتاب نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر موت واقع ہوئی تھی۔ اس کے دلائل اور مذکورہ حقائق اتنے مضبوط تھے کہ ان سے متاثر ہو کر قاہرہ کے الازہر یونیورسٹی کے ریکٹر نے یہ فتوےٰ دیا کہ قرآن مجید کی رُو سے حضرت مسیح علیہ السلام طبعی طور پر فوت ہوئے۔

حال ہی میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کے کشمیر سے تعلق اور دیگر شواہد کے بارہ میں کئی مضامین اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں رسالہ سٹرن کے مضمون بعنوان "حضرت مسیح ہندوستان میں فوت ہوئے" کے علاوہ ذیل کے مضامین بھی "کیا حضرت مسیح نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی"۔ ہفت روزہ "ورزد" جرمنی میں دو مضامین شائع ہوئے۔ جن کے عنوان یہ تھے۔

۱۔ "کیا حضرت عیسٰے علیہ السلام نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی"

۲۔ "سرینگر میں قبر کے متعلق پوشیدہ راز"

ان دو مضامین لکھنے والوں میں سے ایک کو اس بارہ میں اس وقت معلومات حاصل ہوئیں جب وہ ۱۹۷۵ء کے موسم گرما میں اس علاقہ سے گذر رہا تھا۔

حیرانگی کی بات ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد اور روسی سیاح نوٹووچ کی تمام تحقیقات پر اتنا لمبا عرصہ گذرنے اور ان مذکورہ مضامین کے شائع ہونے کے باوجود ابھی تک یہ مسائل عام بحث و تمحیص کا موضوع نہیں بنے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے جوانی میں ہندوستان کا سفر اختیار کیا، یہ کہ آپ صلیب کی موت سے بچ نکلے اور مشرق کی طرف دوسری دفعہ سفر کرنے کے بعد کشمیر میں طبعی طور پر فوت ہوئے۔ اور جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے سرینگر میں مدفون ہیں۔ نیز ابھی تک عام طور پر لوگوں کو یہ علم ہی نہیں کہ ایسے امکانات موجود ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔

ان امور کی تحقیق کے سلسلہ میں مَیں نے جو شکوک محسوس کئے ان کو دور کرنے کا ایک ہی طریق تھا کہ مَیں خود کشمیر جا کر حقائق کو پرکھوں۔ اس بناء پر میں اور میری بیوی مرسڈیز، ایئر انڈیا کے ہوائی جہاز کے ذریعہ بمبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں سے پھر بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچے، جہاں ہم نے ہندوستان اور خاص طور پر کشمیر کی تاریخ، آثار قدیمہ تاریخی اور مذہبی روایات کے متعلق کتب نقشے حاصل کئے۔ اور آخر کار دہلی سے سری نگر پہنچے۔ سفر کے اس آخری مرحلہ کے دوران ہم نے ہمالیہ کے نہایت شاندار نظارے دیکھے۔ اور ہمیں کچھ ایسا محسوس ہونے لگا کہ کشمیر ہمارے لئے ایک اور ہی دنیا ہوگی جو باقی کے ہندوستان سے کہیں انوکھی اور مختلف۔

ہمارے اس خیال کی تصدیق اسی وقت ہو گئی جب ہم نے سری نگر کے ہوائی اڈہ پر قدم رکھا۔ چند دن وہاں ادھر ادھر گھومتے پھرے اور کشمیر کے لوگوں سے گفتگو کی۔ ان میں سے اکثریت یہ چاہتی ہے کہ کشمیر کا الحاق اسلامی حکومت پاکستان سے ہو۔ اس علاقہ میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کافی کشیدگی نظر آتی تھی۔ کیونکہ سرحد کے قریب پولیس کے دستے اکثر گشت کرتے نظر آتے تھے۔

اگرچہ اکثر کشمیری مسلمان ہیں (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل نسل سے ہیں) لیکن ان میں دوسرے مذاہب کے بارہ میں تعصب بالکل نہیں۔ مسلمان، یہودی، ہندو، بدھ اور عیسائی باہم رواداری اور احترام کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں۔ اور اپنی جگہ ان میں سے ہر ایک مذہبی جوش و خروش بھی رکھتا ہے۔ یہاں بھی مختلف طبقوں میں عوامی سطح پر اختیار اور اقتدار کی کشمکش موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں میں اتحاد و اتفاق موجود ہے۔

سری نگر میں شروع کے چند دن ہم نے بین الاقوامی شہرت کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں قیام کیا۔ لیکن چونکہ ہم لوگوں سے قریبی تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے اور ان کے متعلق جاننا چاہتے تھے اس لئے ہم نے ہوٹل کو خیرباد کہا اور جھیل ناگن کے عین وسط میں ایک شکارا گاہ میں منتقل ہو گئے۔ یہاں آ کر ہم نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے ہم ایک خوشحال اور ترقی پذیر لوگوں کے درمیان ہیں۔

جوں جوں ہمارا قیام لمبا ہوتا گیا ہمیں یقین ہوتا گیا کہ ہمارا قیام واقعی کئی لحاظ سے نہایت مفید رہا۔ ہم نے نہ صرف اس قبر کی زیارت کی جس میں کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام مدفون ہیں بلکہ ہم نے حضرت موسٰے علیہ السلام کی قبر بھی دیکھی ہمارے علم میں بہت سی مستند قسم کی روایات بھی آئیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسٰے علیہما السلام دونوں یہاں موجود تھے۔ اور بہت سی جگہیں یہاں ایسی ہیں جن کے نام ان کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمیں پروفیسر حسنین سے بیش قیمت مدد حاصل ہوئی جو کشمیر کی قدیم تاریخی دستاویزات، لائبریریوں، اور آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر ہیں۔ آپ جاپان کی تین یونیورسٹیوں سے اعلےٰ ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ آپ آثار قدیمہ اور علم الانسان کے ماہر بھی ہیں۔ اور تحقیق میں نہایت لگن اور اخلاص سے کام کرتے ہیں۔ ہر وقت اس سرزمین کی ماضی اور اس کے لوگوں کے متعلق مواد اور شواہد اکٹھا کرنے کے لئے چھان بین کرتے رہتے ہیں جیسس ان ہیون اینڈ ارتھ (شائع شدہ ۱۹۱۲ء) کے مصنف خواجہ نذیر احمد کے سوائے یہی وہ شخص ہے جس نے اس مسئلہ کو مکمل طور پر مطالعہ کیا اور اس سے متعلق شواہد اور روایات کی چھان بین کی۔

ان سب باتوں کے مطالعہ کے بعد آدمی سنجیدگی سے سوچنے لگتا ہے کہ کیا واقعی حضرت عیسٰے علیہ السلام کشمیر کے دل میں مدفون ہیں۔!

اپنے قیام کے دوران ہمیں غیر معمولی حیرت اور کیفیت کا احساس ہوا جب ہم نے صاحبزادہ بشارت سلیم سے ہاتھ ملایا اور ان سے نہایت دوستانہ ماحول میں گفتگو کی۔ اور عین ممکن ہے کہ یہ شخص واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی براہ راست نسل سے ہو۔

کتاب کے گزشتہ ایسی ہی گفتگو، تبادلہ خیالات اور ان بہت سے انٹرویو اور دیگر طریق سے رابطہ قائم کرنے کا نتیجہ ہیں جو ہم نے تحقیق کے دوران کئے۔ پھر اسی سلسلہ میں ہم نے ان مقامات کو خود جا کر دیکھا جن کا روایات میں ذکر ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت موسٰے علیہ السلام کشمیر آئے تھے) یہ کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل کے کچھ لوگ یہاں آکر آباد ہوئے۔ اور یہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام آخر کار یہاں آکر آباد ہوئے اور وفات پائی اور سب سے حیرت انگیز نتیجہ جس پر ہم پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ نہ صرف بہت ہی کم باتوں میں یہاں کی تاریخی روایات اور متعلقہ بائبل کی تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ کئی لحاظ سے یہ روایات بائبل کے بیانات کی تشریح کرتی ہیں اور کئی ایک جگہ مزید معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔ جو کچھ میں نے وہاں دیکھا یا پایا ذیل میں اس کے متعلق حلفی بیان دیتا ہوں۔

— میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ روضہ بل، ریشہ آصف دیا اس سے مراد حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں) موجود ہے۔ اور میں نے اس کی خود زیارت کی ہے۔

— میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے سنگ موسٰے کو دیکھا اور اسے چھوا۔

— میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ میں یوزمرگ یعنی حضرت مسیح کی وادی میں گیا۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس کے ذریعہ کشمیر میں داخل ہوئے۔

— میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے عیش مقام دیکھا یعنے جہاں حضرت مسیح نے آتے ہوئے آرام کیا۔ جہاں عصائے عیسٰے یا موسٰے محفوظ ہیں۔

— میں قسم کھاتا ہوں کہ جن لوگوں سے میں نے سوالات کئے انہوں نے نہایت ہی ایمانداری سے جوابات دیئے۔ کچھ لوگوں کو یہ یقین تھا کہ جو لوگ یہاں آئے تھے وہ حضرت عیسٰے علیہ السلام اور حضرت موسٰے علیہ السلام تھے اور دوسروں نے انہیں یوز آصف اور موسٰے یقین کیا

حضرت موسٰے علیہ السلام کی قبر کے متولیوں نے حلفاً کہا کہ یہ ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کی نگرانی میں گذشتہ 5500 سے ہے۔ سر راہ یہ ذکر بھی کرتا چلوں کہ یہ لوگ باہر کی دنیا سے اتنے کٹے ہوئے ہیں کہ انہیں ابھی تک یقین ہے کہ ہٹلر ایک عظیم بادشاہ تھا اور ان کو یہ علم ہی نہیں کہ وہ مدت ہوئی مر چکا ہے اور اس نے انہی کی نسل کے لوگوں پر انتہائی ظالمانہ تشدد کیا۔ جن لوگوں سے ہم نے ان کی تاریخ اور روایات کے متعلق گفتگو کی ان میں باہر کی دنیا سے بے خبری نمایاں تھی اور یہ اس بات کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کا حضرت عیسٰے یا یوز آصف) اور حضرت موسٰی علیہما السلام کے متعلق روایات اختراع کرنا کافی مشکل سی بات نظر آتی ہے۔ جبکہ یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ ان لوگوں پر تاریخ اور بائبل کی بیان کردہ تفصیلات کس خوبی سے پوری اترتی ہیں۔ درحقیقت ایسا نظر آتا ہے کہ ان روایات کی بنیاد چند ٹھوس حقائق پر ہے۔

یہ وہ نتائج ہیں جن پر پروفیسر فدا حسنین سالہا سال کی محنت شاقہ اور تحقیق کے بعد پہنچے ہیں۔ کچھ باتوں میں عین ممکن ہے کہ وہ غلطی پر ہوں لیکن دانستہ طور پر نہیں۔ بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے جو بنیادی نظریات اس کتاب میں قائم کئے ہیں ان پر انہیں پورا یقین ہے اور ان کی بنیاد مستحکم ہے۔

اسی طرح صاحبزادہ بشارت سلیم نے جو باتیں ہم سے بیان کیں اس میں کسی موقعہ پر بھی ہمیں یہ شک نہیں گذرا کہ وہ کوئی بات سچائی سے ہٹ کر کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی خاندانی روایات کا ذکر بھی کیا جو ان تک ان کے والد کے ذریعہ پہنچیں۔ انہیں کوئی بھی خواہش نہیں کہ وہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی نسل کی خاطر ہونے سے کوئی شہرت حاصل کریں۔

کشمیر جانے کے بعد، مختلف عبادات، تاریخی دستاویزات، مختلف قبروں کی زیارت، پروفیسر فدا حسنین، صاحبزادہ بشارت سلیم اور دیگر بہت سے کشمیری لوگوں سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد میری ذاتی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا دفعہ ہندوستان کا سفر اختیار کرنا، پھر ان کا وہیں فوت ہو کر مدفون ہونا اور اسی طرح حضرت موسٰے علیہ السلام کا بھی اسی ملک میں فوت ہو کر مدفون ہونا۔ ان سب مفروضوں کی واقعیت کے کافی مضبوط امکانات موجود ہیں۔ البتہ حتمی ثبوت کی ابھی کمی ہے۔

اسی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ قبروں کو سائنسی تحقیقات کے لئے ضرور کھودنا چاہیئے۔ مزید میں یہ بھی تجویز پیش کرتا ہوں کہ ان باتوں کی سائنس کے طریق تحقیق کے ذریعہ سچائی کی تہ تک پہنچنے کے لئے چاہیئے کہ بائبل کے علماء، غیر زبانوں کے عالم، مستشرقین، مذہب اسلام کے مستند اہل علم اور قدیم تاریخ کے ماہرین کی عالمی سطح پر ایک کانگرس بلائی جائے اور اس طریق پر کسی غیر جانبدار اور حتمی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ جس قدر وسیع پیمانے پر ممکن ہو پڑھے لکھے لوگوں تک ان باتوں کو پہنچایا جائے جن کا انہیں ابھی تک علم نہیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ ان باتوں کا حضرت عیسٰے علیہ السلام سے متعلق معتقدات کا نہایت اہم اور گہرا تعلق ہے اور پھر حضرت عیسٰے علیہ السلام ہی وہ مسلمہ شخصیت ہیں جو کہ عیسائیت کی مختلف صورتیں اختیار کرنے کے باوجود مغربی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں سب سے زیادہ مؤثر اور غالب عنصر ہیں۔

یہ امکانی باتیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور وہ جسمانی طور پر آسمان کی طرف نہیں اٹھائے گئے یہ کتاب ان کے بارہ میں جو کچھ پیش کرتی یا جو کچھ کہا جا رہا ہے یا جن لوگوں کا علم ہے یا ان کا خیال ہے کہ یہ ممکنات میں سے ہے، خلاصہ پیش کرتی ہے۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۲

[illegible] دارالسلام

جلد ۶۶ | یوم چہار شنبہ ۱۷ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء | نمبر ۳

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

بہت سے راستبازوں نے آرزو کی کہ اس زمانہ کو دیکھیں

ہمارا گروہ ایک سعید گروہ ہے جس نے اپنے وقت پر اس بندہ مامور کو قبول کر لیا ہے جو آسمان اور زمین کے خدا نے بھیجا ہے اور ان کے دِلوں نے قبول کرنے میں کچھ تنگی نہیں کی۔ کیونکہ وہ سعید تھے اور خدائے تعالےٰ نے اپنے لئے اُنہیں چُن لیا تھا۔ عنایت حق نے اُنہیں قوّت دی اور دوسروں کو نہیں دی اور ان کا سینہ کھول دیا اور دوسروں کا نہیں کھولا۔ سو جنہوں نے لے لیا اُنہیں اور بھی دیا جائے گا۔ اور ان کی بڑھوتی ہوگی۔ مگر جنہوں نے نہیں لیا ان سے وہ بھی لیا جائے گا جو اُن کے پاس پہلے تھا۔ بہت سے راستبازوں نے آرزو کی کہ اس زمانہ کو دیکھیں مگر دیکھ نہ سکے۔ مگر افسوس کہ ان لوگوں نے دیکھا مگر قبول نہ کیا۔ ان کی حالت کو میں کس قوم کی حالت سے تشبیہہ دوں۔ ان کی نسبت یہی تمثیل ٹھیک آتی ہے۔ کہ ایک بادشاہ نے اپنے وعدہ کے موافق ایک شہر میں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ وہ دیکھے کہ درحقیقت مطیع کون ہے اور نافرمان کون اور تا ان تمام جھگڑوں کا تصفیہ ہو جائے۔ جو ان میں واقع ہو رہے ہیں۔

چنانچہ وہ حاکم عین اس وقت میں جبکہ اس کے آنے کی ضرورت تھی آیا اور اس نے اپنے آقا نامدار کا پیغام پہنچا دیا اور سب لوگوں کو راہ راست کی طرف بلایا اور اپنا حکم ہونا اُن پر ظاہر کر دیا۔ لیکن وہ اس کے ملازم سرکاری ہونے میں شک میں پڑ گئے تب اس نے ایسے نشان دکھلائے جو ملازموں سے ہی خاص ہوتے ہیں۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اسے قبول نہ کیا اور اس کو کراہت کی نظر سے دیکھا اور اپنے تئیں بڑا سمجھا اور اس کا حکم ہونا اپنے لئے قبول نہ کیا۔ بلکہ اس کو پکڑ کر بے عزت کیا۔ اور اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے مارنے کے لئے دوڑے اور بہت سی تحقیر و تذلیل کی اور بہت سی سخت زبانی کے ساتھ اس کو جھٹلایا تب وہ ان کے ہاتھ سے وہ تمام آزار اُٹھا کر جو اس کے حق میں مقدر تھے اپنے بادشاہ کی طرف واپس چلا گیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اس کا ایسا بُرا حال کیا کسی اور حاکم کے آنے کے منتظر بیٹھے رہے۔ اور جہالت کی راہ سے ایسے خیال باطل پر جمے رہے کہ یہ تو حاکم نہیں تھا بلکہ وہ اور شخص ہے جو آئے گا۔ جس کی انتظاری ہمیں کرنی چاہیئے۔ سو وہ سارا دن اس شخص کی انتظار کئے گئے اور اُٹھ اُٹھ کر دیکھتے رہے کہ کب آتا ہے اور اس وعدہ کا باہم ذکر کرتے رہے جو بادشاہ کی طرف سے تھا۔ یہاں تک کہ انتظار کرتے کرتے سورج غروب ہونے لگا اور کوئی نہ آیا۔

......سو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہی حال اس زمانہ کے جفا کار منکروں کا ہوگا۔ ہر ایک شخص اپنی زبان اور قلم اور ہاتھ کی شامت سے پکڑا جائے گا جس کے کان سننے کے ہوں سنے ۔ (ازالہ اوہام)

اے عزیزو! تم تھوڑے دنوں کے لئے دُنیا میں آئے ہو اور وہ بھی بہت کچھ گذر چکی۔ سو اپنے مولیٰ کو ناراض مت کرو۔ ایک انسانی گورنمنٹ جو تم سے زبردست ہو۔ اگر تم سے ناراض ہو تو وہ تمہیں تباہ کر سکتی ہے۔ پس تم سوچ لو کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے کیونکر تم بچ سکتے ہو۔ اگر تم خدا کی آنکھوں کے آگے متقی ٹھہر جاؤ تو تمہیں کوئی بھی تباہ نہیں کر سکتا۔ اور وہ خود تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور دشمن جو تمہاری جان کے درپے ہے تم پر قابو نہیں پائے گا۔ ورنہ تمہاری جان کا کوئی حافظ نہیں۔ اور تم دشمنوں سے ڈر کر یا اور آفات میں مبتلا ہو کر بیقراری سے زندگی بسر کرو گے اور تمہاری عمر کے آخری دن بڑے غم اور غصّہ کے ساتھ گذریں گے۔ خدا ان لوگوں کی پناہ ہو جاتا ہے جو اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ سو خدا کی طرف آجاؤ اور ہر ایک مخالفت اس کی چھوڑ دو اور اس کے فرائض میں سُستی نہ کرو اور اس کے بندوں پر زبان سے یا ہاتھ سے ظلم مت کرو اور آسمانی قہر اور غضب سے ڈرتے رہو کہ یہی راہ نجات کی ہے۔ (کشتیٔ نوح ص ۶۵-۶۶)

کیسے ہی وہ سخت دل ہوں ہم نہیں ہیں نا اُمید + آیت لا تیأسوا رکھتی ہے دل کو استوار

پیشہ ہے رونا ہمارا پیش ربّ ذوالمنن

یہ شجر آخر کبھی اس نہر سے لائیں گے بار (دُرِّثمین)

تبلیغی خط و کتابت

بیرون پاکستان ترسیل لٹریچر

"میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

قصائے عالم میں اسلام پر ہمارے شائع کردہ لٹریچر کی وسیع مقبولیت

دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا + گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا

مرتبہ: چوہدری محمد حیات صاحب، اسسٹنٹ سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

گھانا (مغربی افریقہ) سے محترم محمد جمعہ صاحب لکھتے ہیں:—

"آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی۔ علاوہ ازیں اسلامی لٹریچر بھی کل ہی موصول ہوا۔ آپ کی یاد آوری اور عنایت کا از حد شکریہ مجھے حضرت مولٰنا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن اور کتاب پرافٹ آف اسلام کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں کتابیں مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ امید ہے آپ ایسا تازہ لٹریچر بھی ارسال فرمائیں گے جن سے دینِ اسلام اور دیگر مذاہب عالم کے بارے معلومات حاصل ہوں۔ اور وضو نماز وغیرہ کی تفصیلات سے بھی مطلع فرمائیں۔"

الجواب: محترم مکرم محمد جمعہ صاحب۔ آپ کا مکتوب گرامی پیش نظر ہے ہمیں خوشی ہوئی کہ آپ کو ہمارا ارسال کردہ لٹریچر مل گیا ہے۔ اُمید ہے آپ اس کا بغور مطالعہ فرما رہے ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو علم و عمل کی توفیق بخشے۔ آپ نے حضرت مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا انگریزی ترجمۃ القرآن طلب فرمایا ہے ہمیں افسوس ہے کہ سردست آپ کی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تازہ ایڈیشن ختم ہو چکا ہے اور زیرِ طباعت ہے۔ جونہی ایڈیشن تیار ہوا۔ ہم آپ کو ضرور بھجوا دیں گے۔ مطمئن رہیئے ہم نے آپ کا نام درج کر لیا ہے۔ اور دیگر مطلوبہ کتب ارسالِ خدمت ہیں۔ آپ اس سے مزید مستفید و مستفیض ہوں گے۔ والسلام

ریاست کوارا (نائیجیریا) سے محترم یعقوب ایڈیمولہ لکھتے ہیں:

"میں حمد و ثنا کے بعد آپ کو سلام کرتا ہوں۔ میں نے اپنے ایک دوست کے پاس آپ کا ارسال کردہ انگریزی ترجمۃ القرآن دیکھا اور اس کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ میں اس ترجمہ و تفسیر سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اگر آپ مجھے بھی ایک نسخہ مرحمت فرمائیں تو عنایت ہوگی۔ آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔ اس کے مطالعہ سے دینِ اسلام کے بارے میں مجھے علم و آگاہی حاصل ہوگی۔ مجھے اس ترجمۃ القرآن کے تفسیری اور تشریحی نوٹ بڑے ہی پسند آئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ مترجم و مفسر کو جزائے خیر عطا فرمائے۔"

الجواب:— مکرم یعقوب ایڈیمولہ صاحب۔ آپ کا خط ملا۔ آپ کی دعاؤں کا شکریہ۔ آپ نے انگریزی ترجمۃ القرآن اپنے دوست کے پاس دیکھا اور آپ کو پسند آیا۔ ہمیں اس امر سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ ہمارا کام ہی اسلام اور قرآن کی اشاعت ہے اور ایک عرصہ سے ہم اللہ تعالےٰ اور حضرت نبی کریم صلعم کے کام و نام کو دنیا میں پیش کر رہے ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی ہے۔ قرآن کریم زیرِ طباعت ہے۔ ذرا مہلت دیجئے۔ ہم پہلی فرصت میں آپ کو اس تحفہ سے نوازیں گے۔ انشاءاللہ العزیز۔ اس وقت اسلام کے متعلق تازہ لٹریچر آپ کو بھجوایا جا رہا ہے۔ اس کا مطالعہ آپ کے لئے یقیناً سود مند ہوگا۔

اُمید ہے آپ خط و کتابت کا سلسلہ جاری اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ کاروبار لائقہ سے یاد فرماتے رہیں۔

تامل (گھانا) سے جناب ابراہیم ایڈریس لکھتے ہیں:—

اخی فی الاسلام۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

میں یہاں کی جامع کا مدرس ہوں۔ اور یہاں علوم اسلامیہ کا درس دیتا ہوں۔ مجھے آپ کے دینی لٹریچر بالخصوص انگریزی ترجمۃ القرآن کی اشد ضرورت ہے۔ اُمید ہے ارسال کر کے شکریہ کا موقعہ دیں گے۔"

الجواب: جناب ابراہیم ایڈریس صاحب

آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ آپ کے غائبانہ تعارف سے دلی مسرت ہوئی ہے۔ امید ہے ہمارا سلسلۂ خط و کتابت جاری رہے گا۔ ہمیں اس بات سے بھی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ آپ انبیاء اور رسل کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور دین اسلام کی تعلیم پر مامور ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارا اور آپ کا گہرا تعلق ہے۔ ہم اس زمانہ کے مامور کی اتباع اور ہدایت کے تحت تبلیغ دینِ اسلام کا مقدس کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور اسلام اور دیگر مذاہب پر ہم نے جو لٹریچر تیار کیا ہے اس کی ایک دنیا معترف ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

آپ نے انگریزی ترجمۃ القرآن طلب کیا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی آپکی خواہش پوری کی جائے گی۔ اس وقت ہم اپنا دیگر لٹریچر و کتب آپ کو بھجوا رہے ہیں۔ آپ اور آپ کے طلباء اس کو یقیناً پسند کریں گے۔

مغربی افریقہ کے ٹریننگ کالج سے مسٹر سموئیل لکھتے ہیں:—

"جناب مکرم! میں نے حضرت مولٰنا محمد علی صاحب کی تفسیر و ترجمہ اپنے ایک دوست کے پاس دیکھا ہے۔ مجھے یہ کتاب بے حد پسند آئی ہے۔ اگرچہ میں عیسائی ہوں۔ تاہم اس کا مطالعہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس سے اسلام کے بارے میں مجھے بہت کچھ حاصل ہوگا۔"

الجواب: محترمی سموئیل صاحب۔ آپ کا مکتوب گرامی ملا بصد شکریہ۔ ہم آپ کی خواہش پر قرآن کریم ضرور ارسال کرتے۔ مگر حاضر سٹاک ختم ہونے کی وجہ سے ہم سردست معذور ہیں۔ البتہ دینِ اسلام پر چند کتب ارسال ہیں۔ ان کو بغور پڑھیئے اور حاصل مطالعہ سے مطلع فرمایئے۔ اور یہ بھی لکھیں کہ اسلام میں وہ کونسی باتیں ہیں جو آپ کو اچھی نہیں لگتیں اور جن کی وجہ سے آپ ان سے دور ہیں اور اس طرح وہ جو عیسائیت میں ہیں ان کا بھی تذکرہ فرمائیں۔ ہم یقیناً ان کے بارے میں نشاندہی کر سکیں گے کہ یہ اسلام میں موجود ہیں۔

آپ کو خوشی حاصل ہوگی یہ معلوم کر کے کہ حضرت مسیحؑ ہمارے بھی اسی طرح محترم و مکرم نبی و رسول ہیں جس طرح آپ کے۔ مگر ہم نے ان کی پیشگوئی کی روشنی میں اور ان کی تائید و تلقین کی تکمیل کے لئے آنے والے نبی حضرت محمد صلعم کو مانا ہے جس نے وہ دین پیش کیا جو حضرت مسیحؑ بلکہ دیگر تمام انبیاء و رسل نے پیش کیا تھا۔ اور وہ دین دینِ اسلام ہے جو تاقیامت بنی نوع انسان کی رہنمائی و ہدایت کرتا رہے گا۔ ہم آپ کو اس دین سے علم و عمل کی دعوت دیتے ہیں اور آپ کیلئے دعاگو ہیں۔ کاروبار لائقہ سے یاد فرمائیں۔

گھانا سے استاد عبدالعلی لکھتے ہیں:—

"آپ کا مکتوب ملا جس میں آپ نے ترسیلِ کتب کے بارے میں لکھا ہے۔ لیکن بصد انتظار وہ کتب اب تک مجھے موصول نہیں ہوئیں۔ آج پھر باعث زحمت ہوں۔ مہربانی فرما کر توجہ دیں اور اسلامی کتب پہلی فرصت میں ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ مجھے شدت سے انتظار ہے۔ آپ نے مجھے مطالعۂ دین کا شوق دلایا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مطالعہ کے لئے کتب نہیں۔ مارکیٹ میں اسلامی لٹریچر نایاب ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو خدمتِ دین کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دے۔"

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔

اہلِ ربوہ کا عقیدہ کہ اب مجدد نہیں خلیفے ہوں گے

(قسط نمبر ۲)

احباب ربوہ کے دو (مایۂ ناز) حوالے اور ان سے غلط استدلال ذیل میں مقرر صاحب کے دو حوالے پیش کر کے بتلاتا ہوں کہ انہوں نے ان دو حوالوں میں کیسا غلط استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں حوالے احباب ربوہ کے مایۂ ناز حوالے ہیں۔ اس لئے ان کی تشریح کرنا بھی ضروری ہے اور یہ دونوں حوالے حسب ذیل ہیں۔ مقرر صاحب کہتے ہیں کہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" صفحہ ۸ و ۹ پر فرمایا ہے:—

"جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ بغیر کسی جدید شریعت کے۔"

ایسا ہی آپ نے اپنے مکتوب مؤرخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء میں فرمایا ہے:—

"میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔"

مندرجہ بالا دونوں حوالوں میں نبوت کے ایک مفہوم کی رُو سے دعوئے نبوت کا انکار کیا ہے اور ایک مفہوم کی رُو سے نبوت کا اقرار کیا ہے۔ جس مفہوم کی رُو سے جس نبوت کے دعوے سے انکار کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:۔

"مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے۔ اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالےٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اس جگہ بھی یہی معنے نہ سمجھ لیں۔"

میری حیرانگی میں حیران ہوں کہ مقرر صاحب نے اشتہار ایک غلطی کے ازالہ کا یہ حوالہ کیوں پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ہمیشہ اس امر سے انکار کرتے رہے ہیں۔ جس امر سے اس حوالے میں انکار کیا گیا ہے اور یہ نبوت جس کا حوالے میں انکار کیا گیا ہے اور جس کا ہمیشہ سے انکار کرتے چلے آ رہے ہیں یہ وہ نبوت ہے جس کو حضور ہمیشہ سے شرعی اصطلاح یا اسلامی اصطلاح میں نبوت کہتے چلے آ رہے ہیں اور اسی نبوت کے حامل کو زمرۂ انبیاء کا فرد قرار دیتے چلے آ رہے ہیں۔ پس اس نبوت کے دعوے کے انکار سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضور اپنے آپ کو مدعی نبوت نہیں قرار دے رہے۔ بلکہ مدعی نبوت ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔ دیکھئے اگر یہ کہا جائے کہ زید انسان ہے یا زید حیوانِ ناطق ہے تو ان دونوں فقروں کے مفہوم میں کیا فرق ہوگا۔ دونوں فقرے زید کی انسانیت کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مستقل طور پر نہ نبی ہوں اور نہ شریعت لایا ہوں یا یہ کہ میں مدعی نبوت نہیں ہوں تو ان دونوں فقروں کے مفہوم میں کیا فرق پڑے گا پہلا فقرہ بھی یہی بتلا رہا ہوگا کہ مدعی اپنے آپ کو مدعی نبوت نہیں رہا (قرار دے رہا) اور دوسرا فقرہ بھی اسی مفہوم کو ادا کر رہا ہوگا پس حضرت اقدسؑ نے اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں جو یہ لکھا ہے کہ میں نے جس جس جگہ کہا ہے کہ میں مستقل نبی ہوں نہ شریعت لایا ہوں تو اس کے معنے یہی ہیں کہ میں مدعی نبوت نہیں ہوں کیونکہ شریعت کی اصطلاح میں نبی وہی ہو سکتا ہے جو مستقل ہو یا شریعت لائے۔ مجمل یا جزوی باقی جو حضرت نبی کریم صلعم کا پیرو بن جاتا ہے اُس کو صرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل ہوتا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں اُس پر مجاز کے طور پر یا محض لغوی معنوں میں نبی کے لفظ کا اطلاق تو ہو سکتا ہے۔ پہلے بزرگ بھی ایسا ہی کہتے رہے ہیں لیکن وہ زمرۂ انبیاء کا فرد نہیں بلکہ زمرۂ اولیا کا ہی فرد ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور "ازالہ اوہام" کے صفحہ ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ پر فرماتے ہیں:—

(حاشیہ: کی پیروی اور محبت میں فنا ہو کر حضرت نبی کریم صلعم)

"ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے مگر اس کو اُمتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ خبر دی گئی کہ اے اُمتی لوگو وہ تم میں سے ہی ہوگا۔ اور تمہارا امام ہوگا اور نہ صرف قولی طور پر اس کا اُمتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلا دیا کہ وہ اُمتی لوگوں کے موافق صرف قال اللہ و قال الرسول کا پیرو ہوگا اور حل مغلقات و معضلات دین نبوت سے نہیں بلکہ اجتہاد سے کرے گا اور نماز دوسروں کے پیچھے پڑھے گا۔ اب ان تمام ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی۔ جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے۔ اور نبوت تامہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو یہ بات کہ اس کو اُمتی بھی کہا اور نبی بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں اُمتیت اور نبوت کی اس میں پائی جائیں گی جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شانِ نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے براہین احمدیہ میں بھی اس عاجز کا نام اُمتی بھی رکھا اور نبی بھی۔ کیونکہ ممکن نہ تھا کہ خاتم النبییّن کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آ سکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبرئیل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اُسی کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائد دین جبرائیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔"

پہلے بزرگوں کے اقوال کہ محض مکالمہ الٰہیہ پانے والا زمرۂ انبیاء کا فرد نہیں ہو سکتا حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۲۸ پر حضورؑ فرماتے ہیں:—

"لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ بعض اوقات خدا تعالےٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے۔ سارا جھگڑا یہ ہے۔ جس کو نادان متعصّب اور طرف کھینچ کر لے گئے ہیں آنے والے مسیح موعودؑ کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبوی سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کی رُو سے ہے جو صوفیا کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالماتِ الٰہیہ کا ہے ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا؟"

اس سے ظاہر ہے کہ تمام اہل دل اسے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ اُمت میں مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل کرنے والے بزرگ زمرۂ اولیاء کا فرد ہی کہلا سکتے ہیں زمرۂ انبیاء کا فرد نہیں کہلا سکتے۔ یہی حضور کا مسلک رہا ہے۔

دوسرا حوالہ اور مقام افسوس دوسرا حوالہ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مقرر صاحب نے تقوے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مکمل نہیں ادھورا پیش کیا ہے۔ آئندہ قسط میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

رپورٹ: مولوی شفقت رسول خان۔
تلخیص: عبدالرؤف کھوکھر۔

جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء کی مختصر روئیداد

مؤرخہ ۲۸ دسمبر بروز جمعرات جلسہ کا دوسرا دِن

اجلاس اوّل - مؤرخہ ۲۸/۱۲ - مکرم چوہدری حنیف اختر صاحب ترنم سے پڑھا۔

محترمہ جمیلہ خان صاحبہ صدر جماعتِ احمدیہ لندن (انگلستان) نے انگریزی زبان میں تقریر کی اور اس کا ترجمہ محترم شاہد عزیز صاحب سیکرٹری جماعت احمدیہ یوکے، نے اُردو زبان میں پیش کیا۔ محترمہ جمیلہ خان صاحبہ نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ کہ میں جلسہ میں شامل ہو کر بڑی خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ آپ نے کہا کہ جب سے جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور چوہدری مسعود اختر صاحب انجمن کی جانب سے امام اور نائب امام بنا کر انگلستان بھیجے گئے ہیں۔ وہ بڑی تندہی اور مشنری جذبہ سے کام کر رہے ہیں۔ ان کی مساعی جمیلہ سے جماعت مضبوط ہو رہی ہے۔ چندہ بڑھ رہا ہے اور جماعت کے عزّ و وقار میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اُنہوں نے بتایا کہ ٹرینیڈاڈ میں مولانا امیر علی مرحوم نے احمدیت کو بڑی تقویت دی اور سرینام میں مولانا عبدالرحیم جگو صاحب نے احمدیہ تحریک کا آغاز کیا۔ مولانا جگو صاحب سے مخالفین کی دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ مخالفین نے مولانا عبدالرحیم جگو کو قتل کرنے کی نیّت سے ان کے مکان کا گھیراؤ کیا۔ مگر مولانا کے دوستوں نے آپ کو چھپا دیا۔ اس طرح حملہ آور ناکام لوٹ گئے۔

ایسے حالات میں جان جوکھوں میں ڈال کر مولانا جگو صاحب نے خدمتِ دین کی ہے۔ آپ نے کہا کہ مغرب میں تبلیغ اسلام کی غرض سے لٹریچر چھاپ کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور کچھ لٹریچر کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرایا جا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ لنڈن میں ہماری مسجد نہیں ہے اور وہاں مسجد بنانا نہایت ضروری ہے جس کے لئے ہم موزوں جگہ کی تلاش کر رہے ہیں۔

اس کے بعد محترم مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی سنہ ۱۹۷۷-۱۹۷۸ء کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی جس کی مطبوعہ کاپیاں حاضرینِ جلسہ میں تقسیم بھی کی گئیں۔

سالانہ رپورٹ سنائے جانے کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے سورۃ فتح کی دو آیات هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله .... اجراً عظیما کی تلاوت کر کے اپنی تقریر کا آغاز فرمایا اور کہا کہ پہلی آیت میں غلبۂ اسلام کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور دوسری میں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے ترویج و اشاعتِ اسلام ہوگی۔ اور اب بھی اسلام کا غلبہ اسی وقت ہوگا جب مسلمان قوم ان اوصاف کی حامل ہوگی۔

خدا تعالےٰ کی سنّت اور طریق و قوانین جو ظاہری اور پوشیدہ طور پر کائنات میں جاری و ساری ہیں، وہ غیر متبدل ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے ولن تجد لسنة الله تبديلا ولن تجد لسنة الله تحويلا۔

قرآن پاک میں بار بار اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کائنات میں تمہیں کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔ ان فی خلق السموات...... فقنا عذاب النار۔ زمین و آسمان کی پیدائش اور رات دِن کے ردّ و بدل میں عقلمندوں کے لئے نشان ہیں۔ جس طرح کائنات کے مادی قوانین غیر متبدل ہیں۔ اسی طرح رُوحانی اور اخلاقی قوانین بھی غیر متبدل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں ذکر کو پہلے اور فکر کو بعد میں لایا گیا ہے تاکہ انسان اخلاقی ترقی کی راہ سے ہٹ کر مادی ترقی کی جانب ہی نہ جھک جائے کیونکہ صرف مادی ترقی انسان کو آگ میں جھونک دے گی۔ آپ آج ساری دُنیا کی کیفیت دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح آگ کے اندر جل رہی ہے۔ اخلاقی طور پر انسان کا ترقی کرنا ضروری ہے کیونکہ اس زندگی کے علاوہ ایک دوسری زندگی بھی ہے جو ابدی اور حقیقی زندگی ہے۔ اور جس کا انحصار اعلےٰ اخلاق و کردار اور تعلق باللہ پر ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نے جماعت کے افراد کو اعلےٰ اخلاق اعلےٰ اخلاقی اور اسلامی اقدار کے حامل بن سکتے ہیں۔ آپ نے افرادِ جماعت کو نمازِ پنجگانہ کے علاوہ نمازِ تہجد پر بھی اپنی توجہ مرکوز کرنے کو کہا۔

آپ نے فرمایا کہ ہماری جماعت ایثار پیشہ جماعت ہے۔ جس نے اپنا ایک مقصد متعین کیا ہے یعنی اعلائے کلمۃ الاسلام اور دعوت الی اللہ۔ اور یہ مقصد نہایت اعلےٰ و ارفع ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے عملی نمونہ کے علاوہ اس پر مال خرچ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے خدمتِ دینِ اسلام کے کام کے لئے چندہ کی اپیل فرمائی۔ جس پر سب حاضرین، احباب و خواتین اور ہر چھوٹے بڑے نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اور دلی جذبہ کے ساتھ اپنے اموال اس راہ میں پیش کئے اور انفاق فی سبیل اللہ کا عملی مظاہرہ کیا۔

اجلاس دوم۔ دوسرا اجلاس ۲½ بجے زیرِ صدارت جناب میاں ظہور احمد صاحب شروع ہوا۔ مولوی شفقت رسول خاں صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ حافظ عبدالرؤف صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ پڑھ کر سنائے جس کے بعد مکرم مولانا بشیر احمد منٹو نے آیاتِ کریمہ یا ایها الذین امنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا و انتم مسلمون........ بنعمته اخوانا۔ کی تلاوت کر کے استحکام جماعت کے طریقوں پر مدبّرانہ تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر آدمی کو غور و خوض کرنا چاہیئے کہ ہم جماعت کو کس طرح مضبوط اور مستحکم بنا سکتے ہیں۔ کسی بھی جماعت کو منظم کرنے کے لئے بنیادی نکات اجتماع۔ اتحاد، امتزاج اور انتظام ہیں۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے عزیزوں کو دعوت دی، پھر قریش اور اہلِ مکہ کو، پھر تمام عرب اور پھر تمام اہلِ عالم کو دعوتِ اسلام دی۔ حضور صلعم کی سب سے پہلے مخاطب قوم صدیوں سے جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور وہ ایک منتقم قوم تھی جس سے انتقام کی آگ نسل در نسل چلتی تھی۔ یعنے بقول حالی مرحوم "سدا چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں"

حضور صلعم کا یہ سب سے بڑا معجزہ ہے جسے اغیار بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پراگندہ اور اخلاق باختہ قوم کو اکٹھا کر کے اخوت و اتحاد کی لڑی میں پرو دیا۔ اور وہ بھائی بھائی بن گئے۔ حضور صلعم نے افرادِ قوم پر یعنی صحابہ پر ان کی استعداد و صلاحیت کے مطابق بوجھ ڈالا اور پھر جب مہاجر مدینہ پہنچے تو حضورؐ نے طبائع کی مناسبت سے ان کا بھائی چارہ قائم کیا۔

فاضل مقرر نے اپنی تقریر میں مزید فرمایا کہ ایمان باللہ کے دعوے کے ساتھ عمل کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ افرادِ جماعت کو اپنے اعمال و احوال پر نگاہ رکھنا چاہیئے کہ ان کا عمل بھی شرائطِ بیعت کے مطابق ہو۔ تاکہ وہ محبت و یگانگت اور اتحاد و تنظیم کے ذریعہ اور آگے بڑھ سکیں۔

ان کے بعد مولانا نذیر محمد صاحب خوشابی نے "ختم نبوّت اور جماعت احمدیہ" کے

موضوع پر ایک فکر انگیز اور بصیرت افروز تقریر کی اور ختم نبوت کے جملہ پہلوؤں پر مفصل بحث کرتے ہوئے بڑے یقین سے اعلان کیا۔ کہ اس وقت دنیائے اسلام میں صرف احمدیہ جماعت لاہور ہی ایک ایسی جماعت ہے جو **ختم نبوت کی حقیقی داعی ہے۔**

آپ نے اپنی تقریر کا آغاز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر سے کیا:۔

ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برد شد اختتام

فاضل مقرر نے کہا کہ ہماری جماعت ہی واحد جماعت ہے۔ جس کا ایمان ہے کہ **حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں** ۔ حضورؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے نہ پرانا۔ فاضل مقرر نے فرمایا کہ آخر آج یہ جھگڑا کیوں پیدا ہوا ہے۔ جبکہ تکمیل دین ہو چکی اور نبوت ختم ہو چکی ہے۔ تو کیا ختم نبوت کے بعد انسان کا خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ضرورت ہے یا نہیں۔

جملہ انبیاء کرام کی نبوتیں ختم ہو گئی ہیں اب صرف اور صرف **نبوت محمدیہؐ** ہی زندہ ہے اور صرف ایک ہی نبی زندہ ہے جس کی پیروی سے خدا کو پایا جا سکتا ہے۔ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ** ۔ اگر خدا سے ملنا اور محبت کرنا چاہتے ہو تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع شرط ہے۔ آپ نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ:۔

یورپ سے ایک طوفان اٹھا کہ یسوع مسیح زندہ ہے اور باقی سب پیغمبر مر گئے ہیں۔ اس حاشر پروپیگنڈا کے اثر سے مغلوب ہو کر لوگ عیسائی ہونا شروع ہو گئے۔ اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی بعثت سے قبل تقریباً تیس لاکھ کی تعداد میں لوگ عیسائی ہوئے۔ **حضرت امام وقت** نے اس کا جواب دیا، اور فرمایا کہ حضرت عیسٰےؑ خدا نہیں تھے بلکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور حوائج بشری کے محتاج تھے اور وہ **اپنی طبعی موت مر چکے ہیں** ۔ کیونکہ کوئی انسان اپنے جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر (یعنی خدا تک) نہیں پہنچا۔ حتیٰ کہ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ **ھل کنت الا بشرا رسولا** ۔ اکثر علماء کی تقلید میں مسلمان حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دو ہزار برس سے آسمان پر زندہ مانتے تھے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ عیسائی مشنریوں کو مدد دیتا تھا۔ اور دھڑا دھڑ مسلمان عیسائی ہو رہے تھے۔

ایسے وقت میں حضرت امام وقت نے ببانگ دہل اعلان فرمایا کہ **محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور وہ خاتم النبیین ہیں۔ حضور کے بعد نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے نہ پرانا۔ لانبی بعدی** نے ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ آپ کی تقریر بڑی مدلل اور مؤثر تھی۔

ان کے بعد مکرم چوہدری فتح محمد عزیز صاحب ایڈووکیٹ نے مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کے موضوع پر بڑی عارفانہ اور فاضلانہ تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

انیسویں صدی مسیحی اور اوائل تیرھویں صدی ہجری کو علم و عقل، سائنس و فلسفہ اور روشنی کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں لوگ صرف اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے جو تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہو۔ اسی لئے اس زمانہ میں مذہب پر حملہ ہوا اور علی الاعلان خدا تعالےٰ کے وجود کو فرضی اور قیاسی قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ خدا تعالےٰ کی ہستی ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اسکے جواب میں مجدد وقت نے وجود باری تعالےٰ پر منقولی اور عقلی دلائل دیئے اور اس سلسلہ میں ضرورت الہام کو پیش کیا اور فرمایا کہ عقل سے ہم محسوسات کا علم حاصل کر سکتے ہیں مگر ماوراء محسوسات کو جاننا عقل کے بس میں نہیں۔ اس بارہ میں صرف الہام الٰہی سے رہنمائی ممکن ہے۔

فاضل مقرر نے توجہ دلائی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ اس سلسلہ میں اشد ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ایک صاحب رشد و ہدایت اور ملہم من اللہ اور مامور وقت کی تصنیفات ہیں۔ جن میں علم و عرفان اور آگہی کا ایک بحر ذخار ہے۔ اور وہ ایک طالب حق کی پیاس بجھا سکتی ہیں۔ براہین احمدیہ۔ اسلامی اصول کی فلاسفی اور برکات الدعا کا آپ نے بالخصوص نام لیا اور ان کے مطالعہ کی تحریک کی اور فرمایا کہ اس زمانہ مادیت و الحاد میں خدا تعالےٰ پر زندہ ایمان صرف اور صرف حضرت مسیح

موعود کے دامن سے وابستگی سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ [illegible]

آہ! میرے بھائی جان

الحاج ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ جن کو دو سال کی عمر میں اللہ نے حضرت مسیح زمان کی دعا سے ایک مہلک بیماری سے شفا بخشی۔ وہ عہد طفولیت سے اسّی سال کی عمر تک۔ ایک سچے مسلمان۔ پکے مومن۔ پرجوش احمدی کی زندگی گزار کر۔ اپنی مخدوش صحت کے باوجود جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کی سعی کرتے ہوئے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۸ء کی سحر کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

میدان جنگ میں جان ہارنے والے بہادر کی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی فوج کا یہ پرجوش سرگرم سپاہی جلسہ گاہ کے ہمسایہ میں ہمیشہ کی نیند سو گیا جبکہ جلسہ کے بک سٹال پر اس کے جہاد بالقلم کی نشانیاں موتیوں کی طرح بکھری پڑی تھیں۔

ان کی یاد میں اور ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے میں مبلغ ایک ہزار روپیہ اشاعت قرآن کے لئے نذر کرتی ہوں ۔ اور اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں سے التجا کرتی ہوں کہ جہاں وہ میرے بھائی جان کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں وہاں اپنی اس دور افتادہ بہن کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ کہ اب پردیس کی اداس تنہائیوں میں اللہ ہی ساتھی ہو۔

غمزدہ رضیہ فاروقی۔
مقیم لندن۔ انگلینڈ۔ یو۔ کے

قرارداد تعزیت جماعت کراچی

مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۷۸ء بعد نماز جمعہ احباب سلسلہ کا اجلاس زیر صدارت جناب میاں رحیم بخش صاحب صدر جماعت کراچی منعقد ہوا۔ اجلاس میں جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم کی وفات پر مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس ہوا۔

کراچی جماعت میاں ممتاز احمد فاروقی خلف الرشید جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔ مرحوم جماعت کے نہایت مخلص اور محب احباب میں سے تھے۔ اور جماعت احمدیہ لاہور کے ایک طرح کے ستون تھے۔ آپ نے کئی کتب بھی تحریر فرمائیں۔ جن میں فتح حق اور کسر صلیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کسر صلیب کو شائع کر کے جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور نے حضرت صاحب کے کام کسر صلیب کو دنیا پر واضح کیا۔ ہم ایک جماعت کا درد رکھنے والے بزرگ سے محروم ہو گئے ہیں۔

ان کی اچانک وفات کی خبر سے دوستوں پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ وہ دن بھی ہماری اجتماعی دعاؤں کے ایام تھے۔ کہ مرحوم اس دار فانی سے کوچ کر کے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

بعد نماز مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

جماعت کراچی نہایت درد دل سے دعا کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی ایک کاپی پیغام صلح کو بھیجی جائے اور ایک کاپی ان کے بھائی جناب نصیر احمد فاروقی کو بھیجی جائے۔

محمد حسن خاں۔ سیکرٹری جماعت کراچی
(مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء)

مجدّدِ صدِ چہاردہم اور سابق مجدّدینِ اُمّت

جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء میں محترم چوہدری شکر اللہ خان صاحب منصور کی تقریر

جناب صاحبِ صدر و معزز سامعین!

(اصل مقصدِ تقریر کا بیان شروع کرنے سے پہلے میں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اوّل میں تقریر کرنے سے عمداً محترز ہوں۔ میرے گلے میں ایک خرابی ہے۔ ذرا اونچی آواز میں تھوڑی دیر بولنے سے اس میں اضافہ ہو جاتا ہے جو بعد میں کئی روز تک میرے لئے باعثِ تکلیف بنا رہتا ہے۔ دوم میں کوئی واعظ مقرر نہیں ہوں۔ نہ کوئی عالم یا علامہ ہوں۔ بلکہ ایک وکیل ہوں۔ اور حضرت مجدّد الوقت اور اس جماعت کے موقف کی SUPPORT (تائید) اور وکالت کرنے کا جذبہ رکھتا اور سعی کرتا ہوں۔)

دو تین ماہ قبل اخبار پیغامِ صلح کی سات آٹھ اشاعتوں میں میرا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا:—

"میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنے دعوے ماموریت من اللہ میں سچّا ماننے پر کیوں مجبور ہوں"

اس مضمون کے چھپنے کے بعد متعدد خطوط مجھے ملے ہیں۔ بعض دفتر انجمن کی طرف سے REDIRECT ہو کر آئے اور بعض DIRECT مجھ تک پہنچے ہیں۔ ان میں بہت سے POINT اُٹھائے گئے ہیں۔ اور کئی سوالات اور مطالبات کئے گئے ہیں۔ لیکن میرے مضمون کے اصل موضوع کی طرف بالکل توجہ نہیں کی گئی۔ اس میں مندرجہ دلائل و وجوہات پر کوئی اظہارِ خیال نہیں کیا گیا۔ ان کی تردید و تغلیط میں کوئی دلیل نہیں دی گئی۔ ان سب سوالوں اور مطالبوں کا جواب اس تقریر میں ممکن نہیں۔ نہ وقت ہے اور نہ اتنا عرصہ میں بول سکتا ہوں۔ البتہ بوقت فرصت ان سب کے بارے میں جواب لکھ کر پیش کروں گا۔ اس وقت مجھے اس خط کے اعتراض کے جواب کے سلسلہ میں مختصراً کچھ عرض کرنا ہے جو میری اس تقریر اور اس عنوان کا باعث بنا ہے۔

ہم کہتے ہیں۔ یعنی ہماری جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب اس زمانہ میں خدمتِ اسلام کے لئے

خدا کی طرف سے مامور کئے گئے اور خدا آپ سے ہمکلام ہوتا تھا

اس دعوے کو اصلاحی طور پر کسی نام سے نامزد کیا جائے، اصل دعوے آپ کا یہی تھا۔ اور یہ منصب آپ کا

بحیثیت مجدّد تھا نہ بحیثیت نبی

اس لئے ہم آپ کو نبی نہیں مانتے چودھویں صدی کا مجدّد مانتے ہیں۔

میرے اس مضمون کو پڑھنے والے کسی صاحب نے ہمارے اس عقیدہ پر اعتراض کیا ہے۔ معترض صاحب کہتے ہیں:—

"مرزا صاحب سے قبل جس قدر مجددین گذرے کسی نے بھی مامور من اللہ ہونے کا دعوے نہیں کیا اور نہ اپنی تحریروں میں لکھا کہ قوم اسے مجدّد مامور من اللہ قبول کرے۔ یہ خصوصیت صرف مرزا صاحب کی ہے کہ آپ نے بڑی تحدّی کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کا دعوے کیا اور مجدّد کے علاوہ محدث، مسیح، مہدی، ظلّی، بروزی نبی ہونے کا اعلان کیا۔"

یہ اعتراض دراصل کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ ایک STATEMENT ہے یعنی ایک بیان ہے [illegible] بعض غلط ہیں اور بعض صحیح۔ اس وقت مسلمان کہلانے والے لوگوں میں مجدّدین کے آنے کے متعلق تین قسم کے عقیدے یا نظریے پائے جاتے ہیں—

(۱) ایک وہ ہے جو حضرت مرزا صاحب کے دعوے اور اس کی مخالفت سے پہلے سب مسلمانوں میں مسلّم اور متفقہ چلا آ رہا تھا۔ وہ یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد اُمّت محمدیہ میں خدمتِ دین اسلام کے لئے [illegible]

(۲) [illegible] وہ یہ ہے کہ مجدّدین تو آئیں گے مگر خدا کی طرف سے نہیں بلکہ لوگ خود جسے پسند کریں گے اور مناسب سمجھیں گے مجدّد قرار دیدیں گے۔ یہ عقیدہ مودودی صاحب اور ان کے ہمخیالوں کا ہے۔ شاید ان کے دل میں کوئی خواہش اور جذبہ موجزن ہو۔

(۳) تیسرا نظریہ وہ ہے جسے پیدا ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد امت میں کسی مجدّد کسی مسیح اور کسی مہدی کے آنے کا عقیدہ محض ایک جھوٹا افسانہ ہے اور مجوسیوں کی باطل اختراع ہے۔ یہ نظریہ غلام احمد پرویز اور ان کے ہمنواؤں کا ہے۔"

کسی اعتراض کے جواب کا پورا حق تب ادا ہو سکتا ہے جب یہ بھی معلوم ہو کہ خود معترض کا اپنا عقیدہ کیا ہے۔ ہمارے اس معترض نے اس امر کو واضح نہیں کیا۔ بہرحال ان کے بیان اعتراض سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے میرے بیان کردہ پہلے اور دوسرے عقیدہ کو اپنے ذہن میں خلط ملط کر رکھا ہے۔ میں ان کی اس ذہنی گڑبڑ کو ذرا کھول دیتا ہوں اور یہی میرا جواب ہوگا۔ معترض صاحب کا یہ اعتراض اگر اسے اعتراض قرار دیا جائے تین اعتراضوں یا تین شقوں پر مشتمل ہے۔ ان تینوں شقوں کے الگ الگ تجزیہ کی ضرورت ہے۔

پہلی شق۔ کہتے ہیں معترض صاحب کہ

مرزا صاحب سے قبل جس قدر مجدّدین گذرے کسی نے بھی مامور من اللہ ہونے کا دعوے نہیں کیا۔ اور نہ اپنی تحریروں میں لکھا کہ قوم اسے مجدّد مامور من اللہ قبول کرے"

لیکن انہوں نے اُن مجدّدین کے نام نہیں بتائے جو بقول ان کے مرزا صاحب سے پہلے گذرے۔ البتہ ان کے اس اندازِ بیان و اعتراض سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ انہیں مجدّدین کے آنے کے عقیدہ پر ضرور یقین ہے۔ لہٰذا ان کے لئے قابلِ غور یہ سوال ہے کہ

مجدّدین کے آنے کے عقیدہ کی بنیاد کیا ہے؟

یہ بنیاد حضرت نبی عربی بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی ہے جو حدیث مجدّد کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس میں صریح الفاظ میں کہا گیا ہے:—

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ

اللہ مبعوث کرے گا۔ یہاں پر بعض لوگ حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے انکار کی خاطر اس حدیث کی صحت اور قبولیت سے انکار کر دیتے ہیں۔ اسے جھوٹی یا وضعی قرار دینے لگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ختم نبوت کے بعد سے اللہ تعالیٰ کسی کو مامور کرتا ہی نہیں۔ لیکن میں اُن سے کہتا ہوں کہ ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور دعوے کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مامور کیا ہے۔ پھر اپنے اس دعوے یعنی ماموریت من اللہ کو دلائلِ عقلیہ۔ نشانات سماویہ۔ فیصلہ جات الٰہیہ کے ذریعہ ثابت کر کے ان کے اس خود ساختہ مفروضہ کو باطل کر دیتا ہے تو پھر اس صورت میں اس بے سند مفروضہ کو بار بار دوہراتے جانا کوئی انصاف کی بات اور دیانتدارانہ روش نہیں ہے بلکہ ایک بے معنی بات ہے۔ بہرحال یہ ایک الگ مضمون ہے۔ میں اس وقت ان لوگوں سے بات کر رہا ہوں جو اس حدیث سے انکاری نہیں ہیں۔ حدیث کے الفاظ صریحہ ان اللہ یبعث یعنی اللہ مبعوث کرے گا۔ ان کے لئے ازحد قابلِ غور ہیں۔

اللہ کی طرف سے مبعوث ہونا۔ اور مامور من اللہ ہونا یہ ہر دو فقرے ایک ہی بات ہے۔ اور ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ جو شخص اللہ کی طرف سے مبعوث ہو اسی کو مامور من اللہ کہتے ہیں اور مامور من اللہ کے دعوے کا یہی مطلب ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ مجدد کا اللہ کی طرف مبعوث ہونا اور ایسا دعوے کرنا ضروری ہے۔ جو شخص اللہ کی طرف سے مبعوث نہ ہو وہ اس حدیث کے ماتحت مجدد نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مبعوث تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر ایسا دعوے یا اعلان کا اظہار نہیں کرتا تو گویا وہ ایک سچائی کو چھپاتا اور کتمانِ حق کرتا ہے اس لئے وہ بھی اس حدیث کے ماتحت مجدد نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ مطالبہ کہ سابقہ مجددین کے ایسے دعوے ان کی تحریروں سے نکال کر دکھائے جائیں تو یہ امر ہمارے اوپر لازم نہیں ہے۔

اوّل۔ اس لئے کہ مجددین بھیجنے کے لئے صرف ملک ہندوستان ہی محدود اور مخصوص نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کے سامنے ساری دُنیا پڑی تھی۔ اب خُدا ہی جانتا ہے کہ اس نے کہاں کہاں اور کون کون سے مجدد اس حدیث کے ماتحت مبعوث کئے۔

دوم۔ اس لئے کہ یہ شرط بھی کہیں تحریر نہیں ہے کہ جو شخص اس حدیث کے ماتحت مجدد مبعوث ہونے کا اعلان و اظہار کرے وہ اس اعلان و اظہار کو ضبطِ تحریر میں بھی ضرور لائے۔ زبانی اعلان و اظہار بھی ایسا ہی دعوے ہے جیسا کہ تحریری دعوے۔

سوم۔ اس لئے کہ اگر میں معترض صاحب سے یہ کہوں کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر انبیاء گذرے ان کے دعوے ان کی تحریروں سے نکال کر دکھلاؤ تو وہ ہرگز نہ دکھلا سکیں گے۔

بہرحال معترض صاحب کی تسلی کے لئے ایک مثال انہیں سنا دینا کافی سمجھتا ہوں کیونکہ

؎ اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردگار

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہویں صدی ہجری میں مجدد ہونے کا دعوے کیا۔ آپ اپنی کتاب تفہیماتِ الٰہیہ میں لکھتے ہیں :۔

"خدا نے مجھے اس زمانہ میں خلعت مجددیت سے نوازا ہے"

اور پھر لکھتے ہیں :۔

"خُدا نے مجھے سمجھایا اور بتلایا کہ تو اس طریقہ کا امام ہے۔ تیری محبت اور فرمانبرداری کے ماسوا قربِ الٰہی کے تمام طریقے بند کر دیئے گئے ہیں۔ تیری عداوت رکھنے والا ارضی اور سماوی کسی برکت کا مورد نہ ہوگا۔ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب سب تیری رعیت ہیں اور تو ان کا بادشاہ ہے خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں اگر جان لیں گے تو کامیاب ہوں گے۔ اگر نہیں جانیں گے تو خائب و خاسر رہیں گے۔"

کوئی بتلائے کیا یہ مجدد مامور من اللہ ہونے کا دعوے ہے یا نہیں اور قوم کو اسے قبول کرنے کی دعوت ہے یا نہیں ہے؟ پھر میں معترض صاحب سے پوچھتا ہوں کہ انہیں حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مامور من اللہ پر اعتراض کیا ہے؟ اس میں انہیں کیا حرج اور نقصان دکھائی دیتا ہے؟ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ نے یہ دعوے کر کے ثبوت کیا فراہم کیا؟ اور کیا گواہی اور شہادت دی؟ یہ دعوے کر کے اور سارے جہان کو مخاطب کر کے جو ثبوت، گواہی اور شہادت آپ نے دی وہ کئی بار لوگوں کو سُنا دی گئی ہے۔ سُنئے :۔ ؎

اسلام کو ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھا + نُور ہے نُور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

معترض صاحب کا اعتراض باعثِ حیرت ہے۔ ایک مسلمان کو خوش ہونا چاہیئے اور آپ کا مشکور و ممنون کہ گمراہی اور ضلالت کے اس زمانہ میں خدا کی طرف سے مامور ہو کر آپ نے دلائل عقلیہ اور نشانات سماویہ کے ذریعہ تمام دینوں اور مذہبوں کے بالمقابل اسلام کی سچائی اور صداقت کا ڈنکا بجا دیا۔

دوسری شق : معترض صاحب کہتے ہیں :۔

"مرزا صاحب نے متعدد دعوے کئے ہیں۔ مجدد کے علاوہ محدثیت۔ مہدی۔ ظلی بروزی نبی۔ حالانکہ سابقہ مجددین میں سے کسی نے یہ سب دعوے نہیں کئے۔"

معترض صاحب معلوم نہیں اس سے کیا نتیجہ نکالتے ہیں اور انہیں اس پر اعتراض کیا ہے اور کیوں ہے؟ حضرت نبی اکرم بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کریم اور احادیث میں متعدد دعوے درج ہیں مثلاً سید ولد آدم۔ رحمۃ للعالمین۔ رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ خاتم النبیین۔ الحاشر۔ الماحی۔ العاقب وغیرہ۔ حالانکہ کسی سابقہ نبی نے یہ دعوے نہیں کئے تھے۔ کوئی شخص اس پر اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ یہ سب اصل میں نرے دعوے نہیں ہیں بلکہ حقیقتیں اور سچائیاں ہیں۔

آپ بلاشک نبیٔ اعظم تھے۔ سابقہ انبیاء ان دعووں کے اہل نہیں تھے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے یہ دعوے بھی نرے دعوے نہیں بلکہ حقیقتیں اور سچائیاں ہیں۔ اصل دعوے آپ کا صرف ایک ہی تھا کہ خدمتِ اسلام کے لئے آپ منجانب اللہ مامور فرمائے گئے ہیں۔ مجدد آپ اس لئے تھے کہ دین کو آپ نے تازہ کیا۔ محدث اس لئے کہ خدا آپ سے ہمکلام ہوتا تھا۔ مسیح اور مہدی اس لئے کہ کسرِ صلیب اور قتل خنزیر آپ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا۔ اور ظلی بروزی نبی اس لئے کہ غیر نبی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ کو بعض اخبار غیبیہ پر مطلع فرماتا تھا۔ آپ مجددِ اعظم تھے۔ سابقہ مجددین یہ سب دعوے نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ سوال ہے کہ آپ نے ان سب دعووں کا نتیجہ کیا بیان کیا اور ان کا ماحصل کیا بتایا۔ کیا کوئی نیا دین نکالا یا اسلام کے علاوہ کسی اور دین و مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دی؟ نہیں! بلکہ جو نتیجہ اور ماحصل ان سب دعوؤں کا آپ نے بتلایا وہ کئی بار دُنیا کو سنایا گیا ہے۔ فرمایا ؎

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہُدیٰ یہی ہے + اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا + اور آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

کیا یہ نتیجہ اور حاصل ہمارے معترضین کو ناپسند اور ناگوار ہے۔ ایک مسلمان کو فخر کرنا چاہیئے اور خدا کا شکر کہ خدا کی طرف سے آنے والے ایک مجدد۔ مسیح اور مہدی نے تمام دنیا کے مذاہب کے بالمقابل دین اللہ اسلام کی حقیقت اور صداقت کی قطعی اور یقینی ثبوتوں کے ساتھ شہادت دی۔

تیسری شق : کہتے ہیں ہمارے معترض صاحب کہ :۔

"مرزا صاحب نے مامور من اللہ ہونے کا دعوے اس زور اور تحدی کے ساتھ پیش کیا کہ سابقہ مجددین میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔"

میں مانتا ہوں اور کھلا اعتراف کرتا ہوں کہ معترض صاحب کی یہ بات بالکل درست اور مبنی بر حقیقت ہے لیکن قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ حالاتِ زمانہ کا یہی تقاضا تھا۔ جس کثرت، زور اور تحدی کے ساتھ چودھویں صدی میں خدا کے وجود کا انکار کیا گیا پہلی صدیوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ عیسائیوں۔ ہندوؤں۔ یہودیوں وغیرہ نے خدا کے متعلق جو عقیدے بنا رکھے تھے وہ ہر توں سے ظاہر ہیں۔ اس زمانہ میں نصف انسانی دُنیا یعنی اشتراکی خیالات کے پیروکار خدا کے وجود سے برملا انکار کر گئے۔

خدا کو ماننے والے صرف مسلمان باقی رہ گئے تھے وہ بھی چودھویں صدی میں آ کر خدا کو اس کی خدائی سے جواب دینے کے منصوبے باندھ بیٹھے۔ کہتے ہیں ختمِ نبوت کے ساتھ خدا بھی وہ خدا نہ [illegible] ب وہ بالکل چپ ہے زبان ہے۔ نہ کسی سے بولتا ہے۔ نہ کسی [illegible] ورنہ دخل دینے کا کوئی اختیار رکھتا ہے۔ انسان اب اس سے [illegible] اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ایسے خدا کو ماننے پر کون آمادہ ہوگا اور کس لئے [illegible]؟ یہی وجہ ہے آج انسانی دُنیا خدا خوفی سے عاری اور بے راہروی میں غرق [illegible] ان حالات کا عین تقاضا تھا کہ خدا کوئی اپنا مامور ایسا کھڑا کرے جو اس [illegible] موجودگی کا اسی زور اور تحدی

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۱)

مکرم مولوی احمد گل صاحب۔ فاضل دیوبند۔ لاہور

موجودہ زمانہ کے مذہبی مسائل اور علمی الجھنیں
جن کا
امامِ وقت حضرت مسیح موعودؑ نے حل پیش کیا
(قسط نمبر ۳)

بدقسمتی سے مسلمانوں نے جہاں شریعت کے اور بہت سے اسرار کو نہیں سمجھا وہاں انہوں نے اس حدیث کا سطحی مفہوم لے کر یہ سمجھ لیا ہے کہ مسیح موعودؑ آتے ہی قارون کے خزانے لٹانے شروع کر دے گا۔ روپے اور سونا چاندی اس کثرت سے لوگوں تقسیم کرے گا کہ وہ لیتے لیتے تھک جائیں گے اور انہیں مال و دولت کے رکھنے کی کوئی جگہ نہ ملے گی۔ بالآخر وہ تنگ آ کر وہ اموال کو لینے سے بھی انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں مزید ضرورت نہیں۔

مسلمانوں کا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے؟ اسے ہم نے اس رنگ میں دیکھنا ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی نبی یا مامور من اللہ ایسا بھی آیا ہے جس نے آتے ہی تھیلیوں کے منہ کھول دیئے ہوں اور لوگوں کی جھولیاں بھر دی ہوں؟ اور انہیں مال و دولت دے کر بے نیاز کر دیا ہو؟ بلکہ اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرستادے، زبنت، بے کسی اور بے بسی کی حالت میں آتے ہیں۔ لوگوں کو روپیہ دینے کی بجائے اُن سے دینی ضروریات کے لئے چندوں اور عطیات کی صورت میں مالی قربانی کی اپیل کرتے ہیں۔ جس پر ناسمجھ لوگ یوں معترض ہوتے ہیں یداللّٰہ مغلولہ (نعوذ باللہ) خدا تنگ دست ہو گیا ہے مگر یہ عجیب مسیح ہوگا کہ آتے ہی تمام انبیاء کی سُنّت کے خلاف لوگوں کے گھروں کو مال و زر سے بھرنا شروع کر دے گا۔ گویا اس کی بعثت کا مقصد یہی متاعِ قلیل ہوگا۔ حالانکہ انبیاء کے ہاں دُنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ زر و مال کی بجائے رُوحانی نعماء سے لوگوں کے گھر اور ان کے دامن بھرا کرتے ہیں۔

بہرحال یہ حدیث ایک عرصہ تک لوگوں کے لئے ایک معمہ بنی رہی ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ ظاہری الفاظ اور مفہوم کو ناقابلِ قبول سمجھ کر حدیث کا سرے سے انکار کر بیٹھے اور ان کا ایک کثیر حصہ اس انتظار میں پُرامید ہے کہ ایک نہ ایک دن مسیح آ کر مال و دولت کی فراوانی کر دے گا۔ مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس

یفیض المال کی توجیہہ نمبر ۱

مسیح نے آنا تھا، اس نے اس زمانے میں آ کر اس حدیث کی صداقت کو نصف النہار طرح ظاہر کر دیا ہے اور آتے ہی رُوحانی جواہر بکھیرنے شروع کر دیئے اور اس کثرت سے بکھیرے کہ مومنوں کا دامنِ مراد گوہروں سے بھر گیا۔ مگر جو اس کے مخالف تھے، انہوں نے حسبِ عادت لینے سے انکار کر دیا جیسا کہ حدیث میں خبر دی گئی تھی:-

"مسیح موعودؑ مال لٹائے گا اور لوگ اسے قبول نہیں کریں گے۔"

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام نے حقائق و معارف کے انبار دنیا کے سامنے پیش کئے اور بآوازِ بلند اعلان فرمایا

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے اُمیدوار

خوش قسمت لوگوں نے ان جواہر و خزائن سے یقیناً فائدہ اُٹھایا مگر بدبخت اور سخت دل لوگ انہیں حاصل کرنے میں قاصر رہے اور منہ موڑ کر بیٹھ گئے۔

اس وضاحت کے بعد بھی اگر اہلِ علم حضرات اس حدیث کے ظاہر معنی لینے پر بضد ہوں تو حضرت مرزا صاحب نے اس صورت میں بھی ان کی تسلی کر دی ہے۔ آپ نے یفیض المال کے تحت لوگوں کے سامنے اپنے اموال پیش کئے اور مذہب و ملت کے ماننے والوں کو بیسیوں انعامی اشتہارات کے چیلنج دیئے مگر لایقبلہ احد کے مطابق کوئی شخص بھی انہیں

توجیہہ نمبر ۲

قبول کر کے انعامات لینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ ایسے چیلنج اگرچہ بہت ہیں مگر بطور نمونہ ان میں سے صرف چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) مخالفین اسلام کو دس ہزار روپے کا انعام۔ (براہین احمدیہ۔ حصّہ اوّل۔ صفحہ نمبر ۱ تا ۱۲)

(۲) عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے پر پانچ ہزار روپے کا انعام۔ (ٹائٹل پیج۔ منن الرحمٰن)

(۳) ویدوں سے پرمیشور کا وجود ثابت کرنے پر دس ہزار روپے کا انعام۔ (چشمۂ معرفت۔ صفحہ نمبر ۱۲۸)

(۴) ابطال تناسخ کے دلائل توڑنے پر پانصد روپیہ کا انعام۔ (اعلان متعلقہ مضمون ابطال تناسخ)

(۵) توحید کے دلائل پر ایک ہزار روپیہ کا انعام۔ چشمۂ معرفت صفحہ نمبر ۱۲۵۔

(۶) کیا رُوح کی تعداد کا پرمیشور کو علم نہیں؟ پر پانصد روپیہ کا انعام۔ (اشتہار باوا صاحب کی شرائط مطلوبہ سفر ہند کا ایفاء)

(۷) عیسائیوں کو ایک ہزار روپیہ کا انعام۔ (اشتہار ۲۴ مئی ۱۸۸۸ء)

(۸) مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اگر اسلام کے تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو تو صحیح حدیث تو کیا کوئی وضعی حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے اور پھر کسی زمانہ میں زمین کی طرف واپس آئیں گے۔ اگر کوئی ایسی حدیث پیش کرے تو ہم ایسے شخص کو بیس ہزار روپے تک تاوان دے سکتے ہیں اور توبہ کرنا اور تمام اپنی کتابوں کو جلا دینا اس کے علاوہ ہوگا۔ جس طرح چاہیں کر لیں۔"

(کتاب البریہ صفحہ ۶۳)

اس صورت میں پیشگوئی یفیض المال کے الفاظ اپنے ظاہری اور باطنی دونوں معنوں کے لحاظ سے آپ پر صادق آتے ہیں اور اپنے مسیح موعودؑ ہونے کے دعوے پر آپ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر فرماتے ہیں:۔

"میں اس خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں وہی موعود ہوں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ صحیحہ میں ہمیں خبر دی ہے جو بخاری اور مسلم اور دوسری صحاح میں .... درج ہیں۔

وکفی باللّٰہ شہیدا۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۱۳)

یفیض المال کی تیسری توجیہہ

ہمارے معاندین کو اب بھی اگر یہ توجیہہ و توضیح قابلِ قبول نہ ہو (جو قسط نمبر ۳ کے آخر میں دی گئی ہے) تو ان کی تسلی کے لئے ہم ایک تیسری صورت بھی پیش کرتے ہیں، جس پر انہیں پیشگوئی کے پُورا ہونے پر اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ جبکہ یہ صورت ان کے اصول، النصوص تحمل علیٰ ظاھرھا کے عین مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ

شارحینِ احادیث اور مترجمین نے جہاں یفیض المال کے جملہ میں حضرت مسیح کو فاعل اور مال کو مفعول بہ قرار دیکر اسے باب افعال سے تسلیم کیا ہے اور معنی یوں کئے ہیں کہ "مسیح مال بانٹیں گے" یا اُسے تقسیم کریں گے۔ وہاں انکے بعض حضرات نے اسے ثلاثی مجرد سے لیا ہے، جس کے معنے بڑھنے اور بہنے کے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری مترجمہ مولانا وحید الزمان صاحب، باب نزول عیسٰی میں عبارت مع اعراب اس طرح درج ہے:۔

وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ اَحَدٌ۔

یہاں یفیض المال بفتح یا اس بات پر دلیل ہے کہ یہ صیغہ باب افعال سے نہیں بلکہ ثلاثی مجرد میں سے ہے، جس کی ماضی فاض ہے اور جس کے معنے بڑھنے اور پھیلنے کے ہیں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے یفیض المال کا

ترجمہ یوں کیا ہے۔ "اس وقت روپیہ پھیل پڑے گا۔" اس کی توثیق بخاری مجتبائی جلد اول صفحہ و محشی مولانا احمد علی مرحوم سے بھی ہوتی ہے جہاں یفیض المال کی عبارت بمع اعراب درج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یفیض کا تعلق ثلاثی مجرد سے ہے نہ باب افعال سے۔ اسی کتاب کے حاشیہ پر یفیض کے معنی یکثر المال کے بھی لکھے ہیں۔ یعنے اس وقت مال بڑھ جائیگا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعود کے زمانے میں مال و متاع کی کثرت سیم و زر اور مال و دولت کی فراوانی، درہم و دینار اور روپیہ کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہو جاوے گا۔ بلکہ مشکوٰۃ میں جو حدیث ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے، اس سے تو یہ معاملہ اور بھی صاف ہو جاتا ہے۔ جہاں لکھا ہے یکثر فیکم المال فیفیض یعنے اس زمانے میں پانی کے بہاؤ کی طرح مال و دولت لوگوں میں جاتی ہے جن میں مسیح موعودؑ اور مہدی مسعود کے آنے، یاجوج ماجوج اور دجال کے خروج کرنے کا ذکر ہے۔ تو دوسری طرف حضرت نبی کریمؐ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے چودہ سو سال پہلے اپنی کشفی نگاہ سے موجودہ زمانے کی حالت دیکھ کر۔ مال و دولت اور مادی اشیاء کے پھیلاؤ کا انکشاف کیا تھا۔ ؎

اُمی و در علم و حکمت بے نظیر + زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

نزولِ مسیح کے متعلق حضرت مرزا صاحب کی ایک پیشگوئی (محترمہ ... حضرت)

ناصری کی وفات اور مسیح و مہدی کے نزول کی علامات کی توضیح کے بعد آخر میں جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کی ایک پیشگوئی کا ذکر کر دینا مناسب ہے جو آپ نے مسیح ناصری کی وفات اور نزول کے عقیدے پر بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:—

" اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اسی خدا کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کی رُو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا...... یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسٰی ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی عیسٰے ابنِ مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا۔ اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی، مگر مریم کا بیٹا ابھی تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب سب دانشمند یک دفعہ اس عقیدے سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسٰے کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سب نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں یہی ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵)

آخر پر حضرت مسیح موعودؑ کے ان الفاظ پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں جن میں آپ نے مسلمان بھائیوں کو شفقت کے طور پر اور ہمدردی کے رنگ میں نصیحت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:—

" سو اے بھائیو میں نصیحتاً للہ پوری ہمدردی کے جوش سے جو مجھے آپ سے اور اپنے پیارے دین سے ہے آپ لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ آپ لوگ غلطی پر رہے ہیں اور سخت غلطی کر رہے ہیں کہ محض تحکم کی وجہ سے مکاشفات نبویہ کو صرف ظاہری الفاظ پر محدود کر بیٹھے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ ان باتوں کو حقیقت پر حمل کرنا گویا اپنی ایمانی عمارت کی اینٹیں اکھیڑنا ہے۔ میں متعجب ہوں کہ اگر آپ استعارات کو قبول نہیں کر سکتے تو کیوں ان امور برتر از فہم کی تفسیر کو حوالہ بخدا نہیں کرتے۔ اس میں آپ کا یا آپ کے دینی جوش کا کیا حرج ہے۔ کس نے آپ پر زور ڈالا ہے یا کب اور کس وقت آپ کو رسول کریمؐ کی طرف سے ایسی تاکید کی گئی ہے کہ ضرور ایسے الفاظ کو حقیقت پر ہی حمل کرو۔"

(ازالہ اوہام۔ صفحہ ۲۳۳)

سالانہ اعلان کرے۔ اس کے وجود کے اب بھی زندہ موجود ہونے کو ثابت کرے۔ ثریا پر جا چکے ایمان کو واپس زمین پر لا کر قائم کر دے۔ اسی بناء پر حضرت نے فرمایا تھا:—

وقت ہے وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اور یہ کام اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے وجودِ باجود سے لیا۔ اس زمانہ میں صرف حضرت مرزا صاحب کا وجود ہی وہ واحد وجود ہے جو بتلاتا اور یقین دلاتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی ہستی اب بھی اسی طرح زندہ موجود ہے جیسا کہ پہلے تھی۔ اسی وجہ سے آپ کا یہ ارشاد ہے:—

؎ صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اخبارِ احمدیہ

صدر جماعت یو۔ کے۔ محترمہ مسز جمیلہ خان صاحبہ کی پشاور میں آمد

جلسہ سالانہ میں شمولیت کے بعد آپ مؤرخہ ۱/۷۹ بذریعہ ہوائی جہاز پشاور تشریف لائیں اور صدر جماعت پشاور جناب ڈاکٹر عبدالعزیز خان صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ دوسرے دن بہت سی خواتینِ جماعت نے آپ سے ملاقات کی۔ جماعتی اور دوسرے باہمی دلچسپی کے امور پر کافی دیر تک تبادلۂ خیالات ہوا۔ محترمہ مسز جمیلہ خان صاحبہ خواتین جماعت سے مل کر بڑی خوش ہوئیں۔ ان خواتین کے ہمراہ آپ کا گروپ فوٹو بھی لیا گیا۔

تیسرے روز چوہدری سعید احمد صاحب نے معززہ مہمان موصوفہ کو طورخم اور درۂ خیبر کی سیر کرائی۔ آپ ۳ر جنوری کو واپس لاہور تشریف لے گئیں۔

(مرسلہ: محمد الرحمٰن صاحب از پشاور)

(تبلیغی خط و کتابت از صفحہ ۲)

الجواب:—

آپ کا شکایت نامہ پہنچا۔ ریکارڈ کی پڑتال کے بعد معلوم ہوا کہ لٹریچر آپ کو بحری ڈاک کے ذریعہ بھجوایا گیا ہے۔ جو آپ کو ضرور مل جائے گا۔ تاہم کچھ وقت انتظار کی زحمت آپ کو کرنا پڑے گی۔ آپ کی اس شکایت سے آپ کے جذبہ و ذوق اسلام کا نمایاں اظہار ہوتا ہے۔ اللہ یہ لگن اور تڑپ ہر دل میں پیدا کر دے۔ ہم نے آپ کے خط کی تعمیل میں اسلامی کتب بھجوا دی ہیں اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ ترسیلِ ڈاک میں تاخیر کا ازالہ ہمارے ذرائع و وسائل سے باہر ہے۔ ہمارا بس چلے تو آپ کو ہی کیا دنیا جہان کے ایک ایک فرد بشر کے ہاتھ میں اسلام کی تعلیم آنِ واحد میں پہنچا دیں۔ لیکن مجبوریاں ہیں جن کے ہاتھوں ہم بے بس ہیں۔ ہمارے مالی ذرائع اجازت نہیں دیتے کہ ہم ہوائی ڈاک پر خطیر رقم خرچ کر سکیں۔ اس لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

اسلام میں مرتد کی سزا

17/79

دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر و اکراہ جائز نہیں

ایڈیٹر کی ڈاک کے کالم میں ایک مسئلہ زیر بحث ہے کہ "اسلام میں مرتد کی کیا سزا ہے"۔ پہلے جناب انوار الحق مینائی نے اپنے دلائل نہایت ہی مختصر پیش کئے اور اس کے جواب میں جناب ملک غلام علی صاحب اور پھر عثمان علی صاحب نے ایک تردیدی مضمون شائع کرا دیا۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ تینوں اصحاب نے اس اہم مسئلے پر قرآن کریم کی رُو سے تفصیلاً روشنی نہیں ڈالی۔ میں آپ کے سامنے مسئلے کے اس پہلو پر یعنی قرآن کریم کی روشنی میں خامہ فرسائی کر رہی ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کے پڑھنے سے ذہنوں میں جو ابہام ہے وہ دُور ہو جائیگا۔

ضابطۂ خداوندی کے مطابق راہ اختیار کرنے کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں ایمان ہے اور اس کے خلاف روش زندگی کا نام کفر۔ ایمان کے مطابق زندگی گذارنے کے اپنے تقاضے ہیں، جو اس راہ کو اختیار کرے گا اس کے لئے ان ضوابط کی پابندی لازمی ہوگی۔ لیکن اس باب میں کوئی زبردستی نہیں کہ انسان ضابطۂ ایمان کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے یا ضابطۂ کفر کے مطابق، بالفاظِ دیگر انسان کو پورا پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ ایمان اختیار کرے یا کفر، یہ قرآن کریم کا واضح فیصلہ ہے :—

" وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر " (۲۹ : ۱۸)

اُن سے کہہ دو کہ تمہارے ربّ کی طرف سے حق (نکھر کر) سامنے آ گیا۔ اَب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کُفر اختیار کرے۔

" فمن اھتدی فلنفسہ ومن ضلّ فانما یضلّ علیہا " (۳۹ : ۴۱)

جو راہِ ہدایت پر چلے گا تو اس کا فائدہ خود اسے پہنچے گا اور جو گمراہ ہوگا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا۔

" ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً افانت تکرہ النّاس حتّی یکونوا مؤمنین " (۱۰ : ۹۹)

اگر تیرے ربّ کی مشیت میں ہوتا تو رُوئے زمین کے تمام باشندے ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ نے انہیں مجبور نہیں پیدا کیا۔ اس لئے تو کیا لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ ضرور ایمان لے آئیں۔

کفر ایمان کے معاملے میں قطعاً زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ اس میں جبر و استبداد کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ اللہ نے انسان کو آنکھیں عطا کر دیں اور باہر سورج کی روشنی عام کر دی۔ اب جس کا جی چاہے آنکھیں کھُلی رکھ کر دیکھ بھال کر چلے اور جس کا جی چاہے آنکھیں بند کر کے کنوئیں میں گر جائے۔

" قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ و من عمی فعلیہا وما انا علیکم بحفیظ " ([illegible])

(ان سے کہہ دو) تمہاری طرف تمہارے ربّ کی طرف سے روشن دلیلیں آ چکی ہیں۔ سو جو اس کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے کام لیتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور جو آنکھیں بند کر کے چلے گا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ میں تم پر نگہبان نہیں مقرر کیا گیا کہ میں تمہیں زبردستی ایک راہ پر چلاتا رہوں۔

اس سے ذرا آگے چل کر قرآن مجید میں ہے :—

" ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلنٰک علیہم حفیظاً وما انت علیہم بوکیل " (۶ : ۱۰۸)

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھے ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تو ان کا وکیل ہے۔

قرآن مجید کفر و ایمان کے معاملے میں طبعی قوّت استبداد کے استعمال کو انسانیت کے خلاف سنگین جرم قرار دیتا ہے۔ اس نے فرعونِ مصر کے خلاف جو فردِ جرم مرتب کی ہے اس میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ وہ کفر و ایمان کے معاملے پر استبداد سے کام لیتا تھا چنانچہ جب اس کے دربار کے ساحرین حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تو اس نے گرج کر کہا :—

"اٰمنتم بہ قبل ان اٰذن لکم۔ (۷ : ۱۲۳)

کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے ہو۔ یعنی تم نے کفر اور ایمان کے معاملے میں اپنے ہی فیصلے کو حرفِ آخر سمجھ لیا اور یہ نہیں دیکھا کہ اس باب میں میری منشاء کیا ہے؟ اچھا

" فلسوف تعلمون " (۲۶ : ۴۹)

تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

" لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم اجمعین " (۲۶ : ۴۹)

تمہارے ہاتھ اور پاؤں اُلٹی طرف سے کٹواتا ہوں، اور اس کے بعد تم سب کو سُولی پر چڑھاتا ہوں۔

یہ تھا وہ فرعون کا حکم جسے قرآن مجید نے اس کے سنگین جرائم کی فہرست میں گنوایا ہے اور یہ ایک فرعونِ مصر پر ہی کیا موقوف تھا۔ تمام فراعنہ دہر اپنے اپنے وقتوں میں یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ قومِ شعیبؑ نے حضرت شعیب سے کہا تھا کہ :—

ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی بستی سے باہر نکال دیں گے۔ او لتعودن فی ملتنا (۷ : ۸۸) یا تمہیں ہمارے مذہب میں واپس آنا ہوگا۔

بلا علم و بصیرت ایمان لانے سے کچھ حاصل نہیں اس لئے کہ ایمان کا تعلق یکسر انسان کے قلب سے ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو مسلمانوں کی فتوحات سے متاثر ہو کر ان کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے وہ انہیں بھی کھُلے کھلے الفاظ سے کہتا ہے کہ اپنے آپ کو مؤمن مت کہو۔ ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (۴۹ : ۱۴) اس لئے کہ ہنوز ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا۔ اور کفر ہو یا ایمان، اس کا تعلق قلب کی گہرائیوں سے ہے۔ جب تک یہ اقرار دل کی گہرائیوں سے نہیں ہوتا اقرار کہلا ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کسی شخص سے زبردستی کفر کا اقرار لے لیا جائے۔ درآں حالیکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس کا اس قسم کا اقرار اسے کافر نہیں بنا دیتا۔ من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (۱۶ : ۱۰۶) اسے کفر پر مجبور کر دیا جائے حالانکہ [illegible] دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو [illegible] کافر نہیں ہو جاتا۔

[illegible] مجید نے ہمارے دُنیا پر [illegible] سے لکھ دیا کہ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (۲ : ۲۵۶) دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر اور اکراہ جائز نہیں۔ ہدایت اور گمراہی [illegible] دوسرے سے متمیز ہو چکی ہے۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (۱۸ : ۲۹) جس کا دل چاہے ایمان اختیار کرے جس کا دل چاہے کفر کی راہ پر چلے لست علیہم بمسیطر تم ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے کہ انہیں زبردستی مسلمان بناؤ۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین (۳ : ۸۴) اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہشمند ہوگا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ تباہ و نامراد ہوگا۔

اس آیت میں تو ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے اسلام کو اختیار ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہدایت پانے کے بعد پھر کفر اختیار کر گئے :—

" کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البیّنٰت واللہ لا یھدی القوم الظّالمین اولٰئک جزاؤھم ان علیہم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والنّاس اجمعین خالدین فیہا لا یخفف عنہم العذاب ولا ھم ینظرون الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا فانّ اللہ غفور رّحیم "

(۳ : ۸۵ تا ۸۹)

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ اس قوم کو ہدایت دے دے جس نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لی حالانکہ اس نے گواہی دی تھی کہ اللہ کا رسول برحق ہے اور اس کے سامنے روشن دلیلیں بھی آ چکی تھیں۔ اللہ صحیح مقام سے ہٹ جانے والوں پر ہدایت کی راہیں نہیں کھولتا۔ ان لوگوں کے اس عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی۔ فرشتوں کی اور انسانوں کی سب لعنت والا ہے۔

یہ ہے ذکر ان لوگوں کا جو اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف پھر جائیں۔ آپ دیکھئے ان کے متعلق یہ نہیں کہا کہ جس قوم نے ارتداد کیا سزا میں قتل کر دینا چاہیئے غور کیجئے اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو ان لوگوں کے پھر سے اسلام میں آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے برعکس اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کے طبعی موت سے مرجانے کا ذکر ہے:

"ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفراً لن تقبل توبتھم واولئک ھم الضالون۔ ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدی بہ۔ اولئک لھم عذاب الیم وما لھم من نصرین (۳: ۸۹ تا ۹۰)

جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا اور پھر اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ یہی لوگ ہیں جو راہ راست سے بھٹک گئے۔ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے۔ تو اگر ان میں سے کوئی شخص پورا کرۂ ارض سونے سے بھر دے۔ جب بھی اس کے فدیئے میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

غور کیجئے قرآن مجید کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اسلام لانے کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لی مرتد ہو گئے۔ اور پھر اسی حالتِ کفر میں مر گئے (وماتوا وھم کفار) تو ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ دیکھئے یہاں ان کے طبعی موت مرجانے کا ذکر صاف طور پر موجود ہے۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو نہ ان کے کفر میں بڑھ جانے کا ذکر ہوتا کیونکہ جسے قتل کر دیا جائے وہ کفر میں بڑھتا کیسے جائے گا؟ کفر میں ازدیاد تو اس وقت ہوگا جب مرتد ہونے کے بعد جیتا رہے اور نہ یہ لکھا ہوتا کہ وہ بحالت کفر مر جائیں۔

ایک اور آیت دیکھئے جس میں ارتداد کا خصوصی ذکر ہے۔ فرمایا:

"یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ...... الخ (۵: ۵۴)

اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی مرتد ہو جائے تو ایسے لوگوں کی جگہ خدا ایک ایسی قوم پیدا کر دے گا جنہیں خدا دوست رکھے گا اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہوں گے .... الخ۔

دیکھئے بات کس قدر صاف ہے۔ اللہ تعالےٰ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہوتا ہے تو ہو جانے دو یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ایسے لوگوں کی جگہ ہم ایسی قوم لے آئیں گے جو صحیح مومنانہ صفات کی پیکر ہوگی۔ اس آیت میں بھی یہ کہیں نہیں لکھا کہ ان لوگوں کو قتل کر دو۔ قتل کرنا تو ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں تک فرما دیا کہ اگر یہ ایسا کرتے ہیں تو کرنے دو تمہیں ان پر پاسبان بنا کر تھوڑا ہی بھیجا گیا ہے ومن تولی فما ارسلنٰک علیھم حفیظاً (۴: ۸۰) جو کوئی پھر جائے تو اے رسول: ہم نے تمہیں ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔

بہرحال یہ ہیں قرآن کی وہ چند آیات جن کا ذکر ابھی تک کسی نے بھی نہیں کیا۔ آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ مرتد کے معاملے میں قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اسلام کے بعد کفر اختیار کر لینا کوئی جرم نہیں۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ مسلمان رہے یا اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرے۔ اس لئے جب یہ چیز جرم ہی نہیں تو اس کی سزا کیسی۔

باقی رہی روایات کا معاملہ تو میرے نزدیک نہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا حکم دے سکتے تھے جو قرآن کی تعلیم کے خلاف ہو اور نہ ہی ہمارے آئمہ فقہ رحمہ کے متعلق ایسا خیال کر سکتی ہوں۔ اس لئے یہ چیزیں وضعی اور بعد کی اختراع ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آئمہ فقہ کی طرف منسوب کرنا غلطی ہے۔ صحیح اور غلط کا واضح ... قرآن ہے ... [illegible]

مآب کی شان اقدس کے خلاف (معاذ اللہ) بڑی سوء ادبی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ امروز۔ مورخہ ۶ر جنوری ۱۹۶۹ء)

بسلسلہ تربیت شبان

مسلمان کی اخلاقی حس

مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم

مسلمان کا دل آئینہ کی طرح صاف ہوتا ہے۔ جس میں بغض یا کینہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔ مسلمان کی اخلاقی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ اور اس کی ضمیر نہایت پاک ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ بازار میں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو ایک عورت کے ساتھ ہم کلام ہوتے دیکھا۔ آپ نے اس کو دھمکایا اور ایک کوڑا رسید کیا اس پر اس نے کہا:۔ "امیرالمومنین! یہ تو میری بیوی ہے" آپ بہت پشیمان ہوئے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس جا کر ان سے کہا کہ مجھ سے کس قدر غلطی ہوئی کہ میں نے ایک بے گناہ کو مارا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیوں اس قدر محسوس کرتے ہیں آپ کی نیت تو ٹھیک تھی۔ اگر غلطی سے کوڑا لگ گیا تو حرج نہیں۔ مگر آپ کو اطمینان نہ ہوا۔ آپ اس شخص کے پاس پہنچے اور کوڑا اس کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ "تو اپنا بدلہ لے لو"۔ اس نے کہا "امیرالمومنین، غلطی تو میری ہے کہ میں نے برسرِ عام اپنی بیوی سے کلام کی جس سے آپ کو شبہ ہوا۔ آپ نے بجا طور پر مجھے تنبیہ فرمائی ہے آپ کا کچھ قصور نہیں۔ اور اگر ہے تو بھی میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح ایک دن غلطی سے آپ کے دُرّے کا سرا ابنِ سلمٰی کے لگ گیا۔ آپ کو اس پر بہت افسوس ہوا اور اس کی تلافی کی یہ تجویز کی کہ کچھ درہم لے کر اس کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ ایک دن غلطی سے میرے دُرّے کا سرا آپ کو لگ گیا تھا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اور درہم پیش کئے۔ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین مجھے تو یاد بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تو یاد ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھ سے باز پرس نہ ہو۔

ایک دفعہ ایک شخص پاؤں دراز کئے مسجد میں سو رہا تھا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کا پاؤں اس پر پڑ گیا وہ بلبلا اٹھا اور بڑے جوش سے کہنے لگا کیا تو اندھا ہے۔ آپ نے کمال تحمل سے جواب دیا "اے بھائی! میں اندھا تو نہیں ہوں۔ غلطی سے میرا پاؤں تم پر پڑ گیا ہے جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ اور تم سے معافی کا خواستگار ہوں"

هفت روزہ پیغامِ صلح

خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔ (ادارہ)

رپورٹ: راحیل جستجو غم

کارروائی جلسہ شبان الاحمدیہ بر موقع جلسہ سالانہ

مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء - بعد شام

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کا خصوصی اجلاس مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء شام سوا سات بجے ہالینڈ سے معزز مہمان جناب محمد اسحاق حامدی صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جناب بنیاد اللہ صاحب گجراتی کی خوش الحان تلاوت کلام پاک سے اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد منصور جاوید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پڑھ کر سنائے جن میں آپ نے نوجوانوں کو تقوےٰ اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔

اجلاس کے پہلے مقرر راولپنڈی سے جناب مظہر الدین احمد نے تشہد و تعوذ کے بعد سورۃ حٰم سجدہ کی آیات کے حوالے سے اپنے خطاب میں بیان کیا کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے کے بعد استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کوئی سختی یا مصیبت ان کے قدموں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ وہی لوگ مقربین الٰہی ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ اور اخروی زندگی کے لئے بھی انہیں بشارات دی جاتی ہیں۔ فاضل مقرر نے تاریخ اسلام سے بہت سی مثالیں بھی پیش کیں کہ کس طرح سے دین کے معاملے میں استقامت دکھلانے والے کامیاب و کامران ہوئے۔ موصوف نے احباب سلسلہ پر زور دیا کہ اس دور میں ہمیں بھی استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔

ان کے بعد فاروقیہ سے محترم عبدالعزیز خان صاحب مائیک کے سامنے تشریف لائے۔ اور سورۃ التوبہ کی آیات پڑھ کر ان کے معانی بیان کئے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ اس نور کو پورا کرے گا۔ جیسا کہ ۱۹۷۴ء میں جماعت کو نابود کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ لیکن خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہ منصوبے ناکام رہے۔ گو کہ اب بھی خطرات موجود ہیں۔

شبان الاحمدیہ لائق تحسین ہے کہ اس نے ان حالات میں پرچم احمدیت کو بلند رکھا ہے۔ خدا تعالےٰ وہ دن جلد لائے کہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کا نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔

اس ایمان افروز خطاب کے بعد ہالینڈ کی معزز خاتون محترمہ زبیدہ لال محمد صاحبہ نے مترنم آواز میں ایک پُراثر نظم سنائی۔

> کسی کو بھی بجز اللہ کے سجدہ نہ کرنا تم
> کہیں انسانیت کے نام کو رسوا نہ کرنا تم

اس نظم کے بعد ملتان سے ایک ننھے مقرر نے اپنی توتلی زبان میں بیان کیا کہ "ہم کون ہیں"۔ بعدہٗ جناب ارشد حسین نے حضرت مسیح موعودؑ کے شعر

> وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت + میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

کو موضوع سخن بناتے ہوئے ایک مضمون پڑھا جسے بے حد پسند کیا گیا۔

فاضل مقرر نے بڑے دلچسپ پیرائے میں ان اسباب و محرکات پر روشنی ڈالی جن کا تقاضا تھا کہ اُمتِ محمدیہ کو روحانی امراض سے بچانے کے لئے کوئی مسیحا مبعوث ہو۔ موصوف نے دلائل سے ثابت کیا کہ وہ تمام علامات چودھویں صدی سے مخصوص ہیں اور اس زمانے میں صرف ایک ہی شخص ہے جس کا یہ دعویٰ ہے:-

> منم مسیح ببانگ بلند می گویم

اور وہ مرزا غلام احمد قادیانیؒ ہے جس نے اُمتِ محمدیہ کے تنِ مُردہ میں نئی جان ڈال دی۔ مفصل تقریر موصول ہونے پر آئندہ شائع ہوگی۔

جناب ارشد حسین کے بعد بنات الاحمدیہ میں سے نائزہ عمر نے "احمدی خاتون کے فرائض" کے عنوان سے ایک تقریر کی۔ اس کے بعد پنڈی سے جناب عبدالغفور طاہر نے اپنی تقریر میں حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت و کردار اور اعلےٰ اخلاق پر روشنی ڈالی۔ اور مثالوں سے واضح کیا کہ حضرت صاحب کا طرز زندگی اپنوں اور بیگانوں پر کس طرح اثر انداز ہوتا تھا۔ لوگ آپ کی جان لینے کے ارادے سے آتے مگر حضرت صاحب کے ہی ہو کر رہ جاتے۔

مقرر موصوف نے احباب کرام سے درخواست کی کہ آج ہم بھی ایسا کردار اختیار کریں اور حضرت اقدسؑ کی زندگی کو دستور العمل بنائیں۔

عبدالغفور کے بعد مدثر رسول نے "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" کو بنیاد بنا کر حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر استدلال کرتے ہوئے ہالینڈ، انگلستان، فجی اور دیگر جماعتوں کے نمائندوں کی موجودگی کو حضرت صاحب کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ٹھہرایا۔

بعدہٗ ملتان کے اطفال میں سے مبارک احمد نے "ہمارے عقائد" بیان کئے۔ اس کے بعد انڈونیشیا کے طالب علم جناب سکندر نے:—

حضرت مجدد زمان الامام المھدی

کے موضوع پر ایک مدلل تقریر کی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے حوالے سے ثابت کیا کہ کس طرح سے ان کا تعلق حضرت امام الزمان سے بنتا ہے اور وہ کس طرح سے حضرت مرزا غلام احمد کو اپنے دعاوی میں سچا ثابت کرتی ہیں۔ (تفصیلات آئندہ)

ازاں بعد محترم کرنل حنیف اختر صاحب جہلمی نے شبان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ نوجوانوں کو یہ بات مدنظر رکھنا ہوگی کہ دنیا میں صرف وہی قوم زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا حق رکھتی ہے جو اپنے اوقات کا صحیح استعمال کرنا جانتی ہو۔ ہمارے سلسلے کے نوجوان ہماری متاعِ عزیز ہیں اور ہم اُن سے بجا طور سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے روزمرہ معمولات میں تنظیم و ضبط پیدا کریں گے اور اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں گے۔ اور ان اعلےٰ روایات اور اقدار کو زندہ رکھیں گے جو جماعت احمدیہ سے مخصوص ہیں۔

محترم کرنل حنیف اختر صاحب کے اثر انگیز خطاب کے بعد مبلغ اسلام مولانا محترم عبدالرحیم جگو صاحب انچارج ہالینڈ مشن نے شبان کو ایسا کامیاب اجلاس منعقد کرنے پر ہدیہ تبریک پیش کیا اور فرمایا کہ نوجوانوں میں خوشکن تبدیلی آئی ہے۔ ہمیں ان کی قدر کرتے ہوئے ان کی صحیح رنگ میں حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہی لوگ ہیں جو آگے چل کر حضرت مسیح موعودؑ کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں گے۔

اجلاس کے اختتام سے پیشتر صاحب صدر جناب محمد اسحاق حامدی صاحب نے اپنے "صدارتی خطاب" میں شبان الاحمدیہ کے اجلاس کو بیحد سراہا کہ ایسی عمدہ تقاریر کی گئیں۔ اور نوجوان سلسلہ کے کاموں میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ جماعتی کاموں میں سرگرم عمل ہیں۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالےٰ ان سے خدمتِ دین کا کام لے اور حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنائے۔

صاحب صدر کے اس خطاب پر اجلاس بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۷۹ء | نمبر ۴

ملفوظات حضرت مجددِ زمان مسیحِ موعود علیہ السلام

زندگی کا بڑا مقصد خواب دیکھنا نہیں

اصل مقصد حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنا ہے

میں اس امر کا افسوس سے ذکر کرتا ہوں کہ بعض لوگ میں نے دیکھے ہیں جن کی زندگی کا بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انہیں خواب آ جاتے ہیں یا آنے چاہئیں۔ وہ سارا زور اسی پر دیتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ابتلا ہے۔ جو لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس امر سے نجات وابستہ نہیں ہے۔ کبھی یہ سوال نہیں ہوگا کہ تجھے کتنے خواب آتے تھے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے چوری میں سزا پائی۔ اور جب سزا پا کر آئے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ چوری کرنے گئے تھے خواب میں معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا ہوگا............ پس تم ابتلاء میں مت پھنسو خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات بڑھاؤ اور اس کو راضی کرو۔ اپنے اعمال میں خوبصورتی پیدا کرو۔ انسان کو چاہیئے کہ اس امر کا مطالعہ کرے کہ کیا **قرآن شریف کے موافق میں نے اپنے اعمال کو بنا لیا ہے یا نہیں**۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو خواہ اس کو ہزاروں خوابیں آئیں بے سود اور بے فائدہ ہیں۔ قرآن شریف میں یہی حکم ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا پورا ادا کرو۔ ان میں ریا۔ خیانت، شرارت باقی نہ ہو۔ وہ خالصۃً للہ ہوں۔ پس پہلے اس بات کو پیدا کرو۔ پھر اس کے ثمرات خود بخود حاصل ہوں گے۔

کشوف اور رؤیا روحانی سیر ہیں۔ جب روحانی بیماریوں کا علاج ہو جائے گا اس وقت سیر بھی مفید ہوگی۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بری چیزیں ہیں یا برا طریق ہے۔ نہیں، نہیں۔ اصل مطلب یہ ہے کہ بد استعمالی بری ہے۔ بیمار کا فرض ہے کہ وہ اوّل علاج کر لے۔ نہ یہ کہ علاج تو کرائے نہیں اور کہے کہ مجھے الف لیلیٰ کی سیر کے دو چار ورق سنا دو۔ اسی طرح کشوف اور رؤیا روحانی سیر ہیں۔ جب روحانی بیماریوں کا علاج ہو جائے گا اور روحانی صحت درست ہو گی۔ اس وقت روحانی سیر بھی مفید ہوگی۔

جب انسان اپنے نفس کو کھو دیتا ہے اور غیر اللہ کی طرف التفات نہیں رہتی اور کسی کو اپنی نظر میں نہیں دیکھتا اور خدا ہی کو دیکھتا اور اسکو ہی سناتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کو سناتا ہے۔ مگر وہ لوگ جن کے باوجودیکہ وہ کان ہوتے ہیں۔ مگر وہ حرص و ہوا، غصہ، کینہ وغیرہ ہر قسم کی طاقتوں کی باتیں سنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی بات کیونکر سن سکتے ہیں۔ ہاں ایک **قوم** ہوتی ہے جو باقی سب کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور سب طرف سے کانوں کو بند کر لیتے ہیں۔ نہ کسی کی سنتے ہیں نہ کسی کو سناتے ہیں۔ انہیں ہی خدا بھی سناتا ہے اور ان کی سنتا ہے اور وہی مبارک ہوتا ہے۔ **پس** اگر اس قوم میں داخل ہونا چاہتے ہو تو ان کے نقشِ قدم پر چلو۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو ایسی **آوازوں** اور خوابوں پر ناز نہ کرو۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ **حدیث** میں اضغاث و احلام اور **حدیث النفس** کا ذکر موجود ہے۔ یہ کوئی چیز نہیں......

انسان کی عزت اسی میں ہے۔ اور یہی سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا **قرب** حاصل ہو۔ جب وہ مقرب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہزاروں **برکات** اس پر نازل کرتا ہے۔ زمین سے بھی اور آسمان سے بھی اس پر برکات اترتے ہیں۔ (**ملفوظات جلد نہم**)

اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کی تاکید اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو۔ کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے۔ جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے۔ تو یقیناً سمجھو خدا تمہارا ہی ہے تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا، اور اسکے منصوبے توڑے گا تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں..... اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں

رپورٹ: مولوی شفقت رسول خان
تلخیص: عبدالرؤف ۔ کھوکھر

مختصر روئیداد جلسہ سالانہ مؤرخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۷۸ء بروز جمعہ ـــ آخری نشست

آج جلسہ سالانہ کا آخری دن تھا ۔ یہ نشست جناب چوہدری حنیف اختر صاحب کی صدارت میں شروع ہوئی ۔

مولوی شفقت رسول خان نے تلاوت قرآن پاک کی اور حافظ عبدالرؤف صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات پڑھ کر سنائے جس میں فرمایا گیا ہے :ـــ

"جو شخص چاہتا ہے کہ اس دنیا ہی میں خدا کا دیدار نصیب ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل کرے جن میں کوئی فساد نہ ہو، جو صرف اللہ کے لئے ہوں ۔ جن سے نہ تکبر پیدا ہو اور جو صدق اور وفاداری سے بھرپور اور شرک سے پاک ہوں ۔"

ملفوظات کے بعد مکرم جناب محمد اعظم علوی نے ترنم سے ایک نظم پیش کی جس کا عنوان تھا: "اس ڈھب سے کوئی سمجھے"

مطلع نظم یہ ہے :ـــ

بحر دیر دشت و جبل کون و مکاں تک پہنچے
تیری خاطر تیرے دیوانے کہاں تک پہنچے

جناب چوہدری شکراللہ خان منصور ۔ ایڈووکیٹ نے "مجدد صدی چہاردہم اور مجددین امت" کے عنوان سے تقریر کی ۔ آپ نے بتایا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے نصرت اسلام کا وہ عظیم الشان کام کیا ہے جس کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملتی ۔ آپ سے خدا ہمکلام ہوتا تھا ۔ اس کو اصطلاحی رنگ میں جو کچھ بھی کہا اصلی منصب آپ کا بحیثیت مجدد تھا نہ بحیثیت نبی ہم ان کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں ۔

حضرت مرزا صاحب سے پہلے بھی مجدد گذرے ہیں ۔ انہوں نے اپنے آپ کو مامور من اللہ کہا ہے ۔ آپ نے بتایا کہ مجددین کے آنے کی بنیاد حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم : ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا ہے ۔ اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ مبعوث کرے گا ۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ان مجددین کو خدا کھڑا کرے گا اور وہ مامور من اللہ ہوں گے ۔

فاضل مقرر نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا حوالہ دیا کہ انہوں نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں لکھا ہے کہ خدا نے مجھے خلعت مجددیت سے نوازا ہے اور میں اس طریقہ کا امام ہوں، میں بادشاہ ہوں لوگ مانیں یا نہ مانیں، اگر مان لیں گے تو ان کے لئے حصہ ہوگا ۔

حضرت مرزا صاحب نے مامور ہو کر کیا کہا :ـــ

اسلام کو ہم نے خود تجربہ کرکے دیکھا + نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

گمراہی اور ذلالت کے زمانے میں آپ نے دلائل عقلیہ اور نشانات سماویہ کے ذریعہ اسلام کی مسیحائی کا ڈنکہ بجایا جس کو ملت اسلامیہ کے ممتاز مفکرین نے تسلیم کیا ۔

ان کے بعد جناب شیخ نثار احمد صاحب نے وحی والہام کے عنوان سے نہایت بصیرت افروز تقریر فرمائی ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ انسان کی پیدائش کی غرض وغایت خدا کی عبادت ہے ۔ سچا خدا ڈھونڈنے والے کی خود مدد فرماتا ہے ۔ بھلا جس خدائے کریم نے انسان کی جسمانی ضروریات کا اس قدر اہتمام کیا ہے، کیا وہ خدا انسان کی روحانی ضروریات کا خیال نہ رکھے گا ۔ انسان کے اندر ایک احساس ہے کہ خدا کی ضرورت ہے لیکن "خدا ہے" یہ بات نہیں کھلتی جب تک خدا اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے ۔ انسان کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے اسے کبھی کبھی سچی خوابیں بھی آتی ہیں ۔

مقرر نے کہا کہ اگر یہ کہا جائے کہ وحی خدا کا دعوے منسوخ ہے اور اب کسی کو وحی نہیں ہو سکتی تو اس بات کا کیا ثبوت ہے ۔ اس سے پہلے انسانوں کو وحی ہوتی تھی ۔ اور خدا انسانوں سے ہمکلام ہوتا تھا ۔ عقل اور وحی ضرورت حقہ ہیں ۔ خدا تعالےٰ تو غیر انبیاء کو بھی وحی کرتا رہا ہے ۔ جیسا کہ فرمایا ہے اوحیٰ ربك الی النحل ۔ وحی ولایت باتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے ۔ حدیث میں ہے لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قرآن پاک میں ہے لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا ۔ مبشرات اور سے مراد بھی کشف وحی والہام ہے ۔

آپ نے بتایا کہ مذہب قیل وقال کا نام نہیں ہے بلکہ عمل کا نام ہے ظاہری باطنی اعمال کو درست کرنا بھی تزکیہ نفس کرنا ہے ۔ جس سے انسان کے اندر نور پیدا ہوتا ہے ۔ اور وہ خدا سے ہمکلامی کا شرف پاتا ہے ۔

آپ کے بعد جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے "اسلام کا فلاحی معاشرہ اور حضرت مسیح موعودؑ" کے عنوان پر بڑی فاضلانہ تقریر فرمائی ۔ آپ نے بتایا کہ اصلاح معاشرہ کی اس وقت اشد ضرورت ہے اور یہ پوری دنیا کا مسئلہ ہے جب سے دنیا میں معاشرہ کی بنیاد پڑی ہے اس میں خرابی بھی موجود رہی ہے ۔ اور کو خرابی سے بچانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک خدا تعالےٰ کے بتائے ہوئے راستہ پر عمل نہ کیا جائے ۔

سلامتی کونسل کی قرار دادوں کے باوجود انسانی خون بہہ رہا ہے ۔ لڑائی اتنی بڑھ چکی ہے کہ انسانیت اس کے سامنے عاجز آ چکی ہے اصلاح معاشرہ کی تحریک اٹھتی ہے ۔ لیکن اصلاح معاشرہ کی یہ تحریک اس لئے اصلاح نہیں کر سکتی کیونکہ اس کا محرک ٹھوس نظریہ نہیں ہے ۔ انسانی تہذیب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ دو طریق پر استوار ہوتا رہا ہے ۔ ایک وہ معاشرہ جو باطل عقائد ونظریات کو قبول کرتا ہے ۔ اس کا نتیجہ قتل وغارت اور فساد فی الارض ہی ہو سکتا ہے ۔ ایسے بگڑے معاشرے کی اصلاح خدا کا منتخب بندہ ہی کر سکتا ہے ۔

آج انسانی معاشرہ میں قتل، اغوا ۔ ڈکیتی کی وارداتیں ہو رہی ہیں ۔ معاشرہ کا ہر ادارہ خود غرض ۔ منافع خور ۔ رشوت ستان ۔ بددیانت افراد سے بھرا ہوا ہے ۔ مذہبی ادارے نام نہاد مذہبی ادارے ہیں ۔ علم ودانش کی جگہیں علم ودانش سے خالی ہیں ۔ ان حالات میں خدا کے بندے کی بات ہی قابل عمل ہو سکتی ہے ۔

حضرت مسیح موعودؑ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جو تعلیم دی ہے وہ اس قابل ہے کہ اس پر چل کر انسانی معاشرہ فلاح وفوز کی جانب قدم بڑھا سکے ۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ :ـــ

"خدا کی سچی معرفت سے گناہ کے کیڑے ہلاک ہو جاتے ہیں ۔" نیز فرمایا کہ "میں وہی ہوں جو اصلاح خلق کے لئے وقت پر بھیجا گیا ہوں"

مقرر نے کہا کہ فلاحی معاشرہ اللہ کے مامور کی مدد کے بغیر قائم نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ مامور عافیت کا حصار ہوتا ہے ۔ میں عافیت کا ہوں حصار ۔

جناب نصیر احمد فاروقی صاحب نے "دنیا کی مشکلات ہماری مشکلات اور اس کا حل" کے موضوع پر یاآدم اسکن انت وزوجك الجنۃ .... ھم فیھا خالدون کی تلاوت سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور فرمایا کہ روٹی کپڑا اور مکان ۔ اپنی جگہ مشکلات تو ضرور ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی ان سے اہم انسانی ضروریات ہیں ۔ جیسا کہ پانی جس پر زندگی کا انحصار ہے ۔ وجعلنا من الماء کل شیئ حی ۔ بعض مقامات

(باقی بر صلا کالم ملا)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــ لاہور ـــ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۷۹ء

مَیں کیسے اعتبارِ انقلاب آسماں کروں

عقیدہ اور ضمیر کی آزادی کا سبق جتنا قرآن کریم نے دیا ہے اتنا شاید ہی کسی اور الہامی کتاب میں موجود ہو۔ اس کی تائید میں ہم قرآن کریم سے صرف چند ایک حوالے پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

"جب ہدایت اور گمراہی کی راہیں ایک دوسری سے واضح ہو چکیں تو پھر دین میں کوئی جبر نہیں" کسی کی گردن پہ تلوار رکھ کر اُسے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنا عقیدہ چھوڑ کر دوسرے کا عقیدہ اختیار کرے۔ (۲: ۲۵۶)

"اور کہہ حق تمہارے ربّ کی طرف سے ہے۔ سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کر دے۔" (۱۸: ۲۹)

"ہم نے اسے راستہ دکھا دیا ہے۔ چاہے وہ شکر گذار ہو چاہے ناشکرا۔ یعنی اسے قبول کرے یا انکار کر دے۔" (۷۶: ۳)

"تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین"

(۱۰۹: ۶)

"جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہیں اور صابی اور نصرانی اور مجوسی اور جو مشرک ہیں اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ دے گا (کہ کون حق پر تھا اور کون گمراہی پر) اللہ ہر چیز پر گواہ ہے" (۲۲: ۱۷)

"اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا بہت نام لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں۔" (۲۲: ۴۰)

قرآن کریم کی اس واضح اور غیر مبہم تعلیم کے باوجود قرآن کے ماننے والوں نے جو اپنے آپ کو بڑے فخر سے مسلمان کہتے ہیں۔ مذہب اور ضمیر کی آزادی کی روح کو کچلتے ہوئے اپنے ہی بھائیوں کا اس قدر بے دریغ خون بہایا کہ تاریخ کے اوراق اب بھی اس کے بدنما داغوں سے سُرخ ہیں۔ اور ہزار ہا تاویلوں اور حیلوں سے بھی وہ مٹ نہیں سکے۔ اسلام کی اسی قسم کی پیش کردہ تصویر کی وجہ سے غیر مذاہب کے لوگ اس سے کوسوں دُور بھاگتے رہے کیونکہ یہ مذہب جو نسلِ انسانی کو قفس کی زنجیروں سے آزاد کر کے دُنیا میں امن صلح اور آشتی کا پیغام دینے آیا تھا وہ نفرت حقارت۔ عداوت۔ دشمنی اور فتنہ و فساد کی علامت بن کر رہ گیا۔ آج ہزار اس کی خوبیاں بیان کی جائیں مخالفین اس کی ماضی کی تاریخ پر انگلی رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ جس مذہب میں جبر و تشدّد اور اختلاف رائے رکھنے والے کی خونریزی کو جہاد کا نام دیا جائے وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کا کیسے ضامن ہو سکتا ہے۔

دُور نہ جایئے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ اس وطن پاکستان میں جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ ۲۹ر مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر اپنے ہی بھیجے ہوئے طلباء کے درمیان ایک معمولی جھگڑے کی آڑ میں ملک کی ایک پُرامن جماعت احمدیہ کے خلاف ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت "تحفظ ختم نبوت" کے نام سے ایک مُلک گیر تحریک چلا کر ملک کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونک دیا گیا۔ ان پُرامن شہریوں کے گھروں سے اُٹھتے ہوئے آگ کے شعلے آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ چاروں طرف سے چلنے والی گولیوں کی سنسناہٹ آج بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے۔ بھوک و پیاس سے تڑپتے ہوئے مضطرب معصوم شیر خواروں کا دم توڑنے کا منظر ہماری نگاہوں سے کبھی اوجھل نہیں ہو سکتا۔ جن کی چیخیں اُبلتے ہوئے پانی میں دب گئیں۔ اُنہیں ہم کیسے بھُول سکتے ہیں۔ پردہ نشینوں کے ننگے سر اور ننگے پاؤں اپنی عزت کی خاطر سراسیمگی میں کبھی اِدھر کبھی اُدھر بھاگنے اور وحشت و بربریت کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے دلدوز نظارے بھی ناقابل فراموش ہیں۔

جب اس سے بھی پیاس نہ بجھی تو ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو کلمۂ توحید پڑھنے والے لاکھوں انسانوں کو نشۂ اقتدار میں بدمست مطلق العنان حکمرانوں کے ایک ٹولے نے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اور یہ مجبور دہائی دیتے رہے کہ انسانی تاریخ میں اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ کلمۂ توحید پڑھنے والوں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں اور اسلام کے تمام بنیادی اصولوں پر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو قرآن اور سُنّت کے برخلاف غیر مسلم کہا جائے۔ لیکن جن آنکھوں پہ پردے ہوں وہ کیسے دیکھیں۔ جن کانوں میں بوجھ ہوں ان تک حق کی آواز کیسے پہنچے اور جن کے دل و دماغ پر نفس کی گرد و غبار کی دبیز تہیں جمی ہوں انہیں سوچنے سمجھنے کی فرصت کہاں۔

شرابِ اقتدار کے متوالوں کو اتنے ہوش کہاں کہ وہ کسی کی فریاد رسی کر سکیں۔ آج سیاسی انتقام کا نشانہ بننے والے جن رہنماؤں کی ظلم کی داستانیں ریڈیو اور ٹی وی پر ہر روز نشر کی جاتی رہی ہیں یہ بھی تو ثواب کمانے میں شریک سفر تھے۔ سرگودھا میں احمدیوں کے مکان اور دکانیں جلتی رہیں اور پنجاب کے ایک سابق وزیر اعلیٰ "بانسری بجاتے" رہے۔ جب خدا کا خوف دل سے نکل جائے تو انسان جو چاہے کرے لیکن مالک الملک اللہ تعالیٰ ہی ہے جسے چاہے ملک عطا کرتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ جسے چاہے عزّت دیتا ہے اور جس سے چاہے عزّت چھین کر ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ کیونکہ وہی ہر چیز پر مکمل قدرت اور اختیار رکھتا ہے۔ اس کا ابتدائے آفرینش سے یہ قانون ہے کہ وہ ظلم و استبداد کی راہ پر چلنے والوں کو کبھی کامیاب و کامران نہیں کرتا قوم نوح۔ عاد اور ثمود۔ قوم لُوط اور فرعون و ہامان اور دیگر ظالم حکمرانوں اور قوموں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔

ایسے لوگ آنے والی نسلوں کے لئے درسِ عبرت بن جاتے ہیں اگر وہ عقل و فہم سے عاری نہ ہوں۔ پاکستان کی اپنی تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں۔ لیکن کسی صاحب اقتدار نے اپنے سے پہلے کے انجام کو سامنے نہیں رکھا اور جو جی میں آیا کر گزرا۔ اور خود درسِ عبرت بن گیا۔ باریک چالوں سے کام لینے والوں کے خلاف اللہ تعالیٰ بھی تدبیریں کرتا ہے۔ اور اس کی تدبیروں کے مقابلے میں کسی کی بن نہیں پڑتی۔

ہم پہ سب سے بڑا ظلم یہ ہوا ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود ہمیں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر پر نظر ڈالیں کہ جنہوں نے ہمیں "غیر مسلم" کہا آج وہ خود اپنے مسلمان ہونے کے لئے دہائی دے رہے ہیں اور وہی دلائل پیش کر رہے ہیں۔ جو ہم سالہا سال سے اپنے حق میں پیش کرتے رہے ہیں۔

ہمارے قارئین کی نظر سے وہ الفاظ ضرور گذرے ہوں گے جو جناب ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی سپریم کورٹ کے سامنے اپنے بیان صفائی میں اپنے مسلمان ہونے پر بطور دلیل پیش کئے۔ ان کی یاد دہانی کے لئے ہم مختصر طور پر انہیں یہاں درج کر دیتے ہیں:۔

"مذہب خدا اور انسان کے مابین معاملہ ہے۔"

"انسان اور خدا کا رابطہ براہِ راست ہوتا ہے۔"

"یہ میرا کام ہے.......میں طے کروں کہ میں مسلمان ہوں یا نہیں"

"کسی شخص کو چاہے اس کا مقام کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی کے متقی ہونے پر رائے زنی کرے۔"

"یہ تسلیم شدہ اصول ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اُسے "غیر مسلم" کہے۔"

اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک تاریخی واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ کو جب آنحضرت صلعم کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے کہا میں کلمہ پڑھ چکا ہوں۔ صحابہؓ نے کہا اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا اس لئے اس کو قتل کرنا چاہیئے۔ لیکن نبی صلعم نے فرمایا:۔

"جب اس نے کلمہ پڑھ لیا ہے، اب یہ مسلمان ہے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔" "یہ بڑا بنیادی نقطہ ہے جس پر میں زیادہ زور دے رہا ہوں۔"

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اگر یہ بنیادی نقطہ ہے کہ "جو شخص کلمہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے"۔ تو کیا ۱۹۷۴ء میں احمدیہ جماعت کے دونوں فریقوں کے وفدوں نے قومی اسمبلی میں یہ انکار کیا تھا کہ حائل ہونے کا اختیار کس نے دیا۔ یہ تو ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی کہیں درج نہیں کہ قومی اسمبلی کسی کے مذہب اور خدا اور کسی بندے کے درمیان تعلقات میں مخل ہو سکتی ہے۔ اگر بھٹو صاحب کو یہ طے کرنے کا اختیار ہے کہ وہ مسلمان ہیں یا نہیں تو انہیں اور قومی اسمبلی کو یہ حق کیوں اور کیسے پہنچا کہ وہ ہمارے متعلق یہ فیصلہ کریں کہ ہم مسلمان نہیں۔

اگر حضرت ابوسفیانؓ کو جو کلمہ پڑھنے تک آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ کے خلاف برسر پیکار رہے محض کلمہ پڑھ لینے پر چھوڑ دیا گیا اور انہیں مسلمان سمجھ لیا گیا تو کیا قومی اسمبلی کے اراکین۔ خود سابق وزیر اعظم اور تحریکِ ختم نبوت کے قائدین نے ہمارے دل چیر کر دیکھ لئے تھے کہ ہم منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر دل سے مسلمان نہیں ہیں اور زبان سے آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ مگر ہمارے دل اس سے انکاری ہیں۔ کیا یہ آنحضرت صلعم کے اس تاریخی فیصلے کے خلاف فیصلہ نہیں۔ اور جو آپؐ کی راہ کو ترک کر کے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے دوسری راہ اختیار کرے وہ کس منہ سے آپ کو مسلمان کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام کے معنی ہی اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کے ہیں اور یہ مقام صرف آنحضرت صلعم کے قول اور فعل کی پیروی سے ہی مل سکتا ہے۔

جو ثبوت اور دلائل اپنے مسلمان ہونے کے لئے دیئے جاتے ہیں وہ دوسروں کے حق میں قابلِ قبول کیوں نہیں ہو سکتے! آنحضرت صلعم کا فرمان تو یہ ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو بات اپنے لئے ناگوارِ خاطر ہو اُسے دوسروں کے لئے بھی ناپسندیدہ ہی سمجھنا چاہیئے۔

جناب بھٹو کو یہ بات بہت ناگوار گذری ہے کہ عدالت نے انہیں "جھوٹا اور نام کا مسلمان" کہا ہے۔ لیکن ہمارے متعلق فیصلہ کرتے وقت انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوا کہ لاکھوں کلمہ گوؤں کو "غیر مسلم" کہنے سے ان کے دل کتنے زخمی اور ان کے جگر کتنے چھلنی ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے تو ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور اپنے مسلمان ہونے پر دلیلیں بھی دے دیں لیکن ہم سوائے اللہ تعالیٰ کے اپنی فریاد کس کے پاس لے جا سکتے ہیں اور کس سے انصاف طلب کر سکتے ہیں کیونکہ آئین میں حسبِ ضرورت باقی تو سب تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ اگر ایک تبدیلی نہیں ہو سکتی تو اس ترمیم کی جو ہمارے متعلق کی گئی ہے۔ اگر سارا آئین بھی ضرورت کے تحت بدلنا پڑے تو بدل جائے گا لیکن یہ ترمیم قائم رہے گی۔ کیونکہ کوئی بھی "مسلمانوں" کو مسلمان کہنے کے لئے اس لئے تیار نہ ہوگا کہ عوام ناراض ہو جائیں گے۔ بہرحال ہم خدا کے فیصلہ کے منتظر رہیں گے۔

اگر ہمیں غیر مسلم اس لئے ٹھہرایا گیا ہے کہ ہم نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو آنحضرت صلعم کی احادیث پر ایمان رکھتے ہوئے مجدّدِ وقت اور مسیح موعودؑ مانا ہے اور ایسا کرنا ان کے نزدیک خلافِ اسلام ہے تو برصغیر ہند میں مدفون اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدے کرنا۔ ان کے مزاروں پر سونے اور چاندی کے پتروں سے جڑے ہوئے دروازے لگانا۔ ان کے مزاروں کو منوں عرقِ گلاب سے غسل دینا۔ عرسوں کے موقعوں پر رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرنا اور مردوں اور عورتوں کا مل کر دھمال ڈالنا۔ مشرکانہ قوالیاں پیش کرنا کہاں کا اسلام ہے اور ان کا جواز قرآن اور حدیث کے کن اقوال سے ملتا ہے۔ یہ سب شرک اور بدعت ہے اور سیدھے سادے مسلمانوں کے پُرخلوص جذبات کا استحصال ہے کیونکہ مُردے نہ تو سُن سکتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں نہ ہی کسی کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔

شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں (حضرت مسیح موعودؑ)

اور

اگر ہم اس لئے غیر مسلم ہیں کہ ہم آنحضرت صلعم کے بعد کسی اسرائیلی نبی کے آنے کو ختم نبوت کے منافی سمجھتے ہیں اور کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کے قائل نہیں کیونکہ اس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹتی ہے اور ہم آنحضرت صلعم کو ایک زندہ نبی سمجھتے ہیں جن کی پیروی سے آپؐ کی اُمت کے لوگوں کو بھی مسیحا کا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو یہ ہمارا عقیدہ۔ ایمان اور یقین ہے۔ ہم ہرگز یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلعم کی نبوت کے فیوض اور برکات ختم ہو چکی ہیں اور اسلام بھی اب ایسا ہی مُردہ مذہب ہے۔ جیسے دوسرے مذاہب کہ ان کی پیروی سے انسان کا تعلق خدا سے قائم نہیں ہو سکتا۔ ختم نبوت کے منکر وہی لوگ ہیں جو ایسا خیال کرتے ہیں۔ آنے والا وقت خود یہ ثابت کر دے گا کہ کونسا موقف درست تھا۔ اور کونسا غلط۔ اور یہ وقت دُور نہیں، قریب ہے۔ بہت ہی قریب۔

ایک ضروری اعلان

وظائف تعلیم اور وظائف بیوگان و مساکین کے سلسلہ میں ضروری ہدایات جملہ جماعتہائے کے سیکرٹری و صدر صاحبان کو بذریعہ گشتی مراسلات بھیج دی گئی ہیں۔ جو صاحبان اپنے بچوں اور بچیوں کے لئے انجمن سے تعلیمی وظائف لینے کے خواہشمند ہوں وہ اپنے حلقہ کے سیکرٹری صاحب سے رابطہ قائم فرما کر ان سے درخواست فارم حاصل کر کے سیکرٹری اور صدر صاحبان کی سفارشات کے ہمراہ ۱۵ فروری ۱۹۷۹ء تک اپنی درخواستیں مرکز میں بھجوا دیں۔ اس تاریخ کے بعد آنیوالی درخواستیں قابلِ غور نہ ہوں گی۔

مرزا مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری

تقریب نکاح۔ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۷۹ء بروز جمعہ

دار السلام میں عزیزہ ناصرہ خان بنت ڈاکٹر حسن علی خان مرحوم و مغفور کا نکاح بعوض حق مہر مبلغ پچاس ہزار روپیہ ہمراہ مشتاق احمد چوہدری ولد چوہدری محمد ابراہیم مرحوم (آف شیخوپورہ) جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پڑھایا اس خوشی میں جانبین نے مبلغ دوصد روپیہ بمد اشاعت اسلام مرحمت فرمایا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس تعلق کو مثمر بہ ثمرات حسنہ بنائے۔ آمین

عید میلاد النبی نمبر

پیغام صلح کا میلاد النبی نمبر حسب سابق چوبیس صفحات پر مشتمل شائع ہوگا۔ اس لئے ۳۱ جنوری ۱۹۷۹ء کا شمارہ شائع نہ ہو سکے گا۔ قارئین کرام مطلع رہیں۔

جماعت کے اہلِ قلم احباب سے التماس ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر اپنے مضامین جلد از جلد ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرما دیں۔ (ادارہ)

نیکی سے بے خبر ہو گئے تھے .... علاوہ اس کے دیانت اور امانت اور اندرونی صفائی اور عدالت ان میں بالکل ہی اُٹھ گئی تھی۔ سچی ہمدردی اور سچے رحم کا نام و نشان نہیں رہا تھا .... ایسا ہی اس زمانے میں تمام بلائیں ظہور میں آگئی ہیں۔ حلال چیزوں کو شکر اور مشکورانہ فروتنی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا۔ حرام کے ارتکاب سے کوئی کراہت اور نفرت باقی نہیں رہی ...... تقویٰ اور خدا ترسی میں بڑا فرق آگیا ہے۔ ایمان کی کمزوری نے محبت الٰہی کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ دنیا کی محبت میں لوگ دبے جا رہے ہیں۔"

("رسالہ فتح اسلام")

چنانچہ ہمارا معاشرہ آج اخلاقی پستی اور بدچلنی کی نہایت ہی بھیانک اور خطرناک روش پر چل نکلا ہے۔ اس کی مثال اس تنگ و تاریک گھروندے جیسی ہو چکی ہے جو روشنی کی مدتوں سے ترس رہا ہو۔ اور جس کے مکین اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں۔ صحت مند اور پاکیزہ فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے لئے تو ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو صحت مند اخلاق کے حامل ہوں، نیز اس کے لئے تو دیانت دارانہ اجتماعی معاشرتی نظام کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ مگر آج نہ تو افراد کی تربیت اخلاقی قدروں کے مطابق ہو رہی ہے۔ اور نہ ہی اجتماعی نظم کسی اخلاقی ضابطے کا پابند ہے۔ یہاں انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے معاشرے کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

لوگوں کے پیشِ نظر کوئی ٹھوس آئیڈیالوجی نہیں ہے۔ وہ کسی قانون کے پابند نہیں ہیں۔ بے راہ روی اور اخلاق باختگی ان میں عام ہے۔ چوری اور ڈاکہ زنی روز کا معمول بن چکی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا فساد اور چاقو زنی تک نوبت چلی جاتی ہے۔ اغوا کی وارداتیں دن دہاڑے بڑی بے خوفی سے عمل میں آتی ہیں۔ ظلم و تشدد کے ہاتھوں زندگی رنجیدہ اور ملول ہے۔ کوئی فرد واحد ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کا دل خطرات و خدشات سے خالی ہو اور وہ امن و سکون کے دن گزار رہا ہو۔ معاشرتی زندگی کے اجتماعی نظام کا یہ عالم ہے کہ معاشرے کے تمام شعبوں میں ہم آہنگی، نظم و ضبط، دیانت داری اور ایسوسی ایشن (ASSOCIATION) کا فقدان ہے۔ صنعتی اداروں میں پیداوار کا معیار بے حد ناقص ہے۔ ان اداروں کے کارکن کام چور۔ تساہل پسند۔ خود غرض۔ تخریب کار اور ناجائز منافع پرست بن چکے ہیں۔

انتظامی شعبوں میں نااہل افراد کی کثرت ہے۔ یہاں رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں چلتا۔ تجارت کا کوئی اصول نہیں رہا۔ اس پیشے سے وابستہ لوگ بددیانت اور بدتمیز ہو گئے ہیں۔ چور بازاری۔ ذخیرہ اندوزی۔ ناجائز منافع خوری۔ ملاوٹ۔ کم تولنے سمگلنگ کو انہوں نے اپنی تجارت کا لازمی جُز بنا رکھا ہے۔ اس کے بغیر ان کا کاروبار چمکتا ہی نہیں۔ ثقافتی اداروں میں ثقافت کے نام پر ذہنی و نظری عیاشی۔ فحاشی اور عریانی کی اخلاق سوز محفلیں سجانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی جاتی۔ خاندانوں میں زندگی انتہائی تلخ ہو چکی ہے۔ ان میں رہنے والا ہر فرد فکری انتشار اور تضادات کا شکار ہے۔ نہ احترام ذات رہا ہے نہ باہمی اخوت کے آداب برقرار رہے۔ سب مادر پدر آزاد ہیں۔

مذہبی ادارے اسلامی علم و حکمت کی اشاعت کی جگہ منافقت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ لوگوں میں منافرت پھیلانا اور معاشرے میں تصادم کو ہوا دینا ان کا بنیادی مقصد اور محبوب ترین مشغلہ بن چکا ہے۔ تعلیمی درسگاہوں میں علم و دانش کی شمعیں ماند پڑ کر اپنی روشنی کھو چکی ہیں۔ کہاں تک بیان کیا جائے یہ خون چکاں داستان بڑی طویل ہے۔ یہ بڑا ہی ہولناک سیلاب ہے۔ جس کے مہیب تھپیڑوں میں تمام انسانی قدریں خس و خاشاک کی مانند بہہ رہی تھیں۔

حضرت اقدس نے اسی حالت کو اس زمانے کی بگڑی ہوئی صورت حال سے تشبیہ دی ہے۔ جو حضرت مسیح ابنِ مریم کے ظہور کے وقت یہودیوں کی ہو چکی تھی خدا نے ان کی اصلاح کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ اور آج کے دور یہودی صفت انسانوں کی اصلاح کے لئے بھی اللہ تعالے نے اپنے ایک مامور کو مسیح دوران بنا کر نازل فرمایا ہے۔ یہ عظیم ہستی قرآنی علوم کی معرفت کاملہ سے فیضیاب ہے۔

اس ہستی کے ساتھ تائید خداوندی کے سینکڑوں روشن اور ناقابلِ تردید نشانات ہیں۔ یہ وہ امام ہے کہ جو موجودہ زمانے کے مشرکانہ غیر فطری اور زوال پذیر معاشرے کو ہدایاتِ ربانی کے مطابق قرآنی علوم اور عقائد کی حقیقی بنیاد پر نئے سرے سے استوار کرنے کے لئے دنیا میں تشریف آور ہوا ہے۔ دنیا پر لازم ہے کہ اپنی نجات کے لئے اس ہستی کے علم الکلام سے استفادہ کرے۔ اور اس نورِ ہدایت سے انحراف نہ کرے۔ کیونکہ تاریخ کے بے شمار صفحے اس بات کے گواہ ہیں کہ جن جن قوموں نے ہدایاتِ ربانی سے انحراف کیا وہ زوال کے عمیق گڑھوں میں گر کر نیست و نابود ہو گئیں اور صفحۂ ہستی سے حرفِ باطل کی طرح مٹ گئیں۔ اور ان کی داستانیں تاریخ کے صفحوں میں آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا نمونہ بن کر رہ گئیں۔ عاد و ثمود کی تباہی۔ قوم لوط کی بربادی۔ قوم نوح اور اہلِ مصر کی غرقابی کے اسباب یہی تھے۔ کہ انہوں نے اُن احکاماتِ الٰہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا جو ان کی فلاح و بہبود کے لئے نازل فرمائے گئے تھے۔

اسی طرح اگر آج دنیا نے اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کو ترک نہ کیا اور اس زمانے کے مجدد کی تعلیمات کو قبول نہ کیا تو پھر یقین سمجھئے انہیں بھی عذاب الٰہی سے دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکتی۔ کیونکہ آج تک جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ جس قدر معقول اور فلاحی معاشرے وجود میں آئے وہی تھے جنہیں خداوند تعالےٰ کی جانب سے فرستادہ ہدایت کی روشنی میں اور مرسلین کی رہبری و رہنمائی کے زیر اثر قائم کیا گیا۔ اور انہیں تقویت اور ترقی دی گئی۔ یہی معاشرے انسانوں کی نجات کا باعث بنے۔ کیونکہ ان کی تعمیر باطل نظریات کی بجائے الہامی علوم اور حقائق کی بنیاد پر استوار کی گئی تھی۔ ان معاشروں میں رہائش پذیر لوگوں نے الہامی علوم کی روشنی کو تسلیم کیا تھا اور صدق دل سے اس کے ساتھ وابستگی اختیار کی تھی۔ اسی واسطے ان کی زندگی شاداب اور شادمان رہی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جس قدر بھی انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے انہوں نے صرف اپنے ہی حلقۂ اثر میں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فلاحی معاشرے قائم کئے۔ وہ معاشرے اپنی ہیئت کے اعتبار سے عالمگیر اور مکمل نہ تھے۔ بلکہ ان کی حدود خاص خاص قبیلوں تک مخصوص تھیں۔ البتہ ایک مکمل اور عالمگیر فلاحی معاشرے کا عظیم تعمیری تصور اور مکمل ضابطۂ حیات صرف حضور رسالت مآب خاتم النبیین حضرت محمد صلعم کے ذریعے دینِ اسلام کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اب دنیا کے لوگ اپنے آپ کو عالمگیر بھائی چارے میں صرف اسی صورت میں منسلک کر سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال لیں۔

یہ کام اسلامی حقائق کو تبلیغ کے ذریعے دنیا کے کناروں تک پہنچانے سے ہی انجام پا سکتا ہے تاکہ دنیا بھر کے انسان اسلام میں جذب ہو کر تمام قسم کی نسلی۔ علاقائی قبائلی اور رنگ کی عصبیتوں کو ترک کر دیں۔ اور ان عصبیتوں کے زیر اثر جنم لینے والے تمام باطل معتقدات اور ملحدانہ نظریات کی مکمل طور پر بیخ کنی کر دیں۔ لیکن اس کام کو پایۂ تکمیل تک لے جانے کے لئے زندہ اسلام کی زندہ حقیقتوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے والی ایک آواز کا سہارا لینا نہایت ضروری ہے جو پکار پکار کر منادی کر رہی ہے کہ ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
اور دینوں ...... جب تو کہیں نور نہ تھا
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

دینِ حق کی طرف بلانے والی اور دل میں اتر جانے والی یہ اثر انگیز صدا بلاوجہ نہیں دی گئی تھی۔ یہ آواز خدا کے حکم سے دی جا رہی ہے تاکہ لوگوں پر قرآنی علوم اور اسلامی حقائق آشکار ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینِ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو انسانوں کو گناہ کی آلودگیوں سے پاک کرتا ہے۔ اسلام کی اسی عظمت کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :-

"ہر ایک سمجھدار انسان پر واجب ہے کہ پرکھ کر دیکھ لے کہ کس مذہب

میں رُوحانیت موجود ہے۔ اور کس کے ساتھ تائیدی نشانات ہیں اور کون ان میں سے گناہ کے کیڑے کو ہلاک کرنے کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں اپنے تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی سچی معرفت جس کی گرمی کی وجہ سے گناہ کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسلام اور صرف اسلام ہی میں ملتی ہے۔"

(ملفوظات احمدیہ حصّہ سوم)

مُحترم سامعین! خدا کی ذات کس قدر رحیم و کریم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی حالت میں بھی مایوس نہیں کرتا۔ جب دنیا میں برائی بڑھ جاتی ہے ظلم و جور کا دَور [illegible] اسلامی عقائد و نظریات کی تجدید کے لئے اپنا ایک [illegible] دنیا میں بھیج دیتا ہے۔

چنانچہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت رسالت مآب خاتم الانبیاء کے بعد ہر دَور میں ایسے مجدد آتے رہے جنہوں نے دین کو ان منفی اثرات سے پاک کیا جو ہر آن بدلتے زمانے کے زیرِ اثر مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی رُوح آج تک مردہ ہونے سے بچی رہی اور قرآن کا کوئی عقیدہ مسخ نہیں ہو سکا۔ یہ دَور ہر سو سال کے بعد پُورا ہوتا ہے۔ ایک صدی کے بعد دوسری صدی ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہر صدی کے آغاز پر اللہ کی طرف سے ایک مامور دنیا میں آکر دین کے اصولوں کو استحکام بخشتا ہے۔ اور تمام دوسرے باطل عقائد و نظریات کی روشنی میں نئے حقائق دریافت کرکے انسانوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ اس کو تجدید دین کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور بھی موجودہ صدی میں تجدید دین کی خاطر ہوا۔

آپؑ نے اپنی تمام عمر غلبۂ اسلام اور قرآنی علوم کی تجدید میں صرف کر دی شدید مخالفت اور مشکلات و خطرات کے باوجود آپ لوگوں کو زندہ اسلام کی طرف مسلسل بلاتے رہے۔ اُنہیں نیکیوں کی تلقین فرمائی۔ انہیں بُری باتوں سے روکا۔ قتل و غارتگری سے منع فرمایا۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا حکم دیا۔ لغویات اور بُری باتوں کو ان پر حرام قرار دیا۔ غیر اسلامی باطل عقائد کا جو بوجھ ان کے کندھوں پر کوتاہ اندیش جاہل اور اسلام سے نابلد علماء نے ڈال دیا تھا اس بوجھ سے ان کو نجات دلائی اور انہیں وہ لازوال علم الکلام عطا کیا کہ جس کے سہارے وہ اسلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت نے ان کی تعظیم نہیں کی۔ اور بقول حضرت موعود :۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔"

اسی سبب سے دنیا آج فلاح سے محروم ہے۔ کیونکہ دُنیا میں جب کبھی کوئی مامور آتا ہے اور لوگوں تک ہدایات ربانی پہنچاتا ہے۔ اور ان کو حق کی دعوت دیتا ہے۔ تو جو لوگ اس کی آواز پر کان دھرتے ہیں۔ اس کی بتائی حقیقتوں کو بنظر غور دیکھتے ہیں۔ اور پھر غور و فکر کے ذریعے اس نورِ ہدایت کو اپنے دل میں اتارتے ہیں جیسے وہ ان پر ظاہر کرتا ہے۔ اور جو وہ کہتا ہے اس کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اس نور کی صدق دل سے پیروی کرتے ہیں جو وہ ان پر ظاہر کرتا ہے اور اپنے عملوں کو اس کی ہدایت کے مطابق سنوارتے ہیں۔ نیز دین حق کی اشاعت میں اس کی مدد کرتے ہیں تو قرآن کریم کی رُو سے بلاشبہ وہی لوگ کامیاب و فلاح یافتہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اپنی اس پاک کتاب میں اللہ تعالےٰ نے لوگوں کی فلاح کا یہی معیار بیان فرمایا ہے۔

مگر آج دنیا والے اس معیار سے ہٹ کر فلاح اور نجات کو تلاش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس طرح سوائے ناکامی کے انہیں اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کامیابی حاصل کرنے کے لئے دُنیا کو چاہیئے کہ وہ اس ہستی کی جانب متوجہ ہوں جو بانگ دہل یہ اعلان کر رہی ہے :۔

"میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاحِ خلق کے لئے بھیجا گیا۔ تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے .... اے دانشمندو! تم اس سے

تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی۔ اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کرکے اعلائے کلمۂ اسلام اور اشاعت نورِ حضرت خیر الانامؐ اور تائید مسلمانوں کے لئے نیز اندرونی حالات کو صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات پر ہوتا کہ وہ خدا جو حامیٔ دینِ اسلام ہے۔ اور جس نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ تعلیم قرآنی کا نگہبان رہوں گا۔ اسے سرد۔ بے رونق [illegible] سفر کر لیں وہ وقت تم نے پالیا۔ اب [illegible] کی قدر کرنا۔ اس سے فائدہ اُٹھانا تمہارے [illegible]"

اور ایک جگہ اور فرمایا کہ :۔

"نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کی حقیقی راہ وہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی۔ اس لئے ساری دنیا پر لازم ہے کہ اسی کو تلاش کرے۔"

کس قدر درست [illegible] حضرت مسیح موعود کا۔ [illegible] تو اس ارشاد کے مطابق [illegible] ہو گا۔ لیکن دیر سے اس ہستی کو اگر تسلیم نہ کیا تو ہمارا اس پر یقین کامل ہے کہ خدا اسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔" کیونکہ یہی وہ واحد ہستی ہے۔ جس نے آج زندہ اسلام کی زندہ حقیقتوں کو لوگوں پر آشکار کیا ہے۔ اور جس طرح یہ بات درست تسلیم کی جاتی ہے کہ

DEMOCRACY AND FREEDOM CANNOT EXIST IN A CORRUPT SOCIETY

یعنی جمہوریت اور آزادی بدچلن، بدکردار معاشرے میں برقرار نہیں رہ سکتے۔ بالکل اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ اسلامی فلاحی معاشرہ بدچلن اور ناپسندیدہ اخلاق و کردار کے حامل اور فکری تضادات رکھنے والے جاہل لوگوں میں اللہ کے [illegible] مدد کے بغیر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ قوموں کی معاشرتی زندگی میں وہ مقام انتہائی خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوتا ہے جب لوگ نیکی بدی برائی بھلائی میں تمیز کرنے کی صلاحیتیں کھو بیٹھتے ہیں اور معاشرے میں ایسے لوگوں کو عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جانے لگتا ہے۔ جو پسندیدہ اخلاق کے حامل نہیں ہوتے۔ بلکہ اوباش بدکردار اور تخریب کار ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ آج ایسی ہی خطرناک تباہ کن صورت حال سے دوچار ہے۔ لوگ [illegible] کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ابھی چند دنوں کی بات ہے ہمارے مُلک کی ایک معروف شخصیت کہا ہے کہ اگر اس بدچلن معاشرے کی اصلاح کے لئے کوئی شخص نکلے گا تو لوگ اس کو قتل کر دیں گے۔

اس طوفان سے صرف وہی ہستی نجات دلا سکتی ہے۔ جو تائید خداوندی کے ساتھ لوگوں کی راہبری و رہنمائی کے لئے دُنیا میں آئی ہو۔ اس لئے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی اور معاشرے کی اصلاح کے لئے اپنے وقت کے مامور کی شناخت کریں اور اپنے آپ کو اس کے روشن علم الکلام کے دامن سے وابستہ کر دیں جو سچے اور زندہ اسلام کا نقیب ہے۔ کیونکہ بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام :۔

غیرکی سے بدگمانی اس قدر اچھی نہیں
ان دنوں میں جب کہ ہے شورِ قیامت آشکار
ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر
نوحؑ کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اسلام میں مرتد کی سزا

سزائے ارتداد کے متعلق دو قیمتی اور علمی مضامین

اخبار شہباز پشاور - مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کے صفحہ ۲ پر ایک مضمون بعنوان "سزائے ارتداد اور تبلیغ اسلام" شائع ہوا ہے اور دوسرا اسی قسم کا مضمون ریویو آف ریلیجنز مورخہ ۲۰ر جون ۱۹۰۸ء میں بھی شائع ہوا تھا اس کا عنوان ہے "ہندوستان میں مرتدین کے احکام" اس میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث آنحضرت صلعم کی روشنی میں بالتفصیل بحث کی گئی ہے - یہ مضمون بھی بڑا علمی اور محققانہ ہے۔ لہٰذا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ایڈیٹر صاحب پیغام صلح دونوں مضامین کو اخبار کی کسی قریبی اشاعت میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ تاکہ قارئین کرام دونوں مضامین کو مطالعہ کر کے لطف اندوز ہوں۔ اور یہ بھی اندازہ کر سکیں کہ مرتدین کو اندھادھند قتل کرنے کے شائقین کے پاس دارقطنی کی ایک حدیث (جس پر اس مضمون میں بحث کی گئی ہے) کے سوا کوئی دلیل ثبوت نہیں۔ نہ قرآن سے اور نہ سنت رسول مقبول صلعم سے بس ایک ہی چیز ہے جس میں نفسانی خواہش اور سیاست کارفرما ہے کہ جس فرد یا جماعت پر ایک یا چند علماء فتوے لگادیں کہ مرتد ہے اسے فوراً قتل کر دیا جائے اس دور میں اللہ تعالےٰ ہی مسلمان عوام الناس کی رہنمائی فرمادے۔

خدا وندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے درویشی بھی عیاری

ریویو آف ریلیجنز میں یہ مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا ہے افسوس ہے کہ وہ رسالہ میرے پاس نہیں جس میں دوسری قسط شائع ہوئی ہے اگر کسی صاحب کے پاس ہو تو مہربانی فرما کر اسے نقل کر کے بغرض اشاعت ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کو ارسال فرمادیں تاکہ قارئین کرام اس کے مطالعہ سے کلی مستفید ہوں۔

مرسلہ :: محمد ابراہیم داؤدی

اسلامی شریعت کا ماخذ اسلامی شریعت کا اصلی ماخذ قرآن کریم ہے اس کتاب میں مرتدین کے متعلق جو آیات ہیں وہ ایسی صریح اور کھلی ہیں کہ ان پر کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں بلکہ سیدھے سادے ترجمہ ہی سے ناظرین اصلی مطلب کو سمجھ لیں گے۔ سب سے پہلے سورۃ بقرہ کی آیت قابل غور ہے جس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

"ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ واولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون"

(سورۃ بقرہ رکوع ۲۷ پارہ دوم رکوع ۱۱)

ترجمہ: اے مسلمانو! یہ کفار تم سے سدا لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کردیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوگا اور پھر کفر کی حالت میں مرجائیگا تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور یہی لوگ آگ والے ہیں اس میں وہ پڑیں گے۔

پس اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتدین کے لئے قرآن کریم نے کوئی سزا بتائی ہے مگر وہ سزا کیا ہے۔ اس آیت میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو کوئی تم میں مرتد ہوجایا کرے تم اس کو قتل کر دیا کرو۔ بالفاظ دیگر ارتداد کی سزا حکومت کے ہاتھ میں نہیں دی بلکہ اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں رکھا ہے۔ کیونکہ فرماتا ہے

کہ جو شخص مرتد ہو کر کفر کی حالت پر ہی مرجائے اس نے جو کچھ نیک عمل ایمان کی حالت میں کئے تھے وہ بھی اکارت جائیں گے اور ان کا اجر اس کو نہ دنیا میں ملے گا نہ آخرت میں۔ اور آخرت میں اس کے لئے عذاب جہنم ہوگا۔ اس آیت میں ایک اور لفظ قابل غور ہے اور وہ ہے لفظ فیمت - یعنی مرتد کے لئے یہ فرمایا کہ وہ مرجائے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مارا جائے یا قتل کیا جائے۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ کافر دن رات زور لگاتے تھے کہ مسلمانوں کو مرتد کریں اور ان کے بس میں ہوتا تھا تو زور سے بھی ان کو مرتد کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی مسلمانوں سے جنگ کرنے کی علت غائی یہ تھی کہ ان کو دین اسلام سے روکا جائے اور اس دین پر نہ رہنے دیا جائے۔ کیسی تعجب کی بات ہے کہ جو الزام مسلمانوں پر جہاد کا (یعنی خواہ مخواہ مسلمانوں کو قتل کرنے کا) وہ درحقیقت ان کے دشمنوں یعنی کفار عرب پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اس آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مسلمانوں سے اس لئے جنگ کرتے تھے کہ ان کو زبردستی دین اسلام سے نکال کر پھر کفر میں داخل کریں۔ پس اس قسم کا جہاد اپنے مشہور معنوں میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہوتا تھا نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے کفار پر۔ بلکہ مسلمانوں کے جنگ صرف دفاعی تھے۔ وہ دین اسلام کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا جب ان کو تلوار سے نیست و نابود کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا گیا تو ان کو بھی خدا کی طرف سے اپنی حفاظت کی اجازت دی گئی۔

ایک اور آیت مرتدین کے متعلق سورۃ مائدہ میں ہے جو آخر زمانہ میں نازل ہوئی تھی یہ آیت اس طرح پر ہے:

"یاایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم (سورۃ مائدہ۔ رکوع ۸۔ پارہ ۶ رکوع ۱۲)

ترجمہ: "اے مسلمانو تم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہوجائے تو اللہ ایک ایسی قوم لاموجود کرے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسے دوست رکھتے ہوں گے وہ مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں کوشش کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع اور وہ سب کے حال سے واقف ہے۔"

اس آیت میں گویا مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد بھی ہو جائے تو تم کچھ فکر نہ کرو اور ایسے شخص کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اس کے بدلے ایک قوم کی قوم کو دین اسلام میں داخل کرے گا اور وہ قوم بھی بڑی مضبوط ایمان والی ہوگی۔ یہاں بھی مرتدین کے لئے کوئی سزا بیان نہیں فرمائی کہ ان کو قتل کردو یا ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو۔ یہ تو دو مدنی آیات ہیں۔ مکی آیات میں بھی مرتدین کا ذکر ایسے ہی الفاظ میں ہے۔ یعنی وہاں بھی یہی فرمایا ہے کہ مرتدین کے لئے آخرت میں عذاب ہوگا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم مرتدین کو یہ سزا دو یا وہ سزا دو۔

سورۃ نحل کی ذیل کی آیات پر غور کرو:

"من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم۔ ذالک بانھم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الاٰخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ اولٰئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولٰئک ھم الغافلون۔ لا جرم انھم فی الاٰخرۃ ھم الخاسرون۔

(سورۃ النحل رکوع ۱۴)

ترجمہ: جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے سوائے اس کے کہ وہ مجبور کیا جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو ایسے تو مواخذہ نہیں لیکن جو

شخص ہی کھول کر کافر ہو تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی سے پیار کر کے اسے آخرت پر مقدم کر لیا اور بے شک اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور وہ غافل ہیں ضرور ہے کہ یہ لوگ آخرت میں گھاٹے میں رہیں۔"

یہ آیات اس موقع پر نازل ہوئیں جب آنحضرت صلعم مکہ میں تھے اور آپ کے ساتھیوں کو جن پر کفار کا بس چلتا تھا دین اسلام قبول کرنے کی وجہ سے سخت ایذائیں دی جاتی تھیں۔ اور ان کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسلام سے بیزاری ظاہر کریں۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن الفاظ میں مکی آیات میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے انہی الفاظ میں مدنی آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام مرتدین جو کچھ مکہ میں تھے وہی مدینہ میں بھی جاری وساری رہے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اور اگرچہ شریعت کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا مگر احکام مرتدین مدینہ میں کوئی نئے نازل نہیں ہوئے تھے ورنہ ضرور تھا کہ قرآن شریف میں ان احکام کا خاص طور پر ذکر ہوتا کہ جس طرح مکہ میں مرتدین کے لئے سزا صرف عالم ثانی میں بتائی گئی تھی اسی طرح مدینہ میں بھی ان کے متعلق یہی کہا جاتا ہے کہ وہ آخرت میں عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

غرضیکہ قرآن شریف میں نہ ابتدائی سورتوں میں اور نہ آخر زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ مرتدین کو قتل کر دینا چاہیئے یا یہ کہ ان کو اور کسی قسم کی سزا دینی چاہیئے۔ چند جگہ اور بھی دین اسلام میں داخل ہو کر کفر کی طرف لوٹ جانے کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں بھی سزائے قتل کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ ناظرین کی تسکین کے لئے ہم ان آیات کو بھی ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

سورۃ آل عمران رکوع میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینٰت واللہ لا یھدی القوم الظٰلمین ہ اولٰئک جزاؤھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین ہ خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ہ الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم ہ ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفراً لن تقبل توبتھم واولٰئک ھم الضالون ہ"

ترجمہ:۔ کس طرح اللہ ہدایت دے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا بعد اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اور گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اور ان کے پاس کھلے ثبوت بھی آ چکے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اسی میں پڑیں گے۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد (یعنی ارتداد کے بعد) توبہ کی اور اپنی اصلاح کی تو اللہ بھی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کفر میں ترقی کر گئے ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور وہ گمراہ ہیں۔

اور سورۃ نساء رکوع ۲۰ میں ہے:۔

"ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفراً لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلاً۔"

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں ترقی کرتے چلے گئے خدا ان کو نہیں بخشے گا اور نہ ہی ان کو ہدایت کرے گا۔"

ایسا ہی سورۃ آل عمران میں یہودیوں کی تدابیر کا جو وہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لئے سوچا کرتے تھے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:۔

"وقالت طائفۃ من اھل الکتاب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجہ النھار واکفروا اٰخرہ لعلھم یرجعون۔" (۳ : ۷۱)

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنے لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ اس چیز پر جو مسلمانوں پر اتاری گئی ہے اول روز میں تم ایمان لاؤ اور آخر روز میں اس سے انکار کر دو شاید اس تدبیر سے (دیکھتے اہل کتاب کے ایک گروہ کے گروہ کو ایمان لائے بعد مرتد ہوتا دیکھ کر) مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں۔"

یہ قرآن شریف کی وہ آیات ہیں جو ارتداد اور مرتدین کے متعلق ہیں۔ ان کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں کسی جگہ مرتدین کو کسی قسم کی سزا دینے یا ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ اگر ان کے لئے کسی سزا کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ وہی عذاب آخرت ہے جس میں وہ دوسرے کفار کے ساتھ شریک ہوں گے۔ بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو کئی دفعہ اسلام لاتے اور مرتد ہوتے تھے۔ حالانکہ اگر مرتد کو معاً قتل کرنے کا حکم ہوتا یا آنحضرت صلعم کا یہ عمل ہوتا کہ جب کسی شخص سے ارتداد وقوع میں آتے اسے فوراً قتل کرا دیتے تو اس طرح بار بار ایمان لانا اور کفر کرنا ناممکن تھا۔

سب سے آخری آیت جس میں یہودیوں کے حیلوں اور تدابیر کا ذکر ہے اس بات پر کہ مرتدین کو قتل کرنا آنحضرت صلعم کا معمول نہ تھا قطعی دلیل ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ یہودی بعض اپنے لوگوں کو یہ تجویز بتاتے تھے کہ مسلمانوں کو اس طرح مرتد کیا جائے کہ ایک گروہ کا گروہ صبح کو اسلام پر ایمان لے آئے اور شام کو اسلام کو جھوٹا کہہ کر انکار کر دے جس سے غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمان جب دیکھیں گے کہ اہل کتاب کا ایک بڑا گروہ اسلام کو دیکھ کر اس کا منکر ہو گیا ہے تو ضرور ان کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے کہ انہوں نے واقعی اسلام کا جھوٹا ہونا معلوم کر کے ہی اسے چھوڑا ہوگا۔ اور یہ کہ اگر اسلام سچا ہوتا تو اہل کتاب ایمان لانے کے بعد اسے کیوں چھوڑتے۔

اب ہمیں اس غرض کے لئے جس کے لئے ہم نے اس آیت کو نقل کیا ہے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ تاریخی طور پر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تھا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام میں سزائے ارتداد قتل ہوتی تو یہودیوں کے دلوں میں ایسی تجویز آ ہی نہ سکتی تھی۔ کیونکہ جس صورت میں وہ جانتے تھے کہ مرتدین کو تو مسلمان قتل کر دیں گے تو وہ اپنے لوگوں کو یہ مشورہ کیونکر دے سکتے تھے کہ تم صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو انکار کر دو۔ کیا وہ اپنی ہی قوم کو مروانا چاہتے تھے؟ پس یہ آیت ایک قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ اسلام میں سزائے ارتداد قتل نہ تھی۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ مدینہ میں آکر آنحضرت صلعم کو واسطہ پڑا تھا۔ بلکہ یہ آیت ابتدائی مدنی زندگی کے وقت کی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابتدا میں یہودیوں کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے اور ان کی دشمنی بعد میں بڑھ گئی تھی۔ ان تمام آیات منقولہ بالا کو پڑھ کر ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم میں جو اسلامی شریعت کا اصل سرچشمہ ہے مرتدین کے لئے سزائے قتل یا دوسری کسی سزا کا کوئی ذکر نہیں۔

احادیث کی طرف توجہ — اس کے بعد ہم احادیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مگر احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول کو اس بارہ میں بیان کرنے سے پہلے ایک بات کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے اور جو بطور ایک اہم اصل کے یاد رکھنی چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کی حکمت کو سمجھنے کے لئے یا اس کی اصل غرض کو معلوم کرنے کے لئے اور اس کی تہ تک پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان حالات کو مدنظر رکھا جائے جن کے ماتحت آپ نے کوئی فعل کیا یا کوئی بات بیان فرمائی۔ اکثر جگہ جہاں آپ کے قول یا فعل سے غلط نتیجہ نکالا گیا ہے اس کی تہ میں اس اصل کی فروگذاشت ہے یعنی ان خاص حالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جن کے ماتحت آپ نے کوئی کام کیا یا کرنے کا حکم

دیا یا کوئی بات بیان فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالات مدِنظر رکھا جائے جن کے ماتحت ایسا کیا گیا یا کہا گیا۔

آپ کی زندگی مختلف زمانوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ جن میں سے ہر ایک زمانہ میں جُداگانہ حالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ سب سے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے دینی دشمنوں کی سخت سے سخت اذیتوں اور تکلیف رسانیوں کے نیچے کس طرح صبر اور بُردباری سے اُنہیں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

اس کے بعد ہجرت اولیٰ کا زمانہ ہے جس میں اکثر مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے ملک حبش میں چلے گئے۔ جہاں ایک عیسائی گورنمنٹ تھی۔ اس میں ان کو یہ تعلیم دی گئی کہ جہاں حکومت کی طرف سے ان کے مذہب میں کوئی دست اندازی نہ کی جاوے تو ان کو کس طرح فرمانبرداری اور امن پسندی اور وفاداری کے ساتھ اور دوسری قوموں سے نیک سلوک کے ساتھ زندگیاں بسر کرنی چاہیئیں۔ اس کے بعد پھر وہ زمانہ آتا ہے جب آپ مع تمام صحابہؓ کے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا بسے جہاں اور بھی قومیں مثل یہودیوں اور بُت پرستوں کے موجود تھیں اور کچھ مسلمان بھی تھے۔ مگر ملکی طور پر وہ سب ایک تھے اور اس جگہ ایک قسم کی جمہوری سلطنت قائم ہو گئی جس میں اعلےٰ اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں دیئے گئے۔ اس زمانہ میں آنحضرت اور مسلمانوں نے عملی طور پر یہ دکھایا کہ کیونکر مسلمان ایک مسلمان گورنمنٹ کے نیچے رہ کر بھی اپنے مذہبی مخالفوں کے ساتھ ملکی طور پر اتفاق کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور کس طرح ایک اسلامی گورنمنٹ کو اپنی غیر اسلامی رعایا کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ غیر مسلم رعایا اس کے مذہب کا کیسا ہی دشمن کیوں نہ ہو۔ یہاں یثرب کے حدود کے اندر مسلمان یہودی اور بُت پرست ملکی طور پر ایک ہی قوم کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اس جمہوری انتظام کے حاکم اعلےٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

اسی طرح اب ایک چوتھا اور نیا زمانہ مسلمان سوسائٹی پر آتا ہے جس کا باعث خود مسلمان نہیں بلکہ اُن کے دشمن تھے یعنی وہ کفار جنہوں نے مکّہ میں ان کو امن نہ لینے دیا تھا اور جن کی اذیتوں کی خاطر وہ اپنے پیارے وطنوں کو چھوڑ کر کبھی کہیں پناہ گزین ہوتے تھے۔ اگر کفار قریش اپنی دشمنی میں حد سے نہ بڑھ جاتے اور تلواریں ہاتھ میں لے کر اسلام کے نیست و نابود کرنے کے درپے نہ ہو جاتے تو اسلام کی اس حالت میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی جس کا ذکر ہم نے اس جگہ کیا ہے۔ مگر ان کوتہ اندیشوں نے جب دیکھا کہ اسلام کیسے امن کے ساتھ مدینہ میں ترقی کرتا جا رہا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہم اس ابتدائی حالت میں اس کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ ادھر یہودیوں کو حالانکہ وہ ملکی طور پر مسلمانوں سے اتفاق کر چکے تھے۔ مگر تاہم ان کے دلوں میں اسلام کی ترقی کو دیکھ کر سخت جلن پیدا ہوتی تھی اور کینہ اور بغض روز بروز ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ انہوں نے بھی خفیہ طور پر کفار کے ساتھ سازشیں کیں اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہا۔

پس اب اسلام پر اور مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا آ گیا کہ چاروں طرف سے لوگ ان کے ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے۔ یہ لڑائیوں اور جنگوں کا زمانہ تھا جس میں کہا جا سکتا ہے کہ بجائے عام ملکی قوانین کے مسلمانوں کو بعض وقت جنگی قوانین جاری کرنے پڑے کیونکہ ہر طرف اور ہر وقت انہیں دشمنوں سے جنگ کا سامنا تھا۔ ایسے وقت میں اسلام سے ارتداد صرف ایک مذہبی ارتداد نہ تھا بلکہ مسلمان افواج کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کے برابر تھا۔ اور ایسے لوگ مکمل طور پر مسلمانوں کے دشمن اور بلکہ بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک یہ اندرونی دشمن تھے کیونکہ ان کو مسلمانوں کے حالات معلوم ہوتے تھے پس اگر ایسے وقت میں مرتدین کے قتل کا حکم دیا گیا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

جایا کرتی تھی اور اس وقت جنگی قوانین موقوف ہو کر پھر ان کی بجائے وہی معمولی قوانین مروّج ہو جاتے تھے جو پہلے امن کی حالت میں مروّج تھے اور جب تک پھر جنگ شروع نہ ہوتی تھی ویسی ہی حالت رہتی۔

پس اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہو سکتی ہے کہ ان احکام کو جو ایک خاص قسم کے حالات کے ماتحت دیئے گئے تھے ایک ایسی سوسائٹی پر لگایا جاوے جس کے حالات بالکل الگ ہیں۔ یہ تو اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ اسلام اپنے پیرؤوں کو یہ نہیں کہتا کہ ہر قسم کے حالات کے ماتحت تم ایک ہی طرح کام کیا کرو۔ بلکہ ان کو یہ سکھاتا ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں انہی کے مطابق کام بھی کرنا چاہیئے اور خود آنحضرت صلعم کی زندگی میں ان تمام مختلف حالات کے واقع ہو جانے نے اہلِ اسلام کے لئے ہر قسم کی ہدایات عملی رنگ میں مہیا کر دی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی میں اسلام کی پولیٹیکل زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں کا نقشہ کھنچا ہوا نظر آتا ہے۔ جنگ کی حالت بھی انہیں حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ اور یہ خلافِ تعلیم اسلام ہے کہ ہم ان ضوابط اور قواعد یا احکام کو جو اس خاص حالت یعنی جنگ کسی حالت اور نہ ہی ان کی مذہبی آزادی میں کسی قسم کی دست اندازی کی جاتی ہے اور نہ ہی ان کو اپنے مذہب کے پھیلانے یا اپنے اصول کی اشاعت کرنے یا اپنے عقائد کا اظہار کرنے سے روکا جاتا ہے۔

جنگ کی حالت اسلام کی اصلی حالت نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ خود اسلام کے نام سے ظاہر ہے اسلام کی اصلیت صلح ہے اور جنگ اس کو صرف بحالت مجبوری کرنے پڑے اور ایسے حالات کے ماتحت کرنے پڑے جن پر مسلمانوں کا اختیار نہ تھا۔ یعنے ان کے ٹالنے سے وہ جنگ ٹل نہ سکتے تھے کیونکہ مخالفین یہ ٹھان چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کو نیست و نابود کر دیں۔ کیا تاریخ شہادت نہیں دیتی کہ مسلمانوں نے کس صبر اور برداشت سے سخت سے سخت مصائب اور اذیتیں اُٹھائیں اور ہر طرح کے دکھوں کو برداشت کیا؟ کیا یہ سب لغو اور بے معنی تھا اور اس میں یہ سبق نہ تھا کہ آئندہ بھی جب مسلمانوں کو ایسی حالت پیش آئے تو وہ اسی طرح کا صبر کا نمونہ دکھاویں؟

پھر غور کرو کہ حبش میں ایک عیسائی گورنمنٹ کے ماتحت مسلمانوں نے کیسی شکر گذاری اور وفاداری کے ساتھ اپنے دن کاٹے کیا اس سے یہ سبق نہیں ملتا کہ جب کبھی مسلمانوں کو ایسی مہربان گورنمنٹ ملے تو وہ اس کے ماتحت ایسی ہی وفاداری اور شکر گذاری سے اپنی زندگی بسر کریں؟

پھر دیکھو کہ یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس حالت میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس میں کیسی صراحت سے یہ تعلیم پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غیر مسلم رعایا یا ایسی غیر مسلم اقوام کی جن کے ساتھ ان کا ملکی اتحاد ہو کس طرح حفاظت اور رعایت کرنی چاہیئے اس معاہدہ میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مسلمان اور تمام وہ لوگ جنہوں نے اُن کے ساتھ ملکی اتحاد کیا ہے ایک ہی قوم سمجھے جاویں گے۔ اور ان کو صلح و جنگ کی حالت ایک ہی ہو گی۔ پھر صراحت سے اس بات کا ذکر ہے کہ جو یہودی مسلمانوں کی اس جمہوری سلطنت کے ساتھ اتحاد کریں ان کی ہر ایک رنج اور آزار سے پوری حفاظت کی جائے گی اور ان کو مسلمانوں کی طرف سے مدد اور حفاظت کا ایسا ہی حق ہو گا۔ جیسا کہ خود مسلمانوں کو اور وہ تمام اپنے اپنے مذاہب پر اسی آزادی سے رہیں گے جیسے کہ مسلمان اور مجرم خواہ کسی قوم یا مذہب کا ہو اسے برابر سزا دی جائے گی۔ یہود کا فرض ہو گا کہ وہ بھی مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابل پر مسلمانوں کی مدد کریں۔ اور تمام ان لوگوں کے جو اس معاہدہ کو قبول کریں۔ یثرب کے اندر مال و جان اور آزادی کی حفاظت کی جاوے گی مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے ساتھیوں کو

ایک سے ہی حقوق حاصل ہوں گے اور تمام جھگڑے جو اس معاہدے کے نیچے پیدا ہوں ان کا آخری فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا گیا۔

ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل میلان صلح کی طرف تھا اور جنگ اسے صرف مجبوری کرنے پڑتے۔ اس کی تائید میں یہ امر بھی ہے کہ جنگ کے وقت میں بھی جب کبھی مخالفین مائل بہ صلح پائے جاتے تھے تو آنحضرت صلعم صلح کر لیتے تھے بلکہ ایسی شرائط کو بھی قبول فرما لیتے جن کے قبول کرنے میں بظاہر ایک قسم کی کمزوری پائی جاتی۔ مگر آپ نہ چاہتے تھے کہ جب کفار صلح کا پیغام دیں تو پھر آپ محض ان کی شرائط کی سختی کی وجہ سے رکے رہیں اور مخلوق خدا کا خون ہونے دیں۔ چنانچہ واقعہ حدیبیہ سے اس امر کی صاف شہادت ملتی ہے۔

۱۴۰۰ صحابہ رض کے ساتھ آپؐ مدینہ سے حج کا عزم کر کے چلے اور جب مکہ سے تھوڑی دور رہ گئے تو کفار نے آگے جانے سے روک دیا۔ اس روک کا نتیجہ تو صریحاً جنگ تھا کیونکہ آنحضرت صلعم کے صحابہؓ اس طرح بے نیل و مرام واپس ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ادھر کفار نے ایسی شرائط پیش کیں جن کو قبول کرنے میں مسلمان ایک طرح سے اپنی ذلت سمجھتے تھے۔ مگر پیغمبر خدا چونکہ کسی صلح کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اس لئے آپ نے انہی شرائط کو قبول فرما لیا مگر جنگ نہ کیا۔ اس صلحنامہ کی شرائط میں یہ بھی درج تھا کہ دس سال تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص قریش میں سے آنحضرت صلعم کے ساتھ آ ملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے واپس قریش کے حوالہ کریں۔

لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے قریش کے ساتھ جا ملے تو مسلمانوں کو اسے واپس طلب کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ دونوں فریقوں کے ساتھ جو قوم ملنا چاہے مل سکے گی اور مسلمان اس مرتبہ بلا حج کرنے کے واپس ہوں گے مگر آئندہ سال ان کو حج کرنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ ان کی تلواریں میانوں میں ہوں اور تین دن سے زیادہ وہ مکہ میں نہ ٹھہریں۔ غرض تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے قول و فعل میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کن واقعات کے ماتحت آپ نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی حکم مرتدین کے قتل کرنے کا آنحضرت صلعم نے دیا ہے تو وہ نہ اس وقت دیا جبکہ آپ مکہ میں تھے نہ اس وقت جبکہ آپؐ کے صحابہ حبش میں تھے اور نہ ہی اس وقت جبکہ آپؐ پہلے پہل مدینہ میں جا کر ٹھہرے بلکہ یہ حکم اس وقت دیا گیا جبکہ اسلام کے جنگ کفار کے ساتھ اس طرح شروع ہو گئے کہ متواتر ایک سلسلہ ہی چلتا تھا۔ گویا امن کی حالت لڑائی کی حالت سے بدل چکی تھی اور اس لئے اسی کے مناسب حال حکم دینے کی ضرورت پیش آئی۔ ان حالات میں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو کر ان کے دشمنوں کے ساتھ ملنے کے برابر تھا۔ کیونکہ لڑائی صرف دو لشکروں کے درمیان نہ تھی۔ بلکہ کفار کا ارادہ تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی قوم کے ہوں نیست و نابود کرنے کا تھا اور یہ جنگ گویا مسلمان سوسائٹی کے خلاف تھی۔ پس وہ ضرورت جس نے آنحضرت صلعم کو مجبور کیا کہ وہ مرتدین کے قتل کا حکم دیں خود مسلمانوں کی حفاظت تھی۔ کیونکہ ارتداد اس وقت میں خالی مذہبی عقائد سے پھر جانا نہ تھا بلکہ ایسا ہی تھا جیسا جنگ میں ایک فوج کو چھوڑ کر دوسری فوج سے کوئی شخص جا ملے۔ پس سزائے قتل بھی مذہبی عقائد کو بدلنے کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ ان حالات کے پیش آنے سے پہلے تبدیلی مذہب پر کوئی ایسی سزا نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ یہ ان حالات کی بناء پر کچھ جواب پیش آ گئے تھے۔ ایک مسلمان جب اہل اسلام کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملتا تو وہ ایک خطرناک جاسوس کا کام دے سکتا تھا اور ایسی صورت میں سوائے اس کے کہ وہ قتل کیا جاتا اور کوئی چارہ نہ تھا اور ایسی سزا کو کوئی شخص بے رحمی یا ظلم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ منصفانہ اصول پر مبنی ہے۔ اور آج بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آویں تو وہ ایسی ہی کارروائی کرے گی بلکہ آنحضرت صلعم کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔

مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حکم کا اجرا اور جنگ کے حالات کے ماتحت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلعم اور مسلمان امن کی حالت میں رہتے تھے یعنی جنگوں کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا۔ تو اس وقت اس قسم کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس معاہدہ کی شرائط میں جو یہود یوں وغیرہ دیگر باشندگان یثرب کے ساتھ کیا گیا تھا۔ ۴۴

اور ایسا ہی اس صلحنامہ کی شرائط موجود ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں۔ پس آنحضرت صلعم کا حکم قرآنی تعلیم کے منافی نہیں کیونکہ آپ نے مرتدین کے منافی ہیں۔ پس آنحضرت صلعم کا حکم قرآنی تعلیم کے منافی نہیں کیونکہ آپ نے مرتدین کے قتل کا حکم صرف اس صورت میں دیا جب قتل کے وجوہات کسی اور بناء پر پیدا ہوئے اور محض ارتداد کو موجب قتل قرار نہیں دیا۔

قتل مرتدین کا ایک ہی واقعہ معتبر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:۔

"عن انس قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفر من عکل فاسلموا فاجتووا المدینۃ فامرھم ان یاتوا اھل الصدقۃ فیشربوا من ابوالھا والبانھا۔ ففعلوا فصحوا فارتدوا وقتلوا رعاتھا واستاقوا الابل فبعث فی آثارھم فاتی بھم فقطع ایدیھم وارجلھم وسمل اعینھم ثم لم یحسمھم حتی ماتوا۔ اس حدیث میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کئے گئے۔ وہ پہلے مسلمان ہوئے اور ان کی بیماری کی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ان پر یہ احسان کیا کہ صدقہ کے اونٹوں کا دودھ پینے کے لئے ان کو اجازت دی۔

جب وہ تندرست ہوئے تو انہوں نے بجائے شکر گذاری کے یہ کیا کہ اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر ڈالا اور سب اونٹوں کو لے گئے۔ اب ان کا جرم ڈاکہ زنی اور قتل تھا اور آج بھی اس جرم کے مرتکب کو سزائے قتل ہی دی جاتی ہے۔ پس آنحضرت صلعم نے انہیں تبدیل مذہب کی سزا نہیں دی۔ بلکہ ان کی ڈاکہ زنی اور قتل کی جرائم پر وہ سزا دی جو آج کوئی مہذب گورنمنٹ دیے۔ وہ مرتد بھی تھے مگر ارتداد کے ساتھ ان کے اور جرائم تھے جنہوں نے انہیں قتل کا مستوجب کر دیا۔ پس اسے مرتدین کے قتل کی مثال نہیں کہہ سکتے مگر امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اسی وجہ سے اسے مرتدین کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ کے نیچے ذکر کیا ہے اور پہلے قرآن کریم کی اس آیت کو اپنی تائید میں لاتے ہیں۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ (۵:۳۳)

یعنی ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا صلیب دیا جاوے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں الٹے کاٹ دیئے جاویں یا ان کو جلاوطن کر دیا جاوے۔

اس جگہ بھی قرآن کریم نے ایک صورت معافی کا ذکر کیا ہے:۔

الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔

پس آنحضرت صلعم نے جو اس صورت میں قتل کا حکم دیا تو وہ قرآن کریم کی اس آیت کے حکم کے نیچے تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کریم کے حکموں کے مطابق ہی حکم دیتے تھے۔ ضرور تھا کہ اگر ان لوگوں کو ان کے ارتداد کی وجہ سے سزا دی جاتی تو آیت بھی کوئی اسی قسم کی پیش کی جاتی جس میں مرتدین کا ذکر ہوتا نہ کہ محاربین کا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سزا انکے محاربہ کی وجہ سے تھی نہ کہ ارتداد کی وجہ سے

پر پانی کی بڑی قلت ہے اور عورتیں میلوں سے پانی اپنے سر پر لاد کر لاتی ہیں۔ مہنگائی عالمگیر شکل اختیار کر چکی ہے جس سے امن عالم کو خطرہ ہے۔ امریکہ اور روس کی کشتیاں ہو رہی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے:—

کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں

فاضل مقرر نے بتایا کہ امریکہ جیسے امیر ملک میں تین ہزار لوگوں کو صرف ایک وقت کی روٹی میسّر ہے۔ آپ نے بتایا کہ LEAGUE OF NATIONS لیگ آف نیشن جنگ نہیں روک سکتی۔ تباہی پھیلانے والی نیوٹران شعاعیں گردش میں ہیں جو تباہی و بربادی لائیں گی۔

فاضل مقرر نے فرمایا کہ تلاوت کردہ آیات میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جب ہم نے انسان کو جنت میں پیدا کیا اور ایک درخت کے پاس جانے سے روکا اور بتایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کی بات نہ ماننا۔ لیکن انسان شیطان کے بہکانے سے دھوکا کھا کر جنت سے نکل گیا۔ انسانی ضروریات خُدا کے علاوہ اور کوئی پوری نہیں کر سکتا۔ اللّٰہ الذی خلقکم رزقکم خدا ہی خالق ہے وہی رازق ہے جس کا رزق چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے۔

عیسائی اقوام کو اللہ تعالےٰ نے رزق کے اندر وسعت دے رکھی ہے کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے دُعا فرمائی تھی ربّنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون . چنانچہ عیسائی قوم کو وسعت رزق سے نوازا گیا ہے اور آج فساد فی الارض بھی عیسائی اقوام کے پاس رزق کی کثرت کی وجہ سے ہے دنیا کی جنگیں اور عالمگیر جنگیں محض اسی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ اس لئے آج کا انسان تباہی اور مہنگائی سے بچ نہیں سکتا کیونکہ عیسائی اقوام آپس میں لڑ رہی ہیں اور جنگوں پر اخراجات بے افراط بڑھ گیا ہے۔

اناجیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے متعلق پیشگوئیاں تھیں اور برنباس کی انجیل میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی صاف لکھا ہوا تھا لیکن عیسائیوں نے اسے چھپا دیا۔ عہد نامہ دیکھ لیا ہے خدا کو بھی بھول گئیں۔ اب وہاں خدا کا نام لینا بھی گناہ ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں میں بھی بغض وعناد تھا جسے اسلام نے معجزانہ طور پر ختم کر دیا۔ آج بھی قرآن کریم کو مضبوط تھامنے کی ضرورت ہے تاکہ انسان بھائی بھائی ہونے کی ... سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ انسانوں کی جملہ مشکلات کا حل صرف ایک ہے اور وہ قرآن پاک ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اور تفسیر کرا کے یورپ میں بھیجوں تاکہ وہ اسلام کی راہنمائی کی برکات سے استفادہ کریں۔ ساری نسل انسانی کے لئے قرآن ہی چشمۂ ہدایت ہے اور یاد رکھیئے آج جماعت احمدیہ لاہور ہی کا ترجمہ و تفسیر قرآن ہے جس کی تمام ملکوں میں مانگ ہے یعنی حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے ترجمہ و تفسیر کی ہر جگہ ضرورت ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے حکم سے کیا گیا۔

حضرت مولانا محمد علی رحؒ کی کتاب ریلیجن آف اسلام کی وسیع اشاعت کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک کی مانگ بہت زیادہ ہے اور ہمارے لئے مشکل یہ ہے کہ فنڈز کی کمی ہے۔ کیلے ونیا کے لئے کم از کم ایک لاکھ قرآن پاک کی ضرورت ہے۔ آپ نے اشاعت قرآن کے لئے چندہ کی اپیل کی جس میں خواتین و رجالِ جماعت نے دوبارہ دل کھول کر چندہ دیا۔

آپ کی تقریر کے بعد یہ جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہُوا ❊

قُربِ الٰہی کی راہ

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو + کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں + نہیں رہ عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو
... پیارو کہ مانگو اس سے قربت کو + اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(حضرت مسیح موعودؑ)

نُصرتِ الٰہی

خُدا کے پاک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے + جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ رہ کو اڑاتی ہے + وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے

(درّثمین)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح لاہور سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۸ ——— شمارہ نمبر ۴

مولوی محمد علی صاحب، دارالسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

میلاد النبی نمبر

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

مدیر (اعزازی) خلیل الرحمٰن
نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے :- پندرہ
بیرونی ممالک سے :-
(علاوہ محصولڈاک)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
تار کا پتہ
تبلیغ لاہور

نمبر ۵-۶

در عشقِ محمد — مقامِ فنا فی الرسول

از حضرت امام الزمان علیہ السلام

جان و دلم فدائے جمالِ محمد است + خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمد است
میرے دل و جان محمد کے جمال پر فدا ہیں + اور میری خاک آلِ محمد کے کوچہ پر قربان ہے

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش + در ہر مکاں ندائے جمالِ محمد است
میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا + ہر جگہ محمد کے حسن کا شہرہ ہے

کامل نبی اور کامل انسان

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

"وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے، اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً اور عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا .... وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسانِ کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعثت اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیا ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ درود اور رحمت بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبی دنیا میں نہ آیا ہوتا۔ تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے .... ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہ تھی۔

یہ سب مقرب اور وجیہہ اور خدا تعالیٰ کے پیارے تھے۔ یہ اسی نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے۔
اللھم صلی وسلم و بارک علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔
و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(اتمام الحجۃ صفحہ ۲۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

ترجمان احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور
پاکستان

میلاد النبیؐ نمبر

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعود)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
تار کا پتہ
تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

فون نمبر ۵۳۷۳۷

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۲ تا ۹ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۳۱ جنوری / ۷ فروری ۱۹۷۹ء | نمبر ۵-۶

در رہِ عشق محمدؐ — مقام فنا فی الرسولؐ

از حضرت امام الزمان علیہ السلام

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است ✤ خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است
میرے دل و جان محمدؐ کے جمال پر فدا ہیں + اور میری خاک آلِ محمدؐ کے کوچہ پر قربان ہے

دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش ✤ در ہر مکان ندائے جمال محمدؐ است
میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا + ہر جگہ محمدؐ کے حسن کا شہرہ ہے

کامل نبیؐ اور کامل انسان

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

"وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے، اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً اور عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا .... وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسانِ کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعثت اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہوگیا۔ وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیا ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبیؐ پر وہ درود اور رحمت بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبیؐ دنیا میں نہ آیا ہوتا۔ تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے .... ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہ تھی۔

...سب مقرب اور وجیہہ اور خدا تعالیٰ کے پیارے تھے۔ یہ اسی نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے۔
اللّٰھم صلّ وسلّم و بارک علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔
و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔"

(اتمام الحجۃ صفحہ ۲۸)

سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور

ہدیۂ عقیدت : از حضرت مسیح موعود

آں شہِ عالم کہ نامش مصطفےٰ ❊ سیّدِ عشاقِ حق شمس الضحےٰ

وہ جہان کا بادشاہ جس کا نام مصطفےٰ ہے + جو عشاقِ حق کا سردار اور شمس الضحےٰ ہے

آنکہ ہر زندگی آب رواں ❊ در معارف، ہمچو بحرِ بیکراں

اس کا وجود زندگی کے لئے آبِ رواں ہے + اور معارف کا ناپیدا کنار سمندر ہے

آنکہ بر صدق و کمالش در جہاں ❊ صد دلیل و حجّتِ روشن عیاں

وہ کہ جس کی سچّائی اور کمال پر + دنیا میں سینکڑوں دلیلیں اور روشن براہین ظاہر ہیں

آنکہ انوارِ خدا بر روئے او ❊ مظہرِ کارِ خدائی کوئے او

وہ جس کے منہ پر انوارِ خدائی برستے ہیں + اور جس کا کوچہ نشاناتِ الٰہی کا مظہر ہے

آنکہ جملہ انبیاء و راستاں ❊ خادمانش ہمچو خاکِ آستاں

وہ کہ تمام نبی اور راستباز + خاکِ در کی طرح اس کے خادم ہیں

آنکہ مہرش مے رساند تا سما ❊ میکند چوں ماہِ تاباں در صفا

وہ کہ جس کی محبت آدمی کو آسمان تک پہنچاتی ہے + اور صفائی میں چمکتے ہوئے چاند کی مانند بنا دیتی ہے

مظہرِ انوارِ آں بے چوں بود ❊ در خرد از ہر بشر افزوں بود

وہ اس بے مثل خدا کے انوار کا مظہر ہوا + اور عقل میں ہر انسان سے زیادہ ہوا

اتباعش دل فروزد جاں دہد ❊ جلوہ از طاقتِ یزداں دہد

اس کی اتباع دل کو روشن کرے اور + نئی جان بخشے اور خدائی طاقتوں کی تجلی دکھائے

اتّباعش سینہ نورانی کند ❊ باخبر از یارِ پنہانی کند

اس کی پیروی سینہ کو نورانی کرے + اور اس مخفی دوست سے باخبر بنائے

از کمالِ حکمت و تکمیلِ دیں

اپنے حکمت کے کمال اور شریعت کی تکمیل کی وجہ سے

پا نہد بر اوّلین و آخریں

اگلوں اور پچھلوں کا سردار ہوا

از قلم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

رسول اللہ صلعم کی صداقت پر ایک زبردست شہادت

" واذا اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ ط قال ء اقررتم واخذتم علےٰ ذالکم اصری ط قالوآ اقررنا ط قال فاشہدوا وانا معکم من الشاہدین ٥ فمن تولیٰ بعد ذالک فاولٰئک ہم الفاسقون ٥ " (آل عمران: ۸۰ و ۸۱)

ترجمہ: " اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعہ سے عہد لیا اس لئے کہ ضرور تم کو میں نے کتاب اور حکمت سے دیا ہے، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور ہی اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور ہی اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے کہا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو کوئی اس کے بعد پھر گیا تو وہ لوگ ہی بدعہد ہیں۔ "

یہ تاریخی اور اہم عہد جو نبیوں سے اور ان کے ذریعہ ان کی قوموں سے لیا گیا اس کا موعود سوائے آنحضرتؐ کے اور کون ہو سکتا تھا، کیونکہ موعود کی نشانی یہ بتائی گئی تھی کہ وہ اس کی تصدیق کرے گا جو تمہارے پاس کتاب اور حکمت میں سے خدا سے ملا۔ آپؐ ہی واحد نبی ہیں جن کی کتاب کے شروع میں ہی جہاں آپؐ پر نازل شدہ کتاب اور حکمت (یعنے قرآن اور سنت) پر ایمان لانا ضروری ٹھیرایا گیا۔ وہاں آپؐ سے پہلے جو کتابیں اور حکمتیں اُتریں ان پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھیرایا گیا جب فرمایا والذین یؤمنون بما انزل الیک و ما انزل من قبلک (البقرۃ ۱ - ۴)

آپؐ ہی واحد نبی ہیں جن کی کتاب نے بار بار فرمایا کہ ہر ایک قوم میں نبی اور رسول آیا جیساکہ فرمایا ولکل قوم ھاد (الرعد ۱۳ - ۷) ولکل امۃ رسول (یونس ۱۰ - ۴۷) وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (الفاطر ۳۵ - ۲۴) اور اس بات کو صاف کر دیا کہ اگر کچھ رسولوں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے تو باقیوں کا نام لے کر یا علیحدہ نہیں کبھی آیا (النساء ۴ - ۶۴) مگر تمام نبیوں کو کتاب اور حکمت دی گئی۔ (الحدید ۵۷ - ۲۵) اور پھر آنحضرت صلعم ہی واحد نبی ہیں جو تمام نسلِ انسانی کی طرف رسول ہو کر آئے (السبا ۳۴: ۲۸، الاعراف ۷: ۱۵۸، الانبیاء ۲۱: ۱۰۷) اور آپؐ کو ہی خاتم النبیین بنایا گیا تاکہ تمام نسلِ انسانی کو آپؐ کے جھنڈے کے تلے اکٹھا کیا جائے اور یوں نسلِ انسانی کی وحدت کو قائم کیا جائے۔

میثاق النبیین

تو کیا اس عہد کے نبیوں سے لیا جانے کی قرآن کریم کے سوا کوئی بھی اور شہادت موجود ہے؟ ہر مسلمان کے لئے تو قرآن کریم کافی و شافی گواہی ہے۔ مگر غیر مسلموں کے لئے تو ان کی اپنی ہی الہامی کتاب یا صحیفے یا تاریخی شہادت سے گواہی دی جائے تو اتمام حجت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالےٰ حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی مرحوم و مغفور کی رُوح پر اپنی بیش بہا رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے نہایت محنت، کاوش اور ان تھک جستجو کرنے اور اپنے حیرت انگیز علم کو جو انہیں تمام مذاہب اور ان کی الہامی کتابوں، صحیفوں اور تاریخ کا تھا کام لا کر اور اپنے اتنے ہی حیرت انگیز علم کو جو انہیں دنیا کی زبانوں خصوصاً الہامی کتب کی زبانوں کا تھا، استعمال کر کے ایک معرکۃ الآراء کتاب میثاق النبیین کے نام سے لکھی ہے جس میں اس شہادت کو اکٹھا کیا ہے۔ جنہوں نے حضرت مولانا مرحوم کے لیکچر اور خطبات سُنے ہیں انہیں یاد ہوگا کہ وہ شہد کی مکھی کا جو قرآن کریم میں ذکر ہے اس کو بار بار ایک نئے رنگ میں پیش کرتے تھے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جس طرح شہد کی مکھی تمام پھولوں میں سے جوہر نکال کر ایک جگہ جمع کرتی ہے رسول اللہ صلعم نے بھی تمام الہامی کتابوں میں سے جو بات محفوظ رکھنے کے قابل تھی قرآن کریم میں اکٹھی کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی وحی سے ہوا ورنہ آپؐ تو اُمّی تھے اور آپؐ کو دوسری الہامی کتابوں کا براہِ راست کچھ علم نہ تھا۔

رسول اللہ صلعم کے ساتھ اس عشق اور تڑپ کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے جو تڑپ مولانا مرحوم کے دل میں تھی اس نے مولانا سے بھی شہد کی مکھی والا کام کروایا کہ انہوں نے تمام الہامی کتابوں اور صحیفوں اور روایات سے آنحضرت صلعم کی صداقت اور اس عہد (میثاق النبیین) کے متعلق جتنی بھی شہادتیں تھیں وہ سب اکٹھی کیں۔ یہ ایک تاریخی کتاب، اور قیامت تک متلاشیانِ حق کے لئے ایک مشعلِ راہ تصنیف ہے۔

حضرت مسیحؑ سے میثاق

یوں تو ہر نبی سے جو عہد لیا گیا وہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے مگر حضرت عیسےٰؑ سے جو میثاق لیا گیا اس کی خاص اہمیت ہے، اس لئے کہ آپؑ رسول اللہ صلعم سے پہلے نبی ہوئے اور آپؑ کی رسول اللہ صلعم کے بارہ میں بشارت یعنے خوشخبری کہ وہ نبیوں کا موعودؐ اب آنے والا ہے۔ کا ذکر خود قرآن کریم میں (سورہ الصف ۶۱: ۶) مذکور ہے۔ اور آپ نے خوشخبری دی کہ وہ موعود نبیؐ اب میرے معاً بعد آنے والا ہے۔ دوئم عیسائیت آج دنیا کا غالب عنصر ہے۔ اس لئے عیسائیوں پر اس بارہ میں اتمام حجت خاص اہمیت نہیں رکھتی ہے خصوصاً ہماری جماعت کے لئے جس کو کھڑا ہی کیا گیا ہے تمام دنیا میں اسلام پھیلانے کے لئے اور علی الخصوص عیسائی اقوام کو آغوشِ اسلام میں لانے کے لئے جیسا کہ ہماری جماعت کے بانی حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:—

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

چنانچہ حضرت مولانا کی کتاب میثاق النبیین میں چاروں اناجیل سے اس شہادت کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا نے ان چاروں اناجیل پر توجہ اس لئے دی کہ یہی اب رائج الوقت ہیں اور ان کے سوا کسی انجیل کو عیسائی صاحبان مستند نہیں مانتے۔ مگر اس سلسلہ میں ایک اہم سوال اُٹھتا ہے کہ قرآن کریم تو صرف ایک انجیل کا ذکر فرماتا ہے۔ چار اناجیل اور وہ بھی ایک دوسرے سے اہم اور بعض بنیادی اختلاف رکھنے والی اناجیل کس طرح مستند کہلا سکتی ہیں؟ دراصل انجیل مقدس حضرت عیسےٰؑ کے وقت میں تو اکٹھی کی گئی نہ لکھی گئی۔ آپؑ کے بعد اس کے مختلف نسخے رائج ہو گئے جن کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی!! ہر نسخے کو ماننے والا ایک فریق تھا اور اس طرح عیسائیوں میں تین سو دعویدار تھے کہ ہماری اور صرف ہماری انجیل مستند ہے۔

جب شاہ قسطنطین عیسائی ہوا تو وہ اس صورتِ حال پر برہم ہوا اور اس نے ان تین سو نسخوں کی تائید کرنے والے پادریوں کو اکٹھا کیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کونسی انجیل صحیح مانی جائے۔ مگر بادشاہ کا معاملہ وہ ہوا جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ

شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیرہا

بالآخر بادشاہ نے ان تین سو دعویداروں کو ایک ہال میں اکٹھا کیا اور کہا کہ ان کو اس میں بند رکھو جب تک کہ یہ فیصلہ نہ کریں کہ کونسی انجیل مستند ہے۔ پادری صاحبان پہلے تو بحث مباحثے کرتے رہے اور بالآخر انہوں نے کہا کہ اس طرح تو فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ خداوند خدا سے مل کر دُعا کریں کہ وہ ہماری رہنمائی کرے کہ ان میں سے

کونسی انجیل الہامی ہے۔ چنانچہ ان تین سو انجیلوں کو میز کے نیچے رکھ دیا گیا، اور پادری صاحبان گھٹنے ٹیک کر اور آنکھیں بند کر کے دُعائیں لگ گئے کہ خداوند خدا ان میں سے جو بھی انجیل الہامی ہے وہ اپنی قدرت سے اس میز کے اُوپر کر دے۔ دُعا کے بعد جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ بجائے ایک انجیل کے چار انجیلیں میز کے اُوپر رکھی ہوئی ہیں!! اس معاملہ کی رپورٹ بادشاہ کو کی گئی تو وہ بھی مایوس تو ہوا، مگر اس نے تین سو کی بجائے چار انجیلوں کو غنیمت سمجھا اور انہیں مستند قرار دے کر باقی انجیلوں کو جلا دینے کا حکم دیا اور ان کے رکھنے والوں کو سخت ترین سزا یعنی موت کا حکم دیا۔ اس طرح باقی کی اناجیل آہستہ آہستہ محققین نے اب بہت سے اعتراض کئے ہیں اصل انجیل نہیں ہو سکتیں، اگر دوسروں کی بند آنکھوں کا فائدہ اُٹھا کر بالفرض چار دعویداروں نے اپنی اپنی انجیل میز کے اُوپر رکھ دی تو اس سے یہ تو طے نہیں ہُوا کہ باقی کی اناجیل سراسر جھوٹی یا فرضی تھیں۔ اس لئے اگر جلا دی جانے والی اناجیل کی کوئی بچی کھچی کاپی کہیں مل جائے تو وہ بھی اتنا ہی حق رکھتی ہے کہ اس پر بھی غور کیا جائے۔

برنباس کی انجیل

حُسنِ اتفاق سے مردکہ اناجیل میں سے ایک انجیل جو برنباس کی انجیل کہلاتی ہے، اب چھپ گئی ہے۔ اگرچہ کلیسا کی تاریخ میں اسے مٹا دینے کی پوری کوشش کی شہادت ملتی ہے۔ اس انجیل کے جرم بظاہر دو تھے۔ اوّل تو اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا (بلا کسی استثناء کے) باربار اقرار ہے اور حضرت عیسےٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا باربار انکار ہے (کیونکہ یہ عقیدہ حضرت عیسےٰؑ کی زندگی میں ہی ان کے بعض الفاظ سے جو بطور مجاز تھے پیدا ہو گیا تھا)۔ دوئم اس انجیل میں آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] گیا ہے۔ اور آپؐ کے فضائل اور کمالات کی تعریف ہے۔

یہ عجیب مماثلت ہے کہ جس طرح حضرت مسیحؑ کی زندگی میں ہی ان کے مرتبہ کے بارہ میں بعض الفاظ سے جو بطور استعارہ یا مجاز آپؑ نے استعمال کئے تھے، ان کے دشمنوں یعنی یہود نے آپؑ پر یہ الزام لگایا کہ یہ خدائی کا دعوےٰ کرتا ہے اور باوجود آپؑ کے شدید انکار اور صاحت کر دینے کے وہ یہ الزام لگاتے رہے، آپؑ کے مثیل یعنی حضرت مسیح موعودؑ پر بھی آپؑ کی زندگی میں ہی آپؑ کے بارہ میں مجاز اور استعارہ کے الفاظ کی بناء پر آپؑ کے مخالف علماء نے یہ الزام لگایا کہ یہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور باوجود آپؑ کے شدید انکار اور حلفیہ بیانات کے یہ الزام آج بھی آپؑ پر قائم ہے۔

اسی طرح حضرت مسیحؑ کی وفات کے بعد ان کے مریدوں کی اکثریت نے (سوائے موحدین کی چھوٹی سی جماعت کے غُلو کر کے آپؑ کو نبوت کے مقام سے بڑھا کر خُدائی کا مقام دے دیا، بالکل اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے ماننے والوں کی اکثریت نے (سوائے چھوٹی سی جماعت لاہور کے) غُلو کر کے آپ کو مجدد کے مقام سے بڑھا کر نعوذ باللہ نبوت کا مقام دے دیا۔

بہرحال برنباس کی انجیل کو کلیسا نے جو مٹانے کی سرتوڑ کوشش کی اس کی وجہ اس انجیل میں حضرت عیسےٰؑ کا ابن اللہ ہونے کے عقیدہ سے شدت سے انکار اور مذمت کا ہونا ہے۔ دوئم اس میں کُھلم کُھلا رسول اللہ صلعم کے بارہ میں نام لے کر پیشگوئیاں اور بشارات ہیں اور آپؐ کے فضائل اور کمالات کا ذکر ہے۔ مگر خدا کے کاموں کو کون روک سکتا ہے۔ اس مضمون کی بر سر عنوان آیت میں اللہ تعالےٰ نے جہاں نبیوں سے عہد لینے اور ان کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے وانا معکم من الشٰھدین یعنی میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ یہ گواہی نہ صرف قرآن مجید کے اندر رکھ دی بلکہ خود دوسرے نبیوں کی کتابوں صحیفوں اور تاریخ میں رکھ دی جیسے حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی نے اپنی کتاب میثاق النبیین میں بالتفصیل لکھا ہے۔ چونکہ حضرت عیسےٰؑ کی گواہی کی اس زمانہ میں خاص اہمیت ہے (جیسا کہ میں اُوپر بتا آیا ہوں) اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ میں آن کر برنباس کی انجیل کو (باوجود کلیسا کی صدیوں کی کوشش کے کہ وہ نابود ہو جائے) دنیا میں چھپوا دیا۔

انجیل برنباس کی تاریخ

اس انجیل کے خلاف جو عیسائی صاحبان کے اعتراضات ہیں ان کے ذکر سے سی کتابوں کی طرح برنباس کی انجیل کو گمراہ کن قرار دے دیا، اور عیسائیوں کا اس کو اپنے پاس رکھنا جرم ٹھہرایا۔ مگر خدا کی شان ہے کہ یہ کتاب عام عیسائی دنیا سے تو غائب ہو گئی مگر خود پوپ کے کتب خانہ میں اس کی ایک کاپی موجود رہی۔ اللہ تعالےٰ نے جس طرح حضرت موسےٰؑ کو فرعون کے محل میں پالا اس انجیل کو جو عیسائی عقائد کا بالکل قلع قمع کرتی ہے خود پوپ کے گھر میں محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ سولھویں صدی عیسوی میں پوپ سکسٹس (SIXTUS) کے کتب خانہ سے اس کے ایک دوست راہب فرامیرینو نامی کی نگاہ اس کتاب پر پڑی۔ وہ اسے وہاں سے چھپا کر اُڑا لایا۔ اور اس کا ترجمہ اپنی مادری زبان لاطینی میں کیا۔ (یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پوپ والا نسخہ کس زبان میں تھا۔) ۱۷۰۹ء میں یہ اطالوی ترجمہ سیوائے کے پرنس یوجین کے ہاتھ لگا۔ اور ۱۷۳۸ء میں یہ نسخہ وی آنا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا۔

اسی زمانہ کے لگ بھگ اس کی ایک نقل میڈرڈ (سپین) پہنچی اور وہاں اس کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ ہوا۔ اس کو ڈاکٹر ملک ہاؤس آف کوئینز کالج آکسفورڈ نے ۱۷۸۴ء میں انگریزی میں ترجمہ کیا۔ مگر جلد ہی ہسپانوی نسخہ اور اس کا انگریزی ترجمہ سب ہستی سے غائب ہو گیا!! پھر ۱۹۰۷ء میں ایک حنفی پادری ریگ اور اس کی بیوی نے اطالوی ترجمہ کو دوبارہ انگریزی میں منتقل کیا اور آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع کیا۔ مگر حسب سابق یہ ترجمہ بھی غائب ہو گیا!! بالآخر ۱۹۷۳ء میں اسی ترجمہ کی نقل کراچی سے باقاعدہ طبع ہو کر شائع ہوئی اور اب اس کا اُردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

برنباس کون تھا؟

یہ جزیرہ قبرص کا رہنے والا ایک یہودی تھا جو حضرت عیسےٰؑ کے زمانہ میں فلسطین میں جو یہودیوں کا روحانی مرکز تھا، اغلباً دینی اغراض سے آیا تھا۔ وہ حضرت عیسےٰؑ پر ابتدائی ایمان لانے والوں میں سے ہو گیا اور ان کا خاص الخاص پیرو بنا جس کی وجہ سے حضرت عیسےٰؑ نے اسے خاص طور پر مقرر کیا کہ آپکی صحیح تعلیمات اور حالات زندگی کو محفوظ کرے۔ کیونکہ حضرت عیسےٰؑ نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا تھا کہ ان کی نسبت کیسی سنگین غلط فہمیاں ان کے دوست اور دشمن دونوں گھڑ رہے تھے۔ اور انہیں ڈر تھا کہ ان کے بعد یہ گمراہ کن باتیں اور بدتر صورت نہ اختیار کر لیں۔ مگر برنباس کے علاوہ اوروں نے بھی انجیلیں لکھیں اور بالآخر تین سو مختلف الخیال اناجیل مروّج ہو گئیں۔ اگر اس تین سو سال میں اور اناجیل کی طرح برنباس کی انجیل میں بھی کچھ کمی بیشی ہو گئی ہو تو تعجب نہیں۔ مگر ۳۲۵ء میں جب سوائے چار منتخب اناجیل کے باقی سب کو جلا دیا گیا تو برنباس کی انجیل تصرفِ الٰہی سے خود پوپ کی لائبریری میں تقریباً تیرہ سو سال پڑی رہی۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ اس دوران میں جو سنگین تحریفیں مروّجہ چار انجیلوں میں ہو گئیں اُن سے یہ محفوظ رہی۔

برنباس کی انجیل میں چونکہ حضرت عیسےٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا شدت سے انکار ہے اور محمد صلعم کی نسبت واضح پیشگوئیاں ہیں اس لئے عیسائی صاحبان

نے انکار کر دیا ہے کہ یہ انجیل حضرت عیسٰےؑ کے خاص مرید نے لکھی ہے۔ شاید اسی وجہ سے برناباس کا نام بارہ حواریوں میں آج نہیں رہا۔ اگرچہ بائبل کے دوسرے حصوں میں اس کا ذکر آتا ہے کہ وہ پُر جوش سپاہی تھا حضرت عیسٰےؑ کے مذہب کا عیسائی مسلمان کا یہ کہنا کہ یہ برناباس کی انجیل کسی مسلمان نے اس کے نام سے لکھی ہے۔ مگر چونکہ اس انجیل میں یہودی مذہب اور عیسائیت کا اور حضرت عیسٰےؑ کے حالات کا بخوبی علم عیاں ہے تو یہ مفروضہ گھڑا گیا کہ اس انجیل کا مصنف ایک یہودی تھا جو بعد میں عیسائی ہوا اور بالآخر مسلمان!

مخالفین اسلام کی یہ طرز عمل رہی ہے کہ وہ ایسے فرضی افسانے گھڑتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں یہ کہا گیا کہ ایک عجمی عالم آپؐ نے چھپا کر رکھا ہوا ہے جو توریت اور انجیل کے علوم کی مدد سے قرآن کو نعوذ باللہ گھڑتا ہے۔ اس زمانہ کے مجدد یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے زمانہ میں یہ کہا گیا کہ آپؑ نے ایک انگریز قادیان میں چھپا کر رکھا ہے جو محمد علی کے نام سے ریویو آف ریلیجنز میں مضامین لکھتا ہے!! اسی طرح برناباس کو پوشیدہ مسلمان بنا دیا گیا۔ اگر واقعی وہ مسلمان تھا تو یہ کیا معمہ ہے کہ اس کی انجیل مسلمانوں میں رائج نہ ہوئی بلکہ اس کی ایک کاپی تک کسی مسلمان کے گھر سے نہ نکلی، اور پچھلے تیرہ سو سال میں کسی مسلمان مصنف نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور پھر اس انجیل کی بعض باتیں صریحاً قرآن کریم اور اسلامی عقائد کے خلاف ہیں۔

مضمون کو طوالت سے بچانے کے لئے صرف ایک اختلاف کا ذکر کرتا ہوں۔ شروع انجیل میں ہی برناباس نے لکھا ہے کہ حضرت مریم نے حضرت عیسٰےؑ کو بغیر کسی تکلیف کے تصرف الٰہی سے جنا۔ یہ اس لئے کہ تورات میں جو بائبل کا اہم حصہ ہے یہ لکھا ہے کہ عورت کو حوا کے گناہ کی وجہ سے سزا دی گئی تھی کہ وہ درد زہ سے بچہ جنے گی۔ حضرت مریم کو اس گناہ سے پاک رکھنے کے لئے یہ عقیدہ عیسائیوں میں عام ہے کہ انہوں نے بلا کسی تکلیف کے حضرت عیسٰےؑ کو جنا۔

اس کے برعکس قرآن کریم نے صاف لکھا ہے کہ حضرت مریم کو وضع حمل کے وقت بہت تکلیف اور درد تھی۔ یہاں تک کہ وہ چلا اٹھیں کہ کاش میں مر گئی ہوتی۔ یہ اس لئے ہوا کہ عیسائی عقیدہ کا کہ حضرت عیسٰی واحد ہستی ہیں جو گناہ کی کسی چھوت سے بھی پاک تھے بطلان ہو۔

پھر سب میں اہم بات یہ ہے کہ اگر برناباس کی انجیل کسی مسلمان نے لکھی ہے تو یہ کیسے ہوا کہ رسول اللہ صلعم کی پیدائش سے پہلے تقریباً ۷۵ سال پہلے اور اسلام کے ظہور سے ایک سو سال پہلے اس کتاب کا نام لے کر اس وقت کے پوپ نے گمراہ کن قرار دیا جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں!! یہ قطعی شہادت ہے کہ برناباس کی انجیل کسی مسلمان نے ہرگز نہیں لکھی بلکہ یہ پانچویں صدی عیسوی میں رسول اللہ صلعم اور اسلام کے ظہور سے قبل رائج تھی۔

الغرض، اس انجیل کی شہادت کو ہرگز رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس انجیل میں تثلیث یا حضرت عیسٰےؑ کے ابن اللہ ہونے کے خلاف جو مضبوط شواہد ہیں ان کو میں یہاں نقل نہیں کرتا۔ صرف ان پیشگوئیوں کو لیتا ہوں جو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ہیں۔ وہ بھی ساری نقل اس لئے نہیں کرتا کہ مضمون بہت طویل ہو جائیگا صرف ان کو لیتا ہوں جن سے حضور صلعم کی صداقت کے علاوہ قرآن کریم اور احادیث کی بعض باتوں کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔

"خدا کا رسول"

اقتباسات درج کرنے سے پہلے یہ واضح کر دوں کہ اس انجیل میں ہر جگہ "خدا کا رسول" کا لقب حضرت عیسٰےؑ نے صرف محمد رسول اللہ صلعم کے لئے استعمال فرمایا ہے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جامع الرسل اور افضل الرسل ہونے کی وجہ سے آپؐ ہی ایسے انسان تھے جو اس لقب سے پکارے جانے کے قابل تھے۔ کم سے کم آپؐ کے بعد قیامت تک رسالت اور نبوت اور کتاب صرف آپؐ کی قائم ہونی تھی۔ باقی رسولوں کی تعلیمات اور نمونہ ان کی کتابوں کے ضائع ہو جانے اور ان کے حالات مسخ ہو جانے کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہیں اور وہ رسول اب رسول عملاً نہ رہے۔

اقتباس نمبر ۱

"اب جبکہ تمام نبی آ چکے ہیں۔ سوائے خدا کے رسول کے جو میرے بعد آئے گا کیونکہ یہی خدا کی مشیت ہے، اور یہ کہ میں اس کی راہ تیار کروں"

اقتباس نمبر ۲

حضرت آدم کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عیسٰےؑ نے فرمایا:—

"جب آدم اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے ہوا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمکتی تھی۔ کہ خدا ایک ہی ہے اور محمد خدا کا رسول ہے۔ اس پر آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا اے خداوند میرے خدا۔ میں تیرا شکر گذار ہوں کہ تو نے میری تخلیق کی تقدیر فرمائی۔ مگر میں منت کرتا ہوں۔ مجھے بتا۔ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے "محمد خدا کا رسول ہے"؟ کیا مجھ سے پہلے اور انسان بھی ہوئے ہیں؟ تب خدا نے کہا۔ مرحبا۔ اے میرے بندے آدم۔ میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا۔ اور وہ جسے تو نے دیکھا۔ تیرا بیٹا ہے۔ جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا۔ اور میرا رسول ہوگا۔ جس کے لئے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ جو آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا۔ جس کی روح میرے ہر چیز پیدا کرنے سے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔"

اقتباس نمبر ۳

پھر انہوں نے کہا:—

"تو کون ہے؟ بتا۔ تاکہ جنہوں نے ہمیں بھیجا ہے ہم انہیں گواہی دے سکیں"۔ تب یسوع نے کہا:۔ "میں ایک آواز ہوں جو سارے یہودیہ میں پکارتی ہے کہ خداوند کے رسول کے لئے راہ تیار کرو۔ جیسا یسعیاہ کی کتاب میں لکھا ہے .... کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس رسول کی جرابوں کے بند یا جوتیوں کے تسمے کھول سکوں .... جو مجھ سے پہلے بنایا گیا اور میرے بعد آئے گا۔ اور سچائی کا کلام لائے گا۔ کہ اس کے دین کی انتہا نہ ہوگی۔"

اقتباس نمبر ۴

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی جب آیا ہے خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لئے لایا ہے اور اسی لئے ان کا کلام نہ پھیلا سوائے ان لوگوں تک کہ جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ پر خدا کا رسول جب وہ آئے گا تو خدا اُسے گویا اپنے ہاتھ کی مہر عطا کرے گا کہ وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لئے جو اس کا دین قبول کریں گی۔ نجات اور رحمت لائے گا۔ وہ بے دینوں پر طاقت کے ساتھ آئے گا۔ اور بت پرستی مٹا دے گا۔ یہاں تک کہ وہ شیطان کو مبہوت کر دے گا۔ کیونکہ خدا نے ابرہام سے یہی وعدہ کیا تھا۔ کہ دیکھ تیری نسل میں میں زمین کے تمام قبیلوں کو برکت دوں گا۔ اور جس طرح۔ اے ابرہام۔ تو نے بت پاش پاش کئے۔ اسی طرح تیری نسل بھی کرے گی۔" یعقوب نے جواب میں کہا۔ اے استاد ہمیں بتا کہ یہ وعدہ کس میں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہودی کہتے ہیں اضحاق میں، اور اسمٰعیلی کہتے ہیں، اسمٰعیل میں۔

یسوع نے جواب دیا۔ "داؤد کس کا بیٹا تھا اور کس نسل سے ہے؟" یعقوب نے جواب دیا "اضحاق کا۔ کیونکہ اضحاق یعقوب کا باپ تھا۔ اور یعقوب یہودا کا باپ تھا۔ جس کی نسل سے داؤد ہے۔"

تب یسوع نے کہا "اور خدا کا رسول۔ جب وہ آئے گا تو

کس کی نسل سے ہوگا؟"

شاگردوں نے جواب دیا۔ "داؤد کی"

اس پر یسوع نے کہا: "تم اپنے تئیں دھوکا دیتے ہو۔ کیونکہ داؤد رُوح کے جوش سے اُسے آقا کہتا ہے۔ جیسا کہ اس کا قول ہے۔ خدا نے میرے آقا سے کہا۔ تو میرے داہنے ہاتھ بیٹھ۔ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی نہ کردوں۔ خدا تیرا عصا بھیجے گا جو تیرے دشمنوں کے درمیان حکمرانی کرے گا، اگر خدا کا رسول۔ جسے تم مسیح کہتے ہو۔ داؤد کا بیٹا ہوتا تو داؤد اُسے آقا کیونکر کہتا؟ یقین کردیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ وعدہ اسمٰعیل میں تھا۔ نہ کہ اسحاق میں۔" اس پر شاگردوں نے کہا: "اے اُستاد۔ موسےٰ کی کتاب میں یوں لکھا ہے کہ یہ وعدہ اسحاق میں کیا گیا تھا۔"

یسوع نے کراہ کر جواب دیا: "ایسا ہی لکھا ہے۔ مگر موسےٰ نے نہیں لکھا۔ نہ یشوع نے لکھا۔ بلکہ ہمارے ربیوں نے ۔ جو خدا سے نہیں ڈرتے۔"

اقتباس ۵

"پس میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول ایک شان ہے جو تقریباً سب کو۔ جنہیں خدا نے بنایا ہے۔ مسرت بخشے گا۔ کیونکہ وہ آراستہ ہے فہم اور صلاح کی رُوح سے۔ عقل اور طاقت کی رُوح سے خوف اور محبت کی رُوح سے۔ دانائی اور اعتدال کی روح سے۔ وہ آراستہ ہے سخاوت اور رحم کی رُوح سے۔ انصاف اور تقوےٰ کی رُوح سے شرافت اور صبر کی روح سے۔ جو اسے خدا نے اپنی تمام مخلوقات سے تین گنی زیادہ عطا کی ہیں۔ کیا ہی مبارک ہے وہ وقت جب وہ دُنیا میں آئے گا! یقین جانو۔ میں نے اسے دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے۔ جیسے ہر نبی نے اسے دیکھا ہے۔ کیونکہ اسی کی رُوح سے خدا نے انہیں نبوّت دی۔ اور جب میں نے اسے دیکھا تو میری رُوح تسکین سے بھر گئی۔ یہ کہہ کر کہ اے محمدؐ! خدا تیرے ساتھ ہو اور وہ مجھے اس لائق بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھول سکوں۔ کیونکہ یہ پاکر میں ایک بڑا نبی اور خدا کا قدوس ہو جاؤں گا۔"

اقتباس ۶

"جب یہ چالیس سال گذر جائیں گے تو خدا اپنے رسول کو زندہ کرے گا۔ جو پھر سورج کی طرح۔ مگر ہزار سورجوں جیسا تابندہ اُٹھے گا۔ وہ بیٹھ جائے گا مگر بات نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ گویا بے خود سا ہوگا۔ پھر خدا اپنے چاروں برگزیدہ فرشتے اُٹھائے گا۔ جو خدا کے رسول کو تلاش کریں گے اور اسے پاکر اس جگہ کے چار اطراف پر اس کی نگہبانی کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد خدا تمام فرشتوں کو جلائے گا۔ جو خدا کے رسول کے گرد مہاوں کی طرح چکر لگاتے آئیں گے۔ اس کے بعد خدا اپنے تمام نبیوں کو زندگی بخشے گا۔ جو آدم کے پیچھے ایک ایک کرکے خدا کے رسول کا ہاتھ آکر چومیں گے اور اپنے تئیں اس کی پناہ میں سونپ دیں گے۔ پھر خدا تمام برگزیدوں کو زندہ کرے گا۔ جو پکار اُٹھیں گے۔ اے محمدؐ۔ ہمارا خیال رکھیو! ان کی پکاروں پر خدا کے رسول کا رحم جاگ اُٹھے گا۔ اور وہ ان کی نجات پر اندیشہ مند ہو کر سوچے گا کہ وہ کیا کرے۔"

اقتباس ۷

"رہا میں۔ تو میں اب دُنیا میں خدا کے رسول کے لئے راہ تیار کرنے آیا ہوں۔ جو دنیا کے لئے نجات لائے گا .... تب اندریاس نے کہا: "اُستاد ہمیں کوئی نشان بتا کہ ہم اُسے جانیں۔"

یسوع نے جواب دیا: وہ تمہارے وقت میں نہ آئے گا۔ بلکہ تمہارے چند سالوں بعد آئے گا۔ جب میری انجیل کالعدم کردی جائے گی۔ یہاں تک کہ بمشکل تیس ایماندار رہ جائیں گے۔ اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا۔ سو وہ اپنا رسول بھیجے گا ....

اور خدا اسی کے ذریعہ دُنیا پر ظاہر ہوگا۔ وہ بے دینوں پر بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا۔ اور زمین پر بت پرستی کو نیست کر دے گا۔ اور اس سے مجھے مسرت ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ ہمارے خدا کی معرفت اور تمجید ہوگی۔ اور میرا سچا ہونا معلوم ہوگا۔ اور وہ ان سے انتقام لے گا جو مجھے بشر سے کچھ بڑھ کر بتائیں گے ....

"اور جب وہ بڑا ہوگا تو چاند کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لے گا۔ دنیا اس کو ٹھکرا دینے پر تیار رہے۔ کیونکہ وہ بت پرستوں کو قتل کرے گا۔ کہ موسےٰ خدا کے بندے نے اس سے بھی زیادہ قتل کئے۔ اور یشوع نے جس نے شہر بھی نہ چھوڑے جنہیں انہوں نے جلا دیا اور بچوں کو قتل کیا۔ کیونکہ پرانا زخم آگ سے داغتے ہیں۔"

"وہ تمام نبیوں سے زیادہ سچائی کے ساتھ آئے گا۔ اور اسے سرزنش کرے گا جو دنیا کو غلط طور پر برتتا ہے۔ ہمارے باپ کے شہر کے برج خوشی سے ایک دوسرے کو مبارک کہیں گے۔ سو جب بت پرستی خاک میں ملتی نظر آئے اور مجھے دوسرے انسانوں کی طرح انسان مانا جائے۔ تب میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ خدا کا رسول آگیا ہوگا۔"

اقتباس ۸

تب اس نے جو لکھتا ہے (یعنی برناباس) رو کر جواب دیا۔ اور کہا: "اے استاد۔ رونے مجھ کو دے۔ اور دوسرے لوگوں کو۔ کہ ہم گنہگار ہیں۔ اور تو۔ جو خدا کا ایک قدوس اور نبی ہے۔ تیرے تئیں اتنا رونا زیبا نہیں۔"

یسوع نے جواب دیا: "یقین جان برناباس۔ کہ جتنا رونا چاہیئے ۔ میں نہیں رو سکتا۔ کیونکہ اگر لوگ مجھے خدا نہ کہتے تو میں خدا کو یہاں دیکھ لیتا جیسے وہ بہشت میں دیکھا جائے گا۔ اور ایسا سلامت ہوتا کہ عدالت کے دن سے بے خوف ہوتا۔ پھر خدا جانتا ہے کہ میں بیگناہ ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنے تئیں ایک غریب بندے سے بڑھ کر ہونے کا کبھی خیال بھی نہ کیا۔ بلکہ میں تجھے بتاتا ہوں کہ اگر میں خدا نہ کہلایا جاتا تو مرنے دیا چھوڑنے پر بہشت میں پہنچا دیا جاتا۔ جبکہ اب میں وہاں عدالت تک نہ جا پاؤں گا۔ اب تجھے معلوم ہوا کہ میرا رونا بجا ہے۔ اے برناباس۔ جان لے کہ اس کی بدولت میں بڑی اذیت میں مبتلا ہوں گا۔" .... پر جب محمدؐ۔ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو یہ بدنامی دُور ہو جائے گی۔ اور خدا یہ کرے گا۔ کیونکہ میں نے مسیح کی سچائی کا اقرار کیا ہے۔ جو مجھے یہ انعام دے گا کہ مجھے زندہ کرے گا اور بدنامی کی موت سے اجنبی جان لیا جائے گا۔"

اقتباس ۹

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر موسےٰ کی کتاب سے سچائی نہ مٹا دی گئی ہوتی تو خدا داؤد ہمارے باپ کو دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داؤد کی کتاب آلودہ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل عطا نہ کرتا۔ کیونکہ خداوند ہمارا خدا غیر متبدّل ہے۔ اور تمام انسانوں کو ایک ہی پیغام دینا آیا ہے۔ سو جب خدا کا رسول آئے گا تو وہ سب پاک کرنے آئے گا جس سے بدکاروں نے میری کتاب ناپاک کردی ہوگی۔"

اقتباس ۱۰

تب یسوع نے کہا: "تقدیر۔ اے بھائیو۔ ایسے راز کی بات ہے کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ یہ ایک ہی آدمی پر عیاں ہوگی۔ وہ وہی ہے تو میں جس کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ جس پر خدا کے راز ایسے عیاں ہیں کہ جب

وہ دنیا میں آئے گا تو مبارک ہوں گے وہ جو اس کا کلام سنیں گے کیونکہ خدا ان پر اپنی رحمت ایسے ہی سایہ فگن کرے گا۔ جیسے یہ نخل ہم پر سایہ فگن ہے۔ ہاں جیسے یہ درخت ہمیں دھوپ کی چلچلاتی گرمی سے بچاتا ہے۔ ویسے ہی خدا کی رحمت ابلیس سے انہیں بچائے رکھے گی جو اس آدمی پر ایمان لائیں۔"

شاگردوں نے جواب میں کہا:۔

"اے استاد۔ وہ آدمی کون ہوگا جس کا تو ذکر کرتا ہے جو دنیا میں آئے گا۔"

یسوع نے دلی مسرت سے جواب دیا:۔

"وہ ہے محمدؐ۔ خدا کا رسول۔ اور جب وہ دنیا میں آئے گا تو جیسے بارش زمین سے پھل اگاتی ہے جب بہت عرصے سے بارش نہ ہوئی ہو ویسے ہی اس بے انتہا رحمت کی بدولت جو وہ لائے گا وہ لوگوں میں نیک کاموں کا باعث ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک سفید بادل ہے۔ خدا کی رحمت سے معمور۔ اور یہ رحمت ایمانداروں پر ۔۔۔ بارش کی طرح برسائے گا۔"

اقتباس ۱۱

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:۔

"ہر کسی کو ملعون کر جو میری انجیل کو۔ جو تو نے مجھے عطا کی۔ ناپاک کرے۔ جبکہ وہ میرے تئیں تیرا بیٹا لکھیں۔ کیونکہ میں مٹی اور خاک ہوں۔ تیرے خادموں کا خادم ہوں۔ اور میں نے کبھی خیال بھی نہ کیا کہ میں تیرا اچھا خادم ہوں۔ کیونکہ جو ۔۔۔ تو نے مجھے عطا کیا اس کے بدلے میں تجھے کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ کہ سب چیزیں تیری ہی ہیں۔"

"خداوند کریم و رحمت مآب اپنے خادم کو عدالت کے دن اپنے رسول کی جماعت میں ہونے کی سعادت بخش۔ اور مجھی کو نہیں بلکہ ہر ایک کو جسے تو نے مجھ سے دیا ہے۔"........

خداوند خدا۔ جو اپنے فضل سے اپنی قوم اسرائیل کو تمام ضروری چیزوں سے نوازتا ہے۔ زمین کے تمام قبیلوں کا خیال رکھیو۔ جنہیں تو نے اپنے اس رسول کی معرفت برکت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کے لئے تو نے دنیا پیدا کی۔ دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج۔ تاکہ ابلیس۔ تیرے دشمن کی سلطنت چھن جائے۔ اور یہ کہہ یسوع نے تین بار کہا۔ ایسا ہی ہو۔ خداوند عظیم و رحیم۔" (ختم شد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم .... کے زندہ معجزات

(بسلسلہ صفحہ ۹)

عیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتباعی۔ اگر موسیٰ و عیسیٰ زندہ ہوں تو انہیں بھی میری سچی اتباع کے بجز چارہ نہیں۔ کیا اس حدیث شریف کا حقیقی مطلب بجز اس کے کچھ اور ہے کہ میرے سچے و کامل متبعین موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے ہم رتبہ و ہم پلہ ہونگے؟ آپؐ کے کامل مقتدی اگر انبیاء بنی اسرائیل سے مشابہ و ہم پلہ ہو جائیں تو کیا یہ آنحضورؐ کی بلند عظمت کی ہی دلیل ہے یا کچھ اور؟ کیا حدیث شریف علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی یہی تفسیر نہیں؟ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ امر جس سے آنحضورؐ کی شان و عظمت کا ثبوت ملتا ہے جب اسے پیش کیا جائے تو شور قیامت بپا کر دیا جاتا ہے۔

ایک ضروری اعلان { جو مضامین تاخیر سے موصول ہونے کے باعث میلاد النبیؐ نمبر میں شائع نہیں ہو سکے وہ آئندہ اشاعت میں شائع ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (ادارہ)

مکرم چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری و ناظم دارالسلام

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن رات کے معمولات

---

۱۲ ربیع الاول کو ہم نے نبیوں کے سردار پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت منایا ہے۔ حضرت صلعم جو تخلیق کائنات کی غرض و غایت ہیں۔ جو ہر ایک کے دکھ اور درد میں کام آنے والا، وہ غریبوں اور یتیموں کا ملجا و ماویٰ، وہ ہر ایک کی مصیبت میں ہاتھ بٹانے والا، وہ جو ہر ایک ظلمت میں پڑے ہوئے کو چراغ ہدایت دکھانے والا، وہ جو لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت کو رسول اللہ بن کر ظاہر کرنے والا ہے، جو اللہ کی اطاعت میں گم ہو کر محمدیت کے جلال میں ظاہر ہوا اور احمد بن کر احمدیت کے جمال میں جلوہ گر ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے وہ گیت گائے جو کسی نے نہ گائے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تحمید کا غلغلہ بلند کرتے ہوئے صفت احمدیت کا جمال دکھلایا۔

آئیے اس پاک انسان کی حیات طیبہ کو اپنے شب و روز میں سموئیں۔ اس مطہر انسان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کریں۔ تاکہ ہم تخلیق عالم انسانیت کی غرض و غایت کو پورا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کیسے گذرتے تھے۔ ان چوبیس گھنٹوں میں کیا کیا کرتے تھے، اس کے لئے ہمیں گھنٹوں، منٹوں اور سیکنڈوں کی تفصیل کا نقشہ مرتب کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تقسیم اوقات کا وہی آسمانی نقشہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے تجویز فرمایا تھا۔

اور حضور صلعم اسی ۔۔۔ کی پابندی میں مصروف رہے۔ اس نقشہ کا آغاز عبادت الٰہی سے شروع ہوتا ہے اور اسی کے در پر سجدہ ریزی سے ختم ہو جاتا ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہم ان اوقات کے پابند ہو جائیں۔ ہم کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں، ہم کوئی بھی کاروبار کرتے ہوں ہمیں از بس لازم ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر رنگ ہر حالت و ہر صورت میں ہمارے پیش نظر ہو۔ ممکن ہے کہ اس زمانہ کی مصروفیات پیہم کی وجہ سے ہمیں کچھ مشکلات پیش آئیں۔ مگر ہمیں اطاعت رسول صلعم کے احساس کے پیش نظر اپنے دل کو الدین یسر کے کلام سے بہرہ مند ہونے کی طرف مائل کریں اور اپنے روزمرہ کو ایسی روش پر چلائیں جو حضور صلعم کے مقاصد سے ملتی جلتی ہو۔ ہمیں سہولتیں اور رعایات بھی حاصل ہیں مگر ہم دل کی گہرائیوں سے سوچیں مگر ان سہولتوں اور رعایات سے فائدہ اٹھانے میں کسی بہانہ سازی، حیلہ بازی سے کام نہ لیں۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی اس طرح پیروی کرنے کی عادت ڈالنے سے ہم اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے والے ہوں گے۔ اور اس طرح زمانہ کے امام حضرت مسیح موعودؑ کی خواہش بھی پوری کریں گے جنہوں نے اپنے آقا و مولیٰ سید الرسل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا سے اپنے آپ کو کلیتہً رنگین کر لیا تھا۔ اور اس طرح ہم ایک کامیاب و بامراد زندگی گذارنے والے ہوں گے۔ حضورؐ نے جس الٰہی ٹائم ٹیبل کا مرقع بن کر اپنے آپ کو پیش کیا وہ مندرجہ ذیل ہے:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد نماز اشراق تک اپنے گھر میں ذکر و فکر میں مصروف و مشغول رہتے تھے۔ چاشت تک اللہ کی مخلوق سے ہمدردی اور فلاح و بہبود کے کام میں لگے رہتے اور اس کام کو عبادت الٰہی سمجھ کر کرتے تھے مثلاً بیماروں کی مزاج پرسی۔ جنازوں میں شرکت۔ غرباء و مساکین اور بیوگان و یتامیٰ کی خبرگیری و حاجت روائی، طلباء دین اور اصحاب کرامؓ کی تعلیم و ارشاد کا کام مسئلے پوچھنے والوں کو فتاوے دینا۔ مختلف ۔۔۔ متنازعوں، جھگڑوں اور قضیوں کا فیصلہ کرنا وغیرہ۔ ان عناصر کے خلاف جو تعلیم و تبلیغ اسلام کے

باقی بر صفحہ ۱۸ کالم ۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دائمی اور زندہ معجزات

(محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

وانّ لك لاجراً غیر ممنون وانّك لعلیٰ خلق عظیم - (القلم)

ترجمہ: نہ ختم ہونے والا اجر (ابدی حیاتِ روحانیہ) آپؐ ہی کے لئے مختص ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ آپؐ کی زندگی بے مثال و کامل اخلاق حسنہ کا مجموعہ پیش کرتی ہے۔

ہر نبی و رسول جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہو کر آیا وہ اپنے ساتھ معجزات لایا جس کی وجہ سے دوستوں اور دشمنوں کی گردنیں ان کے آگے خم ہو گئیں۔ معجزہ کے معنے عقل کو عاجز کر دینے والا امر ہے کہ جس کے مقابل انسانی علم و عقل اپنے عجز کا اظہار واجب قرار دینے پر مجبور ہو جائے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو تمام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر معجزات عطا کئے گئے۔ ضروری نہیں کہ معجزات عجوبہ پرستی یا قوانین قدرت کے برخلاف واقعات ہوں۔ بلکہ ان کے اندر ایک گہری حقیقت مضمر ہوتی ہے۔

توحیدِ کامل کی ابدی و آخری شمع

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے دو معجزات آپؐ کی تائید کے لئے معرضِ وجود میں آئے۔ ایک معجزہ تو یہ ظاہر ہوا کہ آتشکدہ ایران بجھ گیا۔ اس امر میں یہ حقیقت مضمر تھی کہ اب شرک اور آگ و عناصر پرستی کے بجائے توحید الٰہی کی شمع روشن ہوگی اور وہ برابر دائمی طور پر روشن رہے گی۔ اور بُت پرستی کے چراغ بجھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید الٰہی کی جو کامل تعلیم دنیا کو تلقین کی اس سے واضح تر، مکمل تر اور روشن تر توحید الٰہی کا سبق اس سے پہلے کبھی عالم انسانیت کے سامنے نہیں آیا۔

آسمانی و روحانی طاقتوں کے سامنے مادی طاقتوں کا سرنگوں ہو جانا

دوسرا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عین یوم پیدائش کا واقعہ ہے۔ حبشہ کے بادشاہ کے گورنر یمن ابرہہ نامی نے انہدام کعبہ کی غرض سے مکّہ پر ہاتھیوں کے پُرہیبت لشکر کے ساتھ چڑھائی کی۔ لیکن تاریخ کا یہ ایک سچا واقعہ ہے جسے دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس زبردست دشمنِ کعبہ کے ہولناک لشکر کی تباہی و بربادی بغیر کسی انسانی کاوش و کوشش کے محض آسمانی آفات سے ہوئی۔ کیا یہ ایک غیبی اور آسمانی معجزہ نہیں ہے؟

اس معجزہ میں حقیقت پنہاں ہے کہ ظلم و جور کی قوتیں، بے انصافی اور بے راہ روی کی طاقتیں اور مادی بنیادوں پر غرور و گھمنڈ آنحضورؐ صلعم کے آسمانی اور الہامی مشن کے ذریعہ مٹا دیئے جائیں گے۔ اس مشن و مقصد میں آپ خارق عادت طور پر کامیاب ہوں گے اور آپ کے مقابلہ میں آنے والی ہر مادی قوّت و طاقت بے اثر و ناکام ہو کر رہے گی۔

وحدتِ نسلِ انسانی کا عظیم نشان

تیسرا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم شباب کا ہے۔ جب خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر و مرمت ہونے لگی تو دیوار کعبہ پر حجر اسود رکھنے پر قبائل عرب کے سرداروں میں ٹھن گئی۔ ہر کوئی یہ چاہتا تھا کہ یہ فخر و فضل مجھے ہی حاصل ہو۔ اور حجرِ اسود کو دیوار پر رکھنے کی سعادت میرے ہی حصّہ میں آئے۔ اس جھگڑے اور خون خرابے سے جس حکیم ہستی نے نجات دلائی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات اقدس ہے۔ آپ کی حسنِ تدبیر کے باعث لڑائی ہوتے ہوتے بچی۔ بلکہ نفاق و دشمنی کے بجائے آپؐ نے قوم کو متحد و متفق کر دیا۔ یہ ایک معجزہ و نشان ہے۔ جس میں یہ حقیقت پائی جاتی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت و عظمت کی وجہ سے عرب قوم جو صحرائے عرب کے ذرّوں کی طرح منتشر و پراگندہ پڑی تھی، اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق کی نعمت سے مالا مال ہو جائے گی۔ اور یہ قوم آسمانی مقصد کو پورا کرنے کے لئے تاریخ ساز کردار ادا کرے گی۔ چنانچہ اس حقیقت کو بعثت نبویؐ کے بعد کے واقعات دعوت و تحریک اسلام نے اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

واقعہ ہجرت کا معجزہ

سچ تو یہ ہے کہ اگر حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مطہرہ کے ایک ایک واقعہ کو سامنے لایئے تو وہ اپنی وارادات میں ایک ایک معجزہ ہے اور وہ ایسا بیّن و واضح ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ واقعہ ہجرت مدینہ پر غور کیجئے۔ جہاں آپ کی مادی لحاظ سے بے کسی و بے بسی اور مجبوری و عاجزی ظاہر ہے۔ بالمقابل دشمن ہے کہ ہر قسم کے مادی ساز و سامان سے لیس ہے۔ تمام تر قوتیں مجتمع ہو کر آپؐ کی دشمنی کا حق ادا کر رہی ہیں۔ لیکن اس واقعہ ایمان افروز میں جس طرح آسمانی تائیدیں اور طاقتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاملِ حال ہوئیں ان کے سامنے دشمن کی مادی طاقتیں جواب دے گئیں۔

آپؐ غار ثور میں ہیں۔ دشمن غار کے منہ پر آپہنچا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ اگر آپؐ اس دھرتی پر ہیں تو صرف اور صرف اس غار میں ہی ہو سکتے ہیں۔ اگر یہاں نہیں تو کیا آسمان نے اُٹھا لیا ہے؟ اس کے باوجود دشمن کو توفیق نہیں ملتی کہ وہ غار میں جھانکی لگائے۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ آنحضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے داخل غار ہونے کے بعد غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا۔ اسے دیکھ کر دشمن نے یقین کر لیا کہ کوئی شخص [illegible] کے اندر داخل نہیں ہوا۔ ورنہ جالا صحیح سلامت کس طرح رہ سکتا ہے؟ اب جائے غور ہے کہ تار عنکبوت نے ایک آہنی قلعہ سے بڑھ کر کام کیا؟ کیا یہ سب کچھ تائید غیبی اور نصرتِ الٰہی کے کرشمے کے بجز کچھ اور تھا؟

پھر سراقہ بن جعشمؓ کے متعلق معجزہ ہے جو آپ کا سر کاٹ کر سو اُونٹ انعام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ قد آور، مضبوط اور قوی الجسم شخص تھا۔ وہ آپؐ کا پیچھا کرتے کرتے آپؐ کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کے عربی گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ سراقہ کی ہمت و طاقت جواب دے جاتی ہے۔ اور وہ معافی کا خواستگار ہو کر آپ کے قدموں میں گر پڑتا ہے۔

صلح حدیبیہ کا عظیم معجزہ

واقعہ صلح حدیبیہ کو لیجئے۔ مدینہ سے حضورؐ اپنے جان نثاروں کے ساتھ ادائیگی حج کے لئے مکّہ کی طرف جاتے ہیں۔ دشمن پیشقدمی روک لیتا ہے۔ یہاں فریقین میں صلح ہوتی ہے اور شرائطِ صلح ایسی ہیں جو بظاہر دشمن کے حق میں ہیں۔ اور مسلمانوں کے حق میں نہیں۔ یہ شرائط ایسی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر اور گر کر ذلت آمیز صلح کی ہے۔ لیکن ارشادِ الٰہی ہوتا ہے انا فتحنا لك فتحاً مبیناً۔ ہم نے آپؐ کو فتح مبین سے نوازا ہے۔ چنانچہ بعد کے واقعات ظفر و فتح مندی نے اس ارشادِ الٰہی کو اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

صلح حدیبیہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صرف پندرہ سو جان نثار صحابہؓ تھے۔ لیکن اس کے دو سال بعد فتح مکّہ کے وقت صحابہ کرامؓ کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ صرف دو برس کے قلیل عرصہ میں بظاہر دب کر کی جانے والی صلح کے باعث آنحضرت صلعم کے جان نثاروں کی تعداد میں کم و بیش دس گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیا یہ محیّر العقول معجزنما کامیابی نہیں؟ جس اقدام سے دشمن نے ذلت و ناکامی چاہی، وہی باعث عزت و عظمت

اور طاقت و قوت بنا۔ چنانچہ ... نمایاں جو کامرانیاں حاصل ہوئیں، ان میں شرائط صلح حدیبیہ کا موثر حصہ ہے۔

فتح مکہ کا عظیم ترین معجزہ

اپنے تمام اسباب و ذرائع قوت اجتماع سے جس قوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر جس کو حد درجہ عداوت و دشمنی تھی۔ پوری جمعیت و تنظیم اور عسکری لاؤ لشکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری جائے پناہ مدینہ میں آپ کو نیست و نابود کرنے پر کمر ابتغی اختیار کر لی تھی اور آپؐ کے وطن عزیز مکہ میں تیرہ برس تک، جس نے انتہاء درجہ کے مظالم و تشدد آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر روا رکھے تھے۔ اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو جب ایسے جانی دشمن بے دست و پا کھڑے سرنگوں تھے تو آپؐ نے اپنے خلق عظیم کا سب سے بڑا اعجاز دنیا کو دکھایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ لاتثریب علیکم الیوم — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

فتحیں تو اور بھی دنیا میں ہوئے۔ اور معصوم و مظلوم قوموں پر فتح پانے والے ہوئے مگر کیا ایسی عام معافی و درگذر اپنے اذیت دینے والے دشمنوں کے حق میں تاریخ کہیں پیش کر سکتی ہے؟ حجۃ الوداع کے واقعات پر نظر دوڑائیے۔ یہ بھی ایک بیّن معجزہ ہے۔ اس اجتماع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک فاتح شہنشاہ اور کامران دینی پیشوا کی حیثیت سے جان نثار جم غفیر کو خطاب فرما رہے ہیں اور وصیت کر رہے ہیں کہ دیکھو کمزوروں اور ناتوانوں کی پاسداری اور اعانت کرنا مظلوموں کی تائید و حمایت کرنا۔

ایک شخص جو ساری زندگی دشمنوں کے نرغے میں رہا اور دشمنیوں کے جال اس کے گرد تنے ہوئے تھے۔ آپ جب طاقت و مقدرت کے مالک ہوئے، اگر آپؐ مادہ پرست انسان ہوتے اور مادی منفعت آپؐ کی غرض ہوتی تو مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت اور پاسداری کے عالی نظریات کس طرح آپؐ کے قلب مبارک میں آ سکتے تھے! مادی انسان تو یہی کہتا ہے کہ طاقت حاصل کرو۔ طاقت والوں کے ساتھ ہو جاؤ تاکہ اور طاقتور ہو جاؤ۔ لیکن ایسے موقع پر مظلوموں اور کمزوروں کی دستگیری کی باتیں تو وہی کر سکتا ہے جس کو اپنے خالق و مالک پر اور اس کی قوتوں و قدرتوں پر ایمان کامل ہو۔ اور جو فی الواقع نہ کہ نمائشی طور پر کمزور و مظلوم اور ادنیٰ درجہ کے طبقہ کی خیر خواہی و غمخواری میں منہمک ہو۔

چنانچہ اسلامی تہذیب و معاشرت میں کمزوروں کی ہمنوائی کے سامان ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ یہ تو واقعاتی معجزے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو معجزے آپ کو اور دیئے ہیں (۱) علم کامل اور (۲) اخلاق کامل کے معجزے یہ دونوں معجزے دائمی ہیں علمی معجزہ تو قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے اور اخلاق کا معجزہ آپؐ کی عمر بھر کی سیرت و کردار ہے جو قیامت تک اپنی تاثیرات کی بارش قلوب انسانی پر کرتا رہے گا۔

اس معجزہ کی بدولت ساری دنیا میں ایک انقلاب آ رہا ہے۔ آپ کے اخلاقی معجزہ نے لاکھوں مردہ قلوب کو زندگی بخشی۔ جو لوگ سچے کھرے اور صادق و مخلص ہو کر شاد کونین، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آ جاتے ہیں وہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ یہ کمال کا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی حیات سے وابستہ ہے۔

آج کی سائنس و علم کی دنیا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی اور اخلاقی کمالات کے معجزہ کو بار بار پیش کرنے کی حاجت ہے کیونکہ انہی سے دنیا کی دوبارہ حیات و نجات وابستہ ہے۔

کامل و اکمل خیر البشر...... روحانی فیض کا واحد ابدی منبع

مذہبی نقطہ نظر سے انسان کا کمال یہ ہے کہ اگر ایک طرف وہ خدا سے ملاقاتی ہو جائے تاکہ اسی دنیا میں امور روحانی کا شاہد و بینا بن جائے تو دوسری طرف مخلوق خدا کی خیر خواہی میں اپنی جان اور مال و عزیز ترین متاع کو قربان کر دیتے الاہو چنانچہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کے واقعات ان دونوں امور پر شاہد ناطق ہیں۔ خدا ان سے ملا اور ان سب نے ربانی ارشاد کے تحت اپنی زندگیاں بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ اس طرح کم و بیش وہ سب کامل انسان ... [illegible] احسن من رسلہ کے مصداق ثابت ہوئے۔

لیکن ان سب سے فائق ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برتری [illegible] کہ آپؐ نہ صرف کامل انسان اور خیر البشر تھے بلکہ آپؐ کی ذات ستودہ صفات [illegible] ثابت ہوئی۔ یعنی آنحضور صلعم کی متابعت میں انسانوں کو کامل کر دینے کی عالی صفت متصف ہے۔ آنجنابؐ کی اس نسبت کا ثبوت یہ ہے کہ آپؐ نے اخلاق کے ہر [illegible] میں کمال ترقی اور حد کر دکھلائی و ھو بالافق الاعلیٰ۔ نہ صرف اخلاق کے [illegible] میں کمال کو پہنچے بلکہ ایسی ترقی کی کہ بلند سے بلند مقام پر فائز المرام ہوئے تمام برتریوں اور افضلیتوں سے بڑھ کر مقام حاصل کیا کہ آنجنابؐ کے [illegible]

اخلاقی فیض رسانی سے آپؐ کے کامل متبعین بھی خدا سے ہمکلام [illegible]

نیز اپنی زندگیوں کو مخلوق کی سچی ہمدردی کی خاطر قربان کر دیا۔ پس دین اسلام کے کمال [illegible] دائمی اعجاز یہ بھی ہے کہ ہر دور میں آنحضورؐ کے حقیقی و سچے جانشین پیدا ہوتے ہیں۔ پہلے زمانوں میں کامل انسان براہ راست خدا کی ہمکلامی سے مشرف ہوتے آنجنابؐ چونکہ نہ صرف کامل بلکہ اکمل ہیں، اس لئے خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء [illegible] آنحضورؐ کو یہ شرف عنایت کیا کہ اب خدائی ہمکلامی کے دروازے براہ

بند کر دیئے گئے اور اس کا راستہ بجز متابعت تعلیم و نمونہ [illegible]

نہ رہ گیا۔

> من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب + ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم
>
> ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
>
> ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را بروشد اختتام

جب ہدایت کا خاتمہ قرآن کریم کی جامع تعلیم پر ہو گیا اور اسوۂ حسنہ [illegible] کی ذات میں پہنچ گیا تو ظاہر ہے نبوت بکمال [illegible] جواب نہ نئی ہدایت کی [illegible] باقی رہی نہ کسی نئے نمونہ اخلاق کی۔ پس صاف منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ نبوت کا [illegible] اس خاتم کے بعد نبوت منقطع و ختم اور بند ہو گئی۔ البتہ اس آخری نبوت [illegible] یہ بھی ظاہر ہوا کہ اب صرف آنحضرت صلعم کے جاری کردہ روحانی فیض سے

آپؐ کے کامل متبعین خدا کی ہمکلامی سے مشرف ہونے لگے

نور جو آپؐ دنیا میں لائے اس قدر عالمتاب ثابت ہوا کہ جس کامل انسان پر جلوہ [illegible] وہ خود بھی اس نور الٰہی سے چمک اٹھا۔

> آں دل روشن کہ روشن کردہ است + صد دروں تیرہ را چوں اختر [illegible]

اگر آپؐ روحانی آفتاب عالمتاب ثابت ہوئے تو آنجنابؐ کے عالی فیض سے روحانی چاند ستارے منور ہو گئے۔ سراج منیر کی سچی متابعت سے بے شمار [illegible] روشن ہو گئے۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا و جعل فیھا سراجا و قمرا منیرا۔

تو ظلمت و ضلالت کی اندھیری رات میں آسمان روحانیت پر ستارے روشن ہوں تو کیا یہ تعجب کی بات ہے؟ یہ آفتاب کی عظیم روشنی کی ہی [illegible] چاند اور ستاروں کی روشنی ان کی ذاتی نہیں بلکہ آفتاب کے نور کا ہی عکس [illegible] تک یہ اجسام نور کے مقابل رہیں گے اس کی روشنی سے ظلمت کی [illegible] ہیں تب تک ہی ان کی عظمت ہے ورنہ ان کی ذاتی کوئی خوبی و کمال نہیں [illegible] کہ اگر کوئی شخص تاریک رات میں ماہ منیر کے حسن اور نور کی تعریف کرے [illegible] آفتاب کا ... اس نے دوسرے لفظوں میں اصل [illegible] محرج کی تعریف کی ہے۔ آنحضورؐ کے چودہ سو سال بعد جن عظیم [illegible] نے کمال تک پہنچنا تھا تو کیا اس کی مناسبت کا تقاضا [illegible] کا بھی ایک زبردست جلوہ ظاہر ہو؟ کیا آنحضورؐ نے یہ فرمایا [illegible]

(باقی ...)

صلعم کا ظہور آفتاب عالم تاب کا طلوع ہے جس کے ساتھ دنیا کے چاروں کناروں میں روشنی پہنچ جاتی ہے۔ جس کی شعاعیں زمین کے ہر کونہ کو منور کر دیتی ہیں۔ انبیاء عالم ہر ایک روشن چراغ تھے۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم آفتاب عالم تھے۔ چراغ کی روشنی ایک مکان کے اندر محدود ہوتی ہے اور ایک وقت کے بعد وہ [illegible] ہے۔ یہی حالت ان انبیاء کی تعلیم کی تھی۔ آفتاب کل عالم کو روشن کر [illegible] روشنی قیامت تک اس عالم کو منور کرتی رہیگی۔ یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلعم کی [illegible] ہے۔ [illegible] بات ہے جو آپؐ کو مصلحین عالم میں ممتاز کرتی ہے۔

عالمگیر مذہب کی بنیاد اور نسلِ انسانی کا اتحاد

{ دنیا میں کوئی ترقی بغیر ایک قید لگانے کے ممکن نہیں۔ اس لئے ہر قوم نے اپنی قوم کی ترقی کو ہی اپنا نصب العین قرار دیا ہے لیکن اگر محمد رسول اللہ صلعم انہی لوگوں کا اتباع کرتے تو آپؐ کے آنے کی اصل غرض پوری ہی نہ ہوتی تھی۔ آپؐ کے آنے کی بہت سی اغراض میں سے ایک غرض قومی اور ملکی قیود کو توڑ کر ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھنا تھا۔ اور ایک عالمگیر اخوت کا سلسلہ قائم کرنا تھا۔ اگر غور کیا جائے تو قومی اور ملکی قیود مصنوعی قیود ہیں۔ پس ایک فطرتی مذہب مصنوعی قیود کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اگر اور مذاہب کی غرض افراد کو اکٹھا کر کے ایک قوم بنانا تھا تو اسلام کی غرض قوموں کو اکٹھا کر کے نسل انسانی کا ایک اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اسلام کی تعلیم نے قومی قیود کو اسی طرح توڑ کر نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی ہے۔ جس طرح مختلف مذاہب نے شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کی بنیاد رکھی تھی۔

وہ بھی ایک بڑا کام تھا جو پہلے انبیاء کے سپرد کیا گیا۔ مگر یہ کام اس سے بہت بڑا ہے۔ اس کی مشکلات کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ شخصیت کی قیود کو توڑ کر وحدت کا پیدا کرنا ایک بڑا کام ہے۔ مگر قومی تفریقوں کو دور کر کے نسل انسانی کی وحدت پیدا کرنے کے سامنے ہیچ ہے یہ تیسری خصوصیت ہے۔ جو نبی کریم صلعم کو تمام انبیاء میں ممتاز کرتی ہے کہ وہ قومی وحدت قومی ترقی کا راز سکھانے آئے۔ آپ نسلِ انسانی کی وحدت، نسلِ انسانی کی ترقی کے عظیم الشان رازوں کے انکشاف کے لئے ظاہر ہوئے۔

فطرتِ انسانی کی تمام شاخوں کی تربیت

{ چوتھی خصوصیت جو آپ کو تمام مصلحین پر ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ جہاں ہر ایک نبی فطرت انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشوونما کے لئے آیا اور اس کے وجود میں اخلاق انسانی کا ایک خاص پہلو ظہور پذیر ہوا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرتِ انسانی کی ساری شاخوں کی اعلیٰ کام تربیت کی اور آپ کے وجود مبارک میں اخلاق انسانی کے سارے پہلو ایسے روشن ہوئے کہ آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت دنیا میں نہ رہی۔ سلسلہ بنی اسرائیل میں کتنے نبی آئے ہیں، مگر ہر ایک فطرتِ انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشوونما کے لئے، انسانی زندگی کے لئے ایک خاص پہلو میں نمونہ بن کر مگر اُمت محمدیہ میں ایک ہی آتا ہے اور وہ ان پہلوؤں سے بڑھ کر ہر ایک پہلو میں خود ہی نمونہ ہے۔

وہ موسےٰ کی جوانمردی، ہارون کی نرمی، یسوعؑ کی حلیمی، ایوبؑ کے صبر، داؤد کی سپہ گری، سلیمانؑ کی شان و شوکت، یحییٰ کی سادگی، مسیح کی فروتنی اور حلیمی سب کو مگر ہر ایک سے بڑھ کر اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اگر سلسلہ موسوی کے سرتاج حضرت موسےٰ مظہر جلال ہیں اور اس کے آخری نبی حضرت عیسےٰ مظہر جمال ہیں تو محمد رسول اللہ ان دونوں سے بہت بڑھ کر کمال کو لئے ہوئے جامع جمال و جلال ہیں۔ اگر آپ وحشیوں اور اخلاق سے عاری قوموں کو متمدن اور با اخلاق انسان بنا سکتے ہیں تو متمدن اور با اخلاق انسانوں کو باخدا بنا سکتے ہیں ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ہر قسم کے کمالات کو جمع کرنا

{ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ہر ایک صاحب کا کمال فطرت یا کمالات انسانی کے کسی خاص حصہ سے تعلق رکھتا ہے آنحضرت صلعم کے کمالات فطرتِ انسانی اور حالات

انسانی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں، اگر کوئی شخص دنیا میں اس لئے بڑا کہلاتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچا دیا، تو یہ بڑائی سب سے زیادہ اس شخص میں پائی جاتی ہے جس نے ایک نہایت ہی گری ہوئی قوم کو جو نہ کبھی اپنے ملک سے باہر نکلی تھی اور نہ تہذیب ہی اور علم کا اس میں کوئی چرچا تھا۔ چند سال کے اندر نہ صرف دنیا کے ایک بڑے حصہ کا فاتح بلکہ فتوحات کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی روشنی کو تاریک سے تاریک کونوں تک پہنچانے والا بنا دیا۔

اگر کوئی شخص اس وجہ سے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کے بکھرے ہوئے اجزاء کو اکٹھا کر دیا تو اس ریت جیسی بکھری ہوئی قوم کو جس کا ایک ایک قبیلہ پشت ہا پشت کی خانہ جنگیوں سے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو چکا تھا ایک کرنے والے سے بڑھ کر اور کون شخص بڑا کہلا سکتا ہے جس نے ریت کے ذروں کو جمع کر کے ایک مضبوط پہاڑ بنا دیا۔ وہ پہاڑ جو حوادث روزگار کی خطرناک سے خطرناک ٹکروں کے مقابلہ کے بعد آج بھی ویسا ہی مستحکم ہے۔ جیسا پہلے روز تھا۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا ہے کہ اس نے خدائے واحد کے نام کو دنیا میں بلند کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے جس کی بعثت کا منشاء ہی اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ جس نے اس منشاء کو ایسے بے مثل انداز میں پورا کیا کہ بت پرستی اور شرک کے چہرہ پر جو نقاب پڑا ہوا تھا وہ ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا اور توحید کے نور سے دنیا جگمگا اٹھی۔ اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس نے اعلےٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم دنیا میں پھیلائی تو اس سے بڑا آدمی دنیا میں اور کون ہوگا جو انک لعلےٰ خلق عظیم کا مصداق اعظم ہے جن کے اخلاق کی شمیم سے فضائے عالم معطر و معنبر اور جن کا احسان اس لحاظ سے دنیا پر ابدالآباد تک رہے گا۔ یہ خوشبو جس نے سونگھنی ہو وہ قرآن کریم کے اوراق کی ورق گردانی کرے۔

اگر کوئی شخص فاتح اور کشور کشا ہو کر بڑا ہو سکتا ہے، تو کون شخص بڑا ہے اس جہاں کشا سے جس نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور باوجود بے یار و مددگار ہونے کے نہ صرف فاتح بلکہ شہنشاہ گر بن گیا۔ اور اس عظیم الشان سلطنت کا بانی ہوا جو آج تیرہ سو سال بعد بھی دنیا کی متفقہ کوششوں کا جو اس کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے جاری ہیں مقابلہ کر رہی ہے۔ اگر امانت و دیانت یا راست کرداری بڑائی کا کوئی معیار ہے۔ جس کا جذب دنیا کو آج کل فطری طور پر اقرار مگر عملی طور پر انکار ہے۔ تو اس سے بڑا اور کون ہوگا جو عہد سے لے کر لحد تک اپنے ہم چشموں اور ہمعصروں میں الامین کے سعادت آفرین لقب سے ملقب ہے۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس کا نام ایک بڑی قوم کے لئے ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے۔ تو یاد رکھو کہ محمد صلعم کے نام میں جو طاقت ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں، اس لئے کہ یہ نام شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو بلا تفریق رنگ بلا امتیاز ملک **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً** کی نورانی رسی میں باندھنے والا ثابت ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ہاں اگر پیروؤں کے لئے یہ نام ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے۔ تو دشمنوں کے لئے بھی **نصرت بالرعب مسیرۃ شہر** مجھے ایک مہینہ کی مسافت سے کام کرنے والے رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے کا کام دے رہا ہے اور اسلام کی تباہی چاہنے والے سارے مسلمانوں کے باوجود اور مسلمانوں کی اس گری ہوئی حالت میں بھی ان سے خائف ہو رہے ہیں۔

کمالاتِ نبوی کا حالاتِ زمانہ سے بلند ہونا

{ چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال نے اس پہلو میں کمال دکھایا ہے، جسے اس زمانہ یا اس کی قوم یا اس کے ملک کی حالت پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے، آنحضرت صلعم کے کمالات ایسے ہیں کہ آپ کے زمانہ اور آپؐ کے ملک اور آپؐ کی قوم کی حالت ان کے پیدا کرنے کی قابلیت اپنے اندر نہ رکھتی تھی۔ جب کسی قوم یا ملک میں توحید کا چرچا ہو تو ایک موحد کا پیدا ہو جانا، جب فلسفیانہ تحقیق کا عام رواج ہو تو ایک بڑے فلسفی کا پیدا ہو جانا، جب قوم یا ملک کی حالت بیرونی حملوں کے باعث قوم کے اندر جنگ کا جوش پیدا کر رہی ہو تو ایک بڑے فاتح کا پیدا ہو جانا، جب قوم کی توجہ عام طور پر اخلاق کی طرف ہو تو اخلاق کے ایک بڑے

معلّم کا پیدا ہو جانا۔ جب قوم میں شعر و شاعری کا ذوق بڑھ رہا ہو، تو ایک بڑے شاعر کا پیدا ہو جانا عین ان حالاتِ انسانی فطرت کے مطابق ہے، جن کا مشاہدہ تاریخ ہمیں کراتی ہے۔

مگر ایک سخت بت پرست قوم کے اندر جو شرک کی نجاست میں لتھڑی ہوئی ہو اور توحید سے مطلقاً ناآشنا ہو، ایک ایسے شخص کا پیدا ہو جانا، جس کی فطرت کے اندر ہی بتوں سے تنفر ہو اور بندرہ سولہ سال کی عمر میں لات اور عزّیٰ کا واسطہ دیئے جانے پر نہایت [illegible] کہ مجھے دنیا میں کسی چیز سے اس قدر نفرت نہیں جتنی ان پتھر کے معبودوں سے [illegible] توحید کا معلّم واحد ہو ایک ایسی قوم کے اندر جو توہم پرستی کا حد [illegible] درجہ کے فلسفیانہ دماغ رکھنے والے دشمنِ توہم پرستی کا سردار ہو جانا [illegible] اندر جس پر علم کی روشنی کی ایک کرن بھی نہ پڑی ہو [illegible] دماغ کے تاریک [illegible] کونوں تک پہنچانے والے انسان کا پیدا ہو جانا ایک ایسی قوم کے اندر جو [illegible] کے بکھر جانے کے باعث اس بات سے [illegible] سے ہی عاری ہو چکی وہ قومی وحدت [illegible] بھی کوئی چیز ہے۔ واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا کی ندا کے بلند کرنے والے کا پیدا ہو جانا ایک ایسی قوم کے اندر جو اخلاق نا [illegible] سے اس قدر [illegible] ہوئی ہو کہ اخلاقی [illegible] پر فخر کرتا اس کا شیوہ [illegible] ہو خلق عظیم [illegible] دینے والے اور تخلقوا باخلاق اللّٰہ کا نعرہ لگانے والے کا پیدا ہو جانا، جہاں اس قوم کے اندر جو شراب نوشی اور قمار بازی [illegible] وہ اپنی کل قومی فوقیت لے جاتا ہے [illegible] شراب نوشی اور قمار بازی کے استیصال کی ایک دم کوشش کرنے والے کا پیدا ہو جانا [illegible] اس قوم کے اندر جو عورت کو اس قدر ذلیل سمجھتی ہو کہ زندہ لڑکی کو گاڑ دینا [illegible] عورتوں کی [illegible] اور عورتوں کے ان حقوق کے قائم کرنے والے کا پیدا ہو [illegible] تہذیب بھی طبقہ نسواں کو نہیں عطا کر سکی۔

بالآخر [illegible] قوم کے اندر جس [illegible] صدیوں کی [illegible] سے جنگیوں کو فخر [illegible] سمجھا جاتا [illegible] ایک ایسے شخص کا [illegible] دنیا [illegible] اور نسلِ انسانی کی اخوت کی بنیاد رکھنے والا ہو۔ یہ وہ باتیں [illegible] ہے تاریخ کسی دوسرے آدمی کا نمونہ نہیں رکھتی۔ اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] ریگستانوں کے اندر اس نور اس لطافت کو تیار کرنے والا وہی خدا تھا جو [illegible] تاریکیوں میں ہیرے اور موتی پیدا کرتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں اس نے اپنی قدرتِ کاملہ کا وہ کامل نمونہ دکھایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

انسانوں، قوموں، مذہبوں میں صلح کی بُنیاد

ساتویں اور سب سے بڑی خصوصیت جو آپؐ کو تمام انبیاء پر ممتاز کرتی ہے اور تمام عالم کے لئے رحمت ٹھہراتی ہے۔ آپؐ کا ایک عظیم الشان صلح کی بنیاد رکھنا ہے۔ نہ صرف مختلف انسانوں میں، نہ صرف مختلف قوموں میں بلکہ سب میں مشکل کام یعنی مختلف مذاہب میں صلح کی بنیاد رکھنا، تمام انسانوں میں مساوات کا رنگ یوں پیدا کیا کہ بڑے سے بڑے انسانوں کے متعلق بھی یہ تعلیم دی قل انما انا بشر مثلکم میں بھی تمہاری طرح ہی ایک انسان ہوں، مرد اور عورت، نوکر اور آقا، جاہل اور عالم، بادشاہ اور رعیت سب ایک دوسرے پر حقوق رکھتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کے متعلق ایک ذمہ داری کے نیچے ہے انسانیت کی صف میں وہ سب ایک مقام پر کھڑے ہیں۔

حج کے اندر اس کا ایک عملی نظارہ بھی دکھا دیا کہ لاکھوں انسان ایک لباس میں ایک ہیئت میں ایک شکل میں اکٹھے کر کے دکھا دیئے۔ وہ مساواتِ نسلِ انسانی جس کا نظارہ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ خانہ کعبہ کے گرد اور منیٰ اور عرفات کے مقاموں میں وہ نظارہ ہر ایک آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ پھر پانچ وقت کی نمازوں میں [illegible] مساوات کا نظارہ نظر آتا ہے۔ خدا کے حضور بادشاہ اور درویش دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔

ملکی انتظام میں ایک قوم کو قریش چھوڑ کر منفرد کر کے دکھا دیا۔ اصول میں کوئی فرق مرد اور عورت کا نہ رکھا، نہ چھوٹے اور بڑے کا قانونِ مساوات کے لئے یہ قاعدہ تجویز فرمایا کہ یہ قومیں اور قبیلے ایک دوسرے پر بڑائی کرنے کے لئے نہیں، بلکہ صرف شناخت کے لئے [illegible] دوسرے کو پہچاننے کے لئے ہیں۔ اور بڑائی کا معیار اب دنیا میں قومیت نہ رہے [illegible] بلکہ تقویٰ رہے گا۔ کالے اور گورے کا فرق، مغربی اور مشرقی کا فرق سب مٹا دیا۔ سب ایک باپ کے بیٹے ہیں۔ اور پھر سب سے مشکل کام بھی کر کے دکھا دیا۔ یعنی مذاہب میں [illegible] جو دنیا کے کسی مصلح کے وہم میں بھی نہ آیا تھا۔ عام اصول قائم کر دیا کہ سب قوموں میں رسول ہوتے رہے۔ کوئی قوم خدا کے نعمائے روحانی سے محروم نہیں رہی۔ اور ایک مسلمان کا فرض قرار دے دیا کہ نہ صرف اپنے رسول پر ایمان لائے بلکہ جس قدر مختلف قوموں میں دنیا میں نبی اور رسول ہوئے سب پر ایمان لائیں۔

آپؐ سے پہلے کسی شخص کے منہ سے یہ کلمہ نہ نکلا تھا کہ دنیا کی ہر قوم میں نبی اور رسول آتے رہے ہیں۔ جب ہم نے دنیا کے پیشواؤں کو سچا مان لیا۔ تو نسلِ انسانی میں ایک ایسے اتحاد کی بنیاد رکھی جو کبھی برباد نہیں ہو سکتا۔ ہم سب بھائی بھائی ہو گئے۔ پھر سب پیشواؤں کی عزت کرنا ہمارا فرض قرار دیا۔ یہاں تک کہ جن کو ہم باطل معبود سمجھتے ہیں ان کو بھی گالی دینا منع کر دیا۔ پھر حقیقی پیشوایان قوم کی عزت کیوں نہ کریں۔

پھر نہ صرف مذاہب میں صلح کی بنیاد ڈالی بلکہ مختلف اعتقادات میں بھی جو ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے ہیں صلح کی راہ بتا دی اور فرمایا کہ جو امر مشترک سب مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ ان کو بطور ایک بنیاد کے صحیح قبول کر لیا جائے، اور پھر تمام اعتقادات کو اس امرِ مشترک پر پرکھا جائے کہ وہ اس کے خلاف تو نہیں۔

مختصر یوں کہ اگر ایک طرف آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عزت و جبروت کو دنیا میں قائم کیا اور اس کی توحید کو تمام آلائشوں سے پاک کر دیا۔ تو دوسری طرف مساوات اور وحدتِ نسلِ انسانی کو بھی کمال پر پہنچا دیا اور انسان کی عزت کو دنیا میں بلند کیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

بقیہ از صفحہ ۱۴:

علیہ وسلم اسی لئے تشریف لائے تھے۔ جس طرح مثلاً ایک شخص جب حج کا فریضہ صحیح طور پر ادا کرتا ہے تو اس کے لئے بشارت ہے کہ وہ گناہ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اگر ہم کبھی بھی کسی دوسرے بھائی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔ کو اڑ بے شک کھلا ہو۔ کسی کے مال کی حفاظت اپنے مال سے بڑھ کر کریں۔ کسی کی عزت و ناموس و وقار کے منافی اونچی نظر بھی کر کے نہ دیکھیں بلکہ اپنے اندر وہ مقام پیدا کریں کہ مدینہ میں ایک خاتون جب ایک یہودی کی غلط حرکت پر ھل ھنا اخ پکارتی ہے تو ایک اجنبی جان دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اگر یہ مقام پیدا کر لیں۔ تو پھر کیا یہ صورت نہ ہو گی۔ ہم نے پالیا۔ ہم نے پالیا۔ اور جب عملاً ایسی صورت پیدا ہو جائے تو پھر اخلاق عالیہ سے بڑھ کر کوئی قانون طاقت نہیں رکھتا۔

۱۰- صل من قطعك واعط من حرمك واغفر من ظلمك۔

صلہ رحمی کرو اس سے جو قطع تعلق کرے۔ اور اس کو دو جو آپ کو محروم کرے۔ اور جو آپ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دیں۔ آہ کتنی پیاری حدیث ہے۔ اگر ہم تمام مسلمان اجتماعی رنگ میں اس پر عمل کریں تو رحماء بینھم۔ اور الف بین قلوبھم کا نقشہ دنیا میں ابھر آئے۔ اور ساری ناراضگیاں۔ چپقلشیں۔ بے جا حسد۔ بدظنی۔ غیبت۔ تجسس۔ چغل خوری اور دشمنیاں محبت اور امن کی صورت میں تبدیل ہو جائیں۔

لیکن آج تو یہ صورت نظر آتی ہے کہ اغراض کو فرائض پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اجتماعی رنگ میں بائیکاٹ کرنے والے، اپنے ہی بھائیوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ان پاکیزہ ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

آخر میں درد بھرے دل سے درخواست کرتا ہوں کہ آؤ ہم سب مسلمان خالق حقیقی کے آستانہ پر جھکیں۔ مولا کریم اپنے فضل سے ہم کو اس کی توفیق دے۔ آمین

از مکرم مرزا محمد لطیف صاحب مولوی فاضل شاہد

۱۲ ربیع الاوّل! تجدید عہد کا دن

۱۲ ربیع الاوّل وہ مبارک دن ہے جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو وہ مقام عطا فرمایا جو نہ دنیا میں کبھی کسی انسان کو نصیب ہوا اور نہ ہوگا۔ اور آپؐ کی بعثت کو اللہ تعالےٰ نے احسانِ عظیم قرار دیا ہے۔ فرمایا:—

لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم (آل عمران ۳: ۱۶۳)

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے۔ جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

اور آپؐ کے ذریعہ ایک عظیم الشان آخری شریعت کی کتاب نازل فرمائی۔ جو ہر رنگ میں کامل و مکمل ہے۔ اور ہمارے پیارے دین کا نام الاسلام رکھا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص مدینہ میں باہر سے آیا اور اس نے حضورؐ سے دریافت کیا ما الاسلام! اسلام کی حقیقت کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ! اسلام کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کی توحید یعنی وحدانیت پر پختہ ایمان ہو۔ اور اس کے مقرر کردہ فرائض کو اچھی طرح ادا کرو۔ اور دوسرے خدا کی مخلوق سے شفقت سے پیش آؤ۔ دوسرے لفظوں میں اسلام کے معنے یہ ہیں کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو صحیح طور پر ادا کرے۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو یہ خاص طور پر تعلیم دی ہے۔ لا تفسدوا فی الارض (۲: ۱۱) ظاہری معنے تو یہ ہیں کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ لیکن عربی زبان میں کہتے ہیں فسدت اللبن۔ کہ دودھ خراب ہوگیا ہے۔ اسی طرح فرمایا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ اللہ تعالےٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ان اللہ لا یحب الظالمین۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ظلم کے معنے یہ ہیں وضع الشیئ فی غیر محلہ۔ ہر وہ کام جو صحیح نہ ہو اسے ظلم کہتے ہیں۔ اور جس چیز کو اللہ پسند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ان اللہ یحب المقسطین۔ اللہ تعالےٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے عدل کرو۔ اور احسان کرو۔

بنی نوعِ انسان کے لئے یہ قانون بیان فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتّی یغیّروا ما بانفسھم۔ ہر قسم کی معاشرتی تبدیلی، سیاسی تغیرات اور معاشی اصلاحات کی علت فاعلہ خود انسان ہے۔ اگر ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ کسی قوم۔ ملک کے سیاسی۔ معاشی۔ نظام عدل و انصاف سے ہٹ جائے اور اخوت کے اصولوں پر قائم نہ رہے تو اس کا نتیجہ برہمی۔ انتشار۔ اور بدنظمی پیدا ہونا لابدی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے عظیم الشان رہنما تھے۔ لیکن آپ بھی فرماتے ہیں انما انا بشر مثلکم۔ کہ میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے رسول اعلان کردو۔ قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم۔ [illegible] بھی اللہ کے کسی حکم سے منہ موڑ لوں تو مجھے بھی [illegible] جاوے گا۔ [illegible] کاروبارِ حیات کی بنیاد ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۴۹: ۱۳) تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو پرہیزگار ہے۔ پرہیزگار ہے۔

اسلام کسی کی ذاتی پیسہ والی سیاسی جاگیرداری کو اجازت نہیں دیتا۔ قرآنی نقطۂ نگاہ سے قومیں اس وقت زوال پذیر ہوتی ہیں جبکہ ان میں بدکرداری ظلم کے راستے کھول دیئے جائیں۔ اور سیاسی استبداد شروع کر دیا جائے۔ اور جب قوموں وافراد کی قسمت ان کے عمل، کردار۔ قابلیت اور تقوےٰ پر نہ رہے تو پھر نتیجہ تباہی ہی تباہی ہوتا ہے۔ آج خدا کے فضل سے ہر چوتھا انسان مسلمان ہے۔ اور ہمارے ملک پاکستان میں مسلمان ۸۸ فیصد ہیں۔ اور تیاری یہ کی جارہی ہے کہ اس ملک میں نظام مصطفےٰؐ نافذ کر دیا جائے گا۔ لیکن جب تک آپ وہ انقلاب خود اپنے اندر پیدا نہیں کرتے خود مسلمان نہیں بنتے۔ اپنے کاروبار کی بنیاد تقوےٰ اور خدا خوفی پر نہیں رکھتے۔ اشدّاء علی الکفار رحماء بینھم اور بنیانٌ مرصوص کا نمونہ خود نہیں بنتے۔ اور قال اللہ اور قال الرسول پر حقیقی طور گامزن نہیں ہوتے اس وقت تک ظاہری قوانین کوئی انقلاب پیدا نہیں کریں گے بلکہ الٹا اثر ہوگا!

آج آپ کسی اخبار، رسالہ کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ اس ملک میں کس قسم کے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ہر روز تو اخبارات میں کئی ہی بھیانک خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ قتل و غارت۔ لوٹ مار۔ بدکاری۔ ڈاکہ۔ ایسے سنگین جرائم دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ جن کو پڑھ کر دیکھ کر ایک انسان کانپ جاتا ہے۔ کیا ایک معین تاریخ پر کوئی اعلان یا قانون ان چیزوں کا سدّباب کر دے گا۔ زندگی کے جس شعبہ میں نظر ڈالیں تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ سرکاری و نجی عملہ کو دیکھیں۔ ان کی کارگزاری کا جائزہ لیں۔ بازار میں جائیں۔ تاجر۔ صنعت کار۔ اجیر۔ امیر۔ غرض کہ جس کو دیکھیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ انہی افراد کے ذریعہ ممکن ہوگی۔

وہ انقلاب جو والذین امنوا وعملوا الصالحات وامنوا بما نزّل علیٰ محمد وھو الحق من ربھم کفّر عنھم سیّاٰتھم واصلح بالھم (۴۷: ۲) اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمدؐ پر اتارا گیا اور وہ ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے ان کی برائیوں کو ان سے دور کر دیا اور ان کی حالت سنوار دی۔ اور بشارت یہ دی کہ سیھدیھم ویصلح بالھم ویدخلھم الجنۃ عرّفھا لھم۔ (۴۷: ۵) انہیں منزل مقصود پر پہنچا دے گا اور ان کی حالت کو سنوار دے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی پہچان انہیں کرا دی ہے۔ کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مقام کو ایسے افراد حاصل کرلیں گے۔ آج جن کو ان کے اعمال کی وجہ سے ہم دیکھ رہے ہیں۔

آج ہر طرف ان حالات کو دیکھ کر احساس اور تڑپ رکھنے والے لوگ پریشان ہیں۔ قانون پر قانون بنتا ہے سختی ہوتی ہے لیکن کوئی بات بنتی نظر نہیں آتی۔ ان حادثات و آفات کو دیکھ کر کوئی معاملہ سلجھتا نظر نہیں آتا۔ قرآن مجید اور احادیث سے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی روشنی میں انشاء اللہ مفصل عنقریب اس پر بھی دوسری اشاعت میں روشنی ڈالی جاوے گی۔ لیکن اس مبارک تقریب پر جبکہ ہم نے اپنے عمل۔ کردار۔ فرض کا جائزہ لینا اور تجدید عہد کرنا ہے، ایک سنہری سبق اصلاحِ خلق، انقلاب حقیقی، اور اسلام کے عالمگیر غلبہ اور ادیان اخری پر فضیلت و کامیابی سے ہمکنار ہونے کا قرآن مجید کی روشنی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے: یا ایھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ .... ولا یقتلن اولادھن...... (۶۰: ۱۲) اے نبی! جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں تجھ سے بیعت کریں اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی............ اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔

اس آیت میں ایک ارشاد یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا کسی حالت میں شریک نہ بنایا جائے۔ غور کریں! کسی انسان میں روحانی انقلاب۔ فکر کی بلندی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک وہ حقیقی توحید کو ماننے والا نہ ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے جو انقلاب پیدا کیا وہ خدائے واحد پر حقیقی ایمان کی وجہ سے تھا۔ قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتیں جو اپنی طاقت۔ تعداد اور اسباب

یں کوئی اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ ان پر اگر مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا تو حقیقی توحید پر ایمان لانے کی وجہ سے تھا۔

آج سب سے پہلے ضرورت ہے کہ ہم سب اللہ تعالےٰ کی ذات۔ صفات پر کامل ایمان اپنے اندر پیدا کریں۔ جب تک یہ روشنی ہمارے اندر پیدا نہ ہوگی، اس وقت تک ہم گناہ سے نجات نہیں پاسکیں گے اور نہ دوسرے کو راہ دکھا سکیں گے نہ ہمارے اندر انقلاب۔ اور نہ وہ اسلامی معاشرہ پیدا ہو سکے گا۔ جو مسلمان اور اسلام کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ولا یقتلن اولادھن میں تمام مسلمانوں کو ایک اہم فرض اور ذمہ داری کی طرف اللہ پاک نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ جس پر اگر صحیح طور پر عمل کیا جاوے تو صحیح اسلامی مملکت معرض وجود میں آسکتی ہے۔ وہ ہے، اولاد یعنی اپنی نئی نسل کی صحیح تعلیم و تربیت۔ آج آپ غور کریں کہ موٹے موٹے چار عوامل نئی نسل کی صحیح تعلیم و تربیت پر سرگرم عمل ہیں:۔

(۱) گھر (۲) مکتب (۳) مساجد (۴) لٹریچر، اخبارات و رسائل سب اس میں شامل ہیں۔ ہمارے گھروں کی حالت الا ماشاء اللہ جس ڈگر پر چل رہی ہے۔ وہ ہم سب پر واضح ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمارے گھر فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال (۳۶:۲۴) یہ نور ان گھروں میں ہے جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ بلند کئے جائیں اور ان میں اس کا نام یاد کیا جاوے۔ ان میں اس کی تسبیح صبح و شام کے وقتوں میں کرتے ہیں۔ اور فرمایا (ایسے) لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ (۳۷:۲۴)

مدارس کی حالت نہایت ہی ناگفتہ بہ ہے۔ پچھلے دنوں ایک سرکاری رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تھی کہ ایک سرکاری اسکول کے معاینہ پر پوری دو جماعتیں نادارد، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایک ساری کلاس ماسٹر صاحب کے لئے ساگ لینے گئی ہے [illegible] ساری کلاس ماسٹر صاحب کے لئے جنگل میں لکڑیاں لینے گئی ہے [illegible] کی حالت۔ ٹیوشن اور محنت پر ہر ایک ماتم کر رہا ہے۔

(۳) مساجد جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے ان [illegible] خائفین (۱۱۴:۲) ان میں داخل ہونے والے خدا سے ڈرتے [illegible] ہوں اور کوئی بات بھی اللہ کے حکم کے خلاف نہ کریں۔ خطبات میں آج سیاست اور فرقہ بندی عبادت، کی بجائے رواج پاگئی ہیں۔

(۴) اور جو لٹریچر ہمارے ملک میں شائع ہو رہا ہے۔ وہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک خاص سوچی سمجھی سکیم کے تحت اباحت اور لادینیت کی اشاعت کر رہا ہے۔

غرضیکہ! اگر ہم چاہتے ہیں اور سنجیدہ ہیں تو ہم پر یہ ایک نہایت ہی ذمہ داری ہے کہ اولاد کی صحیح تربیت کریں۔ اور ان کی طرف سے کبھی غفلت نہ برتیں۔ ورنہ بالفاظ دیگر ہم اپنی اولاد کے قاتل سمجھے جائیں گے اور ان کے اخلاق و کردار پر خود چھری پھیرنے والے ہوں گے۔ نتیجۃً وہ اخلاق باختہ ہوں گے۔ اس کے نتائج بڑے خوفناک اور تباہ کن ہوں گے۔

قرآن مجید نے ماں کو پہلے مخاطب کیا ہے۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الجنۃ تحت اقدام امھاتکم۔ کہ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کر کے اپنے بچوں کو متقی و دیندار بنا کر تمام ملک اور پوری دنیا کو جنت کا نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے! اور آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ دن بدن جو حالات بگڑ رہے ہیں۔ پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ چوری۔ ڈاکے۔ قتل و غارت اور دوسرے افعال شنیعہ! یہ سب اس واسطے ہو رہے ہیں کہ نئی نسل کی صحیح تربیت کا فقدان ہے۔

پس حقیقی [illegible] النبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ہمیں سودمند اور فلاح و سعادت، اور روحانی ترقی سے ہمکنار کر سکتی ہے [illegible] دل سے اپنے افکار و نظریات کو صحیح اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا عہد کریں۔ اور [illegible] اندر تبدیلی پیدا کریں۔ لیکن اگر ہم نے صرف رسم کے طور پر اس مقدس و مبارک دن کو

۴۲

۴۲ منایا تو پھر آیا

ما ینطق عن الھویٰ، ان ھو الا وحی یوحیٰ

(النجم ۵۳: ۳-۴)

آج دنیا میں عالمگیر انتشار پھیلا ہوا ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی۔ خود غرضی لالچ۔ حرص طمع اور بے دینی پھیل رہی ہے۔ قانون پر قانون بنائے جا رہے ہیں۔ ظاہری مادی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ سب کوشش نقش بر آب ثابت ہو رہی ہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اگر دنیا والے قرآن مجید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ پر عمل کریں تو یہ دنیا جنت کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

یہ سب سے بڑا اور اہم فریضہ ہے۔ آج کے پر آشوب دور میں اگر ہم مسلمان انفرادی طور پر اور اجتماعی صورت میں عملی نمونہ پیش کر سکے! اپنے آپ کو بھی نہ صرف تباہی سے بچا لیں گے، بلکہ دنیا کی بھی صحیح رہنمائی کے اجر عظیم کے عند اللہ وارث ہوں گے۔ اس مبارک مہینہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات معہ ترجمہ اصلاح نفس و غور و فکر کی دعوت کے لئے تحریر کئے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

۱۔ ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً۔

تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں۔

اخلاق۔ خلق اور خُلق سے ماخوذ ہے۔ کیسی اعلےٰ تعلیم دی۔ کہ سب سے پہلے ہر انسان کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ امر معروف نیکی۔ تقوےٰ۔ خدا ترسی [illegible] مسلمانوں کو حضور کے اسوہ پر چلنے کی قرآن مجید میں تلقین کی گئی ہے۔ اور آپ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں اللہ تعالےٰ کی گواہی ہے (انک لعلیٰ خلق عظیم۔ کہ اے رسول آپ اخلاق کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہیں۔

۲۔ انصر اخاک ظالماً او مظلوماً۔

مدد کر اپنے بھائی کی۔ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔

صحابہؓ نے دریافت کیا کہ مظلوم کی مدد کا تو مفہوم واضح ہے۔ ظالم کی مدد کس طرح کریں۔ فرمایا۔ اس کے ہاتھ کو ظلم سے روک کر۔ یہ آپ نے امر کا صیغہ استعمال فرمایا۔ کہ پہلی چیز یہ ہے کہ تم جب اپنے اندر صفات حسنہ یعنے اچھے اخلاق پیدا کر لو گے تب آپ کی آواز۔ کردار عمل کوشش کا نتیجہ بھی ہو گا۔ اور کثیر ایک مسلمان کا یہ بھی فرض ہے کہ امر معروف کرے اور نہی عن المنکر کا مبلغ بنے۔ دنیا میں انقلاب، صاحب کردار ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلے اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کرو۔ اور اگر قول و فعل میں تضاد ہوا تو یہ کوشش بے سود ہوگی۔

۳۔ حرم علیکم دماءکم و اموالکم و اعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا

حرام ہیں تم پر اپنے خون۔ اپنے مال۔ اپنی عزت۔ جیسا کہ آج کا دن تم پر حرام ہے۔

یہ الفاظ مبارک خطبہ حجۃ الوداع کے ہیں۔ یہ حضورؐ کا آخری خطبہ ہے جو آپؐ نے ۹ھ میں عرفہ کے میدان میں ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ رضؓ سے عہد لے کر ارشاد فرمایا تھا۔ کہ اس پر عمل کرنا اور آگے لوگوں تک پہنچانا۔ آج میں بھی بذریعہ پیغام صلح اس خطبہ سے ایک ٹکڑا قارئین تک پہنچا کر ثواب میں حصہ لینے کی جرأت کرتا ہوں۔ خدا تعالےٰ قبول فرمائے۔

اگر ہم ہر بستی والے شہروں کے باسی اور تمام مسلمان عملی نمونہ دکھادیں کہ کبھی کسی مسلمان کے اوپر ہاتھ اٹھانا۔ کسی کے مال کی طرف نگاہ غلط ڈالنا اور کسی کی عزت کے مقام کے خلاف قدم اٹھانا، کسی رنگ میں بھی تصور میں نہ لائیں۔ تو یہ دنیا بہشت بن جائے۔ قرآن مجید اور حضرت رسول کریم صلی اللہ

(باقی بر صفحہ ۱۳ کالم ۲)

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم و مغفور

نبیِ کامل شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

جملہ ہادیانِ مذہب میں آنحضرت صلعم ہی ایسے قدسی نفس انسان گذرے ہیں۔ جنہوں نے ان تمام اصولوں پر خود عمل کر کے دکھایا جو آپؐ نے دوسروں کو تلقین فرمائے تھے۔ قرآن کریم میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس کی تفسیر عملی طور پر آپؐ نے نہ فرما دی ہو۔ دیگر مذاہب میں ہم کو خوش آئند نصائح بکثرت ملتی ہے۔ اور فلسفۂ اخلاق کے متعلق ناقابلِ عمل نظریئے بھی اکثر بزرگوں نے پیش کئے ہیں۔ لیکن کسی فردِ واحد نے ان باتوں پر خود عمل کر کے نہیں دکھایا۔ لیکن آپؐ اس کلیہ میں ایک دلپذیر استثناء ہیں۔ جو تعلیم دوسروں کو دی اس پر خود بھی عمل فرمایا۔

واضح ہو کہ کسی میں کسی استعداد کا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہوتا کہ وہ اپنی استعدادات کو بالفعل پیش کر سکتا ہے۔ اور بعض ہادیانِ طریقت میں بالفرض اگر ارتکاب گناہ کی استعداد نظر نہیں آتی تو چنداں لائق ستائش نہیں۔ کیونکہ ان کے اکتساب میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اور نہ وہ ان لوگوں کے لئے مفید ہو سکتی ہیں۔ جو اخلاقی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھنے کے طالب ہیں۔ دوسروں کو عفو اور رحم کی تعلیم دینا نہایت آسان کام ہے۔ کیونکہ محض زبانی تلقین سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ ہم خود بھی ان صفات سے متصف ہیں۔ ان سے ثبوت کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم اپنی تعلیم پر عمل کر کے دکھا دیں۔

علاوہ ازیں جس بات کا خود ہمیں تجربہ نہیں وہ ہم دوسروں کو کس طرح سمجھا سکتے ہیں۔ صبر اور تحمل کی تعلیم وہی شخص دے سکتا ہے جس نے مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت مسیح خود تکالیف اور مصائب دنیوی برداشت کئے ہوں۔ مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ مسیح کو دوسری صفات کو عملی جامہ پہنانے کا موقعہ نہیں ملا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور خوب ملا۔

دراصل جس نے حوادث و تغیراتِ زندگی کا تجربہ نہیں کیا۔ وہ دوسروں کے لئے کامل نمونہ بھی نہیں بن سکتا۔ ہر اخلاقی صفت کے اظہار کے لئے بعض مخصوص حالات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب تک وہ حالات کسی کی زندگی میں رونما نہ ہوں وہ شخص ان صفات سے متصف ہونے کا دعوٰے نہیں کر سکتا۔ عسرت اور خوشحالی یہ دونوں حالتیں مختلف صفاتِ ذاتی کے اظہار کے لئے ضروری ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یتیمی سے ترقی کرتے ہوئے بادشاہی تک پہنچے اور اس سبب سے آپؐ کی زندگی حالات بوقلموں کا مرقع ہے۔ آپؐ کی زندگی میں مختلف الانواع حالات پیدا ہوئے اور اس لئے آپؐ کو مختلف صفات کے اظہار کا موقع ملا۔ ہر موقع پر آپؐ کا امتحان ہوا۔ لیکن آپؐ ہمیشہ پورے ہی اترے۔ چونکہ ہمیں اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں مختلف نمونوں کی ضرورت ہے۔ اور آپؐ کی زندگی میں ہر شخص کے حالات کے مطابق ایک نمونہ موجود ہے اس لئے آپؐ ہی ایک **اسوۂ کامل** ہیں۔

آپؐ اپنی زندگی میں مختلف حالات سے دوچار ہوئے۔ یعنی یتیم یا جبر۔ ہمسایہ۔ بیٹا۔ خاوند۔ مہاجر۔ فاتح۔ قاضی۔ مقنن۔ جنگ آزما۔ سپہ سالار۔ مدبر ملک۔ بادشاہ۔ مرشد۔ ہادی۔ ان حالات مختلفہ میں آپؐ کی زندگی ہر قسم کے لوگوں کے لئے کامل نمونہ ہے۔ ہم آپؐ کی خصلت اور کیرکٹر کی عظمت کا **اندازہ** ان [illegible] سے نہیں کر سکتے جو وقتاً فوقتاً آپؐ کی زبان پر [illegible] ہوئیں۔ **بلکہ آپؐ کے اعمال و افعال سے** [illegible] تاریخ عالم میں

فردِ فرید ہیں۔ فقید المثال اور بے نظیر ہیں۔ لیکن اگر کسی [illegible] عالمگیریت نہیں پائی جاتی۔ تو وہ عالمگیر اسوہ کس طرح قرار دیا [illegible] نظر زندگی کے بلند پہلوؤں سے جناب یسوع تو روزمرہ کی زندگی میں بھی [illegible] قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

مثلاً صفتِ عفو کے اظہار کے لئے معین حالات کی ضرورت ہے اور ان کی عدم موجودگی میں کوئی شخص اس صفت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ فرض [illegible] ایک شخص ہے جس کو اس کے دشمن آج بری [illegible] ہوتا ہے۔ کہ وہ مظلوم برسرِ اقتدار آ جاتا ہے۔ [illegible] ظالموں سے [illegible] لینے کی قوت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ تو [illegible] تو صفتِ عفو کا اظہار کر سکتا ہے۔ محض عفو کی تعلیم دینے سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ معلم میں بھی یہ صفت موجود ہے۔

علاوہ بریں اگر کوئی مظلوم حالت یاس میں اپنے دشمنوں کو معاف کر دے تو ظالم یا دشمن اس عفو کی مطلق قدر و منزلت نہیں کر سکتے۔ مثلاً صلیب پر لٹکائے جانے کے بعد، اگر یسوع نے اپنے دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی تو بے شک اس سے ان کے دل کی پاکیزگی ضرور ثابت ہوتی ہے۔ لیکن انہیں وہ مواقع نہیں ملے جو وہ ان دشمنوں پر قدرت حاصل کرنے کے بعد انہیں معاف کرتے۔ اور اس طرح صفت عفو کا اظہار ہوتا۔

تاریخ مذاہب میں تو اس بات کی صرف ایک مثال مل سکتی ہے۔ اور وہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خیال کیجئے آپؐ فاتحانہ انداز میں داخلِ مکہ ہوتے ہیں [illegible] آپؐ کے زیرِ نگیں آ چکا ہے۔ اور اہلِ مکہ تو یکسر آپؐ کے قدموں میں پڑے ہوئے [illegible] اگر آپؐ چاہتے تو ان میں سے ہر ایک کا سر تن سے جدا کر دیتے۔ اُن دشمنوں کا [illegible] نے آپؐ کو برسوں رات دن ستایا تھا اور ترک وطن پر مجبور کیا۔ جنہوں نے آپؐ کی [illegible] توہین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اگر آپؐ ان کو قتل کرا دیتے [illegible] تھے۔ انبیائے یہود میں سے اکثروں نے اپنے دشمنوں کو قتل کیا۔ [illegible] رامچندر اور کرشن نے بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ رحمدلی کا برتاؤ نہیں کیا [illegible] آپؐ مکہ والوں پر جود و عفو کی بارش نہ فرماتے۔ تو کوئی قابلِ اعتراض فعل [illegible] لیکن شاید صفت عفو قیامت تک پردۂ خفا میں ہی رہتی۔

بخاری شریف میں مرقوم ہے۔ کہ آپؐ کے افعال ذاتی اغراض سے ملوث نہ ہوئے۔ تعلی اور اقتدارِ ذاتی یا نمود سے آپؐ کو ہمیشہ نفرت [illegible] آپؐ کے دشمن مغلوب ہو کر آپؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ کس قسم کے سلوک کے متمنی ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ "آپ اخی کریم ابن اخ کریم النفس ہیں۔" اس پر آپؐ نے فرمایا "آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب لوگ آزاد کئے گئے۔" انہی لوگوں میں ہندہ، قریش [illegible] تھی۔ جو حضورؐ کو ستانے میں کسی متنفس سے پیچھے نہیں رہی تھی، بلکہ [illegible] نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ سینہ چاک کر کے نکال لیا تھا۔ اور چونکہ اس کا ضمیر اس پر لعنت کر رہا تھا۔ اس لئے برقعہ اوڑھ کر آپؐ کے [illegible] گئی، تاکہ آپؐ شناخت نہ فرما سکیں۔ لیکن آپؐ نے فوراً پہچان لیا۔ مگر اس [illegible] واقعہ کی طرف مطلق اشارہ نہ فرمایا۔ کیا عفو اور درگذر کرنے کی اس سے [illegible] دنیا کے پردہ پر مل سکتی ہے؟ اور یہی وہ عورت ہے جو آگے چل کر ایک بادشاہ کی ماں بنی۔ آپؐ کا دوسرا جانی دشمن اسی ہندہ کا خاوند ابو سفیان [illegible] جس نے آپؐ کے خلاف کئی مرتبہ جنگ آزمائی کی تھی۔ اور ہر محل کے دربار میں [illegible] خلاف یاوہ گوئی کی تھی۔ اسی لئے بغیر وساطت [illegible] آپؐ کے سامنے [illegible] نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت عباسؓ اس کے ساتھ گئے۔ لیکن حضورؐ نے اس کا قصور معاف کیا۔ بلکہ اعلان فرما دیا کہ جو شخص **ابو سفیان** [illegible] گھر میں پناہ لے گا اُس کو معاف کیا جائے گا۔

حبار ابن الاسود نے، جو ایک طرح سے آپؐ کی بیٹی کی وفات کا [illegible] فتح مکہ کے بعد ایران بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر آپؐ کے [illegible]

حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں گویا ہوا "یا نبی اللہ! میں ایران بھاگ جانا چاہتا تھا۔ لیکن آپؐ کی شفقت اور مہربانی نے مجھے آپؐ کے پاس آنے کی جرأت دلائی۔ آپؐ نے میرے متعلق جو کچھ سُنا ہے۔ وہ سچ ہے۔ میں اپنے قصوروں کا اعتراف کرنے آیا ہوں۔" حضورؐ نے اسے معاف کر دیا (اصابہ)

عکرمہ ابن ابو جہل، جو مثل اپنے باپ کے، آپؐ کا [illegible] دشمن تھا [illegible] فتح مکہ، یمن کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن حضورؐ کے طرزِ عمل [illegible] کی [illegible] اسے واپس لے آئی۔ اور دوسرے دن آپؐ کی خدمت میں [illegible] قبل اس کے کہ وہ حضورؐ کو سلام کرے، آپؐ نے خود بڑھ کر معانقہ فرمایا [illegible] "مہاجر! وطن واپس آمدن مبارکباد"۔

جدید اور قدیم تہذیبوں کے صفحات اُلٹ جاؤ، جس قوم اور ملک کی تاریخ [illegible] از اول تا آخر پڑھ جاؤ۔ تم کو اس طرح کی کوئی مثال کسی شخص کی نہ ملے گی [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح جس نیکی کا وعظ کیا، اس پر خود بھی عملدرآمد کر کے دکھا دیا۔

اس جگہ میں آپؐ کے فرمان انسداد انتقام خونی کا بھی ذکر کر [illegible] نہ ہوگا، جس کا رواج ماقبل اسلام ہر جگہ مُلکِ عرب میں موجود تھا [illegible] قتل کر دیتا تھا۔ تو کئی نسلیں گذر جانے کے بعد بھی [illegible] لوگوں کو قتل کر کے دل ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب [illegible] جاتے تھے۔ آپؐ کے ایک بھائی جس کا نام ابن ربیعہ تھا، بچپن میں [illegible] تھا۔ اس کو بچپن ہی میں قبیلہ بنو ھذیل کے بعض افراد نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے خون کا معاوضہ قصاص نہیں لیا گیا تھا، اس لئے ان کا [illegible] آپؐ نے اپنے آخری وعظ میں منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی فرمایا:۔

"آج سے خونی انتقام کی رسم جو زمانہ جاہلیت [illegible] کی جاتی ہے۔ اور حارث کے بیٹے ابن ربیعہ کا خون [illegible] دشمنوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔"

اگر قرآن شریعت میں اخلاق کی جزئیات تک بیان کر دی گئی ہیں۔ اور [illegible] گرم دونوں پہلوؤں کو واضح کر دیا گیا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان سب کی تصاویر اصلی حالت میں دکھا دی گئی ہیں۔ [illegible] سے لے کر بادشاہی تک آپؐ مختلف حالات میں ہو کر گذرے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ [illegible] کیا۔ اور ان تمام حالات کے متعلق فرائض منصبی کو بھی بوجوہ احسن ادا کیا: اس لئے [illegible] طور پر "اُسوۂ حسنہ" ہیں۔ حضورؐ والا کو طفل، نوجوان، متاہل انسان، تاجر، بیٹا، باپ، خاوند، سپاہی، سپہ سالار، مہاجر، مظلوم، مغلوب، غالب، حاکم، بادشاہ، ہمسایہ، [illegible] مفتی، مقنن، مُرشد، ہادی، غرضیکہ مختلف حیثیات سے دیکھیں۔ ہر حیثیت میں آپؐ بنی نوع آدم کے لئے "اُسوۂ حسنہ" ہی ثابت ہوں گے۔

ان تمام حالات میں آپؐ نے یکساں طور پر شرافتِ ذاتی کا اظہار فرمایا۔ کبھی آپؐ کے مزاج میں تغیر اور تلون رونما نہیں ہُوا۔ نہ آپؐ کی طرزِ زندگی میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی۔ پس ان ہادیوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے۔ جو اپنے آپ کو انسانیت کے معمولی درجہ سے بلند تر ثابت نہ کر سکے۔ خواہ ہم کسی طریقِ کار کے پابند کیوں نہ ہوں، آپؐ کی زندگی ہمارے لئے بہرحال سبق آموز ہے۔ اور ہر پریشانی میں اس سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ نیز آپؐ کا یہ منشاء بھی نہیں، کہ ہم اپنے افعال اور خیالات میں دوسروں کی غلامانہ اتباع کریں۔ آپؐ نے "آزادی رائے" کی ہمیشہ عزت فرمائی ہے اور اسی لئے آپؐ کے وسیع پیمانہ پر اخلاقی اصول قائم فرمائے۔ تاکہ ہم لوگ حسب ضرورت ان سے اپنے موافق جزئیات مستنبط کر سکیں۔

آپؐ کی زندگی قرآن مجید کی جیتی جاگتی تفسیر ہے، ہمیں قرآنی احکام کی تفہیم کے لئے مختلف مفسروں کی کتب کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپؐ کی زندگی میں ان سب کی مثالیں موجود ہیں، اوامر و نواہی دونوں قسم کے احکامِ قرآنی پر آپؐ نے عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جب کسی کو، قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھاتی تھیں۔ تو اس کی تفسیر یا تائید آپؐ کے اقوال و افعال سے کر دیتی تھیں۔ اور اگر کسی معاملہ میں نبی کریمؐ کے طرزِ عمل کو لوگ آپؐ سے دریافت کرتے تھے تو وہ قرآن کی مخصوص آیات تلاوت فرما دیتی تھیں۔ اور ایک دفعہ انہوں نے یہ فرمایا تھا "کان خلقہ القرآن"۔

اور ان کی اتباع میں اکثر مفسرین نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ قرآنی اوامر و نواہی کی تفسیر کو آپؐ کے اقوال و افعال سے مؤید کیا ہے۔ قرآن میں پانچ سو سے اُوپر احکام پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان سب کی مثالیں آپؐ کی زندگی میں مل سکتی ہیں۔ [illegible] مثالیں [illegible] کی اُوپر بیان ہوئیں، وہ سب قرآنی آیات متعلقہ عفو کی تفسیر کی جا سکتی ہیں [illegible] اسی طرح قرآن میں غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق یہ حکم ہے:۔

"[illegible] ہیں [illegible] دولت ان غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کرو، [illegible] لڑائی میں گرفتار کیا گیا ہو۔"

[illegible] اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے محبت کرنے کا عملی سبق دیا ہے۔ اور حضورؐ [illegible] سے پہلے اس آیت پر بھی عمل کر کے دکھا دیا۔ بخوف طوالت آئندہ صرف انہی قرآنی آیات کی عملی تصاویر دکھاؤں گا۔ جن پر عمل کرنے کے لئے غیر معمولی اور فوق العادت [illegible] ذاتی کی ضرورت ہوتی چاہیئے۔

ایفائے عہد

مومنوں کی شناخت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاہدات کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے وفا بھی کرتے ہیں

((قرآن مجید ۲۳-۸ و ۵:۱))

اگر اس حکم کی پابندی ہر شخص اپنا شعار بنا لیتا، تو آج دُنیا کا اور ہی نقشہ ہوتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول پر بطرز احسن عمل کر کے دکھا دیا۔

چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں، جو عیسائی مشنریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ اور اس لائق ہیں کہ عیسائی حکومتیں ان کو ہر دم سامنے رکھیں۔ تاکہ وہ ان مواعید کا احترام کر سکیں۔ جن کی خلاف ورزی ان کا شعار عام ہو چکا ہے۔ آپ نے بھی بحیثیت بادشاہ دشمنوں سے معاہدات کئے۔ جنہوں نے آپؐ کے سامنے ایسی کڑی شرطیں پیش کیں، جو آپؐ کے مقاصد کو بے حد نقصان پہنچانے والی تھیں لیکن آپؐ نے ان کو تسلیم کیا، اور ایسے نازک حالات میں ان کی پابندی کی جبکہ مدبرین یورپ کو ان سے انحراف کرنے میں مطلق باک نہ ہوتا۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ آپؐ کے دو ساتھی پیچھے رہ گئے۔ انہیں دشمنوں نے روک لیا، اور اس شرط پر رہائی دی۔ کہ ان کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں۔ جب یہ لوگ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ تو آپؐ نے انہیں، اہل مکہ کے مقابل شرکت جنگ سے ہمیشہ باز رکھا، حالانکہ اس وقت ایک ایک شخص، ایک ایک دستہ کے برابر وقیع تھا۔

انصاف پسندی

یہ امر ایفائے عہد سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جب فریقین میں سے ایک فریق اپنا دشمن ہو، اور دوسرا دوست۔ لیکن قرآن کریم فرماتا ہے:۔

"[illegible] انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی فریق کی معاندانہ روش تم کو جادۂ انصاف سے منحرف کر دے۔ خبردار انصاف کو مدنظر رکھو۔ کیونکہ معدلت تقوے سے قریب ہے۔" (قرآن مجید ۱۶:۹۰ و ۵:۸)

لیکن آنحضرت صلعم نے اس پر من و عن عمل کر کے دکھا دیا۔

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت علتِ سرقہ میں گرفتار ہوئی۔ اس کے اعزاء نے اسامہ بن زیدؓ سے آپؐ کی خدمت میں سفارش کرنے کی درخواست کی۔ حالانکہ آپؐ ابن زید کا بہت خیال فرماتے تھے۔ لیکن اس موقعہ پر آپؐ نے فرمایا:۔

"اُسامہ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام سے رُوگردانی کروں؟"

اس کے بعد آپؐ نے مجلسِ عام میں یوں تقریر فرمائی:۔

"تم لوگوں سے پہلے بہت سی قومیں صرف اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے غریبوں کے معاملات میں قانون مُلکی کو سخت طریقہ میں برتا۔ اور امیروں کے لئے اس کو ملائم کر دیا۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ چوری کا ارتکاب کرے۔ تو اس کے ہاتھ بھی اسی طرح کٹوائے جائیں گے۔" (بخاری)

ابن رحیم۔ ایم۔ اے

حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دور میں تعلیم وتبلیغ اسلام

خاتم الانبیاء سرورِ کونین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بابرکت کا مقصدِ عظیم بنی نوع انسان کے انفرادی اور اجتماعی ضمیر کی بیداری اور اس کے نفس کی طہارت تھی۔ چنانچہ جب اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو ملکی و سیاسی امور کی بجا آوری کے ساتھ اُمتِ مُسلمہ کے دینی امور کے انتظام کا مسئلہ بھی جو نہایت ضروری اور اغراض نبوت و رسالت میں سے تھا، اس کی طرف بھی حضور صلعم نے کما حقہٗ توجہ فرمائی اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا مؤثر انتظام فرمایا۔

اس وقت دیگر اقوام کے مذہبی انتظام و انصرام کا معاملہ، ان کی رسوم و تواریخ کے حوالہ سے مختلف تھا۔ یہودی قوم میں مذہبی اوامر کی ادائیگی کے لئے ایک مخصوص خاندان مامور تھا اور دوسرا فرد و خاندان کوئی بھی ان مذہبی خدمات کی بجا آوری کا حق نہیں رکھتا تھا۔ عیسائیوں میں خاندان اور قبیلہ کی تو تخصیص موجود نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا تھا جو مذہبی عبادات و رسوم اور متعلقہ خدمات کو اپنا حق سمجھتا تھا۔

دوسرے مذاہب کا بھی یہی حال تھا کہ وہاں مذہب پر خاندانی تسلّط اور گروہی راج مسلّط تھی۔ مذہبی اجارہ داری کے اس ماحول میں رحمۃ للعالمین خاتم النبیّین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین و دستور دنیا کو عطا فرمایا، اسے کسی مخصوص گروہ کسی خاندان اور اسے کسی خاص فرد و بشر کی اجارہ داری کی حاجت نہیں تھی۔ بلکہ ہر شخص جو حضور صلعم کا متبع ہے وہ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی دعوت و تحریک کی خدمات انجام دے سکتا ہے۔ دین کے اس تصور و فکر نے ہر مسلم مرد و خاتون کو واعظ بھی بنایا محتسب بھی، داعیٔ دین بھی بنایا اور ماہر شریعت بھی۔ اس طرح ایک ایک گھر، تفسیر، حدیث اور فقہ کا مدرسہ بن گیا، چونکہ تبلیغ و اشاعت اسلام کے علاوہ مسلمان کو دنیا کے اور بھی کام کرنا ہوتے تھے، اور اپنے دنیوی ذرائع اور وسائل کو بروئے کار لانا ہوتا تھا، اس طرح ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت میسر نہیں آسکتا تھا۔

اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں میں خدمت دین کے لئے ایک جماعت بنائی جائے۔ اسی لئے فرمایا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کی ترغیب دے اور بُرائی سے روکے۔ یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ ہر قبیلہ و گروہ میں ایسے لوگ ضرور ہونے چاہئیں جو اُمتِ مسلمہ کی بالخصوص اور دیگر اقوام و مذہب میں بالعموم رشد و ہدایت اور تعلیم و ارشاد کا کام انجام دے سکیں۔ اسی لئے ارشاد باری تعالےٰ ہے وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ..... الخ کہ سب کے سب متبعین رسول صلعم تو سفر کر کے تحصیل و تربیت علم کے لئے مدینہ منورہ نہیں آسکتے تھے۔ اس لئے ایک ایک قبیلہ کے چند افراد آنا چاہئیں کہ وہ یہاں آکر رہیں اور علم و عمل کی استعداد حاصل کرنے کے بعد واپس جاکر اپنی قوم و قبیلہ کو تعلیم و تلقین کریں۔ تا لوگ بُری باتوں سے بچ جائیں۔

اس ارشادِ الٰہی کا مقصود و مطلوب یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت اُمت مسلمہ میں تیار کی جائے جو اسلام کی رُوح کو اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نہ صرف اپنے اندر جذب کرے اور پھر اس کو اپنے علم و عمل سے منکشف بھی کرے۔ جس کے ہر قول و عمل کی ایک ایک چیز تعلیم و سنّت نبویؐ کے پرتو سے منوّر ہو، اور اپنے گرد و پیش کے لئے ایک عمدہ نمونہ بن سکے۔ اس لئے ہر گروہ و قبیلۂ عرب سے ایک ایک کر کے جماعت آئی اور حضور محمد مصطفےٰؐ کی خدمت اقدس میں رہ کر علم و عمل سے بہرہ ور ہوئی۔ تبلیغ اسلام کے لئے جو افراد عرب کے اطراف و اکناف میں بھیجے جاتے تھے اُن سے کہا جاتا کہ وہ اپنی دعوت و تبلیغ اسلام میں لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مدینہ میں قیام پذیر ہو جائیں۔ چنانچہ خطۂ عرب کے بہت سے خاندان و قبائل مدینہ منورہ میں آکر آباد ہوگئے۔ ان میں ایک مقتدر صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی تھے جو اپنے ساتھ دس ساتھیوں کو لے کر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے۔ مسجد نبویؐ سب کے لئے کافی نہ تھی اس لئے الگ الگ مساجد بن گئیں۔ دورِ نبویؐ میں تعلیم و تدریس کے لئے جو ذرائع اختیار کئے گئے وہ یہ تھے کہ :۔

صحابہؓ دس بیس دن، مہینہ یا دو مہینے کے قیام سے ضروریاتِ دین سیکھ لیتے، اور اپنے خاندان و قبیلہ میں جاکر ان کی تعلیم و تدریس کرتے۔ یہ ایک عارضی صورت ہوتی تھی۔ تاہم مستقل صورت تھی کہ مدینہ میں قیام پذیر ہوتے۔ شریعت سیکھتے۔ ان کے لئے صفہ خاص درسگاہ تھی، مساجد میں دو حلقے ہوا کرتے تھے حلقہ ذکر و حلقہ درس۔

ان طلباء دین کو اس وقت کی اصطلاح میں قراء کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں میں سے جب کوئی عائلی زندگی اختیار کرتا تو وہ اس جماعت سے نکل جاتا۔ اس کی بجائے دوسرا شخص شامل ہو جاتا۔

یہ لوگ جن کو اصحاب صفہ بھی کہتے ہیں تحصیل علم دین کے ساتھ ساتھ محنت و مزدوری بھی کیا کرتے تھے جنگل سے لکڑیاں لاتے۔ فروخت کرتے اس طرح آمدنی کا نصف اصحاب صفہ میں تقسیم ہو جاتا جبکہ دوسرا نصف خیراتی فنڈ میں چلا جاتا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں یہ لوگ رات کو تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔

عرب میں قبل از اسلام لکھنے پڑھنے کا رواج بہت ہی کم تھا۔ اسلام نے تحریر و کتابت کے فن کو عمومی رنگ دیا اور اس کی ترویج کے لئے مختلف اقدام کئے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ اسیرانِ بدر میں سے جو لوگ فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔

اسلام کی تمام تر دعوت و تحریک کا مقصد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعمیل و تکمیل تھی۔ اسی بناء پر ہر قوم و قبیلہ اور جماعت و گروہ کو مسلم مؤمن ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد کی ضرورت بھی ہوتی تھی۔ یہ مساجد صرف ذکر الٰہی اور تسبیح و تقدیس ربّانی کے کام ہی نہیں آیا کرتی تھی بلکہ یہاں مسلمانوں کو دن رات کے اوقات میں پانچ بار ایک جگہ جمع ہونے کے علاوہ ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو ترقی دینا تھا۔ اسی لئے حضور پُر نور صلعم نماز باجماعت پڑھنے کی سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

مدینہ کے اندر بہت سے قبائل تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلّہ تھا۔ ہر محلہ میں ایک مسجد تھی۔ حضرت ابو داؤد رحؒ نے لکھا ہے کہ مدینہ منوّرہ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں (۹) مسجدیں تھیں۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ نماز باجماعت اور اشاعت اسلام کے لئے عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی گئیں۔

حضرت نبی اکرم صلعم نے مختلف قبائل کے لئے الگ الگ امام مقرر فرمائے۔ عموماً جو قبیلہ مسلمان ہوتا، اس میں جو شخص سب سے زیادہ علم قرآن رکھتا، وہی امام مقرر کیا جاتا اور اس شرف میں بڑے چھوٹے سب برابر تھے۔ امام کے انتخاب کے لئے حضور صلعم نے چند اصول وضع فرمائے تھے کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہوا ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو سنّتِ نبویؐ سے جو سب سے زیادہ واقف ہو وہ امام بنے۔ اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی۔ اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو اسے امام بنایا جائے۔

اللّٰھم صلّ علےٰ محمّدٍ وعلےٰ آل محمّدٍ وبارک وسلّم

سیرت خیر البشر ﷺ

آفتاب رسالت کے حسن اخلاق کی ضیا پاشیاں

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جب آپ کو منصب نبوت پر مامور کیا گیا۔ اور آپؐ اس بارِ عظیم کے متعلق متفکر تھے کہ میں اس کی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گا۔ تو حضرت خدیجہ نے آپ کے قلبِ حزیں کو جن الفاظ میں تسکین دی وہ بتاتے ہیں کہ آپؐ کے حُسنِ اخلاق اور آپ کی ہمدردی بنی نوع انسان نے کس قدر گہرا نقش حضرت خدیجہؓ کے دل پر کر رکھا تھا۔ فرمایا خدا کی قسم اللہ آپ کو ہرگز ناکام رکھ کر رُسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ناتوانوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ جو چیزیں معدوم ہیں ان کو کماتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات میں حق کی مدد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کا آنحضرت صلعم پر سب کچھ فدا کر دینا اور آپؐ کے اخلاق کا اس قدر گرویدہ ہونا اور پھر سب سے پہلے آپؐ ایمان لانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایسا منظر ہے جس کے سامنے دشمن کو بھی اقرار کرنا پڑا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوےٰ افتراء پر مبنی نہ تھا۔ کیونکہ مفتری کذاب کے خیالات اندرونی حالات کے واقفوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور بیوی سے بڑھ کر میاں کا رازدار کوئی نہیں ہو سکتا۔

ایک اس پاک بی بی پر کیا انحصار ہے۔ جس کا بھی تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا وہی آپ کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے اس زمانہ میں آپ کا عاشق جاں نثار ہو گیا۔ زید ایک غلام تھے جن کو آپ نے آزاد کیا۔ زید کا باپ پتہ لگاتا ہوا مکہ پہنچا اور آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ اس کے بیٹے کو گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ رحمۃ للعالمین کا قلب شفیق کہاں برداشت کرتا تھا کہ بیٹے کو باپ سے چھین کر اپنے پاس رکھیں۔ نیز محبت اور رحمت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ اسکو زبردستی اس سے الگ نہ کیا جائے۔ آپ نے جس کے ساتھ دوستی کی اس کو اسی طرح آخر تک نباہا۔ غرض زید کے باپ کو کہا کہ اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو نہیں روکتا۔ باپ خوش ہوا کہ اور کیا چاہیئے۔ مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ خیر البشر کی شفقت مہر پدری سے بڑھ کر ہے۔ اور زید کو غلامی سے آزاد کیا گیا ہے مگر آپ کے اخلاق حمیدہ کا غلام ہو چکا ہے۔

جب زید سے اس نے چلنے کو کہا تو اس نے جواب دیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کے پاس ہی رہوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی دوستی تو آپ سے مشہور رہے۔ ابوطالب نے جس قدر دکھوں اور مصیبتوں کے اندر آپ کا ساتھ دیا۔ وہ محض آپ کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے ہی تھا۔ ابوطالب نے باوجود اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنے کے سارے قریش کی دشمنی کو آسان سمجھا مگر ایسے بلند مرتبہ پاک اخلاق انسان کا ساتھ چھوڑنے کو حد درجہ کی رذالت خیال کیا تھا۔ چنانچہ اس کے چند اشعار اس دلی کیفیت کو بتاتے ہیں کہ وہ کیوں آپ سے اس قدر محبت کرتے تھے۔

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا اَبَالَكَ سَيِّدًا
يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ
وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

تجھ پر افسوس ہے کسی قوم نے اپنے سردار کو نہیں چھوڑا (گویا اس سوال کا جواب دیا ہے کہ تم ہمیں کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دیں) اور سردار بھی وہ جو تمام حفاظت کرنے والی چیزوں کی خوب حفاظت کرتا ہے اور وہ زبان دراز نہیں نہ عاجز ہے کہ کام دوسروں کے سپرد کر دے وہ کریم ہے جس کے منہ کے وسیلہ سے مینہہ مانگا جاتا ہے وہ یتیموں کا ملجا اور بیوہ عورتوں کی پناہ ہے۔

اور نہ صرف یہ کہ آپ کے حسنِ اخلاق پر آپ کے سب احباب اس زمانہ میں شیدا تھے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر لوگوں کا آپ سے تعلق تھا۔ وہ سب کے سب بلند اخلاق اور عالی مرتبہ لوگ تھے حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے اور فتح مکہ کے بعد ایمان لائے آپ کے خاص احباب میں سے تھے۔ ایسا ہی ضماد بن ثعلبہ۔ غرض نبوت سے پہلے آپ کے اخلاق ایسے بلند مقام پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جس نے آپ سے تعلق پیدا کیا۔ وہ بھی ایک بلند مقام پر پہنچ گیا۔

ایک نہایت روشن پہلو آپ کے اخلاق فاضلہ کا غریبوں، یتیموں، مسکینوں، بیکسوں، بیواؤں کی ہمدردی اور خبرگیری تھی۔ جس کے متعلق وہ تمام لوگ یک زبان ہیں جن کو نبی کریم صلعم سے واسطہ پڑا۔ ابھی حضرت خدیجہ کی شہادت نقل ہو چکی ہے جو فرماتی ہیں کہ خدا آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ آپ بیکسوں، اور غریبوں کے حامی مفلسوں اور محتاجوں کے خبرگیر۔ اپنے اور بیگانے سے ہمدردی کرنے والے ہیں۔ ابوطالب نے بھی یہی شہادت دی ہے کہ آپ یتیموں کے محافظ اور بیوہ عورتوں کی جائے پناہ ہیں حلف الفضول میں آپ کی شرکت انہی مظلوموں کی حمایت کی وجہ سے تھی۔

غرض یہ ایک جوہر تھا جو فطرتاً آپ کے اندر ودیعت کیا گیا تھا کہ غریبوں بیکسوں اور یتیموں، بیواؤں کے آپ حامی ہوں۔ قرآن کریم کی تعلیم پر غور کرو تو دین قرار ہی اس کو دیا ہے۔ کہ یتیم و مسکین کی خبرگیری کی جائے۔ جو شخص یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کے کھانے پر ترغیب نہیں دیتا اسے دین کی تکذیب کرنے

بقیہ صفحہ راہ میں رک کر سنتے ان کے تدارک کی صورت پیدا فرماتے۔ چاشت کی نماز کے بعد اپنے گھر میں تشریف لے جاتے۔ اپنے اہل و عیال کی خبرگیری فرماتے۔ ان کی خاطر داری کرتے وغیرہ۔ کھانے کے وقت کھانا پینا (ہوتا)، بعد ازاں تھوڑی دیر لیٹ کر آرام فرماتے تھے۔ سورج ڈھلنے لگتا تو آپؐ اٹھتے اور ضروریات سے فارغ ہو کر وضو یا غسل فرماتے اور چار رکعت نماز زوال ایک سلام سے ادا فرماتے تھے۔ ظہر کی نماز آپؐ مسجد نبویؐ میں ادا فرماتے اور عصر تک دعوت و تحریک، تعلیم و ارشادات اور تنازعات کے فیصلہ میں لگے رہتے۔

عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد آپؐ پھر ذکر میں مصروف ہو جاتے۔ پھر حضور صلعم مغرب کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے۔ اہل و عیال سے بات چیت، مہمانوں، مسافروں کو کھلانا کھلانے اور ان کی خاطر مدارات میں لگے رہتے تھے۔ اگر کوئی مال و متاع گھر میں موجود ہوتا تو اس کو محتاجوں اور مستحق لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ ان کو کھانا کھلا دیتے، جانوروں، مویشیوں وغیرہ کے چارے پانی کی خبر لیتے اور پھر باوضو ہو کر مسجد تشریف لے جاتے اور عشاء کی نماز پڑھتے۔ گھر میں داخل ہو کر چار رکعت نفل ادا کرتے تکبیر و تحمید الٰہی کرتے تلاوت قرآن کریم فرماتے۔ ان سورۃ شریفہ میں زمر۔ حدید۔ حشر۔ صف۔ تغابن۔ جمعہ۔ اخلاص۔ فاتحہ۔ ملک اور معوذتین خاص طور پر شامل تھیں۔

پھر آپؐ سو جاتے۔ یہ نیند سخت غفلت کے رنگ میں نہ ہوتی تھی۔ رات کو بھی آپؐ دعا و عبادت میں مصروف رہتے۔ پچھلی رات کو آپؐ بہر صورت بیدار ہو جاتے تھے اور نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے تھے۔ وقت کے پیش نظر آپ نماز تہجد ۹ رکعت سے لے کر ۱۳ رکعت تک ادا فرماتے، یعنی ۱۱ رکعت نماز تہجد کی اور دو رکعت سنت فجر بعض اوقات شامل ہو جاتی تھیں۔ ایسا بھی ہوتا کہ ایک رکعت میں اتنا قیام فرماتے کہ پائے مبارک ورم کر جاتے۔ پھر رکوع اور سجدہ میں کافی دیر کرتے اس طرح سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ

حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیّت

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ملاحظہ ہو۔ جو حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مسلمانوں کے جمِ غفیر کو مخاطب کرکے فرمائی اس وصیت کے الفاظ یہ ہیں :

"تمہارا ربّ بھی ایک ہی ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تمہیں بنی نوع انسان کے سارے افراد کو اپنا بھائی سمجھنا چاہیئے۔ اور سب کے ساتھ محبّت اور ہمدردی کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور فرمایا۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا فضل لاحمر علی اسود ولا فضل لاسود علی احمر الا بتقوی اللہ۔

اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی :۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

یعنی انسان کی حقیقی سربلندی اس کے بلند کردار کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے یہ تلقین انسانیت کو خطرناک جہالت سے اور خطرناک تعصب سے اور خطرناک دشمنی سے نجات دلاتی ہے۔ ظاہر ہے قومی تعصبات نے اور مذہبی تعصبات اور اسی طرح وطن کے اور نسل کے پیدا کردہ تعصبات نے آج دنیا کی اقوام کو ایک نے دوسرے کا دشمن بنا رکھا ہے۔ حضور نبی کریم رحمۃ اللعالمین اپنی اس قیمتی تلقین سے انسانیت کو ان تمام مہلک امراض سے بچالیا اور اس لئے ساری دنیا کو چاہیئے کہ حضورؐ کے اس بے مثل اور دور رس خطبہ کا بغور مطالعہ کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

اگرچہ مذکورہ بالا صفحات میں انسانی زندگی کے باہمی تعلقات کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے تاہم ذیل کے متفرق امور کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کی فطرت کے اندر بعض ایسی صفات ودیعت کر رکھی ہیں جن کی وجہ سے وہ ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے اس کی زندگی مفید اور پُرلطف ہوجاتی ہے۔

مثلاً انسان اپنے ہم جنسوں میں عزت سے رہنے کا خواہشمند ہے۔ اور انسان اپنے ہم جنسوں پر فوقیت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ باعزت زندگی بسر کرنے کی خاطر دولت کماتا اور اچھے اخلاق حاصل کرنے کی طرف توجہ دیتا ہے۔ اسی لئے قومی ضروریات کو سرانجام دینے کے لئے اپنی دولت خرچ کرتا ہے اسی غرض سے انسان اپنی دماغی استعداد کی تربیت کرتا ہے اور محنت کرنے سے ضروری علوم میں دسترس حاصل کرتا ہے۔

اگر اس کو ایسی ذہنی فوقیت حاصل ہوجائے جس کے استعمال سے وہ قومی مہمات کو سر کرسکتا ہو تو اس کو ممتاز حیثیت حاصل ہوجاتی ہے۔ اگر قوم کی باگ ڈور ایسے فرد واحد کے ہاتھ میں آجائے تو یہی شخص بہت سے مفید کام کرنے کے علاوہ

اپنے اقتدار کا ناجائز استعمال ہونے سے [illegible] لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بڑے سے بڑے انسان کو مشورے کا پابند ہونا چاہیئے اگر ایسا کرے گا تو وہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔ اور وہ بہت سی بدعنوانیوں کے ارتکاب سے بچ نکلے گا۔ ایسا کرنے سے اس کو اپنی قوم کا اعتماد نصیب ہوگا۔

اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان کی تعلیم و تکریم کی جائے اور ہر شخص کی قدر و منزلت کی حفاظت کی جائے۔ اسی طرح اس کے اموال کی حفاظت کی جائے اس کی عزت نفس اور اس کے احساسات کا لحاظ رکھا جائے۔ اس کی آزادی رائے کی تربیت کی جائے۔ وہ اموال کے صرف کرنے میں آزاد ہو۔ اس کو مذہبی اور سیاسی آزادی حاصل ہو۔ اور اس کو ایسے احکام کا پابند بنایا جائے۔ جو اس کے لئے بوجھ بن جائیں اور وہ نشاط سے اور خوشدلی سے ان احکامات کی پابندی نہ کرسکے۔

قرآن کریم ان امور میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس میں لکھا ہے :۔

ولقد کرّمنا بنی آدم ۔ ہم نے بنی آدم کی تکریم کی ہے۔ یعنی ہم چاہتے ہیں کہ انسان کی تکریم کی جائے۔

لا اکراہ فی الدین ۔ کسی انسان کو مذہبی اصول یا نظریہ کا زبردستی پابند نہ کیا جائے۔

یعنی اس کی مذہبی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے۔

لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا ۔ جو احکام بھی انسان کو دیئے جائیں وہ انسان کی طاقت کے اندر ہوں۔

اسلام ایسے احکام جاری کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو انسانی فطرت اور انسانی عقل و فہم کے خلاف ہوں۔ اور ایسے احکام بھی تجویز کرنا پسند نہیں کرتا جن کے انسانی قویٰ متحمل نہ ہوں۔ غرض اسلام روحانی اور مذہبی آزادی برقرار رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔

اسلام ان روحانی امور کے علاوہ انسان کو اقتصادی آزادی بھی عطا کرتا ہے۔ ذیل کی آیات اس پر شاہد ہیں :۔

وللرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون

یعنی مردوں کے لئے اس ترکہ میں حصہ ہے جو اس کے والدین یا دوسرے اقرباء بطور وراثت پیچھے چھوڑ جائیں۔

وللنساء نصیب مما ترک الوالدین والاقربون

اور اسی طرح سے اس ورثہ میں عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے جو اس کے والدین یا دوسرے اقرباء پیچھے چھوڑ جائیں۔

اور اسی ضمن میں فرمایا :۔

وللرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن۔

اور مردوں کی ملکیت ہے جو وہ کمالیں۔ اور عورتوں کا حق ہے جو وہ تجارت وغیرہ کے ذریعہ کمالیں۔

اسلام اموال کی ملکیت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے تسلیم کرتا ہے۔ اور حقیقی اخوت اور حقیقی مساوات کے علاوہ حقوق انسانی کے لئے حقیقی عدل وانصاف کا قائم کرنا ضروری قرار دیتا ہے۔ کیونکہ عدل و انصاف ہی حقوق کی حفاظت کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ حقیقی آزادی والے جو اسلام مرد و زن کو عطا کرتا ہے ...... وہ ہر مرد و زن کے لئے ترقی کا وسیع میدان کھول دیتے ہیں۔ اگر انسان کی ان آزادیوں کو چھین لیا جائے تو جذبات صادقہ کا خون ہوکر رہ جائے گا۔ اور انسان کسی اہم امور کے متعلق اپنی قوت متصورہ کو بروئے کار نہ لاسکے گا۔ وہ مسابقت کے لئے کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔ اس کی امنگوں کا خون ہوجاتے گا اور اس کو اپنا مستقبل تنگ و تاریک نظر آئے گا۔ اگر کوئی شخص روپے کمائے اور اپنی مرضی سے غرباء کی پرورش پر یہ روپے صرف کرے تو اس کا دل خوشی سے لبریز ہوجاتا ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص قومی مفاد کے لئے اپنا روپیہ صرف کرے تو وہ دوسروں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتا ہے۔

قوم کے نام حضرت افضل الرسل سید الانام

رسولِ عربی کا پیغام

ماخوذ از خطباتِ نبوی

"تم سب سے اچھی اُمت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ کیونکہ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے، بُرے کاموں سے روکتے اور اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے والے ہو۔ اللہ تعالےٰ نے تمہیں ایک اعلےٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے کہ تم لوگوں کے پیشرو ہو۔ اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔"

مضبوط ترین تقوےٰ کی بات ہے اور بہترین گروہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گروہ ہے اور بہترین طریقہ **محمدؐ** کا طریقہ ہے۔ سب باتوں سے بہتر اللہ کا ذکر ہے۔ اور سب بیانوں سے بہتر **قرآن شریف** ہے۔ بہترین معاملات پختہ کاری اور بدترین معاملات بدعات ہیں۔ بہترین ہدایت انبیاء کی ہدایت ہے اور بہترین موت **شہید** کی موت ہے۔ سخت نابینائی وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہو۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو سود مند ہوں۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے بدترین نابینائی **دل کی تاریکی** ہے۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز تھوڑی ہو مگر کافی ہو، اس زیادہ سے جو غافل کرے بہتر ہے۔ بدترین عذر وہ ہے جو موت سامنے آنے پر کیا جائے۔ بدترین ندامت وہ ہوگی جو قیامت کو دیکھ کر کی جائے گی **بڑا گناہ جھوٹ بولنا** ہے۔ دل کی دولت مندی بہترین دولت ہے۔ اور بہترین زادِ راہ خُدا کا ڈر ہے۔ بڑی حکمت خدا سے ڈرنا ہے۔ نیک وہ ہے جو دوسرے کی حالت سے عبرت حاصل کرے .... تم میں سے ہر ایک چار ہاتھ کی زمین میں جانے والا ہے۔ معاملہ کا انجام دیکھنا چاہیئے اور عمل کا مدار **انجام** پر ہے۔ جھوٹ بڑھنے والی چیز ہے۔ **جو آنے والی چیز ہے وہ قریب ہی سمجھو**۔ مومن کی غیبت چغلی فسق ہے اور مومن کا قتل کفر ہے۔ اور اس کی شکایت کرنا خدا کا گناہ ہے۔ مومن کے مال کی عزت بھی اسی کی جان کی سی ہے۔"

"جھگڑا اور فساد یہ تمام چیزیں کمزوری اور ضعف پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کو وہ پسند نہیں۔ اور ایسے لوگوں کو جو اختلافات کرنے والے ہوں اللہ کی نصرت اور مدد نہیں پہنچتی۔"

"**اے لوگو!** میں خُدا سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور میں تم کو اپنے اعمال میں اس کی فرمانبرداری کی تحریک کرتا ہوں اور خدا سے بہترین فیصلہ کی درخواست کرتا ہوں۔"

"**اے لوگو!** شیطان مایوس ہوگیا کہ اب تمہاری زمین میں اس کی پرستش ہو۔ لیکن وہ اس طرح اپنی اطاعت کی خواہش کرے گا کہ تم لوگ اپنے چھوٹے اعمال کی پرواہ نہ کرو یعنی تم اس کے حملوں اپنے دین میں ڈرتے رہو۔"

"**اے لوگو!** مومن باہم بھائی بھائی ہیں کسی شخص کو اپنے بھائی کا مال حلال نہیں مگر اجازت سے۔"

"خبردار میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ میں نے تم میں **ایسی کتاب** چھوڑی ہے کہ اگر اس کو مضبوط کر کے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ اور وہ تمہارے ربّ کی کتاب ہے۔"

"اے لوگو! قیامت کے لئے کچھ ذخیرہ آگے بھیجو۔ یقیناً سمجھ لو۔ اللہ کی قسم ہر ایک تم میں سے مرنے والا ہے۔ پھر تم دُنیا کو اس طرح چھوڑ دو گے جس طرح بکریوں کا ریوڑ جس کا کوئی چرواہا نہیں پھر تمہارا خدا تم سے فرمائے گا اور اس کا کوئی ترجمان اور حاجب نہیں ہوگا یعنی رُو در رُو فرمائے گا کہ میرا رسول تمہارے پاس نہیں آیا تھا کہ تم کو میرے احکام پہنچاتا۔ میں نے تم کو مال دیا اور تم پر فضل کیا۔ تو نے پہلے آگے کیا بھیجا۔ تب آدمی اپنے دائیں بائیں دیکھے گا اور اس کو کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھر سامنے دیکھے گا تو اُدھر بجز جہنم کچھ دکھائی نہ دے گا۔ جہاں تک ہو سکے تم اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا خیرات کرنے کے ساتھ۔ اور جس کے پاس یہ بھی نہ ہو تو وہ نیک بات ہی دوسروں کو کہے کیونکہ اس کا بدلہ **دس گنا سے سات سو گنا** تک ملنے والا ہے۔ تم پر سلامتی اور رحمت اور خدا کی برکت ہو۔"

"میں تم کو تقوے کی وصیت کرتا ہوں۔ تم ڈر جاؤ۔ خدا سے ڈرنے کی بہترین نصیحت ہے جو ایک مسلم دوسرے مسلم کو کر سکتا ہے اور اس کو آخرت کی طرف متوجہ کرتا اور اس کو خدا سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہے تم اسی قدر خدا سے ڈرو، جس قدر خود اس نے قرآن شریف میں تم کو ڈرایا ہے۔ اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں اور اس سے بہتر کوئی ذکر نہیں۔ خدا ترسی کا دین حق بجالاتا ہے جو ہیبت اور خوف پروردگار سے نیکی کرنے اور آخرت کے لئے سچا معاون ہے۔

اور جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان حقوق میں ظاہر و باطن میں اصلاح کرے اور اس کی نیت میں اس سے بجز رضائے خدا کے اور کچھ نہ ہو۔ تو دُنیا میں نیک نام ہوگا۔ اور مرنے کے بعد جبکہ آدمی اعمال خیر کا محتاج ہوگا زاد و ذخیرہ ہوکر اسکو ملیگا۔"

"اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ آسمان اور زمین کی بادشاہت اسی اللہ کے لئے ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان رکھتا ہے۔ اور دیکھو اس کی پیروی کرنے سے تم ہدایت پا سکتے ہو۔"

"جو ایمان لاتے اور ہجرت کرتے ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اور وہی بامراد ہوں گے۔"

"سن لو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم کماتے ہو۔ اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے بنگلے اور کوٹھیاں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ (نافرمان) فرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

"آؤ میں تمہیں اس سے آگاہ کردوں جو تمہارے ربّ نے حرام کیا ہے۔ تم پر واجب ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے زندہ قتل نہ کرو۔ آخر تمہیں اور انہیں رزق دینے والا تو ربّ العالمین ہی ہے۔ تم اپنی اولاد کی عمدہ تربیت کرو۔ بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ۔ جو ان میں ظاہر ہوں اور چھپی ہوئی ہوں۔ اور اس جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہ کرو مگر حق پر۔ تمہیں ان باتوں کا حکم دیا جاتا ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریق سے جو اچھا ہو۔ اور اس کے لئے بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی تک پہنچ جائے۔ ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ اللہ کسی کو مکلف نہیں کرتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ مگر جب تم بات کہو تو عدل کرو اگر قریبی کا معاملہ ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جس کا وہ تم کو حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت اختیار کرنے والے ہو۔ یہ میرا راستہ سیدھا راستہ ہے جو تمہیں فلاح اور کامیابی سے

دیکھ کر جس کو ہُوا تھا ماہِ کامل سینہ چاک

تضمین بر نعت رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ——— از حضرت مسیحِ موعود

منزلوں تک جس نے دکھلائی صراطِ مستقیم ۞ بے کس و بے بس نظر آتا تھا وہ دُرِّ یتیم
جھولیاں بھر کر لُٹائے جس نے الطافِ عمیم ۞ "شانِ احمدؐ را کہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم"

راہ میں کانٹے بچھاتے تھے وہ اس کی کم سواد ۞ کچھ سمجھ پائے نہ اسکو بد سرشت و بد نہاد
اس کا یہ عالم کہ نقدِ جاں بھی پیشِ برق و باد ۞ "زاں نمط شد محوِ دلبر کز کمالِ اتحاد
پیکرِ او شد سراسر صُورتِ ربِّ رحیم"

دیکھ کر جسکو ہُوا تھا ماہِ کامل سینہ چاک ۞ سُرمۂ چشمِ بصیرت ہے جو اسکے در کی خاک
"بُوئے محبُوبِ حقیقی میدمد زاں رُوئے پاک ۞ اُس رُخِ روشن کو ہرگز چشمِ بدبیں سے نہ تاک
ذاتِ حقّانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم"

رزم ہے سر بہ گریباں اے زہے جاہ و جلال ۞ بزمِ خوباں محوِ حیرت، اے ترے حُسن و جمال
"گرچہ منسُوبم کند کس سُوئے الحاد و ضلال ۞ ہے زمیں رشکِ جناں، دیکھو تو معراجِ کمال
چوں دلِ احمدؐ نمے بینم دگر عرشِ عظیم"۔

اور ہر اک دَور میں کھُلتے رہے اسرارِ پاک ۞ مخزنِ علم و فراست، روکشِ دادارِ پاک
"از عنایاتِ خدا و ز فضلِ آں دادارِ پاک ۞ سُنیئے اب اِس دَور کے محسنؐ کی بھی گفتارِ پاک
دُشمنِ فرعونیانم بہرِ عشقِ آں کلیم"۔

دینِ فطرت کی یہ حالت، الحفیظ والاماں! ۞ رُوح کو چھوڑے ہُوئے ہیں، کھینچتے ہیں جسم و جاں
"آں مقام و رُتبتِ خاصش کہ بر من شُد عیاں ۞ اور دیں کے نام پر اُونچی ہے مُلّا کی دوکاں
گُفتمے گر دیدمے طبعے دریں راہے سلیم"۔

نیز عمرم ہر زماں صد سال دامانے کشد ۞ گر خدائے لم یزل صد بار ایں جانے دہد
"در رہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رود ۞ جُز صدائے بر تہ تیزرد، تا بہ آغوشِ لحد
ایں تمنّا، ایں دُعا، ایں در دلم عزمِ صمیم"۔

مَجَالسِ مَولُود

[حض]رت نبی کریم صَلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذکر کے وقت رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے

{ از حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ }

میرا اس میں یہ مذہب ہے کہ مصالح اعلائے کلمۂ اسلام و تذکرہ
[.]ی کی نیت سے کوئی ایسا جلسہ کیا جائے کہ جس میں سوانح مقدسہ
[.]کا ذکر ہو اور نہایت خوبی اور صحت و بلاغت سے اس تقریر
[..]یا جائے۔ کہ کیونکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تاریکی کے زمانہ
[.]پیدا ہوئے۔ اور کس طرح پر بے سامانی کی حالت میں تمام
[..]ں کے جور و جفا اُٹھا کر بفضلہ تعالےٰ کامیاب ہو گئے۔ اور
[.]ی طرح خدا تعالےٰ نے اپنے اس مقدّس بندہ کی وقتاً فوقتاً
[.]ئیدیں کیں۔ اور آخر کس طور سے اس دین کو مشارق و مغارب میں
[.]پھیلا دیا۔ اور اس تقریر میں ہر ایک محل میں کچھ نظم بھی ہو۔ اور پُر درد
[.]موثر بیان بھی ہو اور درمیان میں کثرت درود شریف
[.]سامعین کی طرف سے ہو اور کوئی علت اور بدعت درمیان
[.]ہ تو ایسا جلسہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ میری نظر میں
[..]بب ثواب عظیم ہے۔ کیونکہ اس میں نیت کی گئی ہے کہ
[.]ا سوانح مقدسہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تازہ طور پر
[..]ں کو سُنائے جائیں۔ اور مشتاقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم
[.]محبت بڑھا دی جائے۔ اور لوگوں کو عشقِ رسُول صلی اللہ علیہ
[.]م کے لئے حرکت دی جائے اور ناواقفوں پر عظمت اس
[..]مان کامل اور مرد فانی فی اللہ کی کھول دی جائے جس نے
[.]میں تنہا آکر اور تمام دنیا کو شرک اور غفلت میں گرفتار پاکر
[.]ی پائے مردی سے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہر ایک قوم میں توحید
[.]صدا بلند کی اور ہر ایک کان میں لا الٰہ الا اللہ
[.]آواز پہنچائی۔

غرض سوانح نبویہ کی خوش آوازی سے
[..]گوں پر ظاہر کرنا حقیقی مومنوں کا فرض ہے
[.]ہ مومن ہی کا ہے کا جس میں سوانح نبویہ کی عزت
نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسی جلسۂ اظہار سوانح نبویہ کا نام
مجلسِ مولُود ہے۔ اس جلسہ اظہار سوانح میں
درحقیقت بڑے فوائد ہیں۔

ہر ایک مرد طالب جب ان سوانح کے ذریعہ سے
ہمت اور صدق اور استقامت کے کام سُنے گا تو اس کا بھی
ہمت اور صدق اور استقامت کی طرف شوق بڑھے گا۔
اور اس کی طلب زیادہ ہوگی۔ اور مسلمان کہلا کر جو کچھ
دین کی راہ میں کسل اور ضعف اور بزدلی رکھتا ہے، سوانح
نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام سن کر خوش ہوگا۔
اور اپنے اسلام پر افسوس ظاہر کرے گا۔ اور خدا تعالےٰ
سے چاہے گا۔ کہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقتداء
کا اس کو دعوےٰ ہے اس کی سرگرمی اور عشق اور اس
کی ہمدردی اس کو بھی نصیب ہو۔ اور حدیث صحیح میں ہے:۔

عند ذکر الصالحین تنزل الرّحمۃ

یعنی ذکرِ صالحین کے وقت رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذکر کے وقت اللہ کی رحمت
کس قدر نازل ہوگی۔

ہاں اس جلسہ کو بدعات سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ کہ
بجائے ثواب کے گناہ پیدا نہ ہو۔ **صرف سوانح نبویہ
کا ذکر ہو۔ اور درود شریف اور تسبیح ہو۔ اگر**
کسی قسم کا شرک یا بدعت درمیان ہو تو یہ ہرگز جائز
نہیں۔ لیکن جو میں نے ذکر کیا ہے وہ نہ صرف جائز
بلکہ میری سمجھ میں ضروریات میں سے ہے۔"

(الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۴ء)

فِی مَدحِ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

مِنْ مجدّدِ زمان حضرت مِرزا غلام احمد قادیانی علیہِ السّلام

کالم اول میں حضرت مجدد زمان کی نعت عربی زبان میں ہے اور دوسرے کالم میں ہمارے ایک دوست کی طرف سے اس نعت کا اردو ترجمہ اشعار میں کیا گیا تھا۔

یَا قَلْبِیْ اُذْکُرْ اَحْمَدَا
عَیْنُ الْھُدیٰ مُفْنِی الْعِدَا
بَرًّا کَرِیْمًا مُحْسِنًا
بَحْرُ الْعَطَایَا وَالْجِدَا
بَدْرٌ مُنِیْرٌ زَاھِرٌ
فِیْ کُلِّ وَصْفٍ حُمِّدَا
اِحْسَانُہٗ یُصْبِی الْقُلُو
بَ وَحُسْنُہٗ یُرْوِی الصَّدَا
اَلظَّالِمُوْنَ بِظُلْمِھِمْ
قَدْ کَذَّبُوْہُ تَمَرُّدَا
وَالْحَقُّ لَا یَسَعُ الْوَریٰ
اِنْکَارُہٗ لَمَّا بَدَا
اُطْلُبْ نَظِیْرَ کَمَالِہٖ
فَسَتَنْدَمَنَّ مُکَدَّدَا
مَا اِنْ رَاَیْنَا مِثْلَہٗ
لِلنَّائِمِیْنَ مُسَھِّدَا
نُوْرٌ مِّنَ اللّٰہِ الَّذِیْ
اَحْیَ الْعُلُوْمَ تَجَدُّدَا
اَلْمُصْطَفٰی وَالْمُجْتَبٰی
وَالْمُقْتَدیٰ وَالْمُجْتَدیٰ
جُمِعَتْ مَرَابِیْعُ الْھُدیٰ
فِیْ وَبْلِہٖ حَتْنَ النَّدیٰ

اے مرے دل! ذکرِ احمدؐ کر زباں سے بار بار
وہ ہدایت کا ہے چشمہ دشمن اس کے سوگوار
وہ سراپا مہرباں۔ محسن۔ کرم گستر ہے دیکھ!
جود و بخشش کا وہی ہے بحرِ ناپید اکنار
چودھویں کا چاند ہے معمور ہے انوار سے
ذات سے اس کی ہے ہر وصفِ معلّیٰ آشکار
اس کے احساں کی طرف مائل ہیں انسانی قلوب
حُسن اس کا تشنگی کے واسطے جامِ بہار
ظالموں نے ظلم ڈھائے اس کو جھٹلاتے رہے
اس کے ہر حسنِ عمل پر سرکشی کی اختیار
حق ہو جب ظاہر تو پھر کوئی چھپا سکتا نہیں
اس کی دِل افروزیوں کی بو شگفتہ ہے بہار
ڈھونڈ دیکھو! تم نہ پاؤ گے کہیں اس کی نظیر
اپنی سرگردانیوں پر ہوگے آخر شرمسار
ایسا انساں ہم نے تو ہرگز کہیں دیکھا نہیں
یوں جو سوتوں کو جگائے خواب سے مردانہ وار
وہ سراسر نور ہے اللہ کا بھیجا ہوا
اس نے ہر اک علم کو بخشا لباسِ نو بہار
برگزیدہ مصطفیٰ ہے برگزیدہ مجتبیٰ
پیشرو جس کی عطا کا ہر جہاں ہے زلہ خوار
ہے یہی ہادی کہ جس کی بارشِ اخلاق سے
ہیں ہدایت اور سخا آپس میں ہردم ہم کنار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

● مَیں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

فون: ۵۳۷۳۷

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور پاکستان

مدیر اعزازی خلیل الرحمٰن

نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

● رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
● تار کا پتہ
● تبلیغ لاہور

● سالانہ چندہ
● پاک و ہندسے: پندرہ روپے
● بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ | یوم چہار شنبہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۷۹ء | نمبر ۷

ملفوظات حضرت مجدّد زمان مسیح موعود علیہ السلام

جماعت کے قیام کی غرض و غایت

"چند دن سے ایک خیال میرے دل میں اس زور کے ساتھ پیدا ہوا ہے کہ اس نے دوسری باتوں سے مجھے بالکل محو کر دیا ہے...... ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے وہی خیال میرے سامنے رہتا ہے۔ مَیں باہر لوگوں میں بیٹھا ہُوا ہوتا ہُوں اور کوئی شخص مجھ سے بات کرتا ہے تو اس وقت بھی میرے دماغ میں وہی خیال چکر لگا رہا ہوتا ہے وہ شخص سمجھتا ہوگا کہ میں اس کی بات سن رہا ہُوں مگر مَیں اپنے خیال میں محو ہوتا ہُوں۔ جب میں گھر جاتا ہُوں تو وہاں بھی وہی خیال میرے ساتھ ہوتا ہے غرض ان دنوں میں یہ خیال اس زور کے ساتھ میرے دماغ میں غلبہ پائے ہوئے ہے کہ کسی اور خیال کی گنجائش نہیں رہی۔ وہ خیال کیا ہے وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح اور تقوے کے راستہ پر چلے اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دُنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشا پورا ہو۔ اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پا لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ اگر ہماری بعثت کی غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔ مگر مَیں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل اور براہین کی فتح کے نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے۔ لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے۔ اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔

پس یہ خیال ہے جو مجھے آج کل کھائے جا رہا ہے یہ اس قدر غالب آ رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔"

حضرت مسیح موعودؑ کے بعد مجدّد کی ضرورت

سوال:۔ کیا آپ کے بعد بھی مجدّد آئے گا؟

جواب:۔ اس میں کیا حرج ہے کہ میرے بعد بھی کوئی مجدّد آ جائے .... آنحضرت صلعم کا سلسلہ قیامت تک ہے۔ اس لئے قیامت تک مجدّدین آتے رہیں گے ...... ہم ہرگز اس سے انکار نہیں کرتے۔

(فتاوی احمدیہ جلد دوم ص۱۲)

مکرم جناب مولانا بشیر احمد منٹو صاحب راولپنڈی

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ

التعظیم لامر اللہ والشفقت علیٰ خلق اللہ

قرآن حکیم نے خداپرستی کی بنیاد اس جذبہ پر رکھی ہے کہ انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے اور انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ صفاتِ الٰہی سے تخلّق و تشبہ پیدا ہو جائے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کریم اوّل سے لے کر آخر تک اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمتِ الٰہی کا پیام ہے۔ پیغمبر اسلام نے اپنے قول و عمل سے اسلام کی جو حقیقت ہمیں بتلائی ہے وہ تمام تر یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہماری عبادات کے لائق ہے اور اس کی رحمت مقتضی ہے کہ اس کے بندوں پر رحمت و شفقت کی جائے، اتنا ہی نہیں بلکہ اسلام نے انسانی رحمت و شفقت کی جو ذہنیت پیدا کرنی چاہی ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ بے زبان جانور بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔

جہاں تک احکام و شرائع کا تعلق ہے بلاشبہ اس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی، مجاز ہوتا۔ لیکن اس نے کہا کہ دشمنوں کو بھی بخش دو۔ اور جو دشمن کو بخش دینا سیکھ لے گا اس کا دل خود بخود انسانی بغض و نفرت کی آلودگیوں سے پاک ہو جائے گا۔

مسیحی اخلاقی تعلیم کا سب سے ذرّین اصول یہی ہے کہ "دشمنوں کو پیار کرو" اس میں شک نہیں کہ اس کی ظاہری چمک ایسی ہے کہ ظاہر بینوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ لیکن سوچنے سمجھنے والوں پر یہ حقیقت جلد واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تعلیم فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ یہی سبب ہے کہ خود انجیل کے مفسّرین نے اس حکم کو ناممکن العمل بتلایا ہے۔

ایک مسلمان کبھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم فطرتِ انسانی کے خلاف تھی، ایسا اعتقاد نہ صرف قرآن کی روح کے خلاف ہوگا بلکہ اس کی دعوت کی اصلی بنیاد ہی متزلزل ہو جائے گی، اس کی دعوت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرتا ہے، اور سب کو خدا کی ایک ہی سچائی کا پیامبر قرار دیتا ہے۔

انجیل کے مواعظ میں جابجا اس قسم کے خطابات پائے جاتے ہیں کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو۔ اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جاوے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا، اگر تیرا داہنا ہاتھ تیرے لئے ٹھوکر کھانے کا باعث ہو تو اس کو کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینک دے۔

یہ باتیں اگر واقعی حضرت مسیح علیہ السلام نے کہی ہیں تو یقیناً یہ تشریع نہ تھی بلکہ اخلاقی فضائل و ایثار کا ایک مؤثر پیرایہ میں بیان تھا۔

اسلام نے ہمیں جو تعلیم دی ہے وہ ایسی ہے کہ ہر خوش نصیب سے عمل ممکن ہے اور اللہ کے نیک بندے ہمیشہ اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ہمیں ہر حالت میں سچ بولنے کی تاکید کی گئی ہے۔ عزیزوں کا پیار، مقتدر لوگوں کا خوف اور دشمنوں کی دشمنی بھی ہمیں سچی گواہی دینے سے باز نہ رکھ سکے۔ بھلائی اور برائی برابر نہیں۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو، اگر شیطان تمہیں اکسائے کہ دشمن سے برائی کرو تو خدا تعالیٰ کی پناہ مانگو کہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور دوست تو دوست دشمن بھی اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضورؐ نے فاتح بن کر مفتوح ہو کر نہیں، حاکم ہو کر محکوم بن کر نہیں، مکّہ کے ان ہزاروں دشمنوں کو معاف کر دیا، جن میں سے ہر ایک آپؐ کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا۔ فتح مکّہ کے موقع پر حضرت عباسؓ نے ابو سفیانؓ کو بارگاہِ رسالت میں پیش کیا اور جان بخشی کی درخواست کی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال۔ آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ مگر ان سب سے بالاتر عفو نبوی تھی جس ابو سفیانؓ بھی بخوبی آشنا تھا اور وہی ہوا جس کا وہ متمنی تھا کہ اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔

اس کی بیوی ہندہ بھی عفو نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہ رہی حالانکہ اس نے آنحضرتؐ کے چچا حمزہؓ کا سینہ چاک کر کے ان کا جگر نکال کر چبا لیا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف تشریف لے گئے اور وہاں دعوتِ اسلام فرمائی تو شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہو گیا، جب آپؐ ادھر سے گزرے تو آپؐ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپؐ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر آپؐ کو کھڑا کر دیتے۔ جب آپؐ پھر چلنے لگتے تو پھر پتھر برسانے لگتے ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے، ان کے لئے بھی دعائے خیر کی گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے حق میں بد دعا کرنے والوں کو کہا کہ میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں آیا بلکہ رحمت کے آیا ہوں۔

اسلام کے نزدیک اگر کسی شخص نے ایک انسان کو بھی قتل کر دیا سوائے اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچا لی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔

قرآن حکیم جہاں کہیں برائیوں کے انسداد کیلئے کسی سخت طرزِ عمل کا حکم دیتا ہے، مثلاً جنگ کا، قصاص کا، مجرموں کے سزا دینے کا، طلاق کا، تو اس کے بعد ہی خدا سے ڈرتے رہنے اور انصاف سے متجاوز نہ ہونے پر خصوصیت سے زور دینے لگتا ہے تاکہ سختی میں آ کر لوگ ظلم و زیادتی نہ کر سکیں۔

اسلام نے جنگ کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ مسلمان دوسروں پر چڑھ دوڑیں، بلکہ اس لئے کہ مظلوموں اور بیکسوں کی حمایت کریں اور انہیں ظالموں کے پنجے سے نجات دلائیں۔ اسی لئے وہ بار بار کہتا ہے "اللہ کی راہ میں لڑو"۔ یعنی اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے عدل و انصاف کے قیام کے لئے لڑو۔

دنیا کا رحم دل سے رحم دل شخص بھی ان اصولوں کے لئے لڑائی کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور معمولی سمجھ کا انسان بھی ایسی لڑائی کو سراپا رحمت کہنے میں ذرا تامل نہیں کر سکتا۔

اخبارِ احمدیہ

مؤرخہ یکم فروری ۱۹۷۹ء - انڈونیشیا سے تحصیل علم دین کے لئے آئے ہوئے دو طالب علموں جناب سکندر اور سردیمن کے اعزاز میں مرکز کی جانب سے دارالسلام میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ مرکز میں دو سال پیشتر یہ دونوں طالب علم تشریف لائے تھے۔ اور ۳ فروری ۱۹۷۹ء کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد وطن واپس چلے گئے۔ تقریب میں جنرل سکرٹری جناب مرزا مسعود بیگ صاحب علالت کے باوجود شریک ہوئے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں دونوں طالب علموں کی محنت و ذہانت کے مختصر سے تعارف کے بعد انڈونیشیا میں جماعت کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ اس تقریب میں دونوں طالب علموں جناب سردیمن اور سکندر نے بھی خطاب کیا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اختتامی دعا فرمائی۔ (مفصل آئندہ)

درخواستِ دعا سکھیکی منڈی سے جناب حنیف قریشی صاحب برائے ایصال ثواب اپنے والد منشی محمد لطیف مرحوم خزانہ انجمن میں بغرض اشاعت اسلام بھجواتے ہیں۔ جزاہم اللہ۔ وہ خود بھی ضعفِ بصارت میں مبتلا ہیں اور احباب سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

از محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن حال مقیم لاہور

"دُعائے مسیحا"

"دُعائے مسیحا" میں ایک غمزدہ بہن نے اپنے پیارے بھائی کے داغِ مفارقت میں وہ تاثرات بیان کئے ہیں جو مرحوم کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے آئینہ دار ہیں اور مضمون کے ہر لفظ سے آنسو بن کر ٹپک رہے ہیں۔ ادارہ ان کے اس غم میں شریک ہو کر اسے اداریہ کی جگہ شائع کر رہا ہے۔

(ادارہ)

میرے بھائی ممتاز احمد فاروقی ۲۳ ستمبر ۱۸۹۹ء بمقام امرتسر پیدا ہوئے۔ دنیاوی نقطۂ نظر سے ان کے ددھیال اور ننھیال دونوں خاندان شریف متوسط الحال نیز تعلیمیافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ابا جان حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب میڈیکل کالج کے آخری سال میں تھے۔ اور میرے نانا صفدر جنگ صاحب اسی زمانہ میں امرتسر کے کوتوال شہر تھے۔

انگریزی حکومت کے اس دور میں ایک ہندوستانی مسلمان کے لئے یہ بہت اہم عہدہ تھا۔ اور چونکہ میرے والدین کی پہلی اولاد بیٹی میری سب سے بڑی ہمشیرہ مہرالنساء بیگم (جو بعد میں حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی رفیقِ حیات بنیں) تھیں، اس لئے بیٹے کی پیدائش پر بہت خوشی منائی گئی۔ اس لئے بھی کہ ابا جان اپنے والدین کے اکلوتی اولاد تھے۔ اور ان کے دادا جان جو اس وقت بقیدِ حیات تھے انہوں نے اپنے خاندان کا چشم و چراغ سمجھ کر اس بچے کو اپنے سینے سے لگایا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔

لیکن یہ منشائے خداوندی ابھی مستقبل کے پردے میں نہاں تھا کہ اس بچے کی ہستی بہت جلد اس مشعلِ راہ کا کام دے گی جو اس کے والد اور ان کے ذریعہ سارے خاندان کو چودھویں صدی کے اس عظیم الشان مجدد کے دروازے پر پہنچائے گی۔ جس کے وقت اور دور کو پانے کے لئے بڑے بڑے بزرگانِ دین تمنا کرتے تھے اسی مناسبت سے میں نے اس مضمون کا عنوان **دُعائے مسیحا** چنا ہے۔ اور یہاں مختصراً اس واقعہ کا ذکر کرتی ہوں۔

بھائی جان کی عمر اس وقت دو سال کی تھی اور اماں جان مرحومہ اپنے دونوں بچوں کو لے کر نانا جان کے ہاں امرتسر میں مقیم تھیں۔ بھائی جان کو ٹائیفائڈ کا بہت سخت حملہ ہوا۔ اس میعادی بخار کی کم از کم ۲۱ دن میعاد ہوتی ہے۔ ایک تو ننھا سا بچہ۔ پھر مہلک میعادی بخار۔ ساتھ دماغی بے ہوشی۔ گو امرتسر کے سب سے قابل ڈاکٹر معالج تھے۔ مگر گیارہویں دن حالت بہت نازک ہو گئی اور جانبر ہونے کی اُمید نہ رہی۔

ابا جان پلیگ ڈیوٹی سے رخصت لے کر آئے ہوئے تھے۔ اس قدر دل گرفتہ ہوئے کہ واپس ڈیوٹی پر جانے سے انکار کر دیا۔ حسنِ اتفاق کہ اُنہی دنوں اماں جان نے حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب برکات الدعا پڑھی تھی۔ جس میں حضرت مسیح موعود نے قبولیت دُعا کے متعلق بہت یقین اور زور سے لکھا تھا۔ انہوں نے ابا جان کو مشورہ دیا کہ آپ ستگرھ ڈیوٹی پر جاتے ہوئے قادیان ہو کر جائیں اور حضرت صاحب سے بچے کے لئے دُعا کروائیں۔

ابا جان بچپن سے مذہب کے شیدائی تھے۔ مگر اس زمانہ کے مذہبی اُلجھاؤ میں گم اُسلام کے سیدھے اور صاف راستے کو مختلف فرقوں اور جماعتوں میں ڈھونڈنے کے باوجود ناکامی کے چوراہے پر کھڑے تھے۔ حضرت صاحب کی براہین احمدیہ پڑھ چکے تھے اور گو ان کے دعوے اور تقاریر سے متاثر تھے مگر ان کے لئے اس در پر پہنچنے کی سعادت یوں مقدر تھی۔ چنانچہ آپ قادیان پہنچے اور چودھویں صدی کے مجدد اور مسیح موعود کی زیارت ہونے پر آپ کی سعید اور متلاشیٔ حق روح ایسی سرشار ہوئی کہ بچہ کی نازک حالت وقتی طور پر بھول گئی۔ سب سے پہلے حضرت صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور جب اس مسیحا کی سادہ اور دلنشین باتوں سے ان کے قلب کے زخم مندمل ہو گئے۔ تو اُٹھتے ہوئے بچہ کی یاد آئی۔ اور دُعا کے لئے عرض کی۔ حضرت صاحب نے اُسی وقت ہاتھ اُٹھائے اور دیر تک محوِ دُعا رہے۔ عین اس وقت جب قادیان میں مسیحائے زمانہ اللہ کے حضور دست بدعا تھا۔ امرتسر میں اماں جان نے بچہ کا ٹمپریچر لیا تو وہ نارمل۔ انہوں نے گھبرا کر نانا جان کو جگایا۔ ٹمپریچر دوبارہ لینے پر بھی نارمل نکلا۔ تو ڈاکٹر کو بلوایا۔ وہ دوڑا آیا کہ دیوانے ہو گئے ہو کبھی یوں بھی یہ بخار اُترا ہے۔ جب خود اس نے بھی نارمل پایا۔ تو حیران پایا کہ یہ تو کوئی **اعجازِ مسیحائی** ہے اور کچھ نہیں۔

یہ ابتدا تھی آہستہ آہستہ خاندان کے سلسلۂ احمدیت میں شامل ہونے کی۔ اور اس طرح اس بچہ کے احمدیت کی گود اور صحیح راستہ پر گامزن ایک اسلامی گھر میں پرورش پانے کی۔ وہ وقت گذرنے لگا۔

بھائی جان کے لڑکپن میں ان کو حضرت صاحب کے اصحاب میں سے ایک بزرگ، خدا رسیدہ۔ صاحبِ الہام ہستی کی معیت نصیب ہوئی۔ وہ تھے حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور۔ پنڈی گھیپ میں ابا جان اور شاہ صاحب دونوں اکٹھے ہوئے۔ اور پھر خدائی رشتہ میں ایسے بندھے کہ دونوں کے دمِ آخر تک یہ رشتہ نہ ٹوٹا۔ اور شاہ صاحب کا مبارک وجود ہمارے خاندان کے بزرگوں میں شامل ہو گیا۔

پنڈی گھیپ میں بھائی جان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی۔ اور اسکول کی ابتدائی پڑھائی تھی۔ ہسپتال میں گھر کے سامنے ایک چبوترہ تھا جو مسجد کا کام دیتا تھا۔ اور ابا جان اور شاہ صاحب کی صبح و شام وہاں نمازوں اور ذکرِ خدا میں گذرتے تھے۔

ایک روز گرمی کے دنوں میں سحر کے وقت شاہ صاحب کی اذان کی آواز کھلے صحن میں سوتے ہوئے بچے کے کانوں میں پہنچی۔ بچپن کی گہری نیند۔ مگر **اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ** میں ایسا اثر تھا کہ یہ بچہ فوراً اُٹھا اور جھٹ پٹ وضو کر کے بھاگم بھاگ چبوترے کی طرف لپکا۔ شاہ صاحب سُنتیں پڑھ کر ابا جان کے منتظر تھے۔ اس بچے کا شوق اور سعی اثر کر گئی۔ ان کے لئے دُعا دِل سے نکلی۔ تو آواز آئی کہ **اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** ترجمہ: (یہی لوگ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی وہ ہیں جو فلاح پا گئے) (سورۃ بقرہ)

ابتدائی تعلیم کے بعد ابا جان نے بھائی جان کو قادیان تعلیم الاسلام سکول میں بھیج دیا۔ وہاں علاوہ دینی و دُنیاوی تعلیم کے آپ کو حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور دیگر نونہالانِ قوم کا ساتھ ملا۔ ابا جان سرکاری نوکری کی وجہ سے ایسے دُور دراز شہروں میں قیام رہتا تھا۔ جہاں تعلیم کا معقول انتظام نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد انہوں نے بھائی جان کو اسلامیہ کالج لاہور میں داخل کر دیا۔ یہ کالج احمدیہ بلڈنگس کے عین سامنے سڑک کے پار تھا۔ اور یہاں دنیاوی تعلیم کے ساتھ آپ کو اپنے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور مذہبی تعلیم و معلومات حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس اثنا میں ایک بار حضرت شاہ صاحب نے آپ کے مستقبل کے لئے بہت توجہ سے دُعا کی تو ان کو الہام ہوا کہ **"اسسٹنٹ انجنیئر"** ہو گا۔ اس زمانہ میں گو ابا جان ایک سرکاری عہدہ پر فائز تھے اور تنخواہ بھی معقول تھی۔ لیکن اپنے آٹھ بچوں کے علاوہ آپ پر خاندان کے اکیلے مرد ممبر ہونے کی وجہ سے تمام کنبہ کے افراد کا بوجھ تھا۔ جن میں زیادہ تعداد بیواؤں اور یتیم بچوں کی تھی۔ بات میں بات کرتی ہوں کہ مجھے یاد نہیں کہ کم سنی سے لے کر ہوش سنبھالنے تک کبھی صرف ہم بچے ابا جان اماں جان کے ساتھ رہے ہوں۔ ہمیشہ اپنے ہم عمر یتیم بچے بچیوں کا بہن بھائیوں کی طرح ساتھ رہا۔ تو بظاہر کوئی سامان ایسا نظر نہ آتا تھا کہ کالج کے بعد ابا جان اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیج سکتے۔

مگر مشیّتِ ایزدی تو سامان کر رہی تھی۔ بی۔ اے۔ کرنے کے بعد کملیفورنیا

(امریکہ) کی ایک انجمن ترقیٔ تعلیم مسلمانان نے چند وظائف مسلم طالب علموں کے لئے مقرر کئے اور ان کے انتخاب میں بھائی جان بھی آ گئے۔ اور اس طرح سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ الیکٹریکل انجینئرنگ کرتے امریکہ روانہ ہو گئے۔ امریکہ یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دو سال کے لئے آپ نے وہیں کام کیا۔ اور پھر سات سال کے بعد وطن واپس آ گئے۔

ابتداء میں این۔ ڈبلیو۔ آر میں آپ کی تعیناتی متعلقہ لاہور میں ہوئی۔ اور اسی سال آپ کی شادی بھی ڈاکٹر محمد جان صاحب مرحوم (امرتسری) کی صاحبزادی ممتاز جہاں بیگم مرحومہ سے ہو گئی اور ان کی ازدواجی زندگی کا دور آخر تک بہت خوشی اور اتفاق کا رہا۔

خدا نے ایک سال بعد ایک بیٹا عطا فرمایا اور کچھ عرصہ بعد دوسرا فرزند عنایت فرمایا۔ اس اثناء میں بھائی جان کی تعیناتی ایسٹرن بنگال ریلوے میں بطور اسسٹنٹ سگنل انجینئر ہو گئی اور مع فیملی وہ کلکتہ اور بنگال کے مختلف شہروں میں رہے۔

باوجود وطن سے دوری کے ان کی احمدیت اور سلسلہ سے دلچسپی ہمیشہ قائم رہی۔ ماہوار چندہ باقاعدہ دیتے رہے۔ دوسری تحریکوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ عموماً اپنی لمبی رخصت ماہ دسمبر میں لیتے تھے تاکہ جلسہ سالانہ میں شرکت کر سکیں۔ "پیغام صلح" اور "لائٹ" کا بغور مطالعہ کرتے تھے۔ دارالکتب اسلامیہ احمدیہ سے شائع ہونے والے لٹریچر کے اولین خریداروں میں سے تھے۔ بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید مع تفسیر گھنٹی میں پڑی تھی اور یہ عادت تمام عمر رہی۔

تاریخ اسلام اور سائنس کی نئی نئی معلومات اور انکشافات سے بھی بہت دلچسپی رہی۔ اور اسی لگاؤ کی وجہ سے آپ کی تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا ۱۹۴۳ء میں آپ کی ترقی اور تبدیلی این۔ ڈبلیو۔ آر میں ہو گئی اور آپ لاہور آ گئے۔ اور پھر یہیں رہے۔ پہلے ریلوے کالونی میوگارڈنز میں اور پھر گلبرگ میں اپنی کوٹھی تعمیر کر کے وہاں چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد ریٹائر ہو کر آپ کی تمام توجہ۔ لگاؤ۔ دلچسپی۔ تفریح۔ انجمن کے کاموں میں اور مذہبی تصنیف و تالیف میں جذب ہو کر رہ گئی۔ امریکہ کے قیام میں ان کو اصلاحی اور تربیتی مضامین لکھنے کا شوق ہوا۔ اور انہوں نے ان دنوں لاہور کے مشہور خواتین کے اخبار تہذیب النسواں میں یہاں کی خواتین کے لئے بہت مفید مضامین لکھے اور ایک کتاب "غذا و صحت" کے نام سے لکھ کر شائع کروائی۔ مگر بعد میں ان کے قلم اور خیالات کی روانی صرف مذہب کے لئے وقف ہو کر رہ گئی۔ اوّل انہوں نے بشارات احمدیہ مرتب کی۔ پھر حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کی زندگی کے حالات جمع کرنے کا خیال آیا۔ اس میں امیر مرحوم کے صاحبزادے عزیزی محمد احمد صاحب نے دل و جان سے ساتھ دیا۔ اور تمام حالات ابتداء سے آخر تک تحقیق اور جمع کرنے کا مشکل کام انجام دیا۔

اس طرح دونوں کی مشترکہ کوششوں سے "مجاہد کبیر" شائع ہوئی۔ جس کا انگریزی ترجمہ بھائی جان نے کیا۔ اور "THE GREATEST MISSIONRY OF ISLAM" کے نام سے شائع ہوا۔ دوسری کتب کسر صلیب (THE CRUMBLING OF THE CROSS) "انیکڈوٹس آف دی لائف آف پرافٹ محمد۔" ANECDOTES OF THE LIFE OF PROPHOT MOHAMMAD- "انیکڈوٹس آف دی لائف آف پرامسڈ میسحا" ANECDOTES OF THE PROMISSED MESSIAH۔ آئی بیسیچ دی او لارڈ I BESEACH THE O LORD جیسی مقبول کتابیں لکھیں۔ اس کے مذہب اور سائنس پر مشتمل بہت سے بہت سے پمفلٹس اور مضامین بھی تحریر کئے۔ ان کا طرز تحریر اور بیان سادہ۔ دلنشیں اور مختصر ہوتا تھا۔ اس لئے موجودہ زمانہ کی تیز رفتاری۔ کمیٔ وقت کی شکایت۔ اور مذہب سے بیگانہ نوجوان نسل کے لئے اس کا پڑھنا سہل ثابت ہوا۔

یہاں ایک واقعہ ایسا بیان کرنا خلاف تحریر نہ ہوگا۔ غالباً سنہ ۱۹۷۶ء میں نیوزی لینڈ کے مشہور مخلص اور مخیر احمدی بزرگ مسٹر عزیز احمد صاحب مرحوم انگلینڈ تشریف لائے جب وہ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے تو میں نے ان کی خدمت میں دی انیکڈوٹس آف دی لائف آف پرافٹ محمد بطور تحفہ پیش کی۔ انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کتاب لے کر اس کو دیکھا بھالا۔ کہیں کہیں سے کھول کر پڑھا۔ اور پھر شکایتی طرز میں فرمایا:۔ کہ

"یہ کتاب کہاں گم رہی جو اب تک میرے علم میں نہیں آئی ہم تو ایسی کتابوں کی تلاش میں ہیں۔"

دوبارہ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے پچاس کتابوں کا آرڈر اسی وقت دیا۔ بھائی جان کا پتہ و نشان لیا۔ اور ان کے اور بھائی جان کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اسی طرح ان کی کتابوں "کسر صلیب" اور "آئی بیسیچ دی او لارڈ" کی چند کاپیاں میں نے زائد منگوائیں تو میرے بیٹے کے نوجوان دوست وہ ہاتھوں ہاتھ مانگ کر لے گئے۔

ان کتابوں کے لکھنے میں بھائی جان کے شوق و شغف کا یہ عالم تھا۔ کہ سنہ ۱۹۷۳ء میں وہ بہت تشویشناک طور پر بیمار ہو گئے۔ علاوہ ذیابیطس اور دل کے مریض ہونے کے ایسی تکلیف ہوئی کہ ہسپتال میں رہنا پڑا اور چند روز موت اور زندگی کی کشمکش میں رہے کہ ڈاکٹروں کو ناامیدی ہو گئی۔ لیکن ڈاکٹروں نے کہا کہ ہمیں یہ حیرت ہے کہ یہ خود زندگی کے لئے اس قدر قوت ارادی سے مقابلہ کر رہے ہیں کہ یہ وجہ ان کے بچ جانے کی ہو سکتی ہے۔

بعد میں بھائی جان نے خود بتایا کہ ان کی ایک کتاب زیر تصنیف تھی اور بیماری اور بے ہوشی میں بھی ان کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی کہ اس کو میں نے ختم کرنا ہے۔

اگست سنہ ۱۹۶۸ء میں ان کی رفیق حیات ممتاز جہاں بیگم کی وفات راولپنڈی میں ہو گئی۔ جہاں وہ اور بھائی جان اپنے صاحبزادوں سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بھائی جان نے لاہور چھوڑ کر مستقل رہائش اپنے بیٹوں کے پاس اسلام آباد میں اختیار کر لی۔ خدا نے ان کو دونوں بیٹے ایسے مؤدب۔ فرمانبردار۔ محبت شعار اور سب سے بڑھ کر باادب۔ خدمت گذار ہیں کہ بیٹیاں ان پر صدقے کی جائیں۔ اس لئے ان کی خانگی زندگی کے آخری دس سال ایسے پرسکون اور بے فکری کے تھے کہ وہ سب دنیا بھول کر دل و جان سے جہاد بالقلم میں مشغول رہے۔

ایک بار حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحب نے بھائی جان کی زندگی کے لئے دعا کی تھی تو ان کو الہام ہوا کہ اسی سال دیئے گئے۔ سن عیسوی یا ہجری کی تفصیل نہ تھی۔ مگر ہجری کے اسی سال گذرنے پر بھائی جان کو یہی خیال تھا عیسوی کا شمار ہے اور اپنی اناسویں سالگرہ کے بعد انہوں نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ اپنے اسلام آباد کے ڈاکٹر کے باوجود اپنے بچوں کو بتائے بغیر جلسہ کے لئے لاہور آ گئے۔ اور یہاں آخری دل کے دورے میں جب ڈاکٹر نے پوچھا کہ آپ اپنے ڈاکٹر کے منع کرنے پر کیسے آ گئے تو جواب دیا کہ مجھے جلسہ پر آنا ہی تھا۔ اس نے کہا کہ جلسہ پر تو آپ آئندہ سال بھی آ سکتے تھے!

اس پر رضائے الٰہی پر سر تسلیم خم کرنے والا یہ مسافر خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر کو کیا پتہ کہ دنیا کے ماہ و سال ختم ہو چکے ہیں۔ دنیا کا پرخار راستہ گذر کر آسمانوں کے دروازے ان کے استقبال کے لئے کھل چکے ہیں۔ اور رحمت و مغفرت خداوندی ان کو اپنے آغوش میں لینے کے لئے منتظر ہے۔

ان کی وصیت تھی کہ مجھے لاہور اپنے سلسلہ کے ساتھیوں کے شہر میں دفن کیا جائے۔ خود اپنے قدموں سے چل کر آئے۔ اور عین جلسہ کے پہلے دن ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء کی صبح بجائے جلسہ کے اپنے رب کے حضور میں حاضر ہونے چلے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ نے ان کی محبت اور خلوص سلسلہ کو وہ نوازا کہ ایک شہر لاہور یا پاکستان کیا دنیا کے کناروں سے امڈ کر ان کے ساتھی آئے ہوئے تھے۔ زندہ ہوتے تو ان کی دعوت کسی دل پر اثر کرتی کسی پر نہ کرتی۔ لیکن ان کے جنازہ کے پیچھے کھڑے ہونے والے سینکڑوں دلوں سے نکلی ہوئی دعائے مغفرت اور آہ کی دربار خداوندی تک رسائی ہونے میں کیا شک ہے۔

دیارِ غیر سے نذرانۂ عقیدت

ممتاز احمد فاروقی بھی داغِ مفارقت دے گئے

(از ناصر احمد صاحب سید - مانچسٹر)

لاہور سے تازہ آمدہ خط کے ذریعہ میرے نہایت محترم بزرگ ممتاز احمد فاروقی کی اچانک وفات کی خبر ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون - محترم فاروقی صاحب چند سالوں سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے - لیکن جس تندہی اور جوش سے وہ تصنیف کے کام میں لگے رہتے تھے - اس سے کچھ ایسی امید بندھ گئی تھی کہ شاید اب وہ خود [illegible]
جگہ دے -

ابھی ایک ماہ ہوا انہوں نے بھائی جان اقبال احمد کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا، اور آج میں خود ان کی وفات پر چند سطور نذرانہ عقیدت کے طور پر سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

ابھی چند دنوں کی بات ہے میں ایک انگریزی کتاب "جیسس ڈائڈ ان کشمیر" جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے اس کے ایک باب کا اردو ترجمہ کر رہا تھا - اس مصنف نے محترم فاروقی صاحب کی کتاب THE CRUMBLING OF THE CROSS میں سے حضرت مریم کی قبر کے متعلق چند باتیں درج کی ہیں اور ان کی کتاب کا حوالہ دیا ہے - اس وقت میں سوچ رہا تھا کہ شاید اب تک ان کو اس کتاب کی ایک کاپی مل چکی ہوگی، ان کو بذریعہ ہوائی ڈاک بھجوائی گئی تھی - اور یقیناً ان کو یہ دیکھ کر خوشی ہوگی کہ یورپی مصنفین بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سفرِ کشمیر اور وفات کے متعلق لکھتے وقت، کئی تفصیلات کے لئے ان کی کتاب "دی کرمبلنگ آف دی کراس" کا حوالہ دینے لگے ہیں - اس کتاب کی تدوین میں محترم فاروقی صاحب نے کافی محنت کی تھی - اور حضرت مریم کی مری میں قبر کے متعلق مری کارپوریشن سے چند نہایت قدیم معلومات اور دستاویزی ثبوت کا بطور شہادت پیش کی ہیں - ان کا ذکر اس سے پہلے کسی کتاب میں نہیں آیا۔

اسی طرح گزشتہ سال جب مجھے ہالینڈ میں ٹریکھت کی جماعت کے ساتھ مسجد برلین کی زیارت نصیب ہوئی تو وہاں سے مجھے جرمن مصنف کرنٹ برنا کا انگریزی زبان میں مرتب کیا ہوا ایک کتابچہ ملا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں دیگر کتب سے اقتباسات دیئے ہوئے تھے - اس نے "دی کرمبلنگ آف دی کراس" میں سے بھی متعدد اقتباسات درج کئے ہیں - محترم فاروقی صاحب کی اس انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ "کسرِ صلیب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور انجمن کے کتب خانہ سے دستیاب ہے - اردو اور انگریزی میں کئی چھوٹی کتابوں کے علاوہ ان کی دو قابلِ ذکر کتابیں "انیکڈوٹس آف دی پرافٹ محمد" اور "پریرز آف دی قرآن اینڈ پرافٹ محمد" ہیں۔

محترم ممتاز احمد فاروقی مرحوم کو تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا اور ہر وقت اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے، اس کے لئے وقت اور روپیہ دونوں خرچ کرتے اور اس کام میں روحانی سکون پاتے۔ [illegible] انکسار اور شگفتگی تھی اگر کسی بات پہ ناراض ہوتے تو جلدی اسکو بھول جاتے اور ان کے انداز میں وہی شگفتگی اور شفقت واپس آجاتی - جب وہ بکڈپو کے افسر تصنیف و تالیف تھے تو مجھے کئی سال تک ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا - انجمن کے کاموں میں پوری دلچسپی لیتے اور اس کی ہر اپیل پر حتی المقدور حصہ ضرور لیتے - حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور کا یہ سعادت مند فرزند بھی اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔ میری دعا ہے کہ خدا ان کے بھائی محترم نصیر احمد فاروقی صاحب اور دیگر عزیز و اقربا کو اس صدمہ کو برداشت [illegible]

مجھے باوجود اس مضمون کی طوالت کے آخر میں اپنے نوجوان بچوں سے کچھ کہنا ہے - ایک بار حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوانانِ قوم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:-

"ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے .... مگر تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا"

آج میں ان سے کہتی اور پوچھتی ہوں کہ میرے بچو! یہ وقت ہے کہ تم اپنی زندگیوں اور اپنے دلوں کا محاسبہ کرو - اس صدی کے ساتھ ماہِ چہاردہم کی طرح مجددِ اعظم کے گرد جھرمٹ کئے ہوئے ستارے جا رہے ہیں، حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ جیسا مفکر و مفسرِ قرآن - خواجہ کمال الدین جیسا سرگرم [illegible] سمندر - اور بہت سے ایسے ہی بزرگوں کے مبارک جسم تہہ خاک ہو گئے۔

کیا تم کبھی حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی انگریزی اور اردو تفسیر قرآن کھول کر پڑھتے ہو؟ حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ کی روئیدادِ ووکنگ کو جانتے ہو - حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب اور حضرت محمد حسین شاہ صاحب کی قربانیوں اور خدمتوں کا تمہیں علم ہے؟ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحبؒ کی "مجددِ اعظم" پڑھی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحبؒ کی بے مثال تحقیقات اور جانفشانی سے لکھی ہوئی "محمد اِن ورلڈ سکرپچر" سے واقف ہو؟ - اور آج حال ہی میں جدا ہو جانے والے بزرگ ممتاز احمد فاروقی کی "انیکڈوٹس آف دی لائف آف پرافٹ محمد" اور "پرامسڈ مسیحا" تمہارے بچوں کے ہاتھوں میں اور زیر مطالعہ ہے؟

میرے بیٹو! یہ صدی ختم ہو رہی ہے اور حضرت مجدد و مسیح زمانؑ کے ستاروں سے گندھی یہ کہکشاں (GALAXY) نگاہوں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔ ان کے چھوڑے ہوئے بے بہا خزانوں کی فکر کرو - ایسا نہ ہو کہ یہ خزانے یہ تمہارا بیش بہا ورثہ بھی ان کے ساتھ تہ خاک ہو جائے اور تم اور تمہاری آئندہ نسلیں مفلس اور بے نوا رہ جائیں۔

آہ ممتاز احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ابوارشد

دین و دنیا کے چمن سے وہ ترا عزم سفر
اہلِ دل کو اہلِ دیں کو خوب تڑپاتا رہا
دم بخود دل ہمارے اور [illegible] ہیں
سانس کی کیا بات ہے آتا رہا جاتا رہا

میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور
آپ کی دینی، ملّی اور علمی خدمات کا مختصر جائزہ

از مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری

میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور نے ہمارے جلسہ سالانہ کے دوران ۲۷ دسمبر ۱۹۷۸ء کو صبح ساڑھے تین بجے کے قریب جس وقت وہ تہجد کے لئے اُٹھا کرتے تھے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی - انّا للہ و انّا الیہ راجعون - انہیں ۲۸ دسمبر کو جلسہ میں ایک نشست کی صدارت کرنا تھی انہیں یہ اعزاز تو نصیب نہ ہُوا، لیکن یہ عزت مل گئی کہ جلسہ کے تمام شرکاء زن و مرد جن میں نہ صرف پاکستان کے ہر حصہ سے احباب و خواتین شریک تھے بلکہ غیر ممالک سے تشریف لانے والے مندوبین بھی موجود تھے اور ان سب نے مل کر ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کی مغفرت کے لئے دُعا فرمائی - اتنا بڑا جنازہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہوگا - اور یہ مرحوم کی عمر بھر کی خدماتِ دینی، جذبہ و خلوص اور بیش بہا قربانیوں کا ثمرہ تھا - وہ گذشتہ کئی سال سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے اور جلسہ سے قبل ان کی طبیعت کافی علیل تھی اور ڈاکٹروں نے انہیں سفر اختیار نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا - لیکن وہ اس کے باوجود عازم سفر ہوئے اور جلسہ سے غیر حاضر ہونا انہیں گوارا نہ ہُوا - لیکن اصل میں مشیتِ ایزدی انہیں دار السلام میں تدفین اور اتنے بڑے مجمع کی دعاؤں کے لئے لاہور لا رہی تھی -

دینی خدمات

میاں ممتاز احمد صاحب مرحوم ہماری جماعت کے ایک ممتاز اور باوقار انسان اور جماعت کے ستون کی حیثیت رکھتے تھے - وہ انجمن کی مجلس معتمدین اور منتظمہ کے ایک عرصہ دراز تک ممبر رہے اور ان کی منصف مزاجی اصابت رائے اور کلمۂ حق کہنے کی عادت سے سب متاثر ہوتے تھے - انہیں اللہ تعالےٰ نے تمام عمر دینی خدمت کی توفیق عطا فرمائی اور وہ ایک سچے احمدی کی طرح زمانۂ طالبعلمی میں، عرصۂ ملازمت میں، اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی حالات کے مطابق اور حتی المقدور دامے، قدمے، سخنے دین کی خدمت کرتے رہے - وہ محکمہ ریلوے میں ایک اعلےٰ عہدہ پر سرفراز تھے اور قیام پاکستان سے قبل ایسٹ انڈین ریلوے میں سگنل انجنیئر تھے اور ملازمت کا بیشتر حصہ انہوں نے سید پور اور کلکتہ میں بسر کیا - ملازمت کے دوران وہ جب بھی دورہ پر جاتے تھے جماعت کا شائع کردہ لٹریچر اور چھوٹے چھوٹے رسائل ریلیجن آف ہیومینٹی اور پرافٹ آف اسلام وغیرہ اپنی جیب میں رکھتے تھے اور موزوں لوگوں تک انہیں پہنچاتے تھے - بالخصوص طلباء اور تعلیمیافتہ افراد میں - اسی طرح وہ زبانی بھی تبلیغ کے مواقع پیدا کر لیتے تھے اور مذہبی گفتگو کا سلسلہ شروع کر کے غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں میں احمدیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے -

ان کی مذہبی معلومات اور علم دین عام نوجوانوں کے لئے ایک مثال کی حیثیت رکھتا تھا اور جوشِ تبلیغ اور قرآن مجید سے عشق اور سلسلہ سے محبت تو انہیں ورثہ میں ملی تھی - وہ اخبارات میں مضامین بھی لکھتے تھے، بالخصوص اخبار لائٹ میں انکے خیال افروز اور تحقیقی مضامین قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوتے تھے - مرکز سے جو تحریک ہوتی اس میں وہ فی الفور حصہ لیتے اور ہمیشہ اوّلین کے زُمرہ میں شامل ہونے کی کوشش کرتے تھے - چندہ ماہوار ہمیشہ باقاعدگی سے اور شرح موعودہ کے مطابق ادا کرتے تھے - اور حتی الوسع یکم تاریخ کو اپنا چیک بھیج دیتے تھے -

سپین مشن کی تحریک

۱۹۳۳ء میں میاں ممتاز احمد صاحب مرحوم نے ہسپانیہ میں تبلیغی مشن قائم کرنے کی تحریک فرمائی اور اس کی تائید میں بہت سے مضامین لکھے، اور ہسپانیہ میں مسلمانوں کی ہشت صد سالہ شاندار عہد حکومت کا تذکرہ، اور پھر وہاں سے مسلمانوں کے اخراج اور عیسائیوں کے مظالم اور مسلمانوں کے بالجبر عیسائی بنائے جانے کی داستان کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہُوئے اس امر پر زور دیا کہ دورِ اوّل میں تو ہسپانیہ بزور شمشیر فتح ہوا تھا - لیکن یہ زمانہ جو قلمی جہاد کا زمانہ ہے اس میں ہمیں بذریعہ تبلیغ اور اسلام کی خوبصورت تعلیم کو قرآن مجید کے ہسپانوی زبان میں ترجمہ اور حضور نبی کریم صلعم کی سیرت اور دیگر اسلامی کتب کے تراجم کے ذریعہ فتح کرنا چاہیئے -

فاروقی صاحب مرحوم کی یہ تحریک بڑی مقبول ہوئی اور مولنا محمد یعقوب خان صاحب مرحوم نے اخبار "لائٹ" میں بڑے ولولہ انگیز مضامین لکھے اور سپین مشن کے قیام کے لئے الگ فنڈ جمع کرنے کی تحریک چلائی جس میں ممبرانِ جماعتِ احمدیہ لاہور کے علاوہ "لائٹ" کے خریداروں نے جن کا جماعت سے تعلق نہیں تھا بشرح صدر حصہ لیا اور ہماری انجمن کی جنرل کونسل نے اس امر کی منظوری دے دی کہ معقول رقم جمع ہو جانے پر ہسپانیہ میں مشن کا قیام عمل میں لایا جائے -

اخبار "لائٹ" نے اس تحریک کو فروغ دینے کے لئے اشاعتِ مضامین کے علاوہ آخر دسمبر ۱۹۳۴ء میں عید الفطر کے موقعہ پر "سپین مشن عید کارڈ" چھپوائے اور یومِ عید کو "سپین ڈے" کے طور پر منائے جانے کی تحریک کی - یہ عید کارڈ بڑے جاذبِ نظر اور خوبصورت ہونے کے علاوہ ولولہ انگیز بھی تھے - جن میں دکھایا گیا تھا کہ مسلم جرنیل طارق ابنِ زیاد ساحل اندلس پر اپنی کشتیوں کو نذر آتش کر رہے ہیں، اور نیچے علامہ اقبال کے فارسی اشعار "طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت ...... ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست" درج تھے - اس عید کارڈ کو دیکھ کر جماعت کے ایک نوجوان سید اسلم علی شاہ جو میڈیکل کالج کے سٹوڈنٹ اور ہماری جماعت کے ایک نہایت ہی مخلص اور شریف النفس بزرگ سید امجد علی شاہ صاحب (مرحوم) انسپکٹر پولیس کے صاحبزادے تھے ایسے متاثر ہُوئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو سپین مشن کے مبلّغ کے طور پر پیش کیا اور انجمن کو لکھا کہ انکی ٹریننگ کا انتظام کیا جائے اور سفر خرچ کے علاوہ وہ انجمن سے کوئی رقم نہیں لیں گے اور اپنے پیشہ کی مدد سے گذر اوقات کریں گے -

چنانچہ انجمن نے ان کی پیشکش قبول کرتے ہوئے ان کی دینی تعلیم کا انتظام کیا - ایک دوسرے گریجویٹ نوجوان کو بھی دینی تعلیم اور سپین مشن کے لئے ٹریننگ دی جانے لگی - لیکن اسی زمانہ میں سپین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور ملکی حالات ایسے ناموافق ہوئے کہ وہاں مشن کے قیام کی تجویز کئی سال تک ملتوی ہوتے ہوتے بالآخر متروک ہو گئی - لیکن میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور وقتاً فوقتاً سپین مشن کے قیام کے لئے آواز اُٹھاتے رہے - کیونکہ ان کے دل میں ایسی تڑپ تھی کہ وہ سرزمین جہاں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی اور جہاں ان کی عظمت کے آثار اب بھی موجود ہیں، اور مسجد قرطبہ جیسی شاندار عمارات جو اسلامی تہذیب و تمدن اور مذہبی جاہ و جلال و سطوت کی علامت ہیں، مسلمانانِ عالم کو دعوت دے رہی ہیں کہ وہ دوبارہ اس سرزمین کی طرف رُخ کریں تاکہ اللہ اکبر کی صدائیں پھر یہاں بلند ہوں اور ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو -

لیکن یہ اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے کہ کب اور کس طرح فاروقی صاحب مرحوم کی یہ آرزو پوری ہوگی - ہاں اللہ تعالےٰ کے حضور ان کے اس نیک جذبہ کی جزا انہیں ضرور ملے گی - سپین فنڈ کا جمع شدہ روپیہ بعد میں معطی حضرات سے استصواب اور مجلسِ معتمدین کی منظوری سے ترکی کے زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے "ٹرکش ریلیف فنڈ" میں دے دیا گیا تھا -

مرحوم کی علمی خدمات

مرحوم فاروقی صاحب عمر بھر اپنی دیگر مصروفیات کے باوصف علمی خدمات سر انجام دیتے رہے اور اخبارات میں مضامین لکھنے کے علاوہ چند قابلِ قدر کُتب بھی آپ نے تصنیف فرمائیں جن سے ہمارے سلسلہ کے لٹریچر میں گرانقدر اضافہ ہوا ہے - ریٹائر ہونے کے بعد وہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ علمی خدمت میں صرف کرتے تھے - وہ کئی سال انجمن کے صیغہ تصنیف و تالیف کے آنریری افسر انچارج رہے اور انجمن کی مطبوعات کو بہتر رنگ میں چھپوانے پر آپ نے توجہ دی چنانچہ حضرت امیر مرحوم و مغفور کی تالیف کردہ شمائل شریف مترجم اور تفسیر بیان القرآن کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کیا - اسی طرح حضرت امیر مرحوم کی سوانح عمری "مجاہد کبیر" جو ایک نہایت گرانمایہ اور بیش قیمت تالیف ہے وہ میاں محمد احمد صاحب اور فاروقی صاحب موصوف کی مشترکہ محنت کا نتیجہ ہے - اس کے علاوہ "کسرِ صلیب" اُردو اور انگریزی میں آپ کی معرکۃ الآرا تالیف ہے جو دسمبر ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی - اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے حالات، آپ کے مشن، صلیب سے زندہ اتارے جانے اور

بنی اسرائیل کی تلاش میں کشمیر کی طرف ہجرت کرنے اور سرینگر میں مدفون ہونے کی تائید میں جدید تحقیقات کی روشنی میں بڑے مضبوط اور ناقابل تردید شواہد جمع کئے گئے ہیں۔ آپ نے ایک جرمن مصنف کرسٹ برنا کی تصنیف "مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے" سے جستہ جستہ اقتباس دیئے ہیں اور حضرت مسیحؑ کے مقدس کفن پر اس زمانہ میں جو تحقیقات ہوئی ہیں انہیں نقل کیا گیا ہے۔ ٹیورن میں محفوظ اس مقدس کفن کو پاپائے روم نے اصلی کفن قرار دیا ہے جس میں صلیب سے اتارے جانے کے بعد مسیح علیہ السلام کو لپیٹا گیا تھا۔ اس کفن کی تفصیلات اس کے کپڑے کی ساخت اور عمر، اس پر لگے ہوئے خون کے دھبوں اور جسم کے عکس کی طبی اور سائنسی تحقیقات اور خوردبینی معائنوں کی رپورٹیں اور تصاویر اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ یہ وہی کپڑا ہے جس میں مسیح علیہ السلام کو صلیب سے اتارنے کے بعد لپیٹا گیا تھا اور جو جسم اس کے اندر تھا وہ مُردہ جسم نہیں تھا۔

فاروقی صاحب مرحوم نے یہ قیمتی کتاب حضرت امام زمان مسیح موعود علیہ السلام کی یادگار کے طور پر لکھی اور انہی کی طرف منسوب کی کیونکہ "کسرِ صلیب" آپ کا ہی مشن تھا اور سب سے اوّل آپ نے ہی اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر عقیدہ حیاتِ مسیح کی تردید میں دلائل فراہم کئے اور "مسیح ہندوستان میں" جیسی نادر کتاب لکھ کر دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالا اور عیسائیت کی کمر توڑ دی۔ حضرت امامِ زمان کے بعد آپ کے پیرؤوں نے بھی مزید تحقیقات کیں اور اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور عیسائی دنیا کو للکارا اور اس سے متاثر ہوکر کئی عیسائی محققین بھی تحقیق و تجسّس میں مصروف ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اب خود انہی کے ہاتھوں عیسائیت کے باطل ہونے کے ثبوت مہیا کر رہی ہے۔ اور کرسٹ برنا جیسے کئی اور فاضل محققین بھی اس تحقیق میں لگے ہوئے ہیں کہ حضرت مسیح کے مشن اور ان کی زندگی کے صحیح واقعات معلوم کئے جائیں اور ایسے تمام محققین ہماری انجمن سے بھی رابطہ پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ کرسٹ برنا اور میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم کے درمیان باقاعدہ خط و کتابت رہتی تھی اور وہ اپنی علمی کاوشوں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔

مسٹر کرسٹ برنا نے حضرت مسیح کی بعد از صلیب زندگی پر باقاعدہ تحقیقات کرنے کے لئے ایک سوسائٹی بنانے کی تجویز کی اور کشمیر کے ماہر آثارِ قدیمہ پروفیسر حسنین کو اس کا صدر اور ممتاز احمد فاروقی مرحوم کو نائب صدر اور فیبر کائزر کو سیکرٹری جنرل نامزد کیا گیا۔ مؤخر الذکر فیبر کائزر نے حال ہی میں ایک اور حیرت انگیز کتاب "مسیح کشمیر میں فوت ہوئے" شائع کی ہے جس کا تذکرہ ہمارے اخبارات "لائٹ" اور "پیغام صلح" میں آچکا ہے۔ اس کتاب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور جماعتِ احمدیہ لاہور اور اس کے نامور بزرگان و ممبران اور ان کی علمی خدمات کا تفصیلاً ذکر موجود ہے اور یہ ہماری جماعت کے نکتۂ نظر اور خیالات کی پوری تائید کرتی ہے۔ فاروقی صاحب مرحوم کا بھی اس میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔

ردِّ عیسویت کے علاوہ فاروقی صاحب مرحوم نے اور بھی قیمتی کتب تالیف کیں جن میں موجودہ دَور کے تعلیمیافتہ اور نوجوان طبقہ کی ضروریات کو خاص طور پر ملحوظ رکھا اور انہیں مذہب سے قریب تر لانے اور اجابت دُعا پر ان کا ایمان پختہ کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے جستہ جستہ واقعات اور حضرت مسیح موعود کی زندگی آپ نے بزبانِ انگریزی شائع کئے۔ اسی طرح قرآن مجید اور احادیث میں جو دعائیں ہیں انہیں انگریزی زبان میں شائع کیا۔ ایک کتاب "فتح حق" اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کی جس میں جماعتِ احمدیہ لاہور کے صحیح مسلک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک کتاب اُردو میں "راہِ راست" کے عنوان سے آپ نے تحریر فرمائی جس میں صراطِ مستقیم کی پہچان۔ نیکی سے محبت، اور بدی سے اجتناب کی راہیں نوجوانوں کو سمجھائی گئی ہیں۔ اور نوجوانوں کے لئے اس کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ ہے۔ افادۂ عام کے لئے ایک کتاب "غذا اور صحت" پر بھی آپ نے رقم فرمائی۔

قبولیت دُعا پر مضبوط ایمان

میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب مرحوم مستجابت دُعا پر جو سلسلہ احمدیہ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے بڑا مضبوط ایمان رکھتے تھے اور خود ان کی اپنی ذات بھی قبولیت دُعا کا ایک زندہ نشان تھی۔ اس کا کسی قدر تفصیلی ذکر احباب کے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوگا۔ مرحوم فاروقی صاحب ابھی دو سال کے بچے تھے جب وہ تپ محرقہ سے بیمار ہوئے اور بیماری نے تشویشناک صورت اختیار کرلی۔ ان کے والد مرحوم حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ابھی جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے اور اسوقت جنڈیالہ ضلع امرتسر میں طبی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان دنوں حضرت اقدس مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدّدِ وقت اور امامِ زمان کا بہت شہرہ تھا اور بالخصوص ان کی پیشگوئیوں اور قبولیت دُعا کا بہت چرچا تھا۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم کو ان کی اہلیہ صاحبہ نے تحریک فرمائی کہ وہ قادیان جاکر حضرت مرزا صاحب سے بچّہ کی صحت کے لئے دُعا کی درخواست کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب قادیان تشریف لے گئے اور حضرت اقدس سے ملاقات اور گفتگو سے ایسے متاثر ہوئے کہ فوراً بیعت کرلی۔ گویا آپ کے قادیان جانے کی اصل غرض یہی تھی۔ بعد میں آپ نے بچّہ کی بیماری کا ذکر کیا۔

حضرت اقدس نے اسی وقت ہاتھ اُٹھا کر لمبی دُعا فرمائی اور ڈاکٹر صاحب موصوف کو تسلّی دی کہ انشاءاللہ بچّہ صحت یاب ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلاف توقع اور میعادی تپ کی معیّنہ مدّت کے برعکس بچّہ کا بخار ٹوٹ گیا۔ جس پر اس کے معالج اور جُملہ اعزّہ حیران رہ گئے اور یہ حضرت اقدس کی دعا کا ایک معجزانہ نشان ٹھہرا۔

دوسری مرتبہ جب فاروقی صاحب سات آٹھ برس کے تھے اور ان کے والد پنڈی گھیپ ضلع کیمبلپور میں اسسٹنٹ سرجن تھے آپ پھر خطرناک طور پر بیمار ہوگئے۔ انہی دنوں ہماری جماعت کے ایک ممتاز بزرگ اور مُلہم من اللہ حضرت سیّد اسد اللہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور بھی پنڈی گھیپ میں بسلسلہ سرکاری ملازمت تعیّنات تھے اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم اور حضرت شاہ صاحب کے بوجہ ہم مشرب ہونے کے بڑے دوستانہ اور گہرے مراسم تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب سے فاروقی صاحب کی صحت کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے بڑی توجہ سے دُعا فرمائی جس پر آپ کو الہام ہوا "اسسٹنٹ انجنیئر"۔ اس کا یہ مفہوم سمجھا گیا کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ بچّہ صحت یاب ہوکر لمبی عمر پائے گا بلکہ انجنیئر بنے گا۔ فاروقی صاحب مرحوم سنایا کرتے تھے کہ اگرچہ ان کی تعلیم عام طلباء کی سی تھی اور ان میں انجنیئرنگ میں داخلہ لینے کو مدِّنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے لئے غیبی سامان ہوگیا اور وہ وظیفہ حاصل کرکے امریکہ پہنچ گئے اور وہاں سے الیکٹریکل انجنیئر بن کر واپس آئے اور اس طرح الہام الٰہی کے الفاظ پورے ہوئے تو گویا فاروقی صاحب کی ذات خدائی بشارات پورا ہونے کا ایک نشان تھی۔

آپ نے اپنی آخری تصنیف دُعا کے موضوع پر ہی لکھی جس میں اسلام میں دُعا کا تصوّر، اجابت دُعا، دُعا کے لوازمات اور قبولیتِ دُعا کے چند حیرت انگیز واقعات انگریزی زبان میں تحریر کئے اور اس کا نام رکھا "میں ملتجی ہوں اے میرے مولا!" "I BESEECH THEE O LORD" اور اسے حضرت سیّد اسد اللہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور کی یاد سے معنون کیا۔

مُفت تقسیم کُتب کے لئے مستقل انتظام

فاروقی صاحب مرحوم عمر بھر ہر نیک تحریک میں حصہ لیتے رہے اور فراخدلی سے خُدا کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔ لیکن آپ نے اپنی وفات کے بعد بھی اس کارِ خیر کے جاری رہنے کا انتظام فرمادیا اور دس ہزار روپے کے NIT سرٹیفکیٹ انجمن کے نام منتقل کردیئے اور وصیت فرمائی کہ اس رقم کے منافع سے مستحقین میں مفت تقسیم لٹریچر ہوتی رہے۔ مفت تقسیم کُتب تبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور ہماری انجمن ہزارہا روپیہ کی کُتب ہر سال مُفت تقسیم کرتی ہے اور جماعت کے بہت سے احباب اس نیک تحریک میں حصّہ لیتے ہیں۔ فاروقی صاحب مرحوم کی اہلیہ صاحبہ چند سال قبل انتقال فرماگئی تھیں۔ اور ان کے نام پر بھی ایک معقول رقم آپ نے بطور صدقہ جاریہ خزانہ انجمن میں جمع کرائی تھی اور اب ان ہر دو رقوم کے منافع مرحوم کی وصیت کے مطابق کُتب تقسیم ہوتی رہیں گی۔ اللّٰھم اغفر لھما و ارحمھما

فاروقی صاحب مرحوم کی باقیات صالحات میں دو صاحبزادگان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے بڑے نیک اور صالح اور معزز عہدوں پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور انہیں مرحوم کی تمام برکات اور نیکیوں کا وارث بنائے۔ آمین۔

از جناب چوہدری محمد انور رنتھی صاحب

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مبشر رسول۔ محسنِ انسانیت

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ تعمیر خانہ کعبہ میں جب مصروف تھے تو انہوں نے دُعا کی :۔

" ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذرّیتنا امّة مسلمة لك وأرنا مناسکنا وتب علینا انّك انت التوّاب الرّحیم ○ وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم اٰیٰتك ویعلّمهم الكتاب والحكمة ویزكّیهم ؕ انّك انت العزیز الحكیم ○

ترجمہ :۔ اے ہمارے ربّ ! اور ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک گروہ اپنا فرمانبردار (بنائیو) اور ہمارے (حج کے) اعمال بتائیو اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما تو رحمت سے توجہ فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے ربّ ! اور انہی میں سے ایک رسول اُٹھا جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے تو غالب حکمت والا ہے۔"

خدا تعالےٰ نے ان کی خلوص بھری دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے اس عظیم الشان پیغمبر کو مبعوث فرمایا جس کا نام نامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

خدا تعالےٰ کی طرف سے جب آپؐ کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: انا دعوة ابی ابراهیم۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دُعا ہوں۔ یعنی اس دُعا کی قبولیت میرے ذریعے ظاہر ہوئی۔ اس نبی کے ذریعے جو انقلاب آیا اور جس طرح یہ رونما ہوا اس کا تذکرہ ہم قرآن کریم میں اس طرح پڑھتے ہیں :۔

" لقد منّ الله علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم اٰیٰته ویزكّیهم ویعلّمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین ○

ترجمہ : یقیناً اللہ تعالےٰ نے مؤمنوں پر احسان کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسُول بھیجا جو اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

آپؐ کے مبشر رسُول ہونے کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خدا تعالےٰ کی پاک وحی میں جو قرآن کریم میں مذکور ہے آپؐ کے متبعین کو مسلمانوں کا گروہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت توریت میں بھی پیشگوئیاں موجود ہیں ایک جگہ لکھا ہے :۔

"میں ان کے لئے (بنی اسرائیل کے لئے) ان کے بھائیوں میں سے تجھ جیسا (حضرت موسےٰؑ جیسا) ایک نبی برپا کروں گا۔ یعنی انہی کو حضرت موسےٰؑ سے مشابہت حاصل ہوگی جن میں جمالی اور جلالی دونوں صفات موجود تھیں۔ اس کی تصدیق بھی اسی قرآنی آیت سے ہوتی ہے۔ جو یوں ہے :۔

" انّا ارسلنا الیكم رسولاً شاهداً علیكم كما ارسلنا الی فرعون رسولاً ؕ (ترجمہ:) ہم نے ہماری طرف گواہی دینے والا رسول بھیجا ہے۔ جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف (حضرت موسےٰؑ کو) بھیجا تھا) علاوہ ازیں آپ کی نسبت پیشگوئیاں زبور میں ہیں اور ایک انجیل برنباس میں تو معلوم ہوا ہے آپؐ کا نام "محمد" تک بیان ہوا ہے۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب نبی مبعوث ہوئے تو عرب قوم جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اور قرآنی آیات سے بھی ظاہر ہے، جہالت وگمراہی کی انتہائی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ طرح طرح کی برائیاں اور خرابیاں اس میں پائی جاتی تھیں۔ ہر شئے تاریکی تھی۔ اگر اس نازک وقت پر آنحضرت صلعم جیسی عظیم شخصیت کا اس قوم کی ہدایت و رہنمائی اور اصلاح کے لئے ظہور نہ ہوتا تو شاید یہ قوم تباہ و برباد ہو جاتی۔ مگر عین ضرورت کے وقت اللہ تعالےٰ کی رحمانیت جوش میں آئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا اولوالعزم پیغمبر ان کے پاس بھیجا۔

یہ عظیم انسان اس قوم میں رہتے ہوئے بھی سوسائٹی میں موجود برائیوں، دنیوی آلائشوں اور لغزشوں سے محفوظ رہا۔ اس کی دیانت، امانت، صداقت، انسانوں کے لئے ہمدردی و خیر خواہی، نیز پختہ اور پاکیزہ کردار کی ہر اس شخص نے گواہی دی جس کو بچپن سے لے کر نبوت کے زمانہ تک آپؐ کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ قوم کو گمراہی اور جہالت میں دیکھ کر آپؐ اکثر پریشان رہتے۔ مخلوق کے لئے تنہائی میں رو رو کر خدا سے دعائیں کرتے۔ آپؐ کی اس قلبی حالت کو دیکھ کر اور بوجہ آپؐ کے اوصاف حمیدہ کے خدا تعالےٰ نے قوم کی ہدایت اور اصلاح کے لئے آپؐ کو چن لیا۔

خدا تعالےٰ کے حکم کے تحت آپؐ نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ ایک اُمّی شخص کے لئے حد درجہ بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح ایک نہایت کٹھن کام تھا۔ مگر آپؐ نے خدا تعالیٰ کی تائید اور اس فضل، اپنے اعلےٰ اخلاق اور پاکیزہ نمونہ کی بدولت یہ مشکل کام کر دکھایا اور ایسے احسن طریق پر کہ جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ آپؐ نے جو کامیابی حاصل کی اس کا اعتراف آپؐ کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔ اس کامیابی کے حصول کے سلسلے میں جن مصائب و آلام اور مراحل سے آپؐ کو گذرنا پڑا گذشتہ کسی نبی یا مصلح کو اکیلے نہ گذرنا پڑا۔ مگر اس کے باوجود آپؐ نے بے مثال کامیابی حاصل کی اور یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو دیگر مصلحینِ عالم میں آپ کو ممتاز کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے دوران جس اخلاق و کردار کا آپؐ سے مظاہرہ ہوا اس میں بھی الٰہی مصلحت اور حکمت پوشیدہ تھی۔ اس طرح خدا تعالےٰ آپؐ کے پیروکاروں کے لئے آپؐ کی زندگی بطور نمونہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ آپؐ کا اُسوۂ حسنہ انسانوں کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ وہ جملہ خوبیاں اور اوصاف جو کسی مومن اور نبی میں ہو سکتی تھیں اُن سے آپؐ کی ذات متصف تھی۔

آپؐ ہر لحاظ سے ایک کامل و اکمل انسان تھے۔ خدا تعالےٰ نے آپؐ کی اعلےٰ خوبیوں اور اوصاف کی نسبت سے آپؐ کے متعلق فرمایا ہے لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة۔ آپؐ کا ہر فعل اور عمل منشائے خداوندی اور رضائے الٰہی کے ماتحت تھا اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ یہ کتاب آپؐ کا ایک زندہ معجزہ ہے۔ جس کی برکات و تاثیرات قیامت تک جاری و ساری ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کے لئے دو چیزیں چھوڑے جا رہے ہیں۔ ایک کتاب اللہ یعنی قرآن کریم اور دوسری اپنی سُنت یعنی اپنا عملی نمونہ۔ اگر انہوں نے اپنی زندگیوں کو قرآنی تعلیمات و احکامات اور آپ کے عملی نمونہ کے مطابق ڈھال لیا تو وہ آپ کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ مگر افسوس کہ ان کے نام لیوا اپنے محسن کے ارشادات، آپؐ کی زندگی کے عملی نمونہ سے دُوری اختیار کر کے اور قرآن کریم کو صرف طاقوں میں سجا کے گمراہی و جہالت کی اس اتھاہ قریباً پہنچ چکے ہیں جس سے نکالنے کے لئے خدا تعالےٰ نے محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تھا۔ نہ تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے سروکار رہا ہے جو ان کے پیش نظر رہنا چاہیئے تھا اور نہ ان کے دلوں میں ان دردبھری آہوں اور دُعاؤں کی قدر رہی ہے جو تمازوں میں راتوں

کو جاگ جاگ کر رو رو کر آپؐ ان کے لئے کیا کرتے تھے اور جس مشقت اور تکلیف سے آپؐ کے پاؤں تک سوج جاتے تھے اور آنسوؤں سے آپؐ کا دامن تر ہو جایا کرتا تھا۔

کیا حضورؐ کے نام لیواؤں کا یہ رویہ ان کی احسان شناسی کی نشاندہی کرتا ہے یا احسان فراموشی پر دال ہے۔ اس کے متعلق ہم سب کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ انسانی ذہنوں کے اختراع شدہ باطل نظامہائے زندگی کو آزمانے کے بعد احیاءِ اسلام کی تحریکیں ممالکِ اسلامیہ میں ابھر رہی ہیں اور اس ملک میں جہاں ہم رہتے ہیں اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لئے حکومت وقت مستعد نظر آتی ہے۔ تاکہ اس ملک کے قیام کی غرض و غایت پوری ہو۔ حکومت اجتماعی زندگی کے لئے اسلامی نظام کا نفاذ کرنے کی کوشش تو اپنے طور پر امید ہے کرے گی۔ مگر مکمل طور پر نفاذ اسی صورت میں ممکن ہوگا جب لوگ انفرادی طور پر اپنی اصلاح کی ذمہ داری پوری کرنے کی سعی کریں گے اور اسوۂ رسولؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی زندگیوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو سنوارنے کے لئے جد و جہد کریں گے۔

اس موقعہ پر اس امر کا اظہار بے جا نہ ہوگا کہ انفرادی رنگ میں اصلاح کے سلسلہ میں زیادہ ذمہ داری عمائدین حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ عام لوگ عموماً اپنے بڑے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں الناس علی دین ملوکھم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک نمایاں اور اہم پہلو یہ ہے کہ آپؐ تعلیم و احکاماتِ خداوندی جو آپؐ پر نازل ہوتے ان پر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر عمل کرنے والے ہوتے تھے اور آپؐ کی پیروی صحابہ کرامؓ کرتے تھے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپؐ کی اس صفت اور خوبی کا ذکر کیا ہے اس میں لکھا ہے انا اوّل المسلمین۔ اس لحاظ سے عام لوگ یہ توقع کرتے ہیں کہ حکومت پاکستان میں بڑے بڑے لوگ قرآنی تعلیم و احکامات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے دیانت و امانت عاجزی و انکساری، خلوص، تقویٰ، طہارت، سادگی، ایثار و قربانی، مخلوقِ خدا سے ہمدردی، شفقت، احسان مندی اور پاکیزہ کردار و اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں گے۔ اگر یہ لوگ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو عوام میں بھی شعائرِ اسلامی کی پابندی کی رغبت ہوگی جو صحیح معنوں میں یہاں اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے ضروری ہے۔

ہماری نظروں سے یہ حقیقت اوجھل نہیں ہونی چاہیئے کہ پاکستان کو ساری دنیا میں بالعموم اور ممالک اسلامی کے لئے بالخصوص اہم کردار ادا کرنا ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ حالات دنیا پر گہری نظر ہم ڈالیں تو دیکھیں گے کہ انسانی ذہنوں کی پیداوار نظام ہائے زندگی یا نظریات سے لوگوں کو راحت و سکون، خوشحالی اور اطمینانِ قلب میسر نہیں آرہا۔ ان کے ذریعے انہیں اپنے جائز اور بنیادی حقوق نہیں مل رہے۔ ان باطل نظام ہائے زندگی اور نظریات کو آزمانے کے بعد اور ان کی افادیت سے مایوس ہو کر وہ سچائی اور ہدایت کے لئے سرگرداں ہیں جو صرف اور صرف اسلام سے انہیں حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہمیں ان تک سچائی اور ہدایت پہنچانے اور ان کے سامنے ایک قابل عمل اسلامی نمونہ پیش کرنے کے سلسلہ میں اپنی اہم اور نازک ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیئے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مقدور بھر کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر ہم خلوص دل سے اس ذمہ داری کو نبھانے کا عہد کریں تو امید ہے خداوند کریم کی تائید و نصرت اور اس کا فضل ہمارے شاملِ حال ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے دراصل ہم دینِ اسلام کو پھیلانے اور اس کی مدد کرنے والے ہوں گے اور ایسے لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے ::

مکتوب امریکہ

از جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب

مکرمی محترمی جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

کل ۱۵ر جنوری کی صبح کو بذریعہ ٹیلی گرام صووا۔ فیجی سے جناب عبدالرحمٰن ساہو خان کی المناک وفات کی خبر پہنچی۔ جس سے ہم سب کو سخت صدمہ ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

جناب عبدالرحمٰن ساہو خان صاحب سے خاص طور پر دو قسم کے تعلقات تھے۔ ایک تو جماعت احمدیہ کے سرگرم کارکن کی حیثیت سے۔ دوسرے جس سکول میں خاکسار ہیڈ ماسٹر تھا۔ آپ بیس سال متواتر اس کے منیجر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس لحاظ سے خاکسار کو آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے مواقع، نزدیک سے دیکھنے کے حاصل ہوئے۔

مسٹر عبدالرحمٰن ساہو خان اخلاق فاضلہ کے مالک ہونے کے علاوہ خدا داد ذہانت اور علمی قابلیت رکھتے تھے۔ آپ کو مڈل سکول تک تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ لیکن جب آپ انگریزی۔ اردو۔ میں تقریر کرنے کے لئے کسی علمی مجلس میں کھڑے ہوتے تھے۔ تو کسی کو گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ آپ کی ابتدائی تعلیم مڈل کے درجہ تک محدود تھی۔ جناب مولانا میرزا مظفر بیگ شاکر کے دوران قیام فیجی میں آپ پیغام اسلام کے انگریزی سیکشن کے ایڈیٹر تھے۔

مسلم سکول نصوری۔ فیجی کی نئی بلڈنگ کی افتتاح کی رسم ادا کرنے کے لئے فیجی کے گورنر کو دعوت دی گئی۔ جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ گورنر فیجی فیجی سے باہر ٹونگا گئے ہوئے تھے۔ آپ اس سکول کے افتتاح کے لئے خاص پلین کے ذریعہ مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔ جناب ساہو خان مرحوم کا ویلکم خطبۂ استقبالیہ ایڈریس اس قدر مؤثر تھا۔ کہ گورنر صاحب اپنی کرسی سے اچھلتے تھے جب آپ کی تقریر ختم ہوئی تو ڈاکٹر میگسٹی نے (MEBUSTY) جو سیکرٹری آف انڈین افیسرز تھے۔ ساہو خان مرحوم سے پوچھا کہ آپ نے پبلک لیکچر دینے کا کورس کس ملک میں لیا تھا۔ آپ نے کہا کہ میں نے جو کچھ سیکھا ہے یہاں فیجی رہ کر سیکھا ہے۔ چنانچہ ساہو خان مرحوم کے اس لیکچر کا اثر تھا کہ۔ گورنر فیجی نے آپ کو تین ماہ بعد لیجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا۔ آپ چار برس تک مسلمانوں کی نمائندگی کونسل میں کرتے رہے

جب مولانا بشیر احمد منٹو ۱۹۵۵ء میں واپس پاکستان روانہ ہوئے، تو ان کی جگہ کام کرنے کے لئے خاکسار کے ساتھ مسٹر عبدالرحمٰن ساہو خان مرحوم سانفرانسسکو کیلیفورنیا پہنچے۔ ہم نے یہاں ایک رسالہ MOSLEM OPINION جاری کیا یہ ایک ماہوار رسالہ تھا۔ جناب ساہو خان اس کے ایڈیٹر تھے۔ آپ کے مضامین نے یہاں کے علمی طبقہ میں کافی اثر پیدا کیا۔ آپ مضامین ڈرافٹ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سیدھا STENSIL سٹینسل پر ٹائپ کرتے جاتے تھے اور ٹائپ رائٹر نہایت تیزی سے چلاتے جاتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ آپ کو یونیورسٹی آف کیلیفورنیا میں تقریر کرنے کی دعوت دی گئی۔ آپ کی تقریر کا اس قدر اثر ہوا کہ یونیورسٹی کے پروفیسر آپ کو ڈاکٹر ساہو خان کے نام سے پکارنے لگے۔

آپ نے UNIVERSITY OF EUGENE پورٹ لینڈ سٹیٹ میں ہے کے PARLIMENT OF RELIGION میں اسلام کی نمائندگی کی میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہر ایک مذہب کے نمائندے تھے۔ ایک ہفتہ تک تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔ مسٹر ساہو خان مرحوم کی تقریر کو بہت سراہا گیا۔

مسٹر ساہو خان مرحوم کی اولاد میں ایک ڈاکٹر ہے جس کا نام محمد علی ہے۔ وہ صووا میں پریکٹس کرتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادہ کا نام محمد یوسف ہے۔ وہ ڈینٹسٹ DENTIST ہے۔ بھی صووا میں پریکٹس کرتے ہیں ۲ (باقی کالم اوّل کے نیچے)

بقیہ از کالم ۲ :—

ڈاکٹر محمد یوسف ساہو خان چند سال ہوئے لاہور احمدیہ بلڈنگس میں بزرگان سلسلہ کی ملاقات کے لئے گئے تھے۔ اور احمدیہ مسجد میں ان کی تقریر بھی ہوئی تھی۔ مرحوم کے ایک صاحبزادہ آسٹریلیا میں ہیں۔ خدا کے فضل سے آپ کی سب اولاد تعلیم یافتہ ہے۔ مرحوم ایک GENIONS تھے۔ ایسے انسان کم پیدا ہوسکتے ہیں

دُنیا کے محسنِ اعظم اور آخری نبی صلعم کے دعوئ نبوت سے قبل اور بعد کے چند واقعات

جملہ انبیاء پر فضیلت کا تاریخی ثبوت

(مکرم جناب شیخ عبدالحق صاحب کراچی)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ربیع الاوّل کے مہینہ میں سوموار کے دن حضرت عیسٰےؑ سے ۵۷۱ سال بعد ہوئی۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ

چند واقعات قبل دعوئے نبوت

مکہ مکرمہ کے شرفاء۔ امراء و رؤساء اپنے اپنے نوزائیدہ بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہات میں بھجدیا کرتے تھے۔ حضورؐ کی والدہ مقدسہ (حضرت آمنہ) نے بھی دو تین دن اپنا دُودھ پلا کر حضور علیہ السلام کو بھی قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حضرت بی بی حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کر دیا۔ جنہوں نے حضورؐ کو دو سال تک دودھ پلایا۔ کیونکہ حضورؐ کے والد مقدس حضرت عبداللہ تو آپؐ کی پیدائش سے ہی قبل وفات پا گئے تھے اور حضورؐ کی والدہ مقدسہ بھی بعمر چھ سال بجد اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی۔ اس لئے حضورؐ کو اپنے والدین کی خدمت کا موقعہ نہیں ملا۔ تاہم زمانہ نبوت میں ایک موقعہ پر حضرت حلیمہ سعدیہؓ حضورؐ کے پاس تشریف لائیں۔ تو حضورؐ رسالت مآب نے ان کی والدہ کی طرح عزت کی اور اُس کی تعظیم کے لئے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھادی۔

(۲) بچپن میں جس شخص کے ساتھ آپؐ کی واقفیت یا تعلق ہو جاتا۔ وہی شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا اور دل و جان سے محبت کرنے لگتا۔

(۳) حضورؐ کی دیانت۔ امانت۔ راستبازی کے سبب ساری قوم نے متفقہ طور پر "الامین" کا خطاب عطا فرمایا۔ اور حضورؐ کی نیکی۔ پرہیزگاری خدا خوفی اور خدا ترسی کے باعث مکہ معظمہ کی ایک قابل عزت اور شریف النفس اور پاک و نیک عورت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے جو عمر میں آپؐ سے ۱۷ سال بڑی تھی۔ اپنی شادی کے متعلق حضورؐ کو پیغام بھیجا۔ جو حضورؐ نے قبول فرمایا۔

(۴) اس کے بعد عمائدین اور مختلف سرداروں نے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت محسوس کی تو حجر اسود کو نصب کرنے کے سلسلے میں ان کے درمیان خطرناک قسم کا تفرقہ نمودار ہوا۔ قریب تھا کہ سب سردارانِ قوم آپس میں ہی لڑ جھگڑ کر اپنا خاتمہ کر لیتے۔ کہ ایسے ہنگامہ میں انہوں نے آپس میں سے ایک تجربہ کار سردار نے قوم کے سب معززین کو اس تجویز پر راضی کر لیا کہ اگلے روز علی الصبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اس کو تنازعہ کے تصفیہ کے لئے ثالث مقرر کیا جاوے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بعد سب سے پہلا اور اوّل داخل ہونے والا انسان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات تھی۔

اُن کو دیکھ کر سب سردارانِ قوم متفقہ طور پر پکار اُٹھے "ھٰذا الامین" اور ان عمائدین نے اپنا جھگڑا حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ چاہتے تو خود ہی حجر اسود کو نصب کر کے ان کے اختلاف کو ختم کر دیتے۔ مگر حضورؐ نے ایسا نہیں کیا اور سردارانِ قوم کو ایک چادر لانے کو کہا۔ جس میں حضورؐ نے حجر اسود کو رکھ دیا۔ اور سب معززین قوم کو چادر کے چاروں طرف کناروں سے پکڑ کر اُٹھانے کو کہا اور حجر اسود کو اس طریق پر اپنے دستِ مبارک سے اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔

اس خطرناک قومی تنازعہ کو ایسے احسن طریق پر ختم کرنے کے باعث سارے مُلک عرب میں حضورؐ کی معاملہ فہمی کی شہرت اور دھاک بیٹھ گئی۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی

چند واقعات بعد دعوئے نبوت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور اللہ تعالےٰ کا بنی نوع انسان پر عظیم الشان احسان ہے کہ دُنیا سے تاریکی اور جہالت کو دُور کرنے کے لئے اور نیکی کا رستہ دکھلانے کے لئے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسٰےؑ تک ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں اللہ تعالےٰ نے اپنے رسُول بھیجے اور اسی سنّت کے مطابق قصرِ نبوت کو حد تکمیل تک پہنچانے، ساری دُنیا کی رہبری اور ہدایت کے لئے سب سے آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔

مگر دُنیا نے اس کی مخالفت کی اور جو قوم حضورؐ کے اُس وقت سامنے تھی اس نے شروع شروع میں ماننے سے انکار کر دیا۔ تاہم نیک، سعید اور صداقت کے گرویدہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ (آپؐ کی حرم محترم)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت علی رضؓ۔ حضرت زید بن حارثؓ ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کوششوں کے باعث حضرت عثمانؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت بلالؓ قابلِ ذکر ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا جب منشاء ہو کہ دنیا میں کوئی جماعت بلند اخلاق اور اعلےٰ کردار کی پیدا ہو۔ ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ ایسے پیکرِ صداقت لوگوں کی مخالفت کے لئے انہیں کی قوم سے ایک گروہ کثیر ان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جو طرح طرح کے مکر و فریب اور جھوٹ و افتراء سے ان کو ایذا رسانیوں کے ساتھ ساتھ (موجودہ زمانہ میں جماعتِ احمدیہ لاہور کی مثال ہے جس کا کوئی عقیدہ اہلِ سنّت والجماعت سے بال برابر بھی اختلاف نہیں رکھتا سوائے وفاتِ مسیح جس کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں صریح طور پر موجود ہے اور اب مولوی صاحبان بھی اس صداقت کو قبول کرتے ہیں مگر نمبرداری جاتی رہنے کے باعث اظہار نہیں کرتے) پبلک کو صداقت سے منحرف کرنے کے لئے جھوٹا پروپاگنڈا کرنا اپنا فرض قرار دے لیتا ہے۔

اس میں اللہ تعالےٰ کی مخفی غرض یہ ہوتی ہے کہ دُنیا کو پتہ چل جائے کہ ماننے والے کسی دنیوی اغراض کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے اور انسانی طاقتیں ایسی جمعیت کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ اسی سنّت اللہ کے مطابق حضورؐ کی دعوتِ اسلام کو ٹھکرایا گیا اور حقارت کی نظر سے کبھی حضورؐ کو کاہن اور کبھی شاعر اور کبھی مجنون قرار دیا۔ ایک موقعہ پر حالت سجدہ میں حضورؐ کی گردن پر اونٹنی کا غلیظ بچہ دان رکھ دیا گیا۔ حضورؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے جاتے تھے تاصبح جب نماز کے لئے نکلیں تو حضورؐ کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ راہ چلتے آپؐ پر مٹی پھینکنا۔ پتھر مارنا تو روزمرہ کا معمول تھا۔ ایسا موقع بھی آیا جب حضورؐ کی گردن میں چادر ڈال کر اس زور کے ساتھ مروڑا کہ حضورؐ کا دم نکل جائے۔

بالآخر حضورؐ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی۔ صحابہ کرام رضؓ کو بھی ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ اور وہ بے سرو سامانی کی حالت میں اپنا گھر بار چھوڑ کر دُور دُور شہروں اور ملکوں میں نکل جانے کے لئے مجبور ہو گئے۔ تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں حضورؐ اور آپؐ کے ساتھی اس قسم کی سختیوں اور ظلم کو صبر اور استقامت کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

کفار مکہ نے جب یہ دیکھا کہ دُکھوں اور مصائب سے تو مسلمان ترقی کر رہے ہیں اس لئے اپنی فوج و لشکر کے بل بوتے پر حضورؐ اور ان کے ساتھیوں کو فنا کرنے کے لئے مختلف جنگوں میں اُلجھا دیا۔ جس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مشرکین اور کفار مکہ کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں۔ کافروں کے سب منصوبے فیل ہو گئے۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲)

مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

اہلِ ربوہ کا عقیدہ کہ اب

[illegible]

دوسرا حوالہ } مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام حوالہ مکمل طور پر درج کر دیا جائے یہ ایک خط ہے جو "بنام اخبار عام" حضورؑ نے تحریر فرمایا تھا۔ وہ خط حسب ذیل ہے:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب اخبار۔ پرچہ اخبار عام ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کے پہلے کالم کی دوسری سطر میں میری نسبت یہ خبر درج ہے کہ گویا میں نے جلسہ دعوت میں نبوت سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں واضح ہو کہ اس جلسہ میں میں نے صرف یہ تقریر کی تھی کہ میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں۔ اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعوےٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنے ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعوےٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعوےٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ (مندرجہ بالا تمام عبارت مقرر صاحب نے حذف کر دی۔ ناقل) اور جس بنا پر میں اپنی تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت سے قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا۔ اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے" سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ (مقرر صاحب نے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا) تک نقل کر کے بددیانتی کی ہے۔ اس سے اگلی عبارت جو ترک کی ہے وہ یہ ہے:۔

. . . .

"مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا۔ اور بغیر کثرت کے یہ معنی تحقیق نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ صرف ایک پیسہ سے کوئی مالدار نہیں کہلا سکتا۔ سو خدا نے مجھے اپنے کلام کے ذریعہ سے بکثرت علم غیب عطا کیا ہے اور ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے ہیں اور کر رہا ہے۔ میں خود ستائی سے نہیں بلکہ خدا کے فضل اور اس کے وعدہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور ایک طرف صرف میں کھڑا کیا جاؤں اور کوئی ایسا امر پیش کیا جائے جس سے خدا کے بندے آزمائے جاتے ہیں تو مجھے اس مقابلہ میں خدا غلبہ دے گا۔ عام طور پر لوگوں کو خوابیں بھی آتی ہیں بعض کو الہام بھی ہوتا ہے اور کسی قدر مخلوقی کے ساتھ علم غیب سے بھی اطلاع دی جاتی ہے۔ مگر وہ الہام مقدار میں نہایت قلیل ہوتا ہے اور اخبار غیبیہ بھی اس میں نہایت کم ہوتی ہیں اور باوجود کمی کے مشتبہ اور مکدر اور خیالات نفسانی سے آلودہ ہوتی ہیں تو اس صورت میں عقل سلیم خود چاہتی ہے کہ جس کی وحی اور علم غیب اس کدورت اور نقصان سے پاک ہو اس کو دوسرے معمولی انسانوں کے ساتھ نہ ملایا جائے بلکہ اس کو کسی خاص نام کے ساتھ پکارا جائے تاکہ اس میں اور اس کی غیر میں امتیاز ہو۔ اس لئے محض مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لئے خدا نے میرا نام نبی رکھ دیا اور یہ مجھے ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے تاکہ ان میں اور مجھ میں فرق ظاہر ہو جائے۔ ان معنوں سے میں نبی بھی ہوں اور اُمتی بھی ہوں تاکہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح اُمتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا۔ ورنہ حضرت عیسےٰ جن کے دوبارہ آنے کے بارے میں ایک جھوٹی اُمید اور جھوٹی طمع لوگوں کو دامنگیر ہے وہ اُمتی کیونکر بن سکتے ہیں۔ کیا آسمان سے اُتر کر نئے سرے وہ مسلمان ہوں گے یا کیا اس وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء نہیں ہوں گے" والسلام علےٰ من اتبع الھدیٰ۔ الراقم خاکسار المفتقر الی اللہ الاحد غلام احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء از شہر لاہور۔

ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی کا صحیح مفہوم } مقرر صاحب کہتے ہیں:۔

اور اس زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی اور محبت سے شریعت جدیدہ کے بغیر اُمتی نبی اور اُمتی رسول ہیں جس کا آپ نے خصوصیت سے ۱۹۰۱ء سے بار بار اپنی کتابوں میں دعویٰ فرمایا ہے۔

اسی طرح مقرر صاحب کہتے ہیں:۔

"سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ عالی مقام فنا فی الرسولؐ ہونے کی وجہ سے ملا ہے۔ آپ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت کی اور آپ کی اس رنگ میں پیروی کی کہ آپ کے وجود میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل پرتو جلوہ گر ہو گیا ہے اسی لئے آپ نے فرمایا ہے:

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اسی کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

مقرر صاحب نے جو کچھ مندرجہ بالا عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق فرمایا ہے کہ جو مقام قرب الٰہی کا حضورؑ کو ہوا ہے وہ کامل طور پر حضرت نبی کریم صلعم کی پیروی اور آنحضرت صلعم کی محبت میں کامل طور پر فانی ہونے کی حیثیت سے حاصل ہوا ہے۔ یہ انہوں نے بالکل ٹھیک کہا ہے لیکن اس بات کے بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

فون: ۵۳۷۳۷

پیغامِ صلح

لاہور پاکستان

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

مدیر اعزازی خلیل الرحمٰن

نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

● رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
● تار کا پتہ
● تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
● پاک و ہند سے: پندرہ روپے
● بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کردے گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۷۹ء | نمبر ۸

ملفوظات حضرت مجدّد زمان مسیح موعود علیہ السلام

حدیث کی ضرورت، اہمیت اور عظمت

دین کی تمام تفصیلات احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ملتی ہیں

ہمیں اپنے دین کی تمام تفصیلات احادیث نبویہؐ کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ مثلاً یہ نماز جو پنج وقت ہم پڑھتے ہیں۔ گو قرآن مجید سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت ہیں۔ اور پھر ظہر کی چار رکعت فرض اور چار اور دو سنت ہیں۔ اور مغرب کی تین رکعت فرض اور دو رکعت سنت ہیں، اور پھر عشاء کی چار رکعت فرض ہیں۔

ایسا ہی زکوٰۃ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے ہم بالکل احادیث کے محتاج ہیں۔ اسی طرح ہزارہا جزئیات ہیں۔ جو عبادات اور معاملات اور عقود وغیرہ کے متعلق ہیں اور ایسے مشہور ہیں کہ ان کا لکھنا صرف وقت ضائع کرنا اور بات کو طول دینا ہے۔ علاوہ اس کے اسلامی تاریخ کا مبدء اور منبع یہی احادیث ہیں۔ اگر احادیث کے بیان پر بھروسہ نہ کیا جائے تو پھر ہمیں اس بات کو بھی یقینی طور پر نہیں ماننا چاہیئے کہ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے۔ جن کو بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی ترتیب سے خلافت ملی اور اسی ترتیب سے ان کی موت بھی ہوئی۔ کیونکہ اگر احادیث کے بیان پر اعتبار نہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان بزرگوں کے وجود کو یقینی کہہ سکیں اور اس صورت میں ممکن ہوگا کہ تمام نام فرضی ہی ہوں۔ اور دراصل نہ کوئی ابوبکرؓ گذرا ہو، نہ عمرؓ نہ عثمانؓ نہ علیؓ کیونکہ بقول ..... معترض (ایک منکر حدیث) یہ سب احادیث احاد ہیں اور قرآن میں ان ناموں کا کہیں ذکر نہیں۔ پھر بموجب اس اصول کے کیونکر تسلیم کی جائیں۔

ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ اور دادا کا نام عبدالمطلب ہونا اور آنحضرت صلعم کی بیویوں میں سے ایک کا نام خدیجہؓ اور ایک کا نام عائشہؓ اور ایک کا نام حفصہؓ رضی اللہ عنہا ہونا اور دایہ کا نام حلیمہؓ ہونا اور غار حرا میں جاکر آنحضرت صلعم کا عبادت کرنا۔ اور بعض صحابہؓ کا حبش کی طرف ہجرت کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا۔ اور پھر وہ تمام لڑائیاں جن کا قرآن میں نام و نشان نہیں اور صرف احادیث سے یہ تمام امور ثابت ہوتے ہیں تو کیا ان تمام واقعات سے اس بناء پر انکار کر دیا جائے کہ احادیث کچھ چیز نہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر مسلمانوں کے لئے ممکن نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سوانح میں سے کچھ بھی بیان کر سکیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے مولیٰ و آقا کی سوانح کا وہ سلسلہ کہ کیونکر قبل از بعثت مکہ میں زندگی بسر کی اور پھر کس سال دعوت نبوت کی اور کس ترتیب سے لوگ داخل اسلام ہوئے اور کفار نے مکہ کے دس سال میں کس کس قسم کی تکلیفیں پہنچائیں۔ اور پھر کیونکر اور کس درجہ سے لڑائیاں شروع ہوئیں اور کس قدر لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس حاضر ہوئے اور آنجناب کے زمانہ زندگی تک کن کن ممالک تک حکومت اسلام پھیل چکی تھی اور شاہان وقت کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے خط لکھے تھے یا نہیں اور اگر لکھے تھے تو ان کا کیا نتیجہ ہوا تھا۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت کیا کیا فتوحات ہوئیں۔ اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ اور حضرت فاروقؓ کے زمانہ میں کن کن ممالک تک فتوحات اسلام ہوئیں۔ یہ تمام امور صرف احادیث اور اقوال صحابہؓ کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔

پھر اگر احادیث کچھ چیز بھی نہیں تو پھر اس زمانہ کے حالات دریافت کرنا نہ صرف ایک امر مشکل بلکہ محالات میں سے ہوگا۔ اور اس صورت میں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت مخالفین کو ہر ایک افتراء کی گنجائش ہوگی۔ اور ہم دشمنوں کو بے جا حملہ کرنے کا موقع دیں گے۔ اور ہمیں ماننا پڑے گا کہ جو کچھ ان احادیث کے ذریعہ سے واقعات اور سوانح دریافت ہوتے ہیں وہ سب ہیچ اور کالعدم ہیں۔

اصل اور صحیح امر یہ ہے کہ جو کچھ احادیث کے ذریعہ بیان ہوا ہے جب تک صحیح اور صاف لفظوں میں قرآن کریم اس کا معارض نہ ہو تب تک اس کو قبول کرنا لازم ہے۔

(شہادت القرآن صفحہ ۵-۶)

انڈونیشیا کے دو نوجوان ادارہ تعلیم القرآن سے فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس ہو گئے

"ہم اپنے مُلک جا کر اسلام، احمدیت اور بنی نوع انسان کی حتی المقدور خدمت کریں گے" ۔[نوجوانوں کا عزم]

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور بلادِ غیر میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام اپنے محدود ترین ذرائع و وسائل کے ساتھ مشکلات زمانہ کے باوجود، بڑے حوصلہ عزم و استقامت کے ساتھ سرانجام دے رہی ہے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ یہ کمیٹی مختلف مغربی اور مشرقی ممالک میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام کی نگران ہے۔ بیرونی ممالک میں انجمن کے باقاعدہ مشن موجود ہیں اور جن علاقوں میں مستقل مشنری نہیں ہیں وہاں پر جماعت کے نمائندے اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔ انجمن کی تبلیغی مساعی کئی جہت سے جاری ہیں۔ جن میں تبلیغی خط و کتابت و ترسیل لٹریچر کا سلسلہ بھی شامل ہے۔

انڈونیشیا کے دو نوجوان — مسٹر سردیمان اور مسٹر سکندر، اس ماہ کے شروع میں تکمیل تعلیم و تربیت کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے ہیں۔ انہوں نے دو سال تک یہاں قیام کیا۔ مختلف اساتذہ کرام سے علومِ دینیہ، تحریکِ احمدیت، اور تقابلِ ادیان کے مطالعہ اور اُردو و عربی زبان سیکھنے کے علاوہ انہوں نے بزرگانِ سلسلہ احمدیہ سے براہِ راست بھی فیض حاصل کیا۔ انہوں نے پاکستان میں مختلف جماعتہائے احمدیہ کے دورے بھی کئے اور احباب سے اخوت و مودّت کا رشتہ بھی استوار کیا۔

انہوں نے ایک خصوصی انٹرویو میں بتایا کہ یہاں آکر جہاں ہمیں دین اسلام کی تعلیم و تربیت کے مواقع حاصل ہوئے ہیں۔ وہاں سلسلہ احمدیہ کے بارے میں براہ راست تحقیق و مطالعہ کا بھی موقعہ ملا ہے۔ انہوں نے کہا کہ احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ اس تحریک نے پون صدی سے اسلام ملت اسلامیہ اور بنی نوع انسان کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ تبلیغ و اشاعت اسلام کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ آج اگرچہ یہ تحریک بعض مشکلات سے دوچار ہے۔ لیکن ایک وقت آئے گا کہ عالم انسانیت بالعموم اور عالم اسلام بالخصوص ان خدمات کو خراج عقیدت پیش کرے گا۔ اس کے معقول افکار و نظریات اور عقائد پر زمانہ مہر تصدیق ثبت کرتا جا رہا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغربی دُنیا کو اسلام سے متعارف کرنے کا سہرا احمدیت ہی کے سر ہے۔ وہ وقت دُور نہیں ہے کہ غرب و شرق کے اہلِ نظر اس تحریک کے مؤید و معاون ہو کر اس کی اغراض و مقاصد کو پُورا کرنے کا باعث ہوں گے۔

ان ہر دو نوجوانوں نے کہا کہ جس طرح یہ الہام — "میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا" — پُورا ہوتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح ہم اس الہام — کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" — کی تعبیر بھی عملاً دیکھ لیں گے۔ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا کیونکہ

"قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا"

ان نو تربیت یافتہ نوجوانوں نے کہا کہ ہم جس غرض کے لئے اپنے وطن سے یہاں آئے تھے اس کی تکمیل کے لئے اگرچہ دو سال کا عرصہ ایک نہایت قلیل مدت ہے لیکن ہم مطمئن ہیں اور اس ارادے کے ساتھ واپس جا رہے ہیں کہ بحیثیت احمدی دینِ اسلام کی خدمات انجام دیں گے۔ حضرت مسیح موعود کی کُتب اور سلسلہ کے دیگر لٹریچر کے تراجم اپنی مقامی زبان یعنی انڈونیشی میں کر کے اپنے مُلک کے لوگوں کو اسلام و احمدیت سے متعارف کروائیں گے۔

اُنہوں نے کہا کہ ہم یہاں کے احباب اور بزرگان کے علاوہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ذاتِ گرامی سے خصوصاً از حد متاثر ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہم پر خصوصی شفقت کی نظر رکھی، ہر موقعہ پر دلداری کی اور ہماری ضروریات کا خیال رکھا۔ ان کی روزمرہ زندگی کے مشاہدہ سے ہمیں احمدیت کی حقانیت و صداقت پر پختہ یقین ہوا۔

مرکزی انجمن نے ان ہر دو نوجوانوں کی مراجعت وطن کے موقعہ پر الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔ جس میں مرکزی انجمن کے ذمہ دار حضرات اور دیگر احباب نے شرکت کی۔ اس موقعہ پر مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری مرکزی انجمن اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب چیئرمین تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی نے تقاریر فرمائیں۔ انہوں نے ان عزیز نوجوانوں کے تعلیم و تربیت کے مراحل اور ان سے دلی وابستگی کا اظہار فرمایا۔ اور اُمید ظاہر کی کہ نوجوان اپنے مُلک جا کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے مقدس کام کو جاری رکھیں گے۔ اور انجمن کی طرف سے ان کو ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔

جناب سردیمان

ان نوجوانوں نے مرکزی انجمن کا اور ان سب حضرات و بزرگان کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ان کے عرصہ قیام میں کسی نہ کسی طور ان سے اظہار شفقت و محبت کیا۔ اور تحریک دُعا کی کہ اللہ تعالےٰ انہیں بعافیت منزل مقصود پر پہنچائے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اختتامی دُعا فرمائی۔

۳ر فروری کو صبح ہوائی اڈہ پر عزیز مہمانوں کو جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی معیت میں متعدد احباب نے اپنی شفقت بھری دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

جناب اسکندر

قارئین کرام جانتے ہی ہوں گے کہ "انڈونیشیا میں ہماری دعوت و تحریک کا آغاز ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ جب مولانا احمد صاحب مرحوم اور مرزا ولی احمد بیگ صاحب مرحوم کو انجمن نے ان جزائر میں بھیجا۔ مولانا احمد صاحب تو بوجہ علالت طبع جلد ہی واپس آ گئے۔ البتہ مرزا صاحب نے تیرہ سال تک وہاں قیام فرمایا اور ملک بھر میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی دھاک بٹھا دی۔ ۱۹۳۷ء میں آپ واپس ہوئے تو کئی شہروں میں منظم جماعتیں قائم ہو چکی تھیں اور کئی نہایت قیمتی وجود سلسلہ کی آواز کو بلند کرنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ جن میں مسٹر یوبو سوگیتو۔ مسٹر سودیود۔ محمد کسپانی۔ مسٹر عثمان۔ مسٹر سونارتو۔ مفتی شیرین۔ پروفیسر محمد ارشاد صاحبان کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

ان افراد نے جماعت کے علم الکلام سے بہرہ ور ہو کر نہایت قابل قدر لٹریچر ڈچ زبان میں پیدا کیا اور ہماری مطبوعات کو بھی ڈچ زبان میں منتقل فرمایا۔ ترجمہ قرآن اور دی ریلیجن آف دی اسلام ایسی ضخیم کتاب کو ڈچ زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔

آج کل اس ملک میں ۱۳ مقامات پر انجمن کی منظم شاخیں موجود ہیں۔ جن میں سے جاوا کے ۱۲ شہروں اور سماٹرا میں ایک جگہ رشد و ہدایت کے مراکز قائم ہیں۔ یہ جماعتیں چار ماہنامے جاری کئے ہوئے ہیں۔ "فتح اسلام" جکارتہ سے "الاسلام" پرودکرتا سے۔ "النور" جوگیوکرتا سے۔ اور "امن" ماگو رنگ سے ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔ جماعت کی تعلیم و تربیت کے لئے ۳۱ سکول قائم ہیں اور حسب ذیل افراد پر

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

وحی والہام اور اُمّتِ محمدیہ

تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء

مورخہ ۲۹ دسمبر بروز جمعہ

(از محترم شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ چھاؤنی)

تشہد و تعوذ اور ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

صدر گرامی قدر و معزز خواتین و حضرات -

وحی والہام اور اُمّتِ محمدیہ کے موضوع کا قرعہ فال میرے نام نکالا گیا ہے - اپنی کم مائیگی کے احساس و اعتراف کے باوجود میں حتی المقدور کوشش کروں گا کہ اس اہم موضوع کے مجمل گوشے سامعین کرام پر روشن ہو جائیں -

انسان کی پیدائش کی اصل غرض خدا کی عبادت ہے - پس اس کا اعلیٰ کمال خدا تعالیٰ کا وصال ہے اور یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ... انسان کا دل بصیرت اور انشراح صدر سے خدا کی طرف مائل ہو - اب سوال یہ ہے کہ یہ مدعا کس طرح اور کن وسائل سے حاصل ہو سکتا ہے -

سب سے پہلا وسیلہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے تو پھر دوسرے قدموں میں اس کے راہِ راست پر چلنے کی کیا اُمید ہے - سچا خدا اس کے ڈھونڈنے والوں کو خود مدد دیتا ہے - چونکہ اس کی ذات نہایت روشن ہونے کے باوجود پھر بھی نہایت مخفی ہے - اس لئے اس کی شناخت کے لئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اس لئے ایسے ظاہری نظام پر مدار رکھنے والے باوجود اس پُر حکمت کائنات کو غور سے دیکھنے اور اس سے بڑے بڑے کام لینے کے، پھر بھی شکوک و شبہات سے سے نجات نہ پا سکے -

اگر ان کو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال آیا تو صرف اس قدر کہ اس عظیم الشان نظام کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہیئے - لیکن خدا کی ضرورت ... اور در حقیقت وہ ہے دونوں میں بڑا فرق ہے - قیاسی معرفت دل کو اطمینان نہیں ... سکتی اور نہ شکوک کو دل سے بکلی دور کر سکتی ہے -

حضرت مجدد زمان نے کیا خوب فرمایا ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ خود اپنے ... اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اس نے اپنے کام سے ظاہر ... ہے تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں - اور مثال دی ہے، اگر ہم ایک ... بند کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ عجیب بات ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی ... تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے لیکن ... تک اور برسوں تک آوازیں دینے کے باوجود اس انسان کی طرف ... آواز نہ آوے تو آخر ہماری یہ رائے بدل جاوے گی اور یہ خیال کریں گے کہ اندر کوئی نہیں -

یہی حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ سے الٰہی معرفت ... ختم کر دیا - اگر خدا ایسا ہے کہ صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا تو ایسے خدا کی نسبت ہماری اُمیدیں عبث ہیں - بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ اور قدیم سے آپ انا الموجود کہکر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے - اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہے - کیا اس کی زبان ہے - یہ بڑی بے باکی ہے کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا - اور جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سنتا -

پس کیا ضروری نہ تھا کہ وہ اسی طرح کلام بھی کرے - ضرورتوں کے ختم ہو جانے پر شریعتیں اور حدود تو ختم ہو گئیں لیکن اس کی صفات تو ختم نہیں ہوئیں - پس خدا کو حکیموں نے شناخت نہیں کیا بلکہ اس کے کلام نے اس سچے خدا کا پتہ دیا - قرآن نے خدا کی معرفت عطا کرنے کے لئے دو طریق رکھے ہیں -

اوّل وہ طریق جس کی رو سے انسانی عقل عقلی دلائل پیدا کرنے میں قوی اور روشن ہو جاتی ہے - دوسرا روحانی طریق کہ روحانی قوتیں خدا سے پیوند لگنے کے بعد ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جائے ایسی حالت کا نام اسلام ہے -

اس دوسری زندگی کے لئے الہام الٰہی ضروری ہے - جب نفسانی جذبات پر موت آتی ہے اور انسان از سر نو زندہ ہو جاتا ہے تو پھر جو خدا کے لئے کھوتے ہیں فضل کے طور پر ان کو واپس دیا جاتا ہے اور سب کچھ ان پر وارد ہوتا ہے - عنایت ازلی نے جو انسانی فطرت کو ضائع نہیں کرنا چاہتی - تخم ریزی کے طور پر اکثر انسانی افراد میں یہ عادت جاری رکھی ہے کہ کبھی کبھی سچی خوابیں یا الہام ہو جاتے ہیں تا معلوم کر سکیں کہ ان کے لئے آگے قدم رکھنے کے لئے راہ کھلی ہے تا اُن پر خدا کے مرسلین پر ایمان لانے کے لئے ایک حجت ہو ورنہ عذر ہو سکتا ہے کہ ان کی فطرت کو کوئی نمونہ نہیں دیا گیا -

غور فرماویں جس حالت میں فیاضِ مطلق نے جو کچھ انسانی فطرت کے جسمانی حصّہ کو قوتیں عطا کی تھیں جیسے قوتِ باصرہ، سامعہ، شامہ، لامسہ اور حافظہ وغیرہ وہ اب تک انسانوں میں پائی جاتی ہیں تو پھر کیونکر خیال کیا جائے کہ جو روحانی قوتیں انسانوں میں پہلے زمانوں میں تھیں اس زمانہ میں وہ تمام قوتیں فطرت سے مفقود ہو گئی ہیں -

سب سے بڑا اعتراض جو مذہب پر کیا جاتا ہے اور جس سے فی الواقع سوائے اسلام کے سب ادیان کے پاؤں اکھڑ گئے وہ یہ تھا اگر مذہب کا دعویٰ وحی والہام درست ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ خدا جو ہمیشہ اپنے طالبان کو اپنے شیریں کلام سے محظوظ کرتا رہا ہے آج خاموش ہے - اگر اللہ تعالیٰ آج کلام نہیں کرتا تو اس امر کے لئے کوئی دلیل نہیں رہتی کہ اس نے گذشتہ زمانہ میں بھی کسی سے کلام کیا ہو گا - یہی نہیں بلکہ اس صفت کا خدا ماننے کے قابل نہیں -

لیکن خدا ایک وراء الوراء ہستی ہے جس کو انسان کی مادی نگاہ دیکھنے سے قاصر ہے - مگر یہ تو ہو کہ کم از کم اس کا کلام سُن کر ہی پیاس بجھائی جائے - یہ وہ روحانیت کا انتہائی مقام ہے جس پر کوئی مذہب پہنچا سکتا ہے اور مقام شکر ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اپنے متبعین کو اس نعمت کا وعدہ دیا ہے - اور یہ بے ضرورت نہیں وحی الٰہی کی ضرورت ہے کہ جذبات کو کن حدود پر روکا جائے سے اخلاق فاضلہ کا ظہور ہو -

اس کے لئے انسان کی اپنی عقل کافی نہیں - وقت کے ... انسانی ترقی تنزّل کرتی ہے - ایک ہی چیز کے کوئی فوائد بیان کرتا ہے اور کوئی نقصانات - بے شک موٹی موٹی باتیں اخلاق کی ضمیر بتا دیتا ہے - لیکن ان کی تفصیل ... اور جزئیات کے کئی امور میں عقل کی مطلق مدد نہیں کر سکتا اور کون جانتا ہے کہ موٹی موٹی باتیں بھی انسان نے وحی کی مدد سے سیکھی ہوں کیونکہ جب سے انسان ہے تب سے وحی والہام کا سلسلہ ہے اور یہ فطرت میں ہی رکھ دیا گیا ہے فالھمھا فجورھا وتقوٰھا - کسی زمانہ کی وحی نے عقل کو بے کار قرار نہیں دیا - بلکہ وحی اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے عقل کو ہی اپیل کرتی ہے - تو وحی الٰہی ایک ضرورت حقہ ہے - مشیت ایزدی ہماری جملہ ضروریات مہیا کرنے پر آمادہ ہے اور یہ قانون اس کائنات کے ہر شعبہ میں جاری ہے - تحقیق و تلاش کی خواہش کے ساتھ علم بھی عطا کیا گیا ہے -

بدقسمتی سے ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں اکثر الہامی کتابیں ایسی حالت میں ہیں کہ وہ تہذیب و تمدن کے دوش بدوش نہیں چل سکتیں اسی لئے موجودہ تہذیب نے وحی والہام کا انکار کر دیا ہے - غلطی یہ لگی ہے کہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ختم نبوت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا ہے - حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور غیر نبی کے ساتھ کلام کرنے میں فرق ہے - بعض کلام حضور نبی کریم کے ساتھ بھی ایسا ہے جسے وحی نبوت قرار نہیں دیا گیا - مثلاً حدیث ... گرچہ

وہ [illegible] کے کلام کو ہی بیان کرتی ہے ـ تاہم قرآن کا حصّہ بھی کہلا سکتی ہے ـ لہٰذا
غیر انبیاء سے کلام وحی نبوت نہیں اور نہ اس کو حجتِ شرعیہ کہا جا سکتا ہے ـ
تو وحی و الہام کی اقسام ہیں جو جاری و ساری ہیں ـ

اللہ تعالےٰ کا کلام اور قول الگ الگ رنگ کا ہے ـ بان ربّك
اوحیٰ لها ـ یہ زمین کی طرف وحی ہے ـ و اوحیٰ فی کلّ السماءِ امرها
یہ آسمانوں کی طرف وحی ہے ـ و اوحیٰ ربّك الی النحل ـ یہ شہد کی مکھی کی
طرف وحی ہے ـ و اوحینا الیٰ امّ موسیٰ ان اقذ فیه فی التابوت
حضرت موسےٰ کی [illegible] نے اسی وحی کی بناء پر اپنے بچے کو دریا میں ڈال دیا تھا ـ
قرآن سے [illegible] انبیاء کی طرف وحی کا ثبوت ہے اور یہاں صرف ہمکلامی کا ہی ذکر
[illegible] ہے وحی کے نام سے پکارا ہے اور یہ محض کسی بات کا دل میں ڈالنا ہی نہیں
[illegible] ہے اور پھر وعدہ بھی موجود ہے کہ اس بچے کو ہم تیری طرف واپس
[illegible] اور اسے رسول بھی بنا دیں گے اور کلامِ الٰہی کا پورا ہونا اس کی سچائی
[illegible] ہے ـ

اور وحی کی ایک قسم وحی ولایت ہے جو زیرِ سایہ نبوتِ محمدیہ اور باتباع حضرت
نبی کریم صلعم اولیاء اللہ کو ملتی ہے ـ الذین اٰمنوا وکانو یتقون
لهم البشریٰ فی الحیٰوة الدنیا و فی الاٰخرة لا تبدیل
لكلمات الله ذالك هو الفوز العظیم ـ اولیاء کو یہ خوشخبری دی
گئی ہے کہ انکے لئے بشارتیں ہیں ـ اور حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے ـ لم
یبق من النبوة الا المبشرات ـ یعنے اللہ تعالےٰ اور اس کے
بندوں کے درمیان جو سفارت کا کام انبیاء کرتے تھے اس میں سے اب صرف
مبشّرات باقی ہیں ـ جو مومنوں کو ملتی رہیں گی ـ

اور ایک حدیث میں ہے ذهبت النبوّة وبقیت المبشرات ـ
نبوت تو ختم ہو گئی لیکن مبشّرات باقی ہیں ـ لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ مبشرات
کیا ہیں تو آپ نے فرمایا الرؤیاء الصالحات ـ اور رویاء کا لفظ اس علم کے
لئے استعمال ہوا ہے جو بندہ کو خدا کی طرف سے دیا جاتا ہے ـ خواب کے ذریعہ ہو
یا کشف کے ذریعہ یا الہام اور وحی کے ذریعے ـ الفاظ میں ہو خواہ لکھا ہوا [illegible] دکھایا
جاوے ـ تمام محقق علماء اس امر کو تسلیم کرتے ہیں ـ اور مبشّرات ولایت محدثیت
کے ہم معنے ہیں کہ اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جنہیں کشف و الہام کے ذریعہ
مبشّرات اور پیشگوئیاں ملتی رہیں گی ـ جس سے دین کی آبیاری ہوتی رہے گی ـ

حضرت امام الزمان نے لکھا ہے کہ :ـ

”روحانی تسکین اور اخلاقی بلندی بجز الہام ممکن نہیں
انسان کی غافلانہ زندگی جو ہر دم تحت الثریٰ کی طرف
کھینچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقات زن و فرزند
ننگ و ناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح
ہر لحظہ اسے نیچے کی طرف لے جا رہے ہیں وہ ایک
بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے جو اس کو سچی بینائی
اور سچا کشف بخش کر خدا تعالےٰ کے جمال و کمال کا
مشتاق بنا دے ـ سو جاننا چاہئیے کہ وہ بالائی طاقت
ربانی ہے جو ہمیں دُکھ کے وقت میں سرور پہنچاتی
ہے اور مصائب کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے نیچے بھی
بڑے آرام اور لذّت کے ساتھ رکھتی ہے ـ وہ دقیق

در حقیقت وجود جس نے عقلی طاقتوں کو خیرہ کر
رکھا ہے وہ الہام کے ذریعہ سے کچھ اپنا پتہ بتا
دیتا ہے اور انا الموجود کہہ کر سالکوں کے
دلوں کو تسلّی دیتا ہے ـ سکینت نازل کرتا ہے
اور اپنے وصل کی ٹھنڈی ہوا سے جانِ پژمردہ کو
تازگی بخشتا ہے ـ یہ کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ
بلند مقام ہے اور جیسا کہ حضرت امام زمانؑ نے فرمایا
یہ زیرِ سایہ نبوتِ محمدیہ باتباع حضرت نبی کریم صلعم
ملتا ہے ـ“

اور آپ نے فرمایا :ـ

”میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر
سے اس نعمت سے کامل حصّہ پایا اور میرے لئے اس
نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ
فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ
کی راہوں کی پیروی نہ کرتا اور کوئی انسان بجز پیروی
اس نبی کے خدا تک پہنچ سکتا اور نہ معرفتِ کاملہ
کا حصّہ پا سکتا ہے“

تو حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس دنیا میں بھی لقاء اللہ کے بلند
مقام پر نہ صرف پہنچایا بلکہ پہنچاتے رہتے ہیں ـ اور بجا ہوگا ایک مغربی مفکر ہیجر
آرتھمر کے یہ خیالات سنائے جائیں اس نے لکھا ہے کہ :ـ

”محمد کو گھاس کے تنکے میں بھی خدا نظر آتا تھا ـ ایک پانی کے
بلبلے میں بھی خدا نظر آتا تھا“

اور وہ لکھتا ہے :ـ

”اسلام کی جان محمد رسول اللہ کی رُوح ہے ـ اسلام نہیں مر سکتا
تنزّل کی حالت میں نہیں جا سکتا جب تک محمد کی رُوح اس میں موجود
ہے ـ آپ کا جسم فانی تو ضرور مر گیا مگر آپ کی رُوح آج بھی دنیا میں
ایک ایسی آواز میں باتیں کر رہی ہے جو لاکھوں زبانوں کی زبان ہے گا“

تو خدا نمائی ہی حضورؐ کا اصل کام تھا اور یہی وہ چیز تھی جو آپؐ نے اُمت میں پیدا
کر دی ـ ختمِ نبوت کے بعد دعوت الی الخیر کیلئے بصیرت تو بند نہیں ہو گئی ـ یہ تو اللہ تعالےٰ کا
وعدہ ہے ـ ارشاد ہوتا ہے :ـ

وعد الله الذین اٰمنوا منكم و عملوا الصالحات
لیستخلفنهم فی الارض كما استخلف الذین من
قبلهم ـ

اللہ تعالےٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے
اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ
بنائے گا جیسے انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے ـ

سو بڑا بھاری گروہ اولیاء کا ہوا ہے جو نہ صرف خود خدا سے ملا بلکہ دوسروں کو بھی
ملاتا ہے ـ نبی کریم صلعم کے زمانہ کے بعد جس قدر مجدّدین اولیاء اور صاحب

کمالاتِ باطنہ گذرے ہیں۔ ان سب کے اسمائے گرامی مشہور و متعارف ہیں ــــ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ۔ حضرت امام شافعیؒ۔ حضرت امام غزالیؒ۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت معین الدین چشتیؒ۔ حضرت امام مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ۔ ان حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور دوسرے اولیاء کی کتابیں موجود ہیں جن میں بکثرت ان کے الہامات پائے جاتے ہیں۔ امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں صاف لکھا ہے :ــــ

غیر نبی مکالمات و مخاطبات حضرت احدیت سے مشرف ہوتا ہے اور ایسا شخص محدّث کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور اُمت میں یہ منصب بکثرت ثابت ہے۔

قرآن کریم نے صحابہؓ کے حق میں کنتم خیر اُمۃ اخرجت للناس فرمایا ہے۔ یعنی انہیں اُمم سابقہ سے جمیع کمالات میں بہتر اور برگزیدہ ٹھہرایا ہے اور دوسری طرف بطور نمونہ پہلی اُمتوں کے کاملین کا حال بیان فرمایا :ــ

مریم صدیقہ والدہ عیسےٰؑ - والدہ موسےٰؑ - حضرت مسیحؑ کے حواری اور ان میں سے کوئی بھی نبی نہ تھا اور یہ سب ملہم من اللہ تھے اور بذریعہ وحی اسرارِ غیبیہ سے مطلع کئے جاتے تھے۔

تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے کامل متبعین ان لوگوں کی نسبت بوجہ اولیٰ ملہم و محدّث ہونے چاہئیں کیونکہ وہ خیر الاُمم ہیں اور آنحضرت صلعم نے اس اُمت میں ایسے لوگوں کی آمد کی بشارت دی جو گو نبی تو نہیں ہوتے مگر انبیاء کی طرح مکالمہ الٰہیہ پاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :ــ

لقد کان فیمن من قبلکم رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی اُمتی احدٌ منہم فعمر۔

تم سے پہلے ایسے لوگ گذرے ہیں جو مکالمہ الٰہیہ پاتے تھے باوجود اس کے کہ نبی نہ تھے۔ اس وقت میری اُمت میں کوئی ہے تو عمرؓ ہے۔

اہلِ سُنت والجماعت کے اکابرین کا عقیدہ بھی یہی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں :ــ

رسالت اور نبوت یعنی نبوت تشریعی تو منقطع ہو جاتی ہے ولایت کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اور جس وحی کو شیخ محی الدین ابن عربی نے باقی اور عام کیا ہے وہ بمعنی الہام ہے جو اولیاء کو ہوتا ہے۔

تفسیر روح المعانی جو اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق لکھی گئی حدیث مجددؔ کی صحت پر آیت یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہٖ سے استدلال کیا ہے کہ :ــ

الہام الٰہی آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہو کر زمانہ نبویؐ کی انتہا تک ہوتا رہا ہے اور یہ الہام الٰہی ایسے شخص کے جو دعوت اسلام کے لئے مبعوث ہو قیامت تک جاری رہے گا۔

مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت العلماء ہند کی کتاب مجالس الابرار پر حسب ذیل نوٹ ہے کہ :ــ

محدّث اسے کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام خاص الہام کے ذریعہ سے آئے۔ یہ لوگ بعض علماء کے نزدیک ادنےٰ درجہ کے نبی اور بعض کے نزدیک ولی ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حوالہ سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی صدر المدرسین جامع اشرفیہ لکھتے ہیں کہ :ــ

شیخ اکبر نے اپنی خاص اصطلاح میں ولایت اور محدثیت کو نبوت غیر تشریعی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

(طلوع اسلام کا شمارہ فروری ۱۹۷۵ء ملاحظہ ہو)

بس میں علماء کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے یہ سند پیش کر دی ہے کہ :ــــ

علمائے اُمت محمدیہ کشف و الہام اور وحی کا اجراء مانتے ہیں۔

اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ اسی کو مرزا غلام احمد نے اپنے بنیادی دعوے کے لئے بطور دلیل اور حجت پیش کیا ہے اور فرماتے ہیں :ــ

یہ عقیدہ علمائے شریعت اور ارباب طریقت دونوں کے ہاں مسلّم ہے۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

تو وحی و الہام ایک مستند حقیقت ہے اور مسلّمہ بزرگانِ دین کے اقوال پر سند؛ چنانچہ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح نے فرمایا :ــــ

اللہ جلّ شانہٗ کا بشر سے کلام کرنا کبھی روبرو اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے حضرات انبیاء میں سے ہیں۔ اور کبھی ہمکلامی کا مرتبہ ایسے مکمل لوگوں کو ملتا ہے جو نبی تو نہیں مگر نبیوں کے متبع ہیں۔

اور مولانا روم نے فرمایا : ع

پنبۂ وسواس بیروں کن بہ گوش + تا بگوشت آید از گردوں خروش
پس محل وحی گردد گوش جاں + وحی چہ بود گفتن از حس نہاں

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا ہے :ــ

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو + چوں نہ گویم چوں مرا دلدار می گوید بگو

اور حافظ شیرازیؒ نے فرمایا :ــــ

پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند + ہر چہ اُستادِ ازل گفت بگو من گویم

جیسا کہ عرض کیا گیا تھا تمام محقق علماء اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جنہیں کشف و الہام کے ذریعہ مبشرات اور پیشگوئیاں ملتی گی جس سے دین کی آبیاری ہوتی رہے گی۔

اس زمانہ کے امام نے فرمایا :ــــ

"پیارو یقیناً سمجھو کہ خدا ہے اور وہ اپنے دین کو فراموش نہیں کرتا، بلکہ تاریکی کے زمانہ میں اس کی مدد کرتا ہے۔ مصلحت عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے اس نے مجھے جگایا اور سچائی کے لئے میرا دل کھول دیا۔ میری روزانہ کی زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اس کام میں لگا رہوں بلکہ میں اس کے بغیر جی نہیں سکتا کہ میں اس کا اور اس کے رسول کا اور اس کے کلام کا جلال ظاہر کروں۔ مجھے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں اور نہ کچھ پروا ہے۔ میرے لئے یہ بس ہے کہ وہ راضی ہو جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو کچھ اس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے میں سب لوگوں پر ظاہر کر دوں اور دعوت مولیٰ میں شریک کر دوں۔ لیکن جو امر میرے اختیار میں نہیں ہیں خداوند قدیر سے چاہتا ہوں کہ وہ آپ اس کام کو انجام دیدے۔ میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ایک دستِ غیب مجھے مدد دے رہا ہے۔ میں جو کہتا ہوں کہ قوم کے ہمدرد ان الٰہی کاموں میں میری مدد کریں وہ بے صبری نہیں بلکہ صرف ظاہر کے لحاظ سے اور اسباب کی رعایت سے کہتا ہوں اور خدا تعالےٰ کے فضل سے میرا دل مطمئن ہے اور امید رکھتا ہوں کہ وہ میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا اور میرے تمام ارادے اور امیدیں پوری کرے گا۔"

اور آپ نے فرمایا :ــــ

"یاد رکھو مذہب صرف قیل و قال کا نام نہیں بلکہ جب تک عملی حالت نہ ہو کچھ نہیں۔ خدا اس کو پسند نہیں کرتا۔ جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اس کا بیان کرنا پرنالہ کے پانی کی طرح ہے جو جھگڑے پیدا کرتا ہے اور جو دل معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ بارش کی طرح ہے جو رحمت سمجھی جاتی ہے۔ پہلے اپنے باطن اور اعمال درست کرو تب تفرقہ اور تنازعہ ختم ہو گا۔"

مطلب نے وحی و الہام مکالمہ و مخاطبہ اور نصرتِ الٰہی پر غیر حاصل بحث کی

اور اسے روز روشن کی طرح ثابت کیا ہے اور اس زمانہ میں اپنے آپ کو زندہ نبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب استفتاء جو کہ عربی میں ہے فرمایا ہے:—

"اے سردار رسولو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں سعادت اور راستی کی طرف ہدایت کرے میں فتوے طلب کرتا ہوں میں ہی مدعی ہوں کسی حجاب میں گفتگو نہیں کر رہا بلکہ رب کی طرف سے بصیرت پر قائم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صدی کے سر پر مامور کیا ہے تا میں تجدید دین کر کے ملت کے چہرہ کو روشن کر دوں۔ حضرت خیر الانام کی سنت قائم کر دوں۔ خراب چیزوں کی اصلاح کر دوں اور جو چیز ماند پڑ گئی ہو اسے رواج دوں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی و الہام سے مجھ پر احسان کیا ہے اور میری صداقت پر ایسے نشانات سے گواہی دی ہے۔ جن کا تم مشاہدہ کر رہے ہو اور اس نے ایسے انوار سے میرے چہرے کو ظاہر کیا ہے جنہیں تم پہچانتے ہو۔"

الغرض آپ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے مکالمہ پر صدہا دلائل سے حجت تام کی اور اپنے آپ کو پیش کیا کہ میں صاحب تجربہ اور صاحب حال ہوں جس کا دل چاہے میرے مقابلہ پر آ جائے۔ اور بے شمار الہامات اور نشانات میں آپ کے مشن میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں پیش ہیں کہ کوئی دوسرا شخص ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ آپ نے متوجہ کیا کہ خدا نے مجھے فرمایا ہے میں اپنی چمکار دکھاؤں گا اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ پر خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کرے گا۔

آپ کی صداقت کے متعلق مسلمہ بزرگوں کی شہادتیں موجود ہیں اور ان کے بے شمار مرید اور عقیدت مند ہیں وہ معمولی لوگ نہ تھے۔ ایک بزرگ حضرت فقیر صاحب بلوچستان کے صاحب کشف و کرامت تھے۔ ایک صاحب ان کی زیارت کو گئے۔ ان کو بتایا گیا تھا جو ارادہ کیا جائے۔ فقیر صاحب بروئے کشف اطلاع پا کر خود بخود بتلا دیتے ہیں۔ ان صاحب نے جو ملنے گئے تھے۔ بیان کیا ہے کہ میں حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کو تو علیٰ وجہ البصیرت مان چکا تھا سوچا کہ ایسے بزرگ صاحب کشف کی شہادت سے منکرین پر حجت ہو جائے گی اس خیال کو دل میں رکھتے ہوئے فقیر صاحب سے ملنے گیا۔

آپ مرزا صاحب کے حلیہ اور حالات کی نسبت پوچھتے رہے اور فرمایا کہ الحمد للہ میں نے بھی اس دار فانی کو چھوڑنے سے پہلے مسیح موعود کا زمانہ پایا۔ خدا کرے کہ زیارت بھی نصیب ہو۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہی مسیح ہے جس کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ تو فقیر صاحب نے فرمایا ہاں وہی ہے۔

حضرت خواجہ غلام فرید سجادہ نشین چاچڑاں جو نواب بہاولپور کے بھی پیر تھے ان کی شہادت موجود ہے کہ علمائے ظاہر نے آپ کے دعوے کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ [illegible] حضرت مرزا صاحب کو لکھا:—

"سوائے ہر ایک حبیب سے عزیز تر تجھے معلوم ہو گا کہ میں ابتدا سے تیرے لئے تعظیم کے مقام پر کھڑا ہوں تا مجھے ثواب حاصل ہو اور میری زبان پر بجز تعظیم و تکریم اور رعایت آداب کے تیرے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا اور اب میں مطلع کرتا ہوں کہ بلاشبہ تیرے نیک حال کا معترف ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو خدا کے صالح بندوں میں سے ہے اور خدائے بخشندہ کا تیرے پر فضل ہے۔"

یہ صاحب دل اور صاحب حال بزرگوں کی شہادتیں ہیں اور کام کے لحاظ سے اس ایک واقعہ پر ہی غور کریں کہ آپ کی تصنیف براہین احمدیہ کا انگریزی کا اشتہار ایک امریکن پادری صاحب نے پڑھا تو آپ کے ساتھ خط و کتابت کے نتیجہ میں پادری صاحب نے اسلام قبول کر لیا۔ اخبارات میں اس کا چرچا ہوا تو بمبئی کے (BOMBAY) ایک تاجر اور ان کے ایک دوست واعظ ان سے ملنے گئے۔ پادری صاحب غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے۔ امریکہ کی ایک اخبار کے ایڈیٹر بھی تھے اور پھر حکومت کی طرف سے منیلا میں سفیر بھی تھے۔

یہ دونوں صاحب جو انہیں ملے تو وہ تبلیغی مشن کھولنے کا فیصلہ کیا۔ پادری صاحب نے بتایا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ ان کی وجہ سے میں مشرف بہ اسلام ہوا ہوں، ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کا نام جو آیا تو وہ گھبرائے۔ تاجر صاحب نے اپنے پیر سید راشد الدین پر جھنڈے والے پیر کہلاتے تھے ان سے رجوع کیا اور حالات بتلا کر مشن کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی۔

دوسرے دن پیر صاحب نے ان کو بتلایا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے روحانی تصرفات کی وجہ سے اشاعت اسلام ہو رہی ہے۔ یہ سن کر وہ گھبرائے اور دوبارہ استخارہ کرنے کے لئے عرض کی۔ پیر صاحب نے استخارہ کے بعد بتایا کہ خواب میں انہوں نے حضرت محمدؐ کو دیکھا ہے حضورؐ نے فرمایا مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے اور وہ جو کہے کرو۔ یہ ہوتا ہے تواصو بالحق۔ اور ان فقیر صاحب کے کشف کو موجودہ حالات اور یورپ کے ممالک میں قبولیت کے پس منظر میں دیکھیں تو کیا اس کی صداقت ظاہر نہیں۔

یہ ہیں کشفی شہادتیں اس امام کے متعلق مسلمہ بزرگوں کی۔ اور جو جو غیب کی خبریں آپ کو خدا نے دیں وہ حرف بحرف پوری ہوئیں۔ انی مہین من اراد اہانتک کے نظارے آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی لوگوں نے دیکھے۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ ہر زمانے میں میری صداقت کے نشان پاؤ گے۔ اور میں نے آپ کو یہ الہام بھی سنایا ہے:—

"دنیا میں ایک نذیر آیا۔ دنیا نے اسے قبول نہ کیا خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

آپ نے فرمایا:—

"ان حملوں کے دن نزدیک ہیں۔ مگر یہ حملے تیغ و تبر سے نہیں ہوں گے بلکہ روحانی اسلحہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد اترے گی۔"

اب میں آپ کو ایک پیشگوئی سناتا ہوں جو کہ عظیم وحی خدا کی طرف سے آپ فتح اسلام میں لکھتے ہیں:—

"مجھے اس سے کچھ غرض نہیں کہ اس تحریر کا دلوں پر کیا اثر پڑے گا۔ صرف غرض یہ ہے کہ جو بات مجھ پر فرض ہے اور قرضہ لازمہ کی طرح ہے وہ جیسا کہ چاہیئے مجھ سے ادا ہو جائے خواہ لوگ نفرت یا کراہت کی نظر سے دیکھیں۔ میری نسبت نیک گمان رکھیں یا بدظنی کو اپنے دلوں میں جگہ دیں۔"

فرماتے ہیں:—

"جب ایک عظیم الشان آدمی خلعت خلافت پہن کر اور کلام الٰہی سے مشرف ہو کر زمین پر نزول فرماتا ہے روح القدس خاص طور پر اس خلیفہ کو ملتی ہے (خلیفہ سے مراد خدا سے علم اور قدرت پانے والا) اور جو اس کے ساتھ ملائکہ ہیں وہ تمام دنیا کے مستعد دلوں پر نازل کئے جاتے ہیں۔ ان کی پاک تاثیر سے خود بخود دلوں میں نیک خیال پیدا ہونے لگتے ہیں۔ قوموں میں ایک جنبش شروع ہو جاتی ہے۔ وہ سوئے ہوئے لوگوں کو جگا دیتے ہیں۔ مردوں میں زندگی کی روح پھونکتے ہیں۔ دراصل یہ فرشتے خلیفہ سے الگ نہیں ہوتے۔ اسی کے چہرے کا [illegible] کی ہمت حلیہ ہوتے ہیں اور ہر ایک مناسبت رکھنے والے کو کھینچتے ہیں خواہ جسمانی طور پر نزدیک ہوں یا دور اور خواہ آشنا ہوں یا بکلی بیگانہ۔"

آپ پھر فرماتے ہیں:—

"وہ وقت دور نہیں جب فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اترتی ہوئی اور ایشیا اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھو گے تا دلوں کو حق کی طرف پھیریں۔ سو تم اس نشان کے منتظر رہو اگر فرشتوں کا نزول نہ ہوا اور ان کے اترنے کی نمایاں تاثیریں تم نے دنیا میں نہ دیکھیں اور حق

(از سیّد ناصر احمد صاحب مانچسٹر
انگریزی سے ترجمہ)

تحریکِ احمدیت

ایک یورپی مفکر اور صحافی اینڈریاس فابر قیصر کی نظر میں

احمدیہ تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد ۱۸۸۸ء میں اسے قادیان سے منظرِ عام پر لائے۔ تاہم احمدیہ نام دس سال کے بعد اپنایا گیا جب بانیٔ تحریک نے ۴ر نومبر ۱۹۰۰ء کو ایک اعلان کے ذریعہ سے وضاحت فرمائی کہ یہ نام نبی اکرم محمّد صلعم کے دوسرے نام "احمدؐ" کے تعلق سے رکھا گیا ہے۔ "محمدؐ" جس کے معنی ہیں "بے حد تعریف کیا گیا"۔ یہ نام نبی اکرم صلعم کے جلالی دَور کا مظہر ہے جو انہوں نے ہجرت کے وقت اختیار کیا تھا۔ لیکن احمدؐ آپؐ کا جمالی نام ہے۔ جو ان مواعظِ حسنہ اور پاک تعلیمات کا آئینہ دار ہے جن کے ذریعہ سے وہ دُنیا میں امن قائم کرنے کے لئے مامور ہوئے تھے۔

یہ دو نام اسلام کے دو نقطۂ نظر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں کہ آخری دَور میں اس دوسرے نقطۂ نظر کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اسی کے پیشِ نظر ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی رُوحانی تعلیمات کے ذریعہ سے دنیا میں امن قائم کیا جائے۔ اور انہیں یقینِ محکم تھا کہ یہی وہ واحد ذریعہ ہے جو انسان کا سکونِ قلب بحال کر سکتا ہے۔ اور اس طرح اسے اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ امن اور سلامتی سے گذر بسر کر سکے۔

تحریکِ احمدیت کا پیغام اس کے نام سے ظاہر ہے مسلمانوں کے لئے اس کا پیغام یہ ہے کہ وہ دو عظیم رُوحانی قوتوں قرآن کریم اور نبی اکرمؐ کے ذریعہ سے دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ غیر مسلموں اور خاص طور پر مغربی دنیا کے لئے جو تہذیب کی ترقی کے ساتھ مادیت کے انتہائی (گڑھے) میں گر چکی ہے اس کا پیغام یہ ہے کہ اب صرف اسلام کی روحانی قوّت کے ذریعہ ہی انسان امن و سکون سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

اس تحریک نے ابتداء سے ہی اپنی تمام تر توجہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلعم کی تعلیمات کی خوبیوں کو ظاہر کرنے اور اسلام کو مغرب میں پھیلانے پر مرکوز رکھی ہوئی ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے اس مقصد کے حصول میں مدد مل سکے۔ ان کو یقین تھا کہ قرآن ہی اس دُنیا میں ایک بڑی رُوحانی قوت ہے اور اس کے ذریعہ سے نہ صرف مسلمانوں میں ایک بیداری پیدا کی جا سکتی ہے بلکہ مغربی دُنیا کے مادی رُجحانات میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

ان کا دعوےٰ صرف امام ہونے کا تھا۔ اور ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ انکے مُرید دنیا کے کونے کونے میں قرآن کی صداقتوں کی اشاعت کریں۔ غلط فہمیوں کی اصلاح کریں اور ان کو چاہیئے کہ دنیا کے سامنے حضرت محمد صلعم کی صحیح تصویر پیش کریں جنہیں اکثر غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(حضرت مرزا) غلام احمد مئی ۱۹۰۸ء میں وفات پا گئے اور ان کے بعد (حضرت مولانا) نورالدین سربراہ منتخب ہُوئے۔ وہ بھی مارچ ۱۹۱۴ء میں وفات پا گئے (حضرت مولانا) نورالدین کی رہنمائی میں یہ تحریک مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ خاص طور پر مسلمانوں میں اسے بے حد مقبولیت حاصل ہوگئی۔ تاہم اگرچہ بظاہر اس تحریک میں اندرونی تفرقہ کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے، لیکن درپردہ تناؤ موجود تھا۔ لیکن (حضرت مولانا) نورالدین کی مضبوط شخصیت کی وجہ سے وہ عناصر کھُل کر سامنے آنے سے رُکے رہے۔

اصل مسئلہ جس کی بناء پر اختلاف پیدا ہوا یہ تھا کہ آیا جو لوگ (حضرت) مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے انہیں کافر سمجھا ... اور اس اختلاف کی بناء پر (حضرت مولانا) نورالدین کی وفات کے بعد تحریک میں پھوٹ پڑ گئی۔ وہ لوگ جو اس خیال کے حامی تھے کہ تحریکِ احمدیت کے بانی نبی نہ تھے (اور انہوں نے ایسا ہونے کا دعوےٰ بھی نہیں کیا) تحریک سے جس کا مرکز قادیان تھا الگ ہو گئے اور اپنا سلسلہ "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام" کے نام سے لاہور میں قائم کر لیا۔ یہ لوگ تحریک کے اوّلین اصول و عقائد رکھتے ہیں۔ اور حضرت محمد صلعم کے اعلان رشد و ہدایت اور قرآن کریم کے دیگر زبانوں میں تراجم کے ذریعہ سے دُنیا میں رُوحانی بیداری پیدا کرنے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔

احمدیوں کو سرینگر میں حضرت عیسٰےؑ کے مشہور مقبرہ کی موجودگی کا علم تھا۔ اور اُنہوں نے اس بارہ میں کافی تحقیق بھی کی ہے۔ اور مغربی دنیا تک ان حقائق کو پہنچایا ہے۔ جن سے حضرت مسیح کا کشمیر سے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم کشمیر میں ہمارے قیام کے آخری دنوں میں مجھے ایسی اطلاعات موصول ہوئیں (جن کی میں تصدیق نہ کر سکا) کہ احمدیوں کو اسلامی برادری سے اس بناء پر خارج کر دیا گیا ہے کہ وہ (وفات) حضرت عیسٰےؑ پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

ابوالاسرار رمزی (ایم اے)
جودھ پور (بھارت)

قرآنی ترانہ

تو جہانوں کا ہے رب روزِ جزا کا مالک
کون ہے تیرے سوا قدر و قضا کا مالک

تیری تعریف سے ہے سارا زمانہ قاصر
عقل حیران ہے، تسبیح و ثنا نہ قاصر

سخت نادم ہیں گناہوں پہ خطا کار ہیں ہم
تیری درگاہ میں بخشش کے طلبگار ہیں ہم

نیک لوگوں کے طریقہ پہ چلانا ہم کو
جو ہیں مغضوب ترے ان سے بچانا ہم کو

تیری طاعت میں فقط ہستیٔ فانی گذرے
اور مخلوق کی خدمت میں جوانی گذرے

تیرے اور تیرے پیمبرؐ کے وفادار رہیں
خدمتِ قوم و وطن کے لئے تیار رہیں

شرک سے کفر سے الحاد سے بیزار رہیں
ہم صحابہؓ کی طرح دین کے غمخوار رہیں

رزق بخشا ہُوا اوروں کو کھلا کر کھائیں
بھیک مانگیں نہ کبھی بلکہ کما کر کھائیں

ہم کو پہنچائے گی منزل پہ ہدایت تیری
کامیابی ہمیں بخشے گی عنایت تیری

جادۂ حق پہ چلیں ہم کبھی گمراہ نہ ہوں
دونوں عالم میں کہیں راندۂ درگاہ نہ ہوں

جن پہ تیری ہے نوازش ترا انعام بھی ہے
ایسے بندوں میں ترا رمزیؔ گمنام بھی ہے

نصرتِ الٰہی

خُدا کے پاک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے + جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہَوا اور ہر خسِ راہ کو اڑاتی ہے + وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
(درّثمین)

جناب میاں محمود احمد صاحب کا دعویٰ مصلح موعود، حضرت مسیح موعودؑ اور جماعتِ ربوہ کی تحریرات کی روشنی میں

((مکرم جناب محمد انور ملتھی صاحب))

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اوائل ۱۸۸۶ء میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان لڑکے کی خوشخبری ملی تو آپ نے اسی سال ۲۰ فروری کو ایک اشتہار کے ذریعے موعود لڑکے کی بابت پیشگوئی کا اعلان فرمایا۔ جماعت ربوہ چونکہ میاں محمود احمد صاحب کو اس پیشگوئی کا مصداق سمجھتی ہے۔ اس لئے وہ ہر سال اسی نسبت سے ماہ فروری میں اجتماعات منعقد کرتی ہے۔ جن میں مقررین اپنے "خلیفہ ثانی" اور "مصلح موعود" کے "کارناموں" پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جماعت کے اخبارات اور رسائل اس موقع پر خصوصی مضامین شائع کرتے ہیں۔

موعود لڑکے کے متعلق جماعت احمدیہ لاہور کی جانب سے بھی وقتاً فوقتاً مضامین اور ٹریکٹ شائع ہوتے رہے ہیں جن میں بدلائل قویہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے موعود لڑکے کو جن اوصاف اور خوبیوں کا حامل ہوتا بیان فرمایا ہے وہ میاں محمود احمد صاحب میں نہیں پائی جاتیں اور یہ کہ موعود لڑکے کا ظہور دیر سے ہوگا جو آپ کی روحانی اولاد ہوگا۔

جماعتِ ربوہ نے ایک کتاب "تذکرہ" شائع کی ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات، رؤیا اور کشوف کا مجموعہ ہے۔ کتاب مذکور کا تیسرا ایڈیشن اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ خاکسار کتاب کے اس ایڈیشن، حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اور جماعتِ ربوہ کے دوسرے لٹریچر سے حوالہ جات پیش کر رہا ہے۔ اُمید ہے ان کے مطالعہ سے قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ نیز وہ جان سکیں گے کہ میاں محمود احمد صاحب اپنے اقوال اور اپنی جماعت کے لٹریچر کی رُو سے بھی دعویٰ "مصلح موعود" میں سچے ثابت نہیں ہوتے۔

اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے قریباً چار ماہ بعد حضرت مسیح موعودؑ اپنے ایک مکتوب مؤرخہ ۸ جون ۱۸۸۶ء میں حضرت مولانا نورالدینؓ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب تک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ وہ فرزندِ مُبارک اسی اہلیہ[1] سے ہوگا۔ مگر اب زیادہ تر الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی وہ صاحب اولاد ہوگی۔"

اس مکتوب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اِن دنوں اتفاقاً نئی شادی کے لئے دو شخصوں نے تحریک کی تھی مگر جب ان کی نسبت استخارہ کیا گیا تو ایک عورت کی نسبت جواب ملا کہ اس کی قسمت میں ذلّت و محتاجگی و بے عزتی ہے۔ اور اس لائق نہیں کہ تمہاری اہلیہ ہو اور دوسری کی نسبت اشارہ ہوا کہ اس کی شکل اچھی نہیں۔ گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ صاحب صورت و صاحبِ سیرت لڑکا جس کی بشارت دی گئی ہے وہ برعایت مناسبت ظاہری اہلیہ جمیلہ و پارسا طبع سے پیدا ہو سکتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔"

(تذکرہ صفحہ ۱۴۲-۱۴۳)

تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۸۶ء میں یا اس کے بعد کوئی شادی نہیں کی اور ۱۸۸۴ء میں جس بیوی سے ان کی شادی ہوئی اس سے (خط مذکورہ کے مطابق) موعود لڑکے کی پیدائش پر شبہ ظاہر کیا۔ چنانچہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو میاں محمود احمد صاحب کی جب ولادت ہوئی تو گو ان کا نام تفاول کے طور پر بشیرالدین محمود رکھا گیا مگر فرمایا:۔

"ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کُھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عُمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے۔"

(تذکرہ۔ صفحہ ۱۶۶)

بعد کی کوئی تحریر ایسی نہیں جس میں حضرت صاحب نے اس لڑکے کو موعود قرار دیا ہو۔ ہاں البتہ میاں محمود احمد صاحب نے خود اپنے آپ کو موعود لڑکے کے متعلق حضرت صاحب کی پیشگوئیوں کا مصداق ٹھہرایا اور ایسا دعوےٰ انہوں نے وحی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک رؤیا کی بنا پر ۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء کو کیا جب ان کی عُمر ۵۵ سال ہو چکی تھی (صفحہ ۳۴ رسالہ خالد ماہ دسمبر ۱۹۶۴ء) جبکہ موعود لڑکے کے متعلق لکھا ہے:۔

"وہ قرب اور وحی سے مخصوص کیا جائے گا۔" (الوصیت)

گویا میاں صاحب کو ۵۵ سال کی عمر تک وحی آنی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس کے مقابل میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ سے اس عمر میں وحی کا سلسلہ بڑے زور سے جاری تھا۔

میاں محمود احمد صاحب نے دعویٔ "مصلح موعود" کرنے کے بعد بمقام لاہور ایک جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا:۔

"اگر دُنیا کسی وقت دیکھ لے کہ میرے ماننے والوں پر میرے انکار کرنے والے غالب آ گئے تو تم بے شک سمجھ لو کہ میں ایک مفتری تھا۔"

(صفحہ ۳۵ رسالہ خالد۔ دسمبر ۱۹۶۴ء)

۱۹۷۴ء کے واقعات کے بعد جماعت ربوہ کی پاکستان میں مغلوبیت سے میاں صاحب کی حیثیت کو جاننے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ ممکن ہے اس جماعت کے لوگوں کو اصرار ہو کہ وہ مغلوبیت کی حالت میں نہیں تو پھر وہ اتنا بتا دیں کہ وہ کونسی حالت تھی جس نے ان کے ایک سرکردہ ممبر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو ۱۹۷۴ء میں دنیا بھر کی انسانی حقوق سے متعلق انجمنوں کو اپیل

---

[1] والدہ میاں محمود احمد صاحب۔

پر مجبور کر دیا کہ وہ پاکستان میں جماعت ربوہ کے لوگوں کے تحفظ کی خاطر اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔

سنہ ۱۹۷۴ء میں جو ترمیم آئین میں کی گئی اور جس کی رو سے جماعت ربوہ اور جماعت احمدیہ لاہور کے لوگوں کو غیر مسلم اقلیتیں قرار دیا گیا اس پر جماعت ربوہ کے لوگوں کو گلہ ہے کہ انہیں باوجود کلمہ گو ہونے کے غیر مسلم قرار دیا گیا جو ان کے نزدیک غیر اسلامی بات ہے۔ یقیناً قومی اسمبلی کا آئین میں ترمیم کر کے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینا ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ مگر جماعت ربوہ کے لوگوں کو اپنے "خلیفۂ ثانی" و "مصلح موعود" کی وہ تحریر شاید یاد نہیں جس میں وہ ایسے ہی ایک فعل کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ ان کی کتاب "آئینۂ صداقت" کے صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے:۔

"وہ تمام مسلمان جو حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اب یہ لوگ بتائیں کہ اس تحریر کی رو سے ایسے کلمہ گوؤں کی کیا حیثیت رہ گئی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے تو قائل ہیں مگر حضرت مسیح موعودؑ کو اپنے دعوئے مسیحیت میں سچا نہ جانتے ہوئے ان کی جماعت میں شامل نہیں ہوئے۔

حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب اربعین میں لکھتے ہیں:۔

"اگر کوئی شخص بطور افترا کے نبوت اور مامور من اللہ ہونے کا دعوے کرے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ نبوت کے مانند ہرگز زندگی نہیں پائے گا۔" (تذکرہ صفحہ ۳۹۹)

یعنی ۲۳ سال بعد دعوے کے زندہ رہنا ضروری ہے۔

تذکرہ کے صفحہ ۴۸۵ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک رویاء کا ذکر ہے جو اس طور پر ہے:۔

"چند روز ہوئے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو دیکھا میں دیکھا پہلے کچھ باتیں ہوئیں پھر خیال آیا یہ تو فوت شدہ ہیں، آؤ ان سے دعا کرائیں تب میں نے ان کو کہا کہ آپ میرے واسطے دعا کریں کہ میری اتنی عمر ہو جائے کہ سلسلہ کی تکمیل کے واسطے کافی وقت مل جائے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا "تحصیلدار" میں نے کہا۔ یہ آپ غیر متعلق باتیں کرتے ہیں جس امر کے واسطے میں نے آپ کو دعا کے واسطے کہا ہے۔ آپ وہ دعا کریں۔ تب انہوں نے دعا کے واسطے سینے تک ہاتھ اٹھائے مگر اونچے نہ کئے اور کہا "اکیس" میں نے کہا کھول کر بیان کرو۔ مگر انہوں نے کچھ کھول کر بیان نہ کیا۔ اور بار بار اکیس اکیس کہتے رہے اور پھر چلے گئے۔"

اکیس کے عدد کو میاں صاحب پر چسپاں کرتے ہوئے مرتب صاحب کتاب تذکرہ لکھتے ہیں:۔

"سنہ ۱۹۴۴ء سے ٹھیک اکیس سال بعد حضور (میاں صاحب) کا وصال مبارک ہوا اور لفظاً لفظاً خدا تعالیٰ کی بات پوری ہوئی۔"

یعنی سنہ ۱۹۴۴ء میں دعویٰ مصلح موعود کے اکیس سال بعد دنیا سے اٹھا لئے گئے اور اس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے اس [illegible] کے مطابق جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے مفتری ثابت ہوئے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی وہ اہلیہ جن کے بطن سے میاں محمود احمد صاحب پیدا ہوئے ان سے کچھ اور لڑکے بھی ہوئے۔ جن کے نام میاں بشیر احمد، اور میاں شریف احمد اور مبارک احمد رکھا کہ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی ایک موعود لڑکا ہو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت ربوہ کے لوگ حضرت صاحب کے ہر لڑکے کو تفاول کے طور پر رکھے گئے نام سے ظاہر اوصاف اور خوبیوں کا مالک بنا بیٹھے ہیں۔ ایک لڑکے میاں بشیر احمد کو قمر الانبیاء لکھتے ہیں اور میاں محمود صاحب کو فخر رسل کہتے ہیں۔ درحقیقت ان الفاظ میں مصلح موعود کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔ مصلح موعود کے کئی نام الہاماً حضرت مسیح موعود کو بتائے گئے مثلاً موسے۔ یوسف۔ فضل عمر۔ بشیر۔ شاہد۔ چراغ دین۔ شادی خان۔ فضل عمر۔ بشیر الدین محمود۔ ناصر الدین۔ بشیر الدولہ وغیرہ وغیرہ۔ اس لڑکے کی نسبت حضرت صاحب کو یہ شعر الہاماً بتایا گیا۔ ؎

اے فخرِ رسل قرب تو معلومم شد
دیر آمدہ ز راہِ دور آمدہ

ظاہر ہے اس شخص پر ہی الفاظ "فخر رسل" صادق آ سکتے ہیں جو قمر الانبیاء کہلانے کا بھی مستحق ہو۔

موعود لڑکے کا ایک نام حضرت صاحب کو "عالم کباب" بتایا گیا۔ جس کی تشریح حضرت صاحب نے یوں فرمائی:۔

"عالم کباب سے یہ مراد ہے۔ کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جب تک وہ اپنی برائی بھلائی شناخت کرے۔ دنیا پر ایک سخت تباہی آئے گی گویا دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔" (تذکرہ صفحہ نمبر ۶۲۲)

ایسے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کے متعلق حضرت صاحب کے یہ اشعار بھی شہادت دے رہے ہیں:۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا + جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس ماہ سے اندھیرا + دکھاؤں گا کہ ایک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے۔ اک دل کی غذا دی + فسبحان الذی اخزی الاعادی
کھڑی ہے سر پہ ایسی ایک ساعت + کہ یاد آ جائے گی جس سے قیامت
مجھے یہ بات مولا نے بتا دی + فسبحان الذی اخزی الاعادی

اس کی تائید میں حضرت مسیح موعود سے منسوب ذیل کی پیشگوئی کا ذکر بین مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو تذکرہ کے صفحہ نمبر ۷۹۹ پر درج کی گئی ہے۔ حضرت صاحب [illegible] ہیں:۔

"خدا نے [illegible] خبر دی ہے کہ ہمارے سلسلہ میں بھی سخت تفرقہ پڑے گا اور فتنہ [illegible] ہوں گے بہت سے جدا ہو جائیں گے۔ [illegible] خدا تعالیٰ اس تفرقہ کو مٹا دے گا۔ باقی جو کٹنے کے لائق اور راستی سے تعلق نہیں رکھتے اور فتنہ پرداز ہیں۔ وہ کٹ جائیں گے اور دنیا [illegible] ایک حشر برپا ہو جائے گا وہ اول الحشر ہوگا اور تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے اور ایسا کشت و خون ہوگا کہ زمین خون سے بھر جائے گی اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی ایک عالمگیر تباہی آوے گی اور اس تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہوگا۔ صاحبزادہ صاحب! اس وقت میرا لڑکا موعود ہوگا۔ خدا نے اس کے ساتھ ان حالات کو مقدر کر رکھا ہے۔ ان واقعات کے بعد ہمارے سلسلہ کو ترقی ہوگی اور سلاطین ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ تم اس موعود کو پہچان لینا۔"

۔ راوی پیر سراج الحق صاحب [illegible]

ہم دیکھتے ہیں اس پیشگوئی میں جس طرح کی جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ میاں محمود احمد صاحب کی زندگی میں نہیں ہوئی ویسے تو [illegible] کے بعد دو عالمی جنگیں ہوئیں مگر ان میں سے کسی کا مرکز **ملک شام** نہ تھا اور نہ ہی ان عالمی جنگوں کے دوران شریک ملکوں کی رعایا باہم متصادم ہوئیں، نیز کوئی خاص امر ظاہر نہ ہُوا جس سے جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں کے درمیان بیّن طور پر فیصلہ ہوا ہو کہ کونسا فریق سچ پر تھا جبکہ موعود لڑکے کے ہاتھوں اس اہم کام کا سرانجام پانا از حد ضروری ہے۔ وہ محض قیل و قال سے کام لینے والا نہیں ہو سکتا بلکہ خدا تعالےٰ کی خاص تائید اور فضل اس کے شامل حال ہوتا ہے جیسا کہ موعود لڑکے کی بابت پیشگوئی میں لفظ **عمانوایل** کا تقاضا ہے جس کے معنے ہیں "خدا ہمارے ساتھ ہے"۔ علاوہ ازیں کوئی بادشاہ یا سربراہ مملکت جنگ کے اختتام پر جماعتِ ربوہ میں شامل نہ ہوا حالانکہ پیشگوئی کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ایک سے زیادہ بادشاہ جماعت میں شمولیت اختیار کریں گے اور حضرت صاحب کی ایک تحریر کے مطابق وہ چھ سات سے کم نہیں ہو سکتے۔ (تذکرہ صفحہ نمبر ۱۱-۱۰)

موعود لڑکے کا نام حضرت صاحب کو فضل عُمر بتایا گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا فضل جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شامل ہوا یعنی رُوحانی اور ظاہری دونوں رنگوں میں خلعتِ خلافت سے نوازا گیا ویسا ہی فضل اس لڑکے کے شامل حال ہوگا اور پیشگوئی بابت موعود لڑکے میں الفاظ **علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا** اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت صاحب کے ایک رؤیا سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اسنے پگڑی باندھی ہوئی ہے۔ اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "وہ بادشاہ آیا" دوسرے نے کہا ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔"

(تذکرہ صہ ۶۹۱)

سبھی جانتے ہیں کہ حضرت صاحب کے اس خواب کی ان کے بیٹے میاں شریف احمد کے ذریعہ سچائی ظاہر نہیں ہوئی۔ دراصل اس رؤیا میں بھی موعود بیٹے کی شان و شوکت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے:۔

"وہ صاحب عظمت اور دولت ہوگا۔"

نیز ایک الہام حضرت صاحب کا ہے جس کے الفاظ ہیں عنقریب ایک مُلکِ عظیم اس کو دیا جائے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے موعود لڑکے سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ خدا تعالےٰ نے اسکو حضرت صاحب کے لئے فتح اور ظفر کی کلید قرار دیا تھا اس کے ذریعہ دینِ اسلام کی حقّانیت ثابت ہوکر اس دین کو دیگر ادیان پر غلبہ حاصل ہونا تھا۔ زمین والوں کو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی حاصل ہونی تھی۔ ممالک دُنیا کے آئینوں میں بُنیادی تبدیلیاں آنی تھیں اسیروں کو رستگاری حاصل ہونی تھی۔ زمین کے کناروں تک اسے شہرت پانی تھی اور اقوامِ عالم کو اس کی ذات سے برکت و فیض ملنا تھا۔ غرض اس کے ہاتھوں اتنی بڑی بڑی تبدیلیاں اور اصلاحات رونما ہونی تھیں کہ جیسے زمین و آسمان نئے ہو گئے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت صاحب کی عُمر بھر یہ خواہش رہی کہ موعود بیٹا ان کی اپنی زندگی میں ظاہر ہو جائے۔ اپنے احباب کو دُعا کے لئے کہتے کہ اللہ تعالےٰ انہیں جلد وہ موعود لڑکا عطا کرے (دیکھئے تذکرہ صفحہ ۷۶۴)

میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھوں جو فتح و نصرت حضرت صاحب کے مشن کو ملی، دینِ اسلام کو جو غلبہ نصیب ہُوا۔ اقوامِ عالم کو ظاہری و باطنی رنگ میں جو فیض آپ کی ذات سے حاصل ہوا، جو اصلاحات ان کی زندگی میں ہوئیں۔ کہاں کے اسیروں کو رستگاری ملی اور جس قدر دنیا بھر میں اُنہوں نے شہرت پائی اس کے متعلق کیا کہا جائے اور کیا لکھا جائے؟

جماعتِ ربوہ میں کچھ لوگ بڑے زیرک اور سمجھدار ہیں انہیں ان امور پر غور کرکے دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔

یوم عید میلاد النبیؐ

مقامی جماعت احمدیہ لاہور یکم مارچ ۱۹۷۹ء بروز جمعرات بوقت ۴ بجے شام دارالسلام میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کر رہی ہے جس میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور

نذرانۂ عقیدت

پیش کیا جائے گا۔

تقریب کے اختتام پر حاضرین کے لئے عشائیہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ مع اہل خانہ تشریف لاکر آنحضرت صلعم کو ہدیۂ عقیدت پیش کرنے والوں میں شریک ہوں ممکن ہو تو غیر از جماعت احباب کو بھی مدعو کیجئے۔ والسلام

(چوہدری) نذر رب۔ سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

انتقال پُرملال جملہ احباب جماعت کے لئے یہ خبر انتہائی دکھ کا موجب ہوگی کہ ہمارے نہایت ہی مخلص اور سلسلہ عالیہ احمدیہ اور حضرت مسیح موعودؑ سے والہانہ محبت کرنے والے سید حسن شاہ صاحب (گوجرانوالہ) ۱۲/۱۲ فروری ۱۹۷۹ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم جماعت گوجرانوالہ کی رُوح رواں اور باعمل احمدی تھے جن کا اوڑھنا بچھونا سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت تھا۔ تحریر و تقریر سے وہ جماعت کی فلاح و بہبود کے لئے نہایت مستعدی سے ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور ان کے پسماندگان خصوصاً بیگم صاحبہ محترمہ اور صاحبزادگان سید محمد ایاس صاحب...... کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ جملہ جماعتیں جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت فرمائیں۔

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ عہدیداران شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کے ہمراہ

عہدیداران و ممبرانِ مجلس انتظامیہ برائے سال ۱۹۷۹ء

۱۔ جناب چودھری نذر رب صاحب لاہور ۔ ۔ ۔ (نگران)
۲۔ ″ ″ ڈاکٹر جمیل الرحمان خان صاحب پشاور ۔ ۔ ۔ (صدر)
۳۔ ″ ″ شاہد جاوید جنجوعہ ۔ لاہور ۔ ۔ ۔ ۔ (سینیئر نائب صدر)
۴۔ ″ ″ چوہدری محمود اختر ملی ۔ کراچی ۔ ۔ ۔ (نائب صدر)
۵۔ ″ ″ عبدالعزیز خان ۔ فاروقیہ ۔ ۔ ۔ (نائب صدر)
۶۔ ″ ″ اختر علی خان خلیل ۔ سفید ڈھیری ۔ (نائب صدر)
۷۔ ″ ″ زاہد جاوید جنجوعہ ۔ لاہور ۔ ۔ ۔ ۔ (جنرل سیکرٹری)
۸۔ ″ ″ میاں نجم وسیم سیالکوٹ ۔ ۔ ۔ (جائنٹ سیکرٹری)
۹۔ ″ ″ ارشد حسین ۔ لاہور ۔ ۔ ۔ (سیکرٹری نشر و اشاعت)
۱۰۔ ″ ″ چودھری جمشید اقبال ۔ لاہور ۔ ۔ ۔ ۔ (خازن)
۱۱۔ ″ ″ صاحبزادہ ہارون احمد ۔ ۔ ۔ (قائد شبان الاحمدیہ سرحد زون)
۱۲۔ ″ ″ سعید احمد خان ۔ ۔ ۔ ۔ (سیکرٹری سرحد زون)
۱۳۔ ″ ″ مظہر الدین احمد ۔ ۔ ۔ ۔ (قائد شبان الاحمدیہ راولپنڈی زون)
۱۴۔ ″ ″ میاں شاہد حمید ۔ ۔ ۔ ۔ (سیکرٹری راولپنڈی زون)
۱۵۔ میاں شوکت حمید مجاہد ۔ ۔ ۔ (قائد شبان الاحمدیہ سرگودھا زون)
۱۶۔ جناب چودھری اورنگ زیب کھلر ۔ ۔ ۔ (سیکرٹری سرگودھا زون)
۱۷۔ ″ ″ شاہد جاوید جنجوعہ ۔ ۔ ۔ (قائد شبان الاحمدیہ لاہور زون)
۱۸۔ ″ ″ میاں جاوید اقبال ۔ ۔ ۔ ۔ (سیکرٹری لاہور زون)
۱۹۔ ″ ″ چودھری محمود احمد ۔ ۔ (قائد شبان الاحمدیہ ملتان زون)
۲۰۔ ″ ″ میرزا احمد شاد ۔ ۔ ۔ ۔ (سیکرٹری ملتان زون)
۲۱۔ ″ ″ چودھری محمود اختر ملی ۔ ۔ ۔ ۔ (قائد کراچی زون)
۲۲۔ ″ ″ چودھری محمد اقبال ۔ ۔ ۔ ۔ (سیکرٹری کراچی زون)

زاہد جاوید جنجوعہ جنرل سیکرٹری ۔ شبان الاحمدیہ مرکزیہ

قارئین کرام کو معلوم ہے کہ ہفت روزہ "پیغام صلح" اور "لائٹ" ہمارے قومی ترجمان ہیں۔ ان کے ذریعہ جماعتی فکر د آواز مؤثر طریق سے لوگوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ ان اخبارات کے مضامین اپنی افادیت، تحقیق اور مخصوص طرزِ فکر کی بدولت اندرون اور بیرون ملک ہر حلقۂ فکر میں پڑھے جاتے ہیں۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بیرونِ ملک تبلیغی سرگرمیوں کی روئداد بھی انہی اخبارات کے ذریعہ سے پیش کی جاتی ہے، اور ان کے مطالعہ سے آپ کا جماعت اور مرکز سے تعلق قائم رہتا ہے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر انجمن بڑے خسارہ اور مالی بوجھ کے باوجود دونوں اخبارات جاری رکھے ہوئے ہے۔ مزید برآں موجودہ ہوشربا گرانی کے باعث اخراجات کئی گنا بڑھ چکے ہیں، دونوں اخبارات کو خود کفیل بنا کر انجمن پر سے ان کا بوجھ کم کرنے کی خاطر احباب سلسلہ اور قارئین کرام سے تعاون کی درخواست ہے۔

گزشتہ سال بھی صیغہ اخبارات کی آمدن بڑھانے کے لئے راقم الحروف نے احباب کو تحریک کی تھی، جس کے نتیجہ میں چندہ کے بقایاجات کی کچھ وصولی بھی ہوئی۔ عطیات بھی فراہم ہوئے ... خریداری بھی ہوئی۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ لہٰذا احباب سے گزارش ہے کہ مندرجہ صورتوں میں ہماری مدد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۱) جن خریداروں نے اپنے بقایاجات ادا نہیں کئے، وہ براہ کرم (بالاقساط ہی سہی) اپنے بقایاجات ادا فرمائیں۔
(۲) چندہ سالانہ کی ادائیگی میں باقاعدگی اختیار کریں۔
(۳) آپ خود بھی خریدار بنیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔
(۴) صاحب استطاعت احباب اخبار فنڈ میں دل کھول کر عطیات دیں۔
(۵) احباب جماعت "اخبار فنڈ" کے نام سے گھروں میں بچت سکیم جاری کریں اور کچھ نہ کچھ روزانہ بچا کر جمع کرتے رہیں۔ اس طرح سال بھر میں اچھی خاصی رقم جمع ہو سکتی ہے۔ جو اخبارات کی مدد کا آسان ذریعہ ہے۔ آپ کی اس تھوڑی سی توجہ سے انجمن کا بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے امید ہے احباب میری اس تحریک پر بھی توجہ دے کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ اس سلسلہ میں بیرونی جماعتوں میں دورہ کا پروگرام بھی زیرِ غور ہے۔ نیز خریدارانِ پیغام صلح کے ذمہ بقایاجات کی تفصیل الگ بھیجی جا رہی ہے۔

محمد حیات چوہدری ۔ انچارج اخبارات

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۲۱ فروری ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۸

چوہدری محمد حیات صاحب

ملفوظات حضرت مجدد زمان علیہ السلام

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات
مجددین کے آنے کی غرض و غایت

دنیا میں اسی طرح پر قاعدہ ہے کہ جب مثلاً محکمہ بندوبست ایک جگہ کام کرتا ہے اور وہ کام ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہ عملہ وہاں نہیں رہتا ہے۔ اسی طرح پر انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں آتے ہیں ان کے آنے کی ایک غرض ہوتی ہے اور جب وہ پوری ہو جاتی ہے پھر وہ رخصت ہو جاتے ہیں۔

لیکن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں تو آپ سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت اور قابل فخر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نہیں ملی۔

آپؐ ایسے زمانہ میں آئے کہ دنیا کی حالت مسخ ہو چکی تھی۔ اور وہ مجذوم کی طرح بگڑی ہوئی تھی۔ اور آپؐ اس وقت رخصت ہوئے جب آپؐ نے لاکھوں انسانوں کو ایک خدا کے حضور جھکا دیا۔ اور توحید پر قائم کر دیا۔ آپؐ کی قوتِ قدسی کی تاثیر کا مقابلہ کسی نبی کی قوت قدسی نہیں کر سکتی۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام ایسی حالت میں منقطع ہوئے کہ وہ حواری جو بڑی محنت سے تیار کئے تھے۔ جن کو رات دن ان کی صحبت میں رہنے کا موقع ملتا تھا وہ بھی پورے طور پر مخلص اور وفادار ثابت نہ ہوئے اور خود حضرت مسیحؑ کو ان کے ایمان اور اخلاص پر شک ہی رہا۔ یہاں تک کہ وہ آخری وقت جو مصیبت اور مشکلات کا وقت تھا وہ حواری انکو چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک نے گرفتار کرا دیا اور دوسرے نے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ لعنت کی، اس سے بڑھ کر ناکامی اور کیا ہو گی؟

حضرت موسٰے جیسے اولوالعزم نبی بھی راستہ ہی میں فوت ہو گئے۔ اور ارضِ مقدس کی کامیابی نہ دیکھ سکے۔ اور ان کے بعد ان کا خلیفہ اور جانشین اس کا فاتح ہوا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی قابلِ فخر کامیابی کا نمونہ ہے۔ اور وہ کامیابی ایسی عظیم الشان ہے کہ جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔

آپؐ جس بات کو چاہتے تھے جب تک اس کو پورا نہ کر لیا آپؐ رخصت نہیں ہوئے آپؐ کی روحانیت کا تعلق سب سے زیادہ خدا تعالےٰ سے تھا اور آپؐ اللہ تعالےٰ کی توحید کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کون اس سے ناواقف ہے کہ اس سرزمین میں جو بتوں سے بھری ہوئی تھی ہمیشہ کے لئے بت پرستی دور ہو کر ایک خدا کی پرستش قائم ہو گئی۔ آپؐ کی نبوت کے سارے ہی پہلو اس قدر روشن ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔

آپ ایک خطرناک تاریکی کے وقت دنیا میں آئے اور اس وقت گئے جب اس تاریکی کو نکال کر دنیا کو روشن کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپؐ کی قدسی قوت کے کمالات کا یہ بھی اثر اور نمونہ ہے کہ وہ کمالات ہر زمانہ میں اور ہر وقت تازہ بتازہ نظر آتے ہیں اور کبھی وہ قصہ یا کہانی کا رنگ اختیار نہیں کر سکتے۔ اگرچہ مجھے افسوس ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ خوارق اور اعجاز اب نہیں ہیں پیچھے ہی رہ گئے ہیں۔ مگر یہ ان کی بدقسمتی اور محرومی ہے۔ وہ خود چونکہ ان کمالات و برکات سے جو حقیقی اسلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل اطاعت سے حاصل ہوتی ہیں محروم ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تاثیرات و برکات پہلے ہوا کرتی تھیں اب نہیں ایسے بیہودہ اعتقاد سے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان پر حملہ کرتے ہیں۔ اور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

خدا تعالےٰ نے اس وقت جبکہ مسلمانوں میں یہ زہر پھیل گئی تھی اور خود مسلمانوں کے گھروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے والے پیدا ہو گئے تھے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں دکھاؤں کہ اسلام کی برکات اور خوارق ہر زمانہ میں تازہ بتازہ نظر آتے ہیں اور لاکھوں انسان گواہ ہیں کہ انہوں نے ان برکات کا مشاہدہ کیا ہے اور صدہا ایسے ہیں جنہوں نے خود ان برکات اور فیوض سے حصہ پایا ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایسا بین اور روشن ثبوت ہے کہ اس معیار پر آج کسی نبی کا متبع وہ علامات اور آثار نہیں دکھا سکتا جو میں دکھا سکتا ہوں۔

"نماز مومن کا معراج ہے

اور وہ اسی سے اطمینانِ قلب پاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں اللہ تعالےٰ کی حمد اور عبودیت کا اقرار اور استغفار اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوتا ہے۔ اور یہ سب امور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔"

(ملفوظات احمدیہ حصہ چہارم)

سرکارِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہورِ قدسی

(از جناب چودھری فضل داد صاحب گجرات)

پُرانی دنیا یعنی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے وسط میں وہ ملک ہے جو جزیرۃ العرب کے نام سے موسوم ہے۔ گویا دنیائے قدیم کے لئے یہ بمنزلہ قلب ہے۔ اسی ملک سے دنیا کے آخری مذہبی رہبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا، آپ نے چودہ صد سال پیشتر اقوام عالم کو متحد کرنے کے لئے وہ عالمگیر دین پیش فرمایا جو قیامت تک انسانیت کو پیش آنے والے ہر زمانے اور ہر عہد کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر بھی عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے مگر ان کے منّاد بھی عربوں جیسی اُجڈ اور جاہل قوم کی باوجود کوشش کے اصلاح نہ کر سکے۔ قرآن کی سورۃ الروم کی اکتالیسویں آیت ظھر الفساد فی البر والبحر میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے (خشکی اور تری میں لوگوں کے بد اعمال کی وجہ سے فساد برپا ہو گیا) مگر یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس عام ظلمت، اس عالمگیر تاریکی اور اس وسیع اور ہمہ جہتی بگاڑ میں اس آفتاب ہدایت کا طلوع ہوا۔ جس سے ظلمت نور میں بدل گئی۔ وحشت، انسانیت اختیار کر گئی خطۂ عرب کا وہ حلقہ جس کے سدھارنے سے یہودی، عیسائی، مجوسی اور دیگر مذاہب کے رہنما عاجز آ گئے تھے اور اس کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہو کر اپنی کوششیں ترک چکے تھے مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و رہنمائی اور تربیت کی بدولت وہی عرب دنیا کے امام بن گئے۔ انہوں نے انسانی اذہان و قلوب کو نورِ اسلام سے منور کر دیا اور دُنیا کو اپنے قول و عمل سے یقین دلا دیا۔ کہ خدا کسی خاص قوم کا خدا نہیں ہے بلکہ وہ رب العالمین ہے۔ وہ سب قوموں کی پرورش اور ربوبیت فرماتا ہے۔ اس لئے سب انسانوں پر ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی کرنا فرض ہے۔ الخلق عیال اللہ، یعنی خدا کی مخلوق خُدا کا کنبہ ہے۔ اور خدا کا پیارا وہ ہے۔ جو مخلوق کے لئے نفع رساں ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالمی پیغمبر ہیں، اور قرآن کریم ایک عالمی کتاب ہے قرآن کریم اور حضورؐ کی سنت میں اقوام عالم کی نا ابد رہنمائی کے اصول موجود ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعوئے نبوت سے قبل بھی اپنی قوم میں امین و صادق کے نام سے مشہور تھے اور آنحضور صلعم کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ بیواؤں، یتیموں بے کسوں کی خبر گیری اور ہمدردی آپؐ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ حضورؐ صاحبِ خلق عظیم تھے آپ نے اُمّی ہو کر علم و حکمت کے وہ دریا بہائے کہ چودہ صد سال بعد بھی آج مفکرین عالم کی گردنیں ان کے آگے جھکتی ہیں۔ اور سب کو اعتراف ہے کہ آپؐ دنیا کے کامیاب ترین رہبر ہیں، حقیقتاً خیر البشر ہیں۔ اس لئے جس کا بھی تعلق آپ سے ہوا۔ حضورؐ کا جاں نثار بن گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زید نامی ایک غلام تھا۔ جس کو آپؐ نے آزاد فرما دیا۔ زید کا باپ اس کا پتہ ڈھونڈھ کر پہنچا اور حضور صلعم کی خدمت میں التجا کی کہ میرے بیٹے کو گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ رحمۃ للعالمین کب یہ برداشت کر سکتے کہ بیٹے کو باپ سے جُدا کر کے اپنے پاس رکھیں۔ حضورؐ نے اجازت دے دی۔ مگر زید جو ایک غلام ہونے کے باوجود خیر البشرؐ کی باپ سے بڑھ کر شفقت دیکھ چکا تھا کہا کہ میں تو محمد رسول اللہ صلعم کے پاس ہی ٹھہروں گا"

یہ تھے انسانِ کاملؐ کے وہ اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ حمیدہ، جنہوں نے ایک قلیل مدت میں دُنیا کی اُجڈ ترین قوم کی کایا پلٹ دی، حیوانوں سے انسان اور انسانوں سے باخدا انسان بنا دیا۔ جن کا ماٹو ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین بن گیا۔ (مفہوم: یعنی جن کی نماز، قربانی اور جینا مرنا سب اللہ کی خاطر ہو گیا)
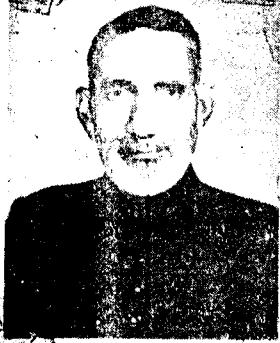
سرورِ کائنات نے سلطنت کے مالک بن جانے کے بعد بھی فقر کو اپنائے رکھا اور الفقر فخری فرما کر غربائے قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ بادشاہ بن کر بھی نہ سر پہ تاج رکھا نہ تخت بنوایا نہ کبھی لباس فاخرہ زیب تن کیا۔ وہی سادہ لباس، سادہ خوراک، عبادت میں استغراق اور دوسروں کی ہمدردی کی طرف پوری توجہ دیئے رکھی۔

ایک مخلص احمدی
فضل داد چوہدری

تقریباً ربع صدی تک ستانے والے ظالموں، جان کے دشمنوں اور اپنے عزیز ترین ساتھیوں کے قاتلوں تک کو ان پر مکمل غلبہ پانے کے بعد معاف فرما دیا:۔

" لا تثریب علیکم الیوم۔ آج تم پر کچھ الزام نہیں۔"

تاریخ عالم میں ایسی معافی کی نظیر کوئی نہیں، تو پھر اس کامل انسان سید البشر، نوع انسان کے فخر اور رحمۃ للعالمین ہونے میں کیا ... ہو سکتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتراف موجود ہے کہ:

" آپؐ دنیا کے تمام انبیاء اور مذہبی مصلحین میں سب سے زیادہ کامیاب اور بامراد انسان ہیں۔"

یہ اعتراف بلاوجہ نہیں، یہ بالکل سچ ہے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسا مصلح نہیں آیا۔ جس نے اپنی قوم کو ایسی گری ہوئی حالت میں پایا ہو، حضورؐ سے پیشتر یہودی اور عیسائی اپنی اپنی جگہ پر اس قوم کی اصلاح پر پورا زور لگا چکے تھے۔ مگر ناکام رہے تھے مگر رسول مقبولؐ کی قوتِ قدسی نے ایسا انقلاب پیدا کر کے دکھایا کہ ملکِ عرب کے زمین و آسمان بدل گئے۔ بُت پرستی، توہم پرستی کی انتہا تک پہنچی ہوئی قوم توحید کے بلند سے بلند مقام پر پہنچ گئی، اور پھر اس توحید کو پھیلانے میں وہ اتنے مستعد اور پرجوش ہوئے کہ دُنیا کے ممالک میں پیغام حق پہنچانے کے لئے چاروں طرف نکل گئے، وہ اگر رُوحانیت کے لحاظ سے اعلےٰ مقام تک پہنچے تو دنیوی نکتہ نگاہ سے بھی دُنیا کی تمام قوموں سے آگے نکل گئے، قیصر و کسریٰ کی مضبوط اور طاقتور ترین سلطنتیں ان کے سامنے کچی دیوار کی طرح ایسے گرتی چلی گئیں کہ گویا ان کی کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔

غرضیکہ نبی کاملؐ نے ہر لحاظ سے ایک پست قوم کو فاتح اقوام عالم بنا دیا۔ فتح مکہ کے بعد سرورِ کونینؐ کے عفو کی وسعت کا نظارہ فاتحین عالم کے لئے ایک مثال ہے۔ "جبارانِ قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ رؤسا بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب کے پیش رو تھے وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکرِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلعم کی ایڑیوں کو لہو لہان کر دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہ سکتی تھی۔ وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔"

یہ لوگ بڑے ظالم تھے شقی تھے۔ بے رحم تھے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ ترجمہ:۔

"تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

اس طرح جزیرۃ العرب سے بُت پرستی کا طلسم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا۔ اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد۔

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء

"ہمیں ایک نیا خُدا ایجاد کرنا پڑے گا!"

ہفت روزہ "المنبر" نے اپنے یکم تا ۷ فروری ۱۹۷۹ء کے شمارہ ۷-۹ میں ۱۵ اکتوبر کو لکھنؤ میں عیسائی فرقہ کیتھولک کے بشپ صاحبان کی کانفرنس میں ہندوستان کے سابق چیف جسٹس مرزا حمید اللہ بیگ صاحب کی اخبار پائنیر میں شائع ہونے والی تقریر کے حوالے سے ان کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے ہیں کہ :-

" سائنس نے مذہب کی ان بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیا ہے جو خلافِ عقل تصورات پر تھیں اس لئے اب ہم کو ایک ایسے جدید مذہب کو ایجاد کرنا ہے جو سائنسی ترقیات سے موافقت کر سکے۔"

اس کے بعد ان کی تقریر کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ :-

" خُدا کے تخیل میں بھی اب جان نہیں رہ گئی ہے اور اب ہمیں ایک نیا خدا ایجاد کرنا پڑے گا۔"

معاصر "المنبر" حمید اللہ بیگ صاحب کے ان الفاظ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

" نئے مذہب کی ایجاد کے دعویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعویٰ کرنے والے کا عقیدہ نہ کسی نبی اور رسول پر ہے اور نہ وحی آسمانی پر نہ کسی مذہبی کتاب پر اور وہ سرے سے خدا کے وجود کا قائل نہیں اور ساتھ ہی وہ اس کی بھی ہمت کرتا ہے کہ نئے خُدا کی تخلیق و ایجاد کی ضرورت و اہمیت جتائے۔"

تبصرہ نگار نے جناب حمید اللہ بیگ صاحب کے ان الفاظ کو "کلماتِ کفر" کے ذیل میں لاتے ہوئے انہیں بالواسطہ ملحد اور منکرِ خدا قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ اسلام سمیت ساری مذہبی دُنیا خدا کا جو تصور اور تخیل اس وقت پیش کر رہی ہے اس کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک انہوں نے کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں کہی۔ جس مجلس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے یہ الفاظ کہے ہیں اس کے پسِ منظر میں ان پر غور کیا جائے تو بھی ان پر گرفت کرنا اور انہیں ملحد اور منکرِ خدا کہنا حق و انصاف سے بہت بعید ہے۔

یہ تقریر کیتھولک عیسائیوں کے ایک اجتماع میں کی گئی جو تثلیث یعنی خدا باپ۔ خدا بیٹا اور رُوح القدس پر بڑی سختی سے ایمان رکھتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے صلیب پر جان دے کر قیامت تک عیسائی دُنیا کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اب وہ جو کچھ بھی کریں۔ کفارہ پر ایمان لانے سے ان کی نجات ہو جائے گی۔ یہ اتنی خلافِ عقل بات ہے کہ خود عیسائی پادری اپنی تحقیقات کی روشنی میں اسے ایک بے بنیاد اور مضحکہ خیز اعتقاد تصور کرتے ہوئے اسے الوداع کہہ رہے ہیں اور حضرت مسیحؑ کو اُلوہیت کے تخت سے اتار کر ایک انسان اور عظیم الشان مصلح وقت کے طور پر پیش کرنے لگے ہیں۔ کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھنے والے قدامت پسند اور متعصب عیسائیوں میں اس سے ایک زبردست اضطراب کی لہر اُٹھی ہے اور وہ یہ بے سُود کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے اِن عقلی طور پر بودے اور بے دلیل معتقدات کو سہارا ملے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کیونکہ ان ہی میں سے کچھ ایسے روشن خیال کیتھولک پادری بھی ہیں جو مسیحؑ کی خدائی کو ایک بے حقیقت افسانہ کہہ رہے ہیں۔ اور اس طرح احبارِ یورپ کے اپنے ہاتھوں وہ عمارت رفتہ رفتہ منہدم ہو رہی ہے جو صدیوں سے ریت کے ذرّوں پر قائم تھی اور دنیا اپنی آنکھوں سے کسرِ صلیب کا وہ نظارہ دیکھ رہی ہے جو مسیحِ محمدیؐ کے ہاتھوں مقدر تھا۔

مقرر نے یہ بالکل درست فرمایا ہے کیونکہ اگر خدا بھی انسان کی طرح بیوی اور بیٹے کا محتاج ہے تو وہ کسی صورت میں خدا کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس کے بجائے ہمیں ایسا خدا چاہیئے جو ہر جہت سے بے نیاز، صاحب اقتدار اور صاحب اختیار ہو اور اس کی قدرت کی انتہاء کو انسانی تصور چھُو نہ سکے۔ یہ خدا کا ایک نیا تصور ہو گا یا یوں کہیئے کہ ایک کمزور اور سہارا کے متلاشی خدا کی جگہ ایک نیا خدا اس کائنات سماوی اور ارضی پر متصرف ہو گا ہمیں ایسے ہی نئے خدا کی ضرورت ہے۔ تبصرہ نگار کے خیال میں اگر حمید اللہ بیگ صاحب نے یہ بات خلاف قرآن کہی ہے تو ہم ان کی توجہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف مبذول کرتے ہیں جن میں حضرت مسیحؑ کو اللہ تعالےٰ کا بیٹا بتانے سے سخت بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔

(۱) "اس کا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے اور اس کی کوئی جورُو نہیں۔"

(الانعام۔ (۱۰۱)

اس آیت میں ایک اُصول بیان کیا گیا ہے کہ بغیر خاوند اور بیوی کے بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہے تو اس کی (نعوذ باللہ) خدا کی جورُو بھی ہونی چاہیئے۔ مسیح کو خُدا کا بیٹا مانا جائے تو بی بی مریمؑ کو (نعوذ باللہ) خدا کی جورُو تسلیم کرنا ہو گا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ (نعوذ باللہ) خدا کو بھی جنسی تسکین اور بیٹے کی ضرورت ہے جسے بشری حوائج لاحق ہوں وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لئے عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ خدا کا بیٹا ہے قطعاً باطل ہے اور وہ خدا نہیں ہو سکتا جو بیٹے کا محتاج ہو۔ اس کے بجائے ہمیں ایک نیا خُدا تلاش کرنا ہو گا۔

(۲) "اور کہتے ہیں رحمٰن نے بیٹا بنایا۔ یقیناً تم ایک خطرناک بات کو گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔"

(مریم۔ ۸۹ — ۹۱)

(۳) "نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے" (الاخلاص — ۳)

عیسائیوں کے ہاں خدا کا جو تخیل ہے اگر مقرر نے اسے غیر سائنسی کہتے ہوئے ایک نئے خدا کی ایجاد کا ذکر کیا ہے تو کونسا گناہ کیا ہے اور اگر یہ کہہ دیا ہے کہ ایسے خدا کے تخیل میں بھی اب جان نہیں رہ گئی تو کیا کفر کیا ہے۔ عیسائی تو اب خود تسلیم کر رہے ہیں کہ "خدا مر چکا ہے"۔ یعنے وہ خدا جسے وہ خُدا سمجھے بیٹھے تھے وہ اب باقی نہیں رہا۔ اور اب وہ ایک نئے خُدا کی تلاش میں ہیں جو مافوق البشر ہستی اور علٰے کلّ شیءٍ قدیر ہو۔ عیسائیوں کی ایک مجلس میں یہ کہنا کہ ہمیں ایک نیا خدا ایجاد کرنا پڑے گا خدا کے متعلق ان کے تصور کے خلاف ایک احتجاج ہے نہ کہ اس خُدا کی ہستی سے انکار جو انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اور وہی حقیقی خدا ہے جس نے انسان کو اپنی فطرت پر تخلیق کر کے اس کے اندر اپنی رُوح پھونکی اور اپنی طرف اس کی رہنمائی کے لئے ایک سلسلہ ہدایت و رشد قائم فرمایا۔ جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ایک بے بس و مجبور اور محتاج خدا کو تسلیم کرانا اللہ تعالےٰ کے قائم کردہ نظام کے خلاف بھی ہے اور خلافِ عقل بھی۔

سائنس نے درحقیقت خُدا کے متعلق غلط تصوّرات اور معتقدات کی بنیادیں نہ صرف ہلا دی ہیں بلکہ سرے سے منہدم ہی کر دی ہیں اب ان کھنڈرات پر محکم تصوّرات کی ایک نئی عمارات استوار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جناب حمید اللہ بیگ صاحب اس طرف توجہ دلا کر الحاد اور انکارِ مذہب کے قطعاً مرتکب نہیں ہوئے۔ کوئی عقل و شعور سے عاری انسان ہی ان کو یہ الزام دے سکتا ہے۔

جدید سائنسی اور تکنیکی دور مذہب سے متعلق فرسودہ معتقدات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کا چیلنج قبول کرنے اور شکوک و شبہات میں اُلجھے ہوئے انسانوں کا مطمئن کرنے کے بجائے انہیں ملحد۔ منکرِ خدا و رسُول اور کافر کہہ دینے سے اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔ ضَرَبَ یَضْرِبُ کی گردان میں پھنسے ہوئے صرفی اور نحوی اس کا جواب نہیں دے سکتے کیونکہ وہ خود "خدا" کے حقیقی تصوّر اور تخیّل سے محروم ہیں اور ان کے پاس لے دے کے کُفر کی ایک مُہر ہے جو وہ ہر ذی شعور اور غور و فکر کرنے والے انسان پر لگا دینے کے لئے ہر وقت تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ انہیں اس کا ذرا برابر علم نہیں کہ سائنس کیا ہے اور اس کے آئے دن نئے نئے انکشافات کس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اسلام کا خدا محض کوڑے لگوانے۔ ہاتھ کاٹنے اور سنگسار کرنے کے احکامات جاری کرنے والا خدا نہیں۔ وہ انسانوں کی جسمانی اور رُوحانی ربوبیت کرنے والا خدا ہے اس ربوبیت کے لئے اس نے انسان کی تخلیق سے پہلے ہی سارے سامان مہیا فرما دیئے

ہیں۔ اپنی آخری کتاب میں اس نے اپنی حقیقی معرفت اور شناخت کے لئے جگہ جگہ انسانوں کو عقل و شعور اور غور و فکر سے کام لینے۔ کائنات کے راز ہائے سربستہ سے پردہ اُٹھانے اور اس کے تغیرات میں کارفرما ابدی اور ازلی قوانین فطرت سے پردہ اُٹھانے اور انہیں مسخر کر کے انسان کی فلاح و بہبود کے کام میں لانے کی طرف توجہ دلائی ہے:۔

"وہ خدا حکیم ہے جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے اس حکمت سے نوازتا ہے اسے بہت بڑی بھلائی عطا فرماتا ہے۔ لیکن اس سے دانشمند اور سوجھ بوجھ والے انسان ہی نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔"

(البقرہ - ۲۶۹)

وہ حکیم خدا یہ بھی فرماتا ہے کہ:۔

"کہ زمین و آسمانوں کی تخلیق اور دن رات کے اختلاف میں عقل والوں کیلئے نشانات ہیں۔ اور عقل والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے اسے بے مقصد اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اگر ہم اپنی راہ سے بھٹک جائیں تو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھنا"

(آلِ عمران - ۱۹۰)

اللہ تعالےٰ انسان سے آنحضرت صلعم کے ذریعے یہ سوال کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا۔ بادلوں سے بارش برسا کر خوبصورت باغ اُگانے والا۔ زمین کو قرار بخشنے۔ اس میں پہاڑ پیدا کرنے اور دریا بہانے اور سمندروں کے مابین روک پیدا کرنے مصیبت میں مبتلا مضطر کی دُعا سُن کر اسے برائی سے نجات دینے اور تمہیں زمین میں خلفاء بنانے والا کون ہے۔ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں تمہاری راہنمائی کون کرتا ہے۔ ہواؤں کے ذریعے اپنی رحمت کی خوشخبری دینے والا کون ہے۔ کس نے تخلیق کائنات کی ابتدا کی اور کون اب اس کا اعادہ کرتا ہے۔ آسمان اور زمین سے تمہیں رزق دینے والا کون ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی اس میں شریک ہے۔ بہت ہی کم ہیں جو ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد خالق کائنات کی جستجو اور تلاش کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یہ کسی نامعلوم چیز کے معلوم کرنے کا عین سائنٹیفک طریقہ ہے۔ سائنس میں پہلے مشاہدہ۔ پھر تجربہ اور آخر میں اس کا نتیجہ آتا ہے۔ جیسے انگریزی میں ——
OBSERVATION, EXPERIMENT AND INFERENCE
کہتے ہیں۔ سائنس دان اپنی ان فکری کاوشوں کی بنیاد پر پہلے مفروضہ تیار کرتا ہے۔ بار بار کے تجربات کی کسوٹی پر اپنے اس مفروضہ کو پرکھتا اس میں نقائص کو دُور کرتا اور ایک مسلسل جد و جہد اور شب و روز کی ان تھک محنت کے بعد ایک نظریہ قائم کرتا ہے۔ اس نظریہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے سے قبل اس پر مزید تجربات کرتا ہے۔ اگر اس کے یہ تجربات اس کے نظریہ کی تصدیق کر دیں تو کہیں مدتوں بعد اسے ایک کُلیہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔

انسان کے بنائے ہوئے یہ قانون اور کُلیے استثناء سے خالی نہیں ہوتے۔ کیا خدا کو ماننے والوں نے بھی کبھی اس کی تلاش کے لئے اتنی مسلسل جد و جہد محنت اور کاوش سے کام لیا ہے۔ اور کبھی عقل و شعور۔ غور و فکر اور تدبر کو کام میں لانے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ تو فرماتا ہے کہ:۔

"جو لوگ ہمیں پانے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے وہ راستے جن کے ذریعے وہ ہم تک پہنچ سکتے ہیں بتا دیتے ہیں۔"

مغربی مفکرین اپنے تجربات کی روشنی میں اب اس مقام تک تو پہنچ آئے ہیں کہ اس کائنات کے پیچھے ایک اعلےٰ و ارفع تخیل اور تصور موجود ہے جس کی یہ کائنات مظہر ہے اور وہ دن قریب ہے کہ ان کی زبان پر "اللہ" کا نام بھی جاری ہو جائے گا۔

عیسائیوں کی طرح خدا کے صحیح تصور کو بگاڑنے میں مسلمانوں نے بھی کوئی کمی نہیں کی۔ مسلمانوں کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالےٰ کی بعض صفات آج چودہ سو سال سے معطل ہیں۔ نہ وہ سمیع ہے نہ بصیر۔ نہ وہ علیم ہے اور نہ خبیر۔ نہ ہی وہ کسی سے کلام کرتا ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو کسی پر ظاہر کرتا ہے۔ سائنسدان آج جس مقام پر کھڑا ہے وہ اس پر مطمئن نہیں۔ وہ اس مقام سے آگے جانا چاہتا ہے، جہاں وہ اس "تصور" اور "تخیل" کا جو اس ارضی اور سماوی کائنات کے پیچھے کارفرما ہے۔ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے۔ اس کا مشاہدہ اُسے کون کرائے۔ کیا مسلمان دنیا میں کوئی ایسا انسان آج موجود ہے جو یہ کہہ سکے کہ آؤ میرے پاس۔ اگر تم چالیس دن کے اندر اندر کوئی نشان نہ دیکھ سکو تو میں جھوٹا کذاب اور مفتری ہوں۔

اس صدی میں صرف اور صرف ایک انسان مرزا غلام احمد قادیانی ہوا ہے جس نے خدا کو نہ صرف خود دیکھا بلکہ ایک عالم کو دکھا دیا۔ مگر اندھا کیا جانے بسنت کی بہار۔ یہ کس نے کہا کہ "زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار"۔ اور انقلاب رُوس میں زار کا سارا خاندان ہی باحالِ زار تھا۔ اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ یہ کون پکارا تھا کہ ؎

جس کی دُعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر
ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے

امریکہ کا ڈوئی جس نے مسیح کا دعویٰ کیا کس کی دُعا سے ذلت و رسوائی کی موت مرا۔ سالہا سال پہلے کس نے کہا تھا کہ "شاستری کی پیشگوئی غلط نکلی"۔ اور لاہور میں فتح کا جشن منانے کا اہتمام کرنے والے ۱۹۶۵ء میں کس طرح ذلیل و خوار ہو کر پسپا ہوئے۔ ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

اگر عقل ہی خدا کو دکھا سکتی ہے تو علامہ اقبال یہ نہ فرماتے: ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

عقل سے آگے مقام عشق ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالےٰ کے چہرہ سے پردے سرک کر اس کے متلاشی کو جلوۂ الٰہی سے بے خود و مست بناتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھ کر عقل کے ذریعے خدا کو پانا چاہا۔ مگر پکار اُٹھے کہ یہ تو خدا نہیں ہو سکتے۔ جو خود زوال پذیر ہو وہ لازوال کیسے ہو سکتا ہے۔

عقل آگ میں کود جانے اور اپنے بیٹے کے گلے پہ چھری رکھنے کو باور نہیں کر سکتی۔ لیکن تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ ایسا ہوا۔ کیوں ایسا ہوا، عقل کے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں۔ اس لئے کہ

ع حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی

جناب حمید اللہ بیگ صاحب کی باتوں پہ رد کرنے کی حاجت نہیں۔ ان کی طرف سے یہ ایک چیلنج ہے۔ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں وہ ایک ایسے لازوال اور زندہ خدا کو تلاش کرنا چاہتے ہیں جو تمام صفات سے متصف ہو۔ اُسے ہماری زندگیوں میں باقاعدہ عمل دخل ہو۔ ہم یہ محسوس کر سکیں کہ وہ ہر قدم پہ ہماری راہنمائی فرما رہا ہے۔ وہ سنتا ہے، وہ دیکھتا ہے اور بولتا ہے۔ جس خدا میں یہ صفات نہیں، اس کی حیثیت سنگ مرمر کے ایک بُت سے زیادہ نہیں۔ جسے سنگ تراش نے اپنے "تصور" اور "خیال" کے مطابق تراشا ہو۔ ہمیں ایک زندہ خدا چاہیئے جو ہر قدم پر اپنی زندگی کا ثبوت دے۔ جیسے وہ پہلے دیتا رہا ہے۔

اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ میں اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اور اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ دُنیا کو اب ایسا ہی خدا چاہیئے جو انسانوں کی شہ رگ اور ان کے دلوں کے قریب ہو اور وہ جب بھی اُسے پکاریں وہ کہے کہ میں موجود ہوں۔

اسلام ایک سائنٹیفک مذہب ہے۔ سائنس کے تجربات کی طرح اس کا تجربہ بھی کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے۔ البتہ دونوں کے دائرہ کار میں تجربات کی نوعیت مختلف ہے۔ جس طرح سائنسی تجربات کی کامیابی کے لئے کچھ شرائط ہوتی ہیں اسی طرح خدا کو پانے کے تجربات کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں۔ جب تک یہ پوری نہ ہوں اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔

اس کی پہلی شرط اپنے نفس کو آلودگیوں سے پاک کرنا اور اپنے دل کو شیشے

کی طرح صاف کرنا ہے تاکہ اس کا چہرہ اس میں منعکس ہوسکے جس طرح صاف ستھرے شیشہ میں انسان اپنے چہرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ مجدد وقت فرماتے ہیں:۔

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اس نور کو صرف وہی پاسکتے ہیں جن کے دل روشن ہوں۔ اندھا اندھے کو کیا راہ دکھلائے گا۔ اندھوں کے پیچھے چلنے والے کفر و الحاد کے تاریک گڑھوں میں ہی گریں گے۔ آج اگر دنیا میں ایک بھی خدا نما انسان ہوتا تو حمید اللہ بیگ صاحب کو نہ نیا خدا ایجاد کرنے کی ضرورت کا احساس ہوتا اور نہ نئے مذہب کی جستجو ہوتی۔ اسلام کا خدا زندہ۔ رسول زندہ اور اس کی کتاب زندہ ہے۔ لیکن اللہ کی حاکمیت زمین پر قائم کرنے والوں نے اس کا یہ تصور دے کر کہ وہ محض سزائیں نافذ کرنے والا حاکم ہے انسانیت کو ارتداد کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ وہ ایک مجسٹریٹ نہیں۔ وہ ربّ ہے۔ رحمٰن ہے۔ رحیم ہے اور مالک ہے۔ جب تک اس کی ان چاروں صفات کو کوئی انسان اپنے اندر نہ سموئے اس کی حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ان چاروں صفات کا عمل دخل انسانی زندگی میں ابتداء سے جاری رہا ہے اور جاری رہے گا۔ انسانیت کو اب ایسے ہی خدا کی ضرورت ہے جو ہر قدم پر اس کی رہنمائی کرسکے اور اپنے وجود کا احساس دلا سکے۔

"المنبر" لکھتا ہے کہ اب تو روس بھی خدا کی طرف لوٹ رہا ہے۔ روس سائنسی ٹکنیک کے لحاظ سے اپنی پوری بلندی پر ہے۔ اگر وہاں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے تو یہ بھی قادیان کے مردِ خدا آگاہ کی اس آواز کی بازگشت ہے کہ جب اس کے سامنے روس کی خدا سے بیزاری کا ذکر ہوا تو اس نے فرمایا یہ اچھا ہے تختی صاف ہو رہی ہے نقش اچھا جمے گا۔

اب وہ تختی صاف ہو چکی ہے نقش جم رہا ہے۔ کیونکہ خدا کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہے۔ لیکن یہ خدا وہ خدا نہیں ہوگا جس سے روس نے ۱۹۱۷ء میں نجات حاصل کی تھی۔ بلکہ یہ ایک نیا خدا اور نیا مذہب ہوگا جسے قرآن کریم پیش کرتا ہے اور جسے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے چودھویں ہجری کی ابتداء میں پیش کیا۔ ایک زندہ خدا۔

ایک ضروری تصحیح

پیغام صلح مجریہ ۱۴ ۲/۹، صفحہ ۶ کالم ۱ سطر ۲۲ میں دو سطریں سہو کتابت سے رہ گئی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

"لیکن قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل وہ نارتھ ویسٹرن ریلوے پر تبدیل ہو کر لاہور آ گئے تھے اور یہیں سے ڈپٹی چیف انجنیئر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔"

قارئین کرام تصحیح فرمالیں۔ ادارہ اس سہو کتابت پر معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

اخبارِ احمدیہ

— حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ احباب سلسلہ ان کی صحت و عافیت کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

— مولانا دوست محمد صاحب سابق ایڈیٹر پیغام صلح اور جناب مولانا احمد یار صاحب کچھ علیل ہیں اور کمزور بھی۔ احباب کرام ان کی شفایابی کے لئے دعا فرمائیں۔

— جناب عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ ریلوے گارڈ بہاولپور سے تحریر فرماتے ہیں:۔
"ان کے ایک عزیز دوست جناب قاضی محمد افضل صاحب قریشی متوطن خان پور ۱/۲ ۴ ماہ سے صاحب فراش ہیں، اور وہ بزرگانِ سلسلہ اور احباب جماعت سے درخواست کرتے ہیں کہ اخبار دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے عاجلہ و کاملہ سے نوازے۔

جناب محمد انور ملتی صاحب عابد ملتی

معاشرے میں برائیوں کے انسداد کیلئے ایک مؤثر تجویز

جیسے کہ اخبارات و رسائل میں ہم عموماً پڑھتے ہیں اور کئی لوگوں کے براہ راست مشاہدے میں یہ چیز آ رہی ہے۔ ہمارے ہاں ہر شعبۂ زندگی میں طرح طرح کی برائیاں سرایت کر چکی ہیں۔

ان کے انسداد اور روک تھام کے لئے گو اہلِ فکر و نظر وقتاً فوقتاً مختلف کاوشیں کرتے رہے ہیں مگر کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔

خاکسار کی رائے میں ان برائیوں کے دور کرنے کے لئے کسی عملی اقدام سے پہلے ضروری ہے۔ کہ ان برائیوں کے اسباب و وجوہات کا پتہ لگایا جائے۔ میرے نزدیک موجودہ سماجی، اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کی بڑی وجہ عام لوگوں کی اسلامی تعلیم و احکامات سے لاعلمی، زندگی کے اصل مقصد سے دوری و غفلت اور ان میں خدا خوفی کا فقدان ہے۔ موجودہ اخلاقی انحطاط و تنزل کی ایک اور اہم وجہ مغربی تہذیب سے فریفتگی ہے۔ جس کے تحت انسان ہوا و ہوس کا بندہ ہو جاتا ہے۔

یہ دیکھ کر نہایت افسوس اور دکھ ہوتا ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ ان تعلیمات کو جو مغرب کے لوگ اپنی تہذیب سے اخذ کر پاتے ہیں اور جن سے بچنے کے لئے وہ سچائی و ہدایت کے متلاشی ہیں پروا کئے بغیر اس تہذیب کے دلدادہ نظر آتے ہیں۔

موجودہ صورتِ حال سے نجات پانے کے لئے خاکسار کے ذہن میں ایک تجویز ہے جس کا تعلق سرکاری اہل کاروں کے فرائض اور ان کے لئے ایک ضابطہ اخلاق سے ہے۔ اس کے خیال میں اگر سرکاری اہل کار اس تجویز پر عمل پیرا ہو جائیں تو بڑی حد تک اصلاح احوال ہوسکتی ہے۔ کیونکہ صرف یہی ایک طبقہ اپنے فرائض منصبی پوری دیانت اور خدا خوفی کے جذبے کے تحت سرانجام دینے لگ پڑے تو پورا معاشرہ ان کے دائرہ اثر میں ہونے کے سبب بدل سکتا ہے۔

اب جبکہ اسلامی نظام کی اس ملک میں آمد آمد ہے یہ اور بھی ضروری ہے کہ سرکاری اہلِ کار اپنے فرائض پوری محنت، لگن، خلوص اور دیانت داری کے ساتھ خدا خوفی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بجا لائیں تاکہ اسلامی نظام کے نفاذ کا جو تجربہ اس ملک میں کیا جانے والا ہے پوری طرح کامیاب ہو۔

خاکسار نے جس تجویز کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے۔ وہ ایک حلف کی بابت ہے جو حکومت وقت تمام چھوٹے بڑے سرکاری اہل کاروں سے درج ذیل الفاظ میں لے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں مسمّی ________ ولد ________

اہل کار محکمہ ________

جسے اس مملکت پاکستان میں ________ کے فرائض سپرد کئے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتا ہوا قرآن کریم کو جسے میں اس کی الہامی کتاب یقین کرتا ہوں ہاتھ میں لے کر اس امر کا عہد کرتا ہوں کہ میں مملکت کی طرف سے سپرد کئے گئے اپنے فرائض کو نہایت جانفشانی، ہمت، دیانت داری اور حق و انصاف کے اصولوں کے تحت اپنے ضمیر کی آواز کے عین مطابق سرانجام دوں گا اور ان فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے اس مشاہرے کے سوا جو سرکاری قواعد و ضوابط کے مطابق میرا حق ہے کسی سے کچھ قبول نہیں کروں گا۔ نیز میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں اپنی سرکاری حیثیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤں گا اور نہ ہی اقربا نوازی اور دوست

(باقی بر صفحہ ۱۰ کالم ۲)

مُسلمان مُشرک

(تحریر: علامہ عبدالرزاق ملیح آبادی ۔ ۱۹۲۵ء)

حضرت انسؓ بنی اُمیہ کے زمانے میں رویا کرتے تھے کہ عہد اوّل کا دین باقی نہیں رہا۔ اگر وہ ہمارے اِس زمانے کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ کیا وہ ہمیں "مشرک" قرار نہ دیتے اور ہم انہیں کوئی بُرا نام نہ دیتے۔ کیونکہ اس وقت اور اُس وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مُشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظ اسلام یا چند ظاہری و رسمی عبادتیں ہیں۔ اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں۔

کتاب اللہ جیسی آسمان سے اُتری تھی اب تک بے غل وغش قائم ہے۔ سنت رسول اللہ بھی مدوّن و محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ دونوں مہجور و متروک ہیں۔ طاقوں اور الماریوں کی زینت ہیں۔ یا گنڈوں۔ تعویذوں میں مستعمل۔ مسلمان اپنی عملی زندگی میں ان سے بالکل آزاد، اور باوجود ادّعائے اتباع اُن سے مخالف چل رہے ہیں۔

اجمیر کا عُرس دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے یہ وہی مسلمان ہیں جو عامل قرآن اور علمبردار توحید تھے؟ اُودھ کے ایک ہندو رہنما نے اجمیر کی کیفیت دیکھ کر کہا تھا:۔

"اب تک مجھے شک تھا کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہو سکتا ہے۔ مگر آج یقین ہو گیا کیونکہ ہمارے اور مسلمانوں کے مذہب میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف ناموں کا ہے حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے۔"

اور یہ اس نے سچ کہا۔ کیونکہ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں اگر فرق ہے تو ناموں اور طریقوں ہی کا ہے۔ ورنہ حقیقت تقریباً ایک ہے۔ ہندو بُتوں کے سامنے جھکتے ہیں تو مسلمان قبروں کے سامنے۔ ہندو رام و کرشن کی پرستش کرتے ہیں تو مسلمان جیلانی و اجمیری کی! یہ کہنا کہ ہم پرستش نہیں کرتے، انہیں خُدا نہیں سمجھتے، محض بے معنی ہے۔ کیونکہ ہندو بھی بجز اللہ واحد کے کسی کو بھی خُدا سمجھ کر پرستش نہیں کرتے اور نہ مشرکین عرب کرتے تھے۔ جیساکہ اس کتاب میں مفصّل مذکور ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم اپنی پرستش کو "پرستش و عبادت" نہیں کہتے کچھ اور نام دیتے ہو۔ مگر ناموں کے اختلاف سے حقیقت تو بدل نہیں سکتی۔

حساس آدمی کے لئے **مسلمان مشرکوں** کے حالات و خیالات معلوم کرنا ایک ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔ اس فرقہ میں عقل و نقل دونوں کا کمال ہے، ایک طرف تسلیم کرتے ہیں کہ خُدا علّام الغیوب ہے۔ سمیع و بصیر ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرّہ بھی اس سے اوجھل نہیں اور نہ وہ بغیر اس کی مرضی کے حرکت کر سکتا ہے۔ وہ ہم سے دُور نہیں۔ نزدیک ہے، اور اتنا نزدیک کہ اس سے زیادہ نزدیکی ممکن نہیں۔ پھر وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ غفور و غفار ہے، سخی ہے۔ بے حساب دیتا ہے۔ جبار بادشاہ نہیں کہ کسی کو اپنے در پہ آنے نہ دے۔ ہر وقت اس کا دروازہ کھُلا ہے۔ ہر وقت اس کا ہاتھ پھیلا ہے۔ ہر وقت اس کا لنگر جاری ہے۔ یہ سب اس سے زیادہ مانتے ہیں۔ مگر...... "مگر" کے آگے عقل و دانش کی موت ہے۔ انسانیت اور انسانی شرافت کا ماتم ہے! مگر کے بعد یہ ہے کہ قبروں کے سامنے جھکنا ضروری ہے! مُردوں سے منتیں ماننا لازمی ہے! سفارش و شفاعت کے بغیر اس دربار میں رسائی ناممکن ہے۔ یہ قبر غوثِ اعظم کی ہے جو مر جانے کے بعد بھی "غوث" ہیں اور ملک الموت سے قبض کی ہوئی رُوحوں کا تھیلا چھین سکتے ہیں! یہ "محبوب سبحانی" ہیں "عاشق جاں نثار" کو ضد کر کے مجبور کر دیتے ہیں......!! چنانچہ انسانیت و اسلام کے یہ مدعی جوق در جوق قبروں پر جاتے ہیں، ناک رگڑتے ہیں، اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کوئی شریف النفس خود دار انسان کسی مخلوق کے سامنے نہیں کر سکتا۔ انسان کے پاس سب سے بڑی دولت اس کی اپنی انسانیت ہے، یہ جاتے ہیں اور اس متاعِ عزیز کو چونے و اینٹ کے چبوتروں پر بڑی بے دردی سے قربان کر آتے ہیں!

اگر کہا جاتا ہے کہ دیکھو کیا کرتے ہو؟ شریعت نے منع کیا ہے، شرک ٹھہرایا ہے جہنم سزا بتائی ہے تو جواب اعراض و انکار ہے، تحویل و تحریف ہے۔ شریعت و حقیقت کی بحث ہے ظاہر و باطن کی حجت ہے۔ وہابی و حنفی کا فرق ہے۔ قرآن کی آیت اور محمد رسُول اللہؐ کی حدیث کے مقابلہ میں حسن بصری، شبلی، جیلانی، چشتی کے ملفوظات ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی نے بھی کوئی شرک جائز نہیں رکھا۔ مگر کس سے کہا جائے؟ کان ہوں تو سُنیں آنکھیں ہوں تو دیکھیں دل ہوں تو سمجھیں:۔

لھم قلوبٌ لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذانٌ لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضلّ۔ (۹:۱۲)

ترجمہ: ان کے دل ہیں مگر وہ ان کو سمجھنے کے لئے استعمال نہیں کرتے، آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سُنتے نہیں۔ دراصل وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔

(الاعراف: آیت ۱۷۹)

یہ صرف عوام کا ہی حال نہیں کہ جہالت کی وجہ سے معذور رکھے جائیں، ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنے تئیں منہ پھاڑ پھاڑ کے "علماء اُمت" "وارثِ علوم نبوّت" ۔ اور انبیاء بنی اسرائیل کا مشابہ بتاتے ہیں۔ ایک طرف اسفارِ شریعت کے حامل اور دوسری طرف "حقیقت و طریقت" کے رازدار ہونے کے مُدّعی ہیں۔ دراصل یہی لوگ اُمتِ محمدیہ کے لئے اصل فتنہ اور تمام تباہیوں اور بربادیوں کے اصل سبب ہیں۔

یہ علماءِ سُوء اس اُمت کے "فقیہی" و "فریسی" و "صدوقی" ہیں، "ہاروت ماروت" ہیں "رؤس الشیاطین"۔ انہیں نے شریعت کی تحریف کی ہے۔ انہیں نے کتاب و سنت کا دروازہ مسلمانوں پر بند کیا ہے۔ انہی نے طریقت و بدعت کی تاریکی پھیلائی ہے۔ انہیں نے اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسلمانوں کے دلوں سے اُکھاڑ پھینکا ہے۔ تیرہ سو برس کی پوری تاریخ ہمارے سامنے کھلی ہے۔ [illegible] مصیبت ہے جو ان کے ہاتھوں نہیں آئی۔ وہ کونسی گمراہی ہے جس کا جھنڈا انہوں نے اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھایا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہہ گئے ہیں:۔

وھل بدّل الدین الّا الملوک واحبار سوءٍ ورھبانھا

ترجمہ:۔ کیا دین کو بادشاہوں، علماءِ سُوء اور صوفیوں کے علاوہ کسی اور نے بدل ڈالا ہے؟

الفاظ سخت ضرور ہیں اور شاید قابلِ مواخذہ بھی ہیں۔ مگر دِل و جگر میں جو گھاؤ پڑے ہیں، اور زیادہ ماتم پر مجبور کرتے ہیں۔ کون انسان ہے جو تیس کروڑ انسانوں کی بے دردانہ تباہی دیکھے اور خاموش رہے۔ کون مسلمان ہے جو اُمت مرحومہ پر یہ قزاقانہ تاخت اپنی آنکھوں سے دیکھے اور چُپ رہے؟ کیا اس کے بعد بھی انسان دیوانہ نہ ہو جائے گا کہ دن کو رات بتایا جاتا ہے۔ آفتاب کو سیاہ ٹکا کہا جاتا ہے۔ حق کو باطل، اور باطل کو حق ٹھہرایا جاتا ہے؟

کون مسلمان ہے جس کے دِل میں ذرا بھی نورِ ایمان ہو، اور شریعت کو ضلالت سنت کو بدعت، ایمان کو کُفر، توحید کو شرک، اور شرک کو توحید ہوتے دیکھے۔ اور جوش سے ابل نہ پڑے؟ مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ "کتاب و سنت کا فہم ناممکن ہے۔ لہٰذا اس سے دُور رہو۔ اشخاص کی تقلید واجب ہے۔ لہٰذا بے چون وچرا ہمارے پیچھے چلے چلو، قبریں اُونچی کرو۔ قبے بناؤ۔ اولیاء سے منتیں مانو۔ خدا تک مخلوق کو وسیلہ بناؤ جو چاہو کرو بخشے جاؤ گے۔ کیونکہ شفیع المذنبین کی اُمت ہو۔ یہی دین ہے یہی شریعت ہے۔ یہی سنت ہے!" کیا ہم یہ سب سنیں اور خاموش بیٹھے رہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مصلحین اُمّت اُٹھیں اور علماءِ سُوء کے اس شر ذمہ مشؤمہ کے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیں۔ تاکہ مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان بڑی بڑی پگڑیوں کے نیچے شیطان کو سجدہ کرنے والے سر ہیں۔ اور ان لمبی گھنی داڑھیوں کی اوٹ میں کُفر و ریا کی سیاہی چھپی ہوئی ہے؟

کیا مسلمان اپنے "عالموں" اور رہنماؤں کے اسلام و اصلاح کا حال سُننا چاہتے ہیں؟ اچھا ایک مستقل کتاب کا انتظار کریں۔ یہاں اس مختصر دیباچہ میں گنجائش نہیں تاہم عبرت کے ساتھ یہ واقعہ نوٹ کریں کہ ان کے ایک "مستند عالم" نے جو "صوفی"

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

اسلام میں مُرتد کی سزا

سزائے ارتداد کے متعلق دو قیمتی اور علمی مضامین

(بسلسلہ اشاعت ۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۶۹ء)

(۲)

کوئی اور معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ محض ارتداد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی شخص کے قتل کئے جانے کا حکم دیا ہو۔ مشکوٰۃ میں جس میں بعض وقت کم معتبر روایتیں بھی لے لی جاتی ہیں اس قسم کے واقعہ کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ برخلاف اس کے بخاری میں بعض ایسی روایتیں موجود ہیں جہاں کسی صحابی نے کسی شخص کو قتل کرنا چاہا تو آنحضرت صلعم نے منع فرما دیا۔ ہاں اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا پایا جاتا ہے جس کا ذکر اس بحث میں ضروری معلوم ہوتا ہے۔

وہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی خلافت کا ہے۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد عرب کا بڑا حصہ کہا جاتا ہے مرتد ہو گیا تھا۔ اور ان سب پر حضرت ابوبکرؓ نے چڑھائی کی۔ مگر بخاری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی ان لوگوں پر چڑھائی کی وجہ ان کا ادائیگی زکوٰۃ سے (جو ایک قسم کا مالی ٹیکس تھا) انکار کرنا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ پر اعتراض کیا کہ کیوں ان لوگوں پر چڑھائی کی جاتی ہے تو آپ نے جواب دیا واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونها الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علیٰ منعھا۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس وجہ سے ان سے جنگ نہ کیا تھا کہ وہ مرتد ہو گئے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے۔ پس اس مثال کو قتل مرتدین کے جواز میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں تک ہم نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت صلعم کا ذکر ہے اور یہ دکھایا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ احادیث معتبرہ میں نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا ہو۔ لیکن ایک حدیث میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا من بدل دینه فاقتلوه۔ یعنی جو شخص اپنے مذہب کو تبدیل کرے اُسے قتل کر ڈالو۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کے معنے لینے میں کچھ نہ کچھ قید لگانی پڑے گی ورنہ ہر ایک تبدیلی مذہب کی خواہ کسی مذہب میں ہو سزا قتل ہونی چاہیئے۔ گویا عموم معنی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور تخصیص کرتے وقت ہمیں ان حالات کو ضرور مدنظر رکھنا پڑے گا جن کے ماتحت یہ حکم دیا گیا۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بھی قریباً قریباً آخری زمانہ کا ہے۔ کیونکہ اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں جن کی عمر آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب اسلام کے خلاف جنگوں کا سلسلہ ہر طرف جاری تھا اور ایسے حالات پیش آ چکے تھے جن کے ماتحت ایسے حکم کا دیا جانا نہ صرف جائز بلکہ نہایت ضروری ہو گیا تھا۔

یہ صورت حال جیسا کہ میں اُوپر بھی لکھ چکا ہوں محض ارتداد کی وجہ سے قتل کی نہ تھی بلکہ لڑائی کے سلسلہ کے سبب سے ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کی برابر تھا پس حفاظت خود اختیاری کی ضرورت نے ایسے لوگوں کے قتل کو جائز کر دیا اور وہی یہ ضرورت تھی جس نے مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں لینے کے لئے مجبور کیا تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ حکم خاص حالات جنگ کے لحاظ سے دیا گیا تھا ہم کافی طور پر اُوپر ڈال چکے ہیں

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی مثال آنحضرت صلعم کی زندگی میں ایسی نہیں ملتی جس میں آپؐ نے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کئے جانے کا حکم دیا ہو، بلکہ آپ کے معاہدات اور آپؐ کے صلحناموں میں ایسی شرائط پائی جاتی ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں۔

آنحضرت صلعم کے کسی قول کے معنی کرنے میں ہمیں آپ کے ہی فعل کو دیکھنا چاہیئے اور اس لئے معنوں کی تخصیص کرنے میں اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جیسے کہ اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ کن حالات کے ماتحت کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اگر ایسی قید معنوں پر نہ لگائی جاوے تو حدیث من بدل دینه فاقتلوه خود قرآن کریم کے معارض ٹھہرتی ہے اس لئے ہم مجبور ہیں کہ ان الفاظ کے معنوں کی عمومیت میں کوئی تخصیص کریں۔

ایک سوال اس جگہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حکم من بدل دینه فاقتلوه میں عورتیں بھی شامل تھیں؟ عورتیں عموماً جنگوں میں شامل نہ ہوتی تھیں سوائے اس کے کہ زخمیوں کے علاج اور مرہم پٹی کے لئے جاویں۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے کہ تمام جنگوں میں آنحضرت صلعم نے عورتوں کے قتل کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ اسی ممانعت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی لڑائیاں اس غرض سے نہ تھیں کہ وہ لوگوں کو بجبر مسلمان بناویں، کیونکہ اگر یہ غرض ہوتی تو عورتوں کے قتل کرنے سے کیوں روکا جاتا۔ بلکہ آپؐ کی غرض چونکہ صرف مسلمانوں کی کفار سے حفاظت اور مجرموں کو سزائیں دینے کی تھی اس لئے آپ نے عورتوں کے قتل سے روک دیا کیونکہ عورتیں جنگ میں شریک نہ ہوتی تھیں۔

اب ظاہر ہے کہ مرتد عورت کی صورت کافر عورت کی طرح ہے اور چونکہ کافر عورتوں کے قتل سے روکنے کی وجہ ان کا جنگوں میں شریک نہ ہونا تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مرتد عورتیں اس ممانعت میں شامل نہ ہوں جو دوسری عورتوں کے لئے تھی۔ کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ مرتدین کے قتل کی وجہ صرف ان کا جنگوں میں شریک ہونا تھا نہ کہ ارتداد۔

فقہاء کی اس امر پر بحث فقہاء میں اس امر پر بحث ہوئی ہے اور دو فریق ہو گئے ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک مرتدہ کا قتل جائز نہیں اور دوسرے کے نزدیک مرتدہ بھی مثل مرتد کے قتل ہونی چاہیئے۔ امام ابوحنیفہؒ فریق اوّل میں سے ہیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے دعوے کی تائید میں ایک آدھ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔

فریق اوّل ابن عباسؓ کی اس حدیث کو معتبر ٹھہراتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ عورتیں جب مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل مت کرو۔ اور ساتھ ہی اس کے ابن الطلاع کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے کسی مرتدہ عورت کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

فریق ثانی دارقطنی کی ایک حدیث پر اپنے دعوے کا سارا دارومدار رکھتے ہیں جس کی رُو سے آنحضرت صلعم نے ایک مرتدہ عورت کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی حدیث جس کو فریق اوّل نے قبول کیا وہ بھی دارقطنی ہی کی حدیث ہے۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح تسلیم نہیں کی جا سکتیں۔ سوائے اس کے کہ دوسری حدیث میں یہ سمجھا جاوے کہ جس مرتدہ عورت کے قتل کرنے کا حکم آپ نے دیا اس کا کوئی اور جرم بھی سوائے ارتداد کے ہو جس کی سزا اسے دی گئی ہو۔ اگرچہ حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں ہے مگر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کوئی امر ضرور ہو گا جو محفوظ نہیں رہا۔ کیونکہ حدیث میں تفصیل اس قصّہ کی کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اس کو قبول نہ کیا جائے تو پھر دونوں حدیثوں میں سے ایک کو غلط ٹھہرانا پڑے گا۔

امام ابوحنیفہ کی تحقیق صحیح ہے ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کی تائید میں اور بہت سے امور پائے جاتے ہیں حالانکہ دوسری حدیث کی تائید اور کسی طرح پر نہیں ہوتی۔ حدیث اوّل کی تائید میں ایک تو ابن

اطلاع کی تحقیق ہے اور دوسری آنحضرت صلعم کا عام حکم جس کی رو سے آپ نے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر حکم من بدل دینہ فاقتلوہ کو عام سمجھا جاتا ہے جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوں تو نہی قتل النساء بھی عام ہے جو کافر اور مرتد عورتوں پر یکساں حاوی ہے۔ مگر درآنحالیکہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ من بدل دینہ فاقتلوہ عام حکم نہیں ہو سکتا بلکہ قرآن شریف سے اور خود آنحضرت صلعم کے تئیس سالہ تعامل و آمد سے اس کا انطباق کرنے کے لئے اس کو مقید اور مخصوص کرنا ضروری ہے۔ تو اس صورت میں عورتیں خود اس سے الگ ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ جنگوں میں شریک نہ ہو سکتی تھیں۔ اور یہ حکم عین جنگوں کے وقت میں دیا گیا اور قتل نساء کی نہی سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے بہرحال ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ جن وجوہ پر کافر عورتوں کے قتل کی ممانعت کی گئی انہی وجوہ پر مرتد عورتیں بھی قتل کے حکم سے بچ جاتی ہیں۔ اگر اسلام کی لڑائیاں بجبر دین پھیلانے کے لئے سمجھی جاویں تو اس صورت میں بے شک یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مرتد عورتیں بھی قتل ہونی چاہئیں۔ مگر سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ مرتد عورتوں کے قتل کو جائز دکھایا جاتا۔

پس ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرتد عورت کو کسی صورت میں قتل کئے جانے کا حکم نہ تھا۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف متوجہ ہو کر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرتدین کے کون کون سے حقوق تلف ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ قتل کا حکم اگر دیا گیا تو خاص حالات کے ماتحت، اور صرف آنحضور صلعم کے آخری زمانہ میں جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اس وقت دیا گیا۔ اگر اس قتل کے حکم سے علیحدہ مرتدین کے حقوق پر کچھ اثر پڑتا تو ضرور تھا کہ اس کی مثال یا اس کے متعلق کوئی ہدایت احادیث میں ذکور ہوتی کیونکہ ارتداد مدینہ میں آکر شروع نہیں ہوا۔ بلکہ بعض لوگ مکہ میں بھی مرتد ہوئے اور ایک شخص حبش میں جا کر بھی مرتد ہو گیا تھا۔ اور ایسا ہی مدینہ کی ابتدائی زندگی میں جب یہودیوں اور دوسری قوموں کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا تھا ارتداد کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مگر کسی حدیث سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ ان کے کوئی خاص حقوق زائل ہو جاتے تھے کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ عورت یا خاوند کی ارتداد سے محض ارتداد کی وجہ سے نکاح ٹوٹ کر خاوند اور عورت میں علیحدگی واقع ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جب ایک شخص واجب القتل سمجھ لیا گیا ہو اور پھر وہ بھاگ کر دشمن سے جا ملے تو اس کے تمام حقوق زائل ہو جائیں گے اور قانونی طور پر اسے مقتول ہی سمجھا جائے گا۔ اور جہاں ایک طرف اس کو مرا ہوا قرار دینے سے اس کے حقوق زوجیت باقی نہ رہیں گے ایسا ہی اس کے حقوق ملکیت بھی زائل ہو کر اس کی جائداد کے وارث دوسرے لوگ ہو جائیں گے۔ مگر یہ ارتداد کے اصلی نتائج نہ تھے بلکہ اصل نتیجہ ارتداد کا قتل قرار پا کر ان حقوق کا اتلاف اس صورت میں واقع ہوتا تھا جب قتل درحقیقت کسی روک کی وجہ سے جیسا مجرم کے بھاگ جانے سے واقع نہ ہو سکے اور اس لئے مجرم کو مقتول کے حکم میں سمجھا جائے۔

بالفاظ دیگر اس کی کوئی مثال نہیں کہ مرتد امن سے مسلمانوں کے درمیان ہے اور اس کے حقوق زوجیت و ملکیت قطعی طور پر مسلوب ہو جائیں۔ بلکہ حقوق اسی وقت سلب ہوتے تھے جب مجرم واقعی قتل ہو جائے یا قانونی طور پر اسے مقتول قرار دیا جائے اور وہ شخص بھاگ کر اپنی جان بچائے۔ پس سلب حقوق قتل یا قتل کے فتوے کا نتیجہ تھا اور جس شخص کو واجب القتل نہیں سمجھا گیا اس کے حقوق بھی تلف نہیں ہوئے۔ چنانچہ بخاری میں دو حدیثیں ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو واجب القتل سمجھ کر اس کے قتل کی اجازت چاہی مگر آنحضرت صلعم نے منع فرما دیا۔ ان دونوں حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ ان کو قتل تو نہیں کیا گیا مگر ان کے حقوق زوجیت و ملکیت زائل کر دیئے گئے نہ ہی کسی اور حدیث میں ایسا ذکر ہے کہ ایک شخص کو ارتداد کی وجہ سے واجب القتل تو نہ سمجھا گیا ہو مگر اس کے حقوق زائل کر دیئے گئے ہوں۔ (ختم شد) (مرسلہ: محمد ابراہیم داتوی)

مُسلمان مُشرک

(بسلسلہ صفحہ ۶)

اور شاید پیر بھی ہیں۔ تحریک خلافت کے دوران میں تجویز پیش کی تھی کہ علماء و ... کا ایک وفد مرتب ہو کر اجمیر شریف جائے اور خواجہ صاحب کو امت کی ایک ایک مصیبت سنا کر فریاد کرے۔ یہ صرف تجویز ہی نہیں بلکہ سنا ہے کہ عملاً یہ مولوی صاحب اپنے ہم مشربوں کے ساتھ شد رحال کر کے گئے اور مزار پر خوب روئے پیٹے۔ مگر افسوس! وہاں سے کوئی جواب نہ ملا اور بے مراد لوٹے بیٹھ آئے۔ کیا یہی وہ توحید ہے جس کی بنیادیں قرآن نے قائم کی تھیں۔ جس کی حفاظت کے "علماء دین" مدعی ہیں اور جس کے اتباع و تمسک پر مسلمانوں کو ناز ہے؟

اگر خواجہ صاحب امت محمدیہ کو اس کے مصائب سے نجات دلا سکتے ہیں تو رام و کرشن کی خدائی پر مسلمان کیوں منہ بناتے ہیں؟ اس اجمیری وفد کی تحریک پرائیویٹ نہ تھی۔ اخبارات کے کالموں میں علانیہ کی گئی تھی۔ مگر کسی عالم نے بھی یہ اعلان کرنے والے کی زبان نہ پکڑی کہ یہ شرک ہے۔ بلکہ بہت سے مولویوں نے تو اس کی تحریراً تائید کی جیسا کہ اخبارات کے پرانے فائل گواہ ہیں۔ کیا یہی وہ حفاظت دین ہے جس کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ہم۔

اور اے کاش! ضلالت و بدعت کی حمایت علماء کے اسی گروہ میں محدود ہوتی جسے بدعتی کہا جاتا ہے، اور اس گروہ میں منتقل نہ ہوتی جو اصلاح و تجدید کا مدعی ہے۔ میں یہ المناک واقعہ انتہائی رنج و اندوہ اور تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کے گوش گذار کرتا ہوں کہ ابھی چند دن کی بات ہے کہ اس جماعت کے ایک تعلیمی مرکز کے شیخ اعظم اور دوسرے مشائخ نے تعزیہ داری جیسی صریح بدعت بلکہ "شرک" کے خلاف فتوے دینے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ موجودہ حالات میں ایسا فتوی "خلاف مصلحت" ہے!

کیا یہی طریقہ شریعت کی حفاظت کا ہے؟ کیا یہی نیابت انبیاء ہے جس کا فرض ہمارے علماء اس خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان آنکھیں کھولیں، اپنے مذہبی پیشواؤں کی حقیقت معلوم کریں اور دین کی حفاظت اور شرک و بدعت کے ازالہ کے لئے خود آگے بڑھیں؟ اسلام میں نہ پاپائیت ہے نہ روحانی پیشوائیت۔ وقت آگیا ہے کہ یہ خود ساختہ پیشوائیت ڈھا دی جائے تاکہ اللہ کے بندوں کا تعلق اللہ کے دین سے براہ راست ہو جائے۔

(ماہنامہ میثاق لاہور۔ ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء شمارہ نمبر ۹-۱۰)

مکرم شیخ عبدالحق صاحب کراچی

حضرت مسیح ناصری کی پیدائش

بروئے قرآن کریم واقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح ناصری کی پیدائش کو عیسائی صاحبان بھی بغیر باپ تسلیم کرتے ہیں (گو یہ عقیدہ ان کا خلاف انجیل مقدس ہے) اور اسی طرح برادران اسلام بھی کثرت کے ساتھ اسی کے قائل ہیں۔ مگران دونوں یعنی عیسائی اور مسلمانوں کے اعتقاد میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مثال کے طور پر اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جناب مسیح بغیر باپ پیدا ہوئے ہیں۔ تو اس سے مسلمانوں کے مذہبی عقائد میں سے کسی ایک پر بھی زد نہیں پڑتی۔ برعکس اس کے اگر یہ ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰؑ کا والد محترم تھا جیسا کہ انجیل مقدس سے صریح طور پر ثابت ہے تو اس ثبوت کے نتیجہ میں عیسائی مذہب کی بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں نہ تو حضرت مریم روح القدس سے حاملہ ہوئیں (۲) اور نہ مسیح ناصری میں الوہیت سرایت کر گئی (۳) نیز عیسائیوں کا مسئلہ کفارہ خود بخود غلط ہو جائے گا۔ مگر برادران اسلام کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ کیونکہ مسلمان اس صورت میں بھی جناب مسیح ناصری کو نبی مانتے ہیں کہ ان کا باپ تھا۔

تخلیق کائنات اور نسلِ انسانی کے متعلق قانون ابداء و اعادہ

قرآن کریم نے متعدد بار "پیدائش نسلِ انسانی" کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے کہ ابتداء تو انسان کی مٹی سے ہوئی۔ لیکن اس کی نسل کو بعد میں پانی کے خلاصہ سے چلایا ہے:۔

"بدا خلق الانسان من طین۔ ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماءٍ مھین"

گویا نسل انسانی کو وجود میں لانے کے لئے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ یعنی اس کے پہلے حصہ ابتدا آفرینش میں انسان کو کس طریق پر پیدا کیا۔ اور بعد میں نسل انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے کس طریق کو اپنایا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے "اللہ یبدا الخلق ثم یعیدہٗ" یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو لوٹانے (یعنی دوبارہ وجود میں لانے کے لئے) کا بھی اسی نے انتظام کیا ہے۔

یہ امر تو بالکل ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جو مخلوق پہلے پہل وجود میں لائی گئی ہو۔ اس کا قاعدہ بالکل اس سے الٹ ہوگا۔ جو اللہ تعالےٰ نے بعد میں اسی مخلوق کو دوبارہ وجود میں لانے کے لئے وضع کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے پہلی مخلوق کو جس میں حضرت انسان بھی شامل ہے۔ وجود میں لانے کا نام "قانون ابداء" رکھا ہے اور پھر اسی کائنات کو بار بار قائم و دائم رکھنے کے لئے "قانونِ اعادہ" بنایا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں یہ امر داخل ہے کہ انڈے سے مرغی پیدا ہوتی ہے۔ اور مختلف قسم کی گٹھلیوں اور بیجوں سے قسم قسم کے درخت اور جھاڑیاں۔ مگر ابتدائے دنیا میں اللہ تعالےٰ نے بغیر انڈے یا گٹھلیوں کے کیسے اور کس طرح مرغی اور قسم قسم کے درخت بنائے۔

ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نہ تو ہم کو اس کا صحیح علم ہے اور نہ ہی موجودہ وقت میں ایسی پیدائش کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ "قانونِ اعادہ" کے ماتحت وجود میں آنے والی مخلوق پر "قانون ابداء" ہرگز ہرگز عائد نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ بالا واقعات کی بناء پر "قانون اعادہ" کے چالو ہونے کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ کوئی ہستی (۱) ماں باپ کے بغیر (۲) ماں کے بغیر یا (۳) باپ کے بغیر وجود میں آگئی ہے تو ہم ایسے دعوے کو قرآن کریم کی مسلمات کے خلاف جانکر کبھی بھی صحیح قرار نہیں دے سکتے۔

اسی اصول کے ماتحت مسیح ناصری کی پیدائش کا معاملہ نہایت آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ اگر حضرت عیسےٰ کی پیدائش قانونِ اعادہ کے ماتحت ہوئی ہے تو پھر ان کا باپ ضرور ہونا چاہیئے۔ اور پھر ہم ایسے دعوے کو قطعاً صحیح قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک اللہ تعالےٰ بالتصریح یہ نہ فرما دے۔ کہ ہم نے مسیح ناصری کی پیدائش کو "قانونِ اعادہ" کے خلاف یا کسی الگ رنگ میں بغیر باپ پیدا کیا ہے۔

مولوی صاحبان کا استدلال

ہمارے مولوی صاحبان اس کے جواب میں پہلی بات یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت مریمؑ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے "لم یمسسنی بشر" فرمایا ہے۔ حالانکہ آپ کے یہ الفاظ اس وقت کے ہیں جب ان کو مسیح علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی گئی۔ "لم یمسسنی" کے الفاظ سے ماضی یعنی گذشتہ کا ذکر ہے۔ آئندہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور ان کو ان الفاظ کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ وہ تو ہیکل میں رہتی تھیں۔ اور اپنی برئیت کی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں ان کو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ ان کا نکاح ہونے والا ہے۔

انجیل مقدس میں صریحاً موجود ہے۔ کہ حضرت مریم کا نکاح جناب یوسف کے ساتھ ہوا۔ پھر تاریخی واقعات جب تک قرآن کریم ان کی تردید نہ کرے۔ ان کو ترک کر دینے کا ہمارے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔ انجیل مقدس میں خود حضرت مریم کی گواہی موجود ہے اور وہ خوب اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کا باپ کون ہے۔ یہی باعث صراحت کے ساتھ اپنے لڑکے "مسیح ابنِ مریم" کو اپنے شوہر محترم جناب یوسف کی طرف منسوب فرماتی ہیں۔

دوسری آیت مقدسہ "ان مثل عیسےٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہٗ من تراب ثم قال لہٗ کن فیکون" سے بھی مولوی صاحبان کا یہ استدلال کہ جس طرح حضرت آدمؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اسی طرح عیسےٰ علیہ السلام بھی بغیر باپ پیدا ہوئے ہیں، بالکل غلط اور قرآن کریم کے خلاف ہے۔ وہ اس طرح پر کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تو "قانون ابدا" کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ کہ نہ صرف آپ کا باپ بلکہ اُن کی تو ماں بھی نہیں تھی۔ تو پھر یہ کیونکہ ممکن ہے۔ جناب مسیح ناصری کی پیدائش جو "قانون اعادہ" کے ماتحت ہوئی۔ اللہ تعالےٰ اس کو "قانون ابدا" پیدا شدہ ہستی کے ساتھ بطور مماثلت پیش کرے۔

قرآن کریم میں حضرت آدم کا ذکر دو حیثیتوں میں ہوا ہے۔ (۱) ابوالبشر ہونے کے لحاظ سے یعنی بحیثیت انسان ان میں تمام لوازمات انسانی کا پایا جانا۔ (۲) دوسرے اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ انسانوں میں سے ایک ہونا۔

چنانچہ قرآن کریم میں حضرت عیسےٰ کے متعلق بھی انہی دو باتوں کا ذکر ہے۔ یعنی آپ میں بھی تمام لوازمات بشر کا پایا جانا۔ مثلاً آپ کی پیدائش۔ طفولیت، کہولت اور وفات، چنانچہ یہی باتیں بشر کو خدا سے جدا کرتی ہیں۔ خدا نہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔ نہ اس پر کسی قسم کا تغیر واقع ہوتا ہے۔ پس جو کمال اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم میں دکھلایا وہی کمال حضرت عیسےٰ کو دیا۔ اور عیسائیوں پر یوں اتمام حجت کی ہے کہ جب تمام لوازمات انسانی حضرت عیسےٰؑ میں موجود ہیں تو وہ کیونکر خدائی کے مرتبہ کو حاصل کر سکتے ہیں؟ اس لئے وہ خدا نہ تھے محض بشر تھے۔

خلقہٗ من تراب ثم قال لہٗ کن فیکون میں بھی دو امور کا ذکر ہے (۱) مٹی سے پیدا کرنے کے ذکر میں ان کی بشریت کی طرف اشارہ ہے۔ اور کن فیکون میں ان کے برگزیدہ ہونے کا۔ کیونکہ "خلق" کے بعد "کن" کا امر انہیں معنوں کا متقاضی ہے۔

حضرت رسالت مآب کی عیسائیوں کے وفد نجران کے ساتھ الوہیت مسیح پر گفتگو

احادیث صحیحہ میں "وفد نجران" اور اس کی گفتگو "الوہیت مسیح" پر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انہوں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ قالوا لہ من ابوہ کہ حضرت عیسےٰ کا باپ کون ہے؟ یہی وہ موقع تھا کہ حضور صاف صاف ارشاد فرما دیتے۔ کہ حضرت عیسےٰ بغیر باپ

ہوتے ہیں - مگر حضورؐ نے ایسا کوئی جواب نہیں دیا - بلکہ یوں فرمایا :-

السنتم تعلمون انه لا یکون ولد الا وھو یشبه اباہ -

کیا تم لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کوئی بیٹا نہیں ہوتا مگر وہ اپنے باپ سے مشابہ ہوتا ہے -

کس قدر فیصلہ کن یہ جواب ہے کہ کسی بچے کو دیکھ کر اس کے باپ کا نتیجہ سمجھ لو - یعنی اگر بچے کی شکل انسانی ہے تو اس کا باپ بھی یقیناً انسان ہوگا - خدا کبھی نہیں ہوسکتا - اس لئے انجیل میں مسیح ناصری کا نام "ابن آدم" اور اسی کا کثرت کے ساتھ انجیل میں ذکر آیا ہے -

قرآن کریم سے حضرت عیسٰےؑ کے باپ کا ثبوت

قرآن کریم کوئی انبیائے کرام کے نسبنامہ کی کتاب نہیں - کہ اس میں اللہ تعالےٰ نبیوں کے باپوں یا دادوں کا ذکر کرے - پھر بھی سورۃ انعام میں اللہ تعالےٰ نے قریباً اٹھارہ نبیوں کا یکجا ذکر کیا ہے جن میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کا نام بھی شامل ہے - ان سب کا ذکر کرکے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :- ...."ومن اٰباءھم وذریتھم واخوانھم......" یعنے ان کے باپوں - ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں .... وغیرہ وغیرہ - ان انبیاء کا نام لے کر اور ان کو اٰباءھم کی طرف منسوب کرکے ثابت ہوتا ہے کہ ان سب نبیوں کے باپ تھے - اور کوئی بھی ان میں سے بغیر باپ کے نہ تھا -

بالفرض بقول مولوی صاحبان حضرت عیسٰے بغیر باپ کے پیدا ہوتے تو کم از کم اللہ تعالےٰ قرآن کریم کے اس موقع پر ان انبیاء میں سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی مزید تخصیص فرما دیتے -

ابنِ مریمؑ کہنے کی وجہ

اسی طرح بعض علماء کا یہ بھی استدلال ہے - اگر حضرت عیسٰے کے والد ہوتے تو خدا تعالےٰ ایسی صورت میں آپ کو والدہ کی طرف منسوب نہ فرماتے -

یہ دلیل بھی بہت کمزور ہے - کیونکہ جہاں ماں زیادہ معزز اور متعارف ہو تو اولاد اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے - جیسے ہر سید اپنے آپ کو "بنی فاطمہؓ" کی طرف منسوب کرتا ہے - علاوہ ازیں قرآن کریم میں آپ کا نام "اسمه المسیح عیسٰے ابن مریم" ہے - "المسیح" سے اشارہ آپ کی سیاحت کی طرف ہے (۲) عیسٰے سے صلیب کی موت سے تردید اور "ابن مریم" سے عیسائیوں پر اتمام حجت تا ہر وقت ان کو یاد رہے کہ جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو - وہ کیونکر خدا بن سکتا ہے - تا ان کے عقیدہ تثلیث کی ہمیشہ ہمیشہ تردید ہوتی رہے -

قانون اعادہ کی مزید تشریح

بالآخر میں اب قرآن کریم سے اس قانون کو پیش کرتا ہوں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے علم کامل کے ساتھ نسل انسانی کو قائم رکھنے کے لئے بیان فرمایا ہے - تا اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑ جائے - وھو ھذا :-

(الف) یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکرٍ و انثیٰ - یعنے اے نسلِ انسانی ہم نے تم کو مرد اور عورت کے جوڑے سے پیدا کیا -

(ب) انا خلقنا الانسان من نطفةٍ امشاج - یقیناً ہم نے انسانوں کو مرد عورت کے ملے جلے مادہ تولید سے پیدا کیا ہے -

(ج) فلینظر الانسان مما خلق - خلق من ماءٍ دافق یخرج من بین الصلب والترائب - چاہیئے انسان غور کرے اس کو کس چیز سے پیدا کیا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے جو سینہ اور پشت کے درمیان سے نکلتا ہے -

خدا تعالےٰ نے اسی قانون کو زبردست تحدی کے ساتھ دنیا میں پیش کیا ہے کہ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا - اور عیسائی جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانتے ہیں یوں للکارا ہے وانی یکون له ولد ولم تکن له

معاشرے میں برائیوں کے انسداد کیلئے ایک مؤثر تجویز

(بسلسلہ صفحہ ۵)

پروری جیسی برائیوں سے بکلی اجتناب کروں گا -

اے خدا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں پوری ایمان داری اور خلوص کے ساتھ اپنے عہد کی پابندی کروں گا اور اگر میں جان بوجھ کر اپنے عہد کو توڑتا ہوں اور ان برائیوں میں سے کسی کا مرتکب ہوتا ہوں جن سے بچنے اور اجتناب کرنے کا میں نے عہد کیا ہے - تو تو مجھے عہد شکنی کی سزا دیتے ہوئے ذلیل و رسوا کر اور مجھے دنیا میں خائب و خاسر رکھ کر دوسروں کے لئے میری زندگی کو باعث عبرت بنا - آمین -

چونکہ سرکاری اہل کاروں میں بہت سی تعداد غیر مسلموں کی بھی ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ قرآن کریم کی جگہ ان کے مذاہب میں مقدس کتابوں پر ان سے حلف لیا جائے اور حلف میں خدا تعالےٰ کے لئے ان کے مذاہب میں مروج الفاظ استعمال کئے جائیں - اگر سرکاری ملازمین کی طرح دوسری انجمنوں، اداروں یا کارخانوں کے کارکنان سے ایسے حلف لئے جائیں تو اور بھی مفید رہے گا - تاہم خاکسار کا خیال ہے کہ اگر صرف سرکاری ملازمین ہی اپنے اس حلف کی خلوص دل سے پابندی کریں تو ملک میں پھیلی ہوئی اکثر برائیوں کی بڑی حد تک بیخکنی ہو سکتی ہے اور اس طرح یہاں پر صحیح معنوں میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اچھا آغاز ہو سکتا ہے -

من احباب کو

یہ ھفت روزہ نہیں پہنچتا اور اس کی ترسیل میں باقاعدگی نہیں ہے یا احباب کے پتہ جات تبدیل ہو چکے ہیں، ایسے حضرات ہمیں مطلع فرمادیں تاکہ تقسیم ڈاک کی طرف مناسب توجہ دے کر ھفت روزہ بلاتاخیر اور باقاعدہ پہنچنے کا انتظام کیا جاوے -

(چوہدری) محمد حیات اسسٹنٹ سیکرٹری انچارج اخبار

صاحبة - نا سمجھو خدا کے ہاں بیٹا کیسے ہوسکتا ہے - جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں گویا خدا کے لئے بھی نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ بیٹا تجویز کرنے کا امکان اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے - جب کہ عیسائی خدا کے لئے اس کی بیوی تجویز کریں ورنہ نہیں - عیسائیوں کے بالمقابل یہ خدائی دلیل صاف ثابت کر رہی ہے کہ بغیر جوڑے کے کسی بچے کی پیدائش ناممکن ہے -

بالفرض بغیر جوڑے کے اگر بچہ پیدا ہو جائے - تو پھر نعوذ باللہ عیسائیوں کے مطابق خدا کے بیٹے ہونے کا امکان درست مانا جائے گا - اسی لئے کتاب اللہ نے اس امر پر بڑا زور دیا ہے ومن کل شیءٍ خلقنا زوجین جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بغیر جوڑے (قانونِ اعادہ) کے کوئی چیز پیدا ہو ہی نہیں سکتی -

حضرت مریم پر الزام کی حقیقت

اس وہم کا ازالہ نہایت آسانی سے کیا جا سکتا ہے - کیا ہمارے مولوی صاحبان اس سے ناواقف ہیں کہ شادی شدہ عورتوں پر ایسا الزام نہیں لگایا جا سکتا؟ اور اس قسم کے الزامات ہمیشہ کنواری لڑکیوں پر ہی لگا کرتے ہیں؟ ہمارے تجربہ میں یہ نظریہ بالکل غلط ہے - کیونکہ اس قسم کے الزامات شادی شدہ لڑکیوں پر بھی ہم نے لگتے سنا ہے -

رہ گئیں روایات[1] جن کا ذکر تفسیر ابنِ کثیر (اردو) سورۃ مریم میں کیا گیا ہے - وہ سب کی سب ملحدوں اور بے دین عیسائیوں کی ہیں - جنہوں نے اسلام میں عیسیٰ پرستی کو رواج دینے کے لئے وضع کی ہیں - اور مجھے حیرت ہے کہ ہمارے مولوی صاحبان ایسی خلاف قرآن اور احادیث روایات کو کیوں گلے لگائے ہوئے ہیں؟

[1] ان روایات کی تردید پیغام صلح میں کر چکا ہوں - دیکھئے ۸ نومبر سنہ ۱۹۷۸ء کا پرچہ -

مرتبۂ صدّیقیّت ¹

حضراتِ منعَم علیہم کے مراتبِ چہارگانہ کے پس منظر میں

قرآن حکیم کی روشنی میں مرتبہ صدّیقیّت کے تعیّن اور حضرات صدّیقین کے اوصاف وخصائص کے تفصیلی مطالعے سے قبل یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ صدّیقیّت بھی نبوّت اور رسالت کی طرح قرآن حکیم کی ایک مستقل اصطلاح ہے اور جس طرح نبوّت ایک حقیقت معنوی ہے جس کا مصداق ظاہری خارج میں ہونا ضروری ہے اسی طرح صدّیقیّت کا مصداق خارجی بھی لازمی ہے۔

لھذا اگر کسی کے ذہن میں شعوری یا غیر شعوری طور پر، ایسا کوئی خیال یا گمان موجود ہو کہ شاید صدّیقیّت ایک بعد کا گھڑا ہوا خطاب یا القاب ہے۔ جو محض خوش عقیدگی یا حُسن ظن کی بنیاد پر حضرت ابوبکرؓ کو عطا کر دیا گیا تو اسے اس سے تائب ہونا لازم ہے اس لئے کہ یہ ایک مغالطہ ہی نہیں، بہت بڑی گمراہی ہے از رُو حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یعنی یہ کہ نبوّت اور رسالت کی طرح صدّیقیّت اور شہادت بھی قرآن حکیم کی مستقل اصطلاحات ہیں اور جس طرح اول الذکر کے مصداق خارج میں موجود ہیں اسی طرح مؤخر الذکر کے مصداق بھی موجود ہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا، جس طرح مقامِ نبوّت اور مرتبۂ رسالت کا مظہر اتم ہیں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مقامِ صدّیقی اور مرتبۂ صدّیقیّت کا مصداق کامل ہیں حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہٗ۔

منعَم علیہم کے چار گروہ اس سلسلے کی اہم ترین آیت سورۃ نساء کی آیت ۶۹ ہے جس میں نوعِ انسانی کے وہ خوش قسمت افراد جو انعام یافتہ یا منعَم علیہم کہلانے کے مستحق ہیں چار گروہوں میں منقسم قرار دیئے گئے ہیں۔ یعنی انبیاء کرام، صدّیقین، شہداء اور صالحین۔ فرمایا:

ومن يطع الله والرسول فاولٰئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيّن والصّدّيقين والشهدآء والصالحين ج وحسن اولٰئك رفيقاً ہ

اور جو اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی تو انہیں معیت حاصل ہوگی ان کی جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین اور بہت ہی اچھے ہیں یہ لوگ بحیثیت رفیق۔

یہ آیۂ مبارکہ اس اعتبار سے انتہائی اہم ہے کہ اس میں سورۃ فاتحہ کے ایک اجمال کی تفصیل ہے۔ اور سورۃ فاتحہ ہماری سب سے بڑی عبادت یعنی نماز کا جزو لازم ہے۔ بلکہ ایک حدیث قدسی کی رُو سے عین نماز ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کا خاتمہ ایک دُعا پر ہوتا ہے جس میں ہم اپنے ربّ سے استدعا کرتے ہیں:—

"اے ربّ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش!"

اور پھر اس سیدھے راستے کی مزید وضاحت کے ضمن میں عرض کرتے ہیں:—

"ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام فرمایا .... الی الآخر"

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ منعَم علیہم لوگ کون ہیں؟ اسی سوال کا جواب ہے جو سورۃ نساء کی محولہ بالا آیت میں دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ انعام یافتہ لوگ چار گروہوں پر مشتمل ہیں: انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین۔

اس آیہ کریمہ سے جہاں منعَم علیہم کی چار گروہوں میں تقسیم واضح ہوئی وہیں یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے مابین ترتیبِ مراتب [illegible] کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی میں بلند ترین مرتبہ ومقام کے حامل تو، بلاشائبہ ریب وشک حضراتِ انبیاء ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ان کے متصلاً بعد مقام اور مرتبہ ہے صدّیقین کرام کا، ان کے بعد ہیں حضرات شہداء اور سب سے آخر میں ہیں عام مؤمنین صالحین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

سلہ "گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!"

گویا اس آیہ کریمہ میں حضرات منعَم علیہم کا ذکر مرتبہ ومقام کے اعتبار سے نزولی ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے۔

نبوّت اور صدّیقیّت جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ مرتبۂ صدّیقیّت مقامِ نبوّت کے متصلاً بعد اور اس کے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ تو اس کی شہادت قرآن حکیم کے بہت سے دوسرے مقامات سے بھی حاصل ہوتی ہے مثلاً:—

۱۔ قرآن حکیم میں حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو صراحتہً "صدّیقہ" کا خطاب دیا گیا۔ (سورۃ مائدہ آیت ۷۵)

(ب) اگر ان کے اس مقام اور مرتبہ کو پیشِ نظر رکھا جائے جو قرآن مجید کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ:—

يٰمريم انّ الله اصطفٰك وطهّرك واصطفٰك علٰى نسآء العٰلمين

اے مریم! اللہ نے تجھے چُن لیا ہے اور تجھے پاک کر دیا ہے اور تجھے منتخب فرما لیا ہے تمام جہانوں کی خواتین میں سے۔

اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی سامنے رہے کہ نبوّت کا دروازہ نوعِ انسانی کی صنفِ نازک پر بند رہا ہے تو یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ بعد از نبوّت افضل ترین مرتبہ صدّیقیّت کا ہے اور اعلےٰ ترین مدارج ومقامات صدّیقین اور صدّیقات کو حاصل ہیں!

۲۔ سورۃ یوسف میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے زنداں کے ساتھیوں نے "صدّیق" کہہ کر مخاطب کیا (سورۃ یوسف۔ آیت ۴۶) اب ظاہر ہے کہ یہاں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو اسے صرف زنداں کے ان ساتھیوں ہی کا کلام قرار دیا جائے اس صورت میں بھی اس عظیم حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ نبی کی شخصیت کا نمایاں ترین وصف "صدق" ہی ہے اور جن لوگوں پر ابھی نبی کی نبوّت منکشف نہیں ہوئی ہوتی وہ اسے "صدیق" ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از اجرائے وحی اہلِ مکہ نے "الصادق" ہی کا خطاب دیا تھا ——— یا دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ زنداں کے ساتھیوں کا کلام اللہ تعالےٰ نے اپنے الفاظ میں (گویا ....) نقل فرمایا ہے۔ اس صورت میں واحد ممکن تاویل یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی نبوّت کا اجرا نہیں ہوا تھا اور ابھی آنجناب صرف صدیقیت کے مقام پر فائز تھے ——— بہرصورت مقام صدّیقیّت اور مرتبۂ نبوّت کا قرب اظہر من الشمس ہے۔

۳۔ سورۃ مریم میں اللہ تعالےٰ نے اپنے دو جلیل القدر انبیاء یعنی حضرت ابراھیم اور حضرت ادریس علےٰ نبیّنا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا (آیات ۴۱ - ۵۶):—

انه كان صدّيقاً نبيّا

بے شک وہ صدیق نبی تھا!

جس سے معلوم ہُوا کہ نہ صرف یہ کہ مقامِ صدّیقیّت اور مرتبۂ نبوّت ایک دوسرے سے بہت قریب واقع ہوئے ہیں، بلکہ صدّیقیّت نبوّت کی تمہید ہے اور نبوّت صدّیقیّت کی اگلی منزل!

صدّیقین اور شہداء منعَم علیہم کے مراتب چہارگانہ میں سے نبوّت تو ظاہر ہے کہ ہے ہی خالص وہبی یعنی پہلے بھی صرف ذاتی قابلیت وصلاحیت اور محنت وریاضت سے حاصل نہیں کی جا سکتی تھی بلکہ جسے بھی ملتی تھی خالص عطیہ الٰہی اور فضل خداوندی ہی کے طور پر ملتی تھی اور اب تو اس کا دروازہ سرے سے ہی بند ہے۔ البتہ صدّیقیّت اور شہادت ¹ کے مراتب عالیہ پہلے بھی

سلہ واضح رہے کہ اس پوری بحث میں شہادت کا لفظ عام معروف معنوں میں استعمال نہیں ہُوا بلکہ قرآن حکیم کی ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہُوا ہے۔ عجیب بات

(باقی برصہ کالم مــــ)

کھلے تھے اور اب بھی نہ "مقطوعہ" ہیں نہ "ممنوعہ" بلکہ مومنین، صالحین اپنی ہمت اور محنت کے مطابق اور مزاج شخصی و افتادِ طبعی کی مناسبت سے ان مراتب عالیہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں گویا بقول جگر :-

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ؛ لیکن اپنا اپنا دامن !!

یہی وہ حقیقت ہے جو سورۃ حدید کی آیت ۱۹ میں بیان ہوئی ہے اور جس کے بارے میں بہت سا قیل و قال صرف اس لئے ہوا کہ سیاق کلام اور ربط آیات پیش نظر نہیں رہا۔ چنانچہ جب سلسلۂ کلام سے صرفِ نظر کرتے ہوئے نگاہ صرف اس ایک آیت کے الفاظ پر مرتکز ہو گئی کہ :-

والذین اٰمنوا باللّٰہ ورسلہ اولٰئک ھم الصّدّیقون والشھداء عند ربّھم ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، تو یہی ہیں صدیق اور شہداء اپنے ربّ کے نزدیک ۔

تو ایک اُلجھن پیدا ہو گئی کہ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مومن صدیق اور شہید ہے جبکہ یہ بات بالبداہت غلط معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس اشکال کے حل کی کوششیں کی گئیں اور بہت سی آراء اور بے شمار اقوال کا ذخیرہ کتب تفسیر میں جمع ہو گیا۔ حالانکہ اگر سیاق کلام پر نظر رکھی جائے تو یہاں کوئی اشکال یا اُلجھن سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ دراصل اس آیت کے صحیح فہم کے لئے اس سے پہلے کی تین آیات اور ان کے باہمی ربط کو سمجھنا ضروری ہے۔ وھو ھذا۔

آیت نمبر ۱۶ میں اہلِ ایمان (گویا عام مومنین صالحین) کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ کس تاخیر و تعویق میں پڑ گئے ہو اور کیوں قدم آگے نہیں بڑھاتے ؟ اور متنبہ کیا گیا ہے کہ مبادا تم بھی یہود کے مانند ہو جاؤ جن کے دل امتدادِ زمانہ سے سخت ہوتے چلے گئے اور اب ان کی اکثریت فساق و فجار پر مشتمل ہے۔ گویا یہ آیت زجر و تہدید اور تنبیہہ و ترہیب پر مشتمل ہے۔

آیت نمبر ۱۷ میں، قرآن حکیم کے عام اسلوب کے مطابق ترغیب و تشویق کا اسلوب ہے اور حوصلہ بندھایا گیا ہے کہ اگر تم اپنے دلوں میں سختی محسوس کرو تب بھی مایوس مت ہونا۔ اللہ تعالےٰ جس طرح زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد حیاتِ تازہ عطا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح تمہاری کشتِ قلوب کو بھی حیاتِ نو عطا فرما دے گا اور تمہارے دلوں کی کھیتی پھر ایمان حقیقی کی ہری بھری فصل سے لہلہا اُٹھے گی!

اگلی آیت میں گویا، سلوک قرآنی کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اس عمل تزکیہ کی نشاندہی کر دی گئی جس سے کشتِ قلوب میں ایمان کی فصل تازہ کی اُمید کی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ اگر دلوں کی کھیتی میں تازہ بہار چاہتے ہو تو پہلے اس میں صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کا ہل چلاؤ اور حبِّ دنیا اور حبِّ مال کی نجاستوں سے دلوں کو پاک کرو اس لئے کہ اصل میں یہی تمہاری ترقی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ اور تمہاری فطری استعداد کے بروئے کار آنے میں سب سے بڑا مانع ہے۔

بعد کی آیت نمبر ۱۹ میں واضح فرما دیا کہ اگر یہ مورچہ تم نے سر کر لیا اور یہ منزل طے کر لی تو پھر کوئی رکاوٹ نہیں ۔ اب ترقی کا راستہ بالکل کھلا ہے اور تم اپنی اپنی ہمت اور محنت کے مطابق اور اپنے اپنے مزاج اور افتادِ طبع کی مناسبت سے صدیقیت کے مراتب عالیہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہو۔

گویا یہاں ربط کلام وہی ہے جو سورۃ بلد میں وہاں اسی مورچے یا منزل کو ایک دشوار گذار گھاٹی سے تشبیہہ دی ہے اور نہایت تاسف اور حسرت کے پیرایہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ ہم نے انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی استعدادات سے نواز کر دنیا میں بھیجا۔ چنانچہ اسے "عینین" بھی دیئے اور لسانا و شفتین بھی۔ اور پھر درجہ بدرجہ ذہنی، جبلی اور فطری ہدایتوں سے بھی نوازا تا آنکہ "ھدینٰہ النجدین" کی منزل بھی طے کرا دی لیکن یہ کم ہمت اور بے حوصلہ اس گھاٹی میں نہ گھس پایا! جانتے ہو کونسی گھاٹی ؟ :-

"کسی گردن کا چھڑا دینا یا کھانا ہی کھلا دینا، قحط کے ایام میں، کسی یتیم کو جو قرابت بھی رکھتا ہو یا مسکین کو جو خاک میں رُل رہا ہو۔"

(کاش کہ کر پاتا وہ اس گھاٹی کو عبور!) اور پھر جا شامل ہوتا ان نفوسِ قدسیہ میں جو ایمان تواصی بالصبر و تواصی بالمرحمہ ایسے اوصاف جلیلہ سے متصف ہیں ——— فرق صرف یہ ہے کہ سورۃ بلد میں درمیان میں کلمہ "ثُمَّ" آ گیا جس نے ربط کلام کو واضح کر دیا جبکہ سورۃ حدید میں اس کی جگہ پر صرف حرفِ عطف "و" آیا۔ جس سے ربط کلام قدرے مخفی ہو گیا!

بہرحال سورۃ حدید کی آیت نمبر ۱۹ سے یہ حقیقت بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو کر ثابت ہو گئی کہ "صدّیقین" اور "شہداء" قرآن حکیم کی مستقل اصطلاحات ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہی وہ بلند ترین مقامات ہیں جن تک اکتسابا رسائی ممکن ہے۔ (ماخوذ)

مرتبۂ صدّیقیت کے متعلق ارشاد حضرت مجدد زمانؑ } "ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی"

۱؎ پنجابی زبان کے ایک شاعر عبداللہ شاعر کی ایک پنجابی نظم کے ترجیعی بند کے یہ الفاظ اس مضمون کو خوب ادا کرتے ہیں کہ ؎

اوکھی گھاٹی مشکل پینڈا عشق دیاں اسواراں دا!

بقیہ حاشیہ از صــــ

ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی شہادت کا لفظ خدا کی راہ میں قتل ہونے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا سوائے ایک مقام کے کہیں بھی شہید کے معنی مقتول فی سبیل اللہ نہیں لئے جا سکتے۔ وہ ایک استثنائی مقام سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۰ ہے اور یہاں بھی جہاں شہداء کے معنی مقتولین فی سبیل اللہ لینے کی گنجائش ہے وہاں اتنی گنجائش عام اصطلاحی معنوں کی بھی ہے۔ بہرحال اس بحث میں لفظ شہادت اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں مستعمل ہے۔

جماعتوں کے دوروں کا پروگرام

مرکز سے جماعتوں کے تبلیغی دوروں کا ایک پروگرام مرتب کیا گیا ہے جس کے مطابق حسب ذیل جماعتوں میں وفود بھیجے جائیں گے۔ بدوملہی، سیالکوٹ۔ فیصل آباد۔ ملتان۔ سرگودھا چک ۸۱/۲۔ راولپنڈی۔ کراچی ایبٹ آباد وغیرہ۔

اس سلسلہ میں پہلا وفد ۲ مارچ کو بدوملہی جائے گا جو ڈاکٹر اللہ بخش صاحب شیخ نثار احمد صاحب اور مرزا محمد لطیف صاحب مولوی فاضل شاہد پر مشتمل ہو گا۔

پروگرام حسب ذیل ہے :-

صبح ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے تک دو تقاریر ہوں گی۔

۱۲½ بجے سے ۱½ بجے تک خطبہ جمعہ۔

۲ بجے سے ۴ بجے تک رابطہ احباب و سلسلہ ملاقات۔

بدوملہی و مضافات کے احباب سے درخواست ہے کہ وہ اس اجتماع کو پُررونق اور کامیاب بنائیں۔

ڈاکٹر اللہ بخش چیئرمین تبلیغ اندرون پاکستان

نوٹ: دیگر جماعتوں کے پروگرام سے متعلق احباب کو آئندہ اشتہار میں مطلع کیا جائیگا۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور
پاکستان

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

مدیر (اعزازی) خلیل الرحمٰن
نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ
(علاوہ محصولڈاک)
فون نمبر ۵۳۷۳۷

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۰

ملفوظات حضرت مجدد زمان مسیح موعود علیہ السلام

اسلام اور مسلمانوں کی زندگی کی راہیں

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور رب جلیل کا کلام ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان حملوں کے دن نزدیک ہیں مگر یہ حملے تیغ و تبر سے نہیں ہونگے اور تلواروں اور بندوقوں کی حاجت نہیں پڑیگی بلکہ روحانی اسلحہ کیساتھ خدا تعالیٰ کی مدد اتریگی اور یہودیوں سے سخت لڑائی ہوگی، وہ کون ہیں اس زمانہ کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے ان سب کو آسمانی سیف اللہ دو ٹکڑے کریگی۔ اور یہودیت کی خصلت مٹا دی جائیگی اور ہر ایک حق پوش دجال، دنیا پرست، یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا۔ حجت قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائیگا۔ اور سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کیلئے پھر تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے۔ وہ آفتاب اپنے پورے کمال کیساتھ چڑھے گا۔ جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے۔ جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کریں۔

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔

کبریاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو خدا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہوگی تجھے دنیائے فانی ایک دن
ہر کوئی مجبور ہے حکم خدا کے سامنے

مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھ کو سدا
رنج و غم یاس و الم فکر و بلا کے سامنے

بارگاہ ایزدی سے تو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکلکشا کے سامنے

حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کبریاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

چاہیئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقش دوئی
سر جھکا بس مالک ارض و سما کے سامنے

چاہیئے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار
ایک دن تجھ کو بھی جانا ہے خدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعل بے بہا کے سامنے

ہماری تبلیغی ڈاک ——— ترسیل لٹریچر

بلادِ غیر میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی شاندار خدماتِ اسلامی کا اعتراف

اسلام پر ہمارے لٹریچر کی وسیع تر مقبولیت

مرتبہ :— چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری و انچارج اخبارات۔

— ریاست کوارا (مغربی افریقہ) سے مسٹر ابراہیم لارو لکھتے ہیں :—

" آپ کی خدمت میں یہ چند سطور رقم کرتے ہوئے از حد خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ کہئے آپ کے مزاج کیسے ہیں اور کام کیسے چل رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ حسب معمول خدمات دینیہ میں مصروف ہوں گے۔ مہربانی فرما کر مجھے انگریزی ترجمۃ القرآن مرحمت فرمائیں۔ عنایت ہوگی۔ مجھے اس کا ہدیہ لکھ بھیجئے۔ میں بواپسی ڈاک ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ مجھے کسی دوست کے پاس اس قرآن کریم کو دیکھنے اور جستہ جستہ پڑھنے کا موقعہ ملا ہے اس نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں مسلم نوجوان ہوں۔ اس ترجمہ و تفسیر کے مطالعہ سے مستفید ہونا اور اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ پہلی فرصت میں ایک نسخہ بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ آپ کا اپنا بھائی۔"

— جواب :—

محترم ابراہیم لارو صاحب! آپ کا مکتوب ملا۔ باعث مسرت و امتنان ہوا الحمد للہ ہم بخیریت ہیں۔ اور محض اللہ رحیم و کریم کے فضل و کرم سے اور اس کی تائید و توفیق کے ساتھ خدماتِ دینیہ اسلامیہ میں مصروف ہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ قرآن کا ہدیہ ارسال ہے۔ ہمیں دلی خوشی ہے کہ آپ کو یہ ترجمہ و تفسیر پسند آئی ہے۔ یہ ترجمہ و تفسیر ہر سعید الفطرت پڑھے لکھے شخص کو پسند ہے اور اکنافِ عالم میں اس کی مقبولیت ہے۔ اس کی قبولیت آسمانوں پر بھی ہوتی ہے، کیونکہ یہ ترجمہ و تفسیر اس صدی کے مامور و مجدد حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعودؑ کے ایک روحانی فرزند، مجاہد کبیر حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی اس قلم سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے مستفید و مستفیض ہونے کا وافر موقعہ عنایت فرمائے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، چند اسلامی کتب بھی ارسال خدمت ہیں۔ آپ اُن کا مطالعہ کیجئے اور حاصل مطالعہ سے مطلع فرمائیں۔ آئندہ بھی ہم آپ کو تازہ بتازہ لٹریچر ارسال کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

— لیگوس سے مسز الورتی اجاڈ لکھتی ہیں :—

" آپ سے مراسلت ہوتی رہتی ہے، اور کتب و رسائل بھی ملتے رہتے ہیں۔ آپ جس ایثار و لگن کے ساتھ بے لوث دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، وہ قابل رشک اور لائق قدر ہیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، تازہ لٹریچر لائق تقسیم ہو تو مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ انگریزی ترجمۃ القرآن میرے پاس پہلے ہی موجود ہے، اسے میں جان سے عزیز سمجھتی ہوں میرے پاس قیمتی متاع یہی ہے۔ میری ایک دوست بھی اصرار کر رہی ہیں کہ یہ انہیں دے دوں۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ لیکن ان کا دل بھی توڑنا نہیں چاہتی۔ اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو از راہِ کرم ضرور بھجوا دیں، تا کہ میں ان کی فرمائش پوری کر سکوں۔"

— جواب :—

محترمہ الورتی اجاڈ صاحبہ! آپ اسلام پسند خاتون ہیں اور دین سے محبت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حفظ و امان میں رکھے۔ ہمیں خدمتِ دین کی جو توفیق حاصل ہے وہ اس دور کے امام و مامور حضرت مسیح موعودؑ کی پھونکی ہوئی روح ہے۔ ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ اس رجل عظیم نے من حیث الجماعت اسلام کی خدمت و تبلیغ کا بیڑا اُٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں برکت دی اپنی تائید سے نوازا۔ خدا نے انہیں کہا "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" آج ہم اس الہامی پیشگوئی کو اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ آج کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس مامورِ الٰہی کی آواز نہ پہنچی ہو۔ الحمد للہ ہم اس مامور کی آواز کو دنیا میں پہنچانے اور اس کی اغراض کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان ہے کہ اسلام دنیا میں پھیلے گا۔ وہی اسلام پھیلے گا جو اس امام نے پیش کیا اور اس کی جماعت اور شاخ کے ذریعہ سے پھیلے گا جو اس کی ہے اور اس میں سے ہے۔ آپ ایسی نیک خاتون کی دعائیں ہمارے شامل حال ہیں جو ہمارے عزم و ارادہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کا باعث ہیں جن کے طفیل ہم الٰہی فریضہ کی انجام دہی میں مصروف رہتے ہیں۔

تازہ لٹریچر ارسال خدمت ہے اور فہرست کتب بھی۔ آپ اپنی سہیلی کا دل نہ توڑیئے انہیں اطمینان دلایئے۔ جونہی تقسیم کے لئے قرآن کریم دستیاب ہوا ہم پہلی فرصت میں ارسال کر دیں گے۔ ان کا پتہ ہمیں لکھ بھیجئے۔

— نائجیریا سے مسٹر یوسف لکھتے ہیں :—

" سلام مسنون! میں نے اپنے ایک دوست کے پاس آپ کا ارسال کردہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن دیکھا، تو میں نہایت متاثر ہوا۔ اس دوست کے لئے حسد اور رشک کے ملے جُلے جذبات میرے دل و دماغ میں موجزن تھے۔ میں نے یہ تفسیر اپنے ہاتھ میں لے تو لی مگر اسے واپس کرنے میں تامل تھا۔ مگر بادلِ نخواستہ واپس کرنا ہی پڑی۔ آپ سے بصد منت ملتمس ہوں کہ یہ تفسیر قرآن مجھے بھی ارسال فرمائیں۔ میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں گا۔ اور دعا گو بھی۔ مجھے اس کے مطالعہ سے دین اسلام سے آگاہی ہوگی۔ مجھے اس کے تشریحی و تفسیری نوٹس بڑے ہی پسند ہیں۔ یہ میری لائبریری میں انمول اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ علاوہ اگر یوروبہ زبان میں بھی ترجمہ قرآن موجود ہو تو وہ بھی ارسال فرمائیں۔ والسلام۔"

— جواب :—

مکرمی یوسف صاحب! یہ ترجمہ و تفسیر جس کسی نے بھی دیکھی اسی کے دل کو کھا گئی۔ ہم اپنے تمام مالی ذرائع سے اس کے ایڈیشن پر ایڈیشن شائع کرتے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتی ہے۔ یہی صورتِ حال اب بھی ہے۔ نیا ایڈیشن زیر طبع ہے۔ آپ کا پتہ نوٹ کر لیا گیا ہے۔ ایک نسخہ آپ کو ضرور ارسال کر دیا جائے گا۔ سردست آپ کو اسلامی لٹریچر اور فہرست کتب بھجوائی جا رہی ہیں۔ ان کا مطالعہ یقیناً دلچسپی کا موجب ہوگا۔ ان میں ایک ہفت روزہ دی لائٹ شامل ہے، آپ پسند کریں تو اس کے خریدار بن جائیے اس میں بیش قرار علمی و اسلامی مضامین درج ہوتے ہیں، دنیا کے بیشتر ممالک میں یہ رسالہ پڑھا جاتا ہے۔

کارِ لائقہ سے یاد کرتے رہیں۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں مراسلت ہوتی رہے تو ہماری خوش بختی ہوگی۔

— گھانا سے قاسم گاردو لکھتے ہیں :—

" جناب مکرم! میں پندرہ سالہ مسلم نوجوان ہوں اور عربی انگریزی سکول میں زیر تعلیم ہوں۔ مہربانی فرما کر مجھے ایسی کتب بھجوائیں جن سے مجھے اسلامی تعلیمات سے آگاہی ہو اور عقائد و عبادات کا پتہ چلے۔ دینی کہانیوں بالخصوص سوانح و سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل کتب بھی ضرور مہیا فرمائیں۔

مجھے قرآن کریم کی بھی اشد ضرورت ہے۔ قرآن کریم نہ ہونے

(باقی بر صـ ۹ کالم ۲)

از قلم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

(۲) دو سوالوں کا جواب

کراچی سے ایک محترم نے مجھے دو سوال بھیجے ہیں اور فرمایا ہے کہ میں اُن کا جواب "پیغامِ صُلح" کے ذریعہ دُوں۔ یہ اُن محترم کا حُسنِ ظن ہے کہ وہ مجھے اِس قابل سمجھتے ہیں کہ میں اُن کے مشکل سوالوں کا جواب دینے کا اہل ہُوں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ بہرحال میرے جواب حسبِ ذیل ہیں :۔

پہلا سوال

سورۃ یٰسٓ کی آیت ۶ ہے لتنذر قومًا مّآ انذر اٰباؤھم فھم غافلون۔

ترجمہ: تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے سو وہ غافل ہیں۔

اس پہ بیان القرآن کے نوٹ ۱۷۴۳ کے ابتدائی الفاظ "اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت صلعم سے پہلے حجاز میں کوئی رسُول نہیں آیا" نقل کر کے سائل محترم پُوچھتے ہیں:۔

"فرمائیے اسمٰعیلؑ حجاز میں آئے یا نہیں ؟"

جواب

اگر آپ نے بیان القرآن کے نوٹ مذکورہ کے پُورے الفاظ پر غور فرمایا ہوتا تو حضرت امیر مرحوم نے وہاں مزید وضاحت یُوں فرمائی ہے :۔

"لیکن یہاں ما انذر اٰباؤھم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُنہوں نے انذار قبول نہیں کیا کیونکہ یہاں ان کی سخت دِلی کا ذکر ہے اور ایک رنگ میں یہود و نصاریٰ کے ذریعہ سے مُلک عرب کے لوگوں کو انذار ہُوا مگر انہوں نے اس کی پروا نہیں کی اس لئے ان کی حالت غافلون کی تھی یعنی ایسے لوگ جن میں نیکی کا احساس بھی نہ رہا تھا۔ ایسی قوم کو آپؐ کے سپُرد کرنے میں یہ بتایا ہے کہ کس قدر مشکل وہ کام تھا جو آنحضرت صلعم کے سپُرد کیا گیا کہ جس قوم کی اصلاح کرنے میں پہلے مذاہب ناکام ہُوئے اس کی اصلاح آپؐ کے ذمّہ ڈالی گئی۔"

میں اس پہ اتنا بڑھانا چاہتا ہُوں کہ زمرۂ انبیاء کے لئے قرآن حکیم میں تین نام آئے ہیں (۱) رسُول (۲) نبی (۳) نذیر۔ رسالت اور نبوّت میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو لوگوں تک پہنچانا اور اُن پر اللہ تعالےٰ کے دیئے ہُوئے علمِ غیب سے باطنی امور کو کھولنا ہے۔ مگر اِنذار کی ظاہر ہے کہ صرف اُسی وقت ضرورت ہوتی ہے جبکہ قوم کی اخلاقی اور رُوحانی حالت ایسی بگڑ چکی ہو کہ اُنہیں ڈرانے کی ضرورت ہو کہ اگر انہوں نے اپنی اِصلاح نہ کی تو اِسی زندگی میں وہ اللہ تعالےٰ کے عذابوں کی گرفت میں آجائیں گے بلکہ ہلاک تک کر دیئے جا سکتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے قرآن پاک میں رسُولاً نبیّا (مریم ۱۹ ۵۴) کے الفاظ آئے ہیں مگر لفظ نذیر کہیں نہیں آیا۔ یہ اس لئے کہ جب حضرت ابراھیمؑ نے حضرت ھاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو جو اس وقت بچّہ تھے لا کر خانہ کعبہ کے پاس بسایا تو وہاں صرف حضرت آدمؑ کی بنائی ہُوئی مسجد کا کھنڈر تھا اور کوئی بستی نہ تھی۔ میں اس سلسلہ میں آپ کی توجہ قرآن کریم کی دو آیات کی طرف مبذُول کراتا ہُوں :۔

(۱) انّ اوّل بیتٍ وضع للنّاس للّذی ببکّۃ (اٰل عمران ۳۔ ۹۵) یعنے پہلا خدا کا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ مکّہ میں تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت آدم نے جو پہلے نبی تھے بنایا تھا۔

(۲) مگر حضرت ابراھیمؑ کے زمانہ تک جو دو ہزار سال گذرے ان میں بستی ویران ہو کر صرف بیتِ اوّل کا کھنڈر باقی تھا اس کے سوا کُوچ تھا۔ چنانچہ حضرت ابراھیمؑ کا قول قرآن کریم میں مذکور ہے کہ ربّنا انّی اسکنت من ذرّیتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عند بیتک المحرّم (ابراھیم ۱۴ ۔ ۳۷) یعنے اے ہمارے ربّ میں نے اپنی نسل کو (اس وقت تک حضرت ابراھیمؑ کی صرف ایک اولاد تھی حضرت اسمٰعیلؑ جنہیں وہ یہاں چھوڑ رہے تھے) تیرے مقدّس گھر کے پاس بسایا ہے جو بے آب و گیاہ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری (۶۰ - ۹) میں رسول اللہ صلعم سے مروی ہے کہ اس وقت کوئی بستی وہاں نہ تھی۔

یہ سچ ہے کہ اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ بچّہ تھے۔ اور جب وہ نبوّت کی عُمر کو پہنچے تو آبِ زمزم کے پھُوٹ پڑنے کی وجہ سے وہاں کچھ لوگ آن کر بس گئے ہُوئے تھے۔ یہ لوگ حضرت ھاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو شروع سے ہی عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یقیناً ان دو بزرگ ہستیوں کے نیک اثر کے نیچے تھے۔ تبھی تو حضرت اسمٰعیلؑ کو جب نبی بنایا گیا تو ان کے سپُرد رسالت اور نبوّت کا کام کیا گیا یعنے وہ اس نئی بستی کو خدا کی کتاب اور شریعت اور حکمت پہنچائیں اور سکھلائیں۔ اُس وقت وہاں کے لوگوں کی حالت ہرگز ایسی نہ تھی کہ اُنہیں اِنذار کی ضرورت ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کوئی کام بلاضرورت یا بلا وجہ نہیں کرتا۔ تو پہلے نذیر اس بستی کی طرف جب وہ تین ہزار سال بعد بگڑ کر سارے عرب کے لئے شرک و ضلالت کا مرکز بن چکی ہوئی تھی اور سخت گھناؤنی بدکرداریوں میں مبتلا ہو چکی تھی رسُول اللہ صلعم ہی تھے۔ اسی لئے قرآن پاک کے الفاظ لتنذر قومًا ما انذر اٰباؤھم فھم غٰفلون نہایت صحیح ہیں۔

دوسرا سوال

دُرِّ ثمین صفحہ ۲۳۱ پر حضرت مسیح موعود کا شعر ہے کہ ؎

اے سیّد الوریٰ مددے وقتِ نصُرت است
در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

اسے نقل فرما کر سائل محترم پُوچھتے ہیں "سید الوریٰ سے کیا مراد ہے۔ اگر محمد صلعم مراد ہیں تو کیا غیر اللہ سے استمداد جائز ہے ؟"

جواب

یہ سچ ہے کہ لفظ سیّد کے معنی عام طور پر سردار کئے جاتے ہیں اور اس لحاظ سے سیّد الوریٰ پڑھ کر خیال آنحضرت صلعم کی طرف جاتا ہے۔ مگر سیّد کے معنی آقا بھی ہیں۔ اور اس طرح سیّد الوریٰ کے معنی ہُوئے مخلوق کے آقا جو کہ اللہ تعالےٰ ہے۔ اور اگر آپ اس نظم کے اگلے اشعار دیکھیں تو یہ بات صاف ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی مخاطب ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

؎ در رنج و دردے گزرانیم روزگار
یا ربّ ترحمے کہ دگر مہرباں نماند
یا ربّ چہ بہر من غمِ فرقاں مقدّر است
یا خود دریں زمانہ کسے رازداں نماند

یہ ساری نظم حضرت مسیح موعود کے اس درد کی فریاد ہے جو آپ کو قرآن حکیم کی طرف مسلمانوں کی کماحقہ توجّہ نہ ہونے کا تھا۔ اور جس بوستان کا آپ نے ذکر فرمایا ہے وہ قرآن کریم ہے اور جس باغبان کے نہ ہونے کا غم تھا وہ قرآن کے خادم کے نہ ہونے کا تھا۔ چنانچہ آپ اس نظم کو اس شعر پہ ختم کرتے ہیں :۔

؎ اے یحییٰ بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

[illegible] ایک ہی شخص ہیں

جیمس ڈائنڈ اِن کشمیر از اے فابر قیصر کا ایک باب

حضرت عیسٰے علیہ السلام کی پیدائش کے بارہ میں چاروں متند انجیلیں مختلف واقعات درج کرنے کے بعد ان کی زندگی کے تیس سال کی عمر تک کے حالات سے متعلق بالکل خاموش ہیں — جو کچھ تھوڑا بہت اس عرصہ کے بارہ میں درج ہے اس کا ذکر لوقا ۲:۳۹ تا ۵۲ میں اس طرح پر ہے:—

" اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرہ کو پھر گئے۔ اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا رہا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔ اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو وہ عید کے دستور کے موافق یروشلم کو گئے۔ جب وہ ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو وہ لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا اور اس کے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی۔ مگر یہ سمجھ کر کہ وہ قافلہ میں ہے۔ ایک منزل نکل گئے اور اسے اپنے رشتہ داروں اور جان پہچان والوں میں ڈھونڈنے لگے۔ جب نہ ملا تو اسے ڈھونڈتے ہوئے یروشلم تک واپس گئے۔ اور تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ انہوں نے اسے ہیکل میں استادوں کے بیچ میں بیٹھے ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا۔ اور جتنے اس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور جب اس کی ماں نے اس سے کہا بیٹا تو نے کیوں ہم سے ایسا کیا؟ دیکھو تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔

اس نے ان سے کہا تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے؟ کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ کے ہاں ہونا ضرور ہے؟ — مگر جو بات اس نے ان سے کہی اسے وہ نہ سمجھے — اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر ناصرہ میں آگیا اور ان کے تابع رہا اور اس کی ماں نے یہ سب باتیں اپنے دل میں رکھیں — اور یسوع حکمت، قد و قامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔"

حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زندگی کا دوسرا واقعہ جو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے وہ تیس سال کی عمر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بپتسمہ لینا ہے — یہیں سے ان کی دعوت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ (لوقا ۳: ۲۰ تا ۲۳) یہ واقعہ ہیکل کے اٹھارہ برس بعد ہوا — اس طرح بائبل حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زندگی کے ایک خاصے لمبے عرصہ کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے — ہمیں بائبل کی اس خاموشی پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ شخص جو تیس سال کی عمر میں عوام کے سامنے ابھرتا ہے کیا وہ حقیقت میں وہی بچہ تو نہیں جو بیت لحم میں پیدا ہوا تھا۔

نکولائی نوٹو وچ کا انکشاف

سرینگر (کشمیر) میں پروفیسر حسنین سے ان کے گھر پر جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ہمیں ان ماخذ کے بارہ میں تفصیل سے بتایا جن کی بناء پر ان کو یقین ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کشمیر گئے۔

پروفیسر حسنین نے بتایا کہ جنوری کے سخت سردی کے دن تھے وہ لیہہ میں تھے۔ دو جرمن ڈاکٹر مارکس اور فرانکے کی ڈائریوں پر پڑی۔ یہ ڈاکٹر ایک عیسائی مشن کے مبلغ تھے جو دنیا کے دور دراز علاقوں میں تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ وہ دہلی یا سرینگر جیسے بڑے شہروں میں نہ جاتے بلکہ الگ تھلگ لیہہ ایسے علاقوں میں اپنا کام کرتے۔

یہ ڈائریاں چالیس جلدوں میں تھیں اور ان پر ۱۸۹۴ء درج تھا۔ پروفیسر حسنین کو جرمن زبان تو پڑھنی نہ آتی تھی لیکن انہیں ان نادر مسودات میں گہری دلچسپی اور تجسس پیدا ہو گیا اور انہوں نے ان کی ورق گردانی شروع کر دی۔ ان صفحات میں ان کی نظر ایک نام سان عیسٰے (SAN ISSA) پر پڑی جو سرخ روشنائی سے لکھا تھا۔ اس کے مقابل کے صفحہ پر نکولائی نوٹو وچ نام۔ چونکہ وہ مسودہ کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دونوں صفحات (ص۱۱۸ و ص۱۱۹) کے فوٹو اتروا لئے اور سرینگر واپس پہنچ کر انہوں نے ان صفحات کا ترجمہ کروایا۔ تب انہیں یہ پتہ چلا کہ ان صفحات میں بعض ان مسودات کا حوالہ ہے جو نوٹو وچ کو ہمس HEMIS کے بدھ راہب خانہ میں دستیاب ہوئے تھے۔

یہ مقام لیہہ سے جنوب مشرق کی جانب ۲۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان مسودات کے مطابق حضرت عیسٰے علیہ السلام ہندوستان کے علاوہ تبت اور لداخ کے انتہائی شمالی علاقوں میں بھی پہنچے اور یہ سفر انہوں نے ٹھیک انہی اٹھارہ سالوں کے دوران کیا جن کے بارہ میں بائبل حضرت عیسٰے علیہ السلام سے متعلق کوئی تفصیل بہم نہیں پہنچاتی۔ نوٹو وچ کی ان معلومات پر نہ تو ان دونوں جرمن مبلغین نے اور نہ ہی احمدیہ تحریک کے ذمہ دار افراد نے یقین کیا۔ لیکن پروفیسر حسنین کو نوٹو وچ کی شہادت کی صداقت پر پورا یقین ہے بلکہ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ نہ صرف حضرت عیسٰے علیہ السلام نے جوانی کے ابتدائی سالوں میں کشمیر کا سفر اختیار کیا بلکہ ان کو صلیب کی موت سے بچائے جانے کے بعد میں وہ ہجرت کر کے کشمیر آ گئے۔

آیئے اب نوٹو وچ کے بیان کا تجزیہ کیا جائے۔ نکولائی نوٹو وچ ایک روسی سیاح تھے جنہوں نے گذشتہ صدی کے آخر میں اس علاقہ کی چھان بین کی جو "تبت اصغر" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی سرحدیں تبت اور لداخ سے ملتی ہیں۔ لداخ کے دارالخلافہ لیہہ میں سیر و سیاحت کے بعد نوٹو وچ نے اپنا سفر جاری رکھا اور ہمس کے بدھ راہب خانہ تک جا پہنچے۔

یہ اس علاقہ کا سب سے بڑا بدھ راہب خانہ ہے اور اس میں مذہبی کتب کی ایک وسیع لائبریری ہے۔ وہاں کے بڑے لامہ سے گفتگو کرتے ہوئے نوٹو وچ نے بتایا کہ جب وہ حال ہی میں مول بیک کے بدھ راہب خانہ گئے جو قصبہ وکھ کے قریب بلند چوٹیوں کے درمیان واقع ہے تو اسے ایک نبی کے بارہ میں حیرت انگیز باتیں بتائی گئیں۔ اس نبی کو عیسٰے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس لامہ نے نوٹو وچ کو بتایا کہ بدھ مت کے لوگوں میں عیسٰے نام کا بے حد احترام کیا جاتا ہے لیکن اس نبی کی مساعی سے صرف وہی لامہ واقف ہوتے ہیں جنہوں نے اس کے بارہ میں صحائف کا مطالعہ کیا ہو۔ وہاں کُل ۸۴۰۰۰ صحائف ہیں جن میں انبیاء کے متعلق تفصیلات درج ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عیسٰے بھی ہیں۔ چند ہی لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے ان صحائف یا مسودات کا سوواں حصہ بھی پڑھا ہو۔ جو بے شمار جلدوں میں ہیں۔ تاہم یہ دستور تھا کہ جو بھی شاگرد یا لامہ لھاسہ (دارالخلافہ تبت) آتا وہ ایک یا ایک سے زیادہ ان صحائف کی نقل جس بدھ راہب خانہ سے اس کا تعلق ہوتا یہاں پیش کرتا — اس طرح ہمس کے بدھ راہب خانہ نے ایسے مسودات کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا کر لیا — اور انہی میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زندگی اور تبلیغی مساعی کی تفصیلات بھی درج ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان پاک تعلیمات کو ہندوستان اور بنی اسرائیل میں پھیلایا۔

بڑے لامہ نے مزید یہ بھی بتایا کہ وہ صحائف جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر ہے وہ ہندوستان اور نیپال سے تبت لائے گئے تھے۔ اصل میں یہ پالی زبان میں لکھے گئے تھے اور ان کو لہاسہ میں رکھا گیا تھا۔ لیکن ہمس میں اس کی کاپیاں تبتی زبان میں بھی موجود ہیں۔ ان صحائف کا علم عام طور پر لوگوں کو نہ تھا۔ ان کا علم صرف ان جید لامہ عالموں کو تھا جنہوں نے اپنی ساری زندگی ان صحائف میں گذاری تھی۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارہ میں حالات درج تھے۔ اس لئے (عام طور پر) مشکل سے ہی کسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علم تھا۔ یہ اس لئے بھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بُدھ مت کا ضروری حصّہ نہ تھیں اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں یعنی عیسائیوں نے دلائی لامہ کی حاکمیت کو قبول نہ کیا تھا۔ اس لئے بُدھ مت کے ماننے والوں نے حضرت عیسیٰ کو دوسرے کئی نبیوں کی طرح مقدّس بزرگوں کی فہرست میں شامل نہ کیا۔

اس مقام پر نوٹووچ نے اسی لامہ سے پُوچھا کہ کیا کسی اجنبی کو اس بات کی اجازت مل سکتی ہے کہ وہ راہب خانہ میں موجود صحائف کی ان کاپیوں کو جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس کے جواب میں لامہ نے کہا کہ جو چیز خدا کی ہے وہ انسانوں کے لئے بھی ہے اور یہ اس کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ ان صحائف کی اشاعت میں مدد کرے۔ تاہم لامہ نے اسی وقت یہ بھی کہا کہ چونکہ انہیں کہ صحیح طور پر یہ علم نہیں کہ لائبریری میں کس جگہ وہ صحائف رکھے ہوئے ہیں لیکن اگر وہ (یعنی نوٹووچ) پھر کبھی اس راہب خانہ میں تشریف لائیں تو وہ ان صحائف کو نکال رکھے گا اور ان صحائف کو انہیں دکھا کر اسے بے حد خوشی ہوگی۔

نوٹووچ کو بہرحال لیہہ واپس آنا تھا۔ لیکن اُنہوں نے پکّا ارادہ کیا کہ وہ کسی بہانے ہمس دوبارہ آئیں گے واپس آنے کے فوراً بعد ہی نوٹووچ نے اس بڑے لامہ کو ایک الارم گھڑی اور ایک تھرمامیٹر تحفتہً اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ لداخ چھوڑنے سے قبل عین ممکن ہے دوبارہ راہب خانہ آئیں اس اُمید کے ساتھ کہ اس دفعہ لامہ اُنہیں وہ صحائف دکھائیں گے جن کے بارہ اُنہوں نے وعدہ کیا تھا۔

نوٹووچ کو یہ فکر بھی لاحق تھا کہیں ان صحائف کے بارہ میں زیادہ دلچسپی ظاہر کرنے سے لامہ کو کوئی شک پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن ایک موقع ایسا پیدا ہو گیا جس نے نوٹووچ کی مشکل آسان کر دی۔ پتاح کے بُدھ راہب خانہ کے قریب پہاڑیوں پر نوٹووچ کا گھوڑا ٹھوکر کھا گیا جس کے نتیجہ میں وہ اس زور سے زمین پر گرے کہ ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لیہہ جانے کو ان کا جی نہ چاہا اس لئے اُنہوں نے قلیوں کو حکم دیا کہ وہ اُنہیں ہمس لے جائیں۔ جہاں ان کی خوب آؤبھگت اور تیمارداری ہوئی۔

اس دوران میں جب چلنے پھرنے سے معذور رہتے، ایک نوجوان ان کے بستر کے قریب مسلسل دُعائیں پڑھتا رہتا اور وہ سال رسیدہ بزرگ لامہ انہیں دلچسپ کہانیوں سے محظوظ کرتا رہتا۔ وہ اکثر الارم گھڑی اور تھرمامیٹر کے متعلق پُوچھتا رہتا کہ کس طرح ان کو صحیح طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور نوٹووچ اپنی جگہ بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پوچھتا رہتا۔ آخر کار لامہ راضی ہو گیا اور وہ دو بڑے پیکٹ کتابوں کے لے آیا۔ جن کے اوراق لمبا عرصہ گذرنے کی وجہ سے پیلے ہو چکے تھے۔ پھر اس نے اس میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات پڑھ کر سُنائے۔ مترجم جب ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا تو نوٹووچ اپنی یادداشت کے لئے اس کا خلاصہ لکھتے جاتے۔ یہ عجیب و غریب صحائف نظم کی صُورت میں ہیں اور اکثر اشعار واقعات کو تسلسل سے بیان نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہندوستان کی طرف پہلا سفر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ان حالات میں سب سے دلچسپ وہ حصّہ ہے جس میں ان کے ہندوستان کی طرف پہلے سفر کی تفصیلات درج ہیں۔ اس سلسلہ میں نوٹووچ نے ہمس میں موجود مسودات سے سوانحعمری کا جو اقتباس دیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ یہ چوتھے حِصّہ کے پانچویں شعر سے شروع ہوتا ہے۔

"کچھ عرصہ بعد اسرائیل کے مُلک میں ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا خُدا نے اس کے ذریعہ سے کلام کیا۔ اور یہ بتایا کہ اس جسم کی کوئی حقیقت نہیں اور رُوح کی بڑی عظمت ہے۔

بچّے کے والدین بڑے غریب تھے۔ اور ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی نیکی کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور اپنے ماضی کی شان و شوکت کو بھُول چکا تھا۔ وہ خالقِ مطلق کا ذکر کرنے والا اور ان آفات کے ہوتے ہُوئے بھی جو اُن پر آن پڑی تھیں وہ خُدا کا شکر بجا لانے والا تھا۔

سچّائی کی راہ میں ثابت قدم رہنے کے صِلہ میں خُدا نے اس خاندان کے پہلے بچّہ پر اپنا کرم کیا اور اُسے چُن لیا تاکہ وہ ان لوگوں کو نجات دلائے جو رُسوائی (کے گڑھے) میں گِرے ہُوئے تھے اور ان کو صحت بخشے جو بیماریوں میں مُبتلا ہیں۔ یہ خُدا پرست بچّہ جس کا نام انہوں نے عیسیٰ رکھا، وہ بچپن ہی میں خُدائے واحد و لاشریک کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ اس نے گُمراہ لوگوں کو توبہ کرنے کی تلقین کی اور انہیں گناہوں سے پاک کیا۔ جگہ جگہ سے اس جواں سال کے شیریں لبوں سے دانائی کی باتیں سُننے کے لئے لوگ آئے اور حیران ہُوئے۔ اسرائیلیوں کا کہنا تھا کہ اس میں رُوح القدس کا بسیرا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ تیرہ سال کی عُمر کو پہنچے یہ وہ عُمر ہے کہ ہر ایک اسرائیلی کو ایک بیوی کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ تب یہ گھر جس میں یہ خاندان شریفانہ گذر بسر کر رہا تھا ان اُمراء اور معززین کی آماجگاہ بن گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا داماد بنانا چاہتے تھے۔ کیونکہ انکے رُوحانیت سے بھرپور وعظوں کی بدولت جو وہ خدا تعالےٰ سے متعلق دیتے تھے ان کی شہرت دُور دُور کے علاقوں تک پھیل چکی تھی۔

عین اس (شادی کے) موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام چُپکے سے اپنے والدین کے گھر سے غائب ہو گئے۔ اُنہوں نے یروشلم کو خیرباد کہا اور سوداگروں کے ایک قافلہ کے ہمراہ سندھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ معرفتِ الٰہی میں زیادہ ترقّی اور کمال حاصل کریں اور عظیم بُدھوں کے قوانین کا مطالعہ کریں۔"

ان شعروں کے ساتھ ہی مسودہ کا وہ چوتھا حِصّہ ختم ہوتا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات کا بیان ہے۔

جیسا کہ مَیں نے دیباچہ میں ذکر کیا تھا کہ لفظ عیسیٰ یسُوع کا مترادف ہے اس لئے نوٹووچ کے ترجمہ کئے ہُوئے باقی مسودہ کا جب مَیں خلاصہ بیان کروں گا تو مسودہ میں جہاں بھی عیسیٰ ہوگا مَیں اسے یسُوع لکھوں گا۔

نوٹووچ کے مسودہ میں حضرت یسُوع کی زندگی کا بیان آگے یُوں چلتا ہے کہ :—

"چودہ سال کی عُمر میں اُنہوں نے سندھ کو عبُور کیا اور خدا کی موعود سرزمین میں سکونت اختیار کی۔ جلد ہی ان کی شہرت سندھ کے شمالی علاقہ میں پھیل گئی اور جب اینجاب (پنجاب) سے گذرے جو کہ پانچ دریاؤں کی سرزمین ہے تو جین دیوتا کے ماننے والوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اُن کے پاس قیام کریں۔ مگر اُنہوں نے اُن سے رُخصت لی اور پاپیادہ جگن ناتھ کی طرف روانہ ہو گئے جو اڑیسہ میں ایک جگہ ہے جہاں دیاسہ کرشن دفن ہیں۔ وہاں برہما کے پجاریوں نے آپ کا انتہائی خوشی سے استقبال کیا۔ ان سے آپ نے ویدوں کو پڑھنا، سمجھنا، عبادت کے ذریعہ نجات حاصل کرنا، لوگوں کو مقدّس کُتب سمجھانا، انسانی جسم سے شیطانی ارواح کو نکال کر انسانیت کا شرف عطا کرنا وغیرہ سیکھا۔

حضرت عیسیٰ چھ سال تک جگن ناتھ، راجہ غریہہ اور بنارس اور دیگر متبرک شہروں میں رہے۔ ہر کوئی ان کو چاہتا تھا اور وہ ویشوں اور شودروں کے ساتھ نہایت پیار و محبّت سے رہتے تھے جنکو انہوں

مقدس کتب کی تعلیم دی ۔

حضرت عیسٰے نے سب سے پہلے اپنے دشمن اس وقت پیدا کئے جب انہوں نے انسانی مساوات کی تلقین شروع کی ۔ کیونکہ برہمن شودروں کو غلام سمجھتے اور صرف موت ہی انہیں اس غلامی سے نجات دلاتی تھی ۔ چنانچہ برہمنوں نے حضرت مسیح کو کہا کہ وہ شودروں کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کا مذہب اختیار کر لیں ۔ لیکن حضرت مسیح نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور برہمنوں اور کھشتریوں کے کہنے کے باوجود شودروں کو بُت پرستی کی بجائے خدائے واحد اور قادر مطلق کی تلقین شروع کی ۔ اُنہوں نے اس نظریہ کی سختی سے مذمت کی کہ کسی انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق غصب کرنے کا حق حاصل ہے ۔ اور اس کے بالمقابل یہ تعلیم دی کہ خُدا اپنی اولاد (یا مخلوق) میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتا وہ سب سے برابر پیار کرتا ہے ۔

برہمن حضرت مسیح کی ان باتوں کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگے اور اپنے غلاموں کو ان کی تلاش کے لئے بھیجا تاکہ اُنہیں پکڑ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے ۔ لیکن شودروں نے حضرت مسیح کو پہلے ہی اس خطرہ سے آگاہ کر دیا اور وہ رات کو ہی جگن ناتھ سے نکل پڑے اور پہاڑوں میں چلے گئے اور گوتم قبیلہ کے علاقہ میں سکونت اختیار کر لی جہاں عظیم بُدھ شکیامنی پیدا ہُوئے تھے ۔ وہاں کے لوگ صرف ایک برہما خدا کی عبادت کرتے تھے ۔

آپ نے وہاں پالی زبان اچھی طرح سیکھ لینے کے بعد سوترا کے مقدس صحیفوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور چھ سال کے عرصہ میں اس قابل ہو گئے کہ ان کی تشریح کر سکیں ۔ تب انہوں نے نیپال اور ہمالیہ کے پہاڑوں کو چھوڑا اور راجپوتانہ کی وادی سے گذر کر مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور صرف وحدہٗ لاشریک خُدا کی توحید کا پرچار کرتے گئے اُور لوگوں کو پُر زور تلقین کی کہ وہ غُلامی کو ختم کریں اور بُت پرستی ترک کر دیں ۔

حضرت مسیح ایران پہنچے تو وہاں کے مذہبی رہنما پریشان ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ ان کا وعظ ہرگز نہ سنیں ۔ لیکن اس کے باوجود جب لوگوں نے ان کا وعظ سُنا تو وہ رہنما حضرت عیسٰے کو پکڑوا کر اپنے سامنے لے آئے اور ان سے طول طویل بحث کی ۔ حضرت مسیح نے انہیں سمجھانے کی ہر چند کوشش کی کہ وہ سورج دیوتا اور نیکی بدی کے دیوتاؤں کی پرستش چھوڑ دیں اور ان پر واضح کیا کہ سُورج بھی خُدا ہی کی ایک مخلوق ہے اور سب سے بڑی ہستی خدا ہی تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور بدی کا کوئی الگ خُدا نہیں ہے ۔

ان عُلماء نے بظاہر تو حضرت مسیح کی باتوں کو سُنا اور فیصلہ کیا کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے ۔ لیکن رات کے وقت جب سب لوگ سو گئے انہوں نے حضرت مسیح کو گرفتار کر لیا اور شہر کی فصیل سے دُور لے گئے اور انہیں وہاں چھوڑ دیا اس خیال سے کہ وہ کسی جنگلی درندے کا شکار ہو جائیں گے ۔ لیکن حضرت مسیح نے صحیح سلامت اپنا سفر جاری رکھا اور ۲۹ سال کی عُمر میں واپس اسرائیل آ گئے ۔"

حضرت مسیح کی زندگی کا دوسرا حصہ جو اس تبتی مسودات کے مجموعہ میں درج ہے اور جسے نوٹو وچ نے بیان کیا ہے کافی سے زیادہ حضرت مسیح کی دعوت سے متعلق بائبل کی تفصیلات سے ملتا ہے ۔ اس سلسلہ میں مذکورہ مسودات میں جو کچھ درج ہے وہ لازمی طور پر حضرت مسیح کی جوانی اور بلوغت کے دَور کی سرگرمیوں کی وہ تفصیلات بہم پہنچاتا ہے جس کے متعلق بائبل بالکل خاموش ہے ۔

کشمیر کے قیام کے دوران ہم لیہہ اور ہمس کے بُدھ راہب خانوں کو نہ دیکھ سکے اس لئے کہ اپریل کا مہینہ تھا اور راستے برف باری کی وجہ سے بالکل بند تھے ۔ تاہم نوٹو وچ کی متعلقہ مسودات کے بارے میں شہادت اور ہمارا ان شہادتوں کا

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ۔ کے (لندن مشن) کی رپورٹ

از ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ امام لندن مشن

میں ۸ ر فروری کو لندن پہنچا تھا ۔ موسم کی خرابی کے باعث کافی تکلیف ہُوئی ۔ برف باری کی وجہ سے ٹریفک بھی بند تھی اور عام طور پر پیدل چلنے والوں کو بھی مُشکلات تھیں ۔

آج ۱۹ ر فروری ۱۹۷۹ء ہے ۔ ان چند دنوں میں تین کامیاب اجتماع ہُوئے اور تینوں غیر از جماعت لوگوں کے ہاں ہُوئے ۔

سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ دو اجتماعات میں جو زیادہ تر گیانا کے لوگوں پر مشتمل تھے بہت کامیابی ہوئی اور صدر صاحبان نے جماعت احمدیہ (لاہور) کی بہت تعریف کی اور کھلے طور پر کہا کہ جو لوگ سُنّی ، شیعہ اور احمدیؒ کی تفریق کرتے ہیں وہ اسلام کے ہمدرد نہیں ۔ انصاف سے غور کیا جائے تو یہ لوگ (احمدی) جن کو کافر جیسے بُرے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے در اصل اسلام کے خادم ہیں اور قرآن شریف کا علم رکھتے ہیں ۔ ہم سب کو مل کر اسلام کی خدمت کرنی چاہیئے اور اسی طرح کام کرنے سے اسلام غیروں کے لئے قابل قدر نمونہ ہو سکتا ہے ۔

اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہماری بڑی عزّت افزائی اور کامیابی ہوئی ہے اور ہمارے لئے تقریر کرنے کا خاص انتظام کیا گیا بلکہ ایک ہی میٹنگ میں مجھے دو مختلف موضوعات پر بولنے کا موقع دیا گیا ۔

(۱) "حیات بعد الممات" ۔ اور

(۲) " گناہ کا تصور اسلام میں "

شام کی نماز وہاں ہی ادا کی گئی اور کافی لٹریچر تقسیم کیا گیا ۔ بعض دوستوں نے قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی بھی طلب کیا ۔ چنانچہ اُن کو آج تین کاپیاں بھجوا رہا ہوں ۔ یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہو رہا ہے کہ جب لوگ موسم کی خرابی کے باعث گھروں سے باہر بھی نہیں جا سکتے ۔

ص۴ مطالعہ جن میں مذہب کے رسم و رواج ، روایات اور تاریخی پس منظر اور دیگر گئی شواہد شامل ہیں ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم سنجیدگی سے اس مفروضہ پر غور کریں کہ حضرت مسیحؑ زندہ رہے اور ہمالیہ کے پہاڑوں کے دامن میں فوت ہُوئے ۔

آئندہ کے صفحات میں ہم اس مفروضہ کے متعلق شواہد پیش کریں گے اور ان امکانات کا جائزہ لیں گے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کے کٹھن مرحلہ سے بچ نکلے اور جب اُن کے زخم ٹھیک ہو گئے تو انہوں نے کشمیر کی طرف دوسری دفعہ سفر اختیار کیا ۔

اسی طرح ہم دیکھیں گے کہ تاریخ اور بائبل میں ان امکانات کے لئے شواہد موجود ہیں کہ اسرائیل کے گم شدہ قبائل کشمیر میں آ کر آباد ہو گئے ۔ اگر یہ مفروضے صحیح ثابت ہو جاویں تو پھر کشمیر ہی وہ جگہ ہے جو حضرت مسیحؑ کی زندگی کا آخر کار مقصود بنی ۔

مکتوب بھارت

بمبئی سے مکرم عبد الرزاق صاحب نے اپنے تنظیمی تبلیغی اور جماعتی دَورہ کی تفصیلی رپورٹ جنرل سیکرٹری جناب میرزا مسعود بیگ صاحب کی خدمت میں بھیجی ہے جو بڑی ایمان افروز اور حوصلہ افزا ہے ، اس کا خُلاصہ پیغامِ صلح کے آئندہ پرچہ میں شائع کر دیا جائے گا ۔

(انشاء اللہ تعالیٰ)

جلسۂ سالانہ ۱۹۷۸ء

نشست شبان الاحمدیہ میں جناب ارشد حسین صاحب سلمہ کی تقریر

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت ۔ میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

تشہد و تعوذ کے بعد فرمایا :۔

صاحبِ صدر اور معزز حاضرین !

میری تقریر کا موضوع حضرت صاحب کا یہ شعر ہے :۔

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اپنی اس تقریر میں مجھے ان اسباب اور محرکات پر روشنی ڈالنی ہے جن کا یہ تقاضا تھا کہ اُمتِ مسلمہ کو ادبار و نکبت سے نکالنے کے لئے کوئی مسیحا نفس آئے ۔ نبی اکرم صلعم نے فرمایا تھا :۔ (ترجمہ) :۔

" مسلمانوں کے ادبار کا وقت اُس وقت ہوگا جب اہلِ روم (یعنی عیسائیوں) کی اکثریت ہوگی ۔"

اس پیشگوئی کے مطابق عیسائیت کی من حیث القوم کیا بلحاظ تعداد اور کیا بلحاظ مادی طاقت برتری کا مشاہدہ دنیا نے کر لیا ۔ اس اکثریت کے نتیجے میں دُنیا میں جو انقلاب رُونما ہوا وہ بھی آپ سب کے مشاہدہ میں آچکا ہے ۔

اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد زمان کی بعثت سے پہلے عیسائیوں نے مسلمانوں کو سیاسی، مذہبی اور اخلاقی طور پر کسی نہ کسی طرح تباہ کر کے رکھ دیا تھا ۔ مسلمانوں کی سلطنتیں یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھیں ۔ اگر ایک طرف ہندوستان، مصر اور سوڈان پر انگریزوں کی بالادستی تھی تو دوسری طرف ٹیونس، الجزائر اور مراکش پر فرانس کا جھنڈا لہرا رہا تھا ۔

مسلمانوں کی عظیم سلطنت عثمانیہ، فرانس، برطانیہ اور اٹلی کی سازشوں کا شکار بن رہی تھی ۔ اس ادبار اور تنزل کے احساس نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ مذہب کے قیام کے لئے مادی طاقت اوّلین چیز ہے ۔ چونکہ مادی طاقت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی ۔ اس لئے اب اسلام کے غالب آنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی ۔ چنانچہ وہ مذہب سے بدظن ہونا شروع ہو گئے ۔ ظاہر ہے ایسی مایوسی سے قوم کا دل بجھ جاتا ہے ۔ قوتِ عمل زائل ہو جاتی ہے اور جد و جہد کی اُمنگ جاتی رہتی ہے ۔ ایسی قوم کو اپنی موت کے سوا کسی اور چیز کا انتظار نہیں رہتا ۔

مسلمانوں کی اس مایوسی سے فائدہ اُٹھا کر عیسائی پادریوں نے اسلام پر مختلف طریقوں سے حملہ کر دیا ۔ اور مسلمانوں کے بعض علماء کی غلط تفاسیر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کو آنحضرتؐ سے افضل و اعلیٰ ثابت کر کے سینکڑوں مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کیا ۔

بے شمار ٹریکٹوں، کتابوں اور رسالوں کے ذریعے دہریوں کے اعتراضات مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں میں ڈالے گئے جس سے وہ مذہب سے بیگانہ ہو گئے ۔ پھر حکومت میں حصہ لینے کے لالچ نے انہیں عیسائیت کے دام میں مُرغ بسمل بنا دیا اور اس ڈر سے کہ اگر مسیحی اقوام کو اسلام کے پُرحکمت اصولوں کا علم ہو گیا تو حق خود بخود غلبہ پا جائے گا ۔ انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ ٹریکٹوں میں اسلام کا غلط نقشہ کھینچا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر نازیبا کتب اور تصاویر شائع کیں ۔

علاوہ ازیں دوسری اقوام کو بھی پادریوں کو دیکھ کر اسلام پر حملے کرنے کی جرأت ہوئی ۔ اُن میں آریہ قوم پیش پیش تھی ۔ ہندو دھرم بُت پرستی، ذات پات اور چھوت چھات کے سوا کچھ نہ تھا ۔ اس لئے تعلیم یافتہ ہندو یا تو مسلمان بن جاتا تھا یا عیسائی ۔ ہندو عیسائی مذہب کو اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ چنانچہ انہیں خطرہ صرف اسلام ہی سے نظر آیا ۔ چنانچہ انہوں نے عیسائیوں کے گھروں سے اعتراضات کا مصالحہ اکٹھا کر کے ہندوؤں کو مسلمانوں کا دشمن بنا دیا ۔

غرضکہ اسلام خطرے میں پڑ گیا تھا ۔ یہی وہ وقت تھا جس کے بارے میں فرمانِ خداوندی ہے " نبی کا خلیفہ مسلمانوں کی حالت خوف کو امن میں بدل دے گا " جیسا کہ حضرت صاحب کی بعثت سے ظہور میں آیا ۔ آپ نے اسلام کو وہ علمی طاقت عطا کی کہ دین کی سچائی اور اس کے غلبے پر لوگوں کے دلوں میں از سرِ نو ایمان پختہ ہو گیا ۔

مسلمانوں کی ایمانی حالت حضور کی اس حدیث کے عین مطابق تھی :۔

" ایک مومن شخص ایمان کی حالت میں شام کرے گا تو صبح وہ کافر ہونے کی حالت میں کرے گا ۔ اسی طرح اگر وہ صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ۔" ( )

کیونکہ وہ معیارِ زندگی قائم رکھنے کے لئے انگریزی طرزِ زندگی اختیار کرتے تھے سوسائٹی میں نام پیدا کرنے کے لئے وہ شراب اور ناچ گانوں کے عادی بن گئے تھے

ایک وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کو قرآن پاک سے عشق تھا ۔ قرآن پاک کے سوا انہیں دیگر تمام کُتب ہیچ نظر آتی تھیں ۔ اُنہوں نے ہر میدان میں ترقی کی منازل اسی کتاب کی روشنی میں طے کیں ۔ لیکن اب ان کی حالت یہ تھی کہ مسلمان طلباء شیکسپیئر اور برنارڈ شا کی کُتب میں جو لذت حاصل کرتے تھے وہ انہیں قرآن پڑھنے میں محسوس نہیں ہوتی تھی ۔

مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ کے ایک حد تک ذمہ دار اس زمانے کے علماء بھی تھے ۔ حدیث شریف میں آتا ہے :۔

" ایک زمانہ ایسا آئے گا جب فقہا آسمان کے نیچے سب سے بُرے لوگ ہوں گے ۔" ( )

تاریخ اس حدیث کی سچائی کا ثبوت پیش کرتی ہے ۔ یہ علماء مسلمانوں کو لڑاتے اور کافر بنانے کا شغل فرماتے تھے ۔ دن رات مقلد اور غیر مقلد، حنفی اور وہابی کی باہم معرکہ آرائی ہوتی تھی ۔ مناظروں میں دلائل کی بجائے پبلک کے جذبات کو اُبھارنے اور مشتعل کرنے کی کوشش کی جاتی اور پھر مخالف فریق کو کافر بنا کر اسلام سے خارج کر دیا جاتا تھا ایک مرتبہ ڈپٹی نذیر احمد نے کہا کہ اگر تمام علماء کے فتوؤں کو یکجا کیا جائے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہتا ۔ مولانا شبلی نے مسلمان علماء کی حالت کا نقشہ اس طرح پر کھینچا ہے ۔

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

الغرض مسلمانوں کے اس سیاسی، مذہبی اور اخلاقی تنزل کے انتہائی مرحلے پر خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ " ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۔" اور اس حدیث کے پورا ہونے کا وقت بھی آ گیا کہ " اے مسلمانو! سب قوموں سے زیادہ سخت تم پر عیسائی ہوں گے اور ان کی ہلاکت مسلمانوں کے ادبار کے ساتھ ہو گی ۔" چنانچہ مسلمانوں کی عالمگیر مایوسیت کے زمانے میں قادیان نامی ایک گمنام گاؤں سے آواز اُٹھی کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں اور ادیانِ باطلہ کے حملوں سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اس کا خدا ایک زندہ خدا ہے ۔ وہ آج بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح ہمیشہ سے موجود تھا ۔ اور وہ وہی خدا ہے جس نے قرآن نازل کیا اور اسلام کو ابدی دین قرار دیا ۔ اُسی خدا نے مجھے مجددِ زمان، مسیح موعود اور مہدی بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں اس دین کو کُل ادیانِ عالم پر غالب کر کے دکھاؤں ۔ اگرچہ اسلام کا ظاہری سیاسی غلبہ اس وقت مٹ چکا ہے ۔ مگر اسلام کے رُوحانی غلبے کا وقت آ گیا ہے ۔ آپ آئینہ کمالاتِ اسلام میں فرماتے ہیں :۔

" یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جُوئی کی کوئی حاجت نہیں ہے بلکہ زمانہ اب اسلام کی رُوحانی تلوار کا ہے جیسا کہ کسی وقت وہ اپنی طاقت دکھا چکا ہے ۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب ان لڑائی میں دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا ۔"

از مکرم جناب مولانا شیخ عبدالحق صاحب کراچی۔

جماعتِ احمدیہ لاہور کے عقائد

پر انصاف پسند علمائے اسلام ٹھنڈے دل سے غور کریں

پاکستانی مولوی صاحبان کو بخوبی علم ہے۔ کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کے عقائد اسلام و ارکانِ دین وہی ہیں جو اکابر اہلِ سنت اور صحابہ کرامؓ کے تھے۔ اور فقہی مسائل میں ہماری جماعت حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے مسلک پر ہے نیز حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف "آخری نبی" بلکہ بقول حضرت مجدد الوقت جو شخص "ختمِ نبوت" کا منکر ہو اُس کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتی ہے۔

یہ جماعت ہر کلمہ گو کو خواہ اس کا تعلق روافض کے ساتھ ہو یا خوارج سے مسلمان سمجھتی ہے۔ ہاں ان عقائد سے ضرور بیزار ہے جو برادرانِ اہلِ تشیع ... صحابہ کبار کے متعلق رکھتے ہیں۔ اسی طریق پر ہم برادرانِ اہلِ حدیث کے ساتھ اس امر پر متفق نہیں جو آئمہ اربعہ کی تقلید کو شرک فی الرسالت یا ذکر ولادت حضور رسالت مآب صلعم کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ .... ایسے ہی امور کے باعث ہماری جماعت جماعتِ قادیان سے علیحدہ ہوئی۔ کہ اُنہوں نے حضرت مجدد الوقت کی طرف جھوٹے طریق پر" وحی نبوت" منسوب کر کے اُن کو "نبی" قرار دیا۔ حالانکہ حضرت مجدد الوقت نے دعوے مسیح موعود کے دوران ہمیشہ ہمیشہ اپنے آپ کو اولیائے کرام کے زمرے کا ایک فرد قرار دیا ہے۔

الغرض کہاں تک لکھا جائے۔ ہمارے عقائد اسلام میں بال برابر بھی فرق نہیں ہے جن پر جماعت اہلِ سنت والجماعت ہے۔ باوجود اس کے ہمارے بعض مولوی صاحبان نے چند سنہری اور روپہلی مصلحتوں کو مدِنظر رکھ کر نیز اپنی نمبرداری کو خطرے سے بچانے کے لئے سابق وزیرِ اعظم کو "اسلامی ہیرو" بنانے کا لالچ دے کر ہم کلمہ گویوں کو جن کا اوڑھنا بچھونا اسلام اور صرف اسلام ہے یا اس کی تبلیغ اور حفاظت ہے۔ ہم کو اس سے سرکاری طور پر کافر قرار دے دیا۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ اس وقت تک ہزاروں غیر مسلم جن میں عالم و فاضل۔ فلاسفر۔ فوجی افسر۔ اور انگلینڈ کے شاہی خاندان کے فرد۔ جرمن میں بڑے بڑے فلاسفر اور فاضل اجل حضرت مولانا محمد مارمیڈیوک پکتھال مفسر قرآن شامل ہیں۔ جو ہماری تبلیغ سے مسلمان ہو چکے ہیں۔

علاوہ ازیں ہماری جماعت کے ذریعہ اس وقت کفرستانِ یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ کے بہت سے مقامات پر خدا کے فضل و کرم سے اسلامی مشن قائم ہو چکے ہیں۔ جن میں اب پانچوں وقت صدائے توحید بلند ہو رہی ہے۔ حضرت مولانا مولوی محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی عالمانہ اور بے نظیر انگریزی تفسیر قرآن ایک لاکھ سے بھی زاید عیسائی ممالک میں بھی تقسیم کی جا چکی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ کی تائید اور نصرت سے عیسائی مذہب کا زور ٹوٹ چکا ہے۔ ایسی مخلص جماعت کو ہمارے علمائے اسلام نے جھوٹے الزامات اور افتراء کے ساتھ حکومتِ پاکستان بمطابق وزیرِ اعظم کے ذریعہ "غیر مسلم" قرار دیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

(۲) فروعی مسائل میں ہماری جماعت اور پاکستانی مولوی صاحبان میں اختلاف اس امر پر ہے کہ ہماری جماعت حضرت مسیح ناصریؑ کو کتاب اللہ اور اقوال رسول اللہ صلعم کے تحت وفات یافتہ مان کر داخل جنت سمجھتی ہے۔ مگر ہمارے مولوی صاحبان خلاف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مسیح ناصری کو زندہ تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا تمام سہارا اس امر پر ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں بزرگانِ دین کی اکثریت "حیاتِ مسیح" کی قائل ہے۔ کاش ہمارے مولوی صاحبان اپنی تائید میں ان بزرگانِ دین میں سے کسی ایک کی صرف ایک سطر ہی بطور دلیل حیاتِ مسیح کے ثبوت میں پیش کر دیتے۔

مگر افسوس ہے کہ وہ دلائل کے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ "نزول ابن مریم" تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے۔ اور ایسی پیشگوئیاں جن کا تعلق آئندہ زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان میں مجاز اور استعارہ کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ اور مخفی پردہ صرف وہی "مردِ مومن" اُٹھاتا ہے۔ جو اس پیشگوئی کا مصداق ہو۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب حضرت مجدد الوقت نے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے مسیح ناصری کی وفات کا ثبوت بہم پہنچا دیا۔ اس لئے احادیث میں جس مسیح کے آنے کا ذکر ہے۔ وہ صرف اُمتِ محمدیہ کا کوئی فرد ہی ہو سکتا ہے۔ مسیح ناصری تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جو بنی اسرائیل میں حضرت موسےٰ کا ایک خلیفہ تھا۔ جس نے اپنی قوم کے لئے کوئی کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دیئے۔ جو ساری عمر یہودیوں سے مار کھاتا رہا۔ اور اپنے آپ کو موت سے بچانے کے لئے جگہ بہ جگہ چھپتا رہا۔

علاوہ ازیں یہ کوئی ایسی اُلجھن بھی نہیں ہے جو مولوی صاحبان سے دُور نہیں ہو سکتی۔ اسلامی مذہبی لٹریچر میں ایسی نظیریں موجود ہیں۔ کیا ہمارے مولوی صاحبان اس واقعہ کو کبھی بھول سکتے ہیں جو صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ پارہ تیسواں میں موجود ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے اللہ تعالےٰ کی حلف کے ساتھ "محمد بن منکدرؓ" کو فرمایا کہ "ابن صیاد" ہی دجال ہے۔ جب انہوں نے حضرت جابرؓ کو قسم کے متعلق روکا۔ تو حضرت جابر نے نہایت اصرار یا شدت کے ساتھ تردید کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا :- کہ حضرت عمرؓ نے خدا کی قسم کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے یہی فرمایا ہے کہ "ابنِ صیاد" ہی دجال ہے۔ اور حضور رسالت مآب صلعم نے اس کی تردید نہیں کی۔ کیا مولوی صاحبان اس کی تشریح فرمائیں گے۔ کہ دجال کے بارے میں اب وہ اپنے موقف کو صحیح سمجھ کر نعوذ باللہ ... نعوذ باللہ حضرت عمرؓ جیسے برگزیدہ فخرِ اسلام کو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاموشی کو کیا قرار دیں گے۔

ٹھیک اسی طریقہ پر ہمارے وہ بزرگانِ دین جنہوں نے نو مسلم عیسائیوں کی تالیف قلوب کی خاطر حیاتِ مسیح کے متعلق خاموشی اختیار کی۔ تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ ایسے بزرگانِ دین نے حیاتِ مسیح کے ثبوت میں ایک سطر تک بھی نہیں لکھی اور ان کی توجہ "وفاتِ مسیح" کی طرف اس لئے مبذول نہیں ہوئی کہ عیسائی پادریوں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لئے اس وقت تک "حیاتِ مسیح" کو بطور ہتھیار استعمال نہیں کیا تھا۔ حالانکہ "مجمع البحار" میں لفظ "حکم" کی بحث کے سلسلہ میں حضرت امام مالک کے یہ الفاظ اب تک موجود ہیں "الاکثر علےٰ ان عیسےٰ لم یمت وقال مالک مات"

اب جبکہ اس مسئلہ کو حضرت مجدد الوقت نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت کر دکھلایا ہے۔ پھر بھی مسیح ناصری کو زندہ ماننا اسلام کی ہتک کرنے کے مترادف ہے۔ ذیل کے چند واقعات پاکستانی مولویوں کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ یا تو آپ صاحبان کسی ایک کی تردید کر کے دکھلائیں۔ یا پھر مسیح ناصری کی وفات کو تسلیم کر لیں۔ آپ کی خاموشی سے اب سچائی کا خون نہیں ہوگا۔ اور مسلمانوں پر اصل حقیقت ظاہر ہو کر رہے گی۔ وہ واقعات حسب ذیل ہیں :-

ا۔ آپ حضرات حضرت مسیح ناصری کی پیدائش کو معجزانہ۔ ان کی شیر خوارگی کے زمانہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے نبوت اور انجیل کے ملنے کے علاوہ ان کی صفت گویائی کو اس حد تک قائل ہیں کہ مسیح ناصری نے یہودیوں کے فقیہوں اور فریسیوں کو اپنی ماں کی گود میں ہی شکست دی۔ اگر آپ کے اس فہم قرآن کے مدِنظر کوئی پادری آپ سے پوچھ لے کہ کیا دُنیا میں حضرت آدم تا انتہا حضرت رسالت مآب بجز مسیح ناصری کوئی دوسرا نبی اس فضیلت کا ہوا ہے جس کو پیدا ہوتے ہی نبوت یا کتاب اللہ ملی۔ تو آپ صاحبان کی طرف سے کیا جواب ہے۔ حضرات مولوی صاحبان اسلام پر رحم کریں۔ اور جماعتِ احمدیہ لاہور کو "کافر" یا "غیر مسلم" ٹھہرانے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ پادریوں کا منہ توڑ جواب بہ مطابق کتاب اللہ اور اقوال رسول اللہ صلعم صرف اور صرف اسی جماعت کے پاس ہے۔ عیسےٰؑ کے مرنے سے عیسائیوں کا خدا مرتا ہے۔ آپ ان کو آسمان پر چڑھانے سے مُردہ عیسائیت کی لاش کو زندہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

ب۔ آپ حضرات اس امر کے بھی قائل ہیں۔ کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسےٰؑ کو صلیب دینے کے لئے پکڑنا چاہا۔ تو اللہ تعالےٰ نے مسیح ناصری کو فی الفور آسمان پر زندہ اُٹھا لیا اور (۲) ان کی شبیہ مبارک دوسرے شخص پر ڈال دی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے جناب مسیحؑ کو آسمان پر اُٹھانا ہی تھا۔ تو ان

میں کیا حکمت یا دینی مصلحت تھی کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کی شبیہہ دوسرے پر ڈال دی۔ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے موقع پر مکہ معظمہ سے نکلتے ہیں۔ تو حضرت علیؓ آپ کی جگہ سو جاتے ہیں تا دشمنان یا کُفارِ مکہ کو یہ پتہ نہ چلے۔ کہ حضورؐ چلے گئے اور وہ فوراً تلاش میں نکل کر حضورؐ کو گرفتار نہ کرلیں۔ تو کیا آپ حضرات اس کی وضاحت فرمائیں گے۔ کہ حضرت عیسےٰؑ کو بھی یا نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ عیسائیوں کے خدا کو بھی یہ فکر تھی کہ بغیر شبیہہ بنائے ظالم یہودی آسمان پر پہنچ کر مسیح ناصری کو واپس اُتار لائیں گے؟ آخر اللہ تعالےٰ کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے۔ بے گناہ انسان کو شبیہہ ڈال کر قتل کروانے میں اللہ تعالےٰ کی کیا حکمت تھی۔ اور یہ بھی جائے غور ہے۔ اگر مسیح ناصری اپنا شبیہہ ڈالے بغیر آسمان پر چلے جاتے تو یہودی ان کا کیا بگاڑ لیتے۔ ازیں قبیل روایات کے گھڑنے والوں کو اتنی بھی سمجھ نہ تھی کہ ایسی لغو اور لچر باتوں سے حضرت مسیح آسمان پر جاتے جاتے خونِ ناحق کے مرتکب ٹھہرائے جائیں گے۔

ج۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام کے متعلق یہ قانون بیان فرمایا ہے ماجعلناھم جسداً لایأکلون الطعام وما کانوا خالدین جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی حوائجِ بشری کا محتاج ہے۔ آپ حضرات بالکل اس کے برعکس یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ (۱) حضرت عیسےٰؑ دو ہزار سال سے آسمان پر براجمان ہیں۔ نہ وہ کھاتے ہیں اور نہ ہی پیتے ہیں اور ان کے جسم میں قطعاً کسی قسم کا تغیّر و تبدّل نہیں ہوتا۔ جس کا صاف یہ نتیجہ برآمد ہُوا۔ کہ بقول آپ حضرات حضرت عیسےٰؑ اللہ تعالےٰ کی ان صفات میں کم از کم دو ہزار سال سے شریک ہیں۔ اور نہ معلوم کتنے ہزار سال بعد بھی جب تک ان کا نزول حقیقی نہیں ہو جاتا اللہ تعالےٰ کی ان صفات میں برابر کے شریک ٹھہریں گے۔ کیا آپ حضرات اس عقیدہ سے شرک کے مرتکب نہیں ہو رہے۔ اگر نہیں تو اس کے لئے کتاب اللہ یا اقوال رسول اللہ صلعم کی سند درکار ہے۔

د۔ کتاب اللہ سے صاف ثابت ہے۔ کہ انبیائے کرام کے متعلق اللہ تعالےٰ کی سُنّت ہمیشہ ہمیشہ سے یہ رہی ہے۔ کہ بوقت مصائب اور مشکلات جملہ انبیاء کرام کو جن میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ اسی زمین پر دشمنوں سے بچاتا رہا۔ کیا حضرات عُلمائے کرام غور فرمائیں گے۔ کہ کیا اسی سنّت کے ماتحت اللہ تعالےٰ حضرت مسیح ناصری کو یہودیوں سے اسی سرزمین پر بچا سکنے پر قادر نہ تھے؟ اگر تھے تو پھر اللہ تعالےٰ نے یہودیوں کے ڈر سے خون ناحق کروا کر حضرت عیسےٰؑ کو آسمان پر کس مصلحت کے ماتحت اُٹھایا۔ آخر دینی معاملات میں اس کی وجہ تو ہونی چاہیئے۔ اگر پادری صاحبان اس نرالے قسم کے سلوک سے مسیح ناصری کی فضیلت جُملہ انبیائے کرام پر ثابت کرنے کی کوشش فرمائیں تو آپ حضرات اس کی تردید کیونکر کریں گے۔

ہ۔ مسیح ناصری کی شخصیت بمطابق انجیل مقدس یوں بیان کی گئی ہے (۱) کہ جب یہودیوں نے مسیح کو پکڑ لیا۔ تا ان کو صلیب پر لٹکایا جائے۔ تو ایسے موقع پر پطرس رسُول نے جس کے پاس بہشت کی چابیاں تھیں۔ اپنی جان بچانے کے لئے جناب مسیح پر لعنت کی۔ اور رومیوں کو جھوٹی قسم اُٹھا کر اپنی جان بچانے کے لئے کہتا ہے کہ مَیں اس کو نہیں جانتا۔ اور باقی سب حواری بھی جھوٹ بول کر بھاگ جانے میں ہی اپنی زندگی کی عافیت سمجھتے ہیں۔ ایسا نبی جو بمطابق انجیل مقدس موسےٰ علیہ السلام کا خلیفہ ہو، جس کے معجزات کا کوئی اثر نہ یہودیوں پر ہوا اور نہ ہی حواریوں پر۔ ایسے نبی کے متعلق آپ لوگوں کا یہ اعتقاد کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ نعوذ باللہ جب مسلمانوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہوگا۔ تب آسمان سے وہ نازل ہو کر دجّال کے فتنہ کو دُور کریں گے جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہوگا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ (میرے منہ میں خاک) قرآن کریم میں دجّالی فتنہ کو دُور کرنے کی کوئی تعلیم نہیں۔ (۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی ایسی روحانیت نہیں تھی کہ وہ دجّال کا مقابلہ کرسکیں۔ کیا آپ لوگوں کے اس غلط نظریہ سے ساری اسلامی تعلیم مسیح ناصری کی محتاج نہیں ہو جاتی؟

مسلمانوں کی سیاسی طاقت کا تو قریباً قریباً خاتمہ حضرت مجدّد الوقت کے مبعوث ہونے سے قبل ہو چکا تھا۔ تبھی تو مولنا حالی "مرثیہ اسلام" لکھنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے اس وقت تک ساٹھ سے زیادہ مسلمانوں کی خود مختار سلطنتیں قائم کردیں۔ اور حضرت مجدّد الوقت کی تبلیغی کوششوں سے یہ عیسائیوں کا مُردہ خدا سری نگر کشمیر محلہ خانیار میں مدفون ہے دس سال کے عرصہ کے اندر ساری دنیا سے عیسائی مذہب کا خاتمہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ آپ لوگ ہمیں "غیر مسلم" ٹھہرانے کی بجائے عیسائیوں کے خدا کو وفات یافتہ تسلیم کرلیں۔ اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔ مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد بھی پیدا ہو جائے گا۔ کسرِ صلیب کا نظارہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے۔ (اگر ابھی تک آپ کو نظر نہیں آیا۔)

بالآخر مؤدبانہ التماس ہے۔ کہ مذکورہ بالا واقعات جن کا ہرگز ہرگز آپ لوگوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ ہمیں مجبُور کرتے ہیں۔ کہ اللہ اور اس کے رسُول کی خاطر ہم "حیاتِ مسیح" کو خلاف قرآن سمجھیں۔ اب فیصلہ یہ کرنا چاہیئے کہ آپ لوگ جماعت احمدیہ لاہور کو مذکورہ بالا عقائد کے باوجود کیسے کافر یا غیر مسلم قرار دے سکتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ میری گذارش جلد از جلد قبول فرمائیں گے۔

اخبار احمدیہ

وفات احباب کو یہ معلوم ہو کر بے حد صدمہ ہوگا کہ مولنا عبدالرحیم صاحب مبلغ ہالینڈ کی ہمدھن نی جن صاحبہ (ہالینڈ) وفات پاگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ نیک خاتون اسلام اور احمدیت سے گہرا لگاؤ رکھتی تھیں۔ چنانچہ طویل سفر کی صعوبت برداشت کرکے جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء میں شامل ہوئیں اور یہاں پر مختلف تقاریب میں اپنے خلوص بھرے جذبات و احساسات سے احمدی خواتین کو مستفید فرماتی رہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

مرحومہ کا جنازہ غائبانہ پڑھ کر دُعاءِ مغفرت کی جائے۔

ــــ ملک مشتاق احمد صاحب (لندن) کو اللہ تعالےٰ نے ایک نواسی عطا فرمائی ہے۔ انہوں نے اس خوشی میں مبلغ پچیس ۲۵ روپے بطور شکرانہ انجمن کو دیئے ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالےٰ بچی کو لمبی عمر عطا فرمائے اور دین و دنیا میں بامراد کرے۔

تبلیغی ڈاک ــــــــ (بقیہ صفحہ ۲)

(بقیہ صفحہ ۲)

کی وجہ سے میں تلاوت بھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کی تعلیمات کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ ایک نسخہ عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ میں عُمر بھر آپ کا ممنون احسان رہوں گا۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو حسناتِ اوّل و آخر سے نوازے اور عذاب و عتاب سے دُور رکھے۔ آمین۔

ــــ جواب: ــــ

عزیزی قاسم گاردو۔ دعا و پیار۔ آپ کا پیار بھرا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نیک کام والی لمبی عمر عطا فرمائے اور خدماتِ دین کے وافر مواقع [illegible]۔ ہم آپ کو چھوٹی چھوٹی اسلامی کتب بھجوا رہے ہیں۔ آپ ان کو یقیناً پسند کریں کیونکہ ان میں وہ کچھ ہے جو آپ چاہتے ہیں۔ پڑھ چکیں تو اپنی رائے سے ہمیں با[خبر] کریں، ہم آپ کو گاہے گاہے ایسی ہی کتب ارسال کرتے رہیں گے۔ آپ اپنی [نماز] کی طرف خصوصی توجہ دیں۔ نماز کی پابندی کریں۔ نماز سے نیکی کی توفیق اور بدی سے دُور رہنے کا موقعہ ملتا ہے۔ ہم آپ کو قرآن کریم ضرور بھجوائیں گے مگر ابھی نہیں ہمیں کچھ وقت دیجئے۔ انشاء اللہ ہم آپ کی یہ خواہش [illegible]

جامع احمدیہ دار السلام میں تقریبِ عید میلاد النبیؐ

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں + محمدؐ است فروزندۂ زمین و زماں

خدا نگویمش از ترسِ حق مگر بخدا + خدا نما ست وجودش برائے عالمیاں

"کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم نہ کرے۔" (حضرت مجدد زمانؑ)

آج صرف احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور اکنافِ عالم میں زندہ خدا، زندہ رسول اور زندہ کتاب کو پیش کر رہی ہے

محسن انسانیت، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور نے عید میلاد النبیؐ کی تقریب کا اہتمام جامع احمدیہ دار السلام میں کیا۔ جو مؤرخہ یکم مارچ جمعرات کو چار بجے شام بعد نمازِ عصر جامع احمدیہ، دار السلام لاہور میں الحاج ڈاکٹر سعید احمد خان صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس مبارک محفل میں مرکزی انجمن اور مقامی جماعت کے عہدیداران، اراکین، دیگر خواتین و حضرات کے علاوہ غیر از جماعت اصحاب نے بھی شرکت کی۔

سیکرٹری مقامی جماعت محترم چوہدری نذر رب اسٹیج سیکرٹری تھے۔ محترم قاری رحمت اللہ صاحب نے قرآن کریم کی تلاوت کی تنظیم شبان الاحمدیہ کے سیکرٹری عزیزی زاہد جنجوعہ نے مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پڑھ کر سنائے جس میں آپ نے حضور سرور دو عالم صلعم کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت پیش فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:۔

"ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اس پاک نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس کے ذریعہ ہم نے وہ زندہ خدا پایا جو آپ کلام کر کے اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے اور آپ فوق العادت نشان دکھلا کر اپنی قدیم اور کامل طاقتوں اور قوتوں کا ہم کو چہرہ دکھاتا ہے۔ سو ہم نے ایسے رسول کو پایا جس نے اپنی کامل طاقت سے ہر ایک چیز کو بنایا اس کی قدرت کیا ہی عظمت اپنے اندر رکھتی ہے۔" (نسیم دعوت ص۱)

"ہمیں بڑا فخر ہے کہ جس نبی علیہ السلام کا ہم نے دامن پکڑا ہے خدا کا اس پر بڑا فضل ہے، وہ خدا تو نہیں مگر اس کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا ہے۔" (چشمۂ معرفت ص۹)

"مجھے سمجھایا گیا ہے کہ تمام رسولوں میں سے کامل تعلیم دینے والا اور اعلےٰ درجہ کی پاک اور پُر حکمت تعلیم دینے والا اور انسانی کمالات کا اپنی زندگی کے ذریعہ سے اعلےٰ نمونہ دکھلانے والا حضرت سیدنا و مولٰنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔" (اربعین ص۳)

"اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو۔ اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو، میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔" (تریاق القلوب ص۱۱)

"روحانی زندگی کے تمام جاودانی چشمے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا میں آئے ہیں یہی امت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خدا تعالےٰ سے ہم کلام ہو جاتی ہے اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالےٰ کے روشن نشان اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔" (آئینۂ کمالاتِ اسلام ص۲۲۴)

"فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔" (اتمام الحجۃ ص۲۸)

"میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گذر چکے تھے۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کر سکتے۔ ان میں وہ دل وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبی کو ملی تھی ......

ہمارے نبی کریمؐ نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ الگ اور نہ مل مل کر کسی سے ہو سکتا تھا اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔" (الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۱ء)

"کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔" (الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

"تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوتِ محمدیہ ان سب پر مشتمل ہے اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اس کے اندر ہیں اور نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔" (الوصیت ص۱۲)

"میں قرآن اور احکامِ قرآنی کی خدمت اور آنحضرتؐ کے پاک مذہب کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوں اور جان تک میں نے اپنی اس راہ میں لگا دی ہے اور میرا یقین کامل ہے کہ قرآن کے سوا جو کامل اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اس کی پوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتارنے والے کو کافر اور مرتد یقین کرتا ہوں۔" (الحکم ۱۸ جون ۱۹۰۸ء)

"مجھے اللہ تعالےٰ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالےٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالےٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں اور جو کوئی ایسا کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا۔ کہ اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا خدا اور رسول پر وہ یقین ہے کہ اگر اس زمانہ کے تمام ایمانوں کو ترازو کے ایک پلہ

(باقی بر ص۱۲ کالم ۲)

بانی احمدیت کا عظیم الشان علم کلام

دیوبندی اور اہل حدیث مولویوں کا

آج سے تقریباً ایک صدی قبل جبکہ غیر مذاہب کے ماننے والے اپنی پوری طاقت سے اسلام پر حملہ آور تھے اور اسلام کس مپرسی کی حالت میں تھا۔ دنیا کے دربار میں اس کی کچھ شنوائی نہ تھی۔ ایسے حالات میں غیرت خداوندی جوش میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شوکت کو ظاہر کرنے کے لئے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو قادیان کی سرزمین سے اسلام کے فتح نصیب جرنیل کی حیثیت سے مبعوث فرمایا جو دشمنان اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ آپ اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اب وقت آگیا ہے کہ پھر اسلام کی عظمت اور شوکت ظاہر ہو اور اسی مقصد کو لے کر میں آیا ہوں میری ذات سے احیاء اسلام مقدر ہے۔"

آپ نے اسلام کی تائید میں شاندار لٹریچر شائع فرمایا۔ براہینِ احمدیہ۔ سُرمہ چشم آریہ چشمۂ مسیحی۔ نور القرآن۔ آئینہ کمالاتِ اسلام وغیرہ یہ کتابیں ہیں جو دنیا کو اسلام کا روشن اور چمکتا ہوا چہرہ دکھانے والی ہیں۔ قرآن مجید کے محامد و محاسن کو اس کے اصلی رنگ میں ظاہر کرتی ہیں۔ بانئے اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپؐ کے حُسن و جمال کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان کتابوں میں وہ تریاق موجود ہے جو دشمنانِ اسلام کے پھیلائے ہوئے زہر کا مداوا ہو سکتا ہے۔ انہی میں وہ بلند پایہ اور بے مثال علم کلام موجود ہے جس سے دشمنانِ اسلام کے ارادے خاک میں ملا دیئے۔ یہ وہ عظیم الشان لٹریچر ہے جس کو پھیلا کر آج ظلمتکدہ مغرب کو منور کیا جا رہا ہے اور اس لٹریچر میں وہ آسمانی معارف اور قرآنی حقائق موجود ہیں جن کو اپنا کر مغلوب کو غالب اور فاتح کو مفتوح بنایا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے، دیوبندی اور اہل حدیث علماء بھی حضرت بانی احمدیت کے عظیم لٹریچر کو خراج تحسین پیش کر چکے ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں :-

"یہ دور مذہبی مناظروں کا دور تھا .... عیسائی پادری مذہب مسیحیت کی تبلیغ و دعوت اور دینِ اسلام کی تردید میں سرگرم تھے .... آریہ سماجی مبلغ جوش و خروش سے اسلام کی تردید کر رہے تھے۔ مسلمانوں پر عام طور پر یاس و نا اُمیدی اور حالات و ماحول سے شکست خوردگی کا غلبہ تھا .... عوام کی بڑی تعداد کسی مردِ غیب کے ظہور اور کسی ملہم اور مؤید من اللہ کی آمد کی منتظر تھی۔ کہیں کہیں یہ خیال بھی ظاہر کیا جاتا تھا کہ تیرھویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا ظہور ضروری ہے۔ مجلسوں میں زمانۂ آخر کے فتنوں اور واقعات کا چرچا تھا۔" (قادیانیت ص۱۷)

آگے چل کر سید صاحب لکھتے ہیں :-

براہین احمدیہ

"مرزا صاحب ...... نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب کی تصنیف کا بیڑا اُٹھایا جس میں اسلام کی صداقت قرآن کے اعجاز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بدلائل عقلی ثابت کیا جائے گا اور بیک وقت مسیحیت سناتن دھرم آریہ سماج اور برہمو سماج کی تردید ہو گی۔ انہوں نے اس کتاب کا نام "براہین احمدیہ" تجویز کیا .... ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب [illegible] اہمیت حاصل ہے۔ اُنہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں اس پر ایک طویل تبصرہ یا تقریظ لکھی جو رسالہ کے چھ نمبروں میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں کتاب (براہین احمدیہ) کو بڑے شاندار الفاظ میں سراہا گیا ہے اور اس کو عصرِ حاضر کا ایک علمی کارنامہ اور تصنیفی شاہکار قرار دیا گیا ہے۔"

(قادیانیت ص۵۹)

ذی شان خیر مقدم

براہین احمدیہ کی اشاعت نے ملک کے مذہبی حلقہ میں ایک غیر معمولی تموّج پیدا کر دیا۔ مسلمانوں نے علم کلام کے مصنف براہین کا ایک مجدد ذی شان کے طور پر خیر مقدم کیا اور مخالفین اسلام کے کیمپ میں بھی اس گولہ باری سے ہل چل مچ گئی۔

(ابوالحسن علی ندوی از کتاب قادیانیت ص۶۱)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے براہینِ احمدیہ پر جو بسیط ریویو کیا ہے اس کو طوالت کی خاطر درج نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے اس کا ذکر کر دیا ہے۔ البتہ کتاب سُرمہ چشمِ آریہ پر جو ریویو کیا گیا ہے اس کو درج کیا جاتا ہے :-

سُرمۂ چشمِ آریہ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

لکھتے ہیں :- "یہ کتاب لاجواب مؤلف براہین احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب رئیسِ قادیان کی ایک تصنیف ہے جو بغرض ریویو مصنف عالی مرتبت نے ہمارے پاس بھجوائی ہے۔ اس میں جناب مصنف کا ایک ممبر آریہ سماج سے مباحثہ شائع ہوا ہے جو معجزہ شق القمر اور تعلیم وید پر بمقام ہوشیار پور ہوا تھا .... حمیت و حمایت اسلام تو اس میں ہے کہ ایک ایک مسلمان اس کتاب کے دس دس بیس بیس نسخہ خرید کر ہندو مسلمانوں میں تقسیم کرے اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اصولِ اسلام کی خوبی اور اصولِ مذہب آریہ کی برائی زیادہ شیوع پائے گی اور اس سے آریہ سماج کی ان مخالفانہ کارروائیوں کو جو اسلام کے مقابلہ میں وہ کرتے ہیں روک ہو گی اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کی قیمت سے دوسری تصانیف مرزا صاحب (سراج منیر) جلد چھپنے اور شائع ہونے کی ایک صورت پیدا ہو گی۔ ہم نے سنا ہے کہ اس وقت تک سراجِ منیر کا طبع ہونا عدم موجودگی زر کے سبب معرضِ التوا میں ہے اور اس کے مصارفِ طبع کے لئے آمد قیمت سرمۂ چشم آریہ کا انتظار ہے۔ یہ بات صحیح ہے تو مسلمانوں کی حالت پر کمال افسوس ہے ایک شخص اسلام کی حمایت میں تمام جہان کے اہل مذاہب سے مقابلہ کے لئے وقف اور فدا ہو رہا ہے پھر اہلِ اسلام کا اس کام کی مالی معاونت میں یہ حال ہے شاید ان خام خیالوں

کو یہ خیال ہوگا کہ مرزا صاحب اپنے دس ہزار روپیہ کی جائیداد جس کو انہوں نے مخالفین اسلام کو مقابلہ پر انعام دینے کے لئے رکھا ہوا ہے فروخت کرکے صرف کرلیں تو سمجھے کہ وہ ان کو مالی مدد دیں گے۔ ان کا واقعی یہی خیال ہے تو ان کا حال اور بھی افسوس کے لائق ہے۔ اس اظہار افسوس پر بھی ان کا یہی حال رہا اور انہوں نے بہت جلد سرمہ چشم آریہ کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھا کر معارف طبع سراج منیر کے لئے روپیہ مہیا نہ کردیا تو ہم کو ان کے حال پر آنسو بہانے پڑیں گے اے خدا تعالیٰ تو ایسا نہ کر مسلمانوں کو دلی ہمت و سماحت و ہمدردی عطا فرما۔ آمین ثم آمین"

(رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۹ ص ۱۴۸ تا ۱۵۸ ۱۸۸۶ء)

وید اور قرآن کا مقابلہ

"جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرحوم و مغفور نے ایک چھوٹی سی کتاب "وید اور قرآن کا مقابلہ" کے نام سے تالیف فرمائی جس میں ممدوح نے نہایت قابلیت اور معقولیت کے ساتھ وید اور قرآن کا مقابلہ کیا ہے۔ آریوں کے مقابلہ میں جناب مرزا صاحب کا قلمی جہاد بجائے خود ایک ایسی قابلِ قدر اسلامی خدمت ہے جس کا اسلامی پبلک شکر گذاری کیساتھ اعتراف کرتی ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کی تالیفات اور تصنیفات آریوں کے مقابلہ میں ایک زبردست کارگر حربہ کی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے جو مسلمان آریوں کے ساتھ مذہبی جنگ میں مظفر و منصور ہونا چاہتے یا ایک غیر مذہب کے متعلق اپنی معلومات بڑھانا چاہتے ہیں انہیں مرزا صاحب کی مذکورہ بالا تالیف کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔"

(رسالہ تبلیغ لاہور جلد ۱ نمبر ۱۰ صفحہ ۴۳)

سراج دین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔

"یہ کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت و شان کو آشکار کرنے کے لئے اور عیسائی مبلغین کے مخالفانہ و معاندانہ حملوں سے بچاؤ کی خاطر ۱۸۹۷ء میں مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ السلام) نے برائے رفاہ عام شائع کی مسلمانوں کے کسی فرقے کو عیسائیوں کے حملوں کا جواب دینے کی ہمت نہیں۔" (رسالہ جدید جہد۔ جون ۱۹۶۳ء ص ۲)

وجد پیدا کرنے والی نادر کتابیں

"اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی مگر ان کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوسکتی .... غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا۔ ان کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کردیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے۔"

(مولانا عبداللہ العمادی، اخبار وکیل ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

کلام الامام

اپنوں کی جاہ و حشمت پر بلا آوے ہزار ⁂ سلطنت تیری ہے جو رہتی ہے دائم برقرار
عزت و ذلت یہ تیرے حکم پر موقوف ہے ⁂ تیرے فرماں سے خزاں آتی ہے اور بادِ بہار
(حضرت مسیح موعودؑ)

تقریب عید میلاد النبیؐ ـــ بقیہ صفحہ نمبر ۱۰

میں رکھا جائے اور میرا ایمان دوسرے پلہ میں تو بفضلہ تعالیٰ یہی پلہ بھاری ہوگا۔" (کرامات الصادقین ص ۲۵)

مہدیٔ دوران اور مسیحِ زمان کی تحریرات میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے انمول موتی ہیں۔ جو صاحبان نظر و قدر کے سامنے غور و فکر کے لئے آئینے رکھتے ہیں اس حقیقت کا اعتراف کے کہ حضرت امامِ زماں کے دل میں کیا عشق تھا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

ملفوظات کے بعد عزیزی اسحاق ہلی نے حضرت مسیح موعودؑ کی مشہور نظم ترنم سے پڑھی:۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ⁂ نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے

اس کے بعد صدر مقامی جماعت چوہدری مسعود اختر نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے حاضرین کو اس تقریب سعید میں شرکت کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ ازاں بعد آپ نے ایک مقالہ پڑھا جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و احسانات بیان کئے جو آپ نے عالم انسانیت پر کئے ہیں۔

جناب چوہدری صاحب موصوف کے بعد محترم حافظ شیر محمد صاحب خوشابی مبلغ فیجی اور مکرم میرزا مسعود بیگ صاحب نے بڑے مؤثر اور دلنشین پیرایہ میں سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و عظمت و شان پر روشنی ڈالی، اور فرمایا کہ آج حضور کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی سے مسلمانانِ عالم کی فلاح و نجات وابستہ ہے۔ (تقریریں موصول ہونے پر شائع کر دی جائیں گی۔)

پھر ایک ننھی بچی عزیزی شاہدہ بشیر نے ایک مضمون پڑھا جس میں بیان تھا کہ ہمارے دِل و جان سے پیارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت و برکت کے موجب ہیں۔ آپؐ نے جو دین پیش کیا وہ قیامت تک کے لئے ہے اور ساری دنیا کے لئے ہے۔ آپؐ آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر جو کتاب اُتاری یعنی قرآن کریم وہ بھی آخری کتاب ہے۔ ہم سب کو اس کی تعلیم پر غور کرنا چاہیئے تاکہ یہ دنیا جنت نظیر بن جائے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ جشن عید میلاد النبیؐ صلعم کے موقعہ پر عہد کریں کہ ہم نماز کی پابندی کریں گے۔ قرآن کریم کی تلاوت کریں گے۔ نیکی کی باتیں کریں گے۔ بُری باتوں سے خود بھی بچیں گے اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کریں گے۔ اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعودؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مکمل پیروی سے اونچا رُوحانی مقام حاصل کیا اور اپنی جماعت کو بھی تلقین فرمائی کہ حضور صلعم کے اُسوۂ حسنہ پر چلنے ہی سے حقیقی کامیابی ہے۔ لہٰذا ہمیں اگر اس زندگی اور دوسری زندگی میں اطمینان و سکون کی ضرورت ہے اور یقیناً ضرورت ہے تو ہمیں اسوۂ حسنہ نبوی صلعم پر عمل کرنا چاہیئے۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہم رضائے الٰہی کو حاصل کرسکتے اور اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرسکتے ہیں۔ مکرم مولانا حافظ شیر محمد صاحب خوشابی نے خوش ہوکر عزیزہ موصوفہ کو نقد پانچ روپیہ انعام دیا۔ پھر شام کی نماز ادا کی گئی۔ آخر میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اختتامی دُعا فرمائی۔ (رپورٹر)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۳ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــ شمارہ نمبر ۱۰

مولوی محمد علی صاحب

جلد ۲۶ — یوم چہارشنبہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۷۹ء — نمبر ۱۲

ملفوظات حضرت مجدد زمان مسیح موعود علیہ السلام

مسلمان کون ہے؟

یہ خیال مت کرو کہ ہم مسلمان ہیں اور بس اسلام بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرو اور شکر کرو۔ اس کے اندر فلاسفی ہے جو زبان سے کہہ دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے تمام تصرفات کے نیچے آجانے کا نام ہے اور اس کا خلاصہ خدا کی سچی اور کامل اطاعت ہے مسلمان وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالیٰ کے حضور رکھ دیتا ہے۔ بدوں کسی اُمید پاداش کے من اسلم وجھہ للہ فھو محسن۔ یعنی مسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اور تمام نیکیاں اور اعمال حسنہ اس سے صادر ہوں وہ مشقت اور مشکل کی راہ سے نہ ہوں بلکہ ان میں ایک لذت اور حلاوت کی کشش ہو۔ جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت سے تبدیل کر دے حقیقی مسلمان اللہ تعالیٰ سے پیار کرتا ہے۔ یہ سمجھ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبوب اور مولا پیدا کرنے والا محسن ہے۔ اس لئے اس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کو اگر کہا جائے کہ ان اعمال کے بدلے اسے کچھ نہ ملے گا اور نہ کوئی بہشت ہے نہ دوزخ نہ آرام نہ لذت، تب بھی وہ اپنے اعمال صالحہ اور محبت الٰہی کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ اس کی عبادت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں فنائیت کسی اجر یا ثواب کی بناء اور اُمید پر نہیں بلکہ وہ اپنے وجود کو ایسی چیز سمجھتا ہے کہ وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی شناخت اور اس کی محبت اور اطاعت کے لئے بنائی گئی ہے اور بجز اس کے اس کا کوئی مقصد اور غرض ہے ہی نہیں۔ اس لئے وہ اپنی تمام خدا داد قوتوں کو جب ان اغراض اور مقاصد کے لئے صرف کرتا ہے تو اسے اپنے محبوب حقیقی کا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔

"تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو، اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں"

تبرکات ——— حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

اولیاء اللہ کی زندگیوں میں دو چیزیں نمایاں ہوتی ہیں
عبادت کی زیادتی — کام کی زیادتی

فرمایا:۔ "میں احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ ہمارا کام بہت عظیم الشان کام ہے، اسلام کو دنیا میں پہنچانا ہے، قرآن اور نبی کریم صلعم کے نور سے دنیا کی ظلمتوں کو دور کرنا ہے۔ ہمارا یہ عظیم الشان کام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے اموال کو اس کے حصول کے لئے خرچ کریں ...... لیکن ایک اور چیز کی ضرورت ہے جس کے بغیر ہمارے اموال اور کوششیں بھی بار آور نہیں ہو سکتیں ...... وہ ہے خدا کے آگے گرنا اور اس کے حضور دعائیں کرنا اور اس کے قرب کو حاصل کرنا ...... لوگوں کو یہ راہ مشکل نظر آتی ہے۔ لیکن یاد رکھیئے وہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان یقینی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

دعا کا بہترین وقت سارے قرآن کو پڑھ کر دیکھ لو نبی کریم صلعم کے تمام حالات کو دیکھ لو، ایک ہی نظر آئے گا۔ وہ ہے پچھلی رات کا وقت ...... سورۃ مزمل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ کس طرح نبی کریمؐ اور صحابہ رضؓ کی پاک جماعت راتوں کو اٹھ کر خدا کے ہاں سربسجود رہتے تھے ...... خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ رات کا اٹھنا انسان کے دل میں ایک زبردست قوت و طاقت پیدا کر دیتا ہے ...... رات کا اٹھنا اور خدا کے حضور قیام کرنا یہ زیادہ کام کرنے کا نسخہ ہے۔ جیسے ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے۔ ہم نے امام زمان حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے، رات کا بیشتر حصہ تہجد کی نمازیں گذارتے تھے۔ ان کے کام کو بھی دیکھ لیجئے کہ کس قدر عظیم الشان وہ کام ہے۔ عمر کے آخری لمحوں تک کتابوں پر کتابیں لکھتے چلے گئے ہیں۔ وہ صرف کتابیں لکھنے والے نہ تھے، بلکہ خدا سے تعلق پیدا کر کے خدا سے روشنی حاصل کر کے لکھتے تھے ...... بڑے بڑے اولیاء اور برگزیدہ لوگوں نے اس راہ کو آزمایا اور صحیح پایا۔ اور ان کی زندگی میں دو چیزیں بین طور پر نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایک عبادت کی زیادتی اور دوسرے کام کی زیادتی ...... راتوں کو اٹھئے اور دعائیں کیجئے۔ قرآن کی خدمت کی توفیق کا مل جانا بہت بڑی نعمت ہے۔ خدا کے آگے گڑگڑایئے۔ تمہیں وہ روحانی طاقت نصیب ہو جس سے تم اس قرآن کے نور کو دوسروں تک پہنچا سکو۔

میں تمام احباب جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے نصب العین میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے (دعا) جس قدر ہو سکے خدا کے حضور میں گریہ و زاری اور دعا پر زور دیں۔ یہاں تک کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے دعا کا پہلو ان پر غالب رہے ...... جماعت کی نمازوں سے ایک بلند مقصد حاصل ہوتا ہے۔ مگر تنہائی میں بھی کچھ حصہ نماز کا ضرور ادا کرو۔ گھر کے کسی کونے کے اندر جہاں سوائے خدا کے اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو اس نماز کی عادت ڈالو کہ جب تم خدا کے آگے سجدہ میں گرو اور پھر اپنے سر کو اٹھانا چاہو تو اٹھا نہ سکو۔

دلوں کی تڑپ — میں آپ سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں۔ وہ ہے دلوں کی تڑپ۔ اشاعت قرآن کے لئے ایک تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کیجئے۔ خدا کے آگے گریئے۔ اور گڑگڑایئے کہ اے خدا یہ تیرا پاک کلام جس میں ایک بیش قیمت خزانہ ہے یہ کیوں آج بے کسی کی حالت میں پڑا ہے۔ تو اپنے فضل سے اس کی اشاعت کے لئے کوئی اسباب پیدا کر دے۔ اور ہمارے قلوب میں اس کی خدمت کے لئے ایک تڑپ پیدا کر دے۔ ایک ایک آدمی آپ میں سے اٹھے اور خدا کے آگے روئے۔ اگر رات کو گرم بستر چھوڑ نہیں سکتے تو دن کو ہی کسی وقت خدا کے حضور تنہائی میں گر جایئے اور دعا کیجئے کہ آخر ہم قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے سے کیوں عاجز آ گئے ہیں۔ ہم نے امام زمانؑ سے ایک عہد اور اقرار کیا تھا۔ پھر کیوں ہم میں اس کے پورا کرنے کے لئے طاقت و قوت نہیں رہی۔

قرآن کریم سے محبت پیدا کریں — سو میں احباب سے درخواست کروں گا کہ وہ قرآن شریف سے ایک دلی عشق اور محبت پیدا کریں اور اسے بار بار پڑھیں۔ کیا عشق ہے اور کیا محبت ہے جس کا اظہار امام وقت نے قرآن مجید سے کیا۔ اگر آپ واقعی اس امام کی جماعت ہیں تو پھر اس عشق کو اپنے قلوب میں پیدا کیجئے جس کا نمونہ امام زمانؑ نے اپنی زندگی میں ہمارے سامنے رکھا۔

نوجوانوں کو نصائح — نوجوانوں کے لئے جو ابھی زندگی کی منزل میں داخل ہو رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد ہو اور وہ مقصد بلند ہونا چاہیئے۔ مقصد کی بلندی یا پستی کے مطابق ہی اچھی اور بری استعدادیں نشوونما پاتی ہیں۔ قرآن نے وہ زندگی کا اعلیٰ مقصد ان بلند الفاظ میں پیش کیا ہے: وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ...... کہ جس طرح رسول تمہارا پیشرو ہے اسی طرح تم تمام اقوام عالم کے پیشرو بن جاؤ ...... یہی وہ بلند مقصد ہے جس کی طرف امام وقت نے ہمیں بلایا ہے کہ تم صحیح راستہ دکھانے والے بن جاؤ ......

دوسری بات یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک بلند مقصد رکھ دیا گیا ہے بلکہ اس کے لئے راستہ بھی صاف کر دیا گیا ہے، صرف راستہ ہی صاف نہیں کیا گیا بلکہ اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی گئی ہیں۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ اپنے آپ کو پوری طرح وابستہ اور وقف نہ کیا جائے۔ اور اس مقصد کے ساتھ زبردست محبت نہ ہو ......

اور چوتھی ضرورت حصول مقصد کے لئے یہ ہے کہ انسان اس کے لئے محنت کرے اور محنت بھی اس قدر زبردست کہ اس سے کبھی تھکے نہیں ......

آپ سب فوج کے سپاہیوں کی طرح ہیں۔ کوئی رات خالی نہیں جاتی جبکہ مجھے پچھلی رات میں خدا کے آگے گرنے کا موقع نہ ملے اور میرے دل میں یہ احساس نہ ہو کہ میں اپنی جماعت کے ساتھ خدا کے حضور میں کھڑا ہوں۔ اس وقت میں دعا کرتا ہوں تو جماعت کا ایک ایک چہرہ میرے سامنے آ جاتا ہے، اور میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تو ان کی ہمتوں کو بلند کر، ان کو دین کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیوں کی توفیق عطا فرما۔

ہم لوگ اپنی عمر کی آخری منزلوں میں ہیں۔ آئندہ کے لئے یہ سارا بار آپ پر آنے والا ہے۔ میں تو اپنی عمر کی اتنی منزلیں طے کر چکا ہوں کہ مجھے جب ایک برس مزید ملتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض GRACE (فضل) ہے۔ میرے پیارے ساتھی خواجہ کمال الدین مرحوم، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم، یہ سب باسٹھ تریسٹھ سال کی عمر میں اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں۔ میں تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۹۳۸ء میں جب سخت بیمار ہوا تو بظاہر تو یہ پیغام آ گیا جانے کے لئے ہی تھا۔ خدا نے اپنی مصلحت سے خدمت دین کا کچھ اور کام کرنے کا موقع دے دیا۔

ایک سوال کا جواب

معاصر "انصاف" کے ایڈیٹر جناب میر عبدالعزیز صاحب نے اپنے خط میں مدیر پیغام صلح کی معرفت جناب نصیر احمد فاروقی صاحب سے ایک سوال پوچھا ہے۔ سوال بمع جواب درج ذیل ہے۔ (ادارہ)

مدیر "انصاف" کا خط } "مکرمی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔
تسلیم

نصیر احمد فاروقی صاحب کے مضمون "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک زبردست شہادت" کے حوالے سے آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ برنباس کی انجیل جو قرآن کونسل آف پاکستان نے کراچی سے ۱۹۷۳ء میں طبع کی ہے میں نے بھی پڑھی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو پیشین گوئیاں اس انجیل میں درج ہیں۔ ان کو نقل کرنے کے بعد فاروقی صاحب نے لکھا ہے کہ "الغرض اس انجیل کی شہادت کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔"

میرا خیال ہے کہ فاروقی صاحب نے یہ ساری انجیل پڑھی ہوگی۔ اس کے اخیر میں واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ جس شخص کو حضرت عیسیٰؑ کی جگہ صلیب پر چڑھایا گیا تھا وہ JUDAS ISCARIOT یہودا اسکریوط تھا جس کی شکل عیسیٰؑ سے ملتی تھی اور اس موقعہ پر اس کو یہودیوں نے عیسیٰؑ سمجھ کر ہی صلیب پر لٹکایا۔ اللہ نے اس کو سزا دی کیونکہ اس نے عیسیٰؑ سے غداری کی تھی۔ اور اصلی حضرت عیسیٰؑ کو فرشتہ حوالات کی چھت توڑ کر اور نکال کر آسمان پر لے گیا تھا۔

اگر برنباس کی انجیل کو فاروقی صاحب واقعی اتنا مستند سمجھتے ہیں تو اس کے آخری بیان کو بھی مستند سمجھنا پڑے گا۔ ....

میں نے "پاکستان ٹائمز" میں ایک بار کسی مراسلے میں برنباس کی انجیل کا حوالہ دیا تو سیالکوٹ سے ایک عیسائی بشپ نے مجھے لکھا کہ یہ انجیل جعلی ہے۔

فاروقی صاحب سے متذکرہ صدر بات کا جواب اور یہ خط آپ شائع کر سکتے ہیں۔" والسلام

میر عبدالعزیز - $\frac{2}{79}$-۱۷

الجواب

میر عبدالعزیز صاحب کے خط میں جو باتیں میرے لئے جواب طلب ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

(۱)- سیالکوٹ کے ایک عیسائی بشپ نے انہیں لکھا ہے کہ برنباس کی انجیل جعلی ہے۔

(۲)- اگر اس انجیل کو مستند ماننا ہے تو اس کے آخر میں تو لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب نہیں پر چڑھایا گیا بلکہ خدا کے فرشتے انہیں بند حوالات میں سے نکال کر تیسرے آسمان پر بمع جسدِ عنصری کے لے گئے تھے اور ان کی جگہ ان کے مرید یہودا اسکریوتی کو جس نے تیس سونے کے سکّے لے کر انہیں یہودیوں کے ہاتھوں پکڑوا دیا تھا صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا کیونکہ اس کی شکل حضرت عیسیٰؑ سے ملتی تھی۔

آیا برنباس کی انجیل جعلی ہے یا نہیں اس پر میں نے مفصّل بحث اپنے اصل مضمون میں کی ہے۔ مختصراً پھر عرض ہے کہ اگر یہ انجیل جعلی ہے تو یہ جعلسازی کس نے کی؟ پادری صاحبان نے خود اس کا جواب دیا ہے کہ کسی مسلمان نے کی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس انجیل میں عیسائی اور یہودی مذاہب، ان کی کتابوں، ان کے صحائف، ان کے عقائد اور ان کی روایات کا اس قدر گہرا اور وسیع علم عیاں ہے کہ پادری صاحبان کو مزید گھڑنا پڑا کہ اس کا مصنف ایک یہودی تھا جو بعد میں عیسائی ہوا اور بالآخر مسلمان۔ یہ تمام مفروضات ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس لئے کہ اسلام تو عیسائیت کے قریباً چھ سو سال بعد آیا مگر:-

(۱)- برنباس کی انجیل کا ذکر دوسری صدی عیسوی میں ملتا ہے جب ایرینیس (IRANEUS) نے اس میں سے بکثرت حوالے دے کر پولوس کے غلط عقائد دربارۂ تثلیث و کفارہ وغیرہ کی زبردست مخالفت کی۔

(۲)- جب ۳۲۵ء میں کونسل آف نیشیا (NICEA) میں اس وقت کی رائج تقریباً تین سو اناجیل کا جائزہ لیا گیا تو ان میں برنباس کی انجیل بھی تھی جسے غیر مستند قرار دیا گیا اور صرف چار آج کل کی رائج الوقت اناجیل کو مستند قرار دیا گیا۔ اس انجیل کو غیر مستند قرار دینے کی وجہ عیاں ہے کہ اس میں خدا کی توحید کا صاف الفاظ میں اقرار بلکہ اصرار اور حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کا انکار بار بار ہے جو کہ اس وقت کے تثلیث اور کفارہ وغیرہ کے عقائد کے خلاف تھا۔

(۳)- مگر چونکہ عیسائیت اس وقت تک دُور دراز علاقوں میں پھیل چکی تھی اور ذرائع نقل و حمل آسان نہ تھے اس لئے برنباس کی انجیل پھر بھی محدود رنگ میں رائج رہی یہاں تک کہ پوپ گلاسیس اوّل نے اس کا پڑھنا پڑھانا بالکل حرام قرار دیا۔ پوپ مذکور کے حکم امتناعی میں اس انجیل کا نام لاطینی زبان میں "AVANGELIUN BARNABE" صاف نشان دہی کر رہا ہے۔

(۴)- یہ واقعہ رسول اللہ صلعم کی ولادت سے قریباً ۷۵ سال پہلے اور اسلام کے ظہور سے قریباً ۱۱۵ سال پہلے ہوا۔

(۵)- اگر یہ انجیل کسی مسلمان نے لکھی تھی تو یہ مسلمانوں میں معلوم بلکہ رائج ہونی چاہیے تھی۔ مگر نہ صرف یہ کہ ایسا نہ ہوا بلکہ اس انجیل کا ذکر تک کسی مسلمان مؤرخ یا مصنّف یا مذہبی یا کسی قسم کی بھی تحریر میں نہیں ملتا۔ اور مسلمانوں کو سب سے پہلے اس کا علم اس زمانہ میں آ کر سیل (SALE) کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے دیباچہ سے ہوا۔ پھر بھی مسلمانوں نے اس کی جستجو نہیں کی۔ یہاں تک کہ اسے خود عیسائیوں نے چھاپا جس کی تفصیل میں اپنے اصل مضمون میں دے چکا ہوں۔

(۶)- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قریباً سو سال پہلے ۴۷۸ء میں جب برنباس کی لاش اتفاقیہ نکلی تو اس کے سینہ پر اس کی انجیل کا نسخہ اس کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا رکھا تھا۔ بعد میں وہ نسخہ غائب ہو گیا۔

(۷)- اس انجیل میں بعض باتیں ایسی لکھی ہیں جو قرآن کریم اور احادیث کے صریحاً خلاف ہیں۔ کوئی مسلمان انہیں لکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کی ایک مثال تو میں نے اپنے اصل مضمون میں دی تھی۔ اس کی دوسری مثالوں میں سے ایک میر عبدالعزیز صاحب نے خود دے دی ہے کہ برنباس نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو تو صلیب پر چڑھایا ہی نہیں گیا تھا۔ بلکہ ان کی جگہ ان کے حواری یہوداہ اسکریوتی کو جس نے حضرت عیسیٰؑ کو تیس سونے کے سکّوں کے عوض یہودیوں کے ہاتھوں پکڑوا دیا تھا صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ کیونکہ اس کی شکل حضرت عیسیٰؑ سے ملتی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کے فرشتے بند حوالات میں سے نکال کر تیسرے آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔

پہلے اس سے کہ میں بتاؤں کہ یہ بات کہ حضرت عیسیٰؑ کو بجسدِ عنصری تیسرے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا قرآن پاک اور احادیث کے خلاف ہے میں یہ عرض کر دوں کہ یہ قصہ اور وجوہات کی بناء پر بھی ناقابلِ قبول ہے کیونکہ:-

الف- یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ یہودی جو حضرت عیسیٰؑ اور یہوداہ اسکریوتی کو شب و روز دیکھتے تھے اور ان سے میل جول اور رشوت دے کر یہوداہ اسکریوتی سے حضرت عیسیٰؑ کو پکڑوا دیا تھا ان یہودیوں نے ایسی فاش غلطی کھائی خصوصاً جبکہ اسی واقعہ میں لکھا ہے کہ یہوداہ اسکریوتی سارا وقت چلاتا رہا کہ میں یہوداہ اسکریوتی ہوں۔ یہود کو یہوداہ اسکریوتی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی سو وہ

ان کا مددگار تھا۔ دشمنی اور جذبۂ انتقام تو حضرت عیسٰےؑ کے خلاف تھا اس لئے یہ روایت سراسر لغو ہے۔

(ب) آیت ۲۲۱/۷ میں برنباس نے خود اعتراف کیا ہے کہ "یہوداہ پر جو گزری وہ میں نہیں جانتا کیونکہ میں نے (یہ) سب کچھ نہیں دیکھا"۔

(ج) تمام اناجیل میں بالاتفاق لکھا ہے کہ خود حضرت عیسٰےؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔

(د) آج کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے (جس پر یورپ میں لکھا جا رہا ہے) کہ حضرت عیسٰےؑ کی تصویر اس کپڑے پر آئی ہے جس میں ان کو صلیب سے اُتار کر لپیٹا گیا تھا اور اس کپڑے پر اُن کے خون کے نشان ہیں۔ وہ کپڑا HOLY SHROUD کے نام سے اٹلی کے شہر تورین میں بحفاظت رکھا ہُوا ہے اور پوپ نے تصدیق کی ہے کہ یہی وہ کپڑا تھا جس میں حضرت عیسٰےؑ کو لپیٹا گیا تھا۔

اَب میں یہ بھی مختصراً عرض کر دوں کہ یہ قصّہ کہ حضرت عیسٰےؑ کو فرشتے آسمان پر اُنکے جسد عنصری کے ساتھ لے گئے تھے قرآن کریم اور حدیث شریف کے صریحاً خلاف ہے۔ اس پر مبسوط بحث تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی تصانیف میں ہے جن میں اُنہوں نے قرآن کریم کی بے شمار آیات کا حوالہ دیا ہے۔ صرف ایک ہی آیت ملاحظہ فرمایئے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس مادی جسم کے ساتھ اگلے عالم کے آسمانوں میں جاسکے۔ اور اگر کوئی ایسا مانتا ہے تو وہ عیسائیوں کو حضرت عیسٰےؑ کے بشر نہ ہوتے بلکہ خُدائی میں نعوذ باللہ حصّہ دار ہونے کے غلط عقیدہ کی تائید میں ایک کاری حربہ دیتا ہے۔ قرآن کریم نے کفارِ عرب کے ایک مطالبہ کا جو وہ آنحضرت صلعم سے کرتے تھے ایک جگہ ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس مطالبہ کا جواب بھی دیا ہے:—

"او ترقیٰ فی السّماءِ ولن نؤمن لرقیّک حتّیٰ تنزّل علینا کتابًا نقرؤہ ط قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشرا رّسولا ہ (بنی اسرائیل ۱۷ - ۹۳)

ترجمہ:— یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کے قائل نہ ہونگے جب تک کہ تو وہاں سے ہم پر کتاب نہ لائے جسے ہم پڑھ سکیں۔ تو کہہ دے میرا ربّ پاک ہے میں تو ایک انسان اور رسول ہوں"۔

تو انسان اور یہانتک کہ رسُول بھی اپنے دُنیاوی جسم کے ساتھ اگلے عالم کے آسمان پر نہیں چڑھ سکتے۔ پھر قرآن کریم میں صاف مذکور ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کو بچانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے وہی طریقہ اختیار کیا (ولن تجد لسنّت اللہ تبدیلا۔) جو تمام نبیوں کو بچانے کے لئے اختیار کیا تھا کہ اُنہیں ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں صاف فرمایا ہے "و اوینھما الیٰ ربوۃ ذات قرارٍ و معین (المؤمنون ۲۳ - ۵۰) یعنے حضرت عیسٰےؑ اور ان کی والدہ کو ہم نے پناہ دی ایک سطح مرتفع کی طرف جس میں پھل اور چشمے بکثرت ہیں۔ اس بات کا انکشاف کہ حضرت عیسٰےؑ وادیٔ کشمیر میں ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور وہاں سرینگر کے محلہ خانیار میں مدفون ہیں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود نے اس صدی کے شروع میں کیا جو اللہ تعالےٰ کی وحی سے آپ پر منکشف کیا گیا تھا۔ آج یورپ کے عیسائی صاحبان اس کی تائید میں لکھ رہے ہیں۔

پھر حدیث شریف میں رسُول اللہ صلعم سے مروی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ ۱۲۰ سال کی عُمر تک زندہ رہے۔ اگر وہ رسول اللہ صلعم کے فرمانے کے وقت، بلکہ آج بھی زندہ ہیں تو ۱۲۰ سال کی عُمر کے کیا معنی؟ اسی طرح حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ معراج میں رسُول اللہ صلعم نے حضرت عیسٰےؑ کو فوت شدہ نبیوں میں دوسرے آسمان پر دیکھا۔

تو اگر برنباس کی انجیل میں جو صلیب کا واقعہ لکھا ہے وہ کسی مسلمان کے لئے قابلِ قبول نہیں اس لئے کہ قرآن کریم اور احادیث اس کے خلاف ہیں تو پھر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ باقی کی انجیل کو اور خصوصًا اس حصّہ کو جو رسُول اللہ صلعم کے متعلق پیشگوئیاں رکھتا ہے کیوں قبول کیا جاتا ہے۔ جوابًا عرض ہے کہ اگر کوئی خُدا کی کتاب بالکل محفوظ ہے تو وہ صرف قرآن پاک ہے اور اس کا اعتراف خود اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو بھی ہے۔ باقی سب الہامی کتابوں میں تحریف ہوگئی اور اس کا بھی اعتراف خود ان کتابوں کو ماننے والوں کو ہے۔ اس لئے اُن کتابوں کا جو حصّہ قرآن پاک کے خلاف پڑتا ہو ہم اسے مان نہیں سکتے۔ جو حصّہ قرآن پاک کی تائید میں ہے اسے ماننے میں کوئی روک نہیں خصُوصًا جبکہ قرآن پاک نے خود فرمایا ہے کہ رسُول اللہ صلعم کے متعلق تمام نبیوں سے اور اُن کی قوموں سے عہد لیا گیا تھا بلکہ اُن نبیوں کو حکم دیا گیا کہ فاشھدوا یعنے تم گواہی دو۔ اس لئے تمام نبیوں کی گواہی رسول اللہ صلعم کے متعلق جہاں سے ملے اُسے لینا ہمارا فرض ہے۔ اور حضرت عیسٰیؑ کی گواہی کا تو قرآن حکیم میں خاص طور پر ذکر ہے کہ مبشّرًا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد۔ (الصفّ ۶۱ - ۶)

اگر میر عبد العزیز صاحب میرے اصل مضمون کو دوبارہ دیکھیں تو اس میں صاف ذکر ہے کہ برنباس کی انجیل ۳۲۵ء تک تو عیسائیوں میں کھُلم کھُلا رائج تھی۔ اُس سال غیر مستند قرار دیئے جانے کے بعد بھی دُور دراز علاقوں میں پڑھی جاتی رہی ہوگی تبھی تو پوپ گلاسیس اوّل کو پانچویں صدی کے آخر میں اس کا پڑھنا بالکل حرام قرار دینا پڑا۔ اس انجیل میں اس تین سو سے پانچ سو سال کے عرصہ میں اگر کوئی تحریف ہوگئی ہو تو یہ کوئی مقام تعجب نہیں۔ ایسی تحریف کے امکان کا ذکر میں نے اپنے اصل مضمون کے صفحہ ۲، کالم ۲ میں کیا تھا۔

مگر تحریف تو تمام الہامی کتابوں میں سوائے قرآن پاک کے ہوئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو بالکل ردّ کر دیا جائے۔ قرآن کریم نے خود ان کتابوں میں تحریف کے باوجود ان میں کچھ نہ کچھ ہدایت اور نور رہ جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ ہماری کسوٹی تو قرآن کریم ہے۔ دوسری الہامی کتابوں میں جو بات قرآن کریم کے خلاف ہوگی ہم اس کو ردّ کر دیں گے۔ اور جو قرآن پاک کی تائید اور تصدیق میں ہوگی اُسے قبول کریں گے۔ پھر جبکہ قرآن شریف نے خود توجہ دلائی ہے کہ تمام نبیوں اور اُن کی قوموں سے نہ صرف رسول اللہ صلعم کے متعلق عہد لیا گیا تھا بلکہ ان نبیوں کو کہا گیا تھا کہ وہ گواہی دیں تو اس گواہی کو تلاش کر کے پیش کرنا ہمارا فرض ہے ؛

عہدیداران وارکانِ مجلسِ منتظمہ مقامی جماعت احمدیہ لاہور

اجلاس عام منعقدہ ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو سال ۱۹۷۹ء کے لئے مندرجہ ذیل انتظامیہ کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

عہدیداران

صدر ——— محترم چوہدری مسعود اختر صاحب
نائب صدر ——— محترم چوہدری عبد اللطیف صاحب
سیکرٹری ——— محترم چوہدری نذر ربّ صاحب
نائب سیکرٹری ——— محترم ماسٹر عبد السّلام صاحب
محاسب ——— محترم رشید احمد صاحب

ارکانِ منتظمہ

- محترم میاں فضل احمد صاحب
- محترم ڈاکٹر وحید احمد صاحب
- محترم ملک اعزاز الٰہی صاحب
- محترم ڈاکٹر مبارک احمد صاحب
- محترم چوہدری ریاض احمد صاحب
- محترم جمیل الرحمٰن صاحب آنریری سیکرٹری
- محترم ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب
- محترم چوہدری خالد احمد صاحب
- محترم پروفیسر بشیر احمد سوز صاحب
- محترم نمائندہ شبان الاحمدیہ
- محترم پروفیسر ظفر اقبال صاحب
- محترم عبد الغنی بٹ صاحب محصّل

منجانب

(چوہدری) نذر ربّ — سیکرٹری جماعت احمدیہ لاہور

جہادِ زمانہ یا مقصد تبلیغِ حق کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کا تجویز کردہ پنجگانہ پروگرام۔

صدر انجمن احمدیہ لاہور کی کامیابی کا انحصار حضرت اقدسؑ کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے سے ہی وابستہ ہے۔

((از راجہ عبد المجید صاحب چھکسی مُلتان))

حضرت صاحب کو اللہ تعالےٰ نے جب یہ خبر دی۔ کہ اُن کی وفات نزدیک ہے۔ تو حضور نے اپنے دوستوں کے لئے چند نصائح "الوصیت" کے طور پر لکھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی جیسا نظام وہ اپنے بعد قائم کرنا چاہتے تھے اس کو اپنی زندگی میں ہی ایک انجمن کی صورت میں قائم کر کے انجمن کو ہی اپنا وارث قرار دے دیا۔ جیسے آپؑ کا واضح ارشاد ہے :۔

"انجمن خُدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے"

اور اس کا نام صدر انجمن احمدیہ قادیان رکھا۔ جو دو ڈھائی سال حضرت صاحبؑ کی زندگی میں کام کرتی رہی۔ ایک موقعہ پر جب انجمن کے ممبران میں اختلاف کی صورت پیدا ہوئی تو ایک ایسا دو ٹوک فیصلہ کر دیا۔ کہ اگر اب بھی ممبران اس پر عمل پیرا ہوں تو باہم کوئی کشیدگی باقی نہیں رہ سکتی۔

حضرت صاحبؑ کے فیصلہ کے مطابق ممبرانِ انجمن کی کثرت رائے کا فیصلہ قطعی ہونا چاہیئے۔ اب جو حضرت اقدسؑ کی وارث انجمن قائم ہے اس کے نظام کے مطابق جماعتیں الیکشن کے ذریعہ اپنا اپنا نمائندہ بھیج کر صدر انجمن قائم کرتی ہیں۔ اور ہر تین سال کے بعد ایسا الیکشن ہوتا ہے۔ اس وقت بھی جو مجلسِ معتمدین قائم ہے الیکشن سے ہی قائم کی گئی ہے جس کی میعاد ختم ہو چکی ہے۔ گذشتہ کئی سالوں سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔ کہ مجلس کی میعاد ختم ہونے پر بروقت نئی مجلس قائم نہیں کی جاتی۔ بلکہ مجلس کی عمر ختم ہونے پر میعاد میں توسیع کر دی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔

اس سے بعض اوقات بلا وجہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے اور لوگوں کو اعتراض کا موقعہ ملتا ہے ہر مجلس کو بروقت الیکشن کرا کر نئی مجلس بنانی چاہیئے تاکہ کوئی مجلس بھی اپنے وقت سے زیادہ عرصہ تک کام نہ کر سکے۔

اشاعتِ اسلام کا پنجگانہ طریق کار

حضرت صاحب نے نظام (اشاعتِ اسلام کا پنجگانہ طریق کار) کو چلانے کے لئے جو نصائح اپنی کتاب فتح اسلام میں تحریر فرمائی ہیں ملاحظہ فرما کر اپنا اپنا جائزہ لیں کہ جو طریق کار حضرت صاحبؑ نے بتایا ہے ہم اس پر کہاں تک کاربند ہیں یا جو شرائط مُریدوں کے لئے ضروری ہیں ہم اُن پر کس حد تک عامل ہیں ؟

حضرت صاحب نے فتح اسلام صفحہ ۲۳ پر فرمایا ہے :۔

"یہ پانچ طور کا سلسلہ ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا۔ اگرچہ ایک سرسری نگاہ والا آدمی صرف تالیف کے سلسلہ کو ضروری سمجھے گا اور دوسری شاخوں کو غیر ضروری اور فضول خیال کریگا مگر خُدا تعالےٰ کی نظر میں یہ سب ضروری ہیں اور جس اصلاح کے لئے اس نے ارادہ فرمایا ہے وہ اصلاح بجُز استعمال ان پانچوں طریقوں کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔"

(۱) پہلی شاخ : تالیف و تصنیف کا سلسلہ ہے۔

(۲) دوسری شاخ : اشتہارات جاری کرنے کا سلسلہ ہے۔

(۳) تیسری شاخ :۔ واردین اور صادرین اور حق کی تلاش میں سفر کرنے والے۔

(۴) چوتھی شاخ : مکتوبات ہیں جو حق کے طالبوں یا مخالفوں کی طرف لکھے جاتے ہیں

(۵) پانچویں شاخ :۔ جو خُدا تعالےٰ نے اپنی خاص وحی اور الہام سے قائم کی مُریدوں اور بیعت کرنے والوں کا سلسلہ ہے۔

اب میں حضرت صاحب کی اس کتاب سے ان پانچ شاخوں کا تھوڑا تھوڑا ذکر کروں گا۔ تا یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت صاحب نے کیا طریق کام کرنے کا تعین کیا ہے اور مریدوں کو کونسی خوبیاں عمل کے ذریعہ پیدا کر کے معاشرہ میں امتیاز حاصل کرنا ہے۔ تا عام لوگوں کے لئے ان کا نمونہ باعثِ کشش اور دین کی طرف لانے والا ہو۔

۱۔ پہلی شاخ تالیف و تصنیف اور تصنیفات کو پھیلانے کیلئے اپنے پریس کی ضرورت۔

"ایک تالیف ہی کے سلسلہ کو غور کر کے دیکھو کہ اگر ہم پُوری پُوری اشاعت کی غرض سے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیں تو اس کی تکمیل کے لئے کیا کچھ مالی وسائل کی ہمیں ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ اگر درحقیقت تکمیل اشاعت ہی ہماری غرض ہے۔ تو ہمارا مدعا یہ ہونا چاہیئے کہ ہماری دینی تالیفات جو جواہرات تحقیق اور تدقیق سے پُر اور حق کے طالبوں کو راہِ راست پر کھینچنے والی ہیں جلدی سے اور نیز کثرت سے ایسے لوگوں تک پہنچ جائیں جو بُری تعلیموں سے متاثر ہو کر مہلک بیماریوں میں گرفتار یا قریب قریب موت کے پہنچ گئے ہیں۔ اور ہر وقت یہ امر ہمارے مدِ نظر رہنا چاہیئے کہ جس مُلک کی موجودہ حالت ضلالت کے سمِ قاتل سے نہایت خطرہ میں پڑگئی ہے۔ بلا توقف ہماری کتابیں اس مُلک میں پھیل جائیں اور ہر ایک متلاشی حق کے ہاتھ میں وہ کتابیں نظر آویں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس مُدعا کا بوجہ اکمل و اتم اس طور سے حاصل ہونا ہرگز ممکن نہیں کہ ہم ہمیشہ یہی امر پیشِ نہاد خاطر رکھیں۔ کہ ہماری کتابیں فروخت کے ذریعہ سے شائع ہوتی رہیں۔ اور محض فروخت کے طور پر کتابوں کو شائع کرنا اور نفسانی ملونی کی وجہ سے دُنیا کو دین میں گھسیڑ دینا نہایت نکمّا اور قابلِ اعتراض طریق ہے جس کی شامت کی وجہ سے نہ ہم جلدی سے اپنی کتابیں دنیا میں پھیلا سکتے ہیں اور نہ کثرت سے وہ کتابیں لوگوں کو دے سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بات سچ اور بالکل سچ ہے کہ جس طرح ہم مثلاً ایک لاکھ مفت تقسیم کرنے کی حالت میں صرف بیس دن میں وہ سب کتابیں دُور دُور مُلکوں میں پہنچا سکتے ہیں اور عام طور پر ہر ایک فرقہ میں ہر جگہ پھیلا سکتے ہیں اور ہر ایک طالب حق اور راستی کے متلاشی کو دے سکتے ہیں۔ ایسی اور اس طرح کی اعلےٰ درجہ کی کارروائی قیمت پر دینے کی حالت میں شاید بیس برس کی مُدّت تک بھی ہم نہ کر سکیں گے۔ فروخت کی حالت میں کتابوں کو صندوقوں میں بند کر کے ہم کو خریداروں کی راہ دیکھنا چاہیئے کہ کب کوئی آتا ہے یا خط بھیجتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس انتظار دراز کے زمانہ میں ہم آپ ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ اور کتابیں صندوقوں میں بند کی بند ہی رہیں ! سو چونکہ فروخت کا دائرہ نہایت تنگ اور اصل مُدعا کا سخت حارج اور چند سال کے کام کو صدہا برسوں پر ڈالتا ہے .... اور اسلام میں عیسائی مشن کی طرح کوئی ایسی سوسائٹی نہیں جو اس کام کے لئے مدد دے سکے .... جہاں تک بس چلے بہت سا حصّہ کتابوں کا مُفت تقسیم کر دیا جاوے تا جلدی سے اور عام طور

پر یہ کتابیں جو سچائی کے نور سے بھری ہوئی ہیں دنیا میں پھیل جاویں .... اگر ہم کو میسر آجاوے۔ کہ ایک ہمارا مطبع ہو اور ایک کاپی نویس ہمیشہ کے لئے ہمارے پاس رہے۔ اور تمام ضروری مصارف کی وجوہ ہمیں حاصل ہوں یعنی کاغذات اور چھپوائی اور کاپی نویسوں کی تنخواہیں اور وہ سارے اخراجات وقتاً فوقتاً ہم پہنچتے رہیں تو ان پنج شاخوں میں سے ایک شاخ پورے طور پر نشوونما پانے کا کافی انتظام ہو جائے گا۔"

مغربی ممالک میں تبلیغ کا احسن طریقہ کتب کی اشاعت ہے۔

"میرے پیارے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدا تعالے نے سچا جوش آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بخشا ہے۔ سو میں اس لئے مستعد کھڑا ہوں۔ کہ آپ لوگ اپنے اموال طیّبہ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد دیں۔ اور ہر ایک شخص جہاں تک خدا تعالے نے اس کو وسعت و طاقت و مقدرت دی ہے۔ اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور رسول سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے اور پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا۔ کہ امریکہ اور یورپ میں تعلیم اسلام پھیلانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا یہ مناسب ہے کہ بعض انگریزی خواں یورپ اور امریکہ جائیں اور وعظ اور منادی کے ذریعہ سے مقاصد اسلام ان لوگوں پر ظاہر کریں۔ لیکن میں عموماً اس کا جواب ہاں کے ساتھ کبھی نہیں دوں گا۔ میں ہرگز مناسب نہیں جانتا کہ ایسے لوگ جو اسلامی تعلیم سے پورے طور پر واقف نہیں اور اس کی اعلےٰ درجہ کی خوبیوں سے بکلی بے خبر اور نیز زمانہ حال کی نکتہ چینیوں کے جوابات پر کامل حاوی نہیں ہیں اور نہ روح القدس سے تعلیم پانے والے ہیں۔ وہ ہماری طرف سے وکیل ہو کر جائیں میرے خیال میں ایسی کاروائی کا ضرر اس کے نفع سے اقرب اور سریع الوقوع ہے۔ اِلّا ما شاء اللہ ....

.... **تبلیغِ اسلام کے لئے مغربی ممالک میں اماموں اور مولویوں کی بجائے اعلےٰ تصانیف کی اشاعت** ایسے سفیر اگر امریکہ اور یورپ میں جائیں تو کس کام کو انجام دیں گے اور مشکلات پیش کردہ کا کیا حل کریں گے؟ اور ممکن ہے۔ کہ ان کے جاہلانہ جوابات کا اثر معکوس ہو جس سے تھوڑا سا ولولہ اور شوق جو حال ہی میں امریکہ اور یورپ کے بعض منصف دلوں میں پیدا ہوا ہے جاتا رہے اور ایک بھاری شکست اور ناحق کی سبکی اور ناکامی کے ساتھ واپس ہوں۔ سو میری صلاح ہے کہ بجائے واعظوں کے عُمدہ عُمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جاویں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو .... میں پسند کرتا ہوں۔ کہ ان کتابوں کی تقسیم کے لئے ..... چند آدمی ان ملکوں میں بھیجے جاویں۔ جو امامت اور مولویت کا دعوےٰ نہ کریں بلکہ ظاہر کریں کہ ہم صرف اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ تا کتابوں کو تقسیم کریں۔ اور اپنے معلومات کی حد تک سمجھا دیں۔ اور مشکلات کا حل ان اماموں سے چاہیں جو اس کام کے لئے ملک ہند میں موجود ہیں۔"

حضرت اقدسؑ کی خواہش کہ آپؑ کی تصنیفات مغرب میں مفت تقسیم ہوں

حضرت صاحب نے فتح اسلام میں لکھا ہے:۔

"مسلمانوں میں ایسا کوئی فراخ حوصلہ اور عالی ہمت امیر ابھی تک اس طرف متوجہ نہیں ہوا کہ ہماری تالیفات جدیدہ کے بہت سے نسخے خرید کر محض للہ تقسیم کیا کرتا اور اسلام میں عیسائی مشن کی طرح کوئی ایسی سوسائٹی بھی نہیں۔ جو اس کام کے لئے مدد دے سکے۔"

حضرت صاحب نے عیسائی مشن کہہ کر دراصل برٹش اور فارن بائبل سوسائٹی کی طرف اشارہ کر کے مسلمانوں کو غیرت دلائی ہے۔ کیونکہ اس بائبل سوسائٹی نے سات کروڑ نسخہ بائبل کا مفت تقسیم کروایا تھا۔ پھر اسی کتاب میں آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:۔

"اے ملک ہند کیا تجھ میں کوئی ایسا باہمت امیر نہیں کہ اگر اور نہیں تو فقط اسی شاخ کے اخراجات کا متحمل ہو سکے۔"

حضرت صاحب کے مشن کی پہلی شاخ کا ذکر میں نے تحریر بالا میں کیا ہے۔ میری ناقص عقل میں جیسا مفت اشاعت کا کام حضرت صاحب چاہتے ہیں۔ ویسا ہونا ضروری ہے۔ ہم سب کا یہ فرض ہے کہ حضرت صاحب کی خواہش کے مطابق مفت اشاعت کا کام جلد از جلد شروع کیا جاوے۔ جیسا کہ انہوں نے پریس اپنا ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے جو تجویز ہماری نظروں سے اوجھل رہی۔ اب جب حضرت کی یہ خواہش سامنے آگئی ہے تو ہمیں ایک علیٰحدہ شعبہ مفت اشاعت کے لئے کھولنا چاہیئے۔ حضرت صاحب نے یورپ میں اسلام پھیلانے کے لئے لٹریچر کو مقدم رکھا ہے اور اماموں کے متعلق جو کچھ حضرت صاحب نے لکھا ہے اس کا کافی تجربہ ہو چکا ہے۔

(۲)۔ دوسری شاخ:۔

"اس کارخانہ کی اشتہارات ہیں جو بحکم الٰہی اتمام حجت کی غرض سے جاری ہے۔ اب تک بیس ہزار سے زیادہ اشتہارات اسلامی حجتوں کو غیر قوموں پر پورا کرنے کے لئے شائع ہو چکے ہیں۔ اور آئندہ ضرورت کے وقت ہوتے رہیں گے۔ پھر بارہ ہزار سے کچھ زیادہ اشتہار مخالفین کے سرگروہوں کے نام رجسٹری کروا کر بھیجے گئے۔ اور ملک ہند میں ایک پادری بھی ایسا نہیں چھوڑا جس کے نام رجسٹری شدہ اشتہار نہ بھیجے ہوں۔ اور ملک یورپ اور امریکہ میں یہ اشتہارات بذریعہ رجسٹری حجت پوری کرنے کے لئے بھیجے گئے۔"

(۳) تیسری شاخ:۔

"واردین اور صادرین اور حق کی تلاش کرنے والوں اور دیگر اغراض متفرقہ سے آنے والوں کی ہے۔ جو آسمانی کارخانہ کی خبر پا کر اپنی نیتوں کی تحریک کے لئے ملاقات کے لئے آتے ہیں۔ یہ شاخ بھی نشوونما پا رہی ہے۔"

اشتہارات کے ذریعہ خبر پا کر لوگ جن کا ذکر تیسری شاخ میں ہے حق کی تلاش میں آتے تھے۔ چونکہ اشتہارات بند ہو چکے ہیں۔ اس لئے تیسری شاخ بھی برائے نام رہ گئی۔

(۴) چوتھی شاخ:۔

"اس کارخانہ کی مکتوبات ہیں جو حق کے طالبوں یا مخالفوں کی طرف لکھے جاتے ہیں۔ ہر مہینے تین سو سے سات سو تک خطوط کی آمد و رفت ہے۔"

اللہ تعالے ہمارے بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرماوے جو اس شاخ کو ..... چلاتے رہے

• بلا معاوضہ مفت خدمت دین کے جذبہ کے تحت۔

بابو منظور الٰہی ، بابو غلام قادر صاحب - مولوی عزیز بخش صاحب نے اس شاخ کے ذریعہ بڑی کامیابی حاصل کی - ان کے بعد یہ سلسلہ کچھ عرصہ بند رہا اب دوبارہ جاری ہوا ہے -

(۵) پانچویں شاخ اس سلسلہ کی :-

" جو اللہ تعالیٰ نے خاص وحی اور الہام سے قائم کی مریدوں اور بیعت کرنے والوں کا سلسلہ ہے - اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کرتے وقت فرمایا کہ زمین میں طوفانِ ضلالت برپا ہے تو اس طوفان کے وقت میں یہ کشتی تیار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا - اور جو انکار کرے گا - اس کے لئے موت درپیش ہے - اور فرمایا کہ جو شخص تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے گا اس نے تیرے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا - اور اس خداوند نے مجھے بشارت دی ہے - کہ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا مگر تیرے سچے متبعین اور محبین قیامت کے دن تک رہیں گے اور ہمیشہ منکرین پر انہیں غلبہ رہے گا -"

اپنے مُریدوں کا بدیں الفاظ ذکر کیا ہے :-

" عزیزو ! میرے پیارو ! میرے درخت کی سبز شاخو ! جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے - میرے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو - اور اپنی زندگی - اپنا آرام - اپنا مال اس راہ میں خدا کے لئے خرچ کر رہے ہو .... مجھ میں کون داخل ہے ؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا ہے ، اور نیکی اختیار کرتا - کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا بندہ مطیع بن جاتا ہے - ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں - سب سے پہلے میں اپنے ایک رُوحانی بھائی کا ذکر کرنے کے لئے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام ان کے نورِ اخلاص کی طرح نورُ دین ہے .... میں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں - کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہو سکتیں - ان کے دِل میں تائیدِ دین کے لئے جوش بھرا ہے - اس کے تصور سے قدرتِ الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے - کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے - کہ وہ اپنے تمام مال اور تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ جو ان کو میسر ہیں ہر وقت اللہ رسُول کی اطاعت پر مستعد کھڑے ہیں "-

حضرت صاحب اپنے مریدوں کو جیسا دیکھنا چاہتے ہیں ، اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں - ایک خط جو حضرت مولانا نورالدین صاحب نے حضرت صاحبؑ کے حضور لکھا ہے :-

" مولانا مُرشدنا - امامنا - السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ - عالی جناب میری دُعا یہ ہے کہ ہر وقت حضُور کی جناب میں حاضر رہوں اور امامِ زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدّد کیا گیا وہ مطالب حاصل کروں - اگر اجازت ہو تو میں نوکری سے استعفا دے دوں اور دن رات خدمتِ عالی میں پڑا رہوں - یا اگر حکم ہو تو اس تعلّق کو چھوڑ کر دُنیا میں پھروں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دے دُوں - میں آپ کی راہ میں قربان ہوں میرا جو کچھ ہے - میرا نہیں آپ کا ہے - حضرت پیر و مرشد میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں خرچ ہو جاوے تو میں مراد کو پہنچ گیا - اگر خریدار براہین کے توقف طبع کتاب سے مضطرب ہوں تو مجھے اجازت فرمائیے - کہ یہ ادنیٰ خدمت بجالاؤں کہ ان کی تمام قیمت ادا کر دہ اپنے پاس سے واپس کر دوں - حضرت پیر و مُرشدنا بکارِ شرمسار عرض کرتا ہے - اگر منظور ہو تو میری سعادت ہے میرا منشاء ہے کہ براہین کی طبع کا تمام خرچ میرے پر ڈال دیا جاوے - پھر جو کچھ قیمت میں وصُول ہو - وہ روپیہ آپ کی ضروریات میں خرچ ہو - مجھے آپ سے نسبت فارُوقی ہے - اور سب کچھ اس راہ میں فدا کرنے کے لئے تیار ہوں - دُعا فرماویں کہ میری موت صدیقوں کی موت ہو -"

خلاصہ تجاویز پنجگانہ حضرتِ اقدس بانیٔ سلسلہؑ

مندرجہ ذیل حوالوں سے یہ بات روشن ہو جائے گی - کہ کس قدر تاکید حضرت صاحب نے ان پنجگانہ شاخوں کے مطابق کام کرنے کی فرمائی ہے -

(۱) صفحہ ۴۷ :-

" خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کی تمام شاخوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے - اور بنظرِ مساوات ان سب کی تکمیل اور ان سب کا قیام چاہتا ہے - لیکن ان پنجگانہ شاخوں کے مصارف اس قدر ہیں کہ جن کے لئے مخلصین کی خاص توجہ اور ہمدردی کی ضرورت ہے -"

(۲) صفحہ ۵۱ :-

" اگر پانچ مؤمن ذی مقدرت اس وقت کو پہچان لیں تو ان پانچ شاخوں کا اہتمام اپنے اپنے ذمہ لے سکتے ہیں - اے خداوند تو آپ ان دلوں کو جگا - اسلام پر ابھی ایسی مفلسی طاری نہیں ہوئی - تنگدلی ہے -"

(۳) صفحہ ۴۹ :-

" میں جانتا ہوں کہ ان پنجگانہ شاخوں کے قائم رکھنے کی سبیل آپ وہ قادرِ مطلق نکال دے گا - جس کے ارادۂ خاص سے اس کارخانہ کی بناء ہے مگر بنظرِ تبلیغ ضروری ہے کہ قوم کو اس سے مطلع کر دیں -"

(۴) صفحہ ۵۳ :-

" پھر دوسرا افسوس اُن پر ہے - جو اپنی عورتوں اور اپنے بچوں اور اپنے نفس کی عیاشیوں کے لئے تو اُن کے پاس سب کچھ ہے مگر اسلام کے حصّہ کا ان کی جیب میں کچھ نہیں - کاہلو تم پر افسوس! کہ آپ تو تم اعلائے کلمہ اسلام اور دینی انوار کے دکھلانے کی کچھ قوت نہیں رکھتے مگر خدا تعالیٰ کے قائم کردہ کارخانہ کو بھی جو اسلام کی چمکار ظاہر کرنے آیا ہے - شکر کے ساتھ قبول نہیں کر سکتے -"

(۵) صفحہ ۵۶ :-

" سوا اے اسلام کے ذی مقدرت لوگو ! دیکھو ! میں یہ پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیتا ہوں - کہ آپ لوگوں کو اس اصلاحی کارخانہ کی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نکلا ہے - اپنے سارے دِل اور ساری توجہ اور سارے اخلاص سے مدد کرنی چاہیئے اور اس کے سارے پہلوؤں کو بنظرِ عزت دیکھ کر بہت جلد حقِ خدمت ادا کرنا چاہیئے -"

کامیابی و فتح کا مدار اخلاص ، نیکی ، اتّحاد باہمی اخوّت و محبّت کے اوصافِ حمیدہ اجاگر کرنے پر ہے

جماعتیں تو اپنے نمائندہ مجلس معتمدین کے لئے چناؤ کر کے انجمن کا سب کاروبار ان کے حوالے کر دیتی ہیں - حضرت صاحب کے فرمان کے مطابق انجمن کو چلانے کی ذمہ داری مجلس معتمدین کے ممبران پر عائد ہو۔ اگر انجمن کا نظام حضرت صاحب کی ہدایات کے مطابق چل رہا ہے تو ٹھیک دیگر صورت میں ممبران کو سوچ بچار سے کام لے کر بانیٔ سلسلہ کی ہدایات مطابق عمل کرنا ان کے اپنے لئے دین اور دُنیا کی بھلائی کا ذریعہ ہوگا - میں صرف نشستن اور برخاستن سے ذمہ داری پوری نہیں ہوگی - میرا مشورہ کہ مفت اشاعت کے لئے ایک علیحدہ شعبہ ہو - جس کا پر

مفت اشاعت کی کتابیں تجارتی کتابوں سے علیحدہ ہوں اور جماعتوں کے ذریعہ اور ڈاک کے ذریعہ مفت تقسیم کی جاویں۔ اور بائبل کی طرح کروڑوں کی تعداد میں تقسیم کی جاویں۔

بلادِ غیر میں وہاں کی جماعتوں کے ذمہ مفت تقسیم کا کام ہو۔ جیسے حضرت صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ :-

"اس انجمن کی تائید کے لئے دور دراز ملکوں میں اور انجمنیں ہوں جو اس کی ہدایت کے تابع ہوں.....
..... اور اس وصیتی مال پر قبضہ کرنا اس انجمن کا کام ہوگا۔ جو اس ملک میں ہے۔ بہتر ہوگا کہ وہ روپیہ اسی ملک کی اغراض کے لئے خرچ ہو اور جائز ہوگا کہ ضرورت محسوس کر کے وہ روپیہ اس انجمن کو دیا جاوے۔ جس کا ہیڈ کوارٹر یعنی مرکز مقامی قادیان ہے"۔

حالات حاضرہ کے مطابق بھی تبلیغ کا کام لٹریچر کے ذریعہ ہی ممکن ہوگا اور وہی بہتر رہے گا۔ کیونکہ حضرت نے ایسی ہی ہدایات فرمائی ہیں۔ اماموں کے متعلق تو جیسا حضرت صاحب نے لکھا ہے۔ سوائے دو چار اماموں کے باقی جتنے بھی گئے کئی قسم کے مسائل تنازعے اور اختلافات ان کی وجہ سے جماعت میں پیدا ہو کر باعث بدنامی اور کثیر خرچے کا موجب ہوئے۔

ہم سب کا فرض ہے کہ بانئے سلسلہ کی ہدایات کو اپنا لیں تا کہ خدا تعالٰے کامیابی پر کامیابی عطا فرماوے۔ اسی طرح پانچویں شاخ میں جو مرید ہونے کا نمونہ حضرت نے پیش کیا ہے۔ کیا ہم اس پر پورے اترتے ہیں یا نہیں اگر جواب نہیں ہے۔ تو اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہیئے۔ کامیابی اللہ تعالٰے دینے والا ہے۔ اگر ہم کام اور عمل میں حضور کی ہدایات پر چلنے کی کوشش کریں گے تو کامیابی یقینی ہے۔

آؤ دوستو سب مل کر کوشش کریں اور سچے دل سے دین کے ہو جاویں اور دین کو دنیا پر مقدم کر کے دکھلاویں۔ سب اختلافی باتیں چھوڑ کر ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے مل کر پوری ہمت اور طاقت سے دین کی تبلیغ اور قرآن کریم کی اشاعت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔

آپ سب اُن بزرگوں کی اولاد ہیں جو ایک دوسرے کے لئے جان تک دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ آپس میں محبت پیار اور باہمی اتفاق سے مل کر دین کا کام کرتے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں بھائیوں کی طرح شامل رہتے تھے۔

اللہ تعالٰے ہم سب کو مل کر کام کرنے کی توفیق دے۔ اور ہمارے کام میں برکت ڈالے اور ہم میں سے جن کے دل ٹیڑھے ہیں ان کو اپنے فضل سے سیدھے کرا دے۔ اور ہمیں اس راستہ پر چلنے کی توفیق دے جس پر چل کر لوگوں پر اس کا انعام ہوا اور اس راستہ سے بچا دے جس پر چل کر لوگوں پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے راستہ پر۔ اسے اللہ ایسا ہی کر اور ہمیں مجدد وقت کے ہاتھ پر جو سلسلہ تاریخ طور کا اصلاح کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

ابو ارشد

آزمائش کیلئے کوئی نہ آیا ہرچند

بحر و بر دشت و جبل کون و مکاں تک پہنچے
تیری خاطر ترے دیوانے کہاں تک پہنچے

لے کے قرآن کو سینے میں گئے دیس بدیس
تا کہ پیغام ترا سارے جہاں تک پہنچے

تھی یہ توفیق ملی مہدیٔ دوراں کے طفیل
اس کے ارشاد پہ ہم خورد و کلاں تک پہنچے

"اس نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا"
مصلحِ وقت ہیں وہ کون وہاں تک پہنچے

"صفِ دشمن کو کیا اس نے بہ حجت پامال"
ہاتھ اپنوں کے فقط تیر و کماں تک پہنچے

خدمتِ دیں کا ہر کام بھی تھا عین جہاد
مفتیٔ شہر تو بس تیغ و سناں تک پہنچے

علم و عرفاں سے تہی نورِ یقیں سے محروم
وہ جو پہنچے تو فقط وہم و گماں تک پہنچے

"آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہرچند"
اور جو آئے نہ ترے زورِ بیاں تک پہنچے

زندگی بخش ہے دنیا میں ترا علم کلام
جس نے جینا ہے ابھی ہو کے رواں تک پہنچے

دیں کی دنیا میں ترا نام تھا طوفانِ خیال
کس کو یارا ہے ترے فکرِ جواں تک پہنچے

اعلان جلسہ جماعت احمدیہ چک ۸۱ جنوبی سرگودھا

احباب کرام کی اطلاع کے لئے تحریر کیا جاتا ہے کہ جماعت چک ۸۱ جنوبی نے وہاں کی مقامی جماعت کے جلسہ سالانہ کے لئے ۲۳ مارچ کی تاریخ بروز جمعہ مقرر کی ہے۔ اس تاریخ پر نہ صرف مقامی جماعت کے جملہ احباب معہ مستورات، نوجوانان اور طلباء شریک ہوں گے بلکہ مضافات اور شہر سرگودھا سے بھی احباب شرکت فرمائیں گے۔ مرکز سے بھی تین چار احباب اس میں شامل ہوں گے تا مقامی جماعت کے جملہ احباب سے رابطہ و ملاقات کریں اور ان سے جماعتی ترقی و توسیع کے بارہ میں مشورہ کریں۔

جیسے کہ پہلے اعلان کیا جا چکا ہے۔ دیگر مقامی جماعتوں کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے خاص طور پر درخواست ہے کہ وہ بھی مشورہ کر کے مقامی جماعت کے جلسہ کی تاریخ مقرر کریں۔ جن جماعتوں کی جانب سے اطلاع نہ آئیگی انہیں مرکز سے مطلع کر دیا جائیگا۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

مکتوب بھارت

میرا تبلیغی دورہ اندرون بھارت

(از مکرم جناب عبد الرزاق صاحب بمبئی)

محترم جنرل سیکرٹری کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

میں اپنے دورہ کی رپورٹ روانہ کر رہا ہوں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں اپنے فرائض کی ادائیگی کو بہت اہمیت دیتا ہوں کیونکہ اسلام و احمدیت کی تعلیمات میں یہ بھی شامل ہے۔

میں بمبئی سے ۲۳ر نومبر ۱۹۷۸ء کو مہاراشٹر کے علاقہ وردی اور گدگ، ہُبلی (کرناٹک) پھر حیدر آباد، آندھرا پردیش وغیرہ کے لئے روانہ ہوا۔ سب سے پہلے ایک پرانے بزرگ سے ملنے کے لئے ضلع اراون کے ایک معمولی دیہہ نند گاؤں نامی گیا۔ وہاں پر ہمارے ایک پرانے بزرگ مرزا غلام مرتضےٰ بیگ صاحب مقیم ہیں۔ وہ پرانے احمدی ہیں۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی ہوئی ہے۔ اردو فارسی کے استاد رہ چکے ہیں پروفیسری سے قبل بحیثیت تحصیلدار بھی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ ستر برس کے پیٹے میں ہیں۔ مگر ساری عمر تجرد میں بسر کر دی ہے۔ ان کے دوسرے بھائی بھی احمدی ہیں مگر وہ بھی غیر شادی شدہ ہیں۔

وصیت کی تحریک میں نے دوران ملاقات ان کی املاک کے سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا اور مشورہ دیا کہ آپ انجمن کے نام اپنے املاک کی وصیت فرما دیں۔ یہ ایک عظیم کار ثواب کے علاوہ سلسلہ کو فروغ دینے میں معاون و مددگار ہوگا اور آپ کا نام بھی ہمیشہ کے لئے زندہ رہ جائے گا۔ انہوں نے میری اس تجویز کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اس سلسلہ میں مدد دینے کے لئے اکولہ ہائی سکول کے استاد جناب جنید اطہر صاحب کو بلایا گیا جو سلسلہ کے لٹریچر پر عبور رکھنے کے علاوہ ایک متقی نوجوان بھی ہیں۔ ان کی موجودگی اور مشورہ سے تمام مسائل طے پائے ہیں۔ وصیت کا مسودہ تیار ہونے کے بعد رجسٹرڈ کرایا جائے گا۔ نندگاؤں کے غیر از جماعت احباب سے خصوصاً نوجوانوں سے ملاقات کی۔ نوجوانوں نے ختم نبوت پر ہمارے محکم عقیدہ کو بہت سراہا۔

اکولہ روانگی پھر جنید اطہر صاحب کی ہمراہی میں اکولہ پہنچا۔ ان کے بھائی، چچا اور ان کے دیگر اعزہ سے ملاقات کی۔ سب ہمارے عقائد سے متاثر ہوئے۔ جنید اطہر صاحب نے اکولہ کی مشہور شخصیات، ہائی سکول کے اساتذہ نیز اسلامی جماعت کے مقامی سربراہ سے بھی ملاقات کرائی۔ ہر فرد کشادہ پیشانی سے ملا۔ کسی نے تنگ نظری یا تعصب کا اظہار نہ کیا بلکہ ختم نبوت پر ہمارے مضبوط عقیدہ کو بتفصیل سُن کر خاموش رہے۔

حیدر آباد کا سفر اگلا سفر اکولہ سے حیدر آباد کے لئے تھا۔ حیدر آباد جانے کا اصل مقصد یہ تھا۔ کہ جناب شیخ انعام الحق مرحوم کے رشتہ داروں سے ملاقات کروں اور اگر ساتھ ہی ساتھ احمدیت کی نایاب کتب ان سے دستیاب ہو جائیں تو حاصل کر لوں۔ جب میں شیخ انعام الحق مرحوم کے مکان پر پہنچا تو محترمہ بسم اللہ صاحبہ (بیوہ شیخ انعام الحق مرحوم) سے ملاقات ہوئی۔ تو میں حیران رہ گیا اس لئے کہ میرا خیال تھا کہ ان کی وفات ہو چکی ہوگی۔ مجھے دیکھتے ہی محترمہ بسم اللہ بیگم صاحبہ نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ مجھ پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ مجھے بہت قریب بلا کر سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور بہت دعائیں دیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ طویل مدت بعد ایک احمدی ان کی ملاقات و مزاج پرسی اور خیریت طلبی کے لئے ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک عجیب منظر تھا، جس کا مجھ پر ایک رُوحانی اثر ہوا۔ میری زبان گنگ رہی۔ کافی دیر بعد ان سے رخصت ہوا......

حیدر آباد کے بازار سے قدیم کتب میں سے حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کی معرکۃ الآرا تصنیف تصدیق براہین احمدیہ حصہ اوّل کے دو نایاب نسخے دستیاب ہوئے۔ اور حضرت مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی کی کتاب خلافت راشدہ بھی مل گئی۔ اور بھی کئی موافق و مخالف کتب خریدیں۔

حیدر آباد سے روانگی حیدر آباد سے مولانا محمد بڈھن صاحب سے ملاقات کے لئے گدگ روانہ ہوا۔ سفر کے دوران ریل کے ڈبہ میں (عیسائی) واچ ٹاور سوسائٹی کے افراد سے ملاقات ہوئی جن میں ایک خاتون بھی تھی۔ ان سے بھی الوہیت مسیح اور پیدائش آدم کے مسئلہ و دیگر امور پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ ہماری دلچسپ اور معلوماتی گفتگو سے دو مسلمان مسافر اور ایک غیر مسلم ڈاکٹر بھی محظوظ ہوئے۔ ایک مسلمان مسافر اور دوسرے ہندو ڈاکٹر نے انگریزی زبان میں احمدیہ لٹریچر بھجوانے کی خواہش کی۔ ان کو پتہ نوٹ کرایا۔ گدگ پہنچ کر مولوی محمد بڈھن خان صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے گھر گیا۔ پہلے دو دفعہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ اس دفعہ بیمار تھے اور گھر پر ہی موجود تھے۔ ان کی صحت زیادہ بگڑی ہوئی ہے۔ ان کی صحت کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہے۔

ہُبلی میں آمد ہُبلی کے دوستوں کے مشورہ سے ایک میٹنگ بلائی۔ بہت سے احباب نے جماعت کے ممبروں کے گھر جا جا کر دعوت شرکت دی۔ الغرض اور جماعت سے کٹ جانے والے دوستوں نے بھی میٹنگ میں آنے کا بخوشی وعدہ کیا۔ شام سے قبل سب احباب جماعت اکٹھے ہو گئے۔ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد خاکسار نے دوستوں سے خطاب کیا اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ نیز انہیں بتایا کہ حق کے راستہ میں ہمیشہ مشکلات آتی ہیں۔ مگر آخر اللہ تعالےٰ انہیں دُور فرما دیتا ہے۔ میری تقریر کے بعد سیکرٹری جماعت کا چناؤ ہوا۔ جس میں محمد حسین صاحب کو وہاں کا بالاتفاق سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

پھر اچل کرنجی، کولہاپور۔ (مہاراشٹر کے لئے روانہ ہوا۔ کرجگی کے ایک دوست سے ہبلی ہی میں مولانا عبد الحق ودیارتھی صاحب مرحوم کی ایک نایاب تصویر (سن ۱۹۴۰ء) کی دستیاب ہوئی۔ جس کی کاپیاں بنوا کر مولانا مرحوم کے فرزند عبد السلام صاحب کو لاہور روانہ کر دی ہیں۔ اور یہی تصویر بمبئی سے چھپنے والی "میثاق النبیین" کے ٹائٹل پر لگائی جائے گی۔

اچل کرنجی میں اپنے ایک بزرگ انیس احمد صاحب مومن کے گھر قیام کیا۔ یہ صاحب بڑے متقی، پرہیزگار اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کے مدّاح ہیں۔ بہت باثر، بارسوخ اور معزز آدمی ہیں۔ کئی مسلمان اداروں کے عہدیدار بھی ہیں۔ اگرچہ بیعت نہیں کی ہے مگر احمدیت کی تبلیغ خوب کرتے ہیں۔ میرے آنے پر انہوں نے مختلف کالجوں اور ہائی سکولوں کے اساتذہ کو اپنے گھر پر مدعو کیا اور مجھ سے ملاقات کرائی۔

وفات مسیح اور ولادت مسیح پر تبادلہ خیال ہوا۔ ایک صاحب کے ہاتھ میں حضرت امیر مرحوم کی انگریزی تفسیر قرآن تھی۔ وقفہ میں سوالات ہوئے۔ جن کے جواب دیئے گئے۔ میں نے انگریزی میں درس قرآن کریم دیا اور اردو میں بھی درس دیا۔ کئی دوستوں نے حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ و تفسیر قرآن خریدنے کا وعدہ کیا۔ ایک صاحب نے بیعت کی۔ پھر سب دوستوں نے بس اڈہ پر آ کر مجھے رخصت کیا۔

بمبئی واپس پہنچا تو محترم امین احمد مومن صاحب کا ایک خط ملا جس میں تمام غیر از جماعت احباب کے خوشکن تاثرات رقم تھے۔

گھر پہنچ کر میں نے اپنی زوجہ سے شیخ انعام الحق مرحوم کی بیوہ کی حالت کا ذکر کیا۔ تو ہم نے بیس روپیہ ماہوار انہیں بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگر بھارت کا کوئی اور ذی مقدرت احمدی دوست اسی طرح ان کی مدد کر سکے تو مجھ سے پتہ منگا لے۔ یہ امداد بڑے اجر کی مستحق ہوگی۔

الحمد للہ رب العالمین۔

برلین مسلم مشن کی ششماہی تبلیغی مساعی

ماہ جولائی ۱۹۷۸ء تا دسمبر ۱۹۷۸ء

(از قلم مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب امام و مشنری انچارج)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اس عرصہ کے دوران راقم الحروف کو قرآن کریم کے پیغام کو لاکھوں جرمن دوستوں اور مشرقی و مغربی یورپ سے آئے ہوئے عیسائی علماء کے سامنے پیش کرنے کے بڑے مواقع بہم پہنچائے۔ مشن ہاؤس اور مسجد برلین میں کئی ایک اجتماعات منعقد کئے گئے۔ عیسائی دوستوں کے کئی ایک گروپس کا مسجد میں استقبال کیا گیا۔ ریڈیو پر تقریر نشر کی گئی اور برلین سے باہر روم میں ایک کانفرنس میں شرکت کی گئی۔

ان اجتماعات کا ذیل میں مختصراً ذکر کرتا ہوں:—

(۱)۔ جمعہ اور ہفتہ کے ۴۶۔ اجتماعات ہر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز میں کئی ایک مسلمان ممالک سے آئے ہوئے احباب مسجد برلین میں جمع ہوتے رہے۔ خطبات میں قرآن کریم سے مختلف مضامین کو جرمن زبان میں حاضرین پر واضح کیا گیا۔ نومسلم جرمن احباب کے علاوہ جرمن عیسائی دوست بھی ان اجتماعات میں شرکت کرتے رہے۔ ایک بار ہالینڈ سے تین پروفیسرز کا گروپ مع یونیورسٹی سٹوڈینٹس مسجد میں آیا۔ انہوں نے ہمارے ساتھ مل کر نماز بھی ادا کی۔ اور خطبہ میں بیان کئے گئے اسلامی نظریات کو سراہا۔ بعد میں پروفیسرز صاحبان نے خطبہ کی نقل لینے کی خواہش ظاہر کی۔ ایسے اجتماعات نماز جمعہ کے بعد جرمن عیسائی دوست مزید وضاحت کے لئے مشنری انچارج کے پاس ٹھہرے رہے۔ جمعہ کے اجتماعات کے علاوہ ہر ہفتہ شام کے وقت قرآن کریم کے درس کے سلسلہ میں باقاعدگی سے اجتماعات ہوتے رہے جس میں مسلمان احباب اور عیسائی دوست حصہ لیتے رہے اور اسلامی نظریات کا علم حاصل کرتے رہے۔ جمعہ اور ہفتہ کے دن ہونے والے اجتماعات ۴۶ بار منعقد کئے گئے۔

(۲) دو جرمن احباب کا قبول اسلام ہفتہ کے دن منعقد ہونے والے اجتماعات میں جن جرمن دوستوں نے حصہ لیا ان میں سے دو احباب نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ الحمد للہ۔ ان احباب کو قرآن کریم کے مختلف حصص کا مطالعہ کرنے کے لئے کہا گیا۔ ان پر ان حصص کا مفہوم واضح کیا گیا۔ ان کی طرف سے کئے گئے سوالات کا انہیں جواب دیا گیا۔ انہیں نماز کے الفاظ عربی زبان میں یاد کرائے گئے۔ نماز پڑھنے کا طریق سکھایا گیا۔ انہیں کہا گیا وہ اسلام کی صداقت کے بارہ میں کوئی مقالہ لکھیں۔ دو تین ماہ کی تعلیم کے بعد جب انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا چاہا تو انہیں کہا گیا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے حاضرین کے سامنے کلمہ شہادت

"اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ"۔

پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ ہر دو اعلانات مسجد برلین میں جمع ہونے والے مسلمان احباب کے لئے بڑی ہی خوشی کا باعث ہوئے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ان نومسلم بھائیوں کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

(۳) لیلۃ القدر۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے اجتماعات ۳۰ اگست بروز بدھ لیلۃ القدر منائی گئی۔ اس تقریب کی اطلاع احباب کو ایک ماہ پہلے ہی سے کر دی گئی تھی۔ احباب جمع ہوئے۔ پروگرام یہ تھا:—

افطار۔ نماز مغرب۔ طعام۔ آغاز تقریب۔ تلاوت قرآن کریم بعدہٗ صلوٰت۔ تقریر امام مشنری انچارج مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب۔

لیلۃ القدر کی تقریب میں قرآن کریم کی برسی منائی گئی۔ اور تقریر میں قرآن کریم سے متعلق مختلف مضامین کو بیان کیا گیا۔

عید الفطر: عید الفطر کا مبارک اجتماع تین ستمبر بروز اتوار منعقد ہوا۔ احباب کو دعوت نامے بھیجے گئے۔ احباب خوشی خوشی جمع ہوئے۔ فطرانہ ادا کیا گیا۔ نماز ادا کی گئی اور خطبہ دیا گیا۔ مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے احباب نے اس اجتماع میں شرکت کر کے اجتماع کی رونق کو بہت بڑھا دیا۔ احباب کو مشروبات اور لذیذ طعام پیش کیا گیا۔

عید الاضحیٰ: گیارہ نومبر کو عید الاضحیٰ کا مبارک اجتماع ہوا۔ اس کے لئے بھی دعوت نامے بھیجے گئے تھے۔ مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے احباب نے اس اجتماع کی رونق کو خوب بڑھایا اور اپنے خوشی بھرے چہروں سے اجتماع کی خوشی کو دوبالا کر دیا۔ نماز ادا کی گئی۔ خطبہ دیا گیا۔ خطبہ کے بعد احباب کی مشروبات اور کھانے سے تواضع کی گئی۔

(۴) ریڈیو RIAS پر تقریر برلین میں مقامی ریڈیو RIAS پر تقریر کرنے کی دعوت ملی۔ اس تقریر کو لکھا۔ ٹائپ کروایا۔ اور اسے منتظمین کو بھیجا۔ منتظمین کو تقریر کا متن بھیجنے کے بعد ۸ اگست کو سٹوڈیو میں اسے پڑھا۔ اور اسے ریکارڈ کر دیا۔ یہ تقریر بالآخر ۱۳ اگست بروز اتوار نشر کی گئی۔ اور پندرہ منٹ تک جاری رہی۔ تقریر کا عنوان تھا:—

"روزمرہ کی فعال زندگی اور آسمانی برکات"

لاکھوں جرمن دوستوں اور ہزاروں مسلمان احباب نے اس تقریر کو سنا بعض نے ٹیلیفون پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ بعض نے مسجد میں آ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ اور بعض نے سڑک پر ملاقات کے وقت اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ الحمد للہ۔

(۵) ہالینڈ سے جماعت احمدیہ کے احباب کا گروپ ہالینڈ سے جماعت احمدیہ کے احباب کا گروپ مسجد برلین کی زیارت کے لئے برلین آیا۔ ان کی رہائش کا انتظام مسجد کے نزدیک ایک ہوٹل میں کر دیا۔ بعض احباب میرے ساتھ مسجد میں ٹھہر گئے۔

احباب نے نماز جمعہ میں شرکت کی۔ ان کی خاطر جرمن زبان میں خطبہ کے بعد اردو زبان میں بھی خطبہ دیا گیا۔ خطبہ کے بعد گفتگو کے دوران احباب کو مسجد برلین کی مرمت کے بارہ میں بتایا گیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسجد کی مرمت کے لئے سامان پیدا کر دیئے۔ جرمن گورنمنٹ نے گراں قدر عطیہ راقم الحروف کی درخواست پر مسجد کو دینا منظور کیا۔ جس سے مسجد خوبصورت اور آرام دہ بن گئی ہے۔ الحمد للہ۔

احباب جماعت نے یہ ذکر سن کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ احباب کو حضرت امام الزمانؑ کے دعوے کے بارہ میں بھی بتایا گیا اور ان کے مشن کو بھی احباب کے سامنے واضح کیا گیا۔ بعض احباب

نے مسجد کے بیرونی دروازہ پر "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" کے نام کا بورڈ پڑھا۔ وہ حیران ہوئے۔ کہ بعض دوستوں نے انہیں بتایا تھا کہ ایسا کوئی بورڈ مسجد کے سامنے لکھا ہوا نہیں ہے۔ احباب نے مسجد کو عطیہ بھی دیا۔ جزاھم اللہ۔

(۶) چار گروپ مسجد میں } جرمن عیسائی دوستوں کے چار گروپ مختلف دنوں مسجد میں آئے۔ ان میں سے تین گروپ مغربی جرمنی سے اور ایک گروپ برلین سے آیا تھا۔ ان گروپوں میں مرد اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد مختلف تھی۔ زیادہ سے زیادہ تعداد تیس مرد وزن پر مشتمل تھی۔ یہ چاروں گروپ مختلف دنوں میں ڈیڑھ دو گھنٹے تک مسجد میں ٹھہرے۔ اور انہیں اسلام سے متعلق نظریات پر لیکچر دیا گیا۔ اور ان کی طرف سے کئے گئے سوالات کا انہیں جواب دیا گیا۔

(۷) شادی کے دو اجتماعات } شادی کی دو تقریبات مختلف دنوں مسجد میں منعقد ہوئیں۔ خطبہ نکاح پڑھا گیا۔ اور حاضرین کو میاں بیوی کے حقوق اور ان کے فرائض سے آگاہ کیا گیا۔ بعد میں نکاح کا اعلان کیا گیا۔ ہر دو تقریبات میں جرمن مرد اور جرمن عورتیں بھی شریک تھیں۔

(۸) پاپائے روم کی وفات اور تعزیتی خط } پاپائے روم پال ششم کی وفات پر ایک تعزیتی خط پاپائے روم کے سفیر کے نام بون میں لکھا گیا۔ سفیر نے تعزیتی خط کا جواب دیا اور برلن مسجد کے امام کا شکریہ ادا کیا۔

(۹) روم میں کانفرنس } ۱۷ ستمبر سے ۲۴ ستمبر تک کے عرصہ کے دوران روم میں ایک انٹر فیتھ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں راقم الحروف کو شرکت کی دعوت ملی۔ اس کانفرنس میں مشرق یورپ سے مندوبین شرکت کے لئے آئے تھے۔ ان میں آرچ بشپ۔ بشپ۔ پروفیسرز اور دیگر مذہبی علماء موجود تھے۔ یہ علماء یہودی۔ عیسائی۔ اسلام۔ ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔

اس کانفرنس میں مختلف گروپوں میں اسلام کے نظریات کو پیش کرنے کا موقع ملا۔ ایک گروپ کا راقم الحروف چیئرمین نامزد کیا گیا۔ کانفرنس کے شروع ہونے سے پہلے ہر دن دعا کی جاتی تھی۔ یہ دعا ہر مذہب کا پیروکار کانفرنس کے شروع ہونے سے پیشتر کرتا تھا۔ مذہب اسلام کا پیروکار ہونے کے باعث ایک دن کانفرنس کی ابتداء راقم الحروف نے دعا سے کی۔ اور دعا میں نسلِ انسانی میں باہمی محبت، صلح و آشتی کے مضمون کو دھرایا۔ اور حاضرین کو اپنی رائے پیش کی کہ ہماری کانفرنس کا ہر ممبر ایک دوسرے کو

"PEACE

کے الفاظ میں سلام کیا کرے۔

کانفرنس میں نئے پوپ جان پال اوّل کے سیکرٹری نے بھی شمولیت کی اور انہوں نے حاضرین کو بتایا کہ پاپائے روم کس طرح عیسائی اور غیر عیسائی دنیا۔ خاص کر مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کرنے کے خواہاں ہیں۔ ان کی تقریر کے بعد راقم الحرف نے اسلام کے ان نظریات کو بیان کیا۔ جن کے ذریعہ سے اسلام مذاہب عالم کے ساتھ اچھے تعلقات کو قائم کرنا چاہتا ہے۔

میری اس تقریر کے بعد پوپ صاحب کے سیکرٹری نے سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا بھری مجلس میں اعتراف کیا جو ہمارے مسلمان بھائیوں کے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوا۔ انہوں نے کہا کہ جو لٹریچر انہوں نے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت محمدؐ کے بارہ میں پڑھا اس کو یاد کر کے انہیں شرم آتی ہے۔ حضرت محمدؐ واقعی عظیم المرتبت شخصیت ہیں۔

(۱۰) عیسائی مسلمان کے مابین "DIALOGNE" یعنی بات چیت

روم میں کانفرنس کے دوران پاپائے روم کے بعض مذہبی علماء سے پرائیویٹ طور پر گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ان میں سے بعض نے بتایا کہ وہ عرب ممالک میں "عیسائی مسلمان کے مابین بات چیت" کی خاطر گئے تھے۔ اور انہوں نے مسلمان علماء سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی عالم اُن سے بات چیت کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں نے برلین میں انیس ۱۹ سال سے بات چیت کا یہ سلسلہ جاری رکھا ہے۔ ہم اپنے حلقہ میں عیسائی دوستوں کو بلاتے اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔

میں نے مزید کہا کہ اسی سلسلہ میں نے برلین مسجد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت بھی کئی بار منایا ہے۔ اور اس تقریب میں عیسائی علماء اور مسلمان احباب کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ اسلام نے ایسی بات چیت کے لئے آج سے چودہ سو سال پیشتر نہ صرف توجہ دلائی ہے بلکہ اسی بات چیت کے لئے بعض اصول بھی بیان کئے ہیں۔ اگر آج عیسائی علماء ان اصولوں کو مان لیں تو بہت حد تک مذہبی تعصب دُور ہو سکتا ہے اور مسلمان و عیسائی دنیا میں دوستانہ سیاسی تعلقات بھی ترقی پا سکتے ہیں۔

(۱۱) روم میں زمین دوز قبرستان یعنی کیٹا کومب کی سیر۔

روم میں کھنڈرات اور کیٹا کومب کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ کیٹا کومب یعنی زمین دوز قبرستان پرانے روم شہر کی دیوار سے باہر واقع ہے۔ یہ قبرستان ساٹھ فٹ گہرا ہے۔ اور اس تہ خانہ میں عیسائیوں کا ایک چرچ بھی ملا ہے۔ جو عیسائی لوگ روم میں ایذا رسانی کے زمانہ میں استعمال کرتے تھے۔

عیسائی مذہب کے ماننے والوں نے روم میں ایذائیں سہیں۔ وہ قتل کئے گئے۔ لیکن انہوں نے اپنے مذہب کو نہ چھوڑا۔ وہ شہر سے باہر زمین دوز قبرستان میں آکر اپنی عبادتیں بجا لاتے رہے۔ آخر ان کی دعائیں قبول ہوئیں۔ اور ان کا صبر پھل لایا۔ روم کا بادشاہ بالآخر عیسائی ہو گیا۔ اور ان کی تکالیف کا خاتمہ ہو گیا۔

(۱۲) پاپائے روم جان پال اوّل سے ملاقات } پاپائے روم جان پال اوّل کی زیارت کے لئے چالیس ہزار افراد ایک بڑے ہال میں جمع ہوئے۔ زائرین کا ایک بڑا حصہ یورپ۔ امریکہ اور افریقہ کے مختلف ممالک سے آیا تھا۔ زائرین کے بیٹھنے کے لئے ایک خاص انتظام کیا گیا تھا۔ ہماری کانفرنس کے ممبروں کو خاص جگہ دی گئی۔ اس کانفرنس کے ممبروں میں سے مسلمان۔ عیسائی کیتھولک، پروٹسٹنٹ کے نمائندوں زائرین میں سے سب سے اگلی صف میں کرسیوں پر جگہ دی گئی۔ اسی طرح راقم الحروف کو سب سے اگلی صف میں بیٹھنے اور پاپائے روم کو دیکھنے اور ان کی تقریر سننے کا موقع ملا۔

(۱۳) تعزیت } روم سے فارغ ہو کر برلین واپس آیا تو چند دن بعد پاپائے روم جان پال کی وفات ہو گئی۔ اس خبر کو سُن کر ایک اور خط پاپائے روم کے سفیر کو بون میں تعزیت کا لکھا۔ اس خط کا بھی سفیر صاحب نے جواب دیا اور تعزیت کا شکریہ ادا کیا۔

۱۴) برلین کے تین ججوں کو دعوت اور قرآن کریم کا عطیہ

اپنے حلقہ میں سے تین ججوں کو مشن ہاؤس میں چائے کی دعوت دی۔ انہوں نے میری دعوت کو قبول کیا اور وہ اپنی بیویوں کے ساتھ میرے ہاں تشریف لائے۔ اس دوران جج صاحبان کو مسجد دکھائی گئی۔ اور انہیں قرآن کریم کا نسخہ بزبان جرمن تحفۃً پیش کیا گیا۔ تحفہ کو لے کر جج صاحبان بہت ہی خوش ہوئے۔ جج صاحبان کے ساتھ ان کی سیکرٹری کو بھی دعوت دی تھی۔ اور انہیں بھی قرآن کریم کا نسخہ تحفۃً دیا۔ قرآن کریم کے یہ چار نسخے میں نے اپنی طرف سے تحفۃً دیئے۔ ان کی قیمت میں نے پاکستان کرنسی میں لاہور دفتر کو ادا کر دی ہے۔

۱۵) وزارت مذہبی امور کے ڈائرکٹر کو دعوت

برلین میں وزارت مذہبی امور کے ڈائرکٹر اور ان کی سیکرٹری کو چائے کی دعوت دی۔ مشن ہاؤس میں ان کا استقبال کیا گیا اور انہیں چائے پیش کی گئی۔ اسی دوران انہیں جرمن ترجمۃ القرآن کا ایک کاپی تحفۃً پیش کی گئی جسے انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔ یہ ہر دو نسخے بھی میں نے اپنی طرف سے انہیں تحفۃً دیئے اور ان کی قیمت بھی پاکستان کرنسی میں لاہور دفتر کو ادا کر دی گئی ہے۔

۱۶) برلین یونیورسٹی کے پروفیسر نیکولاس کے ہاں دعوت

برلین یونیورسٹی کے پروفیسر نیکولاس نے اپنے ہاں اجتماع کا انتظام کیا۔ اس میں شمولیت کے لئے انہوں نے اپنے دوست حلقہ سے احباب کو دعوت دی۔ ایسی دعوت وہ ہر سال ایک دو بار اپنے ہاں احباب کو دیتے ہیں۔ اس میں شمولیت کے لئے انہوں نے مجھے بھی دعوت دی۔ یہاں بعض کو نسلرز اور بعض پادریوں سے گفتگو کا موقع ملا۔

۱۷) برلین میں ایک نمائش

بون میں متعین پاکستانی سفیر کی بیگم صاحبہ نے برلین میں ایک نمائش میں حصہ لیا۔ وہاں پاکستانی سفیر اور برلین گورنمنٹ کے بعض وزراء بھی موجود تھے۔ مجھے بھی دعوت ملی۔ وہاں سفیر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ سے ملاقات ہوئی۔ وزیر صاحب نے جب جرمن زبان میں تقریر کی تو اس کا اردو ترجمہ راقم الحروف نے بیگم صاحبہ کو سنایا۔ انہیں برلین مسلم مشن سے متعارف کرایا گیا۔

۱۸) دفتری امور

ان سترہ امور کے علاوہ تمام دفتری امور کو بھی نبھایا گیا۔ خطوط لکھے گئے۔ مرکزی دفتر لاہور سے بھی خط و کتابت کی گئی۔ دوستوں کو لٹریچر بھیجا گیا۔ قرآن کریم کے نسخہ جات فروخت کئے گئے۔

برلین گورنمنٹ کے افسروں سے مسجد سے متعلق امور کے بارہ میں ملاقات کی گئی۔ ٹیکسز کی معافی کے لئے متعلقہ حکام کو درخواستیں دی گئیں۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان سب امور کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائی اور ہماری ناچیز کوششوں کو قبول فرمایا۔ اور ہماری کوششوں کو کامیابی عطا فرمائی۔

اخبار احمدیہ

دعائے صحت

مکرم مرزا احمد لطیف صاحب شاہد مبلغ انجمن کے صاحبزادہ کا اپریشن ہوا ہے۔ ان کی درخواست ہے کہ میرے بچے کے اپریشن کی کامیابی اور جلد شفایابی کے لئے بزرگانِ سلسلہ اور احباب جماعت دعا کریں۔

دارالسلام میں اس بچے کی صحت یابی کے لئے جامع احمدیہ میں ۹ ۳/۷۹ کو بعد خطبہ جمعہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریک پر دعا کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس عزیز بچے کی صحت یابی کے لئے بعد نماز فجر بھی روزانہ نمازیوں کے ساتھ مل کر دعا فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بچہ کو جلد شفایاب کرے اور مولوی صاحب کی یہ پریشانی دور فرماوے۔

دارالسلام میں درس قرآن مجید

جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز مغرب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب روزانہ درس قرآن کریم دیتے ہیں جو عشاء کی اذان تک جاری رہتا ہے۔ آپ بڑے لطیف اور پُراثر پیرایہ میں قرآن کریم کے مطالب اور ترجمہ و تفسیر بیان فرماتے ہیں۔ جس سے سامعین کی پلکیں بھیگ جاتی ہیں، دلوں پر خشیت الٰہی غالب آجاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا احساس بیدار ہو جاتا ہے۔ درس کے بعد دعا کے لئے باہر سے آمدہ خطوط پر دعا بھی کی جاتی ہے۔ روحانی جذب و کشش کا یہ وقت بڑا ہی بابرکت اور پُراثر ہوتا ہے۔ دل حسنِ حقیقی کی جانب راغب ہوتے ہیں اور روح وجد میں آجاتی ہے۔

درخواست دعا

چوہدری علم دین صاحب (ڈیرہ غازی خان) بیمار ہیں اور آج کل اپنی ایک عزیزہ کے پاس ضلع فیصل آباد میں مقیم ہیں، وہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دیگر احباب و بزرگانِ سلسلہ سے دعا کے متمنی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت بخشے۔ آپ بڑے باہمت ہیں۔ بیمار پرسی کے لئے آنے والے دوستوں کو بھی سلسلہ کا لٹریچر اور اخبار پیغام صلح کے مطالعہ کی تحریک کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفا بخشے۔ آمین۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۷۹ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۱۱

ماسٹر اصغر علی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

"میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

فون: ۵۲۷۳۷

پیغام صلح

لاہور — پاکستان

مدیر اعزازی خلیل الرحمٰن

نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں"
"لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں"
"میں تیرے خالص محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا" (الہامات حضرت مسیح موعودؑ)

سالانہ چندہ
پاک و ہندسے: پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
تار کا پتہ: تبلیغ لاہور

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ — یوم چہار شنبہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۷۹ء — نمبر ۱۲

ملفوظات حضرت مجدد زمان مسیح موعود علیہ السلام

"اللہ کے ولی وہ ہیں جو متقی ہیں

پس یہ کیسی نعمت ہے کہ تھوڑی سی تکلیف سے خدا کا مقرب کہلاوے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اُمّی ہونے کے تمام جہان کا مقابلہ کرنا تھا جس میں اہلِ کتاب۔ فلاسفر۔ اعلےٰ درجے کے علمی مذاق والے لوگ اور عالم فاضل شامل تھے۔ لیکن آپؐ کو رُوحانی رزق اس قدر ملا کہ آپؐ سب پر غالب آئے اور ان سب کی غلطیاں نکالیں۔ یہ روحانی رزق تھا کہ جس کی نظیر نہیں متقی کی شان میں یہ بھی آیا ہے ان اولیاءہٗ الّا المتقون (س۹) اللہ کے ولی وہ ہیں جو متقی ہیں۔ یعنے اللہ تعالےٰ کے دوست ہیں۔ پس یہ کیسی نعمت ہے کہ تھوڑی سی تکلیف سے خدا کا مقرّب کہلاوے۔ آج کل زمانہ کس قدر پست ہمت ہے۔ اگر کوئی حاکم یا افسر کسی کو یہ کہدے کہ تو میرا دوست ہے یا اس کو کرسی دے اور اس کی عزت کرے تو وہ شیخی کرتا ہے۔ فخر کرتا پھرتا ہے۔ لیکن اس انسان کا کس قدر فضل رُتبہ ہوگا جس کو اللہ تعالےٰ اپنا ولی یا دوست کہکر پکارے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ وعدہ فرمایا ہے جیسے کہ ایک حدیث بخاری میں وارد ہے لا یزال یتقرب عبدی بالنوافل حتیٰ احببتہٗ فاذا احببتہٗ کنت سمعہ الذی یسمع بہٖ وبصرہ الذی یبصر بہٖ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا ولئن سألنی لاعطینہٗ ولئن استعاذنی لاعیذنہٗ۔ انسان جس قدر نیکیاں کرتا ہے۔ اس کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک فرائض، دوسرے نوافل۔ فرائض یعنے جو انسان پر فرض کیا گیا ہو۔ جیسے قرضہ کا اُتارنا یا نیکی کے مقابل نیکی۔ ان فرائض کے علاوہ ہر ایک نیکی کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں۔ یہ بطور [illegible] اور متممات فرائض کے ہیں۔ اس حدیث میں بیان ہے کہ اولیاء اللہ [illegible] فرائض کی تکمیل نوافل سے ہو رہتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کے علاوہ صدقات [illegible]۔ اللہ تعالےٰ ایسوں کا ولی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس کی دوستی یہاں تک ہوتی ہے کہ میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ حتیٰ کہ اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

حق اور کشش

غور کرنا چاہیئے کہ ہمارے نبی کریم صلعم کے پاس وہ کیا تھی جس نے ان لوگوں (صحابہؓ کرام) کو ایسا گرویدہ کر لیا کہ وہ آپؐ پر اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ اور اپنے تمام دنیوی مفاد۔ منافع اور تمام مُلکی اور قومی تعلقات کو منقطع کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ نہ صرف آمادہ بلکہ اُنہوں نے قطع تعلق کر کے اور اپنی جانوں کو فدا کر کے دکھا دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ کس خلوص اور ارادت سے ہمراہ ہُوئے تھے۔ بظاہر آپ کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھا جو ایک دنیادار انسان کے لئے تحریص اور ترغیب کا موجب ہو سکے۔ خود آپؐ نے یتیمی میں پرورش پائی تھی۔ دوسروں کو کیا دے سکتے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ بلاشک آپؐ کے پاس کوئی مال و دولت اور دُنیوی تحریص اور ترغیب کا ذریعہ نہ تھا۔ اور ہرگز نہ تھا لیکن آپؐ کے پاس وہ زبردست چیزیں جو حقیقی اور اصلی [illegible] اور جاذب ہیں موجود تھیں۔ وہی آپؐ نے پیش کیں اور اُنہوں نے ہی ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ چیزیں تھیں حق اور کشش۔ یہ ہر دو چیزیں ہی ہوتی ہیں جن کو انبیاء لے کر دنیا میں آیا کرتے ہیں۔ اور جب تک یہ دونوں چیزیں موجود نہ ہوں انسان کسی ایک سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اور نہ کسی دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ حق ہو لیکن ساتھ اس کے کشش نہ ہو تو کیا حاصل؟ کشش ہو لیکن حق نہ ہو تو اس سے کیا فائدہ۔ بہت سے لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں جو اس دنیا میں موجود ہیں جن کی زبان پر حق ہوتا ہے۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ وہ حق مفید اور مؤثر ثابت نہیں ہوتا کیوں؟ وجہ یہ کہ وہ حق صرف ان کی زبان پر ہے لیکن دل اس سے آشنا نہیں۔ اور وہ کشش جو دل کی قبولیت کے بعد پیدا ہوتی ہے اس کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کہتا ہے محض اُوپر کے دل سے کہتا ہے جس کا سننے والے پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

(۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء)

زاہد جنجوعہ
تلخیص ——— عبدالرؤف کھوکھر

جماعتہائے احمدیہ پشاور میں تنظیمی دورہ

ہمارے عزیز و پُرجوش نوجوان زاہد جنجوعہ سیکرٹری جنرل شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے گذشتہ ماہ جماعتہائے پشاور کا دورہ کیا اس تنظیمی دورہ کے جو حالات و تاثرات عزیز موصوف نے قلمبند کئے ہیں وہ احباب سلسلہ اور شبان الاحمدیہ کے لئے درج ذیل ہیں - (ادارہ)

جماعتہائے احمدیہ پشاور میں تنظیمی دورہ کے سلسلہ میں فروری کی ۲۷ تاریخ پشاور یونیورسٹی ٹاؤن کے قریب اترا - سفید ڈھیری پہنچنے میں کوئی دقت نہ - کیونکہ خان عبدالباری خان صاحب ایڈوکیٹ پشاور ہائیکورٹ کے بھانجے فرمان علی خان خلیل راستہ میں مل گئے - جناب ظفر علی خان ابن مکرم جناب مراد علی خان صاحب بھی ان کے ساتھ تھے - سفید ڈھیری سے کوئی ایک میل دور موضع دُودُہ پہنچے - تو مکرم ظفر علی خان اپنے گھر لے گئے اور چائے سے تواضع کی - یہاں سے فارغ ہو کر سفید ڈھیری سے ہم دُودُہ پہنچے اور نماز مغرب - محترم بزرگ عبدالولی خان خلیل نے امامت فرمائی - مسجد کو دیکھا جو اپنی وسعت کے لحاظ سے جامع احمدیہ دارالسلام، مسجد احمدیہ بلڈنگس کے بعد تیسرے پر دکھائی دیتی ہے - نماز سے فراغت اور مسجد دیکھنے کے بعد محترم عبدالباری کے حجرے میں اُن سے ملنے گئے - وہاں کچھ دیر بیٹھے رہے - اطلاع ملنے پر نمازہ دوست بھی وہیں حجرہ میں پہنچ گئے -

سرحد کے دوست مرکز سے محبت کے سلسلہ میں کافی پُرجوش ہیں - نے حضرت امیر ایدہ اللہ اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب و دیگر بزرگان کی خیریت پوچھی، اور اظہار عقیدت کیا - جماعتی سرگرمیوں اور تنظیمی امور پر تفصیلی گفتگو ہوئی - میں نے انہیں بتایا کہ دینی جماعتیں باعمل اور روحانی قوتوں کے بل پر زندہ رہتی ہیں - جب سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب لاہور میں تشریف لائے ہیں جماعت میں ایک نئی زندگی کی لہر پیدا ہو گئی ہے - ڈاکٹر صاحب موصوف کا لاہور میں تشریف لے آنا ہماری جماعت کے باعث برکت ہوا ہے اگرچہ وہ ایبٹ آباد کو خوشی سے چھوڑ کر نہیں آئے - بڑی چیزوں کے لئے چھوٹی چیزوں کی قربانی کا دستور تو ازل سے چلا آ رہا ہے - قرآں ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

صداقت بھی ثابت ہو گئی ہے - اس مجلس کے بعد ہم رات کے کھانے پر واپس آئے - کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے - کہ سفید ڈھیری کے جملہ شبان اکٹھے ہو کر خاکسار کو ملنے کے لئے تشریف لے آئے - بچے ان دوستوں کا تپاک، محبت اور خلوص دیکھ بڑی خوشی ہوئی - کافی رات گئے تک احباب بیٹھے رہے - کسی کا اُٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا - میں نے سب کو شب بخیر کہہ کر رخصت کیا، اور سو گیا -

۲۸ فروری ۱۹۷۶ء } علی الصبح نماز و ناشتہ سے فارغ ہو کر پشاور کے تاریخی مقامات کی سیر کا پروگرام مرتب ہوا - شہر اور قصہ خوانی بازار میں سے گذرے اور قلعہ بالا حصار کو باہر سے دیکھا - یونیورسٹی ٹاؤن میں رہائشی کالونیوں - تدریسی بلاک - خیبر میڈیکل کالج اور "حیات ہسپتال" سے گذر کر قبائلی علاقہ کی طرف روانہ ہو گئے - "جمرود قلعہ" زیر تعمیر میں ایک نرالا بانکپن نظر آیا ذرا آگے جدید طرز پر تعمیر شدہ "شاگائی قورٹ" کو دیکھا - اور آگے نکل گئے تو انسانی بستیوں کے کھنڈرات دیکھے، جو کبھی آباد بستیاں ہونگی - درہ خیبر گئے - کار سے باہر نکل کر باہر دیکھنے پر تاحدِ نظر بستیاں اور سرسبز و شاداب کھیت نظر آئے - اوپر کی طرف بلند و بالا کہسار اور برف سے ڈھکی چھپی بلند چوٹیاں اور نیچے کی طرف یہ سرسبز و شاداب وادیاں دیکھ کر دل پر ایک سرور کی کیفیت طاری ہوئی - اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کو ایسا فطری حُسن عطا فرمایا ہے جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے -

یہاں سے چلے - لنڈی کوتل سے گذر کر طورخم پر جا رکے - وہاں کافی دیر کھڑے ہو کر آنے جانے والے قافلے دیکھتے رہے - یہاں سے واپس ہوئے تو قبائلی بستیوں میں گذرتے باڑہ کے راستہ اپنی منزل دُودہ پہنچے - نمازیں جمع کیں - سب دوست مل بیٹھے اور دن بھر کی سیر پر اپنی رائے دیتے رہے جس سے معلومات میں اضافہ ہوا -

یونیورسٹی ٹاؤن میں جناب غلام محبوب خان اور محترم میاں شریف احمد صاحب سے بھی ملنے گئے - اوّل الذکر سے تو ملاقات نہ ہو سکی البتہ میاں شریف احمد صاحب کے صاحبزادے طارق احمد سے ملاقات ہوئی - وہ دوستوں سے مل کر بڑے خوش ہوئے - بزرگوں کا ذکر ہوا - مرکزی جماعت کے احباب و بزرگان کی خیریت کے بیان کے بعد تربیت شبان اور توسیع جماعت پر تبادلہ خیال ہوا اور نوجوانوں میں احمدیت کی حقیقی غرض و غایت یعنی تبلیغ و اشاعت اسلام) کی تڑپ پیدا کرنے پر زور دیا گیا - اثنائے گفتگو میں برادرم فرمان علی صاحب بھی تلاش کرتے کرتے یہاں پہنچ گئے جو ہمیں معزز میزبان جناب میاں شریف احمد صاحب سے اجازت لے کر عبدالباری خان صاحب کے حجرہ میں لے گئے - جہاں آپ کے برادر بزرگ عبدالولی خاندان کے جملہ شبان اور اطفال موجود تھے - یہیں پر دسترخوان بچھایا گیا جس پر سرحد کے روایتی کھانوں کے علاوہ بالافراط پھل بھی چنے گئے تھے - تمام دوستوں نے بڑی رغبت اور محبت سے کھانا کھایا - کھانے سے فارغ ہو کر جماعتی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا اور کافی دیر تک جاری رہا - درمیان میں قہوے کا دور بھی چلا - قہوہ نوشی میں جب خاکسار سب کا ساتھ نہ دے سکا تو مزید پینے پر اصرار کیا گیا - جب ایک بزرگ نے ایک پیالی اور پینے پر مجھے مجبور کیا تو ایسا محسوس ہوا - جیسے اپنے ہی گھر کے کسی بزرگ سے مجھے ڈانٹ پلائی جا رہی ہے - باہمی مودّت - جماعتی محبت اور بزرگانہ شفقتوں کا یہ بڑا ہی ایمان افروز اور مسحور کُن نظارہ تھا جس سے ایک طرح کا روحانی سرور حاصل ہوتا تھا -

پشتون بھائیوں کی روایتی مہمان نوازی اعلےٰ اخلاق و صفات اور پُرجوش محبت و خلوص کو قریب سے دیکھنے کے علاوہ ان کی احمدیت سے والہانہ وابستگی کا بھی مشاہدہ ہوا - باتوں باتوں میں کافی رات گذر گئی - دُودہ کے دوست تو اپنے گھر چلے گئے جبکہ دیگر احباب نے میرے ساتھ حجرے ہی میں رات بسر کی -

نماز فجر } صبح محترم عبدالباری صاحب کی اقتدا میں نماز ادا کی - پھر شہر میں احمدی دوستوں سے رابطہ قائم کرنے کا پروگرام بنایا - سب سے پہلے ——— IRNUM میں ملازم شیخ محمدی کے ایک دوست سے ملنے گئے مگر ان کی مصروفیت کے باعث ان سے ملاقات نہ ہو سکی - بس کے ذریعے فقیر آباد میں جناب محمد الرحمٰن صاحب اور خان عبدالصمد خان صاحب کے گھر گئے - واپسی پر گڑ منڈی میں مکرم عبدالملک جان، اور عبدالودود خان سے ملنے گئے - عبدالملک جان نہ ملے تو ان کو پشاور صدر میں فون پر اطلاع دی گئی کہ وہ تین بجے بعد ظہر شیخ محمدی پہنچ جائیں - یہاں پر موجود دوستوں سے باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہوا جس میں جماعتی روابط کو مزید مستحکم بنانے پر زور دیا گیا - اس کے بعد میں دوستوں کے ہمراہ جہانگیر پورہ احمدیہ مسجد دیکھنے گیا - مولانا عبدالرحمٰن صاحب بڑے تپاک سے ملے اور اس طرح شبان کے مل کر آنے پر اظہار مسرت کیا - پھر شیخ محمدی پہنچنے کیلئے بس سٹینڈ پر

(باقی پر صفحہ ۵ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغامِ صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۶۹ء

جماعتِ احمدیہ کا نام اور اسکے قیام کا اصل مقصد و طریقِ کار

(۱)

زندگی بخش جامِ احمد ہے ❊ کیا ہی پیارا یہ نامِ احمد ہے
باغِ احمد سے ہم نے پھل کھایا ❊ میرا بستاں کلامِ احمد ہے
(حضرت مسیح موعودؑ)

(ڈاکٹر اللہ بخش)

سلسلہ احمدیہ کو قائم ہوئے قریباً ۹۰ برس ہو چکے ہیں۔ اس کی خدماتِ اسلام کو دیکھ کر اکثر اصحاب خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ آہستہ آہستہ اس کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ لیکن چند ایک مشکلات ہیں جو عملی رنگ میں ایسے اصحاب کو شمولیتِ سلسلہ سے روک رہی ہیں۔ چنانچہ بعض اصحاب یہ تجویز بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر جماعتِ احمدیہ لاہور اپنے نام سے "احمدی" کے لفظ کو ہٹا دے۔ تو اس سے جماعت کو بہت تقویت ملے گی۔ ان اصحاب کی طرف سے جو دلائل اس خیال کی تائید میں پیش کئے گئے ہیں وہ تین ہیں

(۱)۔ چونکہ لفظ احمدی قادیانی (ربوہ) اور لاہور جماعت دونوں فریقوں کے ساتھ ملحق ہے۔ اس لئے عوام الناس کو لفظ احمدی سے دھوکا لگتا ہے اور وہ تمیز نہیں کر سکتے کہ اس سے کونسا فریق مراد ہے۔

(۲)۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور اسلامی اتحاد و اخوت کو قائم کرنا چاہتی ہے۔ مگر خود لفظ احمدی اپنے ساتھ لگا کر ایک تفریق ڈال رہی ہے۔

(۳)۔ اور تیسری دلیل ان دونوں امور کا نتیجہ ہے۔ کہ لوگ لفظ احمدی کو ہوّا سمجھ کر اشاعتِ اسلام کی تحریک میں شامل نہیں ہوتے۔

مذہبِ اسلام اور ملّا کی تعلیم } میں ان کو یکے بعد دیگرے لیتا ہوں جن کی بناء پر یہ تجویز پیش کی جاتی ہے۔ اگر کوئی نام دنیا میں غلط فہمی پیدا کرتا ہو۔ تو کیا یہ بات بجائے خود اس امر کے لئے کافی دلیل ہے کہ اس نام کو اڑا دیا جائے؟ ایسے اصحاب کی نگاہ میں ضروری ہے کہ جہاں کسی نام سے دھوکا لگتا ہے اسے بدل دیا جائے۔ اگر یہ اصول صحیح ہے۔ تو ہمیں بڑی مشکل پیش آئے گی۔ کیونکہ خود الفاظ "مسلم" اور "اسلام" اب تلک دنیا میں خصوصاً یورپ میں بہت بدنام رہے ہیں۔ اور اب بھی بہت حد تک ہیں۔ یورپ اب تک ان الفاظ کے معنے نہایت مکروہ لیتا رہا ہے۔

یورپ میں وحشت، بربریت، انتہائی تعصب اور اسلام اور مسلم ہم معنی الفاظ ہیں۔ اسلام کو خونخواری و بیدردی کا مذہب سمجھا گیا ہے۔ اور دنیا کو اس امر کا یقین دلایا گیا ہے۔ مسلمان کا تصور جو اب تک یورپ کے دماغ میں رہا وہ نہایت بھیانک اور خوفناک تھا۔ گویا اس کی تصویر ایک افریقہ کے اول درجہ کے وحشی کی تھی جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں قرآن ہے۔ اسے جو کافر ملتا ہے۔ وہ اسے قرآن پیش کرتا ہے۔ اور اگر وہ کافر اس کا انکار کرے تو اس کا سر اڑا دینے کو تیار رہتا ہے۔ اب ایک طرف یورپ کی یہ تصویر دیکھو دوسری طرف اس زمانے کے بعض متعصب مسلمانوں سے جو تصویر اسلام کی پیش کی ہے اسے سامنے رکھو۔ کیا دونوں تصویروں میں کوئی فرق ہے؟ یورپ کہتا ہے اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ہمارے دوست اس بات کو سن کر فرماتے ہیں کہ تلوار کے ذریعے آنحضرتؐ نے ہی اس دینِ متین کو نہیں پھیلایا بلکہ یہ دین تو اب بھی اگر غلبہ حاصل کرے گا تو خونی مہدی کے ذریعہ ہی حاصل کریگا۔

اب خدارا انصاف کرو کہ دنیا میں دشمن پھوڑ نادان دوست کے ہاتھوں ہی دینِ اسلام مشتبہ نہیں ہو رہا؟ اور کیا بعض مسلمانوں کے اس عقیدہ کی موجودگی غیر مسلم اصحاب کے لئے ایک ٹھوکر کا موقعہ نہیں؟ کیونکہ اسلام کا سچا پیرو ہونے کے مدعی تو خونی مہدی کی آمد کا عقیدہ ماننے والے بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ پس ایسی تعلیم و عمل کو دیکھ کر دنیا اسلام کے متعلق کیا ایک خطرناک غلطی میں مبتلا نہیں؟

اب میں ان اصحاب سے جو احمدی نام سے غلطی لگنے کے باعث اس کو اڑانا چاہتے ہیں پوچھتا ہوں کہ وہ ایک غیر مسلم کو کیا جواب دیں گے۔ اگر وہ یہ مشکل ان کے سامنے پیش کرے کہ دیکھو جو مذہبِ اسلام تم تعلیم یافتہ لوگ پیش کرتے ہو کچھ اور ہے اور جو اسلام دوسرے مسلمان پیش کرتے ہیں وہ اس کے بالکل برعکس ہے تو تم اس غلط فہمی سے دنیا سے اس طرح کیوں نہیں نجات دلا دیتے۔ کہ اسلام و مسلمان کے نام کو اڑا کر ان کی جگہ اور نام تجویز کر لو۔ نہ تمہارے اور خونی مہدی کے عقیدہ ماننے والوں کے مذہب میں نام کا اشتراک ہوگا۔ اور نہ دنیا دھوکا میں رہے گی۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر ایک غیر مسلم نیک نیتی سے یہ اعتراض کرے اور بہتیرے اصحاب یہ اعتراض کرتے ہیں تو کیا اس موقعہ پر بھی ہمارے "روشن خیال" حضرات "اسلام" و "مسلم" ناموں کو خیرباد کہنے کے لئے تیار ہوں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں جبکہ یہاں بھی وہی مشکل درپیش ہے جو نام احمدی کے اختیار کرنے میں ان کو گھبراہٹ میں ڈال رہی ہے۔

فرقہ بازی اور تنگ دلی کی دلیل } دوسری دلیل احمدی نام کو اڑانے کے متعلق یہ دی گئی ہے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور چاہتی تو ہے کہ اسلام کا عالمگیر اتحاد ہو۔ مگر خود اسی نام احمدی کو اختیار کر کے اس اتحاد میں روک بن رہی ہے۔ اور یہ بات بہت تنگ دلی کی ہے کہ یہ کہا جائے کہ فلاں احمدی ہے۔ اور فلاں وہابی۔ ان ناموں سے کیا فائدہ ہے۔ سوائے اس کے کہ تفرقہ پڑتا ہے؟

بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جماعتِ احمدیہ کی بنیاد ہی اسی امر پر رکھی تھی کہ ہر کلمہ گو دائرہ اخوتِ اسلام کے اندر ہے اور جماعتِ لاہور کی بیشتر قوت تو اسی بات کی نشر و اشاعت پر صرف ہو رہی ہے۔ یہ واقعات ہیں کہ اسلام میں صرف ایک ہی جماعت اس وقت موجود ہے جس کا نہ صرف یہ اعتقاد ہے بلکہ اس کا زور بھی اسی تکفیر کے مرض کی بیخکنی میں خرچ ہوتا ہو۔ مگر باوجود اس کے ہمارے "روشن خیال" اصحاب اسے بھی فرقہ بازی اور تنگ دلی پر محمول کرتے ہیں۔ محض اس لئے کہ اس کے ساتھ احمدی کا نام لگا ہوا ہے۔ یا اس لئے کہ یہ جماعت مجددِ وقت مامورِ زمان جس کو خدا نے اس وقت اسلام کا جرنیل بنا کے بھیجا ہے کے تحت ہو کر اسلام کے جہاد میں اپنے جان و مال قربان کر رہی ہے۔

پھر یہ بھی غور طلب بات ہے کہ مسلمانوں میں الگ الگ فرقے اپنے مخصوص ناموں سے مشہور چلے آ رہے تھے۔ اگر بانیٔ سلسلہ اپنی جماعت کا کوئی نام نہ رکھتے تو بھی دوسرے فرقوں کی موجودگی اور ناموں سے تمیز کرنے کے لئے لوگ اسے کسی نام سے پکارتے جیسے اگرچہ غلام احمد پرویز نے اپنے ہمخیال اصحاب کی کوئی جماعت نہیں بنائی اور نام بھی نہیں رکھا، تاہم تمیز کے لئے لوگ انہیں پرویزی کہتے ہیں۔ کیونکہ نام کے بغیر ہمخیال لوگوں کو کیسے تمیز کر کے پکارا جائے؟

ہاں اگر یہ امر یوں ہو کہ جملہ فرقہ ہائے اسلام اپنے آپ کو کسی نام سے منسوب

نہ کرنے کا اعلان کر دیں مثلاً یہ کہ نہ کوئی جماعت اسلامی نام کا کوئی شخص ہو، نہ کوئی اہلحدیث یا وہابی کہلائے، نہ کوئی اہلسنت والجماعت نام رکھائے۔ سب کے سب صرف "مُسلمان" کہلائیں تو اس صورت میں یہ مطالبہ قابلِ غور و معقول ہوگا کہ تم احمدی کہلا کر فرقہ بازی کے مرتکب ہوتے ہو۔

جائے غور ہے کہ بانئے سلسلہؑ نے اگرچہ اپنی جماعت کا نام اپنے نام پر نہیں رکھا بلکہ آنحضرتؐ کے مبارک نام احمدؐ پر ہی رکھا ہے۔ تب بھی دوسرے لوگوں نے اس کا نام رکھ لیا۔ کوئی اسے مرزائی کہتا ہے۔ کوئی قادیانی کہہ کر پکارتا ہے۔

تو یہ امر کہ ایک جماعت مخصوص تعلیم و عقائد کی حامل تو ہو، مگر اس کا کوئی نام نہ ہو کس قدر غیر معقول اور ناقابلِ عمل امر ہے۔ جب پہلے سے مخصوص عقائد کی بناء پر جماعتیں موجود ہیں تو کوئی نئی جماعت جو ضروریات زمانہ کے لحاظ سے اصولِ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے کیونکر بغیر نام کے رہ سکتی ہے؟

جس امر کو فرقہ بازی کہا جاتا ہے وہ کسی نام سے وجود میں نہیں آتی، بلکہ ان خصوصیات کے اختیار کرنے سے آتی ہے جو فرقہ بازی کی خصوصیات قرار دی جائیں۔ مثلاً فرقہ بازی کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ اپنے ہمخیال لوگوں کے سوا باقی کسی کو مسلمان نہ سمجھا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ اس کے سوا باقی تمام غیر نجات یافتہ یا جہنمی ہیں جیسے یہود کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سوائے یہود کے اور نہ کوئی دیگر ہدایت یافتہ ہے اور نہ کوئی نجات یافتہ۔

اسی طرح تعصب و تنگ دلی کا مظاہرہ جو جماعت کرنے والی ہو اور وہ دوسرے ہم مذہبوں سے بائیکاٹ کا رویہ اختیار کرتی ہو تو یقیناً اسے فرقہ پرستی کا خطاب دینا موزوں ہوگا۔ جیسے بعض ایسی جماعتیں مسلمانوں میں موجود ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ محض نام رکھ لینے سے کوئی جماعت فرقہ پرستی کی مرتکب ہو جاتی ہے صریحاً غلط ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ جو جماعتیں ادنےٰ ادنےٰ اختلافِ عقائد کی بناء پر باقی مسلمانوں سے تشدد و بائیکاٹ کرتی اور اپنے سوا تمام کو کافر قرار دیتی ہیں۔ ہمارے یہ "روشن خیال" اصحاب انہیں مطعون کرنے کی بجائے جماعتِ احمدیہ لاہور کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں جس کے یہ عقائد ہیں کہ جملہ کلمہ گو مسلمان ہیں اور اسلام کے اقرار بلسان کرنے کے بعد کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے۔ مگر جو ان اصولوں کو تسلیم نہیں کرتے انہیں نام رکھنے اور تنگدلی کا مظاہرہ کرنے سے نہ روکا جائے۔ شاید یہ اس لئے ہے کہ یہ جماعت قلیل ہے اور کثیر تعداد جماعت کو کچھ کہنے کی کسی کو جرأت نہیں۔ یعنے سارا قصور قلت تعداد کا آدھا نہ یہ کہ حقانیت کہاں اور تعصب و تنگ دلی کہاں کار فرما ہے۔

پھر اگر یہ کہا جائے کہ جماعت احمدیہ لاہور دوسرے مسلمانوں سے الگ کیوں دکھلائی دیتی ہے تو اس میں تمامتر قصور دوسروں کا ہے۔ جنہوں اس جماعت کا بائیکاٹ کر رکھا ہے نہ کہ خود اس جماعت کا۔ خود حضرت بانئے سلسلہ نے بعد اپنے دعوے کے دس سال تک اپنی جماعت کا نہ کوئی نام رکھا نہ کوئی علیحدگی اختیار کی، حالانکہ آپ نے دعویٰ مسیح موعود کا ۱۸۸۹ء میں کیا اور نام و علیحدگی کی بات ۱۹۰۱ء کی ہے جب مردم شماری کا مرحلہ پیش آیا۔ اگر اختلاف عقائد نام علیحدگی کا موجب ہوتے تو یہ ۱۸۸۹ء میں ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن نام رکھنے کی بات ۱۹۰۱ء میں بانئے سلسلہ نے یوں پیش کی کہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہماری جماعت مردم شماری میں اپنے آپ کو "مسلمان فرقہ احمدیہ" لکھوائے۔ پھر یہ بھی اسی اعلان میں بتلا دیا کہ یہ نام ان کے اپنے نام پر نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کے نام احمدؐ کی بناء پر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:-

جس نام کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ مسلمان فرقہ احمدیہ ہے کیونکہ ہمارے آقا و مولیٰ کے دو نام احمدؐ اور محمدؐ تھے۔ اب چونکہ اس زمانہ میں آنحضرت صلعم کے نام احمد کی تجلی ہوتا ہے اس لئے جو جماعت دین اسلام کو اس کی تعلیم کے حسن و خوبصورتی اور افادیت و ضرورت حقہ کی وجہ سے دنیا سے بذریعہ صلح و امن اور آشتی و علم منوانا چاہتی ہے نہایت مناسب و موزوں ہے

کہ اس جماعت کا نام مسلمان احمدی رکھا جائے۔

اب دیکھو کہ یہ نام ضروریاتِ زمانہ اور خصوصیاتِ پیش آمدہ کے باعث کیسا پیارا و خوبصورت اور کس عمدہ پیرایہ میں جماعتی مقاصد و مطالب و طریق کار کا اظہار کرتا ہے۔ جس شخص نے مخالفت کرنا ہے اسے کون روک سکتا ہے؟ وہ تو کثرت کے خوف سے بہرحال جماعت سے علیحدگی اختیار کرے گا، خواہ جماعت کا کوئی نام ہو یا نہ ہو۔ پس یہ نام احمدی رکھنے پر اعتراض محض ایک عذر لنگ و بہانہ اجتناب ہے نہ کہ کوئی واقعی معقول بات۔ جس شخص کے اپنے اندر کوئی کمزوری ہو وہ اپنی کمزوری دور کرنے کی بجائے کوئی نقص خواہ مخواہ نکالے گا۔ ایسے لوگ کسی بڑے مقصد اسلام کیلئے ہرگز ممد و معاون ثابت نہیں ہو سکتے۔

(جاری ہے)

مہمان خانہ دارالسّلام کے لئے بستروں کی فراہمی کیلئے اپیل

احباب جماعت سے ایک ضروری گذارش

دارالسّلام — احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور مرکزی بستی ہے۔ جہاں تعمیرات اور مختلف منصوبے زیر تکمیل ہیں۔ انجمن کی مختلف مجالس اور دیگر تقریبات بھی یہاں پر منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے قیام کی وجہ سے اکثر و بیشتر احباب بغرض ملاقات یہاں تشریف لاتے رہتے ہیں۔ ان مواقع پر اندرون اور بیرون پاکستان کے احباب و خواتین کو دارالسّلام میں قیام کرنا پڑتا ہے۔

انجمن نے مہمان حضرات کے قیام اور آرام کے لئے دارالسّلام میں مہمان خانہ کے قیام اور متعلقہ سامان کی خرید پر ایک خطیر رقم صرف کی ہے۔ تاہم بعض ضروریات ایسی ہیں کہ ان کی فراہمی میں احباب جماعت امدادِ باہمی کے تحت حصہ لے کر انجمن کے مالی بوجھ کو ہلکا کر سکتے ہیں۔ ان میں سے سرفہرست بستروں کی فراہمی کا مسئلہ ہے۔

جلسہ سالانہ پر اکثر معمر مہمان اپنے ساتھ بستر نہیں لا سکتے اور بعض وقت کئی حضرات کو اتفاقی طور پر رات بسر کرنا پڑتی ہے۔ اور بعض حضرات ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے موزونِ سفر بستر اٹھانے کے مکلف نہیں ہو سکتے۔ ایسی صورت میں انتظامیہ کو بستروں کی قلت کا شدید احساس اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اندریں صورت جماعت ہائے احمدیہ سے التماس ہے کہ وہ حسبِ حیثیت گرم بستر (جن میں ایک دری۔ گدا۔ کھیس۔ چادر۔ سرہانہ۔ ایک رضائی) بطور عطیہ مہمان خانہ دارالسلام کو مرحمت کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ اس کے لئے انتظامیہ شکرگذار ہوگی۔

مَیں پُرامید ہوں کہ جماعتیں اس کی طرف خصوصی توجہ دے کر شکریہ کا موقع دیں گی۔

(چوہدری) محمد حیات

ناظم (دارالسلام) ۵ عثمان بلاک۔ نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

درسِ قرآن کریم جامع احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز مغرب روزانہ درس قرآن کریم ہوتا ہے (بشرطیکہ مکرّم ڈاکٹر صاحب دارالسلام میں موجود ہوں) جس میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے مخصوص شیریں اور ملکوتی لہجہ میں چند آیات کی تلاوت کے بعد ان کا ترجمہ و تفسیر بیان فرماتے ہیں۔ قرب و جوار کے جو احباب شمولیت فرما سکتے ہوں وہ ضرور استفادہ کریں۔

دُعا کا اعجاز

محمود غزنوی نے سومنات پر فتح پائی

سلطان محمود غزنوی کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ یہ غزنی کا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ بڑا دلیر۔ بڑا جری۔ بہت بہادر۔ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ ان میں سومنات کا حملہ بہت مشہور ہے۔ سومنات کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں ہندوؤں کا مشہور تیرتھ تھا۔ ہندوستان کے تمام راجے مہاراجے اس تیرتھ کو متبرک مانتے تھے۔ سومنات کے مندر میں ایک بہت بڑا بُت تھا۔ اس بُت پر بے شمار چڑھاوے چڑھتے رہتے تھے۔ سینکڑوں پجاری اس کی دن رات پوجا کرتے تھے۔

جب ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کو علم ہُوا کہ محمود سومنات پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو انہوں نے وہاں ایک بھاری فوج جمع کی اور بے شمار سامانِ جنگ اکٹھا کیا اور ارادہ کیا کہ اگر محمود حملہ کرے تو اس کی ایسی خبر لی جائے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ بچے بوڑھے جوان سب اس جگہ جمع ہو گئے۔ عورتوں میں اس قدر جوش تھا کہ انہوں نے اپنے زیور بیچ بیچ کر سامان جنگ میں مدد دی سومنات کے اندر باہر دیواروں پر اور دُور دور تک لشکر ہی لشکر نظر آتا تھا۔ ہر دل میں غم و غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی۔

محمود بیس ہزار فوج لے کر غزنی سے روانہ ہُوا اور جنگلوں کو روندتا ہوا سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے سومنات پر بجلی کی طرح آن گرا اُدھر ہندوؤں کے حوصلے بھی بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے مقابلے کے لئے پوری پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ دیواروں پر سے عورتوں نے نعرے بلند کئے کہ اے ملیچھ مسلمانو! آج تمہارا یہاں بچہ بچہ کٹ جائے گا۔ آج تم بچ کر نہیں جاؤ گے۔ ایشور تمہیں اسی لئے یہاں لایا ہے کہ تم سے ایک بھی باقی نہ رہے محمود اور محمود کی سپاہ ان باتوں کو کب خاطر میں لانے والی تھی۔ سلطان نے بڑے زور سے ہلہ بول دیا۔ اُدھر سے راجپوت سورماؤں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔ بڑے گھمسان کا رَن پڑا۔

ایک طرف سے ہری ہری کی آواز بلند ہو رہی تھی اور دوسری طرف سے اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ راجپوت بہادروں نے تہیہ کر لیا تھا کہ کچھ ہو آج مسلمانوں کو زندہ نہیں جانے دیں گے بڑی بے جگری سے لڑے اور بہادری اور شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ ہندو بہادر شیر کی طرح بپھرے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اسلامی فوج کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ محمود نے جب یہ عالم دیکھا تو فوراً گھوڑے سے نیچے اُترا اور اپنا سر خاک میں رکھ کر گڑگڑا کر خدا سے دُعا مانگی "اے خدا! اس وقت تیری مدد اور تیری نصرت کی ضرورت ہے۔ تجھ کو سب طاقتیں حاصل ہیں اور تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تیری مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں ایک عاجز انسان ہوں اور تیری مدد کا طلبگار ہوں"

یہ دُعا مانگ کر زمین سے سر اُٹھایا گھوڑے پر سوار ہُوا اور فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا:—

"اے اسلام کے بہادر سپاہیو! اے اسلام کے نام پر مر مٹنے والو! آج تمہارے امتحان کا دن ہے بہادرو مر جاؤ مگر میدان نہ چھوڑو۔ اے غازیو اگر تم نے آج ہمت ہار دی تو اسلام کے نام پر حرف آئے گا۔ تمہاری بہادری پر بٹہ لگے گا۔ دیکھو! وطن دُور ہے۔ تم بھاگ کر بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے ہاں بہشت نزدیک ہے۔ اگر فتح پائی تو غازی کہلاؤ گے اگر مر گئے تو شہید۔ پھر تمہیں کیا غم۔ سب جان لڑا دو اور میدان نہ چھوڑو۔"

خُدا جانے ان الفاظ میں کیا بجلی بھری تھی کہ ایک ایک سپاہی کی رگوں میں نیا خون دوڑ گیا۔ ان کے حوصلے بلند ہو گئے اور ان میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ بس پھر کیا ایک ایسا بھرپور حملہ کیا کہ راجپوت دُم دبا کر بھاگ نکلے میدان محمود کے ہاتھ رہا اور دشمن ناکام و نامراد ہوئے۔

محمود مندر کے اندر داخل ہوا اور اپنے ہاتھ سے بُت کو توڑنا چاہا۔ تو پجاریوں نے بڑی منت سے کہا "آپ جس قدر زر و مال چاہیں لے لیں مگر اس بُت کو نہ توڑیں۔"

محمود نے کہا:۔ "میں بُت شکن ہوں بُت فروش نہیں ہوں۔"

کہتے ہیں جب محمود نے اس بُت کو توڑا تو اس کے اندر سے اس قدر جواہرات اور ہیرے نکلے جو پجاریوں کے پیش کردہ زر و مال سے کہیں زیادہ تھے۔ محمود کی فتح کا راز کیا تھا؟ وہی دُعا تھی جو اس نے خدا سے مانگی۔ اس کی فوج کے پاؤں اکھڑ چکے تھے اور وہ ہار چکی تھی مگر دُعا سے خدا نے ان کے اندر ہمت پیدا کر دی۔ ایسی ہمت کہ ایک ہی ریلے سے ہی دشمن کو بھگا دیا۔ یاد رکھو دُعا بڑی چیز ہے۔ اس میں بڑی طاقت ہے اس سے ناممکن باتیں ممکن ہو جاتی ہیں اور خدا کی قدرت کے منظر نظر آتے ہیں۔

پشاور میں تنظیمی دورہ — بقیہ ص۲

بقیہ ص۲

پہنچے۔ بس میں ہی مکرم عبدالملک جان مل گئے۔ بڑی خوشی ہوئی۔ شیخ محمدی میں سب شبان کا اکٹھے چلنا بڑا پُر اثر تھا۔ غیر از جماعت احباب بھی اپنی زبان میں ہمیں "جی آیاں نوں" کہتے ہوئے گلے ملتے اور اپنے ہاں چائے پینے اور کھانا کھانے کی دعوت دیتے۔

سب سے پہلے ایک احمدی خاتون برادرم اشرف خان صاحب کی والدہ کی وفات پر ان کے گھر تعزیت کے لئے گئے۔ اور پھر دوسرے دوستوں سے ملے۔ محترم عطاء الرحمٰن صاحب ہمیں رخصت کرنے کے لئے ہمراہ ہو لئے اور راستہ میں مسجد احمدیہ دکھائی۔ جو اپنی سادگی اور خوبصورتی کے لئے مشہور ہے۔ سب دوستوں نے گلے مل کر اور محترم عطاء الرحمٰن صاحب نے اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ اور مرکز میں بزرگوں اور دوستوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست کی۔ ہم بس میں سوار ہو کر پشاور پہنچے۔ یہاں راستہ میں محترم غلام محبوب خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ بڑے خوش ہوئے اور رات ٹھہرنے پر بڑا زور دیا۔ مگر وقت کی کمی کے باعث میری معذرت قبول کر کے مجھے بخوشی رخصت کیا۔

بعد نماز مغرب مکرم سردار علی خان صاحب اور ان کے بھائی جناب احمد علی خان صاحب اور ان کے صاحبزادگان سے حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کے تقاضوں پر گفتگو ہوئی۔ جماعت کی مشکلات بھی زیر بحث آئیں۔ گفتگو کے بعد دسترخوان بچھایا گیا۔ جس پر دیگر انواع و اقسام کے کھانوں کے علاوہ پشاور کی مرغوب "مکئی کی روٹی" بھی تھی۔ کچھ دیر بعد سفید ڈھیری کے دوست آ گئے ان سے مل کر دن کا پروگرام بنایا۔ وارسک روڈ پر مکرم غلام علی خان صاحب کے دفتر گئے مگر وہ بس کے حادثہ میں زخمی پاؤں کا ایکسرے کرانے کے لئے ہسپتال گئے ہوئے تھے۔

بزرگوں سے ملاقات معلوم ہُوا کہ سفید ڈھیری میں احمدیت کا پودا لگانے والے محترم بزرگ ملک محمد زمان ابھی زندہ ہیں۔ ان سے ملاقات کے لئے برادرم فرمان علی اور عزیز احمد کے ہمراہ گیا۔ ضعفِ پیری غالب تھا۔ مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ مرکز لاہور سے ایک نوجوان ان کی زیارت کے لئے آیا ہے تو عزیز احمد کے سہارے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اظہار مسرت فرمایا۔ ایسے بزرگوں کا دم غنیمت ہے۔ جن کی کوششوں سے اس سنگلاخ زمین میں احمدیت کا پودا لگا جس کی حفاظت اور پرورش بعونہ تعالیٰ اب نوجوانوں کے ذمہ ہے۔ آپ نے اپنی رقت آمیز دُعا کے ساتھ رخصت کیا۔

ایک اور احمدی بزرگ محترم سید حسین شاہ صاحب کے گھر جا کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کی زبانی قبول احمدیت کی ایمان افروز داستان سُنی، آپ عرصہ سے صاحبِ فراش ہیں۔ آپ نے مرکز سے محبت کا اظہار فرمایا۔ اور جماعت کے استحکام اور شبان الاحمدیہ کے مقاصد میں کامیابی کیلئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی۔ سفید ڈھیری سے رخصت کے بعد ڈودہ میں کچھ دیر آرام کیا۔

تعمیر قومی کے اصول

حق پسندی و حق گوئی

دورِ صحابہؓ میں خلفاء حق پسندی کو اس قدر احترام کی نظر سے دیکھتے تھے کہ جائز نکتہ چینی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔ اس طرح قوم میں جائز آزادی کا مادہ پیدا ہو گیا تھا جو استحکامِ خلافت کا قوی ترین سبب تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب حضرت فاروق اعظم نے خزائن کعبہ کو تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت شیبہ رضؓ نے اس کی مخالفت کی اور حضرت عمر رضؓ سے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ کو آپ سے زیادہ احتیاج تھی۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضؓ نے تقسیم سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ (ابوداؤد کتاب المناسک)

ایک بار حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ بی بی کو شوہر کی دیت میں وراثت نہیں ملتی۔ حضرت ضحاک بن سفیانؓ نے کہا "اشیم الضبابی کی بی بی کو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریری فرمان کے ذریعہ سے جو میرے نام تھا اس کے شوہر کی دیت دلوائی تھی۔ حضرت عمر رضؓ نے فوراً اپنی رائے بدل دی۔

(ابوداؤد۔ کتاب الفرائض)

دربارِ معاویہ رضؓ حضرت معاویہ رضؓ کے دربار میں ایک دفعہ حضرت ابو مریم رضؓ ازدی حاضر ہوئے تو معاویہ رضؓ کو ان کا آنا ناگوار معلوم ہوا۔ اور کہا ہمیں تمہارے آنے سے کچھ خوشی نہیں ہوئی۔ حضرت ابو مریم ازدی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اور وہ (والی) قوم کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا اس بات نے حضرت معاویہؓ پر یہ اثر کیا کہ آپ نے لوگوں کی حاجت براری کے لئے ایک مستقل افسر مقرر کر دیا۔ (اس کے ماتحت عملہ بھی تو ہو گا۔ ناقل)

(ابو داؤد کتاب الخراج)

صحابہ کرامؓ کا رحم و شفقت صحابہ کرام رضؓ نے رحم و شفقت کا وہ عملی نمونہ دکھایا کہ قوم سے بیگانگی جاتی رہی۔ ہر فرد قوم محسوس کرتا تھا کہ میری پشت پر ایک پشتیبان قوم کھڑی ہے جو میری اور میرے اہل و عیال کی خبر گیری کے لئے کافی ہے۔

چھوٹے چھوٹے بچے حضرت ابوبکر رضؓ کو دیکھ کر آپ کی طرف دوڑ پڑتے اور کہتے "اے باپ"۔ آپ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے (الریاض النضرۃ) لڑکیاں بکریوں کے دودھ دوہنے کو کہتیں آپ ان کے لئے دودھ دوھ دیتے۔ مدینہ کے ایک گوشہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ آپ رات کو جا کر اس کی ضروریات پوری کر آتے تھے۔ (اسد الغابہ)

جاڑوں کے موسم میں چادریں خرید کر مدینہ کی بیواؤں میں تقسیم فرماتے۔ (کنز العمال)

حضرت عمر رضؓ اپنی شدت و جلالت کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ مگر جب مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو فرمایا:۔

"اب جبکہ میں خود خلیفہ بن گیا ہوں تو یقین کرو وہ سختی دگنی ہو گئی ہے مگر صرف ان لوگوں کے لئے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ورنہ نیک اور دیندار لوگ تو میں ان کے لئے اس سے زیادہ نرم خو ہوں جس قدر وہ باہم نرم خو ہیں"۔ (الریاض النضرۃ)

حدیث رجال اور کتب تاریخ و سیر اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت عمر رضؓ دیندار لوگوں کے ساتھ بہت ہی حلیمانہ سلوک روا رکھتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت سعید بن یربوع کے پاس جو کہ اندھے ہو گئے تھے ان کی عیادت کے لئے آئے اور انہیں فرمایا کہ مسجد نبویؐ میں پہنچ کر ہر جمعہ ادا کرنا۔ بولے مجھے کون لے جائے گا؟ واپس گھر پہنچ کر ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا۔ (اسد الغابہ)

ایک بار حضرت احنف بن قیس اہل بصرہ کے ساتھ حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم ایک بنجر زمین میں آباد ہیں۔ اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر ہے اور غربی جانب چٹیل میدان۔ نہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی۔ دو کوس سے ضعیف لوگ پانی لاتے ہیں۔ عورتیں پانی کے لئے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح باندھ دیتی ہیں کہ کہیں انہیں دشمن اور درندے نہ اٹھا لے جائیں۔ تو کیا آپ ہماری ضروریات پوری نہ کریں گے؟ حضرت عمر رضؓ نے فوراً بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری گورنر بصرہ کو لکھ بھیجا کہ ان لوگوں کے لئے ایک نہر کھدوا دیں۔ (فتوح البلدان)

کبھی کبھی ان عورتوں کے گھر خود تشریف لے جاتے جن کے شوہر سفر پر ہوتے تاکہ ان کی ضروریات بہم پہنچائی جائیں۔ مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کے گھروں میں ان کی بیویوں کے پاس لے کر جاتے اور کہتے کہ اگر کوئی پڑھنے والا گھر میں نہیں تو عورتیں دروازوں کے قریب آ جائیں تاکہ انہیں خطوط پڑھ کر سنا دیئے جائیں۔ بعض عورتوں کے خطوط بھی لکھ دیتے۔

سفر میں حضرت عمر رضؓ کا دستور تھا کہ اپنے اونٹ پر ستو، کھجور، مشک اور پیالے ساتھ رکھتے اور اہلِ حاجت کی مدد فرماتے۔

جب لوگ ایک منزل سے کوچ کرتے تو آپ اس متروکہ منزل کی دیکھ بھال فرماتے تاکہ کوئی گری پڑی چیز سنبھال لی جائے۔ اگر کوئی شخص لنگڑا لولا ہوتا یا کسی کا اونٹ بیمار ہوتا تو اس کے لئے کرایہ کا اونٹ مہیا کر دیتے۔ لوگ دوسری منزل پر اترتے تو گم شدہ چیزوں کی تلاش کے لئے آپ کے پاس آتے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور عرض کیا یا امیر المومنین میرا شوہر مر گیا ہے اور خورد سال بچے چھوڑ گیا ہے جو نہ کام کرنے کے لائق ہیں نہ ہمارے پاس مویشی ہیں نہ کھیتی۔ مجھے خوف ہے کہ انہیں درندے نہ کھا جائیں۔ میں خفاف بن ایماء الغفاری کی لڑکی ہوں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضؓ فوراً احتراماً ٹھہر گئے۔ واپس جا کر ایک اونٹ غلہ اور کپڑے سے لدا ہوا اس کے پاس لائے اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار دے کر کہا اس کو ہانک لے جاؤ۔ ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین آپ نے اسے بہت دے دیا۔ بولے ارے بھائی اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے ایک قلعہ کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا تھا۔

(بخاری کتاب المغازی)

ایک بار سفر حج کو جا رہے تھے راستے میں ایک بڈھا قافلے کو روک کر کھڑا ہو گیا اور سوال کیا کہ کیا تم میں حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ جواب ملنے پر کہ حضورؐ انتقال فرما چکے ہیں۔ بہت رویا۔ اور پھر فرمایا کہ حضورؐ کے بعد خلیفہ کون ہیں؟ حضرت عمر رضؓ نے جواباً حضرت ابوبکر رضؓ کا نام بتایا۔ بولا کیا وہ تم میں ہیں؟ جب اسے ان کی وفات کی خبر دی گئی تو پھر بہت روئے۔ پھر پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوئے؟ بولے عمر بن الخطاب۔ اس نے پوچھا کیا وہ تم میں ہیں؟ جواب دیا کہ تم سے وہی گفتگو کر رہے ہیں، تو بڈھے نے کہا میری فریاد رسی کی جائے افسوس مجھے کوئی فریاد رس نہیں ملتا۔ حضرت عمر رضؓ نے پوچھا تم کون ہو؟ تمہاری فریاد سن لی گئی۔ بولے میرا نام ابو عقیل ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام لایا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنا بچا ہوا ستو پلایا تھا اور میں اب تک بھوک اور پیاس میں سیری و سیرابی محسوس کرتا ہوں۔ پھر میں نے بکری کا ایک گلہ لیا جس پر میرا گذارہ رہا۔ لیکن اس سال بدبختی نے سوائے ایک بکری دودھ دینے والی کے کچھ نہ چھوڑا اگر آج اسے بھی

(باقی بر صفحہ ۹ کالم نمبر ۱)

قرآن کریم پڑھنے کا طریق

افادات حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ

قرآن کریم سے بڑھ کر سہل اور آسان کتاب دُنیا میں نہیں۔ مگر اس کے لئے جو پڑھنے والا ہو۔ سب سے پہلے اور ضروری شرط قرآن کریم کے پڑھنے کے واسطے تقوےٰ ہے، اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ متقی کو قرآن پڑھا دے گا۔ طالب علم کو معاش کی طرف سے فراغت اور فرصت چاہیئے۔ تقوےٰ اختیار کرنے کی وجہ سے اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچتا ہے کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالےٰ خود متکفل ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری شرط قرآن کریم کے پڑھنے کے واسطے مجاہدہ فی سبیل خدا میں ہوکر کرنا چاہیئے۔ پھر مشکلات کا آسان ہو جانا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

پھر قرآن کریم پڑھنے کا ڈھنگ یہ ہے کہ ایک بار شروع سے لے کر آخر تک خود پڑھے اور ہر ایک آیت کو اپنے ہی لئے نازل ہوتا ہوا سمجھے۔ آدم اور ابلیس کا ذکر آئے تو اپنے دل سے سوال کرے کہ میں آدم ہوں یا شیطان۔ اسی طرح قرآن کریم پڑھتے وقت جو مشکل مقامات آویں ان کو نوٹ کرتے جاؤ۔ جب قرآن شریف ختم ہو جاوے تو پھر اپنی بیوی اور گھر والوں کو اپنے درس میں شامل کرو اور ان کو سناؤ۔ پہلی مرتبہ جو مشکل مقام آئے تھے انشاء اللہ تعالےٰ ان کا ایک بڑا حصہ سہل ہو جائے گا اور جو اب کے بھی رہ جائیں گے ان کو پھر نوٹ کرو اور تیسری مرتبہ اپنے دوستوں کو بھی شامل کرو اور چوتھی مرتبہ غیروں کے سامنے رکھو اس وقت انشاء اللہ سب مشکلات حل ہو جائیں گی۔ مشکل مقامات کے حل کے واسطے دُعا سے بھی کام لو۔ (الحکم جلد ۲ نمبر ۲۵)

اے مسلمانو! اس کتاب پر ایمان لاؤ کیونکہ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ تمام نصائح کی جامع ہے۔ اگر کسی اگلی کتاب میں تحریف ہو چکی ہے تو یہ اسے صاف کرتی ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ اپنے احسان کرنے والے کا شکرگذار ہوتا ہے اور اس کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کو خوش رکھنا اپنا فرض جانتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ انسان کو کہتا ہے کہ تم خدا کے ناشکرے کس طرح بنتے ہو اپنا حال تو دیکھو تم مُردہ تھے بے جان ذرات تھے تمہارا نام و نشان نہ تھا۔ خُدا نے تمہیں زندہ جاندار بنایا۔ پھر تم مر جاؤ گے پھر زندہ کئے جاؤ گے پھر احسانِ الٰہی کو یاد کرو کہ اس نے زمین کی تمام اشیاء (تمہارے) فائدہ کے لئے بنائیں۔ پھر تم زمین سے لے کر آسمان تک نگاہ ڈالو ہر امر میں خُدا تعالےٰ کے تمام کاموں کو پُر حکمت پاؤ گے۔

کوئی بات ایسی نہیں ہے جس میں کوئی کمزوری یا خرابی نگاہ میں آسکے اور خُدا سب باتوں کا علیم ہے وہ تمہارے افعال کو دیکھ رہا ہے اور ان سے باخبر ہے۔

نبی کریمؐ جب کوئی بادل آتا تو مضطربانہ اندر باہر [illegible] نے لگتے حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کی۔ عرب کا ملک تو ابر دیکھ کر خوش [illegible] ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: عائشہ کیا معلوم کہ اس بادل میں کوئی خدا کا [illegible] ہو۔ بدر کے جنگ میں باوجود وعدہ نصرت الٰہی کے آپؐ نے ایک جھونپڑی ڈال لی اور اس قدر عاجزی سے دُعا کی کہ آپؐ کی چادر گر گئی۔ اس پر ابوبکر رضؓ بول اٹھے کہ بس کیجئے خدا کا وعدہ ہے کہ میں فتح دوں گا۔ اس پر صوفیوں نے لکھا کہ ابوبکر رضؓ کو خُدا کی نسبت اتنا علم نہ تھا جتنا نبی کریمؐ کو تھا۔ وہ خدا کے غناء ذاتی کو جانتے تھے۔

کسی دوسرے کو حقارت سے نہ دیکھو بلکہ مناسب یہ ہے کہ اگر اللہ نے کسی کو علم، طاقت اور آبرو دی ہے تو اس کا شکریہ ادا کرے۔ اور جو لوگ نعمت سے متمتع نہیں، ان کو حقارت سے نہ دیکھے اس کا انجام خطرناک ہے۔ مثلاً اگر کسی کی طاقت مسجد کے متعلق ہے تو وہ ان لوگوں کو جو اس کے ہم خیال نہیں، مسجد سے روک دیتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ آخر وہ بھی خدا ہی کا نام لیتا ہے۔ صرف اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسجد میں آؤ اور جماعت ہو رہی ہو تو وقار اور سکینت سے آؤ اور ادب کرو۔ جیسے کسی شہنشاہ کے دربار میں داخل ہوتا ہے لیکن اگر وہ خوفِ الٰہی سے کام نہیں لیتا تو یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے۔

رشک تمام انسانی ترقیات کی جڑ ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اگر رشک کرتا ہے۔ تو ابراہیمؑ سے کرو۔ دیکھو اس نے اپنے اخلاص و وفا کے ذریعہ کیسے کیسے مدارج پائے۔ ابراہیمؑ کی ملت سے کون بے رغبت ہوسکتا ہے وہی جس کی دینی و دنیوی عقل کم ہو، اس کی ملت کیا تھی بس حنیف ہونا۔ حنیف کہتے ہیں ہر امر میں وسطی راہ اختیار کرنے والے کو........ اور ابراہیمؑ کی ملت یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچے رہنا۔ کسی کی طرف بالکل ہی نہ جھک جانا بلکہ دین و دُنیا دونوں کو اپنے اپنے درجے کے مطابق رکھنا چنانچہ یہ دُعا سکھائی گئی ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

(ماخوذ از خطبات نور)

مولٰنا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد ان کے اپنے قلم سے:—

دل چیر کر دیکھنا یا دکھانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ قسم پر کوئی اعتبار کرے تو واللہ العظیم کے برابر کوئی قسم نظر نہیں آتی۔ نہ آپ میرے ساتھ موت کے بعد ہوں گے نہ کوئی اور میرے ساتھ سوائے میرے ایمان و اعمال کے ہوگا۔ پس یہ معاملہ اللہ تعالےٰ کے حضور پیش ہونے والا ہے، واللہ العظیم واللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض۔

میں مرزا صاحب کو مجدد اس صدی کا یقین کرتا ہوں۔ میں انکو راستباز مانتا ہوں حضرت محمد رسول اللہ النبی العربی المکی المدنی خاتم النبیین صلعم کا غلام اور اس کی شریعت کا بدل و جان سے خادم مانتا ہوں اور مرزا صاحب خود اپنے آپ کو جاں نثار غلام نبی عربی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف کا مانتے تھے۔ نبی کے معنی لغوی پیش از وقت اللہ تعالےٰ سے اطلاع پا کر خبر دینے والا ہم لوگ یقین کرتے ہیں نہ شریعت لانے والا۔ مرزا صاحب اور میں خود جو شخص ایک نقطہ بھی قرآن شریف اور شریعت محمد رسول اللہ کا نہ مانے، میں اسے کافر اور لعنتی اعتقاد کرتا ہوں۔ یہی میرا اعتقاد ہے اور یہی میرے نزدیک مرزا غلام احمد کا تھا۔ کوئی رد کرے یا نہ مانے یا منافق کہے اس کا معاملہ بحوالہ خُدا۔ (ایک خط)

حضرت امیر مرحوم کا ارشاد گرامی:—

"میں آج آپ کو صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ کوئی مرد ہو یا عورت یا لڑکا یا لڑکی ہو جو اپنے مال میں سے اس دینی جہاد میں کچھ خرچ نہیں کرتا، اس سے بڑھ کر یہ کہ حسب حیثیت صرف نہیں کرتا اور پھر اسے ماہوار ادا نہیں کرتا، وہ اپنے آپ کو بھی دھوکا دے رہا ہے اور اپنی جماعت کو بھی دھوکا دے رہا ہے......" (ایک خطبہ جمعہ سے اقتباس)

علامہ مسیح عبدالرحمٰن مصری صاحب

کیا اُمّت محمدیہ میں مجدّدین کا آنا منقطع ہو گیا ہے؟

(قسط ششم)

ـت ربوہ کا مذہب } جماعت ربوہ نے یہ اپنا نیا مذہب ایجاد کیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی خلافت منقطع ہوئے ـیامت دائمی ہے یعنی احمدیہ جماعت میں حضرت مسیح موعودؑ کے بعد حضرت ـعودؑ کے خلیفے منتخب ہوتے رہیں گے اور وہی مجدّد کہلائیں گے۔ "رسالہ ـت" کی رُو سے کوئی نیا مجدّد مبعوث نہیں ہوگا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے رسالہ ـت" میں انہوں نے اپنی طرف سے حضورؑ کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے "خلافت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی"۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں نے حضورؑ کی تحریروں میں تصرّف ـع کر دیا ہے۔ مندرجہ بالا الفاظ جو حضورؑ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ـورؑ کے "رسالہ الوصیت" میں موجود نہیں۔ قارئین کرام حضورؑ کے "رسالہ ـ" کو بے شک ایک بار نہیں بلکہ ہزار بار پڑھ جائیں لیکن مندرجہ بالا الفاظ ہرگز نہیں ملیں گے۔ ہر مطالعہ کے وقت آپ کی آنکھیں تھک کر چور ہو ـ ہوئیں گی لیکن مندرجہ بالا الفاظ ہرگز نہ پائیں گی۔ یہ الفاظ جو انہوں نے ـ کئے ہیں اور پھر انہیں حضورؑ کی طرف ان کو منسوب کر دیا ہے اور انہی ـ پر انہوں نے یہ نظریہ ایجاد کیا ہے کہ:۔

ـم و عدل سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کی اس وصیت کے مطابق جماعت ـدیہ میں خلافت (یعنی جماعتِ ربوہ کی فرض کردہ خلافت جو ان کی جماعت ـ کے افراد کے ذریعہ منتخب ہوا کرے گی۔ ناقل) کا یہ نظام چونکہ تاقیامت ـیشہ کے لئے دائمی اور غیر منقطع ہے اس لئے خلیفۃ اللہ کی موجودگی میں ـ اور مجدّد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ـۃ اللہ سے مُراد انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو لیا ہے اور یہ درست ـ اس سے قطعاً اختلاف نہیں۔ یقیناً حضرت مسیح موعودؑ اللہ تعالےٰ ـ تھے۔ لیکن جو نتیجہ ان لوگوں نے اخذ کیا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ ـنا حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں کے صریح خلاف ہے۔ چنانچہ ایک ـ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے بعد بھی مجدّد آئے گا اس سوال کا ـحضورؑ نے یہ دیا:۔

ـس میں کیا حرج ہے کہ میرے بعد بھی کوئی مجدّد آ جائے آنحضرت ـعم کا سلسلہ قیامت تک ہے اس لئے قیامت تک ـ آتے رہیں گے ہم ہرگز اس سے انکار نہیں کرتے۔"

(فتاوےٰ احمدیہ جلد دوم صفحہ ۶۴)

ـت ربوہ کے مبلغ نے خلیفۃ اللہ کے لفظ سے یہ استدلال ـ خلیفۃ اللہ کی موجودگی میں کسی اور مجدّد کا سوال ہی پیدا نہیں ـ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے "رسالہ الوصیت" کے صفحہ ۲۴ پر اس ـعلق جو حضورؑ نے اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے قائم کی تھی تحریر ـ:۔

"ـہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس ـ اس انجمن کو دُنیاداری کے رنگوں سے بکلّی پاک رہنا ہوگا ـس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر ـ ہونے چاہئیں۔"

گویا ان کے نزدیک مرزا بشیرالدین میاں محمود احمد صاحب بھی مجدّد تھے اور اب مرزا ناصر احمد صاحب بھی مجدّد ہیں اور آئندہ جو شخص بھی اس مقام کے لئے منتخب ہوگا وہ بھی مجدّد ہوگا اور اس طرح قیامت تک مجدّدوں کا یہ سلسلہ جاری رہے گا نہ کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالےٰ اپنے الہام اور وحی کے ذریعہ مجدّد مبعوث کرے گا یہ سلسلہ اُن کے نزدیک اب منقطع ہو چکا ہے اور رسول کریم صلعم کی حدیث "اِنّ اللہ یبعث لھٰذہ الامّۃ علیٰ رأس کلّ مائۃ سنۃ من یجدّد لھا دینھا" یعنے یقیناً اللہ تعالےٰ مبعوث کیا کرے گا اس اُمّت کے فائدے کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسا شخص یا ایسے اشخاص جو اس دین کی تجدید کیا کریں گے۔

اس کے متعلق حضورؑ کے ارشادات } جماعت ربوہ کے مبلغ صاحب "حکم و عدل حضرت سیّدنا مسیح موعود علیہ السلام کی اس وصیت کے مطابق" (کہ خلافت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی' یہ وہ الفاظ ہیں جو جماعت ربوہ کے مبلغ نے حضورؑ کی طرف خود بخود زائد منسوب کئے ہیں۔ حضورؑ کی تحریر میں ان الفاظ کا نام و نشان نہیں۔ ناقل) جماعت احمدیہ میں خلافت کا نظام تا قیامت ہمیشہ کے لئے دائمی اور غیر منقطع ہے اس لئے خلیفۃ اللہ کی موجودگی میں کسی اور مجدّد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ قیامت تک مجدّدین آتے رہیں گے اور حدیث نبویؐ بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس حدیث کی بناء پر ہی حضورؑ نے بھی قیامت تک مجدّدین کا آنا تسلیم کیا ہے۔ لیکن جماعت ربوہ کے علماء حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کے صریح خلاف یہ کہہ رہے ہیں کہ اب قیامت تک کوئی مجدّد مبعوث نہیں ہوگا۔ انہی لوگوں کو مجدّد کہہ دینا چاہیئے جو خدا کے الہام کی بناء پر نہیں بلکہ لوگوں کے انتخاب کی بناء پر خلیفہ منتخب ہوں گے۔

حضورؑ کا اپنے آپ کو مجدّد کہنا } چنانچہ جماعت ربوہ کے مبلغ نے حضورؑ کی کتاب "لیکچر سیالکوٹ" کے صفحہ ۶ سے نقل فرمائی ہے:۔

"یہ امام جو خدا تعالےٰ کی طرف سے مسیح موعودؑ کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی۔"

ایسا ہی مبلغ صاحب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۹۴ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"آخری مجدّد اس اُمّت کا مسیح موعودؑ ہے وہ مسیح موعودؑ جو آخری زمانہ کا مجدّد ہے وہ میں ہی ہوں۔"

پھر حضورؑ کی کتاب "لیکچر سیالکوٹ" کے صفحہ ۶ میں حضورؑ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ربوی مبلغ صاحب حضورؑ کا اقتباس مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

"قرآن شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لے کر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے۔ اور ضرور تھا کہ امام آخر زمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد نہ کوئی امام ہے اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظل کے ہو کیونکہ اس ہزار میں اب دُنیا کی عُمر کا خاتمہ ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس نقل کرنے کے بعد ربوی مبلغ صاحب لکھتے ہیں:۔

"یاد رہے کہ یہاں ظلّ سے مراد آپ کا خلیفہ اور جانشین ہے جیسا کہ خود سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "شہادت القرآن" کے صـ ۵ میں فرمایا ہے:۔

"خلیفہ دراصل رسُول کا ظلّ ہے"

اور رسالہ الوصیت کے مطابق سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت چونکہ تاقیامت منقطع ہوئے بغیر ہمیشہ کے لئے دائمی ہے اس لئے آپ کے ظلّ سے مراد آپ کا خلیفہ اور جانشین ہی ہے۔ (لفظ ظلّ مبلغ کی اپنی ایجاد ہے ورنہ حضورؑ کے کلام میں اس کا قطعاً کوئی

ذکر نہیں۔ ناقل) جو آپ کی ظلیت میں دنیا بھر میں تجدید دین اور نفاذ شریعت کا کام سر انجام دیتا ہے۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جانشین اور خلیفہ سے علیحدہ ہو کر اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کو حاصل کرے گا تو وہ غلطی خوردہ ہے۔ رسالہ الوصیت صلا مک کے مطابق اب تو قیامت تک سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی خلافت منقطع ہوئے بغیر دائمی اور ہمیشہ کے لئے ہے۔"

مبلّغ ربوی صاحب کے اخذ کردہ نتائج میں تضاد

حضرت مسیح موعود ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ قیامت تک مجدّدین آتے رہیں گے مجدّدین تو الگ رہے بلکہ امام اور مسیح بھی آتے رہیں گے لیکن یہ امام اور مسیح میرے ظلّ ہوں گے۔ ظلّ سے یہ مراد تو نہیں ہو سکتی کہ وہ اصل کی صفات سے اور اسکی روحانیت سے اور اس کے قربِ الٰہی کے مقام سے محروم ہوں گے۔ ظلّ اور خلافت کی حقیقت کو انشاء اللہ تعالیٰ قسط ہفتم میں واضح کیا جائے گا۔ میں حیران ہوں کہ ربوی مبلغ صاحب لکھتے ہیں:-

"آپ کے ظلّ سے مراد آپ کا خلیفہ اور جانشین ہی ہے جو آپ کی ظلیت میں دنیا بھر میں تجدیدِ دین اور نفاذِ شریعت کا کام سرانجام دیتا ہے"

کیا جماعت ربوہ کے علماء اور افراد حضورؑ کے مندرجہ ذیل الفاظ مندرجہ رسالہ الوصیت "چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے" کے ماتحت انجمن کے ممبر صاحبان کو حضورؑ کا ظلّ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں یعنی اپنی تشریح کے مطابق اور کیا آپ اس انجمن کی طرف دنیا بھر میں تجدید دین اور نفاذ شریعت کا کام سر انجام دینے کو منسوب کرنے کو تیار ہیں۔ بقیہ قسط ہفتم میں انشاء اللہ تعالیٰ۔

بقیہ صفحہ ۵:

شکریہ احباب

اس دورے کے دوران میں برادرم اختر علی خان خلیل صاحب (نائب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور) بھائی سعید احمد (سیکرٹری شبان الاحمدیہ سرحد زون) ممبران شبان الاحمدیہ برادرم محترم ظفر علی اور لیاقت علی کے علاوہ فاروق احمد۔ ظہور احمد۔ لیاقت علی عزیز احمد گوہر علی، اس رابطہ مہم میں باقاعدہ میرے ساتھ شامل رہے۔

مختلف اوقات میں گروپ کی صورت احباب سلسلہ کے گھر جانے سے جماعتی زندگی کی برکات کا احساس ہوا اور محترم بزرگ جناب سردار علی خان صاحب خلیل نے اپنی کار عنایت فرمادی تھی جس سے رابطہ پیدا کرنے میں بے حد آسانی رہی۔

جماعت ہائے احمدیہ پشاور میں چار روزہ قیام کے بعد یکم مارچ کی صبح ۹ بجے بخیریت دارالسلام میں واپسی ہوئی۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

تعمیر قومی کے اصول — بسلسلہ صفحہ ۶

بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ اب آپ میری دستگیری فرمائیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم سے چشمہ پر ملو۔ منزل پر پہنچ کر مال و اسباب سے لدی ہوئی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اس بڈھے کی انتظار میں کچھ عرصہ کھڑے رہنے کے بعد اونٹنی صاحب حوض کے حوالہ کی اور اسے ضروری ہدایات دے کر رخصت ہوئے۔ جب حج سے واپس آئے تو صاحب حوض سے اس بڈھے ابوعقیل کے متعلق دریافت فرمایا۔

وہ بولا کہ غریب بڈھا مبتلائے بخار آیا تھا اور تین روز کے بعد انتقال کر گیا۔ چنانچہ یہ اس کی قبر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی اور رو پڑے۔ پھر اس کے اہل و عیال کو لے کر مدینہ آئے اور تادم مرگ ان کی معاش کے متکفل رہے۔ (اسد الغابہ)

جلسوں کا اعلان

مقامی جماعتہائے میں دوروں کی تاریخوں کا تعین حسب ذیل ہے صدر اور سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ اس پروگرام کے مطابق مناسب انتظام فرمادیں تاکہ مقامی اور مضافات کے جملہ احباب مرد، خواتین اور نوجوان اس میں شرکت کر سکیں اور راقم الحروف کو بھی اس سے مطلع فرمادیں۔

مرکز سے جن احباب نے شمولیت کرنا ہے اس کی اطلاع مقامی جماعت کے جواب آنے پر دی جائے گی۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

- ۲۳ مارچ — چک نمبر ۸۱ جنوبی۔
- ۳۰ مارچ — وزیر آباد
- ۶ اپریل — فیصل آباد
- ۱۳ اپریل — بدوملہی
- ۲۰ اپریل — سیالکوٹ
- ۲۷ اپریل — پشاور
- ۴ مئی — راولپنڈی
- ۱۱ مئی — ایبٹ آباد
- ۱۸ مئی — کراچی
- ۲۵ مئی — لاہور

ضرورت رشتہ

ایک بچے اور بچی کے لئے رشتہ کی ضرورت ہے۔

کوائف:-

قوم۔ افغان غوری

معاشرتی معیار۔ اوسط درجہ

بچہ۔ ۲۲ سال۔ BSC, MEEH, ENGG. اعلیٰ فرم میں مکینیکل انجنیئر

بچی۔ ۱۸ سال۔ ایف اے۔

علاوہ ازیں مزید دو بچوں اور ایک بچی کے عنقریب رشتوں کے لئے بھی رابطہ و تعارف کی ضرورت ہے۔

مندرجہ ذیل پتہ پر براہ راست خط و کتابت فرمادیں۔

M, S, U, G

POST BOX NO. 255. MULTAN

تبلیغی خط و کتابت — بقیہ ص

— سیکنڈری سکول گھانا (افریقہ) سے ابراہیم عبداللہ لکھتے ہیں:—

"میں آپ کا اسلامی بھائی ہوں اور دینیات کا طالب علم ہوں۔ آپ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی جو بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں ان سے باخبر ہوں۔ میں ایسے سکول میں زیرِ تعلیم ہوں جو اسلامی تعلیمات پر زیادہ اور خصوصی توجہ دیتا ہے۔ میں آپ کی امداد کا محتاج ہوں مہربانی فرما کر آپ اسلامی کتابیں مرحمت کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ انگریزی ترجمۃ القرآن تو ضرور بھجوائیں۔ اس کے مطالعہ کی اشد ضرورت ہے تاکہ میں اسلامی تعلیمات سے تفصیلی طور پر آگاہ ہو سکوں۔"

— جواب:—

عزیزی! ہمیں خوشی ہے کہ آپ ہمارے دینی بھائی ہیں، اور اسلامی تعلیمات حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دینِ اسلام سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور اس سلسلہ میں ہم سے جو آپ کی خدمت و رہنمائی ہو سکتی ہے ہم بسر و چشم تیار ہیں، کہ ہمارا اوّل و آخر کام ہی یہی ہے۔ اس کارِ خیر کی توفیق محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ہمیں حاصل ہے۔ اور اس کے لئے ہم بارگہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہیں۔ آپ کو ہم چند کتب بھجوا رہے ہیں اور آئندہ بھی آپ کو لٹریچر ملتا رہے گا۔ خط و کتابت جاری*

* رہے تو جانبین کے لئے بہتر ہوگی کا رلائقہ سے یاد کرتے رہیں۔ زیادہ دعائیں۔

"JESUS DIED IN KASHMIR" "وفاتِ مسیح در کشمیر"

مصنفہ فیبر اے قیصر ——— باب (۶)

ترجمہ اردو: ——— از سید ناصر احمد صاحب، مانچسٹر

حضرت مسیحؑ اور حضرت بدھ میں مماثلت

ایک مشہور مغربی فلاسفر مسٹر فیبر اے قیصر کی محققانہ تاریخی کتاب (وفاتِ مسیح در کشمیر) JESUS DIED IN KASHMIR کے چھٹے باب کا اردو میں ترجمہ کر کے سید ناصر احمد صاحب نے مانچسٹر سے بھیجا ہے۔ جو ہدیہ قارئین کرام ہے۔ (ادارہ)

اس کتاب میں، ہم نے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے دو بار ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ پہلا سفر جوانی کے زمانہ میں کیا۔ اس کو ان کی طالبعلمی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ دوسرا طویل سفر وہ ہے جس میں وہ فلسطین سے جان بچا کر اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ یہ صلیب کے بعد کے واقعات ہیں جن کے متعلق ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ وہ اس موت سے بچ نکلے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت بدھؑ اور ان کی تعلیمات میں متعدد مماثل کا جائزہ بھی لیا جائے۔

۱۸۹۷ء میں جرمنی میں ایک کتاب "چار انجیلوں کا تقابلی مطالعہ" مصنفہ ایس، ای، ورس شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ بائبل میں حضرت مسیح کے حالاتِ زندگی میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو حضرت بدھؑ کی زندگی کی تفصیلات سے ملتی جلتی ہیں۔ حضرت بدھؑ کے متعلق روایات میں درج ہے کہ وہ خدائے مجسم تھے، ان کا حمل میں لیا جانا اور ان کی تعجب انگیز اور مافوق الفطرت طریق پر پیدائش کے متعلق پہلے سے خبر دی گئی تھی۔ اور یہ کہ پیدائش کے بعد دیوتاؤں اور بادشاہوں نے نومولود کو سجدہ کیا اور تحفے پیش کئے نیز ایک بزرگ برہمن نے اس نومولود کو فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی بچہ ہے جو آئندہ چل کر تمام برائیوں سے نجات دلانے والا ثابت ہوگا۔ اور جس کے ذریعہ سے دنیا میں امن اور شادمانی کا دور دورہ ہوگا۔

جوانی میں اس پر سخت مظالم ڈھائے گئے اور پھر معجزانہ طریق پر ان مظالم سے اس کو بچا لیا گیا اور پھر وہ مندر میں نہایت وقار اور تقدس کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ کہ جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تو ایک بار جب ان کے والدین ان کی تلاش میں سرگرداں تھے تو ان کو مذہبی عالموں کے درمیان پایا۔ وہ غیر معمولی ذہین تھے اور فہم و فراست میں اپنے اساتذہ سے بھی سبقت لئے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی روزے رکھے اور شیطان نے ان کو پھسلانے کی کوشش کی۔

انہوں نے متبرک دریا میں نہا کر اپنے آپ کو پاک کیا اور ایک دانشور برہمن کے کئی شاگرد ان کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ جب انہوں نے ان سے کہا کہ "میرے پیچھے چلو"۔ ان کے ماننے والوں میں سے ایک تو مثالی کردار کے حامل تھے لیکن ایک بدعمل نکلا۔ اور یہ کہ ان شاگردوں کے اصلی نام بعد میں تبدیل کر دیئے گئے۔ اور ان کو ضروری تربیت و ہدایات دینے کے بعد (حضرت بدھ نے) شاگردوں کو ... تبلیغ کے لئے نکل پڑیں۔

اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت بدھ دنیا کے لئے خوشخبری لئے ہوئے تھے اور یہ کہ ان کی تعلیمات حضرت مسیحؑ کی تعلیمات سے غیر معمولی طور پر ملتی جلتی ہیں۔ حضرت بدھ تمثیلی رنگ میں گفتگو کرنا پسند کرتے تھے۔ انہوں نے معجزات برپا کئے۔ دنیاوی دولت سے اعراض کیا، انکساری و امن، دشمنوں کو معاف کرنا، تجرد کی زندگی اور تارک الدنیا ہونے کا پرچار کیا۔ مفلسی اور غریب الوطنی میں بھی وہ ایک روحانی معالج اور (گناہ) سے رہائی دلانے والے نجات دہندہ کی حیثیت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ مارے مارے پھرتے رہے۔

دشمنوں نے ان کو اس بات پر سخت ملامت کی کہ وہ گنہگاروں کی مجلس میں اٹھتے بیٹھتے تھے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی موت قریب ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے گھر آسمان کی طرف جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے الوداعی خطبات میں اپنے شاگردوں کو نصیحت کی کہ وہ دنیا پر آنے والی تباہیوں سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ ان کی موت بھی معجزنما تھی۔ زمین پر زلزلے آئے۔ سورج دھندلا گیا، شہابِ ثاقب آسمان سے گرے۔ حضرت بدھ کی زندگی سے متعلق یہ تمام تفصیلات بڑی حد تک مسیح کی زندگی کے حالات سے ملتی ہیں۔

۱۸۹۸ء میں حضرت مرزا غلام احمد کی اس موضوع پر غیر معمولی کتاب "مسیح ہندوستان میں" شائع ہوئی۔ اس میں حضرت بدھ اور حضرت مسیح میں مماثلت کے بارہ میں بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ دونوں کی زندگیوں کے مطالعہ سے بہت سی مماثلتوں کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب مذکورہ میں مصنف نے حضرت بدھ اور حضرت مسیح کو دیئے گئے ناموں میں مماثلت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ (حضرت بدھ کا اصل نام سدھارتہ گوتم تھا) بدھ کا مطلب ہدایت یافتہ یا جس کو خدا کی معرفت حاصل ہو۔ اور اسی طرح حضرت مسیحؑ نے اپنے آپ کو "دنیا کا نور" (یوحنا ۸: ۱۲) کہا ہے۔ اور حضرت مسیح کے حواریوں نے انہیں آقا کہہ کر پکارا۔ حضرت بدھ کو بھی ساستا کہا گیا۔ جس کا مطلب بھی وہی ہے۔ دونوں کو بادشاہ اور شہزادہ کہا گیا۔

حضرت مسیحؑ کو دکھے درماندوں کی پناہ گاہ کہا گیا اور حضرت بدھؑ کو ان لوگوں کے لئے جن کے پاس سر چھپانے کے لئے جگہ نہ تھی "پناہ گاہ" کہا گیا (اسارن سارن) اس قسم کی مزید ملتی جلتی علامات ملتی ہیں۔

رہائس ڈیوڈز اپنی کتاب "بدھ ازم" میں لکھتا ہے کہ حضرت بدھؑ کی ماں نے جب ان کو جنم دیا تو وہ کنواری تھیں اور عورتوں میں وہ سب سے معزز اور پاکباز مانی جاتی تھیں۔ بائبل میں ہم کو حضرت مسیح کی والدہ کے بارہ میں بالکل یہی کچھ بتایا گیا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد کا کہنا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بدھ لوگوں نے اپنی کتابوں میں چاروں انجیلوں کے مندرجات کو من و عن درج کر لیا ہے۔ جو کچھ حضرت بدھ اور حضرت مسیحؑ کی زندگیوں کے بارہ میں تفصیلات ہم تک پہنچی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ کئی پہلوؤں سے دونوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ لیکن اس سے ہم کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟ قدرتی طور پر اس بارہ میں اختلاف موجود ہے۔

کچھ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت مسیحؑ بدھ مت سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں (جو عین ممکن ہے ان کے پہلے سفر ہندوستان کے دوران ہوا ہو) دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ بدھ مت نے حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کا کافی اثر قبول کیا ہے۔

دوسرے طبقہ خیال کے لوگوں میں حضرت مرزا غلام احمد ہیں۔ وہ اور ان کے ہم خیال لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب حضرت مسیح ہندوستان تشریف لائے ہو سکتا ہے یہ وہ وقت ہو جب بدھ مت کے علماء مسیح کی طرح بدھؑ کی آمد ثانی کے منتظر ہوں۔

حضرت مسیح کے القابات اور تعلیمات حضرت بدھؑ سے ملتے تھے۔ ان کا رنگ بھی سفید تھا جیسا کہ گوتم بدھ نے اپنے آنے والے جانشین کی نشانی بتائی تھی۔ یا کیا یہ القابات اور پیشگوئیاں بعد میں اختراع ہوئیں؟ حضرت بدھؑ کی زندگی کے حالات حضرت مسیح کی ہندوستان میں آمد تک نہ

لکھے گئے تھے۔ اس لئے نظریاتی طور پر ممکن ہے کہ مذہبی رہنماؤں نے حضرت بدھؑ سے وہ سب کچھ منسوب کر دیا ہو جس کی انہوں نے ضرورت محسوس کی ہو۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ بدھ مت کی بہت سی اخلاقی تعلیمات اس سے قبل کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اس خیال کے حامی ہیں کہ بدھ مت پر عیسائیت کا اثر ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت بدھؑ کی زندگی اور تعلیمات کے وہ پہلو جن میں حضرت مسیح کی زندگی اور تعلیمات کا پرتو نظر آتا ہے اور جن کا ذکر بائبل میں بھی ہے۔ یہ اثرات حضرت مسیح کے قیام ہندوستان کے دوران مرتب ہوئے۔

انہی لوگوں کا کہنا ہے حضرت بدھ کی زندگی میں یہ تمام اثرات کافی حد تک نمایاں ہیں۔ مثلاً حضرت بدھ کا سفر بنارس اور دہلی حضرت مسیحؑ کی طرح معجزے دکھانا۔ پہاڑی پر وعظ کرنا۔ روحانی موضوعات کو روزمرہ کی زبان میں بیان کرنا۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰؑ کے دس احکامات کی طرز پر احکامِ عشرہ جاری کرنا (ملاحظہ ہو بدھ ازم از سر مونیر ولیم ص ۱۲۶):-

(۱)۔ چاہیئے کہ تم کسی زندہ جانور کو نہ مارو۔
(۲)۔ چاہیئے کہ تم چوری نہ کرو۔
(۳)۔ چاہیئے کہ تم زنا نہ کرو۔
(۴)۔ چاہیئے کہ تم تیز شراب نہ پیئو۔
(۵)۔ چاہیئے کہ تم جھوٹ نہ بولو۔
(۶)۔ چاہیئے کہ تم مقررہ اوقات پر کھانا کھاؤ۔
(۷)۔ چاہیئے کہ تم ہار اور زیورات نہ پہنو اور خوشبو نہ لگاؤ۔
(۸)۔ چاہیئے کہ تم اونچے اور زیادہ آرام دہ پلنگوں پر نہ سوؤ بلکہ فرش پر چٹائی پر سوؤ۔
(۹)۔ چاہیئے کہ تم ناچ، گانا، میوزک اور دیگر دنیاوی رنگین محفلوں سے پرہیز کرو۔
(۱۰)۔ چاہیئے کہ تم سونا اور چاندی کسی صورت میں بھی استعمال نہ کرو اور نہ ہی اسے قبول کرو۔

بدھ کتب میں لکھا ہے کہ گوتم بدھؑ نے پیشگوئی کی تھی کہ میرا جانشین میتریا ہوگا۔ میتریا سے متعلق بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو اس کی آمد کو مستقبل بعید کے زمانہ سے وابستہ کرتی ہیں۔ (یہ نام مترا کے لفظ سے مشتق ہے جس کا مطلب دوست ہے) لیکن یہ اشارات موجود ہیں کہ اس کی متوقع آمد گوتم بدھ کی وفات کے پانچسو سال بعد تھی۔ اسی کے پیش نظر ہم اس زمانہ میں آجاتے ہیں جس کے متعلق ہمارا اندازہ ہے کہ یہی وہ وقت تھا جب حضرت مسیحؑ نے مشرق کی طرف دوسرا سفر اختیار کیا اور کشمیر پہنچے۔ میتریا کے متعلق پیشگوئیاں سوتنا، پتاکتا، اور اتھا کتھا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس کو بھگوا میتریا سفید میتریا بھی کہا گیا ہے۔ اسمیں یہ اشارہ موجود ہے کہ وہ سفید رنگ کا ہوگا جس طرح کہ حضرت مسیح تھے۔ اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ ایک غیر ملک سے آئے گا۔

نام میتریا علم صرف کی رو سے عبرانی کے لفظ مشیاح سے مناسبت ہو سکتی ہے (مسیحا "بپتسمہ شدہ") اس سلسلہ میں یہ بات نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں بدھ مت کے متعلق تبتی زبان میں کتب میں می لیشی یہو کے نام کا ذکر موجود ہے۔ ظاہر ہے اس کا اشارہ حضرت مسیحؑ کی طرف ہی ہو سکتا ہے۔ ان عبارتوں کے متعلق مزید تفصیلات آتی سنگ کی کتاب "اے ریکارڈ آف دی بدھسٹ ریلیجن" میں ملتی ہیں۔ سر مونیر ولیم اپنی کتاب بدھ ازم کے ص ۴۵ پر لکھتا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت بدھ کا چھٹا شاگرد ایک شخص یسا نامی ہوگا جو یسوع کی ہی ایک صورت نظر آتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ہرمین اولڈن برگ اپنی کتاب "بدھا" میں لکھتا ہے کہ "مہاواگہ کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے کہ بدھ کا جانشین ایک شخص راحولہ نامی ہوگا جس کو اسکا شاگرد بھی کہا گیا ہے" راحولہ اور روح اللہ ایک ہی مادہ سے مشتق لگتے ہیں جو کہ عبرانی میں حضرت مسیح کے القابوں میں سے ایک ہے۔

مکتوبِ ہالینڈ

از محترمہ زمرد فاضل رمضان صاحبہ

ایک احمدی خاتون کا جذبۂ خدمتِ اسلام

محترمہ زمرد صاحبہ ۸ ماہ قبل اپنے شوہر مکرم فاضل رمضان صاحب کے پاس ہالینڈ گئی تھیں۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے نام ایک خط میں آپ نے جن پاکیزہ اور بلند جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ خواتین و احباب سلسلہ کی آگہی و ازدیادِ ایمان کے لئے اسے مکرم ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے شائع کیا جا رہا ہے۔

قارئین کرام کو اس خط سے اندازہ ہوگا کہ پردیس میں رہ کر بھی ایک احمدی خاتون اپنے جماعتی فرض کو نہیں بھولتی اور وہ خدمت و اشاعتِ اسلام کا مقدس فریضہ پورے شوق سے سرانجام دیتی ہے۔
(ادارہ)

ہالینڈ یعنی یورپ کی دنیا میں آئے مجھے آٹھ ماہ گذر چکے ہیں۔ میں نے جو کچھ یہاں آکر دیکھا یا محسوس کیا اسے پیغامِ صلح کے ذریعہ جماعت کے بھائی بہنوں تک پہنچانے کا کئی بار ارادہ کیا۔ مگر یہاں کی مصروفیات اتنے ماہ کا فاصلہ ڈال گئیں۔ آج صبح صبح جب میں حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کا بیان القرآن لے کر پڑھنے بیٹھی تو عجیب لطف محسوس ہوا۔ حالانکہ میں نے پہلے بھی کئی بار بلکہ شروع سے آج تک حضرت مرحوم کی تفسیر بیان القرآن کو پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ پاکستان تھا جہاں مسلمان ہی مسلمان ہیں۔ جہاں اذانیں گونجتی ہیں مسجدیں نمازیوں کا انتظار کرتی ہیں اور سکولوں میں لازمی اسلامی تعلیم کا کورس ہے مگر اس دنیا میں جہاں ہر قوم ہر مذہب اور ہر نسل کا انسان نظر آتا ہے تو قرآن پاک کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ واقعی یہ وہ کتاب ہے جس کی ساری دنیا کو ضرورت ہے۔ یہی وہ قانون ہے جو عالمگیر ہے۔ جس عظیم انسان پر یہ اتاری گئی وہ واقعی خاتم النبیینؐ اور رحمۃ للعالمین ہے۔ لیکن اس رحمت سے مستفید ہونے کی شرط انسان کے سمجھنے اور صحیح راہ پکڑنے کی ہے۔ یہاں اگلی دنیا کا تصور بہت کم نظر آتا ہے لیکن اس انسانی فانی جسم کی راحت کے سامان ہر طرف بافراط ملنے کے باوجود روح کی تسکین جو ابدی ہے کا کوئی سامان نہیں انسان بھٹک رہا ہے اخلاق کی حدوں کو پھلانگ رہا ہے مگر اس کی کوئی منزل نہیں۔

بھوکی دنیا سے انسان پیٹ کی خاطر اس پیٹ کے جہنم میں چلے آ رہے ہیں۔ مگر پیٹ کا جہنم یہاں آکر بھی نہیں بھرتا بلکہ بقول قرآن کریم ھل من مزید۔ ھل من مزید کا نعرہ بلند ہوتا رہتا ہے۔ جب یہ سب کچھ دیکھتی ہوں تو دل سے دعا نکلتی ہے کہ اے خدا میرے ملک کو جہاں نعمتِ اسلام دی ہے تو اس کو صحیح سمجھ بھی عطا فرما اور جو کام اس کے ذمہ ہے اسے بطریق احسن کرنے کی توفیق بھی دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپس کی تفرقہ بازیاں اور نااتفاقیاں اس سے یہ دولتِ اسلام چھن جانے کا باعث بن جائیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو صرف اس لئے سربلند نہیں رکھتا کہ وہ نام کی مسلمان ہے۔ بلکہ اس میں وہ عمل پسند کرتا ہے جو ایک مسلمان قوم میں ہونا چاہیئے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اس دنیا (ہالینڈ) میں بھی مجھے ایک بہت بڑی احمدیہ جماعت مل گئی ہے جو اللہ کی راہ میں کوشش کرنے کا شوق اور جذبہ رکھتی ہے۔ جنہیں مل کر اور دیکھ کر مجھے راحت ہوتی ہے۔ یہاں خدا نے میرا سینہ کھول دیا ہے۔ پاکستان میں جبکہ سٹیج پر تقریر کرتی مجھے بہت مشکل لگتی تھی یہاں سینکڑوں احمدی اور اہلِ سنت لوگوں کے سامنے مسلسل بولنے اور اسلام اور اس کے اخلاق کو بیان کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ الحمد للہ رب العالمین۔

تمام احمدیہ جماعت کو میرا سلام پہنچے۔ میری دعا ہے کہ وہ اس جماعت کو اسلام کی سربلندی کا ذریعہ بنائے۔ اور آخر میں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ میرے شوہر مولانا فاضل رمضان صاحب کا عشقِ اسلام اور عشقِ قرآن ہی ہے جو میرے یہاں پہنچنے کا سبب بنا اور مجھے قرآن کی روشنی میں اس ملک کو دیکھنے اور کلامِ الٰہی کے حرف بحرف سچا ہونے کی دلیل ملی۔ یہ سب خدا کی کام ہیں ورنہ ہم کیا اور ہماری کوششیں کیا۔ میرا اسکول ٹھیک چل رہا ہے۔ بچے تیس کے قریب ہو گئے ہیں۔ نماز اور قرآن شوق سے سیکھتے ہیں۔ آپ کے فرمان کے مطابق ظہر و عصر کی نمازیں باجماعت جمع پڑھائی جاتی ہیں۔ والسلام۔ زمرد

تبلیغی خط و کتابت ———— ترسیل لٹریچر

"مَیں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

دُنیا میں اِسلام پر ہمارے شائع کردہ لٹریچر کی وسیع مقبولیت

مرتبہ :- چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

—— ریاست ٹیکساس سے مسٹر شعیب ایڈینی لکھتے ہیں :——

" اخی فی الاسلام ———— السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ کرم فرمائی کا شکریہ۔ آپ کی ارسال کردہ کتب کا پارسل ابھی تک مجھے نہیں ملا ہے۔ میں نے پوسٹ ماسٹر سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے رجسٹریشن نمبر طلب کیا ہے تاکہ اس کے حوالے سے پارسل تلاش کیا جا سکے۔ [illegible] فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔"

—— جواب :——

محترم شعیب ایڈینی صاحب! ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو تا حال کتب کا پارسل نہیں ملا۔ اور آپ کو زحمت انتظار اٹھانا پڑی۔ یہاں سے رجسٹری نمبر $\frac{5\ \text{ج}\ 4}{30-7-78}$ کے تحت پارسل بھجوایا گیا تھا۔ تاہم آپ کو مزید کتب بھجوائی جا رہی ہیں۔ حاصل مطالعہ سے ہمیں مطلع کریں۔ اسلام کی فتح و نصرت کے لئے دعائیں جاری رکھیں۔

—— ٹامل (افریقہ) سے الحاج الحسن عبداللہ لکھتے ہیں :——

" محترمی برادرم۔ سلام مسنون! آپ کا عنایت نامہ ملا۔ کاشف حالات ہوا۔ اس سے میری بڑی دلداری ہوئی جزاک اللہ تعالیٰ۔ آپ نے ہدیہ کتب میں نصف قیمت کی رعایت دی ہے۔ اس کے لئے میں سراپا شکر گذار ہوں۔ میں بصد افسوس و تاسف لکھتا ہوں کہ میرے ابا جان حال ہی میں رحلت فرما گئے ہیں اور میں زیر تعلیم ہوں۔ بنا بریں ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے اس رعایت کے باوجود بھی قوت خرید نہیں رکھتا۔ ممکن ہو تو مجھے بلا قیمت لٹریچر ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو گھانا کرنسی میں قیمت سے مطلع فرمائیں، میں ہر ممکن کوشش کرکے آپ کو رقم بھجواؤں گا۔

میں دینِ اسلام سے انتہائی عشق و محبت رکھتا ہوں۔ اور یہ میری دلی خواہش ہے کہ یہاں کی تعلیم سے فارغ ہو کر آپ کے ادارہ میں داخل ہو جاؤں۔ اگر امتحانات بذریعہ مراسلت ہوتے ہوں تو بھی میں تیار ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔ آپ نے مجھے مطلع فرمایا ہے کہ اسلامی لٹریچر و کتب بھجوادی گئی ہیں تاحال مجھے نہیں ملیں۔ آپ کی کرم فرمائی کا شکریہ وصول ہونے پر میں ان سے کماحقہ استفادہ کروں گا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہے۔ آپ کو خدمت دین اسلام کی تائید و توفیق سے نوازے۔ والسلام۔

—— الجواب :——

عزیزم الحاج الحسن عبداللہ —

آپ کے والد مرحوم کے انتقال پُر ملال سے ہمیں صدمہ ہوا ہے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون) ۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم آپ کے اس صدمہ میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ کی مالی مجبوریوں کے تحت ہم آپ کو اسلامی کتب و لٹریچر بلا قیمت ارسال کر رہے ہیں۔ پہلے بھی چند کتب بھجوائی گئی ہیں۔ امید ہے آپ کو ضرور مل جائیں گی۔ تقسیم ڈاک میں وقت لگتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ دینِ اسلام سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خادمِ اسلام بنائے اور ملتِ اسلام کے لئے موجب خیر و برکت کرے۔ ہم آپ کو پہلے بھی اسلامی لٹریچر بھجواتے رہتے ہیں۔ آئندہ بھی انشاء اللہ العزیز تازہ بتازہ لٹریچر آپ کو ملتا رہے گا۔ آپ ہمیں حاصل مطالعہ سے مطلع کرتے رہیں۔ اور کوئی حل طلب امر ہو تو ہم اس بارے میں آپ کی مناسب رہنمائی کرتے رہیں گے۔

جہاں تک ادارہ تعلیم القرآن میں تحصیل علم کا تعلق ہے تو جب آپ مقامی تعلیم سے فارغ ہوں تو آپ ہمیں لکھیں۔ آپ کی درخواست ادارہ تعلیم القرآن کی انتظامیہ کو بھجوا دی جائے گی اور فیصلہ سے آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔ آپ کی معصوم دعاؤں کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تفہیم و تبلیغ دینِ اسلام کے وافر مواقع بخشے۔ آمین ثم آمین۔

—— نیویارک سے محترمہ سمیرا حفیظہ لکھتی ہیں :——

" میں ایک قیدی خاتون ہوں۔ میرا خاوند نہیں جو میری دیکھ بھال کرے۔ میرے خاندان میں میرے سوا اور کوئی مسلم نہیں ہے۔ اور میں دیگر مسلمان لوگوں سے متعارف بھی نہیں ہوں۔ یہاں قید تنہائی میں میرے پاس مطالعہ کے لئے کافی وقت ہے۔ میرے پاس جو کتب تھیں وہ میں پڑھ چکی ہوں۔ مزید اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں مہربانی فرما کر چند کتب ارسال کریں۔ اگر آپ یہ زحمت برداشت نہ کر سکیں تو مراسلت ہی جاری رکھیں تا مجھے اس طور ہی دینِ اسلام کے بارے میں کچھ پتہ چلتا رہے۔ میں مخل اوقات ہوئی ہوں معذرت خواہ ہوں۔ والسلام "

—— جواب :——

محترمہ مکرمہ سمیرا حفیظہ صاحبہ۔ آپ کا مکتوب ملا۔ آپ پر جو تکلیف کے اوقات وارد ہیں سن کر دلی تکلیف ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ قدرت و طاقت کا مالک ہے۔ ہم آپ کے لئے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کی مشکلیں آسان فرمائے۔ آپ تنہائی کے ان لمحات میں یادِ الٰہی میں جس قدر وقت گذار سکیں اتنا ہی کم ہے۔ اپنے محاسبہ اعمال کا یہ بہترین وقت ہے۔ بارگہ الٰہی میں گریہ و زاری سے بڑے بڑے عذاب و عتاب ٹل جاتے ہیں اور بڑی بڑی خطاؤں سے درگذر کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اکیلا انسان نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔ اور وہ جس کا حامی و ناصر ہو جائے تو پھر ایسے انسان کو کسی شئے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ذکرِ الٰہی قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے آپ دکھ درد کی ان گھڑیوں میں قلب و نظر کی تمام طاقتیں بارگہ ایزدی میں پیش کر دیں پھر اس کے انعام و اکرام کے نظارے دیکھیں۔ ہم آپ کو اسلامی لٹریچر بالخصوص ایسی کتب ارسال کر رہے ہیں جن کے مطالعہ اور ان پر عمل سے برکاتِ الٰہی کے حصول کی راہیں کھلتی ہیں۔ ہم بھی آپ کے لئے دعا گو رہیں گے۔ آپ یہ احساس چھوڑ دیں کہ آپ اکیلی ہیں۔ آپ مسلمہ ہیں اور اکنافِ عالم کے تمام مسلم آپ کے بھائی ہیں۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو کرنے تو ضرور لکھا کریں۔ زیادہ سلام و دعائیں۔

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور چوہدری دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ———— مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۷۹ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ———— شمارہ نمبر ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

پاکستان

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں"۔
(لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں)۔
"میں تیرے خالص دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا"
(الہامات حضرت مسیح موعودؑ)

مدیر (اعزازی) خلیل الرحمٰن

نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ـــــ پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے: ـــــ ایک پاؤنڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

فون نمبر ۵۳۷۳۷

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۳

ملفوظات حضرت مجدد زمان مسیح موعود علیہ السلام

اسلام کا خلاصہ

خدا کی کامل اور سچی اطاعت ہے

اسلام بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرو۔ اسکے اندر فلاسفی ہے جو زبان سے کہدینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے تمام تصرفات کے نیچے آجانے کا نام ہے اور اس کا خلاصہ خدا کی سچی اور کامل اطاعت ہے مسلمان وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالیٰ کے حضور رکھ دیتا ہے بدوں کسی امید پاداش کے من اسلم وجهه لله وهو محسن، یعنی مسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی ہو اور تمام نیکیاں اور اعمال حسنہ جو اس سے صادر ہوں وہ مشقت اور مشکل کی راہ سے نہ ہوں بلکہ ان میں ایک لذت اور حلاوت کی کشش ہو۔ جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت سے تبدیل کر دے۔

حقیقی مسلمان اللہ تعالےٰ سے پیار کرتا ہے۔ یہ سمجھ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبوب اور مولا پیدا کرنے والا محسن ہے اس لئے اس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔

نمازِ تہجد کو لازم کرلیں

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کریں۔ جو زیادہ نہیں وہ دو رکعت ہی پڑھ لے کیونکہ اس کو دعا کرنے کا موقعہ مل جاوے گا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں۔ جب تک ایک خاص سوز اور دردِ دل نہ ہو۔ اس وقت ایک شخص خواب راحت سے کب بیدار ہو سکتا ہے۔ پس اس وقت کا اٹھنا ہی ایک دردِ دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی اضطراب اور اضطرار قبولیت دعا کا موجب بن جاتے ہیں۔ لیکن اگر اٹھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں کیونکہ نیند تو غم کو دور کر دیتی ہے لیکن جبکہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے، جو بیدار کر رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کثرت سے نوافل ادا کرتے۔ آپ آٹھ رکعت نماز نفل اور تین وتر پڑھتے۔ کبھی ایک ہی وقت میں ان کو پڑھ لیتے اور کبھی اس طرح سے ادا کرتے کہ دو رکعت پڑھ لیتے اور پھر سو جاتے اور پھر اٹھتے اور دو رکعت پڑھ لیتے اور سو جاتے۔ غرض سو کر اور اٹھ کر نوافل ادا کرتے۔

اگر کوئی شخص بیمار ہو۔ یا کوئی ایسی وجہ ہو کہ وہ تہجد کے نوافل ادا نہ کر سکے تو وہ اٹھ کر استغفار، درود شریف اور الحمد شریف ہی پڑھ لیا کرے۔

(الحکم۔ اپریل ۱۹۰۲ء)

اعلان

جملہ احباب جماعت و شاخہائے انجمن کی اطلاع کیلئے اعلان کیا جاتا ہے کہ مولوی کریم بخش زاہد صاحب جو ملتان میں جماعت کے مبلغ کے طور پر کام کر رہے تھے انہیں ۷۹/۲/۱ سے ملازمت انجمن سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اب وہ انجمن کی طرف سے وصولی چندہ جات اور کسی قسم کے لین دین کے مجاز نہیں ہیں اور نہ ہی بطور نمائندہ مرکزی انجمن اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

کشمیر میں عیدِ میلاد النبیؐ کا پہلا اجلاس
کب اور کس اِسلامی جماعت نے منایا؟

> تحریک سیرت صرف کشمیر ہی میں نہیں بلکہ کُل متحدہ ہندوستان میں سیرت النبیؐ کے جلسوں کے علاوہ قرآن کریم کے درس و تدریس کی ابتدا بھی جماعت احمدیہ نے کی تھی جن کی تقلید میں جناب عبدالمجید قریشی مرحوم ایڈیٹر "ایمان" پٹی ضلع لاہور اور ان کی دیکھا دیکھی باشعور مسلمانوں کے دیگر طبقات میں سیرت النبیؐ کے جلسے منعقد کرنے کا جذبہ اُبھرا۔ ۱۲ ربیع الاوّل کو اخبارات نے اپنے باقاعدہ نمبر نکالنے شروع کئے اور اب اس تحریک کو ایک عالمگیر مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔ تجدید و احیائے دین و اُمت کی جو مختلف تحریکات آج آپ کے سامنے ہیں یہ سب مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے فیض و جذبِ روحانی کا کرشمہ ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحم (مکتوب چہارم جلد دوم) مجددِ وقت کے فیوض و برکات کے متعلق فرماتے ہیں:۔ "مجدد آنست کہ ہرچہ دراں مدت از فیوض بہ اُمت رسد بتوسط او رسد، اگرچہ اقطاب و اولیاء آں وقت باشند"۔ (ادارہ)

حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سردارِ دو عالم، تاج المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت یا عیدِ میلاد منانے کا سلسلہ فی زمانہ ریاست کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں رائج ہے۔ ہر جماعت اور ہر فرقہ ہی نہیں بلکہ انفرادی طور پر بھی بعض احباب جلسے منعقد کیا کرتے ہیں اور حضور صلعم کی سیرت پاک اور تعلیمات کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ سلسلہ شہروں اور قصبات ہی تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ ہر چھوٹے اور بڑے گاؤں میں بھی جاری و ساری رہتا اور ہر حساس مسلمان اور عاشقان رسولؐ ان تقریبات میں شرکت، کرکے فلاح و سعادت حاصل کرتے ہیں۔

آئیے آج ہم اس امر کا جائزہ لیں کہ کشمیر میں عید میلاد النبیؐ کی مقدس تقریب پبلک طور منانے کا آغاز کب ہوا، اور مسلمانوں کی کس جماعت نے سب سے پہلے کشمیر کے دارالسلطنت سرینگر میں اس مقدس تقریب کو منانے کی سعادت حاصل کی۔ اور اس وقت عید میلاد النبیؐ کی تقریب منانے پر دیگر قدامت پسند اسلامی جماعتوں کا کیا کچھ ردِّ عمل رہا۔ تو یاد رہے کہ تحریک حریت کشمیر کے آغاز سے بہت پہلے وادیٔ کشمیر میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے مشہور و معروف مبلغین اسماً حضرت خواجہ کمال الدین بانیٔ ووکنگ مسلم مشن انگلستان، حکیم مولوی نورالدین وغیرہ باقاعدہ طور آیا کرتے تھے۔ بلکہ حکیم صاحب کے شاگرد مولوی محمد عبداللہ وکیل نے مستقل طور پر سرینگر میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

ان سب کی صحبت اور درس سے یہاں مسلمانوں میں ایک باشعور طبقہ بھی پیدا ہو گیا تھا جس کے سرِ فہرست شیخ عبدالصمد صاحب ٹیلر ماسٹر تھے۔ موصوف کا اخلاص اور جذبہ ہمیشہ قابلِ قدر رہا۔ آپ نے ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن قائم کی تھی اور زمانۂ انگریزی میں ایک ریڈنگ روم بھی جاری کر رکھا تھا۔ سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور کے بھی ممبر تھے اور وہاں سے قیمتاً لٹریچر منگوا کر یہاں مُفت تقسیم کیا کرتے تھے۔

تحریک حریت سے دو سال قبل سن ۱۹۲۹ء کے موسم گرما میں شیخ عبدالصمد صاحب مولوی محمد عبداللہ وکیل اور آپ کے فرزند عبدالرحیم صاحب نے دوسرے ساتھیوں کی معیت میں عیدِ میلاد النبیؐ کا پہلا اجلاس پبلک طور منانے کا انتظام کیا۔ ایک جاذبِ نظر فلسکیپ سائز کا رنگین پوسٹر شائع کر دیا گیا۔ جس میں میر عثمان علی نظام دکن یا آپ کے وزیر مہاراجہ سرکشن پرشاد کے یہ اشعار بھی درج تھے۔ ؎

بیا در مجلسِ میلاد یابی افتخار اینجا + زر اینجا، دولت اینجا، عزت اینجا، وقار اینجا

جگہ کے لئے پتھر مسجد سے متصل (چائے دوب) میونسپل پارک منتخب کی گئی۔ جہاں ایک بڑا شامیانہ نصب کیا گیا۔ بہت سارے تعلیمیافتہ اشخاص اور حکام کے نام دعوتی خطوط بغرض شمولیت بھیج دیئے گئے۔

جلسے کے روز شام کو شامیانہ بجلی کے قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ مولوی محمد عبداللہ وکیل، مولوی عبدالرحیم اور (الحاج) شیخ عبدالصمد نے سیرت رسول صلعم اور آپ کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر تقاریر کیں۔ یہ سب جلسہ کے مہتمم اور منتظم احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے ممبران و کارکن تھے۔ جلسے میں شیخ محمد عبداللہ صاحب موجودہ وزیرِ اعلیٰ کو سب سے پہلے مولوی عبدالرحیم نے متعارف کیا۔ اور شیخ محمد عبداللہ صاحب نے مخصوص خوش الحانی سے جلسے میں ایک نظم پڑھی جس کا ایک مصرع تھا۔

ع داغِ عشقِ مُصطفےٰ سینے میں پنہاں چاہیئے

بہت سارے باشعور اور مذہبیات میں ذوق و شوق رکھنے والے حاضرین جلسہ گاہ میں موجود تھے۔ اسی جلسہ میں پہلی بار ایک غیر مُسلم جناب پروفیسر نوشہ حانی صاحب نے سیرت پاک پر ایک معلومات خیز تقریر کر کے حضور رسالتماب کے قدموں میں عقیدت کے پھُول نچھاور کئے تھے۔ اس لحاظ سے یہ جلسہ قومی یکجہتی کے حق میں پہلا اور اوّلین پبلک جلسہ تھا۔

کثیر التعداد سامعین پورے ذوق و شوق کے ساتھ مقررین کی تقاریر سُن رہے تھے اور عش عش کر رہے تھے۔ ان میں موجودہ صدر مفتی جلال الدین صاحب بھی ایک تھے۔ چونکہ جلسہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلا جلسہ تھا۔ اس لئے عام قدامت پسند مسلمانوں نے عادت سے مجبور ہو کر دُور دُور ہی سے اس پر پتھراؤ کیا۔ لیکن چونکہ جلسے میں پانچ چھ پولیس کے سپاہی بھی ڈیوٹی پر مامور تھے اس لئے جب وہ پتھراؤ کرنے والوں کی طرف بڑھے تو وہ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگ گئے اور جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

سن ۱۹۳۱ء میں جب تحریک حریت کشمیر کا آغاز ہوا۔ اور آل جموں و کشمیر مسلم پولیٹیکل کانفرنس کا وجود عمل میں آ گیا۔ تو اس میں بھی سرگرم ممبران احمدی تھے یعنی خواجہ غلام نبی گلکار، مستری یعقوب علی، مولوی محمد عبداللہ وکیل وغیرہ۔ شیخ عبدالصمد صاحب ہر پبلک جلسے میں شیخ محمد عبداللہ صاحب کی تقریر سے پہلے اپنی جوشیلی تقریر سے نوجوانوں کے خفتہ جذبات کو بیدار کرنے میں سرگرم حصّہ ادا کرتے تھے۔

چونکہ تحریکِ حریت نے زور پکڑ لیا اس لئے مُسلم کانفرنس کے اہتمام میں بھی باقاعدہ طور عیدِ میلاد النبیؐ منایا جانے لگا۔ ہر سال اس مقدس تقریب کے سلسلے میں بڑے بھاری جلوس نکالے جاتے تھے۔ جن میں رضاکار وردیاں پہنے نظمیں، نعت، اور درود خوانیاں کرتے تھے۔ بینڈ باجے بھی سُریلی دھنیں بجا بجا کر ساتھ ہوتے تھے۔ اس پر جماعتِ اہلِ حدیث کے مولوی غلام نبی مبارکی بہت سیخ پا ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک ٹریکٹ شائع کر کے عیدِ میلاد النبیؐ کے جلوس میں بینڈ باجے بجانے کے خلاف زبردست واویلا کیا اور شیخ صاحب کو پانی پی پی کر کوسا۔ حالانکہ اب کہ جماعت اہلحدیث بھی عید میلاد النبیؐ کی تقریبات اہتمام سے منایا کرتی ہے۔ ؎

انقلابات ہیں زمانے کے

الغرض کشمیر میں سب سے پہلے عیدِ میلاد النبیؐ کی مقدس تقریب پبلک طور پر شان و شوکت کے ساتھ منانے اور غیر مُسلموں کو بھی حضور رسُولِ رحمت صلعم کی خِدمت میں عقیدت کے پھُول نچھاور کرنے کا موقعہ دینے اور اس طرح قومی یکجہتی کے اصولوں پر کارفرما رہ کر اس کو وسعت و فروغ دینے کا سہرا احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام شاخ لاہور کے مخلص کارکنوں کے سر ہے۔ اور یہی واحد مُسلمان جماعت ہے جو صحیح معنوں میں ختمِ نبوت کی قائل ہے اور عقیدہ رکھتی ہے کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمّت میں قیامت تک کوئی نبی نہیں آئیگا نہ نیا نہ کوئی پُرانا"

اور اسی جماعت کا اصُول ہے کہ:۔ "کوئی کلمہ گو کافر نہیں"

اسی تبلیغی جماعت نے قرآن پاک اور سیرت رسُولؐ کے مختلف زبانوں میں تراجم کئے اور بے شمار کاپیاں مُفت تقسیم کیں۔ دُنیا بھر میں اسلامی مشن قائم کئے۔ ہزاروں غیر مُسلم افراد کو آغوشِ اسلام میں لایا گیا۔ اور کفرستانوں میں مساجد تعمیر کیں جہاں اَللّٰہُ اَکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ بقول اقبالؔ:۔

؎ مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

(ماخوذ از اخبار "روشنی" سرینگر۔ مؤرخہ ۱۶ جولائی)

مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

مجددیت کے دعویٰ کے متعلق

حضورؑ کی مزید تحریریں

(قسط ہفتم)

پہلی تحریر آئینہ کمالات اسلام میں حضورؑ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس زمانے کا مجدد میں ہوں جس کو مسیح ناصری سے خاص مشابہت ہے۔ اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اسی کتاب کے صفحہ ۳۲۴ پر فرماتے ہیں:-

"مکرر یہ کہ اللہ جل شانہٗ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں نہ مفتری ہوں نہ دجال نہ کذاب اس زمانہ میں کذاب اور دجال اور مفتری پہلے اس سے کچھ تھوڑے نہیں تھے تا خدا تعالیٰ صدی کے سر پر بھی بجائے ایک مجدد کے جو اس کی طرف سے مبعوث ہوتا ایک دجال کو قائم کرکے اور بھی فتنہ اور فساد ڈال دیتا مگر جو لوگ سچائی کو نہ سمجھیں اور حقیقت کو دریافت نہ کریں اور تکفیر کی طرف دوڑیں میں ان کا کیا علاج کروں۔ میں اس تیماردار کی طرح جو اپنے عزیز کے غم میں مبتلا ہوتا ہے اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہگین ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اے قادر ذوالجلال خدا اے ہادی و رہنما ان لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ انکو بصیرت بخش اور آپ ان کے دلوں کو سچائی اور راستی کا الہام بخش اور یقین رکھتا ہوں کہ میری دعائیں خطا نہیں جائیں گی کیونکہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اس کی طرف بلاتا ہوں یہ سچ ہے اگر میں اس کی طرف سے نہیں ہوا اور ایک مفتری ہوں تو وہ بڑے عذاب سے مجھ کو ہلاک کرے گا کیونکہ وہ مفتری کو کبھی وہ عزت نہیں دیتا جو صادق کو دی جاتی ہے۔"

(خدا تعالیٰ نے حضورؑ کی دعا کو قبول فرمایا اور ہزاروں آدمی نہیں بلکہ لاکھوں حضورؑ کی طفیل روحانیت سے مالامال ہو کر خدا کے مقربین میں داخل ہو گئے۔ ناقل)

مجددین اور انبیاء علیہم السلام کی آزمائش میں فرق اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۹ پر دونوں کی آزمائش کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ماسوا اس کے جو شخص ایک نبی متبوع علیہ السلام کا متبع ہے اور اس کے فرمودہ پر اور کتاب اللہ پر ایمان لاتا ہے اس کی آزمائش انبیاء کی آزمائش کی طرح کرنا ایک قسم کی ناسمجھی ہے کیونکہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ تا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کرادیں اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لاویں۔ لیکن اس جگہ تو ایسے انقلاب کا دعویٰ نہیں ہے وہی اسلام ہے جو پہلے تھا وہی نمازیں ہیں جو پہلے تھیں وہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو پہلے تھا اور وہی کتاب کریم ہے جو پہلے تھی۔ اصل دین میں سے کوئی ایسی بات چھوڑنا نہیں پڑی جس سے اس قدر حیرانی ہو۔ مسیح موعود کا دعوےٰ اس حالت میں گراں اور قابل احتیاط ہوتا کہ جبکہ اس دعوے کے ساتھ نعوذ باللہ کچھ دین کے احکام کی کمی بیشی ہوتی اور ہماری عملی حالت دوسرے مسلمانوں سے کچھ فرق رکھتی۔ اب جبکہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں صرف مابہ النزاع حیات مسیح اور وفات مسیح ہے اور مسیح موعود کا دعوےٰ اس مسئلہ کی درحقیقت ایک فرع ہے اور اس دعوے سے مراد کوئی عملی انقلاب نہیں اور نہ اسلامی اعتقادات پر اس کا کچھ مخالفانہ اثر ہے تو کیا اس دعوے کے تسلیم کرنے کے لئے کسی بڑے معجزہ یا کرامت کی حاجت ہے جس کا مانگنا رسالت کے دعوے میں عوام کا قدیم شیوہ ہے۔ ایک مسلمان جسے تائید اسلام کے لئے خدا تعالیٰ نے بھیجا جس کے مقاصد یہ ہیں کہ تا دین اسلام کی خوبیاں لوگوں پر ظاہر کرے اور آج کل کے فلسفی وغیرہ الزاموں سے اسلام کو پاک ہونا ثابت کردیوے اور مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع دلاوے کیا اس کا قبول کرنا ایک منصف مزاج اور خدا ترس آدمی پر کوئی مشکل امر ہے؟ مسیح موعود کا دعوےٰ اگر اپنے ساتھ ایسے لوازم رکھتا ہے جن سے شریعت کے احکام اور عقاید پر کچھ مخالفانہ اثر پہنچتا تو بے شک ایک ہولناک بات تھی، لیکن دیکھنا چاہیئے کہ میں نے اس دعوے کے ساتھ کس اسلامی حقیقت کو منقلب کر دیا ہے کونسے احکام اسلام میں سے ایک ذرہ بھی کم یا زیادہ کر دیا ہے ہاں ایک پیشگوئی کے وہ معنے کیئے گئے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے وقت پر مجھ پر کھولے ہیں اور قرآن کریم ان معنوں کی صحت کے لئے گواہ ہے اور احادیث صحیحہ بھی ان کی شہادت دیتے ہیں پھر نہ معلوم کہ اس قدر کیوں شور و غوغا ہے؟"

اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنے میں مصلحتِ الٰہی۔

"یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے صاف ظاہر ہے کہ جس کو یہ رتبہ حاصل ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کا ہم کلام ہو اس کا نام منجانب اللہ خواہ مثیل مسیح اور خواہ مثیل موسےٰ ہو یہ تمام نام اس کے حق میں جائز ہیں مثیل ہونے میں کوئی اصلی فضیلت نہیں اصلی اور حقیقی فضیلت ملہم من اللہ اور کلیم اللہ ہونے میں ہے۔ پھر جس شخص کو مکالمہ الٰہیہ کی فضیلت حاصل ہو گئی اور کسی خدمت دین کے لئے مامور من اللہ ہو گیا تو اللہ جلشانہٗ وقت کے مناسب حال اس کا کوئی نام رکھ سکتا ہے۔ یہ نام رکھنا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اسلام میں موسےٰ عیسےٰ داؤد سلیمان۔ یعقوب وغیرہ بہت سے نام نبیوں کے نام پر لوگ رکھ لیتے ہیں اس تفاول کی نیت سے کہ ان کے اخلاق انہیں حاصل ہو جائیں، پھر اگر خدا تعالیٰ کسی کو اپنے مکالمہ کا شرف دیکر کسی موجودہ مصلحت کے موافق اس کا نام بھی رکھ دے تو اس میں کیا استبعاد ہے؟

اور اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کو دفع کرنا اور ان کے فلسفہ کو جو مخالف قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پوری کرنا ہے کیونکہ سب سے بڑی آفت اس زمانہ میں اسلام کے لئے جو بغیر تائید الٰہی دور نہیں ہو سکتی عیسائیوں کے فلسفیانہ حملے اور نکتہ چینیاں ہیں جن کے دور کرنے کے لئے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آوے۔"

(چنانچہ حضورؑ نے تشریف لاکر اس فریضہ کو نہایت خیر و خوبی کے ساتھ

سرانجام دے دیا۔ ناقل)

حضورؑ کا ایک کشف اور مسیح ناصری کے چار نزول

ان چار نزولوں میں سے ایک نزول تو اُن کا اصلی نزول ہے جو ان کے جسمِ عنصری کے ذریعہ ظاہر ہوا پہلے یعنی اصلی نزول کے متعلق ذکر فرمانے کے بعد دوسرے نزول کو مثالی نزول فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"حضرت مسیح کی رُوح ان افتراؤں کی وجہ سے جو ان پر اس زمانہ میں کئے گئے اپنے مثالی نزول کے لئے شدّت جوش میں تھی اور خدا تعالےٰ سے درخواست کرتے تھے کہ اس وقت مثالی طور پر ان کا نزول ہو سو خُدا تعالےٰ نے اس جوش کے موافق اس کی مثال کو دُنیا میں بھیجا تا وہ وعدہ پُورا ہو جو پہلے سے کیا گیا تھا۔ یہ ایک سرِ اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے کہ جب کسی رسُول یا نبی کی شریعت اس کے فوت ہونے کے بعد بگڑ جاتی ہے اور اس کی اصل تعلیموں اور ہدایتوں کو بدلا کر بے ہُودہ اور بے جا باتیں اس کی طرف منسُوب کی جاتی ہیں اور ناحق کا جھُوٹ افتراء کر کے یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام کُفر اور بدکاری کی باتیں اس نبی نے ہی سکھلائی تھیں تو اس نبی کے دِل میں ان فسادوں اور تہمتوں کے دُور کرنے کے لئے ایک اشد توجّہ اور اعلےٰ درجہ کا جوش پیدا ہو جاتا ہے تب اس کی روحانیت تقاضا کرتی ہے کہ کوئی قائم مقام اس کا زمین پر پیدا ہو۔

اب غور سے اس معرفت کے دقیقہ کو سُنو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دُو مرتبہ یہ موقعہ پیش آیا کہ ان کی روحانیت نے قائم مقام طلب کیا اوّل جب کہ ان کے فوت ہونے پر چھ سو برس گذر گیا اور یہُودیوں نے اس بات پر حد سے زیادہ اصرار کیا کہ وہ نعوذ باللہ مکّار اور کاذب تھا اور اس کا ناجائز طور پر تولّد تھا اور اسی لئے وہ مصلوب ہُوا۔ اور عیسائیوں نے اس بات پر غلو کیا کہ وہ خُدا تھا اور خدُا کا بیٹا اور دُنیا کو نجات دینے کے لئے اس نے صلیب پر جان دے دی۔ پس جبکہ مسیح علیہ السلام کی بابرکت شان میں نابکار یہُودیوں نے نہایت خلافِ تہذیب جرح کی اور بموجب توریت کی اس آیت کے جو کتاب استثناء میں ہے کہ جو شخص صلیب پر کھینچا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے نعوذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام کو لعنتی قرار دیا اور مفتری اور کاذب اور ناپاک پیدائش والا ٹھہرایا اور عیسائیوں نے ان کی مدح میں اطراء کر کے ان کو خُدا ہی بنا دیا اور ان پر یہ تہمت لگائی کہ یہ تعلیم اُنہی کی ہے۔ تب یہ اعلام الٰہی مسیح کی روحانیت جوش میں آئی اور اس نے ان تمام الزاموں سے اپنی براُت چاہی اور خُدا تعالےٰ سے اپنا قائم مقام چاہا تب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہُوئے جن کی بعثت کی اغراضِ کثیرہ میں سے ایک یہ بھی غرض تھی کہ ان تمام بیجا الزاموں سے مسیح کا دامن پاک ثابت کریں اور اس کے حق میں صداقت کی گواہی دیں، یہی وجہ ہے کہ خود مسیح نے یوحنّا کی انجیل کے ۱۶ باب میں کہا ہے کہ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلّی دینے والا (یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) تم پاس نہ آئے گا پھر اگر میں جاؤں تو اُسے تم پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیر وار ٹھہرائے گا۔ گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے جب وہ رُوحِ حق آئے گی تو تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دیگی وہ رُوحِ حق میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی ۱۴۔ وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ لوقا ۱۴۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو نہ دیکھو گے اس وقت تک کہ تم کہو گے کہ مُبارک ہے وہ جو خدا وند کے نام پر (یعنی مسیح علیہ السلام کے نام پر) آتا ہے۔ ان آیات میں مسیح کا یہ فقرہ کہ میں اُسے تم پاس بھیج دوں گا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ مسیح کی رُوحانیت اس کے آنے کے لئے تقاضا کرے گی اور یہ فقرہ کہ باپ اس کو میرے نام پر بھیجے گا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ آنے والا مسیح کی تمام رُوحانیت پائے گا اور اپنے کمالات کی ایک شاخ کی رُو سے وہ مسیح ہو گا جیسا کہ ایک شاخ کی رُو سے وہ موسےٰ ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تمام انبیاء کے نام اپنے اندر جمع رکھتے ہیں کیونکہ وہ وجود پاک جامع کمالاتِ متفرقہ ہے۔ پس وہ موسےٰ بھی ہے اور عیسےٰ بھی اور آدم بھی اور ابراھیم بھی اور یوسف بھی اور یعقوب بھی۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ اشارہ فرماتا ہے فبھدٰھم اقتدہ یعنے اے رسُول اللہ تو ان تمام ہدایاتِ متفرقہ کو اپنے وجود میں جمع کر لے جو ہر یک نبی خاص طور پر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء کی شانیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات میں شامل تھیں۔ درحقیقت محمد کا نام صلی اللہ علیہ وسلّم اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ محمدؐ کے یہ معنے ہیں کہ بغایت تعریف کیا گیا اور غایت درجہ کی تعریف تبھی متصوّر ہو سکتی ہے کہ جب انبیاء کے تمام کمالاتِ متفرقہ اور صفاتِ خاصہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم میں جمع ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیتیں جن کا اس وقت لکھنا موجب طوالت ہے اس پر دلالت کرتی بلکہ بصراحت بتلاتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پاک باعتبار اپنی صفات اور کمالات کے مجموعہ انبیاء تھی اور ہر یک نبی نے اپنے وجود کے ساتھ مناسبت پاکر یہی خیال کیا کہ وہ میرے نام پر آنے والا ہے اور قرآن کریم ایک جگہ فرماتا ہے کہ سب سے زیادہ ابراھیمؑ سے مناسبت رکھنے والا یہ نبی ہے اور بخاری میں ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ میری مسیح سے بہ شدّت مناسبت ہے اور اس کے وجود سے میرا وجود ملا ہوا ہے۔ پس اس حدیث میں حضرت مسیح کے اس فقرہ کی تصدیق ہے کہ وہ نبی میرے نام پر آئے گا سو ایسا ہی ہوا کہ ہمارا مسیح صلی اللہ علیہ وسلّم جب آیا تو اس نے مسیح ناصری کے ناتمام کاموں کو پُورا کیا اور اسکی صداقت کے لئے گواہی دی اور ان تہمتوں سے اس کو بری قرار دیا جو یہُود اور نصاریٰ نے اُن پر لگائی تھیں اور مسیح کی رُوح کو خوشی پہنچائی۔ یہ مسیح ناصری کی روحانیت کا پہلا جوش تھا جو ہمارے سیّد ہمارے مسیح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور سے اپنی مراد کو پہنچا۔ فالحمد للہ۔"

دوسرے مثالی نزول کی حقیقت قسط ہشتم میں ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

خط و کتابت کرتے وقت
چِٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں (مینیجر)

از مسٹر فیبر اے قیصر

(ترجمہ سید ناصر احمد صاحب فرمانا چیئرمین)

صلیب سے کشمیر تک

جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ جودیہ کے رومی گورنر پلاطوس نے حضرت مسیحؑ کو صلیب دیتے وقت ان کو اس طریق پر موت کے گھاٹ اُتارنے کی سخت مخالفت کی تھی۔ اس سلسلہ میں پلاطوس نے جو کردار ادا کیا، یوحنا اور متی کی اناجیل اس کا اجمالاً یوں ذکر کرتی ہیں :۔

"اس پر پلاطوس اسے چھوڑ دینے میں کوشش کرنے لگا مگر یہودیوں نے چلا کر کہا اگر تو اس کو چھوڑ دیتا ہے تو قیصر کا خیر خواہ نہیں۔ جو کوئی اپنے آپ کو بادشاہ بناتا ہے وہ قیصر کا مخالف ہے۔"

(یوحنا ۱۹ : ۱۲)

"اور جب وہ تختِ عدالت پر بیٹھا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت دُکھ اٹھایا ہے۔" (متی ۲۷ : ۱۹)

"جب پلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ اُلٹا بلوا ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے رُوبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔" (متی ۲۷ : ۲۴)

حضرت مسیح کے بارہ میں پلاطوس کی دلچسپی کا اظہار ان خیالات سے بھی ہوتا ہے جس کا ذکر اس نے ایک خط میں کیا ہے جو اس نے تبیریس قیصر کو ۳۲ء میں لکھا۔ اصل خط روم کی ویٹیکن لائبریری میں محفوظ ہے جس کی نقول واشنگٹن میں امریکی کانگریس کی لائبریری سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

"بنام تبیریس قیصر!

گلیلی سے ایک نوجوان اُٹھا جو خدا کے نام پر جس نے اسے بھیجا تھا لوگوں کو نئی شریعت اور انکساری کی تعلیم دیتا تھا۔ پہلے تو میرا خیال تھا کہ اس کا ارادہ لوگوں کو رومیوں کے خلاف بغاوت پر اُکسانا ہے لیکن جلد ہی میرے خدشات دُور ہو گئے۔ ناصرة کے یسوع کی تقاریر میں یہودیوں کی نسبت رومیوں کے حق میں دوستی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا۔

ایک دن میں نے ایک نوجوان کو لوگوں کے اجتماع میں دیکھا جو ایک درخت کے تنے کا سہارا لئے نہایت آہستگی سے ان لوگوں کو خطاب کر رہا تھا جو اس کے گرد جمع تھے۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ مسیح ہے۔ یہ صاف طور پر نظر بھی آ رہا تھا کہ اس میں اور اُن لوگوں میں جو اس کے گرد جمع تھے بڑا فرق تھا۔ اس کے خوشنما بالوں اور داڑھی سے ایک تقدس جھلکتا تھا۔ اس کی عمر تقریباً تیس ۳۰ سال کی تھی۔ میں نے اس سے پیشتر کبھی ایسا دلکش اور شفقت بھرا چہرہ نہیں دیکھا۔ اس کے گورے رنگ اور کالی داڑھی والے اور ان لوگوں میں جو اس کو سُن رہے تھے زمین آسمان کا فرق تھا۔ چونکہ میں اس کو پریشان نہ کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے اپنا راستہ لیا۔ البتہ اپنے سیکرٹری کو کہہ گیا کہ وہ مجمع میں شامل ہو کر اس کی باتیں سُنے۔ بعد میں میرے سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ اس نے اس سے پہلے کسی فلسفی کی کتاب میں وہ باتیں نہیں پڑھیں جن کا مقابلہ یسوع کی تعلیم سے ہو سکے۔ وہ نہ تو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور نہ ہی ان کو بغاوت پر اُکسا رہا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے طے کیا کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اسے جلسہ جلوس بلانے، لوگوں سے گفت و شنید اور اُن میں کام کرنے کی آزادی تھی۔ اس کھُلی آزادی نے یہودیوں کو مشتعل کر دیا۔ جو اس باعث پر سخت برہم تھے۔ اس (آزادی) کی وجہ سے غریبوں میں تو کوئی ہلچل پیدا نہ ہوئی، البتہ اُمراء اور متقدر لوگوں میں سخت ہیجان برپا ہو گیا۔ اس پر میں نے یسوع کو (ارم (عدالت عام)) میں طلب کیا۔ وہ آ گیا۔ مسیح جس وقت جب میں چہل قدمی کر رہا تھا وہ "ناصری" میرے پیش ہوا اور جونہی میری نظر اس پر پڑی مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میرے پاؤں لوہے کی زنجیروں سے مرمریں فرش میں جکڑے ہوئے تھے۔ ایک مجرم کی طرح میرا سارا وجود کانپ رہا تھا۔ حالانکہ وہ نہایت سکون سے (کھڑا) تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے ہلے جُلے بغیر کچھ دیر تک اس غیر معمولی شخص کا جائزہ لیا۔ اس کی شخصیت اور کردار میں کوئی ناخوشگوار چیز نظر نہ آتی تھی۔ اس کی موجودگی سے میرے دل میں اس کے لئے انتہائی احترام پیدا ہو گیا۔ میں نے اسے کہا کہ اس کے گرد ایک مافوق الفطرت ہالہ ہے اور اس کی شخصیت میں اثر انگیز سادگی عیاں ہے جس کی وجہ سے وہ دورِ حاضر کے فلسفیوں اور اُستادوں سے کہیں بڑھ کر دکھائی دے رہا ہے۔ اس کی خوشگوار طرزِ سادگی، انکساری اور محبت نے ہم پر گہرا اثر چھوڑا۔ اے عزت مآب فرمانروا! یہ ناصرہ کے یسوع کی سرگرمیوں سے متعلق تفصیلات ہیں جو میں نے کافی وقت صرف کر کے آپ کی اطلاع کے لئے تیار کی ہیں۔ میری رائے میں جو شخص پانی کو شراب میں تبدیل کر سکتا ہے۔ بیماروں کو شفا بخش سکتا ہے۔ مُردوں کو ہوش میں لا سکتا ہے۔ طوفانی سمندروں میں سکون لا سکتا ہے ایسے شخص کو کسی مجرمانہ سرگرمی کا مرتکب نہیں گردانا جا سکتا۔ جیسا کہ دوسروں نے کہا ہمیں بھی ماننا چاہیئے کہ وہ یقیناً خدا کا بیٹا ہے۔

آپ کا تابعدار خادم

رومی گورنر پلاطوس"

ظاہر ہے کہ پلاطوس حضرت مسیحؑ کی موت نہ چاہتے تھے۔ لیکن یہودیوں نے حضرت مسیح کو ایک باغی قرار دے دیا ہوا تھا جو بادشاہ بننے کا خواہش مند تھا۔ پلاطوس کو انہوں نے خبردار کیا کہ اگر اس نے مسیحؑ کو آزاد چھوڑ دیا تو اس کا یہ فعل قیصر سے عدم وفاداری کا مظہر ہوگا۔

پلاطوس اپنے بڑے عہدہ کو خطرہ میں ڈالنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اور یہ بات کسی لحاظ سے بھی اس کے لئے مفید نہ تھی کہ وہ قیصر کو اپنا دشمن بنا لے۔ اگر وہ حضرت مسیحؑ کو چھوڑ دیتا تو یہودی فوری طور پر اس کے خلاف قیصر سے اس کی شکایت کر دیتے۔ لہٰذا اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ وہی کرے جو یہودی چاہتے تھے۔ البتہ صرف ایک اختیار اس کے پاس ضرور تھا کہ صلیب کی موت کو اس طریق پر عمل میں لائے کہ حضرت مسیحؑ اس سے بچ جائیں اور ان کے دشمنوں کو پتہ بھی نہ چلے۔

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر دلچسپ ہے کہ اس نے صلیب پر لٹکانے کا انتظام اس طرح کیا تھا کہ وہ یہودیوں کے "سبت" شروع ہونے سے ذرا پہلے عمل میں آئے یعنی جمعہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے۔ کیونکہ یہودیوں کی شریعت کے مطابق مجرموں کو سبت شروع ہونے کے بعد صلیب پر لٹکے ہوئے نہ چھوڑا جا سکتا تھا۔ اسی کے پیش نظر دو چور جن کو حضرت مسیحؑ کے ساتھ صلیب دیا گیا تھا اور وہ ابھی تک زندہ تھے اس لئے سپاہیوں نے ان کی ٹانگوں کو توڑ دیا اور انہیں صلیب سے اُتار دیا گیا۔ اس لئے یہ بات قرینِ قیاس نہیں کہ حضرت مسیحؑ اس وقت مر چکے تھے۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ یوسف آرمتیھیا جو حضرت مسیحؑ کا ایک امیر اور محرم راز شاگرد تھا اس جگہ نمودار ہوتا ہے اور پلاطوس کی اجازت سے حضرت مسیحؑ کے جسم کو ایک خاص مقبرہ میں لے جاتا ہے۔ ان تفصیلات کی اس امکان سے پوری مطابقت ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کی کڑی آزمائش سے زندہ بچ نکلے۔ آیئے اب ان شواہد کا تفصیل سے جائزہ لیں۔

. . . .

حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے

عبرانیوں باب ۵ آیت ۷ میں حضرت مسیح کا ذکر یوں آتا ہے :-

"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی۔"

اس کا قریب قریب یہی مطلب ہوا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے لیکن ہاں مزید شہادت کے لئے ضروری ہے کہ ہم دیگر ذرائع سے چھان بین کریں۔

سب سے پہلی بات جو ہمیں یاد رکھنی چاہیئے کہ حضرت مسیح صلیب پر زیادہ دیر نہیں رہے۔ ان کو سزا سنائی گئی اور جس دن صلیب پر لٹکایا گیا اسی دن اُتار لیا گیا۔ ایسا کرنا اس لئے ناگزیر تھا کیونکہ سبت شروع ہونے سے پہلے صلیب کے عمل کو مکمل ہونا لازمی تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ صلیب سے موت عام طور پر جلد واقع نہ ہوتی تھی۔ جبکہ سخت تکلیف کئی کئی روز تک جاری رہتی تھی۔ بھوک، پیاس، موسمی خرابیوں یا شکاری پرندوں یا دوسرے درندوں کے حملوں سے آخر کار موت واقع ہو جاتی تھی۔

بعض اوقات مجرموں کی ٹانگوں کو توڑ دیا جاتا تھا تاکہ موت جلد واقع ہو جائے لیکن کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ صلیب پر لٹکے رہنے کی تکلیف کو ہی کافی سزا سمجھ کر مجرم کو ایک آدھ دن کے بعد صلیب سے اُتار لیا جاتا اور اسے زندہ رہنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اگر صلیب کے زخموں کا احتیاط سے علاج کیا جاتا تو (مصلوب) کے ٹھیک ہو جانے کی بھی اُمید ہوتی تھی۔

اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ حضرت مسیح کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا اور ان کو بھی وہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ جس کا ذکر لوقا کی انجیل میں اس طرح پر ہے :-

"پھر جو بدکار صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان میں سے ایک اسے یُوں طعنہ دینے لگا کہ تو مسیح نہیں ؟ تو اپنے آپ کو اور ہم کو بچا۔ مگر دوسرے نے جھڑک کر جواب دیا کہ تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے ؟"

جیسا کہ پہلے ذکر گذر چکا ہے کہ حضرت مسیح اور دونوں چوروں کو صلیب پر سے ایک ہی وقت اُتارا گیا تھا اور چور اس وقت تک ابھی زندہ تھے۔ پس یہ دیکھتے ہوئے کہ انہوں نے بھی ایسی ہی جسمانی اذیت اُٹھائی جیسی کہ حضرت مسیح نے۔ ایسا ممکن نہیں ہو سکتا کہ اس وقت تک حضرت مسیح فوت ہو چکے تھے خاص طور پر جبکہ اس سے ذرا ہی پہلے اُنہوں نے بلند آواز میں چیخ کر یہ کہا تھا "ایلی ایلی لما سبقتنی" یعنی اے خدا اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے۔

دوسری بات جو ذہن میں رکھنی چاہیئے انجیل ہمیں بتاتی ہے کہ جب یُوسف آرمتیھا نے حضرت مسیح کی لاش کی درخواست کی تو پیلاطوس نے جس کو تجربہ سے علم تھا کہ صلیب پر موت واقع ہونے میں کافی وقت لگتا ہے۔ اس لئے اس نے تعجب سے کہا "کیا وہ مر چکا ہے" (مرقس ۱۵: ۴۴) اس کے علاوہ جب رومی سپاہیوں نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ واقعی حضرت مسیح مر چکے تھے ان کے پہلو میں نیزہ مارا "تو فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا۔" (یوحنا ۱۹: ۳۴) اگر حضرت مسیح مر چکے ہوتے تو زخم سے صرف گاڑھے خون کے قطرے نکلتے۔ اسی سلسلہ میں ٹیورن میں مقدس کفن کے حالیہ تجزیاتی مطالعہ سے جو شواہد منظرِ عام پر آئے ہیں ان کو بھی زیرِ غور لانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کفن کے متعلق مشہور ہے کہ اس کفن میں حضرت مسیح کے جسم کو لپیٹ کر ایک کھلی قبر میں رکھا گیا تھا۔

ٹیورن میں مقدس کفن

ممتاز ماہرِ علم جرمیات اور زیورچ پولیس کی سائنٹیفک لیبارٹری کے ڈائریکٹر پروفیسر میک فری جو ۱۹۶۹ء سے ٹیورن کے مقدس کفن سے چپکے ہوئے پھولوں کے ریزوں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے ترقی یافتہ جدید ترین طریقوں سے کئی سال کے گہرے تجزیہ کے بعد کفن کی تاریخ اور اس کی اصلیت کا تفصیلی خاکہ تیار کیا ہے۔ خاص طور پر انہوں نے کفن پر پیوست قدیم اور بہتر کی سی صورت کے لئے پھولوں کے ریزوں کے ذرات کا گہرا تجزیہ بھی کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ یہ ایسے پودوں کے ریزے ہیں جو دو ہزار سال پہلے صرف فلسطین میں پائے جاتے تھے۔ اس کے بعد اسے اس کفن کی صداقت کے بارہ میں کوئی شبہ نہ رہا جو قسطنطنیہ اور بحر روم کے پودوں کے زردانوں کے آثار بھی لئے ہوئے ہے۔ اس کفن پر پندرہ مختلف پودوں کے زردانوں کی موجودگی کا پتہ چلا ہے۔ ان میں سے چھ فلسطین، ایک قسطنطنیہ اور آٹھ کا تعلق بحر روم سے ہے۔

یہ تحقیق جس کی ابتداء کلیسا کی اجازت سے ۱۹۶۹ء میں ہوئی تھی اس کے نتائج کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ۱۹۷۶ء کے اوائل میں ایک پریس نوٹ جاری کیا گیا جو یہ تھا :-

"وہ کفن جو (حضرت مسیح) کے جسم پر لپٹا ہوا تھا اس کے متعلق سات سال تحقیق کرنے کے بعد بہت سے سائنسدان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت مسیح ابھی زندہ تھے کہ انہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ ماہرین اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مقدس کفن جو ٹیورن میں محفوظ ہے ایک مصلوب کے جسم پر لپٹا ہوا تھا۔ جس نے بالکل حضرت مسیح کی طرح صلیب پر تکالیف برداشت کیں۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ شخص صلیب پر فوت نہ ہوا تھا بلکہ ابھی وہ زندہ ہی تھا کہ دفن کر دیا گیا۔ کفن پر موجود خون کے اٹھائیس دھبے اس امر کا ثبوت ہیں محققین ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ مردہ جسم سے جو کفن میں لپٹا ہوا ہو یقینی طور پر اس میں سے اس طرح پر خون نہیں بہہ سکتا۔

حضرت مسیح کو زندہ ہی دفن کر دیا گیا یا پھر کوئی دوسرا مسیح ہوگا جس کو بالکل ایسی ہی اذیتوں میں مبتلا کیا گیا۔

ٹیورن کے کفن کی تاریخ نویں صدی عیسوی تک جاتی ہے۔ جب یہ یروشلم میں تھا اور ۱۴۵۲ء میں تھوڑے عرصہ کے لئے بلجیم میں رہنے کے بعد سوائے کے شاہی خاندان کی ملکیت میں چلا گیا۔ ۱۵۳۲ء میں اسے آگ لگ جانے سے نقصان پہنچا اور اس کے تین سال بعد یہ ٹیورن پہنچایا گیا۔ ۱۵۳۶ء سے ۱۵۷۸ء تک یہ ورسیلی، میلان اور نیس ہوتا ہوا کیمبرلے پہنچا۔ جہاں سے ۱۷۰۶ء میں پھر ٹیورن آ گیا۔ اس سال کے دوران کچھ وقت کے لئے اس کو جنیوا منتقل کر دیا گیا تھا۔

۱۹۴۶ء میں خاندان سوائے کے ہمبرٹ دوم نے باقاعدہ اسے ٹیورن کے آرچ بشپ کے حوالے کر دیا لیکن اس کی ملکیت کے حقوق اسی خاندان کے پاس رہے۔ اس کفن کی تصاویر سب سے پہلے ۱۸۹۸ء میں لی گئیں سرکاری طور پر اس کی تصاویر جی انیری نے ۱۹۳۱ء میں لیں۔ جب کفن کے متعلق سنجیدگی سے تحقیقات کا آغاز ہوا۔

کفن تین فٹ سات انچ (۱۱۰ سنٹی میٹر) چوڑا اور ۱۴ فٹ تین انچ (۴۳۶ سنٹی میٹر) لمبا ہے۔ ویٹیکان کے ایک ٹیکنیکل ماہر ریکی کے اندازے کے مطابق کفن پر جسم کے چھاپہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم پانچ فٹ ۴-۱۰ انچ (۱۶۲ سنٹی میٹر) لمبا ہے۔ تاہم پروفیسر لورینر فیری جو روم کے ایک مجسمہ تراش ہیں۔ انہوں نے کفن میں لپٹے ہوئے جسم کا حساب تقریباً چھ فٹ ۲ انچ (۱۸۷ سنٹی میٹر) لگایا ہے۔

۱۹۵۷ء میں کرٹ برنا کی جرمن زبان میں کتاب حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے شائع ہوئی۔ برنا کیتھولک ہیں۔ انیری کی تصاویر شائع ہونے کے بعد سے یہ ادارہ ٹیورن کے مقدس کفن کے گہرے مطالعہ میں مصروف ہے۔ برنا نے ان تحقیقات کے نتائج دو جرمن کتب "دس لینن" یعنی مقدس کفن اور جیس نخت ام کریوز گیسٹوربن" یعنی حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے کی صورت میں شائع کئے۔ ان کتابوں خاص طور پر دوسری کتاب کے [incomplete]

ہوتے ہی عیسائی دنیا میں کھلبلی مچ گئی اور اس پر کافی لے دے ہوئی۔

۲۶ فروری ۱۹۵۹ء کو برنا نے پوپ جان ۲۳ سے درخواست کی کہ وہ ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دیں جو ٹیورن کے کفن کے بارہ میں تحقیق کرے اور اس مابہ النزاع بحث کو ختم کرے۔ پہلے تو یہ درخواست جرمنی میں پوپ کے متعینہ سفیر نے رد کر دی۔ لیکن بالآخر ۱۹۶۹ء میں ویٹیکان نے ایک کمیٹی مقرر کر دی جو جیسا کہ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں انہی نتائج پر پہنچی جس پر برنا پہنچے تھے۔ برنا نے پوپ کے نام جو خط لکھا وہ حسب ذیل ہے:۔

"تقدس مآب

دو سال قبل جرمن ادارہ برائے تحقیقات مقدس کفن نے ٹیورن میں محفوظ کفن کے متعلق تحقیقات کی رپورٹ مقدس دفتر اور عام لوگوں کے سامنے پیش کر دی تھی۔

گزشتہ ۲۴ مہینوں میں جرمن یونیورسٹیوں کے مختلف ماہرین نے ان غیر معمولی انکشافات کو رد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ بظاہر انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ سائنسی علوم کی بناء پر ان نتائج کو آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں اپنی شکست ماننی پڑی ہے اور اب انہوں نے نہ صرف ان تحقیقات کو درست تسلیم کیا ہے بلکہ یہ بھی مانا ہے کہ نتائج عیسائی اور یہودی دونوں مذاہب کے لئے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان بہت سی آراء کو یہاں درج کرنا بے محل اور غیر ضروری ہے جو بین الاقوامی پریس میں اس بارہ میں شائع ہوئیں۔

چونکہ کوئی بھی حتمی طور پر ان تحقیقات کے نتائج سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس ادارہ کو یقین ہے کہ یہ انکشافات ساری دنیا کے لئے کھلا چیلنج ہے۔

یہ بات اب بلا کسی شک و شبہ کے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب سے اتارنے اور کانٹوں کا تاج ہٹانے کے بعد اس کفن میں لپیٹا گیا تھا۔

اب تک جو تجربات کئے جا چکے ہیں ان سے یہ بات اس حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ ایک مصلوب شخص کو اس کفن میں لپیٹا گیا اور اس میں اسے کچھ عرصہ کے لئے رہنے دیا گیا تھا۔ مغربی طب کی رو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس کفن میں جس جسم کو رکھا گیا تھا وہ مردہ نہ تھا کیونکہ اس کا دل ابھی چل رہا تھا۔ سیال خون کے نشانات ان کی حالت اور ماہیت سے یہ سائنسی نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ نام نہاد صلیبی پھانسی قانونی طور پر پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی۔

یہ انکشافات، عیسائیت کی ماضی اور حال کی تعلیمات کو نادرست قرار دیتا ہے۔

تقدس مآب!

سائنس کی رو سے معاملہ کی جملہ تفصیلات کی موجودہ صورت یہ ہے۔ اس بات میں اب کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ مقدس کفن کے بارہ میں موجودہ تحقیق انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق سائنسی اور تاریخی حقائق سے ہے۔

مقدس کفن کی جو تصاویر ۱۹۳۹ء میں پوپ پائس IX کی خاص اجازت سے تیار کی گئی تھیں وہ موجودہ تحقیقات کے نتائج کے لئے مزید مواد مہیا کرتی ہیں۔ ان حقائق کو جھٹلانے کے لئے ضروری ہے کہ ذیل کے کیمیائی ٹیسٹ کئے جاویں:۔

ا۔ مقدس کفن پر موجودہ سیال خون کے نشانات جو اس وقت تک دل کے حرکت کرنے کی بدولت پیدا ہوئے تھے ان کا جدید کیمیاوی تجزیہ کیا جائے۔ اس عمل میں خوردبین اور اسی قسم کے دوسرے آلات کو استعمال میں لایا جائے۔

ب۔ اس معائنہ میں ایکس رے، انفرا ریڈ اور الٹرا وائلٹ شعاع اور دیگر جدید طریقوں کو استعمال میں لایا جائے۔

ج۔ کفن کے بارہ میں زمانہ کے تعین کے لئے ایٹمی گھڑی اور کاربن ۱۴ کے طریق کار کو بروئے کار لایا جائے۔ کفن کے صحیح تجزیہ کے لئے صرف ۳۰۰ گرام وزن کپڑے کی ضرورت ہوگی۔ اس سے مقدس کفن کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا کیونکہ کفن کے اطراف سے ۲ سنٹی میٹر چھوٹا سا ٹکڑا لیا جائے گا جو کہ ۴.۳۶ میٹر لمبا ہے۔ اس طریق پر کپڑے کے اہم حصوں کو بالکل کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

تقدس مآب!

ساری عیسائی دنیا میں صرف آپ ہی کلیسا کے پوپ یا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس مقدس تبرک کے متعلق اختیار رکھتے ہیں۔ جرمن انسٹی ٹیوٹ اور دوسرے اداروں کی تحقیقات کے نتائج کو صرف اسی صورت میں جھٹلایا جا سکتا ہے اگر اس کا سائنسی تجزیہ ہو جائے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مقدس کفن کے بارہ میں چرچ تجربات کرنے کی اجازت کیوں نہیں دیتا۔ میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ چرچ اس سے خائف ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ انسٹی ٹیوٹ کو تو کوئی ایسا خوف لاحق نہیں کیونکہ اس نے یہ تحقیقات نہایت ایمانداری اور اخلاص سے کی ہیں اور ہر ممکن طریق کار کو اختیار کیا ہے۔ ہم یہ نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان انکشافات کو دنیا میں کوئی شخص بھی رد نہیں کر سکتا۔ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے یہ سب کے لئے کھلا چیلنج ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ حقائق کی براہ راست اور مکمل سائنسی جانچ پڑتال کے ذریعہ ہی خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکیں گے۔

ان نیک ارادوں کے پیش نظر ہم نہایت انکسار سے جناب تقدس مآب سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ایسا کرنے کی اجازت دے دیں تاکہ کلیسا اس سارے معاملے کو کسی خاطر خواہ اختتام تک پہنچا سکے۔ اگر کلیسا اس بات پر آمادہ ہو جائے تو کلیسا کے بہت سے ماننے والے اور دیگر ادارے اس آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہیں۔

مقدس کفن کے جرمن تحقیقی ادارہ کی طرف سے اور بعض دیگر تحقیقی اداروں کی بہبود کی خاطر ہم جو رومن کیتھولک چرچ کے ماننے والے ہیں تقدس مآب سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ یہ حکم صادر کر دیں تاکہ اس سلسلہ میں ضروری ثبوت حاصل کئے جا سکیں۔

تقدس مآب کے لئے نہایت مؤدبانہ تسلیمات کے ساتھ

مہر

کرٹ برنا

کیتھولک مصنف اور سیکرٹری برائے اندرونی معاملات

جرمن انسٹی ٹیوٹ

صلیب کے زخم ٹھیک ہونے کے بعد حضرت مسیح کی زندگی کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے میں ان نتائج میں سے چند ایک کا خلاصہ بیان کروں گا۔ جن کا ذکر کرٹ برنا نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے۔

کرٹ برنا کا یہ کہنا ہے کہ کفن کے تجزیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا سر اور ہاتھ باقی جسم کی نسبت اونچا رکھا گیا تھا۔ اگر حضرت مسیح جب انہیں کفن میں لپیٹا گیا تھا فوت ہو گئے ہوتے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ان حصوں سے کوئی تازہ خون نہ بہتا اور نہ ہی کپڑے پر نشانات چھوڑتا۔ نیز کرٹ برنا کا یہ کہنا ہے کہ رومیوں نے کانٹوں کا جو تاج حضرت مسیح کے سر پر پہنایا تھا تاکہ ان کا مذاق اڑایا جائے کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ (ہونے کا دعویٰ کرتا ہے) ان کانٹوں سے جو زخم پیدا ہوئے تھے ان سے بہتے ہوئے خون کے دھبے کپڑے پر موجود ہیں۔ جب ان کے جسم کو صلیب سے نیچے اتار کر کانٹوں کے تاج کو ہٹایا گیا تو کانٹوں سے پیدا ہونے والے زخموں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اگر حضرت مسیح اس سے پیشتر

فوت ہو چکے ہوتے تو خون کو ان کے جسم کے نچلے حصہ میں جم جانا چاہئے تھا۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ دل چل رہا ہو تو خون خلا میں بھی گردش کرتا رہتا ہے۔ لیکن ایک بار دل کی حرکت بند ہو جائے تو خون کی گردش بند ہو جاتی ہے اور وہ رگوں میں سکڑنے لگتا ہے اور جلد کے نیچے باریک رگوں سے خون نچڑ جاتا ہے اور جسم پر موت کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ پس حضرت مسیحؑ کے سر کے زخموں سے تازہ خون ہرگز نہ بہتا اگر ان کا دل حرکت نہ کر رہا ہوتا۔ پس بلحاظ طب یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت مسیحؑ کو جب کفن میں لپیٹا گیا تھا اس وقت وہ فوت نہیں ہوئے تھے۔ شاید انہوں نے سانس لینا بند کر دیا ہو اور مُردوں کی طرح دکھائی دے رہے ہوں لیکن اگر دل ابھی تک حرکت میں ہو تو ان حالات میں یہ ممکن ہے کہ فوری اور خصوصی طبّی علاج سے ایسا شخص زندہ ہو جائے۔

لیکن کفن پر ایک باریک لکیر اس جگہ کو ظاہر کرتی ہے جہاں خون دائیں ہاتھ کے ناخن سے دائیں بازو کی طرف بہہ نکلا جب کیل کو ہاتھ سے نکالا گیا تھا۔ اس کے پیش نظر کہ خون تازہ تھا جو کفن میں جذب ہوا۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت مہیا کرتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کا دل ابھی کام کر رہا تھا جب انہیں صلیب سے نیچے اتارا گیا۔

کفن یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ رومی سپاہی نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کیا حضرت مسیح مر چکے ہیں ان کے جسم میں کسی جگہ نیزہ مارا تھا۔ اور ان کے جسم کو (مردہ سمجھ کر) چھوڑ دیا۔ خون کے نشانات بتاتے ہیں کہ نیزہ سینے کے دائیں جانب مارا گیا تھا جو پانچویں اور چھٹی پسلی کے درمیان سے ہوتا ہوا بائیں جانب ذرا اوپر کر کے ۲۹ درجہ کا زاویہ بناتا ہوا باہر نکل گیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ نیزہ دل کے بالکل قریب سے گذرا لیکن اس نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اس لئے خون اور پانی جن کے زخم سے بہہ نکلنے کا ذکر یوحنا نے بھی باب ۱۹: ۳۴ میں کیا ہے وہ دل سے بہنے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل ابھی تک کام کر رہا تھا لیکن کمزور حالت میں اور حضرت مسیح ابھی تک زندہ تھے۔

حضرت مسیحؑ کے حواری سینٹ پال نے اسی سے یہ اخذ کیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور بعد میں زندہ ہو گئے۔ اور اس عقیدہ کو تاریخی حیثیت دے دی اور اس عقیدہ کی کلیسا نے بھی تصدیق کر دی۔ اس لحاظ سے ٹورن میں مقدس کفن سے متعلق تحقیق کے نتائج نے کلیسا کو مشکل میں ڈال دیا۔ چنانچہ ۳۰ جون ۱۹۶۰ء کو پوپ جان XXIII نے ایک اعلان جاری کیا جو ویٹیکن اخبار L'OSSERVATORN ROMANO کے شمارہ مؤرخہ ۲ جولائی میں "حضرت مسیحؑ کے جسم کی مکمل نجات" کے عنوان کے تحت شائع ہوا۔ اس میں پوپ نے ان کیتھولک پادریوں کے لئے جنہوں نے کفن سے متعلق خبروں کو مان لیا اور ان کی تشہیر کی، یہ وضاحتی بیان دیا کہ انسانیت کی مکمل نجات حضرت یسوع مسیحؑ کے خون سے وابستہ ہے اور اس کے لئے ان کی موت (صلیب) پر (ایمان لانا) ضروری نہیں۔

حضرت مسیح جب قبر سے نکلے تو زندہ تھے

جب حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارا گیا اس کے بعد متعدد دلچسپ واقعات تسلسل سے ظہور پذیر ہوئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علاج ہوا اور انہوں نے اس مقبرہ کو جیتے جاگتے چھوڑا۔ قبل ازیں ہم پلاطوس کی حضرت مسیحؑ سے ہمدردی کی تفصیل پڑھ چکے ہیں اور (صلیب سے) حضرت مسیح (کے جسم) کو ان کے دشمنوں کی بجائے ان کے دوستوں کے سپرد کیا گیا تھا۔ یوحنا کی انجیل اس کے متعلق یوں بیان کرتی ہے :—

"ان باتوں کے بعد ارمتیا کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا لیکن (یہودیوں کے ڈر سے خفیہ طور پر) پلاطوس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لے جائے۔ پلاطوس نے اجازت دی۔ پس وہ آکر لاش لے گیا۔ اور نیکدیمس بھی آیا جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مُر اور عود ملا ہوا لایا۔" (۱۹: ۳۸، ۳۹)

یہودیوں کے عام دستور کے برخلاف حضرت مسیحؑ کو ایک قبر میں نہ ڈالا گیا اور نہ ہی دفن کیا گیا۔ بلکہ انہیں ایک کھلی قبر نما غار میں رکھ دیا گیا جس کے منہ کو ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا گیا۔ (اور اس کے اندر اتنی ہوا تھی جس میں وہ سانس لے سکتے تھے۔ قبر سے باہر نکلنے کے لئے حضرت مسیحؑ کو اسی پتھر کو ایک طرف ہٹانا پڑا جس نے راستہ کو بند کیا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان کی طرح نکلے نہ کہ ایک روح کی طرح۔ ورنہ دوسری صورت میں انہیں ایک مادی رکاوٹ کو ہٹانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اسی طرح یہ امر واقع ہے جو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی رہنمائی کرتے ہوئے گلیل کی طرف جا رہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سفر ایک انسان کر رہا ہے۔ ذیل میں مرقس کی انجیل اس کی تفصیل یوں بیان کرتی ہے :—

"اس (ارمتیا کے یوسف) نے ایک مہین چادر مول لی اور لاش کو اتار کر اس چادر میں کفنایا اور ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھودی گئی تھی رکھا اور قبر کے منہ پر ایک پتھر لڑھکا دیا۔ اور مریم مگدلینی اور یوسیس کی ماں مریم دیکھ رہی تھیں کہ وہ کہاں رکھا گیا ہے

جب سبت کا دن گذر گیا تو مریم مگدلینی اور یعقوب کی ماں مریم اور سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ آکر اسے ملیں۔ وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں اور آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائیگا؟ جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے کیونکہ وہ بہت ہی بڑا تھا۔ اور قبر کے اندر جا کر انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے دہنی طرف بیٹھے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں۔ اس نے ان سے کہا ایسی حیران نہ ہو۔ تم یسوع ناصری کو جو مصلوب ہوا تھا ڈھونڈتی ہو۔ وہ جی اُٹھا ہے وہ یہاں نہیں ہے۔ دیکھو یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے اسے رکھا تھا۔

لیکن تم جا کر اس کے شاگردوں اور پطرس سے کہو کہ وہ تم سے پہلے گلیل جائے گا۔ تم وہیں اسے دیکھو گے جیسا اس نے تم سے کہا۔"

(۱۵: ۴۶، ۱۶: ۱ تا ۷)

یہ بیان کہ تین عورتیں قبر میں داخل ہو گئیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبر بہت وسیع تھی۔

اب میں یوحنا کے اس اقتباس کی طرف واپس آتا ہوں جو پہلے درج کیا جا چکا ہے اس میں قابلِ غور ایک اشارہ ہے۔ یعنی شاید وہ شخص نکدیمس ہی ہے جس نے حضرت مسیحؑ کے زخموں کا علاج ایک خاص مرہم سے کیا۔ بہت سی مشرقی طب کی کتب میں اس مرہم کا ذکر مرہم عیسیٰ یا مرہم رسول کے نام سے آتا ہے۔ ان میں سب سے مشہور شیخ الرئیس بو علی سینا کی کتاب "قانون" ہے جو مغرب میں "کینن آف ایویسینا" کے نام سے معروف ہے۔ اسی طرح کی دیگر کتب میں "قرابادین رومی" بھی ہے جو قریباً مسیحؑ کے زمانہ میں ہی مرتب کی گئی تھی۔ اور بعد میں اس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

آخر میں یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی جس کا ذکر مرسیہ ایلیڈ نے اپنی کتاب "لے میتھ دو ریتور ایٹرنل" شائع شدہ (پیرس ۱۹۵۱ء) میں کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انگلستان میں جو جادو ٹونے (ٹونے ٹوٹکے) کا رواج تھا، اور ان کا استعمال اس وقت ہوتا تھا جب ساج اور ور بینا کی بوٹیوں کے اکٹھا کرنے کا موسم آتا۔ ان بوٹیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ پہلے کیلوری میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کے زخم ٹھیک ہوئے تھے۔ اسلئے ان بوٹیوں کو ان کی شفا بخش قوت کی وجہ سے متبرک سمجھا جانے لگا۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جادو کے ذریعہ سے ان بوٹیوں میں سے شفا بخش قوتیں نکلتی تھیں جس کی بناء پر اس بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ ان بوٹیوں کی ابتدا متبرک جگہ سے ہوئی تھی۔

حسنِ اخلاق سے بہتر کوئی شئے نہیں۔
(حدیث نبوی)

شیخ محمد اکرام ایم۔ اے

(۱۹۷۹)

جماعت احمدیہ لاہور

ایک معروف مؤرّخ کی نظر میں۔

لاہوری جماعتِ احمدیہ کا نظم و نسق انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے ہاتھ میں ہے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مذہب کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اس کے صدر تھے۔ اب مولوی صدرالدین صاحب امیر جماعت ہیں۔ اس جماعت کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔

باوجود اس کے اس میں قابل اور مخلص حضرات کی افراط ہے۔ اور اتنی مختصر تعداد کے باوجود اس جماعت نے اتنا عملی کام کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

اس کی ایک بڑی وجہ جماعت کا نظام اور منتظموں کا جوش و ولولہ ہے برصغیر کے مسلمانوں میں کوئی مذہبی جماعت ایسی نہیں جو اس قدر منظم اور سرگرمِ عمل ہو۔ نئے تعلیمیافتہ لوگوں کو مادیت اور دُنیاداری نے عملی کام کے قابل نہیں چھوڑا اور پُرانے عُلماء زمانے کی ضروریات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک عالمِ جمود میں ہیں۔ ان کے مقابلے میں احمدیہ جماعت میں غیر معمولی مستعدی۔ جوش۔ خود اعتمادی اور باقاعدگی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمام دُنیا کے رُوحانی امراض کا علاج ان کے پاس ہے۔ یہ اعتقاد غلط ہو یا صحیح۔ لیکن اس نے ان کے کاموں میں رُوح پُھونک دی ہے۔

احمدی جماعت کے فروغ کی ایک اور وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہادِ بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان یعنی تحریری اور زبانی تبلیغ کا زمانہ ہے۔ ان کے اس عقیدہ سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج جہاد بالسیف کی اہلیت نہ مسلمانوں میں ہے نہ عام مسلمانوں میں ہے۔

طاقتِ جلوۂ سینا نہ تو داری و نہ من

عام مسلمان تو جہاد بالسیف کے عقیدے کا خیالی دم بھرتے، نہ عملی جہاد کرتے ہیں اور نہ تبلیغی جہاد۔ لیکن احمدی جنہوں نے جہاد بالسیف کے معاملے میں کھُلم کھُلا اور صاف صاف حالاتِ حاضرہ کے سامنے سر جُھکا دیا ہے۔ دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو ایک فریضہ مذہبی سمجھتے ہیں۔ اور اس میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔

ایک اہم کام جو یہ جماعت کر رہی ہے قرآن مجید کی اشاعت ہے۔ بالخصوص انگریزی دان مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مولوی محمد علی صاحب امیرِ جماعتِ احمدیہ کا ترجمہ تفسیر قرآن انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ تھا جو کسی مسلمان کے ہاتھوں سے سرانجام پایا۔ ترجمے کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی مختلف سُورتوں کی تقسیم و ترتیب کر کے اور ان کے مضامین کا خلاصہ لے کر مطالبِ قرآنی کو واضح کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ صرف الفاظ ہی پر توجّہ نہ رہے بلکہ کلامِ مجید کے ارشادات اور خیالات بھی وضاحت سے ذہن نشین ہو جائیں۔

آج کل کلامِ مجید کے متعدد انگریزی ترجمے شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن شرفِ اولیت مولوی محمد علی صاحب کے ترجمے ہی کو ہے۔ گذشتہ ربع صدی میں انگریزی خواں طبقے کو قرآن سے جو دلچسپی پیدا ہوئی ہے اس کا ایک بڑا سبب مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃُ القرآن ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اس ترجمے کی نسبت لکھتے ہیں:—

"غالباً اگست ۱۹۲۰ء تھا کہ ایک عزیز کے پاس مولوی محمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمۃُ القرآن پڑھنے میں آیا۔ اور طبیعت نے اس سے بھی بہت اُبھرا اور اچھا اثر قبول کیا۔ مغربی راہ سے آئے ہوئے بیسیوں شبہات و اعتراضات اس ترجمہ و تفسیر سے دُور ہو گئے۔ اور یہ رائے اب تک قائم ہے۔ اس بیس سال کے عرصہ میں خامیاں اور غلطیاں بہت سی (بلکہ بعض جگہ تو ایسی جسارتیں جن کے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں) اس ترجمہ و تفسیر کی علم میں آ چکیں۔ لیکن انگریزی خوانوں اور مغرب زدوں کے حق میں اس کے مفید اور بہت مفید ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں ——— ہدایت کا واسطہ جب اللہ کی حکمت صریح غیر مسلموں کے کلام کو بنا دیتی ہے تو یہ تو بہرحال اللہ کے کلام کا ترجمہ و حاشیہ ہے۔ مترجم کی بعض اعتقادی غلطیوں کی بنا پر ان کی ساری کوششوں سے بدظن ہو جانا قرینِ انصاف و مقتضائے تحقیق نہیں۔"

انگریزی ترجمے کے علاوہ جماعتِ احمدیہ لاہور اشاعتِ قرآن کے دوسرے مسائل سے بھی غافل نہیں۔ جرمن موجودہ یورپ کی علمی زبان ہے۔ اس میں قرآن مجید کے ترجمے موجود ہیں۔ لیکن غیر مسلموں کے۔ اب اگر موجودہ یورپ کو اسلام سے صحیح واقفیت دلانی ہے تو ضروری تھا کہ جرمن زبان میں قرآن مجید کا صحیح ترجمہ ہو۔ اور اس ترجمہ کے ساتھ ساتھ ان اعتراضات کے جواب بھی ہوں جو قرآن مجید کے بعض اندراجات پر عیسائی کر رہے ہیں۔ چنانچہ انجمن نے یہ کام بھی کر دیا۔ کہ اسی طرح شاید جرمن ترجمے سے بھی زیادہ ڈچ ترجمے کی ضرورت تھی۔

جاوا سماٹرا میں قریباً پانچ کروڑ مسلمان ہیں۔ اور جس طرح ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کی زبان انگریزی ہے۔ اسی طرح جاوا میں یہ مرتبہ ڈچ زبان کو حاصل تھا۔ لیکن ڈچ میں کلام مجید کا کوئی ترجمہ کسی مسلمان کا کیا ہُوا نہ تھا۔ اور چونکہ وہاں دورِ حاضرہ کے علمی مسائل کو حل کرنے کی ایسی کوئی کوشش نہیں ہوئی جیسی ہندوستان میں سرسیّد اور سیّد امیر علی وغیرہ نے کی۔ اس لئے وہاں کا تعلیمیافتہ طبقہ مذہب سے روز بروز بیگانہ ہو رہا ہے اور مشنریوں کو دُنیا کے کسی اسلامی ملک میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی ڈچ انڈونیشیا (جاوا سماٹرا) میں۔

احمدیہ جماعت لاہور اپنی بساط کے مطابق اس فتنے کا مقابلہ کر رہی ہے۔ ۱۹۲۹ء سے جاوا میں احمدیہ مشن قائم ہے اور مشنریوں کے مقابلہ کے لئے جو ہتھیار ہندوستان میں برسوں کی محنت اور تجربے کے بعد تیار ہوئے تھے۔ وہ اب جاوا کے مسلمانوں کو مل رہے ہیں۔ ڈچ زبان میں دوسری کُتب کی اشاعت کے علاوہ کلام مجید کا ترجمہ بھی چھپ گیا ہے اور اُمید ہے کہ اس سے کسی حد تک تعلیمیافتہ طبقہ کی مذہب سے بیگانگی کا سدِّ باب ہوگا۔

قرآن مجید کے تراجم کے علاوہ حدیث اور اسلامی تاریخ کے متعلق بھی احمدیہ جماعت مختلف کتب شائع کر رہی ہے۔ مولانا محمد علی نے مذہب اسلام پر ایک نہایت مبسوط اور مفصّل کتاب لکھی ہے۔ جرمن۔ ڈچ۔ انگریزی۔ جاوی، اور اُردو زبان میں لاہوری احمدیوں نے رسالے جاری کئے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا انجمن نے لاہور سے ایک نہایت بلند پایہ سہ ماہی رسالہ "مسلم ریوائیول" (احیاءِ اسلام) کے نام سے انگریزی میں جاری کیا تھا جس میں ادبی سیاسی اور مذہبی مسائل پر نہایت بلند پایہ مضامین درج ہوتے تھے۔ علامہ اقبال نے اس کے لئے کئی مضامین لکھے۔ اگرچہ بعض نامساعد اسباب کے باعث یہ رسالہ بند ہو گیا ہے لیکن اپنی قلیل مُدّتِ حیات کے دوران میں اس نے اسلامی صحافت کا جو بلند معیار قائم کیا تھا۔ وہ بھی اسلام کی حقیر خدمت تھی۔

تبلیغِ اسلام } قرآن مجید کی اشاعت اور عام مذہبی خدمت کے علاوہ اہم ترین کام جو لاہوری جماعت احمدیہ نے سرانجام دیا ہے وہ بیرونی ملکوں میں اشاعتِ اسلام ہے۔ جس میں ابتداء اور غیر معمولی کامیابی کا سہرا جماعت کے سب سے کامیاب مبلّغ خواجہ کمال الدینؒ کے سر ہے۔

خواجہ صاحب ۱۹۱۲ء میں مولانا ظفر علی خان کے ساتھ انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ اور مولانا کے ساتھ مل کر ایک انگریزی رسالہ "مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو" کے نام سے جاری کیا تھا۔ جو اب "اسلامک ریویو" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ سیاسی اور مذہبی معاملات میں اسلامی ہندوستان کی ترجمانی کرتا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ خواجہ صاحب نے یہ اندازہ لگا لیا کہ تبلیغی کام خود اتنا اہم ہے کہ اگر اسی کے لئے زندگی وقف کر دی جائے اور سیاسی مسائل کو تبلیغی کوشش کے ساتھ جاری رکھ کر تبلیغ کے راستے میں رکاوٹیں نہ پیدا کی جائیں۔ تو یہ بھی اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں

کی بڑی خدمت ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے اس کام پر زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے دیکھا کہ مغرب میں مبلغ اسلام کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمان کرے۔ بلکہ مغرب میں مسلمانوں کے متعلق جو غلط فہمیاں صدیوں کے پروپیگنڈے سے راسخ ہو گئی ہیں، انہیں دور کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

لاہور احمدیہ جماعت کی تبلیغی کوششیں صرف انگلستان تک ہی محدود نہیں بلکہ انہوں نے کئی دوسرے ممالک میں بھی اپنے تبلیغی مرکز کھولے ہیں۔ دنیا کے مسلمانوں میں سب سے پہلے احمدیوں (لاہوری) نے اس حقیقت کو پایا کہ اگرچہ آج اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے۔ لیکن حکومتوں میں تبلیغ کی اجازت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک موقعہ بھی حاصل ہے جو مذہب کی تاریخ میں نیا ہے اور جس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اگرچہ جو کام انہوں نے ابھی تک کیا ہے وہ ایک کامیاب ابتداء سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک نیا رستہ کھول دیا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے مذہب کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ اسلامی ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے درمیان روابط قائم کر سکتے ہیں۔ اور دنیائے اسلام میں وہ سربلندی اور درجہ حاصل کر سکتے ہیں جس کے وہ اپنی تعداد، مذہبی جوش اور شاندار سیاسی روایات کی وجہ سے مستحق ہیں۔

اب روز بروز برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی اس خیال کے پابند ہوتے جاتے ہیں کہ اسلامی دنیا کی مصلحت اس میں نہیں کہ پاک و ہند کے مسلمان ترکی یا مصر یا کسی اور مختصر سے اسلامی ممالک کے "تابع مہمل" بنے رہیں۔ بلکہ اسلامی مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ علمی اور تبلیغی بلکہ اقتصادی اور تمدنی امور میں بھی پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان دنیائے اسلام یا کم از کم اسلامی ایشیا کی رہنمائی کریں۔

یہ خیال قوم کے مطمح نظر کو بلند کر کے ایک نئی روحانی زندگی کا باعث ہوگا لیکن اس کے ایک حصے کی عملی تشکیل سب سے پہلے احمدیوں (لاہوری) نے کی۔

اب عیسائی مشنری بھی عام طور پر تسلیم کر رہے ہیں کہ ان کے کام میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستانی مسلمان ہیں، بالخصوص لاہور کے احمدی ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دورِ حاضر میں پاکستانی مسلمانوں نے اشاعت اسلام میں اور اسلام کے متعلق اعتراضات کا جواب دینے میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے بڑھ کر کام کیا ہے۔

"خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا۔ تاکہ میں علم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے راہ راست پر لوگوں کو چلاؤں۔" (مسیح موعود)

ضروری اعلان

اسلامک سنٹر لندن کے جناب اکبر علی صاحب کو حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی ترجمہ القرآن کے ۱۹۱۷ء کے ایڈیشن کی ضرورت ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس وہ ایڈیشن موجود ہو۔ تو از راہِ نوازش قیمتاً یا مفت پیش فرمائے۔ اور دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو بھجوا دے بشکر گزار ہوں گا۔ والسلام

میاں بشارت احمد بقا۔ منیجر دار الکتب اسلامیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

تکمیل شخصیت کا صحیح راستہ

موجودہ سیاسی دور کے آغاز میں یورپ کے اندر اللہ تعالےٰ پر ایمان ڈگمگا گیا۔ کیونکہ اللہ پاک ظاہری حواس کی گرفت میں نہیں آ سکتے۔ اگلا قدم یہ اٹھا کہ وہ لوگ روح کے بھی قائل نہ رہے۔ روح کو مانتے ہی نہیں تو اس پر توجہ کیا دیں گے چنانچہ ان کی ساری توجہ بدن اور حیوانی جبلتوں پر مرکوز ہو گئی۔ پھر دو صدیوں تک انہوں نے تہذیب سکھانے اور روشنی پھیلانے کے بہانے دنیا میں خوب لوٹ مار مچائی اور افراتفری پھیلائی۔ سیاسی اور نظریاتی دونوں قسم کی افراتفری۔ جس کا نتیجہ دو عالمی جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جن میں انسانی جانوں اور املاک کے علاوہ اخلاقی اقدار بھی تباہ و برباد ہوئیں۔ اب وہاں اس کا خوفناک ردِ عمل ہو رہا ہے۔ کہیں ہپی ازم ہے۔ کہیں اجتماعی خودکشی۔ کہیں لوٹ مار۔ قتل اور جنسی جارحیت کے بڑھتے ہوئے واقعات ہیں۔ سکون و اطمینان اور اعصاب تباہ ہو رہے ہیں جس سے نئی نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ عبادت ایسی چیز ہے جو اعصاب کو تباہی سے بچاتی ہے مگر عبادت کا تصور ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو غلط۔ نتیجہ یہ ہے کہ فکرمندی کے بوجھ تلے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ کسی کا ہارٹ فیل ہو رہا ہے کسی پر فالج گر رہا ہے۔ کہیں ذیابیطس ہے۔ کہیں السر ہے۔ کہیں کینسر ہے۔ بدن کو سب سے زیادہ اہمیت دی تھی۔ لیکن بدن کو بھی سنبھال نہیں سکے۔

قلب یا ذہن روح کے زیرِ اثر نہ رہا۔ بلکہ نفس یا حیوانی جبلتوں کے زیرِ اثر آ گیا۔ سوچ میں کجی آ گئی۔ انداز نگاہ ٹیڑھا ہو گیا۔ کوئی کسی کمپلیکس کا شکار ہے۔ کوئی کسی فوبیا میں مبتلا ہے۔ نصف سے زیادہ لوگ ذہنی مریض ہیں۔ ڈاکٹروں اور دوا فروشوں کی چاندی ہے۔ دولت کمائی تو دوائیوں یا ڈاکٹروں کے کام آئی۔ صرف کوفت اپنے حصہ آئی۔

روح کو اصل اہمیت دو۔ اس کا تعلق اللہ تعالےٰ سے قائم کرو۔ اسے عبادت، ذکر اور یادِ الٰہی کی خوراک دو۔ اس کے نور سے اپنے ذہن کو منور کرو۔ پھر اپنی حیوانی جبلتوں کو صحت مند ضبط میں لاؤ۔ یہ ہے تکمیل شخصیت کا صحیح راستہ۔ (بشکریہ نوائے وقت)

دنیا میں میرا کوئی دشمن نہیں ہے

میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسی والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے۔ اور جھوٹ۔ شرک۔ ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔ (حضرت مسیح موعود)

آفتاب الدین احمد ہومیوپیتھک دار الشفاء

حسب معمول خدمت خلق میں مصروف ہے۔ مریضوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ آپ اپنے عطیات بھجوانے نہ بھولئے یہ دکھی انسانیت کی خدمت۔ بڑے اجر کا موجب ہے۔

سینکڑوں مریضوں کو ہر ماہ علاج معالجہ کی سہولت مہیا کرنا آپ کے عطیات کی بدولت ہی ہے۔ اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اور ثواب دارین حاصل کریں۔

(آفتاب الدین احمد ہومیوپیتھک دار الشفاء
احمدیہ بلڈنگس لاہور)

جماعت احمدیہ چک ۸۱ جنوبی سرگودھا کا سالانہ اجلاس

مورخہ ۲۷ر مارچ بروز جمعۃ المبارک چک نمبر ۸۱ جنوبی سرگودھا کی مقامی جماعت احمدیہ کا سالانہ یک روزہ اجلاس منعقد ہوا جس میں مقامی جماعت کے احباب و خواتین کے علاوہ چکوک نواح سرگودھا اور مرکزی انجمن کے نمائندگان اور غیر از جماعت دوستوں نے بھی شرکت کی۔ یہ اجلاس جامع احمدیہ میں منعقد ہوا۔

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب چیئرمین کمیٹی تبلیغ اندرون پاکستان اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ جمعرات کو بوقت دوپہر چک ہذا میں پہنچ گئے تھے۔ احباب جماعت نے جناب چوہدری محمد عالم صاحب کی قیادت میں مہمانوں کا نہایت جوش و خروش سے استقبال کیا اور ان کی آمد پر دلی مسرت کا اظہار کیا۔ جماعت چک ہذا کے اکابرین میں چوہدری سردار علی صاحب۔ چوہدری محمد عالم صاحب۔ مولوی نور محمد صاحب اور چوہدری محمد اسلم صاحب شامل ہیں۔ اور ان کی کوششوں اور دلچسپی کی وجہ سے یہ جماعت خدمتِ سلسلہ کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتی ہے۔

درسِ قرآن } جمعرات کو نمازِ عصر کے بعد جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے سورۃ العصر پر درس دیا۔ اس کے معارف اور نکات بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اسلام میں جتنی بھی عبادات ہیں اگر ان کی روح اور بنیادی مقاصد کو مدِنظر نہ رکھا جائے تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہ انقلاب ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا جو اسلام کی غرض و غایت ہے۔ حق کی راہ میں مشکلات، اور مصائب کو صبر اور حوصلہ سے برداشت کرنا روحانی ترقی کا ضامن ہے

نمازِ عشاء کے بعد دوستوں سے باہمی دلچسپی کے امور پر رات گئے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ اگلے روز نمازِ فجر کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے سورۃ الماعون کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہوئے عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود اور انسانی معاشرہ میں اعلیٰ اقدار کی ترویج کے ذرائع پر روشنی ڈالی۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سینئر نائب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، حافظ شیر محمد صاحب مبلغ فجی اور چوہدری مسعود اختر صاحب سابق نائب امام لندن مشن کی معیت میں (بروز جمعہ) ۱۰ بجے جلسہ گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ احباب نے انہیں بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔ اور ان کی مزاج پرسی کی۔

جلسہ کا آغاز } جلسہ کا آغاز الحاج ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی صدارت میں ½۱۰ بجے تلاوتِ قرآن کریم سے ہوا۔ حضرت صاحب کے ملفوظات اور منظوم کلام کے بعد تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔

تقریر ڈاکٹر اللہ بخش صاحب } پہلی تقریر ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی تھی۔ آپ نے ھو الذی ارسل رسولہ ...... الخ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ حضرت صاحب نے اسلام کی جس فتح و نصرت کی نوید ہمیں آج سے تقریباً ۹۰ سال پہلے سنائی تھی اسے پورا ہوتے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مغرب اپنے باطل عقائد و تصورات کی جڑوں پر خود تبر چلا رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں اسلامی تحریکیں جنم لے رہی ہیں اور ملتِ اسلامیہ میں اتحاد و اشتراکِ عمل کی نئی راہیں استوار ہو رہی ہیں۔ وقت قریب ہے کہ دنیا احمدیہ تحریک کے افکار و نظریات کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائے گی خواہ زبان سے تسلیم نہ کرے۔ لیکن اسے قریب تر لانے کے لئے ہمیں اپنے اعمال میں درستگی پیدا کرنا ہو گی اور اپنے نظریات کو جرأت بے باکانہ سے پیش کرنے کے لئے کمرِ ہمت باندھنا ہو گی۔

حافظ شیر محمد صاحب کی تقریر } جناب ڈاکٹر صاحب کے بعد حافظ شیر محمد صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تاریخ کے حوالہ سے فرمایا کہ اگر حضرت مرزا صاحب اس زمانہ میں نہ آئے ہوتے تو برصغیر میں مسلمانوں کا حشر سپین کے مسلمانوں کے حشر سے بھی بدتر ہوتا۔ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ان کی متاعِ دین و دولت لٹ چکی تھی۔ ان پر ایک شدید مایوسی کا عالم طاری تھا۔ ایسے میں سر سید احمد خان امید کی ایک کرن بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے مسلمانوں کی علمی اور سماجی زندگی سدھارنے کی طرف توجہ دی، لیکن وہ ان کے روحانی مرض کا علاج نہ کر سکے۔ یہ منصب اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمدؒ قادیانی کے سپرد کیا۔

آپ نے عیسائیت کے طلسم کو پاش پاش کیا اور آریہ دھرم کے پرخچے اڑائے۔ اسلام کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ دلوں کو اسلام پر یقین اور اعتماد کے نور سے منور کیا۔ اس انسان کو جس نے حکومتِ وقت کے مذہب کا تار و پود بکھیرا انگریز کا غلام کہا جاتا ہے۔ یہ سراسر جھوٹ اور افترا ہے۔ آپ کی بعثت کا مقصد ہی دین کو زندہ کرنا اور شریعت کو قائم کرنا تھا۔ آج ہر طرف جو نفاذِ شریعت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں وہ اسی آواز کی صدائے بازگشت ہے جو قادیان سے اٹھی تھی۔

آپ نے حضرت صاحب کی تحریرات کی روشنی میں سامعین پر واضح کیا کہ آپ نے ہرگز نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا بلکہ آنحضرت صلعم کے بعد مدعی نبوت کو کافر اور کاذب کہا۔ آپ نے علامہ اقبال اور قائداعظمؒ کے تاثرات درباره حضرت صاحب اور جماعت احمدیہ پڑھ کر سنائے۔ اور ثابت کیا کہ نہ حضرت صاحب پر انگریز کا خود کاشتہ پودا ہونے کا الزام صحیح ہے اور نہ دعویٰ نبوت کا۔ آپ نے فتح اسلام اور اس کے اقبال کے دن آنے کی جو پیشگوئی کی تھی وہ آج پوری ہو رہی ہے۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم امامِ وقت کے ارشادات کو پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔

نمازِ جمعہ و خطبہ } حافظ صاحب کی تقریر جب ختم ہوئی تو نمازِ جمعہ کا وقت ہو چکا تھا۔ خطبہ جمعہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ارشاد فرمایا۔ آپ نے جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ــــ الخ کی تلاوت کے بعد فرمایا :ــــ

کہ میں یہاں کے دوستوں اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس بستی میں اس تقریب کا انعقاد کر کے ہمیں بہت مفید اور نورِ بصیرت عطا کرنے والی باتیں سننے کا موقعہ فراہم کیا۔

ہمیں اس بات پر کامل یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں اور حق باطل پر غالب آ کر رہے گا۔ لیکن صرف یہ کہنا کافی نہیں۔ حق کو حق ثابت کرنے اور باطل پر غالب کرنے کے لئے وہ چند شرائط ہیں جو تلاوت کردہ آیات میں اس طرح درج ہیں کہ راہِ الٰہی میں اپنی کوششوں کا حق ادا کرو اور ان کوششوں کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک

اسے پیش کرنے والی جماعت تقویٰ کے زیور سے آراستہ پیراستہ نہ ہو۔

حضرت صاحب بھی فرماتے ہیں کہ صرف دلائل سے دشمن پر فتح پانا کافی نہیں۔ میں تو متقین کی ایک جماعت پیدا کرنے آیا ہوں۔ بلاشبہ ہمارے ہی عقائد صحیح اور سچے ہیں اور یہی زمانہ قریب میں مقبول ہوں گے لیکن انہیں مقبول بنانے میں ہم پر ایک بھاری فرض عائد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے اندر تقویٰ کی روح زندہ کریں اور اپنے عقائد کو دنیا کے سامنے جرأت اور استقامت کے ساتھ پیش کریں۔ یہ وہ سچے اور قیمتی موتی ہیں جن کے نور سے اندھوں کی آنکھوں کو روشن کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

آپ نے فرمایا کہ : ــــــــ

لوگ ہمیں جو کہیں، کہیں، لیکن اللہ نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم قرآن کریم کے خلاف اپنے کو نہ غیر مسلم سمجھتے ہیں اور نہ کہتے ہیں۔ ہمارے پیشوا حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت مرزا صاحب آپ کے غلام اور آپ کے لائے ہوئے دین کے خادم

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۶ جمادی الاوّل ۱۳۹۹ھ مطابق ۴ اپریل ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۴

ملفوظات حضرت مجدد زمان مسیح موعود علیہ السّلام

"دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اِسے قبول نہ کیا، لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

(الہام۔ حضرت مسیح موعودؑ)

میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاحِ خلق کے لئے بھیجا گیا، تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کیا جائے۔ میں اس طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مردِ خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی رُوح ہیرو ڈیس کے عہدِ حکومت میں بہت تکلیفوں کے بعد آسمان کی طرف اُٹھائی گئی۔ سو جب دُوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سیّد الانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لئے آیا جس کے حق میں ہے انّا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الٰی فرعون رسولاً۔ تو اس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیمِ اوّل کا مثیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگتر تھا ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت اور خاصیت مسیح ابنِ مریم کی پاکر اُسی زمانہ کی مانند اور اسی مُدت کے قریب قریب جو کلیم اوّل کے زمانہ سے مسیح ابنِ مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وہ اُترنا رُوحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمّل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لئے نزول ہوتا ہے اور سب باتوں میں اسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا۔ جو مسیح ابنِ مریم کے اُترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لئے نشان ہو۔ پس ہر ایک کو چاہیئے کہ اس سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تا خدا تعالےٰ سے لڑنے والا نہ ٹھہرے۔ دُنیا کے لوگ جو تاریک خیال اور پُرانے تصوّرات پر جمے ہوئے ہیں وہ اس کو قبول نہیں کریں گے۔ مگر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جو ان کی غلطی ان پر ظاہر کر دے گا۔ "دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

قارئین کرام نوٹ فرمائیں

آج کل اخبار الگ الگ ارسال کرنے کے لئے ۲ پیسے والے ٹکٹ دستیاب نہیں ہو رہے۔ اسلئے شمارہ ۱۱ اور ۱۲ پیکٹ کی صورت میں ارسال کئے جا رہے ہیں ٹکٹ نہ ملنے کی صورت میں آئندہ بھی یہی سلسلہ جاری رہیگا اگر ترسیل میں کوئی تاخیر واقع ہو جائے تو ہم معذرت خواہ ہوں گے۔ (مدیر)

(از علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب)

(قسط ۸ و تتمہ)

کیا رسالہ "الوصیت" ایسے خلیفوں کو جو انسانوں کے ذریعہ منتخب ہوتے ہیں یا ہوں گے قیامت تک بطور مجدد قرار دیتا ہے؟

رسالہ "الوصیت" میں قیامت تک جس قدرت [illegible]

[illegible] کا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت اقدس نے اپنے رسالہ "الوصیت" میں دوسری قدرت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ربوہ کے مبلغ نے قدرت کے لفظ کے ساتھ خلافت کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلافت کا سلسلہ جماعت احمدیہ میں قیامت تک چلتا رہے گا اور اس کا انکار کرنے والے مورد غضب الٰہی ہوں گے اور اس خلافت کے سلسلہ سے مراد ان لوگوں کی وہ خلفاء ہیں جو لوگوں کے انتخاب سے خلفاء بنائے جائیں گے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس دوسری قدرت کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:-

"سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلادے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی ہے۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو اور چاہئے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھا دے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے۔ اپنی موت کو قریب سمجھو تم نہیں جانتے کہ کس وقت وہ گھڑی آجائے گی"

عبارت ظاہر کر رہی ہے کہ دوسری قدرت جس کا اس عبارت میں ذکر ہے وہ جماعت کے ساتھ دائمی رہنے والی قدرت ہے۔ خلافت جو انسانوں کی منتخب کردہ ہے وہ تو پہلے خلیفہ کی وفات کے بعد ہی ختم ہو گئی، اس میں تو اسی وقت ہی پھوٹ پڑ گئی اور جماعت دو حصوں میں منقسم ہو گئی، گویا بالفاظ دیگر خلیفے بھی دو ہو گئے، اس خلافت کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جماعت کے ساتھ دائمی رہنے والی قدرت ہے۔ اگر قدرت سے مراد خلافت ہے تو وہ تو پہلے خلیفہ کے ساتھ ہی ختم ہو گئی، قیامت تک اس کا دائمی رہنے کے متعلق تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضور دوسری قدرت کے متعلق یہ فرماتے ہیں:-

"میرے جانے کے بعد خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدے کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا۔"

اب یہ قدرت ثانیہ جس کے متعلق فرمایا کہ وہ دائمی ہے اور قیامت تک ساتھ رہے گی اس کی تشریح میں صاف فرما دیا کہ وہ جماعت کی ترقی اور اس کے غلبہ کا اظہار ہے۔ یعنی جماعت دوسری جماعتوں پر دلائل اور براہین کی رو سے غالب رہیگی اور اس کی تعداد میں ترقی ہوتی جائے گی۔ اس ترقی کو کوئی طاقت نہیں روک سکے گی جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبکہ لوگ یقین کر بیٹھے تھے کہ اب اسلام کا خاتمہ ہے لیکن جماعت نے اس وقت جو نظام قائم کیا اس کے نتیجہ میں وہ مخالفین پر غالب آگئے اور اسلام ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

بے شک حضرت ابوبکرؓ کو انہوں نے اپنا ہیڈ تسلیم کر لیا جس کو خلیفہ کا نام دیا گیا۔ لیکن درحقیقت ساری قوم ہی حضرت نبی کریم صلعم کی خلیفہ تھی کیونکہ حضرت ابوبکرؓ جنہوں نے منتخب ہوتے وقت ہی جو پہلا خطبہ دیا اس میں ساری قوم کو اپنے اوپر ایک قسم کا ہیڈ تسلیم کیا۔ کیونکہ انہوں نے صاف کہا کہ اگر میں کوئی امر خلاف شریعت کہوں تو تم میری گرفت کر سکتے ہو اور مجھ سے جواب طلبی کر سکتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جواب طلبی وہی کر سکتا ہے جو اس پر حکومت کا حق رکھتا ہو۔

اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد بھی درحقیقت جماعت ہی حضور کی حقیقی جانشین تھی۔ اسی لئے حضور نے فرمایا کہ دوسری قدرت کو خدا تمہارے لئے بھیجے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ اور اس سے مراد بھی جماعت کا غلبہ ہے اور یہ غلبہ قیامت تک قائم رہے گا۔ یہ نہیں کہ کوئی وقت ایسا آجائے کہ دوسرے مسلمان اس جماعت پر غالب آجائیں بلکہ یہی جماعت آیت کم من فئۃ

(باقی بر صفحہ کالم ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۴ر اپریل ۱۹۷۹ء

مُلک کو خطرہ خود مُسلمانوں سے ہے نہ کہ اشتراکیّت سے

راولپنڈی میں منعقد ہونے والی حالیہ میلادِ مُصطفٰے کانفرنس میں مولانا عبدالستار نیازی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہُوئے فرمایا ہے کہ:—

"اس وقت مُلک کو دو بڑے خطرات درپیش ہیں ایک خطرہ اشتراکیت دوسرا مودُودیت ہے۔ ایک خطرہ ہماری سرحدوں پر منڈلا رہا ہے اور دوسرا خطرہ مُلک کے اندر مرضی کا اسلام نافذ کر کے حقیقت بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" (امروز۔ ۲۶ر مارچ ۱۹۷۹ء)

ہم مولانا عبدالستار نیازی کے ان ارشادات پر کوئی تبصرہ یا تنقید کرنا نہیں چاہتے لیکن تاریخ اسلام کے حوالے سے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ مسلمان حکومتوں کے زوال کا باعث بیرونی فتنوں سے بڑھ کر اندرونی فتنے ہُوئے۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے معًابعد دورِ صدیقی میں علم بغاوت مسلمانوں نے بلند کیا۔ حضرت عثمانؓ مُسلمان باغیوں کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔ حضرت امام حسینؑ کو شہید کرنے والے بھی مسلمان ہی تھے۔ طارق بن زیادؒ نے جس اندلس کو اپنی کشتیاں جلا کر ایک مٹھی بھر فوج کے ذریعہ فتح کیا اور قریبًا آٹھ سو سال تک وہاں اسلامی جھنڈا لہراتا رہا۔ اسے مسلمانوں کی ہی باہمی چپقلش اور بغض و رقابت نے ایسا سرنگوں کیا کہ اس سرزمین سے مسلمانوں کا نام و نشان مِٹ گیا۔ خلافتِ عباسیہ مسلمانوں کے ہاتھوں تاراج ہوئی۔ اور قریبی دَور میں سلطنتِ عثمانیہ تو خود مسلمانوں نے ہی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اپنی اجتماعیت کو ختم کیا۔

برصغیر میں شمع آزادی بجھانے والے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے ہی تھے۔ اپنے پاؤں میں غلامی کی زنجیریں کسنے والے فرقہ واریت کو ہوا دینے والے مُسلمان ہی تھے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ جب تک مُسلمان "صفا کانھم بنیان مرصوص" رہے کوئی بیرونی فتنہ ان کی سرحدوں کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہ کر سکا۔ کیونکہ ان کا یہ رسُولؐ اور نبیؐ ایسی ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث ہُوا تھا جس کا تمام ادیان باطلہ پر غالب آنا مقدر ہو چکا تھا۔ اور ایسا ہو کر رہا۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ جب حق و باطل کا سامنا ہوتا ہے تو باطل غُبارِ راہ بن کر اُڑ جاتا ہے اور حق اس کا بھیجا نکال کر رکھ دیتا ہے۔ یہ معرکہ قیامت تک جاری رہے گا لیکن فتح ہمیشہ حق کی ہی ہوگی خواہ بظاہر وہ کتنا ہی کمزور ناتوان اور بے حقیقت نظر آئے۔

آج اشتراکیت کے جس خطرے کا نام لیا جاتا ہے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ یہ نظام پاکستان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہاں اگر کچھ خطرہ ہو سکتا ہے تو اس مُلک کی سیاسی اور مذہبی قیادت کی آپس کی رقابت اور منافرت سے جس کے شعلے بھڑکانے کے لئے کہیں ایک نام سے کانفرنس ہو رہی ہے اور کہیں دوسرے نام سے۔ ایک دوسرے کو طعن و تشنیع اور الزامات کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ دشمنی اور عداوت کے جذبات کو بھڑکانے والے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ اور اس قسم کی باہمی آویزش سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بیرونی قوتوں کے لئے راستہ صاف کیا جاتا ہے۔ اگر گھر کا بھیدی مل جائے تو لنکا کیوں نہ ڈھایا جائے گا۔

ہمیں سخت تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ سارے کے سارے مسلمان زبان سے یہی کہتے ہیں کہ ہمارا خدا ایک ہے۔ رسُول ایک ہے اور کتاب ایک ہے لیکن ان کے دل ایک نہیں۔ اگر اُن کے اس زبانی اقرار کی دل بھی تصدیق کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ سب ایک جگہ بیٹھ کر اپنے سیاسی اور فروعی مذہبی اختلافات کا اخوّت اور بھائی چارے کی فضا میں فیصلہ نہ کر سکیں۔ سب ہی اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہم نے نظامِ مُصطفٰے اور نظامِ اسلام نافذ کرنے کا تہیّہ کیا ہوا ہے۔ اگر ان کے اس دعوے میں ذرّہ بھر بھی صداقت ہے تو یہ نظام قرآن اور سُنّت میں اُصولی طور پر موجود ہے۔ پھر یہ اختلاف کیسا۔ کیا ہر ایک جماعت کا قرآن اور سنّت اور ہے اور مصطفٰے اور۔ اگر یہ بھی نہیں اور صرف تشریحات میں اختلاف رائے ہے تو یہ بھی کوئی ایسا مُشکل اور لاینحل عقدہ نہیں جو ناخن تدبیر سے وا نہ ہو سکے۔ اپنی بات پر اَڑے رہنا ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لینا۔ اپنے آپ کو حق اور اپنے مخالف کو غلطی پر سمجھنا۔ معقولیت کو ترک کرنا۔ دلیل کے مقابلے میں گالیوں پر اتر آنا۔ اپنی بات کو منوانے کے لئے تشدّد اور ظُلم سے کام لینا۔ خود پسندی۔ غرور اور کبر و نخوت کی علامت ہے۔ دانشمندی کا یہ شیوہ نہیں۔ یہ قرآنی تعلیمات سے انحراف اور سُنّت سے اعراض ہے۔ اس کے لازمی نتائج وہی ہو سکتے ہیں۔ جن سے آج پاکستان دوچار ہے۔

اللہ تعالےٰ عرب کے جنگجُو اور کینہ پرور قبائل کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:—

"اور سب کے سب اللہ کی رسّی (عہد) کو مضبُوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ تمہارے لئے اپنی باتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔" (آلِ عمران - ۱۰۳)

"اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ اُن کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔" (آلِ عمران : ۱۰۵)

اس تفرقہ اور اختلاف کا نتیجہ کیا ہوگا:—

"وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کیا اور فرقے ہو گئے تیرا ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے — پھر وہ ان کو بتا دے گا جو وہ کرتے تھے۔" (الانعام : ۱۵۹)

اس تفرقہ بازی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے نتیجہ کا ایک اور مقام پر اس طرح ذکر ہے:—

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسُول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی — اور صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (الانفال : ۴۵ : ۴۶)

جب مسلمانوں نے اللہ کی رسّی (قرآن) کو مضبوطی سے پکڑا ہُوا تھا۔ ان کے دلوں میں اُلفت تھی۔ وہ اللہ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت کرنے والے تھے اور ان میں کوئی تفرقہ نہ تھا تو قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت آن کے قدموں میں آگرے

عرب کے ساربان وسیع و عریض مملکتوں کے حکمران بن گئے۔ لیکن جب نفاقیت کے عفریت نے سر اٹھایا تو سب کچھ پھونک ڈالا۔ ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اپنے ہی بھائیوں کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھائی۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ کسی کا رُخ واشنگٹن کی طرف ہے اور کسی کا ماسکو کی طرف۔ کیا مکّہ ان ساری برکتوں سے محروم ہو گیا ہے جسے بیت اللہ کہا جاتا ہے یا ملّتِ اسلامیہ کی اپنی بدنصیبی ہے کہ وہ اس کے مقام کی معرفت سے محروم ہو چکی ہے۔ قرآن کریم میں یہ الفاظ آج بھی ویسے کے ویسے موجود ہیں جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے تھے:۔

”قریش کی حفاظت کی وجہ سے۔ ان کے جاڑے اور گرمیوں میں سفر کی حفاظت کی وجہ سے (ان کو) چاہیئے کہ اس گھر کے ربّ کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن دیا۔“ (قریش)

خدا کے گھر سے منہ موڑ کر دوسرے قبلے تلاش کرنا اسلام کے فلسفۂ اجتماعیت اور قوّت اتصال کو کمزور کرنا اپنے وجود سے بے وفائی کے مترادف ہے۔ خدا کا گھر ہونے کی نسبت سے یہ قریش کا ہی نہیں سارے مسلمانوں کا ہے۔ یہ گھر خدا کے ساتھ وفا اور اس کی رضا کی نشانی ہے۔ یہ رنگ۔ نسل اور زبان کی تمیز مٹانے کی علامت ہے۔ یہ محبّت اور الفت کا مقام ہے۔ وہاں یہ احساس تو مٹ ہی جاتا ہے کہ میں عربی ہوں یا عجمی۔ پاکستانی ہوں یا ہندوستانی۔ افغانی ہوں یا ایرانی۔ عراقی ہوں یا شامی۔ ترکی ہوں یا لبنانی۔ وہاں سب ایک ہی ہو جاتے ہیں یعنی مسلمان۔ پھر اپنے اپنے وطن میں یہ جذبہ کیوں قائم نہیں رہتا اور پھلتا پھولتا نہیں۔ اس کی وجہ صرف ان بنیادی اصولوں سے انحراف ہے جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔ انہیں اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے اور اس سے اختلاف رائے کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ ورنہ تو کوئی گتھی اور مسئلہ ایسا نہیں جسے سلجھایا نہ جا سکے۔ وہ مذہبی ہو یا سیاسی۔ اقتصادی ہو یا سماجی۔ تعصّب اور تنگ نظری ہلاکت کی راہیں ہیں۔ اُلفت اور محبت میں زندگی ہے۔

پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد بنا ہے۔ اس میں کچھ ایسی الم انگیز قربانیاں بھی شامل ہیں جن کی یاد سے ایک غیرتمند قوم کا سر احساس ندامت اور شرمندگی سے جھک جانا چاہیئے۔ خاکِ وطن کا ہر ذرّہ معصوموں کے خون سے لالہ زار ہے۔ راہگیر سے اس پار آنے والے لُٹے پِٹے مسافروں نے اس سرزمین پر اپنے سجدوں کے نقوش بکھیرے۔ ہاں ان کے نشان اب مٹ چکے ہیں لیکن وہ خاک اس کی گواہ ہے۔ جن کے بے گور و کفن لاشے اس کی آزادی کی خاطر خاک و خون میں لوٹے وہ قیامت کے دن ان مسلمانوں کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال کر ان سے پوچھیں گے کہ کیا ہمارے خون کی یہی قدر و قیمت ہے۔

ہم آپ کی نگاہوں میں غیرمسلم ہی سہی لیکن آپ مسلمانوں سے یہ گذارش ضرور کریں گے کہ اپنی ذات اور مفاد سے ذرا بلند ہو کر پاکستانی بن کر سوچیں۔ نفرتوں کی اس تاریکی میں محبّت اور اُلفت کی شمع فروزاں کریں۔ اسی میں پاکستان کی بقا اور استحکام مضمر ہے۔ ورنہ یاد رکھیں کہ بطور پاکستانی ہمارا نام و نشان صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا۔ پھر نہ یہاں کوئی دیوبندی ہوگا۔ نہ بریلوی۔ نہ کوئی حنفی ہوگا نہ اہل حدیث۔ نہ کوئی شیعہ ہوگا نہ احمدی۔ نہ عیسائی ہوگا نہ ہندو۔ اور نہ ہمارا ذکر تاریخ میں اس طرح کیا جائے گا جس طرح سپین میں مسلمانوں کا کیا جاتا ہے۔ بلکہ

ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(ایڈیٹر)

قرآن کریم پڑھنے کا طریق

سے پہلے ملتے ہیں۔ آپ کی تلاوت کریں تو جہاں خدا کی رحمت کا ذکر ہو (اور اس سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے) تو یہ دُعا کرو کہ وہ اس ساری زمین پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ اپنی جماعت پر رحمت کی دعا مانگو کہ اس وقت قرآن کو دُنیا میں پہنچانے کا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ انعام پانے والوں کا ذکر آئے تو وہ سب انعام اپنے لئے مانگو جو پہلے راستبازوں پر خدا نے کئے۔ ہاں وہ انعام مانگو وہ کامیابیاں مانگو جو حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو اللہ تعالےٰ نے دیں۔ اللہ تعالےٰ کی اس زبردست طاقت کا ذکر آئے کہ کس طرح وہ حق کو غالب کرتا چلا آیا ہے تو تمہارے دل سے یہ فریاد اُٹھے، دنیا پر آج ظلمت چھائی ہوئی ہے، تو اپنی اس زبردست طاقت کا نشان آج بھی دنیا کو دکھا۔۔۔۔۔۔۔ قرآن کی عظمت کا ذکر آئے کہ قرآن کو ہم نے شفا اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یا یہ کہ یہ قرآن مُردوں کو زندہ کرے گا۔ مشکلات کے پہاڑوں کو اُڑا دے گا۔ زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گا، تو تم وہاں ٹھہر جاؤ اور تمہارے دل سے یہ دُعا اُٹھے کہ اے خدا آج بھی اس قرآن کے ذریعے مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دے اور وہ سامان ہمیں عطا فرما کہ ہم تیرے اس قرآن کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔

خدا کی بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کر دینے کا ذکر آئے تو تمہارے دل سے یہ دُعا نکلے کہ اے خدا یہ زمین جو رُوحانی طور پر مر چکی ہے تو اس پر روحانی بارش برسا اور اس کو رُوحانی طور پر زندہ کر دے۔ اور انسانوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منوّر کر دے۔ انبیاء اور مومنین کی نُصرت کا ذکر آئے تو وہی نصرت اپنے لئے مانگو کیونکہ مقصود تمہارا بھی وہی ہے کہ خُدا کا نام دنیا میں بلند ہو۔ پچھلی ہلاک شدہ قوموں اور ان کی نافرمانیوں کا ذکر آئے تو تمہارے دل کانپ اُٹھیں کہ تیری یہ قوم جو ساری دُنیا کی ہدایت کے لئے اُٹھی تھی۔ اس اپنے رسُول کی اُمت کو اپنے رسول کی نافرمانی سے بچا اور ان کو قرآن کے حامل بنا۔ اللہ تعالےٰ کے ان وعدوں کا ذکر آئے کہ وہ حق کو دنیا میں غالب کرے گا۔۔۔۔۔۔۔ تو تمہارے دل سے یہ تڑپ اُٹھے کہ اے خدا تو اس زمانے میں بھی حق کو غالب فرما۔ یہ آواز بھی بے کسی میں تمہارے دل سے اُٹھے کہ اے خُدا یہ میری آرزو ہی نہیں بلکہ یہ تیرا وعدہ ہے تو اپنے وعدے کو پُورا فرما۔۔۔۔۔ تو نے اپنے رسُول کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا تھا مگر دُنیا میں بے شمار قومیں ابھی اس رحمت سے محرُوم ہیں تو نے اپنے قرآن کو ذکر اللعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ مگر ابھی بے شمار قومیں ہیں جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔ تو ہماری وہ مدد فرما کہ ہم اس قرآن کو ساری دنیا میں پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔

اے خدا تیری نصرت یقیناً آتی ہے اور آتی رہے گی۔ تیرے افضال نازل ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ مگر ان کو جذب کرنے والے دل دُنیا کی محبّت میں گرفتار ہو کر اور دُنیاوی نمائش اور بڑائی کے طالب ہو کر سُست ہو گئے ہیں۔ تو اپنی جناب سے ان میں قوّت پیدا کر دے۔۔۔۔۔۔“ (مجاہد کبیر)

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ——— (بسلسلہ ۲۱ر مارچ ۱۹۷۹ء)

اتحاد و اتفاق کا قرآنی طریقِ کار

مختلف مکاتیبِ فکر مسلمانوں میں وحدت کیونکر قائم کی جا سکتی ہے؟

نفاق و اختلافِ ناشناساں از میاں خیزد + کمالِ اتفاق خُلّت و اُلفت شود پیدا

آپس کا اختلاف اور نفاق دُور ہو جائے + اور کمال درجہ کا اتفاق دوستی اور محبت پیدا ہو جائے

(حضرت مسیح موعودؑ)

دینِ اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ جمیع نسلِ انسانی وحدت کی لڑی میں پروئی جائے۔ پھر اس پاک دین کے نزدیک مسلمانوں میں باہمی نزاع و تعصب کی موجودہ صورت کیونکر روا رکھنی مناسب ہو سکتی ہے جس دین نے جملہ مذاہبِ عالم کو اتحاد کی یہ ندا بلند کی ہو کہ:-

"قل یا اھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون"

(آل عمران - ۶۳)

اے اہلِ کتاب! آؤ ہم سب کے سب کلمۂ واحدہ مشترکہ کی طرف لوٹ کر اتحاد کر لیں۔ یہ کلمۂ واحدہ، توحید خداوندی کا اصول ہے اور اس اصول پر عمل پیرائی کا کمال یہ تقاضا کرتا ہے کہ صرف ایک ذات کی عبادت ہو، اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ بنایا جائے، نہ ہی اپنے جیسے بندوں کو عبادت و احتیاج میں ربّ کا درجہ دیا جائے۔ لیکن اگر وہ اس طرف نہ آئیں تو اے مسلمانو! تم تو خدا کی فرمانبرداری میں کمال نمونہ پیش کرو۔

مشترکہ اصول و علم پر کمال عمل وحدت کا زبردست ذریعہ ہے

اس آیت شریفہ قرآن شریف نے تمام اہلِ کتاب کو دعوتِ اتحاد کی صدا دی ہے۔ یہ دعوت اصولِ مشترکہ و مسلّمہ توحید کا اصولِ حقّہ ہے۔ تمام مذاہب اصولِ توحید کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس عظیم اصول کے ماننے میں کسی کو بھی انکار نہیں، لیکن نقص یہ رہ جاتا ہے کہ اس اصول کو تسلیم کرنے کے بعد اسے کمال تک نہیں پہنچایا جاتا، پرستارانِ معبودانِ باطلہ یہ کہہ کر کہ ہمارا مقصد بھی خدائے واحد کی ذات تک رسائی کرنا ہے ہم ان معبودوں کے ذریعے خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (الزمر آیت ۳) ہمارا مقصد ان بتوں کی پوجا سے خدا تک ہی پہنچنا ہے۔ وہ شرک کو اختیار کرتے ہیں مگر اس کو توحید کی دلیل بناتے ہیں۔ توحیدِ الٰہی میں دوسرا بڑا رخنہ خود انسانوں کو ربّ یا اپنا حاجت روا بنا لینا ہے۔ ایک پیر پرست شخص بھی یہی دلیل دیتا ہے کہ ہمیں خدا تک رسائی حاصل کرنا یا اپنی حاجت روائی بجا لانا ممکن نہیں جب تک کسی بزرگ کا دامن نہ پکڑا جائے۔

مگر خدا تعالےٰ کا کلام قرآن شریف ایسے تمام عذروں کو شرک قرار دے کر ردّ کرتا ہے بلکہ اس کے نزدیک اتحادِ نسلِ انسانی میں سب سے بڑا رخنہ شرک کی یہی صورتیں ہیں۔ اگر اصولِ توحید کو کاملۃً وخالصۃً اختیار کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ باہمی اتحاد و اتفاق ہوگا۔ یہاں قرآن کریم نے شخصیتوں کو نقطۂ اتحاد بنانے کی بجائے اپنی ذات پر کامل ایمان کو مرکزِ اتحاد بنانے کی تلقین کی ہے۔ یہ کیسا عظیم و عالی اصول توحیدِ کامل و خالص کا ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال جو آنحضرت صلعم کی ذات سے تھی وہ ظاہر ہے۔ اس لئے آنحضورؐ کی وفات پر صحابہ کرامؓ کے جذبات اس واقعہ کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ایسے نازک و خطرناک موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ کا توحید پر ایمان کامل ملاحظہ ہو۔ جب آپ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جا کر آنحضورؐ کی رحلت کو بچشمِ خود دیکھ لیا تو باہر آکر صحابہ کو ان الفاظ میں مخاطب فرمایا:—

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔

دیکھو، اگر تم محمدؐ کی عبادت کرتے ہو تو آپؐ تو بشر ہونے کے باعث وفات پا چکے ہیں، البتہ جو خدا کی عبادت کا قائل ہے تو پھر یقینًا خدا ہمیشہ زندہ اور کبھی فوت نہ ہونے والی ذات ہے۔

اور پھر اپنے موقف کی تائید میں یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:—

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم"

محمدؐ ایک رسول ہیں مگر بشر، اس لئے اگر آپ فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے دین کو چھوڑ دو گے؟ جبکہ ان سے ماقبل تمام رسول فوت ہو چکے ہیں۔

حقیقی دین اصولِ حقّہ ابدیہ کا نام ہے نہ کہ کسی ذات سے وابستگی کا نام

اب اس آیہ شریفہ اور اس واقعہ وفات حضرت اقدس رسولؐ اللہ سے حضرت ابوبکرؓ نے ثابت کر دیا کہ سچے دین کا معاملہ خدا تعالےٰ کی ذات یا اصولِ حقّہ ابدیہ کو ماننے کا نام ہے اور انہی خدائی اصولوں سے مضبوط وابستگی کا نام سچے دین پر قیام ہے نہ کہ کسی بشر کی ذات سے۔ حتیٰ کہ رسولؐ اللہ ایسی عظیم المرتبت ذات بھی بشر ہونے کے باعث اصول پر فوقیت نہیں رکھتی۔

غرضیکہ دینِ اسلام نے دین کی بنیاد شخص پرستی پر نہیں رکھیں بلکہ خدا پرستی یا اصولِ حقّہ پر بنا رکھی ہیں۔ اگر اس بنیاد کی جانب تمام اہلِ مذاہب کامل طور پر آجائیں تو باہمی اتحاد و اتفاق کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک اتحاد باہمی کا دوسرا عظیم اصول یہ ہے کہ جملہ لوگ راستبازی اور نیک کرداری کو اپنا رہنما اصول تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جائیں چنانچہ فرمایا:—

"ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات اینما تکونوا یات بکم اللہ جمیعًا"

(البقرہ ۱۴۸)

ہر ایک فرد یا جماعت کا ایک نصب العین ہوتا ہے، تمہارا نصب العین اے مسلمانو! نیکی میں سبقت اختیار کرنا ہونا چاہیئے۔ پس اگر یہ مقصد اپنا لو تو آخر نتیجہ اس کا یہ نکل کر رہے گا کہ تم سب یکجا ہو جاؤ گے۔ یکجا و مشترکہ اصول پر کامل عمل پیرائی کا نتیجہ بھی وحدت کی شکل میں نکلتا ہے اور نیک کرداری و سیرت میں نیکی کو مقدم کر لینے کا نتیجہ بھی یکجائی کی صورت میں نکل کر رہتا ہے۔

غرض — پس یہ دو عظیم صورتیں ہیں جن کو اختیار کرنے سے اتحاد و اخوت کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ حقیقتًا توحیدِ کامل اور نیک کرداری یعنی ایک اصولِ کامل اور دوسرا عمل کامل ایک ہی شئے ہیں، خدا تعالےٰ سے کامل تعلق کا نتیجہ عملاً سیرت کی بلند کرداری ہے اور سیرت کی عظمت، اصولِ توحید پر عمل پیرائی کا دوسرا نام ہے۔

مسلمانوں میں موجودہ فرقہ بازی

آیئے! اب ہم اپنی موجودہ صورت کو ان دو اصولوں کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کریں۔ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے تاہم حقیقتًا یہ امر بالکل درست ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمان قوم کی موجودہ حالت عامۃً توحید کے اصول کے زبانی اقرار کے باوجود عملًا کامل توحید پر قیام کے برخلاف واقع ہوئی ہے۔

شرکِ خفی و جلی کی اکثر صورتیں قوم میں گھر کر چکی ہیں جو ظاہر پرستی و لفظ پرستی

کا دور ہے تو کہیں شخص پرستی اور نفس پرستی کی انتہا رہے۔ پھر نیک کرداری کی بجائے باہم منافرت و تعصب کی انتہائی صورتیں کارفرما ہیں۔ الّا ماشاء اللہ علماء و عوام نہ تو کسی اصولِ اعلےٰ پر قائم ہیں نہ ہی کردار کی عظمت و اہلیت کے عملاً قائل۔ ایسی زبوں حالی میں وحدت و اتحاد کیونکر اور کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اتفاق و اتحاد کی بنیادی اینٹ تو اس امر پر استوار ہوتی ہے جب باہم اختلاف والے اصحاب کسی اصولِ حقہ کے ماتحت، نیک نیتی سے اخوت و محبت کی راہیں تلاش کرنے کے متمنی ہوں، لیکن جہاں نہ اصولِ عظیمہ کو قائم رکھنا مدِّنظر ہو نہ ہی کردار کی بلندی برقرار رکھنا منظور ہو وہاں باہمی اختلاف لازماً منافرت اور تعصب اور تنازع و تباغض کا موجب ہی ہو سکتے ہیں۔ اگر نیک نیتی اور نیک کرداری یا مسابقت بالخیرات ہو تو اگر اختلاف دور نہ بھی ہو تب بھی باہم رواداری اور صلحکاری تو ضرور قائم رہ سکتی ہے، مگر وہ قوم جو عالم میں جمیع اقوام کے لئے صلح و اتحاد کا نمونہ قائم کرنے کے لئے کھڑی ہو اس کی اپنی حالت دگرگوں ہو تو پھر بات کیسے بن سکتی ہے۔

ع بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا

ورنہ قرآن کریم نے اختلاف و نزاع کے لئے بھی اصولِ اتحاد بتلا دیا تھا جب یہ ارشاد فرمایا:—

"اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولوا الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔"

دیکھو اطاعت بلا شرط صرف اللہ اور اس کے رسول سے مختص ہے، اپنے روحانی اور دنیاوی حاکموں کی اطاعت بھی تم پر فرض ہے لیکن ان سے تم تنازع کی صورت میں اپنے اختلاف میں فیصلہ کی راہیں خدا اور رسول کی سند میں تلاش کر سکتے ہو۔"

اس آیت میں بھی شخص پرستانہ اطاعت کی بجائے اصول پرستی یعنی خدا تعالیٰ کے کلام اور رسول کی قولی و عملی تشریح کی طرف رجوع کرنا قرار دیا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ چودھویں صدی میں بالخصوص اگر کسی شخص نے قرآن کریم کی اس ندا کی طرف توجہ دلائی تو وہ حضرت اقدس مسیح موعود ہی نظر آتے ہیں۔

ماموروقت نے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا عملی نمونہ قائم کر دکھلایا۔

باہمی اختلاف دور ہو یا نہ۔ اتحاد و اتفاق قائم ہو سکے یا نہ۔ مگر قرآنی اصول کہ اپنے نفسوں کو حکم بنانے کی بجائے ہر حالت میں قرآن و سنت کو حکم بناؤ اور نیک کرداری تقویٰ کو شعار بناؤ کا نمونہ اگر کہیں موجود زمانہ میں ہے تو حضرت مسیح موعود کے اقوال و عمل میں دکھلائی دیتا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ایک طرف آپ کا یہ ادعا ہے کہ آپ مامور خدا ہیں، مجدد دین و مصلح امت ہیں، خدا سے ہم کلامی کا اعزاز رکھتے ہیں مگر دوسری طرف باہمی اختلاف کو برداشت و گوارا کرتے ہیں۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اپنے سے اختلاف رکھنے کا حق دیتے ہیں بشرطیکہ ایسے اختلاف کی بناء سچے دل و خلوصِ نیت سے رجوع الی القرآن والسنۃ ہو۔ زندگی کے دو واقعات سے اس کی تشریح ہوتی ہے:—

حکم، کلامِ فرقان اور شریعتِ محمدیہ ہی ہے نہ کہ کسی ولی کا الہام۔

رمضان کا مہینہ تھا اور انتیسواں روزہ۔ شام کو چاند نظر نہ آیا تو اصحاب نے روزے رکھ لئے۔ مگر حضرت اقدس کو الہام ہوا:—

"عید تو آج ہے چاہے کرو یا نہ کرو"

اس الہامِ الٰہی کو سن کر بعض لوگوں نے روزے توڑنے شروع کر دیئے۔ جب حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی، تو فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ شریعت کا قانون عید کا چاند دیکھے جانے یا دیکھے جانے کی خبر آنے پر منحصر ہے، نہ یہ کہ کسی ولی کو الہام ہو جائے۔ کچھ دیر بعد اطلاع آگئی کہ بعض مقامات پر چاند دیکھا گیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اب روزہ توڑنے کا جواز پیدا ہو گیا ہے۔ اس واقعہ سے کس طرح دونوں امور کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے

(۱) شریعت کی بناء خدا کے کلام اور سنت رسول اللہ صلعم پر قائم ہے نہ کہ کسی بڑے سے بڑے ملہم کے الہام پر۔

(۲) یہ کہ آپ کا الہام قطعی و یقینی ہے اور درست و سچا ہے لیکن اس کی تصدیق از روئے کلام اللہ و سنت رسولؐ ہونا ضروری ہے۔

اب وہ لوگ غور فرماویں جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت اقدس نے اپنے یا مسلمانوں کے لئے اپنے الہام کو بلا تصدیق کلامِ خدا و سنتِ رسولؐ حجت قرار دیا یا یہ کہ کوئی نیا دین، نئی شریعت یا نئے احکام کا دروازہ کھولا۔

ماموروقت سے اختلاف

اس وقت عام حالت تو یہ ہے کہ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو کافر و دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے کہ ان کا باہم اختلاف بعض جزئی مسائل شرعیہ میں ہے اور پھر اس اختلاف کو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اپنے اپنے بزرگوں و اماموں کے حوالہ سے مانتا ہے۔ مزید حالت یہیں تک محدود نہیں بلکہ اختلافات فروعیہ کی بناء پر ایک دوسرے کو کافر و گردن زدنی قرار دیتا ہے، دوسری طرف رواداری اور وسیع القلبی کا یہ عالم ہے کہ خود مامورِ وقت اپنے مریدوں کو اپنے سے اختلاف رائے رکھنے کا حق دیتا ہے جب وہ اختلاف بربنائے قرآن و سنت ہو۔ حال ہی میں یہ واقعہ کتاب "مجدد اعظم" مصنفہ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب شائع ہوا ہے۔ جو مختصراً یہ ہے کہ ایک احمدی حضرت عیسےٰؑ کو باباپ مانتا تھا۔ اس کا علم ایک دوسرے احمدی کو ہوا تو مؤخر الذکر نے پہلے سے خفگی کے عالم میں اسے کافر قرار دے دیا کیونکہ وہ اس مسئلہ میں امامِ وقت کے مطابق نہ مانتا تھا۔ جب اس کی اطلاع حضرت اقدسؑ کو ہوئی تو آپ نے مؤخر الذکر کو بلا کر دریافت فرمایا جس پر اس نے عرض کیا کہ حضور! وہ شخص آپ کے اعتقاد کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے، آپ نے سوال کیا کہ وہ دلیل کیا دیتا ہے۔ جواباً کہا گیا کہ وہ باباپ عقیدہ کی سند، قرآن و حدیث سے دیتا ہے۔ تو اس پر حضرت اقدسؑ فوراً بول اُٹھے کہ پھر مجھ سے ایسا اختلاف رکھنے میں وہ جائز ہے اور آپ کو اسے کافر قرار دینے کا قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا۔ بلکہ باباپ عقیدہ رکھنے والے احمدی جب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خود اس سے یہی بات دریافت فرمائی اور اس سے یہ جواب ملنے پر کہ میں حضرت عیسےٰؑ کو باباپ اس لئے تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ پھر تمہارا ایسا عقیدہ رکھنا جائز و درست ہے۔

متذکرہ بالا دو واقعات سے یہ امر بکلّی واضح و روشن ہو جاتا ہے کہ یہ اعتراض کہ حضرت اقدسؑ اپنے وجود و ذات کو یا اپنے الہام و وحی کو قرآن و سنت کی تصدیق کے بغیر حجت قرار دیتے اور اس طرح دینِ اسلام کے کامل ہونے میں رخنہ ڈالتے تھے کا پوری طرح رد ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کا الہام آپ کے نزدیک شریعت پر مقدم ہوتا تو آپ ضرور "عید تو آج ہے" الہام ہونے پر نہ صرف روزہ داروں کو روزہ توڑنے سے منع نہ کرتے بلکہ خود ہی ایسا کرنے کا حکم بھی دیتے۔ اسی طرح مسائل میں اپنے عقیدے کے برخلاف کس طرح وہ اپنے ہی مرید کو اختلاف کرنے کا حق دے سکتے تھے۔ جبکہ ایسا دعوےٰ حکم و عدل ہونے کا تھا؟ لیکن غلط فہمی یہی ہے کہ آپ کا حکم و عدل کا دعوےٰ بمتابعت و مطابقت قرآن و حدیث ہے نہ کہ ان کو نظر انداز کر کے۔

البتہ جہاں قرآن و حدیث سے کوئی امر واضح نہیں۔ اس جگہ کسی کامل ولی کا الہام حجت قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن کسی امر یا مسئلہ میں کوئی موقف اختیار کرنا تو ایک اور بات ہے مگر معاملات اور برتاؤ میں رواداری اور اخلاق کو مدِنظر رکھنا لازم و مقدم رہا ہے، چنانچہ اس کا ثبوت بھی حضرت اقدسؑ کی زندگی سے ملتا ہے۔ ایک مرتبہ جب آپ کو خبر ملی کہ آپ کے سب سے بڑے مکفّر مولوی محمد حسین صاحب کسی غرض کے لئے قادیان آ رہے ہیں تو آپ نے اسی وقت مولوی صاحب کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی یہ بھی یقین دلایا کہ ہم کسی مسئلہ متنازعہ پر کچھ بات نہیں کریں گے۔ محض آپ کی خدمت مہمان نوازی کا اظہار [illegible] کے مطابق باہمی اخلاقِ فاضلہ کا اظہار ضروری ہے۔ قرآن کریم نے تو توحید کے اشتراک پر غیر مسلموں سے یکجائی اور اشتراکِ عمل کی ندا بلند کی تھی لیکن یہاں خود مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا توحید میں اشتراک کے علاوہ قرآن اور سنتِ رسول پر اتفاق ہونے کے باوجود نہ صرف باہمی اتفاق و اتحاد ممکن نہیں بلکہ رواداری، حُسنِ سلوک اور اخلاق فاضلہ کی بجائے باہمی تباغض و تنافر اور تکفیر و گردن زدنی کی فضائیں ہیں۔ ربّ الراحم۔ ربّ الراحم!

منافرت و عناد کی بجائے حسنِ سلوک اور باہم برادرانہ سلوک روا رکھنا ضروری ہے۔ اگر جملہ فرقہ ہائے اسلام اس وقت باہم مسائلِ مختلفہ کو بنیادی امور قرار نہ دیں بلکہ فروعات کے مسائل سمجھیں اور اخوت و اتحاد کی بناء کلمۂ مشترکہ یعنی کلمہ طیبہ کو قرار دیں اور ان میں اتحاد کی راہ قرآن و حدیث کی جانب رجوع کرنے کے اصول کو مان لیں اور پھر باہمی تعلقاتِ اخوت و محبت کو برقرار رکھنے کی سعیِ بلیغ میں مشغول ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وحدتِ اسلامیہ کا رنگ جو قرآن و حدیث کے مطالعہ سے نظر آتا ہے ان کی باہمی زندگی کی افتاد میں بھی نظر نہ آئے۔

فرقی تنازعات کے باعث عملی حالت موجبِ بدنامی دینِ اسلام ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کے باہمی اختلافات و تنازعات نے عملاً جو صورت اس وقت اختیار کر رکھی ہے وہ نہ صرف اخوت و محبت اسلامیہ کے عالی جذبات کے صریحاً برخلاف ہے بلکہ دینِ اسلام کے لئے ایک بڑی بدنامی کا موجب بن رہی ہے۔ کیونکہ عام طور پر غیر مسلم اصحاب اسلام کو قرآن و سنت رسولؐ کے مطالعہ کی عینک سے نہیں دیکھتے، بلکہ ان کے لئے اسلام کو پرکھنے کی کسوٹی آج کے مسلمانوں کے اعمال و کردار رہ گئے اور اس بارہ میں ان کا موقف کافی حد تک درست ہے۔

پس جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان فرقے آپس میں دست و گریبان ہوتے ہیں تو وہ یہ سوچتے ہیں کہ آخر ان کے دینِ اسلام نے ہی ان کو یہ سبق پڑھایا ہوگا۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ اختلاف پر وہ باہمی ایک دوسرے کو بے دین و کافر قرار دیتے اور انہیں تشدد و جبر کا نشانہ بناتے ہیں تو ضرور انہیں یہ خیال آتا ہوگا کہ پھر یہ مسلمان غیر مسلموں سے کیا برتاؤ و رویہ اختیار کرنے کو اسلام قرار نہ دیں گے۔ جب یہ مرتد کو واجب القتل قرار دیتے ہیں تو پھر کیا پیدائشی کفار سے اس سے بھی بدتر سلوک روا رکھنے کے حق میں نہ ہوں گے؟

ع
کلمہ گویاں را چرا کافر نہی نام اے اخی
گر تو داری خوفِ حق زیں کفر خود بیرا رہ
گر کنی تکفیر قوم خود چہ کار کردہ
رد اگر مردی یہودے را با اسلام اندر آر
(حضرت مسیح موعودؑ)

پیغامِ صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

مکتوبِ انڈونیشیا

انڈونیشیا سے ہماری جماعت کے جنرل سیکرٹری جناب ایم سوجیتو جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی خدمت میں ارسال کئے گئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"آپ کے ارسال کردہ دونوں خط موصول ہو گئے ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔

الحمد للہ ہمارے دونوں مبلغ سکندر اور سردیمان بخیریت [illegible] پہنچ گئے ہیں انہوں نے پہنچنے آرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اور دینِ اسلام کی خاطر تندہی سے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

سکندر کو پیری ہوگیا میں بطور مبلغ اور معلم مقرر کر دیا گیا ہے اور سردیمان کو جماعت احمدیہ کی تمام شاخوں میں دورے کرنے کے لئے جکارتا ہی میں ٹھہرا لیا گیا ہے۔ اپنے قیام کے دوران میں وہ نوجوان احمدیوں کو بطور مبلغ تعلیم و تربیت بھی دیں گے تاکہ وہ انہی کی طرح تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے کے قابل ہو جائیں۔

ہماری رائے میں یہ نہایت موزوں وقت ہے کہ ہم تمام ملک بلکہ تمام دنیا میں اشاعت اسلام کیلئے جہاں تک ہو سکے مبلغ تیار کریں۔ آپ کو علم ہے ہم حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب کی تفسیر بیان القرآن کا ترجمہ انڈونیشی زبان میں کر رہے ہیں۔ ترجمہ ختم ہو چکا ہے اور اس سال کے آخر تک یہ قرآن کریم تمام انڈونیشیا میں انشاء اللہ تعالیٰ تقسیم کر دیا جائے گا۔

آپ کے ۱۱ مارچ کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قرآن کریم انڈونیشی زبان میں طبع اور تقسیم کرنے کے لئے ہمیں تحریری اجازت نامہ مل جائے گا۔ شکریہ۔ اس کے لئے ہمیں قرآن کریم طبع کرانے کے لئے اپنی حکومت سے اجازت لینے میں بھی مدد مل سکے گی۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں اور اس سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں ہماری ان کوششوں میں کامیابی کے لئے اپنی رضا اور رہنمائی سے نوازے گا۔ کیونکہ یہ توفیق اور رہنمائی اسی کے ہاں سے ملتی ہے۔ والسلام

سوجیتو

درخواستِ دعا

مکرم چوہدری علم دین صاحب چک نمبر ۲۰۳ R.B ضلع فیصل آباد تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"ان کی ایک عزیزہ کا لڑکا نعیم اللہ بیمار ہے جس کی وجہ سے اس کی والدہ کے علاوہ سارا خاندان تشویش میں مبتلا ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، دیگر بزرگانِ سلسلہ اور احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ اس بچے کی صحت یابی کے لئے دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ سے صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔

جلسہ وزیر آباد

باہمی رابطہ تنظیم کا دوسرا اجلاس مورخہ ۳۰ مارچ بروز جمعۃ المبارک وزیر آباد میں منعقد ہوا۔ اس کی رپورٹ موصول ہو چکی ہے جسے آئندہ پرچہ میں شائع کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(ادارہ)

قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ ...... باوجود چھوٹی جماعت ہونے کے کثیر التعداد جماعت پر غالب آتی چلی جائے گی۔

حضورؑ فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ مجھے آج ہی نہیں دیا گیا بلکہ براہین احمدیہ کے زمانہ ہی میں دیا گیا تھا۔ گویا وعدہ یعنی یہ وعدہ کہ تمہاری پیروی کرنے والے تمہارے مخالفین پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ چنانچہ حضورؑ نے اس قدرت کا ذکر اپنے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں بھی کیا ہے فرماتے ہیں:-

"تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے۔ عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ میں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلاؤں گا۔ پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا۔ اور ایسا ہوگا۔ کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپئے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں۔ وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے۔ لیکن تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا۔ اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔ اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔ خدا انہیں نہیں بھولے گا۔ اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل (یعنی ظلی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ اور وہ وقت آتا ہے۔ بلکہ قریب ہے۔ کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا۔ یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

حضور کی مندرجہ بالا تحریر کا ملخص } مندرجہ بالا تحریر میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ:-

"میں تیرے خالص دلی محبوں کا بھی گروہ بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔"

اب دیکھ لو کیا یہ الفاظ جو ۱۸۸۶ء میں لکھے گئے تھے کس شان کے ساتھ پورے ہوئے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضورؑ کے مخلصین اور وفادار مریدوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے اور اس میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

پھر یہ جو فرمایا کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا کیا ہر ایک بینا شخص کو حضور کے بیان کردہ عقائد کی تبلیغ زمین کے کناروں تک پہنچی ہوئی نظر نہیں آ رہی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جہاں جہاں حضورؑ کے مخلص مرید پہنچے ہیں وہاں اسلام کی صحیح تصویر بھی پہنچی ہے اور اسلام کے متعلق حضور کے بیان کردہ عقائد ہی مقبول ہو رہے ہیں۔ حضورؑ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میرا ہر مرید علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر یعنی اپنی اپنی تبلیغی کوششوں کا اجر خدا سے پائے گا۔ کیا یہ الفاظ کھلی کھلی دلیل اس امر کی نہیں کہ حضور کا لایا مشن صرف ایک شخص کے ذریعہ ترقی نہیں کرے گا بلکہ جماعت میں کئی مخلص پیدا ہوں گے جن کی تبلیغی کوششیں کامیاب ہوں گی اور لوگ حضورؑ کے پیش کردہ عقائد اور حقائق کو زیادہ سے زیادہ قبول کرتے جائیں گے۔ پس جو حضورؑ نے فرمایا کہ میرے بعد وہ وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔ اس سے مراد وہی مخلص ہیں جو اپنے تن من دھن سے خدمتِ اسلام میں لگے ہوئے ہیں اور جن کے ذریعہ سے ہزاروں لوگ نہیں بلکہ لاکھوں لوگ حق کو قبول کرتے جا رہے ہیں اور صحیح اسلام کے [illegible] عاشق ہوتے جا رہے ہیں۔

حضورؑ نے اپنی جماعت کے ان صالحین کو جو حضورؑ کی زندگی میں صالحین تھے اس امر کی کامیابی کے لئے دعائیں کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ چنانچہ ان دعاؤں کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضورؑ کی وفات کے بعد جماعت میں متعدد افراد خدمتِ دین کے لئے کھڑے ہو گئے جنہوں نے اپنے اموال اور اپنے اوقات خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیئے۔ انتظامی اور تبلیغی معاملات سب کے سب حضورؑ نے انجمن کے سپرد کر دیئے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے۔ تاکہ تبلیغ کا شوق رکھنے والے احباب انجمن کے ماتحت کام کرتے رہیں، تاکہ جماعت میں تبلیغ کی رو بھی پیدا ہوتی رہے اور شیرازہ بندی بھی قائم رہے۔

حضرت نبی کریمؐ کے بعد صرف حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آپ کو قوم کے سامنے بات پرسی کے لئے پیش نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی دو واقعات ایسے پیش آئے جو بتلا رہے ہیں کہ وہ بھی حضرت ابوبکرؓ کی طرح اسی بات کے قائل تھے کہ قوم کو ان سے ان کے اعمال پر بات کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ بھی درحقیقت ان کے ماتحت کام کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ جو قمیص انہوں نے پہنی ہوئی تھی وہ دو چادروں سے بنی تھی لیکن مالِ غنیمت کی تقسیم میں ان کے حصے میں صرف ایک چادر آئی تھی۔ چنانچہ جب وہ خطبہ جمعہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے برملا کہا کہ نہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور نہ آپ کی اطاعت کریں گے جب تک آپ یہ نہ بتلائیں کہ دوسری چادر آپ نے کہاں سے لی۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے نہ تو اس شخص کے اعتراض کو برا منایا [illegible] بلکہ اس کی تسلی کرنے کے لئے اسی وقت اپنے لڑکے کو حکم دیا کہ اس اعتراض کا جواب دو۔ چنانچہ لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے کہا بے شک میرے باپ کے حصہ میں ایک ہی چادر آئی تھی، اور ایک چادر میرے حصہ میں آئی تھی۔ لیکن چونکہ ایک چادر سے میرے باپ کی قمیص نہیں بن سکتی تھی، اس لئے میں نے اپنی چادر بھی ان کو دے دی تاکہ وہ دو چادروں سے اپنی قمیص بنا لیں۔ اور انہوں نے میری چادر کو ملا کر اپنی قمیص بنا لی۔ اس طرح معترض کو اس جواب پر تسلی ہو گئی اور اس نے کہا کہ اب ہم آپ کی بات بھی سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے۔

دوسرا واقعہ } ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں عورتوں کے مہر کو محدود کرنے کی صحابہؓ کو تلقین فرمائی تو ایک عورت کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی اے خطاب کے بیٹے خدا تو ہم کو مہر میں ڈھیروں ڈھیر سونا دیتا ہے اور تو ہمارے مہروں کو محدود کرنے لگا ہے۔ اس پر بجائے اس کے کہ حضرت عمرؓ ان پر ناراض ہوں انہوں نے صاف کہا کہ مدینہ کی عورتیں دین کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔ اور یہ کہکر اپنی تجویز واپس لے لی۔

کیا یہ سب واقعات یہ نہیں بتلاتے کہ اگر انتظامی امور میں قوم کو خلفاء کی اطاعت کرنی واجب ہوتی تھی کیونکہ قومی نظام کے ہیڈ ہوتے تھے۔ لیکن اس کے مقابل وہ بھی قوم کے سامنے جواب دہ تھے۔ کیونکہ ان کا بھی ہر قابلِ اعتراض فعل قابلِ جواب طلبی ہوتا تھا۔

پس ربوہ کے مبلغین کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے منتخب کردہ خلیفوں کو مطلق العنان سمجھیں اور لوگوں کو ان کی اندھی تقلید کرنے پر مجبور کریں۔ ورنہ وہ شریعت کے خلاف جرم کے مرتکب ہوں گے اور بجائے اس کے کہ دوسرے لوگ ان کے کہنے کے مطابق موردِ غضب الٰہی ہوں وہ خود موردِ غضب الٰہی ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو غضب الٰہی سے محفوظ رکھے۔ آمین

والسلام

چوہدری محمد انور الٰہی صاحب

موجودہ عالمی حالات
ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔

دنیا کے حالات حاضرہ کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو دکھائی دیتا ہے کہ کہیں ذات پات، رنگ، نسل، زبان اور مذہب کا جھگڑا ہے۔ کہیں علاقائی اور قومی تعصبات کے فتنے سر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ کہیں سیاسی اور نظریاتی کویرش ہے۔ کہیں طبقاتی کشمکش، کہیں توسیع پسندی اور ملک گیری کی ہوس کارفرما ہے۔ تو کہیں دھونس۔ دھاندلی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ کہیں اپنے نظریات کو پھیلانے کے لئے بیرونی طاقتیں سرگرمیوں میں مصروف کار ہیں تو کہیں بڑی طاقتوں کے ایماء پر یا اُن کی در پردہ مدد سے جنگی محاذ آرائی جاری ہے۔ دنیا اس وقت سیاسی طور پر دو دھڑوں میں منقسم نظر آتی ہے۔ ایک روس اور اس کے زیر اثر ممالک کا اور دوسرا امریکہ اور اس کے ہم نوا ممالک کا۔ چند ہی ممالک ایسے ہیں جو ان دو بڑی طاقتوں کے دائرہ اثر سے باہر اور اپنی پالیسیوں کو وضع کرنے میں کسی حد تک آزاد و خود مختار ہیں۔

یہ دونوں بڑی طاقتیں اپنے عالمی مفادات کے تحت دوسرے ممالک میں اپنے اثر و نفوذ کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور وہاں اپنی کٹھ پتلی حکومتیں قائم کرنے میں کوشاں رہتی ہیں۔ ان مفادات کی خاطر بعض اوقات اگر چھوٹے اور کمزور ممالک کی آزادی، سالمیت اور علاقائی خود مختاری انہیں پامال بھی کرنی پڑے تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کر دیتی ہیں۔ ان طاقتوں کے نزدیک ایک چھوٹے اور کمزور ممالک کی آزادی و سالمیت اور علاقائی خود مختاری ان کے اپنے مفادات کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

اس دور کے بڑے بڑے بین الاقوامی مسائل و تنازعات مثلاً تنازعہ کشمیر، قضیۂ فلسطین، قبرص کا مسئلہ، جنوبی افریقہ، روڈیشیا، موزمبیق، نمیبیا وغیرہ میں حاکم سفید فام اقوام کے خلاف مقامی لوگوں کی جدوجہد آزادی کے مسائل محض اسی لئے حل نہیں ہو رہے کہ ان علاقوں میں بڑی طاقتوں کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اور اقوام متحدہ کا ادارہ جو ممالک کے مابین تنازعات حق و انصاف کے اُصولوں کے مطابق طے کرانے اور دنیا میں فروغ امن کے لئے قائم کیا گیا تھا ان تنازعات و مسائل کو منصفانہ طور پر طے کرانے میں ناکام رہا ہے۔ کیونکہ دونوں بڑی طاقتیں بوجہ حق استرداد رکھنے کے اس ادارے کو اپنے مفادات کے خلاف کام کرنے نہیں دیتیں۔

چھوٹے اور کمزور ممالک کے لئے یہ ادارہ صرف تنازعات و مسائل پر قرار دادیں پیش کرنے اور بحث و تمحیص کے لئے ایک پلیٹ فارم کا درجہ رکھتا ہے۔ اس ادارے سے چھوٹے ممبر ممالک کو اگر کچھ فائدہ پہنچا ہے تو وہ صرف تعلیمی، سائنسی اور اقتصادی میدانوں وغیرہ میں اور وہ بھی محدود پیمانے پر۔ چونتیس سال قبل جب اس ادارے کا قیام عمل میں لایا گیا تو دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہ ادارہ دنیا میں فروغ امن کے لئے کام کرنے گا اور اس کے چارٹر پر دستخط کرنے والے ممالک ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کریں گے نیز بین الاقوامی تنازعات و مسائل کو حل کرنے کے لئے یہ حق و انصاف کی قوتوں کا ساتھ دیں گے۔ غرض ان اسباب و وجوہات کی روک تھام کی جائے گی جن کے باعث اس کا پیشرو ادارہ لیگ آف نیشنز تباہ ہو گیا تھا اور جس کے نتیجہ میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی تھی مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی طاقتوں کی روش میں واضح تبدیلی نہیں آئی۔ اُنہوں نے اپنے مفادات کے حصول اور تحفظ کے لئے صرف اپنی حکمتِ عملی تبدیل کی ہے۔ اب یہ مقصد براری کے لئے اپنی کٹھ پتلی کو استعمال کرتی ہیں۔

ظاہر ہے اگر یہ اپنی چالوں اور نیتوں کو درست نہیں کرتیں اور اپنے ان مواعید کی پاسداری نہیں کرتیں جو انہوں نے ادارہ کے چارٹر پر دستخط کرتے وقت کئے تھے تو اس ادارے کا انجام اپنے پیشرو ادارہ لیگ آف نیشنز سے مختلف نہ ہو گا اور ایسا ہونے کی صورت میں تیسری عالمگیر جنگ چھڑ جانے کا امکان ہے جو تباہی اور ہولناکی میں دوسری عالمگیر جنگ سے کہیں بڑھ کر ہو گی کیونکہ گذشتہ تیس پینتیس سالوں میں بے حد خطرناک اور مہلک جنگی ہتھیار تیار ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ بڑی طاقتوں کے ادارہ اقوام متحدہ پر چھائے ہونے کے باعث مختلف ممالک کے درمیان تنازعات حق و انصاف کی رُو سے طے نہیں پا رہے اور اس صورت حال میں تبدیلی کے آثار بھی نظر نہیں آتے تو لامحالہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ادارہ اپنے پیشرو ادارے کے سے حالات سے دوچار ہونے والا ہے اور جب ایسا ہے۔ تو دنیا ایک خوفناک اور مہیب جنگ کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔

خاکسار نے گذشتہ سال ایک مضمون میں جو تین اقساط میں ۳۱ مئی، ۷ جون، اور ۱۴ جون کو "پیغام صلح" میں شائع ہوا اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ عنقریب ایک خوفناک جنگ کے حالات پیدا ہونے والے ہیں۔ اس کی نسبت خدا تعالٰے کے کلام قرآن کریم میں بھی پیشگوئی موجود ہے۔ اس میں ارشاد ہے :-

"وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا کان ذالک فی الکتاب مسطورا ۝ (پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل ۵۸)

ترجمہ:- اور کوئی بستی نہیں مگر ہم اسے قیامت کے دن سے پہلے ہلاک کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے۔ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اس آیت قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی ایسی آفت یا طوفان قیامت سے پہلے دنیا میں آنے والا ہے جس سے کئی شہر، قصبے اور دیہات بالکل تباہ ہو جائیں گے اور جو باقی بچیں گے ان کے مکین بھی اس آفت کا ضرور مزہ چکھیں گے۔

گذشتہ پینسٹھ سال میں کئی جنگیں دنیا میں ہوئیں جن میں دو عالمگیر جنگوں کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ مگر ان دونوں بڑی جنگوں کے دوران زیادہ تر حاوث ممالک کے بڑے شہر یا قصبے متاثر ہوئے جو ذرائع رسل و رسائل، نقل و حمل کے لحاظ سے یا صنعت و تجارت کے مراکز کی حیثیت سے یا پھر فوجی اعتبار سے خصوصی اہمیت کے حامل تھے اور چھوٹے دیہات اور قصبوں کا نسبتاً کم نقصان ہوا۔ اور وہ ممالک جو جنگ میں براہِ راست شریک نہ تھے ان کے شہروں قصبوں اور دیہات میں زندگی قریباً معمول پر رہی اس لئے ان جنگوں میں سے کوئی بھی وہ جنگ نہ تھی جس کا نقشہ آیت مذکورہ میں کھینچا گیا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی جنگ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جس کی شدت اور تباہ کاری کو دنیا کے ہر کونے اور خطے میں بری طرح محسوس کیا جائے گا۔

اس کی تصدیق بانئے سلسلہ احمدیہ کی ایک پیشگوئی سے بھی ہوتی ہے جس کا ذکر خاکسار کے ایک مضمون میں جو ۱۲ فروری ۱۹۷۹ء کو "پیغام صلح" میں چھپا آ چکا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں :-

"خدا نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ ہمارے سلسلہ میں بھی سخت تفرقہ پڑے گا اور فتنہ انداز اور ہوا و ہوس کے بندے جُدا ہو جائیں گے۔ پھر خدا تعالٰے اس تفرقہ کو مٹا دے گا۔ باقی جو کٹنے کے لائق اور راستی سے تعلق نہیں رکھتے اور فتنہ پرداز ہیں وہ کٹ جائیں گے اور دنیا میں ایک حشر برپا ہو گا اور تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے

کریں گے اور ایسا کشت و خون ہوگا کہ زمین خون سے بھر جائے گی اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی۔ ایک عالمگیر تباہی آوے گی اور ان تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہوگا۔........ ان واقعات کے بعد ہمارے سلسلہ کو ترقی ہوگی اور سلاطین ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے۔"

چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق ۱۹۱۴ء میں جب مولانا نورالدین رح فوت ہو جاتے ہیں تو جماعت احمدیہ تفرقہ کے باعث دو گروہوں میں بٹ جاتی ہے ایک گروہ علیحدہ ہوکر لاہور آ جاتا ہے۔ جہاں وہ ایک انجمن قائم کرکے اسلام[١] کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دیتا ہے۔ اور دوسرا گروہ قادیان میں مقیم رہتا ہے

گذشتہ پینسٹھ سالوں میں جماعت کے دونوں گروہوں کی جانب سے تفرقہ کے اسباب پر بہت سا لٹریچر نکل چکا ہے۔ جس میں ایک دوسرے کو اس معاملے میں غلطی خوردہ اور بانی سلسلہ کی تعلیمات و دعاوی سے منحرف ثابت کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اب تاہم وقت آگیا ہے کہ خداتعالیٰ کے ہاتھوں فیصلہ ہو کہ سچا فریق یا گروہ کونسا ہے۔

یہ کام کیسے سرانجام پانا اسے منظور ہے۔ اس کی بابت خاکسار ایک مضمون میں جو پچھلے سال دو قسطوں میں ۲۵ اکتوبر اور یکم نومبر کو پیغام صلح میں شائع ہوا یوں عرض کر چکا ہے۔

"جماعت احمدیہ ربوہ کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ دونوں جماعتوں میں اختلاف کا سبب مسئلہ خلافت تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تفرقہ اور اختلاف کی اصل وجہ میاں محمود احمد صاحب اور ان ہمنوا لوگوں کی حضرت صاحب کے بارے میں تبدیلی عقیدہ تھی۔ اور غیر از جماعت محقق لوگوں نے اس کی تصدیق کی جیسا کہ ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء کے اخبار الہلال میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی اس تحریر سے ظاہر ہے جو یوں ہے:—

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعوے پر ایمان نہ لائے ہوں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد ہیں۔ اس گروہ نے اب انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔

مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے۔ اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان رہ کر اظہار رائے کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے۔ جو ہمیشہ اس سال کا یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔"[٢]

خداتعالیٰ نے اس کی تصدیق مولانا محمد علی رح کی کتاب "دی نیو ورلڈ آرڈر" کے ذریعے بھی کر دی ہے جس کے دیباچہ میں مولانا مرحوم نے ۱۹۱۴ء میں پیدا ہونے والے جماعتی تفرقہ اور اس کے سبب کا ذکر کیا ہے۔ اسی کی طرف حضرت مسیح موعودؑ کے ایک الہام میں اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں: الہام ہوا—

(۱) "ر اے ورڈ اینڈ ٹو گرلز"

(۲) "خواب میں دیکھا کہ گویا ایک انگریز مذکورہ بالا الفاظ بار بار بولتا ہے۔ پھر جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ انگریز نہیں بلکہ وہ مولانا محمد علی صاحب ایم اے ہیں جو وہ الفاظ بول رہے ہیں اور پھر یہی الہام انگریزی میں ہوا اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی۔ یعنی یہ کہ ایک کلام اور دو لڑکیاں۔"[٣] (۲۷ جنوری ۱۹۰۶ء)

۲۷ جنوری ۱۹۰۶ء کی تاریخ ہے۔ جب حضرت صاحب کو یہ الہام ہوتا ہے۔ اور اسی تاریخ کو حضرت مولانا محمد علی مرحوم کی کتاب "دی نیو ورلڈ آرڈر" رویا میں دکھلائی جاتی ہے۔ جس کے متعلق آپ فرماتے ہیں:—

"ایک کتاب دکھلائی گئی اس پر لکھا تھا "لائف"۔ (دیکھئے بدر جلد نمبر ۲ نمبر ۵ مؤرخہ ۲ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ و الحکم جلد نمبر ۱۰ نمبر ۴ مؤرخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ نمبر ۳)

اس کتاب کو مولانا مرحوم نے جب عالم رویا میں دیکھا تو اس پر LIFE ASSURANCE کے الفاظ لکھے موجود تھے۔ باطنی واردات کے تحت ان اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ کی گہری اور عمیق حکمت کے تحت جب ایسی کتاب منظر عام پر آئے گی۔ جس سے حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کے مقاصد پورے ہونے کی راہ کھلے گی اور ان کی سچائی دنیا پر آشکارا ہوگی تو پہلا ثمر اس کتاب کا یہ ہوگا کہ حضرت صاحب کے اصل مقام کا لوگوں کو پتہ چلے گا اور ان کے علم الکلام کے اصل وارث لوگوں کی تائید ہوکر تفرقہ مٹے گا۔"

حضرت امیر مرحوم کی کتاب کے ابتدائی چند صفحات کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ آپ نے بھی آئندہ جنگ سے متعلق اس میں اشارہ کر دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں یہ جنگ تباہی اور ہولناکی کی پہلی عالمی جنگوں سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔

اس آئندہ آفت اور طوفان کی ایک وجہ تو وہ حالات و مسائل ہوں گے جن کا ابتداء مضمون میں ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری اہم وجہ لوگوں کی اخلاقی حالت میں پستی و تنزل اور ان کی بے راہ روی ہوگی جو قریباً دنیا کے تمام ممالک کا مشترکہ مسئلہ ہے۔

خداتعالیٰ لوگوں کے غلط مذہبی اعتقادات و نظریات پر تو کسی حد تک چپ رہ سکتا ہے مگر ان کی اخلاقی گراوٹ و پستی اور بے راہ روی پر زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتا۔ بلکہ یہ امور اس کے غیظ و غضب کو دعوت دینے والے ہیں اور عنقریب دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ دراصل اس کے غصہ اور ناراضگی کا مظاہرہ ہوگا۔

قرآن کریم کی محولہ بالا پیشگوئی جب اس طور پر پوری ہو جاتی ہے۔ جس طور پر خداتعالیٰ سے علم پاکر بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بیان فرمایا ہے تو اس سے جہاں قرآن کریم کی عظمت اور اس کے الہامی کتاب ہونے کی صداقت دنیا پر واضح ہوگی وہاں بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مامور من اللہ ہونے کی سچائی ثابت ہوگی جو کثیر تعداد

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲)

---

[٢] کتاب "دی نیو ورلڈ آرڈر" بانیٔ پاکستان کی ملکی معیشت سے متعلق دو متنازعہ فیہ تقاریر مورخہ ۲۶ مارچ و یکم جولائی ۱۹۴۸ء کا ماخذ ہے۔ ان کے اصل مفہوم بابت پیپلز پارٹی اور دیگر سیاسی جماعتوں کے درمیان اب تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔

[١] ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم کے موقعہ پر اس گروہ کو مجبوراً قادیان سے نکل کر پاکستان آنا پڑا۔ اس گروہ کی بڑی کوشش تھی کہ ضلع گورداسپور (جس میں قادیان واقع ہے) مسلم اکثریتی علاقہ میں ہونے کی وجہ سے پاکستان میں شامل ہو مگر خدائی حکمت کے تحت معاملہ برعکس ہوا اور قادیان میں مقیم گروہ کو مجبوراً وہاں سے نکلنا پڑا۔ آجکل اس گروہ (جماعت) کا صدر دفتر ربوہ ضلع جھنگ ہے۔

[٣] ایک کلام اور دو لڑکیوں کے الفاظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ایک علم الکلام کی بابت دو گروہوں میں جھگڑا ہوگا۔ ہر ایک ان میں سے کوشش کرے گا کہ وہ ثابت کرے کہ وہی اس کا وارث ہے۔ دو گروہوں کو دو لڑکیوں کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ (خاکسار اپنے گذشتہ مضمون میں جو تین اقساط میں ۳۱ مئی، ۷ جون اور ۱۴ جون ۱۹۷۸ء کے پیغام صلح میں شائع ہوا اور جس کا حوالہ پہلے آچکا ہے۔ اس امر پر روشنی ڈال چکا ہے۔)

الہام میں جن دو گروہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ جماعت احمدیہ کے دونوں فریق ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا دعوے ہے کہ وہی حضرت مسیح موعودؑ کے علم الکلام یا تعلیم کا وارث و امین ہے۔"

"دلوں میں ایمان کا دِیا بھی جلائیے"

ذیل میں ہم میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی کی اس تقریر میں سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں جو انہوں نے ۱۲ر نومبر ۱۹۷۸ء کو اصلاح معاشرہ کی مہم کے سلسلہ میں لاہور پی۔ این ۔ اے ۔ پارٹی میں ایک بڑے اجتماع میں کی۔ ان اقتباسات کے آخر میں ہم نے اعجاز المسیح اور فتح اسلام کے حوالہ سے مجدّدِ وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ارشادات کے دو مختصر سے اقتباسات بھی دیئے ہیں ۔ ان کی روشنی میں قارئین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ جناب میاں صاحب کو یہ نور کہاں سے حاصل ہوا۔ مامورین الٰہی کے نظریات مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ خود بخود دِلوں میں گھر کرتے جاتے ہیں۔ زبانیں تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہیں ۔ ان کے ماخذ کو عوام کے غیظ و غضب کے خوف سے اخفا میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن خدا تو علیم و بصیر ہے اس سے کیسے چھپایا جا سکتا ہے ۔ (اداره)

" اس دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں، ان کی دعوت کی رُوح اصلاحِ معاشرہ تھی ۔ یہ کہ لوگوں کو اللہ کے بندے بنایا جائے اور اس غرض کے لئے جو مؤثر ذریعہ اختیار کیا گیا وہ ان میں احساسِ جوابدہی کا پیدا کرنا تھا ۔ ...... عرب کا معاشرہ ہر قسم کی برائی میں مبتلا تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا تو آپ کے پاس کوئی دنیوی طاقت نہ تھی کہ جس کے ذریعے آپؐ یہ اصلاح کرتے ۔ نہ آپؐ کے پاس کوئی پولیس فورس تھی جو جرائم کی روک تھام کے لئے استعمال کی جاتی ۔ نہ کوئی مارشل لاء تھا جس سے خوفزدہ کیا جاتا ۔ آپؐ نے بنیادی طور پر جو بات دِلوں کے اندر اُتاری وہ ایمان باللہ تھا ۔ آپؐ نے پُکار کی کہ اے لوگو ! اللہ کے رُوبرو جُھک جاؤ ۔ جو جاننے والا ، دیکھنے والا اور سُننے والا ہے ۔ وہ رحیم اور رحمان بھی ہے لیکن وہ عزیز اور قہار بھی ہے ۔ اگر وہ نیکیوں پر انعام دیتا ہے تو برائیوں پر گرفتار بھی کرتا ہے ۔ تمہیں ایک روز اس زندگی سے گذر کر اس کے حضور پیش ہونا ہے ۔ اور اپنی گذری ہوئی زندگی کے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے ۔ یوم حساب کے دن جو میزان لگے گی اس میں بٹے لوہے ، چاندی یا سونے کے نہیں ہوں گے بلکہ اعمال کے ہوں گے ۔ ایک پلڑے میں حق رکھا جائے گا ۔ پھر اس کے مقابلے میں وزن کر کے دیکھا جائے گا کہ کس کے اعمال حق کے مطابق ہیں ۔ یہی وہ بات جو دلوں اور دماغوں میں اُتاری گئی ۔ اور اسی باطنی انقلاب کا نتیجہ تھا کہ جب شراب کو حرام کیا گیا تو وہ حرام ہو گئی ۔ پھر کسی مؤمن کے حلق سے اس کا ایک گھونٹ بھی نہیں اُترا ۔

سُود کو حرام قرار دیا گیا تو اس کے بعد سرزمینِ اسلام سے سُود کا نام و نشان مٹ گیا ۔ ان احکام کے منوانے کے لئے کسی طاقت سے کام نہ لیا گیا ۔ بلکہ ضمیر کو جگایا گیا ۔ کسی سے تنہائی میں جرم ہوتا تھا تو وہ اس کا اعلان از خود آ کر اجتماع میں کرتا تھا ۔ تاکہ اسے سزا دے کر پاک کر دیا جائے ۔ اور وہ عذابِ آخرت سے بچ جائے ۔ تفتیش کے لئے نہ تو کوئی پولیس تھی نہ چالان درج کرنے کے لئے کوئی تھانے تھے ۔ ان کا محتسب ان کا اپنا ایمان تھا ۔

جنگ تبوک میں شرکت کے لئے جب تمام اہلِ ایمان کو تاکیدی حکم دیا گیا تھا تو جو لوگ اپنی کاہلی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے ، انہوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور از خود مسجد نبویؐ کے ستونوں سے باندھ دیا تھا ۔ کیا پولیس کا کوئی دستہ انہیں گرفتار کرنے کے لئے گیا تھا ؟ یہ سب ایمان کے کرشمے تھے ۔

ہم اس مہم کے بینر لگا رہے ہیں ۔ کتبے سجا رہے ہیں ۔ جلسے اور مذاکرے منعقد کر رہے ہیں ۔ لیکن اگر دلوں کے اندر وہ بات پیدا نہ ہوئی جو داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کی تھی تو اسلام کا قانون بھی بن گیا تو نہیں چل سکے گا ۔ اصل چیز باطن کے اندر تبدیلی ہے ۔ فکر و نظر کا انقلاب ہے ۔

باطنی تبدیلی کے بغیر قانون سے اصلاح کا تجربہ یہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے ۔ اور یورپ اور امریکہ میں بھی دیکھا جا سکتا ہے ۔ کونسا قانون ہے جو موجود نہیں ہے لیکن کیا جرائم رُک گئے ہیں ؟ نیویارک میں دو گھنٹے کے لئے بجلی چلی گئی ۔ لوٹ مار کا طوفان بپا ہو گیا ۔ ٹورنٹو (کینیڈا) میں پولیس نے ہڑتال کی تو لٹیروں کی عید ہو گئی ۔ یہ ان معاشروں کا حال ہے جو اپنے آپ کو نہایت مہذب اور ترقی یافتہ کہتے ہیں ۔ لیکن ایمان کے بغیر کوئی بات نہیں چلتی ۔

اسی طرح جب تک ہم بھی اپنے دِلوں کے اندر ایمان کے چراغ روشن نہیں کریں گے کوئی تبدیلی مؤثر نہیں ہو سکے گی ۔ اس وقت تو کیفیت یہ ہے کہ ہمارے جسم ایمان کے مسکن نہیں بلکہ مدفن بنے ہوئے ہیں ۔ برائی صرف قانون نہیں روک سکتا اس کے لئے ایمان کی ضرورت ہے ۔

آپ اسلامی نظام نافذ کر دیں اگر انتظامیہ کی اصلاح نہیں ہو گی ۔ جو قانون نافذ کرتی ہے ۔ عوام کی اصلاح نہیں ہو گی جن پر قانون کو نافذ ہونا ہے ۔ تو اسلام کے نظام کا چلنا بہت مشکل ہو جائے گا ۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اسلامی نظام کی برکات حاصل نہ ہو سکیں گی بلکہ اسلامی نظام کی استعداد کے بارے میں بھی ذہنوں میں اُلٹا شکوک پیدا ہونے لگیں گے ۔ اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے آپ اور جو کچھ بھی کریں دِلوں کے اندر ایمان کا دِیا جلانے کی کوشش بھی ضرور کریں ۔"

اسی سلسلہ میں حضرت مجدّدِ وقتؑ کے دو ارشادات ملاحظہ ہوں :-

(۱) "میں رحمٰن کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں ۔ وہ بندے جو حضرتِ احدیت کی طرف سے آتے اور امرِ الٰہی سے نازل ہوتے ہیں وہ ایسی سخت ضرورت کے وقت جب بدعتوں اور باطل اُمور کا دَور دورہ ہوتا ہے معرفتِ الٰہی اور تقوےٰ کی راہ گم ہو جاتی ہے آتے ہیں تاکہ جو باتیں دِین کی لوگوں کی نگاہوں میں پُرانی ہو جاتی ہیں) تازہ کریں جو بکھر چکا ہُوا ہے اسے اکٹھا کریں ۔ اور جو گم ہو چکا ہے اسے تلاش کریں اور اللہ تعالےٰ کے وعدوں کو پُورا کریں ۔ میں بھی اسی طرح (اور اسی غرض کے لئے) آیا ہوں اور میں سب سے پہلا مؤمن ہوں ۔ اور میں اس ربانی مبارک صدی کے سر پر بھیجا گیا ہوں تاکہ ملّتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کر دوں اور کتاب اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر (دشمنانِ اسلام کی طرف سے) جو حملے ہو رہے ہیں ان کا دفاع کروں ، نافرمانوں کے عصا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں اور شریعت کو قائم کر دوں ۔"

اعجاز المسیح صفحہ ۵ مطبوعہ ۲۰ر فروری ۱۹۰۱ء) (عربی سے ترجمہ)

---

(۲) " اور سچائی کی فتح ہو گی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دِن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے ۔ اور وہ آفتاب پُورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے ۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رکھے ۔ جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں ...... اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے ۔ وہ کیا ہے ؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی اور زندہ خُدا کی تجلّی موقوف ہے ...... سو اس حکیم و قدیر نے اس عاجز کو اصلاحِ خلائق کے لئے بھیج کر ایسا ہی کیا اور دُنیا کو حق اور راستی کی طرف کھینچنے کے لئے کئی شاخوں پر امر تائیدِ حق اور اشاعتِ اسلام کو منقسم کر دیا ۔ چنانچہ منجملہ ان شاخوں کے ایک شاخ تالیف اور تصنیف کا سلسلہ ہے جس کا اہتمام اس عاجز کے سپرد کیا گیا ہے ۔" (فتح اسلام صفحہ ۱۵ تا ۱۸ ۔ از حضرت مرزا غلام احمد صاحب)

علمائے سُوء اور جاہ پسندی

علم دین میراثِ انبیاء ہے جسے اگر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دُشمنانِ دین کے خلاف استعمال کیا جائے تو موجب رفع درجات ہے۔ عالِم ربّانی کے حق میں فرشتے دُعا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ عالِم دین اپنے ماحول کے لئے روشنی کا ایک مینارہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسی علم کو نفس پرستی، مادہ پرستی، اور جاہ طلبی کا ذریعہ بنایا جائے تو پھر یہی عالم فسادات کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت کے حکمرانوں اور عُلماء کی حالت اگر درست ہو تو اُمّت کی حالت بھی درست ہوگی۔ اور جب ان میں فساد پیدا ہو جائے تو اُمّت بھی فساد کا شکار ہو جائے گی۔ (جامع بیان العلم) عبداللہ بن مُبارک نے فرمایا ہے ؎

وھل بدل الدین الا الملوک واحبار سوءٍ ورھبانھا
وباعوا النفوس فلم یربحوا ولم تغل فی البیع اثمانھا

اور دین کو تبدیل نہیں کیا ہے مگر بے دین بادشاہوں نے عُلمائے سُوء نے اور نفس پرست پیروں نے۔ اُنہوں نے اپنا ضمیر بیچ دیا اور اس خرید و فروخت میں انہوں نے کوئی زیادہ قیمت حاصل نہیں کی۔

امام ابو اللیث ثمرقندی فرماتے ہیں کہ علمِ دین کو اللہ تعالےٰ نے خیر کثیر کہا ہے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ اور دنیا کو متاع قلیل کہا ہے۔ قل متاع الدنیا قلیل۔ تو جو عالم اپنے علم کو مال و منصب کا ذریعہ بناتا ہے وہ انتہائی بے وقوت ہے کہ خیر کثیر کے بدلے میں متاع قلیل خریدتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کیا تم ایک ادنیٰ چیز کے لئے اعلیٰ و عمدہ چیز دینا چاہتے ہو۔

چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ابوبکر الآجری رحؒ کے نام سے ایک بزرگ گذرے ہیں۔ اُنہوں نے علماء کے اخلاق و آداب کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا کچھ حصّہ ابنِ رجب رحؒ نے اپنے مذکورہ رسالہ میں نقل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

"جاہ و منصب کی محبت نے اس دنیا پرست عالم کے نفس کو برباد کر دیا ہے۔ اس کی محبت بادشاہوں اور سرمایہ داروں کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شان و شوکت میں، آرام دہ سواریوں میں، اچھے لباس میں، بہترین قالینوں میں، خادموں اور نوکروں میں، اور لذیذ کھانوں میں بادشاہوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ وہ یہ خواہش بھی رکھتا ہے کہ اسے اہمیت حاصل ہو اور اس کی بات مانی جائے۔ ان چیزوں کا ملنا چونکہ منصب اور عہدے کے بغیر مشکل ہے اس لئے اس نے اپنا ضمیر بادشاہوں کے پاس فروخت کر دیا۔ حکمرانوں کے پاس اپنے آپ کو ذلیل کیا۔ شاہی ایوانوں کی بُری باتوں اور قبیح افعال پر خاموشی اختیار کی۔ بلکہ کچھ دنوں کے بعد ان کے بُرے کاموں کو تاویل کے ذریعے اچھا ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ جب اسے عہدہ مل گیا تو پھر اس نے اپنے رب کے غضب کی پرواہ نہ کی۔ اور حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے [illegible] کیا جو ان کو پسند تھا۔ اس نے یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کے مال کو غصب کیا۔ اوقاف اور مجاہدین کے اموال کا قبضہ دلایا تاکہ ارباب حکومت خوش رہیں۔ یہی وہ علم ہے جس سے رسول اللہ صلعم نے پناہ مانگی ہے۔ اور یہی وہ علم ہے جو قیامت کے روز سخت ترین عذاب کا موجب ہوگا۔ اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا یشبع۔

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ پہنچاتا ہو۔ اس دل سے جس میں خشوع و خضوع موجود نہ ہو، اس نفس سے جو دنیا سے سیر نہ ہوتا ہو۔ اور اس دُعا سے جو قبول نہ ہوتی ہو۔" (ایشیا۔ ۲۸ر جنوری ۱۹۷۹ء)

عقیدے اور ضمیر کی آزادی کے متعلق

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا:

"مسلم لیگ اور میں نے بار بار اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ ہم غیر مسلمان فرقے اور غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ انصاف اور حسنِ سلوک کے علمبردار ہیں مسلم لیگ کے لئے جُملہ مذاہب اور فرقوں کی آزادی کا بنیادی اصول ایک عہد کا درجہ رکھتا ہے اور وہ شروع ہی سے اس کی پابند ہے مُسلم لیگ مُسلمانوں کے کسی فرقے یا غیر مُسلموں اور اقلیتوں کے مذہب اور عقائد میں کبھی مداخلت نہیں کرے گی۔"

{"مسٹر جناح کی بعض حالیہ تحریرات و تقاریر"۔ (انگریزی) جلد ۱ ص ۳۰۶
مؤلفہ جمیل الدین احمد شائع کردہ شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور ۱۹۴۷ء}

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا:

"آپ آزاد ہیں اپنے مندروں، مسجدوں اور دوسری عبادتگاہوں میں جانے کے لئے۔ آپ کو پاکستان میں پوری آزادی ہے۔ خواہ آپ کا تعلق کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدہ سے ہو اس کا کاروبار مملکت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم اس بنیادی اصول سے آغاز کر رہے ہیں کہ ہم ایک ہی مملکت کے شہری ہیں جنکی حیثیت مساوی ہے ......

ہمیں اس بات کو ایک نصب العین کے طور پر اپنے سامنے رکھنا چاہیئے تب آپ محسوس کریں گے کہ جوں جوں وقت گذرتا جائے گا نہ ہندو ہندو رہے گا نہ مُسلمان مسلمان رہے گا، مذہبی حیثیت سے نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقیدے کی بات ہے بلکہ سیاسی حیثیت سے کیونکہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں۔"

{"نقشِ دوام ——— قائدِ اعظم کے ارشادات" ص ۲۸
شائع کردہ: ——— ادارۂ مطبوعات پاکستان۔ کراچی}

(موجودہ عالمی حالات بقیہ ص ۱)

میں مخلوق خدا کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا موجب بنے گی اور وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ذات کی نسبت سخت بدظنی رکھتے ہیں اور آپ کے دعاوی کو بدگمانی اور ناسمجھی کی بناء پر غلط سمجھتے ہیں ان میں سے اکثر اپنے پہلے خیالات سے تائب ہو کر جماعت احمدیہ سے منسلک ہو جائیں گے۔ جن میں ان کے اکابر اشخاص اور سربراہانِ مملکت تک شامل ہوں گے جیسا کہ پیشگوئی میں بشارت بھی موجود ہے۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۱۴

ماسٹر [illegible] علی صاحب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور پاکستان

فون: ۵۳۷۳۷

مدیر اعزازی خلیل الرحمٰن
نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

• رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
• تار کا پتہ
• تبلیغ لاہور

• میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں"
"لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں"
"میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا
اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا"
(الہامات حضرت مسیح موعودؑ)

سالانہ چندہ
• پاک و ہند سے: پندرہ روپے
• بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دے گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۱۳ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۵

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

جماعت احمدیہ کے قیام کا اصل مقصد

تقویٰ قائم کرنے کے لئے سلسلہ بیعت جاری کیا گیا ہے

یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے۔ تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دُنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو اور وہ بیرکت کلمۂ واحد پر متحد ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں کام آ سکیں اور کاہل اور بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں۔ اور نہ ان نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ و نااتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خوبصورت چہرے کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ نشینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ خبر نہیں۔ اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور بنی نوع کی بھلائی کی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں۔ اور تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں۔ کہ ان کی عام برکات پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر ایک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر اور ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے۔

جماعت احمدیہ کے واعظ کیسے ہونے چاہئیں

یہ امر بہت ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں لیکن اگر دوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو تو فضول ہے۔ یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں کہ جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں تا کہ ان نیک نمونوں کا اثر دوسرے لوگوں پر پڑے۔ عملی حالت کا عمدہ ہونا یہ سب سے بہترین وعظ ہے۔ جو لوگ صرف وعظ کرتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے وہ دوسرے دل پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے۔ بلکہ ان کا وعظ بعض اوقات اباحت پھیلانے والا ہوتا ہے۔ کیونکہ سُننے والے جب دیکھتے ہیں کہ وعظ کہنے والا خود عمل نہیں کرتا تو وہ ان باتوں کو بالکل خیالی سمجھتے ہیں۔ اس لئے **سب سے اوّل** جس چیز کی ضرورت واعظ کو ہے وہ اس کی **عملی حالت** ہے۔ **دوسری** بات جو ان واعظوں کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کو صحیح علم اور واقفیت ہمارے عقائد اور مسائل کی ہو۔ جو کچھ ہم دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کو انہوں نے پہلے خود اچھی طرح سمجھ لیا ہو، اور ناقص اور ادھورا علم نہ رکھتے ہوں کہ مخالفوں کے سامنے شرمندہ ہوں۔ اور جب کسی نے اعتراض کیا تو گھبرا گئے۔ کہ اب اس کا کیا جواب دیں۔ غرض علم صحیح ہونا ضروری ہے اور **تیسری** بات یہ ہے کہ ایسی قوت اور شجاعت پیدا ہو کہ حق کے طالبوں کے واسطے ان میں زبان اور دل ہو یعنی پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ بغیر کسی قسم کے خوف و ہراس کے اظہار حق کے لئے بول سکیں اور حق گوئی کے لئے ان کے دل پر کسی دولت مند کا تموّل یا بہادر کی شجاعت یا حاکم کی حکومت کوئی اثر پیدا نہ کر سکے۔ الحکم ۳۱؍ اگست سنہ ۱۹۰۰ء)

وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ خدا میں اور اسکی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے۔ اسکو دُور کر کے محبت اور اخلاق کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں اور دینی سچائیاں جو دُنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں ان کو ظاہر کروں اور وہ رُوحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے اس کا نمونہ دکھاؤں اور خدا کی طاقتیں جو انسان کے اندر داخل ہو کر توجہ یا دُعا کے ذریعہ سے نمودار ہوتی ہیں۔ حال کے ذریعے نہ صرف مقال کے ذریعہ سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے جو اب نابود ہو چکی ہے اس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودہ لگا دوں اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہوگا بلکہ خدا کی طاقت سے جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔

از مسٹر نیبر اے قیصر
(ترجمہ سید ناصر احمد صاحب منصور)

حضرت موسےٰ علیہ السلام کشمیر میں مدفون ہیں

"اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آجتک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔"
(استثناء ۳۴ : ۶)

مجھے بتاؤ! کیا موسےٰ کا جسد خاکی مشرق میں ایک دُور کی جگہ پر دفن نہیں ہے؟
(سینٹ جان کرسسٹم، ہومیلی ۲۶ تفسیر عبرانیوں ۳)

باب استثناء میں مندرج سرگذشت کے مطابق حضرت موسےٰ علیہ السلام جو اسرائیلیوں کو مصر سے لے کر نکلے تھے انہیں موعودہ سرزمین میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔

"اور اسی دن خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ تو اس کوہ عباریم پر چڑھ کر نبو کی چوٹی کو جا جو یریحو کے مقابل ملک مواب میں ہے اور کنعان کے ملک کو جسے میں میراث کے طور پر بنی اسرائیل کو دیتا ہوں دیکھ لے۔ اور اس پہاڑ پر جہاں تو جائے وفات پاکر اپنے لوگوں میں شامل ہو جیسے تیرا بھائی ہارون ہور کے پہاڑ پر مرا اور اپنے لوگوں کو جا ملا۔ اس لئے تم دونوں بنی اسرائیل کے درمیان دشت صین کے قادس میں مریبہ کے چشمہ پر میرا گناہ کیا کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میری تقدیس نہ کی۔ سو تو اس ملک کو اپنے آگے دیکھ لے گا لیکن تو وہاں اس ملک میں جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جانے نہ پائے گا۔"
(استثناء ۳۲ : ۴۸ - ۵۲)

بائبل کے عالموں نے حضرت موسےٰ کی وفات سے متعلق جگہوں کی صحیح نشاندہی نہیں کی ہے۔ پیلک نے بائبل کی تفسیر کرتے ہوئے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ ان مذکورہ مقامات کا قطعی طور پر کوئی پتہ نہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات ہے کہ اسی طرح کے نام کشمیر میں ملتے ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ اس جگہ حضرت موسےٰ کی قبر اور دیگر ایسی جگہوں کا پتہ چلتا ہے جن کے نام بائبل میں مندرج ناموں سے قریب قریب ملتے ہیں۔ بیت فغور (استثناء ۳۴ : ۶؛ ۴ : ۴۶) کا مطلب داخل یا جاری ہونے کی جگہ یا گھر ہے (ملاحظہ ہو فہرست مضامین از کروڈن)۔ دریائے جہلم جو فارسی میں بیہت اور کشمیری میں ویتھ کہلاتا ہے جھیل وولر سے بندپور یا بہور کے قریب سے نکلتا ہے۔ جو پہلے بہت پور کہلاتا تھا۔ (راجہ ترنگنی جلد ہشتم)

حسبون (استثناء ۴ : ۴۶) مچھلی کے تالابوں کے لئے مشہور تھا۔ (غزل الغزلات ۷ : ۴) کشمیر میں بھی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام حسبہ (ہزبل) ہے جو مچھلی سے بھری ہوئی جھیلوں کے لئے مشہور ہے۔ بانڈیپور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

استثناء ۴ : ۴۹ میں پسگہ کا ذکر ہے جہاں بہت سے چشمے موجود تھے۔ کشمیر میں بھی پسگا یا پسنگ کا قصبہ احم شریف سے شمال مشرق کی طرف تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ احم شریف نلتوپ یا نبو کے پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ سننے میں آتا ہے اس جگہ کے چشموں کے پانی میں صحت بخش تاثیرات موجود ہیں۔ کوہ نبو سے شمال مشرق کی طرف تقریباً چار میل کے فاصلہ پر مووو کے میدان ہیں۔ مواب کے میدان بھی اس سے ملتا جلتا نام دکھائی دیتا ہے۔

نبو اور عباریم کے پہاڑوں کا ذکر استثناء ۳۲ : ۴۹ میں ہے۔ ان کے متعلق اکثر کا خیال ہے کہ یہ ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں۔ لیکن ڈملو کی بائبل کی تفسیر ص ۱۱۵ کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبو دراصل کوہ عباریم کی ایک چوٹی کا نام ہے کشمیر میں بانڈیپور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر نلتوپ (بال نیبو) کا پہاڑ موجود ہے۔ ینگ آل اپنی کتاب "دی ہولی لینڈ آف انڈیا" کی جلد دوم میں اس کو نابو پہاڑ لکھتا ہے اس کے قریب ہی کوہ ابلو واقع ہے جس کے اوپر سے بالکل کوہ نلتوپ کی طرح کشمیر کی وادی کا مسحورکن نظارہ نظر آتا ہے۔

ابھی جن تفصیلات کا ذکر گذرا ہے کافی اہم ہیں کیونکہ کوہ عباریم یا کوہ نبو پر سے ہی حضرت موسےٰ علیہ السلام موعودہ سرزمین کا نظارہ کر پاتے ہوں گے — "وہ سرزمین جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں" "پہاڑوں اور وادیوں کی سرزمین" "جس کو جنت کی بارش سیراب کرتی ہے" (استثناء ۱۱ : ۹، ۱۱) فلسطین میں بھی ایک کوہ عباریم ہے۔ لیکن اس پر سے تو کوئی ایسا سرسبز اور زرخیز زمین کا نظارہ دیکھنے میں نہیں آتا جیسا کہ کوہ ابلو سے نظر آتا ہے۔

مسٹریز آف کشمیر کے مصنف محمد یٰسین نے اپنی کتاب میں "کشمیر، موعودہ سرزمین" کی ضمنی سرخی قائم کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فلسطین سے مشرق کی طرف ایسا کوئی خطۂ زمین نہیں جس میں کثرت سے چشمے اور دریا ہوں۔ پھلوں اور پھولوں کی اتنی بہتات ہو یا ایسی جھیلیں اور سرسبز وادیاں ہوں جیسی کہ کشمیر میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس کو بجا طور پر جنت الدنیا اور باغ جنت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کشمیری روایات سے خواہ وہ تحریری ہوں یا زبانی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت موسےٰ کشمیر میں آئے اور وفات کے بعد وہیں دفن کئے گئے اس سلسلہ میں کتاب "حشمت کشمیر" کے مصنف عبدالقادر ص ۲ پر لکھتے ہیں:—

"حضرت موسےٰ علیہ السلام کشمیر آئے اور لوگ ان کے وعظوں کو سنتے تھے کچھ ان پر ایمان لے آئے۔ لیکن دوسروں نے ایسا نہ کیا۔ وہ فوت ہوئے اور وہیں دفن کئے گئے۔ کشمیر کے لوگ اس کے مقبرہ کو "اہل کتاب نبی کی مقدس جگہ" کہتے ہیں۔"

مذکورہ قبر کوہ نلتوپ کی چوٹی پر واقع ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ گذشتہ ۳۵۰۰ سال سے اس کی عزت و تعظیم کی جاتی ہے۔ یہاں سے وہ تمام جگہیں دیکھی جا سکتی ہیں جن کا ذکر گذشتہ باب میں گذر چکا ہے۔ اس کے قرب و جوار میں ایسے مقامات ہیں جو مقام موسےٰ کے نام سے مشہور ہیں۔

احادیث میں ہے کہ جب محمد صلعم نے محسوس کیا کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہے تو آپؐ نے دُعا کی کہ انہیں مقدس سرزمین کا نظارہ دکھایا جائے۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کی دُعا قبول فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ محمد صلعم نے فرمایا:—

"حضرت موسےٰ علیہ السلام وہاں فوت ہوئے اگر میں وہاں ہوتا تو میں ہاتھ کے اشارہ سے بتا سکتا کہ ان کی قبر اونچی پہاڑی کے قریب راستے میں ہے (صحیح بخاری جلد دوم۔)

کوہ نلتوپ پر جو قبر حضرت موسےٰ کے نام سے منسوب ہے۔ سرینگر سے تقریباً اڑتیس میل شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس کے محل وقوع کی تفصیلات قریباً وہی ہیں جن کا ذکر مذکورہ حدیث میں ہے۔

اس مقام تک پہنچنے کے لئے احام شریف سے تقریباً دو گھنٹے لگتے ہیں۔ یہ راستہ کافی کٹھن ہے کیونکہ چڑھائی شروع ہونے سے پیشتر زمین کافی ٹوٹی پھوٹی ہوئی ہے اور چوٹی کے قریب راستہ بہت پھسلنے والا ہے۔ راستے پر راہنما کھمبے بھی نہیں ہیں اس لئے چلتے ہوئے کافی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ ورنہ راستہ بھولنے کے کافی امکانات ہیں۔

پہاڑ کی چوٹی پر مزار کے نزدیک یہودیوں کی ایک چھوٹی سی آبادی موجود ہے۔ یہاں کے رہنے والے اس علاقہ کے باقی لوگوں سے کٹے ہوئے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ

باقی بر ص ۵ کالم اول

"توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری"

جناب غلام احمد پرویز صاحب ماہنامہ طلوعِ اسلام بابت فروری ۱۹۷۹ء میں "توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری" کے عنوان سے صـ۱۳ـ پر لکھتے ہیں :—

"یوں تو ہندوستان میں ہم ایک عرصہ سے لامرکزیت کا شکار تھے لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد ہمارا یہ ملی انتشار اپنی انتہاء تک پہنچ گیا۔ مسلمانانِ ہند ایک قوم نہیں تھے، خس و خاشاک کا ایک ڈھیر تھا جسے ہوا کا ہر تیز جھونکا جس طرف جی چاہے اُڑا کر لے جاتا تھا۔ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت نے اس قوم کو جس نے ہزار سال تک اس مُلک میں حکومت کی تھی چند سالوں کے عرصہ میں اس پست ترین سطح پر پہنچا دیا جسے ڈاکٹر ہنٹر نے "ہیزم فروشوں اور مشکیزہ برداروں کے ٹولے" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تو تھی اُنکی معاشی حالت۔ جہاں تک سیاسی پوزیشن کا تعلق ہے ۱۸۸۴ء میں ہندو اور انگریز نے مل کر انڈین نیشنل کانگریس کی طرح ڈالی جس کا عملی مفہوم یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام باشندے وطن کے اشتراک کی بنیاد پر ایک قوم ہیں۔ یہ سازش مسلمانوں کے جُداگانہ قومی تشخص کو ختم کر دینے کے لئے بروئے کار لائی گئی تھی۔ اس وقت مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد دکھائی نہیں دیتا تھا جو اس کے خلاف آواز اُٹھانا تو ایک طرف اس کے مضمر خطرات کو بھانپ بھی سکتا۔"

اس کے بعد اُنہوں نے مسلمانوں کے لئے علمی اور سیاسی خدمات بجا لانے اور ان میں جُداگانہ تشخص کا شعور پیدا کرنے والی تین نامور شخصیتوں سرسیدؒ۔ اقبالؒ اور جناحؒ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جان بوجھ کر اور ان وجوہات کی بناء پر جنہیں وہ بخوبی جانتے ہیں وہ ایک ایسی شخصیت کو فراموش کر گئے ہیں جس نے مسلمانوں کے اندر مذہبی، اخلاقی اور رُوحانی شعور پیدا کر کے اس "خس و خاشاک کے ڈھیر" کو "عیسائیت اور آریہ دھرم" کی تند و تیز آندھی کی فتنہ سامانیوں کے سامنے تتر بتر ہونے سے بچانے کے لئے انہیں قرآن کریم پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ اپنی منتشر قوتوں کو مجتمع کر کے اس سیلِ بے پناہ کے سامنے بند باندھنے کے لئے پکارا۔ اسلام پر ایمان و یقین زندہ کر کے دِلوں میں قوت اور اعتماد پیدا کیا اور اس کے خلاف باطل کے صف آرا لشکروں کو وہ شکست فاش دی جس کا اقرار آپ کے مخالفوں اور دشمنوں نے بھی کیا۔ وہ شخصیت کون تھی۔ وہ تھے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جن کا نام لینے سے لوگوں کی زبان جلتی اور قلم پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔

پرویز صاحب نے اس زمانہ میں مسلمانوں میں سیاسی افراتفری کے عالم اور ان کی اقتصادی زبوں حالی کا ذکر تو کیا ہے لیکن مذہبی حالت کا ذکر کرنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ اس میدان میں سوائے حضرت مرزا صاحب کے اور کوئی نام سامنے نہیں آتا۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا مقصود نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ علمی میدان میں سرسید نے مسلمانوں کے لئے جو خدمات انجام دیں ان کا اعتراف نہ کرنا سورج کو اُنگلی کے پیچھے چھپانے کی ناکام کوشش ہوگی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ آپ کی ان خدمات کی ایک زندہ علامت ہے۔ یہ وہ درسگاہ ہے جہاں قائداعظم ہر سال تشریف لاتے اور اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے نوجوان مسلم طلباء کے دِلوں میں علیحدہ وطن کے حصول کے لئے ایک بے پناہ جذبہ اور تڑپ پیدا کر جاتے۔ پاکستان اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ دونوں لازم و ملزوم ہیں ایک کا نام دوسرے کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔ پاکستان کے لئے یہاں کے شعلہ بیان طلباء کی قربانیاں ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس راستے میں وہ جن مصائب اور مشکلات سے ہو کر گذرے۔ آج کا پاکستانی طالب علم اس کے عشرِ عشیر سے بھی واقف نہیں۔ یہ یونیورسٹی قائداعظم کی اُمیدوں کا مرکز تھی۔ اور یہ آپ کی اُمیدوں پر پوری اُتری۔ لیکن جہاں تک مذہب کے متعلق ان کے نظریات کا تعلق ہے وہ یہ فرماتے تھے کہ وحی کوئی خارجی چیز نہیں بلکہ یہ انسان کے اپنے ہی خیالات ہوتے ہیں جو اس کے دِل سے اُمڈ کر دل پر پڑتے ہیں اور وہ انہیں الفاظ کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اس کے علاوہ دُعا بھی کوئی چیز نہیں۔ جو انسان کوشش کرتا اور اسباب سے کام لیتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ دُعا اس کی کامیابی میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ وہ اس دَور کے مادی فلسفہ سے متاثر تھے۔ ان کی اس بارے میں یہی کوشش رہی کہ قرآن کریم کو ان کے سانچے میں ڈھالیں نہ کہ قرآنی صداقتوں پر ایمان پیدا کر کے انکے بیان کردہ جھوٹے فلسفہ کے تار و پود بکھیریں جس طرح کہ حضرت مرزا صاحب نے کیا اور قرآنی فلسفہ کی برتری ثابت کی۔

سیاست میں علامہ اقبال کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا بھی ناانصافی ہوگی۔ اُنہوں نے شعر و شاعری کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا اور اس ذریعے سے مسلمانوں کو ان کے اسلاف کے شاندار کارنامے یاد دلا کر اپنی تاریخ کو دُہرانے اور مستقبل کو درخشان بنانے کا پیغام دیا۔ لیکن اخلاقی اور رُوحانی اقدار جو کسی قوم کی عظمت اور عروج کی ضامن ہوتی ہیں ان کی طرف انہوں نے بھی کوئی توجہ نہ دی۔ اُنہوں نے نظریہ تو پیش کر دیا لیکن اس پر عمل دوسروں کے لئے چھوڑ دیا۔ بات کہنے والا جب اس پر خود عمل نہ کرے اور اپنے عمل سے اسے صحیح اور درست ثابت نہ کر سکے تو وہ دوسروں کے لئے کس طرح قابلِ عمل اور مؤثر ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم بھی یہی فرماتا ہے ؎ تقولون ما لا تفعلون۔ تم وہ بات کہتے ہی کیوں ہو جس پر تمہارا اپنا عمل نہیں۔ قرآن مجید زبان سے اقرار بھی چاہتا ہے اور اس پر عمل بھی۔

علامہ اقبال کے اقتصادی نظریات میں بھی جو انہوں نے اپنے اشعار میں پیش کئے ہیں۔ ابہام ہے۔ دائیں بازو والے انہیں اپنے حق میں استعمال کرتے ہیں اور بائیں والے اپنے حق میں۔ مثلاً :—

؎ اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

ان اشعار کو سوشلسٹ اپنے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ ان سے بغاوت کی بُو آتی ہے جو قرآن کے خلاف ہے۔ البتہ ایک شعر انہوں نے ایسا کہا ہے جو ان کے فلسفہ کی جان ہونا چاہیئے۔

؎ بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست

اپنے آپ کو محمد صلعم تک پہنچا کیونکہ سب کچھ وہی ہے۔ اگر آپؐ تک نہیں پہنچ پاتے تو پھر یہ ابولہب والا راستہ ہوگا جس پر چلنے میں تباہی اور بربادی ہے۔ وطنیت کے متعلق کبھی فرماتے ہیں کہ :—

ع ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

اور کبھی کہتے ہیں کہ :—

ع مُسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

لیکن مسلمانوں کی ہندوستان میں وہ حالت ہے جس کا نقشہ پرویز صاحب نے بیان فرمایا ہے اور مسلمان اس پریشانی کے عالم میں اپنے مذہب سے بیزار ہے۔ کیونکہ مذہب اس کے سامنے ایسے رنگ میں پیش کر دیا گیا ہے کہ اس سے نہ تو اس کی دُنیا سنورتی

ہے اور نہ آخرت۔ یہ مشرکانہ رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ اس صورت میں ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے اسلام کا وہ نظریہ پیش کیا جاتا جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے تاکہ ان کے دلوں میں اپنے مذہب کی صداقت اور حقانیت پر ایسا غیر متزلزل یقین پیدا ہوتا کہ وہ باطل کی ہر بڑی سے بڑی طاقت کے ساتھ ٹکر لینے کے لئے کمربستہ ہو جاتے اور اسلام کے متعلق انہیں اپنے مخالفوں کے سامنے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر کے اپنی کم مائیگی اور ناتوانی کا اظہار نہ کرنا پڑتا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کسی قوم کو اپنے زمانے میں اخلاقی اور روحانی قوت کی بدولت ہی مادی قوت حاصل ہوتی ہے اور جب بھی اس نے ان سے انحراف کیا ہے اس پر ایسا زوال آیا ہے کہ اس کا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ہے۔ ہندوستان میں بھی اگر مسلمانوں کو زوال کے بعد عروج حاصل ہو سکتا تھا تو صرف اپنے کھوئے ہوئے راستہ پر لوٹ آنے سے یعنی قرآن کی طرف واپس آنے سے جسے انہوں نے طاق نسیان کی زینت بنا رکھا تھا اور مذہبی قیادت کے مدعیوں نے عوام کو اس کی خوبصورتی اور معجز نما انقلاب برپا کرنے والی قوتوں سے بے خبر رکھا ہوا تھا۔ زندگی کا جو پیغام اس میں تھا وہ کوئی سیاسی اور مذہبی لیڈر یا شاعر نہ دے سکا۔ اور دیتا بھی کیسے کہ اس کا اپنا عمل اس کے مطابق نہ تھا۔

قائدِ اعظمؒ نے مسلمانوں کی منتشر قوتوں کو اپنی سیاسی بصیرت اور بے لوث قیادت کی بدولت مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر کے مختصر سے عرصہ میں ایک خواب کو حقیقت بنا دیا۔ دنیا کی سیاسی تاریخ میں پاکستان کا قیام ایک معجزہ سے کم نہیں۔ آپ نے ہمیشہ یہی پیغام دیا کہ ہمارا خدا ایک۔ رسول ایک۔ اور قرآن ایک ہے۔ یعنی یہی ہماری طاقت اور قوت کا سرچشمہ ہیں انہیں مضبوطی سے پکڑنے میں ہی ہماری کامیابی اور فلاح کا راز مضمر ہے اور ان سے دوری ہلاکت اور تباہی کا پیغام۔ مفاد پرست اور فتنہ پرداز عناصر نے مسلم لیگ کی اجتماعیت کو منتشر کرنے کے لئے فرقہ واریت کو ہوا دینے کی کوشش کی لیکن قائدِ اعظم کی بصیرت آڑے آئی اور وہ اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ آپ نے یہ فرمایا کہ جو بھی کلمہ پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلم لیگ میں شامل ہو سکتا ہے۔ آپ کے اس بیان کے بعد کسی کی کچھ پیش نہ گئی ورنہ مسلم لیگ بھی تفریق و انتشار کا شکار ہو کر پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرانے میں ناکام ہو جاتی۔ مسلمان انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندو کی غلامی میں آجاتا اور مسلمانوں کی ساری آرزوئیں خاک میں مل جاتیں۔ متحدہ ہندوستان میں ان کا جو حشر ہوتا اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک نظریہ پیش کرنا تو بہت آسان ہے لیکن اس کو اپنانا۔ اس پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو اپنے ساتھ متفق کر کے اس پر عمل کرانا جانفشانی ایثار و قربانی اور عزم و حوصلہ کا متقاضی ہے۔ یہ کہہ دینا تو بہت آسان ہے کہ دو قومی نظریہ فلاں فلاں نے پیش کیا لیکن اس نظریہ کو محض نظریہ کی سطح سے اٹھا کر ایک حقیقت صرف قائدِ اعظمؒ نے بنایا۔ آج وہ لوگ بھی جو تحریک مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے۔ قائدِ اعظم کو نعوذ باللہ "کافرِ اعظم" اور پاکستان "پاکی ستان" کہتے تھے یہ دعوے کر رہے ہیں کہ پاکستان انہوں نے بنایا۔ تحریک پاکستان کے کچھ کارکن اب بھی زندہ ہیں۔ جب وہ اخبارات میں یہ مصلحت آمیز جھوٹ پڑھتے ہیں تو ان کی حیرت اور صدمہ کی انتہا نہیں رہتی کہ کیا "مسلمان" ایسا سفید جھوٹ بھی بول سکتے ہیں؟ مگر افسوس ہے کہ بڑی دیدہ دلیری اور دھڑلے سے بولتے ہیں۔

مسلم لیگ کی بنیاد اگرچہ سنہ ۱۹۰۶ء میں پڑ گئی تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۳۶ء تک یہ کوئی ایسی مؤثر سیاسی طاقت نہ بن سکی کہ کانگرس کے مقابلے میں وہ انگریز سے مسلمانوں کے لئے کوئی حقوق اور مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی۔ اسے ایک مؤثر طاقت بننے میں بڑا فاصلہ طے کرنا پڑا۔

مسلمانوں کو اپنے تشخص سے آشنا کرنے کے پیچھے سنہ ۱۸۶۴ء سے سنہ ۱۹۰۸ء تک ۴۴ سال کی مسلسل جدوجہد کار فرما رہی ہے۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد ان کی سیاسی اور معاشی حالت کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ اسلام کیا ہے اور اس میں کیا قوت ہے۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا تو وہ اس ذلت و رسوائی سے دوچار نہ ہوتے۔ انگریزی تسلط کے ساتھ ساتھ انگریز مشنریوں اور پادریوں کے غول کے غول ہندوستان میں اس لئے داخل ہوئے کہ وہ اپنی حکومت کے زیرِ سایہ مسلمانوں کی بے بسی اور کس مپرسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں حلقہ بگوش عیسائیت کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں مسلمان عیسائی ہو گئے جن میں عماد الدین اور سراج الدین جیسے بڑے بڑے عالم بھی شامل تھے۔ پادری عماد الدین نے یہ اعلان کیا کہ مسلمان اگر عیسائی نہ ہوئے تو ہم انہیں مسلمان بھی نہ رہنے دیں گے۔ مسلمانوں کے اسلام سے برگشتہ ہو کر عیسائیت قبول کرنے کی اگر یہی رفتار رہتی تو وہ ہندوستان میں اچھوتوں کی طرح اتنی اقلیت میں ہوتے کہ دو قومی نظریہ اور علیحدہ وطن کا تصور تک نہ کیا جا سکتا۔

انگریزوں کی دیکھا دیکھی آریوں نے بھی یہ نعرہ بلند کیا کہ چونکہ موجودہ مسلمانوں کے آباؤ اجداد نے ہندومت ترک کر کے نیا مذہب قبول کیا تھا۔ اس لئے انہیں پھر ہندومت قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے ایک تحریک چلائی جائے۔ یہ تحریک شدھی کہلائی۔ ہندوستان میں اس وقت بڑے بڑے علماء موجود تھے جو اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھتے ہوئے بھی مہر بلب رہے کہ کہیں انگریز آقا کی جبینِ ناز پر بل نہ آجائے۔ اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلعم اور قرآن کریم اعتراضات کا نشانہ بنتے رہے لیکن ان کا جواب دینے کی سکت کسی میں باقی نہ تھی۔

بقول پرویز صاحب سنہ ۱۸۸۴ء میں انگریز اور ہندو نے مل کر نیشنل کانگرس کی بنیاد ڈالی۔ کانگرس کا مقصد جداگانہ قومی تشخص کو ختم کر دینا ہو یا نہ ہو۔ یہ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے ختم کرنے کی سازش تھی۔ مسلمان عیسائی یا ہندو ہو جاتے تو یہ جداگانہ تشخص کیسے قائم رہ سکتا تھا۔ یہ دراصل اسلام کو ہندوستان سے دیس نکالا دینے کی بڑی گہری چال اور سازش تھی۔ غیر مذاہب کی طرف سے اسلام اور بانیٔ اسلام پر حملوں کا مقصد یہی تھا۔ اس تاریکی اور مایوسی کے عالم میں اسلام کی حمایت میں قادیان سے ایک آواز اٹھی اور اس نے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے تمام مذاہب کو مقابلہ کے لئے للکارا۔ یہ اتفاق نہیں بلکہ خدائی تصرف ہے کہ سنہ ۱۸۸۴ء میں ہی حضرت مرزا صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب براہینِ احمدیہ کی چوتھی جلد شائع ہوئی۔ پہلی۔ دوسری اور تیسری اس سے قبل شائع ہو چکی تھیں۔ اس کے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کا مضمون اس کے پورے نام ہی سے ظاہر ہے یعنی البراهين الاحمديه على حقيقة كتاب الله القرآن والنبوة المحمديه اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن اور نبوتِ محمدیہ پر دلائل۔

چیلنج آج بھی موجود ہے لیکن اس کے دلائل کو کوئی نہ توڑ سکا۔ مسلمانوں کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ مُردوں کی نبض ناگاہ زندہ وار چلنے لگی۔ اسلام کے مخالف تمام مذاہب باطلہ کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ سنہ ۱۸۸۴ء سے سنہ ۱۹۰۸ء تک آپ کے جادو بھرے قلم سے وہ دلائل منظرِ عام پر آئے کہ عیسائیت اور آریہ دھرم کو منہ چھپانے کی جگہ نہ ملی۔ اسلام کی روحانی شان و شوکت کا سورج پھر اپنی ضیا پاشیوں سے دلوں کو منور کرنے لگا۔ مدتوں سے خشک ویران کھیتی پھر سرسبز ہونے لگی۔ انگریز اور ہندو کے ارادے ناکام ہونے لگے تو ایسے میں خود مسلمانوں کی طرف سے ایک آواز اٹھی کہ یہ شخص کافر ہے مرتد اور دجال ہے۔ اس لئے کہ اس نے انہیں زندگی کا پیغام دیا اور اپنے قومی تشخص کی معرفت کا راستہ دکھایا۔ اب الٹا یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ انگریز کا خود کاشتہ پودا تھا۔ اگر یہی سچ ہے تو پھر انگریز بڑا نادان تھا کہ اس نے اپنے مذہب کی بیخکنی کے لئے ایسا پودا کاشت کیا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں کیونکہ سرسید۔ علامہ اقبال اور قائدِ اعظم پر بھی کفر کے فتوے لگے۔ سرسید اور قائدِ اعظم کو بھی انگریز کا ایجنٹ کہا گیا۔

ہم پورے وثوق اور یقین سے یہ کہتے ہیں کہ اس صدی میں اگر حضرت مرزا صاحب اسلام کی مدافعت کے لئے مبعوث نہ ہوتے تو نہ جداگانہ قومی تشخص ہوتا۔ نہ مسلمان اور نہ پاکستان۔ کیونکہ مسلمان عیسائی ہو چکے ہوتے یا ہندو۔

قرآن دانی اور قرآن فہمی کا دعوے کرنے والے اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ قرآن کریم تو دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر حضرت مرزا صاحب کی اسلام کے لئے مدافعانہ خدمات انجام دینے سے انکار کیوں۔ کیا یہ اس نفسیاتی بیماری کی وجہ سے تو نہیں کہ "مجھ سے بڑا کوئی نہیں"۔

"توڑ دیتا ہے کوئی موسےٰ طلسمِ سامری" کا عنوان تو حضرت مرزا صاحب کی ذات پر اوروں کی نسبت زیادہ چسپاں ہوتا ہے۔ سامری نے تو بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ

(باقی پہلے کالم پر)

ہیں جو اپنے موروثی راہنما حضرت موسیٰ کی قبر کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ولی رشی مزار کے موجودہ نگران ہیں۔

بڑے راستے سے ذرا ہٹ کر گاؤں کے قریب ایک احاطہ ہے جس کے درمیان حضرت موسےٰ کی قبر ہے اس جگہ کے گرد چھوٹی سی دیوار ہے اور اندر جانے کے لئے لکڑی کا ایک چھوٹا سا دروازہ لگا ہوا ہے۔ اس دروازہ پر ان تمام نگرانوں کے نام کندہ ہیں جو اب تک اس قبر کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ ولی رشی کا کہنا ہے کہ گذشتہ نو سو سال سے اس کے خاندان کے لوگ اس قبر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اس گاؤں میں پینتالیس خاندان آباد ہیں لیکن ان لوگوں کے احکام شریعت کے لوگوں سے اچھے تعلقات نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اس گاؤں کے لوگ نہیں چاہتے کہ اس قبر کے موجود ہونے کی خبر باہر پھیلے اور اس طرح اس علاقے کا امن و سکون برباد ہو جائے۔

چار سو سال پیشتر کشمیر کے حضرت مخدوم شیخ حمزہ نے چالیس دن تک اس مزار پر عبادت کی اور وہاں دو درخت قبر کی دونوں طرف لگائے۔ یہ دونوں درخت اب بہت بڑے ہو چکے ہیں اور ان کی وجہ سے مقبرہ کی یہ جگہ کافی نمایاں نظر آتی ہے۔ قبر کا رُخ یہودی دستور کے مطابق شرقاً غرباً ہے۔ لیکن اسی احاطہ میں تین اور بھی قبریں موجود ہیں جو مسلمانوں کی طرز پر شمالاً جنوباً ہیں۔ ان میں سے ایک سنگ بی بی کی قبر ہے جو شیخ نور الدین رشی درویش کی مرید تھیں جو یوسامرگ کو جانے والے راستے کی بائیں جانب دفن ہیں۔ دوسری دو قبریں نقریز رشی اور نورو زرشی کی ہیں جو سنگ بی بی کے مرید تھے۔

کشمیر کے ادبی مجموعوں میں حضرت موسےٰ کی کشمیر میں موجودگی سے متعلق جگہ جگہ ذکر موجود ہیں۔ خواجہ محمد اعظم اپنی کتاب تاریخِ اعظمی میں لکھتے ہیں :-

"سنگ بی بی بھی ایک مشہور گوشہ نشین خاتون تھیں جو اپنے گیان دھیان اور عبادت گذاری میں مردوں سے سبقت لے گئی تھیں۔ ان کی قبر کے قریب ایک جگہ ہے جو حضرت موسےٰ کی قبر کے نام سے مشہور ہے جو خُدا کے ایک برگزیدہ نبی تھے۔ جو لوگ اس جگہ کے واقف ہیں ان کا یقین ہے کہ یہ بہت برکتوں والی جگہ ہے۔"

پنڈت ہرگوپال کی کتاب گلدستۂ کشمیر اس بارہ میں یوں رقمطراز ہے :-

"مسلمان اس جگہ (کشمیر) کو زمین پر جنّت کا نقشِ ثانی اور حضرت سلیمان کا باغ کہتے ہیں۔"

اس سرزمین پر بہت سے مقدس مقامات واقع ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان یہاں آئے۔ حضرت موسےٰ بھی یہاں آئے اور یہیں وفات پائی۔ اسی قسم کے حوالے وجیز التواریخ از خانیاری جلد اوّل صفحہ ۲۸ اور تاریخِ حسن از پیرزادہ غلام حسن جلد اوّل میں بھی موجود ہیں۔

اس کے علاوہ کئی یورپی سیّاحوں اور مصنّفین نے بھی ایسی روایات کا ذکر کیا ہے جن سے حضرت مسیح کے کشمیر سے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے زیادہ مشہور ٹریولز ان انڈیا صفحہ ۱۷۴ اور فرانسس برنیر اور ڈی لوسٹ ٹرائبز صفحہ ۱۳۷ از جارج مور ہیں۔

کشمیر میں وہ جگہیں جن کے نام حضرت موسےٰ کے نام پر ہیں

کشمیر میں موسےٰ اکثر مردوں کا نام ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی جگہوں کے نام ہیں جن میں نام موسےٰ شامل ہے۔

اوانتی پور میں ایک جگہ گندِ خلیل یا گندِ موسےٰ کے نام سے ہے۔ اسی طرح "سر اورل سٹائن شادی پور اور رام پور کے قریب ایک جگہ کہنائے موسےٰ کا ذکر آتا ہے (ملاحظہ ہو راجہ تارنگی جلد اوّل صفحہ ۷ اور دی اینشنٹ جیوگرفی آف کشمیر صفحہ ۱۶۶)۔ خواجہ نذیر احمد کی تحقیق کی رُو سے کشمیر میں کم از کم چالیس ایسی جگہیں ہیں جن کے نام مقامِ موسےٰ ہیں جس کا مطلب ہے کہ حضرت موسےٰ نے ان جگہوں پر قیام کیا یا آرام کیا۔ ایک تحصیل ہندوارہ میں اوس واتو کے قریب ہے جو آیت موسےٰ یعنی "خدا کا نشان" کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا بیگہ اور تیسرا باندی پور کے قریب ہے اور چوتھا دریائے جہلم اور سندھ کے سنگم پر شادی پور کے قریب ہے۔ یہ جگہ کہنائے موسےٰ کے نام سے بھی مشہور ہے جس کا ذکر سر اورل سٹائن نے بھی کیا ہے اور اس جگہ پر موسےٰ کی چٹان بھی محفوظ ہے۔ اس چٹان کو سنگِ موسےٰ سے خلط ملط نہ کیا جائے جس کا ذکر ہم آئندہ باب میں کریں گے۔

سنگِ موسےٰ

بیجابانو کے لوگ جو سرینگر سے تقریباً ستائیس میل کے فاصلہ پر ہیں۔ مدّت مدید سے معروف سنگ موسےٰ کے موروثی نگران چلے آ رہے ہیں جو کاکا پل کے نام سے مشہور ہے۔ اس پتھر کا وزن تقریباً ۱۰۸ پونڈ ہے۔ روایات کی رُو سے اگر گیارہ آدمی اپنی ایک ایک انگلی پتھر کے نچلے کنارہ کو لگائیں اور اکٹھے مل کر کاکا، کاکا، کاکا کہیں تو پتھر اوپر اُٹھ جاتا ہے۔ لیکن اگر اس تعداد سے کم یا زیادہ لوگ اپنی انگلیاں لگادیں تو ایسا نہ ہوگا۔ گیارہ کا عدد روایات کی رُو سے ان گیارہ قبیلوں کی نمائندگی کرتا ہے جن کو اسرائیل میں مخصوص زمین کے ٹکڑے دیئے گئے تھے اور جن کی کاشت اور وراثت کے حقوق اس قبیلہ کو حاصل تھے۔ [منسی (ور افرائم کے قبیلے جو حضرت یوسف کی نسل سے تھے ان کو تو ایسے حقوق حاصل تھے ماسوائے لاوی اور شمعون کے پس کل تیرہ قبیلے تھے ان میں سے گیارہ کو مخصوص علاقے حاصل تھے۔ لاوی کا قبیلہ جو کہ عیسائی علماء اور واعظوں پر مشتمل تھا اسکو قبیلوں کی گنتی میں شمار نہیں کیا جاتا]

فارسی زبان کی مشہور تاریخی کتاب روضۃ الصفاء حصہ اوّل جلد دوم میں سنگِ موسےٰ کی اصلیت سے متعلق تفصیل درج ہے۔

"کہا جاتا ہے کہ حضرت موسےٰ اپنے جسم کے دکھانے کے بارہ میں اتنے حیادار اور شرمیلے تھے کہ کسی نے اسے نہ دیکھا تھا۔ بنی اسرائیل میں ننگا ہونا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ دوسروں کے سامنے ننگا نہانے سے بالکل نہ شرماتے تھے لیکن حضرت موسےٰ اس طریق کو بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی قوم کے شرارت پسند لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ انہیں ایک بُری بیماری ہے یہ افواہ اتنی زیادہ پھیل گئی کہ خُدا کو حضرت موسےٰ کی بریّت ثابت کرنے کے لئے ایک پتھر کو حکم دینا پڑا کہ وہ ان کپڑوں کو جو حضرت موسےٰ اس پر رکھ کر نہانے چلے گئے تھے لے کر دُور چلا جائے۔ جب حضرت موسےٰ نے پتھر کو کپڑے سمیت چلتے ہُوئے دیکھا تو وہ ننگے پانی سے نکل کر پتھر کے پیچھے دوڑ پڑے۔ انہیں کپڑوں کی اتنی فکر ہوئی کہ یہ ہوش ہی نہ رہا کہ لوگ انہیں دیکھ رہے ہیں حتّیٰ کہ وہ ان کے پاس سے گذر گئے۔ جن لوگوں نے ان کو اپنے پاس سے گذرتے دیکھا انہیں تو ان کے جسم پر) ایسی کوئی بیماری نظر نہ آئی (جس کی افواہ گرم تھی) بلکہ ان کا جسم صاف شفاف اونچا لمبا اور جاذب نظر تھا۔ لوگ اس کے بعد افواہوں کے بارے میں محتاط ہو گئے اور انہیں یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ حضرت موسےٰ ایک پاک اور مطہر جسم اور رُوح کے مالک ہیں۔ اس واقعہ کے بعد خُدا نے حضرت موسےٰ کو حکم دیا کہ وہ اس پتھر کو محفوظ کر لیں جس کی ان کو بعد میں ضرورت پڑے گی۔ کہا جاتا ہے کہ اس پتھر کے چار رُخ ہیں۔ جب اس پر ڈنڈا مارا جاتا ہے تو اس سے پانی کے چار چشمے جاری ہو جاتے۔ پہلے پانی قطرہ قطرہ ہو کر نکلتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ پانی کا بہاؤ بڑھنے لگتا اور پھر اتنا زیادہ ہو جاتا کہ اس کے ذریعہ سے اسرائیل کے تمام قبائل کو پانی مہیّا ہو جاتا۔"

اس سے ذہن فوراً بائبل میں گنتی ۲۰: ۲-۱۳ کی طرف جاتا ہے جس کی آیات ۲-۶ میں اسرائیلی پانی نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں۔ اور پھر حضرت موسےٰ اور حضرت ہارونؑ خُدا کے سامنے اس سلسلہ میں درخواست کرتے ہیں۔ آیات ۷ تا ۱۳ میں اس کا ذکر یُوں درج ہے :-

"تب خُداوند کا جلال ان پر ظاہر ہوا۔ اور خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ اس لاٹھی کو لے اور تو اور تیرا بھائی ہارون تم دونوں جماعت کو اکٹھا کرو اور ان کی آنکھوں کے سامنے اس چٹان سے کہو کہ وہ اپنا پانی دے اور تو ان کے لئے چٹان سے ہی پانی نکالنا۔ یوں جماعت

کو اور ان کے چوپایوں کو پلانا۔ چنانچہ موسےٰ نے خداوند کے حضور سے اسی کے حکم کے مطابق وہ لاٹھی لی۔ اور موسےٰ اور ہارون نے جماعت کو اس چٹان کے سامنے اکٹھا کیا اور اس نے ان سے کہا سنو اے باغیو! کیا ہم تمہارے لئے اسی چٹان سے پانی نکالیں؟ تب موسےٰ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان پر دو بار لاٹھی ماری اور کثرت سے پانی نکلا اور جماعت نے اور چوپایوں نے پیا۔ پر موسےٰ اور ہارون سے خداوند نے کہا چونکہ تم نے میرا یقین نہیں کیا کہ بنی اسرائیل کے سامنے میری تقدیس کرتے اس لئے تم اس جماعت کو اس ملک میں جو میں نے ان کو دیا ہے نہیں پہنچانے پاؤ گے۔ مریبہ کا چشمہ یہی ہے کیونکہ بنی اسرائیل نے خداوند سے جھگڑا کیا اور وہ ان کے درمیان قدوس ثابت ہوا۔"

اس میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو روضۃ الصفاء میں مندرج تفصیلات سے ملتی جلتی ہیں۔

مذکورہ پتھر بیجابارہ کے مقام پر تیزی سے بہتے ہوئے پانی سے تقریباً ۱۵ گز کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق یہ وہی جگہ معلوم ہوتی ہے جہاں حضرت موسےٰ ٹھہرے تھے۔ پتھر کے قریب ہی ہندوؤں کی ایک مقدس جگہ ہے جس کے درمیانی کمرہ میں ایک نہایت قیمتی منتر محفوظ ہے۔ اس میں گیارہ لنگ ہیں (لنگ ہندو دیوتا شوجی کا ایک نشان ہے) جو انسانی تناسل کو گھیرے ہوئے ہیں۔ گیارہ لنگ ان گیارہ انگلیوں کے مترادف ہیں جن کو پتھر کے معجزانہ طور پر اوپر اٹھانے کے لئے ضرورت پیش آتی ہے اور اس میں کسی حد تک انسانی افزائش نسل کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔

آخر میں اس بات کا درج کرنا نہایت دلچسپ ہوگا کہ لداخ میں حضرت موسےٰ کو جس نام سے یاد کیا جاتا ہے، یا اس علاقہ کے کسان اپنے بزرگوں یا خدا رسیدہ لوگوں کو جس القاب سے خطاب کرتے ہیں وہ کاکا ہے اور یہی وہ الفاظ ہیں جن کو اکٹھے مل کر کہنے سے مذکورہ پتھر اٹھ جاتا ہے۔

عصائے موسےٰ جو عصائے عیسیٰ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

عیش مقام (جہاں حضرت مسیح نے آرام کیا) جس کا ذکر حضرت مسیح کے سفر کشمیر کے راستہ کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ اس جگہ گہرے بھورے رنگ کا ایک عصاء محفوظ ہے جو زیتون کی لکڑی سے بنا ہوا ہے۔ یہ عصاء آٹھ فٹ لمبا ہے اور مختلف جگہوں پر اس کی گولائی کا قطر ۱ ۱/۴ انچ سے لے کر ۱ ۳/۴ انچ تک ہے۔ یہ عصائے موسےٰ اور عصائے عیسیٰ دونوں ناموں سے مشہور ہے۔ اس کے محافظوں کا کہنا ہے کہ درحقیقت یہ حضرت موسےٰ کا ہی عصا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ وہ سنگ موسےٰ سے پانی نکالنے کا کام لیتے تھے جس کا ذکر ہم گذشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ اس عصاء کو بحفاظت تالے میں رکھا جاتا ہے۔ اور اسے صرف خشک سالی، طاعون اور اسی قسم کی دوسری بڑی قدرتی آفات کے موقع پر نکالا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خشک سالی کے دنوں میں اس کو نکالا جاتا ہے اور دوسری آفات کو رد کرنے میں بھی موثر ثابت ہوتا ہے۔ اس بناء پر اس عصاء کو بلاگیر۔ مصائب کو روکنے والا بھی کہا گیا ہے۔ کشمیری روایات کے مطابق یہ عصاء مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا حضرت زین العابدین ولی کے مزار واقع عیش مقام کے نگران کے قبضہ میں آیا ہے۔

دارالسلام میں (بقیہ اخبار احمدیہ)

درس قرآن کریم کے بارے میں اخبار میں پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ہو سکے تو ان ارشادات کو قلمبند کرنا دوسروں کے لئے بھی مفید ہوگا۔ درس قرآن سلسلہ احمدیہ کی خصوصیت تھی۔ جو آج ہم میں شاذ کے حکم میں ہے۔

(فخرالدین احمد)

امریکہ سے مکرم معظم جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب کا مکتوب گرامی

امرائے جماعت کی توجہ کے قابل

(CONTIBUTED)

اوکلینڈ کیلیفورنیا کی جماعت کے چند ممبران کو اپنے مرکز کے لئے عمارت خریدنے کا سوال پیدا ہوا۔ اتفاقاً ایک عمارت جس میں سٹی کی لائبریری تھی۔ کے فروخت کا اعلان شائع ہوا۔ اس اشتہار پر جماعت کے ایک مخلص نوجوان کی نظر پڑ گئی اور وہ اس کے خریدنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ نوجوان جن کا اسم گرامی جعفر حسین ہے۔ جزائر فیجی سے ہجرت کر کے امریکہ کے باشندے ہو گئے ہیں اور ان کا فرنیچر کا ایک سٹور برکلے میں ہے۔

اس عمارت کی نیلامی ہوئی اور جعفر حسین دس ہزار ڈالر اپنے بینک سے نکال کر نیلام گاہ پر پہنچ گئے۔ اس بلڈنگ کے کئی ایک خریدار تھے۔ لیکن آخر جعفر صاحب سب پر بازی لے گئے اور نیلامی اکتیس ہزار ڈالر ۳۱,۰۰۰ پر ختم ہوئی۔

جماعت کے ایک اور جوشیلے نوجوان مسٹر انوار حسین خان نے اپنے مکان پر بینک سے قرضہ لے کر دس ہزار ڈالر کی رقم حوالے کی۔ باقی رقم انجمن کے خزانے میں تھی۔ اس طرح یہ عمارت انجمن کو بغیر سودی قرضہ اٹھانے کے مل گئی۔ الحمد للہ

ان دونوں نوجوانوں نے واقعی ایک ایک لاکھ روپیہ قرضہ حسنہ دیکر مالی قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس کا اجر مولا کریم کے ہاتھ میں ہے۔ کاروباری آدمی کو ہر وقت خرید و فروخت کا خیال رہتا ہے۔ حال ہی میں مسٹر جعفر حسین کی نظر روزانہ اخبار کے کالم اشتہارات پر پڑی۔ ایک بلڈنگ جو اوکلینڈ کے اچھے علاقہ میں ہے اور اس میں ۲۰ روم ہیں۔ 78000 (اٹھتر ہزار) ڈالر پر فروخت ہو رہی تھی۔ جعفر حسین صاحب نے اشتہارات پڑھتے ہی فوراً اپنی OFFER دے دی اور ایک ہی دن میں بلڈنگ کے سودا کا فیصلہ ان کے حق میں ہو گیا۔ اس بلڈنگ میں کرایہ دار رہتے ہیں اور ماہوار کرایہ کی توقع دو ہزار ڈالر ہے۔

ایک اور شخص اس بلڈنگ کو خریدنے کے خیال میں تھا لیکن وہ وقت پر OFFER نہ دے سکا۔ دو دن کے بعد جب وہ خریدنے پر آمادہ ہوا تو اسے ایجنٹ سے معلوم ہوا کہ بلڈنگ 78000 ڈالر میں فروخت ہو گئی ہے۔ وہ مسٹر جعفر حسین صاحب کے پاس پہنچا اور دریافت کیا کہ کیا وہ اس عمارت کو ۱۰۰,۰۰۰ ڈالر پر فروخت کر سکتے ہیں۔ جعفر حسین صاحب نے ۱۸۰,۰۰۰ ڈالر کا مطالبہ کیا وہ مایوس چلا گیا۔ دو دن کے بعد پھر آیا اور ۱۵۰,۰۰۰ ڈیڑھ لاکھ ڈالر کی OFFER کی۔ جعفر حسین صاحب اپنے مطالبہ پر قائم رہے۔

جعفر حسین صاحب مکان کے اس سودے اور دو دن کے بعد فروخت کرنے اور دگنا منافع ملنے کے کوائف بتانے کے لئے خاکسار کے ہاں پہنچے اور بتایا کہ یہ اس قربانی کی برکت کا نتیجہ ہے جو میں نے مرکز کے مکان کی خرید کے لئے کی تھی۔

(بقیہ مقالہ از صفحہ ۲)

کے بجائے بچھڑے کی پرستش سکھائی۔ انہیں بت پرستی میں مبتلا کرنا چاہا۔ اس کے مقابلے میں حضرت موسےٰ علیہ السلام ان کا تعلق خدا سے قائم کرنا چاہتے تھے۔ سامری کے مقابلے میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کامیاب ہوئے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے عیسائی اور ہندو کے طلسم کو توڑ کر مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف بلایا۔ یہ خالصتہً مذہبی معاملہ تھا نہ کہ سیاسی اور معاشی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہی تمام نعمتوں اور برکتوں کا ذریعہ ہے۔

مسلمانوں کو سیاسی اقتدار اس وقت تک حاصل رہا جب تک ان کا رشتہ خدا سے جڑا رہا۔ جب یہ تعلق ختم ہوا تو حکومتیں اور اقتدار سب کچھ ختم ہو گیا۔ اب بھی یہ سمجھ لینا کہ اب جو مسلمانوں کو سیاسی اقتدار حاصل ہو رہا ہے ہمیشہ قائم رہے گا درست نہیں۔ اصل چیز خدا کی فرمانبرداری ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

احمدیت ہی اسلام کی صحیح تصویر ہے

ایڈیٹر پیغام صلح مکرم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کی جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۷۸ء میں کی گئی یہ تقریر بعض دوستوں کے اصرار پر لکھوائی اور شائع کی جا رہی ہے۔ (نائب مدیر)

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" کی تلاوت کے بعد فرمایا :—

میں اس نشست میں آپ کے سامنے جو گذارشات پیش کروں گا مختصر الفاظ میں ان کا موضوع "احمدیت اسلام کی صحیح تصویر ہے" آپ کے سامنے ہے۔ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی اس کا پس منظر آپ سے پوشیدہ نہیں۔ یاد دہانی کے طور پر تمہیداً کچھ عرض کر دیتا ہوں۔

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں جو تمام سیاسی جماعتوں نے اتفاق رائے سے پاس کیا ایک ترمیم کے ذریعے جماعت احمدیہ کو باوجود لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد عبدہ ورسولہٗ دن میں پانچ بار ہر اذان کے بعد پڑھنے کے انسانوں کے منتخب نمائندوں نے خدا کے خوف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے بے نیاز ہو کر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اور ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی اور بدھ وغیرہ غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں شامل کر دیا۔ اس سے پہلے ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو جس طوفان کی ابتداء ہوئی میں اس کے روح فرسا اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات کا ذکر کر کے اپنی گفتگو کو طویل کرنا نہیں چاہتا۔ وہ بارہا آپ سن اور پڑھ چکے ہیں۔

ہمیں کس جرم میں یہ سزا دی گئی؟ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور بار بار ابتلاؤں اور آزمائشوں سے گذرنے کے بعد قدرتی طور پر ایسے سوال کا پیدا ہونا لازمی ہے کہ کیا ہم نے اسلام کے مقابلے میں احمدیت کے نام سے کوئی نیا مذہب کھڑا کیا ہے؟ اور کیا ہمارے اس خود تراشیدہ مذہب کے اصول اسلام کے اصولوں سے متصادم اور بالکل جدا ہیں یعنی کیا ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں رکھتے اور آنحضرت صلعم کو غیر مشروط طور پر خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے۔ قرآن کو خاتم الکتب اور دین اسلام کو آخری اور کامل دین نہیں سمجھتے؟ اور کیا ہم نے دین اسلام کے اُن پانچ ستونوں کو گرا کر جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے کوئی نئے ستون کھڑے کر کے ان پر اپنے ذہن کی اختراع کردہ عمارت تعمیر کی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہم گنہگار ہیں، گردن زدنی ہیں، اس جرم کے لئے غیر مسلم قرار دینا تو بڑی کم اور نرم سزا ہے اگر ہمیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے تو یہ پاک سرزمین ہم جیسے ظالم مجرموں سے ہمیشہ کے لئے صاف ہو جائے گی۔

ہمیں اس کے لئے کڑی سے کڑی سزا بھی قبول ہوگی لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ احمدیت نہ کوئی نیا دین ہے اور نہ بانیٔ سلسلہ حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کے ذہن کی یہ کوئی نئی اختراع ہے بلکہ یہ اس اسلام کی جو آج سے چودہ سو سال قبل عرب میں نافذ ہوا صحیح سچی اور بے داغ تصویر ہے تو پھر ایک ناکردہ گناہ کے الزام میں ہماری پیشانیوں پر یہ جو سیاہ داغ لگایا گیا ہے ہم اس کی شکایت انسانوں سے نہیں کریں گے اور نہ ان سے انصاف طلب کریں گے بلکہ اس کو مٹانے اور اس کی سیاہی دھونے کے لئے اپنی چشم تر سے کام لیں گے اور احکم الحاکمین کی عدالت میں فریاد کریں گے کیونکہ وہ علیم و خبیر بھی ہے اور سمیع و بصیر بھی۔ اُسے کوئی انسان دھوکا نہیں دے سکتا اور اس کے فیصلے کے خلاف کوئی اپیل اور وکیل بھی کام نہیں آ سکتی۔

آیئے اب دیکھیں کہ قرآن اور حدیث کے رُو سے اسلام کیا ہے اور احمدیت نے کیسا اسلام پیش کیا ہے۔

۱- قرآن کریم میں اسلام کی تعریف

جو اسلام قرآن کریم نے پیش کیا ہے اس کی تعریف کے لئے میں آپ کی توجہ قرآن کریم کی ان آیات کی طرف مبذول کراتا ہوں :—

۱- پہلی آیت ہے :—

" بلٰی ق من اسلم وجھہٗ للّٰہ وھو محسنٌ فلہٗ اجرہٗ عند ربہٖ ص ولاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون۔
ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اور پورے طور پر اپنے آپ کو اسے سونپ دیا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے ربّ کے پاس ہے اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

(البقرہ - ۱۱۲)

یہاں "بلٰی" کا لفظ پہلے اس لئے آیا ہے کہ اس سے قبل کی آیت نمبر ۱۱۱ میں یہود اور نصاریٰ کے اس دعوے کا ذکر ہے کہ کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا ماسوائے ان کے جو یہودی ہوں یا عیسائی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان کا یہ دعویٰ بے حقیقت اور بے بنیاد ہے اور یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں جن کی ان کے پاس کوئی سند اور دلیل نہیں۔ اس کے برعکس جنت کی زندگی ان کو ملتی ہے جو اپنے آپ کو کامل طور پر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ (البقرہ - ۱۱۲)

۲- دوسری آیت ہے :—

" ومن احسن دینًا ممّن اسلم وجھہٗ للّٰہ وھو محسنٌ وّاتبع ملّۃ ابراھیم حنیفًا ط واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلًا ۔
اور دین میں اس سے اچھا کون ہے جس نے اپنی ساری توجہ کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور وہ احسان کرنے والا ہے اور راست رَو ہو کر ابراہیم کے مذہب کی پیروی کرتا ہے اور اللہ نے ابراہیم کو پیارا بنایا۔"

(النساء - ۱۲۵)

اس آیت میں لفظ دین استعمال ہوا ہے۔ اور دین سے مراد دین اسلام ہے کیونکہ قرآن کریم میں آلعمران ۱۹ میں آیا ہے "ان الدین عند اللّٰہ الاسلام"۔ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور دوسرے مقام پر المائدہ ۳ میں ہے "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا"۔ یعنی تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا۔ یعنی اب رُوئے زمین پر میری طرف سے پسندیدہ دین صرف اسلام ہے یعنی وہ دین جس میں انسان کامل طور پر اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری اختیار کر کے اپنا سب کچھ اُسے سونپ دیتا ہے اور "اُدخلوا فی السّلم کافۃً" کا نمونہ دکھاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس کی زبان پر یہ ورد جاری ہوتا ہے "انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العٰلمین"
میرا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، بات کرنا یا خاموش رہنا۔ میری عبادت اور میری قربانی۔ میرا جینا اور مرنا۔ سب اللہ کے لئے ہے جو ربّ العٰلمین ہے۔ یعنی ؎

من تو شدم تو من شدی ۔ من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں ۔ من دیگرم تو دیگری

ایسے انسان خود امن اور سلامتی میں داخل ہو کر دوسروں کے لئے امن اور سلامتی کے پیغامبر بن جاتے ہیں۔

۲- حدیث میں اسلام کی تعریف

اب میں آپ کو آنحضرت صلعم کی ایک حدیث کی طرف لاتا ہوں جس میں اسلام کی تعریف کی گئی ہے :—

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر لوگوں میں تشریف فرما تھے تو ایک آدمی آیا اور پوچھا ایمان کیا ہے۔ آپؐ نے

فرمایا:- ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے لقاء اور رسولوں پر ایمان لائے اور موت کے بعد جی اُٹھنے پر ایمان لائے۔

دوسرا سوال اس نے یہ کیا:- قال ما الاسلامُ قال الاسلامُ ان تعبدُ اللہ ولا تشرك بہٖ وتقیم الصلوٰۃ وتؤدّی الزکوٰۃ المفروضۃ وتصوم رمضان۔ قال ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانّك تراہ فان لم تکن تراہ فانّہ یراك"

کہ اسلام کیا ہے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرے۔ اور نماز کو قائم کرے اور مقررہ زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے۔ کہا احسان کیا ہے؟ فرمایا کہ تو اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے۔ لیکن اگر تجھے ابھی تک یہ مقام حاصل نہیں ہوا تو یہ ضرور خیال کرے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔"

قرآن کریم کی محولۂ بالا آیات میں "محسنٌ" کا لفظ آیا ہے۔ "محسن" احسان سے ہے اور احسان کی تشریح آنحضرت صلعم نے خود ہی اس حدیث میں فرما دی ہے۔ کہ خدا کی عبادت یا فرمانبرداری میں تجھے وہ رتبہ اور مقام حاصل ہو جائے کہ تیری نگاہیں اس کے جلوے سے آشنا ہو جائیں۔ لیکن اگر ابھی تو اس مقام پر نہیں پہنچا اور نفس کی گرد نے تیری آنکھوں کو محجوب کر رکھا ہے تو پھر اپنے دل میں یہ ضرور خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

۳۔ حضرت مرزا صاحب کا پیش کردہ اسلام یا احمدیت۔

میں قرآن کریم اور حدیث کے پیش کردہ اسلام کا ذکر آپ کے سامنے کر چکا ہوں۔ اب میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی پیش کردہ احمدیت کی تصویر آپ کو دکھانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ میں آپ سے اور خاص طور پر اپنے اُن دوستوں سے جو بعض غلط فہمیوں کی بنا پر ہم سے اختلاف رکھتے ہیں گذارش کروں گا کہ وہ ان باتوں کو نہایت غور سے سُنیں اور ان کی روشنی میں خود اس نتیجہ پر پہنچنے کی تکلیف گوارا فرمائیں کہ آیا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم اور مسیح موعود کی طرف سے پیش کی گئی احمدیت قرآن و حدیث کے خلاف کوئی نیا دین یا مذہب ہے جو اسلام سے متصادم ہے یا یہ وہی صاف ستھرا اور مصفّٰی نظریہ یا اس اسلام کی خوبصورت اور بے داغ تصویر ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل پیش کیا گیا اور جو قرآن و حدیث کی تعریف پر پوری اترتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی تحریر پیش کرنے سے قبل میں "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً" میں جو لفظ "خلیل" آیا ہے اس کے متعلق مختصراً عرض کئے دیتا ہوں کہ "خلیل" "خلّۃ" سے ہے جس کے معنی محبت کے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یونہی اپنا خلیل بنایا یا اپنی محبت سے نوازا؟ ہرگز نہیں۔ قرآن کریم اس کی گواہی دیتا ہے کہ آپ نے اس کی رضا کی خاطر آگ میں پڑنا۔ وطن کو ترک کرنا۔ اپنی بیوی اور بچے کو ایک بے آب و گیاہ صحرا میں تنہا خدا کے سہارے پر چھوڑنا اور انتہا یہ ہے کہ اس کے حکم پر اپنے پیارے بیٹے اسمٰعیل کی گردن پر جو آپ کو بڑھاپے میں عطا ہوا اور جو شباب کی ابتدائی منزلوں میں داخل ہونے والا تھا چھری پھیرنا قبول کر لیا۔ اور اس کا عملی نمونہ دکھایا کہ جب آپ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَسْلِمْ۔ قال اسلمت لرب العٰلمین" فرمانبردار رہ تو فوراً جواب آیا میں جہانوں کے ربّ کا فرمانبردار ہوں۔ ان کی انہی اداؤں کی وجہ سے النجم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- "وابراھیم الذی وفّٰی۔ اور ابراہیم جس نے اللہ تعالیٰ سے اپنی وفا کو کمال تک پہنچایا۔" اس مقام تک پہنچنے کا راستہ آگ و خون سے ہو کر گذرتا ہے۔ جھوٹے دعووں اور آرزوؤں کے گھنے جنگلوں سے نہیں۔ یہ کمال تبھی حاصل ہوتا ہے جب عشق آتشِ نمرود میں بے خوف و خطر کود پڑتا ہے اور عقل برلبِ بام محوِ تماشا ہوتی ہے۔ یہی "اسلمت لرب العٰلمین" کا سرّ اور نکتۂ عروج ہے۔

اب میں آپ کے سامنے حضرت مرزا صاحب کے پیش کردہ اسلام احمدیت کا ذکر کرتا ہوں:-

نور القرآن حصہ دوم کے نئے ایڈیشن کے صفحہ ۴۰ پر "بلیٰ من اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسنٌ فلہ اجرہ عند ربہ ولاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"یعنی وہ لوگ نجات یافتہ ہیں جو خدا کو اپنا وجود حوالہ کر دیں اور اس کی نعمتوں کے تصور سے اس طور سے اس کی عبادت کریں کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں۔ سو ایسے لوگ خدا کے پاس سے اجر پاتے ہیں اور نہ ان کو کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم کرتے ہیں یعنی ان کا مدعا خدا اور خدا کی محبت ہو جاتی ہے اور خدا کے پاس کی نعمتیں ان کا اجر ہوتا ہے۔"

اس کے علاوہ بہت سی اور آیات کی تفسیر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"ان تمام آیات سے کس قدر صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف نے اعلیٰ طبقہ عبادت الٰہی کا اور اعمال صالحہ کا یہی رکھا ہے کہ محبت الٰہی اور رضا الٰہی کی طلب سچے دل سے ظہور میں آوے .... خدا تعالیٰ نے تو اس دین کا نام اسلام اس غرض سے رکھا ہے کہ تا انسان خدا تعالیٰ کی عبادت نفسانی غرض سے نہیں بلکہ طبعی جوش سے کرے کیونکہ اسلام تمام اغراض کے چھوڑ دینے کے بعد رضا بقضا کا نام ہے۔ دنیا میں بجز اسلام ایسا کوئی مذہب نہیں جس کے یہ مقاصد ہوں۔ بے شک خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت جتلانے کے لئے مومنوں کو انواع و اقسام کی نعمتوں کے وعدے دیئے ہیں۔ مگر مومنوں کو جو اعلیٰ مقام کے خواہش مند ہیں یہی تعلیم دی ہے کہ وہ محبت ذاتی سے خدا تعالیٰ کی عبادت کریں۔"

حضرت صاحب کی نظر میں محبت کیا ہے؟ اس کے متعلق آپ اسی کتاب کے صفحہ ۳۴ پر فرماتے ہیں:-

"اب جاننا چاہیئے کہ محبت کوئی تصنع اور تکلف کا کام نہیں بلکہ انسانی قویٰ میں سے یہ بھی ایک قوت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اس کی طرف کھینچے جانا اور جیسے کہ ہر ایک چیز کی اصل خواص اس کے کمال کے وقت بدیہی طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ یہی محبت کا حال ہے کہ اس کے جوہر بھی اس وقت کھلے کھلے ظاہر ہوتے ہیں کہ جب اتم اور اکمل درجہ پر پہنچ جائے .... درحقیقت جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے تو گویا اسے پی لیتا ہے یا کھا لیتا ہے (اور اس سے بھر جاتا ہے) اور اس کے اخلاق اور چال چلن کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے اور جس قدر زیادہ محبت ہوتی ہے اسی قدر انسان بالطبع اپنے محبوب کی صفات کی طرف کھینچا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی کا روپ ہو جاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ یہی بھید ہے کہ جو شخص خدا سے سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اپنے محبوب کے گریبان سے ظاہر ہوتا ہے اور ایسی تصویر اس کی اپنے کھینچتا ہے کہ گویا اسے پی جاتا ہے اور کھا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہو کر اور اس کے رنگ میں رنگین ہو کر اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اس کی محبت میں کھویا گیا ہے۔" (نور القرآن ۹۲-۱۸۹۵ء)

اس محبت کا سرچشمہ اور منبع کونسا ہے اس کے متعلق حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۲ پر فرماتے ہیں:-

"میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفتِ کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور لازوال لذت کا طالب ہو جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے ایک مصفّٰی اور کامل محبت الٰہی بباعث اس

قلبِ سلیم کے حامل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے خود فرمایا ہے۔ "قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تم خُدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خُدا بھی تم سے محبّت کرے۔"

اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اپنے تجربے سے بیان کرتے ہُوئے فرماتے ہیں:—

"اب اس تمام بیان سے ہماری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا کسی کے ساتھ پیار کرنا اس بات سے مشروط کیا ہے کہ ایسا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔ چنانچہ میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّے دل سے پیروی کرنا اور آپ سے محبّت رکھنا انجام کار انسان کو خُدا کا پیارا بنا دیتا ہے اس طرح پر کہ خود اس کے دل میں محبّت الہٰی کی ایک سوزش پیدا کر دیتا ہے۔ تب ایسا شخص ہر ایک چیز سے دل برداشتہ ہو کر خُدا کی طرف جھک جاتا ہے اور اس کا اُنس و شوق صرف خُدا تعالےٰ سے باقی رہ جاتا ہے۔ تب محبّت الہٰی کی ایک خاص تجلّی اس پر پڑتی ہے اور اس کو ایک پورا رنگ دے کر قوی جذبہ کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے تب جذبات نفسانیہ پر وہ غالب آ جاتا ہے اور اس کی تائید اور نصرت میں ہر ایک پہلو سے خدا تعالےٰ کے خارق عادت افعال نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

"بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں کہ .... فطرتاً بغیر ذریعہ کسب اور سعی اور مجاہدہ کے وہ خدا سے محبّت کرتے ہیں اور اس کے رسُول یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایسا ان کو رُوحانی تعلق ہو جاتا ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور پھر جیسا جیسا ان پر زمانہ گذرتا ہے وہ اندرونی آگ عشق اور محبّت الہٰی کی بڑھتی جاتی ہے اور ساتھ ہی محبّت رسُول کی آگ ترقی پکڑتی ہے اور ان تمام امور میں خُدا ان کا متولی اور متکفل ہوتا ہے اور جب وہ محبّت اور عشق کی آگ انتہا تک پہنچ جاتی ہے تب وہ نہایت بے قراری اور درد مندی سے چاہتے ہیں کہ خُدا کا جلال زمین پر ظاہر ہو اور اسی میں ان کی لذّت اور یہی ان کا آخری مقصد ہوتا ہے .... یہ بات انہی سے مخصوص ہے کہ حضرت الوہیت کے خاص اسرار ان پر ظاہر ہوتے ہیں اور غیب کی باتیں کمال صفائی سے ان پر منکشف کی جاتی ہیں اور یہ خاص عزّت دوسرے کو نہیں دی جاتی۔"

مَیں نے مختصراً آپ کے سامنے حضرت صاحب کی چند ایک تحریرات پیش کی ہیں ایک صاحب انصاف ان سے یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان میں محبّت اور عشقِ الہٰی کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی کامل طور پر پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور یہی درحقیقت اسلام کی رُوح۔ اس کا مغز اور اصل ہے۔ کوئی ہمیں یہ بتائے کہ حضرت صاحب نے وہ کونسی بات پیش کی ہے جو خلافِ اسلام ہے اور اسلام کے مقابلے میں ایک نیا مذہب پیش کیا ہے جس میں نہ خدا کا ذکر ہے اور نہ رسول صلعم کا اور نہ ان کی پیروی کا۔

اب آنحضرت صلعم خود دُنیا میں تشریف نہیں رکھتے۔ آپؐ کا ذاتی نمونہ، آپؐ کی ایک زندہ شخصیت کی صُورت میں ہمارے سامنے نہیں تو آپؐ کی کیسے پیروی کر کے محبّت اور عشقِ الہٰی کا مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ آخری وحی قرآن کریم کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہمیں احادیث میں مل سکتا ہے۔

بعض احباب بلکہ اکثر احباب کے دِل میں یہ شک و شبہ پیدا ہو سکتا ہے اور ہوا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کے سامنے کوئی ایسی تعلیم نہ رکھی ہو جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔ اس لئے اب میں آپ کے سامنے آپ کی تعلیم پیش کرتا ہوں جس پر عمل کرنے کی آپ نے اپنی جماعت کو تاکید کی ہے اور اپنے مخاطبین سے یہ گذارش کرتا ہُوا کہ وہ اس میں کوئی ایک بات ایسی بتا دیں جو قرآن و سنت کے خلاف کہی گئی ہے اور جو ایک نئے مذہب کی نشاندہی کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:—

"سو اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوےٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خُدا تعالےٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پُورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوےٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقوےٰ ہے۔ جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہ ہو گی وہ عمل بھی ضائع نہ ہو گا۔" (کشتی نُوح صفحہ ۳۱ سنہ ۱۹۰۲ء)

"تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔ عقیدہ کے رُو سے جو خُدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں۔" (صفحہ ۲۳)

اب آپ ان باتوں کو جو ان سطور میں بیان ہوئی ہیں آنحضرت صلعم کی اس حدیث کے معیار پر جو مَیں اُوپر بیان کر چکا ہُوں پرکھیں اور بتائیں کہ کیا یہ اسلام کی وہی تعریف نہیں جو آنحضرت صلعم نے فرمائی ہے؟

اَب میں آپ کو اس سے بھی زیادہ واضح باتوں کی طرف لے آتا ہوں جو قرآن کریم میں اوامر اور نواہی کے طور پر بیان ہوئی ہیں اور حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ فرماتے ہیں:—

"ان سب باتوں کے بعد پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اُسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ دیکھو میں یہ کہہ کر فرضِ تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دُعا کرو تا تمہیں طاقت ملے۔ (۱) جو شخص دُعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۲) جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۳) جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۴) جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۵) جو شخص پُورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے، قمار بازی سے، بدنظری سے اور خیانت سے، رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرّف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۶) جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۷) جو شخص دُعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خُدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۸) جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے (۹) جو شخص اپنے ماں باپ کی عزّت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلافِ قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۱۰) جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۱۱) جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنےٰ ادنےٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۱۲) جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۱۳) ہر ایک مرد

جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری
اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے
وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ (۱۶) ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی
خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن مرتشی۔ غاصب ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز۔
اور ان کا ہمنشیں اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا
جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا
وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں۔ تم ان
زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے ...... کون خدا پر ایمان
لایا صرف وہی جو ایسے ہیں۔"

اور احمدیت نے کیسے خدا کا تصور پیش کیا ہے وہ بھی سن لیجئے :۔

"اے سعید انسان .... تیرا خدا وہ ہے جس نے بے شمار
ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا اور جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے
پیدا کیا تو اس پر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز آ جائے گا ....
...... ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں ...... کیا بدبخت
وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر چیز
پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلٰے لذات
ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی
اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے
ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کو کھونے سے
حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب
کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں۔ اور
کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں کس دف سے میں
بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا
سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔" (ص۴۵)

قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنے کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"سو تم ہوشیار ہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف
ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے
سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات
کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات
کی راہیں قرآن نے کھولیں ...... سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور
اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو ....
تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی
دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق
یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے
اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا
نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی
.... قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے۔ اگر صوری و
معنوی اعراض نہ ہوں۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم
خود اس سے نہ بھاگو"

جن پر یہ نور ہدایت نازل ہوا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور
تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے
صلے اللہ علیہ وسلم اور سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو ...
اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ
نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے
خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت
تک جاری رکھا　　اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس
مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا۔"

پھر فرماتے ہیں :۔

"اور کسی دوسرے نبی کے متبع کو یہ آج فخر نہیں ہے کہ وہ اس طرح پر
دعوت کر کے ظاہر کر دے کہ وہ بھی اپنے اندر اپنے نبی متبوع کی قدسی
قوت کی وجہ سے خوارق عادت دکھا سکتا ہے۔ یہ فخر صرف اسلام
کو ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ رسول ابدالآباد کے لئے صرف
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں جن کے نفوس طیبہ اور قوت
قدسیہ کے طفیل سے ہر زمانہ میں ایک مرد خدا خدا نمائی کا ثبوت
دیتا رہتا ہے۔" (منقول از الحکم مارچ ۱۹۰۱ء)

ابھی تک میں نے آپ کے سامنے اسلام کے متعلق قرآن حدیث اور حضرت مرزا
صاحب کی کتب کے حوالوں سے مختصراً پیش کیا ہے شاید آپ کے دل میں یہ خیال
پیدا ہو کہ میری تقریر کے عنوان میں "لفظ احمدیت" ہے اس کے متعلق کچھ عرض نہیں
کیا۔ آئیے میں اس لفظ کی تشریح بھی حضرت صاحب کے حوالے سے ہی پیش کر دوں
اور محمد۔ احمد اور احمدیت کے آپس میں رشتہ اور تعلق کی وضاحت کر دوں۔

"حمد" کے متعلق آپ نے فرمایا ہے :۔

"اس کی عظمت سمجھنے کے لئے تجھے یہ کافی ہے کہ خدا نے قرآن شریف کی تعلیم کو "حمد" سے
ہی شروع کیا ہے تا لوگوں کو "حمد" کے مقام کی بلندی سمجھا دے جو کسی دل میں سے بجز گداز تام
اور محویت کے جوش نہیں مار سکتی اور اسی وقت متحقق ہوتی ہے جبکہ مار نفس امارہ کچلا
جائے اور نفسانی چولہ اتار لیا جائے اور یہ حمد کسی زبان سے جاری نہیں ہو سکتی بجز
اس کے کہ پہلے دل میں محبت کی آگ بھڑکے بلکہ یہ وجود پذیر ہی نہیں ہو سکتی جب
تک کہ غیر کا نام و نشان بکلی زائل نہ ہو جائے اور پیدا نہیں ہو سکتی جب تک
کہ ایک شخص آتش محبت معبود حقیقی میں جل نہ جائے۔ اور جو شخص اپنے تئیں اس
آگ میں ڈال دے پس وہی اپنے دردمند دل اور اس سر سے جو خدا میں محو ہے
خدا کی تعریف کریگا اور وہ وہی شخص ہے جس کو آسمان میں احمد کے نام سے موسوم
کیا جاتا ہے۔"

اس لئے حمد آتش محبت معبود حقیقی میں جل جانے کا نام ہے اور جو اس آگ میں جل جاتا ہے وہی احمد
ہو جاتا ہے اس لئے احمدیت وہ صفت ہے جو احمد کی کامل پیروی سے کسی انسان میں پیدا ہوتی ہے۔

"اس لئے احمدیت اور محمدیت ایک ایسا امر جامع ہے ...... کہ کسی نفس میں کامل طور پر توحید
پیدا نہیں ہوتی جبتک یہ دونوں پہلو اس میں متحقق نہ ہوں اور کوئی نفس مطمئن نہیں ہو سکتا
اور کسی دل پر سکینت نازل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس دریا میں تیرنے والا نہ ہو اور کوئی
شخص نفس امارہ کی مکاریوں سے نجات نہیں پا سکتا جب تک کہ یہ مرتبہ حاصل نہ ہو ....
پس ہم جو اسلام کا گروہ ہیں ہمیں خوشخبری ہو کہ ہمیں احمدیت اور محمدیت کی صفت والا نبی
ملا اور اس کا نام خدا تعالیٰ کی طرف سے احمد اور محمد ہوا ..... تا کہ امت ان صفتوں
میں رغبت کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ناموں کی پیروی کرے اور پیروی
کیلئے قرآن شریف میں بلایا گیا ہے جبکہ رسول کی زبان سے کہا گیا ہے کہ آؤ میری پیروی کرو
تا خدا تم سے پیار کرے۔"

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کا نام آنحضرت صلعم کے اسم گرامی "احمد" پر رکھا۔ بھائیو اور
بہنوں۔ عزیزو اور دوستو یہ ہے احمدیت جس کا ذکر میں نے آپکے سامنے مختصراً کیا ہے۔ آپ خود ہی انصاف کریں کہ کیا یہ اسلام کی صحیح تصویر نہیں ہے؟

روئیداد اجلاس

مقامی جماعتِ احمدیہ، وزیر آباد

باہمی رابطہ اور تنظیم کا اجلاس ۳۰ر مارچ بروز جمعۃ المبارک وزیر آباد میں منعقد ہوا۔ اس میں مقامی جماعت کے احباب و خواتین اور شبان الاحمدیہ کے علاوہ نواح وزیر آباد۔ نظام آباد۔ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے احباب خواتین نے بھی شرکت کی۔ مرکز سے الحاج ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تشریف آوری متوقع تھی۔ لیکن آپ ناسازیٔ طبع کے باعث تشریف نہ لے جاسکے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالےٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ آمین۔

لاہور مرکز سے مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور محترم بشارت احمد بقا صاحب بذریعہ کار تشریف لے گئے۔ گوجرانوالہ سے مکرم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

وزیر آباد کی جماعت بڑی مخلص و ایثار پیشہ احباب پر مشتمل ہے۔ اس جماعت کے بانی بزرگوں میں صحابی مسیح موعودؑ حضرت شیخ نیاز احمد مرحوم و مغفور کی شخصیت سر فہرست تھی۔ ان کی مساعیٔ جمیلہ اور عمل با صفا کے تحت یہاں ایک فعال جماعت بن گئی تھی، جس نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ اب یہاں حضرت شیخ نیاز احمد مرحوم و مغفور کی مخلص و دیندار اولاد جماعتی تحریکات میں پیش پیش ہے۔

وزیر آباد کی مسجد ۱۹۳۲ء میں حضرت شیخ صاحب مرحوم و مغفور نے جیب خاص سے خطیر رقم صرف کر کے تعمیر کی تھی۔ مقامی جماعت کے موجودہ سرکردہ احباب میں شیخ عزیز احمد، شیخ منظور احمد، شیخ غلام احمد، شیخ ممتاز احمد، شیخ آفتاب احمد، شیخ محمد عبداللہ، پرویز احمد، فرحت محمود، شیخ عزیز الرحمٰن صاحبان کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ شبان الاحمدیہ کے اراکین میں عامر ممتاز، عاصم ممتاز، اظہر ممتاز، متوکل، قیصر گل منصور احمد، ذوالفقار احمد، فرحت سلمان اور عزیزی سکندر شامل ہیں، یہ نوجوان بڑی دلچسپی سے جماعتی کاموں میں حصّہ لیتے ہیں۔

حضرت شیخ نیاز احمد مرحوم مغفور کی کوٹھی میں احباب کا استقبال کیا گیا۔ ان کی تواضع مشروبات سے کی گئی۔ احباب و خواتین کی آمد دس بجے صبح شروع ہو گئی تھی۔ مقامی جماعت کے ذمہ دار احباب نے مرکزی انجمن کے نمائندگان سے مقامی جماعت کی تنظیم و تربیت کے مختلف امور کے علاوہ مسجد احمدیہ وزیر آباد کے معاملات بھی زیرِ غور آئے اور ان کے متعلق مرکزی انجمن کو یادداشت پیش کی گئی جو نمائندگان مرکزی انجمن نے یقین دلایا کہ یہ معاملہ ضروری سفارش کے ساتھ انجمن کو پیش کر دیا جائے گا۔ یہ مجلس تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔

بعد ازاں مقامی جماعت کی طرف سے پُر تکلف عصرانہ دیا گیا جس میں بیشتر احباب نے شرکت کی۔ بعد ازاں احباب و خواتین نے جامع احمدیہ میں نماز جمعہ ادا کی۔ خطبہ جمعہ محترم بشارت احمد بقا نے دیا جس میں انہوں نے قرآنی آیات کریمہ یا ایها الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاته ..... الخ پڑھ کر کہا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ تمام انبیاء و مرسلین دین اسلام ہی پیش کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت نبی کریم صلعم پر اس دین کی تکمیل ہوئی۔ یہ دین تمام دنیا کے مسائل اور معاملات کا حل پیش کرتا ہے۔

آنحضرت صلعم کے بعد دین اسلام کی آبیاری اور نگہداشت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجددین و مامورین کا سلسلہ جاری کیا۔ تجدید دین کا کام کیا۔ اگر ان بزرگ ہستیوں کا باب نکال دیا جائے تو آسمانی تاریخ میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ چودھویں صدی میں دین کے بارے میں علم و سائنس کے دور میں بڑے بڑے شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ دین و مذہب کے بارے میں بڑے بڑے فتنے اٹھے۔

ایسے میں قادیان سے ایک شخص اٹھا اور علم و معارف کے ساتھ دین اسلام کی صداقت و حقانیت پیش کی اور اسلام کو غالب دین کے طور پر پیش و ثابت کیا۔

آپ نے دین اسلام کی خدمت کے لئے ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت نے دنیا کے اندر عظیم الشان روحانی انقلاب پیدا کیا۔

محترم بقا صاحب نے تاریخ کے حوالہ اور واقعات کی شہادت سے ان حقائق پر روشنی ڈالی جو حضرت مسیح موعود نے پیش کئے اور آج وہ من وعن سچے ثابت ہو رہے ہیں۔ وفات مسیح کا ہی مسئلہ لے لیجئے۔ آج خود عیسائی محقق اپنی تحقیقات اور کتب میں وہی باتیں لکھ پڑھ رہے ہیں جو اس زمانہ کے امام ربانی نے آسمانی علم پا کر آج سے ایک مدّت پہلے دنیا کے سامنے پیش کی تھیں۔

جماعت احمدیہ کے اسلام میں کردار پر تفصیل سے بیان دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ اسلام کی خادم ہے۔ اس جماعت نے اسلام کی پاسبانی کی۔ قرآنی اسلام کو پیش کیا اور اس اسلام کی تبلیغ کی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔

قیام پاکستان کے باب میں جماعت نے شاندار کردار ادا کیا ہے۔ اس کی مالی و جانی قربانیاں قابلِ رشک ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جو سلوک ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ محترم بقا صاحب نے کہا کہ آج عالم اسلام کی حالت دگرگوں ہے۔ کمزوری و مجبوری کی کیفیت طاری ہے۔ اس کی وجہ مسلمانوں کی اسلام اور خدا سے عملی دوری کا نتیجہ ہے۔ جب تک زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا نہ ہو اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد نہ کریں اس وقت تک نصرت و تائید الٰہی ہمیں میسر نہیں آسکتی۔ ہم احمدی آج اپنے آپ کو بے بس محسوس نہ کریں۔ بلکہ اپنے زندہ خدا کے آگے آہ و زاری کریں۔ وہ زندہ خدا زبردست طاقتوں اور قوتوں کا مالک ہے۔ اس نے اپنا دامن ہم پر دراز کر دیا تو ہماری جملہ مجبوریاں بے بس ہو جاتی رہیں گی۔ چاہیئے کہ ہم جماعتی زندگی کو رواج دیں، اس میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں اخوت و محبت پیدا کریں۔ تعلقات گہرے اور وسیع کریں۔ چھوٹائی بڑائی کا معیار تقوےٰ اور خدا خوفی ہو۔ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

خطبہ جمعہ کے بعد نماز جمعہ و نمازِ عصر پڑھی گئی۔ جماعت کی فلاح و بہبود اور اسلام کے غلبہ اور فتح و نصرت کے لئے اجتماعی دعائیں کیں۔

سہ پہر کے وقت صحابی حضرت مسیح موعودؑ حضرت شیخ نیاز احمد مرحوم و مغفور کی کوٹھی کے ہال میں اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت مکرم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب آف گوجرانوالہ نے کی۔ خواتین و احباب اور نوجوانانِ جماعت نے بخوشی و مسرّت اس میں شرکت کی۔ جلسہ کی کارروائی قرآن کریم کی تلاوت سے ہوئی۔

تقریر مکرم شیخ نثار احمد صاحب

مکرم شیخ نثار احمد صاحب نے معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور ان کی آمد پر دلی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ بعد ازاں آپ نے تقریر کی۔ جس میں جماعت کے قیام کی غرض و غایت اور اس کی دینی خدمات کا تفصیلی ذکر کیا اور فرمایا کہ اسلام کی حقیقی خدمات کرنے کی توفیق اللہ تعالےٰ کے فضل سے حضرت مامورِ وقت کی اسی جماعت کو حاصل ہے اور حاصل رہے گی۔ مکرّم شیخ صاحب موصوف نے حضرت مجدّد زمان مسیح موعودؑ کے فرمودات و ارشادات کی روشنی میں توجہ دلائی کہ اسلام کی خدمت ایک الٰہی اور آسمانی فریضہ ہے اور جس کسی کو اس فرض کی ادائیگی کی توفیق حاصل ہے وہ بابرکت ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کے لئے بڑا اجر ہے۔ آپ کی تقریر پیغام صلح کے ذریعہ ہدیہ قارئین کرام کی جائے گی۔

تقریر مکرّم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

قرآنی آیات — یا ایها الذین امنوا علیکم انفسکم — کی تلاوت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ تم اپنے نفسوں کو پاک رکھنے کی کوشش کیا کرو اور تم نہ ڈرو کہ دوسرا آدمی گمراہ ہے وہ تمہیں نقصان نہ پہنچا دے۔ جب تم ہدایت یافتہ ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آپ نے کہا کہ مجھے یہاں آکر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ حضرت شیخ نیاز احمد صاحب

ولی اللہ تھے۔ ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے خدمتِ دین کا جذبہ عطا فرمایا ہے۔ دنیاداروں میں یہ انقلاب بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے پیدا کیا ہے۔

آج مصائب میں مبتلا لوگ چاہتے ہیں کہ یہ دکھ درد دور ہو لیکن ان کو راستہ نہیں ملتا۔ ان کے نفسوں کو جو دھوکہ لگا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میری خواہش پوری ہو جائے تو میں اطمینان حاصل کر لوں گا۔ اسی دھوکہ میں اقوامِ عالم پھنسی ہوئی ہیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو معبود بنا لیتا ہے۔ ہر ملک و قوم یہی کہتی ہے کہ جو کچھ میں چاہتی ہوں وہی ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ بے چین ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ فساد ہے۔ امریکہ امیر ترین ملک ہے لیکن وہاں کی ایک کثیر تعداد ذہنی مریض ہے اور دماغی ہسپتالوں میں زیرِ علاج ہے۔

اگر دنیا کے تعیشات اطمینان و مسرت کا باعث ہو سکتے تو امریکن لوگوں کو اطمینان قلب کی پر دولت نصیب ہوتی۔ لیکن اس کے برعکس وہ لوگ قلب و نظر کے چین و قرار سے بے بہرہ ہیں۔ محلات۔ تقابل۔ تفاخر، امارت وغیرہ راحتِ قلب کا سامان نہیں۔

آپ نے فرمایا یہ زمانہ بڑے انقلاب کا ہے۔ انقلاب آئے ہیں۔ آ رہے ہیں اور آئیں گے۔ تسخیرِ قمر کا انقلاب ہے۔ اب مشتری پر کمندیں ڈالی جا رہی ہیں۔ اسی طرح مذہبی دنیا میں بھی انقلاب آ رہے ہیں۔ چنانچہ مادی انقلاب کے ساتھ ساتھ روحانی انقلابات آ رہے ہیں۔

آپ نے کہا کہ احمدیہ تحریک کی ٹکر عیسائی اقوام کے ساتھ تھی۔ پادری لیفرائے ہندوستان میں اس غرض کے ساتھ آیا تھا کہ میں تمام تر برصغیرِ ہند کو عیسائی بنا ڈالوں گا۔ حضرت امام الزمان نے جب سنا تو چیلنج دیا لیکن وہ دُم دبا کر بھاگ گیا۔ ایک انگریزی نئی تصنیف کے حوالہ سے آپ نے کہا انگلستان کے سات پادریوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ہمارا عیسائی عقیدہ ـــــ کہ حضرت عیسیٰ خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے، توہم پرستانہ عقیدہ تھا۔ یہ بات تو احمدی کہتا تھا، اب یہی بات عیسائی کہتا ہے۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ میں نے انگریزی رسالہ دی لائٹ میں اس مضمون کا خلاصہ بھی دیا تھا۔ اس میں وہ پادری بھی کہتے ہیں کہ ہمارے اعتقادات دنیا میں فسادات اور جھگڑے کے موجب ہیں۔

مکرّم ڈاکٹر صاحب نے ایک دوسری کتاب "جیسس ڈائیڈ ان کشمیر" کے مندرجات اور اس کے متعدد حوالے پیش کرتے ہوئے حاضرین کو بتایا کہ اس قسم کے خیالات اس کتاب میں بھی مذکور ہیں۔ جس میں حضرت عیسیٰ کی وفات کا ذکر ہے۔ چنانچہ وہ علمِ کلام جو احمدیہ تحریک نے پیش کیا۔ اور جس کو رد کرنے کی کوشش مسلموں اور غیر مسلموں نے کی۔ لیکن آج اہلِ علم طبقہ نے اس کی سچائی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ یہ انقلاب آخر کس وجہ سے ہے؟ ایک شخص ایک غیر معروف گاؤں قادیان میں پیدا ہوا اس نے کسی سکول، کالج، یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی تھی، کوئی کہہ سکتا تھا کہ عیسائیت ختم ہو جائے گی اور اسلام غالب آئے گا۔ اس وقت جبکہ عیسائیت کے پاس سب مادی سامان اور اسباب موجود تھے اور اس شخص کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ آج مسلم ممالک میں جو انقلاب آ رہے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ مسلمان جاگ اٹھے ہیں اور اپنے دین و مذہب کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اس سے پوری دنیا پریشان ہے۔ درحقیقت یہ دین کی نشر و اشاعت کا انقلاب ہے۔

اسلام کی فتح و نصرت کے دن قریب ہیں۔ اسلام غالب آنے والا ہے اور مادیت و دہریت اور بے دینی کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ مبارک ہیں آپ اور خوش نصیب ہیں آپ کہ اس انقلاب لانے اور اسلام کے غلبہ و نصرت میں آپ کا حصہ ہے۔ حضرت امامِ زمان مسیح موعودؑ نے تو فرمایا ہے کہ:۔

؎ بمفت ایں اجرِ نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضاءِ آسمانست ایں بہرحالت شود پیدا

مکرّم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی تقریر کے بعد محترم بشارت احمد بقا نے اپنی مختصر سی تقریر میں فرمایا کہ:۔

ہمارا مسلک واضح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کو دنیا جہان میں پھیلانا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ نیکی کی بات میں تعاون کرو اور بُری بات کا ساتھ نہ دو۔ کیا یہ نیکی کی بات نہیں ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس راہ میں اس جماعت کے احباب نے بڑی بڑی مالی قربانیوں کی شاندار نظیریں پیش کی ہیں۔ اگر یہ نیکی کی بات ہے تو مسلمان بھائیوں کو تعاونوا علی البر والتقویٰ کے تحت ہمارا ساتھ دینا چاہیئے۔ اور اسلام کی برکتیں اور اس کی روشنی پھیلانے میں پیش پیش ہونا چاہیئے۔ کسی کو کافر کہنا اور بتانا دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ خدمتِ دین کی یہ ہے کہ کافر کو مسلمان بنایا جائے۔ اور اس جماعت، کو یہ توفیق حاصل ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس نیک مقصد میں اس جماعت کا ساتھ دیتے ہیں۔

آخر میں احمدیہ تحریک کے ایک مؤید و معروف بزرگ حافظ صاحب نے تحریکِ احمدیہ کے عقائد اور اس کی خدمات، دینیہ کا ذکر کیا۔ آپ نے کہا کہ میں نے احمدی بزرگوں بالخصوص حضرت شیخ نیاز احمد مرحوم و مغفور کے ساتھ زندگی کے قیمتی لمحات گذارے ہیں وہ ایک سچے اور پکے مؤمن مسلم تھے وہ اکثر و بیشتر دین کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اسلام کے شیدائی و فدائی تھے۔ ان کی اسلامی زندگی سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ ان کی اولاد میں بھی یہی رنگ دیکھتا ہوں۔

بزرگ موصوف نے احمدیہ تحریک کے عقائد و نظریات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مجھے احمدیہ لٹریچر پڑھنے کا موقعہ ملا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ بدقسمتی سے ان کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور غلط رنگ میں سمجھا گیا ہے۔ ان دو عناصر کی وجہ سے اس تحریک کو زبردست نقصان پہنچا ہے اور اس کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کے غلبہ اور کامرانی کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب لوگ جو کلمہ گو ہیں، فرقہ دارانہ تعصبات کو چھوڑ کر للّٰہ فی اللہ اپنے قلب و نظر کو دین کے لئے خالص کرتے ہوئے باہمی اتحاد و اتفاق کو رواج دیں اور شانہ بشانہ خدمتِ دین کے کام کریں۔

صاحبِ صدر جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے اختتامی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کا جلسہ کامیاب رہا ہے۔ جماعتی تنظیم و تربیت کے لئے ایسے اجلاس اکثر و بیشتر ہوتے رہنے چاہئیں۔ آج کے مقررین نے بڑی ایمان افروز تقاریر کی ہیں اور ہماری تعلیم و تربیت کے لئے ضروری ہیں۔

آخر میں اجتماعی دعا کی گئی۔ اور جلسہ کے اختتام کا اعلان ہوا۔ ازاں بعد حاضرین کی تواضع پرتکلف چائے سے کی گئی اور احباب سلام و دعا کے ساتھ رخصت ہوئے۔

اس روحانی اجتماع کے انعقاد میں وزیر آباد کی جماعت لائقِ مبارکباد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نفوس و اموال میں برکت ڈالے اور خدمتِ دین و جماعت کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے۔ اس موقعہ پر خواتین نے زیادہ سرگرمی کا اظہار کیا انتظام و انصرام میں ان کا زیادہ حصہ رہا۔

ــــــ (رپورٹر) ــــــ

اخبارِ احمدیہ

مکرم جناب فخر الدین احمد صاحب راولپنڈی سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"بیگم صاحبہ میاں فاروق احمد شیخ فروری کے آخری ہفتے امریکہ سے واپس تشریف لے آئی ہیں جہاں وہ علاج کے سلسلے میں چند ماہ قبل گئی تھیں۔ وہ ان جملہ اکابرین اور احباب جماعت کا شکریہ ادا کرتی ہیں جنہوں نے ان کی بحالی صحت کے لئے انفرادی اور اجتماعی دعائیں کیں۔ ان دعاؤں نے ان کی بحالی صحت میں معجزہ کا کام کیا اور بفضلہ تعالیٰ انہیں کافی حد تک افاقہ ہے۔ اکابرین سلسلہ اور احباب جماعت اپنی دعاؤں کو جاری

(باقی بر صفحہ ۔ کالم ۔ کے نیچے)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۱۱ر اپریل ۱۹۶۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۱۵

جلد ۶۶ | یوم چہار شنبہ ۲ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۶

ملفوظات حضرت مجدد زمان مسیح موعود علیہ السلام

"اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر مجدد پیدا کرتا رہے گا"

(ترجمہ فرمان نبویؐ)

اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی۔ اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلاء کلمۂ اسلام واشاعتِ نورِ حضرت خیرالانام اور تائیدِ مسلمانوں کے لئے اور ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات میں ہوتا کہ وہ خدا جو حامیٔ دینِ اسلام ہے جس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ تعلیمِ قرآنی کا نگہبان رہوں گا اور اسے سرد اور بے رونق اور بے نور ہونے نہیں دوں گا۔ وہ اس تاریکی کو دیکھ کر اور ان اندرونی اور بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چپ رہتا اور اپنے اس وعدہ کو یاد نہ کرتا جس کو اپنے کلام میں مؤکد طور پر بیان کر چکا تھا۔

پھر مَیں کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسول صلعم کی یہ صاف اور کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں فرمایا گیا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدا تعالےٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہے گا کہ جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ .... تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزر گئے اور بے شمار روحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں وہ وقت تم نے پالیا۔ اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے۔

مَیں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے مَیں رک نہیں سکتا کہ مَیں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کیا جائے۔

دعا میں دشمن کو بھی یاد رکھو ایک قسم ہمدردی کی دعا ہے جس میں نہ صرف زر بہا ہے نہ زور لگانا پڑتا ہے اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے، کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں ہی انسان کر سکتا ہے جبکہ اس میں طاقت ہو ایک ناتوان مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہے تو کوئی شخص جس میں خود طاقت و توانائی نہیں ہے کب اس کو اٹھا کر مدد دے سکتا ہے۔ اسی طرح پر اگر کوئی بے کس۔ بے بس، بے سروسامان انسان بھوک سے پریشان ہو تو جب تک مال نہ ہو اس کی ہمدردی کیونکر ہوگی مگر دعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے کہ نہ اس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت۔ بلکہ جب تک انسان انسان ہے وہ دوسرے کے لئے دعا کر سکتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے اور اگر اس ہمدردی سے انسان کام نہ لے تو سمجھو کہ وہ بہت ہی بدنصیب ہے۔

تقریر جناب شیخ نثار احمدؒ

بر موقع رابطہ اجلاس

مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۹ء بروز جمعہ بمقام وزیر آباد

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا و انتم مسلمون .... اولئک ھم المفلحون ٥ (آل عمران: ۱۰۱ تا ۱۰۴)

کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

یہ کتنا بڑا معجزہ ہے قرآن حکیم کا یہ لاریب کلام ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے اور دعوے کے ساتھ دلیل بھی موجود اور ارشاد ہوا ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ دلیل ہی سچائی کا معیار ہے۔ ہٹ دھرمی تو ایک ضد ہے ورنہ دلیل کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ قرآن کو اتحاد کی بنیاد قرار دیا تو تاریخی واقعات اس پر گواہ ہیں۔ اور قرآن میں اتحاد پیدا کرنے کی طاقت ہے اور عرب جیسی جنگجو قوموں کے اندر اس نے اتحاد پیدا کر کے دکھا دیا اور حالت ان کی یہ تھی کہ صدیاں گذر کر ایک دوسرے کی عداوت ان کے خونوں میں داخل ہو چکی تھی۔ اور وہ فی الواقعہ آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اور اس میں گر کر بھسم ہونے کے علاوہ اور کیا نتیجہ ہو سکتا تھا اس تعلیم کی برکت سے ان کے اندر ایسی اخوت پیدا ہو گئی جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اس تعلیم کا بنیادی نکتہ کیا تھا اس کا خلاصہ ایک مختصر سے جملے میں بیان فرما دیا یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ تقوے کرو جیسا کہ تقوے کرنے کا حق ہے۔ ولا تموتن الا و انتم مسلمون اور نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار بن چکے ہو۔ اب مرنا تو کسی کے اختیار میں نہیں اور نہ ہی اس کا وقت معلوم ہے تو نصیحت کی گئی ہے کہ ہر لمحہ بحالتِ اسلام رہو۔ اور پھر ایک اور نصیحت کی ولا تفرقوا۔ تفرقہ نہ کرو فرق جمع کے خلاف ہے اور اسی سے تفرق ہے جو جماعت کے خلاف ہے۔ اختلاف کے ساتھ جماعت رہ سکتی ہے لیکن تفرقہ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ دو چیزیں الگ الگ ہو جاتی ہیں اور ان کا باہم تعلق نہیں رہتا۔

اختلاف اور تفرقہ کا مفہوم سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اختلاف جو نیک نیتی پر مبنی ہو اور تعمیری ہو وہ تو رحمت ہے۔ پھر وحدت پر زور دیا ہے اور اتحاد کی بنیاد حبل اللہ یعنی قرآن کریم ہے۔ جو بذاتہ صداقت اسلام کی ایک بیّن شہادت ہے۔ آج اتنی مدت گذر جانے کے بعد بھی سارے عالمِ اسلام میں قرآن ایک ہی ہے اور اس میں زیر زبر کا بھی فرق نہیں اس سے زیادہ کسی کتاب کی سچائی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ تو یہ کوئی معمولی کتاب نہیں۔ دنیا میں اور بھی الہامی کتابیں آئیں لیکن ان کا کیا حشر ہوا۔ ان کے ماننے والے خواہ کچھ بھی ان کے بارے میں خیالات رکھیں لیکن کوئی منصف مزاج شخص یہ رائے دینے سے نہیں رک سکتا کہ وہ کتابیں اب اپنی حیثیت کھو چکی ہیں۔

مثلاً غور فرما دیں سلاطین میں لکھا ہوا ہے:-

"سلیمان کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف مائل نہ تھا اور ان کا دل خداوند سے برگشتہ ہو گیا"

ایک نبی کی شان کے یہ خلاف ہے۔ لیکن قرآن نے اس کی نفی کی ہے اور فرمایا ماکفر سلیمان۔ آج عیسائی محققین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ بائبل کا یہ بیان غلط ہے اس طرح قرآن نے اس بات کی بھی نفی کی ہے کہ ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر سحر اتارا گیا۔ تو قرآن ان کتابوں پر محافظ ہے اور ان کتابوں سے نہیں لیتا بلکہ ان کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ یہودی کہتے تھے شریعت موسوی کے بغیر نجات نہیں۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ کفارہ کے بغیر نجات نہیں لیکن دلیل کسی کے پاس نہیں۔ اسی سے انہوں نے آخر کہہ دیا کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ لیکن اسلام روشن دلائل سے کام لیتا ہے اور افلا تعقلون۔ افلا یتدبرون کی تاکید کرتا ہے۔ تو یہ کتاب ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور اگر اس پر ہمارا ایمان ہے کہ یہ آخری کتاب ہے اور اس کی تعلیم بہترین نظامِ حیات پیش کرتی ہے اور ایک دن روزِ حساب ہے تو پھر اس پر عمل کے لئے وہ جوش کیوں نہ ہو۔

آج مسلمانانِ عالم الا ماشاء اللہ کی بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ انہوں نے اس دولت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ کیسے کیسے پاک اصول فلاح کے مسلمانوں کو اس کتاب کے اندر دئے گئے۔ دوسری قوموں نے تو ان سے فائدہ اٹھایا اور کامیابیاں حاصل کیں مگر مسلمانوں نے ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا کا مصداق اپنے آپ کو ثابت کر دکھایا اور خوب غور کریں جس نے بھی اچھے کاموں کی خلاف ورزی کی ہے اس نے نقصان اٹھایا اور بالآخر یہ اس کے لئے فائدہ مند رہا۔

مشہور و معروف تاریخ دان TOYAUNBEE نے ۱۰ جلدوں میں قوموں کی تاریخ لکھی ہے اور اس میں قوموں کی تباہی کے اسباب میں ایک امر مشترک جو بیان کیا ہے وہ اخلاقی انحطاط ہے۔ اور قرآن میں لکھا ہے والعاقبۃ للمتقین۔ انجام کار تو پرہیزگار ہی فائدے میں ہیں۔ کیا سچ ہے۔

اور جہاں قرآن کو اتحاد کی بنیاد قرار دیا اور تقوے مرکزی نکتہ بیان فرمایا تو دعوت الی الخیر کو بھی لازمی قرار دے دیا۔ قوم میں ایک ایسا گروہ رہنا چاہیئے جو اس تعلیم کو پھیلائے اور یہ دعوت الی الاسلام اور دعوت الی القرآن ہی ہے۔ اور خیر کے معنے بھلائی ہیں اور حقیقی بھلائی کی سب راہیں قرآن میں ہیں۔

ابتدائے اسلام کا زمانہ تو وہ تھا کہ ہر ایک مسلمان کے اندر ایسی روح اسلام کی پھونکی گئی کہ وہ سب کے سب داعیانِ اسلام تھے اور ایسی جوش اور تڑپ کو لے کر وہ دنیا کے مختلف ممالک اور شہروں اور جزیروں میں نکل گئے اور قلیل عرصہ میں دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور اسلام کا نام دنیا کے دور دور ملکوں میں روشن کر دیا۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ بادشاہوں اور امراء کی توجہ تو اس اچھے کام سے کم ہو کر دنیا اور اس کی عارضی خوشیوں کی طرف ہو گئی اور علماء زیادہ تر فروعی اختلافات میں الجھ گئے آج اس انتہا کو بھی پہنچی کہ جہاں اسلاف غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کرتے تھے اور یہ مسلمانوں کو ہی کافر قرار دیتے ہیں اور ان کو واجب القتل کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ تو اس تعلیم کا منشاء نہ تھا۔ یہ پاک کتاب تو فرقان ہے بلٰی من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ۔ جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ اسلم۔ سلم سے ہے یعنی ظاہری اور باطنی آفات سے بچے رہنا اور اسلام کے تو معنی ہی سلامتی ہے۔ اور حدیث میں ہے مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں۔

نماز اور مساجد میں اجتماعات تو اسی غرض کے لئے ہوتے ہیں، وہ لوگ اچھے شہری اور باخدا بن جائیں اور قرآن میں یہ تنبیہہ کی گئی ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ ان میں اس کے نام کا ذکر ہو اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس تنبیہہ کے ساتھ موجودہ حالات کا مقابلہ کریں اور غور کریں کہ کیا مسجدیں اور قرآن نہیں جلائے گئے۔ اور حکم یہ تھا اولئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین ان کو مناسب نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ یہ تو خوف کی جگہ ہے

(باقی بر صفحہ ۱۰ کالم ۱)

نشأۃِ ثانیہ اسلامیہ

یا قرآنی اصولوں کی عالمگیر فتح کا اعلان

سنریہم ایٰتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتّٰی یتبیّن لہم انہ الحق۔

عنقریب ہم سماوی اور ان کے اپنے نفوس کے اندر کی نشانیاں دکھلاتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ امر بکلی واضح ہو جائے کہ یہ کلمۂ صداقت ہے۔ (سورۃ حٰم سجدہ ۸)

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار
(حضرت مسیح موعودؑ)

(ڈاکٹر اللہ بخش)

ہم جس زمانہ میں سے گذر رہے ہیں یہ عالمگیر انقلابات کا دور ہے مادی انقلابات یعنی علوم سائنس کی ترقی حیرت انگیز رنگ میں ظہور پذیر ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں زمین کے بیش بہا مادی خزائن دریافت ہوئے ہیں۔ باہمی اختلاط و ارتباط کے ذرائع نے محیّر العقول فروغ پایا ہے، گویا ساری روئے زمین اس وقت ان ذرائع سے ایک ملک یا شہر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات و تجارت نے تمام دنیا کو ایک وحدت بنا دیا ہے۔ ان عالمگیر انقلابات کے ماسوا ملّی و ملکی معاملات میں نہایت سرعت انگیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔

حال ہی میں پاکستان، افغانستان اور ایران کے اسلامی ممالک میں جو انقلابات رونما ہوئے ہیں انہوں نے ساری دنیا کے سیاست دانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایران کے شاہی انقلابات کے وقوع پذیر ہونے پر امریکہ کے صدر کارٹر نے ایک کمیشن اس غرض کے لئے مقرر کیا کہ وہ مسلم ممالک کے ان حالیہ انقلابات کی تہ میں جو اسباب کام کر رہے ہیں ان کے بارہ میں تحقیق کرے۔

غرضیکہ اسلامی دنیا جن انقلابات سے اس وقت دوچار ہو رہی ہے ان سے تمام سیاست دان حیرت میں پڑ گئے ہیں۔ بلکہ بعض نے تو اپنی یہ رائے برملا ظاہر کی ہے کہ اسلامی دنیا اس وقت جن انقلابات سے گذر رہی ہے یہ اسلامی نشأۃِ ثانیہ کی خبر دیتے ہیں نیز یہ اقدامات ایسے ہیں کہ اب انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔

پاکستان میں اسلامی شریعت کا نفاذ یا اسلامی نظام، افغانستان اور ایران میں موروثی شہنشاہیت کا خاتمہ اور اس کی بجائے جمہوری نظامِ مملکت کا قیام تمام ایسے امور ہیں جن سے بلاشک و شبہ یہ ثابت ہے کہ اب اسلامی ممالک کے عوام بیدار ہو رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ پھر سے مسلمانوں کا رخ اسلامی نظامِ تعلیم کی طرف منعطف ہو۔ چنانچہ پاکستان میں تو علانیہ طور پر اب یہ امر کہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو رجوع الی القرآن والسنۃ کی طرف واپس لوٹنا چاہیئے بین الاقوامی سطح پر سیرت اور قرآن کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں، نہ صرف قومی و ملکی پیمانہ پر شریعت کے قوانین کا نفاذ کیا جا رہا ہے بلکہ انفرادی زندگیوں کو اسلامی اصولوں اور قرآنی ہدایت کے نہج پر تبدیل کرنے کے عزائم کا اظہار کیا جا رہا ہے تجدید عہد اور مادی اقدار کی بجائے زندگیوں میں ایمانی و اخلاقی اقدار کو رواج دینے کی جانب توجہ مبذول کی جا رہی ہے۔ کیا یہ سب انقلابات اس امر کی خبر نہیں دے رہے کہ مسلمانوں کا اب یہ بدلا ہوا رخ بلاشبہ دینِ اسلام کی جانب ایک زبردست انقلاب ہے؟ ایک صدی پیشتر کیا بعینہٖ یہی ندا حضرت مجدّدِ صد چہاردہم نے نہ دی تھی؟ ؎

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست
باز چوں آید بیاید ہم ازیں رہ بالیقین

آج سے ایک صدی پیشتر جن جن مسلمان راہنماؤں نے اصلاح و ترقی کے ذرائع بتلائے وہ تمام مسلمان قوم کی تعلیمی، اقتصادی یا ملکی و عسکری طاقت کے مظہر تھے۔ مگر کسی مسلمان لیڈر نے یہ نہ بتلایا تھا کہ دراصل نشأۃِ ثانیہ اسلامیہ کا مرکزی و محوری نقطہ، ایمانی و اخلاقی ہے یعنی دینی اقدار کی طرف رجوع اور انہیں زندگی کا لائحۂ عمل بنانے میں مضمر ہے۔ صرف ایک واحد شخص گذشتہ صدی میں اٹھا جس نے بہانگ دہل یہ صدا بلند کی کہ مسلمانوں کی اصل مرض ان کی ایمانی و اخلاقی کمزوری ہے اور اس کا حقیقی علاج یہ ہے کہ کہ مسلمان دوبارہ اپنے ایمانوں کو مستحکم و مضبوط کریں اور اخلاقی قوتوں کو ترقی دیں! صرف ایک شخص نے اس یقین کو دوبارہ دلوں میں راسخ کیا کہ اصل استحکام، دینِ اسلام کے اختیار کرنے میں ہے!! ؎

خونِ دیں بینم رواں چوں کشتگانِ کربلا
اے عجب ایں مردماں را مہرِ آں دلدار نیست

صرف ایک صاحب ایمان و عمل فرد منصّۂ شہود پر آیا جس نے مسلمان قوم میں اخوّت و اتحاد کے رشتہ پر بنا، کلمہ مشترکہ طیّبہ کا عالی جذبہ ابھارنے کی سعی و جہد کی!!! اس شخص کی تحریریں پڑھو جو نثر میں ہیں یا نظم میں، ہر ایک میں دینِ اسلام کی محبت و اطاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ؎

اِک بڑی مدّت سے تھا کفر اس دین کو کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن

دینِ اسلام کے احیاء کی خوشخبریاں اگر کسی نے دیں تو جاؤ تلاش کرو وہ بجز مجدّدِ صد چہاردہم اور کون شخص اس زمانہ میں پیدا ہوا؟

نہ صرف اس واحد شخص نے مسلمان اقوام کی اصل مرض اور اس کے حتمی علاج کا بے خطا و اکمل نسخۂ شفا کا پتہ دیا بلکہ اپنی جماعت کو اس پر گامزن بھی دکھلایا۔ مسٹر فری لینڈ ایبٹ نے اپنی کتاب "اسلام اور پاکستان" میں برملا اس دینی انقلاب اور اس کے مقدس بانی کا ذکر یوں کیا ہے:-

"جماعتِ احمدیہ نے دیگر ادیان کے رد میں جس قدر دلائل پیش کئے ہیں زمانہ گذرنے کے ساتھ اس سلسلہ کے شدید مخالفوں نے انہیں بہ تمام و کمال قبول کر لیا ہے۔ اپنے تبلیغی جوش و جہد اور عیسائیت کے برخلاف پے در پے و کثیر الاشاعت حملوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کی اکثریت میں دینِ اسلام پر مضبوط ایمان پیدا کر دیا ہے .... اس تحریکِ احمدیہ نے مسلمانوں کے قلوب میں یہ ایمان و یقین پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی و قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں نیز دنیا میں سچا دین صرف دینِ اسلام ہی ہے جو اس تحریک کی بنیادی خصوصیت ہے۔ مگر یہ امر کس قدر تعجب انگیز ہے کہ جس تحریک کی دونوں شاخوں نے دیگر ادیان کے مقابل دینِ اسلام کی حفاظت و توسیع کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے پاک و ہند کے مسلمان اسی جماعت کے برخلاف صف آرا ہیں۔"

ایک غیر مسلم و غیر جانب دار محقق کے یہ ریمارکس پڑھو اور از روئے انصاف و حق فیصلہ کرو کہ موجودہ وقتوں کے حالیہ انقلاباتِ ممالکِ اسلامیہ کیا یہی پتہ نہیں دے رہے کہ اس عظیم تبدیلی کی طرف جو دینِ اسلام کی جانب مسلمانوں کا ایک بڑھتا ہوا قدم ہے سب بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ایمانی و اخلاقی نسخۂ شفاء کے نتیجہ میں ہی ہے؟

عیسائی دُنیا میں حیرت انگیز انقلاب

نہ صرف عالم اسلام میں نشأۃ ثانیہ اسلامیہ کی جانب انقلابات رُونما ہیں بلکہ عیسائی دنیا میں ان سے بڑھ کر حیرت انگیز انقلابات ظاہر ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں دو ایسی کتابیں مغربی دُنیا میں کثرت سے شائع ہوئی ہیں جن کے صرف نام سے ہی انسان ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے ایک کا نام ہے :—

" خُدا کا انسانی جسم میں منتقل ہونا صرف ایک واہمہ ہے۔"
"THE MYTH OF GOD INCARNATE"

یہ کتاب سات انگریز لارڈ پادریوں نے لکھی ہے جن کے اسماء یہ ہیں :—
" مسٹر جان ہِک ۔ ڈان کیوپٹ ۔ مائیکل گولڈر ۔ ڈینس نیچم ۔ مارس وائیلز اور فرانسس ینگ ۔"

اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے اکہ یسوع مسیح کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ انسانی جسم میں حقیقتاً خدا تھے نہ صرف سائنسی تحقیق کے برخلاف ہے بلکہ اس سے دنیا میں منافرت و دشمنی پھیلتی ہے ۔ نیز یہ لکھا ہے کہ اگر عیسائی دُنیا حضرت مسیح کو انسان تسلیم کرکے آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی شخصیت سے تعلقات محبت و اطاعت استوار کریں تو اس سے ان کے عیسائی رہنے میں قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ البتہ ان کو یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ حضرت عیسےٰ جو عالمگیر دین لائے ان جیسا عالمگیر دین اور دوسرا کوئی شخص نہیں لا [illegible] "[illegible]" کے گذشتہ برس کے متعدد شیوع میں اس کتاب پر سیر کُن بحث [illegible] اس کی تفصیل کسی وقت قارئین کرام "پیغام صلح" کی خدمت میں بھی پیش کر دی جائے گی ۔

اب منصف مزاج اصحاب غور فرمادیں کہ اس وقت پادری حضرات خود اپنے کلیسائی عقائد کی عمارت کو مسمار کر رہے ہیں اور اس حتمی نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ "چرچ کے اگماز" غلط و بے بنیاد ہیں اور وہ تسلیم نہیں کئے جا سکتے ۔ اس حالت میں کیا یہی بات حقیقت نہیں بن گئی کہ جو حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلعم کی عظیم پیشگوئی میں مرکوز تھی کہ مسیح موعود جب آئے گا تو وہ صلیب کو توڑے گا یعنی صلیبی عقائد کو پاش پاش کر دے گا و یکسر الصلیب ؟ مگر صلیبی عقائد کا دوسرا ستون یہ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر مر گئے تھے اور صلیب سے اتارنے کے بعد انہیں دوبارہ زندگی نصیب ہوئی اور پھر وہ آسمان پر چلے گئے ۔

لیکن اب جو دوسری مشہور کتاب موسومہ "یسوع مسیح کشمیر میں دفن ہیں" —
JESUS DIED IN KASHMIR مسٹر اینڈ ریو اور جان فیبر نے شائع کی ہے اور جس کتاب کے بعض اقتباسات اس اخبار کے قارئین کرام کی نظر سے گذر چکے ہیں ، اس کتاب میں (ار مُرتے واقعات یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر مرے نہ تھے بلکہ غشی کی حالت میں صلیب پر سے اُتار لئے گئے ، آپ کا علاج کیا گیا اور دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد آپ کشمیر میں آئے اور وہاں ان کی قبر موجود ہے —— پھر مغربی محققین نے کفن مسیح پر بھی سائنسی تحقیق کرکے رائے ظاہر کی ہے کہ یہ کفن "SHROUD" جو صدیوں سے پوپ روم کے پاس محفوظ چلا آتا ہے اور اس پر خون کے نشانات یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس میں لپیٹے جانے والا شخص زندہ تھا ۔

اب جملہ منصفین سے درخواست ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ جبکہ خود عیسائی اور مغربی دُنیا حضرت مسیح کے صلیب پر مرنے سے انکاری اور ان کی خدائی کے عقیدہ سے بیزار ہو چکی ہے تو کیا کسرِ صلیب میں اب کیا کوئی کسر باقی رہ گئی ؟ کس قدر عظیم عالمگیر انقلاب ہے کہ مشنری ایک صدی پیشتر تمام مسلمانوں کو حضرت عیسےٰ کے خُدا منوانے اور صلیب پر فوت ہو جانے کے عزم سے دُنیا میں پھیل گئے تھے جیسے کہ انیسویں صدی کے آخر میں بشپ لیفرائے نے بھی لاہور میں آکر اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ اب وہ تمام مسلمانوں کو حلقہ بگوش عیسائیت بنانے میں کامیاب ہونے والا ہے اور کہاں موجودہ وقتوں کا یدلا ہُوا آسمان کہ پادری حضرات خود اپنے بنیادی عقائد کے بطلان پر کتب شائع کر رہے ہیں ۔ کیا مذہبی علمی دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی انقلاب صرف ایک صدی کے وقفہ میں کبھی رونما ہوا ؟ ؎

آسمان سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہَوا
دِل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

یہ دینِ اسلام کے کہ ایک صدی کے دوران ساری دُنیا اسلام کے عَلم کے نیچے آ گئی تھی ! ؎

آسمان بار د نشاں الوقت مے گوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے تصدیقِ من استادہ اند

مادی دُنیا میں علومِ سائنس کی ترقی سے جو حیرت انگیز انقلابات ہوئے ان سے یہ غلط نظریہ قائم ہو گیا تھا کہ انسانی معراج و نجات مادیت میں مرکوز ہے ۔ اس لئے جملہ ایمانی و اخلاقی اقدار کو ترک کرکے مادی ذرائع کو خُدا سمجھ لیا گیا ۔ لیکن اس بارہ میں بھی ایک صدی کے دوران حیرت انگیز یہ انقلاب رُونما ہوا کہ جب انسانی ایجادات کو سامانِ حرب کی شکل دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ عقل انسانی بجز ہدایت ربانی تباہی پر منتج ہوتی ہے ۔ اس لئے اب مغربی مفکرین برملا یہ کہتے ہیں کہ ہماری موجودہ تہذیب یکطرفہ ہے ، اگر اسے بربادی کا منہ دیکھنا منظور نہ ہو تو پھر اسے اسلامی نظریہ توازن سے سبق حاصل کرنا لازم پڑا ہے ۔

کیا اس عظیم ذہنی نظریہ کی تبدیلی یہی غمازی نہیں کر رہی کہ جو امر یقتل الخنزیر کی حدیث شریف میں مرکوز تھا ۔ یعنی بے لگام ہوس و حرص اقتدار و زر انسانی نجات کا موجب ہرگز نہیں بلکہ انسانی بربادی کا موجب ہے اور یہ نظریہ جب ترک کیا جائیگا تو وہ زمانہ اسلامی نظریۂ حیات کے فروغ کا ہوگا ۔ غرض مسیح موعودؑ کے ظہور اور اس کے کام کی دونوں علامتیں یعنی کسرِ صلیب و قتلِ خنزیر نمایاں طور پر وقوع میں آ چکی ہیں ۔

اس طرح ایک طرف عیسائیت کے عقائد کا بطلان تسلیم کر لیا گیا تو دوسری طرف اسلامی دُنیا میں دِین کی ترقی و فروغ کی مفصلہ ذیل صورتیں ظاہر ہو چکی ہیں :—

(۱) رجوع الی القرآن والسنۃ
(۲) قرآن کریم اور سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت و فروغ کے لئے بین الملّی کانفرنسوں اور تراجم کی تحریکیں ۔
(۳) نفاذِ قوانینِ شریعت محمدیہ ۔
(۴) نجی و انفرادی زندگیوں کو اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق تبدیل کرنے کا عزم یا تحریک اصلاح المسلمین ۔
(۵) مغربی اقوام کو پیغام اسلام پہنچانے کا تہیّہ ۔

(جاری ہے)

نعت —— از ۔ جنیں اطہر اعظمی

بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

ہر بشر خوگرِ دشنام تھا تم سے پہلے
یہ جہاں بیشۂ آلام تھا تم سے پہلے
تم سے پہلے تھی زمیں اپنی ہلاکت سے قریں
آدمی غافلِ انجام تھا تم سے پہلے
تم جو آئے تو ہمیں کوثر و تسنیم دیا
عشق کا ظرف بہت خام تھا تم سے پہلے
بنتِ حوّا کو ملا رفعت و عزّت کا مقام
قتلِ دختر کا چلن عام تھا تم سے پہلے
عاقبؐ و خاتمؐ و سردارِ رُسل آپؐ ہوئے
ہر نبی رہبرِ دو گام تھا تم سے پہلے
تم جو آئے تو بچی عصمتِ خاصانِ خدا
ہر نبی موردِ الزام تھا تم سے پہلے

از قلم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

والد مرحوم کی یاد میں

اللّٰھم اغفرلی ولوالدیّ ورب ارحمھما کما ربّیانی صغیرا۔

"اے اللہ میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور اے رب ان دونوں پر رحم فرما جس طرح اُنہوں نے مجھے بچپن سے پالا"۔

۱۲ اپریل میرے والد مرحوم (حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب) کی برسی ہے۔ والدین سب کو پیارے ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے والدین کی خوبیوں، مہربانیوں، قربانیوں بلکہ جان نثاریوں کو یاد کرتا ہے خصوصاً اُن کی وفات کے بعد۔ اس لئے میں اُن کی باتوں کو یاد کرنے کے لئے یہ مضمون نہیں لکھ رہا۔ بلکہ اُن بعض باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا فائدہ تمام قارئین کو ہوسکتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

والد مرحوم کا ایک نمونہ ایسا تھا کہ اس نے ان کی تمام اولاد پر گہرا اثر ڈالا۔ اُنہوں نے ساری عمر بالکل باقاعدگی سے اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بطور چندہ ماہوار دیا۔ وہ اسسٹنٹ سرجن تھے اور ابتدا میں ان کی تنخواہ سو روپے ماہوار سے شروع ہوکر دو سو پر ختم ہوگئی۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد جب مہنگائی بڑھنے لگی تو حکومت نے ان کے گریڈ کو ساڑھے چار سو روپے ماہوار پر ختم کیا۔ وہ ساری عمر اس قلیل تنخواہ پر رہے۔ پرائیویٹ پریکٹس کی نہ ان کو لالچ تھا نہ اس کا ڈھب آتا تھا۔ ہسپتال میں علاج اور اپریشن مفت تھے۔ مریض کے گھر جاؤ تو پانچ روپے فیس سرکار نے مقرر کی ہوئی تھی۔ میرے والد وہ بھی کبھی خود نہیں مانگتے تھے۔ کہتے تھے مجھے شرم آجاتی ہے۔ مریض کے عزیز جو دیتے چُپ کرکے لے لیتے تھے۔ لوگ کبھی دو چار روپے ہی فقط دیتے۔ اور کبھی کھوٹے روپے بھی فیس میں دے دیتے۔ جو کوئی دیتا بغیر دیکھے یا پرکھے چُپ کرکے جیب میں رکھ لیتے۔ گھر آکر دیکھتے اور جو ملا اس کا پورا دسواں حصہ انجمن کے لئے علیحدہ کرکے اپنے صندوقچہ میں ایک خاص خانہ تھا اس میں رکھ دیتے اور مہینہ کے آخر میں جمع شدہ رقم انجمن کو بھیج دیتے۔

ماہوار تنخواہ کا جہاں تک تعلق ہے ہسپتال کے اس کارکن کو جو تنخواہ کا بل وغیرہ بناتا تھا یہ ہدایت تھی کہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو اس میز پر جس پر جاکر بیٹھتے اور کام شروع کرتے تھے منی آرڈر فارم رکھا ہو۔ سب میں پہلے اس منی آرڈر میں کل آمدنی کا دسواں حصہ (بغیر انکم ٹیکس یا کوئی اور کٹوتی کے) درج کرکے انجمن کو بھجوا دیتے پھر دن کا کام شروع کرتے۔ چندہ ماہوار کے علاوہ جو کوئی اپیل مرکز سے ہوتی یا جلسۂ سالانہ پر ہوتی اس میں دل کھول کر چندہ دیتے تھے۔

دوسری طرف حالت یہ تھی کہ ساری عمر ایک بڑے خاندان کی پرورش ان کے ذمہ رہی۔ اپنی اولاد کی کثرت کے علاوہ کئی ایک بیوائیں اور یتیم اُن کے گھر میں رہ کر اُن کی بیوی بچوں کی طرح پرورش پاتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حالات میں ساری عمر تنگدستی اور سختیاں سہتے گذاری۔ مگر کبھی اُف نہ کی!

میرے والد کے ایک بزرگوار جو زندہ تھے انہیں سمجھاتے تھے کہ اپنی کثرت عیالداری کی طرف دیکھو اور یہ دسواں حصہ چندہ اور اس کے علاوہ دوسرے چندے کم کرو۔ مگر اس معاملہ میں میرے والد نے کبھی دل کو تنگ نہ کیا اور آخیر عمر تک اپنے عہد پر قائم رہے۔

خدا کی شان ہے ان بزرگ کی اولاد جس کے لئے اُنہوں نے جو کچھ بنا جمع کیا وہ اولاد تو معمولی حالت میں رہی۔ مگر میرے والد کی اولاد کو، لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اللہ تعالےٰ نے اس قدر دنیا کی نعمتوں سے نوازا کہ اس کا وہم و گمان بھی نہ تو میرے والد مرحوم کو کبھی تھا نہ اولاد کو۔ رسُول اللہ صلعم نے کیا سچ فرمایا کہ:—

اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ خُدا کی راہ میں خرچ کرکے کبھی کوئی شخص غریب نہیں ہوتا + اور وجہ سے ہوسکتا ہے مگر خُدا کی راہ میں جو خرچ کیا جائے اس کی وجہ سے کوئی نہ کبھی غریب ہوا نہ ہوگا۔

والد مرحوم کے اس عظیم الشان نمونہ کا لازمی اثر ان کی اولاد پر بھی ہوا۔ اور انہوں نے بھی لڑکے ہوں یا لڑکیاں، ساری عمر خدا کے راستہ میں دل کھول کر دیا۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

مگر میں سمجھتا ہوں کہ اولاد کی مالی قربانیوں کا بھی اجر والد مرحوم کو ضرور ملے گا۔ کیونکہ یہ انہی کے درخشندہ نمونہ کا اثر تھا کہ ان کی اولاد بھی ان کے نقش قدم پر چلی۔

دستِ شفا

میرے والد معمولی ڈاکٹر تھے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہوکر اسسٹنٹ سرجن لگے اور ساری عمر اسسٹنٹ سرجن ہی رہے چونکہ وضع قطع شرعی تھی اور دن رات مذہبی مشاغل تھے اس لئے اس وقت کے انگریز یا ہندو حُکام بالا اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ اسی لئے ترقی پاکر سول سرجن نہ بنے۔ ان دنوں سول سرجن ضلع کا سب میں بڑا ڈاکٹر ہوتا تھا۔ ڈپٹی کمشنر، کپتان پولیس اور دیگر ضلع کے حکام بالا کے ساتھ کلب میں اُٹھتا بیٹھتا، کھاتا پیتا، تاش اور دوسرے کھیل کھیلتا تھا۔ میرے والد کو کلب کی زندگی سخت ناپسند تھی اور مغربی طرز کی سوسائٹی میں اُٹھنے بیٹھنے سے کراہت کرتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے کبھی بھی سول سرجن بننے کی تمنا نہ کی۔

مگر اس مطلب یہ نہ تھا کہ وہ حاذق طبیب نہ تھے۔ میں نے اُن کے ہاتھ میں جو شفا دیکھی وہ اُن سے بڑھ کر حکمانہ ترقی یافتہ ڈاکٹروں میں نہ دیکھی۔ میں یہ اس لئے نہیں لکھ رہا کہ وہ میرے والد تھے۔ یہ میں نہایت انصاف کی نگاہ سے اور جذبات سے بالکل علیحدہ رہ کر لکھ رہا ہوں۔ ان دنوں اضلاع میں نہ تو سپیشلسٹ (SPECIALISTS) ہوتے تھے نہ ایکس رے نہ کیمیکل لیباریٹریاں جن میں آج کل تھوک، خون، پیشاب وغیرہ کا تجزیہ کرکے ڈاکٹر صاحبان مرض کا پتہ لگا لیتے ہیں نہ ANTI - BIOTIC دوائیاں نکلی تھیں کہ جن سے بعض لوگ اندھا دھند علاج کر لیتے ہیں۔ نہ خون کا دباؤ دیکھنے کا آلہ تھا۔ صرف تھرمامیٹر یا سٹیتھسکوپ (STETHOSCOPE) ہوتا تھا جس سے پھیپھڑوں کی حالت یا دل کی دھڑکن سُنی جاسکتی تھی۔ یا نبض دیکھی جاتی تھی۔ پیٹنٹ (PATENT) دوائیاں بھی (کم سے کم) سرکاری ہسپتالوں میں تھوڑی ہی ہوتی تھیں۔ عام طور پر دوا کی مکسچر کی شکل میں دی جاتی تھی۔

باوجود ان چیزوں کی کمی کے جن کا میں نے اُوپر ذکر کیا میرے والد اللہ تعالےٰ کے فضل سے نہایت حاذق طبیب تھے۔ انہی سیدھے سادے مکسچروں سے اور معمولی ذرائع تشخیص کی مدد سے خصوصاً نبض شناسی یا مرض کی علامات کو معلوم کرکے علاج کرتے اور اللہ کے فضل سے مریض شفا پاتے سوائے چند لوگوں کے جن کی اجل آئی ہوتی تھی۔ سو وہ تو آج بھی فوت ہوتے ہی ہیں۔ میری والدہ قریباً ۲۰، ۲۲ سال مسلسل بیمار رہیں۔ جب میرے والد کے علاج سے فائدہ نہ ہوا تو لاہور میں متعدد بار چوٹی کے مسلمان (انگریز) ہندو ڈاکٹروں کو دکھایا۔ ان دنوں میڈیکل کالج کا پرنسپل مشہور انگریز تجربہ کار ڈاکٹر سدرلینڈ نامی ہوتا تھا۔ اُسے بھی دکھایا مگر کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار مایوس ہوکر گھر آن کر بیٹھ رہیں۔ ایک دن میرے والد نے ان کو دیکھا تو اچانک ان کو خیال آیا کہ یہ تو میکسیڈیما ہے جو تھائیرائڈ غدود (THYROID) کی خرابی سے ہوتا ہے۔ میرے والد نے اس کا علاج کیا تو تیرہدف

جہاں تک سرجری کا تعلق ہے یعنی آپریشن کا تو میرے والد ماشاء اللہ ولاقوۃ الا باللہ اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ پدرم سلطان بود والی تعلّی نہیں۔ اُن دنوں اضلاع میں سرجن کی مدد کے لئے صرف کلوروفارم ہوتا تھا یا آپریشن روم میں صرف ایک کمپاؤنڈر۔ مگر میرے والد بیدھڑک ایسے ایسے مشکل آپریشن اکیلے کر لیتے تھے کہ آج کل امریکہ یا یورپ کے سوا یا ڈاکٹروں کی ٹیم کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ اور ان میں سے بیشتر اللہ تعالےٰ کے فضل سے کامیاب ہو جاتے تھے۔

مجھے یاد آیا کہ جب حضرت مولانا نورالدین صاحب (مرحوم و مغفور) خلیفہ تھے اور آپ گھوڑے سے گر پڑے اور کنپٹی پر سخت چوٹ آئی جس نے بعد میں ناسور کی شکل اختیار کر لی۔ اس کی مرہم پٹی یا پیپ نکالنے کا عمل مقامی ڈاکٹر یا لاہور کے احمدی ڈاکٹر صاحبان جب وہ قادیان میں ہوں کیا کرتے تھے۔ جب کبھی درد کی انتہائی تکلیف سے حضرت مولانا "اُف" یا "سی" کرتے (پیپ نکالنے کے وقت) تو احمدی ڈاکٹر صاحبان "حضرت، حضرت" کہہ کر ہاتھ روک لیتے یا ہلکا کر لیتے۔ اس دوران میں ایک دفعہ میرے والد وہاں تھے۔ حضرت مولانا مرحوم نے ان سے زخم دیکھنے کو کہا۔ انہوں نے دیکھا کہ پیپ ناسور کی جڑ میں گہری ہے۔ میرے والد کے پاس اس وقت نہ تو آلات سرجری تھے نہ انہوں نے منگوانے کی ضرورت سمجھی۔ اپنی انگلیوں سے دبا دبا کر ساری پیپ نکال ڈالی۔ حضرت مولانا "اُف۔ سی سی" کرتے رہے مگر میرے والد نے اپنا کام پورا کیا۔ بعد میں حضرت مولانا نے فرمایا "آپ کی انگلیاں نشتر کا کام کرتی ہیں"۔

والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ہر بڑے آپریشن سے پہلے وہ مریض کے لئے دُعا اور اپنے لئے **استغفار** کیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات آپریشن کے دوران جب مشکل آن پڑتی یا حالت بگڑتی تو آپریشن کے دوران ہی دعا کرتے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس بارہ میں انہوں نے سورۃ فاتحہ کو بہت مؤثر پایا۔ یوم الدین آپریشن کے وقت کو بنا کر اور منعم علیہ اُن لوگوں کو بنا کر جو شفا پا گئے ...... الخ دعا کرتے تھے۔ اور دوسری موزوں حال دُعائیں بھی کرتے۔ اور اپنے لئے استغفار پر بھی زور ہوتا۔

ایک وقت میں میرے والد کا خیال تھا کہ وہ مجھے بھی ڈاکٹر بنائیں۔ سو اس سلسلہ میں ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے:-

"میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ شفا صرف اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے کبھی اپنے پر گھمنڈ نہ کرنا۔ پیسہ بٹورنے کے لالچ میں نہ پڑنا۔ اور ہر مریض کے دُکھ کو خود محسوس کرتے ہوئے اس سے انتہائی ہمدردی رکھنا۔ تو اللہ تعالےٰ تمہاری مدد کرے گا"۔

سو اللہ تعالےٰ واقعی انکی مدد بھی کرتا تھا۔ چونکہ انہوں نے کبھی اپنا ڈھنڈورا نہیں پیٹا اور دُور دراز ضلعوں میں اکثر رہے۔ اس لئے غیر معروف رہے۔ مگر ان کے سابق مریض دوسرے شہروں سے آن کر بھی علاج کرواتے۔ اور یہی حال میں نے اور خدا کے خالص بندے ڈاکٹروں کا بھی دیکھا ہے۔ جن میں لالچ نہ تھا اور انسانیت سے ہمدردی کا مادہ تھا اُن سب کے ہاتھوں میں نے شفا دیکھی۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

مذہب سے لگاؤ

والد مرحوم کے درس قرآن، مضامین، کتابوں خصوصًا مجدد اعظم نامی شاہکار سے تمام احباب واقف ہیں۔ جن کو ان سے ذاتی واسطہ پڑا وہ اُنکے مذہبی شوق کو جو جنون کے حد تک تھا کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔ مگر گھر کے اندر بیوی بچّوں کے پاس ان کا کیا رنگ تھا یہ شاید کم لوگوں کو معلوم ہو۔ اور میں اس کا خاص طور پر ذکر کر کے اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اس ذکر میں میرا مقصد صرف ایک ہے کہ شاید اس سے اوروں کے دل میں بھی تحریک ہو کہ وہ بھی اپنے گھروں میں ویسا ہی رنگ پیدا کر کے اپنی اولاد کو اپنے نقشِ قدم پر اور اپنے رنگ میں دیکھ کر اس دُنیا میں سُکھ پائیں اور آخرت میں بھی ان کی اولاد ان کے ساتھ ہو۔ ورنہ اولاد کی بے دینی اور مذہب سے بیگانگی اور احمدیت سے اجنبیت اُن کے لئے اس دُنیا میں اور اس سے بہت بڑھ کر آخرت میں اُن کے لئے باعث رنج و الم بن سکتی ہے۔

میرے والد نے ساری عمر ایک عادت رکھی۔ گھر میں مذہبی چرچا ہر روز رہتا۔ اوائل میں اگر قادیان سے اخبار آتا اور بعد میں لاہور سے تو گھر میں بیوی بچّوں کو بٹھا کر اس کے مضامین کا ذکر کرتے۔ مذہبی مضامین سے بعض عورتیں یا بچے گھبراتے ہیں۔ اس لئے نفس مضمون کو سادہ الفاظ میں بیان کرتے۔ کوئی مذہبی بات یا نکتہ یا بحث باہر ہوتی ہو تو گھر میں آن کر اپنے الفاظ میں سادہ کر کے اسے سُناتے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کا کوئی الہام پُورا ہوا ہو یا اہم واقعہ ہوا ہو تو ضرور اپنے بیوی بچوّں سے اس کا ذکر کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ میں ابھی تین چار سال کا تھا کہ مقامی احمدی احباب از راہ تفنّن مجھے بٹھا کر وفاتِ مسیح پر دلائل پوچھتے میں اس عُمر میں کیا جانتا تھا۔ مگر جو باتیں گھر میں سُنتا انہیں باہر اپنی توتلی یا طفلانہ طرز میں سُناتا۔ اور وہ احباب سُن کر ہنستے اور خوش ہوتے۔

درسِ قرآن یا مذہبی محفلیں اکثر میرے والد کے گھر پر ہوتی تھیں۔ اس میں ہمیشہ مجھے شامل کرتے اور پسِ پردہ مستورات یا لڑکیاں بیٹھ کر سُنتی تھیں۔ میں بچہ تھا تو درس کے دوران جو شام کے وقت مغرب سے عشاء کے وقت تک ہوتا تھا والد کے گھٹنے سے لگا سو جاتا۔ درس کے بعد مجھے اُٹھا کر بستر پر لٹا دیتے۔ میں بھوکا سو جاتا۔ صبح آنکھ کھلتی تو پہلی چیز رات کا کھانا مانگتا کیونکہ نیند کے خمار میں مجھے احساس نہ ہوتا کہ صبح ہو چکی ہے۔ تو میری والدہ کہتیں اب تو صبح ہو گئی ہے اس لئے ناشتہ کر لو۔ میرے والدین نے میرا بھوکا بھانا سو جانا گوارا کر لیا مگر مجھے درس قرآن سے نہ ہٹایا۔ کتنے والدین ہیں جو یہ کرتے کو آج تیار ہیں؟ بیشک ان کی اولاد کے جسم تو پل جائیں گے۔ مگر میری رُوح کی گہرائیوں میں جو عشقِ قرآن پڑ گیا وہ باوجود میری گناہگار عُمر گذرنے اور میری قرآن کے علم کی جستجو میں کوتاہیوں اور غفلت کے میرے دل سے نکل نہ سکا۔

اُن دنوں ٹیلیویژن کی متعدّی بیماری ہمارے گھروں میں نہ آئی تھی۔ اس لئے شام کو بیوی بچوّں میں بیٹھ کر مذہبی چرچا کرنے کا موقعہ تقریبًا ہر روز ہوتا۔ پھر گھر کے اندر جماعت سے نماز پڑھتے اور مجھے تو جمعہ میں چاہے کتنی ہی دور ہو ساتھ لے جاتے۔ اسی طرح جلسہ سالانہ پر ہمیشہ اپنے ساتھ لاتے اگرچہ میں ابتداء میں اتنا چھوٹا تھا کہ تقاریر کو تھوڑا ہی سمجھتا تھا۔ صرف جلسہ کی رونق دیکھ سکتا تھا۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے بعض احباب بھی اپنی اولاد کو بچپن سے ہی جبکہ ان کی طبائع نرم ہونے کی وجہ سے جلد اثر لیتی ہیں مذہبی مجالس خصوصًا جمعہ اور بعض تو درس قرآن تک میں لاتے ہیں۔ جلسہ سالانہ پر بھی بچے دیکھنے میں آتے ہیں اور ۱۹۷۷ء کے جلسہ پر تو بچوّں نے چندہ دینے اور اکٹھا کر کے بلکہ ماں باپ سے بضد لے کر دینے کا وہ رُوح پرور نظارہ دکھایا کہ مجھے یقین ہے کہ وہ بچے اسلام اور احمدیت کے انشاء اللہ ستارے بنیں گے۔ اس دنیا میں بھی وہ اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اے اللہ تو ایسا ہی کر کہ تو ارحم الراحمین ہے۔ اور یہ تیرے مامور کی جماعت ہے جس کو تا قیامت زندہ رکھنے اور بالآخر غالب کرنے کا تو نے وعدہ فرمایا ہے ومن اصدق من اللہ قیلا۔

خدا کے دین کی تائید کے لئے

(۱) حرکت کرنا - تکلیف اُٹھانا - ذلّت اُٹھانا۔

(۲) زندگی - راحت - عزّت کا موجب ہے۔

کیا آپ ایک کو اختیار کر کے دوسری کو حاصل کریں گے۔

(حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

مکرم علّامہ شیخ عبد الرحمٰن مصری صاحب

حضرت مسیح ناصریؑ کا

تیسرا یا بالفاظ دیگر دوسرا مثالی نزول

(قسط نہم)

دوسرا مثالی نزول { یہ تیسرا نزول یا بالفاظ دیگر دوسرا مثالی نزول تو حضرت مسیح موعودؑ کے وجود باجود کے ذریعہ ظہور میں آیا اس کے متعلق حضورؑ فرماتے ہیں:۔

" پھر دوسری مرتبہ مسیح کی روحانیت اس وقت جوش میں آئی کہ جب نصاریٰ میں دجالیت کی صفت اتم اور اکمل طور پر آگئی اور جیسا کہ لکھا ہے کہ دجّال نبوّت کا دعوےٰ بھی کرے گا اور خدائی کا بھی ایسا ہی انہوں نے کیا نبوّت کا دعوےٰ اس طرح پر کیا کہ کلام الٰہی میں اپنی طرف سے وہ دخل دیئے وہ قواعد مرتب کئے اور وہ تنسیخ ترمیم کی جو ایک نبی کا کام تھا جس حکم کو چاہا قائم کر دیا اور اپنی طرف سے عقائد بنائے اور عبادت کے طریقے گھڑ لئے اور ایسی آزادی سے مداخلت بیجا کی کہ گویا ان باتوں کے لئے وحی الٰہی ان پر نازل ہو گئی۔ سو الٰہی کتابوں میں اس قدر بیجا دخل دوسرے رنگ میں نبوّت کا دعوےٰ ہے اور خدائی کا دعوےٰ ہے اس طرح پر کہ ان کے فلسفہ دانوں نے یہ ارادہ کیا کہ کسی طرح تمام کام خدائی کے ہمارے قبضہ میں آجائیں جیسا کہ ان کے خیالات اس ارادہ پر شاہد ہیں کہ وہ دن رات ان فکروں میں پڑے ہوئے ہیں کہ کس طرح ہم ہی مینہہ برسائیں اور نطفہ کو کسی آلہ میں ڈال کر اور رحم عورت میں پہنچا کر بچے بھی پیدا کر لیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کی تقدیر کوئی چیز نہیں بلکہ ناکامی ہماری بوجہ غلطی تدبیر ہو جاتی ہے اور جو کچھ دنیا میں خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہر ایک چیز کے طبعی اسباب معلوم نہیں تھے اور اپنے تھک جانے کی حد انتہاء کا نام خدا اور خدا کی تقدیر رکھا تھا اب علل طبعیہ کا سلسلہ جب بکلّی لوگوں کو معلوم ہو جائے گا تو یہ خام خیالات خود بخود دور ہو جائیں گے۔ پس دیکھنا چاہیئے کہ یورپ اور امریکہ کے فلاسفروں کے یہ اقوال خدائی کا دعوےٰ ہے یا کچھ اور ہے اسی وجہ سے ان فکروں میں پڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح مردے بھی زندہ ہو جائیں اور امریکہ میں ایک گروہ عیسائی فلاسفروں کا انہی باتوں کا تجربہ کر رہا ہے اور مینہہ برسانے کا کارخانہ تو شروع ہو گیا ہے اور ان کا منشاء ہے کہ بجائے اس کے کہ لوگ مینہہ کے لئے خدا تعالےٰ سے دعا کریں یا استسقاء کی نماز پڑھیں گورنمنٹ میں ایک عرضی دیدیں کہ فلاں کھیت میں مینہہ برسایا جائے اور یورپ میں یہ کوشش ہو رہی ہے کہ نطفہ رحم میں ٹھہرانے کے لئے کوئی کل پیدا ہو نیز یہ بھی کہ جب چاہیں لڑکا پیدا کر لیں اور جب چاہیں لڑکی اور ایک مرد کا نطفہ لے کر اور کسی پچکاری میں رکھ کر کسی عورت کے رحم میں چڑھا دیں اور اس تدبیر سے اس کو حمل کر دیں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ خدائی پر قبضہ کرنے کی فکر ہے یا کچھ اور ہے اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ دجّال اوّل نبوّت کا دعوےٰ کرے گا پھر خدائی کا، اگر اس کے یہ معنے لئے جائیں کہ چند روز نبوّت کا دعوےٰ کر کے پھر خدا بننے کا دعوےٰ کرے گا تو یہ معنے صریح باطل ہیں کیونکہ جو شخص نبوّت کا دعوےٰ کرے گا اس دعوے میں ضرور ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کرے اور نیز یہ بھی کہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے میرے پر وحی نازل ہوتی ہے اور نیز خلق اللہ کو وہ کلام سناوے جو اس پر خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ایک اُمّت بناوے جو اس کو نبی سمجھے اور اس کی کتاب کو کتاب اللہ جانے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ ایسا دعوےٰ کرنے والا اسی اُمّت کے رُوبرو خدائی کا دعوےٰ کیونکر کر سکتا ہے کیونکہ وہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ تو بڑا مفتری ہے پہلے تو خدا تعالےٰ کا اقرار کرتا تھا اور خدا تعالےٰ کا کلام ہم کو سناتا تھا اور اب اس سے انکار ہے اور اب آپ خدا بنتا ہے۔ پھر جب اوّل دفعہ تیرے ہی اقرار سے تیرا جھوٹ ثابت ہو گیا تو دوسرا دعوےٰ کیونکر سچا سمجھا جائے جس نے پہلے خدا تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کر لیا اور اپنے تئیں بندہ قرار دے دیا اور بہت سا الہام اپنا لوگوں میں شائع کر دیا کہ یہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے وہ کیونکر ان تمام اقرارات سے انحراف کر کے خدا ٹھہر سکتا ہے سو یہ معنے جو ہمارے علماء لیتے ہیں بالکل فاسد ہیں صحیح معنے یہی ہیں کہ نبوّت کے دعوےٰ سے مراد دخل در امور نبوّت اور خدائی کے دعوےٰ سے مراد دخل در امور خدائی ہے جیسا کہ آج کل عیسائیوں سے یہ حرکات ظہور میں آ رہی ہیں ایک فرقہ ان میں سے انجیل کو ایسا توڑ مروڑ رہا ہے کہ گویا وہ نبی ہے اور اس پر آیتیں نازل ہو رہی ہیں اور ایک فرقہ خدائی کے کاموں میں اس قدر دخل دے رہا ہے کہ گویا وہ خدائی کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے۔

غرض یہ دجالیت عیسائیوں کی اس زمانہ میں کمال درجہ تک پہنچ گئی ہے اور اس کے قائم کرنے کے لئے پانی کی طرح انہوں نے اپنے مالوں کو بہا دیا ہے اور کروڑہا مخلوقات پر اپنا بد اثر ڈالا ہے۔ تقریر سے، تحریر سے، مال سے، عورتوں سے، گانے بجانے سے، تماشے دکھلانے سے، ڈاکٹر کہلانے سے، غرض ہر ایک پہلو سے ہر یک طریق سے، ہر یک پیرایہ سے، ہر ایک مُلک پر انہوں نے اثر ڈالا ہے چنانچہ چھ کروڑ تک ایسی کتاب تالیف ہو چکی ہے جس میں یہ غرض ہے کہ دنیا میں ناپاک طریق عیسےٰ پرستی کا پھیل جائے۔ پس اس زمانہ میں دوسری مرتبہ حضرت مسیح کی رُوحانیت کو جوش آیا اور انہوں نے دوبارہ مثالی طور پر دنیا میں اپنا نزول چاہا اور جب ان میں مثالی نزول کے لئے اشد درجہ کی توجہ اور خواہش پیدا ہوئی تو خدا تعالےٰ نے اس خواہش کے موافق دجّال موجودہ کے نابود کرنے کے لئے ایسا شخص بھیج دیا جو ان کی روحانیت کا نمونہ تھا وہ نمونہ مسیح علیہ السلام کا رُوپ بن کر مسیح موعود کہلایا کیونکہ حقیقت عیسویہ کا اس میں حلول تھا یعنے حقیقت عیسویہ اس سے متحد ہو گئی تھی اور مسیح کی رُوحانیت کے تقاضا سے وہ پیدا ہوا تھا۔ پس حقیقت عیسویہ اس میں ایسی منعکس ہو گئی جیسا کہ آئینہ میں اشکال اور چونکہ وہ نمونہ حضرت مسیح کی رُوحانیت کے تقاضا سے ظہور پذیر ہوا تھا اس لئے وہ عیسےٰ کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ حضرت عیسےٰ کی روحانیت نے قادر مطلق عزّ اسمہٗ سے بوجہ اپنے جوش کے اپنی ایک شبیہ چاہی اور چاہا کہ حقیقت عیسویہ اس شبیہ میں رکھی جائے تا اس شبیہ کا نزول ہو پس ایسا ہی ہو گیا اس تقریر میں اس وہم کا بھی جواب ہے کہ نزول کے لئے مسیح کو کیوں مخصوص کیا گیا یہ کیوں نہ کہا گیا کہ موسےٰ نازل ہوگا یا ابراہیم نازل ہوگا یا داؤد نازل ہوگا کیونکہ اس جگہ صاف طور پر کھل گیا کہ موجودہ فتنوں کے لحاظ سے مسیح کا نازل ہونا ہی ضروری تھا کیونکہ مسیح ہی کی قوم بگڑی تھی اور مسیح کی قوم میں ہی دجالیت پھیلی تھی۔ اس لئے مسیح کی رُوحانیت کو ہی جوش آنا لائق تھا یہ وہ دقیق معرفت ہے کہ جو کشف کے ذریعہ سے اس عاجز پر کھلی ہے۔"

تیسرا مثالی نزول یا بالفاظ دیگر چوتھا نزول } چوتھے نزول کے متعلق فرماتے ہیں :-

"کیونکہ مسیح کی ہی قوم بگڑی تھی اور مسیح کی قوم میں ہی دجالیت پھیلی تھی اس لئے مسیح کی روحانیت کو ہی جوش آنا لائق تھا یہ وہ دقیق معرفت ہے کہ جو کشف کے ذریعہ سے اس عاجز پر کھلی ہے اور یہ بھی کھلا کہ یوں مقدر ہے کہ ایک زمانہ کے گذرنے کے بعد کہ خیر اور صلاح اور غلبۂ توحید کا زمانہ ہوگا پھر دنیا میں فساد اور شرک اور ظلم عود کرے گا اور بعض بعض کو کیڑوں کی طرح کھائیں گے اور جاہلیت غلبہ کرے گی اور دوبارہ مسیح کی پرستش شروع ہو جائے گی اور مخلوق کو خدا بنانے کی جہالت بڑے زور سے پھیلے گی اور یہ سب فساد عیسائی مذہب سے ہیں۔ آخری زمانہ کے آخری حصہ میں دنیا میں پھیلیں گے تب پھر مسیح کی روحانیت سخت جوش میں آکر جلالی طور پر اپنا نزول چاہے گی تب ایک قہری شبیہہ میں اس کا نزول ہو کر اس زمانہ کا خاتمہ ہو جائے گا تب آخر ہوگا اور دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح کی اُمت کی نالائق کرتوں کی وجہ سے مسیح کی رُوحانیت کے لئے یہی مقدر تھا کہ تین مرتبہ دُنیا میں نازل ہو۔

اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت بھی اسلام کے اندرونی مفاسد کے غلبہ کے وقت ہمیشہ ظہور فرماتی رہتی ہے اور حقیقت محمدیہ کا حلول ہمیشہ کسی کامل متبع میں ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے اور جو احادیث میں آیا ہے کہ مہدی پیدا ہوگا اور اس کا نام میرا ہی نام ہوگا اور اس کا خلق میرا ہی خلق ہوگا اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں تو یہ ہی نزول روحانیت کی طرف اشارہ ہے لیکن وہ نزول کسی خاص فرد میں محدود نہیں صدہا ایسے لوگ گذرے ہیں کہ جن میں حقیقت محمدیہ متحقق تھی اور عند اللہ ظلی طور پر ان کا نام محمد یا احمد تھا۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مرحومہ ان فسادوں سے بفضلہ تعالےٰ محفوظ رہی ہے جو حضرت عیسےٰ کی اُمت کو پیش آئی اور آج تک ہزارہا صلحا اور اتقیاء اس اُمت میں موجود ہیں کہ جو دُنیا کی طرف پشت دے کر بیٹھے ہوئے ہیں پنج وقت توحید کی اذان کی مساجد میں گونج پڑتی ہے کہ آسمان تک محمدی توحید کی شعاعیں پہنچتی ہیں پھر کون سا موقع تھا کہ آنحضرت صلی اللہ کی رُوحانیت کو ایسا جوش آتا جیسا کہ حضرت مسیح کی رُوح میں عیسائیوں کے دل آزار وعظوں اور نفرتی کاموں اور مشرکانہ تعلیموں اور نبوت میں بے جا دخلوں اور خدائے تعالےٰ کی ہمسری کرنے نے پیدا کر دیا اس زمانہ میں یہ جوش حضرت موسےٰ کی رُوح کو بھی اپنی اُمت کے لئے نہیں آسکتا تھا کیونکہ وہ تو نابود ہو گئی اور اب صفحۂ دنیا میں ذریت اُن کی بجز چند لاکھ باقی نہیں اور وہ بھی ضربت علیهم الذلة والمسكنة کے مصداق اور اپنی دنیاداری کے خیالات میں غرق اور نظروں سے گرے ہوئے ہیں لیکن عیسائی قوم اس زمانہ میں چالیس کروڑ سے کچھ زیادہ ہے اور بڑے زور سے اپنے دجالی خیالات کو پھیلا رہی ہے اور صدہا پیرایوں میں اپنے شیطانی منصوبوں کو دلوں میں جاگزین کر رہی ہے بعض واعظوں کے رنگ میں پھرتے ہیں گویئے بن کر گیت گاتے ہیں بعض شاعر بن تثلیث کے متعلق غزلیں سناتے ہیں بعض جوگی بن کر اپنے خیالات کو شائع کرتے پھرتے ہیں بعض نے یہی خدمت لی ہے کہ دُنیا کی تمام زبانوں میں اپنی محرّف انجیل کا ترجمہ کر کے اور ایسا ہی دوسری کتابیں اسلام کے مقابل پر ہر ایک زبان میں لکھ کر تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔ بعض تفسیر کے پیرایہ میں اسلام کی بُری تصویر لوگوں کے دلوں میں جماتے ہیں اور ان کاموں میں کروڑہا روپیہ ان کا خرچ ہوتا ہے اور بعض ایک فوج بنا کر اور مکتی فوج اس کا نام رکھ کر ملک بہ ملک پھرتے ہیں اور ایسا ہی اور اور کارروائیوں نے بھی جو اُن کے مرد بھی کرتے ہیں اور ان کی عورتیں بھی کروڑہا بندگان خدا کو نقصان پہنچایا ہے اور بات انتہاء تک پہنچ گئی ہے اس لئے ضرور تھا کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح کی رُوحانیت جوش میں آتی اور اپنی شبیہہ کے نزول کے لئے جو اس کی حقیقت سے متحد ہو تقاضا کرتی سو اس عاجز کے صدق کی شناخت کے لئے یہ ایک بڑی علامت ہے مگر ان کے لئے جو سمجھتے ہیں اسلام کے صوفی جو قبروں سے فیض طلب کرنے کے عادی ہیں اور اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ایک فوت شدہ نبی یا ولی کی رُوحانیت کبھی ایک زندہ مرد خدا سے متحد ہو جاتی ہے جس کو کہتے ہیں فلاں ولی موسےٰ کے قدم پر ہے اور فلاں ابراہیم کے قدم پر یا محمدی المشرب اور ابراهیمی المشرب رکھتے ہیں وہ ضرور اس دقیقۂ معرفت کی طرف توجہ کریں۔"

حضرت مسیح ناصری کے چار نزولوں کے متعلق اہل ربوہ کیلئے لمحہ فکریہ۔

پہلے تینوں نزولوں کے متعلق واضح ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے فرستادوں کے ذریعہ وقوع میں آئے ایک اصلی مسیح کے ذریعہ اور دو مثالی نزولوں کے ذریعہ یعنی خاتم النبیین کے ذریعہ اور چوتھا نزول جو وہ بھی مثالی نزول ہے اور اس کے متعلق بھی پیشگوئی کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ بھی فرستادۂ الٰہی ہوگا اور ایسے زمانہ میں اس کا نزول ہوگا کہ جب دُنیا میں فساد اور شرک اور ظلم دنیا میں پھیلا ہوا ہوگا اور جاہلیت غالب ہوگی اور دوبارہ مسیح کی پرستش شروع ہو جائے گی اور مخلوق کو خدا بنانے کی جہالت بڑے زور سے پھیلے گی اور یہ سب فساد عیسائی مذہب سے اس آخری زمانہ کے آخری حصہ میں دُنیا میں پھیلیں گے

"تب پھر مسیح کی روحانیت سخت جوش میں آکر جلالی طور پر اپنا نزول چاہے گی تب ایک قہری شبیہہ میں اس کا نزول ہو کر اس زمانہ کا خاتمہ ہو جائے گا"

پیشگوئی کے یہ الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ چوتھا نزول بھی فرستادہ الٰہی کے ذریعہ ہی ہوگا اور وہ قہری نشانوں کے ساتھ آئے گا۔ پس اہل ربوہ کا یہ خیال کہ اب کوئی مجدد نہیں آئے گا اس پیشگوئی سے غلط ثابت ہو جاتا ہے یہ چوتھا مثالی نزول وہی نزول ہے جس کے متعلق پیشگوئی مصلح موعود کے نام سے کی جاتی رہی اس مثالی نزول کے متعلق "ازالہ اوہام" کے صفحہ ۱۵۵ تا ۱۵۶ پر مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کے متعلق پیشگوئی مذکور ہے۔

"بالآخر ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے کیونکہ نبیوں کے مثیل ہمیشہ دُنیا میں ہوتے رہتے ہیں بلکہ خدا تعالےٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اُترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کر دے گا۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو جو شبہات کی زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا فرزند دلبند گرامی و ارجمند مظهر الحق والعلاء كان الله نزل من السماء لیکن یہ عاجز ایک خاص پیشگوئی کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی ہے مسیح موعود کے نام پر آیا ہے واللہ ما

حضرت مسیح ناصریؑ کے چوتھے شبیہہ کے پیشگوئی کے الفاظ بالکل مصلح موعود کی پیشگوئی کے مشابہ ہیں۔ } چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں :-

"اس کے ساتھ

فضل ہے۔ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظھر الاوّل والآخر۔ مظھر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السّماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اسی کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وکان اللہ امراً مقضیّاً۔"

اس میں بھی آنے والے نزولی مسیح یعنے مثالی مسیح کو جلالی اور قہری تحریر کیا ہے جیسا کہ چوتھے نزول کے متعلق وضاحت سے کہا گیا ہے کہ وہ جلالی اور قہری شبیہہ ہوگا اور پھر کس وضاحت سے کہا گیا ہے کہ وہ میری ذرّیت سے ہوگا (ذرّیت سے مراد جسمانی اور رُوحانی ذرّیت دونوں ہوتی ہیں۔ ناقل) اور کس وضاحت سے دونوں کے متعلق کہا گیا ہے "فرزند دلبند گرامی و ارجمند مظھر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السّماء" اور کس وضاحت سے مصلح موعود کی علامت کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا اس چوتھے نزول پر پوری ہو رہی ہیں اس کا انکار ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا یہ سارے فرستادۂ الٰہی ربوہ والوں کے انتخاب کردہ خلیفہ ہوں گے یا حدیثِ مجدّد کی رو سے خدا کے فرستادہ ہوں گے۔

رسالہ "الوصیّت" کی رُو سے اہلِ ربوہ پر اتمام حجّت

حضرت مسیح موعودؑ رسالہ "الوصیت" کے صفحہ ۷ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں:-

"خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذرّیت سے ایک شخص کو قائم کروں گا (ذرّیت سے مراد جسمانی اور رُوحانی ذرّیت دونوں مراد ہوتی ہیں۔ ناقل) اور ان کو اپنے قُرب اور وحی سے مخصوص کروں گا۔"

رسالہ "الوصیّت" کی دوسری عبارت

صفحہ ۸ پر حضور فرماتے ہیں:- "اور چاہیئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفسِ پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں[1] خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ان تمام رُوحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اخلاق اور دُعاوں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے رُوح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔"

پس اے اہلِ ربوہ خدارا غور کرو کہ حضور تو جماعت کو یہ وصیّت کر رہے ہیں کہ جب تک کوئی خدا تعالےٰ سے رُوح القدس پاکر کھڑا نہ ہو اُس وقت تک مل کر کام کرو اور مل کر کام کرنے کا ذریعہ انجمن کو ٹھہرایا ہے اور بیعت لینے کا اختیار ایک شخص کو نہیں بلکہ متعدد اشخاص کو یہ اختیار دیا گیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک کوئی رُوح القدس پاکر کھڑا نہیں ہوتا اس وقت تک یہی نظام قائم رہے یعنی انجمن جماعت کے تمام کاموں کی ذمہ دار ہو اور بیعت کا طریق وہی ہوگا جس کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے۔ اب نہ تو میاں محمود احمد صاحب رُوح القدس پاکر کھڑے ہوئے ہیں اور نہ میاں ناصر احمد صاحب۔ پس رُوح القدس پاکر کھڑا ہونے والا شخص لامحالہ مجدّد ہوگا۔

پس جماعت میں مجدّدوں کا آنا حضور کی مندرجہ عبارت سے بھی واضح ہے۔ پس خلیفوں کو مجدّد قرار دینا انتہا درجہ کا تحکم ہے اور رُوحانی سلسلہ کو ملیامیٹ کر دینے کے مترادف ہے۔ (باقی دارد)

[1] حاشیہ: "ایسے لوگوں کا انتخاب مومنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا پس جس شخص کی نسبت چالیس مومن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا اور چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں دوسروں کے لئے نمونہ بناوے۔"

تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کی تعزیتی قرارداد

تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کے ایک تعزیتی اجلاس میں مولانا عبدالرحیم جگو صاحب مبلغ ہالینڈ کی سمدھن محترمہ محن زیتون صاحبہ کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا۔ مرحومہ بڑی نیک اسلام کی فدائی اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی سرگرم رُکن تھیں۔ مرحومہ نے جلسہ سالانہ ۱۹۶۸ء کے موقع پر پاکستان کی احمدی بہنوں سے ملاقات کی خاطر طویل سفر کی صعوبت برداشت کی۔

مرحومہ نے خواتین کی طرف سے اپنے اعزاز میں دی گئی مختلف تقاریب سے خطاب فرمایا تھا۔ اور اپنے پُرخلوص جذبات و احساسات سے اپنی پاکستانی بہنوں کو مستفید فرمایا تھا۔ اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

تنظیم خواتین محترم جگو صاحب اور مرحومہ کے اہلِ خاندان کے غم اور صدمہ میں برابر کی شریک ہے۔ جگو صاحب سے یہ گذارش ہے کہ وہ ہمارے یہ جذبات ان کے عزیزوں تک پہنچا دیں۔

صدر و سیکرٹری
تنظیم خواتین احمدیہ۔ لاہور

اخبار احمدیہ

درخواست دُعا جماعت کے نہایت ہی مخلص بزرگ مستری مولا بخش صاحب دھرم پورہ لاہور بوجہ پیرانہ سالی عرصہ سے کمزوری میں مبتلا تھے تاہم ہمّت سے کام لے کر انجمن کے جلسوں اور جمعوں میں باقاعدہ شامل ہوتے رہے۔ آج کل ان کو ہرنیا کی تکلیف ہو گئی ہے اور اپریشن کیلئے ہسپتال میں داخل ہوتے ہیں، احباب کرام اس قیمتی بزرگ کے کامیاب اپریشن اور بعجلت صحتیاب ہونے کی دردِ دل سے دُعا فرمادیں۔ جمعہ کے اجتماعات میں بھی دُعا کی تحریک کی جائے۔

—— مکرم حافظ مولینا شیر محمدؐ صاحب خوشابی مبلغ فیجی جو رخصت پر پاکستان آئے ہوئے ہیں اور آجکل دارالسلام (لاہور) میں مقیم ہیں۔ کچھ بیمار ہیں۔ پہلے چند روز بخار رہا ہے اور اب پھوڑا نکل آیا ہے جس کا اپریشن ہوا ہے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بڑی توجہ اور شفقت سے اپنی زیر نگرانی ان کا علاج کر رہے ہیں اور بعد نماز فجر و عشاء روزانہ ان کے لئے اجتماعی دُعا بھی فرماتے ہیں۔

جملہ جماعتوں سے بھی استدعا ہے کہ وہ اس مجاہدِ اسلام و احمدیت کی جلد شفایابی کے لئے اپنی اپنی جگہ دردِ دل سے دُعا فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

یہ مطلب نہیں کہ مسجدیں خطرناک خوفناک ہیں۔ خوف بمفہوم خشیۃ اللہ ہے جو بات بھی ہو خدا کے خوف کے ماتحت ہو۔ اس کے احکام ہی مقدم ہوں۔ ایمان کے لئے اظہار عمل بھی ضروری ہے۔ اپنی مرضی نہ ہو۔ اور زمانہ کے امام نے فرمایا ہے:۔

"بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق و صفا دکھلاؤ۔ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر جماعت لکھے جاؤ۔ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی تمہاری خواہشیں اسکی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ اور پھر یہ لکھنے کے بعد اس امام نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا تم سے کوئی ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے اور اس کی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ ترقی کا ذریعہ ہے۔ دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں اور وہ دن کو رات نہیں کر سکتیں بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جس پر پڑتی ہے اس کی دونوں جہانوں میں بیخ کنی کر جاتی ہے۔"

معزز سامعین غور فرمادیں کہ کیا کذاب اور کافر ایسی نصیحتیں کرتے ہیں یا کسی اور کی کوئی ایسی تحریر پیش کی جا سکتی ہے جس میں خدا پرستی کی یہ روح ہو اور جو خدا کی حاکمیت اس درجہ پر منوانا چاہتا ہو۔

آپ نے فرمایا ہے:۔

"لوگ عنقریب دیکھ لیں کہ اس زمانہ میں خدا تعالٰے کا چہرہ ظاہر ہوگا گویا وہ آسمان سے اترے گا اس لئے بہت مدت تک اپنے تئیں چھپا رکھا۔ انکار کیا گیا اور وہ چپ رہا لیکن اب وہ چپ نہیں رہے گا اور دنیا اس کی فراست کے وہ نمونے دیکھے گی کہ کبھی انکے باپ دادوں نے نہیں دیکھے تھے یہ اس لئے ہوگا کہ زمین بگڑ گئی اور آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے پر لوگوں کا ایمان نہیں رہا۔ ہونٹوں پر اس کا ذکر ہے لیکن دل اس سے پھر گئے ہیں۔ گذشتہ آسمانی نشان سب بطور قصوں کے ہو گئے۔ سو خدا نے ارادہ کیا ہے وہ نئی زمین اور نیا آسمان بناوے وہ کیا ہے نیا آسمان اور نئی زمین۔ نئی زمین وہ پاک دل ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کرتا ہے جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔"

حضرات غور کر کے دیکھ لیں کہ کیا یہ دونوں باتیں آپ نے اس امام کے یہ پوری ہوتی دیکھ لیں ہیں یا نہیں۔ نشانات بھی آپ نے پڑھے اور سنے۔ اور لوگوں میں سے کئی بزرگوں نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو آپ کے ساتھ ہو لئے اور والوں نے ان کے حالات پڑھے اور سنے۔ تو ان کی زندگیوں پر نگاہ ڈالیں کیا کیا مقام انہوں نے حاصل کئے اور کن عظیم نیکیوں کی توفیق ان کو ملی۔ اللہ تعالٰے تو اتا ہے کونوا مع الصادقین۔ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

ہم بچپن میں سنتے تھے کہ احمدیہ بلڈنگس میں فرشتے رہتے ہیں اور ہم حیران تے تھے کہ ہمیں تو فرشتے نظر نہیں آتے۔ یہی لوگ وہ فرشتے تھے جو اس امام سے فیاب ہوئے۔ حضرت مولنا محمد علی مرحوم مغفور کی علمی خدمات پر غور کریں۔ ان تفسیر قرآن کو ایک دنیا مانتی ہے۔ کون ہے جو اس نہایت ہی یادگار کارنامے پر خراج تحسین پیش نہیں کرے گا۔ اگر کوئی ظاہرا الفاظ میں خراج پیش نہیں کرتا تو اپنے عمل ہی کر رہا ہے کہ مخالف علماء بھی اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں اور درس و یں میں اس سے مدد لیتے ہیں۔ کیا یہ کم خراج ہے۔

ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کے نام نامی سے آپ واقف ہیں۔ کیا کیا کارہائے خیر ان کے حصہ میں آئے۔ کوہ مری کے بالمقابل سامنے میں پہاڑ کا پہاڑ آپ نے خرید لیا۔ اور وہاں سینیٹوریم بنایا۔ میں نے ان کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ رہتے وہاں نہیں تھے۔ اپنی کوٹھی سے کئی میل دور بھی جاتے۔ کیا تڑپ تھی اور کیا جذبہ تھا کار خیر کے لئے۔ اور آج اس ہسپتال میں کتنے مریضوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ کس قدر دور اندیش اور نافع الناس تھے۔ اور احمدیہ بلڈنگس میں ایک اور معزز شخصیت جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے جن کا گھر آپ کے دوستوں کے لئے وقف تھا جو علاج کے لئے باہر سے آپ کے پاس جاتے۔ ہم خود ان کے ہاں جا کر رہتے اور سنا ہے کہ ایک شخص اپنے اہل خانہ کے ساتھ علاج کی غرض سے ان کے ہاں مقیم تھا کچھ دنوں کے بعد اس نے سوچا کہ ان کو تکلیف دینی تو ٹھیک نہیں کوئی مکان کرایہ پر لے لیتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں۔ میں کسی اور مکان میں چلا جاؤں گا۔ لیکن یہ گوارا نہیں کروں گا۔ کہ آپ یہاں سے جائیں۔ یہ وہ فرشتے تھے جو احمدیہ بلڈنگس میں رہتے تھے اور یہ ایسے ڈاکٹر تھے

کہ نہایت مشہور و معروف اور ماہر لیکن اپنے مریضوں کے لئے راتوں کو رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ شفا تیرے ہاتھ میں ہے۔ یہ ایمان پیدا کیا تھا اس زمانہ کے امام نے۔ ان لوگوں نے تو خدا کا چہرہ دیکھا اور وہ اسلام کے شیدائی بن گئے اور اس کے لئے ہر قربانی پیش کی۔

اور امام ربانی نے فرمایا ہے:۔

"افسوس کہ دنیا نے اس نئی تجلی کے ساتھ دشمنی کی۔ اسلام کن مصیبتوں کے نیچے کچلا گیا حمایت اسلام کا دعوے کرنے والے اب خدا کے الزام کے نیچے ہیں کہ حمایت اسلام کا دعوے کر کے جب آسمان سے ستارہ نکلا تو سب سے پہلے منکر ہو گئے، اب وہ اس خدا کو کیا جواب دیں گے جس نے عین وقت پر مجھے بھیجا۔ مگر ان کو تو کچھ پرواہ نہیں۔ آفتاب دوپہر کے نزدیک آ گیا ابھی ان کے نزدیک رات ہے۔ خدا کا چشمہ پھوٹ پڑا مگر ابھی وہ بیابان میں ہی رہ رہے ہیں۔ اس کے آسمانی علوم کا ایک دریا چل رہا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو کچھ بھی خبر نہیں اس کے نشان ظاہر ہو رہے ہیں لیکن یہ لوگ غافل ہیں اور نہ صرف غافل بلکہ خدا کے سلسلے سے دشمنی رکھتے ہیں کیا یہی حمایت اسلام ہے جو ان کے ہاتھوں سے ہو رہی ہے مگر کیا یہ لوگ روگردانی سے خدا کے سچے ارادے کو روک دیں گے جو ابتداء سے تمام نبی اس پر گواہی دیتے آئے ہیں بلکہ خدا کی یہ پیشگوئی عنقریب سچی ہونے والی ہے کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی۔ خدا تعالٰے نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں غالب ہوں اور میرے بھیجے ہوئے غالب رہیں گے۔"

سو غلبہ تو ظاہر ہو چکا۔ نشانات کے ذریعہ بھی اور علم و معرفت کے بے بہا خزانے سے بھی۔ اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا۔ جتنی بڑی دشمنی اور منصوبہ بندی ہوئی اتنے ہی بڑے نشان سے دشمنی کی شکست اور بے بسی کے نظارے دنیا نے دیکھے۔ تو یہ ہے اس زمانے کا امام جس نے اشاعت اور غلبۂ اسلام کے لئے جماعت بنائی اور قرآن کے حکم کے تحت بنائی۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر دعوت الی الاسلام کے کام کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس کے لئے جماعت کا ہونا ضروری قرار دیا۔ اس جماعت کے افراد کی زندگیوں کا مقصد اصلی اشاعت اسلام اور دعوت الی الخیر اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو اس لئے کہ اس کے بغیر قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جس قوم نے اپنی تعداد بڑھانے کی فکر نہیں کی اس کا تنزل اور انحطاط شروع ہو گیا اور جس قوم کا مقصد اس کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ ہو اس کا مقصد کیسا اعلٰے ہے۔ اللہ تعالٰے کی تائید اس کے ساتھ کیوں نہ ہوگی۔

لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا تنزل ان کی سلطنت اور حکومت کے جاتے رہنے سے ہوا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا تنزل اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے اسلام کے کام کی طرف کم توجہی کر دی سلطنتوں کا جاتے رہنا محض اس کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے۔ اس زمانے میں جب دعوت الی الاسلام کے کام کی طرف سے اکثر مسلمان غافل ہو رہے تھے تو اس صدی کے مجدد حضرت مرزا صاحب نے الہام الٰہی کی بنا پر ایک جماعت تیار کی اور آپ نے بارہا یہ اعلان کیا کہ میرے آنے کی اصل غرض یہی ہے کہ تا اشاعتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ اور آپ نے جو اقرار اس سلسلہ میں داخل ہونے والوں سے لیا اور جو شرائطِ بیعت کا اہم حصہ ہے وہ یہی ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ کیا یہ کوئی قابلِ اعتراض مقصد ہے۔ تو جو لوگ اس کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ اسلام کی خیر خواہی نہیں کرتے کیونکہ جس قدر جماعت ترقی کرے گی اسی قدر دعوت الی الاسلام کا کام بھی ترقی کریگا۔ اور آپ نے شرائط کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔ آپ نے فرمایا صرف زبان سے بیعت کا اقرار کچھ چیز نہیں جب تک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو۔ پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالےٰ کے کلام میں وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار۔ اور فرمایا یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ جو میری پوری پیروی کرتے ہیں وہ میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔

پیروی کرنے کے لئے یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ اور آپ نے فرمایا میں دو ہی باتیں لے کر آیا ہوں ایک توحید اور دوسری مودت فی القربیٰ اور آپ کی تعلیم جو کہ قرآن کی ہی تعلیم ہے اور زبانی نصیحتوں میں کیا اور تقریروں میں کیا آپ نے ایک ایسے معاشرہ کی جانب رہنمائی کی ہے کہ دنیا فی الواقع امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ متکبر اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ظالم اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ خائن اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر ایک جو اس کے لئے غیرت مند نہیں وہ اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اس سے دور ہے اور ہر ایک ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ وہ جو اس کے لئے آگ میں ہے وہ آگ سے نجات پائے گا۔ وہ جو اس کے لئے روتا ہے ہنسے گا اور وہ جو اس کے لئے دنیا سے توڑتا ہے وہ اس کو ملے گا۔ کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو۔ سو تمہاری عقلمندی اسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو اور اگر کوئی طاقت رکھے تو توکل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑھ کر ہے۔"

کیا یہ اسلام کی تعلیم نہیں۔ جب یہ امام اسلام کی طرف بلاتا ہے تو پھر اس کا ساتھ کیوں نہ دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ تو فرماتا ہے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ نیکی اور تقوے کے کاموں میں تعاون کرو گناہ اور زیادتی کا ساتھ نہ دینا۔ کیا ہم اس اچھے کام کو چھوڑ کر مخالفین کی تائید کرنا چاہتے ہیں، اگر ہم خاموشی اختیار کرتے ہیں تو یہ بھی ٹھیک نہیں۔ خاموشی تو ایک کند ہتھیار ہے۔ جو نظریات اسلام نے پیش کئے ہیں کیا ان کا عملی اور منطقی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام کی ترقی ان سے وابستہ ہے۔ لدھیانہ میں آپ نے ایک پادری سے فرمایا یہ چھوٹی سی بات ہے اس میں ماننے میں کیا حائل ہے کہ عیسےٰ مر گیا۔ پادری نے کہا کہ اگر مسیح کی وفات کو مان لیا جائے تو پھر یکدم سب مسلمان ہو جائیں۔ ہمارے مذہب کی روح ہی یہ وفاتِ مسیح کا عقیدہ ہے۔

پھر دہلی کے اس واقعہ پر غور کریں کہ جب آپ وہاں گئے تو ایک گروہ مخالفت کے لیے نکل آیا۔ آپ نے اُن سے فرمایا تم لوگوں نے مسیح کو تیرہ سو برس سے زندہ مان کر جو کچھ اس کا نتیجہ دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ لاکھوں مسلمان مرتد ہو گئے جو کلمہ پڑھتے تھے جو آنحضرت صلعم کا نام ادب سے لیتے تھے وہ اب گالیاں دیتے ہیں نعوذ باللہ۔ اب ہمارے نسخے کو بھی آزما کر دیکھو کہ مسیح کی وفات ماننے میں اسلام کی زندگی ہے اور عیسائی مذہب کی موت ہے یا نہیں۔ یہ سن کر ایک شخص اٹھا اور بولا۔ جو کچھ کہتے ہو سچ کہتے ہو اسلام کی سچی خیر خواہی اسی میں ہے یہ ہوتی ہے حق گوئی۔

حضرت صاحب نے لاہور کا بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بشپ نے موازنہ کر کے کہا دیکھو ایک مدینہ میں مدفون ہے اور ایک آسمان پر زندہ ہے وہاں ایک احمدی نے قرآنی آیت فلما توفیتنی سے عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت کی تو بشپ نے کہا شاید تم مرزائی ہو میں تمہارے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتا۔ باہر نکل کر بعض لوگوں نے کہا مرزائی ہیں تو کافر مگر آج انہوں نے ہماری عزت رکھ لی ہے۔ کیا یہ ہمارے امام کی فتح عظیم نہیں اس پر خاموشی اختیار کرنے کے کیا معنے۔ یہ تو وہ ہتھیار ہے جو للکارتے ہوئے کر نکلنا چاہیئے اور اس امام کے احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم عملی طور پر قدردانی کرنے والے ہوں۔ اور اس میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے اور جس زمانے اور حالات سے آج ہم گذر رہے ہیں اور ظہر الفساد فی البر والبحر کا جو نقشہ ساری دنیا میں محیط ہو چکا ہے یعنی زمین پر بھی فساد ہے اور سمندروں میں بھی فساد ہے کیا وہ ہمارے دلوں کو نرم کرنے کے لئے کافی نہیں۔

حضرت امامِ زمان نے لکھا ہے کہ جو باتیں مجھے معلوم ہیں اگر تمہیں معلوم ہوں اور جو یقین مجھے خدا تعالےٰ کے کلام پر ہے اگر تمہیں ہو تو میں سچ کہتا ہوں کہ تم ہر وقت روتے رہو۔ ایک ہولناک زلزلہ آنے والا ہے جو اچانک آئے گا اور خدا تعالےٰ اپنی پوری تجلی دکھائے گا۔ تو غور فرمائیں کہ کیا اللہ تعالےٰ نے اپنی تجلی نہیں دکھائی۔ زلزلے بھی آئے۔ آفتیں بھی آئیں اور جو پہلی قوموں پر عذاب آئے۔ پتھر بھی برسائے گئے۔ اور آج شہاب ثاقب پر جو تحقیق ہوئی ہے، چند دن ہوئے T.V (ٹی۔وی) پر ایک پروگرام تھا ایک پاکستانی جو برمنگھم میں ان پر تحقیق کر رہا ہے اس نے اپنی تقریر میں پتھروں کے ٹکڑے بھی دکھائے جو وہ ساتھ لایا تھا۔ ان میں لوہے کے بھی ٹکڑے تھے اور بتایا کہ اتنے بڑے بڑے پتھر گرے ہیں کہ ان سے زمین میں ۵۰۰ فٹ گہرا گڑھا پڑ گیا۔ اور ایک جگہ اتنا بڑا گڑھا ہو گیا کہ اس میں ایک بستی آباد ہے۔ سچ فرمایا ہے قرآن پاک میں وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کے لشکر کیا کیا ہیں۔ اس صدی کے مجدد نے فرمایا خدا تعالےٰ کے افواج کی باتیں نرمی سے شروع ہوتی ہیں۔ حضرت موسےٰ کے زمانہ میں پہلے نرم نرم عذاب آئے کہ حشرات الارض نکل آئے پھر قحط پڑا۔ بھلا فرعون قحط کو کیا جانتا تھا۔ اس کو اپنی دولت پر ناز تھا۔ وہ تماشا سمجھتا ہوگا کیونکہ قحط کا اثر تو غریبوں پر ہوتا ہے۔ مگر اس کو یہ خبر نہ تھی کہ ایک دن بطش شدید کا آنے والا ہے۔ جب اس کے منہ سے بے اختیار نکلے گا۔ امنت برب موسیٰ و ھارون کے رب کو مان گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا ـــــ نافرمانبرداروں کی راہوں سے بچو وہ سزا دینے میں دھیما ہے۔ اس کی رحمتیں سمندروں سے بھی زیادہ ہیں مگر وہ شدید العقاب بھی ہے جو قبل از نزول عذاب ایسا ڈرے کہ گویا اس پر آ ہی پڑا تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ بچایا جاتا ہے۔

اور مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ عذاب سے پہلے ڈرے۔ جب آ گیا

تو اس سے پھر ڈرنا کیا سود مند ہو سکتا ہے پھر تو ہر مذہب کا فرد ڈرتا ہے اور آپ یہ تقریر کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا کیں نہیں جانتا کہ اس مجمع میں کتنے دل ہیں جو ڈرتے ہیں۔ میں دوبارہ کہتا ہوں کہ یہ دن بہت خوفناک ہیں۔ بدعملیوں سے بچو تا بچائے جاؤ۔ انبیاء کی زبانی یہ وعدہ ہوتا آیا ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود آئے گا اور جہاں تک اس کی نظر جائے گی کافر مرتے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خواہ مخواہ ضد کرتے ہیں اس کی توجہ کا نشانہ بنیں گے وہ مریں گے اور آپ نے فرمایا اب تو تمام دنیا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ غور فرمائیں کہ کس زمانے میں آپ نے یہ کہا اور کیا یہ صحیح ثابت نہیں ہوا۔

تو جس راہ پر آپ نے لگایا وہ صحیح راہ ہے اور اسی میں جماعت کی بہتری ہے۔ قرآن میں تنبیہ فرمائی گئی ہے ان الخاسرین الذین خسروا انفسھم واھلیھم یوم القیامۃ الا ذالک ھو الخسران المبین۔ گھاٹے میں رہنے والے وہ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو گھاٹے میں رکھا دیکھو یہ کھلا گھاٹا ہے۔ اور غور فرمائیں صحیح راہ کو اختیار کرنے سے کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ہم نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ دوسروں کو بھی نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کو بھی حکم ہوا تھا۔ وانذر عشیرتک الاقربین۔ اپنے اہل اور قریبیوں کو ڈرا۔ اور یہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم عملی نمونہ پیش کریں۔

اسلام میں چند باتیں مان کر ورد کرنا نہیں بلکہ عمل ہے اس حد تک پہنچانا ہے کہ فیض بخش ہو۔ اور دوسرے بھی تقلید اسی صورت ... کر سکتے ہیں۔ اولیاء جو گذرے ہیں تو ان کی زندگیوں میں ہمیں سبق ملتا ہے کہ وہ گذار دینے تھے ان کی نظر میں صرف اللہ تعالیٰ کا وجود باقی رہ گیا تھا۔ یہ ہے وہ توحید جس سے تقوےٰ پیدا ہوتا ہے اور مجدد زمان نے اسی طرف بلایا ہے۔ سیالکوٹ میں حکیم حسام الدین بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ وہ حکیم تھے۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کی مسجد میں آپ بیشتر مرتبہ جا کر نماز پڑھتے تھے وہ مسجد انہی کے نام پر بلائی جاتی ہے مسجد حکیم حسام الدین اور گلی حسام الدین۔

ایک دن وہ اپنے مریضوں کو دیکھ کر آئے تو فرمانے لگے مجھے بھی تکلیف ہو گئی ہے۔ ہیضہ کی وبا تھی۔ آپ نے کسی صاحب کو کاغذ اور قلم لانے کے لئے کہا کہ وصیت لکھوانا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں مریضوں سے فیس کو لے آیا ہوں (دو روپے فیس ہوتی تھی) لیکن نہ ان کے لئے دوا تجویز کر سکا ہوں اور نہ ہی دوائی دی ہے۔ فلاں مریض کو فیس واپس کر دینا کہ اس طرح اس فیس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ وہ شخص کاغذ اور قلم لے کر آیا تو حکیم صاحب راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔

یہ تھا اس شخص کا باریک تقوےٰ۔ اور انہی کے بیٹے سید حامد علی شاہ صاحب نے اپنے بیٹے کے خلاف گواہی دی تھی اور اس نے کچھ پرواہ نہ کی تھی کہ اس کے بیٹے کی جان کو خطرہ ہے کیونکہ مقدمہ قتل کا تھا۔ اس کے سامنے ایک طرف خدا تھا اور ایک طرف بیٹا۔ وہ خدا کی طرف گیا۔ یہ ہے عمل قرآنی آیت کونوا قوامین بالقسط ولو کان ذا قربیٰ۔ انصاف پر قائم ہو جاؤ خواہ قریبیوں کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اور اس کا بیٹا بچ بھی گیا۔ اس صداقت کا ایسا اثر فیصلہ کرنے والے پر ہوا کہ وہ انگشت بدنداں تھا کہ اتنی حق گوئی۔ اور وہ قتل عمد نہیں تھا۔ لڑائی میں اتفاقاً ایک لڑکا جاں بحق ہو گیا۔ اور پھر اس بزرگ کی شہرت کا یہ عالم کہ جن کا بچہ مر گیا انہوں نے کہا ہماری طرف سے یہی گواہ کافی ہیں کہ ان کو یقین تھا کہ یہ شخص جھوٹی گواہی نہیں دے گا۔

یہ لوگ تھے جو اس امام کے گرد جمع ہوئے۔ آج ان لوگوں کا ذکر خیر باقی ہے اور ہم ان واقعات کو دوہراتے ہیں۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے:

”ہماری جماعت کے آدمیوں کو چاہیئے کہ ایسی باتوں کو دل سے ہٹا دیں قیامت کے دن خدا تعالیٰ یہ نہیں پوچھے گا کہ تم کو کس قدر الہام ہوئے یا کتنی خوابیں آئیں بلکہ عمل صالح کے متعلق سوال ہوگا کہ کس قدر نیک عمل تم نے کئے۔“

اور آپ نے ہر بات میں ایک نصیحت کی بات نکالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:—

ہم خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہے اور کسی سے ہم کو کیا غرض۔ خدا راضی ہے تو کوئی غم کی بات نہیں۔ اگر اولاد زندہ بھی رہے تو بغیر خدا کے فضل کے وہ بھی موجب ابتلا ہو جاتی ہے۔

اور آپ نے فرمایا:—

یاد رکھو انسان کے واسطے یہی ایک عالم نہیں بلکہ اس کے بعد ایک اور عالم ہے۔ یہ تو ایک مختصر زندگی ہے اس جگہ کی مصائب کا خاتمہ تو موت کے ساتھ ہو جاتا ہے لیکن اس عالم کا خاتمہ نہیں۔ اس دائمی جہان کے واسطے کوشش کرنی چاہیئے مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ صرف صبر کرنے والا نہ ہو بلکہ مصیبت پر راضی ہو یہی مقام اعلیٰ ہے۔ منعم کو نعمتوں پر مقدم رکھو۔

اور آج کل کا نوجوان جو مذہب سے بیگانہ ہے کہتا ہے کہ جی یہ کیا بات ہوئی کہ رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ ہم اپنی محنت سے کماتے ہیں۔ دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ لیکن دیکھئے کیا عمدہ حل کیا ہے۔ امام نے فرمایا منعم کو نعمتوں پر مقدم رکھو جو اصل منبع ہے نعمتوں کا اور رزق کا اور ہر خیر کا۔ وہ ہی نہ ہو تو باقی نعمتیں کہاں ہیں۔ وہ ہی رازق ہے اور سب کچھ۔ ساری عزت کا راز اس کی فرمانبرداری میں ہے۔ تو کیا خوب فرمایا ہے، منعم کو نعمتوں پر مقدم رکھو اور آپ نے فرمایا:—

”تزکیہ نفس اسے کہتے ہیں کہ خالق اور مخلوق دونوں طرف کے حقوق کی رعایت کرنے والا ہو۔ خدا تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ جیسا زبان سے وحدہٗ لاشریک اسے مانا جائے ایسا ہی عملی طور پر اسے مانیں اور مخلوق کے ساتھ برابر نہ کیا جائے۔ اور مخلوق کا حق یہ ہے کہ کسی سے ذاتی طور پر بغض نہ ہو اور ایک دوسرے کے حقوق کو پورا کرو۔ اس وقت تک تم ایک وجود کی طرح بھائی بھائی نہ بن جاؤ گے آپس میں بمنزلہ اعضا نہ ہو جاؤ گے۔ بیشک خدا کا حق بڑا ہے مگر اس بات کو پہچاننے کا آئینہ کہ خدا کا حق ادا کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ مخلوق کا حق بھی ادا کر رہا ہے یا نہیں۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم امامؑ کی نصیحتوں پر عمل کرنے والے ہوں۔

ما مسلمانیم از فضل خدا + مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را بروشد اختتام
آں کتاب حق کہ قرآں نام اوست + بادۂ عرفان ما از جام اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب + نزد ما کفر است و خسران و تباب

(حضرت مسیح موعودؑ)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور با ہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مؤرخہ ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— شمارہ کا نمبر ۱۶

شکریہ - احبابِ کرام - شکریہ

"ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں"

مارچ ۱۹۷۸ء میں ادارہ پیغامِ صلح کی طرف سے ایک اپیل شائع ہوئی تھی جس میں اس اخبار کی آمد اور خرچ کی تفصیل دینے کے بعد احباب جماعت سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ چندہ کے بقایاجات ادا کرکے اور عطیات عنایت فرما کر اپنے اس قومی آرگن کی امداد فرما دیں تاکہ اس پر اُٹھنے والے اخراجات کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو سکے۔

ہماری اس اپیل پر بعض بزرگوں نے یہ کہہ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا کہ اس سے جماعت میں مایوسی پیدا ہو گی۔ لیکن بات اس کے بالکل برعکس نکلی۔ ہمارے قارئین کرام نے ہماری اس اپیل کو نہایت فراخ دلی اور خوش دلی سے لبیک کہا اور نہ صرف اپنے بقایاجات ادا فرمائے بلکہ دل کھول کر عطیات بھی عنایت فرمائے۔

اس اپیل کو جناب چوہدری محمد حیات صاحب ناظم پیغامِ صلح اور جناب محمود احمد صاحب محرر پیغامِ صلح نے خط و کتابت کے ذریعے نہایت محنت اور تندہی سے جاری رکھا۔ اس کے جواب میں مایوسی کے بجائے جو ہماری حوصلہ افزائی ہوئی ہم اس کے لئے اپنے قارئین اور معاونین کے بے حد مشکور ہیں اور ان سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس اخبار کی مالی امداد میں آئندہ بھی کوئی کمی نہیں آنے دیں گے بلکہ اس سے بڑھ چڑھ کر اس کی امداد کریں گے۔

ذیل میں ہم اپریل ۱۹۷۸ء سے اپریل ۱۹۷۹ء تک کی ماہوار آمد کی تفصیل درج کرتے ہیں تاکہ احباب کو اپنی کوششوں کے حوصلہ افزا نتیجہ کا علم ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی ہم ۱ ۱۱/۷۴ سے ۳۱ ۱۰/۷۷ تک کی سابقہ آمد کا خاکہ بھی پیش کرتے ہیں تاکہ انہیں اپنی قربانیوں کا اندازہ ہو سکے۔

سابقہ تین سال کی آمدن - از ۱ ۱۱/۷۴ تا ۳۱ ۱۰/۷۷

مدت	روپے
۱ ۱۱/۷۴ تا ۳۱ ۱۰/۷۵	۱۳۸۸
۱ ۱۱/۷۵ تا ۳۱ ۱۰/۷۶	۱۳۷۸
۱ ۱۱/۷۶ تا ۳۱ ۱۰/۷۷	۱۳۱۲
میزان	۴۰۷۸ روپے

ایک سال کی آمد — از اپریل ۱۹۷۸ء تا اپریل ۱۹۷۹ء

(ایکماہ)

خدا خود میشود ناصر اگر ہمت شود پیدا

ماہ	روپے	پیسے
اپریل ۱۹۷۸ء	۶۷۷	۰۰
مئی ۱۹۷۸ء	۹۱۲	۲۵
جون ۱۹۷۸ء	۷۱۲	۰۰
جولائی ۱۹۷۸ء	۱۵۱۲	۰۰
اگست ۱۹۷۸ء	۵۲۲	۰۰
ستمبر ۱۹۷۸ء	۵۸۴	۰۰
اکتوبر ۱۹۷۸ء	۱۷۳	۰۰
نومبر ۱۹۷۸ء	۵۳۹	۲۵
دسمبر ۱۹۷۸ء	۶۷۰	۰۰
جنوری ۱۹۷۹ء	۸۴۶	۵۰
فروری ۱۹۷۹ء	۲۷۲۱	۰۰
مارچ ۱۹۷۹ء	۱۲۴۱	۰۰
اپریل ۱۹۷۹ء	۱۲۳۱	۵۰
میزان	۱۲۳۴۲ روپے	۵۰

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

(مدیر پیغامِ صلح)

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا

سو اے بھائیو برائے خدا جلدی مت کرو۔ اور اپنے علم اور فراست پر داغ مت لگاؤ۔ یقیناً سمجھو کہ گریز کی تمام راہیں بند ہیں۔ اور انکار کے تمام طریق مسدود ہیں۔ اگر یہ کاروبار انسان کی طرف سے ہوتا یا اگر کسی افترا پر اس کی بنیاد ہوتی تو یہ دلائل بینہ اس کے شاملِ حال ہرگز نہ ہوتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ہم قبول بھی کر لیں کہ مسیح ابنِ مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے تو اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ تم ہی ہو جو اس کے قائم مقام بھیجے گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک انسان اپنے کاموں سے شناخت کیا جاتا ہے۔ ہر چند عوام کی نظر میں یہ دقیق اور غامض بات ہے لیکن زیرک لوگ اس کو خوب جانتے ہیں۔ کہ ایسے مامور من اللہ کی صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت ممکن نہیں کہ جس خدمت کے لئے اس کا دعوےٰ ہے کہ اس کے بجا لانے کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔

اگر وہ اس خدمت کو ایسی طرز پسندیدہ اور طریق برگزیدہ سے ادا کر دیوے جو دوسرے اس کے شریک نہ ہو سکیں تو یقیناً سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے دعوےٰ میں سچا تھا۔ کیونکہ ہر یک چیز اپنی علتِ غائی سے شناخت کی جاتی ہے۔ اور یہ خیال بالکل فضول ہے کہ جو مثیلِ مسیح کہلاتا ہے وہ مسیح کی طرح مردوں کو زندہ کر کے دکھلاوے یا بیماروں کو اچھا کر کے دکھلاوے کیونکہ مماثلت علتِ غائی میں ہوتی ہے۔ درمیانی افعال کی مماثلت معتبر نہیں ہوتی۔

بائیبل کی کتابوں کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی مردوں کا زندہ کرنا یا بیماروں کا اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ بنی اسرائیلی ایسے بھی گذرے ہیں کہ ان سب کاموں میں نہ صرف مسیح ابنِ مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی ان کو مثیلِ مسیح نہیں کہا جاتا۔ نہ مسیح کو ان کا مثیل ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسےٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم اس پر ناطق ہے۔ لیکن کبھی کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونٹے سے حضرت موسےٰ کی طرح سانپ بنایا ہو یا آسمان سے خون اور جوئیں اور مینڈکیں برسائی ہوں۔ بلکہ اس جگہ بھی علتِ غائی میں مشابہت مراد ہے۔

چونکہ حضرت موسےٰ بنی اسرائیل کی رہائی دلانے کے لئے مامور کئے گئے تھے سو یہی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی تا اس وقت کے فرعونوں سے زبردست ہاتھ کے ساتھ مؤمنوں کو رہائی دلاویں اور جیسا کہ نصرتِ الٰہی ایک خاص رنگ میں حضرت موسےٰ کے شاملِ حال ہوئی ایسا ہی نصرتِ الٰہی ایک دوسرے رنگ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاملِ حال ہو گئی۔ اور در حقیقت وہی نصرت ہے جو اپنے اپنے محل پر رنگارنگ کے معجزات کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ سو میں خوب جانتا ہوں کہ جیسا کہ نصرتِ الٰہی حضرت مسیح کے شاملِ حال ہوئی تھی میں بھی اس نصرت سے بے نصیب نہیں رہونگا۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ نصرت جسمانی بیماروں کے اچھا کرنے کے ذریعہ سے ظاہر ہو۔ بلکہ خدائے تعالےٰ نے ایک الہام میں میرے پر ظاہر فرمایا ہے کہ خلق اللہ کی روحانی بیماریوں اور شکوک و شبہات کو وہ نصرت دور کرے گی جیسا کہ میں پہلے اس سے لکھ چکا ہوں۔ اور میں دیکھتا ہوں مستعد دلوں پر اثر پڑتا جاتا ہے اور پرانی بیماریاں دور ہوتی جاتی ہیں۔ اور نصرتِ الٰہی اندر ہی اندر کام کر رہی ہے اور خدائے تعالےٰ نے اپنے خاص کلام سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ نبی ناصری کے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ روحانی بیماریوں کو بہت صاف کر رہا ہے۔ اس سے زیادہ کہ کبھی جسمانی بیماروں کو شفا کیا گیا ہو۔

(ازالہ اوہام حصہ دوم)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۲۵ اپریل ۱۹۷۹ء

"مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ"

"جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی کراچی مسٹر نور محمد لاکھانی نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ پاکستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے دس کروڑ ڈالر کا پانچ سالہ منصوبہ بنایا گیا ہے۔ انہوں نے اس امر پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے اسلامی طاقتوں کو اس کا سختی سے نوٹس لینا چاہیئے اور اس سازش کو ناکام بنانے کے اقدامات کرنے چاہئیں۔"

(کراچی - ۱۵ اپریل (پ پ - جنگ ۱۶/۴/۷۹)

ہمارے خیال میں یہ خبر واقعی بڑی تشویشناک ہے اور ہر ایک مسلمان کو جس کے دل میں اسلام کے لئے ذرہ برابر بھی محبت ہے اس پر ضرور متشوش ہونا چاہیئے لیکن اپنے خیالات۔ نظریات اور افکار کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنے ذرائع اور وسائل سے کام لے کر کسی قسم کی منصوبہ بندی اور پروگرام مرتب کرنے کو سازش کا نام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ غیر مذاہب والوں کی طرف سے یہی اعتراض اسلام کے نام لیواؤں پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھی اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے اسی قسم کی سازش کی۔ اگر مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسری قوموں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے طاقت سے بھی کام لے سکتے ہیں تو اس حق سے دوسروں کو محروم رکھنے کا ان کے پاس کیا جواز اور دلیل ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کسی پر اپنے نظریات جبر اور اکراہ سے ٹھونسنے کے سراسر خلاف ہے اور فرماتا ہے کہ جب ہدایت اور گمراہی کی راہیں واضح ہو گئی ہیں تو دین کے معاملہ میں کسی پر جبر کرنا یا طاقت سے منوانا درست نہیں۔ ہاں اس کے مقابلے میں دلائل سے منوانے اور قائل کرنے کا طریق مستحسن اور پسندیدہ ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ذریعے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ذریعے زندہ رہے۔ کیونکہ جب دل ایک بات کو صحیح اور درست تسلیم کر لے تو وہ ہمیشہ کے لئے اس پر قائم رہے گا اس کے برعکس کسی کی گردن پر تلوار رکھ کر [illegible] اپنی بات منوانے پر مجبور کر دیا جائے تو موقع ملنے پر وہ اس سے بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہو کر فتنہ و فساد کا موجب ہوگا۔ اور اس طرح امن اور سلامتی کے لئے ایک مستقل خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

عقیدہ کی آزادی ہر انسان کا خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم بنیادی حق ہے اس عقیدہ کا اظہار۔ اس پر عمل اور اس کو دوسروں تک یہ سمجھ کر پہنچانا بھی کہ یہی نظریہ ان کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے کسی مہذب معاشرے میں فرد کو اس کے اس بنیادی حق سے محروم کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ غیر مسلم ممالک میں آج لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ملازمتیں اور کاروبار کرتے ہیں۔ وہاں انہوں نے اپنی مسجدیں اور سنٹر بنا رکھے ہیں جن میں وہ نمازیں پڑھتے اور سماجی تقریبات منعقد کرتے ہیں لیکن کہیں سے کوئی ایسی خبر نہیں آئی کہ مسلمان ان کے مذہب کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں اس لئے انہیں نہ مسجدیں تعمیر کرنے دیا جائے اور نہ سنٹر قائم کرنے دیئے جائیں۔

پاکستان میں اس قسم کی تشویش کا اظہار بالواسطہ اس کمزوری کا اعتراف ہے کہ اسلام میں نعوذ باللہ کوئی صداقت نہیں۔ اس کے اصول ٹھوس اور مستحکم نہیں اس لئے یہ عیسائیت کے دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور مسلمان مغلوب اور مرعوب ہو کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ خدشہ قرآن کریم کے ان الفاظ کی روشنی میں کہ "باطل حق پر نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا ہے" اور "جب حق باطل پر گرتا ہے تو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے" بالکل بے بنیاد ہے۔ البتہ حیات مسیح کے بارے میں مسلمانوں کے اپنے غلط عقائد پاکستان میں مسیحیت کے فروغ کا باعث بن سکتے ہیں اور لاکھانی صاحب کی تشویش کی تہہ میں یہی خدشہ کارفرما ہے۔ ورنہ اسلام کی تعلیم تو اتنی واضح۔ روشن۔ محکم اور مدلل ہے کہ اس کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا۔

ہمیں افسوس ہے کہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے رہنما اور علماء کہلانے والوں کو قرآن کریم کے ان الفاظ پر بھی یقین نہیں کہ :-

"یہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالٰے اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا خواہ یہ کافر بُرا ہی کیوں نہ منائیں۔ وہی اللہ جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس غرض کے لئے بھیجا ہے کہ وہ تمام باطل نظریات کا قلع قمع کر کے دنیا میں حق و صداقت کی فرمانروائی کا اہتمام کرے اگرچہ یہ مشرک بُرا منائیں گے۔"

جب یہ الفاظ نازل ہوئے تو اس وقت آنحضرت کے سامنے مشرکین بھی تھے اور عیسائی اور یہودی بھی۔ ان تینوں کے ذریعے دُنیا کی ساری آبادی اور سارے مذاہب مخاطب تھے۔ آج مسلمانوں اور بزعم خویش قرآن کے علمبرداروں کے دل میں یہ خوف کیوں پیدا ہوتا ہے کہ ڈالروں اور روپوں کی بھرمار اسلام کو کھا جائے گی۔

اگر یاد ہو تو یہ "سازش" بڑے زور و شور سے آج سے ٹھیک ۱۲۰ سال پہلے بھی ہوئی تھی۔ برصغیر میں اس وقت حکومت بھی عیسائیوں کی تھی جس کے سائے میں عیسائیت کو پھلنے پھولنے کے بڑے وسیع مواقع بھی میسر تھے اور پونڈوں اور روپوں کی امداد بھی حاصل تھی۔ آج کل پاکستان کے چھوٹے چھوٹے قصبوں میں جو گرجے نظر آتے ہیں یہ اسی دور کی یادگار ہیں مسیحیوں نے یہاں سکول۔ کالج ہسپتال اور دوسرے بے شمار ادارے قائم کئے۔ ان اداروں کی رونق مسلمانوں کے بچوں سے برقرار تھی۔ ہندوؤں نے تو اپنی درسگاہیں قائم کی ہوئی تھیں یہ سب ادارے عیسائیت کی تبلیغ کے مرکز تھے لاکھوں مسلمان عیسائیوں کے حسن سلوک اور تحریص و ترغیب کے دام میں پھنس کر عیسائی ہو گئے جو بچے سکولوں اور کالجوں سے فارغ ہوتے وہ اگر عملاً عیسائی نہ بھی ہوتے تو مسلمان بھی نہ رہتے۔ ان تمام ذرائع۔ وسائل اور حکومت کی سرپرستی کے باوجود عیسائیت کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور عیسائی مشنری اپنی بائبل بغل میں دبائے رفوچکر ہوتے دکھائی دیئے۔ یہ کہانی نہیں۔ کوئی افسانہ نہیں۔ روز روشن کی طرح ایک حقیقت ہے جو خود ان عیسائیوں کے کاغذات میں مذکور ہے اور اس وقت کی حکومت کے ریکارڈ میں آج بھی محفوظ ہے۔

یہ کیونکر ہوا اور کیسے ہوا؟ کیا اس وقت کی اسلامی طاقتوں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا یا عیسائیت کو میدان میں شکست دے کر پسپا ہونے اور راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کرنے والے انسان کو کروڑوں ڈالروں اور ڈالروں روپوں کی امداد حاصل تھی۔ ہرگز نہیں۔ اس کی تو اپنی جائداد بھی چھن گئی تھی اور لے دے کے صرف اتنی باقی رہ گئی تھی کہ مشکل سے گذر اوقات ہوتی۔ اس کی ساری طاقت اور تمام دولت اللہ تعالٰے کی ذات تھی۔ اور اسی کے بل بوتے پر اس نے اپنے مقابل پہ آنے والے کو شکست فاش دی۔ وہاں بڑے بڑے امراء بھی تھے۔ علماء اور فضلاء بھی تھے۔ لیکن مرد میدان کوئی نہ بن سکا۔ نظریات کو منوانے اور پھیلانے کا راز طاقت اور دولت میں مضمر نہیں بلکہ دلائل اور براہین میں مضمر ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالٰے کی تائید ہیں۔ اور یہ تائید صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالٰے اپنے کسی خاص مشن کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اسے اپنی جناب سے وہ علم لدنی عطا کرتا ہے جس کا مقابلہ نہ تلوار سے ہو سکتا ہے اور نہ دولت سے۔

اسی برصغیر پر مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی لیکن جب پاکستان بنا تو مسلمانوں کی کل آبادی صرف دس کروڑ کے قریب تھی

اور یہ تعداد بھی اُن اولیاءاللہ ۔ صلحاء اور مجددین کی کوششوں کی مرہون منت تھی جو وقتاً فوقتاً اس سرزمین میں پیدا ہوتے رہے اور مادی وسائل سے محرومی کے باوجود اس شمع ہدایت کو تمام مشکلات ۔ مصائب اور ابتلاؤں کا مقابلہ کرتے ہوئے روشن رکھا اور شاہانِ وقت نے ان کی قدمبوسی کو اپنے لئے فخر جانا یعنی مادی قوت رُوحانی اور اخلاقی قوت کے سامنے جھک گئی۔

علمِ لدُنی کے ذریعے اسلام کا غلبہ ثابت کرنے کا نظارہ دُنیا نے انیسویں صدی کے آخری نصف اور بیسویں صدی کے عشرۂ اوّل میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور زبانوں نے اس کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ۔ انگریز کا تسلّط اور رُعب و دبدبہ ہو اور غلام قوم کا ایک فرد اس کے مذہب کو چیلنج کرے یہ کون مان سکتا ہے مگر ایسا ہوا ۔ قادیان نام کے ایک غیرِ معروف گاؤں کے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدّد صدِ چہاردہم اور مسیح موعود نے یہ کر کے دکھایا۔ ربّیت کے ذرات پر کھڑی عیسائی عقائد کی عمارت کو دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس کر دیا ۔ اور کسرِ صلیب کا وہ مشن جس کے لئے آپ کو مسیح وقت بنا کر بھیجا گیا تھا ۔ آپ کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔ اسی لئے آپ نے فرمایا تھا کہ :۔

؎ وقت ہے وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اور فرمایا :۔

؎ چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

اس طرح آنے والے مسیح کی پیشگوئی جو احادیث میں مذکور ہے آپ کی ذات میں بکمال پُوری ہُوئی ۔ مسلمان اور عیسائی دونوں اس بات کے قائل تھے اور ہیں کہ حضرت عیسٰی بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھائے گئے اور اب تک آسمان پر اپنے اسی خاکی جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور دوبارہ اُتریں گے ۔ عیسائی مسلمانوں کے اس خلاف قرآن عقیدہ سے فائدہ اُٹھا کر آنحضرت صلعم پر حضرت عیسٰی کی برتری ثابت کرتے تھے کہ دیکھو تمہارے محمد صلعم تو زمین میں مدفون ہیں اور ہمارے حضرت عیسٰی آسمان پر زندہ ہیں جسے تم بھی مانتے ہو تو مردہ نبی کے مقابلے میں زندہ نبی کو کیوں نہ مانا جائے اور کیوں نہ انہیں ابن اللہ تسلیم کیا جائے ۔

اس کا جواب مسلمانوں کے پاس نہ اُس وقت تھا اور نہ اب ہے اور یہی وجہ ہے کہ لاکھوں مسلمان عیسائی ہو گئے ۔ اس سلسلہ میں ہم اپنے قارئین کرام کو ایک لطیفہ سُناتے ہیں ۔ یہ غالباً اس صدی کے دوسرے عشرہ کی بات ہے کہ گڑھی حبیب اللہ ضلع مانسہرہ کے مقام پر ایک عیسائی پادری اور اس علاقہ کے ایک مشہور عالم دین کے درمیان آنحضرت صلعم پر حضرت عیسٰی کی برتری ثابت کرنے کے لئے مباحثہ منعقد ہوا ۔ پادری نے کہا کہ تمہارے قرآن میں ہمارے خداوند یسوع مسیح کی والدہ کے نام پر ایک پُوری سورۃ موجود ہے ۔ لیکن تمہارے نبی کی ماں کا اس میں نام تک نہیں ۔ اب جس کی ماں بڑی ہے وہ بڑا ہوگا یا جس کی ماں کا اس کی اپنی کتاب میں ذکر تک نہیں وہ بڑا ہوگا ۔ یہ سُن کر عالم دین بغلیں جھانکنے لگے ۔ مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا ۔ پادری اپنی فتح کے نقارے بجاتا ہوا رخصت ہو گیا اور مسلمانوں کو ایک عجیب کشمکش کے عالم میں چھوڑ گیا ۔ وہاں کا خان بھی موجود تھا وہ غصّے سے دانت پیستے ہوئے مولوی صاحب پر اس طرح برسا کہ :۔

" او مولوی آج تو پادری نے تیری .... خوب توڑی ہے "

مولوی نے جواب دیا :۔

" نہیں خان پادری نے کیا توڑنی تھی وہ تو قرآن نے توڑی ہے ۔ اس میں واقعی جب حضرت آمنہ کا نام ہی نہیں تو میں کہاں سے لاتا "

اسی طرح قرآن سے ناواقف لوگوں کا قرآن پر بھی ایمان متزلزل ہو گیا ۔

یہی نہیں بلکہ حضرت عیسٰی کی بن باپ پیدائش ۔ مُردوں کے زندہ کرنے ۔ لنگڑوں ۔ لولوں ۔ مبروصوں ، اور کوڑھیوں کے اچھا کرنے ۔ تخلیق طیور اور زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے کو بھی آنحضرت صلعم پر ان کی فضیلت جتلانے کے لئے پیش کیا جاتا ۔ لیکن مسلمانوں سے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑتا ۔ ان تمام سوالات کا اگر منہ توڑ جواب کسی نے دیا تو وہ اس صدی کے مجدد اور مسیح موعود حضرت مرزا صاحب ہی تھے اور آپ کے بعد آپ کی جماعت نے یہ فرض انجام دیا ۔ پادریوں کو نہ صرف ہندوستان سے بھگایا بلکہ ان کے گھروں میں جا کر یہ اعلان کیا کہ تمہارا یسوع مسیح مر چکا ہے اور کشمیر میں دفن ہے ۔ انکی انجیلوں سے یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلعم مسیح ابنِ مریم سے افضل ہیں ۔ آج بھی کسی عیسائی کو یہ جرأت نہیں کہ وہ کسی احمدی کے مقابل پر آ سکے ۔

سنہ ١٩٧٤ء میں جب جماعت احمدیہ کو غیر مُسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ عیسائیوں نے بھی یوم تشکر منایا ۔ ان کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے گئے ۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ جماعت اب مسلمانوں کی طرف سے دفاع نہیں کر سکے گی اور ہمیں عیسائیت کی تبلیغ کا موقعہ مل جائے گا ۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس ان کے سوالات کا کوئی جواب نہیں ۔ عیسائیت کی اشاعت کے لئے یہ نیا منصوبہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ۔ ہم دعوے سے یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی کو آسمان پر زندہ مان کر مسلمان عیسائیت کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتے ۔ اس لئے کہ :۔

؎ مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند
مگر مدفونِ یثرب را نہ دادند ایں فضیلت را

حیاتِ مسیح عیسائیوں کے ہاتھ میں سب سے بڑا اور مؤثر ہتھیار ہے جس سے وہ اسلام پر وار کرنے کے ارادے رکھتے ہیں ۔ اور مسلمانوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ۔ اگر کوئی ہے تو وہ احمدیوں کے پاس ہے ۔

ہم مسلمانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جس طرح پہلے ہم غیر مسلموں کے خلاف ان کی مدد کو پہنچتے رہے اب بھی انشاءاللہ پہنچیں گے اور آنحضرت صلعم کی ذات والاصفات پر ذرّہ بھر آنچ نہ آنے دیں گے کیونکہ وہ ہمارے نبی ہیں ۔ محسنِ انسانیت ہیں ۔ رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہیں ۔ رحمت عالم ہیں ۔ اور آپ ہی نے یہ کام حضرت مرزا صاحب کے سپرد کیا کہ وہ اسلام کو ادیانِ عالم پر غالب ثابت کر کے دکھائیں ۔ آپ کے بعد یہ کام آپ کی جماعت کے سپرد ہوا ہے ۔ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے لئے ہمیں کسی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ۔ ہمارے لئے اللہ تعالےٰ اور آنحضرت صلعم کا سرٹیفکیٹ کافی ہے اور ہم اس سرٹیفکیٹ کی آبرو رکھنے کے پابند ہیں ۔

جن اسلامی طاقتوں سے اس سازش کو ناکام بنانے کی اپیل کی گئی ہے وہ بھی حیات مسیح کی قائل ہو کر اس منصوبہ کو ناکام نہیں بنا سکیں گی ۔ اس کے صرف مذہبی ہی نہیں سیاسی مضمرات بھی ہیں ۔ کسی مسلمان طاقت میں یہ دم خم نہیں کہ وہ طاقت کے ذریعے اس کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکے گی ۔ اگر کوئی کوشش کی گئی تو ان کروڑوں مُسلمانوں کا کیا بنے گا جو غیر مُسلم حکومتوں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

اسلام نے اپنی اشاعت اور تبلیغ کے لئے نہ پہلے طاقت سے کام لیا ہے اور نہ اب اسے اس کی ضرورت ہے ۔ وہ پہلے بھی دلائل کے ذریعے ہی غالب آیا اور اب بھی دلائل کے ذریعے ہی غالب آئے گا ۔ اسلام کو غالب کر کے دکھانے والے دلائل صرف جماعت احمدیہ کے پاس ہیں ۔ اس میدان میں وہی نکل سکتی ہے اور نکلے گی ۔ ہمارے پاس نہ کروڑوں ڈالر ہیں اور نہ اربوں روپے ۔ ہمارے پاس صرف اللہ اور اس کا رسولؐ ہے ۔ اور یہی ہمارے لئے کافی ہیں ۔

وقت قریب آ رہا ہے کہ مُسلمانوں اور عیسائیوں کو وفات مسیح کا قائل ہونا پڑے گا ۔ اور اس کے بعد حضرت مرزا صاحب کو مثیلِ مسیح کی کرسی پر بیٹھنے سے کوئی نہیں روک سکے گا ۔

از قلم جناب میاں تعبیر احمد فاروقی صاحب

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

"اپنے اقراروں کو پورا کرو" (قرآن پاک)

اقرار یا عہد بُنیاد ہوتا ہے تمام سماجی اور اخلاقی امُور کا۔ اسی لئے LAW OF CONTRACT یعنی معاہدات کا قانون بُنیادی اور اہم ترین قوانین میں سے ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ، آقا اور نوکر کے تعلقات، لین دین کے تمام معاملات، صنعت کاروں اور مزدوروں کے تعلقات، زمینداروں اور مزارعین کے معاملات، حکومت اور رعایا کے معاملات بلکہ بین الاقوامی تعلقات۔ الغرض تمام انسانی تعلقات اور معاملات کسی نہ کسی رنگ میں معاہدات کا رنگ رکھتے ہیں۔

اسی طرح باطن کے عالم میں ہے۔ قرآن حکیم نے اخلاقی اور رُوحانی زندگی اور ترقی کے لئے بھی معاہدات کو پورا کرنا ضروری ٹھیرایا ہے۔ قرآن واحد کتاب ہے جس نے انسان کے باطن میں عہدِ فطرت کا علم دیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالٰے نے انسان کی فطرت میں ایک عہد یا رشتہ اپنے سے رکھا ہے جو خدا تعالٰے کی ہستی اور توحید پر گواہ ہوتا ہے۔ خواہ دہریت یا شرک انسان کو کتنا ہی دھوکہ میں رکھیں مگر عہدِ فطرتِ انسان کو مصیبت یا ضرورت کے وقت خدائے واحد کی یاد دلاتا ہے۔

توثیقِ عہد

وحی الٰہی اس باطنی عہد کی آنکر توثیق کرتی ہے (البقرہ ۲۔ ۲۷) اور باطنی عہد کو ایمان باللہ کے اقرار سے مضبوط کرتی ہے۔ احبابِ جماعت جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی کتب پڑھی ہیں انہیں یاد ہوگا کہ آپ نے کس طرح بار بار لکھا ہے کہ وحی و الہام ہیں جو زندہ ایمان اللہ تعالٰے پر پیدا کرتے ہیں۔ تو ایمان لانا پہلا ظاہری عہد ہے جو انسان کے باطنی عہد فطرت کو اُجاگر کرتا ہے مگر وحی الٰہی نے کچھ اور عملی عہد بھی مقرر فرمائے ہیں تاکہ انسان کا باطنی عہدِ فطرت یا اللہ تعالٰے سے تعلق ترقی کرتا کرتا انسان کو خدا سے ملا دے جو انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ میں ان عملی معاہدات میں سے اس وقت صرف ایک عہد کا ذکر کرنا چاہتا ہوں یعنے خدا کے رستہ میں خرچ کرنے کا کوئی عہد یا اقرار جو انسان کرے۔

اللہ تعالٰے کو انسان کے پیسہ کی کوئی ضرورت نہیں وللہ خزائن السمٰوٰت والارض۔ انسان تو خالی ہاتھ اس دنیا میں آتا ہے۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ۚ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر ۲۵۔ ۱۵)

"اے انسانو تم اللہ کے سامنے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریفوں والا ہے۔"

وہ تمہارے فائدہ کے لئے ان چیزوں پر خرچ کرنے کو کہتا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ وہ فوائد کیا ہیں؟

کسی شاعر نے کہا ہے:

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا
ستار العیوبؔ قاضی الحاجات

مگر انسان تو پیسہ کو اپنا اِلٰہ بنا لیتا ہے۔ لفظ اِلٰہ کی معنی حضرت مسیح موعود نے بار بار بیان فرمائے ہیں "معبود" (جس کی فرمانبرداری کی جائے) "محبوب" (یعنے جس سے محبت کی جائے جو سب سے بڑھ کر اللہ تعالٰے سے ہونی چاہیئے کہ وہ انسان کا محسنِ اعظم ہے) اور "مطلوب" یا "مقصود" یعنے اللہ تعالٰے کو پانے کی جستجو اور اس تک پہنچنا کہ وہ انسان کا مقصدِ پیدائش ہے مگر انسان دن رات دولت کمانے کے متقاضیات کی فرمانبرداری کرتا ہے اور دولت سے وہ محبت کرتا ہے جو خدا سے کرنی چاہیئے۔ اور دولت کمانے کو زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے۔ اسی لئے دولت پرستی شرک ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں منجملہ اور جگہوں کے ایک جگہ فرمایا:۔

"وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔"

(حٰمٓ السجدۃ ۴۱۔ ۶-۷)

ترجمہ:۔ "اور مشرکوں کے لئے افسوس ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔"

گویا مشرکوں کی نشانی رکھی کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے یعنے دولت پرست ہیں۔ اور دُنیا پرست بھی ہیں اس لئے کہ دنیا کے ناجائز فوائد تک چھوڑنا نہیں چاہتے اور چونکہ دُنیا میں جو کچھ بُرا بھلا کیا اس کا محاسبہ آخرت میں ہونا ہے اس لئے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ آخرت عین انسان کی فطرت کے مطابق ہے کیونکہ کوئی انسان مرکر ختم ہونا نہیں چاہتا بلکہ ابدی راحت کی زندگی چاہتا ہے جو آخرت میں مقدر ہے۔ قربان جایئے قرآن حکیم کے کہ بُت پرستی اور انسان پرستی جو اوائل کے شرک تھے انہوں نے آہستہ آہستہ ختم ہو جانا تھا جیسا کہ ہم اس زمانہ میں ہوتا دیکھتے ہیں، اور اس زمانہ میں دولت پرستی اور دنیا پرستی وہ شرک ہیں جو بڑھتے بڑھتے دنیا پر چھا رہے ہیں۔ انہی کا سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں ذکر فرمایا جس میں اس زمانہ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔

تو اس لئے اگر اللہ تعالٰے انسان کو رُوحانی یا اخلاقی مقاصد پر دولت خرچ کرنے کو کہتا ہے تو اس میں انسان ہی کے لئے فوائد ہیں تاکہ:۔

(الف) انسان رُوحانی اور اخلاقی مقاصد پر دولت کرکے رُوحانی اور اخلاقی قدروں کو مادی قدروں پر فوقیت دینا سیکھے۔

(ب) انسان دولت پرستی کے شرک سے بچے۔

(ج) انسان اپنی آخرت کے لئے جو ہمیشہ کی زندگی ہے کچھ سامان کرلے۔ آخرت نہ صرف اخلاقی اور رُوحانی خوبیوں سے جنت بنے گی بلکہ انسان کو وہاں وہی مال بڑھ چڑھ کر ملے گا جو اس نے اس دُنیا میں اپنی آخرت کے لئے بھیجا۔

عبرتناک واقعہ

مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ اس مُلک کے ایک کروڑپتی مسلمان تھے جو پہلے دن میں تو لاہور کی مال روڈ پر دن کو خرید و فروخت کرنے کے لئے پھرتے تھے اور شام کو اپنی موٹر میں سیر اور ہوا خوری کے لئے مال روڈ پر چکر لگاتے (وہ انگریزوں کا زمانہ تھا اور دیسیوں کو مال روڈ سے آگے اجازت نہ تھی کہ انگریزوں اور ان میموں کے کلبوں اور عیش گھروں میں آ جا سکیں) گرمیوں میں وہ صاحب ڈلہوزی پہاڑ پر جایا کرتے تھے جہاں ان کی سیر میں یا چائے پارٹی پر کبھی کبھی حضرت مرحوم سے بھی مُلاقات ہو جایا کرتی تھی۔ بڑے تپاک اور عزت سے حضرت امیر مرحوم سے ملتے بلکہ ان کے ہاتھ تک چُومتے تھے۔ مگر خُدا کے رستہ میں انہوں نے کبھی ایک پیسہ نہیں دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گئے تو ایک رات حضرت امیر مرحوم نے انہیں خواب میں دیکھا کہ اسی لاہور کی مال روڈ پر چیتھڑوں میں بھیک مانگ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "یہاں گرمی بہت بڑھ رہی ہے۔ میں نے ڈلہوزی جانا ہے۔ راہ خُدا مجھے ایک پیسہ دے دو۔" میں ان دِنوں ڈلہوزی میں حضرت امیر کے ہاں بطور مہمان ٹھیرا ہوا تھا۔ چونکہ میں بھی اُن صاحب کو حضرت امیر کے ساتھ سیر میں یا چائے پارٹیوں پر ملتا رہا تھا تو حضرت امیر مرحوم نے مجھے یہ رؤیا سُنایا۔ میں نے دیکھا کہ اُن کے چہرہ پر غم اور افسردگی نمایاں تھے۔

اس عبرتناک انجام کی خبر قرآن پاک نے پہلے سے دے رکھی ہے۔ سورۃ التکاثر ۱۰۲ کو پڑھ لیجئے کہ واضح الفاظ میں متنبہ کیا ہے کہ جو لوگ دولت

کمانے میں آخرت کو بھول جاتے ہیں وہ قبر میں اترتے ہی آگ میں جا پڑیں گے ایسے انسان کا اس وقت کیا حال ہوگا اس کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے :۔

یومئذٍ یتذکّر الانسان وانّٰی لہ الذّکرٰی ہ
یقول یٰلیتنی قدّمت لحیاتی ہ فیومئذٍ
لا یعذّب عذابہٗ احدٌ ہ ولا یوثق وثاقہٗ
احدٌ ہ

ترجمہ: "اس دن انسان نصیحت پکڑنا چاہے گا مگر وہ نصیحت کا وقت کہاں ہوگا۔ کہے گا اے کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ سو اس دن کوئی اللہ کے عذاب جیسا عذاب نہ دینے والا ہوگا اور نہ کوئی اللہ کے جکڑنے کی طرح جکڑنے والا ہوگا" (الفجر ۸۹ ۔ ۲۳ تا ۲۶)

آخرت میں منجملہ اور باتوں کے انسان نے جو عہد کئے تھے ان کا بھی حساب ہوگا :۔

" واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا ہ
ترجمہ : اور عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔
(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ ۔ ۲۵)

یہ تو تمام عہدوں کا ذکر تھا۔ جو عہد اللہ سے کیا جائے اس کا خاص طور پر علیحدہ ذکر فرمایا :۔

" وکان عھد اللّٰہ مسئولا۔" (الاحزاب ۳۳ ۔ ۱۵)

اور اللہ جلّ شانہٗ سے عہد کر کے پورا نہ کرنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا :۔

" ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ وایمانھم ثمنًا
قلیلا اولٰٓئک لاخلاق لھم فی الاٰخرۃ ۔

ترجمہ: " وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت لے لیتے ہیں (یعنے تھوڑا فائدہ اٹھا لیتے ہیں) ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔"

اس دنیا کی زندگی کے لئے جو عہد معاہدے کئے جائیں ان پر اس دنیا کے صحت مند نظام کی بنیاد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں واضح کیا گیا ہے۔ اور اس دنیا کی زندگی سے ہی آخرت بنتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو عہد آخرت کے لئے کئے جائیں اُن کے تو خالصتہً آخرت میں نتائج نکلنے ہوتے۔

ان میں سے اہم عہد وہ ہے جو خدا کے رستہ میں مال دینے کا عہد کیا جائے چاہے وہ چندہ ماہوار کے متعلق ہو یا خاص موقعوں پر اپیل کے جواب میں کیا جائے۔ اس دنیا میں تو وہ مال ضائع ہوتا نظر آتا ہے۔ انسان اسے محض اپنی آخرت کے لئے دیتا ہے۔

۱۹۷۴ء اور ہم

۱۹۷۴ء کے واقعات کے بعد جماعت احمدیہ لاہور جو پہلے بھی مٹھی بھر جماعت تھی بالکل ختم ہو جاتی تو تعجب نہ ہوتا۔ کم سے کم کمزور پڑ جاتا تو اغلب نتیجہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ بے شک کچھ لوگ پھسل گئے۔ مگر جماعت کی اکثریت نے ثابت قدمی اور خدا کے مامور سے وفاداری کا عمدہ نمونہ دکھایا اور دین کو دنیا پہ مقدم کرنے میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے ترقی کی ہے۔ ماہوار چندے بڑھ گئے ہیں۔ سالانہ جلسہ پر وہ رونق ہوتی ہے ماشاء اللہ ولا قوۃ جو پہلے نہ ہوتی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باوجود مہنگائی کی شدت کے جلسہ سالانہ پر مالی قربانیوں کا اس مٹھی بھر جماعت نے وہ نظارہ دکھایا ہے کہ دوست اور غیر سب نے آفرین کہا۔ ایک جماعت ربوہ کے بزرگ جو خاموشی سے آن کر پچھلی کرسیوں پر ۱۹۷۷ء کے جلسہ سالانہ پر بیٹھ گئے تھے انہوں نے بعد میں ایک تحفل میں جس میں میں موجود تھا ان الفاظ میں داد دی۔ مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے :۔

" آپ کی جماعت تو مٹھی بھر ہے۔ مگر چندہ خوب ہوا۔"

۱۹۷۸ء کے جلسہ سالانہ پر جماعت نے اور بھی خدا کی راہ میں ترقی کی اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے قریباً ڈیڑھ لاکھ روپے چندہ وعدوں اور نقد کی صورت میں راہ خدا میں دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ خوشی کی بات ہے کہ اگر ۱۹۷۷ء کے جلسہ میں بچوں نے فرشتوں کا کام کیا اور ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں سے ضد کر کر کے روپے لئے اور دوڑ دوڑ کر سٹیج پر لا کر دیئے تو ۱۹۷۸ء کے جلسہ سالانہ پر خواتین نے ایثار اور قربانی کی بہت اعلےٰ مثال قائم کی۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس موعودہ رقم میں قریباً ایک تہائی رقم وعدہ کی ابھی تک وصول نہیں ہوئی۔ بلکہ ابھی بعض احباب ۱۹۷۷ء کے جلسہ کے وعدوں کو بھی پورا نہ کر سکے۔ وہ جذبۂ قربانی جو جلسہ میں احباب نے دکھایا وہ کاش فوری ادائیگی کے رنگ میں بھی نظر آتا۔ انسان سوچتا ہے کہ جب ہاتھ میں پیسہ ہوگا۔ دے دوں گا یا آج کل پر ٹالتا رہتا ہے اور دوسری ضروریات پہلے پوری کرتا ہے۔ مگر اس طرح ٹالنے سے پھر وہ ادائیگی اور مشکل ہو جاتی ہے اور بعض لوگ تو پھر اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہی نہیں۔

میری اپنے بھائیوں اور بہنوں سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ خدا کا کوئی قرض اپنے سر نہ رہنے دیں۔ انسانی قرض کو بھی ٹالو تو پھر ادا کرنا مشکل سے مشکل تر ہو جاتا ہے۔ اللہ عہد شکنی کا وہ وعید جس کا میں نے اوپر بالتفصیل ذکر کیا ہے اس سے میرا دل کانپتا ہے۔ اجل کا کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت آن لے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس حسرت اور پکڑ سے جس کا ذکر میں نے اوپر کچھ قرآن کریم کی آیات کو لکھ کر بتایا ہے میرے بھائی اور بہنیں اپنا حساب صاف رکھ کے بچاؤ کریں اور خدا کے حضور حاضر ہوں تو اُن خوش نصیبوں میں سے ہوں جن کی نسبت قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ :۔

" ومن اوفٰی بما عٰھد علیہ اللّٰہ فسیؤتیہ اجرًا عظیمًا۔" (سورۃ الفتح ۴۸ ۔ ۱۰)

یعنے جس نے پورا کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تو وہ انہیں اجر عظیم دے گا۔

نوجوانوں سے اپیل

اُوپر کی آیت میں فسیؤتیہ میں "سین" مستقبل قریب کا ہے۔ یعنے جو اللہ کے عہد کو پورا کرے تو اللہ اس کو اسی دنیا میں اجرِ عظیم دے گا۔ اس کا میں ذاتی گواہ ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے مجھے یہ توفیق دی کہ میں نے پہلی آمدنی میں سے (بغیر کسی ٹیکس یا دوسری کٹوتی مثلاً پراویڈنٹ فنڈ کی قسط کو وضع کئے) جو دسواں حصہ بطور چندہ ماہوار دینا شروع کیا تو اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ میں آج تک اس پر قائم ہوں۔ وہ خدا جس کے آگے بیچ آج نہیں تو کل کھڑا ہونا ہے گواہ ہے کہ اس نے اپنے فضل سے مجھے اس دنیا میں ہی اس قدر اجر دیا کہ میرے وہم وگمان میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ اور ہر مشکل کے وقت اس نے پردہ غیب سے میری مدد فرمائی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اوفوا بعھدی اوفِ بعھدکم یعنے تم جو مجھ سے عہد کرتے ہو اسے پورا کرو تو میں اپنا عہد تم سے پورا کروں گا۔ اور اسی دنیا میں اجر عظیم دینے کا عہد اللہ تعالےٰ کا ہی ہے۔

مگر دنیا کے اجر کی لالچ میں خدا کی راہ میں خرچ کرنا کوئی اعلیٰ مقام نہیں۔ ایسا انسان پھر دنیادار کا دنیادار رہا۔ اعلےٰ مقام تو یہ ہے کہ انسان اس حقیقت کو پہچانے کہ دنیا کا سب مال و متاع اللہ تعالےٰ کا ہے۔ انسان تو اس دنیا میں خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ جاتا ہے۔ انسان کو جو ملتا ہے

وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ورنہ مجھ سے محنت اور قابلیت میں لاکھوں کروڑ بہتر تھے پر وہ اس طرح نہ نوازے گئے۔ تو ہر انسان کو جو ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جس کا وہ حساب بھی لے گا۔ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم۔ اس آیت میں "لام" اور "نون" دونو تاکید کے ہیں یعنے تم سے ضرور بالضرور سوال کیا جائے گا ان نعمتوں کے بارہ میں جو تمہیں دی گئی تھیں۔

تو انسان کا دل کانپ جاتا ہے کہ میں ساری عمر کا حساب کس طرح دوں گا۔ دوستو اس کا علاج آسان ہے۔ اگر تم ہمت کرو تو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ ماہوار چندہ میں دو۔ قرآن کریم میں آتا ہے:—

"من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا"

اس کی تشریح رسول اللہ صلعم نے یوں فرمائی ہے کہ جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور بدی صرف ایک لکھی جاتی ہے۔ سو جو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دے خدا کے ہاں اس کی پوری آمدنی راہِ خدا میں لکھی جاتی ہے۔ ایسے آدمی کے لئے خدا کی دی ہوئی دولت کا حساب انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔ اس استدلال کو میں نے حضرت امیر مرحوم کے آخری ایام میں جب وہ کراچی میں میرے ہاں مقیم تھے ایک نوجوان کو جسے نوکری ملی تھی چندہ کی اپیل کے دوران استعمال کیا تو حضرت امیر مرحوم نے اسے بے حد پسند فرمایا اور اگلے جمعہ کے خطبہ میں اُسے دوہرایا۔

دسواں حصہ آمدنی دیتے ہوئے شاید لوگوں کے دل ڈریں کہ تنگدستی پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الشیطٰن یعدکم الفقر۔ یعنے یہ تو شیطان ہے جو تمہیں فقر سے ڈراتا ہے۔ اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ خدا کے رستہ میں دینے سے کوئی غریب نہیں ہوتا۔ اور میں اس کا ذاتی گواہ ہوں۔ بے شک خدا کی راہ میں دسواں حصہ آمدنی دینے میں عارضی تنگی نظر آتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ زیادہ دیر انسان کو آزمائش میں نہیں ڈالتا اور وہ تنگی فراخی میں بدل جاتی ہے۔ بہر حال سو روپے کمانے والا سمجھ لے کہ میں نے نوے روپے کمائے ہیں اور اپنی گذران کو اسی کے مطابق کر لے تو آخرت کے محاسبہ میں تو سرخروئی ہو جائے گی اور اس دنیا میں بھی اجر مل جاتا ہے کیونکہ من اصدق من اللہ قیلا یعنے خدا سے بڑھ کر کون سچی بات کہتا ہے۔ اور میں نے تو دیکھا ہے کہ انسان کا دل اس دُنیا میں ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے یہ فکر نہیں رہتا کہ کل کیا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا کفیل ہو جاتا ہے۔ پیسہ اس کا خدا نہیں رہتا اور یوں وہ ایک خطرناک شرک سے بچ جاتا ہے۔

مکتوب (۱) لندن — بقیہ از کالم (۲)

دیئے گئے۔ بہت سا مفت لٹریچر بھی تقسیم کیا۔ ہم شام کی نماز کے بعد روانہ ہو کر ہم واپس لندن پہنچے۔

ڈاکٹر پاشا اور ان کی اہلیہ نے مسجد کے لئے برتنوں کا ایک نیا سیٹ۔ بستر اور بجلی سے گرم ہونے والے کمبل خرید کر دیئے۔ جزاھم اللہ۔ ڈاکٹر صاحب ایک امتحان کی تیاری کر رہے ہیں۔ احباب سے ان کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

بعض عیسائی دوست زیرِ تبلیغ ہیں ان کے لئے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی کتب کی ضرورت ہے دوست ان کا انتظام کر سکیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اجر دیگا۔

قرآن کریم اور عربی کی مستقل کلاس ہر اتوار ۱۱ بجے سے ۱ بجے تک مسجد میں باقاعدہ منعقد ہوتی ہے۔ اس میں یونیورسٹی کے طلباء قاسم۔ عبد الرحمٰن۔ سعید اور خالد شریک ہوتے ہیں۔ ان میں سے تین بچے مسٹر محمد ابراہیم صاحب آف گیانا کے ہیں جو گیانا میں بہت مفید کام کر رہے ہیں۔

مسٹر ہولڈن سٹوری جو لندن کے ایک مشہور ملنسکوٹ سکول کے شعبۂ دینیات کے صدر ہیں اسلام پر ریسرچ کر رہے ہیں انہیں اسلام پر اپنا لٹریچر دیا گیا ہے۔ اگر انکے سکول کی لائبریری میں بھی دیگر لائبریریوں کی طرح ایک مکمل سیٹ بھجوا دیا جائے تو وہاں کے طلباء بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

(مکتوب ۲ بر صفحہ ۱۲)

مکتوبِ (۱) لندن

جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام لندن مشن جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:—

مارچ کے مہینے میں موسم کی شدت کی وجہ سے نامساعد حالات کے باوجود ہم نے نارتھ لندن میں جہاں اکثر آبادی گیانا اور سرینام سے آئے ہوئے باشندوں کی ہے اور جہاں ہمیں اسلام کی تعلیم پیش کرنے کے لئے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ مختلف اجتماعات میں دوستوں کو اپنے اہل و عیال کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرنے اور اپنا عملی نمونہ پیش کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ تبلیغ کسی ایک فرد یا جماعت کا کام نہیں بلکہ ہر انسان پہلے خود اسلامی تعلیم سے آراستہ ہو کر اور پھر اپنے قول اور قول اور فعل کے ذریعے نمونہ بن کر اسے دوسروں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔

شدید سردی میں ایک جگہ جمع نہ ہو سکنے کی وجہ سے دوستوں کے ساتھ فرداً فرداً رابطہ قائم بھی کیا گیا۔

نو مسلموں اور نئے شادی شدہ مسلمان جوڑوں کو مسجد میں کھانے پر مدعو کیا اور کچھ تحائف بھی پیش کئے۔ جن میں قرآن کریم کے انگریزی تراجم بھی شامل تھے۔ انہیں قرآن کریم کی باقاعدہ تلاوت کرنے اور کوئی مشکل پیش آنے کی صورت میں ہم سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کہا گیا۔

ایک جید عالمِ دین اور خادمِ اسلام حافظ غلام سرور صاحب کو ملٹی کو "مجاہد کبیر" مطالعہ کے لئے دی اور ان سے کئی مسائل پر بحث ہوئی جس سے ان کی بعض غلط فہمیاں دُور ہو گئیں۔ انہوں نے حضرت مولٰنا محمد علیؒ کی کتاب مقامِ حدیث بھی خریدی۔ ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب لوگوں میں اسلام پر جماعت احمدیہ لاہور کا پیدا کردہ لٹریچر پڑھنے کا شوق دن بدن بڑھ رہا ہے کیونکہ دراصل یہی لٹریچر دنیا میں اسلام کی صحیح اور سنجیدہ تصویر پیش کرتا ہے۔ ووکنگ مشن سے جو اسلام پیش کیا گیا لوگ اس کے شیدائی ہو گئے۔ آج لندن میں بے شمار مساجد ہیں لیکن وہ اثر کہاں۔

جناب محمد خان صاحب جو لندن میں کسی فرم میں کام کرتے ہیں مسجد میں تشریف لائے۔ نماز مغرب ہمارے ساتھ ادا کی۔ کافی دیر تک جماعتی کاموں کے بارہ میں گفتگو ہوتی رہی۔ آپ نے لندن کی نئی مسجد کے لئے پچاس پونڈ کا عطیہ دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اموال میں برکت دے اور خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

موصوف اب پاکستان واپس جا رہے ہیں۔ وہاں بھی جماعت کے ساتھ تعلقات قائم رکھیں گے۔

۸ اپریل بروز اتوار مسز جمیلہ خان۔ ان کے شوہر اور بچے لندن سے ۹۰ میل دور ایک فیملی کے نئے مکان کے افتتاح کی تقریب میں شمولیت اور اسلام کے بعض مسائل پر روشنی ڈالنے کے لئے اپنے ہمراہ لے گئے۔

اس تقریب میں بعض اور دوست بھی مدعو تھے۔ مجلس کی نوعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے واذ یرفع ابراھیم القواعد........ الخ کی تلاوت کے بعد ان آیات کا انگریزی میں ترجمہ سنایا اور اسلامی نقطہ نگاہ سے مکان کی تعمیر کی غرض و غایت بیان کی اور قرآن کریم سے مثالیں دیکر بتایا کہ مسلمان کو ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھنا چاہیئے کیونکہ یہی انسانی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ اس کے بعد سب نے مل کر وہی دُعا کی جو حضرت ابراہیمؑ کی اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اس موقعہ پر فرمائی۔

حاضرین میں سے بعض دوستوں سے قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت کرائی جن میں مومنوں کی کامیابی کے اصولوں۔ ماں باپ کی خدمت۔ بیٹے کو نصیحت اور مرد اور عورت کے باہمی تعلقات اور سماجی حیثیت کا ذکر ہے۔ اور ان کی مختصر تشریح کی۔

ہمارے میزبان مسٹر شاہد علی نے کچھ سوالات کئے جن کے تسلی بخش جوابات

(باقی بر کالم ۱ کے نیچے)

تبلیغی خط و کتابت

مَیں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤنگا

((الہام حضرت مسیح موعودؑ))

اقصائے عالم میں ہمارے شائع کردہ لٹریچر کی ہمہ گیر مقبولیت

مرتبہ :— چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری۔

— ریاست اویو (مغربی افریقہ) سے جمیلہ یوسف (مورخہ یکم نومبر ۱۹۶۸ء) لکھتی ہیں :—

"مَیں یونیورسٹی میں کمپیوٹر سائنس کی سینئر طالبہ ہوں۔ گذشتہ سال نائیجیرین سٹوڈنٹ سوسائٹی کی سالانہ کانفرنس کے موقعہ پر ایک مسلمان بھائی نے آپ کی انجمن اشاعتِ اسلام لاہور اور اس کی دینی و تبلیغی خدمات کا تعارف کرایا۔ ہم سبھی لوگ بڑے متاثر ہوئے۔ انہوں نے ہمیں آپ کی کتب بھی دکھائیں اور چند رسائل بھی۔ ہم دیکھ پڑھ کر بڑے محظوظ ہوئے۔ مجھے دینِ اسلام سے محبت ہی محبت ہے۔ اس کے ارکان و احکام پر عمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہوں۔ میں سیرت النبی صلعم کے مطالعہ کی از حد شائق ہوں مہربانی فرما کر مجھے کتب و لٹریچر اور اخبارات ارسال کریں، جن میں انگریزی ترجمۃ القرآن بالخصوص شامل ہو۔ اور میرے نام ہفت روزہ "دی لائٹ" بھی جاری کر دیں۔ یہ پرچہ اہم مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ میں ان کتب کو قیمتاً خرید لیتی مگر میرے مالی حالات میرا ساتھ نہیں دیتے۔ اُمید ہے اس مجبوری کو صرف نظر نہ کریں گے۔ اور کتب و رسائل بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ دُعا ہے اللہ تعالےٰ آپ کو خدماتِ دینیہ کا بیش از بیش موقعہ عطا فرمائے اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آپ کی اسلامی بہن۔"

— الجواب :—

محترمہ عزیزہ جمیلہ یوسف۔ سلام دُعا۔ آپ کا مکتوب پیش نظر ہے۔ اللہ تعالےٰ کا آپ پر فضل و احسان ہے کہ اس نے آپ کو دنیوی تعلیم کے اعلےٰ مدارج طے کرنے کا موقعہ دیا ہے اور اس کے ساتھ دین و مذہب سے بھی لگاؤ بخشا ہے، ہم آپ کی ہر دو سطح پر کامیابی و کامرانی کے متمنی اور دُعا گو ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دینی مدارج بھی عطا فرمائے۔ ہماری مطبوعہ کتب آپ نے دیکھیں اور پسند کیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کو کتب و لٹریچر بھجوایا جا رہا ہے جس میں سیرت النبی صلعم پر کتاب بھی شامل ہے۔ ہفت روزہ لائٹ بھی آپ کے نام جاری کر دیا ہے۔ آپ کی مخلصانہ دعاؤں کا شکریہ۔ والسلام۔

— ایلورن (نائیجیریا) سے مسٹر کمال الدین (مورخہ 5/1/69) لکھتے ہیں :—

"سلام مسنون! مَیں نائیجیرین ہیرلڈ آفس میں ملازم ہوں۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی طرف سے یہاں پر ریڈیو کے ذریعہ تبلیغ و ارشاد اور خطبات کا پروگرام نشر ہوتا رہتا ہے۔ جسے مَیں بڑی باقاعدگی اور دلچسپی سے سُنتا ہوں۔ اس کے لئے مَیں آپ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ پروگرام نہایت بصیرت افروز ہوتے ہیں۔ مُسلم طبقہ میں ان کی افادیت مسلمہ ہے۔ ان پروگراموں کے سُننے سے مجھے احکام و ارکان اسلام پر عمل اور ان کی پابندی کی توفیق حاصل ہوئی اور اسلامی تعلیمات سے بہتر طور پر آگاہ ہوا ہوں۔ اب میرا یقین ہے کہ یہ دینِ برحق ہے اور بنی نوعِ انسان کے لئے یہی ایک سچا دین ہے۔ قبل ازیں میں اسلام کو نہیں مانتا تھا۔ لیکن ریڈیو پروگرام سُننے اور اپنے سکول میں تحریک احمدیہ کی مجالس میں شمولیت سے مجھے اس سچے اور فطری دین سے آگاہی حاصل ہوئی اور اب میں بفضل تعالےٰ مُسلم ہوں اور پنجوقتہ نمازوں کا پابند ہوں الحمد للہ میں عربی کتب نہیں پڑھ سکتا اس لئے عربی اسلامی لٹریچر میرے لئے کسی طور فائدہ مند نہیں۔ مہربانی فرما کر انگریزی زبان میں دستیاب اسلامی لٹریچر مرحمت فرمائیں۔ شکر گذار ہوں گا —
آپ کا مخلص اسلامی بھائی۔

— الجواب :—

محترمی مسٹر کمال الدین صاحب! ہمیں خوشی ہے کہ آپ ریڈیو پر ہمارا پروگرام باقاعدگی اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔ یہ آپ کی اسلام پسندی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تفہیم دین اور اس پر عمل کی وافر توفیق عطا فرمائے۔ آپ کی مبارک باد کا شکریہ۔ آپ کی خدمت میں انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر ارسال کیا جا رہا ہے۔ اس کے حاصل مطالعہ سے ہمیں مطلع فرمائیں۔ اُمید ہے آپ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ دُعاؤں میں یاد رکھ کر عنداللہ ماجور ہوں۔

— گھانا سے مسٹر عبدالرحمٰن (مورخہ 19/1/69) لکھتے ہیں :—

"مَیں بحمدہ تعالیٰ مُسلم ہوں اور تامل ٹریننگ کالج میں دینیات کا طالب علم ہوں۔ مجھے اسلامی کتب و لٹریچر کی اشد ضرورت ہے بالخصوص ایسی کتب جو قرآن و حدیث اور فقہ کے علومِ اسلامیہ پر مشتمل ہوں۔ جن کا امتحانی نقطہ نظر سے مطالعہ بھی کر سکوں۔ اُمید ہے التفاتی توجہ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔"

— الجواب :—

محترمی عبدالرحمٰن صاحب! تسلیمات

آپ کا مراسلہ ملا۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ آپ ہمارے اسلامی بھائی ہیں اور دینیات کی اعلےٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دینِ اسلام کی خدمات بیش از بیش موقعہ عطا فرمائے۔ آپ کو چند کتب بھجوائی جا رہی ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ امتحانی مطالعہ میں آپ کو کام دیں گی نہ صرف دنیوی نقطۂ نظر سے ہی یہ کتب مفید و مؤثر ہیں بلکہ آخرت کے امتحان کی تیاری کے لئے بھی یہ کتب مفید ترین ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ہر دو امتحانوں میں کامیابی عطا فرمائے۔

اگر آپ دینِ اسلام پر مزید تحقیق و ریسرچ کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس راہ میں ہم آپ کی بہتر خدمت کر سکیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ مراسلت جاری رکھیں اور کار لائقہ سے یاد کرتے رہیں۔

— ریاست کوارا سے مسٹر یعقوب (مورخہ 17/2/69) لکھتے ہیں :—

"میں یہاں کے سیکنڈری سکول سے متعلق ہوں، لیکن دینی تعلیم سے بے بہرہ ہوں۔ یہاں پر کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ حصول کتب سے دینِ اسلام کی آگاہی ہو سکے۔ لائبریری میں بھی دینی کتب دستیاب نہیں ہیں۔ میں عربی بھی نہیں جانتا ہوں۔ اس لئے اس زبان میں دینی کتب سے استفادہ میرے لئے ناممکن ہے۔ مَیں جب کبھی اپنے حلقہ تعارف میں کسی دینی مسئلہ پر گفتگو کرتا ہوں تو قرآنی حوالہ دیتے وقت مجھے مشکل پیش آتی ہے۔ وہ خود بھی یقین نہیں کرتے کہ جو کچھ مَیں کہہ رہا ہوں وہ قرآن کریم میں سے ہی ہے۔ بعض اصحاب کے پاس آپ کا ارسال کردہ قرآن کریم ہے۔ اگر مجھے بھی آپ ایک نسخہ مرحمت فرما سکیں تو نوازش ہوگی۔ اس سے نہ صرف مَیں خود مستفید ہو سکوں گا بلکہ دوسروں سے گفتگو کرتے وقت ضروری حوالوں کی فراہمی اور شہادت کے لئے بھی مفید

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم ۲)

مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب ——— (قسط دہم)

دعوئ نبوّت کا انکار اور دعوئ مجدّدیّت کا اقرار

اور ظلّ کی حقیقت اور کس کی خلافتِ دائمی کا وعدۂ الٰہی

لفظ رسُول سے غلط استدلال

مبلّغ ربوہ نے لکھا ہے کہ خلیفہ درحقیقت رسُول کا ظلّ ہوتا ہے۔ یہ عبارت انہوں نے حضورؑ کی کتاب "شہادۃ القرآن" کے صفحہ ۵۷ سے لی ہے اور چونکہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو حقیقی معنوں میں زمرۂ انبیاء کا فرد قرار دیا ہوا ہے اس لئے حضور کے خلفاء کو وہ حضرت مسیح موعودؑ کے ظلّ قرار دیتے ہیں۔ اسی بناء پر وہ مجدّدوں کے سلسلہ کو منقطع قرار دیتے ہوئے ان خلفاء کو ہی جو حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت میں انسانوں کے ذریعے منتخب ہوں گے مجدّد قرار دے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلعم کی حدیث کہ ہر صدی کے سر پر خدا تعالےٰ اس اُمّت کے لئے مجدّد مبعوث کیا کرے گا اب نعوذ باللہ باطل ٹھہرا رہے ہیں۔ حالانکہ حضور نے مجدّدوں کا اُمّت میں آنا قیامت تک تسلیم کیا ہے حوالہ اُوپر گذر چکا ہے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مبلّغ ربوہ نے حضرت اقدسؑ کی کتاب "شہادت القرآن" سے جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ خلیفہ درحقیقت رسُول کا ظلّ ہوتا ہے اور اس سے مراد حضرت مسیح موعود کے خلفاء لئے ہیں۔ یاد رہے کہ اس مراد لینے میں انہوں نے صریح بددیانتی سے کام لیا ہے اور تقوے اللہ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کی واضح تحریروں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے حضور کے منشاء کو بیگانہ کر پیش کرنے کی جُرأت کی ہے۔ حضورؑ کی کتاب "شہادت القرآن" کو پڑھ جائیے اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں پائیں گے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضرت مسیح موعود اپنی خلافت کو خصوصًا ایسی خلافت کو جو انسانوں کے انتخاب کے ذریعے وجود میں آئی ہو قیامت تک دائمی خلافت قرار دیا ہو۔ حضورؑ تو اس کتاب میں صریح طور پر حضرت نبی کریم صلعم کی خلافت کو دائمی قرار دے رہے ہیں جیسا کہ ابھی ان تحریروں سے قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا جو ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ صفحہ ۱۸ پر حضور فرماتے ہیں :-

"اب اگرچہ مسلمانوں کے ظاہری عقیدہ کے موافق لیلۃ القدر ایک متبرک رات کا نام ہے مگر جس حقیقت پر خدا تعالےٰ نے مجھے مطلع کیا ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ ان معنوں کے جو مسلّم قوم ہیں لیلۃ القدر وہ زمانہ بھی ہے جب دُنیا میں ظلمت پھیل جاتی ہے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے تب وہ تاریکی بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ آسمان سے کوئی نُور نازل ہو سو خدا تعالےٰ اس وقت اپنے نُورانی ملائکہ اور رُوح القدس کو زمین پر نازل کرتا ہے اسی طور کے نزول کے ساتھ جو فرشتوں کے شان کے ساتھ مناسب حال ہے۔ تب رُوح القدس تو اس مجدّد اور مصلح سے تعلق پکڑتا ہے جو اجتبےٰ اور اصطفےٰ کی خلعت سے مشرف ہو کر دعوتِ حق کے لئے مامور ہوتا ہے اور فرشتے ان تمام لوگوں سے تعلق پکڑتے ہیں جو سعید اور رشید اور مستعد ہیں اور ان کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں اور نیک توفیقیں ان کے سامنے رکھتے ہیں۔ تب دنیا میں سلامتی اور سعادت کی راہیں پھیلتی ہیں اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جب تک دین اپنے اس کمال کو پہنچ جائے جو اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔"

اب ہر منصف مزاج قاری خواہ وہ احمدی ہو یا جماعتِ احمدیہ سے تعلق رکھنے والا نہ ہو دیکھ سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ حضور سخت تاریکی کے پھیلنے کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں لیکن اصلاح کے لئے مجدّد کا آنا ہی تسلیم کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ اصلاح کا کام سرانجام پانا تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری عبارت صفحہ ۲۸ :-

"اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایتِ دین کے لئے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرسل ہونے میں نبی اور محدّث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالےٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ایسا ہی محدّثین کا نام بھی مرسل رکھا اسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وقفینا من بعدہ بالرسل آیا ہے اور یہ نہیں آیا کہ قفینا من بعدہ بالانبیاء۔ پس یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسل سے مراد مرسل ہیں خواہ وہ رسُول ہوں یا نبی ہوں یا محدّث ہوں۔ چونکہ ہمارے سیّد و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آسکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدّث رکھے گئے ہیں اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ ثلۃ من الاوّلین و ثلۃ من الآخرین۔ چونکہ ثلۃ کا لفظ دونوں فقروں میں برابر آیا ہے اس لئے قطعی طور پر یہاں سے ثابت ہوا کہ اس اُمّت کے محدّث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلہ میں موسوی اُمّت کے مرسلوں کے برابر ہیں۔"

تیسری عبارت! :-

"اب چونکہ مماثلت فی الانعامات از بس ضروری ہے اور مماثلت تامہ تبھی متحقق ہو سکتی تھی کہ جب مماثلت فی الانعامات متحقق ہو۔ پس اس لئے یہ ظہور میں آیا کہ جیسے حضرت موسے علیہ السلام کو قریبًا چودہ سو برس تک ایسے خدّام شریعت عطا کئے گئے کہ وہ رسُول اور ملہم من اللہ تھے اور اختتام اس سلسلہ کا ایک ایسے رسُول پر ہوا جس نے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ فقط رحمت اور خلق سے حق کی طرف دعوت کی۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ خدّام شریعت عطا کئے گئے جو بر طبق حدیث علماء اُمّتی کانبیاء بنی اسرائیل ملہم اور محدّث تھے۔"

اس عبارت میں بھی حضورؑ نے نبیوں کے مثیلوں کے آنے کا اُمّت میں ذکر کیا ہے نہ کہ نبیوں کے آنے کا اور اس سے بعد کی عبارت میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اب نبی مبعوث اس لئے نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔

چوتھی عبارت! صفحہ ۵۱ پر حضورؑ فرماتے ہیں :-

"نبی تو اس اُمّت میں آنے کو رہے اب اگر خلفاء نبی بھی نہ آویں اور وقتاً فوقتاً رُوحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی رُوحانیت کا خاتمہ ہے۔"

اب انبیاء کے مبعوث ہونے کی نفی کے لئے اس سے بڑھ کر کونسے زور دار الفاظ ہو سکتے ہیں جو عبارت مندرجہ بالا میں پائے جاتے ہیں۔ اس میں صاف فرما

اب انبیاء تو نہیں آسکتے بلکہ ان کے نائبین آتے رہیں گے اور ان میں سے میں ایک ہوں۔ کیا یہ عبارت اس بات پر صریح دلالت نہیں کرتی کہ حضرت مسیح موعودؑ زمرۂ انبیاء کے فرد نہیں تھے بلکہ زمرۂ اولیاء کے فرد ہی تھے۔

پانچویں عبارت! صفحہ ۴۴ پر حضورؑ فرماتے ہیں:—

"لیکن افسوس کہ معترض بے خبر نے ناحق آیت الیوم اکملت لکم دینکم کو پیش کر دیا ہم کب کہتے ہیں کہ مجدد اور محدث دنیا میں آکر دین میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا زیادہ کرتے ہیں بلکہ ہمارا تو یہ قول ہے کہ ایک زمانہ گذرنے کے بعد جب پاک تعلیم پر خیالات فاسدہ کا ایک غبار پڑ جاتا ہے اور حق خالص کا چہرہ چھپ جاتا ہے تب اس خوبصورت چہرہ کو دکھلانے کے لئے مجدد اور محدث اور روحانی خلیفے آتے ہیں۔ نہ معلوم کہ بیچارے معترض نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ مجدد اور روحانی خلیفے دنیا میں آکر دین کی کچھ ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں نہیں وہ دین کو منسوخ کرنے نہیں آتے بلکہ دین کی چمک اور روشنی دکھانے کو آتے ہیں اور معترض کا یہ خیال کہ ان کی ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پروا نہیں اور کبھی اس نے غور نہیں کیا کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کس کو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی کیونکر اور کن راہوں سے ہو سکتی اور کس حالت میں کسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسلمان ہے یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف حرکت ہے پھر مجدد کی کیا ضرورت ہے لیکن افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجددوں اور روحانی خلیفوں کی اس امت میں ایسے ہی طور سے ضرورت ہے جیسا کہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش آتی رہی ہے۔"

اب جماعت ربوہ مندرجہ بالا حضورؑ کی عبارت پر نظر غور ڈالیں اور دیکھیں کہ وضاحت سے حضور امت میں مجددین اور محدثین کی بعثت کا ذکر فرما رہے ہیں نہ مجددین میں اپنے آپ کو داخل فرما رہے ہیں آپ کے مبلغ کو یہ جرأت کیسے پیدا ہوئی کہ وہ اس کتاب کی بناء پر حضرت اقدسؑ کو زمرۂ انبیاء کا فرد قرار دیں۔

چھٹی عبارت! صفحہ ۶۴ تا ۶۵ پر حضور فرماتے ہیں:—

"ہاں مجددین کی بشارت میں توریت کی پیشگوئی اور قرآن کی پیشگوئی میں صرف پیرایہ بیان میں فرق ہے یعنے توریت میں تو اسرائیلی قوت کے ٹوٹنے اور عصاء کے جاتے رہنے کے وقت میں جس سے مراد زوال سلطنت تھا ان کے آنے کی بشارت دی گئی ہے مگر قرآن میں اسلامی طاقت کے کم ہونے اور امواج فتن کے اٹھنے کے وقت جو عیسائی وعظوں کی دجالیت سے مراد ہے نفخ صور کی خوشخبری دی گئی ہے اور نفخ صور سے مراد قیامت نہیں ہے کیونکہ عیسائیوں کے امواج فتن کے پیدا ہونے پر تو سو برس سے زیادہ گذر گیا ہے مگر کوئی قیامت برپا نہیں ہوئی بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی عہد کا اور مجدد کو بھیج کر ہدایت کی صور پھونکی جائے اور ضلالت کے مردوں میں پھر زندگی کی روح پھونک دی جاوے کیونکہ نفخ صور صرف جسمانی احیاء اور اماتت تک محدود نہیں ہے بلکہ روحانی احیاء اور اماتت بھی ہمیشہ نفخ صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے اور جیسا قرآن میں نفخ صور سے کسی مجدد کا بھیجنا مراد ہے تا عیسائی مذہب کے غلبہ کو توڑے ایسا ہی امواج فتن سے وہ دجالیت مراد ہے جو حدیثوں میں دجال معہود کے نام پر بیان کی گئی ہے اور خدا تعالے نے دجال معہود اور مسیح موعودؑ کے لفظ کو جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے کہیں قرآن میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ بجائے دجال کے نصاریٰ کی پرفتن کارروائیوں کا ذکر کیا ہے چنانچہ من کل حدب ینسلون میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے مجدد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں بلکہ لفظ نفخ صور سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تا معلوم ہو کہ مسیح موعود ارضی اور زمینی ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا بلکہ آسمانی نفخ پر اس کے اقبال اور عروج کا مدار ہوگا اور وہ پُرحکمت کلمات کی قوت سے اور آسمانی نشانوں سے لوگوں کو حق اور سچائی کی طرف کھینچے گا کیونکہ وہ معقولی فتنوں کے وقت آئیگا نہ سیفی فتنوں کے وقت اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالے ہر یک فتنہ کی طرز کے موافق نبی اور مجدد کو بھیجتا ہے پس جیسی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی تمام قوتیں سلب ہو چکی تھیں اور ان کے ہاتھ بجز مکر اور فریب اور زبانی باتوں کے اور کچھ نہ تھا اور سلطنت رومیہ جس کے تحت میں وہ اپنی بدچلنیوں اور بدانتظامیوں کی جہت سے خود آگئے تھے رومیوں کا بلحاظ ملک گیری کچھ قصور نہ تھا یہی حال قرآن کریم میں مسیح موعود کے زمانہ میں لکھا گیا ہے مثلاً ہندوستان کے مسلمانوں کی نالائق حالت ایسی ہی کہ وہ کسی مصلح کے پیدا ہونے پر تلوار سے اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے کیونکہ خود تلواریں ان کے پاس نہیں اور دہلی کا تخت انگریزوں نے ایسا ہی لے لیا جیسا کہ یہودیوں کا کا تخت سلطنت رومیہ نے یعنے محض بادشاہوں کی بدچلنی اور نالیاقتی کی وجہ سے انگریزوں کا ہوس ملک گیری میں کچھ قصور نہیں تا ان پر تلوار اٹھائی جاوے بلکہ از ماست کہ بر ماست کی مثال اس جگہ صادق آتی ہے اس وجہ سے اس صدی کا مجدد حضرت مسیح کے رنگ میں آیا اور بوجہ قوی مشابہت کے مسیح موعود کہلایا اور یہ نام کچھ بناوٹی نہیں بلکہ حالات موجودہ کے مطابقت کی وجہ سے اس نام کی ضرورت پڑی۔"

احباب ربوہ دیکھیں کس صفائی سے بار بار حضورؑ اپنے آپ کو مجدد ہی ظاہر کر رہے ہیں۔

ساتویں عبارت! صفحہ ۴۸ پر حضور فرماتے ہیں:—

"یہ یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالےٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون۔ یعنے بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔"

اس عبارت میں بھی حضورؑ نے اپنے آپ کو مجدد ہی ظاہر کیا ہے۔

آٹھویں عبارت! صفحہ ۵۱ تا ۵۲ پر حضورؑ فرماتے ہیں:—

"سچ تو یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کو نہیں پہچانتا وہ قرآن کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے مگر قرآن کی ہدایتیں اس شخص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں جس پر قرآن نازل ہوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا اگر قرآن اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالےٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دنیا میں نہیں بھیجا جب تک معلم القرآن دنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ یعلمھم الکتاب والحکمۃ

یعنے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں کو سکھاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے و لا یمسہ الا المطہرون یعنے قرآن کے حقائق و دقائق ان پر ہی کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہوں۔ پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جس کو خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اگر قرآن کے سیکھنے کے لئے معلم کی حاجت ہوتی تو ابتدائی زمانہ میں بھی نہ ہوتی اور یہ کہنا کہ ابتدا میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہو گئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اس کے کہ اُمت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے اور ہر ایک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنے والے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عنداللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"

نویں عبارت! صفحہ ۲۱ پر حضور فرماتے ہیں:—

"اب جبکہ قرآن شریف کے رُو سے یہی ثابت ہوا کہ اس اُمت مرحومہ میں سلسلہ خلافت دائمی کا اسی طور پر اور اسی کی مانند قائم کیا گیا ہے جو حضرت موسےٰ کی شریعت میں قائم کیا گیا تھا اور صرف اس قدر لفظی فرق رہا کہ اس وقت تائید دین عیسوی کے لئے نبی آتے تھے اور اب محدّث آتے ہیں۔"

دسویں عبارت! صفحہ ۲۸ پر حضور فرماتے ہیں:—

"دوسری مماثلت تامہ کاملہ استخلاف محمدی کی استخلاف موسوی سے مسیح موعود کا آنا ضروری ٹھہراتی ہے۔ جیسا کہ آیت مندرجہ ذیل سے مفہوم ہوتا ہے۔ یعنے آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم صاف بتلا رہی ہے کہ ایک مجدد حضرت مسیح کے نام پر چودھویں صدی میں آنا ضروری ہے کیونکہ امر استخلاف محمدی امر استخلاف موسوی سے اس حالت میں اکمل اور اتم مشابہت پیدا کر سکتا ہے کہ جبکہ اوّل زمانہ اور آخری زمانہ باہم نہایت درجہ کی مشابہت رکھتی ہوں اور آخری زمانہ کی مشابہت دو باتوں میں تھی ایک اُمت کا حال ابتر ہونا اور دنیا کے اقبال میں ضعف آ جانا اور دینی دیانت اور ایمانداری اور تقوےٰ میں فرق آ جانا دوسرا ایسے زمانہ میں ایک مجدد کا پیدا ہونا جو مسیح موعود کے نام پر آوے اور ایمانی حالت کو پھر بحال کرے۔"

ظلّ اور دائمی خلافت پر روشنی حضور کی تحریروں سے انشاء اللہ آئندہ قسط میں ڈالی جائے گی۔ (باقی ——— باقی)

ایک ضروری تصحیح} بحوالہ رپورٹ جلسہ وزیرآباد، مندرجہ پیغام صلح ۱۱/۴۹ صفحہ ۱۱ پر قارئین کرام مندرجہ ذیل تصحیح فرمالیں:— "مسجد وزیرآباد ۱۹۱۲ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس کا افتتاح حضرت مولانا نورالدینؒ نے کرنا تھا مگر بوجہ علالت تشریف نہ لا سکے تھے۔"

تبلیغی خط و کتابت

(بسلسلہ صفحہ ۸)

ہو گا۔ میں زیادہ سے زیادہ علم قرآن سے آگاہی حاصل کر سکوں گا۔ لیکن آپ سے مقرر گذارش کرتا ہوں کہ مجھے اسلامی کتب اور رسائل پہلی فرصت میں بھجوائیں بالخصوص قرآن کریم انگریزی۔ دُعاگو

الجواب:——

عزیزی یعقوب دُعا و پیار۔

آپ کا خط ملا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو تعلیم حاصل کرنے کا بیش از بیش موقعہ عطا فرمائے۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ ہم اس راہ میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے خوشی محسوس کریں گے۔ ہماری کتب و لٹریچر آپ کو سلسلہ وار پہنچتی رہیں گی۔ آپ ان کا مطالعہ کرتے رہیئے۔ اس طرح آپ دین اسلام سے بتدریج آگاہی حاصل کر لیں گے۔ اس کے شوق میں استقامت رہی تو ہمارے ارسال کردہ لٹریچر کے بغور مطالعہ سے آپ نہ صرف علم دینیات اسلام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے بلکہ دیگر مذاہب باطلہ اور ان کے باطل معتقدات سے بھی متعارف ہو جائیں گے اور مقابلتہً اسلام کی خیر و برکات آپ پر واضح ہو جائیں گی۔ اللہ تعالےٰ آپ کو فکر و عقل کی بھرپور صلاحیتوں سے متمتع فرمائے ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

——— تکوروی (مغربی افریقہ) سے حبیب الیاس (مورخہ ۱۸/۴۹) لکھتے ہیں:—

"مجھے آپ کو یہ عریضہ لکھتے ہوئے نہایت خوشی و مسرت ہو رہی ہے۔ گذارش آنکہ ہفتہ عشرہ پہلے کی بات ہے میں مسجد میں بیٹھا ہوا قرآن کریم کا مطالعہ کر رہا تھا۔ وہاں سے فارغ ہوا تو میرے دو عیسائی دوست مجھے ملنے آ گئے۔ ان سے مذہبی گفتگو چھڑ گئی۔ میں نے ان کو دین اسلام کی سچائیاں ان پر ظاہر کیں اور اسلام کی عیسائی مذہب پر برتری ظاہر کی۔ جس کے نتیجہ پر ایک دوست عیسائیت ترک کرنے پر بہ خلوص نیت تیار ہو گیا ہے۔ اگلے روز علی الصبح وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا وہ اس ٹاؤن کا چیف امام ہے۔ اس وجہ سے وہ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے بھی کار خیر میں تاخیر پسند نہ کی۔ میں نے اس کو کلمہ پڑھایا اور اس کا نام عبدالواحد رکھ دیا۔

آپ سے التماس ہے کہ آپ اس نومسلم نوجوان کی مدد فرمائیں اور اسے قرآن کریم معہ دیگر اسلامی کتب و رسائل مرحمت فرمائیں تاکہ وہ مطالعہ کتب سے دین اسلام کے بارے میں کافی و شافی آگاہی حاصل کر سکے۔ آپ کی کرم فرمائی کے لئے میں خود بھی شکر گذار اور دُعاگو رہوں گا۔ والسلام

(آپ کا اسلامی بھائی)

الجواب:——

محترمی حبیب الیاس صاحب!

آپ کا مکتوب ہمارے لئے بے حد خوشی و مسرت کا باعث ہوا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا زیادہ سے زیادہ موقع بخشے۔ اُمتِ مسلمہ کا حقیقی مقصد و مشن یہی ہے کہ وہ اسلام کی برکات سے خود بھی متمتع ہو اور دوسروں کو بھی ان سے مستفید و متمتع ہونے کا موقعہ دے۔ اللہ تعالےٰ آپ کی یہ تبلیغی خدمات قبول فرمائے اور ہمارے نومسلم بھائی مسٹر عبدالواحد کو بھی استقامت عطا فرمائے۔ ہم انہیں اسلام پر ضروری لٹریچر ارسال کر رہے ہیں۔ انہیں خود بھی ہمارا اسلام و مبارکباد پیش فرما دیں۔

مکتوبِ لندن (۲)

قبولِ اسلام ۔ تقریبِ نکاح ۔ مختلف اجتماعات

(چار افراد کی جماعت میں شمولیت)

جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام لندن مشن حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں :۔

(۱) "مارچ کے مہینہ میں غیر از جماعت دوستوں کے ہاں تین اجتماعات منعقد ہوئے تینوں نارتھ لندن میں گیانا والوں کے ہاں تھے ۔ تینوں موقعوں پر اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اسلام کے مختلف مسائل پر اظہارِ خیال کا موقعہ ملا ۔ دینِ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر میرے لیکچر ہوئے اور دیگر علماء دوستوں کے بھی ۔ اسلام پر ہمارے لٹریچر کی افادیت کا لوگوں پر اچھا اثر ہوا ۔ تیسرے موقعہ پر تو صدر جلسہ جناب مسٹر خلیل اور سیکرٹری مسٹر رفیق احمد صاحب نے حاضرین سے کُھل کر خطاب کیا اور برملا کہا کہ :۔

"اسلام کی خدمت کرنے والے یہی احمدی لوگ ہیں اور ان کو کافر کہنا بڑی خطرناک بات ہے"

چنانچہ انہوں نے ہمارے ہی لٹریچر سے بہت کچھ پڑھ کر سُنایا ۔ تمام سامعین (مردوں اور عورتوں) پر ان تقاریر کا بڑا اچھا اثر ہوا ۔ وہاں پر سب نے مل کر شام کی نماز ادا کی اور خوشی خوشی گھر واپس ہوئے ۔ ان لوگوں کو مزید ضروری لٹریچر بھیجا گیا ۔ انہیں کے ذریعہ بعض دیگر دوستوں سے بھی رابطہ قائم ہوا ۔

(۲) **قبولِ اسلام اور شادی خانہ آبادی** } سب سے زیادہ خوش کن واقعہ مؤرخہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۹ء بروز اتوار ہوا ۔ اس روز مسٹر عزیز علی صاحب کے صاحبزادے جناب مسٹر حسین علی کی شادی مس لنڈا سے ہونا تھی جو یورپین نسل کی ایک عیسائی لڑکی ہیں ۔ شادی سے پہلے انہوں نے اسلام بھی قبول کرنا تھا ۔ دو ہفتہ پہلے مسٹر مجید علی اور عزیز علی صاحبان نے جماعت کے اکثر دوستوں کو مدعو کیا ہوا تھا ۔ تاکہ اس خوشی کے موقعہ پر احبابِ جماعت بھی جمع ہوں ۔ چونکہ مسٹر عزیز علی کے دوستوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے ۔ اس لئے ان کی اپنی برادری کے علاوہ کافی یورپین مرد اور عورتیں بھی نکاح کی تقریب میں شامل ہوئیں ۔ دوسری طرف سے لڑکی کے ماں باپ ، اس کی سہیلیاں اور دیگر لوگوں کے ہمراہ مجید علی صاحب کے دو عرب دوست بھی شامل ہوئے ۔

میں نے عزیز علی صاحب کو اپنے پہنچنے کی تاریخ کی پیشگی اطلاع دے دی تھی اور ہونے والی دلہن کو اسلام سے واقف کرانے کے لئے اسلام پر کچھ لٹریچر بھی بھیج دیا تھا ۔ وہاں پہنچ کر میں نے دولہا اور دلہن دونوں کو الگ الگ کمرے میں لے جا کر موٹے موٹے اسلامی مسائل سمجھائے ۔ نیز انہیں کلمہ طیبّہ کی حقیقت بتانے کے علاوہ اسے صحیح طور پر پڑھنے کی بھی مشق کرائی ۔ مجلس نکاح میں (جس میں کافی یورپین عیسائی دوست بھی موجود تھے) مس لنڈا کو کلمہ توحید پڑھایا گیا ۔ جس کے بعد سب لوگوں نے اسلام قبول کرنے پر اسے مبارکباد دی ۔ لڑکی کا نام ساجدہ رکھا گیا ۔

میں نے خطبہ نکاح میں نکاح کی ضرورت ، اس مقدّس عہد کی اہمیت از رُوئے قرآن اور احادیث بتائی ۔ اور اس سلسلہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ قرآن پاک کی روشنی میں اسلامی نکاح اور اس سے متعلقہ تمام کوائف کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ۔ نیز جو جو غیر اسلامی اور جاہلانہ رسُوم اسلام کی طرف منسوب کی جاتی ہیں یا غلطی سے مسلمانوں میں رواج پا گئی ہیں ان کا ازالہ کیا تاکہ غیر مسلم احباب کو سمجھنے کا موقعہ ملے ۔

اس کے بعد نکاح کا مسنون عربی خطبہ پڑھا ۔ پھر اس کا انگریزی ترجمہ مع تشریح سنایا ۔ مسنون قرآنی آیات پڑھ کر انگریزی میں ان کا ترجمہ اور تفسیر سنائی ۔ مرد اور عورت کے نکاح یعنی اس مقدّس عہد کے معنے بتائے ۔ لفظ تقویٰ کی انگریزی میں تشریح کی اور سامعین کو بتایا کہ تقوےٰ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو انسانی زندگی کے تمام اخلاقی ، سماجی اور روحانی پہلوؤں کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ۔ جو قوانین اللہ تعالےٰ نے مقرر فرمائے ہیں ۔ ان سب کو نہایت اخلاص ، تندرستی اور دیانت کے ساتھ اپنی تمام زندگی پر حاوی کیا جائے اور یہی قدرت کا منشاء ہے اور یہی پرہیزگاری ہے اور اسی سے دین اور دُنیا کا فرق پیدا ہوتا ہے ۔ **مسلمان کا ہر فعل دین ہے ، اگر اس میں تقوےٰ کا پہلو ہے** ۔ اور ہر وہ فعل جو بظاہر دینی ہے اور تقوےٰ سے خالی ہے وُہ خدا کے نزدیک محض دنیا ہے اور بے کار ہے ۔ میں نے اس پر قرآن پاک کے بہت سے حوالے دیئے ۔ اور بہت سی مثالیں دے کر واضح کیا کہ اسلام کس قدر مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔

مزید براں حاضرین کو ذہن نشین کرایا گیا کہ نکاح کے بغیر فیملی اور خاندان کا تصوّر ہی نہیں ہو سکتا ۔ اور اگر فیملی اور خاندان نہ بن سکے (جس کے لئے محبت ، ایثار اور بہت سی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے) تو پھر دنیا میں کوئی اعلےٰ تہذیب جنم نہیں لے سکتی ۔ انسانی تہذیب کے پھیلانے کا یہ نظریہ صرف اسلام ہی نے پیش کیا ہے ۔ اور انسانیت ان اُصولوں پر عمل کر کے ہی پنپ سکتی ہے ۔ اخلاقی ، روحانی اور سوشل اقدار ترقی پا سکتی ہیں ۔ اگر ان اُصولوں پر عمل نہ کیا جائے تو پھر جانوروں اور انسانوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا ۔ کیونکہ افزائش نسل اور جنسی تقاضے تو پورے کئے جا سکتے ہیں لیکن اخلاقی ، رُوحانی اور سماجی اقدار کے فقدان کے ساتھ کوئی مہذّب معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا ۔

اسلام میں عورت اور مرد کے مساوی حقوق کے بارے میں بھی وضاحت کی اور مہر کا فلسفہ بیان کیا ۔ مہر چھ سو پونڈ مقرر ہُوا ۔ ایجاب و قبول اور مسنون دعاؤں پر نکاح اختتام پذیر ہوا ۔ نئے جوڑے اور ان کے والدین اور عزیزوں کو سب نے مبارکبادی اور تحائف پیش کئے ۔

اس موقعہ پر ہماری مسجد کے لئے ۱۵ پونڈ چندہ بھی وصول ہوا ۔ دُلہن کے والدین نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ :۔

وہ اسلام کے متعلق یہ تمام باتیں سُن کر بہت متاثر اور مطمئن ہوئے ہیں ۔

ہماری جماعت کے لئے یہ امر باعثِ خوشی اور برکت ہے کہ اس ماہ میں دو افراد نے قبول اسلام کیا اور چار احباب باقاعدہ طور پر جماعت میں شامل ہوئے ۔ بیعت فارم عنقریب مرکز میں ارسال کر دیئے جائیں گے ۔

نکاح کے بعد حاضرین نے ایک پُر تکلف دعوتِ ولیمہ میں شرکت کی ۔

احبابِ جماعت سے درخواست ہے کہ وہ نئے جوڑے کے لئے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اس رشتہ کو اسلام اور جماعت کے لئے باعثِ برکت اور تقویت بنائے ۔ آمین ۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا ۔
(چیف ایڈیٹر :۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــــــ مؤرخہ ۲۵ اپریل ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــــــ شمارہ نمبر ۱۷

"ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا"

فخر الاسلام قریشی۔ التمش روڈ۔ ڈھیری حسن آباد۔ راولپنڈی سے لکھتے ہیں :—

"آج کل تقریباً روزانہ اخبار میں شائع ہوتا ہے کہ فلاں جگہ ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور اتنے افراد مر گئے ہیں اور پھر آتشگیر مادہ پھٹنے سے اتنا جانی و مالی نقصان ہوا ہے۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کو کونسی ہماری بات پسند نہیں آئی جس کی وجہ سے پاکستان میں اس طرح کے واقعات عام ہو رہے ہیں اور روز بروز جانی نقصان ہو رہا ہے۔ میں تمام پاکستانیوں سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ روزانہ نمازوں میں اور خاص طور پر اس جمعہ کو اللہ تعالیٰ سے ہر پاکستانی کی جان و مال و عزت و نفس کی حفاظت کے لئے دُعا کریں اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگیں کہ ہمارے تمام گناہ معاف کرے اور نیک راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"

(روزنامہ جنگ راولپنڈی۔ ۱۶ ۴/۴۱)

قریشی صاحب کی اس درد بھری دُعا میں شریک ہو کر ہم بھی اس پر آمین بلکہ ثم آمین کہتے ہیں۔ وہ بڑا دردمند اور حساس دل رکھنے والے شریف النفس انسان معلوم ہوتے ہیں۔ شاید کروڑوں میں وہ ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری کوئی بات پسند نہیں آئی جس کی وجہ سے آئے دن خون کے آنسو رلانے والے واقعات پے درپے پیش آ رہے ہیں۔ ہم جب بھی اپنے ملک کے کسی حصے میں کوئی رُوح فرسا حادثہ پیش آنے کی خبر پڑھتے یا سُنتے ہیں بحیثیت پاکستانی اپنے ہموطنوں کی مصیبت پر ہمارے دلوں سے درد کی ٹیس اُٹھتی اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور درگذر کی دُعائیں مانگتے ہیں لیکن ہمیں اپنی کوئی ادا بھی ایسی نظر نہیں آتی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ وہ انسان کی ساری غلطیاں۔ فروگذاشتیں اور گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے دامن میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لئے کچھ تو ہو۔ اگر اور کچھ نہیں تو ایک ٹوٹا ہوا دل ہی لے کر اس کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہو جائے اپنے کئے پر ندامت کا اظہار تو کرے۔ لیکن جب گناہ بھی کرے اور اس پر اصرار اور فخر بھی تو اللہ تعالیٰ کیونکر اس کی خطاؤں سے درگذر فرمائے اور اسے اپنی نعمتوں سے نوازے کیونکہ اس کی سُنّت کے سراسر خلاف ہے۔ خدا کی نافرمانی اور اس پر اترانا ظلم ہے۔ جو اس کے مرتکب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کے اپنے ظلم کی وجہ سے اُنہیں آ لیتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے :—

"ہم نے ان پر جو ظالم تھے اوپر سے ایک عذاب اُتارا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔" (البقرہ۔ ۵۹)

ہاں ظلم کے بعد جو اپنے کئے پر نادم اور شرمسار ہوا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے صدق دل سے معافی مانگے وہ اسے معاف کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

"پھر جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ اس پر (رحمت سے) توجہ کرے گا۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔" (المائدۃ۔ ۳۹)

کیونکہ "اللہ جہانوں کے لئے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا" (آل عمران : ۱۰۸)

یہ ان کے اپنے ظلم کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ عذاب میں گرفتار کئے جاتے ہیں۔

"ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔"

(ھود : ۱۰۱)

جس کا نتیجہ ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہ نکلا۔

جو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور جس کی وجہ سے یہ حادثات وقوع پذیر ہو رہے ہیں ہم قریشی صاحب کے سامنے وہ واضح الفاظ میں بیان کر دینے کی اجازت چاہتے ہیں۔ شاید ان کی توجہ اس سے قبل اس طرف نہ گئی ہو۔ ہم اس ظلم کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جو پاکستان میں ہوا اور ہمارے خیال میں اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب اور ناراضگی کا موجب بنا۔

اس سے بڑا ظلم اور خدا کے ہاں ناپسندیدہ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ۱۹۷۴ء میں ربوہ سٹیشن پر ہونے والے ایک معمولی واقعہ کی آڑ میں پُرامن اور جماعتِ احمدیہ کے خلاف تحفظ ختم نبوت کے نام سے مُلک گیر تحریک [illegible] جس میں معصوم بچوں تک کو معاف نہ کیا گیا اور جائدادیں جلائی گئیں۔ نہ صرف جائدادیں بلکہ مسجدیں اور ان میں رکھے ہوئے قرآن کریم بھی نذرِ آتش کئے گئے۔ ستمبر ۱۹۷۴ء میں قرآن و سنّت کے احکامات کی صریح خلاف ورزی کر کے [illegible] ہوئے غیر مُسلم قرار دے دیا گیا حالانکہ یہ جماعت خدا، اس کے رسول، قرآن کو ماننے والی ہے اور دن میں ہر اذان کے بعد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتی ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہتی اور اسلام کے بنیادی ارکان پر عمل پیرا ہے۔ قرآن کریم تو یہ فرماتا ہے کہ :—

"اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اننی من المسلمین"

(حٰم : ۳۳)

اور یہاں محض سیاسی انتقام کی خاطر یہ کہنے کے لئے کہ تم مسلمان نہیں تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی ناانصافی اور ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ لوگوں کو ان کی غلطی کا اعتراف اور اس سے رجوع کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے واقعات کے ذریعے جھنجھوڑتا ہے کہ شاید وہ توبہ کر کے اس کے غضب سے بچ جائیں لیکن جب پانی سر سے گذر جائے تو وہ سخت [illegible] بھی ہے۔

"اور ضرور ہم انہیں نزدیک کا عذاب بڑے عذاب سے پہلے چکھائیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔"

رجوع نہ کرنے کی صورت میں عذاب اکبر کا آنا ضروری ہے۔ فرعون کی قوم پر بھی دریا میں غرق ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قحط۔ پھلوں [illegible] ٹڈیوں۔ جوؤں۔ مینڈکوں اور خون کی صورت میں چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے لیکن جب وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس نے انہیں دریا میں غرق کر دیا کیونکہ وہ اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے تھے اور اُن سے لاپرواہی [illegible]

لوگوں کے دل جب سخت ہو جاتے ہیں تو وہ ان حادثات کو اتفاق اور توہم پرستی سمجھنے لگ پڑتے ہیں اس لئے اپنی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے اُنہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن جب وہ ایسے نقطے پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے واپسی ناممکن ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت انہیں نابود کر کے اُس کی مشیّت پوری کرنے کے لئے کوئی اور قوم لائی جاتی ہے۔ سُنّت اللہ اسی طرح جاری رہی ہے اور جاری رہے گی

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں جو لوگ پیش پیش تھے ان میں
سے اکثر اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اور جو باقی ہیں اگر وہ بھی توبہ اور استغفار
سے کام لے کر رجوع نہیں کریں گے تو ان کی باری بھی زیادہ دُور نہیں۔

"کہہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب بھیجے
یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں کئی فرقے بنا کر ملا دے اور
تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھاوے۔ دیکھ ہم کس طرح
باتوں کو بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ لیں"۔ (الانعام: ٦٥)

اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے کو کافر کہنا ظلمِ عظیم ہے۔ اور اس کی سزا
عذابِ الیم۔

"تو کیا بستیوں والے اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب
ان پر رات کے وقت آئے جب وہ سوتے ہوں۔ اور کیا بستیوں والے
نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب اُن پر دن چڑھے آئے۔ جب وہ
کھیلتے ہوں۔ سو کیا وہ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہیں۔ اللہ کی تدبیر سے سوائے
خسارہ میں رہنے والوں کے کوئی نڈر نہیں ہوتا۔"
(الاعراف: ٩٧ تا ٩٩)

"تو کیا وہ لوگ جو برائی کی تدبیریں کرتے ہیں اس بات سے نڈر ہو گئے
ہیں کہ اللہ ان کو ملک میں ذلیل کر دے یا ان پر ایسی طرف سے
عذاب آ جائے جس کا انہیں خیال بھی نہیں یا وہ ان کو ان کے آنے
جانے میں پکڑے تو وہ اس کی گرفت سے نکل نہ سکیں۔ یا وہ اُنہیں
ڈرا کر پکڑے۔ سو تمہارا ربّ مہربان رحم کرنے والا ہے۔"
(النحل: ٤٥ تا ٤٧)

پاکستان بن جانے کے بعد ٧ ستمبر ١٩٧٤ء تک ٢٧ سالوں میں ہونے والے
اور ١٩٧٤ء کے بعد ان چار سالوں میں ہونے والے واقعات
یسے حادثات اور ١٩٧٤ء کے بعد ان چار سالوں میں ہونے والے واقعات
کے اعداد و شمار سامنے رکھتے ہوئے انصاف سے کہئے کہ یہ کیوں ہوئے اور کیسے
ہوئے۔ اگر دل کی آنکھیں بے بصیرت نہیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ لاکھوں
کلمہ گوؤں اور آنحضرت صلعم کے متوالوں کو غیر مسلم یا نام نہاد مسلم کہنے کا ہی نتیجہ ہے۔
اپنے دلوں کو جھوٹی تسلیاں دینے کے لئے انہیں روزمرّہ کے واقعات کہہ لیجئے لیکن
اللہ جانتا ہے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کسی ایک قوم سے کوئی رشتہ نہیں۔ وہ اسی کا ہو جاتا ہے
جو اس کا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی رشتہ کسی کو بچا سکتا تو آنحضرت صلعم اپنی پیاری
بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ کبھی نہ فرماتے کہ تمہیں صرف تمہارے اعمال
کام آئیں گے تمہارے باپ کا نبی ہونا تمہیں نہیں بچا سکے گا۔

ہمارے ساتھ ظلم اور ناانصافی ہوئی ہے۔ ہم اس وقت تک آنسو
بہاتے رہیں گے جب تک آسمان پر ہمارے حق میں فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ ہمارا اگر ایک
بچہ زندہ رہا تو وہ خدا کے در دولت سے اُس وقت تک سر نہیں اُٹھائے گا
جب تک اسے یہ ظلم و ستم سہنے کی داد نہ مل جائے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات
پر کامل اور پختہ یقین ہے کہ ہم اس کی عدالت سے مایوس نہیں لوٹیں گے۔ اور
وہ دن بہتوں پر بہت بھاری ہوگا۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں
کافر ٹھہرانے والے خدا کے سامنے ندامت و شرمساری کا اظہار کریں۔ توبہ
اور استغفار سے کام لیں اور اپنا یہ غیر منصفانہ فیصلہ واپس لیں۔ ورنہ افوض
امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

ایک ضروری تصحیح

تقریر[1] شیخ نثار احمد صاحب ٤/٧٩-١٨ صفحہ ٢ کالم ٢ نیچے سے دوسری
سطر میں خاشعین کے بجائے خائفین پڑھا جائے۔ ادارہ اس
سہو کتابت پر معذرت خواہ ہے۔
(ادارہ)

[1] جلسہ وزیر آباد کی تقریر

تبلیغی خط و کتابت

"مَیں تیری تبلیغ دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

اقصائے عالم میں اسلام پر ہمارے شائع کردہ لٹریچر کی وسیع مقبولیت

مُرتّبہ: ——— چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری

● گھانا کے ایک سکول سے مسٹر ابوبکر صادق اپنے مکتوب میں
لکھتے ہیں:—

"جناب مکرّم! اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ آپ کی دُعاؤں سے
میں بصحت ہُوں۔ میں اپنی عُمر کی پندرھویں بہار دیکھ رہا ہوں۔
میں نے آپ کے بارے میں سُنا ہے کہ آپ اسلام کی خدمت
کر رہے ہیں۔ تاہم میں آپ سے براہ راست تحریری طور پر باعثِ
زحمت ہُوں۔ اور مُلتمس ہُوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ آپ کس طرح
تبلیغ و اشاعت کر کے اتنے بڑے کام کو سنبھالے ہُوئے ہیں۔ اور
اتنی اچھی اچھی کتابیں لکھ کر چھاپ رہے ہیں۔ مَیں تو بہت ہی حیران
ہُوں۔ مَیں ان کو پڑھا کروں گا اور اپنے دوستوں کو بھی دکھاؤں گا۔ آپ
مجھے اس خط کا جواب ضرور دیں۔ کرم فرمائی ہوگی۔"

الجواب:—

عزیزم ابوبکر صادق۔ دُعا و پیار۔
آپ کا پیار بھرا خط ہمیں ملا ہے۔ جسے پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔
ہماری دِلی دعا ہے کہ آپ ہمیشہ بصحت و سلامت رہیں۔ کام والی لمبی عُمر کی بہت
زیادہ بہاریں دیکھنا نصیب ہوں۔ آپ نے درست سُنا ہے کہ ہم اپنے پیارے دین
اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں۔ لیکن یہ بات کہ ہم اس عظیم آسمانی کام کو کیسے
سنبھالے ہُوئے ہیں۔ اس کے بارے میں ہم خود بھی متعجب ہوتے ہیں۔
دراصل یہ آسمان والے کا کام ہے۔ جس سے وہ یہ کام لینا چاہتا ہے اس
کے لئے اسباب و ذرائع مہیا کر دیتا ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔
ہم بڑے شکر و سپاس کے ساتھ اس کی بارگہ میں اپنے جبین خم کرتے ہیں کہ اس نے
ہمیں اس کام کے کرنے کی توفیق بخشی ہے۔
ابوبکر صدیق صاحب! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر امتِ مسلمہ
میں ایک مجدد مبعوث فرماتا ہے جو اسلام و اُمتِ مسلمہ کی خدمت کرتا ہے۔
اس کے تحت اس صدی میں جو مجدد بن کر آئے وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
ہیں۔ انہوں نے اس علم و عقل اور فلسفہ کے دور میں اسلام کی عظیم الشان خدمت کی
اور اس ربّانی کام کے لئے سعید رُوحوں کو اپنی طرف کھینچا۔ جنہوں نے اس میں
دامے درمے قدمے اور سخنے حصّہ لیا۔ اس طرح خادمینِ دینِ اسلام کی ایک جماعت
بن گئی۔ جو اب تک اس مجدد کے کام کو انجام دے رہی ہے۔ وہ دینِ اسلام
پر اچھی اچھی کتابیں لکھ کر اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے للہ فی اللہ تقسیم کر
تا دُنیا میں اسلام کی روشنی پھیلے۔ اور عالمِ انسانیت کے قلوب اس سے منور ہوں۔
آپ کو چھوٹی چھوٹی کتابیں ارسال ہیں۔ ان کو آپ بھی پسند کریں گے اور
آپ کے دوست بھی۔ جب آپ ان کو پڑھ لیں تو پھر ہمیں لکھیں۔ ہم آپ کو مزید کتب
بھجوانے کی کوشش کریں گے۔ زیادہ دعائیں۔

● مغربی افریقہ سے محترم محمد ابوالمعالی اپنے مکتوب مؤرخہ ١٧ ر جنوری ٧٩ء
میں تحریر فرماتے ہیں:—

(باقی برصفحہ کالم ٢)

خدائے تعالیٰ کا وجود اسکے علمِ غیب اور اظہارِ قدرت کے نشانوں سے ہی پہچانا جاتا۔

مغربی عیسائیت و سائنس کا انیسویں صدی میں دنیاوی اسبابِ مقدرت پر کامل قبضہ

حضرت مسیح موعودؑ کے دنیاوی طاقت و ذرائع سے تہیدستی و محرومی کے باوجود دینِ اسلام کے غلبہ و فتوحات کی عظیم و عالمگیر پیشگوئیاں۔

(مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

مسلمان جماعت کی مکہ معظمہ میں ابتدائی حالت کیسی کس مپرسی و مادی سامانوں سے محرومی کی تھی! جو شخص اس تاریخی واقعہ سے معمولی واقفیت رکھتا ہے اسے بخوبی معلوم ہے اس جماعت کی حالت انتہائی بے سروسامانی کی تھی۔ حتیٰ کہ جب مکہ میں کفار کے ہاتھوں مسلمان مزید ظلم و ستم سہنے کی برداشت نہ رکھ سکے تو اپنے عزیز وطن سے ہجرت کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا چنانچہ ان ایام کی ہجرت حبشہ مشہور تاریخی واقعات ہیں۔ حق پرست طبقہ ہمیشہ سے اپنی حق گوئی کے باعث تختۂ ظلم و ستم بنتا رہا ہے اس لئے یہ کوئی اچنبہ بات نہیں۔ لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ایسی زبوں حالی میں جبکہ اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوں کیسے اور کیونکر ایسی کمزور جماعت اپنی عالمگیر فتح کا اعلان کر سکتی ہے؟ مکی سورتوں کی تلاوت کیجئے ان میں بار بار اور واضح و حتمی الفاظ میں اس عظیم علمِ غیب کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کفر و بطلان بھاگ کھڑا ہوگا۔ قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ اعلان کر دیجئے آفتاب صداقت نمودار ہو گیا ہے اور باطل کو بجز بھاگنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ یہ خدائی ازلی ابدی قانون ہے کہ صداقت کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا! پھر فرمایا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا ۔ اسی ذاتِ قادر نے اپنے فرستادہ کو ہدایت و سچا دین دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ اسے تمام دیگر ادیان پر اسے غلبہ دے۔ یقیناً خدا تعالیٰ اس کی صداقت و غلبہ پر کافی گواہ ہے!!

لشکروں کے چڑھ آنے اور بھاگ جانے کی حتمی پیشگوئیاں

دوسرے مقامات پر اس عام قانون کو مسلمان جماعت کی حالت پر اس طرح منطبق فرمایا، سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر ۔ کفار کی جمعیتیں ہزیمت کھا جائیں گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑی ہوں گی، اس گھڑی کے لئے ایک مقررہ وقت ہے اسی طرح دوسری جگہ ان الفاظ میں اس آئندہ کی حقیقت کو ادا کیا، جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب ، یہ جمع ہو کر آنے والے لشکر ہزیمت خوردہ ہیں کبھی آئندہ کی ایسی حقیقت کو گذشتہ تاریخ کے عظیم حوالوں سے واضح کیا گیا اکفارکم خیر من اولئکم ام لکم براءۃ فی الزبر ہم جو گذشتہ تاریخ کی کفار اور مومنین کی آویزش سے حوالہ سے خدائی و محکم قانون بیان فرماتے ہیں تو اسے کفار مکہ تم ان جیسی عاقبت سے اپنے آپ کو کیونکر محفوظ سمجھتے ہو؟ کیا تمہارے کفار کی حالت ان پہلوں سے بہتر ہے؟ یا کیا تمہارے لئے کوئی ضمانت موجود ہے؟

غور کرو! حالت تو اپنی بھاگنے کی ہے مگر عنقریب عظیم لشکروں کے مقابل آنے اور بھاگ جانے کے علمِ غیب کی خبریں دی جا رہی ہیں! سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں اس قسم کی پیشگوئیاں کرنا کیا کسی انسانی فکر و علم کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ پھر اگر انسانی علم و عقل یہاں عاجز محض ہے تو بتلایا جائے کہ وہ کونسی طاقت ہے جس کے بل بوتے پر ایسے عالمگیر انقلابات کا اعلان کیا جا رہا ہے؟

ابتدائی مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ کیسے مکہ سے بھاگنے والے چند بے سروسامان انسانوں نے جنگِ بدر، جنگِ احد، جنگِ احزاب کے معرکوں میں تمام عرب کے آزمودہ کار و اسلحہ جات سے لیس لشکروں کو بھگا دیا۔ اور کیسے آخر کار صلح حدیبیہ، فتح مکہ کے واقعات ظہور پذیر ہوئے! کیونکر حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زائد جملہ عرب قبیلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و تقلید میں آنجناب کے علم کے تحت جمع تھے!! یہ انقلابات کیسے اور کیونکر وقوع پذیر ہوئے کونسی قادر ذات تھی جس کی پشت پناہی نے کمزور و ناقابلِ ذکر جماعت کو تمام ملک عرب پر غلبہ دلا دیا؟ کیا یہ سب کچھ ایک اتفاقی امر تھا؟ بالفرض ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ایسے واقعات محض ایک حادثہ تھے تو بھی اس سوال کا جواب کیا ہے کہ برسوں پیشتر مکی حالت میں ایسے واقعات کی خبر دے دینا کسی انسان کے لئے کیونکر ممکن تھا؟ انسان کا علم تو اسباب و حالات پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ حالات پیش آمدہ کے عین برعکس و برخلاف۔ دراصل خدا تعالیٰ کی ذات کی تجلی، اس کے علمِ غیب کا اظہار اور اس کی قدرتِ کاملہ کے کرشمے ہی ہے اس کے نہاں در نہاں وجود کا پتہ ملتا اور اس کے وجود مخفیہ پر ایمان پیدا کرنے کا ذریعہ ہوا کرتا ہے اگر اس کے برعکس یہ بات کہ خدا تعالیٰ ایک موہوم ہستی ہے جسے انسانی قوتِ متخیلہ نے تخلیق کر کے دنیا کو منوا لیا ہے خود ایک وہم ہے۔

اسلامی نشأۃِ ثانیہ کے تقاضے

اس زمانہ میں جبکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اسلامی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہو چکا ہے تو کیا یہ سوال ہمارے لئے قابلِ غور نہیں کہ جبکہ سائنس و مادیت کے غلبہ اور عیسائیت کے فروغ کے باعث دینِ اسلام کے غلبہ کا سوال تو درکنار خود مسلمانوں کے قلوب سے صداقت و افضلیت تعلیم قرآن کا خیال ختم ہو چکا تھا یہ عظیم انقلاب کہ مایوسی و شکست کی بجائے یقین و فتح نے لے لی کیسے اور کیونکر وقوع پذیر ہو گیا؟

انیسویں صدی کے حالات پر نظر دوڑائیے! مغربی عیسائی اقوام تمام دنیا کے سامانوں پر قابض ہو چکی ہیں۔ ہر قسم کے ترقی و فروغ کے جملہ اسباب انہیں کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان کے علم و سطوت کی دنیا بھر میں دھاک بیٹھ چکی ہے عیسائی مذہب کے غلبہ کے تمام سامان مغرب کو میسر ہیں۔ غرضیکہ عیسائیت اور مادیت کی فتح کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ ہر چہار سو عالم میں مغربیت کا طوطی بول رہا ہے مسلمان اپنی دینی و دنیوی زبوں حالی کے باعث شکست خوردہ اور مایوسی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایسی حالت میں کون انسان ہو سکتا ہے جو نہ صرف عیسائیت کو مٹانے کا اعلان کرے بلکہ یہ خوشخبری دے کہ اب دینِ اسلام کے دن پھرنے والے ہیں؟ اگر کوئی انسان انیسویں صدی کے آخر اسلام اور مسلمانوں کی بہتری و فتح کی خوشخبری دے تو کن بل بوتے پر؟ آخر اس کے ہاتھ میں کونسے ذرائع و اسباب ہونا ضروری ہیں جن کے بھروسے پر وہ اس یقین پر قائم ہو جائے کہ اب اسلامی نشأۃ ثانیہ کا دور آ رہا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ جن کے پاس مغربی مادیت و عیسائیت کے مقابلہ کے لئے کوئی بھی ہتھیار نہ تھے کس غیبی طاقت کی پشت پناہی سے عالمگیر و عظیم طاقتوں کو چیلنج دے سکتے تھے؟

مغربی عیسائیت کے عظیم فروغ کے وقت اسکے انحطاط کی حتمی پیشگوئی

عیسائیت کی حتمی شکست کے بارہ میں جبکہ اسے دُنیا بھر کی جملہ طاقتیں و اسباب حاصل تھے اپنی نظموں میں بھی حضرت اقدس کا عالی یقین ملاحظہ ہو :-

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار
کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع
پھر ہُوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار
آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یُوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ مَیں کرتا ہوں اس کا انتظار
آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہَوا
دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

غیرمعروف گاؤں کا ایک غیرمعروف انسان جس کے پاس نہ تو طاقت و دولت کے خزائن ہیں، نہ ہی اس کے پاس علم و تبلیغ کے اسباب موجود ہیں، کیسے اور کیونکر یہ ندا بلند کر سکتا ہے ؟ اس کے قلب میں ایسا خارق عادت یقین و ایمان اور جرأت و ہمت پیدا ہونا کیسے ممکن ہے جبکہ اس کے مقابل دنیا بھر کے اسباب مقدرت جمع ہیں۔

اُنیسویں صدی کے آخر کا ہی ذکر ہے کہ لندن سے بشپ لیفرائے لاہور آئے۔ ان کا زعم و اعلان یہ تھا کہ وہ سارے مُلک ہند کو عیسائی بنائیں گے۔ اس بشپ کا یہ عزم تو عقل انسانی قبول کرنے کو اس لئے تیار ہے کہ اس کی تائید میں ہر قسم کے ذرائع موجود ہیں مشنریوں کی افواج ان کے پاس ہے۔ عیسائی سلطنتیں اور دولتیں اس کی حمایت میں ہیں۔ ہر طرف مغربی عیسائیت کے تسلط کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ خود مسلمانوں کی کمر ہمت ٹوٹ چکی ہے اور ان کے نزدیک ان کا اپنا دینِ اسلام ایک ماضی کا قصّہ پارینہ کے سوا اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ وہ نہ صرف اسلام سے مایوس ہیں بلکہ ان کے نزدیک دین کی صف ہی لپیٹ دی جانے والی ہے۔ ماسوا اس کے خود مسلمان قوم اس انسان کے نہ صرف ساتھ نہیں بلکہ آپ کی جانی دشمن اور مٹا دینے پر تُلی ہوئی۔ یہ شخص خود مغربی تہذیب و افکار سے واقف نہیں، نہ ہی مغربی علوم و سائنس کی اسے کچھ خبر ہے تو کیا یہ امر از حد جائے تعجب و حیرت انگیز نہیں اگر بے سر و سامانی و کس مپرسی کی ایسی حالت میں دنیا کو چیلنج دے رہا ہے ؟ عالمگیر و عظیم انقلابات کی خبریں دے رہا ہے۔ آخر غور کرو کونسی طاقت و تائید ہے جس کے بھروسے اس کے دل میں یہ یقینِ راسخ گھر کر چکا ہے کہ عنقریب توحید الٰہی کی مقبولیت اور تثلیث کو شکست ہوگی ؟

پھر کیا یہ نہایت تعجب کُن نہیں کہ اس کی پیشگوئیوں کے مطابق آج مغربی عیسائی دنیا توحید کی جانب آگئی ہے۔ چنانچہ سات لارڈ بشپوں نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ تثلیث اور حضرت مسیح کی خدائی کے عقیدے کو وہ خود ترک کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ پھر عیسائیت کے مذہب کا دوسرا ستون حضرت مسیحؑ کا صلیب پر مرجانا ہے۔ مگر اب مغرب میں یہ تحقیق مکمل ہو چکی ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر سے زندہ اتار لئے گئے تھے۔ ان کے کفن پر جو نشانات خون کے ہیں ان کے طبی معاینہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ زندہ انسان کے ہیں۔ اب عیسائیت کہاں باقی رہی۔ نہ حضرت مسیح خدا یا خدا کے بیٹے ہیں، نہ ہی آپ کی وفات صلیب پر واقع ہوئی اور اس طرح کفارہ کا عقیدہ ختم ہو گیا۔ عیسائیت نے خود اپنی شکست مان لی۔ مذہبی دنیا میں یہ کیسا عظیم انقلاب واقع ہو چکا ہے! پھر مغربی مفکرین کو خود یہ تسلیم ہے کہ اگر موجودہ تہذیب نے تباہی سے بچنا ہے تو اس کا واحد طریق یہ ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کو تسلیم کرے۔ ایسے عظیم ذہنی و روحانی انقلابات جو عالمگیر ہیں لانے پر کون قادر ہو سکتا تھا۔ اور کون ایک صدی پیشتر ان کی خبریں دنیا کو دے سکتا تھا ؟ تو ایسے عظیم عالمگیر انقلابات کی خبریں ایک صدی پیشتر دینے والا شخص کیا خود عظیم نہیں ؟ کیا وہ انسان جسنے اس زمانہ میں اسلامی **نشأۃِ ثانیہ** کی خبر دی عظیم انسان نہیں ؟ کیا وہ انسان جس نے یہ راہ انکشافات کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی کامل تابعداری و اطاعت سے خدا مل سکتا ہے جیسے کہ میں خود اس امر کا شاہد اور گواہ ہوں عظیم روحانی انسان نہیں؟ مادی و سائنسی انقلابات کے وقتوں میں جس مرد نے دُنیا کو خبردار کیا کہ مادیت میں نجات نہیں بلکہ روحانیت اور دین کی جانب رُخ کرنے میں ہے کیا وہ عظیم رجل نہیں ؟

ع
چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں
اب تو ہیں اے دل کے اندھو دیں کے گُن گانے کے دن
اک بڑی مُدت سے تھا کُفر اس دِین کو کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کُفر کو کھانے کے دن

سوال وجواب ـــ بسلسلہ صفحہ ۲

کر رہے تھے قبول فرمایا ہے)۔ سائل صاحب فرماتے ہیں :-

"خیال ہے کہ کسی جگہ یہ پڑھا ہے حوالہ نہیں دے سکتا کہ حاضرینِ مجلس نے سجدۂ شکر ادا کیا سوائے ایک کے۔ اگر یہ صحیح ثابت ہو تو اس ایک کا نام لکھا جائے۔ تاریخ اسلام میں بھی ایک وقت آیا کہ رسول اللہ صلعم نے سجدہ کیا آپؐ کے ساتھ مسلمانوں اور کفار نے بھی سوائے ایک کے سجدہ کیا مگر اس ایک کا نام تاریخِ اسلام میں محفوظ اور درج ہُوا۔ تاریخ احمدیت میں بھی ایک سجدہ نہ کرنے والا کا ذکر درج ہونا مناسب ہے۔"

جواب: رسول اللہ صلعم کے زمانہ کے جس موقعہ کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اس میں سجدہ نہ کرنے والے کا بخاری شریف میں جہاں نام اُمیّہ بن خلف لکھا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ بجائے سجدہ میں گر پڑنے کے اس کافر نے کچھ کنکریاں اُٹھا کر ماتھے کو لگائیں۔ بہرحال حضرت مولانا نورالدینؒ کے زمانہ کے واقعہ میں مَیں نے تو کوئی استثناء نہ سُنی نہ پڑھی اور نہ میری معتبر رائے میں اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اسکو جستجو کر کے نکالا جائے اور چھاپا جائے۔ کم سے کم میں اس ناخوشگوار فرض سے معذرت چاہتا ہوں :

تبلیغی خط وکتابت ـــ بسلسلہ صفحہ ۲

"میرے مکرم اسلامی بھائی۔ السلام علیکم۔

آپ کا مکتوبِ گرامی ملا۔ کاشفِ حالات ہوا۔ یادآوری کے لئے سراپا شکرگذار ہوں۔ مَیں نے آپ کی باتوں پر بڑا غور و فکر کیا ہے آپ کی ہدایات پر ضرور عمل پیرا ہوں گا۔ آپ نے جو نصائح تحریر فرمائی ہیں۔ وہ میرے لئے شمعِ راہ ہیں۔ میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں اور بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے بھلایا نہیں ہے۔

آپ نے قرآن کریم کا ہدیہ رقم فرمایا ہے۔ میں نصف ہدیہ ارسالِ خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مہربانی فرما کر یہ رعایت مجھے عنایت فرمائیں۔ تاہم میرے ملک میں نقدی بھیجنے کا بڑا مسئلہ ہے مجھے پتہ نہیں کہ آپ کو اپنے ملک کی کرنسی میں کیسے یہ ہدیہ ارسال کر دوں۔ مہربانی فرما کر آپ میری راہنمائی فرمائیں۔ اپنے ریکارڈ میں میرے نام کی بھی تصحیح فرمائیں۔ والسلام"۔

ـــ الجواب :ـــ

مکرمی محترمی! آپ کا مکتوب ملا۔ ہماری باتیں آپ کو نصائح کا کام دے گئیں۔ خدا کرے آپ کامیاب و کامران اور خوش و خرم زندگی سے بہرہ ور ہوں اور دینِ متین کی خدمت کر سکیں۔ بھلا ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اور ان کی دھڑکنیں ایک سی ہوتی ہیں۔ آپ جس مُلک کی کرنسی میں بھی حسب سہولت رقم ارسال کر دیں گے ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا آپ کو تازہ لٹریچر ارسال ہے۔ اس کے حاصل مطالعہ سے ہمیں ضرور لکھیں اور ہاں اُمید ہے اخبار "دی لائٹ" آپ کو ضرور مل رہا ہوگا۔ اس اخبار کے بارے

مذاکرۂ علمیہ

از قلم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

سوال وجواب

سوال: اللہ تعالےٰ کے لئے واحد کی ضمیر یعنے "تُو" پہلے استعمال ہوتی تھی مگر کچھ عرصے سے کم سے کم پاکستان میں "آپ" استعمال ہونے لگی ہے۔ صحیح سکتے۔ لفظ "آپ" جو ہم انسانوں کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ بھی ناکافی ہے۔ مگر نقص یہ ہے کہ لفظ "آپ" جمع مخاطب ہے۔ اس کو اللہ تعالےٰ کے لئے استعمال کرنے میں یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ مخاطب ایک سے زیادہ ہیں۔

اسلام نے شرک کو اس طرح جڑوں سے نکال کر پھینکا ہے کہ شرک کے احتمال کو بھی گوارا نہیں کیا۔ اسی لئے قرآن حکیم میں واحد غائب اور واحد مخاطب کی ضمیریں اللہ تعالےٰ کے لئے استعمال ہوئی ہیں۔ مثلاً:—

لاالٰہ الاّ انت سبحٰنک انّی کنت من الظّٰلمین

یا ھو اللہ الذی لاالٰہ الاّ ھو۔

جہاں تک متکلم کی ضمیر کا تعلق ہے اللہ تعالےٰ کے لئے قرآن پاک میں عام طور پر واحد ہی آئی ہے مگر کہیں کہیں جمع بھی۔ جہاں اللہ تعالےٰ کے جلال کو ظاہر کرنا مقصود ہے جیسا کہ دنیاوی بادشاہ بھی لفظ "ہم" یا WE استعمال کرتا ہے اپنی بادشاہت کے اظہار کے لئے۔

مگر جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے وہ اللہ تعالےٰ کے لئے مخاطب یا غائب کی ضمیر ہی استعمال کرتے ہیں ولا غیر۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے "تو" یا "وہ" کہنا ہی صحیح ہے۔ سننے والے کے دل میں یہ شک ہی پیدا نہ ہو سکے کہ بولنے والے کا خدا ایک ہے یا زیادہ۔

سوال: مجدّدِ اعظم جلد اوّل صفحہ ۳۷۹ پر حضرت مولانا نورالدینؓ سے روایت درج ہے کہ:—

"ایک گناہ تھا جس کو وہ ترک نہ کر سکتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب سے بیعت کرنے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ گیا بلکہ اس سے نفرت ہو گئی۔"

مولانا مرحوم کے تین پیر پہلے تھے۔ چوتھی بیعت حضرت مرزا صاحب سے کی تھی۔ پہلے پیروں کی بیعت سے وہ فائدہ کیوں نہ ہوا۔ آخر حضرت مولانا نے دیکھ بھال کر ہی ان کی بیعت کی ہوگی؟ دوئم وہ گناہ کونسا تھا؟ معلوم نہیں ہو سکا اگرچہ مرأۃ الیقین بھی پڑھی اور پیغامِ صلح بھی۔

جواب: آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ پہلے تین پیروں کی بیعت سے وہ باطنی تطہیر کیوں نہ ہو سکی جو حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے ہوئی۔ سو قبلہ یہی فرق خدا کے فرستادہ اور مامور اور غیر ماموروں میں ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب صدی چہاردہم کے مجدّد تھے۔ مجدّد اپنے نبی کا خلیفہ ہوتا ہے (دیکھو سورۃ النور ۲۴ - آیت ۵۵) اور اپنے نبی کی کامل اتباع کی وجہ سے اس نبی کے کام کو جاری رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ھو الذی بعث فی الامّیٖن رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہٖ ویزکّیھم .... الخ۔ یعنی وہی تو اللہ ہے جس نے اُمیوں کے اندر انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور اس کو قرآن کریم میں تین موقعوں پر دہرایا گیا ہے۔

تزکیہ کے ذکر سے پہلے اللہ تعالےٰ کی آیات پڑھنے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالےٰ کی آیات یا کلام انسان پر نہیں اُترتیں جب تک اس انسان کو خود بالکل پاک نہ کر دیا جائے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ صلعم سے صاف مروی ہے کہ وحی الٰہی اُترنے سے قبل حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کے سینہ کو کھول کر آپؐ کے قلب مبارک کو بالکل پاک و صاف کیا۔ اور قیامت کے دن بھی جنت میں داخل کرنے سے قبل ہر انسان کا تزکیہ کیا جائے گا ہوگا۔ گویا جن پر اللہ تعالےٰ رحم فرمائیگا اُن سے تو کلام کر کے ان کا تزکیہ فرمائے گا۔ مگر دوسروں کے تزکیہ کے لئے وہ آگ ہوگی جو ان کے جذبات اور خواہشات اور بد اعمال نے ان کے اندر بھڑکائی ہوئی ہوگی۔

تو مجدّدین سے بھی اللہ تعالےٰ اس دنیا میں کلام فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کلام کے نازل ہونے سے قبل ان کا کامل تزکیہ ظاہری و باطنی کیا جاتا ہے۔ تو جو خود پاک ہوگا وہی دوسروں کو پاک کر سکتا ہے

؎ چوں وعظ بے عملاں خود اثر کجا باشد۔

مگر کلام کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو انسان کو پاک کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ فرمایا ولا یکلّمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ ولا یزکّیھم (آل عمران ۳ - ۷۷) یعنی قیامت کے روز کلام کے علاوہ اللہ تعالےٰ کا کسی انسان پر نظر ڈالنا بھی اس کا تزکیہ کر ڈالے گا۔ یاد رہے کہ نُور وہ روشنی ہوتی ہے جو باطنی امور کو روشن کر دے۔ اور اللہ نور السمٰوات والارض کا مطلب یوں بھی ہے کہ جس پر اللہ کے نُور کی روشنی اس دنیا میں یا اگلی میں (آسمانوں) میں پڑ جائے اس کا باطن روشن ہو کر جگمگا اُٹھتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے تو ایک عام مومن کے لئے فرمایا کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانّہ ینظر بنور اللہ۔ یعنے مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔ حضرت صاحب تو مومن سے بڑھ کر مجدّد، مسیح موعود اور مہدی تھے۔ آپ کی نظر بھی باطن کی گہرائیوں میں اُتر کر اس کے مخفی ترین عیبوں کو اپنے اصلی رنگ دکھا دیتی تھی۔ اسی لئے حضرت مولٰنا نورالدین صاحبؓ کو وہ عیب اپنی اصلی گھنونی شکل میں نظر آ گیا اور آپ کو اس سے نفرت ہو گئی اور آپ کا تزکیہ کامل ہو گیا۔ حضرت مرزا صاحب نے خود ایک دفعہ فرمایا کہ وعظ کیا ہوتا ہے، ہمارے سامنے حاضرین کی باطنی حالت ہوتی ہے اس کی اصلاح ہمارا وعظ بن جاتا ہے۔

سائل کا دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کا وہ گناہ کیا تھا؟ انہوں نے خود نہیں فرمایا اور اگر مجھے خود بھی معلوم ہوتا تو میں ذکر نہ کرتا۔ قرآن حکیم میں آیا ہے ولا تجسّسوا یعنے تجسّس نہ کیا کرو۔ اللہ تعالےٰ کی قابلِ رشک صفت ستّاری یعنی پردہ پوشی کو انسان کو حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ تو حضرت مولانا مرحوم کا کمال تقوےٰ و نفس کشی ہے کہ انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

سوال: "مجاہد کبیر" صفحہ ۸۲ سطر ۴ میں لکھا ہے:—

"سب حاضرین مجلس اسی وقت سجدۂ شکر میں گر گئے" (یہ وہ موقعہ تھا) حضرت مولٰنا نورالدینؓ اور حاضرین مجلس کو ایک ملہم بزرگ کی طرف سے اطلاع آئی کہ اللہ تعالےٰ نے اس ترجمۃ القرآن انگریزی کو جو مولانا محمد علی

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲)

مکرم جناب بشیر احمد اظہر صاحب بیدادپور

یکسر الصلیب کا نظارہ ــــــ عیسائی مذہب کا اختتام

از روئے انجیل

"مگر اُن میں سے ایک سپاہی نے اس کی پسلی چھیدی۔ اور فی الفور اس سے خون او پانی بہہ نکلا"

کسی جسم سے۔ خون فی الفور اسی وقت نکل سکتا ہے جبکہ خون اپنی پوری قوت کے ساتھ اسی جسم میں موجود ہو۔ پھر جس جسم میں خون اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہوتا ہے وہ جسم ہرگز مردہ نہیں ہو سکتا۔ فرمان ہذا ظاہر کر رہا ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے بدن میں خون پوری قوت کے ساتھ موجود تھا۔ گویا خود انجیل نے ہی اعلان کر دیا۔ کہ صلیب سے اترتے وقت حضرت عیسٰے علیہ السلام زندہ تھے۔

پھر جس مصلوب کے بدن میں خون اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ لازماً اس مصلوب کے ہاتھوں سے بھی خون رِسنا چاہیئے۔ اور رِستا ہے۔ اگر یہ امر صحیح ہے اور بالکل صحیح ہے۔ تو پھر ایسے مصلوب کی پسلی چھیدنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ خون جو اس کے ہاتھوں سے رِس رہا ہوتا ہے۔ وہ اس کے زندہ ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ پس حضرت عیسٰے علیہ السلام کی پسلی نہیں چھیدی گئی کیونکہ ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی مُردہ جسم سے نہ کبھی خون نکلا ہے۔ اور نہ پانی۔ پھر اگر کوئی جسم زندہ ہو تو چھیدنے سے خون تو اس جسم سے ضرور نکل آتا ہے۔ لیکن پانی نہیں نکلا کرتا۔ پس انجیل کا یہ بیان بھی غلط ہو گیا کہ چھیدنے سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے جسم سے پانی بھی نکل آیا تھا۔ القصہ مندرجہ بالا بیان کسی ایسے بھولے بھالے انسان کا ہے۔ جسے بات بنانا قطعاً نہیں آتی۔

ایک سراسر غلط اور وضعی مقدمہ

"سردار کاہنوں اور فریسیوں نے پیلاطوس کے پاس جمع ہو کر کہا۔ کہ خداوند ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکا باز نے جیتے جی کہا تھا کہ تین دن کے بعد جی اٹھوں گا۔ پس حکم دے کہ تیسرے دن تک قبر کی حفاظت کی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد آ کر اُسے چُرا لے جائیں۔ اور لوگوں کو کہہ دیں کہ مُردوں سے جی اٹھا ہے اور یہ پچھلا دھوکا پہلے سے بھی بُرا ہو۔"

انجیل کے بیانات سے ظاہر ہے۔ کہ رات کے وقت تو اس مقدمہ کا پیش کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ لیکن اگلے دن صبح ہوتے ہی۔ چونکہ یہود کو یہ فکر ہونی چاہیئے تھی۔ کہ صلیب کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ ان کے مجرم کا کیا بنا ہے اور کس حالت میں ہے۔ پس انہوں نے جمع ہوتے ہی تلاش شروع کر دی ہو گی۔ انہوں نے حکومت کے لوگوں سے بھی پوچھا ہو گا۔ اور حواریوں سے بھی۔ اور پتہ نہ چلنے پر لازماً پہلے دن ہی مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہو گا۔ پس اس بے معنے مقدمہ کرنے کی یہود کو کسی وقت بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اس بے ڈھنگے مقدمہ سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کو صلیب سے اُتارا گیا تھا تو ان کو یہود کے سپرد نہیں بلکہ حواریوں کے سپرد کیا گیا تھا۔ اب بتلایئے کہ جب حضرت عیسٰے علیہ السلام حواریوں کے قبضہ میں تھے اور یہود کو ان کی خبر تک نہ تھی تو پھر شاگردوں کے آ کر چُرا لے جانے کے کیا معنے ہوئے۔

اس مقدمہ کے وضعی ہونے کا دوسرا روشن ثبوت

حواریوں کو جب خبر ملی کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام دوبارہ جی اُٹھے ہیں تو انہوں نے باور ہی نہ کیا۔ اگر حواریوں نے دوبارہ جی اُٹھنے کی پیشگوئی حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زبان سے سنی ہوتی۔ تو لازماً اس اطلاع کے ملتے ہی تصدیق کر دیتے کہ واقعی ہمارے خدا نے ہمیں پہلے سے ہی بتلا رکھا تھا کہ میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھوں گا۔ چونکہ حواریوں نے تصدیق نہیں کی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے ایسی کوئی پیشگوئی نہیں کی۔

غلطی کے اندر ایک اور غلطی

اگر جھوٹ سچ کا مقام حاصل کر لے تو یہ ایک دوسرے کا عین بن جائیں۔ اور پھر ان میں کوئی فرق بھی قائم نہ ہو سکے۔ جھوٹے یا وضعی امور میں کئی خامیاں باقی رہ جاتی ہیں جو وقت آنے پر جھوٹے امر کا جھوٹ ظاہر کر دیتی ہیں۔ مندرجہ دعوے میں جو غلط پیشگوئی درج کی گئی ہے۔ وہ وضعی ہونے کے علاوہ نامکمل بھی ہے۔ اس کے مکمل کرنے کے لئے حسب ذیل حروف کا بڑھانا بھی نہایت ضروری تھا:—

"........ جیتے جی کہا تھا کہ تین دن تک جی اُٹھوں گا اور پھر آسمان پر چلا جاؤں گا.......... لوگوں کو کہدیں کہ وہ مردوں سے جی اُٹھا ہے۔ اور پھر آسمان پر چڑھ گیا ہے........."

صحیح بات یہ ہے کہ انجیل نویس پیشگوئی کی تکمیل کرنا بھول گئے ہیں۔ موجودہ زمانہ کے انجیل نویسوں کو یہ الفاظ بڑھا کر پیشگوئی کی تکمیل کر لینی چاہیئے۔

حواریوں کا ایک ناقابلِ معافی خطرناک جُرم

انجیل نویسوں نے تین غلط پیشگوئیاں وضع کر کے حواریوں پر ایک خطرناک جُرم عائد کر دیا ہے:—

اوّل:— میں تین دن تک مرا رہوں گا۔

دوئم:— میں تین دن گذرنے پر دوبارہ جی اُٹھوں گا۔

سوئم:— میں اپنے مخالفوں کو یعنی یہود کو صرف یونس نبی کے معجزہ جیسا معجزہ دکھلاؤں گا۔

ان تینوں پیشگوئیوں کے اندر درپردہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب میں صلیب پر وفات پا جاؤں تو میرے مُردہ جسم کو کسی ایسے مقام پر رکھنا۔ جہاں پر مع یہود کے تمام لوگ میرے مردہ جسم کو تین دن تک برابر دیکھتے رہیں تا جب میں دوبارہ جی اٹھوں تو تمام دُنیا میرے اس معجزہ کی گواہ بن جائے اور یہود پر حجت قائم ہو جائے۔ اور تمہیں یہ خطرہ لاحق نہ ہو کہ یہود مجھے دوبارہ پکڑ لیں گے۔ کیونکہ اس وقت میں قدرت نمائی کر رہا ہوں گا۔ لہٰذا یہود مجھے دوسری بار پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

لیکن حواریوں نے آپ کی یہ خواہش قدرت نمائی کی پوری نہ ہونے دی یعنے نہ تو آپ کا تین دن تک مرا رہنا دنیا پر ظاہر ہونے دیا اور نہ تین دن گذرنے پر دوبارہ زندہ ہو جانا اور پھر جب آپ دوبارہ زندہ ہو گئے تو حواریوں نے آپ کو کان سے پکڑ کر حکم دے دیا کہ اب تم سیدھے آسمان کی طرف چلے جاؤ۔ اور خبردار کسی انسان پر بھی اپنا زندہ ہو جانا ظاہر نہ کرنا۔ گویا اس عاجز انسان کی نہ یہود کے سامنے کچھ پیش گئی اور نہ حواریوں کے سامنے اور آج تک باپ اور بیٹا دونوں آسمان پر بیٹھے افسوس کر رہے ہیں۔ کہ آہ ہماری کوئی بات بھی دُنیا والوں نے پوری

نہیں ہونے دی۔ اب عیسائی دنیا غور کرے کہ اس نے یہ دو اول حلا
کس قدر عاجز خدا ہیں۔ القصہ اناجیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حواری یہود سے
بھی بڑھ کر ظالم تھے۔

انجیل نویسوں کی قبر

اگر مریم مگدلینی کے خوشبو لے کر واپس لوٹنے کا وقت تمام رات گذرنے
کے بعد صبح صادق سے کچھ پہلے سمجھ لیا جاوے تو سوال ہوتا ہے کہ اس نے اس قدر
اندھیرے میں باہر جھانک کر اندر کی چیزوں کو کیسے دیکھ لیا تھا۔ کیا اس وقت
کوئی لالٹین رکھی تھی۔ اگر اندر روشنی موجود تھی تو پھر انجیل نویسوں کی قبر قبر نہ تھی
بلکہ ایک مکان ثابت ہو گیا۔ جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لیٹنے کے لئے بھی جگہ
تھی۔ ان کے پائنتی بیٹھنے کے لئے بھی کسی شخص کے لئے جگہ تھی۔ اور وہاں پر لالٹین
رکھنے کے لئے بھی جگہ موجود تھی۔ پھر کفن کے علیحدہ پڑے رہنے کی جگہ کی بھی گنجائش
تھی۔ مع ذالک مریم مگدلینی کے آنے جانے کے لئے بھی جگہ کی گنجائش تھی۔ کیونکہ
وہ وہیں سے خوشبو لانے کے لئے شہر گئی تھی۔ الغرض یہ مقام بہت سی ضروریات
کے لئے کافی تھا۔ پس یہ مقام قبر نہیں کہلا سکتا۔ اسے صرف انجیل نویسوں نے
قبر بنا دیا ہے۔

غرض روشنی موجود ہونے کی صورت میں ہی مریم مگدلینی نے باہر سے جھانک کر اندر
کی ہر شئے کو دیکھ لیا تھا اور اس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام
وہاں پر موجود نہیں ہیں۔ مکان کے اندر جو شخص بیٹھا تھا وہ صاحب مکان تھا۔
اور اس لئے بیٹھا تھا۔ تا مریم مگدلینی کو بتلا دے کہ آپ حضرت عیسٰی علیہ السلام
کہاں ہیں۔ یہ شخص فرشتہ نہ تھا۔ جیسا کہ انجیل نویسوں نے اسے فرشتہ بنانے
کی کوشش کی ہے۔ فرشتے نہ ہر شخص کو دکھائی دیتے ہیں اور نہ عبث طور پر
کسی مقام پر بیٹھا کرتے ہیں۔

الغرض حواریوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سب سے پہلے جس
مقام پر ٹھہرایا تھا وہ کسی حواری کا مکان تھا۔ اس مقام کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے
حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کسی دوسرے محفوظ تر مقام پر لے جایا گیا تھا۔ چونکہ
رات کے وقت کوئی دکان کھلی نہیں ہوتی۔ لہٰذا مریم مگدلینی کسی حواری کے مکان
سے خوشبو لائی ہوگی۔

انجیل نویسوں کا کفن کیا بتلا رہا ہے

پہلی رات کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ کفن ایک طرف پڑا تھا اور
حضرت عیسٰی علیہ السلام موجود نہ تھے۔ بتلائیے حضرت عیسٰی علیہ السلام کفن
اتار کر ننگے ہی کہیں باہر چلے گئے تھے۔ اور یوں ایک اخلاقی غلطی کے مرتکب ہو
گئے تھے۔ اگر آپ ننگے باہر تشریف نہیں لے گئے تھے تو کیا ان کو کوئی نئے کپڑے
پہنائے گئے تھے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ تو آپ کا پہلے دن ہی زندہ ہونا ایک
واضح حقیقت بن گیا۔ الغرض تین دن تک مرے رہنے کی پیشگوئی بھی غلط ہو گئی۔
تین دن کے بعد جی اٹھنے کی پیشگوئی بھی باطل ہو گئی۔ مع ذالک یونس نبی کا سا
معجزہ دکھلانے والی پیشگوئی بھی غلط ہو گئی۔ القصہ ان تینوں پیشگوئیوں کا غلط
ہونا انجیل نویسوں کی قبر میں موجود ہونے والے کفن نے بھی ظاہر کر دیا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اٹھا کر جس مقام پر رکھا گیا تھا وہاں آپ
کو صرف چند لمحوں یا گھنٹوں کے لئے ٹھہرایا گیا تھا۔ اس وقت جس بڑے
کپڑے میں آپ کو لپیٹا گیا اس پر آپ کے تازہ خون کے دھبے بھی پڑ گئے تھے
اور یہ کپڑا وہی کپڑا ہے جو آج دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ کپڑا بتلا رہا ہے کہ یہ
کفن نہ تھا اور اعلان کر رہا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صلیب سے اترتے
وقت زندہ تھے۔ اور آپ کو اس کپڑا میں محض زخمی اور نحیف ہونے کی وجہ سے
لپیٹا گیا تھا۔ اس مقام پر سب سے پہلے آپ کے زخموں پر پٹی باندھی گئی اور
خون رستا بند ہو گیا۔ جس مرہم سے پٹی باندھی گئی وہ مرہم عیسٰی کے نام سے مشہور

…ہوں۔ آپ پر…
کچھ خوشبوؤں کا استعمال ہو تا کہ آپ کی ذہنی اور دیگر جسمانی قوتیں بحال ہو جائیں

آپ اپنے پہلے مقام پر ہی زندہ تھے

اگر آپ مردہ صورت میں صلیب سے اتارے گئے ہوتے اور سیدھے
قبر میں ہی داخل کر دیئے گئے ہوتے۔ تو پھر بتلائیے کہ آپ کو پہلی رات ہی قبر
سے نکال کر کسی دوسرے مقام پر کیوں لے جایا گیا۔ کیا آپ کے مردہ جسم کو…
یہود سے خطرہ تھا۔ سچی بات یہی ہے کہ آپ اپنے پہلے مقام پر ہی زندہ…
اور آپ کے دوبارہ پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا آپ کو پہلے مقام پر…
گھنٹے ٹھہرانے کے بعد دوسرے محفوظ مقام پر لے جایا گیا۔

اگر آپ مردہ صورت میں صلیب سے اتارے گئے ہوتے تو پھر لاش…
اگلی صبح کا انتظار ہوتی۔ اور پھر آپ کو سب لوگوں کے سامنے غسل دیا جاتا…
کفن پہنایا جاتا۔ بعدہ ایک گروہ کثیر مخلوقات کا آپ کے جنازہ کا بھی مشاہدہ کر…
اس کے بعد سب لوگوں کے سامنے آپ کو قبر میں داخل کیا جاتا۔ تب یہ واقعہ ایک
روشن تاریخ بن جاتا جس کا نقش صفحۂ عالم پر ہمیشہ کے لئے باقی رہ جاتا۔ کیا اس…
میں مردوں کو بلا غسل اور بلا جنازہ ہی دفن کر دیا کرتے تھے اور پھر راتوں رات…
مردوں کو قبر سے نکال کر کسی دوسرے مقام پر لے جایا کرتے تھے۔ پس بتلا…
جائے کہ انجیل نویسوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے غسل اور جنازہ کا…
ذکر نہیں کیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ آپ کے لئے ان رسومات کے ادا کرنے کی ضرو…
ہی نہ تھی۔ کیونکہ آپ زندہ تھے۔

پہلے غیر محفوظ مقام کی تبدیلی

چونکہ جمعہ کا سورج غروب ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ لہٰذا غط…
محسوس کیا گیا کہ آندھی اور زلازل کسی وقت بھی تھم سکتے ہیں اور یہود اس طر…
آ سکتے ہیں۔ لہٰذا مناسب سمجھا گیا کہ آپ کے پہلے مقام کو بہت جلد تبدیل
کیا جائے۔ چنانچہ مریم مگدلینی کی انتظار کئے بغیر نقل مکانی کر لی گئی۔ ج…
وہ واپس لوٹی تو انجیل نویسوں کی قبر میں بیٹھنے والے شخص نے بتلا دیا کہ
حضرت عیسٰی علیہ السلام فلاں مقام پر ہیں۔ القصہ حضرت عیسٰی علیہ السلام…
مالش کا انتظام پہلی رات میں ہی دوسرے تبدیل شدہ مقام پر ہی کیا گیا…
پہلی رات آپ نے اسی دوسرے مقام پر گذاری۔

خوشبو لانے کا خیال کب پیدا ہوا اور کیوں پیدا ہوا

یا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے جسم کو معطر کرنے کا خیال اس وقت…
ہوا تھا جبکہ تمام رات گذر چکی تھی اور صبح صادق قریب آ چکی تھی۔ یا یہ خیال…
کے صلیب سے اتارے جانے کے معاً بعد پیدا ہو گیا تھا۔ کچھ بھی…
اس خیال کا پیدا ہو جانا اس امر کا مکمل ثبوت ہے کہ حضرت عیسٰی…
کے جسم میں آثار زندگی موجود تھے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ کسی مردہ جسم…
کرنے کی رسم دنیا کے اندر کسی وقت بھی موجود نہیں ہوتی۔ اور بس…
جو چند آدمیوں کے مشورہ سے مریم مگدلینی کو خوشبو لانے کے لئے بھیجا گ…

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے جسم کو عطر سے معطر…

دنیا کے اندر کسی مردہ کے کفن کو معطر کرنے کی رسم تو کہیں…
نہیں۔ ہاں ایک زندہ اور نحیف جسم کو بار بار خوشبوؤں سے معطر…
ضرورت ہوتی ہے تا اس کی ذہنی اور دیگر جسمانی قوتیں بحال ہو سکیں…
خوشبوؤں کا متواتر استعمال اس امر کا ثبوت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ ال…
زندہ تھے اور اسی بنا پر انہیں چھپایا گیا تھا۔
الغرض یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام…

کی جاتی رہی ہے۔ لیکن آپ کو ایک ہی مقام پر رکھ کر مالش کے یہ تین دن یا چار دن پورے نہیں کئے گئے۔ بلکہ آپ کو مختلف مقامات پر رکھ کر یہ تین پورے کئے گئے ہیں۔ الغرض زندہ ہونے کی وجہ سے چونکہ دشمن سے خطرہ تھا۔ لہذا آپ کو پہلی جگہ سے بہت جلد علیحدہ کیا گیا۔ اور آپ نے اپنے دو یا تین دوستوں کے ساتھ اور ان کے مشورہ سے نقل مکانی کی تھی۔ اور یوں آپ کے مقامات کی بھی برابر تبدیلی ہوتی رہی اور مالش کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اور یہ ایک قابلِ تسلیم امر ہے کہ ایسے خطرناک موقعہ پر کسی ایک جگہ پر ضرورت سے زیادہ ٹھہرنا اور زیادہ لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ پس یہی وجہ ہوئی جو مریم مگدلینی کی انتظار کئے بغیر ہی نقل مکانی کر لی گئی۔

مریم مگدلینی

کیا عیسائی مذہب میں کسی عورت کو کسی غیر مرد کے زندہ یا مردہ جسم کو خوشبو لگانے کی اجازت موجود ہے۔ ہمارے خیال میں اس مذہب کے اندر ایسا کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ اب سوال ہوتا ہے کہ یہ مالش کرنے والی عورت کون تھی۔ اگر یہ عورت مریم صدیقہ نہ تھیں، انہیں ماں ہونے کی حیثیت میں بجا طور پر مالش کرنے کا حق حاصل تھا۔ تو پھر یقیناً یقیناً یہ عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ یا پھر یہ کوئی فرضی وجود تھا جسے انجیل نویسوں کے تخیل نے پیدا کر دیا ہے۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بچاؤ کا پُر از حکمت انتظام

یہ قدرت کے خاص انتظامات میں سے تھا کہ افرادِ حکومت کے دلوں میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق ہمدردی بھر دی گئی تھی۔ چنانچہ صلیب پر ایسے سپاہی مقرر کئے گئے جو درحقیقت آپ کے خیر خواہ تھے۔ اگر وہ سخت گیر ہوتے تو آپ کو سرکہ بھی نہ پلایا جاتا اور صلیب سے اتارنے کے بعد آپ کی ہڈیاں بھی ضرور توڑ دی جاتیں۔ یہ سلوک ظاہر کر رہا ہے کہ حکومت کے لوگ آپ کے خیر خواہ تھے۔

جب خوفناک آندھی اور زلازل کی وجہ سے آپ کے صلیب سے صحیح سالم اتارے جانے کا انتظام ہو گیا اور حوادثات کا یہ سلسلہ شام تک جاری رہا تو اتنے میں ہی آپ ہوش میں آ گئے اور اپنے تئیں محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گئے پھر حدیث کے مطابق جلد جلد اپنی جگہیں بدلتے رہے۔ تا پتہ چلنے پر دوبارہ نہ پکڑے جائیں۔ آپ کے شاگردوں کا مختلف مقامات پر آپ سے ملنا حدیث کے بیان کی تصدیق کرتا ہے اگرچہ انجیل میں یہی لکھا ہے۔ کہ آپ خود ہی اپنے شاگردوں کو ان کے الگ الگ مقامات پر ملتے رہے ہیں۔ لیکن صحیح امر یہی ہے کہ آپ کے مختلف شاگرد آپ کو آپ کے مختلف مقامات پر ملتے رہے۔ الغرض دونوں مقدس کتب نے بالاتفاق حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک اہم حصہ کو خوب روشن کر دیا ہے کہ صلیب سے زندہ اتر جانے کے بعد آپ جلد ہوش میں آ گئے تھے اور پھر اپنی قرارگاہوں کو یکے بعد دیگرے بدلتے رہے۔ اور آپکی مختلف قرارگاہوں پر آپ کے مختلف شاگرد آپ سے ملاقات کرتے رہے ہیں۔

پیلاطوس کا قابلِ قدر کارنامہ

پیلاطوس درحقیقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بچانے کا خواہشمند تھا۔ اسی کے حکم سے آپ کو سرکہ پلایا گیا اور اسی کے حکم سے آپ کی ہڈیاں بھی نہ توڑی گئیں۔ تجلیاتِ قہریہ جلالیہ نے درمیان حائل ہو کر اس کی خواہشات کو پورا کر دیا تھا اور وہ یہود کے اعتراضات سے بھی بچ گیا تھا۔

صلیب کا اصل اور صحیح واقعہ

صلیب کے موقعہ پر تند آندھی اور خوفناک زلازل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا یہ صرف قدرت کا حکیمانہ انتظام تھا، تا یہود کو شام تک صلیبی حالات سے بے خبر رکھا جائے اور ادھر افرادِ حکومت کی معرفت آپ کے صلیب سے جلد اتارے جانے کی صورت بھی پیدا ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور آپ کے متعلق تمام حفاظتی تدابیر اختیار کر لی گئیں۔ اور یہود کو بھی علم نہ ہو سکا۔ کیا عجب کہ آپ کو آندھی اور زلازل کے آغاز پر ہی اتار دیا گیا ہو۔ اور یہی حقیقت ہے۔ القصہ چونکہ آپ کو صلیب سے زندہ اتارا گیا تھا۔ لہذا آپ کو نہ غسل کی ضرورت تھی۔ اور نہ جنازہ کی۔ قبر میں داخل ہونا انجیل نویسوں کا خود تراشیدہ امر ہے۔ اگر فی الواقعہ آپ کو قبر میں داخل کر دیا گیا ہوتا۔ تو پھر ان کو پہلی رات ہی قبر سے نکال کر کسی دوسری طرف کیوں لے جایا گیا تھا۔ کیا اس زمانہ میں مُردوں کو قبر سے نکال کر کسی دوسری طرف لے جایا کرتے تھے۔ بس صحیح امر یہی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب سے زندہ اتار لیا گیا تھا۔

سرکہ کب پلایا گیا

ایک ایسی تند و تیز آندھی جو صبح کو شام کر دینے والی ہو۔ نہ کوئی شخص کھانے پینے کی کوئی شئے خود کھا یا پی سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو کھلا یا پلا سکتا ہے پس سرکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر نہیں پلایا گیا۔ آندھی اور زلزال چونکہ افرادِ حکومت کے لئے ہمدردی کا ایک نادر موقعہ پیدا کر دیا تھا۔ لہذا یہ امر قرین قیاس ہے کہ حکومت کے لوگوں نے شام کی انتظار کئے بغیر کافی عرصہ پہلے ہی آپ کو صلیب سے اتار لیا ہو گا اور پھر انہیں کسی ایسی جگہ پر رکھ کر۔ جہاں آندھی کا اثر نہ ہو آپ کو سرکہ یا کوئی اور مناسب دوا پلا دی ہو گی۔ اور پھر حواریوں کو بلا کر آپ کو ان کے سپرد کر دیا ہو گا۔

اگر آپ مردہ صورت میں صلیب سے اتارے گئے ہوتے۔ تو لازماً حکومت اسی وقت یا اگلی صبح کو ہر دو متخاصم فریق کو بلا کر دکھلا دیتی کہ دیکھو اب یہ شخص فوت ہو گیا ہے اور پھر آپ کے مردہ جسم کو حواریوں کے حوالے کر دیتی۔ لیکن حکومت نے درپردہ آپ کو حواریوں کے سپرد کر دیا۔ اور یہودیوں کو خبر تک بھی نہ ہوئی۔ الغرض حکومت کا یہ اخفاء غمازی کر رہا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب سے زندہ اتارا گیا تھا۔

یہود کی واقعہ صلیب کے بعد دوبارہ مخالفت

جب یہود بذریعہ صلیب اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے اور اس کے تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ تو بتلائیے کہ تمام جھگڑوں کے ختم ہو جانے کے بعد یہود کو نئے سرے سے۔ حواریوں کے برخلاف کس چیز نے طوفانِ بدتمیزی برپا کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہود معلوم کر چکے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے ہیں۔ وہ آپ کو ڈھونڈتے تھے۔ لہذا یہود آتشِ غضب میں بھڑک اٹھے۔ اور شدید ترین مخالفت کا آغاز ہو گیا۔ یہود کی یہ دوبارہ خطرناک مخالفت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے پر قوی دلیل ہے۔

قدرت کے کام عبث نہیں ہوتے

دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد اور آسمان پر چلے جانے سے پیشتر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو کسی خاص وقت اور مقام پر اپنے تمام یا چند شاگردوں کو الوداعی نصیحت فرمانی چاہیئے تھی اور انہیں اپنے مشن کے اہم فرائض تفویض کرنے چاہئیں تھے۔ لیکن آپ نے یہ اہم کام سرانجام نہ دیا۔ اب بتلائیے کہ قدرت نے آپ کو یہ دوسری بے مقصد زندگی کیوں عطا فرمائی۔ جس میں نہ آپ خود ہی کوئی فائدہ مند کام کر سکے اور نہ اپنی قوم کو ہی کوئی قیمتی نصیحت فرما سکے۔ قدرت کے کام عبث نہیں ہوتے اس کی طرف سے آپ کو کام کرنے والی ایک باقاعدہ زندگی عطا ہوئی تھی۔ اور آپ کی زندگی ایک مسلسل زندگی تھی۔ جو صلیب پر ہی ختم نہ ہو گئی صلیب سے صحیح سالم اتر جانے کے بعد آپ کو اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی

یے وقت ہو گیا تھا۔ اور آپ ادھر چلے گئے تھے۔

[illegible] غار کا زمانہ

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو چھپا رکھنے کی وجہ سے حواریوں کو ایسے صبر شکن حالات میں سے گذرنا پڑا۔ کہ الامان و الحفیظ۔ معلوم نہیں کس قدر حواری تہ تیغ کئے گئے۔ حتیٰ کہ انہیں غاروں کا قصد کرنا پڑا۔ اصحاب کہف کا تعلق دنیا سے منقطع نہیں ہو گیا تھا۔ اور سامانِ خورد و نوش ان کو آسمان سے نہیں ملا کرتا تھا۔ ان لوگوں میں سے جب کوئی شخص یا چند اشخاص باہر نکلتے تو ان کو تاکید کی جاتی کہ اپنے باہر کے کسی انسان کو آگاہ نہ ہونے دینا۔ ورنہ اپنے مذہب کے چھوڑنے پر مجبور کر دیئے جاؤ گے یا پھر قتل کر دیئے جاؤ گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف پر مصائب و آلام کا یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہا ہوگا۔ جب تک کہ وہ اپنے صحیح مذہب پر قائم رہے ہوں گے۔ چونکہ پہلی صدی کے اختتام تک حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے صحابی تابع اور تبع تابعین موجود رہے ہیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی کے اختتام تک آپ کے مذہب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ الغرض عیسائی مذہب میں دوسری صدی کے اندر تحریف کا آغاز ہوا۔ یہ ہے مختصر قصہ اصحاب کہف کا اور غار کے زمانہ کا۔

حواری سب کے سب کامل الایمان لوگ تھے

انجیل کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے چند چھیرے تھے۔ وہ سب کے سب بزدل اور منافق تھے جو عین خطرہ کے وقت بھاگ گئے تھے۔ اور ان میں سے ایک نے رشوت لے کر آپ کو پکڑوا دیا تھا اور ان کی تعداد قریباً بارہ تھی۔ اگر یہ لوگ فی الوقعی منافق تھے تو پھر انجیل نویسوں نے ان کی یہ شہادت کیوں قبول کر لی کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ حواریوں کی قوم ایک بہادر قوم تھی۔ مصائب و آلام متواتر صرف کامل ایمان رکھنے والی قوم ہی برداشت کیا کرتی ہے۔ منافق کے اندر یہ طاقت موجود نہیں ہوتی۔ وہ تو پرلے درجے کا مکار اور فریبی ہوتا ہے۔ اور مکر و فریب سے اپنی جان بچا لیتا ہے۔ لیکن یہ لوگ تو مذہب کے ایسے پکے اور ایمان کے ایسے کامل نکلے۔ کہ ان لوگوں نے یہود کے مظالم سے تنگ آ کر آخر کار غاروں کے اندر چھپنا تو قبول کر لیا۔ لیکن اپنے صحیح مذہب کو نہ چھوڑا اور اپنا خاص الخاص راز جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق تھا ظاہر نہ ہونے دیا۔

پس حواریوں کی جماعت ایک کامل ایمان رکھنے والی جماعت تھی۔ جن کی مثال امم سابقہ میں ہرگز نہیں مل سکتی۔ معلوم نہیں اس پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط ارادہ رکھنے والی مستقل قوم کو انجیل نویسوں نے کیوں بزدل اور منافق بنا دیا۔ القصہ غاروں میں داخل ہونے والے لوگ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے تربیت یافتہ تھے اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے صلیب سے زندہ بچ نکلنے پر قبول ہی نہ کیا تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں۔ اور وہ یہ ایمان بھی نہ رکھتے تھے کہ وہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔

انبیاء کی قومیں جب تک اپنے صحیح عقائد پر قائم رہتی ہیں۔ دنیا کے زیر عتاب رہتی ہیں۔ لیکن جونہی کہ وہ اپنے صحیح عقائد میں تبدیلی کر لیتی ہیں اور دوسری دنیا کے ہم رنگ بن جاتی ہیں۔ دنیا کا عتاب فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غاروں میں رہنے والی قوم جب تک اپنے صحیح عقائد پر قائم رہی دنیا کے زیر عتاب رہی۔ لیکن پھر جونہی کہ ان لوگوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا بیان کر دیا اور یوں دوسرے بُت پرستوں کے ہم رنگ بن گئے فوراً مخالفت بھی ختم ہو گئی۔ اور یہ لوگ غاروں سے باہر آ گئے۔ اور ان لوگوں کا یہ نیا مذہب دنیا میں مقبول ہو گیا۔ بادشاہ ان لوگوں کے مذہب میں داخل ہونے لگے۔ اور یہ قوم کامیاب ہو گئی۔

کفّارہ کا ابطال

فرمائیے یہ کفّارہ کس قسم کا ہے جو حضرت عیسےٰ کے بعد حواریوں کے اس وقت بھی کام نہ آ سکا جبکہ وہ غاروں سے باہر تھے۔ اور اس وقت بھی کام نہ آ سکا۔

جب تک غاروں کے اندر وہ اپنے صحیح مذہب پر قائم رہے

صلیب کا واقعہ کب پیش آیا

کاملین کی وہ جماعت جس نے طرح طرح کے یہودی شدائد تو برداشت کر لئے لیکن اپنے اصل راز کو جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق تھا۔ ظاہر نہ ہونے دیا آپ کے مخلص صحابہ تھے۔ اس قسم کی کامل ایمان رکھنے والی جماعتیں کبھی جنتر منتر سے پیدا نہیں ہو جایا کرتیں۔ بلکہ کافی لمبا عرصہ اپنے انبیاء کے زیر اثر رہ کر پیدا ہوا کرتی ہیں۔ تربیت کے اس لمبے عرصہ میں ان کو سکھلایا جاتا ہے کہ مصائب و آلام کے طوفانوں کے سامنے کس طرح ایک پہاڑ بن کر کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ اس نہایت درجہ تلخ زندگی کے اندر ان بہادر قوموں کو اخلاقی معراج حاصل ہو جاتا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قوم بھی بہادر قوم تھی۔ یہ شجیع قوم صرف تین سال کے اندر اندر ہی پیدا نہ ہو گئی تھی۔ بلکہ ایک لمبے عرصہ تک اپنے نبی کے زیر تربیت رہ کر اس قوم نے یہ بلند اخلاقی مقام پایا تھا۔ القصہ یہ خیال بھی باطل ہو گیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو تبلیغ کے لئے صرف تین سال ہی ملے تھے اور تینتیس سال کی عمر میں آپ کو صلیب کا واقعہ پیش آیا تھا۔

انبیاء جب دعوے کرتے ہیں تو قریباً ابتدائی تین چار سال تک تو ان کی ہر بات کو مخول اور ٹھٹھا میں اڑایا جاتا ہے۔ لیکن پھر جب مخالف لوگ دیکھتے ہیں کہ عوام الناس ان کی باتیں سننے لگے ہیں اور ان کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو اس وقت شدید مخالفت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب ان کی مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور ادھر نبی کے قتل کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو ادھر اس نبی کی قوم اس قدر مستقل مزاج اور کامل الایمان بن جاتی ہے کہ اس کے پائے ثبات میں کسی قسم کا بھی تزلزل نہیں آتا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قوم کا بھی بس یہی حال تھا۔ القصہ آپ کو صلیب کا واقعہ قریباً چالیس پچاس۔ ساٹھ یا ستر سال کی عمر میں پیش آیا ہوگا۔ اور اس وقت آپ کی قوم اپنا انتہائی اخلاقی مقام حاصل کر چکی ہوگی۔

دو چوروں کی حقیقت

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ جو دو آدمی صلیب دیئے گئے تھے ان کے متعلق تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ چور یا ڈاکو تھے۔ لیکن یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ آناً فاناً کہاں سے آ گئے تھے۔ اور ان کا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا جوڑ تھا۔ ان کا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی صلیب دیا جانا اور ساتھ ہی صلیب سے اتار لیا جانا کیوں ظہور میں آیا۔ چور یا ڈاکو ہونے کی حیثیت میں تو وہ موجودہ گورنمنٹ کے مجرم تھے۔ اگر سبت کے دن بھی صلیب پر لٹکتے رہتے۔ تو یہود پر مذہباً کوئی اعتراض نہ ہو سکتا تھا کیونکہ یہود کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں وجود بھی یہود کے ہی مجرم تھے۔ اسی لئے سبت سے پہلے پہلے ان کو بھی صلیب سے اتار لیا گیا۔

جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اپنے متعلق یہود کی آخری کوشش کا علم ہوا تو گھبراہٹ کا پیدا ہو جانا ایک طبعی امر تھا۔ چنانچہ اسی گھبراہٹ کی وجہ سے آپ اپنے بہترین رفیقوں کے پاس چلے گئے اور کچھ دن وہاں چھپے رہے۔ ادھر یہود آتش غضب میں جل رہے تھے۔ وہ آپ کو ڈھونڈتے پھرتے تھے لیکن پتہ نہ چلتا تھا۔ اور یہ انتظام قدرت کی طرف سے آپ کے بچاؤ کے لئے تھا تا سبت کا دن بالکل قریب آ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جمعہ کے روز یہود آپ کے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے ان دونوں رفیقوں کو پکڑ لیا گیا اور ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ ان لوگوں نے ہمارا مجرم چھپا رکھا تھا کئی دنوں تک چھپائے رکھا ہے۔ لہٰذا یہ ہمارے چور ہیں۔ پس اسی بناء پر ان تینوں کو اکٹھا صلیب دے دیا گیا۔ اگر فی الواقع یہ دونوں آدمی چور ہوتے۔ اور ان کا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوتا۔ تو جائز تھا کہ ان دونوں کو ایک طرف الگ صلیب دی جاتی اور ان کے لئے سبت کی بھی پرواہ نہ کی جاتی اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو الگ صلیب دی

لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان میں سے ایک کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب اور آپ کو ان کے عین درمیان صلیب پر لٹکایا گیا۔ اس طریق سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا تا چھپنے والا یعنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ جن لوگوں کے پاس اس نے پناہ لی تھی آج وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے۔ حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے تئیں بچا نہیں سکے اور دوسری طرف چھپانے والوں پر بھی ظاہر ہو جائے کہ جس شخص کو یہ لوگ چھپائے ہوئے جا رہے ہیں اور ان کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں۔ لہٰذا جو سپاہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے خیر خواہ تھے وہ آپ کے رفیقوں کے بھی دشمن نہ ہو سکتے تھے۔

ارشادِ قرآنی

"واذ کففت بنی اسرائیل عنک ...... فقال الذین کفروا منھم ان ھٰذا الا سحر مبین"

انبیا کے مخالفین ہمیشہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اپنے نبی کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں اور یہ ائمۃ الکفر ہوتے ہیں عوام الناس میں سے جو لوگ ان کے اشاروں پر چلتے ہیں وہ ذریۃ البغایا کہلاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو محض انکار پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ یہی دونوں قسمیں مخالفین کی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت بھی موجود تھیں۔ فقال الذین کفروا منھم کے الفاظ ائمۃ الکفر یا ذریۃ البغایا کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ اس گروہ کے متعلق ہیں جو فقط انکار کرنے والا تھا۔ اور وہ حالات پیش آمدہ کو بھی خوب دیکھ رہا تھا۔ جب اس گروہ نے دیکھا کہ کس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام خونخوار بھیڑیوں کے جنگل میں آ گئے تھے۔ اور پھر کس طرح ان کے جنگل میں سے نکل کر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے تھے تو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور فوراً پکار اٹھے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ الغرض حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو قدرت نے جس طریق سے بچایا تھا اس مقام پر اس کی تشریح کی گئی ہے۔

ایک اہم امر

انجیل مقدس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا۔ ایک یہ قول بھی درج ہے۔ کہ دنیا کے اندر جنگل کے جانوروں اور درندوں کے لئے تو بھٹ ہیں۔ لیکن ایک ابن آدم کے لئے سر چھپانے کو بھی جگہ نہیں ہے۔ یہ بیان بھی غلط ہے۔ کیونکہ ایک دوسرے مقام پر یہود کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ یہ تو کھاؤ پیو ہے۔ قرآن کریم کے اندر حضرت عیسےٰ اور آپ کی والدہ علیہما السلام کے بارہ میں یاکلان الطعام کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اس فرمان میں حضرت مریم کو بھی ساتھ شامل کر لیا گیا ہے۔ انجیل مقدس کے طرز بیان کے مطابق اس فرمان کا یہ ترجمہ ہوگا۔ کہ حضرت عیسےٰ اور آپ کی والدہ دونوں کھاؤ پیو تھے۔ گویا دونوں مقدس کتب نے بالاتفاق تصدیق کر دی۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ دونوں اپنے وقت کے کھاتے پیتے لوگوں میں سے تھے اور صاحب زکوٰۃ تھے۔ پس حضرت عیسےٰ اور حضرت مریم علیہما السلام نادار لوگوں میں سے نہ تھے۔ بلکہ اپنے وقت کے امیر لوگوں میں سے تھے۔ اور اپنی حیثیت کے مطابق اپنا مکان بھی رکھتے تھے۔

حاصل کلام } اگر انجیل مقدس حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے کسی صحابی۔ تابع یا تبع تابعین میں سے کسی بزرگ کی طرف سے لکھی گئی ہوتی تو پھر اس کی کوئی اور ہی صورت ہوتی۔ بے شک انجیل نویسوں نے بڑی محنت کی ہے۔ لیکن اپنے مذہب کو مجموعۂ اضداد و اغلاط بنا دیا ہے۔ اگر مزید تحقیق سے کام لیا جائے تو قوی امید ہے کہ کچھ اور بھی حقائق حاصل ہو جائیں۔ فقط ؛

اخبارِ احمدیہ

دعائے صحت } جماعت فجی کے ایک بزرگ اور پرانے ممبر جناب تعظیم رضا صاحب کافی عرصہ سے بیمار ہیں۔ ان کی صحت یابی کے لئے احباب جماعت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔

—— محترم عبدالرزاق صاحب انچارج بیتی حسن کی نواسی عمر چار سال کو ٹانگ کے اپریشن کے لئے ہسپتال میں ۲۵-۴-۷۹ کو داخل کیا گیا، احباب جماعت اپریشن کی کامیابی اور بچی کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔

انتقال پُرملال } احباب جماعت کو یہ معلوم ہو کر بے حد دکھ ہوگا کہ سلسلہ احمدیہ کا ایک نہایت ہی قیمتی وجود میاں عبداللہ شاہ صاحب چارسدہ ۱۶-۴-۷۹ کو ہمیں داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بے حد مخیر اور دین کے لئے مالی ایثار میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ آپ کی وفات جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ احباب جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت فرماویں۔

ہمیں اس صدمہ میں شاہ صاحب مرحوم کے برادر میاں عبیداللہ جان صاحب سے گہری ہمدردی ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں صبر کی توفیق دے۔ میاں صاحب سے بذریعہ تار بھی اظہار ہمدردی کیا گیا ہے۔

اعترافِ خدمت } جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب امریکہ سے اپنے خط ۱۸-۳-۷۹ بنام جنرل سیکرٹری صاحب بتحریر فرماتے ہیں کہ :-

" لائٹ باقاعدہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے مضامین بہت اعلےٰ ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیرِ مرحوم اپنا قلم (جو حضرت سلطان القلم مجدد زمانؑ نے کشف میں انہیں عطا فرمایا تھا۔ ناقل) ڈاکٹر اللہ بخش کے حوالے کر گئے ہیں۔ اس عمر میں ان کا اخلاص قابل قدر ہے۔ خاکسار کی طرف سے ان کو مبارک باد عرض کر دیویں "

—— نواب شاہ (سندھ) سے محمد اکبر مرزا صاحب جناب جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں اپنے خط ۱۶-۴-۷۹ میں رقمطراز ہیں کہ :-

" میرے دل میں ایک تڑپ سی عرصہ سے محسوس ہو رہی ہے کہ کسی بزرگ کی صحبت میں زندگی کے چند دن گذاروں۔ لاہور جا کر احمدیہ بلڈنگس میں رہوں اور آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھاؤں، میرے نزدیک ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بھی صاحب دل و صاحب بصیرت ہیں۔"

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مورخہ ۲ مئی ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— شمارہ نمبر ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ترجمان احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور
پاکستان

یَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

مدیر اعزازی: خلیل الرحمٰن
نائب مدیر: عبدالرؤف کھوکھر

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کردیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے :— پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے :— ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
تار کا پتہ
تبلیغ لاہور

فون نمبر ۵۳۷۳۷

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ مطابق ۹ مئی ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۹

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

قرآن کے رو سے نہ ہر ایک جگہ انتقام محمود ہے نہ ہر ایک جگہ عفو قابل تعریف ہے

قرآن کے رو سے نہ ہر ایک جگہ انتقام محمود ہے اور نہ ہر ایک جگہ عفو قابلِ تعریف ہے بلکہ محل شناسی کرنی چاہیئے اور چاہیئے کہ انتقام اور عفو کی سیرت بپابندیٔ محل اور مصلحت ہو نہ بے قیدی کے رنگ میں۔ یہی قرآن کا مطلب ہے۔ اور قرآن انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو بلکہ وہ کہتا ہے کہ نفسانی رنگ میں تیرا کوئی بھی دشمن نہ ہو اور تیری ہمدردی ہر ایک کے لئے عام ہو مگر جو تیرے رسول کا دشمن اور کتاب اللہ کا دشمن ہے۔ وہی تیرا دشمن ہوگا۔ سو تو ایسوں کو بھی دعوت اور دعا سے محروم نہ رکھ اور چاہیئے کہ تو اُن کے اعمال سے دشمنی رکھے نہ ان کی ذات سے۔ اور کوشش کرے کہ وہ درست ہو جائیں اور اس بارے میں فرماتا ہے

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتای ذی القربیٰ

یعنے خدا تعالےٰ تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آیا کرو۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ان سے بھی نیکی کرو جنھوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ تم مخلوق خدا سے بھی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ کہ گویا تم اس کے حقیقی رشتہ دار ہو۔ جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں۔ کیونکہ احسان میں ایک خود نمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنے والا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خود نمائی نہیں کر سکتا۔ پس آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو ماں کی طرح ہو اور یہ آیت نہ صرف مخلوق کے متعلق ہے بلکہ خدا کے متعلق بھی ہے۔ خدا سے عدل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کی فرمانبرداری کرنا اور خدا سے احسان یہ ہے کہ اس کی ذات پر ایسا یقین کر لینا کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور خدا سے ایتاء ذی القربیٰ یہ ہے کہ اس کی عبادت نہ تو بہشت کے طمع سے ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے۔

عباد الرحمٰن سے دشمنی موجب حبطِ اعمال ہے

میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ جو شخص مسلمان ہو کر ایک سچے ولی اللہ کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ان سے نیک عملوں کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ اور دن بدن ان کے دل کا نور کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن چراغِ سحری کی طرح گل ہو جاتا ہے۔ .... سو میرا یہ عقیدہ اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔

مضمون نگار احباب سے التماس

ادارہ پیغام صلح حسب سابق مئی کے تیسرے ہفتہ میں مسیح موعودؑ نمبر شائع کر رہا ہے۔ صاحبِ قلم احباب سے گذارش ہے کہ وہ بھی اسلام کے اس بطلِ جلیل کی نصرتِ دین اور حمایت اسلام کے کارناموں پر مضامین لکھیں اور ۲۰ مئی سے پیشتر انہیں ایڈیٹر کے نام بھیج کر مشکور فرمائیں۔ تاکہ اس خاص نمبر میں شائع ہو سکیں۔ (ادارہ)

قارئین پیغام صلح نوٹ فرمالیں

کہ ادارہ مئی کے تیسرے ہفتہ میں مسیح موعود نمبر شائع کر رہا ہے اس کی تیاری کے سلسلہ میں ۱۶ مئی کا پرچہ شائع نہیں ہوگا اور ۲۳ مئی کا شمارہ (مسیح موعود نمبر) ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوگا۔ (ادارہ)

زندگی کے اصل محرکات۔ جذباتِ عالیہ صادقہ

((مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب))

عام طور پر یہ خیال ہے کہ انسانی زندگی کے اصل محرکات اس کے علم و عقل سے تعلق رکھتے ہیں حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ جہاں علم و عقل جذبات پر کنٹرول کرتے اور ہدایت کا موجب بنتے ہیں وہاں حقیقتاً محرکاتِ زندگی انسانی جذبات ہی ہیں۔ پھر جب یہ جذبات اعلےٰ زندگی سے متعلق ہوں تو ایسے جذباتِ صادقہ کے اظہار سے ملکوتی صفات کی نشو و نما ہوتی ہے البتہ جب ان جذبات کے محرکات ادنےٰ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں تو اس صورت میں انسان خود غرضی کا شکار ہو کر شیطان کا مظہر بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے خدا تعالےٰ کی مقدس ذات کو جمیع صفاتِ حسنہ کی تجلی کا منبع قرار دیا ہے۔ اور توحید اسلام کا اصل مقصد عملی زندگی میں یہی ہے کہ انسان خدا تعالےٰ سے تعلق پکڑے یعنی خدا تعالےٰ کی صفاتِ عالیہ کا مظہر بنے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ ہوا صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ خدائی صفات کا رنگ ہی بہترین ہے اور اس سے بہتر اور کونسا رنگ ممکن ہے؟

صفاتِ الٰہی پر توجہ مرکوز کرنے کا مطلب بھی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ان صفاتِ عالیہ کی جھلک انسان اپنے اندر نشو و نما دے۔ چونکہ انسانی فطرت کی تخلیق الٰہی فطرت پر بنا ہے اس لئے خدائی صفاتِ حسنہ انسان کی فطرت میں مرکوز کی گئی ہیں فاذا نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین اسی لئے ملائکہ کو حکم ہوا کہ جبکہ آدم کی فطرت میں میں نے اپنی روح یا اپنی صفاتِ حسنہ کی تجلی پھونکی ہے۔ پس جب آدم میری ان صفات کا اظہار کرے تو تم اسے سجدہ بجا لاؤ کیونکہ درحقیقت وہ آدم کو سجدہ کرنا نہیں بلکہ خدائی صفات کے سامنے سر جھکانا ہے۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم سے جس قدر ارفع و اعلےٰ مقاصد انجام پائے ہیں وہ اس کی سرشتِ وجدانی کے اظہار و تجلی سے متعلق ہیں۔ خدا تعالیٰ سے رشتۂ محبت و اطاعت کا تعلق بھی انسانی فطرت کے جذباتِ عالیہ کی ترقی سے وابستہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ ہوا کہ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونہم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ۔ ماسوا اللہ معبودانِ باطلہ سے استمداد کرنے والے ان سے ایسی محبت لگاتے ہیں جیسی انہیں خدا سے محبت لگانا انسب ہے مگر مومن تو خدا سے ہی اشد ترین محبت لگانے کے خوگر ہوتے ہیں۔ شرک صرف اسی کا نام نہیں کہ تراشے ہوئے بتوں کی محبت عبادت بجا لائی جائے بلکہ حقیقی شرک دوسرے انسانوں کو خدائی کا درجہ دینا یا اپنے نفس کی خواہشات و جذبات سے ایسی لَو لگانے کا نام ہے کہ جس سے خدائی صفات کی نشو و نما میں رخنہ و رکاوٹ پیدا ہو۔ ارایت من اتخذ الٰہہ ھواہ۔ کیا آپ نے اس شخص کی حالتِ ناقصہ پر غور کیا جو اپنے نفس کی خواہشات کو ہی معبود بنا لیتا ہے؟

نفسانی جذبات کو معبود کا درجہ دے کر اپنی ادنےٰ آرزوؤں کی نشو و نما اور ان سے سچی محبت لگانا سب سے بڑا بُت شرک ہے جس کا مرتکب انسان ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی قربانی اپنی خود غرضی کے جذبات و محرکات کو ذبح کر دینا ہے۔ لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون۔ جب تک تم ان محبتوں کو قربان نہیں کر دیتے جو تمہیں اپنے دل و جان سے بھی پیاری ہیں تب تک یقین جانو کہ تم نے کسی بڑے مقام و درجہ کو حاصل نہیں کیا۔

اپنی دلی آرزوؤں اور امنگوں کو ترک کر دینا اور ان کی محبت سے دستبردار ہو جانا جب وہ الٰہی محبت و احکام کے برخلاف ہوں یہی حقیقت اسلام ہے

ع
اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

یہی وہ مقام ہے جسے صوفیاء نے مقامِ فنا قرار دیا ہے اور جس فنا کے بعد انسانوں کو مقاماتِ لقا و بقا حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ فرقانی ہوا فقال لہم اللہ موتوا ثم احیاہم۔ ہم نے انہیں حکم دیا کہ اپنی نفس پرستی اور خود غرضی کی خواہشاتِ رذیلہ پر موت وارد کرو۔ پس جب انہوں نے اپنی موت وارد کر لی تو خدا تعالےٰ نے انہیں نئی زندگی عطا کی۔

اس زمانہ میں بھی جب انسان کو یہ فخر و ناز ہے کہ وہ اپنے علم و عقل کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرتا ہے، اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ اسکے جملہ محرکات کا باعث اس کے جذباتِ نفس ہی ہیں نہ کہ عقل و علم۔ یہ انسان کے اپنے خود غرضی و نفس پرستی کے جذبات ہی ہیں جن کے باعث وہ اپنی ہوا و حرص اور طمع و لالچ کے جذبات کی تسکین سے نجات نہیں پاتا، سادگی اور قناعت کے عالی مقامات کا تو اس وقت ایسا فقدان ہو چکا ہے کہ گویا یہ صفات و جذباتِ عالیہ کالعدم ہو چکی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص بھولے سے ان صفات کا اظہار کرے تو اس کی نسبت دنیا یہ فتوےٰ دینے کو تیار ہے کہ ایسا شخص عقل و خرد سے عاری و محروم ہو چکا ہے۔ غرضیکہ خود غرضی، نفس پرستی، لذاتِ نفسی، کثرت اموال و املاک میں لامتناہی ترقی، شہرت و ناموری، اقتدار اور حکومت کی خواہش وغیرہ۔ غرضیکہ یہ زمانہ ایسا آیا ہے کہ شاید اس سے ماقبل ایسا زمانہ کم ہی آیا ہوگا۔

انسانی عزت و وقار اور عظمت و شان کو بھی اس کے مادیت کے سامانوں پر قبضہ و تصرف کے حساب سے ماپا جاتا ہے۔ آج سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ وہی جو سب سے زیادہ دولت و زر کا مالک اور سب سے بڑھ کر املاک و جائداد پر قابض ہے! کیا یہ امر جائے تعجب نہیں کہ ایک انسان کی قدر و قیمت کو بیرونی ساز و سامان کی مقدار سے جانچا جائے نہ یہ کہ اس کی اپنی ذاتی و اعلےٰ صفات کے معیار سے اسے پرکھا جائے؟ اگر ایک شخص کے پاس کثیر اموال و املاک ہوں، اگر ایک شخص دولت و زر میں کھیلتا ہو تو چاہے اس کے اخلاق کیسے ہی رذیل ہوں اور وہ علم و عقل میں کیسا ادنےٰ درجہ رکھتا ہو تب بھی نہ صرف وہ اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان یقین کرتا ہے بلکہ اس کی حالت کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی دل و جان سے اس بات کے متمنی ہوتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی ایسی فراوانی و خوشحالی نصیب ہوتی۔ جس طرح قرآن کریم میں قارون کے اقتدار و قبضہ مال و دولت کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے قلوب و روح سے یہ آواز نکلی تھی قالوا یٰلیت لنا مثل ما اوتی قارون ہائے خدایا! ہمیں بھی یہ سب کچھ نصیب ہوتا جو مال و دولت قارون کو نصیب ہے؟ انفرادی اور قومی دونوں رنگوں میں اقتدار و زر پر قبضہ کی حرص کا جذبہ اس وقت انسان کے نفس پر اس طرح غالب و حاوی ہو رہا ہے کہ گویا الہٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر کا نقش ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے۔ آرزوؤں کی لامتناہی طلب و حرص نے ہر اعلےٰ اقدار و محبت سے انسان کی روح و قلب کو کلیتہً تہیدست کر دیا ہوا ہے۔ نہ صرف اعلےٰ اقدارِ زندگی در خور اعتنا نہیں رہیں نہ صرف انسانی محبتیں و اقدار سرد پڑ گئی ہیں اور خدا پرستی کے جذبات بجھ گئے ہیں بلکہ یہ مشاہدہ ہے کہ انسان دنیا طلبی کی حرص و آز میں اپنی جان تک کی پروا بھی نہیں کرتا۔

ع
دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں
نقصان جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں
زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں
ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں

حرص و طمع، خود غرضی و نفس پرستی کے جذبات اس زمانہ میں اپنے پورے جوشوں اور زوروں پر اُبھرے ہوئے ہیں جن کی تسکین کی خاطر کسی دیگر قدر کی قطعاً کوئی پروا نہیں مگر پھر دعوےٰ موجودہ زمانہ کے انسان کا یہ ہے کہ وہ علم و عقل کے دور میں جذبات سے مبرّا ہے بلکہ دعوےٰ یہ ہے کہ ہم تو اپنی زندگی اصول و علم کے مطابق سنوار رہے ہیں، زر پرستی اور اقتدار و حکومت کی خواہش کا بھوت انسان کے سر پر سوار ہو رہا ہے۔ جس کے سامنے انسانیت نے اعلیٰ اصول، اعلیٰ اخلاق

(باقی صلا کالم ملا)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۹ رمئی ۱۹۷۹ء

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو
کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

"آج پاکستان کے حالات پر سب کی نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔ روس امریکہ۔ بھارت اور دنیا بھر کے عیسائی۔ یہودی۔ بابی بہائی قادیانی۔ ملحدین۔ الغرض اسلام کا ہر دشمن پاکستان میں اسلامی قوانین کو "عملی قالب" میں نافذ ہونے کے تصور سے خائف ہے مگر اس کا یہ خوف اس کے اعصاب کو شل اور اس کی ذہنی استعداد کو معطل نہیں کر رہا، بلکہ یہ خوف اس کے اعصاب میں تناؤ در شدت پیدا کر رہا ہے اور اس کی ذہانت کو تیز بلکہ مشتعل کئے ہوئے ہے چنانچہ یہ سب کے سب ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ پاکستان کو کم از کم شل تو کر ہی دیں۔"

(ہفت روزہ المنبر ۱۹ تا ۲۵ اپریل ۱۹۷۹ء)

معاصر المنبر ہمارا دیرینہ کرمفرما ہے۔ وہ احمدیوں پر برسنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ دونوں جماعتوں (جماعت ربوہ اور جماعت لاہور) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی وجہ سے وہ ان کے لئے ہمیشہ لفظ "قادیانی" استعمال کر کے اپنے بے جا اعتراضات کا ہدف بناتا ہے۔ اپنے اندر جھانک کر اپنے قصوروں پر نظر ڈالنے اور ان پر نادم ہونے کے بجائے ان کا الزام دوسروں کو دے کر اپنے آپ کو بری الذمہ ٹھہرانا اس کی بہت پرانی عادت ہے۔ مندرجہ بالا سطور میں بھی اس نے اپنے دل کے اس بغض اور کینہ کا اظہار کیا ہے یعنی قادیانیوں کو پاکستان دشمن عناصر میں شامل کرتے ہوئے ان پر یہ الزامات عائد کئے ہیں کہ:—

۱۔ "قادیانی" اسلامی قوانین کے نفاذ سے خائف ہیں۔

۲۔ "قادیانی" اسلام دشمن ہیں۔

۳۔ "قادیانی" پاکستان کو کم از کم شل کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

ہم ایک ایک کر کے ان الزامات کا جواب دیں گے اور بجائے "قادیانی" کے لفظ "احمدی" استعمال کریں گے کیونکہ "المنبر" کے "قادیانی" سے مراد احمدی ہی ہے ورنہ اس کا مطلب صرف "جماعت ربوہ" ہوتا تو وہ جماعت احمدیہ لاہور کا ذکر علیحدہ کرتا۔

۱۔ ذرا اس خردمندی اور دانشمندی کی داد دیجئے کہ "احمدی" پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترمیم کے رُو سے ان غیر مسلم اقلیتوں میں شامل ہیں جن پر اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں ہو سکتا لیکن بقول "المنبر" وہ اسلامی قوانین کے نفاذ سے خائف ہیں۔ خائف ہونے کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا جب وہ "مسلمانوں" میں شامل ہوتے۔ اور یا اس وقت جب وہ مسلمان سمجھے جاتے اور ان سے وہ جرائم سرزد ہوتے جن کے لئے شریعتِ اسلامی نے حدود مقرر کی ہیں اور جن کے نفاذ کا دعوے کیا جا رہا ہے۔

ہم معاصر "المنبر" کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم خدا کے فضل سے قطعاً خائف نہیں ہیں، کیونکہ ہم نہ چور ہیں کہ ہمارے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے نہ بدکار ہیں کہ سنگسار کئے جائیں گے۔ نہ قمار باز اور شرابی ہیں کہ ہماری پیٹھوں پر کوڑے برسیں گے اور نہ قاتل ہیں کہ ہم سے قصاص لیا جائے گا۔

ابھی حال ہی میں شرعی عدالت نے چوری کے جس مجرم کا دایاں ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ سنایا ہے وہ "احمدی" نہیں ہے "مسلمان" ہے۔ کیا معاصر عزیز ذرا پاکستانی اسلامی معاشرہ کی اخلاقی حالت کا جائزہ لینے کے بعد یہ بتائے گا کہ خائف کس کو ہونا چاہیئے احمدیوں کو یا مسلمانوں کو۔ پاکستان کے جیلوں میں جا کر ذرا تحقیق کر کے یہ بھی بتایئے کہ ان میں "مسلمان" مجرموں کی تعداد کتنی ہے اور احمدیوں کی کتنی۔ اخبارات پر بھی "المنبر" کی نظر ضرور پڑتی ہوگی جرائم کی ان روزانہ وارداتوں میں ملوث افراد میں سے وہ کتنوں کی نشاندہی کر سکتا ہے کہ وہ احمدی ہیں

اس ملک میں شرعی قوانین ابھی پورے طور پر نافذ بھی نہیں ہوئے کیونکہ یہاں اس وقت تین قسم کے قوانین پہلو بہ پہلو رائج ہیں۔ ایک سول قوانین۔ دوم مارشل لاء اور سوئم شرعی قوانین۔ اس صورت میں احمدیوں پر اگر کوئی مقدمہ چل سکتا ہے تو وہ مروجہ سول قوانین اور مارشل لاء کے تحت ہی چل سکتا ہے نہ کہ شرعی قوانین کے تحت۔

اس صورت میں انہیں خائف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم ان قوانین کے نفاذ کو دل سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ کیونکہ پاکستان کا وہ معاشرہ جو اپنے آپ کو اسلامی کہتا ہے اس قدر مفاسد میں مبتلا ہو چکا ہے کہ اس کی اصلاح اگر کوئی قانون کر سکتا ہے تو وہ شرعی قانون ہی ہے۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان قوانین کا نفاذ اس وقت ہوا جب اسلام میں شامل ہونے والے انسانوں کے دل بدل چکے تھے اور ان میں گناہ کا تصور تک موجود نہ تھا۔ وہ پورے طور پر اصلاح یافتہ ہو چکا تھا۔ اس میں ذات پات۔ اونچ نیچ۔ امیر غریب۔ رنگ و نسل اور زبان کی تمیز ختم ہو چکی تھی۔ وہاں زکوٰۃ لے کر گلی کوچوں میں پھرنے والے تو تھے لیکن اسے قبول کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جہاں اوپر کا ہاتھ تو تھا لیکن نیچے کا ہاتھ کوئی نہ تھا۔ جہاں مرد و عورت کو اپنے فرائض و حقوق اور ان کی حفاظت کا شعور پورے طور پر ہو چکا تھا۔ اور جس معاشرہ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بالالتزام ادائیگی جزوِ زندگی بن چکی تھی۔ اور جس کے ہر فرد کو اللہ تعالےٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس اس شدت سے تھا کہ مجرم اپنے جرم کا خود اقبال کر کے اس کی سزا بھگتنے کو خوشی خوشی تیار ہو جاتا۔

تاریخ میں بہت کم ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں جن میں حدود کا نفاذ ہوا ہو۔ اللہ کی حاکمیت لوگوں کے دلوں پر مسلط تھی نہ کہ ان کے جسموں پر۔ بدکاری کا ارتکاب تو درکنار کیا مجال جو کسی مرد کی نگاہ کسی خاتون کے چہرے پر غلط انداز میں اُٹھے۔ دنیا کا کوئی قانون دلوں کو نہیں بدل سکتا۔ قلوب میں تبدیلی کے لئے آسمانی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل باوجود چند شرعی قوانین کے نفاذ کے جرائم میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی اخبار اُٹھا کر دیکھ لیں اس میں چوری۔ ڈاکہ زنی۔ اغوا۔ قتل۔ فریب دہی۔ جیب تراشی۔ افیون و چرس وغیرہ کی سمگلنگ۔ آبرو ریزی۔ راہ چلتی خواتین پر آوازے کسنا۔ شراب نوشی اور قمار بازی وغیرہ کی خبریں پڑھنے میں آئی ہوں گی۔ کیا ان خبروں کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہو سکتا ہے کہ اس ملک میں اسلامی قوانین نافذ ہو چکے ہیں اور ان پر عمل ہو رہا ہے عبرت کی خاطر تین مجرموں کو سرِ عام پھانسی پر لٹکایا گیا۔ ہزاروں کے مجمع نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن اس کے بعد بھی اسی قسم کے جرم کا اعادہ ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے اس معاشرہ کو اس مقام پر پہنچانے کی ضرورت ہے جہاں جرم و گناہ کے محرکات ہی ختم ہو جائیں۔ یعنی بندوں کی اصلاح کرنی

ہو جائے ۔ یہ فرض ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اسلامی نظام اور نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے آواز بلند کی ۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہ ان کے بس کی بات نہیں کیونکہ دوسرے کی اصلاح وہی کر سکتا ہے جو خود اصلاح یافتہ ہو اور یہ خانہ یہاں بالکل خالی ہے ۔ یہ نعرہ صرف ایک سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا تھا ۔ ایسا نہ ہوتا تو نو ستارے بکھر کے ڈوب نہ جاتے ۔

جن قوانین کا ہم پر اطلاق ہی نہیں ہوتا اُن سے خائف ہونا کیسا ۔ "المنبر" کو اپنی یہ غلط فہمی دُور کر لینی چاہیئے

۲ ۔ ہم پر الزام بھی لگایا گیا ہے کہ ہم اسلام دشمن ہیں ۔ "نعوذ باللہ من ذالک" ۔ یہ سراسر نا انصافی ہے ۔ ہم معاصر "المنبر" کے اداریہ نویس کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ایک مثال ہی ایسی پیش کر دے جس سے ہماری اسلام دشمنی ثابت ہوتی ہو ۔ بانئ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے یہ دو تین شعر ہی اس بات کا پختہ ثبوت ہیں کہ آپ کے دل میں اسلام کے لئے کتنی تڑپ ۔ محبت اور عشق تھا اور اسلام کو تمام ادیانِ باطلہ پر غلبہ عطا کرنے کا کتنا جوش اور اضطراب ۔

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نُور ہے نُور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

جس اسلام کو وہ راہِ ہدیٰ ۔ شمس الضحیٰ اور نورِ خدا سمجھتے اور پیش کرتے ہیں کیا احمدی اس کے دشمن ہو سکتے ہیں ۔ جس انسان نے اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے تمام مذاہب کے پیرؤوں کو اپنے مقابل پر بلایا اور اسلام کو غالب کر کے دکھایا کیا اس کی جماعت اسلام دشمن ہونے کا تصوّر بھی کر سکتی ہے ؟ ہاں ہم ان غلط تصوّرات اور خیالات کے دشمن ضرور ہیں اور رہیں گے جن کی وجہ سے اسلام غیر قوموں میں بدنام ہوا اور آنحضرت صلعم اور قرآن پر اعتراضات کا سبب بنے ۔ انہی غلط تصوّرات کو مٹانے اور اسلام کو اس کے اپنے اصلی اور خوبصورت رُوپ میں پیش کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب تشریف لائے اسی لئے وہ چودھویں صدی کے مجدّد کہلائے ۔ اگر غلط تصوّرات ۔ خیالات ۔ معتقدات اور رسم و رواج کے مجموعے کا نام اسلام ہے تو وہ ہمارا اسلام نہیں ۔ ہمارا اسلام وہ ہے جو آنحضرت صلعم نے قرآن کریم کے ذریعے ہمارے سامنے پیش کیا ۔ اگر صلیبی عقائد کے سامنے جھکنے کا نام اسلام ہے تو یہ ہمارا اسلام نہیں ۔ ہمارا مذہب شکستِ صلیب ہے ۔ کیونکہ اس سے غلبۂ اسلام مقدر ہے ۔ ہمارا مذہب قتلِ خنزیر ہے کیونکہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے ۔ خنزیر کی پرورش ہمارا اسلام نہیں ۔

یہی دو کام مسیحِ وقت کے سپرد ہوئے جو انہوں نے پایۂ تکمیل کو پہنچائے اور اپنے بعد اپنی جماعت کے سپرد کر گئے ۔ جو اسے حتی المقدور جاری رکھے ہوئے ہے ۔ اگر یہ اسلام دشمنی ہے تو اسلام دوستی کیا ہے وہ "المنبر" کا اداریہ نویس ہی بتا سکتا ہے اقتدار حاصل کرنے کے لئے فرقہ واریت کو ہوا دینا ۔ فتاویٰ کفر کی مہریں لگانا اور مسلمانوں کو غیر مسلم ٹھہرانا اگر اسلام ہے تو اس اسلام سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ۔ ہمارا اسلام اللہ تعالےٰ کی ہستی کو زندہ نشانوں کے ذریعے منوانا اور آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین ثابت کر کے اسلام کو کامل اور اکمل دین ثابت کرنا ہے ۔ اس کی تکمیل کے لئے آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہرگز نہیں ۔ ہاں آپ کی کامل اتباع سے مجدّدین کا مقام پانے والے انسان ضرور آتے رہیں گے جو غلطیوں کی اصلاح کر کے لوگوں کے سامنے صحیح اسلام پیش کریں گے اور حضرت مرزا صاحب انہی میں سے ایک ہیں ۔ اگر معاصر "المنبر" کے سامنے ایسے کسی اور شخص کی مثال ہے جس نے اس چودھویں صدی میں عیسائیت اور دیگر مذاہب کا مقابلہ کر کے اسلام کی صداقت ثابت کی تو وہ پیش کرے ۔ لیکن وہ ہرگز پیش نہ کر سکیں گے ۔

ہم اگر اسلام دشمن ہیں تو ہمیں آخر اسلام کے نام سے کوئی مذہب پیش کرنے ۔ اس کی خاطر جانی اور مالی قربانیاں دینے ۔ صعوبتیں اور مصائب برداشت کرنے ۔ اپنے کو خطرات میں ڈالنے اور ہر وقت اس کے غلبہ کے لئے تدابیر سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ اسلام دشمن طاقتیں تو وہ ہیں جو اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں اور وہ بھی ہیں جو مسلمان ہوتے ہوئے ان کو اس کا موقع فراہم کرتی ہیں ۔ جماعت احمدیہ کا وجود اسلام کو تقویت دینے اور مسلمانوں میں اپنے اُوپر اعتماد پیدا کرنے کا موجب بنا ہے ۔ اسے اسلام سے دشمنی اور عداوت کیسے ہو سکتی ہے ۔

۳ ۔ یہ کہنا کہ "قادیانی" پاکستان کو شل کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اقعات کے قطعاً خلاف ہے ۔ جماعتِ احمدیہ نے تحریک مسلم لیگ اور تشکیل پاکستان میں بھرپور حصہ لیا ہے ۔ اب یہ احمدیوں کا وطن مالوف ہے ۔ یہ ویسے ہی ان کا اپنا وطن ہے ۔ جیسے واہگہ پار سے آنے والے مسلمان کا ۔ خاکم بدہن اگر پاکستان کو کسی دشمن کے ہاتھ نقصان پہنچ گیا تو احمدی کہاں جائیں گے اور ان کا ٹھکانا کہاں ہو گا ؟ جب پاکستان میں جو اسلامی ملک ہے ان کو چین اور آرام سے نہیں رہنے دیا جاتا اور انہیں اسلام دشمن اور پاکستان دشمن کہا جاتا ہے تو دوسرا کوئی ملک انہیں کیوں پناہ دے گا ۔ کوئی بھی ایسا دیوانہ نہیں ہوتا کہ جس شاخ پر بیٹھا ہو اسی کو کاٹنا شروع کر دے ۔ وہ جانتا ہے کہ گرے گا تو ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی ۔

بار بار اخبارات اور رسالوں میں ایسے بے بنیاد بیانات شائع ہوتے ہیں کہ احمدی اسلام اور پاکستان کے دشمن ہیں ۔ یہ پاکستان کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں فلاں جگہ ان کی سازشیں بے نقاب ہوئی ہے اور وہ کاغذات ہاتھ لگے ہیں ۔ جن میں ان کی ریشہ دوانیوں پر روشنی پڑتی ہے ۔ اور خطرناک انکشافات ہوئے ہیں ۔ آخر ان سارے الزامات کا کوئی ثبوت تو ہو ۔ اگر ایسی کوئی ٹھوس اور یقینی شہادت موجود ہے تو ان کے خلاف عدالت میں مقدمہ چلائیں تاکہ ملک بچ جائے ۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو سمجھو معاصر کے مقالہ نگار اور ان کی طرح کے دوسرے لوگ بھی اس سازش میں برابر کے شریک ہیں یا ویسے ہی جماعت احمدیہ کو بدنام کرنے اور سادہ لوح عوام کی نفرت اور حقارت کا نشانہ بنانے کے لئے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے ۔ کیونکہ جب بھی سیاسی رہنماؤں کو کوئی مشکل پیش آتی ہے وہ اپنی طرف سے رُخ احمدیوں کی طرف پھیرنے کی کوشش میں وہ سب کچھ کہہ جاتے ہیں جس کا ایمان اور سچائی کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ۔ ایک مذہبی جماعت کے سیاسی قائد نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ قومی اتحاد میں جو پھوٹ پڑی ہے اور ان کی جماعت کے خلاف جو بیانات دیئے جا رہے ہیں وہ بھی قادیانیوں کی سازش ہے ۔ وہ سیاسی جماعتیں جو کل تک تحفظ ختم نبوّت اور بھٹو کے خلاف تحریک میں یک زبان تھیں وہ بھلا قادیانیوں کے بہلانے پھسلانے میں کیسے آ سکتی ہیں ۔ لیکن اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کا یہ بہت سہل طریقہ ہے کہ اپنے جُرم کا الزام دوسرے کے سر تھوپ دو ۔ دِل میں کچھ تو خوف خدا ہونا چاہیئے ۔ بے گناہوں کو ملزم گردانا ٹھیک نہیں ۔ خدا کے ہاں اسکا بھی حساب ہو گا اور جواب طلب

جناب مولانا عبدالحق صاحب مناظر اسلام کراچی

حضرت سلیمانؑ کے ماتحت "جنّ" انسان تھے

قرآن کریم سے اسرائیلی جھوٹی روایات کی تردید

"جنّ" کا لفظ جَنّ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ڈھانکنا یا چھپا دینا وغیرہ ہے۔ اس لفظ جن سے بے شک وہ مخلوق بھی مراد لی جا سکتی ہے جس کو انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ کتاب اللہ میں "ابلیس" یعنی شیطان کو کان من الجنّ قرار دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطانوں کی دو قسمیں کر دی گئی ہیں۔ "شیاطین الانس والجنّ" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مرئی شیطانی ہستیوں کے علاوہ انسانوں میں بھی جن ہوتے ہیں۔ بعض احادیث میں یوں بھی آیا ہے کہ ہڈی اور خشک گوبر سے استنجا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان میں بے شمار جنّ یا جراثیم ہوتے ہیں۔ جو بظاہر نظر نہیں آتے۔ الغرض لفظ "جنّ" کے کئی معنی ہیں۔ اس لئے کسی عبارت یا جملہ کے صحیح معنی جاننے کے لئے اس کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ تا قرائن کے مطابق اس کا صحیح مفہوم متعین کیا جا سکے۔

(۲) اس تمہید کے بعد عرض پرداز ہوں۔ کہ ہمارے مسلمات کی رُو سے ابتدائے دُنیا سے آج تک جتنے بھی انبیائے کرام کو اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ ان سب کا دائرۂ عمل کسی جنّ قوم کی طرف نہیں بلکہ صرف انسانوں تک محدود رہا ہے۔ قرآن کریم میں بھی کسی غیر مرئی جنّ نبی کے مبعوث ہونے کا ذکر تک نہیں اور نہ ہی جنّوں کے کسی ملک یا بستی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کو تباہ و برباد کرنے کا ذکر ہے۔ باوجود ایسی کھلی شہادت کے ہمارے مفسران قرآن نے یہودیوں کی بجد۔ بے ہودہ۔ اور جھوٹی روایات کی بناء پر مذہب اسلام کے اصُولوں کے خلاف حضرت سلیمانؑ کے ماتحت "جنوّں" کو غیر مرئی ہستیاں قرار دیا ہے۔ اَب میں اس کا ثبوت سب سے پہلے قرآن کریم کی متعدد آیات مقدّسہ میں صرف چند آیات سے پیش کرتا ہوں۔ جن میں اللہ تعالےٰ نے لفظ "جنّ" استعمال کیا ہے۔ مگر ان آیات مقدّسہ میں ان "جنوّں" کو غیر مرئی ہستیاں نہیں بلکہ کسی وصف کے لحاظ سے ان کو انسان ہی قرار دیا ہے۔

آیاتِ قرآنی جن میں لفظ جنّ کا استعمال ہے مگر مراد انسان ہیں

ا۔ یٰمعشر الجنّ والانس الم یاتکم رسلٌ منکم .... (سورۃ انعام) اس آیت طیبہ میں اللہ تعالےٰ نے "جنوّں اور انسانوں" کو ایک ہی نوع یا قسم قرار دیا ہے۔ معشر کا لفظ اس کنبے پر بولا جاتا ہے جو ایک ہی خاندان پر مشتمل ہو۔ اگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس آیت مقدّسہ میں انسانوں میں سے "جنون" کی کوئی الگ نوع ہوتی۔ تو ان جنّوں کو انسانوں کے ساتھ ایک ہی کنبہ کے افراد نہ کہا جاتا۔

ب۔ دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں "یا بنی آدم امّا یاتینّکم رسلٌ منکم............ سورۃ اعراف) اب اس آیت مقدّسہ میں جن ہستیوں کو سورۃ الانعام میں "معشر الجنّ والانس" کہا گیا تھا انہیں ہستیوں کو اس آیت مقدسہ میں "بنی آدم" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس تیسری آیت مقدسہ سے بھی "یا ایّھا النّاس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ...." (اعراف) سے صاف عیاں ہے۔ کہ ارسالِ رسل کا وعدہ صرف انسانوں کے ساتھ ہے نہ کہ جنوّں کے ساتھ اور کتاب اللہ میں کسی غیر مرئی نبی کے مبعوث ہونے کا اشارۃً تک موجود نہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں "معشر الجن والانس" یا "ایّھا النّاس" یا "بنی آدم" کا مفہوم قریبًا قریبًا ایک ہی ہے کسی خاص وصف کی بناء پر انسانوں کو ہی "جنّ" قرار دیا ہے۔

ج۔ ویوم یحشرھم جمیعًا۔ یٰمعشر الجنّ قد استکثرتم من الانس وقال اولیاءھُم من الانس۔ ربّنا استمتع بعضنا ببعض............ (الانعام)

مذکورہ آیت مقدّسہ میں ان بارعب جنوں کا ذکر ہے جو اپنی بات عوام النّاس پر مسلّط کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ وہ اپنی ذمہ داری سے بچنے کے لئے اب اپنی صفائی میں حیلے بہانے تراش رہے ہیں۔ کہ ہم اور ہمارے ماتحت تو ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب یہ تو دلیل ہے کہ انسان ہی دوسرے انسان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مگر غیر مرئی ہستیوں کا انسانوں سے فائدہ اُٹھانا اور انسانوں کا غیر مرئی ہستیوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوئی نظیر جب سے دنیا بنی۔ اس دن سے لے کر آج تک ہمارے سامنے نہیں آئی۔ اس لئے قرآن کریم کے اس مقام پر بھی روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ انسانوں کو ہی کسی وصف کی بناء پر یہاں "جن" کہا گیا ہے۔

د۔ سورۃ الاحقاف میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

"واذ صرفنا الیك نفرًا من الجنّ ...."

اس آیت مقدّسہ کی رُو سے جو "جنّ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملنے کے لئے تشریف لائے۔ احادیث صحیحہ میں ان کے متعلق مندرجہ [illegible] روایات ہیں۔

اب مسند احمد کی روایت کے مطابق یہ "جنّ" نخلہ کے رہنے والے تھے (۲) حضرت ابنِ عباس ان کو نصیبین کے رہنے والے بتلاتے ہیں۔ (۳) حضرت ابنِ مسعود کی روایت کے مطابق:۔

A۔ ایک رات حضورؐ کو مکہ میں نہ دیکھا گیا۔ سب صحابہ فکرمند ہوئے علی الصبح حضورؐ اچانک غارِ حرا کی طرف سے لوٹ کر واپس آئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے جنّوں کا بلانے والا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میں نے جنّوں کو قرآن مجید سنایا وغیرہ وغیرہ۔

B۔ ایک رات حضورؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کون میرے ساتھ جنّوں کے پاس جائے گا۔ میرے سوائے کوئی دوسرا صحابی تیار نہ ہوا۔ جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مکہ کی اُوپر کی زمین پر پہنچے تو حضورؐ نے ان کے لئے نشان لگا دیا اور ان کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ حضورؐ نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ ایک گروہ عظیم میرے اور حضورؐ کے درمیان حائل ہوگیا۔ یہاں تک کہ اَب میں حضورؐ کی آواز بھی نہ سُن سکتا تھا۔

ایسی روایات میں جو امر مشترک ہے وہ یہ ہے:۔

(۱) جنّوں کی خاص تعداد حضور علیہ السلام کے پاس کلام اللہ سُننے کیلئے آئی۔

(۲) حضورؐ کو ان جنوں کی آمد کا علم تھا اور بعض جنّوں نے حضور صلعم کے پیچھے نماز بھی ادا کی۔

(۳) حضورؐ نے صحابہ کرام کو وہ جگہ دکھلائی جہاں ان جنّوں نے رات بسر کی تھی۔

(۴) اب ان جنّوں کا آگ جلانا۔ کھانا اور رہائش کی ضرورت سے ثابت ہے کہ یہ انسان ہی تھے نہ کہ غیر مرئی ہستیاں۔

(۵) ان کی شکل و صورت۔ مکلف باحکام خداوندی اور رات بسر کرنے کے قرائن صاف ثابت کر رہے ہیں کہ یہ جنّ حقیقتًا انسان تھے مفسرین نے غلطی سے اسرائیلی جھوٹی روایات کی بناء پر ان کو غیر مرئی جنوں کی ہستیاں لکھ دیا ہے۔

(۳) اب میں قرآن کریم سے ان آیاتِ مقدّسہ کو لکھ رہا ہوں جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہے اور ان آیاتِ مقدسہ میں جنّوں سے مراد سوائے انسان کوئی دوسری غیر مرئی ہستی ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ آیات مقدسہ حسب ذیل ہیں:۔

حضرت سلیمان کی زمینی فوج { (۱) "وحشر لسلیمٰن جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون ...... النمل"

اس آیت میں حضرت سلیمانؑ کی عسکری قوت کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ فوجی طاقت تین گروہوں میں منقسم تھی۔ اس فوج کا پہلا دستہ "زمینی فوج" پر مشتمل تھا اور اس دستہ میں لفظ "جنّ" کی وضاحت اللہ تعالےٰ نے دوسری جگہ یوں بیان فرمائی ہے:۔

" یعملون لہٗ من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت .... (السبا)

یہ جن عمارات۔ مجسمے۔ بڑے بڑے لگن اور نصب شدہ دیگیں و دیگر صناعی مصنوعات سرانجام دینے کے لئے ماہر تھے۔ ان جنوں میں ایسے بھی سرکش۔ اُجڈ۔ اکھڑ تھے۔ جو حضرت سلیمان کی اطاعت قبول نہ کرتے تھے۔ جیسا قرآن کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے "واٰخرین مقرّنین فی الاصفاد" ایسے جنّوں کو حضرت سلیمان قید کر دیتے تھے اور ان کو بیڑیاں پہنا دیتے تھے۔ اور ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ فوج کے لئے نڈر۔ بہادر۔ جفاکش جوانوں اور کاریگروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان جنّوں کا تعلق پہاڑی قبائلی علاقوں سے تھا۔ اور غیر اسرائیلی تھے۔ جن کو قیدی بھی بنایا جا سکتا تھا۔ اگر یہ جن غیر مرئی ہستیوں ایسے ہوتے تو ان کو قید کرنا اور بیڑیاں پہنانا ناممکن تھا۔ اس لئے ثابت ہُوا کہ حضرت سلیمان کی فوج کے یہ جن درحقیقت انسان ہی تھے۔

حضرت سلیمان کی بحری یا سمندری فوج { "ولسلیمٰن الریح غدوھا شھر ورواحھا شھر ......" (سورۃ السبا)

اس آیت مقدسہ میں حضرت سلیمان کی بحری طاقت کا ذکر ہے۔ عام بادبانی جہاز ایسے جہازوں کے مقابلہ میں صرف چند گھنٹے میں فرائض کی ادائیگی کے بعد بلا روک ٹوک کھلے سمندروں سے واپس ہیڈ کوارٹر پہنچ جایا کرتے تھے۔ یا اگر حضرت سلیمان کے جہازوں کا مقابلہ کھلے سمندر میں دشمنوں کے ساتھ ہو جاتا تھا تو یہ جہاز دشمن پر ضرب کاری لگانے کے بعد چند گھنٹوں کے اندر آ جا سکتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

انہیں کے متعلق قرآن کریم دوسری جگہ یوں فرماتا ہے :۔ "والشیٰطین کل بنّاءٍ وغوّاص"۔ یہ معمار اور غوطہ خور جہازوں پر کام کرنے والے تھے جن کو یہاں "شیطان" کے نام سے موسوم فرمایا۔ غیر مرئی ہستیوں کو غوطہ خوری کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی ان کا پیشہ معماروں جیسا ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان کی حفاظتی اور فضائی طاقت { "وورث سلیمان داوٗد وقال یاایھاالنّاس عُلّمنا منطق الطیر واوتینا من کلّ شیءٍ۔ (النمل: ۱۶)

اب غور کرنے والی بات یہ ہے۔ کہ منطق الطیر سے اس آیت کریمہ میں کیا مراد ہے۔ حضرت سلیمان عُلّمنا کا لفظ استعمال فرما رہے ہیں عُلّمتُ یعنی مجھے علم دیا گیا نہیں کہا گیا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہُوا کہ منطق الطیر کا علم حضرت سلیمان کی ساری کی ساری قوم کو دیا گیا۔

۱۔ جیسے "واوتینا من کلّ شیءٍ" سے ساری قوم مراد ہے۔

۲۔ منطق الطیر سے یہ بھی مراد نہیں لی جا سکتی کہ پرندے بھی انسانوں کی طرح سب علوم سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۔ نہ ہی منطق الطیر سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ پرندوں کو علم غیب دیا جاتا ہے۔ ایسا اعتقاد قرآن کریم کے خلاف ہے۔

۴۔ اس لئے لازماً منطق الطیر سے یہ مراد ہو گی کہ کسی چیز کی حالت سے اس کا فہم حاصل کرنا۔ مثلاً کتاب ناطق سے مراد بولنے والی کتاب نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کے پڑھنے سے اس کا مفہوم خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ گو میرے مضمون کی حد بندی لفظ "جنّ" کی تحقیقات تک ہے تاہم قصہ گو مفسّروں نے "ہُدہُد" پرندہ کا بیان ایسے انداز سے کیا ہے کہ اسرائیلی خرافات اور جھوٹی روایات اسلامی لٹریچر میں راہ پاگئیں۔ اس لئے مختصراً اس کا بھی ذکر کرنے پر مجبور ہوں تا صحیح مفہوم "ہدہد" کا معلوم ہو سکے۔

سورۃ النمل سے بالکل واضح ہے۔ کہ حضرت سلیمان نے ملکۂ سبا پر چڑھائی کی۔ جب انہوں نے آخری حملہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ تو انہوں نے حفاظتی فوج کے افسر اعلےٰ جس کا نام "ھد ھد" تھا غیر حاضر پایا۔ حضرت سلیمانؑ کو شک پیدا ہوا کہ اس نے غداری کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کورٹ مارشل کرنے کا حکم دیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ان کا فوجی افسر "ھد ھد" اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ پیش نہیں کرے گا۔ تو وہ اس کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ جب "ھد ھد" واپس آیا تو اس نے غیر حاضری کی وجہ یہ بیان کی "احطت مالم تحط بہ" یعنے اے سلیمان مَیں نے دوران غیر حاضری ایسی ضروری بات کا علم حاصل کیا ہے کہ تم کو بھی اس کی خبر نہیں"۔ "انی وجدت امراۃً تملکھم واوتیت من کلّ شیءٍ ولھا عرشٌ عظیم" ملکۂ سبا کے پاس دنیاوی مال و اسباب کی کثرت ہے اور حیرت انگیز تخت کی مالک ہے۔ یعنے ملکی نظم و نسق نہایت مستحکم ہے۔ مگر بدقسمتی سے وہ مشرک اور عقیدۃً سورج پرست ہے۔ "وزیّن لھم الشیطٰن اعمالھم"۔ شیطان نے اس کو (اور اس کی قوم) کو گمراہ کر دیا ہوا ہے۔ اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا "ھد ھد" اگر پرندہ تھا۔ ایسی معرفت اور توحید کا علم حاصل کر سکتا تھا؟ کہ وہ نہ صرف سورج پرستوں کو بلکہ ملکۂ سبا اور اس کی سلطنت کے عمائدین پر شیطان کا اثر قبول کر لینے کے باعث ان پر غیر ہدایت یافتہ ہونے کا فتوےٰ عائد کرتے۔

حضرت سلیمانؑ کو "ھد ھد" کی اس کارکردگی کی تصدیق کے لئے ملکۂ سبا کی طرف اپنے خط کے پہنچانے کے لئے اسی کو ہی اپنا ایلچی بنایا۔ اور اس کو مخاطب کر کے کہا:۔

" اذھب بکتابی ھٰذا فالقہ الیھم ثمّ تولّ عنھم فانظر ماذا یرجعون "

ان الفاظ سے صاف ثابت ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکہ کی خدمت میں خط پیش کرنے کے طریقے بھی "ھد ھد" کو بتلائے ہیں۔ اور حکم دیا کہ وہ پس پردہ اس خط کے ردِ عمل پر بھی نگاہ رکھے۔ ایسا کام تو صرف انسان سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کسی پرندہ سے۔ پس حضرت سلیمان کی ہدایات پر کاربند ہونا ثابت کر رہا ہے کہ "ھد ھد" پرندہ نہ تھا۔ بلکہ اس فوج کا ذمہ دار افسر تھا۔

قرآن کریم میں حضرت سلیمان کے بیٹے کا بھی ذکر ہے۔ مفسّروں نے اس کے متعلق بھی جو عجیب و غریب قصّے بیان فرماتے ہیں۔ ان کی تفصیل تفسیر ابنِ کثیر اردو میں ملاحظہ فرمائیں۔ حالانکہ اس آیت کا مطلب بالکل صاف ہے

"ولقد فتنا سلیمٰن والقینا علیٰ کرسیہ جسداً ثمّ اناب" { اس آیت کی صحیح تشریح تو حدیث شریف میں اس طرح ہے کہ حضرت سلیمان نے کہا تھا کہ وہ اپنی چالیس یا ستر بیویوں کے پاس جائیں گے اور ہر بیوی سے ایک ایک مجاھد فی سبیل اللہ بیٹا پیدا ہو گا۔ مگر انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا تھا۔ صرف ایک بی بی حاملہ ہوئی۔ اور اس سے ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا۔ آیا اس سے مراد اس بیٹے کے اخلاقی طور پر ادھورا ہوتا ہے یا جسمانی طور پر (مفسرین نے جسمانی طور پر ادھورا لکھا ہے) اور اس کے تخت پر ڈالنے سے یہ ہرگز ہرگز مراد نہیں کہ دائی نے اس ادھورا بچہ کو حضرت سلیمانؑ کے تخت پر ڈال دیا بلکہ صرف اس قدر مراد لی جا سکتی ہے کہ حضرت سلیمان کا یہ وارث اخلاقی اور جسمانی طریق پر ان کی نیابت نہیں کر سکا۔ حضرت سلیمان کو اس امر کا بخوبی علم تھا کہ جس سلطنت کی بنیاد اعلائے کلمۃ اللہ یا رضائے الٰہی پر ہو وہ کبھی چھینی نہیں جا سکتی اور ایسی سلطنت لازوال ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ سے یُوں دُعا فرماتے ہیں:۔

"قال ربّ اغفرلی وھب لی ملکاً لاینبغی لاحد

من بعدی"

اب اس میں دعا کا تعلق انسان کی جسمانی اور اخلاقی قدروں کے ساتھ ہے۔ جو حضرت سلیمانؑ کے صلبی بیٹے سے یہ دعا پوری نہیں ہوئی۔ اگر اس دعا کا اشارہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کی طرف سمجھا جائے۔ تو بے شک اس کے پورا ہونے میں کسی نوع کا شک و شبہ نہیں رہتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو عظیم الشان سلطنت عطا فرمائی ہے وہ اُمت کے ساتھ دائمی وعدہ ہے۔ اور آج بھی مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں پچاس ملکوں پر سلطنت عطا فرما دی ہے اور دن بدن ملتِ اسلامیہ دُنیا پر حاوی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس ظاہری شان و شوکت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال تعلق باللہ کا ثبوت پاک اور رُوحانی ہستیوں کو ہر صدی میں مبعوث فرما کر ساری دنیا پر اتمام حجت کر دی ہے۔

۱۔ ہم نے حضرت سلیمان کا امتحان لیا۔ اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا یعنے شیطان .... اس شیطان کا نام صخر تھا یا آصف تھا یا جرد تھا یا حقیق تھا۔

۲۔ یہ واقعہ اکثر نے ذکر کیا ہے کسی نے بہت تفصیل کے ساتھ اور کسی نے اختصار کے ساتھ۔

۳۔ حضرت قتادہ اس واقعہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت سلیمان کو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم ہوا کہ اس طرح بناؤ کہ لوہے کی آواز بھی نہ سُنی جائے۔ آپ نے ہر چند تدبیریں کیں لیکن کارگر نہ ہوئیں۔

۴۔ پھر آپ نے سُنا کہ سمندر میں ایک شیطان ہے جس کا نام صخر ہے وہ البتہ ایسی ترکیبات بتا سکتا ہے آپ نے حکم دیا کہ اسکو کسی طرح لاؤ۔

شیطان کے پکڑنے کی ترکیب

ایک دریا سمندر میں ملتا تھا۔ ہر ساتویں دن اس میں لبالب پانی آجاتا تھا اور یہی پانی شیطان پیتا تھا۔ اس کا پانی نکال دیا گیا اور بالکل خالی کر کے اس کے آنے والے دن اُسے شراب سے پُر کر دیا گیا۔ یہ جب آیا اور یہ حال دیکھا۔ تو کہنے لگا ہے تو یہ مزے کی چیز۔ لیکن دشمن عقل ہے۔ چنانچہ وہ پیاسا چلا گیا۔ جب پیاس کی شدت ہوئی تو مجبوراً یہ سب کچھ کہتے ہوئے پینا ہی پڑا۔ اب عقل جاتی رہی اور اسے حضرت سلیمان کی انگوٹھی دکھلائی گئی یا مونڈھوں کے درمیان اس سے مہر لگا دی گئی۔ یہ بے بس ہو گیا۔

شیطان کی ترکیب ملاحظہ ہو

حضرت سلیمان کی حکومت اس انگوٹھی کی وجہ سے تھی (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے اس کام کے سرانجام دینے کا حکم دیا۔ شیطان گیا اور ہُدہُد کے انڈے لے آیا۔ اور انہیں جمع کر کے ان پر شیشہ رکھ دیا۔ ہُدہُد آیا۔ اس نے اپنے انڈے دیکھے۔ چاروں طرف گھوما لیکن دیکھا کہ ہاتھ نہیں آسکتے۔ اُڑ کر واپس چلا گیا اور الماس لے آیا۔ اس کو اس شیشے پر رکھ کر کاٹنا شروع کیا۔ آخر وہ کٹ گیا اور اپنے انڈے لے گیا اور پھر اُسی الماس سے پتھر کاٹ کاٹ کر تعمیر شروع ہوئی (یعنی بیت المقدس کی تعمیر)

حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی

حضرت سلیمان جب بیت الخلا یا حمام میں جاتے تو انگوٹھی اتار جاتے۔ ایک دن حمام جانا تھا اور یہ شیطان آپ کے ساتھ تھا۔ آپ اس وقت فرضی غسل کے لئے جا رہے تھے۔ انگوٹھی اسی کو سونپ دی اور چلے گئے۔ اس نے انگوٹھی سمندر میں پھینک دی۔ اور شیطان پر (نعوذ باللہ) حضرت سلیمان کی شکل ڈال دی گئی۔ اور آپ سے تاج و تخت چھن گیا۔ سب چیزوں پر شیطان نے قبضہ کر لیا۔ بجز آپ کی بیویوں کے .... مگر حضرت سدی فرماتے ہیں حضرت سلیمانؑ کی ایک سو بیویاں تھیں۔ آپ کو سب سے زیادہ اعتبار ان میں سے ایک بیوی پر تھا جن کا نام جرادہ تھا۔ جب جنبی ہوتے یا رفع حاجت کے لئے جاتے اپنی انگوٹھی اُنہیں کو سونپ جاتے۔ (حضرت قتادہ کی روایت میں انگوٹھی خود حضرت سلیمان نے شیطان کو دی)

ایک مرتبہ آپ پاخانے گئے۔ پیچھے سے ایک شیطان آپ ہی کی صورت بنا کر آیا (کیا ایسے ممکن ہے کہ شیطان اپنی شکل سلیمان جیسی بنائے) اور بیوی صاحبہ سے انگوٹھی طلب کی آپ نے دے دی۔ یہ اسکو لیتے ہی تخت پر بیٹھ گیا۔ اب جو حضرت سلیمان آئے اور انگوٹھی طلب کی تو بیوی صاحبہ نے کہا آپ انگوٹھی تو لے گئے ہیں۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ خدا کی آزمائش ہے۔ نہایت [illegible] جاتی رہی .... عورتیں یہ سُن کر رونے لگیں اور یہ لوگ وہاں سے واپس آگئے۔ (عورتوں کے رونے کی وجہ بھی سُن لیں جو حضرت ابنِ ابی حاتم نے بیان فرمایا ہے) .... آپ کی بیویوں سے علماء نے جب تفتیش کی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم کو بھی شبہ ہے۔ کیونکہ (استغفراللہ ثم نعوذ باللہ)۔ کیونکہ وہ حالت حیض میں بھی ہمارے پاس آجاتا ہے۔ شیطان کو جب معلوم ہوا کہ راز کھل گیا ہے۔ تو اس نے جادو کی اور کفر کی باتیں لکھوا کر کرسی تلے دفن کرا دیں۔ اور پھر لوگوں کے سامنے انہیں نکلوا کر ان سے کہا۔ دیکھو ان کتابوں کی بدولت سلیمان تم پر حکومت کر رہا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کو کافر کہنا شروع کر دیا .... پس ثم اناب سے مراد شیطان جو مسلط کیا گیا تھا اس کا لوٹنا ہے۔ اس کی اسناد حضرت ابنِ عباس تک ہے .... آئمہ نے بھی ایسے ایسے ہی قصے بیان کئے ہیں۔ لیکن اس بات کا سب کو انکار ہے کہ جن حضرت سلیمان کی بیویوں کے پاس نہیں جا سکا .... آپ نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تھی .... امام ابنِ ابی حاتم نے صفت سلیمان میں کعب احبار سے ایک تعجب خیز روایت کی ہے۔

ابو اسحاق مصری کہتے ہیں کہ جب ارم ذات العماد کے قصے سے حضرت کعب نے فراغت پائی تو حضرت نے کہا ابو اسحاق آپ حضرت سلیمان کی کرسی کا بھی ذکر کیجئے۔ تو فرمایا:۔

حضرت سُلیمان کی عجیب و غریب کرسی کی کہانی ابو اسحاق کی زبانی

وہ ہاتھی دانت کی تھی۔ دُر یاقوت۔ زبرجد اور لؤلؤ سے مرصّع تھی۔ چاروں طرف سونے کے کھجور کے درخت بنے ہوئے تھے۔ جن کے خوشے بھی موتیوں کے تھے ان کے سرے پر سونے کے مور تھے اور بائیں طرف والوں پر گدھ تھے۔ وہ بھی سونے کے تھے۔

اس کرسی کے پہلے درجے داہنی جانب دو درخت صنوبر سونے کے تھے اور بائیں جانب دو شتر سونے کے تھے ان کے سروں پر دو ستون زبرجد کے تھے۔ اور کرسی کی دونوں جانب انگور کی سنہری بیلیں تھیں جو کرسی کو ڈھانپے ہوئے تھیں [illegible]

پھر کرسی کے اعلےٰ درجے پر دو شیر سونے کے بنے ہوئے تھے۔ جن کے اندر خول تھا۔ ان میں مشک و عنبر بھرا رہتا تھا۔ حضرت سلیمان جب کرسی پر آتے تو یہ شیر حرکت کرتے۔ اور ان کے گھومنے سے ان کے اندر سے مشک و عنبر چاروں طرف چھڑک دیا جاتا۔ پھر دو منبر سونے کے بچھا دیئے جاتے۔ ایک آپ کے وزیر کا اور دوسرا اس وقت کے سب سے بڑے عالم کا۔ پھر کرسی کے سامنے ستر منبر سونے کے اور بچھا دیئے جاتے۔ جن پر بنی اسرائیل کے قاضی

(باقی بر صفحہ ۱ کالم نمبر ۲)

از مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

ظلّ اور خلافت دائمی کی حقیقت اور اس کی بناء پر حضرت نبی کریم صلعم کے خلفاء یعنی مجدّدین کا قیامت تک آتے رہنا

(قسط یازدہم)

نائبین رسول کی حقیقی شان } "معترض نے غور نہیں کیا کہ جو آخری زمانہ کی نسبت بعض خلیفوں کے ظہور کی خبریں دی گئی ہیں کہ حارث آئے گا مہدی آئے گا آسمانی خلیفہ آئے گا یہ خبریں حدیثوں میں ہیں یا کسی اور کتاب میں۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زمانے تین ہیں۔ اوّل خلافت راشدہ کا زمانہ پھر فیج اعوج جس میں ملک عضوض ہوں گے اور بعد اس کے آخری زمانہ جو زمانہ نبوت کے نہج پر ہوگا (یعنی نبیوں کی طرح وحی الٰہی سے قائم ہوگا۔ ناقل) یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کا زمانہ اور پھر آخری زمانہ باہم بہت ہی متشابہ ہیں اور یہ دونوں زمانے اس بارش کی طرح ہیں جو ایسی خیر اور برکت سے بھری ہوئی ہو کہ کچھ معلوم نہیں کہ برکت اس کی پہلے حصّہ میں زیادہ ہے یا پچھلے میں۔

اس جگہ یہ بھی واضح ہے کہ اللہ جلشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کریں گے انہیں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ کلام ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی تعلیم کو تازہ رکھنے والے اور اس کا نفع لوگوں کو پہنچانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر یہ سوال ہو کہ قرآن کے وجود کا فائدہ کیا ہے جس فائدہ کے وجود پر اس کی حقیقی حفاظت موقوف ہے تو اس دوسری آیت سے ظاہر ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بڑے فائدے دو ہیں جن کے پہنچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔

ایک حکمت فرقان یعنی معارف و دقائق قرآن دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اس کی صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہاں تک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد و تاثیرات قرآن مراد ہے اور وہ موافق سُنّت اللہ کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلّی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہیں جیسا کہ ان آیات میں اس امر عظیم کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً و من کفر بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون۔

پس یہ آیت درحقیقت اس دوسری آیت انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کے لئے بطور تفسیر کے واقع ہے اور اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ حفاظت قرآن کیونکر اور کس طور سے ہوگی سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہوں گا اور خلیفہ کے لفظ کو اس اشارہ کے لئے اختیار کیا گیا کہ وہ نبی کے جانشین ہوں گے اور اس کی برکتوں میں سے حصّہ پائیں گے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا اور ان کے ہاتھ سے ترجمانی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا یعنے ایسے وقتوں میں آئے گی کہ جب اسلام تفرقہ میں پڑا ہوگا پھر ان کے آنے کے بعد جو ان سے سرکش رہے گا وہی لوگ بدکار اور فاسق ہیں یہ اس بات کا جواب ہے کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم پر اولیاء کا ماننا فرض ہے سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک فرض ہے اور ان سے مخالفت کرنے والے فاسق ہیں اگر مخالفت پر ہی مریں گے۔"

ظلّ اور خلفاء کی حقیقت پر روشنی } (عبارت مندرجہ بالا میں ظلّ اور خلفاء کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے فرمایا جس طرح مادی عالم میں کسی چیز کے ظلّ میں اس کے تمام خط و خال آجاتے ہیں اور اسی لحاظ سے وہ ظلّ اصل شئے کے وجود پر یقینی دلیل کا کام دے رہا ہوتا ہے اسی طرح عالم رُوحانی میں بھی حضرت نبی کریم صلعم کے روحانی ظلّ یعنے اولیاء کرام کے وجود میں حضرت نبی کریم صلعم کے روحانی کمالات اور آنحضرت صلعم کی روحانی برکتوں اور روحانی تاثیروں کے نقش و نگار بھی منعکس ہو جاتے ہیں اور وہ ظلّ اپنے زمانہ میں حضرت نبی کریم صلعم کے روحانی وجود پر یقینی دلیل کا کام دے رہا ہوتا ہے اسی لئے اس ظلّ کو حضرت نبی کریم صلعم کا بروز کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے وجود کے ذریعہ حضرت نبی کریم صلعم کی نبوت کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے اسی لئے کسی بزرگ نے کہا ہے انبیاء در اولیاء جلوہ دہند۔ ہر زماں آئینہ در رنگ دیگر۔

یہی وجہ ہے کہ یہ اظلال نبی درحقیقت اپنی استعداد اور اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق ایک خاص حد تک اصلاح کا کام سر انجام دیتے رہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں اور یہ عمل حسب ضرورت قیامت تک چلتا رہے گا۔ اس جگہ اس امر کی وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اولیاء اُمت بے شک حضرت نبی کریم صلعم کے کمالات اور تاثیروں کو ورثہ میں لینے میں ایک درجہ پر نہیں ہوتے زمانہ کی جتنی جہالتوں کو دُور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اتنی ہی حضرت نبی کریم صلعم کے روحانی کمالات سے ہر ولی حصّہ پا لیتا ہے اس لئے لھم درجات کے ماتحت اولیاء اُمت کے درجات مختلف ہوتے ہیں سب اولیاء میں درجہ کے لحاظ سے بلند رُوحانی درجہ رکھنے والا وہ ولی اور مجدد ہے جس کو مسیح اور مہدی کہا جاتا ہے لیکن یہ بھی حضرت نبی کریم صلعم کے تمام کمالات کا وارث نہیں ہوگا گو باقی اولیاء اُمت کے مقابلہ میں نبی کریم صلعم کے زیادہ کمالات اور تاثیرات اور برکات روحانیہ کا وارث ہوگا اور ہوا ہے لیکن پھر بھی حضرت نبی کریم صلعم کے تمام کمالات کا وارث نہیں ہوگا۔ ناقل)

دوسری عبارت } "اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ عہد مؤکد ہو چکا ہے کہ جو اس کی سچی کتاب کا انکار کرے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ والذین

کفروا وکذبوا بایاتنا اولٰئک اصحٰب النار هم فیها خالدون۔ یعنے جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اب جبکہ سزائے انکار کتاب الٰہی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الٰہی کا نہایت دقیق تھا بلکہ خود خدا تعالےٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جب تک انسان کی آنکھ خدا داد نور سے منور نہ ہو ہرگز ممکن نہ تھا کہ سچی اور پاک معرفت اس کی حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اس کے رسولوں کی معرفت اور اس کی کتاب کی معرفت حاصل ہو اس لئے رحمانیت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اندھے اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کی جائے اور صرف اس پر اکتفا نہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بھیج کر پھر باوجود امتداد زمنہ طویلہ کے ان عقائد کے انکار کی وجہ سے جن کو بعد میں آنے والے زیادہ اس سے سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات ہیں ہمیشہ کی جہنم میں منکروں کو ڈال دیا جائے اور در حقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جس کا نام رحمٰن اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے ایسے لوگوں کو جنہوں صدہا برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سنا اور پھر وہ عربی سمجھ نہیں سکتے قرآن کی خوبیوں کو دیکھ نہیں سکتے دائمی جہنم میں ڈال دے اور کس انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اس کے کہ قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا اس پر ثابت کیا جائے یوں ہی اس پر چھری پھیر دی جائے۔ پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلی طور پر انوار نبوت پاکر دنیا کو ملزم کریں اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اس کی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں یہ بھی یاد رہے کہ ہر یک زمانہ کے لئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں سے ہوا کرتا ہے اور مجدد وقت ان قوتوں اور ملکوں اور کمالات کے ساتھ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا ان کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالےٰ اسی طرح کرتا رہے گا جب تک کہ اس کو منظور ہے کہ آثار رشد اور صلاح کے دنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اس کے شاہد ہیں۔"

(عبارت مندرجہ بالا میں حضور نے جس وضاحت سے تابعین رسول یا خلفاء رسول کی ضرورت اور ان کے وجود کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے وہ ہر ذی فہم پر واضح ہے۔ ناقل۔)

تیسری عبارت! "اب کوئی سوچنے والا سوچے کہ جب حالت موسیٰ کی ایک محدود شریعت کے لئے جو تابعین کی تمام قوموں کیلئے نہیں تھی اور نہ قیامت تک اس کا دامن پھیلا ہوا [illegible] خدا تعالےٰ نے یہ احتیاطیں کیں کہ ہزارہا نبی اس شریعت کی تجدید کے لئے بھیجے اور بارہا آنے والے نبیوں نے ایسے نشان دکھلائے کہ گویا بنی اسرائیل نے سر سے خدا کو دیکھ لیا تو پھر یہ اُمت جو خیر الامم کہلاتی ہے اور خیر الرسل صلے اللہ وسلم کے دامن سے لٹک رہی ہے کیونکر بد قسمت سمجھی جائے کہ خدا تعالےٰ نے صرف تیس برس اس کی طرف نظر رحمت کر کے اور آسمانی انوار دکھلا کر پھر اس سے منہ پھیر لیا اور پھر اس اُمت پر اپنے نبی کریم کی مفارقت میں صدہا برس گذرے اور ہزارہا طور کے فتنے پڑے اور بڑے بڑے زلزلے آئے اور انواع اقسام کی دجالیت پھیلی اور ایک جہان نے دین متین پر حملے کئے اور تمام برکات اور معجزات سے انکار کیا گیا اور مقبول کو نامقبول ٹھہرایا گیا لیکن خدا تعالےٰ نے پھر کبھی نظر اٹھا کر اس اُمت کی طرف نہ دیکھا اور اس کو کبھی اس اُمت پر رحم نہ آیا اور کبھی اس کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ لوگ بھی تو بنی اسرائیل کی طرح انسان ضعیف البنیان کی طرح ہیں اور یہودیوں کی طرح ان کے پودے بھی آسمانی آبپاشی کے ہمیشہ محتاج ہیں کیا اس کریم خدا سے ایسا ہو سکتا ہے جس نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے مفاسد کو دور کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ پہلی اُمتوں پر تو خدا تعالےٰ کا رحم تھا اس لئے اس نے توریت کو بھیج کر پھر ہزارہا رسول اور محدث توریت کی تائید کے لئے اور دلوں کو بار بار زندہ کرنے کے لئے بھیجے لیکن یہ اُمت مورد غضب تھی اس لئے اس نے قرآن کریم کو نازل کر کے ان سب باتوں کو بھلا دیا اور ہمیشہ کے لئے علماء کو ان کی عقل اور اجتہاد پر چھوڑ دیا اور حضرت موسےٰ کی نسبت تو صاف فرمایا وکلم الله موسیٰ تکلیما رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل وکان الله عزیزا حکیما۔ یعنے خدا موسےٰ سے ہمکلام ہوا اور اس کی تائید اور تصدیق کے لئے رسول بھیجے جو مبشر اور منذر تھے تا کہ لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور نبیوں کا مسلسل گروہ دیکھ کر توریت پر صدق سے ایمان لاویں۔ اور فرمایا ورسلا قد قصصناهم علیک ورسلا لم نقصصهم علیک یعنے ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور بعض کا تو ہم نے ذکر کیا اور بعض کا ذکر بھی نہیں لیکن دین اسلام کے طالبوں کے لئے وہ انتظام نہ کیا گیا یا جو رحمت اور عنایت باری حضرت موسےٰ کی قوم پر تھی وہ اس اُمت پر نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ امتداد زمانہ کے بعد پہلے معجزات اور کرامات قصہ کے رنگ میں ہو جاتی ہیں اور پھر آنے والی نسلیں اپنے گروہ کو ہر ایک امر خارق عادت سے بے بہرہ دیکھ کر آخر گذشتہ معجزات کی نسبت شک پیدا کرتی ہیں پھر جس حالت میں بنی اسرائیل کے ہزارہا انبیاء کا نمونہ آنکھوں کے سامنے ہے تو اس سے اور بھی بیدلی اس اُمت کی پیدا ہو گی اور اپنے تئیں بد قسمت پاکر بنی اسرائیل کو رشک کی نگاہ سے دیکھیں گی یا بد خیالات میں گرفتار ہو کر ان کے قصوں کو بھی صرف افسانجات خیال کریں گے اور یہ قول کہ پہلے اس سے ہزارہا انبیاء ہو چکے اور معجزات بھی بکثرت ہوئے اس لئے اس اُمت کو خوارق اور کرامات کی کچھ ضرورت نہیں تھی لہذا خدا تعالےٰ نے ان کو سب باتوں سے محروم رکھا۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں جنہیں وہ لوگ منہ پر لاتے ہیں جن کو ایمان کی کچھ بھی پروا نہیں ورنہ انسان نہایت ضعیف اور ہمیشہ تقویت ایمان کا محتاج ہے اور اس راہ میں اپنے خود ساختہ دلائل کبھی کام نہیں آسکتے جب تک تازہ طور پر معلوم نہ ہو کہ خدا موجود ہے وہ جھوٹا ایمان جو بدکاریوں کو روک نہیں سکتا نقلی اور عقلی طور پر قائم رہ سکتا ہے"

صفحہ ۵۳ تا ۵۵ پر حضور فرماتے ہیں:۔

چوتھی عبارت! "یہ تمام خالی تعلیم ہے اور مجرد قیل وقال سے سمجھ نہیں آسکتی اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ جلشانہ نے اپنے بندوں کے لئے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس کی کتاب کا یہ حصہ تعلیم ابتدائی زمانہ تک محدود نہ ہے تو بے شک اس نے یہ بھی انتظام کیا ہو گا کہ اس حصہ تعلیم کے معلم بھی ہمیشہ آتے رہیں کیونکہ حصہ حالی تعلیم کا بغیر توسط ان کے

معلّموں کو جو مرتبہ حال پر پہنچ گئے ہوں ہرگز سمجھ نہیں آسکتا اور دُنیا ذرّہ ذرّہ بات پر ٹھوکریں کھاتی ہے۔ پس اگر اسلام میں بعد آنحضرت صلعم ایسے معلّم نہیں آئے جن میں ظلّی طور پر نورِ نبوّت تھا تو گویا خدا تعالےٰ نے عمداً قرآن کو ضائع کیا کہ اس کے حقیقی اور واقعی طور پر سمجھنے والے بہت جلد دُنیا سے اُٹھا لئے مگر یہ بات اس کے وعدہ کے برخلاف ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے
انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون یعنے ہم نے ہی قرآن کو اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ اَب میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر قرآن کے سمجھنے والے ہی باقی نہ رہے اور اس پر یقینی اور حالی طور پر ایمان لانے والے زاویۂ عدم میں مختفی ہو گئے تو پھر قرآن کی حفاظت کیا ہوئی۔ کیا حفاظت سے یہ حفاظت مراد ہے کہ قرآن بہت سے خوشخط نسخوں میں تحریر ہو کر قیامت تک صندوقوں میں بند رہے گا جیسے بعض مدفون خزانے کہ کسی کام نہیں آتے مگر زمین کے نیچے پڑے رہتے ہیں۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت سے خدا تعالےٰ کا یہ منشا ہے۔ اگر یہی منشاء ہے تو ایسی حفاظت کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ یہ تو ہنسی کی بات ہے اور ایسی حفاظت کا منہ پر لانا دشمنوں سے ٹھٹھا کرانا ہے کیونکہ جبکہ علّت غائی مقصود نہ ہو تو ظاہری حفاظت سے کیا فائدہ ممکن ہے کہ کسی گڑھے میں کوئی نسخہ انجیل یا توریت کا ایسا ہی محفوظ پڑا ہو اور دُنیا میں تو ہزار ہا کتابیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں کہ جو یقینی طور پر بغیر کسی کمی بیشی کے کسی مؤلف کی تالیف سمجھی گئی ہیں تو اس میں کمال کیا ہوا اور اُمّت کو خصوصیت کے ساتھ فائدہ کیا پہنچا گو اس سے انکار نہیں کہ قرآن کی حفاظت ظاہری بھی دُنیا کی تمام کتابوں سے بڑھ کر ہے اور خوارق عادت بھی لیکن خدا تعالےٰ جس کی روحانی امور پر نظر ہے ہرگز اس کی ذات کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اتنی حفاظت سے مراد صرف الفاظ اور حروف کا محفوظ رکھنا ہی مراد لیا ہے حالانکہ ذکر کا لفظ بھی صریح گواہی دے رہا ہے کہ قرآن بحیثیت ذکر ہونے کے قیامت تک محفوظ رہے گا اور اس کے حقیقی ذاکر ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اس پر ایک اور آیت بھی بیّن قرینہ ہے اور وہ یہ ہے بل ھو اٰیاتٌ بیّنٰتٌ فی صدور الذین اوتوا العلم۔ یعنی قرآن آیاتِ بیّنات ہیں جو اہلِ علم کے سینوں میں ہیں پس ظاہر ہے کہ اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ مومنوں کو قرآن کریم کا علم اور نیز اس پر عمل عطا کیا گیا اور جبکہ قرآن کی جگہ مومنوں کے سینے ٹھہرے تو پھر یہ آیت کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون بجز اس کے اور کیا معنے رکھتی ہے کہ قرآن سینوں سے محو نہیں کیا جائے گا جس طرح کہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے سینوں سے محو کی گئی اور گو توریت اور انجیل اُن کے ہاتھوں اور ان کے صندوقوں میں تھی لیکن ان کے دلوں سے محو ہو گئی یعنے ان کے دل اس پر قائم نہ رہے اور انہوں نے توریت اور انجیل کو اپنے دلوں میں قائم اور بحال نہ کیا۔ غرض یہ آیت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ کوئی حصّہ تعلیم قرآن کا برباد اور ضائع نہیں ہوگا اور جس طرح روزِ اوّل سے اس کا پودا دلوں میں جمایا گیا یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔"

مندرجہ بالا عبارتوں سے حضرت اقدس کا اصل منشاء

سے واضح ہوتا ہے خواہ وہ اس قسط میں ہوں یا سابقہ اقساط میں ہوں کہ خلفاء اور مجددین سے مراد حضورؑ کی حضرت نبی کریم صلعم کے خلفاء اور آنحضور صلعم کی اُمت میں آنے والے مجددین ہیں جو وحی الٰہی کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی طرف سے قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے اور اُمّت کے لئے ذریعہ ہدایت بنتے رہیں۔ مبلغ ربوہ کی یہ زیادتی ہے کہ اس نے مراد وہ خلفاء لئے جو حضرت مسیح موعود کے سلسلہ میں احمدی جماعت کے افراد منتخب ہوتے رہیں گے۔ اُمید ہے اب جب یہ خاکسار نے حضور کی ان تمام تحریروں سے واضح کر دیا ہے جو حضورؑ کی کتاب "شہادت القرآن" میں مندرج ہیں اور جن کا حوالہ غلط طور پر مبلغ ربوہ نے دیتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضورؑ کی مراد حضرت مسیح موعودؑ کے خلفاء ہیں حضور کی مراد حضرت نبی کریم صلعم کے خلفاء ہیں نہ کہ مسیح موعودؑ کے تو مبلغ ربوہ اپنی غلطی کو واپس لے کر آئندہ اس کا ارتکاب نہیں کریں گے ورنہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے مرتکب ہوں گے۔

والسّلام علےٰ من اتبع الھدیٰ۔

زندگی کے اصل محرکات ــــ بقیہ ص۳

اقدار، عمدہ صفاتِ الٰہیہ سب ہیچ ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہی خود غرضی و نفس پرستی کا نام مادہ پرستی ہے اور یہی وہ دجّالی یا شیطانی فریب ہے جس کا شکار آج کا انسان ہو چکا ہے۔ متوازن انسانی تہذیب کا تقاضہ ہے کہ اعلےٰ مقاصد سے لگاؤ پیدا ہو اور جذباتِ صادقہ کی اُمنگیں بیدار ہوں تا دنیا میں فلاح و اصلاح کے سامان پنپیں۔ حضرت اقدس امام الزمانؑ اپنی نظموں میں بھی ان جذباتِ عالی کا اظہار یوں فرماتے ہیں:—

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی + زخم و مرہم برہ یار تو یکساں کردی

بدہ از چشم خود آبے درختانِ محبت را + مگر روزے دہندت میوہ ہائے پرحلاوت را

چو چشم حق شناس دنورِ عرفانت نہ بخشیدند + نہادی نام کافر لاجرم عشاق ملّت را

نمی باید مرا یک ذرّہ عزت ہائے ایں دنیا + منہ از بہر ما کرسی کہ ماموریم خدمت را

ہمہ خلق وجہاں خواہد برائے نفسِ خود عزت + خلاف من کہ میخواہم براہ یار ذلّت را

فروغِ نورِ عشق او زبام و قصرِ ما روشن
مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را

حضرت سلیمانؑ کے ماتحت جن انسان تھے ــــ بقیہ صفحہ ۷

ان کے علماء اور سردار بیٹھتے۔ ان کے پیچھے پینتیس منبر سونے کے اور ہوتے۔ جو خالی رہا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان جب تشریف لاتے تو پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی کرسی ان تمام چیزوں سمیت گھوم جاتی۔ شیر اپنا داہنا قدم آگے بڑھا دیتا اور گدھ اپنا بایاں پر پھیلا دیتا۔ جب دوسرے درجہ پر قدم رکھتے تو شیر اپنا بایاں ہاتھ پھیلا دیتا اور گدھ اپنا داہنا پر۔ جب آپ تیسرے درجے پر چڑھ آتے اور کرسی پر بیٹھ جاتے۔ تو ایک بڑا گدھ آپ کا تاج لے کر آپ کے سر پر رکھتا۔ پھر کرسی تیزی سے گھومتی۔

حضرت معاویہؓ نے پوچھا آخر اس کی کیا وجہ تھی۔ فرمایا وہ ایک سونے کی لاٹ تھی۔ جو صخر نامی جن نے بنائی تھی۔ اس کے گھومتے ہی نیچے والے مور گدھ وغیرہ اُوپر آجاتے اور سر جھکاتے۔ پروں کو پھڑپھڑاتے جس سے آپ کے جسم پر مشک و عنبر کا چھڑکاؤ ہو جاتا۔ پھر ایک سونے کا کبوتر توراۃ اُٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دیتا۔ جس کی آپ تلاوت فرماتے۔

(تشریح سورۃ صٓ۔ بہ مطابق تفسیر ابنِ کثیر اُردو صفحہ ۶۲ تا ۶۴)

اندریاس فیبر قیصر، سپین
ترجمہ:- ناصر احمد۔ مانچسٹر

حضرت مسیحؑ کی دوسری زندگی

"اور اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ۔ بلکہ ہم خدا کے جھوٹے گواہ ٹھہرے۔ کیونکہ ہم نے خدا کی بابت یہ گواہی دی کہ اس نے مسیح کو جلا دیا حالانکہ نہیں جلایا۔ اگر بالفرض مُردے نہیں جی اُٹھتے۔"

(اکرنتھیون ۱۵: ۱۴، ۱۵)

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ مسیحؑ زخموں کے ٹھیک ہونے کے بعد قبر کو چھوڑتے ہیں اور دشمنوں سے بچ کر دنیا میں کس طرح اپنی زندگی کا ایک نیا دور شروع کرتے ہیں۔ بائیبل بتاتی ہے کہ حضرت مسیح قبر سے نکلنے کے بعد الوہیت کی بجائے انسانی صورت میں حواریوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے قبر کو چھوڑا تو انہیں اس کے منہ پر سے پتھر کو ہٹانا پڑا۔ اس کے بعد وہ اپنے حواریوں سے گلیل کی طرف سفر کیا۔ روٹی اور مچھلی کھائی۔ اپنے جسم پر (صلیب کے) زخموں کو دکھایا۔ اور پھر وہ چپکے سے پلاطوس کے دائرہ اختیار سے نکل کر مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔

سب سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسیحؑ کے آسمان کی طرف اُٹھ جانے کے واقعہ کو لیں۔ اس سلسلہ میں ہم جملہ معلومات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ کیا ایسا وقوع پذیر ہوا اور اس کو کیسے سمجھا جائے۔ اس خیال سے کہ اس موضوع پر جس حد تک ممکن ہو واقعاتی رنگ میں بحث کی جائے میں سب سے پہلے ڈاکٹر ہربرٹ ہگ کی بائیبل کی لغت (سنہ ۱۹۵۱ء) سے رفع مسیح پر مضمون سے اقتباس درج کرتا ہوں:-

"کوہِ زیتون سے یسوع کا زندہ جی اُٹھنے کے چالیس دن کے بعد ظاہری طور پر آسمان کی طرف اُٹھنے کا ذکر لوقا نے رسولوں کے اعمال کے شروع میں کیا ہے اور پھر اس کا خلاصہ اپنی انجیل کے آخر پر دیا ہے۔"

(لوقا ۲۴: ۵۱)

یہ ممکن نہیں کہ اس واقعہ کے متعلق اوائل کی تفصیلات کو بعد کی اختراع کہا جائے جیسا کہ بعض نقادوں نے کہا ہے۔ کیونکہ رسولوں کے اعمال ۱: ۱ تا ۱۱ کے ادبی تانے بانے کو دیکھتے ہوئے یہ بات اس نقطہ نگاہ سے مطابقت کھاتی ہے کہ لوقا نے یہ کتاب ساری کی ساری خود ہی لکھی تھی۔ نہ ہی یہ دلیل پکڑنا ممکن ہے کہ اعمال ۱: ۲ - اور لوقا ۲۴: ۵۱ میں رفع مسیح کا کوئی ذکر ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بعض مغربی مجموعہ کے نسخوں میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود نہیں جس کی وجہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متن میں بعد میں تبدیلی کر دی گئی۔ اس لئے اس واقعہ کے متعلق دونوں تفصیلی بیانات خود لوقا کے اپنے ہیں جو اپنی انجیل کے آخر پر رفع کا مختصر ذکر کرنے کے بعد اعمال کے شروع میں مزید بتاتا ہے کہ جی اُٹھنے اور رفع میں چالیس دن کا وقفہ تھا۔ لوقا کوہ زیتون پر (اعمال ۱: ۱۲ - بیت عنیاہ کے قرب و جوار میں۔ لوقا ۲۴: ۵۰) کے واقعات جس جغرافیائی صحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اس سے یہ واضح طور پر سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس کے لئے یہ ایک خاص تاریخی واقعہ ہے جو اس کے حافظہ میں محفوظ ہے اور وہ اس کو بیان کر رہا ہے۔ مقامی روایات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ واقعہ پہاڑ کے بلند ترین مقام پر ہوا۔ اور پھر یہی جگہ چوتھی صدی عیسوی سے متبرک سمجھی جانے لگی۔

عہد نامہ جدید کی اناجیل کے مصنفوں میں سے لوقا ہی وہ واحد مصنف ہے جو حضرت مسیح کے آسمان کی طرف رفع کو ایک ایسی ظاہرہ باہر صورت میں پیش کرتا ہے جو وقت اور زمانہ کے اعتبار سے سمجھ میں آسکے۔ عہد نامہ جدید کے دیگر مصنفین نے تو صرف اس بات پر اکتفا کیا کہ جی اُٹھنے کے فوری نتیجہ کے طور پر ذی روح مسیح آسمان پر چلے گئے جہاں وہ خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ گئے اور ان کی شان و آسمانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو گئی۔ اور وہاں سے وہ اپنی آمد ثانی کے وقت ضرور واپس آئیں گے۔ آسمان میں ان کا یہ قیام لازمی طور پر حضرت مسیح کے رفع کو لازم کر دیتا ہے اگرچہ اس بات پر مصنفین عموماً خاموشی اختیار کر جاتے ہیں۔ اور جو مصنفین اس کا ذکر خصوصیت سے کرتے ہیں تو وہ زیادہ تر اسے ایک عقیدہ کے طور پر بیان کرتے ہیں نہ ایک واقعہ کے بیان کے طور پر جس کو انہوں نے خود دیکھا ہو۔

لوقا کی غیر معمولی شہادت نے ابتدائی عیسائی روایات پر گہرا اثر چھوڑا جو اس سے پیشتر غیر یقینی اور تذبذب کا شکار تھیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اعمال میں درج واقعہ کی تفصیلات کا پادریوں کو علم کہیں جا کر چودھویں صدی عیسوی میں ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر کچھ تو اس کا بالکل ذکر ہی نہیں کرتے (اور جو اس کا ذکر کرتے بھی ہیں وہ اس کی تاریخ اور نوعیت کے متعلق اتفاق نہیں کرتے۔ دراصل چند ایک ہی ایسے ہیں جنہوں نے رفع کی نوعیت کے متعلق صحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس سلسلہ میں پھر ایسی تفصیلات بیان کرتے ہیں جو تاریخی حقائق کے خلاف ہیں۔ رفع کی تاریخ کے متعلق بہت سی شہادتیں ملتی ہیں لیکن ان میں بھی کئی ایک نمایاں اختلافات موجود ہیں۔ مثلاً لوقا ۲۴: ۵۱ - یوحنا ۲۰: ۱۷ - سینٹ پطرس کی انجیل ۵۶، برنباس ۱۵: ۹ - کوہ طور کے متی کے قلمی نسخہ میں ۱۶: ۴ بن یامین کی شہادت ۹: ۵ - اور وارسطائیڈز کا معذرت نامہ ۱۵: ۲ - اس واقعہ کو عید فسح کے دن ہونا بتاتے ہیں۔ دوسرے اس کو اٹھارہ ماہ بعد کا واقع بتاتے ہیں (مثلاً اسایاہ کا رفع ۹: ۱۶ - ویلنٹائن اور فائیٹس کے نزدیک، ارانیس ۳۱: ۱۶، ۳۰: ۱۴ کی رُو سے) - لیکن صوفیہ پسٹس ۱: ۲ - اور جیو کی کتاب ۴۴ کی رُو سے یہ واقعہ کہیں بارہ سال بعد میں ہوا۔ بعض عیسائی مذہبی مفکرین جسٹن، ترتولین، یوسیبس اور جیروم کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ رفع اسی دن ہوا جس دن حضرت مسیح دوبارہ زندہ ہوئے تھے۔ لیکن کبھی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ تقریباً چودہ دن بعد ہوا۔

واقعہ رفع کی ماہیت اور تاریخ کے متعلق جو اختلاف اوائل کی عیسائی روایات میں پایا جاتا ہے۔ اس کی بنا پر بہت سے ناقدین نے اس واقعہ کو ہی محض ایک افسانہ قرار دیا ہے جس کے ذریعہ تدریجاً مسیحؑ کی آسمان پر شاندار کامیابی کا ایک نیا عقیدہ گھڑ لیا گیا۔ اس نظریہ کی رُو سے پہلے مسیح کی موت پر اسی شاندار کامیابی کو خالصتاً روحانی سمجھا گیا جس کا اثر صرف ان کی رُوح پر ہوا۔ اس لحاظ سے یہ واقعہ ان کی موت کے فوراً بعد ہوا (سینٹ پال کی انجیل ۱۹) لیکن بعد میں بعض ظاہری خامیوں کو دُور کرنے کی غرض سے یہ کوشش تو کی گئی کہ اس (فتح) کو جسمانی قرار دے دیا جائے اور اس میں مسیحؑ کے جسم کو بھی شامل کر لیا جائے اور اس جسم کو اس صورت میں پیش کیا جائے جو ایک ہی وقت میں (روحانی رنگ میں) انسانی ادراک میں آسکے اور عام انسانی جسم کی طرح کھاتا اور پیتا ہوا نظر بھی آئے - اس سے خالی قبر کی افسانوی کہانی وجود میں آئی اور یہ کہ وہی جسم ظاہری شکل میں آسمان کی طرف گیا۔

اس بات سے قطع نظر کہ ایسے نظریات عہد نامہ جدید کی واقعاتی تفصیلات کی تاریخی قدر و قیمت سے انصاف کا حق ادا نہیں کرتے۔ بلکہ ایک لحاظ سے انکی قدر و قیمت کو کم کر دیتے ہیں کیونکہ ان میں حیاتِ جاودانی کے تصور کو اپنایا گیا ہے جو سامی سے زیادہ یونانی طرزِ فکر کے زیادہ قریب ہے۔ احبار اور پھر خود حواریوں کے نزدیک مسیح کی موت پر فتح اپنے جسم پر فتح کے بغیر ناممکن تھی۔ کیونکہ انکے نزدیک موت گناہ کی سزا تھی اور گناہ جسم اور رُوح دونوں پر بُرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ یا یوں سمجھئے جسم کے ذریعے رُوح پر اثر انداز ہوتا ہے۔ حضرت مسیح نے کفارہ کے عمل کے ذریعہ گناہ پر فتح حاصل کی اور اس طرح انہوں نے جسم اور رُوح دونوں کی اصلیت اور سالمیت بحال رکھی۔ بلاشبہ مسیح کے اوائل کے حواری اگر یہ مانتے تھے کہ مسیحؑ نے گناہ اور موت پر قطعی فتح حاصل کر لی تھی تو ان کا یہ ماننا اس رنگ میں ہوگا کہ ان کے جسم کو دوبارہ جی اُٹھ کر اور خدائی جلال میں داخل ہونے کی وجہ سے ایک فتح حاصل ہوئی تھی۔ یہ عقیدہ لازمی طور پر مسیح کے زندہ جی اُٹھنے کے بعد انسانی جسم

جسم کے ساتھ حواریوں پر ظاہر ہونے کے نتیجہ میں وجود میں آیا۔ اس کے علاوہ یہ عقیدہ کہ مسیح کے جسم کو زندہ جی اُٹھنے کے بعد آسمان پر ایک نئی شان نصیب ہوئی۔ رفع مسیح کے عقیدہ کا لازمی نتیجہ تھا اور اس کو ایک رنگ میں تکمیل کو نہیں پہنچاتا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ عہد نامہ جدید اور اوائل کی عیسائی روایات کی غیر یقینی کی وجہ سے ناقدین کے منفی نقطۂ نگاہ کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم روایات میں اختلافات کی وجہ سے اس معمّہ کی طرف زیادہ توجہ دینے اور اس کا گہرا مطالعہ ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں جیسا کہ ظاہر ہے کہ دو واقعات میں ہمیں واضح طور پر فرق کرنا پڑے گا:

(۱) حضرت مسیح کی آسمان میں فرازی اور خدا باپ کے پہلو میں جاکر بیٹھنا۔

(۲) کوہ زیتون سے مسیح کا ظاہری صورت میں رفع۔

(۱) حضرت مسیح کی آسمان پر سرفرازی یا عظمت مذکورہ عقیدہ کا ایک لازمی جزو ہے۔ ان کے جسم کو مسائل ایمانیات کے زمرہ میں شامل کرکے، بہتر اُخروی زندگی کی اُمید، دنیاوی شان کو بڑھانے اور آخر کار ذریعہ نجات بناکر مؤثر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک نئی دنیا کی تعمیر نو کی بنیاد ہے جس کا احیاء جسمانی رنگ میں بھی مسیح کی قربانی کے ذریعہ کیا گیا۔

اس مذکورہ نئی دنیا میں مسیح کا معظم بالشان جسم بطور ایک اساسی خلیہ کے ہے جس کے ذریعہ مسیح کے ماننے والوں اور پھر ساری کائنات کی جسمانی نشوونما ہوئی۔ اس سلسلہ میں کافی نہیں کہ مسیح کا جسم قبر سے فتح نصیب ہوکر نکلا بلکہ اس کو خدائی زمرہ میں شامل ہونا چاہیئے تاکہ وہ ہم سب کو بھی اس کی (برکات) میں شامل کرسکے یہ دنیا ہمیشہ کے لئے ہے اور انسانی تصور کے لئے ناگزیر ہے۔ یعنی اس دُنیا سے پرے جنتی دنیا کا وجود ہے۔ خدائی جلال میں اس طرح پر شمولیت قطعی طور پر ایک مافوق الفطرت تجربہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوقا سمیت عہد نامہ جدید کے مصنفین نے اس کو بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقی تاریخی واقعہ ہے جو ایک خاص وقت وقوع پذیر ہوا ظاہر ہے یہ وقت مسیح کے زندہ جی اُٹھنے کے علاوہ اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

جونہی مسیح کا جسم رُوح القدس کی طاقت کے ذریعہ سے قبر کو چھوڑتا ہے اس کا تعلق بعد الموت (جزم وسزا) کی جلالی دُنیا سے ہوجاتا ہے اور وہ اس میں پُوری تمکنت سے داخل ہوتا ہے۔ عہد نامہ جدید کی اکثر متعلقہ عبارتوں میں مسیح کے زندہ جی اُٹھنے اور ان کے خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھنے کو ایک ہی شاندار کامیابی کی دو ناقابل فصل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یوحنا ۲۰: ۱۷ میں اس قسم کا پیغام مسیح مریم مگدلینی کو دیتے ہیں کہ وہ اب پہلی کی سی حالت میں نہیں ہیں جبکہ وہ ان کو جسمانی طور پر چھو سکتی ہیں اور اسی حالت میں وہ اسے یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ان کے حواریوں کو یہ اطلاع دے کہ ان کا رفع اب بالکل قریب ہے۔ دراصل اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے حواریوں پر ظاہر ہوتے ہیں (یوحنا ۲۰: ۱۹-۲۹) تو یہ ان کے رفع کے بعد ہُوا ہوگا۔ یعنی اپنے خدا باپ سے واپس آنے کے بعد وہ اپنے غیر فانی ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ (مسیح کے) زندہ جی اُٹھنے اور ان کے رفع کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ضرور ہے جس کو کافی حد تک معلمانہ دینی نقطۂ نظر سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ کوہ زیتون پر جسمانی مظاہرہ کسی طرح بھی اس پہلی اور فیصلہ کن فتح کی نفی نہیں کرتا جس کو عید فصح کے دن ہونا ہی تھا۔ دراصل یہ واقعہ جیسا کہ لوقا کے بیان سے ظاہر ہے ایک بالکل ہی مختلف نوعیت کا ہے۔ اور رفع سے متعلق اناجیل میں کیا کچھ ہے مسیح کے جنت میں تزک و احتشام اور عظیم کامرانی کے ساتھ داخلہ کی تفصیلات بیان کرنے کی بجائے بعض یونانی روایات کی طرح انسانوں اور دیوتاؤں کے رفع کو بیان کر دیا گیا ہے۔ لوقا نے صرف مسیح کے آخری رخصت کے واقعہ کو زیادہ صحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لوقا کا واقعہ کے متعلق محتاط اور روایتی بیان یہ تاثر دینے کی کوشش گویا مسیح کے ساتھ روزمرہ کے طریق گفتگو کا وقت جاتا رہا اور تب ان کی دوسری مقررہ آمد ثانی سے پہلے نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں فرشتے اور حواریوں کے الفاظ اور ابل جو بعد الموت عقیدہ جزم وسزا کے روایتی تصور کے مظاہرہ کے علاوہ کچھ نہیں (لوقا ۲۱: ۲۷، مرقس ۱۴: ۶۴ – وحی ۱: ۷ – ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۶ – تھسلنیکیوں کے نام پہلا خط ۴: ۱۷)

اسی طرح چالیس دنوں کو خالص لغوی معنوں میں نہیں بلکہ ایک روایتی انداز بیان کے طور پر لینا چاہیئے۔ شاید لوقا نے ان چالیس دنوں کو وہ دن شمار کیا، جو مسیح نے دعوت وارشاد سے پہلے ریگستان میں گذارے تھے۔ (لوقا ۴: ۲)

لوقا کو جو بات سب سے زیادہ متفکر کئے ہوئے تھی وہ مسیح کا زندہ اُٹھنے کے بعد آخری بار ظاہر ہونا تھا جو اس سے پیشتر کا واقعہ ہے اور اس کی بنا پر یوم خمیس منایا جاتا ہے۔ جب مسیح کے جی اُٹھنے کے پچاس دن کے بعد رُوح القدس کا ظہور ہوا ہے اور زمین پر خدا کی بادشاہت کے عمل کا آغاز ہوگیا ہے۔ کوہِ زیتون کا ذکر صرف لوقا میں آتا ہے۔ اس سے مسیح کی پہلی دفعہ اور یقینی شاندار رفع کی تنقیص نہیں ہوتی جس کو اسی دن ہونا تھا جس دن مسیح زندہ جی اُٹھے تھے بلکہ اس سے اس بات کی تکمیل اور تصدیق ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی روایات اور خاص طور پر مذہبی رسومات اس امر کا عملی ثبوت مہیا کرتی ہیں کہ مسیح کا جسمانی صورت میں ظاہر ہونا موت پر فتح اور ان کے آسمان پر موجود ہونے اور ایک خاص مرتبہ اختیار کرنے کا آخری مظاہرہ تھا جس کی خوشی عید الفصح کے دن منائی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد یوم خمیس کا انتظار ہوتا ہے جس دن افضال کا نزول ہوتا ہے۔

(باقی ـــــ باقی)

اخبار احمدیہ

درس قرآن کے اوقات میں تبدیلی

ـــــ جامع احمدیہ دارالسلام میں اب قرآن کریم کا درس بعد نماز عصر ۵ بجے سے ۵½ بجے تک ہوتا ہے، حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بڑے لطیف، شیریں اور دلنشین پیرایہ میں قرآن کریم کے حقائق و معارف بیان فرماتے ہیں۔ قرب وجوار کے احباب اس تبدیلی وقت کو نوٹ فرمائیں۔

درخواست دُعا

ـــــ جناب عثمان سیڈو صاحب کیپ ٹاؤن تازہ خط میں رقمطراز ہیں کہ داؤد سیڈو صاحب کی صحت ابھی تک اس قابل نہیں ہوئی کہ وہ تبلیغی جدوجہد خاص طور پر رسالہ "میڈی ایٹر" کے انتظامی امور میں سرگرم حصہ لے سکیں تاہم ان کی معلومات اور قابلیت سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ احباب اس قیمتی وجود کو اپنی نیم شبی دعاؤں میں یاد رکھیں، اللہ تعالےٰ انہیں مکمل صحت عطا فرمائے۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مؤرخہ ۹ رمئی ۱۹۶۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۱۹

بشیر احمد شوز صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

"میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

مسیح موعود نمبر

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

مدیر
عزازی
جلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

لاہور
پاکستان

رجسٹرڈ ایل نمبر: ۳۸

تار کا پتہ
تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
پاک و ہندسے: پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کردے گا" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ | یوم چہار شنبہ ۱۸/۲۵ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۶/۲۳ مئی ۱۹۷۹ء | نمبر ۲۰-۲۱

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہمان مردم ❊ کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دے گا" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

شبیہہ مبارک حضرت مجدد صد چہاردھم مسیح موعود علیہ السلام

والله کہ ہمچو کشتیٔ نوحم ز کردگار ❊ بے دولت آنکہ دور بماند ز لنگرم

مجدّدِ وقت حضرت مسیح موعود میرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا

عظیم الشّان کارنامہ

قرآن ہی ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے جس کے ذریعہ سے مشرق و مغرب میں بیداری کی لہر پیدا ہو چکی ہے۔

از افادات حضرت امیر مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

آج مسلمان کا قدم پھر آگے بڑھنا شروع ہوا ہے تو اس لئے ہوا ہے کہ آج ان کی توجہ پھر اس طرف ہوئی ہے کہ قرآن کریم کو مقدّم کیا جائے۔ یہ پیغام اس زمانہ میں سب سے پہلے اس صدی کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے دیا۔ آج سے ساٹھ سال (اور اب ۷۸ سال۔ ناقل) پہلے جب آپ یہ پیغام لے کر اُٹھے۔ کہ قرآن پاک سب پر مقدم ہے۔ تو مسلمان عام طور پر اس خیال کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور ان کے خیال کی بنیاد یہ تھی کہ قرآن اور حدیث کو ہمارے بزرگ ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس لئے جو کچھ انہوں نے قرآن اور حدیث کا مطلب سمجھا۔ ہم اس سے انحراف نہیں کر سکتے۔ ان کی توجہ اس طرف نہ گئی۔ کہ قرآن پاک ایک نُور ہے اور یہ ہر زمانہ کے لوگوں کو ایک نئی روشنی دیتا ہے۔

اس صدی کے مجدّد کا اگر کوئی اور کارنامہ نہ بھی ہوتا تو یہی انقلاب کوئی چھوٹا انقلاب نہیں جو آپ کی بدولت اس ملک میں پیدا ہو چکا ہے کہ مقدم فقہ نہیں بلکہ قرآن ہے۔ اور وہ حدیث پر بھی مقدم ہے۔ اور آہستہ آہستہ یہی خیال دوسرے ممالک میں بھی پھیل رہا ہے اور کامیابی کا خیال اس سے ظاہر ہے کہ آج مملکت خداداد پاکستان کے آئین کی بنیاد جب رکھی جاتی ہے تو اس میں قرآن کو ہی سب پر مقدم کیا جاتا ہے۔ ورنہ ہمارے اس ملک میں کیا مسلمان اور کیا ہمارے غیر مسلم حکام فقہ کو ہی اصل بنیادِ دین اسلام سمجھتے تھے۔

قرآنِ پاک کو علومِ جدیدہ کی روشنی میں پڑھا جائے

آج ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کو اس زمانہ کے واقعات اور اس زمانہ کے علوم کی روشنی میں پڑھا جائے اور اپنی مشکلات میں ہم قرآن پاک سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس وقت اس ملک میں مسلمان ایک عجیب کشمکش میں ہیں۔ بنیادی طور پر تو یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ ہمارے آئین کی بنیاد قرآن شریف اور اس کے بعد سنت نبوی پر ہے۔ مگر اس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے وہ لوگ بیکار ہیں جو قرآن کو ان واقعات اور علوم کی روشنی میں پڑھیں اور اس سرچشمہ سے سیراب ہوں۔

مگر ہمارے علماء اور ان کے تتبع میں عوام الناس کے ذہن میں جو تفصیلات ہیں وہ وہی ہیں جو آج سے صدیوں پیشتر کی فقہ پر مبنی ہیں۔ اور اگر واقعی اسی فقہ کو اصل قانون ٹھہرایا جائے تو یہ عمارت اس بنیاد پر نہ ہو گی جو آئین بناتے وقت رکھی گئی ہے۔

قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے

قرآن کریم جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے وہ کتاب ہے جس نے دنیا میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا جس کی دوسری نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ مگر اس سے بڑھ کر اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ آج بھی دنیا میں وہی انقلاب پیدا کر سکتی ہے جو اس نے پہلے پیدا کر دکھایا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو قوم اوج پر پہنچ کر گر جائے وہ دوبارہ نہیں اُٹھتی۔ وہ واقعات کو جھٹلا رہے ہیں۔ مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمان قوموں میں احساس بیداری پیدا ہو رہا ہے۔ انڈونیشیا اور چین سے لے کر مغرب کی طرف مراکش تک چلے جاؤ ہر مسلمان قوم کے اندر ایک نئی زندگی کی لہر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور بیداری اور زندگی کسی مادی خیال پر مبنی نہیں۔ بلکہ اس زبردست رُوحانی خیال پر مبنی ہے کہ **قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے** اور وہ امن اور صلح کے لئے بغیر تہذیب انسانی اب زندہ نہیں رہ سکتی۔ صرف پیغامِ قرآن ہی دنیا میں قائم کر سکتا ہے۔

ہر ملک کے مسلمانوں کی زبان سے آج یہی الفاظ مختلف رنگوں میں عالمِ اسلامی میں دوہرائے گئے ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ آج واقعات کو گہری نگاہ سے دیکھنے والے غیر مسلم بھی قرآن کی عظمت کے سامنے سر جھکا رہے ہیں۔ یہ ایک ہوا ہے جو خُدا کی طرف سے چل رہی ہے اور اس کا مقابلہ دُنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم کو کس طرح پڑھا جائے

اگر ہم قرآن سے زندگی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے ذریعہ اپنے اندر بھی ایک انقلاب پیدا کریں۔ اس کو اس طرح پڑھیں جو اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ ثواب کی خاطر سب مسلمان قرآن کو پڑھتے ہیں۔ مگر آپ لوگ اس سے قوت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو پڑھیں۔ اور انسان کے اندر قوت پیدا کرنے والی چیز اللہ تعالےٰ کی ہستی پر ایمان ہے۔ جو قرآن کریم کے ایک ایک جُملہ اور ایک ایک لفظ میں بکھرا ہوا ہے۔

تنہائی میں قرآن پاک کا ایک حصّہ ضرور پڑھیں اور اس طرح پڑھیں گویا آپ اللہ تعالےٰ کے دربار میں حاضر ہو کہ اس کے ارشادات سُن رہے ہیں۔ گویا قرآن پاک آپ کے قلب پر اتر رہا ہے۔

جب تک آپ کے دل پر نہ اُترے آپ کے دِل میں داخل بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک خود آپ کے دل اس کے نُور سے روشن نہ ہوں آپ اس کی روشنی کو دنیا میں پھیلا نہیں سکتے۔

قرآن کریم کی روشنی دنیا میں پھیل کر رہیگی

اس کی روشنی تو دنیا میں پھیل کر رہے گی کیونکہ خُدا تعالےٰ کا وعدہ ہے۔ مگر خوش قسمت وہ لوگ ہوں گے جن کے ذریعہ سے یہ نورُ ساری دنیا میں پھیلے گا۔ اس لئے آپ کوشش کریں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو ان لوگوں میں سے بنالے۔ یہی وہ دعا ہے جو روز کی نماز میں ہمیں سکھائی گئی ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مورخہ ۱۶-۲۳ مئی ۱۹۷۹ء

سمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار

ادارہ پیغام صلح ایک بار پھر اپنے قارئین کرام کی خدمت میں "مسیح موعود نمبر" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اور اُمید کرتا ہے کہ وہ اپنے قارئین کی اس بارے میں توقعات پر انشاء اللہ تعالےٰ پورا اُترے گا۔ جو مضامین اور نظمیں ہم نے اس دفعہ اس میں شامل کی ہیں ہمیں یقین ہے کہ وہ دلوں کو نورِ یقین و ایمان سے روشن کرنے کا باعث ہوں گی۔ اور ہمارے قلوب میں ایک بار پھر یہ اعتماد پیدا ہوگا کہ ہم نے آسمان اور زمین کی اس آواز پر کہ "امام کامگار" جس کا دنیا کو انتظار تھا آچکا ہے لبیک کہتے ہوئے جس امامِ وقت کا دامن پکڑا وہ یقیناً وہی تھا جس کی آمد کی خوشخبری آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے دی گئی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ میری امت میں سے میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا اور اسے میرا سلام کہنا۔ ہمارے دلوں میں یہ یقین اور اعتماد پیدا کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے اور یہ سب سے بڑی وجہ ہے کہ چودھویں صدی کو ختم ہونے میں اب صرف چند ماہ ہی باقی ہیں لیکن دُنیا کے کسی کونے سے یہ آواز کسی اور انسان کی طرف سے نہیں اُٹھی کہ میں چودھویں صدی کا مجدد اور امام ہوں اور میں ہی وہ مسیح اور مہدی ہوں جس کا بار بار ذکر زبانِ نبوی سے ہوتا رہا ہے اور جس کی آمد کی نشانیاں احادیث کے مجموعوں میں مذکور ہیں اور جو سب کی سب میری تائید میں پوری ہو چکی ہیں۔ اگر کوئی ہے تو وہ صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی ہیں جنہوں نے ڈنکے کی چوٹ یہ فرمایا کہ میں ہی اس صدی کا مجدد اور مسیح ہوں:—

منم مسیح بہانگِ بلند مے گویم + منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم + کہ او مجددِ ایں دین و رہنما باشد

مجھے آسمان سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی مرد ہوں جو اس دین (اسلام) کا مجدد اور رہنما ہوگا اور میں باآواز بلند یہ پکار پکار کر کہتا ہوں کہ میں مسیح وقت اور اس بادشاہ کا جانشین ہوں جو آسمان پر ہے۔

ہمارے مخالفین ہم سے پوچھتے ہیں اور شاید پوچھتے رہیں گے کہ حضرت مرزا صاحب نے کیا تجدیدِ دین کی اور کونسی مسیحائی کی کہ ہم انہیں ان کے ان دعاوی میں سچا مانیں۔ اگر ہم یہ نہ کر سکے تو یہ محض ایک دعویٰ ہوگا جس کی کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے ہم معترضین کو مطمئن نہ کر سکیں گے۔ اس کا جواب ہمیں مذہب کی تاریخ کی روشنی میں دینا ہوگا۔ اور ماموریِن الٰہی کی بعثت کی غرض و غایت متعین کرنا ہوگی۔

مذاہبِ عالم کی تاریخ کے سرسری مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے رسول اور انبیاء ایسے وقت میں تشریف لاتے جب اس دَور کا معاشرہ ایسی پستی میں گر چکا ہوتا کہ اس سے اُبھرنے کی بظاہر کوئی اُمید نظر نہیں آتی تھی۔ اس کا تعلق خدا سے کٹ چکا ہوتا اور دنیا کے عیش و طرب سے لطف اندوز ہونے اور اسی کو مقصدِ حیات سمجھنے کے سوا اس کے سامنے اور کوئی نصب العین نہ ہوتا۔ اللہ تعالےٰ کے یہ فرستادے اسے تباہی اور بربادی سے بچانے کے لئے اس عیش پسندی کے خطرناک انجام سے اپنی اپنی قوم کو ڈراتے اور اللہ تعالےٰ سے اس کا تعلق قائم کرنے کے لئے مختلف ذرائع اور وسائل سے کام لیتے کیونکہ اسی تعلق میں انسان کی ابدی اور لازوال زندگی کا راز مضمر ہے۔ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ انسانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت۔ حکومت اور اقتدار قائم کرنے کے لئے تشریف لاتے تھے نہ کہ دنیوی حکومت اور اقتدار قائم کرنے کے لئے۔ کیونکہ جب دلوں میں اللہ تعالےٰ پر زندہ ایمان پیدا ہو جائے تو اس سے اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی اور قربانی کی رُوح پیدا ہوتی ہے اور اس کے برعکس دنیوی حکومت اور اقتدار کی خواہش سے دلوں میں ایک دوسرے سے نفرت۔ حسد۔ دشمنی اور عداوت کے جذبات پیدا ہوتے اور قوم میں افتراق و انتشار کو راہ ملتی ہے جس سے اخوت و اتحاد پارہ پارہ ہو کر اس کو انحطاط اور تنزل کا شکار بنا دیتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ کسی دوسری قوم کی غلامی کا جُوا اپنی گردن میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

بدقسمتی سے آج بھی بعض "مفکرین اسلام" اسی نظریہ کی تبلیغ و اشاعت میں شب و روز مصروف ہیں کہ آنحضرت صلعم کی اس دنیا میں تشریف آوری کا واحد مقصد اپنی حکومت قائم کرنا تھا اور آج بھی جب تک مسلمانوں کو دنیوی حکومت اور اقتدار حاصل نہیں ہوتا اسلام غالب نہیں آسکتا۔ یہ قرآن کریم کے بیان کردہ فلسفہ کے قطعاً خلاف ہے۔

آپؐ کی تیرہ سالہ مکی زندگی اس پر گواہ ہے کہ آپ نے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ پر زندہ ایمان پیدا کرنے کے لئے ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں حتیٰ کہ اس کی خاطر آپؐ کو اپنا وطنِ عزیز بادلِ ناخواستہ محض اللہ تعالےٰ کے حکم سے چھوڑنا پڑا۔ حکومت اور دولت تو آپ کو اس عالم میں بھی مل رہی تھی اگر یہی مقصد ہوتا تو اتنی ایذائیں۔ دُکھ اور تکالیف اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی اور شدید ابتلاؤں اور آزمائشوں میں سے گذرنے کا کیا مقصد تھا۔ حکومت اور اقتدار تو دُنیا کی حیاتِ مستعار سے تعلق رکھتے ہیں اور قرآن کریم فرماتا ہے "وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور" (آل عمران۔ ۱۸۵) کہ دُنیا کی زندگی تو نرا دھوکا ہے۔ تو کیا انبیاء علیہم السلام نسل انسانی کو نعوذ باللہ اس دھوکے میں مبتلا کرنے کے لئے تشریف لاتے رہے اور ان کے ذریعے اللہ تعالےٰ بھی اس کو دھوکا ہی دیتا رہا۔ اگر حکومت ہی ایک ایسا ذریعہ ہوتی جس سے اللہ تعالےٰ سے تعلق قائم کیا جا سکتا تو پاکستانی معاشرہ کی یہ صورتِ حالات کبھی نہ ہوتی جسے دیکھ کر غیر ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں اور ہمیں شرم سے منہ چھپانے کو جگہ نہیں ملتی:—

؎ کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو
کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

حضرت موسیٰؑ نے اپنی غلام قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے خلاف جنگ کر کے آزاد نہیں کیا تھا اور نہ مصر میں اپنی حکومت قائم کر کے ان کی اصلاح کی بلکہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے مصر کو الوداع کہا اور صحرائے سینا میں اپنی قوم کو لے آئے۔ جہاں انہیں بھوک اور پیاس کا سامنا ہوا اور یہیں سینا میں اُنہیں اللہ تعالےٰ کا یہ پیغام سنایا کہ شرک سے بچنا۔ خون۔ زنا اور چوری نہ کرنا۔ اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ نہ اس کی بیوی اور اس کے مال و متاع کا لالچ کرنا۔ ماں باپ کی عزت کرنا۔ سبت کا احترام کرنا یعنی اس دن اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنا وغیرہ۔ یہی وہ باتیں ہیں جو قوم میں اخلاق و کردار پیدا کرتی اور خدا سے تعلق کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جب تک اس قوم کا اس پر عمل رہا اس میں روحانی سلسلہ بھی قائم رہا اور حکومت بھی ملی۔ اور تمام جہانوں پر فضیلت بھی لیکن جونہی اس کا چلن بگڑا تو وہ موردِ غضبِ الٰہی ہو گئی۔ اس سے سب کچھ چھن گیا۔

حضرت عیسیٰؑ اس وقت تشریف لائے جب بنی اسرائیل رومن گورنمنٹ کے تحت غلامی کی زندگی گذار رہے تھے۔ اور اس انتظار میں تھے کہ مسیح آکر ہمارا تمام مصائب کا خاتمہ کر دے گا۔ وہ ہمیں دنیوی حکومت واپس دلائے گا ہماری شان و شوکت رفتہ کو دوبارہ دنیا میں قائم کر دے گا۔ لیکن جب حضرت مسیح تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ میں تو خدا کی بادشاہت دُنیا میں

ائم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہودیوں نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ رومن رنمنٹ سے مل کر سازش کے ذریعے صلیب پر لٹکا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس م کو ہمیشہ کے لئے روحانیت سے محروم کر کے یہ سلسلہ بنی اسمٰعیل میں جاری ۔دیا۔ بنی اسرائیل کی اُن ناشکریوں اور سرکشیوں کی وجہ سے تباہی کا ذکر خود حضرت مسیح کی زبان سے ان الفاظ میں ہوا ہے:۔

"پھر جب تم یروشلم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے .... ملک میں بڑی مصیبت اور اس قوم پر غضب ہوگا اور وہ تلوار کا لقمہ ہو جائیں گے اور اسیر ہو کر سب قوموں میں پہنچائے جائیں گے اور جب تک غیر قوموں کی میعاد پوری نہ ہو یروشلم غیر قوموں سے پامال ہوتا رہے گا۔" (لوقا باب ۲۱۔ آیات ۲۰ تا ۲۴)

حضرت مسیح کی وفات کے ستر سال بعد طیطوس رومی کے ہاتھوں یہ عبرتناک تباہی بنی اسرائیل پر نازل ہوئی۔ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

حضرت مسیح نے رومن حکومت کے خلاف کوئی تلوار نہ اٹھائی بلکہ بنی اسرائیل اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر وہ اخلاقی اور روحانی صفات پیدا کرنے کو کہا جن کی وجہ سے انہیں اس سے قبل یہ حاصل ہوا اور عزت ملی۔ لیکن چونکہ روحانی حکومت کے بجائے انہیں دنیا کی حکومت اور اقتدار مطلوب تھا اور جس کے نہ ملنے سے وہ مایوس ہوئے اس لئے آپ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے صلیب پر چڑھا دیا اور اس سے اپنی تباہی اور بربادی کو دعوت دی:۔

"اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔" (البقرہ ۔ ۶۱)

اللہ کی باتوں کا انکار اس تعلیم کا انکار ہے جو مامور من اللہ انسانوں میں اخلاقی اور روحانی اقدار پیدا کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے لاتے ہیں۔ اور چونکہ وہ مخاطب قوم کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتی اس لئے وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتی اور ایسی تعلیم لانے والے کے درپے آزار ہوتی ہے۔ جس کا آخری نتیجہ اللہ تعالیٰ کا غضب۔ ذلت اور محتاجی ہوتی ہے۔

جس وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ قادیانی بھی ایسے ہی حالات میں تشریف لائے جیسے حالات میں مسیح موسوی تشریف لائے تھے۔ بنی اسرائیل اس وقت رومن گورنمنٹ کے غلام اور رعیت تھے اور اس وقت مسلمان انگریزوں کے غلام اور رعیت تھے۔ بنی اسرائیل بھی یہی آس لگائے بیٹھے تھے کہ آنے والا مسیح ہمیں حکومت واپس دلائے گا اور تمام مخالفین اسلام کو قتل کر دے گا اور روئے زمین پر مسلمان حکمران ہوں گے۔

یہودیوں کی جو اخلاقی حالت حضرت مسیح کے زمانہ میں تھی ویسی ہی اخلاقی حالت مسلمانوں کی اس زمانہ میں تھی۔ اگر یہ حالت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان سے حکومت کبھی نہ چھینتا کیونکہ:۔

"اللہ کبھی کسی نعمت کو نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم پر کی ہو جب تک وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں اور کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

مسلمانوں کے اس دور میں اخلاقی انحطاط کا ذکر اکثر نظم و نثر کی کتابوں میں ملتا ہے۔ حالی مرحوم نے اپنی مسدس حالی میں اس کا نقشہ بڑے دردناک الفاظ میں کھینچا ہے اور جو مایوسی مسلمانوں میں اس وقت پائی جاتی تھی اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

پوسیدہ گھر اب گرا کہ گرا ہے + ستون مرکز ثقل سے ہٹ چکا ہے

گھر بوسیدہ تب ہی ہوتا ہے جب اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ طوفان باد و باراں سے اس کے در و دیوار کھوکھلے ہو چکے ہوں اور اس کے دروازوں اور کھڑکیوں کو دیمک چاٹ گئی ہو۔ اور جب ستون بھی ٹیڑھے ہو جائیں تو اس کے زمین بوس ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ ستون کے مرکز ثقل سے ہٹنے کی ترکیب بڑی لطیف اور پُر معنی ہے وہ علماء جو اپنے آپ کو اسلام کا ستون سمجھتے تھے وہ بھی قرآنی تعلیم سے بہت دُور جا پڑے تھے اس لئے مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والا۔ ان میں اعتماد اور یقین پیدا کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ایک حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں ملتا ہے کہ اُمت مسلمہ پر ایک سخت مصیبت اور گھبراہٹ کا زمانہ آئے گا۔ عوام الناس اپنے مسائل کے حل کے لئے اپنے علماء کی طرف رجوع کریں گے لیکن ان کی اپنی روحانی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہوگی کہ وہ ان سے مایوس لوٹیں گے۔ یہی مرکز ثقل سے ہٹ جانے کا مطلب ہے۔

عین اس نا اُمیدی اور مایوسی کے عالم میں جب برصغیر کے مسلمان ۱۸۵۷ء سے مشکلات اور مصائب سے بڑی شدت سے دوچار تھے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ان کے ان امراض کے لئے مسیحا بن کر تشریف لائے جنہوں نے جسدِ اُمت کو نیم مردہ کر رکھا تھا اور جس میں زندگی کی نئی روح پھونکنے کے لئے وہی طریقہ علاج موثر ہو سکتا تھا جو اس سے قبل مردہ قوموں کو زندہ کرنے کیلئے صدیوں سے استعمال ہوتا چلا آ رہا تھا یعنی خدا کی توحید پر زندہ ایمان۔ یہ زندہ ایمان اسی وقت پیدا ہو سکتا تھا جب دلوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ خدا ہمیشہ کیلئے زندہ ہے اور اس کی زندگی کا یہ ثبوت ہے کہ وہ اپنے منتخب بندوں پر غیب کو ظاہر کرتا اور ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے الہام پر بہت زور دیا کیونکہ خدا کی ہستی پر سے ایمان اُٹھ چکا تھا اور دہریت کی آندھی بڑی تند و تیز چل رہی تھی۔ یہ دلگداز نظارہ دیکھ کر آپ کے دل میں جو درد اُٹھا اس کا اظہار آپ اپنے فارسی کلام میں اس طرح کرتے ہیں:۔

بیکسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست + ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست

خونِ دیں بینم رواں چوں کشتگانِ کربلا + اے عجب ایں مرد ماں را ہیچ آں دلدار نیست

(برکات الدعا صفحہ ۳۲)

پھر فرماتے ہیں:۔

میسزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں + بر پریشاں حالئے اسلام و قحط المسلمین

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید + دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

(فتح اسلام صفحہ ۵۷۔ درثمین صفحہ ۲۱۸)

ایسے مایوس کن حالات میں یہ کوئی باور نہیں کر سکتا تھا کہ اسلام پھر زندہ ہوگا اور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو کر تاریک دلوں کو منور کرے گا اور مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن قادیان سے یہ آواز بلند ہوئی:۔

"یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ روحانی تلوار کا ہے جیسا کہ کسی وقت وہ اپنی طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا............ اس کشتی کا ناخدا خداوند تعالیٰ ہے .... وہ ہمیشہ اس کو طوفان اور بادِ مخالف سے بچاتا رہے گا جیسا کہ فرماتا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔" (آئینہ کمالات اسلام)

جس دور میں یہ خوشخبری سنائی جاتی اور اعلان کیا جاتا ہے اس دور میں تمام مسلمان سلطنتیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر غیر قوموں کے ہاتھوں میں جا چکی ہوتی ہیں اور ان میں بزور بازو انہیں واپس لینے کے تمام آثار مفقود ہوتے ہیں مگر ایک روحانی قوت ہی تھی جو انہیں واپس دلا سکتی تھی۔ اسی قوت کی طرف حضرت مرزا صاحب نے دعوت دی کیونکہ اس کے سامنے بڑی سے بڑی مادی قوت بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ یہ ایک مجذوب کی بڑ نہیں تھی بلکہ ابتدائے آفرینش

سے ایک تجربہ شدہ امر تھا۔ مگر جنہیں سننا چاہیئے تھا انہوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور استعمار کے جال میں پھنس کر اس دعوت کی مخالفت شروع کر دی۔ اور اسی طرح اس کا انکار کر دیا جس طرح حضرت مسیحؑ کا اپنے وقت میں انکار ہوا۔ مسیح کا تو کچھ نہ بگڑا اگر کوئی نقصان ہوا تو انکار کرنیوالوں کا۔

یہ جدید نظریہ کہ اسلام مادی قوت۔ حکومت اور اقتدار کا مرہون منت ہے سراسر غلط۔ قطعاً بے بنیاد اور خلافِ حقیقت ہے۔ اس کے برخلاف "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" فرمایا گیا ہے۔ زمین کے وارث اللہ تعالےٰ کے صالح بندے ہوتے ہیں۔ زمین کا وارث ہونے کے لئے پہلی شرط صالح ہونا ہے۔ زیر زمین سازشوں۔ منصوبہ بازیوں۔ خفیہ کاروائیوں اور طرح طرح کے ہتھیاروں سے مسلح ہونے سے اپنی قوم کا خون بہایا جائے کوئی زمین کا وارث نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الانعام میں حضرت ذکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت الیاس کا ذکر کرتے ہوئے ان کو "الصالحین" فرمایا ہے حالانکہ ان میں کوئی دُنیوی اقتدار کا مالک نہیں تھا لیکن وہ اقلیم رُوحانیت کے بادشاہ ضرور تھے اسی طرح سورۃ الانبیاء میں حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت ادریسؑ۔ اور حضرت ذاالکفل کے ذکر کے بعد فرمایا ہے "کلٌّ من الصابرین"۔ ان میں سے کوئی بھی زمینی اقتدار کا مالک نہ تھا۔ اس سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ ماموریں الٰہی دُنیا میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے نہیں اللہ کی حکومت قائم کرنے کیلئے تشریف لاتے ہیں۔ اللہ کی حکومت دلوں پر قائم کی جاتی ہے نہ کہ جسموں پر۔ اور دل ایسی حکومت کو اسی وقت قبول کرتے ہیں۔ جب ان میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ موجود ہے اور وہ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ان سے ہمکلام ہوتا اور انہیں غیب کی باتیں بتاتا ہے جن کا علم سوائے خدا کے کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ اسے وہ خود تجربہ کر کے معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ تجربہ ان ہدایات کے ماتحت ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ کے مامور پیش کرتے ہیں اور خود ان پر عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ اگر یہ حالت پیدا ہو جائے تو دنیا کا اقتدار خود بخود قدموں میں آگرتا ہے۔ مخالف قوتوں کے سامنے شمشیر وسناں اُٹھانے کی قوت بھی اسی سے ملتی ہے لیکن جب طاؤس و رباب کے سحر آگیں نغمے دل و دماغ کو مدہوش کر دیں تو سپین۔ بغداد۔ یروشلم۔ اور ۱۸۵۷ء کے واقعات دہرائے جاتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے اپنے الہامات۔ کشوف۔ رویاء۔ پیشگوئیوں اور قبولیت دُعا کے نشانات کے ذریعے اللہ تعالےٰ کی زندہ ہستی کا ثبوت پیش کر کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کے دلوں میں اسلام کی صداقت کا سکہ بٹھا دیا۔ اور ایک ایسی جماعت تیار کی جو اسلامی اخوت جذبہ ایثار و قربانی کا نمونہ بن گئی۔ اس چھوٹی سی جماعت نے "دین کو دُنیا پر مقدم" کر کے اپنے نفس کے اژدھا کو ایمان کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس جماعت کے تقوے اور ایمان و دیانت کی بے شمار مثالیں آپ کی زندگی میں ملتی ہیں اور اس کا ایک ہلکا سا نمونہ آپ کے بعد کے دَور میں بھی ملتا ہے۔

اسلام کو زندہ اور سچا مذہب اور آنحضرت صلعم کو ایک زندہ رسُول ثابت کرنے کے لئے مخالفینِ اسلام کو چیلنج پہ چیلنج دیا کہ وہ میدان میں آکر اپنے مذہب کی صداقت کے نشان دکھلائیں لیکن :— ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند + ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اس میدان میں جس نے بھی آنے کی جرأت کی اس نے ایسی منہ کی کھائی کہ پھر منہ کھولنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ لیکھرام اور ڈوئی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ ۸ ستمبر ۱۹۷۴ء سے آج تک جو نشانات دیکھنے میں آئے ہیں اور آیندہ آنے والے ہیں وہ اس بات کی بیّن دلیل ہیں کہ ماموریں الٰہی کے منہ سے نکلی ہوئی خدا کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں اور جو ان کی اہانت کا ارادہ کرتا ہے اسے ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی مرضی کے مطابق کسی مامور کی قائم کی ہوئی جماعت کی مثال حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی مثال ہوتی ہے۔ اس اونٹنی پر ہاتھ اُٹھانے والوں کو اللہ تعالےٰ کی گرفت سے نڈر نہیں ہونا چاہیئے۔

آپ نے مسلمانوں کے تمام فرقوں کو اپنے اختلافات مٹا کر مشترکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لئے بار بار بڑے درد مندانہ الفاظ میں اپیل کی لیکن اس وقت جوش مخالفت میں کسی نے اس پر کان نہ دھرا مگر آج چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہیں کہ فرقہ واریت ملک اور قوم کے لئے تباہی کا موجب ہوگی اس لئے اپنے ملک کی سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات کے پیش نظر ہمیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جانا چاہیئے جس کی بظاہر کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔ آج سے ۹۰ سال پیشتر مامورِ وقت کی اس آواز کو لبیک کہا جاتا تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم کی تقدیر بدل جاتی اور آج وہ اس مقام پر ہوتے جس پر آج ترقی یافتہ ممالک ہیں۔ دشمن کی آنکھ کسی مسلمان ملک پر اُٹھنے سے پہلے ہی پھوٹ جاتی۔

جمہوریت کی دعویدار کسی سیاسی جماعت کو جمہوریت کا سبق سیکھنا ہو تو وہ بھی حضرت مرزا صاحب سے سیکھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں ایک انجمن قائم کی اور سوائے بعض مذہبی امور میں مشورہ کے جو صرف آپ کی زندگی تک محدود رہے باقی تمام امورِ انتظام و انصرام اس انجمن کے حوالے کر دیئے اور ساتھ ہی فرما دیا کہ میرے بعد انجمن جو فیصلہ کثرت رائے سے کرے گی وہی درست ہوگا۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور آپ کی مقرر کردہ انجمن کی نمائندہ انجمن ہے۔ اور مکمل طور پر جمہوری ادارہ ہے۔ اس کے دو حصے ہیں ایک جنرل کونسل جسے مجلسِ معتمدین کہا جاتا ہے اور جس کے اراکین کا انتخاب ہر تین سال بعد ہوتا ہے۔ یہ جنرل کونسل ایک مجلس منتظمہ اپنے میں سے انتخاب مقرر کرتی ہے جو مجلسِ معتمدین کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے اور جماعت کے روزانہ کے امور سرانجام دیتی ہے۔ فیصلے دونوں مجلسوں میں کبھی بالاتفاق اور کبھی کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ آج ۳۲ سال سے ملک کی سیاسی جماعتیں اپنے انتخابات نہیں کرا سکیں کہ کہیں اقتدار دوسرے ہاتھوں میں نہ چلا جائے۔ خود مسلم لیگ جو اپنے آپ کو خالق پاکستان کہتی ہے کتنے دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ قومی اتحاد سے ایک جماعت اس لئے الگ ہوئی کہ کثرت رائے سے جماعت کا صدر اور سیکرٹری کیوں منتخب کئے گئے۔ یہ اسی لئے ہے کہ وہاں دنیا کو دین پر مقدم رکھا جاتا ہے جو باعث انتشار اور افتراق ہے۔ جو جماعت بھی خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی دین کو چھوڑ کر دُنیا کو گلے لگائے گی اور اپنے فیصلے خدا کو سامنے رکھ کر نہیں کرے گی وہ اسی حالت کا شکار ہوگی۔ اور یہ اسکے لئے خسران و تباہی کا باعث ہوگا۔

حضرت مرزا صاحب نے احادیث میں دجّال اور یاجوج ماجوج کے متعلق پیشگوئیوں کی تشریح کر کے اسلام کے سب سے بڑے دشمن کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ یہ وہی قومیں ہیں جو مسیح کو خدا کا بیٹا مانتی ہیں اور کفارہ پر یقین رکھتی ہیں۔ یہ مسیح کو آسمان پر زندہ مانتی اور اسکے واپس آنے کی منتظر ہیں۔ قرآن کریم مسیح کی وفات کا قائل ہے۔ اس لئے مسیح کو مرنے دو کیونکہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔ لیکن اس کا بھی انکار کیا گیا۔ آج دل یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب درست تھے کیونکہ آج کوئی نشانی ایسی نہیں رہ گئی جو اقوامِ مغرب کو یاجوج ماجوج ثابت نہ کرتی ہو۔ اس کو قبول کرتے ہوئے علامہ اقبال نے بھی یہ کہا تھا کہ :— ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام

چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ینسلون

زبانوں سے بھی آج یہی الفاظ اکثر سننے میں آتے ہیں کہ یہی قومیں دجّال ہیں مگر یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کس نے بتایا۔ آنحضرت صلعم تو یہ فرمائیں کہ دجّال کی نشاندہی کرنے والا میری اُمت میں سے میرے سب سے قریب ہوگا لیکن آپ کی اُمت کو یہ تسلیم کرنا منظور نہیں کیونکہ اُمت کے نزدیک دنیا ہی دنیا سب کچھ ہے دین کی کوئی حقیقت نہیں۔ اسلام دُنیوی اقتدار حاصل کرنے اور قائم کرنے کا نام ہے خدا کی رضا کی تلاش کا نام نہیں۔ ہم حضرت مرزا صاحب کے مثیلِ مسیح اور مجدد صد چہاردہم ہونے پر ہزاروں دلائل دے سکتے ہیں لیکن اس مضمون کے طویل ہو جانے کے خوف سے یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ :—

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے

جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا

حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب

خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

مادی و رُوحانی، نظریاتی عالمگیر انقلابات کا آخری زمانہ

جُملہ مفسّرین مُتفق ہیں کہ ایسے دَور میں ہی مسیح موعودؑ نے نازل ہونا ہے

اذا زلزلت الارض زلزالھا ٥ واخرجت الارض اثقالھا و قال الانسان مالھا ٥ .... فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ٥ ——— (الزلزال - ۹۹) ———

(ترجمہ: جب زمین اپنے بھونچال سے ہلائی جائیگی اور زمین اپنے بوجھ نکال دے گی اور انسان کہے گا اسے کیا ہوا اس دن وہ اپنی سب خبریں بیان کر دے گی کیونکہ تیرے ربّ نے اس کے لئے وحی کی اس دن لوگ الگ الگ ہو کر نکل پڑیں گے۔ کہ انہیں ان کے عمل دکھائے جائیں تو جو کوئی ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بھلائی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بدی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔

سورۃ الزلزال میں جو پیشگوئی عظیم زلزلوں کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمائی ہے، یہ عالمگیر انقلابات زمانہ کی پیشگوئی ہے۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کے اوّل و اعلےٰ ترین مصداق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت دُنیا پر جو عالمگیر و عظیم زلزلہ یا انقلاب آیا اس کی کوئی دوسری مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے بکلّی قاصر ہے۔ غور کا مقام ہے کہ آنجنابؐ کی بعثت مقدسہ سے قبل مُلک عرب بلکہ ساری دنیا کس طرح جہالت اور تباہی کے کنارے کھڑی تھی۔ پھر کس طرح اسلام کی آمد سے دنیا کی تاریخ یکسر بدل کر رکھ دی گئی۔ گویا وہ پہلی دُنیا ہی نہ رہی، اسی امر کو قرآن کریم میں دوسرے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے

یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوات وبرزوا للہ الواحد القھار (ابراھیم)، ایسا عظیم انقلاب آنے والا ہے کہ نہ صرف اس دنیا کے حالات منقلب ہو جائیں گے بلکہ آسمان بھی نیا ہو جائیگا۔ زمین پر زلزلہ آنے سے مراد یہ ہے کہ زمینی نظام بدلا جائے گا اور آسمان کی تبدیلی کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا باطنی نظام بھی بدل دیا جائے گا۔

اب غور کرو کہ آنحضرت صلعم کی مبارک بعثت کے صرف تیئس سالہ عرصہ میں عرب کے مُلک میں کیسا عظیم انقلاب واقع ہوا۔ پھر اس انقلاب کی لہریں ساری دُنیا لپیٹ میں آگئی۔ توہمات و جہالت کی بجائے کس طرح دنیا حقائق و علم کی روشنی سے منوّر ہو گئی! کیونکر فسق و فجور، نفس پرستی و بدکاری کی بجائے نیک کرداری، خُدا پرستی اور خدمتِ خلق نے لے لی!! وہ شمع ایمان و یقین اور خدمت و خلوص جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فروزاں کی تھی کس طرح اس سے صرف ایک صدی کے قلیل عرصہ میں سارا جہان بقعۂ نور ہو کر جگمگا اٹھا!!! اللّٰھم صلّ علےٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ۔

آنحضورؐ کی مبارک تشریف آوری اور اس کے ذریعہ دُنیا میں عظیم انقلاب کی جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ کس طرح کامل رنگ میں پوری ہوئی۔ غیر مسلم دنیا بھی اس کی معترف و گواہ ہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی و حقیقی انقلاب کی داستان ہے۔ مگر آنجنابؐ نے متعدد پیرایوں میں یہ بھی خبر دی تھی کہ میرے کچھ عرصہ بعد دنیا گمراہی کی جانب راغب ہو جائے گی، یہ دوبارہ شبِ تاریک اس قدر غالب آ جائے گی کہ خود مسلمان قوم بھی راہ ہدایت سے بھٹک جائے گی، آنحضور صلعم کو اپنی اُمّت کے فساد و بگڑنے کا اس قدر شدید غم و صدمہ لاحق ہوا کہ آنجنابؐ نے ایک مرتبہ فرمایا لست منھم ولیسوا منی۔ یعنی میری اُمّت کی حالت میری حالت سے ایسی شدید مخالفت پیدا کر لے گی کہ گویا وہ مجھ جیسے نہیں رہے، نہ ہی میں ان کی مانند ہوں گا۔

اس غمناک و اندوہ گین خبر کی صداقت کے ہم خود بھی آج شاہد ہیں کس طرح اُمّت مُسلمہ اور آنجنابؐ سے نسبت رکھنے والی قوم کی حالت آنحضورؐ کے حالات سے برعکس ہے۔ کس طرح کلمہ گوؤں کے اعمال و افعال اور کردار آنحضورؐ کے عالی و عظیم کردار و سیرتِ طیّبہ سے مختلف ہو گئے الّا ماشاء اللہ۔

بلکہ دوسری حدیث میں اس حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ فرمایا، تم پہلی گمراہ قوموں کے عین نقشِ قدم پر چلنے والے بن جاؤ گے تو صحابہ کرام رض نے یہ سُنکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر؟ تو آنجنابؐ نے بلا تامّل جواب دیا، فمن یعنی اور کون!

اس وقت مسلم قوم کی مجموعی حالت ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے شعراء و ادیبوں نے بھی اسے بوضاحت بیان کر دیا ہے:-

شعر

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مُسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تو اس امر واقعہ سے یہ بکلّی ثابت ہو گیا کہ نشأۃِ اولیٰ کی مانند پھر سے نشأۃِ ثانیہ اسلامیہ کے زلازل و انقلابات رُونما ہوں گے۔ دینِ اسلام چونکہ ابدی ایزدی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم اسوہ حسنہ کاملہ کے مجسّم پیکر ہیں، لازم آیا کہ اس وقت جو دنیا پھر سے تباہی کے کنارے پر آ کھڑی ہوئی ہے تو ایک مرتبہ پھر اسلام کی وساطت سے دنیا کو اس عالمگیر و عظیم گمراہی سے نجات حاصل ہو۔ یہی باعث ہے کہ جملہ مفسّرین متفق ہیں کہ سورۃ الزلزال میں جن عظیم انقلابات کی خبر بیان کی گئی ہے جس سے اسلام کا غلبہ مقدر ہو چکا ہے یہ عالمگیر زلزلے مسیح موعودؑ کی بعثت سے متعلق ہیں۔

مادی دنیا میں عظیم و عالمگیر انقلابات

یہ موقعہ نہیں کہ میں ان تمام مادی انقلابوں کا تفصیل سے ذکر کروں جو سائنسی علوم کی تحقیق کے ذریعہ اس وقت آ رہے ہیں۔ ان کا خلاصہ اس میں آ جاتا ہے کہ اگر ایک صدی پیشتر کا کوئی انسان دوبارہ آج اس دنیا میں آ جائے تو وہ ہرگز یہ یقین نہ کرے گا کہ یہ وہی دنیا ہے جس میں سے میں چلا گیا تھا۔ کونسا شعبۂ زندگی ہے جس میں عظیم و عالمگیر انقلاب نہیں آیا؟

اسلام کے ذریعہ پہلی مرتبہ جس طرح یہ عظیم انقلاب آیا تھا کہ تباہی و بربادی کی بجائے دنیا میں امن و عافیت، سلامتی و عافیت کی لطیف فضائیں اگر ایک طرف چلیں تو ترقی علوم و باہمی ربط و مفاہمت کے عروج پرور نظارے دُنیا نے دیکھے۔ مگر نفس پرستی اور مادیت کو معبود بنانے کے باعث دنیا جب دوبارہ تباہی کے کنارے پر آ کھڑی ہوئی تو لازم آیا کہ خُدا تعالےٰ پھر سے راہِ راست کی طرف لانے کے لئے انقلابات لائے۔ چنانچہ عین یہی وہ دَور ہے کہ جب اس غرض کی خاطر ایسے عظیم و عالمگیر زلزلے آ رہے ہیں۔

مادی علوم کے ماہرین خود بھی آج معترف ہیں کہ جب تک اسلامی نظریات کی روحانی تعلیم پھر سے رائج نہ کی جائے گی، مغربی مادی تہذیب تباہی سے بچ نہیں سکتی۔

دراصل اس وقت جو زلزلے یا انقلاب آنے والے ہیں اور آ رہے ہیں ان کی نوعیت زیادہ تر نظریاتی قسم کی ہے۔ چنانچہ دنیا کی قومیں اور حکومتیں اس وقت دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی۔ ان دونوں گروہوں کی آپس میں جنگ ایک نظریاتی بنا پر ہے اور جو مختلف وقتوں میں مختلف صورتوں میں نمودار ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دیگر ممالک اور قوموں میں بھی اس

وقت جو انقلابات آتے ہیں ان کی تہ میں انہی دو گروہوں کی باہمی آویزش ہی کارفرما ہوتی ہے۔ یہ اسرائیل کی نئی حکومت کی شکل میں ہو یا ویٹ نام اور چین کی چپقلش یا پھر افغانستان میں سوشلسٹ حکومت کے حالیہ قیام سے ہو۔ قبرص کا مسئلہ ہو یا کیوبا کا یا کسی اور ملک کی کسی قریبی ملک سے باہمی مخاصمت ہر جگہ اور ہر مقام پر یہی معلوم ہوگا کہ تہ میں ان دو نظریات کی کشمکش کام کر رہی ہے۔ جس طرح ایک موقعہ پر قائداعظمؒ نے تقسیم سے ماقبل یہ فرمایا تھا کہ سوال صرف ہندو کانگریس اور انگریز کے مابین ہی نہیں بلکہ ایک تیسری قوم بھی آزادیٔ ہند میں آتی ہے اور وہ مسلم قوم ہے جس کی نمائندہ مسلم لیگ جماعت ہے۔ اسی طرح آج بھی حضرت امام وقتؒ کی جماعت کا موقف ہے کہ دنیا میں دو گروپ نہیں بلکہ تین گروپ ہیں، سرمایہ دارانہ، اشتراکی اور تیسرا اسلام کا نظریہ جسے نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ مگر اب مسلم لیگ کی طرح اسلامی نظریہ حیات بھی مسلم قوم و ممالک کے ذریعہ اپنی نمائندگی کر رہا ہے۔

عیسائی عالم میں عظیم انقلاب

عیسائی دنیا پر اس وقت عظیم و عالمگیر نظریاتی انقلاب آیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو ہزار سال سے دنیا کو یہی بتلایا جاتا رہا تھا کہ عیسائی مذہب کی بنیادیں دو ستونوں پر استوار ہیں، حضرت عیسےٰ کی خدائی یا ابنیت کے دعویٰ پر اور صلیبی اعتقاد و کفارہ پر۔ لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیرت میں پڑ جائیں گے کہ اب خود عیسائی دنیا میں یہ انقلاب آ رہا ہے کہ عیسائیت کی بناء نہ حضرت عیسےٰ کے دعوے خدائیت یا ابنیت پر ہے اور نہ ہی حضرت مسیح کے صلیب پر وفات پا کر نسلِ انسانی کے گناہوں کے بدلے کفارہ کے عقیدہ پر۔ یہ عظیم تحریکیں چلانے والے کون ہیں؟ اور یہ کہاں فروغ پا رہی ہیں؟ ان انقلابات کو لانے والے خود نہ صرف عیسائی بلکہ کہ چوٹی کے پادری حضرات ہیں اور یہ انقلاب مغربی دنیا میں ترقی پذیر ہیں، چنانچہ اب تک قارئین کرام اس واقعہ سے باخبر کئے جا چکے ہیں کہ سات انگریز بشپوں نے ایک کتاب بعنوان:—

"THE MYTH OF GOD INCARNATE"

شائع کی ہے۔ اس کتاب کے عنوان کا مفہوم یہ ہے کہ یسوع مسیح کے متعلق یہ عقیدہ کہ آپ خدا یا ابن اللہ تھے ایک توہم پرستانہ عقیدہ ہے۔

پھر اسی طرح دوسری کتاب جس کے ابواب کا ترجمہ عزیزی ناصر احمد صاحب نے کر کے اخبار میں بالاقساط شائع کرنے کے لئے بھجوایا ہے، کا نام ہے:—

"JESUS DIED IN KASHMIR"

یعنی یہ کہ "مسیح نے کشمیر میں وفات پائی"۔ اس میں مصنف نے جو مغربی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ اُتار لئے گئے اور آپ تندرست ہونے کے بعد کشمیر میں آئے اور یہاں سری نگر میں وفات پائی۔

اب جائے غور ہے کہ یہ کتنا عظیم و عالمگیر انقلاب ہے کہ مغربی عالم عیسائیت کے علمبردار خود نہ صرف عیسائی عقائد کے منکر ہو جائیں بلکہ وہ اس عقیدہ کے بطلان پر کتب شائع کرنے والے ہوں۔ اگرچہ یہ انقلاب ملکی یا حکومتی نہیں۔ نہ اس میں کسی جنگ یا خونریزی کا دخل ہے مگر یہ نظریاتی انقلاب کس قدر حیرت کن ہے! جب عقیدہ حضرت عیسےٰ کی خدائی یا ابنیت کا باقی نہ رہے اور جب عقیدہ حضرت مسیح کے صلیب پر وفات پانے اور اس لئے گناہوں کا کفارہ نہ ہونے کا بھی باقی نہ رہے تو پھر کیا یہ جائے تعجب نہیں تو اور کیا ہے کہ باوجود اس کے کہا جائے کہ ہم ان دو بنیادی کلیسائی عقائد کے منکر ہو کر بھی عیسائی ہی ہیں یہ کیا ان اقدامات سے پوری طرح واضح نہیں ہو جاتا کہ عیسائی دنیا، اسلامی عقائد کو مان لینے پر مجبور رہے۔

مسلم دنیا میں انقلابات

تازہ ترین جو انقلاب اس وقت کل دنیا کی توجہ کا مرکز بن رہے ہیں، وہ پاکستان، ایران اور افغانستان کے حکومتی و سماجی انقلابات ہیں جن کی تہ میں یہ نظر آ رہا ہے کہ کس طرح اسلامی دنیا کا رجوع اپنے دین کی طرف لوٹ رہا ہے۔ بعض مغربی مفکرین و سیاستدان ایسے اسلامی انقلاب کو دیکھ کر پریشان بھی ہیں کہ کہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مسلم دنیا اب پھر زمانہ وسطیٰ کی رجعت پسندی کو اختیار کر لے گی؟

اس بارہ میں سابق وزیر قانون مسٹر بروہی نے بھی پریس میں یہ شکایت کی کہ جب بعض مغربی اخباری نمائندوں نے ان سے انٹرویو لیا اور جب مسٹر بروہی نے انہیں بتلایا کہ ایسے اسلامی انقلابات سے مغرب کو خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اسلام تو امن پسندی و صلحکاری کا دین ہے مگر اس سے ان کی قطعاً تسلی نہ ہوئی۔ تو اس بارہ میں بھی ہمیں یہ کہنا ہے کہ مغربی نمائندگان کا یہ رویہ محض اس لئے نہیں کہ انہیں تعلیم اسلام سے واقفیت نہیں اگرچہ یہ کہنا بھی بالکل بجا ہے کہ صدیوں سے پرانے تعصبات اسلام کے برخلاف مغرب میں جاگزین ہو چکے ہیں جو صلیبی جنگوں کے وقتوں سے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ فقہاء و علماء کا غلط و غیر اسلامی نظریہ بنا ہوا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قیام دین اور نیکی بجز حکومتی طاقت و عسکری قوت ممکن نہیں۔ اور جو یہ مانتے ہیں کہ اسلامی جہاد کا مطلب صرف قتال فی سبیل [illegible] سے بڑھ کر اور کچھ زیادہ نہیں، نیز جو یہ تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ دین اسلام کی [illegible] کے لئے شان و شوکت اور زور و جبر کی حاجت ہے اور جو برملا اس عقیدہ پر قائم ہیں کہ آخری زمانہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے ایک خونی مہدی کا آنا اور حضرت عیسےٰ کے آسمان سے نازل ہو کر ان کے ساتھ مل کر دنیا میں بجبر و تلوار اسلام [illegible] دین کی حقانیت کا سکہ دلوں پر بٹھلانا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دین اسلام میں جبر و تشدد ایسے غلط نظریات بعض مسلمانوں کے ہیں یا نہ؟ کیا بعض علماء ایسے نظریات کو دین کا جزو اعظم [illegible] دے کر اس قسم کے جبری و سیفی جہاد کے انکار کرنے والوں کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں یا نہیں؟ کیا احمدیوں کی تکفیر کے لئے ان کے پاس سوائے اس [illegible] کوئی اور جواز ہے کہ یہ لوگ سیفی جہاد کا انکار کر کے اور مرتد کو واجب القتل [illegible] نہ دے کر مسلمان قوم کا جزو نہیں رہے؟ تو پھر اگر یہ امور صحیح ہیں تو از خود [illegible] مغربی دنیا کو کس طرح ملزم قرار دیا جا سکتا ہے؟

دین پر مسلمانوں کو قائم رکھنے کی خاطر مرتد واجب القتل ہیں اور دین کی توسیع [illegible] کیلئے کسی خونی مہدی و اسرائیلی مسیح کا انہیں انتظار ہے تو اس صورت میں جب [illegible] عقائد یہ ہوں غیروں کو ملزم قرار دینا کہ وہ کیوں اسلام کو امن پسندی [illegible] دین نہیں مانتے کہاں تک جائز ہے؟

قبل اس کے کہ مغربی غیر مسلم دنیا کو مطعون کیا جائے، یہ لازم [illegible] کہ علماء دین جبر و تشدد کے ایسے عقائد کی کھلم کھلا تردید کریں اور اعلان [illegible] کہ اسلام میں جبر کا ہرگز کوئی جواز نہیں بلکہ ان کے نزدیک جبر و تشدد ممنوع و حرام ہے۔ اور چونکہ یہ دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین کے سچے مصداق ہیں اس لئے اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے ضمیر [illegible] آزادی کا ڈنکا دنیا میں بجایا۔ علماء کا فرضِ اوّلین و منصب اعلیٰ ہے کہ [illegible] کو یقین دلائیں کہ نشأۃِ اولیٰ کی جنگیں قطعاً جارحانہ نہ تھیں بلکہ [illegible] محض مدافعانہ تھیں۔ اور ان کا مقصد تمام جہان میں مذہبی آزادی [illegible] قیام اور ہر شخص کے ضمیر کو دوسروں کی غلامی سے نجات [illegible] تھی۔ ان علماء پر یہ بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اعلان کریں کہ [illegible] ہو کر جبر و تشدد کا قائل ہو وہ غلطی پر ہے۔

پھر علمائے اسلام دنیا میں خلوص قلب سے یہ ثابت کریں کہ [illegible] کی تعلیم کس طرح ہر انسان کو اس دینی آزادی کا پیدائشی حق دیتی ہے [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلِ انسانیت کے بنیادی حقوق کی حفاظت [illegible] عالمگیر منشور حجۃ الوداع کے موقعہ پر دیا۔ بلکہ مدینہ منورہ میں [illegible]

دوسرے مذاہب کے پیروؤں یعنے یہود و نصاریٰ سے مساوات و معاہدات قائم کئے جن میں ان کے حق آزادیٔ ضمیر اور مذہبی رواداری کو برملا تسلیم کیا گیا۔ مسلم ممالک کے حالیہ ملکی انقلابات مغربی دنیا کے لئے اس وجہ سے باعثِ تشویش بن رہے ہیں کہ ازمنۂ وسطیٰ میں بعض غازیوں نے اسلام کی خاطر جس جبر و تشدد کو روا رکھا، اب اسلامی ممالک متفق و متحد ہو کر کہیں غیر اسلامی دنیا پر وہی مزعومہ جبر و تشدد کی کاروائیاں ٹھونسنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے؟ مگر اب تک ان خدشات و شبہات کی واضح تردید جملہ علماء کی جانب سے نہیں کی گئی۔

بہرحال اصل سوال یہ ہے کہ حالیہ اسلامی ممالک کے انقلابات اس امر کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ مسلمان اقوام اب اس امر کے لئے بیدار ہو چکی ہیں کہ وہ اپنے دین کی طرف واپس لوٹیں۔ کیونکہ ان کے قلوب میں یہ بات راسخ ہو گئی ہے کہ بجز اپنے دین کے قیام کے ان کی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ایران کا حالیہ انقلاب اس کی نمایاں مثال ہے۔

ایران کا انقلاب زمانہ وسطیٰ کے غیر اسلامی نظریۂ ملوکیت و آمریت کے برخلاف ہے

یہ کس قدر واضح امر ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیم میں اپنے ابتدائی دور میں کہیں شہنشاہیت و آمریت کی تائید نہیں کی۔ بلکہ شروع سے ہی اسلام نے موروثی شہنشاہیت اور آمرانہ و جابرانہ نظامِ حکومت کو ناجائز و ناروا قرار دیا جس کی اعلےٰ ترین مثالیں خلافتِ راشدہ کی حکومتیں پیش کرتی ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہ جمہوری و عوامی نظام چند برس بعد بدل کر اس کی بجائے موروثی و جابرانہ حکومت کو اسلامی نظام یقین کر لیا گیا۔ صدیوں تک اس غیر اسلامی نظام کا ڈنکا اسلام کے نام پر بجتا رہا۔ حتیٰ کہ بادشاہ وقت کو بھی ظل اللہ کے لقب سے بھی ملقب کیا گیا۔ کیا یہ امر جائے غور و تعجب نہیں کہ صحیح اسلامی نظامِ حکومت کی بجائے غیر اسلامی نظام قائم کیا جائے اور اس کی تائید و نصرت دین سے حاصل کی جائے؟ اس کی واضح مثال سے یہ بات روشن ہو جانا چاہیئے کہ اگر کسی وقت کوئی غیر اسلامی نظام رائج ہو جائے اور علماء و عوام اس کی تائید میں ایک ہو جائیں تو جب تک اس کی سند قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اسوہ سے پیش نہ کی جائے تب تک وہ اسلامی کہلانے کا مستحق صرف اس لئے نہیں ہو جاتا کہ جمہور یا بعض علماء غلطی سے کسی وقت اس کے قائل ہو گئے۔ دینِ اسلام کی بنیاد صرف دو ستونوں پر ہی قائم ہے اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول یا جیسے آنحضور صلعم نے اپنی مرض الموت میں فرمایا کہ:-

میں اپنے بعد تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں
کلام اللہ اور اپنی سنّۃ۔

یہ صحیح ہے کہ مسلم اقوام کی موجودہ صورت حال ابھی واضح طور پر اور عملاً رجوع الی القرآن والسنّۃ کی جانب نہیں آئی اور روایاتِ فقہی مسائل جو زمانہ کی ضروریات کے مطابق اماموں نے تجویز کئے انہیں کو اصل دین سمجھ لیا گیا ہے۔ چاہے وہ قرآن کریم کی صریح تعلیم اور اسوۂ حسنہ کے برخلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ صورت حال دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ جبکہ اقوام مسلم کا دلی و مخلصانہ جذبہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کا فی الحال قولاً ہو چکا ہے تو آئندہ چند برسوں میں عملاً بھی اسلامی دنیا اس طرف آنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پائے گی۔

اعتذار "مسیح موعود نمبر" کے لئے دیر سے موصول ہونیوالے مضامین جو اس خاص نمبر میں شائع نہیں ہو سکے انہیں ۳۰ رمئی کے شمارہ میں شائع کر دیا جائے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) مضمون نگار احباب مطلع رہیں۔

(ادارہ)

خواتینِ جماعتِ احمدیہ مرکزیہ کے زیرِ اہتمام

جلسۂ یومِ وصال

منعقدہ ۸-۵-۷۹ — جامع احمدیہ دار السلام لاہور

تنظیم خواتین جماعت احمدیہ مرکزیہ کی جانب سے بسلسلہ یومِ وصال حضرت مسیح موعودؑ جامع احمدیہ دار السلام میں ایک جلسہ زیرِ صدارت محترمہ جناب ذکیہ شیخ صاحبہ منعقد ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ نے ادا کئے۔ جلسہ کا آغاز عزیزہ طاہرہ جنجوعہ کی تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ پھر عزیزہ زاہدہ جنجوعہ، عزیزہ مدیحہ رسول اور شاہدہ جنجوعہ نے حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام پیش کیا۔ ایک چھوٹی بچی ساجدہ رحمٰن نے بڑے اعتماد کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کو ماننے کی ضرورت پر دلائل دیئے اور حضرت مرزا صاحب کا مرتبہ تمام مجددینِ اُمت سے بلند ثابت کیا۔ اللّٰھم زد فزد۔ جنابہ محترمہ رفیعہ مدد علی صاحبہ نے اپنی فاضلانہ اور پُرجوش تقریر میں فرمایا کہ آج ہم چودھویں صدی کے عظیم الشان مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو خراجِ تحسین پیش کرنے کیلئے اکٹھی ہوئی ہیں جسے خاتم النبیین افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سلام بھیجا ہے۔ آپ نے حضرت صاحب کے علم الکلام زندہ خدا، زندہ کتاب اور زندہ رسول کے حوالہ سے کہا کہ انہوں نے مسلمانوں میں نئے سرے سے زندگی کی روح پھونکی اور تمام ادیان پر غلبۂ اسلام کی بشارت دی۔ جلسہ کے اختتام پر سامعات کی تواضع مشروبات سے کی گئی۔ مفصل رپورٹ آئندہ پرچہ میں شائع ہو گی۔

(ادارہ)

صدر جماعت انڈونیشیا کی وفات

(بریگیڈیر ریٹائرڈ) الحاج محمد بخردں صاحب صدر جماعتہائے انڈونیشیا کی وفات حسرت آیات پر احباب جماعت جتنا بھی افسوس کریں کم ہے۔

مرحوم نہ صرف ایک اعلےٰ منتظم تھے بلکہ علومِ دینیہ سے کماحقہٗ بہرہ ور تھے۔ چنانچہ حضرت امیر مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو نہایت محنت کر کے انہوں نے انڈونیشی زبان میں منتقل فرمایا اور جونہی یہ خدمت سر انجام پائی اللہ تعالےٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون

انجمن نے ۱۸ رمئی ۱۹۷۹ء کو ان کی وفات پر ایک قرارداد تعزیت منظور فرمائی جس میں ان کی وفات کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا گیا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان جماعتہائے انڈونیشیا کا حامی و ناصر ہو، آمین۔

احباب جنازۂ غائبانہ پڑھ کر مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

از قلم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

حضرت مسیح موعود کی الہامی دُعائیں

ہماری حاجت براری کے لئے بہترین دعائیں تو وہ ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ان کی سرتاج دُعا سورۃ فاتحہ ہے جس میں نہ صرف تمام قرآن حکیم کا عطر کھینچ کر رکھا ہے بلکہ سچ پوچھو تو سب کچھ اسی میں موجود ہے۔ کوئی زندگی کا لمحہ نہیں جس پر یہ دُعا چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ اس بشر کو جاننے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ یوم الدّین ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرۃ کی آخری دعائیں بہت جامع ہیں، اسی طرح معوذتین بھی یعنے قل اعوذ بربّ الفلق اور قل اعوذ بربّ النّاس۔ دراصل قرآن حکیم کی ہر دُعا انسان کی رُوحانی اخلاقی اور دُنیاوی ضروریات کے حسبِ حال ہے۔ ان میں سے کچھ دعائیں تو اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے لُطف و کرم سے انسان کو سکھائی ہیں۔ اور کچھ دعائیں عظیم الشّان انبیاء کی وہ دعائیں ہیں جو مقبول ہوئیں۔ اس لئے بدقسمت ہے وہ انسان جس نے قرآن حکیم کی تمام دعاؤں کو یاد کر کے اپنے سینہ میں محفوظ نہیں کر لیا تاکہ وقت پڑنے پر مناسب دُعا اس کی زبان پر بے اختیار جاری ہو جائے۔ دِل کی تڑپ دعا کی قبولیت میں مدد دیتی ہے۔ مگر تڑپ اُٹھنے پر جو شخص قرآن کریم کے صفحے اُلٹنا پلٹنا شروع کرے گا تا مناسب حال دُعا کو تلاش کرے یا کسی دُعاوں کی کتاب کی ورق گردانی شروع کرے گا وہ اضطراب کی بے قرار دُعا سے محروم ہو جائے گا۔

قرآن کریم کی دعاؤں کے علاوہ رسُول اللہ صلعم کی دُعائیں بھی ہیرا موتی ہیں۔ صبح سو کر اُٹھنے سے لے کر رات کو سونے کے وقت تک ہر موقعہ اور ہر کام کے علاوہ انسان کی رُوحانی، اخلاقی اور دنیاوی فلاح کے لئے وہ بے نظیر دعائیں ہیں۔ ان سے محرومی بدقسمتی ہے۔ ان میں سے چیدہ دعائیں اکٹھی کر کے ہمارے دارالکتب اسلامیہ میں چھپی ہوئی موجود ہیں۔ چونکہ منتخب ہیں اس لئے زیادہ نہیں ہیں۔ انہیں بھی یاد کر لینا چاہیئے۔ اگر مرنے سے پہلے اسوۂ حسنہ پر چلنا ہے۔ ہر آن کوئی کتاب کو لے کر موقعہ بموقعہ دعائیں کھول کر پڑھ نہیں سکتا۔ جو یہ ذرہ سی تکلیف نہ اُٹھا سکتا ہو تو وہ اس کی محرومی اور بدقسمتی ہے۔

اب میں حضرت مسیح موعود کی چند دُعاؤں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو آپ کو رؤیا، کشف یا الہام میں ملیں۔ ان میں سے بعض تو قرآن کریم کی یا رسول اللہ صلعم کی دعائیں ہیں اس لئے میں اُنہیں یہاں نہیں دہراؤں گا سوائے چند ایک کے جو عرفِ عام میں نہیں یا کسی اور وجہ سے شامل کرنی مناسب معلوم دیں۔

(۱)

حضرت اقدس اپنی جوانی کے ایک رؤیاء کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کو دیکھا۔ اور تین فرشتوں کو جو آسمان سے ظاہر ہوئے تھے۔ وہ تینوں مع مولوی عبداللہ صاحب غزنوی زمین پر بیٹھ گئے جبکہ حضرت اقدس پاس ہی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"تب میں نے اُن سب سے کہا کہ میں دُعا کرتا ہوں تم سب آمین کہو۔ تب میں نے یہ دُعا کی:۔

رَبِّ اَذْهِبْ عَنِّي الرِّجْسَ وَطَهِّرْنِي تَطْهِيْرًا

(ترجمہ: اے میرے ربّ مجھ سے ناپاکی کو دُور رکھ۔ اور مجھے بالکل پاک کر دے)

"اس دُعا پر تینوں فرشتوں اور مولوی عبداللہ صاحب نے آمین کہی۔ اس کے بعد وہ فرشتے اور مولوی عبداللہ صاحب آسمان کی طرف اُڑ گئے۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔"

"آنکھ کھلتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ مولوی عبداللہ کی وفات قریب ہے (اور ایسا ہی ہوا۔ ناقل) اور میرے لئے آسمان پر ایک خاص فضل کا ارادہ ہے۔ اور پھر میں ہر وقت محسوس کرتا رہا کہ ایک آسمانی کشش میرے اندر کام کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ وہی ایک ذات تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے بتمام و کمال میرے اصلاح کر دی اور مجھ میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہو گئی جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتی تھی۔　　(ماخوذ از نزول المسیح)

(۲)

حضرت اقدس ایک جگہ بعد کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "پہلے اس سے چند مرتبہ الہامی طور پر خدا تعالےٰ نے اس عاجز کی زبان پر یہ دُعا جاری کی تھی:

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُبَارَكًا حَيْثُ مَا كُنْتُ

یعنے اے میرے ربّ مجھے ایسا مبارک کر کہ جس جگہ میں بود و باش کروں برکت میرے ساتھ رہے۔ پھر خُدا تعالےٰ نے اپنے لطف و احسان سے وہی دُعا جو کہ آپ ہی (القا) فرمائی تھی قبول فرمائی۔ اور یہ عجیب بندہ نوازی ہے کہ اوّل آپ ہی الہامی طور پر زبان پر سوال جاری کرنا اور پھر یہ کہنا کہ تیرا سوال قبول کیا گیا"۔

(براھین احمدیہ حصّہ چہارم)

(۳)

حضرت اقدس نے چند الہامی دُعاوں کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ اور آج ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آپ نے انہیں کیوں اکٹھا کیا۔ یا وہ کیوں اکٹھی نازل ہوئیں:۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ مِنَ السَّمَآءِ۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ۔ رَبِّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔

ترجمہ: اے میرے ربّ مغفرت فرما اور آسمان سے رحم فرما۔ اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے۔ اے میرے ربّ اُمتِ محمدیہ کی اصلاح فرما اے ہمارے ربّ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔

(تحفۂ بغداد)

(۴)

"رَبِّ نَجِّنِيْ مِنْ غَمِّيْ۔ اِيْلِيْ اِيْلِيْ لِمَا سَبَقْتَنِيْ۔ کرمہائے تو مارا کرد گستاخ"

ترجمہ: اے میرے ربّ مجھ کو میرے غم سے نجات دے۔ اے میرے اللہ! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ تیری بخششوں نے ہم کو گستاخ کر دیا۔

ان الہاموں میں سے پہلی تو دُعا ہے۔ دوسری فریاد ہے اور تیسرا اعترافِ ذنب ہے۔ ان کا اکٹھا ذکر کر کے حضرت اقدس لکھتے ہیں:۔

"اور یہ سب اسرار ہیں کہ جو اپنے اپنے اوقات پر چسپاں ہیں جن کا علم حضرت عالم الغیب کو ہے"

ایلی ایلی لما سبقتنی وہ الفاظ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کہے تھے جب ان کو سُولی پر مصلوب کر کے انہیں نعوذ باللہ لعنتی یعنے راندۂ درگاہِ خداوندی ظاہر کرنا مقصود تھا۔ گویا بظاہر اس وقت ایسا نظر آتا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا فرمانا کہ یہ الہامات جو انہیں ہوئے اسرار ہیں جو اپنے اپنے اوقات پر جاکر چسپاں ہوں گے اور لکھتے وقت ان کا علم صرف حضرت عالم الغیب ہی کو ہے بتاتا ہے کہ یہ بعد کے آنے والے واقعات ہیں جن کا غم تو حضرت صاحب کو اتنا ہوگا کہ وہ اس سانحہ سے نجات کے لئے جناب باری میں دعا ہوں گے مگر جس طرح حضرت عیسیٰؑ کی صلیب پر چڑھنے سے پہلے کی گریہ و زاری و نجات کی دُعا انہیں مصلوب ہونے سے بچا نہ سکی حضرت اقدس کی دُعا بھی اس سانحہ کو ٹال نہ سکے گی۔ اس وقت بظاہر تو ایسا نظر آئے گا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے مگر جو ایسا سمجھے گا یا کہے گا وہ ایک گستاخی کا مرتکب ہوگا جس کے لئے اگر کوئی معذرت ہو سکتی ہوگی تو وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کی بخششوں نے ایسے لوگوں کو گستاخ ہونے کی اجازت دی۔ ورنہ وہ قدوس ذات اپنے فرستادہ کا ساتھ کب چھوڑ سکتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم)

پھر حضرت اقدس نے اپنے ان الہامات کو اکٹھا لکھا ہے:—

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ - قُلِ اللّٰہُ حَافِظُہٗ - عِنَایَۃُ اللّٰہِ - حَافِظُکَ - نَحْنُ نَزَّلْنَاہُ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ - اَللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّ ھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ - وَ یُخَوِّفُوْنَکَ مِنْ دُوْنِہٖ - اَئِمَّۃُ الْکُفْرِ - لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی - یَنْصُرُکَ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ - اِنَّ یَوْمِیْ لَفَصْلٌ عَظِیْمٌ - کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ - لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ - بَصَائِرُ لِلنَّاسِ - نَصَرْتُکَ مِنْ لَّدُنِّیْ - اِنِّیْ مُنَجِّیْکَ مِنَ الْغَمِّ - وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا - اَنْتَ مَعِیْ وَ اَنَا مَعَکَ - خَلَقْتُ لَکَ لَیْلًا وَّ نَہَارًا - اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ - اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃٍ لَا یَعْلَمُہَا الْخَلْقُ -

ترجمہ: "مخالف لوگ ارادہ کریں گے کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ کہہ دے کہ اللہ اس کا حافظ ہے۔ اور تیری محافظ تو اللہ کی عنایات ہیں۔ ہم نے ہی اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ اللہ بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔ اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اور تجھ کو اس کے علاوہ اور چیزوں سے ڈرائیں گے۔ یہی پیشوایانِ کفر ہیں۔ خوف مت کر تو ہی غالب ہوگا۔ اللہ کئی میدانوں میں تیری مدد کرے گا۔ میرا دن (یعنے میں وہ دن لاؤں گا جو) حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہوگا۔ اللہ لکھ چکا ہے کہ ضرور بالضرور میں اور میرے رسُول ہی بالآخر غالب ہو کر رہیں گے۔ کوئی نہیں کہ جو اللہ کی باتوں کو ٹال دے۔ لوگوں کے لئے روشن دلائل ہوں گے۔ میں اپنی طرف سے تجھے مدد دوں گا۔ میں خود تیرا غم دُور کر دوں گا۔ اور تیرا ربّ قدرت رکھنے والا ہے۔ تو میرے ساتھ ہے اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ تیرے لئے میں نے رات اور دن پیدا کئے ہیں (یعنے مصیبت کے وقت اور کامیابی کے وقت رات دن کی طرح آگے پیچھے مقدر ہیں۔) تو جو چاہے کر میں نے تجھے اپنی پناہ میں لیا ہوا ہے (کہ مصائب اور آزمائشوں سے ہی گذر کر انسان مغفرت الٰہی کے نیچے آکر گناہ اور معاصی سے نجات پاتا ہے) تو میرے نزدیک وہ منزلت رکھتا ہے جس کی لوگوں کو خبر نہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم)

جن حالات کا مندرجہ بالا پیشگوئیوں میں نقشہ کھینچا ہوا ہے ان میں وہ دُعا جو اُوپر مذکور ہے یعنے وَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّ ھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ کا خاص تعلق ہے۔

(۶)

ایک رؤیا کے بعد پڑھنے کے لئے یہ دُعا سکھلائی گئی:—

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْ ھٰذِہِ الرُّؤْیَا

ترجمہ: اے اللہ اس رؤیا میں میرے لئے برکت ڈال۔

برکت وہ خیر ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہو۔ یا خیر کی کثرت کو بھی برکت کہتے ہیں۔

(۷)

ایک دفعہ گھر میں بیماری کا خطرہ لاحق ہوا تو یہ دُعا الہاماً سکھائی گئی:—

رَبِّ اَصِحَّ زَوْجَتِیْ ھٰذِہٖ

ترجمہ: اے میرے ربّ میری اس بیوی کو بیمار ہونے سے بچا۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فضل فرمایا اور سخت بیماری سے نجات دی۔

(الحکم مؤرخہ ۲۳ر جون ۱۸۹۹ء)

(۸)

حضرت اقدس نے رؤیا میں دیکھا کہ آگ اور دُھواں ہے اور چنگاریاں اُڑ اُڑ کر آپ کی طرف آتی ہیں۔ اس حال میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے:—

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ - اِنَّ رَبِّیْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ -

ترجمہ: اے حی و قیوم میں تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں یقیناً میرا ربّ آسمانوں اور زمینوں کا ربّ ہے۔

چنانچہ یہ دُعا پڑھتے ہوئے آپ نے رؤیا میں ہی دیکھا کہ اگرچہ آگ چنگاریاں آپ کی طرف اُڑ اُڑ کر آ رہی تھیں مگر ضرر نہیں دیتی تھیں۔

(الحکم مورخہ ۲۳ر جون ۱۸۹۹ء)

(۹)

حضرت اقدس نے ایک روز اپنی اور جماعت کے قیمتی وجود کی زیادتی عمر کے لئے دُعا کی تو الہاماً یہ دُعا آپ کی زبان پر جاری ہوئی۔

رَبِّ زِدْنِیْ عُمْرِیْ وَ فِیْ عُمُرِ زَوْجِیْ زِیَادَۃً خَارِقَ الْعَادَۃِ

ترجمہ: اے میرے ربّ میری عمر میں اور میرے ساتھی کی عمر میں خارق عادت زیادتی فرما۔

(الحکم۔ مؤرخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۰۱ء)

(۱۰)

ایک رات حضرت اقدس نے رؤیا میں دیکھا کہ تین بھینسے آپ پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے بہت خطرہ محسوس کیا۔ آپ نے لکھا ہے:—

" اس وقت خواب میں میرے دل پر یہ دُعا القا کی گئی:—

رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ

ترجمہ:— اے میرے ربّ ہر ایک چیز تیری خدمت گذار ہے۔ پس اے میرے ربّ میری حفاظت فرما اور میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما۔

(البدر مؤرخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

(۱۱)

حضرت اقدس نے رؤیا میں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ کو کچھ روپیہ دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:—

" اور میں نے لے لیا اور اس کو سفید رومال میں باندھنے لگا ہوں اور باندھتے وقت یہ دُعا پڑھی رَبَّنَا اجْعَلْ بَرَکَۃً فِیْہِ

اور یہ کلمہ بطور الہام تھا۔" (کاپی الہامات حضرت مسیح موعود)

(۱۲)

۲۷ر جنوری ۱۹۰۵ء کو حضرت اقدس کے دائیں رخسار پر ایک پھوڑا سالمودار ہوا جس سے بہت تکلیف ہوئی۔ آپ نے دعا فرمائی تو ذیل کے فقرات الہام ہوئے۔ ان کا دم کرتے فوراً صحت ہو گئی:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الْکَافِیْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الشَّافِیْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الْغَفُوْرِ الرَّحِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الْبَرِّ الْکَرِیْمِ۔ یَا حَفِیْظُ۔ یَا عَزِیْزُ۔ یَا وَلِیُّ اشْفِنِیْ۔

ترجمہ: میں اللہ کے نام سے مدد چاہتا ہوں جو کافی ہے۔ میں اللہ کے نام سے مدد چاہتا ہوں جو شافی ہے۔ میں اللہ کے نام سے مدد چاہتا ہوں جو غفور الرحیم ہے۔ میں اللہ کے نام سے مدد چاہتا ہوں جو احسان کرنے والا اور کریم ہے۔ اے حفاظت کرنے والے۔ اے غالب۔ اے رفیق۔ اے ولی (میرے کارساز) مجھے شفا دے۔ (البدر مورخہ یکم فروری ۱۹۰۸ء)

(۱۳)

حضرت اقدس کو الہاماً یہ دعا بتلائی گئی:۔

رَبِّ عَلِّمْنِیْ مَا ھُوَ خَیْرٌ عِنْدَكَ

ترجمہ: اے میرے رب مجھے وہ علم دے جو میرے نزدیک بہتر ہے۔

(کاپی الہامات حضرت صاحب)

(۱۴)

۱۰ر فروری ۱۹۰۶ء کو حضرت بیوی صاحبہ کی طبیعت ناساز تھی تو یہ دعا الہاماً حضرت اقدس کو سکھلائی گئی:۔

رَبِّ اشْفِ زَوْجَتِیْ ھٰذِہٖ وَاجْعَلْ لَھَا بَرَکَاتٍ فِی السَّمَآءِ وَ بَرَکَاتٍ فِی الْاَرْضِ۔

ترجمہ: اے میرے رب میری اس بیوی کو شفا بخش اور اسے آسمانی برکتیں اور زمینی برکتیں عطا فرما۔ (کاپی الہامات حضرت مسیح موعود)

(۱۵)

ایک رات جبکہ حضرت اقدس بیمار تھے تو الہاماً یہ دعا آپ کی زبان پر جاری ہوئی:۔

اِشْفِنِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَ ارْحَمْنِیْ

ترجمہ: مجھے اپنی جناب سے شفا بخش اور مجھ پر رحم کر۔

دو روز کے بعد یہ دعا الہام ہوئی:۔

رَبِّ لَا تُضِیْعِ عُمُرِیْ وَ عُمُرَھَا وَاحْفَظْنِیْ مِنْ کُلِّ اٰفَۃٍ تُرْسَلُ اِلَیَّ۔

ترجمہ: اے میرے رب میری اور اس کی (بیوی صاحبہ) کی عمر کو ضائع نہ کریو اور مجھے ان تمام آفات سے محفوظ فرمائیو جو میری طرف بھیجی جائیں۔ (الحکم مورخہ ۲۴ و ۱۳ر اپریل ۱۹۰۶ء)

(۱۶)

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْوَارَكَ الْکُلِّیَّۃَ

ترجمہ: اے میرے رب مجھے اپنے وہ انوار دکھا جو محیط کل ہوں۔

(الحکم مورخہ ۱۰ر جون ۱۹۰۶ء)

(۱۷)

رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَّ صَادِقٍ۔ رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَ ارْحَمْنِیْ۔

ترجمہ: اے خدا سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھلا۔ تو ہر ایک مصلح اور صادق کو جانتا ہے۔ اے میرے رب ہر ایک چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے رب میری حفاظت فرما اور میری مدد کر اور مجھ پر رحم کر۔ (ماخوذ از حقیقۃ الوحی)

(۱۸)

رَبِّ لَا تُبْقِ لِیْ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔

ترجمہ: اے میرے رب میرے لئے رسوا کرنے والی چیزوں میں سے کوئی باقی نہ رکھ۔ (الحکم مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۶ء)

(۱۹)

اردو میں یہ دعا الہام ہوئی:۔

"اے ازلی ابدی خدا! مجھے زندگی کا شربت پلا"

(بدر مورخہ ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء)

(۲۰)

رَبِّ اَرِنِیْ حَقَآئِقَ الْاَشْیَآءِ۔

ترجمہ: اے میرے رب مجھے اشیاء کی اصل حقیقتیں دکھلا۔

(الحکم مورخہ ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۷ء)

(۲۱)

رَبِّ اجْعَلْنِیْ غَالِبًا عَلٰی غَیْرِیْ

ترجمہ: اے میرے رب مجھے میرے غیر پر غالب کر۔

(بدر مورخہ ۱۵ر اگست ۱۹۰۷ء)

(۲۲)

رَبِّ ارْحَمْنِیْ اِنَّ فَضْلَكَ وَ رَحْمَتَكَ یُنْجِیْ مِنَ الْعَذَابِ۔

ترجمہ: اے میرے ربّ! مجھ پر رحم فرما۔ بے شک تیرا فضل اور تیری رحمت عذاب سے نجات دیتے ہیں۔

(بدر مورخہ ۳ر اکتوبر ۱۹۰۷ء)

یومِ مسیح موعود علیہ السّلام

امسال یوم مسیح موعودؑ کے سلسلہ میں مقامی جماعت احمدیہ لاہور ۲۶ر مئی بروز ہفتہ ۴½ بجے تا نماز مغرب جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس میں ایک خصوصی نشست کا اہتمام کر رہی ہے۔ جس کی صدارت حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب فرمائیں گے۔

اجلاس کے اختتام پر بعد نماز مغرب عشائیہ کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

جملہ احباب و خواتین سے گذارش ہے کہ اپنے بچوں سمیت اس روحانی اجلاس میں ضرور شریک ہوں۔

عبدالسلام
سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور

مجدد صدی چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہٖ افلا تعقلون ہ (یونس)

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مورث اعلیٰ مرزا ہادی بیگ صاحب قریباً دو سو آدمیوں کے ساتھ جو ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال تھے ایک مرزا رئیس کی حیثیت سے بابر بادشاہ کے وقت میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور بادشاہ دہلی سے اعزاز اور جاگیریں حاصل کر کے اس جگہ آباد ہو گئے جو اب ضلع گورداسپور میں ہے۔

جو قصبہ انہوں نے آباد کیا۔ اس کا نام انہوں نے اسلام پور رکھا۔ چونکہ قضا کا منصب بھی ان کے سپرد تھا اس لئے یہ قصبہ اسلام پور قاضی ماجھی کہلانے لگا۔ اور پھر فقط قاضی اور اس سے قادی رہ گیا۔ بعد میں قادیان کہلانے لگا۔ سکھوں کے وقت میں ان کی جاگیر کے بہت سے گاؤں ان کے قبضہ سے نکل گئے یہاں تک کہ ان کے پاس فقط قادیان کا قصبہ ہی رہ گیا۔ بعد میں سکھوں کے مظالم کی وجہ سے وہ بھی چھوڑ کر اس خاندان کو ریاست کپورتھلہ میں انتقال مکانی کرنا پڑا۔ لیکن اخیر میں رنجیت سنگھ نے دوبارہ اس خاندان کو قادیان اور اس کے ساتھ پانچ گاؤں بحال کر دیئے۔

سنہ ولادت

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی سنہ ولادت کے متعلق کوئی تحریری یادداشت تو ہمارے ہاتھ میں ہے نہیں۔ اس لئے اس امر میں اختلاف ہونا لازمی بات تھی۔ مگر تحقیقات سے جو مجھے صحیح تاریخ آپ کی ولادت معلوم ہو سکی ہے وہ ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ ہے۔ اس دن جمعہ کا روز تھا اور چاند کی چودھویں تھی۔ صبح کا وقت تھا۔ آپ توام پیدا ہوئے تھے۔ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئی تھی۔ اور اس کے بعد آپ پیدا ہوئے تھے اور یہ اس پیشگوئی کے مطابق تھا جو شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی نے لکھی ہے کہ آنے والے مسیح کی ولادت توام ہو گی کہ ایک لڑکی پیدا ہو گی اس کے بعد وہ موعود پیدا ہو گا۔

تعلیم

چھ سات سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم کے لئے ایک فارسی خوان معلم رکھا جن کا نام فضل الٰہی تھا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں آپ کو پڑھائیں۔ جب آپ کی عمر قریباً دس سال کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب آپ کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام مولوی فضل احمد صاحب تھا۔ یہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی مرحوم کے والد تھے۔ اور متقی اور دیندار تھے۔

یہ بزرگ باوجود استاد ہونے کے آپ کی بہت خاطر و مدارات ملحوظ رکھتے۔ بعد میں جب آپ نے دعوےٰ مجددیت کیا تو انہوں نے بلا تامل شہادت دی اور بتایا کہ زمانہ طالبعلمی میں ہی حضرت مرزا صاحب کے حیرت انگیز کرشموں کو دیکھ کر اور بصیرت افروز نکات کو سن سن کر مجھے نظر آتا تھا کہ یہ بہت بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ ان بزرگ سے حضرت مرزا صاحب نے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔

سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں آپ تعلیم کے لئے سید گل علی شاہ صاحب قادیان بلوائے گئے۔ یہ مولوی صاحب شیعہ تھے اور بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ ان سے صرف و نحو اور منطق اور علوم مروجہ حاصل کئے۔ یہ مولوی صاحب پہلے قادیان میں ہی پڑھایا کرتے تھے بعد میں بٹالہ چلے گئے تو حضرت مرزا صاحب کو بھی تعلیم کے لئے وہاں جانا پڑا۔

قادیان میں تعلیمی زمانہ

قادیان میں جب مولوی گل علی شاہ صاحب سے حضرت مرزا صاحب پڑھا کرتے تھے تو قصبہ کے بعض اور لڑکے بھی آکر شاہ صاحب سے پڑھتے۔ حضرت مرزا صاحب جب استاد سے پڑھتے تو اپنا سبق آپ پڑھتے اور دو یا تین دفعہ دوہرانے کے بعد بالاخانہ پر جا کر اکیلے بیٹھ کر اسے یاد کرتے۔ ان لڑکوں کے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں آپ کبھی شریک نہ ہوتے اور نہ کسی لڑکے سے لڑتے جھگڑتے۔ البتہ کسی کو اگر سبق بھول جاتا تو اسے بتانے میں بخل نہ کرتے تھے۔ آپ کو اگر کوئی چیز مرغوب خاطر تھی تو وہ مسجد اور قرآن شریف تھا۔ مسجد کے باہر اور مسجد کے اندر آپ اکثر ٹہلتے رہتے۔ لے دے کے ورزش اگر کوئی تھی تو یہی ٹہلنا تھا۔ مگر آپ اس قدر ٹہلتے تھے کہ جس زمین پر وہ ٹہلتے تھے وہ دب دب کر باقی زمین سے متمیز ہو جاتی۔

بٹالہ میں تعلیمی زمانہ

جب مولوی گل علی شاہ صاحب بٹالہ واپس چلے گئے تو حضرت مرزا صاحب کو بھی وہیں جانا پڑا۔ وہاں ان کا اپنا مکان بہت عالی شان تھا۔ چنانچہ آپ رہتے اپنے مکان میں تھے اور تعلیم مولوی گل علی شاہ صاحب سے حاصل کرتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کے ہم مکتبوں میں دو طالب علم قابل ذکر ہیں۔ (۱) ایک تو لالہ بھیم سین جو بعد میں سیالکوٹ میں وکالت کرتے رہے ان کے نانا ڈپٹی مٹھن لال صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے۔ چونکہ وہ ذات کے کائستھ تھے اور کائستھوں میں بہت عرصہ سے فارسی کی تعلیم کا رواج تھا۔ اس لئے ڈپٹی صاحب نے اپنے نواسہ بھیم سین کو بھی مولوی گل علی شاہ صاحب کے تلمذ میں دے دیا تھا۔ اور اس طرح وہ حضرت مرزا صاحب کے ہم مکتب بن گئے تھے۔

حضرت مرزا صاحب کی یہ نوجوانی کا زمانہ تھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب بہت سے نوجوان اپنی ناتجربہ کاری اور جوشِ جوانی کی وجہ سے طرح طرح کی غلط کاریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آپ خوبصورت اور وجیہہ جوان تھے۔ طالب علم تھے۔ بٹالہ میں اکیلے رہتے تھے۔ دنیا میں ابھی کسی دعوے کو لے کر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ ان بے تکلفی کے ایام میں اگر آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ نہ ہوتی تو مدت العمر کے لئے لالہ بھیم سین آپ کے مداح خواں اور مخلص دوست نہ رہ سکتے تھے۔ اور آپ کا احترام ان کے قلب میں نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سیالکوٹ میں جب حضرت مرزا صاحب تشریف لے گئے تو لالہ بھیم سین آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور وہ آپ کے بہت سے خوارق کے عینی شاہد تھے۔

(۲) دوسرا ہم مکتب آپ کا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے انہوں نے بھی حضرت مرزا صاحب کی طرز زندگی اور پاکیزہ اخلاق کا خوب مطالعہ کیا تھا چنانچہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ میں ایک شہادت حقہ ان کی قلم سے شائع شدہ اب تک موجود ہے۔ لکھتے ہیں:-

> " مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین میں سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب تھے۔ اس زمانہ

سے آج تک ہم ہیں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے"۔
اپنی رائے کی اہمیت کے اس طرح اظہار کے بعد وہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی تصرتوں میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

یہی مولوی محمد حسین صاحب حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے قبل آپ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ کا جوتا اٹھا کر آپ کے سامنے سیدھا کر کے رکھ دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے آپ کو وضو کرانا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

طِبّ کی تعلیم۔ حضرت مرزا صاحب کے والد ماجد نہایت حاذق طبیب تھے۔ بعض طب کی کتابیں حضرت مرزا صاحب نے اپنے والد سے پڑھیں۔

مطالعہ کی کثرت۔ حضرت مرزا صاحب کو مطالعہ کی بہت عادت تھی۔ علاوہ اپنی درسی کتابوں کے جو کتابیں اکثر آپ کے زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔ وہ تھیں قرآن شریف۔ صحیح بخاری۔ فتوح الغیب۔ مثنوی مولانا روم۔ دلائل الخیرات۔ تذکرۃ الاولیاء۔ سفر السعادۃ۔ کتابوں کے اس انتخاب سے ہی پتہ لگ سکتا ہے کہ آپ کا مذاق محض دینی و اخلاقی اور کس قدر پاکیزہ تھا۔

قرآن شریف کے علم کے لئے تڑپ۔ قرآن شریف سے آپ کو اس قدر عشق تھا کہ وہ جزوِ زندگی بن چکا تھا۔ دن رات میں اکثر حصہ وقت کا قرآن مجید کی تلاوت میں صرف ہوتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے۔ ٹہلتے قرآن مجید پڑھنے کا شغل جاری رہتا۔ آپ قرآن شریف پڑھتے جاتے اور زار زار روتے جاتے۔ قرآن شریف کا فہم حاصل ہونے کے لئے بہت دعائیں کرتے تھے۔ سجدوں میں جناب الٰہی میں گریہ و زاری کرتے۔ کوئی آیت اگر مشکل ہوتی تو اس کے معارف و حقائق کا علم پانے کے لئے ہمہ وقت اس آیت کو سامنے رکھتے اور نہایت عجز و الحاح سے دعائیں کرتے یہاں تک کہ اس کا علم آپ کو مل جاتا۔ نئے معارف جب کھلتے تو یادداشت کے طور پر انہیں نوٹ کر لیتے۔

خدا جانے کتنے ہزار دفعہ قرآن شریف ختم کیا جس کا صحیح علم تو اللہ تعالےٰ کو ہے۔ لیکن مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان تھا کہ کم سے کم دس ہزار دفعہ تو ضرور پڑھا ہوگا۔ آپ کا ایک قرآن شریف تو حضرت مولانا محمد علی صاحب کے پاس بھی ہے۔ جسے آپ نے سترہ سال پڑھا تھا۔ پڑھ پڑھ کر جس کے ورق بھی گھس گئے ہیں۔ اس کے حاشیہ پر اپنی قلم سے اوامر و نواہی کے نمبر بھی دیتے ہیں۔

آپ کی دنیا سے بے رغبتی اور خلوت پسندی۔ حضرت مرزا صاحب کے والد صاحب آپ کو زیادہ مطالعہ سے [illegible] روکتے اور چاہتے تھے کہ زمینداری کے کام میں لگ جاویں اور ان مقدمات میں ہاتھ بٹادیں جن کے ذریعہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے دیہات کو واپس لینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن آپ کو ان دنیاداری کے کاموں سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ خلوت بہت پسند تھی اور کچھ ایسا جذب جناب الٰہی کی طرف سے تھا کہ اس خلوت میں سوائے یاد الٰہی کے آپ کو کسی اور مشغلہ سے دلچسپی نہ تھی۔ مطالعہ بھی تھا تو اسی غرض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ اس سے معرفتِ الٰہی میں کتنی ترقی ہوسکتی ہے یا مخلوقِ الٰہی کو کس قدر نفع پہنچ سکتا ہے یا دین کی خدمت کس قدر ہوسکتی ہے۔ جوانی میں انسان کے تمام جذباتِ حیوانی جوش اور ہیجان میں ہوتے ہیں مگر یہاں جوانی آئی اور ترقی اور جوش پیدا ہوا تو اسی محبت الٰہی میں جو آپ کی فطرت میں بطور بیج کے بوئی گئی تھی۔

شادی ابھی آپ تعلیم میں ہی مشغول تھے جو رواج کے مطابق آپ کے والد صاحب نے آپ کے ماموں مرزا جمعیت بیگ صاحب کی بیٹی سے آپ کی شادی کردی۔ آپ کی شادی نہایت سادہ طریق سے بغیر کسی بدعت کے ہوئی۔ حالانکہ آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر بیگ صاحب کی شادی میں بڑا دھوم دھڑکا ہوا تھا۔

لیکن اس شادی سے آپ کے مشاغل میں فرق نہیں آیا۔ آپ بی بی کے ساتھ نہایت نیک سلوک کرتے اور حسنِ معاشرت برتتے تھے۔ مگر خلوت پسندی اور عبادت گذاری میں جو استغراق تھا اس میں دنیا کی کوئی کشش مخل نہ ہوسکتی تھی۔ آپ کے وقت کا اکثر حصہ مسجد میں یا مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا اس میں عبادتِ الٰہی میں گذرتا تھا۔

غذا غذا نہایت سادہ ہوتی تھی اور جو کھانا بھی گھر سے آتا تھا اس کو چند یتیم اور مسکین بچوں میں تقسیم کر کے کھلاتے تھے۔ کھانے کو چار پانچ حصوں میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اور ہر ایک بچہ کو ایک ایک روٹی اور تھوڑا تھوڑا سالن دے دیتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے لئے صرف ایک روٹی بچتی۔ اور بعض دفعہ ایک بھی نہ بچتی۔ تو آپ فقط شوربا پینے پر ہی اکتفا کرتے۔ یہ لوگ جو آپ کے کھانے میں حصہ بٹانے والے تھے علی العموم کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے اور کبھی ان میں سے کوئی موجود نہ ہوتا اس میں سے اس کا حصہ رکھ لیتے تھے۔ اس طرح ہر کسی کو یہ فکر نہ ہوتا تھا کہ اگر وقت پر نہ گئے تو کھانا نہیں ملے گا۔ بلکہ ہر ایک شخص مطمئن تھا کہ میرا حصہ جب بھی جاؤں گا محفوظ ملے گا۔ تیسرے پہر کو اگر بھوک لگتی تو آپ کابلی چنے بازار سے منگوا کر کھا لیتے تھے۔ کبھی چائے بھی بنوا کر پی لیتے تھے۔ غذا اس طرح کم ہوتے ہوتے نہایت قلیل رہ گئی تھی۔

عبادت۔ آپ کو قرآن کریم اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ اور آپ کی جو کچھ عبادات تھیں قرآن اور سنّت سے کبھی متجاوز نہ ہوتی تھیں۔ پانچ وقت کی نماز کے علاوہ تہجد کی نماز کا بہت التزام تھا۔ اشراق کی نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔ مگر تہجد کی نماز سے بہت محبت تھی۔ نماز میں آپ کی توجہ الی اللہ اس قدر زبردست تھی اور انہماک اتنا ہوتا تھا کہ گویا آپ دنیا میں نہیں ہیں۔

نماز تہجد میں سورۃ فاتحہ کو بہت درد اور توجہ سے پڑھتے اور بہت دعائیں کرتے تھے۔ درود شریف بھی کثرت سے پڑھتے تھے اور توجہ اور درد کے ساتھ پڑھتے تھے کہ بعض دفعہ اس کے ساتھ گریہ و بکا بھی شامل ہوتا تھا۔ آپ آج کل کے صوفیوں اور سجادہ نشینوں کے وظائف کو جو قرآن و سنّت سے متجاوز ہیں بدعت سمجھتے اکثر فرمایا کرتے تھے

> بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
> لیکن میفزائے بر مصطفےٰ

آپ کے والد آپ کی خلوت نشینی اور عبادت گذاری سے بعض دفعہ تنگ آکر فرماتے کہ :۔

"یہ ہمارے ہاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے۔"

کبھی کوئی حضرت صاحب سے ملنے آتا اور آپ کے متعلق دریافت کرتا تو فرماتے کہ :۔

"مسجد کے سقاوہ کی کسی ٹونٹی میں جا کر دیکھو اگر وہاں نہ پاؤ تو مسجد کے اندر کسی گوشہ میں تلاش کرو۔ اگر وہاں بھی نہ ہو تو دیکھنا کسی صف میں کوئی لپیٹ کر نہ کھڑا کر گیا ہو۔ کیونکہ وہ زندگی میں

ہی مرا ہوا ہے۔"

لیکن بعض دفعہ فرمایا کرتے کہ :-

"میں ترحّم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ کس طرف اس کی توجہ ہے (یعنی دین کی طرف) اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔"

تدریس انہی ایام میں جبکہ آپ قادیان میں زاہدانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور باوجود خلوت نشینی کے آپ کو اپنے والد ماجد کے ارشاد اور حکم کی تعمیل میں مقدمات کی تعمیل میں باہر نکلنا پڑتا تھا۔ پھر بھی جو وقت بچتا تھا اس میں اپنے مشاغل دینیہ کے بعد تعلیم و تدریس سے بھی مضائقہ نہ فرماتے تھے۔ ایک طریق تعلیم کا تو یہ تھا کہ اپنے پاس آنے والے بچوں کو جن میں وہ کھانا کھانے والے یتامیٰ بھی شامل تھے۔ نماز و درود شریف اور دوسرے احکام اسلام کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جو ملازم پاس ہوتا اسے بھی نماز پڑھواتے اور دین سکھاتے کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو اسے استغفار اور درود شریف پڑھنے کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ یہ ردّ بلا کا مؤثر نسخہ ہے۔ لیکن اس طریق کے علاوہ بعض لوگوں کو متعارف کتب کے سبق بھی پڑھوا دیا کرتے تھے۔

ان پڑھنے والوں میں مرزا سلطان احمد صاحب۔ آپ کے سب سے بڑے فرزند بھی ہیں۔ ایک وقت تک وہ آپ سے بعض درسی کتب عربیہ پڑھا کرتے تھے۔ میاں علی محمد صاحب کو آپ نے گلستان، بوستان پڑھائیں۔ بھائی کشن سنگھ قادیان کے مشہور لمبے کیسوں والے آریہ نے آپ سے طب پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے باوجود اپنی مصروفیتوں کے اسے ردّ نہیں فرمایا۔ چنانچہ بھائی کشن سنگھ نے طب کے سبق پڑھنے شروع کر دیئے۔ ان کا بیان ہے کہ چونکہ عموماً دروازہ بند ہوتا تھا، میری آہٹ پا کر دروازہ کھول دیا کرتے تھے۔

اس سادی تدریس کے زمانہ میں حضرت مرزا صاحب کو کبھی میں نے ناراض ہوتے نہیں پایا۔ ان کی خدمت میں جاتے ہوئے ہم کو ذرا بھی جھجک اور حجاب نہ ہوتا تھا۔ ہم بے تکلف جس وقت چاہتے چلے جاتے تھے اور کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ آپ نے اپنی مصروفیت یا آرام کرنے کا عذر کر کے ٹال دیا ہو۔ بعض اوقات آپ نے سونے سے اٹھ کر دروازہ کھولا ہے مگر بُرا نہیں منایا کہ تم نے آ کر میرے آرام میں خلل ڈالا۔ کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ وہ کھانا کھاتے جاتے تھے اور پڑھاتے بھی جاتے تھے۔ اس حالت میں بعض اوقات میری کتاب میں کوئی غلطی نکلی ہے تو آپ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور مستند کتاب نکال کر لائے اور اس غلطی کی اصلاح یا مشکوک امر کو درست کر دیا۔ میں نے ہرچند عرض کیا کہ آپ تکلیف نہ اٹھائیں کھانا کھا لیں بعد میں دیکھا جائے گا۔ مگر آپ نے میری اس درخواست کو نہ مانا اور فرمایا کہ "تمہارا حرج ہوگا یہ ٹھیک نہیں"۔

غرضیکہ آپ فقط عبادت الٰہی میں ہی مصروف نہ تھے بلکہ آپ کا وجود مخلوق کے لئے نافع وجود تھا جو ہمیشہ دوسروں کے کام آتا اور مخلوق کو فیض پہنچاتا رہتا۔

اپنے والد صاحب کی اطاعت کے لئے مقدمات کی پیروی۔

حضرت مرزا صاحب اپنی طبیعت کے خلاف محض اپنے والد بزرگوار کے حکم کی اطاعت کے لئے مقدمات وغیرہ کی پیروی کے لئے جہاں کہیں وہ فرماتے چلے جاتے اور اس کام میں بعض دفعہ بڑی محنتِ شاقہ برداشت کرتے تھے اگر مقدمات کی پیروی آپ کی طبیعت کے سراسر خلاف تھی۔ اور ان باتوں سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ لیکن اس کے یہ معنے نہ تھے کہ آپ نے لاپروائی سے مقدمہ بگاڑ دیا ہو) اور صحیح طور پر پیروی نہ کرنے سے عدالت میں شکست کھائی ہو۔ نہیں۔ آپ تمسک بالاسباب پورا پورا کرتے اور ہر ایک جائز طریق پر ہر مقدمہ کے لئے پورا پورا تیار ہو کر جاتے۔ ہر مقدمہ کے متعلق ضروری کاغذات و شواہد کا خلاصہ تحریر کر لیتے اور ہر ایک قسم کے کاغذات کی جو شامل مثل کرتے یا عرضی دعوے وغیرہ جو ہوتا ان کی نقول رکھتے تا عندالضرورت مقدمہ کے سمجھنے یا سمجھانے میں آسانی ہو اور ان مقدمات میں اخراجات کے متعلق اگر آپ والد صاحب سے پوچھتے نہ تھے مگر آپ اخراجات کی ہر ایک تفصیل ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے۔

راستی پسندی باوجود اس کے کہ آپ تیاری مقدمہ میں پوری محنت اور کوشش فرماتے تھے۔ آپ کبھی جھوٹ اور ناجائز ذرائع سے کام نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالےٰ سے ان مقدمات کی نسبت دعائیں کرتے تو ان میں بھی جناب الٰہی کی رضا مدِّنظر ہوتی۔ یعنی دعا یہی کرتے کہ جو بات حق اور عدل پر مبنی ہو اسی پر مقدمہ کا فیصلہ ہو۔ جس رات کی صبح کو آپ نے تاریخ پر جانا ہوتا تو عشاء کی نماز مسجد میں پڑھ چکنے کے بعد نمازیوں سے کہتے :-

"مجھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جانا ہے۔ میں والد صاحب کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ دعا کرو کہ اس مقدمہ میں حق حق ہو جائے اور مجھے مخلصی ملے۔ میں نہیں کہتا کہ میرے حق میں ہو۔ اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حق کس طرف ہے۔ پس جو اس کے علم میں حق ہے اس کی تائید اور فتح ہو۔"

اس دعا کے لئے آپ خود بھی ہاتھوں کو پھیلاتے اور دیر تک دعا مانگتے اور تمام حاضرین بھی دعا میں شریک ہوتے۔ جھوٹ اور جھوٹی گواہی سے اس قدر نفرت تھی کہ بعض دفعہ وکلاء آپ کا مقدمہ چھوڑ دیتے اور آپ اگر جھوٹ نہ بولیں گے تو سزایاب ہو جائیں گے۔ مگر آپ صریح نقصان کو دیکھتے ہوئے بھی راستی کو نہ چھوڑتے اور وکلاء کو صاف طور پر کہہ دیتے کہ :-

"چونکہ اسباب سے کام لینے کا حکم ہے، اس لئے تمسک بالاسباب کے طور پر ہم آپ کو وکیل بناتے ہیں۔ واللہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی امر دنیا میں ظہور پذیر نہیں ہوتا جب تک پہلے اس کا فیصلہ آسمان پر نہ ہو۔ پس ہم آپ کی خاطر اللہ تعالےٰ کو ناراض نہیں کر سکتے۔"

دنیادار لوگ حیران ہوتے مگر آپ ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ مقدمہ ہار جائے یا جیت جائے آپ کو اس سے غرض نہ تھی۔ آپ اپنی طرف سے جس قدر تیاری مقدمہ کے لئے ہو سکتی تھی کرتے تھے۔ جائز سعی اور تدبیر میں کمی نہ کرتے تھے اس کے بعد نتیجہ کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔

آپ کا توکّل اور رضا بالقضا کا مقام اس امر سے بہت اعلےٰ وارفع تھا کہ مقدمہ ہارنے سے کوئی غم ہو یا جیتنے سے کوئی خوشی ہو۔ البتہ جب ایک مقدمہ ختم ہو جاتا خواہ اس میں شکست ہی ہوئی تو اس بات سے ضرور آپ کو خوشی ہوتی تھی کہ مفت کے ایک جھنجھٹ سے نجات ملی ۔۔۔۔۔۔۔۔

شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی آپ کو شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی اور خلوت اور گوشہ گزینی سے بے انتہا پیار تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا :-

"اگر خدا تعالےٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں گا ۔۔۔۔۔۔۔۔
جو لذّت مجھے خلوت میں آتی ہے اس سے بجز خدا تعالیٰ کون واقف ہے۔ میں قریباً ۲۵ سال تک خلوت میں بیٹھا ہوں۔ اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا کہ دربار و شہرت کی کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے نفرت رہی ہے۔"

از مکرم علامہ شیخ عبد الرحمٰن مصری صاحب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زندہ جاوید کارنامہ

دُنیا کے تمام مذاہب پر اپنے علم الکلام اور نشانات کے ذریعہ اسلام کی برتری ثابت کر دی

مُسلمانوں کی زبوں حالی کے متعلق حضرت نبی کریم صلعم کی پیشگوئی۔

حضرت نبی کریم صلعم کی پیشگوئی کے مطابق تیرھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی زبُوں حالی اپنے پُورے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اسلامی سلطنتیں ایک ایک کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلتی جا رہی تھیں اگر کوئی باقی بھی تھی تو وہ اپنی طاقت کھو چکی تھی۔ اسلام کے لئے وہ کوئی اعلےٰ خدمت سر انجام نہیں دے سکتی تھی۔ مذہبی حالت بھی مسلمانوں کی نہایت گر چکی تھی۔ علماء بجائے مسلمانوں کی اصلاح کرنے کے آپس میں ایک دوسرے پر تکفیر کے تیر چلا رہے تھے۔ پیشگوئی کے مطابق یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مشابہت تامہ پیدا کر چکے ہُوئے تھے۔ مخالفین اسلام کے حملوں کی یلغار اتنی تیز تھی کہ علماء اس کا مقابلہ کرنے سے بالکل عاجز تھے۔

عیسائی قوم کے پادریوں نے عقائد اسلام پر اس زور و شور سے حملہ کرنا شروع کیا ہُوا تھا کہ مسلمان ان کے سامنے بالعموم لاجواب تھے کیونکہ وہ عقائد مسلمان علماء کے خود اپنے تراشیدہ تھے جن کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اسلام کو بدنام کرنے والے تھے۔ بجائے اسلام کی طرف دلوں میں رغبت پیدا کرنے کے اس سے نفرت پیدا کرنے والے بن رہے تھے۔ اسلام صرف چند رسوم کا نام تھا اور ایمان صرف نام کا ایمان تھا۔ حقیقت سے مسلمان بالکل دُور ہو چکے تھے۔

قرآن شریف پڑھتے تھے لیکن وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ یعنی دلوں پر اس کا ذرہ بھر اثر نہ تھا عملی حالتیں بالکل خراب ہو چکی تھیں۔ مسجدوں میں گو نمازی تو موجود ہوتے تھے لیکن نماز کی حقیقت اور اس کی رُوح سے بالکل بہرہ ور نہ تھے۔ اسی وجہ سے حدیث میں کہا گیا کہ مسجدیں درحقیقت حقیقی معنوں کے لحاظ سے ویران ہوتی تھیں۔

دشمنانِ اسلام کا رعب مسلمان علماء کے دلوں پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ ان کا سامنا کرنے سے بھاگتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عوام اسلام سے بد دل ہو چکے تھے غرضیکہ اعتقادی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی مسلمان صرف نام کے مسلمان تھے کہ چودھویں صدی ہجری کا آغاز ہو گیا جو حضرت نبی کریم صلعم کی پیشگوئی کے مطابق کہ ہر صدی کے سر پر خدا اسلام میں مجدد مبعوث کیا کرے گا اور اُمّت کی اصلاح کے لئے جو اسلام کے مبارک چہرے سے یہ تمام غبار اُڑا دیا کرے گا اور اسلام کا اصلی روشن چہرہ دنیا پر از سر نو ظاہر کر دیگا۔

ایک طرف تو وہ مجدد مسلمانوں میں پھیلے ہُوئے غلط عقائد کا قلع قمع کر دے اور اسلام کے صحیح عقائد پیش کر کے مخالفین اسلام سے اسلام پر حملہ آور ہونے کی طاقت سلب کر لے گا۔ اور یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان جو دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز نظر آ رہے ہوں گے اس کی وجہ یہ نہیں ہوگی کہ مسلمان تعداد میں تھوڑے ہوں گے بلکہ یہ ہوگی کہ وہ ان سے مرعوب ہوں گے۔ اسی طرح دوسری طرف مسلمانوں کی عملی حالت کی بھی اصلاح کر دے گا اور ان کے دلوں میں اسلام کی حقیقی رُوح پھونک دے گا اور ان کے دلوں میں بصیرت سے بھرا ہوا ایمان پیدا کر دے گا ان کی نمازیں اپنے اندر نماز کی حقیقی رُوح رکھنے والی ہوں گی۔ نماز کے علاوہ باقی عبادتیں بھی ان کو خدا سے قریب کرنے والی ہوں گی نہ کہ دُور کرنے والی ہوں گی

پس چودھویں صدی کا آغاز ہُوا ہی تھا کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی خدا کی طرف سے بطور مجددِ اعظم ظاہر ہو کر اسلام کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے اور قرآن کریم کی آیت انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں مذکورہ وعدہ الٰہی کے مطابق حمایت اسلام کا بیڑہ اٹھا کر اس صداقت کو چار چاند لگا دیئے اور حدیث کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم اور دوسری حدیث میں فامکم منکم کے مطابق مسلمانوں کی زبوں حالی کو درخشاں حالات کے ساتھ بدل دیا

آیت قرآنی میں جو وعدہ خدا نے قرآن کریم کی حفاظت کے لئے کیا ہوا تھا اس کو پُورا کر دیا۔ یہاں تک کہ اسلام اپنے عقائد کے لحاظ سے بھی چمک اُٹھا اور عمل کے لحاظ سے بھی درخشاں نظر آنے لگا۔ جو جماعت [illegible] نے تیار کی اس کی عملی حالت کو دیکھ کر تمام مخالف مذاہب والے بول اُٹھے [illegible] کیرکٹر کی اگر کوئی جماعت ہے تو یہی جماعت ہے۔

علامہ اقبال صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ اسلام کی ٹھیٹھ نمونہ والی جماعت اگر دیکھنی ہو تو قادیان میں جا کر دیکھو۔ صرف علامہ اقبال صاحب ہی نہیں بلکہ مفکرین بھی اس زمانہ میں قادیان گئے انہوں نے جماعت کے متعلق یہی رائے دی کہ یہ جماعت ہی اصلی پاکیزہ جماعت ہے جس کا کیرکٹر ہر لحاظ سے قابل رشک ہے اور یہی درحقیقت زندہ جماعت ہے۔

عیسائی اور دیگر مخالفین اسلام جماعتیں جو بڑے زور شور سے اسلام پر حملہ آور ہو رہی تھیں وہ اس مجددِ اعظم کے کلام سے اتنا متاثر ہوئیں کہ انہوں نے اپنے دلوں میں محسوس کر لیا کہ اس شخص کے پیدا کردہ علم کلام کا قطعاً مقابلہ نہیں کیا جا سکتا گو وہ مسلمان جو احمدی نہیں ہوتے تھے ان کو بھی جب عیسائیوں یا آریوں وغیرہ سے مقابلہ پیش آتا تھا تو وہ اپنے علماء کی بجائے احمدی علماء کو ہی مقابلہ کے لئے بلایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ خاکسار خود ایسے لوگوں کے بلوانے پر دشمنانِ اسلام کے مقابلہ کے لئے گیا اور شاندار کامیابیاں حاصل کیں اور ہمیشہ کامران واپس [illegible]

عیسائیوں نے تو اپنے مشنریوں کو یہ ہدایت دی ہوئی تھی کہ اگر کسی احمدی عالم سے تمہیں سامنا کرنا پڑ جائے تو وہاں سے کنی کترا کر بھاگ جانے کی کوشش کرو

اب میں ذیل میں اس مجددِ اعظم کے متعلق بتاتا ہوں جس کو مسیح موعود اور مہدی معہود کا لقب دیا گیا تھا تا وہ ایک طرف تمام غیر مذاہب والوں کو زیر کر دے اور جیسا کہ مسیح موعود کے لئے قرآن شریعت اور حدیث میں پیشگوئی ہے کہ وہ اسلام کو تمام دیگر ادیان پر غالب کر کے دکھلا دے گا اور ان کو مردہ ثابت کر دے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا یہی ثبوت جلسۂ مذاہب اعظم ہے۔

اور دوسری طرف مسلمانوں کی اصلاح بھی نمایاں طور پر کر کے دکھا دی اور یہی دونوں کام مسیح موعود اور مہدی معہود کے تھے جو سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھ سے پوری وضاحت کے ساتھ سر انجام پا گئے۔ اب کوئی مانے یا نہ مانے اس کی مرضی ہے ورنہ جو خدمتِ اسلام کی سیدنا حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ سے سر انجام پائی اس کا انکار تو ناممکن ہے۔

اسلام کی سچائی اور خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے حضور کی چند اہم پیشگوئیاں۔

علم کلام کے ذریعہ [illegible] ادیان [illegible] پوری نہیں کی [illegible] کے ذریعہ بھی حجت پوری فرمائی۔ ذیل میں چند نشانات قارئین کرام [illegible]

کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلی پیشگوئی خود مسلمانوں کے متعلق ہی ہے۔ اس پیشگوئی میں بتلایا گیا تھا کہ مسلمانوں کی موجودہ گری ہوئی حالت تبدیل ہو جائے گی۔ ان کی کھوئی ہوئی حکومتیں انہیں پھر آہستہ آہستہ واپس مل جائیں گی اور وہ آہستہ آہستہ اپنے کھوئے ہوئے عزت کے مقام کو دوبارہ حاصل کر لیں گے۔ الہام کے الفاظ یہ ہیں:۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم اُفتاد۔ پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا۔ اور تیری سب مرادیں تجھے دے گا۔ ربّ الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ جناب الٰہی کا دروازہ کھلا ہے اور اس کی پاک رحمتیں اس طرف متوجہ ہیں۔ دی ڈیز شل کم وین گاڈ شیل ہیلپ یو۔ گلوری بی ٹو دس۔ لارڈ گوڈ میکر آف ارتھ اینڈ ہیون۔ وہ دن آتے ہیں۔ کہ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ خدائے ذوالجلال آفرینندہ زمین و آسمان"

ترجمہ: خوش ہو کہ تیرے مقصد کے پورا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے اور محمدیوں کے پاؤں بلند تر مینار پر مضبوطی سے پڑ گئے ہیں تیری جو سب سے بڑی غرض تھی کہ حضرت نبی کریمؐ کا جلال دنیا پر ظاہر ہو اور آنحضور صلعم خاتم النبیین یعنی تمام نبیوں کے سردار ثابت ہوں اس کا ثبوت تیرے ذریعہ سے دنیا کو مل جائے گا اور تیرے سارے کام جس کے لئے تو مبعوث کیا گیا ہے خدا تعالےٰ انہیں سب درست کر دے گا۔ اور تیری سب مرادیں تجھ کو دے گا۔"

اب ہر شخص جو اس الہام کے ابتدائی الفاظ پر غور کرے گا تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ مسلمان جو اپنی حکومتیں کھو بیٹھے تھے اور اپنی عزت سے محروم ہو چکے تھے ان کو یہ خوشخبری ان الفاظ میں دی گئی ہے۔ وہ وقت اس مامور کی برکت سے نزدیک آتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو دنیاوی عزت بھی حاصل ہو گی ان کے قدم اب عزت کے بلند مینار پر مضبوط پڑ جائیں گے چنانچہ دیکھ لو ہر منصف مزاج آدمی دیکھ سکتا ہے کہ کیا مسلمانوں کو آہستہ آہستہ ہر ملک میں ان کی کھوئی ہوئی حکومت واپس نہیں مل گئی، اور کیا ایسے حالات رُونما نہیں ہوئے جن کے نتیجہ میں ان کو حکومتیں ملنے کے سامان پیدا ہو گئے۔ اگرچہ ابھی کسی قدر ان کی حکومتیں کمزوری کی حالت میں ہیں لیکن دن بدن مضبوطی کی طرف ان کا رُخ ہوتا جاتا ہے۔ یہ تو دنیاوی ترقی کی حالت کا نقشہ ہے۔ لیکن دوسری طرف دینی حالت کا نقشہ واضح طور پر سامنے آ رہا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم تمام نبیوں کے سردار ثابت ہو گئے ہیں۔ تمام نبیوں کا سردار ثابت ہونا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اسلام ہی صرف سچا مذہب ہے اور اس کے سچے پیرو کو خدا تعالےٰ مقرب بندہ بنا سکتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت نبی کریم صلعم کے غلام سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ کو بنا کر دکھلا دیا یا جیسا کہ آگے چل کر دیگر الہاموں کے ذریعہ بھی اس کا ثبوت بہم پہنچا دوں گا۔

پھر اس الہام میں اللہ تعالےٰ بتلا رہا ہے کہ ان دونوں ترقیوں کو حاصل کروانے کے لئے ربّ الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ پھر واضح طور پر اس الہام میں یہ فرما دیا کہ اس نشان کا اصل مُدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خُدا کی کتاب اور خدا کے منہ کی باتیں ہیں نہ کہ نبی کریم صلعم کے منہ کی باتیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔

اَب مسلمانوں پر جناب الٰہی کے احسانات کے دروازے کھُل گئے ہیں اور ان کو حکومتیں بھی مل جائیں گی۔ اور ان کے دین کو تمام ادیان پر برتری حاصل ہو جائے گی۔ الہام بتلا رہا ہے کہ اے میرے بندے یقین رکھو کہ اب خدا تعالےٰ کی رحمتیں مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوں گی اور تیری اس پیشگوئی کو پُورا کرنے کے لئے خدا تعالےٰ تیری مدد کے سامان کر دے گا اور دن بدن تیرے مخلص بندوں کی کوششوں کے نتیجہ میں یہ بات ثابت ہوتی رہے گی کہ خدا ہی زمین اور آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اور سب جلال اسی کے لئے ہے۔ تجھے خدا نہیں چھوڑے گا۔ تیری مدد کے سامان ضرور کرے گا۔ کاش مسلمان اس پیشگوئی کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ خُدا نے کس طرح اپنے اس الہام کے ایک ایک لفظ کو عمل میں لا کر اس کی سچائی کو ثابت کر دیا ہے اور دکھلا دیا ہے کہ خدا در حقیقت سیدنا حضرت مرزا غلام احمدؑ کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہ اس شخص کے دل میں مسلمانوں کی موجودہ گری ہوئی حالت کو ترقی پر لانے کی کس قدر تڑپ تھی کہ خدا تعالےٰ بھی اس کی خواہش کو پُورا کرنے کے لئے آسمان سے اُترا ہے اور اس نے اس کی مرادوں کو پُورا کر کے دکھلا دیا ہے۔

دوسری پیشگوئی ولایت میں اسلام کا پھیلنا

دُنیا جانتی ہے کہ عیسائی اقوام کو خصوصاً یورپ میں رہنے والی عیسائی اقوام کو ایشیائی مذاہب اور ان کے باشندوں سے کس قدر نفرت تھی یہاں تک کہ اُن کے بعض شعراء نے یہ لفظ کہے تھے کہ مشرق اور مغرب آپس میں کبھی مل نہیں سکتے۔ یورپ کے عیسائی خصوصیت کے ساتھ اسلام سے اس قدر متنفر تھے کہ اس کو قبول کرنا تو الگ رہا اس کے قریب جانا بھی اپنی بے عزتی یقین کرتے تھے۔ لیکن خدا کے اس مامور یعنی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ کو خدا تعالےٰ نے اپنے پاک الہام کے ذریعہ اطلاع دی کہ لنڈن میں اسلام پھیلے گا چنانچہ الہام کے الفاظ یہ ہیں:

حضور الہام کے الفاظ درج کرنے سے قبل فرماتے ہیں:۔

"طلوع شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہو گا۔ ہم اس پر بہر حال ایمان لاتے ہیں لیکن اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں۔ آفتاب صداقت سے منوّر کئے جائیں گے۔ اور ان کو اسلام سے حصّہ ملے گا۔"

(ازالہ اوہام۔ صفحہ ۵۱۵)

"میں نے دیکھا۔ کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلّل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہو گا۔

سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی۔ کہ اگرچہ میں نہیں۔ مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔"

اب دیکھ لو کہ اس پاک مامور کا یہ الہام کس صفائی سے پُورا ہوا ہے کس طرح حضورؑ کے کلام اور حضورؑ کے ماننے والوں کے کلام کے ذریعہ انگریز جو اسلام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور جس کے قریب جانا بھی اپنی ہتک سمجھتے تھے کیا اسلام میں داخل ہونے کو فخر نہ سمجھنے لگ پڑے کیا اس الہام کی اس پیشگوئی کے مطابق کس طرح اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ ایسی کھُلی کھلی پیشگوئیوں کا واقعات کی شکل اختیار کرنا کیا ایک سچے مسلمان کے لئے عبرت کا مقام نہیں اور کیا یہ اس کے ایمان کو بصیرت کا رنگ عطا نہیں کرتا کاش مسلمان مخالفت چھوڑ کر دیانت داری سے سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت کو دل سے تسلیم کر کے اُن کے ساتھ ہو کر دین کی خدمت سر انجام دے کر خُدا کی خوشنودی حاصل کریں۔ ورنہ قیامت کے روز اُن سے سوال ہو گا کہ ایسے کھُلے کھُلے نشانوں کو پُورا ہوتے دیکھ کر بھی کیوں ایمان نہ لائے اور مخالفت پر جمے رہے۔

تیسری پیشگوئی اور دُنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پھیلنا۔

صرف لنڈن میں ہی اسلام کے پھیلنے کے متعلق حضوؑر کو الہام کے ذریعہ بشارتیں نہیں دی گئی تھیں بلکہ ساری دُنیا میں اسلام کے پھیلنے کی بشارتیں دی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ:۔

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

اَب یہ حقیقت سب پر آشکارا ہے کہ اسلام اَب حضوؑر اور حضوؑر کے ماننے والوں کی کوششوں سے ساری دُنیا میں پھیل رہا ہے۔ چنانچہ امریکہ پر بھی ایک پیشگوئی کے ذریعہ حجت پُوری ہو گئی۔ چنانچہ وہاں ایک شخص ڈوئی نامی پیدا ہُوا جس نے دعوےٰ کیا کہ مجھے یسوع مسیحؑ نے اس لئے بھیجا ہے کہ میں دُنیا سے اسلام کو مٹا دوں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو مباہلہ کے لئے بلوایا لیکن وہ مباہلہ سے بھاگ گیا۔ پھر حضوؑر نے اس کی ذلت کی موت کی پیشگوئی کی اور فرمایا کہ وہ چند دن کے اندر ہی ہلاک ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ بیس دن کے اندر ہی ہلاکت کا شکار ہو گیا اور اپنی موت سے اسلام کی صداقت پر امریکہ والوں کو شاہد بنا گیا۔

چوتھی پیشگوئی اہلِ ایشیا پر اسلام کی سچائی کی حجت

جاپان میں جو حکومت کام کر رہی تھی اس کو اہلِ یورپ طاقت کا نام دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس حکومت نے بڑے بڑے کام بھی کئے۔ لیکن ان کاموں کی وجہ سے اہلِ یورپ نے اس حکومت کو طاقت کا نام دینا پسند نہیں کیا اور پھر وقت آیا کہ رُوس اور جاپان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ کسی کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ رُوس اس جنگ میں شکست کھا جائے گا لیکن حضوؑر کو الہام ہُوا:۔

"ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت"

چنانچہ یہ الہام اس طرح پُورا ہُوا کہ رُوس جاپان کے ہاتھوں شکست کھا گیا۔ رُوس کا شکست کھانا تھا کہ اہلِ یورپ نے جاپان کو طاقت تسلیم کر لیا اور الہام "مشرقی طاقت" جاپان کے طاقت تسلیم کرنے کے نتیجہ میں پُورا ہو گیا۔ یہ الہام جاپان پر بھی حجت کا کام دے رہا تھا اور رُوس پر بھی حجت کا کام دے رہا تھا۔ بلکہ ساری دنیا پر اسلام کی سچائی ثابت کر رہا تھا، اور بتلا رہا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا سچا مذہب ہے کہ جس کی کامل پیروی کے نتیجہ میں انسان خدا کے قریب ہو جاتا ہے کہ وہ اُسے آئندہ کی خبریں جو ساری دُنیا کے لئے راز کی حیثیت رکھتی ہیں اس پر ظاہر کی جاتی ہیں اور وہ پُوری ہو کر اسلام کی سچائی کو ثابت کر دیتی ہیں۔

افغانستان پر حجت

افغانستان میں امیر امان اللہ خان افغانستان کی حکومت پر بطور حکمران حکومت کر رہا تھا۔ کہ ایک شخص بچہ سقہ نامی نے اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور افغانستان کا حکمران بن گیا۔ لوگ اس کی حکومت پر خوش نہ تھے بلکہ اس کے سلوک سے نالاں تھے۔ ایک شخص اس وقت افغانستان کا باشندہ فرانس میں مقیم تھا۔ اس کا نام نادر خان تھا۔ اس شخص کو اہلِ افغانستان نے کہلا بھیجا کہ وہ افغانستان آکر اہلِ افغانستان کو بچہ سقہ کے مظالم سے نجات دلوائے۔ چنانچہ وہ آیا اور اس نے بچہ سقہ کو شکست دے کر اس کو گرفتار کر لیا اور پھر اسے قتل کروا دیا۔ اور پھر خود افغانستان کا بادشاہ مان لیا گیا۔ اس نے اس کے بعد خان کا لقب چھوڑ کر شاہ کا لقب اختیار کر لیا اور نادر شاہ کہلانے لگا۔ تین مئی ۱۹۰۵ء کو حضوؑر کو ایک رُویاء کے ذریعہ صبح کے وقت لکھا ہوا دکھلایا گیا:۔

"آہ نادر شاہ کہاں گیا"

"وحی کے ان الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی مسلمان بادشاہ جو نادر شاہ کہلاتا ہوگا کہ کسی اچانک اور ہولناک حادثہ سے وفات پائے گا اور یہ حادثہ مسلمانوں کے لئے بہت بڑے صدمہ کا موجب ہو گا جس کی وجہ سے ان کے منہ سے حسرت واندوہ کے ساتھ آہ نادر شاہ کہاں گیا کے الفاظ نکلیں گے۔"

اس کے بعد ۸ر نومبر ۱۹۳۳ء کو عین دن کے وقت نادر شاہ کو ایک شخص "عبدالخالق" نے سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں قتل کر دیا اور اس طرح پر نادر شاہ کی بے وقت اور اچانک موت نے نہ صرف افغانستان بلکہ تمام دُنیا کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ کہلوائے:۔

"آہ نادر شاہ کہاں گیا"

اَب ہر منصف مزاج آدمی غور کر سکتا ہے کہ سیّدنا حضرت مرزا صاحب کو کس طرح یہ علم ہو سکتا تھا کہ نادر شاہ ۲۸ سال کے بعد قتل کا شکار ہو جائے گا اور اس کی موت مسلمانوں کے لئے نہایت ہی صدمہ کا موجب ہو گی۔ (باقی آئندہ)

بقیہ از صفحہ ۱۹

سکتا۔ میں اس کا اور اس کے رسُول کا اور اس کی کلام کا جلال ظاہر کر دوں۔ مجھے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں اور نہ کچھ پرواہ میرے لئے یہ بس ہے کہ وہ راضی ہو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ ہاں میں اس میں لذّت دیکھتا ہُوں کہ جو کچھ اس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ مَیں سب لوگوں پر ظاہر کر دوں۔ اور یہ میرا فرض ہے کہ جو کچھ مجھے دیا گیا ہے وہ دوسروں کو بھی دُوں۔ اور دعوتِ مولیٰ میں سب کو شریک کر لوں جو ازل سے بلائے گئے ہیں۔" (ازالہ اوہام)

حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب "الوصیت" میں اپنی جماعت کو یہ بشارت دیتے ہیں۔ جس میں ایک طرف دائمی زندگی کا پیغام ہے۔ اور دوسری طرف آنے والے ابتلاؤں میں ثبات قدم کی تلقین ہے۔

"یہ مت خیال کرو۔ کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خُدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے۔ کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے۔ تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو آخیر تک صبر کریں گے اور اُن پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دُنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی۔ وہ آخر فتحیاب ہونگے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دُنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔"

(الوصیت)

پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو حضرت مجدّد الزمان جو یحیی الدین ویقیم الشریعۃ کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان کو پہچاننے کی توفیق ملی۔ جن کی صداقت پر ہزار ہا نشان روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو چکے ہیں اے مولیٰ کریم ہم سب کو آپ کی ہدایات پر حقیقی طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

از جناب مرزا محمد لطیف صاحب مولوی فاضل شاہد لاہور

حضرت مجددِ اعظم! یُحیِ الدّین ویُقیمُ الشّریعۃ

ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ...... (الفتح)

خدا تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں یہ خبر دی ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوگا۔ اور اپنے کارناموں کی وجہ سے رُوحانی اعتبار سے وہ مجددیت کے مقام پر فائز ہوگا اور اپنی خدمات کی وجہ سے مثیل ابن مریم ہوگا۔ اور اُمّتِ محمدیہ کے اختلافات کو ختم کرنے کے بعد حکم کا فرض ادا کرے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق دے گا کہ وہ ایک طرف اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا سنگِ میل ہوگا۔ اور وہ ایک ایسے دور میں پیدا ہوگا جب مذاہب کی ایک عالمگیر قلمی جنگ ہوگی۔ اہلِ دُنیا کے اذہان افکار اور قلوب میں ایک طرف بڑی روشنی ہوگی، اور ساتھ ہی ذہنی و فکری انتشار ہوگا اور مادی افراط و تفریط کی وجہ سے بے چینی ہوگی۔ ان کو کسی پہلو قرار نہیں آئے گا۔ اور کجا اتنی بلندی اور سطحیت کا عالم اور سائنس کی ایجادات نے ان میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہوگا۔ اس وقت مذہبی دنیا میں ایک جمود کی کیفیت طاری ہوگی۔ اس وقت وہ ماموِر دین جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہوئی ہے اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا۔ اس تاریکی کو پھاڑے گا۔ اور ایسے زبردست دلائل، قوتِ قدسیہ سے مذاہب پر اسلام کو غالب ثابت کرے گا۔ اور وہ کیونکہ بڑا ہی تاریک زمانہ ہوگا۔ بڑی زبردست طاقتیں اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر ہوں گی۔ اور جملہ مذاہب والے ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

وہ پاک ہستی ماموِر الٰہی خدا تعالیٰ سے توفیق پاکر زبردست دلائل سے ان کا مقابلہ کرے گا۔ اور ایسی پیشگوئیاں کرے گا۔ جب وہ خبریں دی جا رہی ہوں گی۔ بظاہر کسی قسم کے حالات بھی ان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے ہوں گے۔ اور پھر جب وہ اخبار پوری ہوں گی۔ تو اہلِ دُنیا پر حجت پوری ہو جائے گی کہ واقعی ایک خالق و مالک، خالقِ ارض و سماء حی و قیوم ہے۔ جس کے امر سے یہ کائنات عالم قائم و جاری و ساری ہے۔ اور قبولیت دُعا کا عظیم الشان معجزہ رُوحانی مُردوں کے لئے پیغامِ حیات کا کام دے گا۔ نامساعد حالات میں گوشہ گمنامی تنہائی۔ اور گوردہ میں بیٹھ کر ایسی زبردست کتابیں تالیف کرتا ہے۔ جس میں یہ بشارت دیتا ہے کہ اسلام ساری دنیا پر غالب آ کے گا:—

"سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے۔ اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے۔ جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں، اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلّتیں قبول نہ کر لیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے؟ ہمارا اس راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی پر موقوف ہے۔"

یہ اقتباس "فتح اسلام" کا ہے جو دعوے کے بعد کی پہلی تصنیف ہے۔ فرمودہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھا کہ وہ مجدد۔ دین کو زندہ کریگا اور شریعت کو قائم کرے گا۔ اس وقت ملک ہند میں کروڑہا مسلمان بستے تھے۔ کوئی قریہ ایسا نہیں تھا جہاں مسلمان علماء نہ ہوں۔ اور آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے اس ملک میں حکومت کی تھی۔ ان کے پہلو میں کروڑہا ہندو بستے تھے۔ آخری شریعت قرآن مجید۔ آخری رسول خاتم النبیین کے ماننے والوں کی مذہبی رنگ میں ان ہندوؤں کے مقابلہ میں حالت کیا تھی۔ ملاحظہ فرمائیں:—

"اجمیر سے چل کر سوامی دیانند چاند پور پہنچے اور مسلمانوں سے زبردست مناظرہ کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی ابوالمنصور (ناصرالدین) صاحب پیش ہوئے ان کی مدد کے لئے بہت سے مولوی موجود تھے۔ لیکن سوامی جی مہاراج کے ساتھ صرف منشی بختاور سنگھ اور منشی اندرمن مرادآبادی تھے۔ سوامی جی نے اعتراضات کی اس قدر بھرمار کی کہ مولوی ان کا کوئی جواب نہ دے سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ مولوی نوراللہ صاحب کئی مسلمانوں سمیت آریہ ہو گئے۔ انہی ایام میں ایک ہزار کے قریب اور مسلمان بھی آریہ ہو گئے۔ آریہ ویروں نے جگہ جگہ شدھی سبھا قائم کر کے مسلمانوں میں پرچار شروع کر دیا۔"

یہ تھا ملک ہند کا حال۔ لیکن جیسا اللہ کا وعدہ ہے اس نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مامور فرمایا۔ آپ ان مذاہب کے مقابلہ (جیسا کہ قرآن مجید نے لیظھرہ علی الدین کلہ) کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں:—

"اگر کوئی اپنے مذہب کو سچا سمجھتا ہے تو بالمقابل نشان دکھانے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ لیکن میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا بلکہ بدنیتی سے پیچ در پیچ شرطیں لگا کر بات کو ٹالیں گے کیونکہ ان کا مذہب مردہ ہے۔ اور کوئی ان کے لئے زندہ فیض رساں موجود نہیں جس سے وہ روحانی فیض پا سکیں اور نشانوں کے ساتھ چمکتی ہوئی زندگی پا سکیں۔" (تریاق القلوب)

یہ صرف زبانی دعوے نہ تھا بلکہ آپ عملاً ان مذاہبِ باطلہ کے مقابلہ میں میدان میں آئے۔ اور غیر مذاہب والوں کو حقیقت ظاہر ہونے پر مجبور ہو کر تسلیم کرنا پڑا کہ ہم مرزا صاحب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک آریہ سماجی ان حالات کو دیکھ کر لکھتا ہے:—

"مرزا غلام احمد نے اس دَرگھٹنا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور آریوں کے خلاف ایسا لٹریچر لکھا ہے کہ جس نے مسلمانوں کے دلوں میں آریہ دھرم کے متعلق سخت نفرت پیدا کر دی ہے۔"

(آریہ سماج اور پرچار کے سادھنا صفحہ ۱۲ مؤلفہ مہاشہ دیرورت)

اسی طرح ایک اور برہمو سماجی لکھتا ہے:—

"......... روزانہ بیسیوں مسلمان برہمو سماج کے پردیش میں داخل ہوتے .... ہمیں معلوم ہے کہ بنگال کے بڑے بڑے مسلم خاندان برہمو سماج کے ساتھ نہ صرف ہمدرد تھے بلکہ اس کے باقاعدہ ممبر تھے۔ لیکن عین انہی دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جو مسلمانوں میں ایک بڑے عالم تھے، ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف کتابیں لکھیں اور ان کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ افسوس کہ برہمو سماج کے کسی ودوان نے اس چیلنج کی طرف توجہ نہ دی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مسلمان جو کہ برہمو سماج کی تعلیم سے

متاثر تھے نہ صرف پیچھے ہٹ گئے۔ بلکہ باقاعدہ برہمو سماج میں داخل ہونے والے مسلمان بھی آہستہ آہستہ اسے چھوڑ گئے۔"

(رسالہ کومدی کلکتہ۔ اگست ۱۹۰۲ء۔ ترجمہ از ہندی)

اور اصل مقابلہ آپ کا عیسائیوں سے تھا وہ ساری دنیا پر چھائے ہوئے تھے نہایت منظم طریقے سے وہ تبلیغ عیسویت کر رہے تھے۔ خطرناک عزائم لے کر ان کے پادری تبلیغ کر رہے تھے۔ اور سادہ و محروم اقوام کو دھڑا دھڑ اپنے حلقے میں شامل کر رہے تھے۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح موعود میری امت میں پیدا ہوگا۔ یکسر الصلیب کرے گا۔ یعنی دلائل کے ساتھ صلیب کو توڑے گا۔ ہمارے مسلمان بھائی مسیح اسرائیلی کا انتظار کر رہے ہیں۔ جو زور سے صلیب توڑے گا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۹۷ء میں فرماتے ہیں:۔

"میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے......
.... قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک کہ دجالیت کو پاش پاش نہ کردے
.... خدا کی سچی توحید....... (سب) ملکوں میں پھیلے گی اور اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا اور خدا کا ایک ہی ہاتھ سب تدبیروں کو باطل کردیگا۔"

اور دوسری طرف عیسائی کیا اعلان کرتے ہیں:۔

"دنیا کے عیسائیت کا عروج کرنے اس درجہ زندہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ یہ درجہ اسے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ذرا ہماری ملکۂ عالیہ (وکٹوریہ) کو دیکھو جو ایک ایسی سلطنت کی سربراہ ہے جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا.......... الغرض یورپی روس اور امریکی سلطنتوں کے حکمران اقرار کرتے ہیں کہ یسوع مسیح کے نائبین ہیں۔ اور اس حیثیت سے اپنی اپنی سلطنتوں میں حکمران ہیں۔ کیا ان سب کے زیر نگین علاقے مل کر ایسی وسیع و عریض سلطنت کی حیثیت نہیں رکھتے کہ جس کے آگے ازمنہ قدیم کی بڑی سے بڑی سلطنت بھی سراسر بے حیثیت نظر آنے لگتی ہے۔"

(لیکچر از ڈاکٹر جان بیروز ۱۸۹۷ء)

کاسر الصلیب حضرت مسیح موعودؑ جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عالمگیر غلبہ بخشنے اور اس کی نشأۃ ثانیہ کے لیے مبعوث فرمایا تھا انہوں نے اتنے زبردست دلائل دیئے۔ اتنی عظیم الشان لاجواب کتب لکھیں کہ عیسائی منّاد باوجود اپنی سطوت۔ طاقت۔ غلبہ۔ وسعت اور مالی وسائل کے سرکلر جاری کرنے پر مجبور ہوگئے۔ کہ (حضرت) مرزا صاحب قادیانی اور ان کی جماعت کے افراد سے مباحثات و مناظرات ہرگز نہ کئے جائیں۔
.... خصوصاً وہ مباحثہ جو ۱۸۹۳ء میں امرتسر کے مقام پر "جنگِ مقدس" کے نام سے ہوا۔ آپ کے علم کلام سے عیسائیوں کے دل دہل گئے چنانچہ ۱۸۹۴ء میں دنیا بھر کے پادریوں کی لنڈن میں کانفرنس ہوئی اس میں لارڈ بشپ آف گلوسٹر ریورنڈ چارلس جان ایلی کیٹ نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:۔

"اسلام میں ایک نئی حرکت کے آثار نمایاں ہیں۔ مجھے ان لوگوں نے جو سائنٹیفک تجربہ میں بتایا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی مملکت میں ایک نئی طرز کا اسلام ہمارے سامنے آرہا ہے......
.... یہ ان بدعات کا سخت مخالف ہے۔ جن کی بناء پر (حضرت) محمد کا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری نگاہ میں قابل نفرین مذہب ہے اور اس کو (حضرت) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پھر وہی پہلی سی عظمت حاصل ہوتی جارہی ہے..........
پھر یہ نیا اسلام اپنی نوعیت میں مدافعانہ ہی نہیں بلکہ جارحانہ حیثیت کا بھی حامل ہے (غور کریں) افسوس تو اس بات کا کہ ہم میں سے بعض اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔"

(دی آفیشل رپورٹ آف دی مشنری کانفرنس انگلیکن کمیونین ۱۸۹۴ء صفحہ ۶۴)

خدا کے مامور نے یہ خبر اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر دی تھی کہ:۔

"یہ لوگ آخر بدظن ہو کر یہ عقیدہ چھوڑ دیں گے۔ اور تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہ ہوگی کہ عیسیٰؑ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید ہو کر اور بدظن ہو کر اس عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین)

اب یہ دور آگیا ہے۔ مسلمان علماء۔ مفکرین۔ صحافی۔ دانشور اور زیرک عیسائی اپنی غلطی کو تسلیم کر رہے ہیں:۔

"حضرت مسیح واقعی ایک انسان ہو گذرے ہیں جو یہودیوں میں وعظ کیا کرتے تھے۔ لیکن سب ڈھونگ ہے کہ وہ خدا اور کنواری ماں کے بیٹے تھے۔ یا وہ وفات کے بعد آسمان پر اٹھ گئے۔"

(تقریر نشریہ بی۔ بی۔ سی۔ لندن۔ نشر وقت ۲۰ جنوری ۱۹۵۵ء)

اسی طرح ہیگ (ہالینڈ) کا ایک کثیر الاشاعت اخبار لکھتا ہے:۔

"اسلام نے یورپ پر دو دفعہ حملہ کیا۔ ایک دفعہ نویں صدی میں جبکہ وہ اسپین کے حاکم ہوگئے تھے۔ اور دوسری دفعہ ترکوں نے سولہویں صدی عیسوی میں حملہ کیا اور وارسا تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن دونوں دفعہ ہم نے اپنی قوت بازو سے مسلمانوں کا مقابلہ کر کے یورپ سے انہیں نکال دیا۔ لیکن اب کہ جو حملہ یورپ پر کیا گیا ہے وہ روحانی ہے اور دلوں پر حملہ ہے۔ ظاہری حملہ نہیں۔ کیا عیسائیت میں روحانی طاقت ہے؟"

کاش! مسلمان علماء۔ مفکرین۔ دانشور عقل و فہم سے کام لیں۔ اور دوست و دشمن میں تمیز کر سکیں اور مجددِ زمان کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو کر آسمانی برکتوں کے وارث ہوں۔ اور وہ جو تدابیر سوچ رہے ہیں۔ کہ اس ذریعہ سے اسلام دنیا میں پھیلے گا، یہ دنیاوی یعنے زمینی تدبیریں ہیں۔ جن کا آسمانی تدبیروں سے کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ آسمانی پانی جو خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس سے دور ہیں۔ جب تک وہ اس پانی سے اپنے آپ کو سیراب نہیں کریں گے۔ اس وقت تک نصرتِ الٰہی سے محروم رہیں گے۔

؎ میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

حضرت مسیح موعودؑ کن پیارے الفاظ میں بنی نوع انسان کو دعوت الی الحق دیتے ہیں:۔

"پیارو! یقیناً سمجھو کہ خدا ہے اور وہ اپنے دین کو فراموش نہیں کرتا۔ بلکہ تاریکی کے زمانہ میں اس کی مدد کرتا ہے مصلحت عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے۔ اور اس پر علوم لدنیہ کے انوار نازل کرتا ہے۔ سو اسی نے مجھے جگایا اور سچائی کے لئے میرا دل کھول دیا۔ میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اس کام میں لگا رہوں۔ بلکہ میں اس کے بغیر جی نہیں

(باقی بر صفحہ ۲ کالم ۲)

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مرحوم کی "آپ بیتی"

اور امیر مرحوم حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی برکات کا اعتراف

(مکرم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے)

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مرحوم کے نام نامی سے قارئین "پیغام صلح" بخوبی واقف ہیں۔ ان کے بلند پایہ اور مشہور ہفتہ وار جرائد "سچ"، "صدق" اور "صدقِ جدید" سے اقتباسات ہمارے اخبار اور دیگر اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور "سچی باتیں" کے عنوان کے تحت مولانا موصوف عمر بھر علم و حکمت کے موتی بکھیرتے رہے اور واقعاتِ عالم پر بے لاگ تنقید و تبصرہ کرتے رہے۔ جناب دریابادی ایک بلند پایہ صحافی، صاحبِ طرز ادیب، ممتاز محقق، فلسفی اور ماہرِ نفسیات، دانشور، معلمِ اخلاق اور قرآن مجید کے مترجم و مفسر تھے۔ آپ نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے۔ دینی علوم میں اعلیٰ دسترس کے علاوہ مشرقی اور مغربی ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ آغاز جوانی سے ہی انہوں نے مضمون نگاری شروع کی اور قریب ستر سال ان کا اشہبِ قلم حرکت میں رہا اور علم و ادب کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کا موجب ہوا۔ آپ متعدد علمی و ادبی، سماجی اور مذہبی اداروں کے رکن تھے اور بہت سی قیمتی تصانیف آپ نے یادگار چھوڑی ہیں۔ اور ان طویل علمی ادبی اور دینی خدمات کے بعد آپ ۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

سیرت نگاری کی اہمیت

: مولانا عبدالماجد صاحب مرحوم کی "آپ بیتی" ان کی وفات کے بعد منظرِ عام پر آئی ہے اور حال ہی میں لاہور کے شاداب بک سنٹر کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ پچاس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں دریابادی صاحب نے اپنی زندگی کے تمام گوشے بے نقاب کئے ہیں اور بچپن سے لے کر پچھتر سال کی عمر تک کے جملہ واقعات و مناظر کی سادہ اور بیساختہ انداز میں تصویر کشی کی ہے اور اپنی داستانِ حیات بیان کرنے میں پوری دیانت اور صداقت سے کام لیا ہے۔

آپ نے "آپ بیتی" ۱۹۶۷ء میں تصنیف کی جبکہ آپ کی عمر پچھتر سال تھی۔ سیرت نگاری ادب و انشاء اور تاریخ و تذکرہ کے اصناف میں ایک دلآویز اور مرغوب صنف ہے اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق۔ کیونکہ پیرانہ سالی میں انسان کے اندر خود بخود یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقارب اور عمر میں چھوٹے ساتھیوں کو اپنی زندگی کے واردات و حوادث اور اپنے تجربات سنائے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو دنیا کا ادب مصنوعی اور خارجی بن کر رہ جاتا اور ہم ادب کے حسین ترین حصہ سے محروم رہ جاتے۔ اب یہ سنانے والے کا اپنا سلیقہ ہے کہ وہ داستانِ حیات کو کس انداز میں پیش کرتا ہے۔

مولانا دریابادی صاحب مرحوم نے اپنے ماحول و اجداد، والدین، بہن بھائی، جملہ عزیز و اقربا، پیدائش، تعلیم، اسکولی زندگی، ازدواجی زندگی، تصنیف و تالیف، معیشت، سیاست اور زندگی کے ہر موڑ پر الگ باب میں نہایت دلپذیر انداز میں واقعات قلمبند فرمائے ہیں۔ لیکن یہ تفصیل ہمارے آج کے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے ہم براہ راست ان کی کالجی زندگی اور فلسفہ کی تعلیم اور دورِ الحاد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فلسفہ دانی اور اس کے نتائج

: مولانا عبدالماجد صاحب مرحوم کالج کے زمانہ میں فلسفہ کے طالب علم تھے اور انہیں فلسفہ سے ایسا شغف تھا کہ مقررہ نصاب کے علاوہ بھی انہوں نے فلسفہ کی تمام بڑی بڑی کتب کھنگال ڈالیں اور مشہور مصنفین، ہیوم، اسپنسر، مل، بریڈلا، جیمس وغیرہ کا خوب گہرا مطالعہ کیا اور اپنے اساتذہ کو اپنی فلسفہ دانی سے بہت متاثر کیا۔

۱۹۱۲ء میں بی اے کرنے کے بعد آپ علیگڑھ میں ایم اے فلسفہ کی کلاس میں داخل ہوئے اور اس وقت کے ہمعصروں میں آپ نے دو اصحاب کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق جماعتِ احمدیہ سے تھا۔ اول پروفیسر محمد نعیم صاحب جو بعد میں اسلامیہ کالج پشاور کے پروفیسر اور پرنسپل بنے اور دوسرے مولوی عبدالقادر صاحب بھاگلپوری۔

فلسفہ کی طرف مولانا کا غیر معمولی رجحان آپ کی طبیعت میں تشکیک و ارتیاب پیدا کرنے کا موجب ہوا۔ اور جوں جوں آپ مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھتے گئے آپ کے ذہن و قلب پر اسلام کی گرفت کمزور ہوتی گئی یہاں تک کہ مسلمان کہلانا بھی آپ کے نزدیک ضروری نہ رہا اور زمانہ کالج میں ایک امتحانی فارم پر کرتے وقت مذہب کے خانہ میں آپ نے اپنے آپکو مسلمان کی بجائے "ریشنلسٹ" لکھا اور اس طرزِ عمل پر آپ کو فخر ہونے لگا اور آپ ذہنی، فکری اور عقلی اعتبار سے ایک فرنگی "صاحب بہادر" بن گئے۔ مسلمانوں سے میل جول کم ہو گیا اور اسلامی تقریبات میں شمولیت ترک ہو گئی اور آہستہ آہستہ کیفیت یہ ہو گئی کہ گویا اسلام سے انہیں سروکار ہی نہیں۔ اور ایک دیندار ماحول اور والدین کے مذہبی لگاؤ اور دینی روایات کے باوجود وہ فرنگی الحاد کے سیلاب میں بہ گئے۔ چنانچہ اپنی اس کیفیت کو وہ یوں بیان کرتے ہیں:-

> "لیجئے، برسوں کی محنت اور تیاری کا قلعہ بات کی بات میں ڈھہ گیا اور بغیر کسی آریہ سماجی، مسیحی یا کسی اور دشمنِ اسلام سے بحث و مناظرہ میں مغلوب ہوئے، ذاتِ رسالت سے اعتقادیہ حیثیت رسولؐ کیا معنی، بہ حیثیت ایک بزرگ یا اعلیٰ انسان کے بھی، دیکھتے دیکھتے دل سے مٹ گیا! اسلام و ایمان کی دولتِ عظیم بات کہتے ارتداد کے خس و خاشاک میں تبدیل ہو گئی۔" (آپ بیتی۔ ص ۲۳۷)

اسلام کی طرف بازگشت

: الحاد و ارتداد کا یہ دور بقول مولانا عبدالماجد صاحب دس سال تک رہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے بھگوت گیتا، بدھ مت، ہندو تصوف، تھیاسوفی، اور مسیحی منادوں کی تحریریں بھی خوب توجہ سے پڑھیں، اور مولانا شبلی نعمانی کی "سیرۃ النبیؐ" جو تازہ تازہ چھپ کر آئی تھی اچھی طرح مطالعہ کی جس سے آپ کے اندر پھر تدریجی تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ لیکن جس چیز نے آپ کو دوبارہ مسلمان بنایا وہ حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا انگریزی ترجمۃ القرآن تھا۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنی زندگی میں کئی بار اس ترجمہ کے ذریعہ راہ ہدایت پانے کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن "آپ بیتی" میں آپ نے زیادہ تفصیل سے اس کا ذکر فرمایا ہے اور اس باب کا عنوان بھی "اسلام کی طرف بازگشت" تجویز کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

> "ان تدریجی اندرونی تبدیلیوں کے ساتھ آہستہ آہستہ اسلام کی طرف آ رہا تھا۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ ۵۰ فیصدی سے زیادہ مسلمان ہو چکا تھا

کہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں سفرِ دکن میں ایک عزیز ناظر یار جنگ جج کے ہاں اورنگ آباد میں قیام کا اتفاق ہوا۔ اور ان کے انگریزی کتب خانہ میں نظر محمد علی لاہوری احمدی (عرف عام میں قادیانی) کے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید پر پڑ گئی۔ بے تاب ہو کر الماری سے نکالا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ جوں جوں پڑھتا گیا الحمد للہ ایمان بڑھتا گیا۔ جس "صاحبانہ" ذہنیت میں اس وقت تھا اس کا عین مقتضا یہ تھا کہ جو مطالب اردو میں بے اثر رہتے اور سپاٹ معلوم ہوتے، وہی انگریزی کے قالب میں جاکر مؤثر و جاندار بن جاتے۔ یہ کوئی مغالطۂ نفس ہو یا نہ ہو، بہرحال میرے حق میں تو حقیقت واقعہ بن کر رہا ــــ اور اس انگریزی قرآن کو جب ختم کر کے دل کو ٹٹولا تو اپنے آپ کو مسلمان پایا۔ اور اب اپنے ضمیر کو دھوکا دیئے بغیر کلمۂ شہادت بلا تامل پڑھ چکا تھا ــــ اللہ اس محمد علی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اس کا عقیدہ مرزا غلام کے متعلق جیسا غلط تھا یا صحیح مجھے اس سے قطعی بحث نہیں، بہرحال اپنے ذاتی تجربہ کو کیا کروں، میرے کفر و ارتداد کے تابوت پر تو آخری کیل اسی نے ٹھونکی ــــ جس اسلام سے دبے پاؤں چپکے چپکے باہر نکل گیا تھا، اللہ کی کریمی کہ اسی اسلام میں اسی طرح آہستہ آہستہ پھر داخل ہو گیا، اور جس طرح اخراج و ارتداد کا وقت یہ تیر یوم و تاریخ متعین کرنا دشوار رہا، اسی طرح بازگشت کا بھی دن تاریخ متعین کرنا آسان نہیں۔ لیکن بہرحال اب اکتوبر ۱۹۲۰ء میں مکمل ہو چکی تھی"

("آپ بیتی" صفحہ ۲۵۴-۵۵)

امیر مرحوم و مغفور حضرت مولانا محمد علی صاحب سے اس قسم کا اظہار عقیدت مولانا دریا بادی نے کئی بار کیا تھا اور حضرت ممدوح کی وفات پر آپ نے جو مکتوب تعزیت ارسال فرمایا اس میں ذیل کے الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:-

"مرحوم کی خدماتِ اسلام کا انکار کرنا دن کی روشنی میں آفتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ آج سے ۱۲ سال قبل جب میں انگریزیت کے پھیلائے ہوئے زہر الحاد میں غرق تھا مرحوم کے انگریزی ترجمہ قرآن نے ہی دستگیری کی۔ ورنہ خدا معلوم کتنی اور مدت کہیں بھٹکتا رہتا۔ اور میری طرح خدا معلوم اور کتنوں کے حق میں وہ شمع ہدایت ثابت ہوا ہو گا۔ پھر اردو تفسیر القرآن، فضل الباری، خلافتِ راشدہ، سیرت خیر البشر، اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی، مینوئل آف حدیث، ان کی تصانیف ایک سے بڑھ کر ایک مفید اور معرکۃ الآراء موجود ہیں"۔ (مجاہد کبیر صفحہ ۳۵۴)

مولانا دریا بادی کا انگریزی ترجمہ قرآن

: ۱۹۳۳ء میں مولانا عبد الماجد صاحب طویل عرصہ کے لئے تھانہ بھون میں جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا مرکز تھا مقیم رہے۔ یہاں آپ کے ایک مخلص دوست نے بار بار آپ کو اس امر پر آمادہ کرنے کی سعی کی کہ آپ انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کریں کیونکہ اہل سنت و جمہور امت کی طرف سے انگریزی میں کوئی ترجمہ موجود نہیں۔ ان کے شدید اصرار پر بھی مولانا انکار کرتے رہے اور اس کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:-

"میں اپنی انگریزی اور عربی دونوں کی قابلیت کے حدود اربعہ سے خوب واقف تھا، ان کی فرمائش پر دنگ ہی رہا۔ اور جواب کچھ اس طرح کا دیا کہ آپ نے حسن ظن کی حد کر دی، کہاں میں اور کہاں اتنا بڑا کام! کچھ تھوڑی بہت مناسبت بھی تو ہو؟ لیکن وہ کیا ماننے والے تھے، اصرار کئے گئے، آخر میں بولے "نیا ترجمہ نہ سہی، آخر محمد علی لاہوری کا ترجمہ تو موجود ہی ہے، اسی کو زمین بنا کر اسی میں ترمیم و تصرف کر کے کام چلا لیجئے ـــ" (صفحہ ۲۹۲)

محمد علی لاہوری (رحمۃ اللہ علیہ) کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصی امتیاز بخشا تھا کہ بعد کے تمام مترجمین قرآن نے انہی کے ترجمہ قرآن کو اساس بنایا تھا۔ چنانچہ حافظ غلام سرور، مسٹر مارماڈیوک پکتھال، علامہ عبد اللہ یوسف علی اور دیگر مترجمین نے برملا اس امر کا اظہار کیا ہے کہ مولانا محمد علی کا ترجمہ ان کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ یہ ترجمہ اس زمانہ کے مامور اور مسیح موعود کی قلبی توجہ کا نتیجہ تھا اور بارگاہ ایزدی میں اسکی مقبولیت کی بشارت اس ترجمہ کی تکمیل کے ساتھ ہی الہاماً مل گئی تھی۔

محسن شخصیتیں

: مولانا عبد الماجد صاحب مرحوم نے ان تمام شخصیتوں کو جو ان کی زندگی پر اثر انداز ہوئیں اپنا محسن قرار دیا ہے اور "آپ بیتی" کا باب ۲۵ انہی مؤثر، عزیز، محسن شخصیتوں کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس میں مولانا نے پھر اپنی زندگی کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے بچپن سے آخر تک مختلف حیثیتوں سے اثر انداز ہونے والی ہستیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً علمی اور تصنیفی دنیا میں محسن اول مولانا شبلی نعمانی کو قرار دیا ہے۔ زبان کی حد تک متاثر کرنے والوں میں مرزا محمد ہادی، رتن ناتھ سرشار، ریاض خیر آبادی، ابو الکلام آزاد۔ محمد حسین آزاد اور خواجہ حسن نظامی کا ذکر کیا ہے۔ ادبی اور معنوی حیثیت سے مولانا شبلی، مولوی نذیر احمد دہلوی، سر سید احمد خاں، خواجہ غلام الثقلین اور راشد الخیری کا ذکر ہے۔ اسی طرح الحاد سے دوبارہ اسلام کی طرف لانے والوں کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:-

"الحاد اور از سرِ نو اسلام کے عبوری دور میں بڑی رہنمائی ان سے ملتی رہی۔ حضرت اکبر الہ آبادی۔ مولانا محمد علی۔ مولوی محمد علی ایم اے لاہوری (امیر جماعت احمدیہ لاہور) ڈاکٹر بھگوانداس (بنارس) مسز اینی بسنٹ، گاندھی جی، اور کسی درجہ میں ٹیگور، تلک اور آربندو گھوش"۔ صفحہ ۳۵۴

ہندوستان کے مشہور لیڈر مولانا محمد علی جوہر کو مولانا عبد الماجد اپنا محبوب قرار دیتے تھے جن کی ذات سے شیفتگی درجہ عشق تک پہنچ چکی تھی صفحہ ۳۵۸۔ یہ مولانا محمد علی جوہر بھی اس ترجمۃ القرآن کے بے حد قدردان اور اس کے انوار و برکات کے معترف تھے اور اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ مترجم قرآن انکے ہم نام ہیں۔ مولانا جوہر مرحوم نے بھی اپنی خود نوشت سوانح عمری لکھی ہے اور اس میں اپنی نظر بندی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"قریباً یہی وہ وقت تھا جبکہ ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ تھا جو نہایت اعلیٰ درجہ پر چھپوایا گیا ہے اور اس کے ساتھ انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے نوٹ درج ہیں۔ جو کہ قرآن کریم کی تفاسیر اور صحف یہود و نصاریٰ کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ یہ میرے فاضل ہم نام مولانا محمد علی صاحب لاہوری کا کارنامہ ہے جو ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے لیڈر ہیں اور اس جماعت کے کچھ ممبر انگلستان میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔"

(مجاہد کبیر صفحہ نمبر ۱۴۸)

تمہیں خوشخبری ہو۔ کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو، اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ انکے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

اخبار احمدیہ

درخواست دعائے صحت

جماعت کے ایک قیمتی بزرگ جناب مولنا بشیر احمد منٹو صاحب (راولپنڈی) بعارضہ ہائی بلڈ پریشر بیمار ہیں۔ کچھ روز علاج کے بعد حالت سنبھل گئی ہے۔ مگر ابھی کمزور بہت ہیں۔۔ ان کی جلد صحت یابی کے لئے جملہ جماعتیں اپنی اپنی جگہ دُعا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

انتقال پُرملال

جماعت کے تمام حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج و غم سے سُنی جائے گی کہ ہمارے عزیز بھائی جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کراچی میں ایک طویل علالت کے بعد مؤرخہ ۳ مئی بوقت عشاء وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ ڈائرکٹر جنرل سنٹرل لیبارٹریز کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے تھے۔ آپ نہایت خلیق، ملنسار اور ہمدرد انسان تھے، اسی وجہ سے ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ آپ کو حضرت امیر مولنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی دامادی کا شرف حاصل تھا بڑے ہی مخیر اور نیک انسان تھے۔ جماعت کے کاموں میں دلچسپی لیتے تھے اور انجمن کی بہت مالی مدد کرتے تھے۔ آپ نے دوران علالت فروری ۱۹۷۷ء میں تراجم قرآن فنڈ میں مبلغ ۲۵ ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ دیا۔ احباب جماعت سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔ اللہ تعالےٰ جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں بروز جمعہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اقتداء میں غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ تعزیتی خطوط درجِ ذیل پتہ پر بھیجے جاسکتے ہیں:-

(۱) بیگم صاحبہ ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم (۲) مسٹر ناصر احمد صاحب
مکان B - 12 - 2 - سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی - کراچی

ایک اور وفات

احباب جماعت کو یہ خبر پڑھ کر صدمہ ہوگا کہ چوہدری علم دین صاحب (ڈیرہ غازی خان) بعارضہ قلب وفات پاگئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ دل کے مریض تھے اور چند ماہ سے فیصل آباد میں اپنی لڑکی کے پاس مقیم تھے۔ کھڈیاں (تحصیل قصور) تربین دیکھنے گئے۔ ۱۲ مئی کو دل کا دورہ پڑا اور مولائے حقیقی سے جاملے۔ ان کے داماد چوہدری نذیر احمد صاحب نے انکی وصیت کے مطابق دوسرے دن (۱۳ مئی) نماز عصر کے بعد اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ناظم دارالسلام چوہدری محمد حیات صاحب نے فوراً قبر کی کھدائی پر آدمی لگا دیئے۔ چنانچہ میت آنے تک قبر تیار ہوگئی۔ تابوت رات ۱۰½ بجے پہنچا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے بکمال شفقت خود جنازہ پڑھایا۔ رات کا وقت ہونے کے باوجود تین صفیں بن گئی تھیں۔ نصف شب کے قریب تدفین مکمل ہوئی۔ آخر وقت تک حضرت ڈاکٹر صاحب قبرستان میں کھڑے رہے۔ دُعا کے بعد موصوف میت کے ساتھ آمدہ مہمانوں کو بارہ بجے رات چائے پلانے کے لئے اپنے گھر لے گئے اور ان کی خاطر مدارات کی۔ وہ لوگ حضرت ڈاکٹر صاحب کے حسنِ سلوک، شفقت، دردمندی اور مہمان نوازی کے اس جذبہ کا بے حد تعجب سے ذکر کرتے تھے۔ مہمانوں کو رات ہوسٹل میں ٹھہرایا گیا اور انہیں مہمان خانہ دارالسلام میں صبح کا ناشتہ دیا گیا۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد مرحوم کے داماد اور لڑکی حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو دوبارہ ملنے گئے اور ان کا شکریہ ادا کیا اور اجازت لے کر واپس چلے گئے۔ ایک معزز مہمان نے اظہار سپاس کے طور پر نمایندہ پیغام صلح کے سامنے ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا کہ "یہ جماعت بڑی خوش قسمت ہے جس میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایسے انسان دوست، خدا، مسافر نواز انسان موجود ہیں۔ جن کے دل لوگوں کی مصیبت دیکھ کر پگھل جاتے باطن کا نور ان کے چہرہ پر چمکتا ہے۔ جنہوں نے یوسف کو دل دیکر بھی اختیار کی ہوتی ہے۔ جن کی رُوح ہر وقت آستانۂ الٰہی پر

اور روحانی / جن کے / ن کی راہ / رہتی ہے

اللہ تعالےٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور حضرت کے روحانی و جسمانی فیوض سے جملہ مخلوق کو بہرہ ور ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ "حضرت صاحب نے ...

در دلے چوں بروید آں گلزار + بُلبلش اہلِ دل شوند ہزار

جب کسی دل میں وہ گلزار پیدا ہو جاتا ہے تو ہزاروں صاحب دل اسکے بلبل بن جاتے ہیں

ایں قبولیت از خدا آید + نہ بہ تزویر و افتراء آید

یہ قبولیت بھی خدا کی طرف سے آتی ہے۔ فریب اور افتراء سے نہیں آتی۔

چادرے کاندروخدا باشد + صد عزیزے بدو فدا باشد

اور جس کے اندر خدا ہو سینکڑوں عزت دار انسان اس پر قربان ہوتے ہیں۔

آں سعیداں لقائے او دیدند + بلاہا برائے او دیدند

ان خوش قسمتوں نے اسکے لقاء کا درجہ حاصل کیا جنہوں نے اسکی راہ میں مصیبتیں اٹھائیں۔

ہست از عادتِ خدائے علیم + کہ کند فرق در سعید و لئیم

خدائے علیم کی یہ عادت ہے کہ وہ نیک بخت اور بدبخت میں فرق کر دیتا ہے۔

مرزا گل عباس صاحب فوت ہوگئے

جناب مرزا ظہور عباس صاحب نواب شاہ (سندھ) سے یہ افسوسناک اطلاع دیتے ہیں کہ ان کے والد محترم جناب مرزا گل عباس صاحب (برادر خورد مرزا غلام ربانی صاحب) طویل عرصہ بیمار رہنے کے بعد وفات پاگئے (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔

اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ مرحوم کے پسماندگان میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں۔ احباب سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ساؤتھ افریقہ میں ایک بزرگ احمدی خاتون کی وفات

مکرم عثمان سیڈو کی دادی محترمہ الحاج فاطمہ سیڈو ۲ مئی ۱۹۷۹ء کو وفات پاگئی ہیں۔ آپ تھوڑا عرصہ بیمار رہیں اور اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ مرحومہ کی عمر ۹۶ برس تھی۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

جامع احمدیہ دارالسلام لاہور میں ۱۸ مئی بعد نماز جمعہ نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی

آہ! مولنا دوست محمد صاحب سابق مدیر پیغام صلح

احباب سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اس خبر سے بڑا دکھ ہوگا کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے فدائی جناب مولنا دوست محمد صاحب کا ایک طویل علالت کے بعد ۱۹/۲۰ مئی کی درمیانی شب انتقال ہوگیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم ایک عرصہ سے بیمار تھے۔ بڑے صبر، حوصلہ اور دعا سے آپ نے بیماری کا مقابلہ کیا۔ کبھی کبھی سیڑھیاں اتر کر دفتر پیغام صلح میں تشریف لاکر پرانی یاد تازہ کیا کرتے تھے۔

مولنا مرحوم احمدیت کا چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ سلسلہ احمدیہ کی طویل عرصہ تک خدمت کی۔ نصف صدی کے قریب پیغام صلح کے مدیر رہے اور ساری عمر مخالفین احمدیت کو اپنے مضامین کے ذریعہ مسکت و مدلل جواب دیتے رہے۔ اسی سلسلہ میں آپ کی کتاب "آئینۂ احمدیت" بڑی شہرت کی حامل ہے، جو آپ نے ۱۹۳۱ء میں سید حبیب مدیر سیاست کے جواب میں لکھی تھی۔ اُمید ہے کہ آپ کی خدمات اسلام و سلسلہ عالیہ ... پر آپ کے پرانے رفیق روشنی ڈالیں گے۔

جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس میں ۵ بجے بوقت عصر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی معیت میں دارالسلام کے اکثر دوست بھی جنازہ میں شریک ہونے کے لئے وقت پر پہنچ گئے تھے۔ شام کو احمدیہ بلڈنگس سے جنازہ اُٹھایا گیا اور انہیں اپنے ... قبرستان بی بی پاک دامن میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

احباب سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔

اسلام کے غلبہ اور مسلمانوں کی تمدنی ترقیات کی بشارت

جماعت کو صبر اور برداشت کی تلقین

اب اللہ تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کا نور دنیا پر ظاہر ہو۔ اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ سچا اور کامل مذہب جو انسان کی نجات کا متکفل ہے وہ صرف اسلام ہی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم اُفتاد۔ لیکن ان ناعاقبت اندیش نادان دوستوں نے خدا تعالےٰ کے اس سلسلہ کی کوئی قدر نہ کی۔ بلکہ اس کوشش میں رہے کہ یہ نور نہ چمکے۔ یہ لوگ اسے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن وہ خوب یاد رکھیں کہ خدا تعالےٰ وعدہ کر چکا ہے ہے واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ یہ لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ لیکن مجھے ان کی گالیوں کی پرواہ نہیں اور نہ ان پر افسوس ہے کیونکہ وہ اس مقابلہ سے عاجز آگئے ہیں۔ اور اپنی عاجزی اور فرومائیگی کو بجز اس کے نہیں چھپا سکتے کہ مجھے گالیاں دیں، کفر کے فتوے لگائیں۔ جھوٹے مقدمات بنائیں اور قسم قسم کے افترا اور بہتان باندھیں، وہ اپنی ساری طاقتوں کو کام میں لا کر میرا مقابلہ کریں اور دیکھ لیں کہ آخری فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔ میں ان کی گالیوں کی اگر پرواہ کروں تو وہ اصل کام جو خدا تعالےٰ نے میرے سپرد کیا ہے رہ جاتا ہے۔ اس لئے جہاں میں ان کی گالیوں کی پرواہ نہیں کرتا میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے لئے مناسب ہے کہ ان کی گالیاں سن کر برداشت کریں اور ہرگز ہرگز گالی کا جواب گالی سے نہ دیں۔ کیونکہ اس طرح پر برکت جاتی رہتی ہے۔ انہیں چاہیئے کہ صبر اور برداشت کا نمونہ ظاہر کریں اور اپنے اخلاق دکھائیں یقیناً یاد رکھو کہ عقل اور جوش کے درمیان خطرناک دشمنی ہے جب جوش اور غصّہ آجاتا ہے۔ تو عقل قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن جو شخص صبر کرتا ہے اور بُردباری کا نمونہ دکھاتا ہے اسے ایک نور دیا جاتا ہے جس سے اُسکی عقل اور فکر کی قوتوں میں ایک نئی روشنی پیدا ہو جاتی ہے پھر نور سے نور پیدا ہوتا ہے۔ غصّہ اور جوش کی حالت میں چونکہ دل و دماغ تاریک ہوتے ہیں اس لئے تاریکی سے پھر تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

اسلام کے شیریں ثمراتِ روحانی

کو مشہود و محسوس بنا دیا

اب ہم کسی قدر اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے ثمرات کیا ہیں سو واضح ہو کہ جب کوئی اپنے مولیٰ کا سچا طالب کامل طور پر اسلام پر قائم ہو جائے اور نہ کسی تکلّف اور بناوٹ سے بلکہ طبعی طور پر خدا تعالیٰ کی راہوں میں ہر ایک قوت اسکے کام میں لگ جائے تو آخری نتیجہ اس کی اس حالت کا یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کے اعلےٰ تجلّیات تمام حُجب سے مبرا ہو کر اس کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کے برکات اس پر نازل ہوتے ہیں۔ اول وہ احکام اور وہ عقائد جو محض ایمان اور سماع کے طور پر قبول کئے گئے تھے اب بذریعہ مکاشفاتِ صحیحہ اور الہامات یقینیہ قطعیہ مشہود اور محسوس طور پر کھولے جاتے ہیں۔ اور وہ مغلقاتِ شرع اور دین کے اور اسرار سربستہ ملت حنیفیہ کے اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ملکوتِ الہٰی کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے تا وہ یقین اور معرفت میں مرتبہ کامل حاصل کرے اور اس کی زبان اور اسکے بیان اور تمام افعال اور اقوال اور حرکات و سکنات میں ایک برکت رکھی جاتی ہے اور ایک فوق العادت شجاعت اور استقامت اور ہمّت اس کو عطا کی جاتی ہے۔ اور شرح صدر کا ایک اعلیٰ مقام اس کو عنایت کیا جاتا ہے اور بشریت کے حجابوں کی تنگ دلی اور خست اور بخل اور بار بار کی لغزش اور تنگ عیشی اور غلامی شہوات اور ردائت اخلاق اور ہر ایک قسم کی نفسانی تاریکی بکلی اس سے دور کر کے اسکی جگہ ربّانی اخلاق کا نور بھر دیا جاتا ہے۔ تب وہ بکلّی مبدّل ہو کر ایک نئی پیدائش کا پیرایہ پہن لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے سنتا اور خدا تعالیٰ سے دیکھتا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ حرکت کرتا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرتا ہے۔ اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب اور اسکا رحم خدا تعالیٰ کا رحم ہو جاتا ہے۔ اور اس درجہ میں اس کی دعائیں بطور اصطفاء کے منظور ہوتی ہیں نہ بطور ابتلاء کے اور وہ زمین پر حجت اللہ اور امان اللہ ہوتا ہے اور آسمان پر اس کے وجود سے خوشی کی جاتی ہے اور [illegible] جو اسکو عطا ہوتا ہے مکالمات الٰہیہ اور مخاطبات حضرت یزدانی ہیں جو بغیر شک اور شبہ اور کسی غبار کے چاند کے نور کی طرح اس کے دل پر نازل ہوتے رہتے ہیں اور ایک شدید الاثر لذت اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور طمانیت اور تسلی اور سکینت بخشتے ہیں۔ اور اس کلام اور الہام میں فرق یہ ہے کہ الہام کا چشمہ تو گویا ہر وقت [illegible] رہتا ہے۔ اور وہ روح القدس کے دکھائے دیکھتے اور روح القدس کے سنائے سنتے ہیں۔ اور ان کے تمام ارادے روح القدس کے نفخ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ بات سچ اور بالکل سچ ہے۔

ریاضِ دینِ احمدؐ کی بہارِ جانفزا تم ہو

از جناب مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم

مسیحِ وقت بیشک لائقِ وصف و ثنا تم ہو ⁂ حبیبِ کبریا تم ہو بروزِ مصطفےٰ تم ہو

حریمِ قدس میں لاریب تم شمعِ صداقت ہو ⁂ شبستانِ جہاں میں مشعلِ علم و ہدیٰ تم ہو

سراپا نور کا پتلا تمہاری ذاتِ اقدس ہے ⁂ مجسّم رحمتِ حق ہیکرِ فضلِ خدا تم ہو

تمہیں اللہ نے دی تاجداری کشورِ دیں کی ⁂ بحکمِ خالقِ اکبر شہِ مُلکِ ہدیٰ تم ہو

شمائل میں تمہارے حُسنِ احمدؐ جلوہ فرما ہے ⁂ شبیہِ مصطفےٰ ہو مظہرِ خیر الوریٰ تم ہو

تمہاری شان کی رفعت کوئی نادان کیا جانے ⁂ زمیں پر حجّۃ اللہ مہبطِ وحیِ خدا تم ہو

تمہاری ذاتِ والا گوہرِ یکتائے عالم ہے ⁂ نگینِ خاتمِ دینِ محمدؐ مصطفےٰ تم ہو

عطا تم کو کئے خالق نے ہیں دو منصبِ عالی ⁂ مسیحِ ابنِ مریم مہدیٔ فرخ لقا تم ہو

ہوا شاداب آنے سے تمہارے گلشنِ ملّت ⁂ ریاضِ دینِ احمدؐ کی بہارِ جانفزا تم ہو

محمدؐ گلشنِ خوبی تم اس کے اک گلِ رنگیں ⁂ محمدؐ بحرِ حکمت اسکے دُرِّ بے بہا تم ہو

تمہارے آنے سے غالب ہوا اسلام دنیا میں ⁂ کیا کسرِ صلیبا جس نے وہ مردِ خدا تم ہو

خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا تم کو ⁂ ولایت تم پہ نازاں افتخارِ اولیاء تم ہو

ہوئی کافور آنے سے تمہارے کفر کی ظلمت ⁂ شبِ تاریک و تیرہ میں مہِ صدق و صفا تم ہو

عدوانِ محمدؐ کے لئے تم برقِ خاطف ہو ⁂ محبّانِ محمدؐ کے لئے ابرِ سخا تم ہو

وہی تم ہو جسے دیکھا رسول اللہ نے کعبہ میں ⁂ وہی خوشرنگ گندم گوں مسیحِ باصفا تم ہو

نوشتوں میں بصد عظمت بشارت آئی ہے جسکی ⁂ خدا شاہد وہی مردِ مبشّر میرزا تم ہو

تمہارا عشق میں روزِ ازل سے لے کے آیا ہوں ⁂ مجھے محبوب تر از جان و دل بعد از خدا تم ہو

مسیحا میرا دامن گوہرِ مقصود سے بھر دے ⁂ گدائے بے نوا میں ہوں شہِ جود و عطا تم ہو

دعا کیجے میرے حق میں کہ میں رنجور رہتا ہوں
میرے اندوہ و درد و غم و الم سے آشنا تم ہو

ماسٹر اصغر علی صاحب

بدگمانی سے بچو

قرآن پاک:—

"یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا۔"
(الحجرات ۴۹: ۱۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت گمان (بد) کرنے سے بچو، کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو۔

حدیث شریف:— { ایاکم والظن (ت)
تم اپنے آپ کو خاص طور پر بدظنی سے محفوظ رکھو۔

ارشاد امام الزمانؑ:— { "جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دور جا پڑتے ہیں"

یہ خوب یاد رکھو کہ ساری خرابیاں اور برائیاں بدظنی سے پیدا ہوتی ہیں۔ { "اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت منع فرمایا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ:—

"ان بعض الظن اثم۔ اگر مولوی لوگ ہم سے بدظنی نہ کرتے اور صدق اور استقلال کے ساتھ آ کر ہماری باتیں سنتے ہماری کتابیں پڑھتے اور ہمارے پاس رہ کر ہمارے حالات کا مشاہدہ کرتے تو وہ الزامات جو وہ ہم پر لگاتے ہیں ہرگز نہ لگاتے۔ لیکن جب انہوں نے خدا تعالےٰ کے اس ارشاد کی عظمت نہ کی اور اس پر کاربند نہ ہوئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ پر بدظنی کی اور میری جماعت پر بھی بدظنی کی۔ اور جھوٹے الزامات اور اتہامات لگانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ بعض نے بڑی بے باکی سے یہ لکھ دیا کہ یہ تو دہریوں کا گروہ ہے اور یہ لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے اور روزے نہیں رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر وہ اس بدظنی سے بچتے تو ان کو جھوٹ کی لعنت کے نیچے نہ آنا پڑتا اور وہ اس سے بچ جاتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بدظنی بہت ہی بری بلا ہے۔ جو انسان کے ایمان کو تباہ کر دیتی ہے اور صدق اور راستی سے دور پھینک دیتی ہے۔ دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے۔ صدیقوں کے کمال حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان بدظنی سے بہت ہی بچے۔ اور اگر کسی کی نسبت کوئی سوءِ ظنی پیدا ہو تو کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور خدا تعالےٰ سے دعائیں کرے تاکہ اس معصیت اور اس کے بُرے نتیجے سے بچ جائے جو اس بدظنی کے پیچھے آنے والا ہے۔ اس کو کبھی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جس سے انسان بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔" (الحکم جلد ۹ ص ۱۴)

"بدظنی ایک ایسا مرض ہے اور ایسی بُری بلا ہے جو انسان کو اندھا کر کے ہلاکت کے تاریک کوئیں میں گرا دیتی ہے بدظنی ہی ہے، جس نے ایک مُردہ انسان کی پرستش کرائی۔ بدظنی تو ہے، جو لوگوں کو خدا تعالےٰ کی صفات خلق، رحم اور رازقیت وغیرہ سے معطل کر کے نعوذ باللہ ایک فرد معطل اور بیکار بنا دیتی ہے۔ الغرض اس بدظنی کے باعث جہنم کا بہت بڑا حصہ، اور اگر کہوں کہ سارا حصہ بھر جائے گا۔ تو مبالغہ نہیں۔ جو لوگ اللہ تعالےٰ کے ماموروں سے بدظنی کرتے ہیں وہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"
(ملفوظات احمدیہ (منظور الٰہی) ص ۸۳)

"**خدا تعالےٰ چاہتا ہے** { کہ تمہیں ایک ایسی جماعت بنا دے کہ تمام دنیا کے لئے نیکی اور راستبازی کا نمونہ ٹھہرو سو اپنے درمیان سے ایسے شخص کو جلد نکالو۔ جو بدی اور شرارت اور فتنہ انگیزی اور بدنفسی کا نمونہ ہے۔ جو شخص ہماری جماعت میں غربت اور نیکی اور پرہیزگاری اور حلم اور نرم زبانی اور نیک مزاجی اور نیک چلنی کے ساتھ نہیں رہ سکتا، وہ جلد ہم سے جدا ہو جائے کیونکہ ہمارا خدا نہیں چاہتا کہ ایسا شخص ہم میں رہے اور یقیناً وہ بدبختی میں مرے گا۔ کیونکہ اس نے نیک راہ کو اختیار نہیں کیا۔ سو تم ہوشیار ہو جاؤ اور واقعی نیک دل اور غریب مزاج اور راستباز بن جاؤ۔ تم پنجوقتہ نماز اور اخلاقی حالت سے شناخت کئے جاؤ گے۔" (ایک ضروری اشتہار ۲۹ مارچ ۱۸۹۸ء)

صداقت حضرت مسیح موعودؑ کے تین زبردست نشان

از حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

(۱) جلسہ مذاہب میں مضمون بالا رہا۔

یہ نشان ۱۸۹۷ء کا ہے۔ لاہور میں تمام مذاہب کی ایک کانفرنس ہوئی۔ شیرانوالہ دروازہ کے اندر اسلامیہ سکول میں یہ جلسہ منعقد ہوا۔ ہندو۔ برہمو سماج، آریہ سماج، سناتنی، یہودی، سکھ، عیسائی وغیرہ تمام مذاہب کے علماء و فضلاء نے اپنے اپنے مذہب کے رُو سے پیش کردہ سوالوں کے جوابات جو وہ لکھ کر لائے تھے پڑھ کر سنائے۔ اس کا فیصلہ ایک کمیٹی کے ذمہ تھا۔ ۲۸ دسمبر کو حضرت مرزا صاحب کا لیکچر شروع ہونا تھا۔ ۲۱ تاریخ کو الہام ہوا کہ مضمون بالا رہا۔ اسی وقت لاہور کے گلی کوچوں میں اشتہار لگا دیئے گئے۔ کہ خدا تعالےٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارا مضمون بالا رہا۔ ایک گاؤں کا رہنے والا کس طرح یورپ و امریکہ کے پڑھے لکھے پادریوں کا مقابلہ مقابلہ میں آنے والے پنڈت پروہت اور پادری، عالم، فاضل تھے۔

علم و روشنی کا زمانہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں یہ شخص قادیان سے اُٹھ کر اعلان کرتا ہے کہ میں اسلام کے فضائل پر تقریر کروں گا اور میری تقریر سب پر غالب آئے گی۔ یہ جُرأت اور یہ اعلان کوئی معمولی بات نہیں۔ جان نکل جائے اگر خدا ساتھ نہ ہو۔ یا اس کو خدا پر ایمان اور عرفان و یقین نہ ہو۔ ۲۸ تاریخ کو مضمون شروع ہوا۔ تین یا ساڑھے تین گھنٹے میں جس قدر مضمون پڑھا گیا لوگ حیران تھے کہ ایک دریا بہہ رہا ہے۔ ایک بڑے قابل آدمی سنڈر داس سوری نے جو السپکٹر مدارس تھے کہا IT WAS AN EYE OPENER۔ اس لیکچر نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ لیکچر جاری تھا۔ اسلام کی حقانیت اور صداقت بیان ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کے اندر خوشی کی لہر چل رہی تھی۔ جب وقت ختم ہو گیا تو ایک اور شخص نے اپنا وقت دے دیا۔ سات ساڑھے سات گھنٹے ہو گئے مضمون ختم نہ ہوا۔ حاضرین مجلس نے التجا کی کہ ایک دن اور حضرت مرزا صاحب کی خاطر بڑھایا جائے۔ لوگ خوش تھے مسلمانوں کے چہروں پر رونق تھی۔ وہ اسلام کی فتح کا دن تھا۔ چنانچہ دوسرے دن ساڑھے سات گھنٹے تک یہ مضمون سنایا جاتا رہا۔ سب کا فیصلہ تھا کہ مرزا صاحب کا مضمون بالا رہا۔ اخبارات میں بھی چھپ گیا۔

یہ کس انسان کا کام ہے غور کیجئے۔ تمام دنیا کے مذاہب کے چوٹی کے علماء فضلاء جمع ہیں ان کے سامنے مضمون پڑھا جاتا ہے۔ اس کی کامیابی کی خبر پہلے دی جاتی ہے۔ اور یہی بات سچ نکلتی ہے۔ کیا یہ خدائی تصرف نہیں۔ کیا اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ تائیدِ الٰہی تھی۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ سچے اور منجانب اللہ تھے

(۲) عیسائیت پر عظیم فتح۔

دوسرا واقعہ بشپ لیفرائے کا ہے۔ وہ بہت بڑا عالم فاضل پادری تھا۔ مجھے بھی اس بشپ سے ملاقات کا موقعہ ملا ہے۔ اس نے ۲۱ مئی ۱۹۰۰ء کو لاہور ... دا نبی پر لیکچر دیا۔ اور اعلان کیا کہ ۲۵ مئی کو پھر زندہ رسولؐ ... لیکچر دوں گا۔ حضرت مرزا صاحب کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے قادیان میں زندہ رسولؐ پر مضمون لکھ دیا اور وہ ۲۵ مئی کو بشپ لیفرائے کے لیکچر کے سنایا گیا۔ دنیا حیران تھی کہ اس مضمون میں مرزا صاحب نے ان تمام اُمور پر بحث کر ڈالی تھی جو بشپ صاحب نے اپنے لیکچر میں بیان کئے تھے۔

حضرت مرزا صاحب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ رسول ثابت کیا تھا اور بشپ صاحب کے نظریات کی اس شان و شوکت سے تردید کی تھی کہ اہلِ جلسہ بول اُٹھے کہ اسلام کے پہلوان مرزا صاحب ہی ہیں۔

جب تقریر شروع ہوئی تو پادری صاحب نے کہا کہ یہ مرزائی ہے۔ مسلمانوں کا نمائندہ نہیں ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ یہ ہمارا نمائندہ ہے پھر انہیں مناظرہ کا چیلنج دیا گیا۔ پادری صاحب نے کہا کہ میں مصروف آدمی ہوں۔ اور اپنی جان چھڑا کر شملہ چلا گیا۔ وہاں بھی لوگوں نے پیچھا نہ چھوڑا تو شملہ سے بھاگ کر بحرین چلا گیا۔ غرض حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت کا بھی قلع قمع کیا۔ عیسائیت کے مقابلہ کے لئے جہاں کہیں گئے فتح یاب ہو کر آئے۔

(۳) بے نظیر عربی تصنیفات۔

یہی نہیں اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو آپ کو مامور اور مجدد ثابت کرنے کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک بات اور بیان کر دوں۔

میں جرمنی اور انگلستان رہا ہوں۔ وہاں مصر۔ بیروت۔ شام بغداد وغیرہ کے علماء و فضلاء سے میل ملاپ کا موقعہ ملتا رہا ہے ان کو میں نے حضرت مرزا صاحب کی عربی تصانیف دکھلائیں اور کہا کہ آپ ان کو پڑھ کر خدا لگتی کہو کہ یہ تصانیف عربی ادب فصاحت و بلاغت اور معارف و حقائق کے لحاظ سے کیسی ہیں۔ ہر موقعہ پر انہوں نے کہا کہ یہ نہایت ہی فصیح و بلیغ کتابیں ہیں جو حقائق و معارف سے بھری پڑی ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ میں عربی زبان میں قرآن کریم کے معارف بیان کروں گا اور کوئی میرا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ یہ ایک موقعہ تھا حضرت صاحب کو مات دینے کا۔ چاہیئے تھا کہ شام مصر۔ عراق۔ عرب اور ہندوستان کے علماء اکٹھے ہو کر یا فرداً فرداً ان کے چیلنج کا مقابلہ کرتے لیکن کسی کو جُرأت نہ ہوئی، یہ ایک اعجاز تھا، جو آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا ہوا۔

"اخبار لائٹ" کیلئے گرانقدر عطیہ

جماعت پشاور کے صدر اور انجمن کے رکن جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب بین الاقوامی ہومیوپیتھک کانگرس کے اجلاس میں پاکستان کے ہومیوپیتھ ڈاکٹروں کے وفد کی قیادت فرماتے ہوئے ۱۹ مئی کو معہ بیگم صاحبہ ہمبرگ (جرمنی) تشریف لے گئے ہیں۔ جرمنی میں ایک ہفتہ قیام کے بعد وہ لندن تشریف لے جائیں گے۔ محترمہ بیگم صاحبہ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس موقعہ پر پندرہ سو روپے (-/1500) کا گرانقدر عطیہ اخبار "لائٹ" کی بیرونِ ملک مفت تقسیم کے لئے عنایت فرمایا ہے۔ گذشتہ سال بھی انہوں نے اسی قدر رقم اسی غرض کے لئے دی تھی۔

جماعتِ احمدیہ پر انقلابی و آزمائشی دور۔ فتویٔ تکفیر کی تجدید اور احمدیوں کا بائیکاٹ

مکرمی طیب احمد علی صاحب آف سرینام کی مرکز لاہور میں آمد اور احمدیہ جماعت سرینام کی نمایاں کامیابی

خطبہ جمعہ۔ مورخہ ۱۱ رمئی ۱۹۷۹ء۔ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔ جامع احمدیہ دار السلام نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

اذا زلزلت الارض زلزالھا ○ واخرجت الارض اثقالھا ○ (ترجمہ) جب زمین اپنے بھونچال سے ہلائی جائیگی۔ اور زمین اپنے بوجھ نکال دے گی۔

جماعتِ احمدیہ کی روح یعنی جہاد بالنفس اور جہاد بالقرآن کو قائم کرو

اس وقت دُنیا میں عالمگیر و عظیم انقلابات رُونما ہو رہے ہیں، مادی و سائنسی دُنیا میں جو انقلابات اس صدی میں ظہور پذیر ہوئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اُنیسویں صدی کلیسائیت کے عقائد یعنی حضرت مسیح کی الوہیت و ابنیت کی زبردست تردید میں آج خود پادری حضرات کتب شائع کر رہے ہیں، ان کا برملا کہنا یہ ہے کہ اگر عیسائیت کو قائم رکھنا ضروری ہے تو پھر اس کی صورت صرف یہ رہ گئی ہے کہ عیسائی کسی نہ کسی طرح حضرت عیسٰی کی شخصیت سے وابستہ رہ جائیں۔ مگر ان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کلیسائی معتقدات درباره الوہیت ابنیت مسیح کو بھی مانتے رہیں یا وہ صلیبی کفارہ پر بھی ایمان لانے والے ہوں۔ ان کا موقف ہے کہ ان دو بنیادی مسیحی معتقدات سے منکر ہو کر بھی لوگ مسیحی رہ سکتے ہیں۔ وہ یہ کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہ سائنسی علوم اور عقلی ارتقاء ایسے توہم پرستانہ مسیحی معتقدات کی علانیہ تردید کرتے ہیں جن کی وہ کوئی توجیہہ کرنے کے قابل نہیں۔

اسی طرح عالم اسلام بھی ایک عظیم انقلاب سے دوچار ہو رہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آمریت و استبداد کو ختم کر کے اسلامی جمہوریت اور اصولہائے قرآن والسنۃ کی طرف مسلمانوں کو واپس آنا لازم پڑا ہے۔ نیز زمانہ وسطٰی کے خلافِ اسلام رسم و رواج کو یکسر ترک کر کے اور شہنشاہیت و جبر کی قوتوں کو مٹا کر مسلمانوں کو رُوحانی و اخلاقی اقدار کی طرف واپس لوٹ کر آنا ضروری ہے۔

عیسائی عالم اور اسلامی دُنیا میں انقلابات کا حقیقی اختلاف

عیسائی اور اسلامی دونو دنیائیں انقلابی ادوار سے گذر رہی ہیں مگر ان دو انقلابوں کی نوعیت میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے۔ جہاں عیسائی دنیا اپنے بنیادی مسیحی معتقدات کو خیرباد کہنے پر اس لئے مجبور ہے کہ ان کے عقائد سائنسی علوم کے برخلاف

واقع ہوئے ہیں وہاں اسلامی دُنیا قرآن و سنت کے اصُولوں کی طرف واپس لوٹ کر آنے کے لئے اس لئے مجبور ہے کہ قرآنی علوم و سُنّتِ رسُول پاکؐ کی تصدیق بیسویں صدی کے علوم

سے ہو رہی ہے۔ یہ فرق نہایت اہم و عظیم ہے مسیحی معتقدات کا بطلان اور قرآن و سنت کے اصُولوں کی علوم سائنسی سے تصدیق کا اعتراف۔ دونوں اقوام یعنی عیسائی اور مسلمان زمانہ کے ایسے انقلابات کو دیکھ کر مجبور ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے اپنے وضع کردہ رسُوم و رواج اور آبائی معتقداتِ خلافِ اسلام کو ترک کر کے اصولِ صحیحہ قطعیہ ابدیہ قرآنیہ کی طرف آجائیں۔

اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ **قرآنی** اصُول منجانب اللہ نازل شدہ حقائق ہیں۔ مگر مسیحی باطل معتقدات ان کے خود تراشیدہ یا پرانے زمانہ کے بُت پرستانہ خیالات کا مرقع ہیں۔

اسی طرح یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عالم اسلام نے صحیح علوم و اصولہائے قرآنیہ والسنۃ النبویہ سے ازمنہ گذشتہ میں جو انحراف کیا ہے اور وہ معتقدات و اصُول جو برخلاف تعلیم اسلام مسلمانوں میں صدیوں سے رواج پکڑ گئے ہیں وہ بھی آج قابلِ قبول نہیں۔

جماعتِ احمدیہ پر انقلاب

اگر عیسائی و اسلامی دنیائیں اس وقت نظریاتی انقلاب کی لپیٹ میں آئی ہوئی ہیں تو خود جماعتِ احمدیہ پر بھی اس وقت ایک انقلاب بطور آزمائش وارد ہوا ہے۔ مسلم دنیا نے غلط فہمی کے تحت یہ سمجھ لیا ہے کہ حضرت مسیح موعود "مسدود بابِ نبوت" کو کھول لینے کے مدعی ہیں جس کا دوسرے الفاظ میں صاف مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام یا تو مکمل دین نہیں یا پھر یہ محفوظ نہیں رہا حالانکہ یہ دونوں امور بالبداہت غلط و باطل ہیں۔ دین اسلام تو فرقان حمید و سنت رسُول میں نہ صرف کامل تعلیم و کامل اسوہ کی صورت میں موجود ہے بلکہ یہ محفوظ بھی ہے۔ تو پھر ان کا کہنا ہے کہ بعد رسُول اللہ صلعم نبوت کے اجراء کا کہاں جواز رہ جاتا ہے اور مدعی نبوت بمعہ اپنے معتقدین کیونکر دائرہ اسلام میں رہ سکتے ہیں؟

اب قارئین کرام واقعات حقہ کی روشنی میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ غلط فہمی کہاں سے اور کیوں پیدا ہوئی؟ پھر صرف اعتقادی رنگ میں ہی یہ غلطی پیدا نہیں ہوئی بلکہ عملی رنگ میں بھی یوں پھیل رہی ہے کہ الوصیت میں حضرت اقدسؑ نے اپنے بعد اپنے نظامِ جماعت کو سیاست و مادیت کے نظاموں کی بجائے ایمانی و اخلاقی اصولوں پر استوار کیا تھا لیکن بعد میں اس سلسلہ حقہ الٰہیہ کے بعض پیروؤں نے اپنے نظام کو ایمانی و اخلاقی اصولوں پر قیام کی بجائے مروجہ مادی و پیر پرستانہ نظاموں کے مطابق بدلنا چاہا، سیاست بازی اختیار کی اور پاکستان میں اپنی حکومت قائم کر کے اور جبر و اکراہ سے اپنی جماعتی تائید حاصل کرنا چاہی۔ جس کے ردِّ عمل میں مسلمانوں نے ان کے خلاف "ختم نبوت" کا محاذ قائم کر کے تمام احمدیوں کے خلاف کارروائیاں تیز کر دیں۔ ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں علماء اور سیاستدانوں کے اتحاد سے جماعت احمدیہ کے برخلاف طوفان اٹھایا گیا جس کے نتیجہ میں آئین میں احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کیا گیا۔

کیا احمدی نام حذف کرنے سے یہ مسلمان سچے اسلامی جہاد اور سچی اسلامی تنظیم قائم کر لیں گے؟

مخالفت کی یہ لہر پاکستان تک محدود نہ تھی؛ دیگر ممالک میں بھی جماعت احمدیہ کے برخلاف محاذ قائم کئے گئے۔ جماعت احمدیہ کے بعض کمزور طبع احباب کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ اپنے نام سے احمدی کا لفظ حذف کر دیں تو اس سے مخالفین کی تسلی ہو جائے گی اور مخالفت ختم ہو جائے گی۔ اسی قسم کا اندرونی اختلاف جماعتِ احمدیہ سرینام میں بھی پیدا ہوا، چنانچہ یہ باہمی اختلاف کئی برس سے وہاں باعث تشویش بنا رہا حتیٰ کہ معاملہ عدالت تک پہنچا۔ حکومت نے اس اختلاف کے تصفیہ کے لئے رائے شماری کا طریق اختیار کیا۔ چنانچہ آپ ہمارے معزز دوست طیب احمد علی جو اس وقت سرینام سے یہاں آئے ہوئے ہیں، ہمارے

لئے یہ بڑی خوشخبری لائے ہیں کہ ملکی شماری میں جیت اس طبقہ کو بھاری کثرت سے ہوئی جو جماعت کے ساتھ احمدیہ نام برقرار رکھنے کے حق میں ہے۔ اس طرح اب حکومتی سطح پر بھی سرینام میں جماعت احمدیہ لاہور کو اس نام سے تسلیم کر کے انہیں جملہ استحقاق دے دیئے گئے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ ہمیں طیب علی احمد صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ کثرت اخراجات و مصائب سفر اختیار کر کے ہمیں ذاتی طور پر یہ مژدہ جانفزا سنانے کیلئے ہالینڈ تشریف لائے ہیں۔

جماعت احمدیہ کا نام اور اس کا کام ‹ یہ خیال کہ اگر احمدیہ نام حذف کر دیا جائے تو احمدیہ جماعتوں کے برخلاف مخالفت ختم ہو جائے گی محض ایک واہمہ سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ جماعت احمدیہ کے اسباب کی تاریخ پر غور کرو۔

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ نے ۱۸۸۴ء میں مجددیت و ملہمیت کے دعاوی "براہین احمدیہ" میں شائع کئے۔ اس وقت نہ صرف کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ مولوی محمد حسین صاحب نے جو بعد میں رئیس المکفرین بنے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" کی چند اشاعتوں میں اس کتاب پر شاندار ریویو کئے۔ جن میں سے صرف ایک فقرہ لکھا جاتا ہے:۔ "یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی ...... اسکا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" اس سے بڑھ کر تعریف کسی کتاب یا اس کے مصنف کی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مگر جب اس کے پانچ سال بعد ہی حضرت اقدسؑ نے کتاب فتح اسلام شائع فرمائی جس میں حضرت مسیح کو فوت شدہ اور اپنے آپ کو مسیح موعودؑ کا مصداق قرار دیا تو انہی مولوی صاحب نے فتویٰ کفر کی تصدیق کے لئے سارے ہندوستان کا دورہ کیا نیز یہ ڈینگ ماری کہ "ہم نے ہی مرزا صاحب کو آسمان پر چڑھایا تھا اور ہم ہی انہیں نیچے گرائیں گے۔"

اب دیکھو! اس وقت تک نہ تو جماعت بنی تھی نہ ہی جماعت کا کوئی نام رکھا گیا تھا۔ تو پھر اگر نام احمدیہ باعث نزاع ہوتا تو ۱۸۸۹ء میں دعویٰ مسیحیت پر کیوں مخالفت کا یہ طوفان اٹھتا؟

احمدیہ نام تو سن ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے وقت تجویز ہوا مگر مخالفت و تکفیر کا طوفان اس سے دس برس قبل اٹھ چکا تھا! پھر غور کرو اختلافات جماعت جو ۱۹۱۴ء میں ہوا، کے وقت جماعت احمدیہ لاہور نے برملا اعلان کیا کہ ہماری جماعت کا قادیان سے علیحدگی کا باعث مسئلہ کفر و اسلام میں اختلاف ہے۔ ہم احمدیہ مسائل کو فروعی سمجھتے ہیں اس لئے ان میں جماعت احمدیہ لاہور سے اختلاف رکھنے والے کلمہ گوؤں کو جو تکفیر کے قائل نہیں، دائرہ اسلام میں شامل سمجھتے ہیں مگر جماعت قادیان کے نزدیک احمدیہ مسائل بنیادی ہیں، اس لئے قادیانی جماعت ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں کو کافر یا دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتی ہے۔ اب دیکھو کیا یہ بات واضح نہ ہو گئی کہ جماعت لاہور دیگر مسلمانوں سے بنیادی اصول اسلام میں متفق ہے؟ تو اس صادق اعلان کے بعد کسی منصف و محقق کو کہاں تک جائز تھا کہ وہ جماعت لاہور سے تعاون نہ کرتا؟

ووکنگ مسلم مشن کی مثال ‹ پھر غیر از جماعت احباب کا یہ اعتراض کہ جماعت لاہور احمدیہ مسائل کیوں پیش کرتی ہے اگر یہ ایسا نہ کرے تو ہم تعاون کرنے کو تیار ہیں کہاں سچا ثابت ہوا؟ حضرت خواجہ صاحب مرحوم نے حضرت مولانا نورالدینؓ کی ہدایت کے مطابق عیسائیت کے مرکز میں توحید و رسالت کے پیغام تک اپنی تحریک کو محدود کر دیا تھا۔ تو اب ان معترضین کے لئے تعاون نہ کرنے کا کیا جواز باقی رہ گیا تھا؟ لیکن واقعات شاہد ہیں کہ عام طور پر عیسائیت کے برخلاف اور اسلام کی اشاعت میں من حیث الجماعت مسلمانوں کی جانب سے تعاون کی کوئی تحریک نہ ہوئی اور اگر کچھ کم و بیش رجوع ہوا تو وہ نہایت قلیل اور عارضی ثابت ہوا حتیٰ کہ ووکنگ مشن کو جماعت لاہور سے آخر ۱۹۴۸ء میں الحاق کرنا پڑا۔ اس سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہ نزاع صرف نام کے باعث نہیں۔ اب ۱۹۷۴ء کے بعد جب سے غیر احمدیوں نے ووکنگ مشن پر اپنا قبضہ کر لیا تو وہاں اشاعت اسلام کی تحریک کیوں ختم ہو گئی؟ اگر مخالفت احمدیہ نام اور عقائد کے باعث ہی ہے جیسے بعض احباب کا باطل خیال ہے تو جہاں ان کا سوال نہیں، وہاں تحریک اشاعت کیوں ختم ہو گئی؟

نزاع دعویٰ مسیحیت کے باعث ہے یعنی اس طریق کار کے برخلاف ہے جو مجدد وقت نے جہاد زمانہ کا تجویز کیا ‹ بیانیے میں نے واقعاتی تاریخ سے ثابت کیا ہے، تکفیر کے طوفان کا اصل باعث حضرت اقدسؑ کا دعویٰ مسیحیت ہوا ہے، اور یہی اب بھی ساری مخالفت کا باعث بن رہا ہے۔ پس جماعت کے نام سے احمدیہ حذف کر دینے سے کچھ فرق نہ پڑے گا۔ یہ میرا قیاس و خیال نہیں بلکہ واقعات سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔ مخالف تب تک باز نہیں آئیں گے جب تک جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو آپ کے دعویٰ مسیحیت و دیگر منجانب اللہ دعاوی میں (نعوذ باللہ) باطل سمجھنے کے باعث ان پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔

جب تعصب و تنگ دلی کی حالت یہاں تک پہنچ جائے وہاں ظاہر ہے کہ کسی جائز امر میں اختلاف برداشت کرنے کی اسلامی صفت سے علماء و عوام عاری ہو چکے ہیں، الا ماشاء اللہ۔

احمدیت صرف نام ہی نہیں بلکہ اس نام کی حقیقت یعنی جہاد بالنفس اور جہاد بالقرآن سے وابستہ ہے ‹ اب جبکہ جماعت احمدیہ سرینام نے حکومتی انتخاب کے مرحلہ میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور اپنے نام کے ساتھ انہوں نے جرأت و مومنانہ مردانگی کو کام میں لاتے ہوئے احمدیہ نام کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کرا لیا تو ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نام کے ساتھ جو ایمانی و اخلاقی اصول اس کا جزو بن گئے ہیں انہیں بھی بدرجہ اولیٰ برقرار رکھ کر یہ جماعت اپنے فریضہ اشاعت اسلام میں زور و شور سے عمل پیرا ہو جائے گی۔ اس مقام پر یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جہاد اسلام جو زمانہ کی ضروریات کے مطابق جماعت احمدیہ لاہور کا طرۂ امتیاز ہے کی دو لازم و ملزوم صورتیں ہیں۔ باطنی جہاد، جس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے افراد کے قلوب میں کوئی ایمانی تحریک جلوہ گر ہو یعنی یہ کہ جو قدم انہوں نے اٹھانا ہے اس میں ان کی اپنی رضا و منشاء یا اپنا کوئی مفاد مدنظر نہیں بلکہ مقصد و مدعا خدائی رضا کا حصول ہے اور ان کے جملہ اقدامات کے محرکات نفس کے جوش سے نہیں بلکہ خدائی حکم و رضا کے ماتحت ہیں۔ جب کسی جماعت میں تزکیہ نفس و طہارت باطنی کا جہاد اعلیٰ معیار پر کارفرما ہو جائے تو وہ دنیا میں ایمانی و اخلاقی انقلاب پیدا کرنے کا باعث ہو جاتی ہے۔ پس ہمیں یہ چاہئے کہ جہاد بالنفس کو مقدم کرتے جہاد بالقرآن میں اپنے آپ کو لگا دیں۔

ہمیں طیب احمد علی صاحب سے یہ استدعا کرنا ہے کہ وہ مرکزی جماعت لاہور کا یہ پیغام اپنی جماعت سرینام کو پہنچا دیں کہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان کو جو یہ کامیابی احمدیہ نام برقرار رکھنے میں ان کی اعلیٰ درجہ کی استقامت کی وجہ سے عطا فرمائی ہے تو مرکزی جماعت ان کی تہ دل سے مشکور ہے اور ان کو مستحق صد مبارکباد سمجھتی ہے۔ اب وہ احمدیت کے اصل کام میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔

ہر فرد جماعت اپنی اصلاح نفس کے جہاد میں منہمک ہو کر دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔ تاکہ جماعت میں نیک کرداری و تقویٰ کا معیار بلند ہو۔ اسی بنیاد پر اشاعت اسلام قائم ہے۔ پھر اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق اشاعت اسلام کے جہاد میں مشغول ہو جائے۔

از جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

چودھویں صدی کا مجدّد

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے + ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
پشتیٔ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام ہوں + نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار

اللہ تعالےٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ھادی بھی ہے یعنی فلاح کی منزل کی طرف رہنمائی کرنے والا۔ امام راغب نے ہدایت کو چار طرح پر بیان کیا ہے۔ اوّل فطری ہدایت ہے جو عام ہے اور اللہ تعالےٰ نے ہر شئے کو خلق کے ساتھ عطا کی ہے اور یہ ہر چیز کی فطرت میں موجود ہے۔ دوسری وہ ہدایت ہے جو نبیوں کے ذریعہ ملتی ہے۔ تیسری ہدایت وہ توفیق ہے جو سب انسانوں کے لئے عام ہے اور اس شخص سے خاص ہے جو ہدایت پا گیا۔ چوتھی ہدایت منزلِ مقصود تک پہنچا دینا ہے جس کو جنت بھی کہا جاتا ہے۔

ہدایت جو انبیاء کرام کے ذریعے سے ملتی ہے ایک نعمت ہے۔ یہ نعمت رسالتمآب حضرت محمد مصطفےٰ خاتم الانبیاء کی بعثت سے کامل ہوگئی اور آنحضرت صلعم کے بعد نبوّت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور کسی شریعت کی حاجت نہ رہی۔ البتہ آنحضرت صلعم کی ذاتِ اقدس سے یہ وعدہ کیا گیا کہ انّ اللہ یبعث لھٰذہ الامّۃ علیٰ راس کلّ مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ یعنی اللہ تعالےٰ و تبارک اس اُمّت محمدیہ کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد مبعوث کرتا رہے گا۔ یہ حدیث ابو داؤد کی ہے اور امام جلال الدین سیوطی کا قول ہے کہ حدیث کے حافظ اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ یہ سلسلہ قائم نہ کرتا تو بنی نوع انسان کے ہدایت پانے کے لئے ختم الرسل کے بعد کوئی ذریعہ نہ رہتا۔ سلسلۂ مجدّدین ختم نبوّت پر ایک روشن دلیل ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی ایک مکتوب میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں:۔

"اے فرزند ایں وقت آنست کہ در اُمم سابقہ دریں طور وقتی کہ پُر از ظلمت ست۔ پیغمبر اولوالعزم مبعوث می گشت و بنائے شریعت جدیدہ می کرد۔ دریں اُمت کہ خیر الامم است و پیغمبر ایشاں خاتم الرسل علماء را مرتبہ انبیاء دادہ اند و از وجودِ علماء بوجود انبیاء کفایت فرمودہ اند۔ دریں وقت عالمے عارفے تام للعرفت ازیں اُمت درکار است کہ قائم مقام انبیاء اولوالعزم باشد

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد"

خدائے بزرگ و برتر نے بھی جیسا کہ اس کی سنّت ہے اپنے وعدے کا خلاف نہیں کیا۔ اور پچھلی صدیوں میں تجدیدِ دین کے لئے مجدّدین مبعوث کرتا رہا ہے۔ یہاں یہ امر لائق غور ہے کہ مجدّد چونکہ مامور ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالےٰ کھڑا کرتا ہے۔ وہ لوگوں کی ووٹوں سے مجدّد نہیں کہلاتے۔ اس لئے جس برگزیدہ نفس کو اللہ تبارک خلعت۔ مجدّدیت سے سرفراز کرتا ہے وہ اعلان کرتا ہے کہ میں اس صدی کا مجدّد ہوں جیسا کہ مجھے خدائے قدوس نے بتایا ہے۔

خدا تعالےٰ نے ان مجدّدین کا ذکر آیت استخلاف میں بھی کیا ہے جہاں فرمایا:۔

"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ قائم کر دے گا۔ اور وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہیں۔" (النّور ۲۴ - ۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مجددین کرام تمکین دین کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں اور وہ خوف کی حالت کو امن کی حالت میں بدل دیتے ہیں۔

مشہور عالمِ دین اور مفسّرِ قرآن مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم لکھتے ہیں[1]

"اصل یہ ہے کہ مجدّدینِ امت کا ظہور بھی معاملاتِ نبوّت کے ماتحت ہے جس طرح انبیاء کرام کی تعلیم و دعوت ہمیشہ اسی رنگ میں جلوہ افروز ہوتی ہے جس کا ان کے عہد میں غلبہ ہو اسی طرح مجدّدینِ امت کا ظہور بھی ہمیشہ اپنے رنگ روپ میں وقت کے مقتضار و مواعید کے مطابق ہوتا ہے۔"

یعنی اگر عوام میں شرک پھیل چکا ہے تو مجددین توحید خالص پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور ان کی تعلیم زیادہ تر ردِّ شرک اور اثباتِ توحید کی ہوتی ہے۔ الحاد کا دَور دَورہ ہو تو وہ اثباتِ ہستی باری تعالےٰ کو منواتے ہیں۔

چودھویں صدی ہجری کے پُر آشوب دَور کا ذکر کُتب احادیث میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں دجّال۔ یاجوج ماجوج۔ دابۃ الارض کا ظہور فسق و فجور۔ بے راہ روی۔ اور اخلاقی انحطاط اور مسلمانوں کے نکبت و ادبار کے بارے میں جگہ جگہ بیان ملتا ہے۔ پھر اس زمانے میں عیسائیوں، آریوں اور دہریوں کی یلغار ایک امر واقعہ ہے۔ اسلام اور پاک محمدؐ سید نبیوں کے سردار پر ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ خدا تعالےٰ کی ہستی پر شک و شبہ پیدا ہو چکا تھا۔ الحاد پھیل رہا تھا۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ کوئی ایسا جری اللہ پیدا ہو جو اس ظلمتکدہ میں امید کی کرن لے کر آئے اور لشکرِ اسلام کو ادیانِ باطلہ پر غالب کر کے دکھلائے۔ بُتکدوں میں نعرۂ توحید بلند ہو۔ خدا کی ہستی پر ایمان و یقین زندہ اور مستحکم ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ نے عین وقت پر ایک چھوٹے سے غیر معروف گاؤں کے رہنے والے ایک مردِ خدا کو اُٹھایا کہ تو اس صدی کا مجدّد ہے۔ یہ مامور اس حقیقت کا یوں اقرار کرتا ہے۔

از بہر بود کہ چو سال صدی تمام شود
برآید آنکہ بدیں نائب خدا باشد
رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم
کہ او مجدّد ایں دین و رہنما باشد[2]

یہ ہستی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی تھی۔ جنہیں خدمتِ مجدّدیت سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کی بعثت کے وقت بڑے بڑے علماء۔ فضلاء۔ مشائخ۔ اولیاء و صوفیا موجود تھے۔ مگر جناب باری تعالےٰ نے حضرت مرزا صاحب کو ہی اس خدمتِ عظیمہ کے لئے چُن لیا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ مولانا آزاد نے سچ کہا ہے:۔

"ازاں جُملہ سب سے اعلیٰ و اشملِ طبقہ ان اخص الخواص نفوسِ مزکی کا ہے جن کو تائید توفیق الٰہی و سائق فیضان ربانی عزائم امور کے لئے چُن لیتا ہے کہ وان ذالک لمن العزم الامور اور جن کا نورِ علم و حکمت مشکوٰۃ نبوّت سے ماخوذ اور جن کا قدم طریق منہاجِ نبوّت پر واقع ہوتا ہے۔ انہی افرادِ خاصہ کو حدیث بخاری میں محدّث (بالفتح) کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور یہی مورد و مصداق ہیں حدیث مجدّد کے ہیں جو مختلف طرق سے مروی اور اس کے لحاظ سے متن اس کی صحت میں کلام نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا وجود فی الحقیقت

---

[1] تذکرہ۔ مطبوعہ البلاغ پریس کلکتہ۔ طبع اوّل ص ۲۴
[2] ایضاً ص ۲۲۳

نظام حق و ہدایت کا مقوم و منظم ہے اور انبیاء کرام کی اصلی وراثت انہیں میں منتقل ہوتی ہے۔" ؎۳

پھر کہتے ہیں :—

" ان کے لئے نہ تو مجرد علم و تدریس کتب کام آتی ہے نہ رسوم و ہیئات زہد و انقطاع۔ نہ مدارس و معابد دینی کے غلغلہ و ہنگامہ فضیلت کو اس میں دخل ہے اور نہ صومعہ و خانقاہ کے گوشہ انزوا کو۔ ان کے عہد میں علماء و اصحاب مشیخت کی کمی نہیں ہوتی اور کچھ یہ بات بھی نہیں کہ ہدایت سے اکثر خالی ہوتے ہیں [illegible] تاہم مقام عزیمت دعوت و قیام ہدایت کی ان میں سے کسی کو بھی توفیق نہیں ملتی۔" ؎۴

اسی فصل میں آگے چل کر لکھتے ہیں :—

" اگرچہ اس عہد میں ہزاروں مدعیانِ کار موجود ہوں مگر اس فضیلت مخصوص میں اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہوتا۔ صرف اُسی کو اس عہد کی اقلیم ہدایت کی سلطانی و فرمانروائی پہنچتی ہے اور صرف وہی اپنے زمانے کا کلید بردار خزائن برکات و فیضانِ سماویہ ہوتا ہے۔ تمام اصحاب طریق ناچار ہوتے ہیں کہ اپنے اپنے چراغ اسی مصباح ہدایت سے روشن کریں اور تمام رہروانِ جادۂ مقصد مجبور ہوتے ہیں کہ اسی کے کارواں فضل و قافلہ کرامت کی آواز درا پر اپنے اپنے قدم اٹھائیں۔" ؎۵

مجدد کو چونکہ خدا کھڑا کرتا ہے۔ اس لئے اس کی تائید و نصرت میں نشان دکھلاتا ہے۔ مجدد صدی چہاردہم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب تثلیث پرستی کا طوفان برپا تھا الحاد زوروں پر تھا۔ مادہ پرستی کی طرف دنیا راغب تھی اس لئے آپ کو تثلیث کے رد کے لئے۔ دجال کی سرکوبی کے لئے۔ الحاد کے ابطال کے لئے دلائل قویہ اور براہینِ قاطعہ سکھلائے گئے۔ آپ نے ہستی باری تعالےٰ پر نہ صرف دلائل دیئے بلکہ لوگوں کو چیلنج کیا کہ جس کو خدا دیکھنا ہو وہ میرے پاس آئے میں اسے خدا دکھلا دوں گا۔ اس نے میری تائید میں نشان دکھانے کا وعدہ کیا ہے۔ پھر وہ نشان دنیا نے دیکھے اور لاکھوں گواہوں نے اس کی تصدیق کی۔ اس طرح آپ نے یہ ثابت کیا کہ اسلام کا خدا نہ صرف موجود ہے بلکہ کلام بھی کرتا ہے۔

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

اس کے کلام کے ہزاروں نمونے حضرت مجدد صدی چہاردہم نے اپنی معرکۃ الآرا کتابوں میں لکھے ہیں۔ ان نشانوں کے ظہور سے قبل انہیں ببانگ دہل مشتہر کیا اور یہ پیشگوئیاں اپنے اپنے وقت پر کمال صفائی اور خوبصورتی سے پوری ہوئیں۔ اور طالبانِ حق کی ہدایت کا موجب ہوئیں۔ ان نشانوں کے ظہور نے ایک طرف تو یہ حقیقت آشکارا کر دی کہ خدا واقعی زندہ ہے اور مامور زمانہ سے کلام کرتا ہے اور مامور زمانہ اپنے دعویٰ مجددیت میں صادق ہے۔ حضرت امام الزمان فرماتے ہیں :—

پر وہ یہ مجھ کو کافر و کذاب کہتے ہیں + اور مفتری و کاذب و مکار کہتے ہیں
ان کے لئے تو بس [illegible] خدا کا یہ نشاں + یعنی جو مجھ پہ ہیں ہر زماں
دیکھو خدا نے اک جہاں کو جھکا دیا + گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا
یوں ایک مفتری کا ہے وہ ایسا آشنا + پاتے ہیں غیر [illegible] گیا
آخر کوئی تو بات ہے جس سے ہوا وہ یار + بدکار سے تو کوئی بھی کرتا نہیں ہے پیار

[illegible] کا تقاضا بھی یہی [illegible] صاحب قادیانی اپنے دعوے میں [illegible] اگر [illegible] مکالمہ و مخاطبہ نہیں کرتا تھا تو ان کی بیان کردہ باتیں کیوں حرف بحرف پوری ہوئیں [illegible] شہ رگ سے پکڑ لیتا ہے تا

صادق و کاذب میں فرق دکھلا دے۔ آئے دن اخباروں میں خود ساختہ مکاری عمال کی خبریں چھپتی ہیں جن پر حکومتِ وقت ان کی گرفت کرتی ہے مگر حی و قیوم اور قادر خدا ایک مفتری کو اپنے قانون کے مطابق گرفت نہیں کرتا۔ حضرت اقدس بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے ہیں :—

اے قدیر و خالقِ ارض و سما + اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر + اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پر فسق و شر + گر تو دیداستی کہ ہستم بدگہر

رب قدیر نے اس مضطرب بندے کی پکار کو سنا۔ اس کی دعا کو قبول کیا اور اس کو یقین دلایا :

— اے احمد! خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی ہ
— جو کچھ تو نے چلایا تو نے نہیں چلایا بلکہ خدا نے چلایا ہ
— وہ خدا ہے جس نے تجھے قرآن سکھلایا۔ یعنی اس کے حقیقی معنوں پر تجھے اطلاع دی ہ
— ان لوگوں کو کہہ دے کہ میں خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں ہ
— جس وقت خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور زمانہ ہماری طرف رجوع کرے گا اس وقت کہا جائے گا کہ کیا یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہ تھا ہ اور خدا کی رحمت سے نومید مت ہو یعنی یہ خیال مت کر کہ میں تو ایک گمنام اور اکیلا اور احد من الناس آدمی ہوں۔ یہ کیونکر ہوگا کہ میرے ساتھ ایک دنیا جمع ہو جائے گی۔ کیونکہ خدا ارادہ کر چکا ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور اس کی مدد قریب ہے ہ
— خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا ہ
— تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم خود آسمان سے الہام کریں گے ہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ہ
— تیرے ذکر کو خدا اونچا کرے گا اور دنیا و آخرت میں اپنی نعمت تیرے پر پوری کرے گا ہ
— تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید ہ
— پس وقت چلا آتا ہے کہ تیری مدد کی جا[ئے] ؎۶
— اور دنیا جہان میں تیرے نام کو شہرت

پھر فرمایا :—

— انی مہین من اراد اہانتک۔ انی معین من اراد اعانتک۔

پھر تسلی دی کہ :—

وان یمکربک الذی کفر۔ اوقد لی یاھامان۔ تبت یدا ابی لھب وتب۔ ؎۷

اور بشارت دی :—

ایک روحانی انقلاب پیدا ہوگا۔ اور بہت سے لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے ہ اور جو خدا کے لئے ہو خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ !!

؎۱ تذکرہ۔ مطبوعہ البلاغ پریس کلکتہ۔ طبع اوّل صفحہ ۲۴۰
؎۲ " " " " " " " " ۲۴۳
؎۳ تذکرہ ۹۴ مطبوعہ البلاغ پریس کلکتہ [illegible] ؎۴ ایضاً
؎۵ تذکرہ ۱۰۱ " " " "
؎۶ براہین احمدیہ حصہ پنجم الموسومہ تبصرۃ [illegible] مطبوعہ [illegible] ایضاً ص ۶۳

— ان کو کہدے کہ اگر میں نے خدا پر افتراء کیا ہے تو میں نے ایک سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا مجھے ملے گی یعنی مفتری اسی دنیا میں سزا پاتا ہے۔ اور سرسبز نہیں ہوتا اور اس کا تمام ساختہ پرداختہ آخر بگڑ جاتا ہے ٥

— مگر صادق کامیاب ہو جاتا ہے اور صدق کی جڑ پاتال میں ہے ٥ [۸]

خدا تعالیٰ کے یہ سارے وعدے پورے ہوئے۔ یہ سلسلہ ترقی پہ ترقی کرتا چلا گیا اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ مجدد صدی چہاردہم کی شہرت دنیا کے کونے کونے میں پہنچی۔ اس امام ہمام کے شاگردوں نے قرآن کریم کے پیغام کو شرق و غرب میں پھیلایا۔ نبیٔ آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو دنیا کے ایک ایک ملک اور ایک ایک قوم تک پہنچایا۔ آج وہ مغرب جو رسولِ عربی صلعم کی حیاتِ طیبہ پر زبانِ طعن دراز کرتا تھا۔ اسلام کی تعلیم پر نارو ا حملے کرتا تھا۔ امام الزمان کی تبلیغ اور تعلیم سے اس قدر متاثر ہوا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پُرفتن زمانے کا نجی قرار دیتا ہے اور آنحضرت صلعم کو کامیاب ترین مصلح تسلیم کرتا ہے۔ ہندوستان میں عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجی پرچارکوں کو اسلام اور ہادیٔ اسلام کے خلاف زبان درازی کی جرأت نہیں ہوتی۔ جس شدومد اور جوش سے معاندین اسلام اس دینِ مبین پر حملہ آور ہو رہے تھے اسی شدت سے وہ میدان مقابلہ سے پسپا ہو گئے۔ یہ عبارت آرائی خوش عقیدگی کی بناء پر نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا غیر از جماعت فضلاء نے اعتراف کیا ہے۔ میرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ حضرت امام زمان کی زندگی میں آپ کی سخت مخالفت کرتے رہے مگر آپ کی وفات پر اپنے اخبار میں لکھا :—

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ پر اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا جو بے نظیر کتابیں اور آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا۔ [۹]

اخبار وکیل امرتسر ایک وقت مسلمانانِ ہند کا سب سے زیادہ متین، وقیع اور بلند پایہ ترجمان تھا۔ حضرت کی رحلت پر اس کے نامور ایڈیٹر مولنا عبداللہ العمادی نے لکھا :—

"میرزا غلام احمد قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھلا جاتے ہیں۔ ...... مخالفین اسلام کے مقابلہ اسلام کی اس شاندار مدافعت کا ... اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت ... کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے ....

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایتِ اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔" [۱۰]

ایک اور اخبار نے لکھا :—

"واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کماحقہٗ ادا کر کے خدمتِ دینِ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولو العزم حامی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل۔ عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔" [۱۱]

چوہدری افضل حق صدر جمعیتہ احرار اپنی کتاب "فتنہ ارتداد اور پولیٹکل قلابازیاں" کے صفحہ ۴۲ پر حضرت مجدد زمان کے دور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسدِ بے جان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہو گئی مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے آگے بڑھا اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔"

غیر از جماعت علماء۔ فضلاء اور ادباء نے حضرت مجدد صدی چہاردہم کے کارناموں کا جس طرح اعتراف کیا ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ مولنا ابو الکلام آزاد حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

"کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت مجدد رح کے وجودِ گرامی ہی کے لئے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا۔ انبیاء اولو العزم کی نیابت کے قائم مقامی یعنی مقام عزیمت دعوت کا خلعت صرف انہی کے جسم پر چست آیا۔ باقی جس قدر تھے یا تو مدرسوں میں پڑھاتے رہے یا موٹی موٹی کتابیں اور نئی نئی شرحیں لکھتے رہے یا پھر ان کی تضلیل و تکفیر کے فتووں پر دستخط کرتے رہے۔ وقت کا جو اصلی کام تھا اس کو کوئی ہاتھ نہ لگا سکا۔" [۱۲]

حضرت مجدد زمان نے نہ صرف اسلام پر بیرونی حملوں کی مدافعت کی جو آپکے عہد کا اصلی کام تھا بلکہ مسلمانوں میں رواج پا جانے والی غلطیوں کی بھی اصلاح کی جیسا کہ آپ نے فرمایا :—

"اس دین میں بہت سے اسرار ایسے تھے کہ درمیانی زمانہ میں پوشیدہ ہو گئے تھے مگر مسیح موعود کے وقت میں ان غلطیوں کا کھل جانا ضروری تھا کیونکہ وہ حکم ہو کر آیا۔ اگر درمیانی

---

[۸] براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ الموسومہ تبصرۃ الحق مطبوعہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۶۳

[۹] کرزن گزٹ دہلی۔ ... یکم جون ۱۹۰۸ء۔

[۱۰] اخبار وکیل امرتسر۔ مئی ۱۹۰۸ء

[۱۱] صادق الاخبار ریواڑی

[۱۲] تذکرہ صفحہ ۲۲۳۔ البلاغ پریس کلکتہ۔ (طبع اول)

زمانہ میں یہ غلطیاں نہ پڑتیں تو پھر مسیح موعود کا آنا فضول اور انتظار کرنا بھی فضول تھا۔ کیونکہ مسیح موعود مجدد ہے اور مجدد غلطیوں کی اصلاح کے لئے ہی آیا کرتے ہیں۔" ۱۳ھ

یہاں آپ نے مسیح موعود کو مجدد ہی لکھا ہے۔ گویا آپ کا اصل منصب مجدد کا ہے۔ مسیح موعود مجدد صدی چہاردہم کا ہی نام ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد دوران فرماتے ہیں:۔۔۔۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

حضرت نبی آخر الزمان نے مجدد صدی چہاردہم کا ایک نام یکسر الصلیب بھی قرار دیا ہے۔ تاکہ حضرت مسیح ابن مریم کے بارے میں جو غلو کیا گیا ہے اور انہیں رسالت سے اٹھا کر الوہیت کا مقام دیا گیا ہے اس کا ازالہ کیا جائے۔ حضرت مسیح کو تو اپنے لئے عبد کہلانے میں کوئی کراہت نہ تھی البتہ انکے متبعین نے انہیں ابن اللہ قرار دے کر الوہیت کے مقام پر کھڑا کر دیا۔ ان کی اس غلطی کی اصلاح کے لئے حضرت مجدد دوران نے خدا سے علم پاکر اعلان کیا کہ مسیح ابن مریم تو طبعی موت چکھ کر دوسرے انبیاء کرام کے ساتھ داخل جنت ہو چکے ہیں۔ اب جس پر موت وارد ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حی و قیوم تو خدائے واحد و یگانہ کی صفت ہے۔ یہ آسمانی نور اور علم کہ قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح بھی وفات یافتہ ہیں حضرت مجدد صدی چہاردہم کو دیا گیا۔ اس جگہ یہ ذکر کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے آخری دور کے عامۃ المسلمین کی نسبت فرمایا:۔۔۔

"تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ضرور ہے کہ تم ان کے سارے طریقوں اور چالوں کی ہو بہو پیروی کرو یعنی ان کی ساری گمراہیاں اختیار کرلو گے۔ صحابہ نے کہا کیا یہود و نصاریٰ کی؟ فرمایا ہاں اور کون" (روایت ابی سعید)

اس لئے یہودی خصلت کے مقابل پر مسیح ہی آنا چاہیئے تھا۔ شمس العلماء سید ممتاز علی (دارالاشاعت پنجاب لاہور) نے اپنے ایک مضمون میں بعنوان "صحیح مسلم" لکھا تھا:۔۔۔

"یہودیوں نے توریت پر طالمود۔ مدراسی۔ متنی وغیرہ کا اضافہ کیا تھا تو خدا تعالیٰ نے اس قوم کی درستی کے لئے مسیح کو بھیجا شاید اسی سنت الہیٰ کا خیال کرکے مرحوم و مغفور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اس زمانہ کے مسلمانوں کی یہودیت توڑنے کے لئے مسیحیت اختیار کی"۔ ۱۴ھ

سید صاحب نے اس زمانے کے مسلمانوں کی یہودیت تو ارشاد نبوی کی روشنی میں صحیح تلاش کرلی مگر ان کا یہ کہنا کہ حضرت مجدد زمان نے "مسیحیت" اپنی مرضی سے اختیار کی تھی کسی طرح درست نہیں بلکہ یہ خدا کے حکم اور اختیار سے تھا۔

مسیح وقت مرا کرد اینکہ دید ایں حال

ایک اور غلطی جو مسلمانوں میں رواج پا چکی تھی اور حضرت مجدد زمان نے دور کی وہ قرآن مجید میں ناسخ منسوخ کا مسئلہ تھا۔ یہ کس قدر ظلم ہے کہ خدا کی آخری اور مکمل کتاب کے لئے یہ روا رکھا جائے کہ اس کی بعض آیات بعض آیات کی ناسخ ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جس آسمانی کتاب کی حفاظت ابدی کا خداوند کریم نے وعدہ کیا ہوا ہے ناسخ و منسوخ کہاں۔ علمائے سلف نے قرآن کریم کی پانچسو آیات سے لے کر پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا۔ بات دراصل یہ تھی کہ جہاں کسی "عالم" کو آیت کی تفسیر کرنے میں مشکل پیدا ہوئی اس نے بجائے اس اشکال کو قرآن مجید کی دوسری آیات سے تطبیق دے کر حل کرنے کی کوشش کے اس کو منسوخ قرار دے دیا۔ یہ حضرت مجدد کا کمال ہے کہ انہوں نے قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ کو غلط اور باطل ثابت کیا اور فرمایا کہ آیات تو کجا اس پاک کتاب کا ایک شعشہ اور نقطہ بھی منسوخ نہیں۔

ہمارے مسلمانوں نے اہل کتاب کی دیکھا دیکھی خدا کے برگزیدہ اور استبازانبیاء کرام کو کسی نہ کسی گناہ میں ملوث کر رکھا تھا۔ مثلاً ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معاذ اللہ تین موقعوں پر دروغ گوئی سے متہم کیا تھا۔ حضرت مجدد وقت نے اس خلاف قرآن عقیدہ کی تردید کی اور واضح کیا کہ انبیاء کرام اور رسل عظام خدا کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اور معصوم ہونے کی وجہ سے ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ انہیں اپنے ہاتھ سے پاک کرتا ہے۔

ایک اور غلطی قرآن کریم۔ حدیث نبوی اور سنت نبوی کے صحیح صحیح مقام کے بارے میں تھی۔ ایک مکتب خیال نے افراط کی راہ اختیار کی اور حفظ مراتب کے قاعدہ کو فراموش کر کے احادیث کے مرتبہ کو اس بلندی پر پہنچا دیا تھا جس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے۔ دوسرا گروہ تفریط کی راہ پر چل نکلا اور احادیث کا سرے سے انکار کر دیا۔ حضرت مجدد نے اس افراط و تفریط کو مٹا کر جادۂ مستقیم یہ ٹھہرایا:۔۔۔

"چاہیئے کہ قرآن اور سنت کو حدیثوں پر قاضی سمجھا جائے اور جو حدیث قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کو بسر و چشم قبول کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسی ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں"۔ ۱۵ھ

ایسی کئی اور غلطیاں تھیں جن کی حضرت مجدد زمان نے اصلاح کی اور مسلمانوں کو صحیح راستہ بتایا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مجدد صدی چہاردہم نے غلبہ اسلام اور تمکین دین کے لئے کیا کچھ کیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں حضرت مجدد نے خدا سے علم پاکر جس پامردی اور جگر سوزی سے معرکہ آرائی کی اس نے دین الحجاز کو ادیان باطلہ پر غالب کر دکھلا دیا۔ ان خدمات جلیلہ کا اعتراف آپ کے ہمعصر علماء و فضلاء نے کیا ہے۔ جہاں تک تمکین دین کا مسئلہ ہے۔ انیسویں صدی عیسوی یا تیرھویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر نکبت و ادبار کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ واعظین قوم اور شعراء اس زبوں حالی پر مرثیہ خواں تھے:۔۔۔

وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

اے باد صبا جا کہیو کملی والے سے پیغام مرا
قبضے سے بچا دی امت کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

کہ مجدد وقت میدان میں اترتا ہے اور مایوس دلوں کو یقین دلاتا ہے کہ اب اسلام کے غالب آنے کے دن آگئے ہیں۔ اب کفر و ضلالت اسلام کی ضیا پاشیوں سے اندھیرے کی طرح زوال پذیر ہوگا۔

دوستو اس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی + آئیں گے اس باغ کے اب جلد لہرانے کے دن
اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا + اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن
دیں کی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

(باقی آئندہ)

۱۳ھ ۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ نصرۃ الحق صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ ۱۹۰۸ء

۱۴ھ ۔ تہذیب نسواں۔ ناشر دارالاشاعت پنجاب لاہور شمارہ ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۸ء

۱۵ھ ۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مباحثہ کا محاکمہ۔ مطبوعہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء۔

شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ چھاؤنی

ھَاتُوا بُرھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْن

مرسلین کا گروہ ظلم اور استہزاء کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور قرآن پاک میں بھی یہی صادر ہوا ہے وما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن۔ اس صدی کا مجدد بھی اس سے مستثنےٰ نہ رہ سکتا تھا۔ مخالفین نے تو کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ عقیدتمندوں کے ایک گروہ نے غلو کر کے مزید اعتراضات کا موقعہ دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ حق کیا ہے۔ مجدد زمان نے جو دعاوی کئے ان کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا اور مستند دلائل بھی ان کی تائید میں دیئے۔ آپ نے فرمایا:۔

"میری صداقت یا عدم صداقت کا امتحان آسان ہے۔ اس کی زیادہ تفصیل یہ ہے کہ میرا تو خدا تعالےٰ کے اعلام و افہام سے یہ دعوےٰ ہے کہ اگر دنیا کے تمام لوگ ایک طرف ہوں اور ایک طرف یہ عاجز ہو تو آسمانی امور کے انکشاف کے لئے ایک دوسرے کے قرب اور وجاہت عنداللہ کا امتحان کریں تو میں حلفاً کہتا ہوں کہ مجھے پورا یقین ہے کہ میں غالب ہوں گا۔ صدہا نشان آسمانی میرے پر ظاہر ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ان نشانوں کے دیکھنے والے موجود ہیں۔"

آپ نے علماء کو چیلنج کیا لیکن وہ مقابلہ کے لئے نہ نکلے۔ دروغ بے فروغ پر اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہے:۔

"میں میدان میں کھڑا ہوں۔ یقیناً یاد رکھو کہ وہ نور جو آسمان سے اترا ہے کسی کی منہ کی پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا۔ وہ اپنے منہ کی فکر کریں۔ ایسا نہ ہو پھونکیں مارتے مارتے ایک شعلہ اٹھے اور منہ کی منحی صورت بنا دے۔"

جو شخص نعوذ باللہ انہیں مفتری بنانے کاذب قرار دینے مکار نام رکھنے دجال کے اسم سے موسوم کرنے میں پیش پیش تھا یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی اس کے اپنے ہی ریویو جو براہین احمدیہ کے ریویو نمبر ۶ جلد نمبر ۷ پر درج الفاظ ملاحظہ ہوں اور وہ یہ ہیں:۔

"دعائیہ رنگ میں یہ شخص التجا کرتا ہے کہ اے خدا اپنے طالبوں کے رہنما ان پر ان کی ذات سے ان کے ماں باپ سے تمام جہان کے مشفقوں سے زیادہ رحم کر اور اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے اور اس کی برکت سے مالا مال کر دے اور اس خاکسار شرمسار گنہگار کو بھی اپنے فیوض و انعامات اور اس کتاب کی اخص برکات سے فیض یاب کر۔"

یہ حسن ظن۔ عقیدت اور فیضیاب ہونے کی دعا اور پھر مخالفت کا عالم۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ بہتان بھی کھڑا کیا کہ مرزا صاحب بخاری اور مسلم کے منکر ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے لکھا کہ:۔

"آپ ذرہ غور کریں کہ کیا کوئی عقلمند ایسی کتابوں سے منکر ہو سکتا ہے جو اس کے دعوےٰ کی اوّل درجہ پر مؤید اور حامی ہیں۔ قرآن کریم کی طرح یہ بھی اس عاجز کے مدعا اور دعوےٰ پر کامل دلائل پیش کرتی ہیں۔ یہی تو میرے گواہ ہیں جن سے میرا دعوےٰ ثابت ہوتا ہے۔ ان سے انکار کروں تو کہاں جاؤں۔"

آپ کی تصنیف ازالہ اوہام میں افادات البخاری کے باب میں توفّی کے لفظ پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ عموم محاورہ قرآن شریف کا توفّی کے لفظ کے استعمال میں بھی واقع ہوا ہے کہ وہ تمام مقامات میں اوّل سے آخر تک ہر ایک جگہ جو توفّی کا لفظ آتا ہے اس کو موت اور قبض روح کے معنے میں لاتا ہے اور عرب کے قدیم اور جدید اشعار و قصائد و نظم و نثر کی عمیق تحقیق سے بھی یہی ثابت ہوا کہ جہاں جہاں توفّی کے لفظ کا ذی روح سے یعنی انسانوں سے علاقہ ہے اور فاعل اللہ جلشانہ کو ٹھہرایا گیا ہے ان تمام مقامات میں توفّی کے معنے موت و قبض روح کے لئے گئے ہیں۔ حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں صحابہؓ اور خود آنحضرت صلعم اس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کرتے تھے اور آیا یہ لفظ اس وقت ان کے روزمرہ کے محاورات میں کئی معنوں پر استعمال ہوتا تھا یا صرف ایک ہی معنے قبض روح اور موت کے لئے۔ سو اس تحقیق کے لئے حضرت مرزا صاحب نے بڑی محنت کی اور ان تمام کتابوں صحیح بخاری صحیح مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی وغیرہ دیکھیں صفحہ صفحہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان تمام کتابوں میں جو داخل مشکوٰۃ ہیں ۳۴۶ مرتبہ مختلف مقامات میں توفّی کا لفظ آیا ہے اور جس قدر وہ الفاظ توفّی کے ان کتابوں میں آئے خواہ وہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے نکلا یا کسی صحابی کے منہ سے نکلا انہی معنوں میں آیا ہے۔ اور آپ نے بڑی کوشش اور جانکاہی سے سطر سطر پر نظر ڈال کر دیکھ لیا اور دعوےٰ اور شرط کے ساتھ کہا کہ یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے اور بعد بعثت آخر عمر تک جو آنحضرت صلعم زندہ رہے حضورؐ نے کسی دوسرے معنے میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ اور امام محمد اسماعیل بخاری نے اپنی صحیح میں ایک لطیف نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کم سے کم سات ہزار مرتبہ توفّی کا لفظ بعثت کے بعد آخر عمر تک آنحضرتؐ نے منہ سے نکالا ہے اور انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سو یہ نکتہ بخاری کا منجملہ ان نکات کے ہے جن سے حق کے طالبوں کو امام بخاری کا مشکور و ممنون ہونا چاہیئے اور منجملہ افادات امام بخاری کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کے بارے میں ایک قطعی فیصلہ دے دیا جس سے بڑھ کر متصور نہیں اور مزید براں انہوں نے اپنی صحیح میں پانچ حدیثیں ذکر کے متفرق طور پر اور متفرق راویوں کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ مسیح ابن مریم اپنی موت کے بعد اموات میں جا ملا اور خدا تعالےٰ کے بزرگ نبی جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں ان میں داخل ہو گیا اور آنحضرت صلعم نے معراج کی رات میں فوت شدہ جماعت میں اس کو پایا اور پھر اس پیشگوئی کی نسبت جو ان کی صحیح میں درج ہے کہ ابن مریم نازل ہوگا تین قرینے قائم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ آنے والا ابن مریم ہرگز وہ مسیح ابن مریم نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی۔

چنانچہ اوّل قرینہ یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں لا نبی بعدی۔ دوم قرینہ یہ ہے کہ آنے والے مسیح کی نسبت اماماکم منکم کا قول استعمال کیا گیا ہے جس سے صاف طور پر جتلا دیا کہ وہ مسیح آنے والا اصل مسیح نہیں بلکہ وہ تمہارا ایک امام ہوگا اور تم میں سے ہوگا اور اگر کسی امام سے مراد نماز نوازی کی امامت ہے جیسا کہ ہر ایک مسجد میں ملّا ہوا کرتے ہیں تو یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ۲۰ کروڑ مسلمانوں کے لئے جو جابجا سکونت رکھتے ہیں

وقت نماز ادا کرنے کے لئے ایک ہی امام کافی ہو۔ بلکہ امام سے مراد رہنما۔ پیشوا اور خلیفہ ہے جس کی صفات میں سے حکم۔ عدل اور مقسط بیان کیا گیا ہے۔ حضرت امام نے فرمایا۔ اب آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیئے کہ یہ صفات بخاری کے سیاق سباق دیکھنے سے مسیح موعود کے حق میں اطلاق پاتے ہیں یا کسی اور کے حق میں۔ اے بندگان خدا کچھ تو ڈرو اور خدا اور رسول کے فرمودہ سے عمداً انحراف مت کرو اور تحریف سے باز آجاؤ۔

سوم قرینہ جو امام بخاری نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ آنے والے مسیح اور اصل مسیح ابن مریم کے حلیہ میں جا بجا التزام کے ساتھ فرق ڈال دیا ہے۔ مسیح ابن مریم کے چہرہ کو احمر بیان کیا ہے اور ہر ایک جگہ آنے والے مسیح کا حلیہ بقول آنحضرت صلعم فرمایا اس کے چہرہ کو گندم گوں ظاہر کیا ہے۔ ضمناً ابن مریم کی اصطلاح کے بارے میں یہ قابل ذکر ہے کہ محققوں نے بخاری کی اس حدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یمسہ حین یولد الا مریم وابنہا قرآن کریم کی ان آیات کے مخالف پاکر کہ الا عبادک منہم المخلصین۔ وان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ وسلام علیہ یوم ولد۔ اس حدیث کی یہ تاویل کر دی کہ ابن مریم اور مریم سے تمام ایسے اشخاص مراد ہیں جو ان دونوں کی صفت پر ہوں۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی + میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اور حضرت امام الزمان نے فرمایا۔ ہے بالآخر ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے۔

اب ہم آپ کی تصنیف ازالہ اوہام کے ہی ایک باب سے کچھ حصہ پیش کرتے ہیں جس کا عنوان ہے ہمارا مذہب۔ تحریر فرماتے ہیں:—

"ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ہمارا اعتقاد جو ہم دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود و احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی حکم کو تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج ملحد اور کافر ہے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراط مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی کریم صلعم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔"

واضح رہے کہ آپ کی یہ تصنیف ۱۹۰۱ء کی ہے اور اس کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر یہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ آنحضرت صلعم سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر ایک مجدد کا آنا ضروری ہے۔ اب ہمارے علماء جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلائیں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدا تعالیٰ سے الہام پاکر مجدد ہونے کا دعوے کیا۔ یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشاء ہے کہ وہ مجدد خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے گا یعنی علوم لدنیہ و آیات سماویہ کے ساتھ آپ بتلا دیں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعوے کیا جیسا کہ اس عاجز نے۔ کیا کوئی الہامی دعاوی کے ساتھ تمام مخالفوں کے مقابل پر ایسا کھڑا ہوا جیسا کہ یہ عاجز کھڑا ہوا۔ تفکروا۔ وتدبروا واتقوا اللہ ولا تغلوا۔ اور اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعوے میں غلطی پر ہے تو پھر آپ لوگ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہی دنوں آسمان سے اتر آئے کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں۔ آپ لوگ اگر حق پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ وہ جلد آسمان سے اترتے دکھائی دیں۔ اگر آپ حق پر ہیں تو دعا قبول ہو گی کیونکہ اہل حق کی دعا مبطلین کے مقابل قبول ہو جایا کرتی ہے لیکن آپ یقیناً سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہو گی۔ کیونکہ آپ غلطی پر ہیں۔ مسیح تو آچکا لیکن اس کو شناخت نہیں کیا۔ اب یہ امید موہوم آپ کی پوری نہیں ہو گی۔ یہ زمانہ گذر جائے گا اور کوئی ان میں سے مسیح کو اترتے نہیں دیکھے گا۔ حالانکہ تیرھویں صدی۔ [illegible] اس کا ظہور معین کر گئے ہیں اور بعض تو چودھویں صدی والوں کو بطور وصیت یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اگر ان کا زمانہ پاؤ تو ہمارا السلام علیکم کہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب رئیس المحدثین بھی انہیں میں سے ہیں۔

آخر میں حضرت مولانا نور الدین علیہ الرحمۃ کے ایک خط کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے جو آپ نے ایک شخص کے جواب میں لکھا۔ تحریر فرمایا:—

"ایک الٰہی ارشاد ہے جو حضرت خاتم الانبیاء کے مخالفوں کے نام جاری ہوا تھا۔ ہم اسی ارشاد کو ظلی طور پر حضرت خاتم الانبیاء کے ظل اور نائب اور اس کے دین کے خادم حضرت مجدد الوقت مرزا جی کے مخالفوں کو سناتے ہیں۔ مخالفت کرنے والو! صبر سے انتظار کرو جلد باز نہ بنو۔ مرزا جی نے اپنے بعض احباب کو اس خاکسار کے سامنے فرمایا کہ اگر لوگ تم سے بمباحثہ پیش آویں تو یہ حکم الٰہی ان کو سنا دو۔ ان یک کاذباً فعلیہ کذبہ وان یک صادقاً یصبکم بعض الذی یعدکم۔ ان اللہ لا یہدی

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

از مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زندہ جاوید کارنامہ

دُنیا کے تمام مذاہب پر اپنے علم الکلام اور نشانات کے ذریعہ اسلام کی برتری ثابت کردی

(بسلسلہ ۱۶-۲۳ مئی ۱۹۷۹ء مسیح موعود نمبر)

عالمی جنگ اور خطرناک تباہی و بربادی اور ساری دنیا کے لئے ایک عظیم الشان نشان — حضور نے ایک زلزلے کی پیشگوئی کی تھی جو پوری ہو گئی۔ اس کے بعد ایک اور زلزلے کی خبر خدا تعالےٰ کی طرف سے حضور کو دی گئی۔ اس کے متعلق حضورؑ فرماتے ہیں:—

" مجھے خدا تعالےٰ خبر دیتا ہے کہ وہ آفت جس کا نام اس نے زلزلہ رکھا ہے نمونہ قیامت ہوگا اور پہلے سے بڑھ کر اس کا ظہور ہوگا.........اگرچہ بظاہر لفظ زلزلہ آیا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ وہ کوئی اور آفت ہو جو زلزلہ کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہو۔ مگر نہایت شدید آفت ہو جو پہلے سے بھی زیادہ تباہی ڈالنے والی ہو جس کا سخت اثر مکانات پر بھی پڑے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ زلزلہ تیری ہی زندگی میں آئے گا۔"

پھر فرماتے ہیں:—

" اور تیرے لئے وہ آسمانی نشان ہوگا۔ تیری تائید کے لئے خدا خود اُترے گا۔ اور اپنے عجائب کام دکھلائے گا۔ جو کبھی دُنیا نے نہیں دیکھے۔"

پھر فرماتے ہیں:—

" اور وہ زلزلہ پہلے زلزلہ سے بڑھ کر ہوگا اور اس میں قیامت کے آثار ظاہر ہوں گے اور دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرے گا۔ اور خُدا فرماتا ہے کہ میں اس وقت آؤں گا کہ جب دل سخت ہو جائیں گے اور زلزلہ آنے کے خیال سے لوگ اطمینان حاصل کر لیں گے اور خدا فرماتا ہے کہ میں مخفی طور پر آؤں گا اور میں ایسے وقت میں آؤں گا۔ کہ کسی کو بھی اطلاع نہیں ہوگی یعنی لوگ اپنے دُنیا کے کاروبار میں سرگرمی اور اطمینان سے مشغول ہوں گے کہ یک دفعہ وہ آفت نازل ہو جائے گی اور اس سے پہلے لوگ تسلّی کر بیٹھے ہوں گے کہ زلزلہ نہیں آئے گا اور اپنے تئیں بے خطر اور امن میں سمجھ لیا ہوگا۔ تب یک دفعہ یہ آفت ان کے سروں پر ٹوٹے گی۔"

پھر دوسرے الہام میں اس آفت کی تعیین کی گئی ہے۔ الہام کے الفاظ یہ ہیں:— "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں"

اس الہام نے بتا دیا کہ وہ آفت جس کا ذکر حضور نے فرمایا ہے وہ جنگ کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اور الہام یہ بھی بتلایا ہے کہ اس جنگ میں آب دوز کشتیوں سے خاص کام لیا جائے گا اور یہ کشتیاں سمندری سفر کے امن کو برباد کر دیں گی۔ سمندری راستے سفر کے لئے نہایت ہی خطرناک بن جائیں گے چنانچہ پہلی عالمی جنگ میں ایسا ہی ہوا کہ یہ آب دوز کشتیاں جہازوں کو غرق کرنے میں مشغول رہیں۔ اس جنگ میں جس قدر تباہی و بربادی وقوع میں آئی اس کے متعلق فرماتے ہیں:— "دنیا پر ایک سخت تباہی آئے گی۔ گویا دُنیا کا خاتمہ ہو جائے گا"

میری پیشگوئیوں کے مطابق امریکہ میں بھی زلزلے آئے اور یورپ میں بھی آئے

یہ آفت جس کا میں نے ذکر کیا ہے قیامت کا نمونہ ہوگی اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے۔ اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے۔ کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔

اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین و آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا۔ تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:—

" یہ مت خیال کرو۔ کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا مُلک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھوگے۔ اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں۔ اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خُدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔"

وہ آفت جس کا ذکر اُوپر ہوا ہے اس کے نتیجہ میں آنے والی تباہی و بربادی کا نقشہ حضور نے اپنی مندرجہ ذیل نظم میں بھی کھینچا ہے:—

" اِک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر و مرغزار
آئے گا قہرِ خدا سے خلق پر اِک انقلاب
اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار
یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے
کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار
اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رودبار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن
صبح کر دے گی انہیں مثلِ درختانِ چنار
ہوش اُڑ جائیں گے انساں کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی
راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بیخود راہوار
خون سے مُردوں کے کوہستان کے آبِ رواں
سُرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار
مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار
اِک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربانی نشان
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہِ ناشناس
اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دارومدار
وحیِ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بُردبار"

اس نظم میں زار روس کے متعلق خاص پیشگوئی ہے۔ فرماتے ہیں:—

"زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار"

اس وقت حضورؑ نے یہ پیشگوئی فرمائی تو زار کی حکومت بڑی طاقتور حکومت تھی۔ زار اس وقت بڑا طاقتور حکمران سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ حضورؑ کی پیشگوئی کے الفاظ بتلا رہے تھے کہ اس وقت زار پر بُری گھڑی آنے والی ہے۔ چنانچہ روس میں کمیونسٹ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے زار کو معہ اس کے خاندان کے گرفتار کر لیا اور بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ اس سارے خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

کمیونسٹ جو خدا کے منکر ہیں اس نشان پر غور کریں کہ کس طرح خدا تعالےٰ نے ان کے اپنے ملک میں اور ان کے اپنے ہاتھوں اپنی قدرت کا یہ عظیم الشان نشان دکھلایا جس کی اطلاع قادیان کے ایک گاؤں کے رہنے والے نے کئی سال پیشتر خدا سے الہام پا کر دے دی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس نشان کو دیکھنے کے بعد خدا کی ہستی کا انکار کرنا شقاوت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس آفت میں تاخیر ڈالنے کے لئے حضورؑ کی دعا

حضورؑ نے جب اس آفت کے نتیجہ میں آنے والی تباہی و بربادی کا نظارہ اپنے کشف میں دیکھا تو انسانی ہمدردی کے جذبے سے مجبور ہو کر حضورؑ سخت گھبرا گئے اور اس گھبراہٹ کی حالت میں خدا تعالےٰ سے دُعا کی کہ اے مولا! مجھے یہ تباہی و بربادی نہ دکھلائیو۔ لیکن چونکہ تیرے ہاں اس کا آنا مقدر ہے اس لئے اس کو کسی اور وقت پر ٹال دو۔ خدا تعالےٰ نے حضورؑ کی دُعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ مَیں نے اس کو تیری دُعا کے نتیجہ میں کسی دوسرے وقت کے لئے ٹال دیا ہے۔ پس یہ تیری زندگی میں نہیں آئے گی۔ چنانچہ حضورؑ کی وفات کے بعد پہلی عالمی جنگ قریباً ۸ سال بعد شروع ہوئی اور اپنے ذیل میں جو تباہی و بربادی لائی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اگرچہ ظاہری جنگ ایک خاص حلقہ میں ہوتی رہی لیکن اس کے اثر نے دنیا کے ہر حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دنیا کا کوئی حصہ بھی اس کے نقصانات اور بُرے اثرات سے محفوظ نہ رہا۔ تو کیا یہ ایسا عظیم الشان نشان اہلِ دنیا کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں؟ خدا جانے نشانوں پر نشان دیکھ کر بھی دنیا کی آنکھیں کب کھلیں گی اور لوگ کب حضورؑ کی مخالفت ترک کرنے پر آمادہ ہوں گے۔

اہلِ ہند پر تین دفعہ اسلام کی سچائی کے متعلق حجت کا پورا ہونا

پہلی حجت تو ہندو قوم پر اس وقت پوری ہوئی جب پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی پوری ہوئی۔ دوسری حجت اس وقت پوری ہوئی جب ہندوستان کی تقسیم ہوگئی اور بھارت کے حکمران اس خیال میں لگے ہوئے تھے کہ پاکستان کو دوبارہ بھارت میں ملا لیا جائے۔ چنانچہ ان کے ایک وزیر اعظم شاستری نامی نے پاکستان پر بغیر الٹی میٹم دیئے حملہ کر دیا اور یہ پیشگوئی کی کہ ہم شام لاہور جا کر کریں گے۔ یعنی لاہور ایک دن میں ہی فتح ہو جائے گا۔ اس کے متعلق حضورؑ فرماتے ہیں کہ میں نے رؤیا دیکھا اور اس رؤیا میں یہ بھی خیال آیا کہ شاستری کی پیشگوئی غلط نکلی۔ چنانچہ فی الحقیقت شاستری کی فوج کو لاہور سے ہی ناکام واپس جانا پڑا۔ اس کے متعلق حضورؑ فرماتے ہیں:

"کہ میں چھپ کر آؤں گا میں اپنی فوجوں کے ساتھ اس وقت آؤں گا کہ کسی کو گمان بھی نہ ہوگا۔ کہ ایسا حادثہ ہونے والا ہے۔ غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا یا کچھ حصہ رات میں سے یا ایسا وقت ہوگا جو اس سے قریب ہے۔"

جو وقت بھارت والوں کی طرف سے پاکستان پر حملے کا حضورؑ کے الہام میں بتلایا گیا ہے اسی وقت بھارت والوں نے پاکستان پر حملہ کیا۔ الہام سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ یہ حملہ جیسا کہ میں نے لکھا ہے بغیر الٹی میٹم کے چھپ کر ہوگا الہام بتلاتا ہے کہ کسی کو اس حادثہ کا علم نہیں ہوگا لیکن خدا اہلِ پاکستان کی مدد اپنی فوجوں کو بھیج کر کرے گا۔ اور بھارت والوں کو شکست فاش ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔

تیسری بار حجت کا پورا ہونا

حضورؑ کو گیارہ فروری ۱۹۰۶ء کو الہام ہوتا ہے:۔

"پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا، اب اُن کی دلجوئی ہوگی۔"

اس الہام کا پس منظر یہ ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور یہ تقسیم ہندوؤں کے مفاد کے خلاف تھی۔ چنانچہ ہندوؤں نے اس فیصلہ کے خلاف ایجی ٹیشن کیا۔ لیکن ان کی قطعاً شنوائی نہ ہوئی اور گورنمنٹ کی طرف سے یہی اعلان ہوتا رہا کہ یہ تقسیم اٹل ہے اور ہندوؤں نے حضورؑ کے الہام پر بڑے نازیبا الفاظ میں حملے کئے اور کہا کہ اب جبکہ اس فیصلہ کو منسوخ کرنے کی کوئی صورت نہیں اس لئے یہ الہام جھوٹا ثابت ہوگا۔ چنانچہ ہندو مایوس ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ لیکن ۱۹۱۱ء میں ہندوستان میں شہنشاہ جارج پنجم ہندوستان آیا اور اس نے اس فیصلہ کی منسوخی کا اعلان کر دیا۔

کیا یہ نشان ہندوؤں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہ تھا کہ جب یہ خود چاروں طرف سے مایوس ہو کر اُمید کا دامن چھوڑ چکے تھے۔ تو غیب سے خدا کی طرف سے خدا کے مامور کے الہام کو پورا کرنے کے لئے ان کی منسوخی کے سامان پیدا ہو گئے۔ اسی طرح مختلف قوموں پر نشانوں کے ذریعہ سے اسلام کی سچائی کے متعلق حجت پوری ہوتی رہی جو انشاء اللہ کسی اور مناسب موقعہ پر اس کی تفصیل سے قارئین کرام کو اطلاع دی جائے گی۔

کاش مسلمان یہ سمجھیں اور حقیقت کو دیکھنے کے لئے اُن کی آنکھیں کھلیں کہ سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ نے اسلام کی کس قدر خدمت کی ہے۔ علمِ کلام کے ذریعہ بھی اور آسمانی نشانوں کے ذریعہ بھی تو وہ حضورؑ کی مخالفت سے باز آ جائیں۔ اور ان کے ساتھ ہو کر اسلام کی خدمت کے فریضہ کو سرانجام دینے میں مشغول ہو جائیں۔ اے خدا! تو ایسا ہی کر۔ آمین

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

ھاتوا برھانکم ...... بقیہ از صـ۱۰

بقیہ از صـ۱۰

من ھو مسرف کذاب۔ عزیز من سنو، اور اس پر غور کرو۔

دنیا میں ایک جماعت گذری ہے اور اب بھی ہے جنہوں نے انا اللہ کہا اور کہتے ہیں اور ایسے قائلین کی تکفیر و تفسیق سے بھی محتاط لسانی پسند کرتے ہیں اور اس جماعت کو صلحاء و اولیاء کی جماعت کہتے ہیں۔ پس عزیز من انا المسیح انا عیسیٰ ابن مریم کہنے والے پر یہ شور و غل کیوں انصاف انصاف انصاف۔ عزیز من ایمانی امور میں اخفا کا ہونا ایک ضروری اور لازمی امر ہے۔ اگر کوئی معاملہ بالکل عیاں ہو جائے تو پھر اخفا کہاں۔ عیاں و خفا میں مقابلہ ہے اس واسطے شرطیہ احکام اور امور میں جیسا کہ شمس و قمر کا ماننا ایمانی امور میں داخل نہیں۔ پس تم پیشگوئیوں میں ایمان سے کام لو ان کے فہم میں عرفان کے مدعی نہ ہو۔ میری اس بات پر بدظنی سے کام نہ لینا مَیں محمدی ہوں اور محمدیوں کو بحمد اللہ کچھ ایسے انعامات عطا

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ———— مورخہ [illegible] ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ———— شمارہ نمبر ۲۲

ماسٹر [illegible] علی صاحب

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور سے باہتمام احمد پرنٹرز چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)۔

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

جس چراغ کو خدا روشن کرے تم اسکو نہیں بجھا سکتے

اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو۔ اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مگر مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا۔ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ اور وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے، کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عزت ظاہر ہو اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلاء سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کروڑوں ابتلاء ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے ؎

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پشت من
آں منم کاندر میانِ خاک و خون بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا۔ تو مجھ سے الگ ہو جائے مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ در پیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب و شتم سے نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے۔ اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے۔ اور ان کا پچھلا حال ان کے پہلے حال سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں کیا ہم خدائی راہ میں ابتلاؤں سے خوف زدہ ہو جائیں گے کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے۔ پس جو جدا ہونے والے ہیں جدا ہو جائیں۔ ان کو الوداع کا سلام لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں تو اس جھکنے کی عنداللہ ایسی عزت نہیں ہوگی۔ جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں۔ کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت بڑا داغ ہے۔"

(انوار الاسلام۔ صفحہ ۲۵-۲۶)

"اے (مخالف) لوگو بہتر تو یہ ہے کہ باز آ جاؤ اور خدا تعالےٰ سے ڈرو اور اس سے لڑائی مت کرو۔ جس چراغ کو وہ آپ ہی روشن کرے تم اس کو بجھا نہیں سکتے پس فولادی قلعہ کے ساتھ ٹکریں مت مارو کہ تمہاری ٹکروں سے قلعہ ہرگز نہیں ٹوٹے گا۔ آخر نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے ہی سر پاش پاش ہو جائیں گے۔ کیا تمہیں ذرا خوف نہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے اور کلمہ گوؤں کا بے ایمان نام رکھتے ہو۔ بتلاؤ کہ عملی حالت میں ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے۔ کیا ہم کوئی شرک کا کام کرتے ہیں کیا نمازوں کو چھوڑ دیا یا روزہ یا دیگر ارکانِ اسلام سے منکر ہو گئے۔ یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال بنا دیا ہے اور کچھ تو بتلاؤ کہ عملی حالت اور اسلام کے ضروری عقائد میں ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے۔" (انوار الاسلام۔ صفحہ ۳۶-۳۷)

اعتذار۔ اخبارات (پیغام صلح و لائٹ) کی اشاعت میں تین ماہ کا التواء

مرحوم مولانا دوست محمد پبلشر کی وفات پر نئے پبلشر کی منظوری کے طول طویل دفتری طریق کار کی بدولت "نوبت بہ اینجا رسید" کہ دونوں اخبارات کی اشاعت رکی رہی ہے۔ تاہم جو اشاعتیں ملتوی رہیں اب بتدریج ارسال کی جا رہی ہیں۔

(ادارہ)

مجدّدِ زمان مہدیٔ دوراں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی اولیاء اللہ سے محبت اور پاکیزہ زندگی پر شہادت

عبادالرحمٰن کی پاکیزہ سیرت کا نچوڑ نرمی اور عاجزی ہے

یک زمانہ صحبت با اولیاء ⁂ بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا (مولانا روم)

آپ کی صالح فطرت نے ابتداء ہی سے آپ کے قلب سلیم کو نیکی کی طرف جھکا رکھا تھا اور جس طرح مچھلی پانی سے باہر رہنے میں اپنی ہلاکت سمجھتی ہے۔ آپ بھی پاکیزہ ماحول کے دلدادہ اور بُری صحبت اور ناپاک خیالات سے متنفر اور دور تھے۔ بچپن میں آپ کو صالح والدہ اور پاک سیرت ہمشیرہ کی گود نصیب ہوئی۔ پھر حضرت مولوی فضل احمد صاحب کی پاکیزہ اور موحدانہ صحبت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کی صالح اور معصوم فطرت پر حضرت مولوی صاحب نے کیا اثر چھوڑا وہ حضورؑ کے الفاظ میں پڑھیئے:—

"حضرت مولوی فضل احمد صاحب مرحوم ایک بزرگوار عالم باعمل تھے۔ مجھ کو ان سے از حد محبت تھی۔ کیونکہ علاوہ استاد ہونے کے وہ ایک باخدا صافِ باطن اور زندہ دل اور متقی اور پرہیزگار تھے۔ عین نماز کی حالت میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور چونکہ نماز کی حالت ایک تبتل اور انقطاع کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا واقعہ ایک قابلِ رشک واقعہ ہے۔ خدائے تعالےٰ ایسی موت سب مومنوں کو نصیب کرے"

(ازالہ اوہام۔ صفحہ ۸۱۴)

چند سال بعد ملازمت کے سلسلہ میں سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ تو وہاں ایک مردِ صالح حضرت مولوی محبوب عالم صاحب نقشبندی قادری سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جو گوشہ نشین عابد اور پارسا بزرگ تھے۔ آپ کو ان سے دلی محبت ہو گئی اور قیام سیالکوٹ کے دوران اکثر ان سے ملنے جاتے۔ قادیان لوٹنے پر بھی اہل اللہ کی صحبت کی تڑپ اور لگن رہی۔

طالب پور ضلع گورداسپور کے قریب ایک مقام سمر شریف میں ایک جوگ میاں شرف الدین رہتے تھے۔ آپ کئی بار ان سے ملاقات کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ قادیان میں جو درویش آتا اسے اپنے پاس ٹھہراتے۔ خوب خاطر مدارات کرتے۔ ایک درویش ... [illegible] ... ادیال ضلع گورداسپور سے آپ کے ہاں آیا کرتے تھے۔ آپ ان کے لئے خود گرم پانی لاتے۔ اور آسائش راحت کا سامان کرتے۔

ایک دفعہ سائیں شاہ صاحب آئے۔ جاتے وقت کہنے لگے گھوڑی ہو تو جاؤں۔ آپ نے جھٹ ایک گھوڑی خرید کی۔ اس پر سوار کرایا۔ اور گھوڑی انہیں بخش دی۔ "صحبت درویشاں" پر آپ نے ایک طویل نظم بھی بعنوان "فرخ در صحبت درویشاں" رقم فرمائی۔ فرخ آپ کا تخلص تھا۔ جسے دعوئے مجددیت کے بعد ترک کر دیا۔ ذیل میں چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ان درویشوں سے روحانی فیض بھی حاصل کیا۔

وائے آں بد نصیب بے دولت + کہ ندیداست ایں چنیں صحبت
گر دریں راہ۔ بسر بشتافتمے + آنچہ زو یافتم نہ یافتمے
ہست نرمی سہ شمائل پاک + خاک شو ہش ازاں کہ گردی خاک

اگر تمہیں ان بے نظیر لوگوں کی رحمت جذب کرے۔ اور تیری قسمت تیری باگ ان کی طرف موڑ دے۔ اگر کوئی شخص اس گروہ سے الگ ہو جائے۔ تو وہ پہلے ہی قدم پر گر پڑے۔ افسوس ہے اس پر جو اس چمن سے دور رہے کیونکہ اس طرح تو وہ جنگل میں چوروں کے قابو میں آ گیا۔ اس بدقسمت پر افسوس ہے۔ جس کو ایسی صحبت حاصل نہ ہوئی۔ اگر میں اس راہ میں سر کے بل دوڑ جاتا پھر بھی جو کچھ ان سے پایا نہ جاتا ان کی پاکیزہ سیرت کا نچوڑ نرمی اور عاجزی ہے۔ اس لئے میں مٹی میں مل جانے سے پہلے ہی خاک کی طرح عاجز ہو جانا۔

حضرت سیّد عبداللہ غزنوی } پاکستان میں غزنوی خاندان کے مورث اعلےٰ

حضرت مولوی سیّد عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت عالم متقی اور سُنت کے پابند بزرگ تھے۔ حضرت مرزا صاحب کے الفاظ میں:

"ایک بزرگ نہایت درجہ صالح جو مردانِ خدا میں سے تھے۔ اور مکالمہ الٰہیہ کے شرف سے مشرف تھے۔ اور بمرتبہ کمال اتباع سنت کرنے والے تھے۔ اور ان صادقوں اور راستبازوں میں سے تھے۔ جن کو خدا تعالےٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے۔ اور بڑے درجے کے معمور الاوقات اور یاد الٰہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے ہوئے تھے جس کا نام عبداللہ غزنوی تھا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ازالہ اوہام)

افغانستان کے جاہل اور تنگ نظر ملاؤں نے انہیں حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس کے جرم میں ترک وطن پر مجبور کر دیا۔ وہ ہندوستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ان کی خدا پرستی کے متعلق مولانا نذیر حسین صاحب محدّث دہلوی کا ہی قول سند ہے کہ:—

"سید محمد عبداللہ غزنوی نے مجھ سے حدیث سیکھی اور میں نے ان سے نماز پڑھنا سیکھی"

جلاوطنی کے بعد سید صاحب موصوف امرتسر کے قریب موضع خیردی میں سکونت پذیر ہو گئے وہ ولی اللہ اور صاحب کشف و الہام تھے حضرت صاحب کو اہل اللہ سے گہری عقیدت اور محبت تھی۔ چنانچہ آپ ان کی خدمت میں جاتے رہتے جس کا ذکر حقیقۃ الوحی ص ۲۳۹ پر بالفاظ ذیل ذکر کرتے ہیں:

"جب وہ (حضرت سیّد عبداللہ غزنوی — ناقل) زندہ تھے۔ ایک دفعہ مقام خیردی میں اور دوسری دفعہ مقام امرتسر میں ان سے میری

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

ازمکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

قرآن کریم کی ایک آیت سے ایک پادری صاحب کا اپنی موجودہ انجیل کے متعلق اصلی الہامی انجیل ہونے پر غلط استدلال

میرے ایک نہایت ہی معزز دوست نے ایک پادری صاحب کا ایک قرآنی آیت کا پیش کرنا اور اس کا حل دریافت کرنا چاہا ہے

پادری صاحب نے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت پیش کر کے

" ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون "۔ (مائدہ ع ۷)

یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن کریم اس آیت میں عیسائیوں کو صاف ہدایت کر رہا ہے کہ وہ اپنی انجیل کو ہی ذریعہ ہدایت بنائیں اور اسی پر عمل کیا کریں۔ انہیں کوئی ضرورت نہیں کہ وہ قرآن کریم پر ایمان لائیں اور اس کو اپنی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ پادری صاحب کا یہ استدلال قرآن کریم کی آیت کے سیاق وسباق کے بالکل منافی ہے بلکہ یہ آیت پادری صاحب کے نظریہ کے خلاف صاف بتلا رہی ہے کہ عیسائیوں کو موجودہ انجیل کو ہرگز اپنا ذریعہ ہدایت نہیں بنانا چاہیئے۔ اس کے برعکس قرآن کو ہی اپنا ذریعہ ہدایت بنائیں اور اسی کو مشعل راہ بنا کر اسی پر اپنے عمل کی بنیاد رکھیں۔ چنانچہ ذیل میں اس آیت کا سیاق وسباق لکھ دیتا ہوں تا قارئین کرام پر واضح ہو جائے کہ پادری صاحب نے اس آیت سے کس قدر غلط استدلال کیا ہے وہ یہ ہے:—

" وقفینا علیٰ اٰثارھم بعیسی ابن مریم مصدقًا لما بین یدیہ من التوراۃ واٰتینٰہ الانجیل فیہ ھدًی ونورٌ ومصدقًا لما بین یدیہ من التوراۃ وھدًی وموعظۃً للمتقین ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفٰسقون وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقًا لما بین یدیہ من الکتٰب ومھیمنًا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق لکلٍّ جعلنا منکم شرعۃً ومنھاجًا ولو شاء اللہ لجعلکم امۃً واحدۃً ولٰکن لیبلوکم فی ما اٰتٰکم فاستبقوا الخیرات الی اللہ مرجعکم جمیعًا فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم وان کثیرًا من الناس لفٰسقون افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکمًا لقوم یوقنون "۔ (مائدہ ۴۷ تا ۵۰)

ترجمہ: اور ہم نے ان کے قدموں پر عیسٰے بن مریم کو ان کے پیچھے بھیجا جو اس کتاب کی یعنی تورات کی جو اس سے پہلے تھی تصدیق کر رہا تھا اور اس کو ہم نے انجیل دی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کر رہا تھا اور وہ ہدایت اور دلوں میں رقت پیدا کرنے والی تعلیم تھی ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ حاصل کرنا چاہتے تھے اور اب چاہیئے کہ اہل انجیل حکم بنائیں اس کو جو خدا نے اس میں اتارا تھا جو حکم نہیں بناتے اس کو جو خدا نے اتارا تھا پس وہی لوگ نافرمان ہیں اور ہم نے تیری طرف کتاب کو اتارا ہے حق کے ساتھ جو تصدیق کرتی ہے ان تمام کتابوں کی جو اس سے پہلے گذر چکی ہیں اور ان سب کے متعلق اس نے بتلایا کہ وہ الٰہی کتب تھیں۔ پس تو فیصلہ کر ان کے درمیان اس کے ذریعہ جو اللہ تعالےٰ نے تجھ پر اتارا ہے اور تو اس حق کے مقابلہ میں جو تیرے پاس آیا ہے ان کی گھڑی ہوئی خواہشوں کی پیروی مت کرنا ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے اس شریعت کو عمل کے لئے مقرر کر دیا ہے اور اس پر چلنے کا طریق بھی بتلا دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو آزمائے ان قویٰ اور استعدادوں کے ذریعہ جو اس نے تم کو دی ہیں پس تم نیکیوں کی طرف ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو یاد رکھو کہ تم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے وہ وہاں پر تم کو ان سب باتوں سے آگاہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے اور یہ کہ اے رسول ان کے درمیان فیصلہ کر اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے تجھ پر اتاری اور ان کی گھڑی ہوئی خواہشوں کی پیروی مت کرنا اور ان لوگوں سے ہوشیار رہنا کہ کہیں تجھے ہٹا نہ دیں اس ہدایت سے جو اللہ نے تجھ پر نازل کی ہے اگر یہ اس ہدایت کو قبول کرنے سے پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ کا یہ منشا ہے کہ ان سے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو سزا دے کیونکہ اکثر لوگ ان میں سے نافرمان ہیں کیا یہ جاہلیت کے زمانہ کا فیصلہ چاہتے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ یقین رکھنے والی قوم کے لئے کیا خدا کے فیصلہ کے علاوہ کوئی اور فیصلہ بھی اچھا ہو سکتا ہے۔"

جس طرح ہم نے تورات کے اس وقت تک قائم رکھنے کے لئے جو اس کے لئے ہمارے ارادے میں مقدر تھا انبیاء بھیجے انہی کے نقش قدم پر عیسٰے ابن مریم کو بھیجا جس بنی اسرائیل کے پہلے انبیاء تورات کی تصدیق کرتے رہے اسی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی طرف رسول ہونے کی حیثیت سے تورات کی تصدیق کرتے رہے اور جس طرح ہم نے ان سے پہلے انبیاء کو کچھ نہ کچھ ہدایت دی اسی طرح ہم نے عیسٰے بن مریم کو بھی انجیل دی اس میں بنی اسرائیل کے لئے ہدایت اور نور تھا جس پر چل کر بنی اسرائیل ہدایت یافتہ ہو سکتے تھے اور نورانی بن سکتے تھے گویا حضرت عیسٰے اس امر کی تصدیق کرتے تھے کہ تورات کی پیروی کرنے والے خدا رسیدہ اور نورانی بن جاتے ہیں پس میری پیروی کر کے بھی اے بنی اسرائیل تم ہدایت یافتہ بن جاؤ گے اور اس کے ذریعہ تمہارے دلوں میں وہ رقت پیدا ہو جائے گی جو متقی بننے کے لئے ضروری ہے اور جس کے نتیجہ میں انسان کا دل خدا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پس یہ وہ اصل انجیل تھی جو خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت عیسٰے بن مریم پر نازل ہوئی اور جس نے اس وقت کے لوگوں کو جو

حضرت عیسیٰ ابن مریم پر ایمان لائے ہدایت یافتہ اور نورانی بنا دیا تھا اور ان کے دلوں میں متقیوں والی رقت پیدا کر دی تھی پس میں اس معترض پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہاری موجودہ انجیل اپنی پیروی کرنے والوں کو فی الحقیقت ویسا ہی ہدایت یافتہ اور نورانی اور صاحب الہام بنا رہی ہے جیسا کہ حواریوں کو بنایا کرتی تھی اور کیا وہ ویسا ہی خدا کی طرف راغب کرنے والی رقت پیدا کر رہی ہے جو حضرت عیسیٰ کے زمانہ کے لوگوں میں پیدا کیا کرتی تھی۔ اگر یہ سب باتیں تمہاری موجودہ انجیل اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کر رہی ہے تو بے شک وہ اصلی انجیل ہے اور اگر وہ نہیں کر رہی اور جیسا کہ واقعات کی شہادت ہے کہ وہ نہیں کر رہی تو ماننا پڑے گا کہ وہ اصلی انجیل کی خاصیت کو چھوڑ چکی ہے اور اس قابل نہیں رہی کہ اس کی اب پیروی کی جائے بلکہ اب اس کی مثال اس درخت کی ہے جس نے پھل دینا بند کر دیا ہے۔

اب تو اہل انجیل کو چاہیئے کہ جو ہدایت اس نے اپنے بعد آنے والے رسول کو مان لینے کے متعلق دی ہے اس کو قبول کر کے اور اس بارے میں اس کو اپنا حکم بنا کر اس کی اتباع کریں۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کو رسول تسلیم کر کے اس کے لائے ہوئے دین میں داخل ہو جائیں اور اس کی اطاعت کر کے اپنی عاقبت کو سنوار لیں چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو اپنی اصلی انجیل میں اپنے بعد حضرت نبی کریم صلعم کی آمد کی پیشگوئی بتلا کر انہیں تاکید کی کہ وہ اس آنے والے رسول کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں پر رکھیں اور اس سے منہ ہرگز نہ موڑیں۔ چنانچہ حضرت مسیح کی یہ ہدایت اپنے ماننے والوں کے لئے موجودہ انجیل میں بھی اب تک موجود ہے چنانچہ آپ اپنے ماننے والوں کو یوحنا کی انجیل کے باب ۱۶ میں فرماتے ہیں:۔

"کہ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا (یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ناقل) تم پاس نہ آئے گا پھر اگر میں جاؤں تو اسے تم پاس بھیجدوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیر وار ٹھہرائے گا۔ گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی (چنانچہ قرآن کریم کے متعلق الیوم اکملت لکم دینکم۔ ناقل) وہ روح حق میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی۔ ۱۴۔ وہ تسلی دینے والا جسے باپ میرے نام سے بھیجے۔ وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ لوقا ۱۴۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو نہ دیکھو گے اس وقت تک کہ تم کہو گے مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر (یعنے مسیح علیہ السلام کے نام پر۔ ناقل) آتا ہے۔ (ان آیات میں مسیح کا یہ فقرہ کہ میں اسے تم پاس بھیجدوں گا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ مسیح کی روحانیت اس کے آنے کے لئے تقاضا کرے گی اور یہ فقرہ کہ باپ اس کو میرے نام پر بھیجے گا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ آنے والا مسیح کی تمام روحانیت پائے گا اور اپنے کمالات کی ایک شاخ کی رو سے وہ مسیح ہے۔ ناقل)"

حضرت مسیح علیہ السلام اپنی اصلی انجیل میں حضرت نبی کریم صلعم کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے اس تمثال کے ذریعہ آنحضرت صلعم کے اصل مقام کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"کہ انگورستان کا پھل لینے کے لئے اول باغ کے مالک نے (جو خدائے تعالےٰ ہے۔ ناقل) اپنے نوکروں کو بھیجا (یعنے ابتدائی قرب والوں کو جس سے مراد وہ تمام صلحاء ہیں جو حضرت مسیح کے زمانہ میں اور اسی صدی میں مگر کسی قدر ان سے پہلے آئے۔ ناقل) پھر جب باغبانوں نے باغ کا پھل دینے سے انکار کیا تو باغ کے مالک نے تاکید کے طور پر اپنے بیٹے کو ان کی طرف روانہ کیا تا اس کو بیٹا سمجھ کر باغ کا پھل اس کے حوالہ کر دیں۔ (بیٹے سے مراد اس جگہ مسیح ہے جس کو دوسرا درجہ قرب اور محبت کا حاصل ہے۔ ناقل) (مگر باغبانوں نے اس بیٹے کو بھی باغ کا پھل نہ دیا بلکہ اپنے زعم میں اسے قتل کر دیا۔ ناقل) بعد اس کے حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ اب باغ کا مالک خود آئے گا (یعنے خدائے تعالےٰ خود ظہور فرمائے گا تا باغبانوں کو قتل کر کے باغ کو ایسے لوگوں کو دے دے کہ اپنے وقت پر پھل دے دیا کریں۔ (اس جگہ خدائے تعالےٰ کے آنے سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا ہے جو قرب اور محبت کا تیسرا درجہ اپنے لئے حاصل رکھتے ہیں اور یہ سب روحانی مراتب ہیں کہ جو استعارہ کے طور پر مناسب حال الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں یہ نہیں کہ حقیقی ابنیت اس جگہ مراد ہے یا حقیقی الوہیت مراد لی گئی۔ ناقل)"

اب حضرت مسیح علیہ السلام نے حکم ہونے کی حیثیت سے اپنے ماننے والوں کو یہ تاکیدی نصیحت کی تھی اور اپنا حتمی فیصلہ دیا تھا کہ میرے بعد جو رسول آئے گا اس کو ضرور مان لینا اور تم میں سے جو میرے اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کریگا وہ میرا نافرمان ہوگا اور اس کو عملی جامہ نہیں پہنائے گا وہ میرا نافرمان ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت مسیح کے اس فیصلہ کا ذکر کرنے کے بعد حضرت نبی کریم صلعم کو صریح الفاظ میں فرما دیا کہ ہم نے تیری طرف وہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے جس کا ذکر حضرت مسیح نے اپنے فیصلہ میں کیا تھا اور تیری طرف نازل کی ہوئی کتاب کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام ان کتابوں کے متعلق جو اس سے پہلے آیت وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کے ماتحت مختلف قوموں کی ہدایت کے لئے نازل ہوتی رہیں گی تصدیق کرتی ہے کہ وہ فی الحقیقت بے شک خدا کی طرف سے ہی نازل ہوئی تھیں لیکن وہ کامل نہیں تھیں خاص خاص قوم کے لئے ہدایت لائی تھیں اور ان کی وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے والی تھیں۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے پہلی کتابوں کے الہامی ہونے کی حیثیت کو یہ کہکر محفوظ کر دیا کہ اے مسلمانو! تم نے پہلی کتابوں پر بھی یہ ایمان لانا ہوگا وہ فی الحقیقت خدا کی طرف سے ہی نازل کردہ تھیں پس اے محمد رسول اللہ صلعم اب تو ان تمام اہل کتاب کے درمیان جو ان میں اختلاف پڑ گئے ہیں اور جس صحیح راستے کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے تم اس تعلیم کے مطابق ان میں صحیح فیصلہ کرو جو خدا نے تم پر نازل کی ہے اور پہلی کتابوں کے ماننے والوں نے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی تعلیم کے بعض حصوں کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کو ذریعہ ہدایت سمجھا ہوا ہے ان گری ہوئی خواہشات کی تم نے اس حق کے مقابلہ میں جو تمہیں دیا گیا ہے ہرگز اتباع نہ کرنا۔ اب ہر ایک کے لئے جو ہم نے تمہارے ذریعہ سے شریعت نازل کی ہے لازمی ہے کہ ان کی پیروی کریں اور ہر ایک پہلے اہل کتاب کو بھی تاکید کر دو کہ وہ بھی اسی کی پیروی کریں اور انہیں یہ بھی بتلا دیں کہ ہم نے اس شریعت پر چلنے کا طریق بھی واضح کر دیا ہے اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو تم سب کو اپنی طرف سے ہی ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے جو استعدادیں تمہارے اندر ودیعت کی ہیں ان سے کام لینے کے لئے تم پر آزمائش کے لئے ذمہ داریاں ڈالی ہیں تا وہ دیکھے کہ

(باقی بر صفحہ ۸ کالم ...)

از جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

چودھویں صدی کا مجدّد

(بسلسلہ اشاعت ۳۰ مئی ۱۹۷۹ء)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم اُفتاد

آپ کا یہ قول صحیح ثابت ہوا۔ اسلام کے نام لیوا جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے عار محسوس کرتے تھے اب جرأت سے اپنے آپ کو دینِ متین کے پیرو کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ غلام ہندوستان سے حضرت مجدّد کے شاگرد قرآن کو ہاتھ میں لے کر اپنے سفید فام آقاؤں کو درسِ توحید دینے ان کے وطن میں چلے جاتے ہیں۔

مغلوب اسلام اب غالب ہو چلا ان شاگردوں کی کوششوں سے بڑے بڑے فضلاء۔ لارڈ اور رئیس حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے ہیں۔ حضرت مجدّد تو غلبۂ اسلام کی سحر تھے۔ آہستہ آہستہ جب یہ آفتابِ عالمتاب بلند ہونے لگا تو مشرق و مغرب شمال و جنوب میں نعرۂ توحید گونجنے لگا۔ امام الزماں نے جو بیج بویا تھا وہ پھلا پھولا اور ایک تناور درخت بن گیا جس کی شاخیں اطراف و اقصائے عالم میں پھیل گئیں۔ اور اس کی ٹہنیاں دنیا بھر کے بھوکے پیاسوں کے لئے رحمت اور نعمت ثابت ہوئیں۔ ابھی۔ صدی نہیں گذری کہ کرۂ ارض پر لاتعداد آزاد مسلمان حکومتیں بوجود میں آگئیں اور غیر ملکی اور غیر مسلم حکمرانوں کی غلامی سے ایک ایک کر کے آزاد ہو گئیں۔

اس پر بس نہیں کہ مسلمان کیا بلحاظ دین اور کیا بلحاظ حکومت اب دُنیا پر غالب آ چکے ہیں۔ اسلامی حکومتوں میں اب نظام اسلام کو رواج دینے کی لہر اُٹھ رہی ہے۔ اس طرف بھی حضرت مجدّد نے ہی توجہ دلائی تھی۔ ہندوستان میں نمازِ جمعہ کی فرضیت مسلمان علماء نے ختم سمجھ رکھی تھی کیونکہ انکے نزدیک ہندوستان دارالحرب تھا۔ نماز جمعہ کی اہمیت اور فرضیت پر حضرت مجدّد نے جو زور دیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ مسلمانوں کے لئے یومِ جمعہ کو تعطیل قرار دیئے جانے کا انگریز حکمرانانِ ہند سے سب سے پہلے حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ہی کیا تھا۔ پھر جمعہ اور عیدین کا خطبہ اُردو میں دینے کا دستور بھی آپ نے ہی قائم کیا۔ قرآن کریم اور دینِ اسلام کی تعلیم کو غیر مسلم اقوام میں پھیلانے کا انتظام بھی حضرت مجدّد صدی چہاردہم کا ہی کارنامہ ہے۔

مشائخ اور سجادہ نشین بھی اپنے مریدوں سے بیعت لیتے چلے آ رہے تھے مگر بیعت میں قرآن اور سنّت کی اتباع۔ شرک سے اجتناب اور دین اور دین کی عزّت کو اپنی جان۔ مال۔ عزّت۔ اولاد اور عزیزوں پر مقدم رکھنے کا عہد آپ کو صرف اور صرف مجدّدِ وقت کے ہاں ہی ملے گا۔ چنانچہ آپ جن شرائط پر بیعت لیتے تھے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

— "بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہوں گا۔"

— یہ کہ بلاناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالے کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد و تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔

— یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آ جائے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کر لے گا اور قال اللہ وقال الرسول کو اپنے ہر راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

— یہ کہ دین اور دین کی عزّت اور ہمدردیِ اسلام کو اپنی جان اور مال اور اپنی عزّت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

یہ شرائط منجملہ ان دس شرائط بیعت کے ہیں جو آپ غیر مبائعین سے کہلواتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ کو الہاماً بتایا گیا تھا:۔

چو دورِ خسروی آغاز کردند + مسلماں را مسلماں باز کردند

دورِ خسروی جس کا ذاتِ باری تعالے نے وعدہ کیا تھا اس امر سے مشروط ہے کہ مسلمانوں کو پھر سے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرنے کا عہد لیا جائے۔ یہ امور چونکہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:۔

"اصل یہ ہے کہ علماءِ دنیا کو فقرائے حق کی اذیت اور مخالفت کے لئے ہر عہد میں کسی نہ کسی آلۂ تذلیل و حیلۂ قتل کی تلاش رہتی ہے اور وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال ہی لیتے ہیں۔ پھر جہاں کسی کو راہِ حق و اصلاح میں سرگرم اور اپنی نفس پرستیوں کی راہ میں مخل دیکھا جھٹ وہی الزام اس کے سر منڈھ دیا اور عوام و حکومت دونوں کا فتنہ اس کے پیچھے لگا دیا۔ ہر زمانے کے حالات اور عوام کے میلان و اعتقاد کے مطابق یہ آلہ بھی ڈھلتا رہا ہے اور گو ہتھیار بدلتے رہے لیکن کاٹ سب کی یکساں رہی۔"

"صرف ہندوستان ہی کی تاریخ دیکھ لی جائے۔ اوائل شیوعِ اسلام سے آخر تک کوئی اہلِ حق ان فتنوں سے نہ بچا۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری۔ شیخ الاسلام مُلتانی خواجہ بختیار کاکی۔ خواجہ نظام الدین اولیا، رضی اللہ عنہم، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جن کو وقت کے فقیہوں اور قاضیوں نے چین سے بیٹھنے دیا ہو۔"

مجدّد صدی چہاردہم کے ساتھ بھی فقیہوں اور مفتیوں نے یہی سلوک کیا۔ ان پر کفر کے فتوے لکھے گئے انہیں کافر و مُلحد و دجّال ٹھہرایا گیا۔ مگر خدا نے اپنے وعدے کے مطابق آپ کی نصرت کی۔ مخالف اور معاند تو نیست و نابود ہو گئے مگر یہ شجرِ طیبہ پھلتا اور پھولتا ہی گیا۔ .... خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

"دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خُدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

حضرت مجدّد زمان کی تائید میں ربّ ذو الجلال نے جن پُر رُعب و پُر ہیبت نشانات دکھلانے کا وعدہ کیا تھا وہ پُورے ہوئے اور پُورے ہو رہے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اب بھی اس مامور من اللہ کی دعوت قبول کرتے ہیں۔ اور خدا اور اس کے رسول صلعم کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ اس حزب اللہ کی جماعت میں شمولیت برکاتِ الٰہیہ کا وارث بنا دیتی ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کے جہاد اکبر میں حصّہ لینے کا موقعہ دلاتی ہے اسلام کی فتح اور نصرت تو مقدّر ہے اور ہو کر رہے گی۔

ہمی بینم کہ دادار قدیر و پاک حی خواہد + کہ باز آں قوّت اسلام و آں شوکت شود پیدا

امروز فکر عزت دیں در شما ہو شد + شما را نیز و اللہ رتبت و عزت شود پیدا
نت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ + قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا

چودھویں صدی ہجری گذرنے کو آئی ہے اور صرف چند ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ اسلامی حکومتوں کے سربراہ پندرھویں صدی ہجری کے آغاز اور استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مراکش کے شہر فیض میں اسی مہینے وزراء خارجہ کی جو کانفرنس ہوگی اس میں بھی سرکاری طور پر اس جشن کے لئے سرکاری امداد منظور کی گئی ہے۔ مگر صاحبو چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے

فراموشت شد اے قوم احادیث نبی اللہ
کہ نزد ہر صدی یکے مصلح امت شود پیدا

اس مجدد اعظم کے ظہور کی نشانیاں تو کب کی پوری ہو چکی ہیں۔ ان کی صداقت آسمانوں اور زمین نے گواہی دی۔ وہ مامور آیا بھی اور زبردست نشانوں کے ساتھ آیا۔ کیونکہ خدا اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔ اس نے بعثت مجدد دین کا جو وعدہ کیا تھا اور جس کی بشارت حضرت نبی آخر الزمان نے دی تھی وہ عین وقت پر پورا ہو گیا۔ اگر یہ پُر فتن صدی مجدد سے خالی ہی تو نعوذ باللہ خدا کے وعدے اور رسول مقبول صلعم کی بشارت کی صداقت پر حرف آتا۔ سوچ لو اس مجدد کو قبول کرنے میں خدا اور رسول کی اطاعت اور خوشنودی ہے یا اس سے دور رہ کر۔ اس مامور نے اعلان کر دیا ہے:۔

واللہ کہ ہمچو کشتیٔ نوحم ز کردگار
بے دولت آنکہ دور بماند ز لنگرم

اس پُر آشوب دور میں اور ضلالت و گمراہی کے سیلاب میں مجھے خدا نے کشتیٔ نوح کی طرح کھڑا کیا ہے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس حصن حصین میں نہیں آتا۔

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

(ختم شد)

دو انجیلیں

قرآن کریم نے دو انجیلوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک اصلی اور ایک محرّف اور مبدّل۔ اصلی انجیل تو وہ ہے جو حضرت مسیح پر بذریعہ وحی نازل ہوئی اور اسی انجیل کی قرآن کریم نے تعریف کی ہے۔

اب دوسری انجیل محرف اور مبدّل ہے جو پادری صاحب مذکور اور ان کے ہمنواؤں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس انجیل میں یہ حصہ اصلی انجیل کا بھی ہے یعنے وہ حصہ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی آمد کی پیشگوئی مذکور ہے اور اہل انجیل کو اسی کی پیروی کرنے کا حکم ہے۔ اس انجیل کو محرّف اور مبدل ہونے کی وجہ سے اور اس میں مشرکانہ تعلیم مذکور ہونے کی وجہ سے اور اسی میں حضرت مسیح کی اپنی والدہ محترمہ کے حق میں گستاخانہ لہجہ اختیار کرنے کی وجہ سے اور دوسروں کے اموال تلف کروانے کی وجہ سے اور دیگر بعض قابل اعتراض امور ان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے قرآن کریم نے اسے قابل مذمت قرار دیا ہے اور عیسائیوں کو اس کی پیروی سے روکا ہے۔ بدیں وجہ موجودہ انجیل مستند نہیں کہلا سکتی اور نہ خدا کے نزدیک قابل عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں کو اسے چھوڑ کر اب قرآن کریم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

آفتاب الدین احمد ہومیوپیتھک دار الشفاء

حسب معمول خدمت خلق میں مصروف ہے۔ آپ اپنے عطیات بھجوانے نہ بھولئے۔ اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ مہتمم ادارہ

قرآن کریم کی ایک آیت سے ایک پادری صاحب کا اپنی موجودہ انجیل کے متعلق اصلی الہامی انجیل ہونے پر غلط استدلال (بقیہ صفحہ ۶)

تم کہاں تک ان استعدادوں سے کام لے کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہو اور ان ذمہ داریوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم نیکیوں کی طرف ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو کہ تم سب کو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ پس وہی تمہیں آگاہ کرے گا ان امور کے متعلق جن کے متعلق تم اختلاف کرتے ہو یا کرتے رہے تھے۔ پس اے رسول تم اس کے مطابق ان میں فیصلہ کرتے رہنا جو اللہ نے تمہاری طرف اتارا ہے اور ان کی گری ہوئی خواہشوں کی اتباع ہرگز نہ کرنا اور اس بات سے بچے رہنا کہ کہیں یہ تم کو تمہاری طرف نازل کردہ تعلیم سے کسی وقت بھی ہٹا نہ دیں۔ اگر یہ لوگ تمہاری بات ماننے سے منہ پھیریں تو جان رکھو کہ اللہ تعالےٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے انہیں سزا دے کیونکہ ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں اور جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یعنی اس طرز کی زندگی بسر کریں جو جاہلیت کے زمانہ کے لوگ پسند کرتے تھے۔ ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ بہتر فیصلہ کرنے والا اس قوم کے لئے کہ جو اپنے لئے یقینی فیصلہ چاہتے ہیں خدا سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔

پس خدا نے ان کے فائدے کے لئے اپنا حتمی اور یقینی فیصلہ اپنے رسول محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ دے دیا ہے اب دیکھ لو کہ کیا یہ درخت کی مانند ثابت نہیں ہوتا جو ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔ کیا اس رسول کے لائے ہوئے باغ پر کبھی خزاں آئی ہے۔ جیسا کہ پہلے رسولوں کے باغوں پر آئی ہوئی ہے۔ کیا واقعات اس بات کی شہادت نہیں دیتے کہ اس رسول کی لائی ہوئی تعلیم پر ہر زمانہ میں عمل کرنے والے پیدا ہو کر ہدایت کی راہ پر گامزن رہتے رہے ہیں اور نورانی بنتے رہے ہیں اور صاحب الہام بنتے رہتے ہیں۔ کیا کوئی زمانہ ایسے لوگوں سے خالی رہا ہے اگر واقعات کی شہادت یہی ہے کہ چودہ سو برس سے یہ تعلیم اور اس رسول کی روحانیت ہر زمانہ میں خدا رسیدہ انسان پیدا کرتی رہی ہے تو واقعات کی یہ شہادت کیا زبردست دلیل نہیں اس بات پر کہ یہی مذہب یعنی مذہب اسلام ہی دیگر تمام مذاہب کا قائم مقام ہے اور اس کی موجودگی میں باقی تمام مذاہب اپنی خصوصیت کو کھو چکے ہیں اور ان میں خدا رسیدہ پیدا کرنے کی مزید طاقت باقی نہیں رہی۔

پس میں آخر میں پادری صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ وہ انجیل کو چھوڑ کر جو اپنی طاقت کھو چکی ہے قرآن کریم کی پیروی کو صدق دل سے اختیار کریں جس کی روحانی طاقت قائم ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔ اور جس کے متعلق خدائی الفاظ یہ ہیں کہ:۔

ان الدین عند اللہ الاسلام۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

بتقریب یوم مسیح موعود جلسہ جماعت احمدیہ پشاور

مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۷۹ء بعد از نماز جمعہ ایک جلسہ بتقریب یوم وصال مسیح موعود پشاور میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جناب غلام محبوب خان صاحب ریٹائرڈ ایگریکلچر ڈائرکٹر نے فرمائی۔ جناب محمد الرحمٰن صاحب کی طرف سے اس جلسہ کی رپورٹ موصول ہو چکی ہے۔ اسے آئندہ پرچہ میں شائع کر دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

(ادارہ)

ترجمہ: ناصر احمد۔ مانچسٹر

حضرت مسیح کی دوسری زندگی

(بسلسلہ اشاعت ۹ مئی سنہ ۱۹۷۹ء)

بائبل کی لغت کا ہسپانوی زبان میں ایڈیشن پروفیسر آر بی سیر این ڈی
[illegible] یہ معلوم حقیقت [illegible] ہے
جو انسانی حواس کے ادراک سے باہر ہے۔ لیکن کما حقہٗ یقینی
حقیقی اور تاریخی ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو کوئی انسان
بھی اس کو "یقینی، حقیقی اور تاریخی" ماننے کے لئے تیار نہیں
جن کا ادراک انسانی حواس نہ کر سکتے ہوں۔"

مندرجہ بالا تجزیہ کو بار بار پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسیح کی پُراسرار شخصیت کو ایک خوش کُن اختتام دینے کے لئے انسانی ذہن کو اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ زندہ جی اُٹھنے کے بعد ان کا رفع ہو تاکہ مسیح کے مسکن کو زمین سے آسمان کی طرف منتقل کیا جا سکے۔ بے شک رفع بغیر ان کے زندہ جی اُٹھنے کے بے حقیقت بن کر رہ جاتا تھا۔ کیونکہ اوّل الذکر مؤخر الذکر کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہے اس لئے کہ رفع مؤثر طریق پر ثابت شدہ امر واقعی نظر نہیں آتا بلکہ اسے انسانی ذہن نے منطقی طریق استدلال کے ذریعہ سے غیر معمولی واقعہ کی شکل دی ہے۔

دوسری طرف مسیح کا رفع نہ ہوتا اگر اس سے پیشتر وہ جی نہ اُٹھے ہوتے۔ اور اس طرح دلائل کے رنگ میں دیکھا جائے تو وہ جی نہ اُٹھتے اگر ان کی وفات صلیب پر واقعہ نہ ہوئی ہوتی۔ اس خاص مرحلہ پر بائبل کی لغت میں سے جی اُٹھنے کے بارہ میں عبارت کو درج کرنا مناسب ہوگا۔

"حضرت مسیح کا جی اُٹھنا عیسائی تعلیمات کی بنیاد ہے اور عیسائیت کے لئے فیصلہ کن حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کا ثبوت صرف عیسائی ذرائع ہی ہیں۔

چاروں اناجیل جی اُٹھنے کے اصل واقعہ کا حوالہ نہیں دیتے جس کے متعلق ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ چشم دید گواہوں کے سامنے واقع نہیں ہوا بلکہ اس کا تعلق خالی قبر کے انکشافات سے ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جی اُٹھنے کے بعد مسیح اپنے حواریوں سے ملتے ہیں۔ ان مذکورہ واقعات سے مشکلات آتی ہیں کیونکہ ان میں بہت کم یکسانیت پائی جاتی ہے اور ان کی تفصیلات میں بہت سے ظاہری تضاد ہیں۔

سینٹ توما کہتے ہیں کہ حواریوں کے لئے بھی مسیح کا جی اُٹھنا چند نہایت قابل وثوق نشانات اور دیگر ظاہری شواہد کے ذریعہ ظاہر ہوا (جیسا کہ عہد نامہ جدید اور فرشتوں نے پیشگوئی کی تھی) جو ظاہرا طور پر تو جی اُٹھنے کے واقعہ کا پتہ نہیں دیتے لیکن مستند ہونے کی بنیاد پر ہیں۔ عیسائیوں کے عقائد کی بنیاد ان باتوں پر ہے جن کی تعلیم حواریوں نے انہیں دی۔ پس جی اُٹھنا حقیقی ہے لیکن ایک سربستہ عقیدہ کے طور پر، ایسا نہیں جس کو تاریخ کے سائنسی طریق کے ذریعہ سے یقینی طور پر ثابت کیا جا سکے۔ صرف حواریوں کا ایمان ہی ان کے جی اُٹھنے پر ایک تاریخی ثبوت ہے۔

آئیے اب ہم واپس لوٹیں اور دیکھیں کہ حضرت مسیح قبر سے نکلنے کے بعد کہاں جاتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ مریم مگدلینی اور اس کی ساتھی خاتون

[illegible] ہیں [illegible] قبر [illegible] کہ انہوں نے قبر [illegible]
پایا ہے اور ان کو ایک فرشتے نے بتایا ہے کہ مسیح جی اُٹھے ہیں اور گلیل کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔

"اور وہ خوف اور بڑی خوشی کے ساتھ قبر سے روانہ ہو کر اس کے شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ اور یسوع ان سے ملا اور اس نے کہا سلام، انہوں نے پاس آ کر اس کے قدم پکڑے اور اسے سجدہ کیا۔ اس پر یسوع نے کہا ڈرو نہیں جاؤ میرے بھائیوں سے کہو کہ گلیل کو چلے جائیں وہاں مجھے دیکھیں گے۔"

اس کے بعد [illegible] حضرت مسیح گلیل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں بعد میں کئی موقعوں پر وہ اپنے شاگردوں کو ملتے ہیں۔ لیکن ہر دفعہ ان کو ایسی جگہ پر ملتے ہیں جہاں انہیں کوئی دیکھ نہ پائے۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح بدستور انسانی پیکر تھے اور وہ [illegible] اس دوران [illegible] میں کوشش کرتے رہے کہ ان کا کسی کو پتہ نہ چلے اور انہیں دوبارہ گرفتار نہ کر لیا جائے۔

کیا اور بھی ایسے شواہد ہیں جن سے پتہ چلتا ہو کہ مسیح نے رُوح کی شکل اختیار نہ کی تھی؟ اس سلسلہ میں سب سے واضح اشارہ لوقا کی ذیل کی تفصیل سے ملتا ہے

"وہ یہ باتیں کہہ ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ میں آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو۔ مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی رُوح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ رُوح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔" (۲۴ : ۳۶ - ۳۹)

ذرا آگے دو آیتوں کے بعد مسیح فوری طور پر کہتے ہیں کہ میں بھوکا ہوں۔ ایسا تو ایک الٰہی یا رُوحانی ہستی کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا ہے۔

"جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کہ یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا" (لوقا ۲۴ : ۴۱ - ۴۳)

یوحنا کی انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اپنے شاگردوں کو اپنے زخم دکھاتے ہیں اور وہ توما کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ انہیں چھوئے۔

"پھر اس نے توما سے کہا اپنی انگلی پاس لا کر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا کر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو۔ بلکہ اعتقاد رکھ۔ اور توما نے جواب میں اس سے کہا اے میرے خداوند، اے میرے خداوند" (یوحنا ۲۰ : ۲۷ - ۲۸)

واضح رہے کہ اگر ہمارا نظریہ درست ہے تو جلد یا بدیر مسیح کو فلسطین کو چھوڑنا ہوگا جہاں وہ خطرہ میں تھے۔ اور یہی حقیقت ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھیس بدلا۔ مرقس کی انجیل اس کے متعلق یوں بیان کرتی ہے:-

"اس کے بعد وہ دوسری صورت میں ان میں سے دو کو جو دیہات کی طرف پیدل جا رہے تھے دکھائی دیا"

اس وقت کے پیش آمدہ حالات کے پیش
ذہنی اور جسمانی طور پر کافی تھک [illegible]
کوئی چارہ نہ تھا جیسا کہ ہم [illegible]
حصہ کو پورا کرنا تھا

حفاظت کرنا تھا۔ اگر ان کی موت صلیب پر ہی واقع ہو جاتی تو ان کا مشن ادھورا رہ جاتا۔ اس لئے شاگردوں سے آخری بار رخصت ہونے کے بعد وہ مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔

بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں

بائبل کے مطابق مسیحؑ کا سب سے بڑا کام شریعت کو پورا کرنا اور بنی اسرائیل کے قدیم گمشدہ قبائل کو نجات دلانا تھا۔ اس باب میں ہم زیادہ تر گمشدہ قبائل سے متعلق مسیحؑ کی تبلیغی مساعی کا ذکر کریں گے۔

لوقا میں درج ہے:—

"کہ ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔"
(۱۹:۱۰)

پھر اسی انجیل میں آگے چل کر مسیح اپنے شاگردوں سے کہتے ہیں:—

"اور جیسے میرے باپ نے میرے لئے ایک بادشاہی مقرر کی ہے میں بھی تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں۔ تاکہ میری بادشاہی میں میری میز پر کھاؤ پیو بلکہ تم اپنے تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔" (۲۲:۲۹—۳۰)

متی کی انجیل میں وہ شاگردوں کو خاص طور پر ہدایت کرتے ہیں:—

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"
(۱۰:۵—۶)

ظاہر ہے ان کو خود بھی گمشدہ قبائل کی تلاش میں جانا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کہاں تھے؟

آئیے بنی اسرائیل کی گذشتہ تاریخ کی طرف لوٹیں۔ بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ اسرائیل کا نام حضرت یعقوبؑ کو ایک عجیب و غریب مخلوق نے انہیں دیا تھا جن کے ساتھ ان کی کشتی کا مقابلہ ہوا تھا (پیدائش ۳۲:۲۲—۳۲) یا یہ نام خدا نے حضرت یعقوب کو اس وقت دیا جب وہ ان پر بیت ایل کے مقام پر ظاہر ہوا (پیدائش ۳۵:۹—۱۰) بنی اسرائیل درحقیقت حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ یشوع مصر سے خروج کے بعد بنی اسرائیل کو اپنی راہنمائی میں موعودہ سرزمین کو لے گیا۔ اور زمین کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ یہودہ اور بن یامین کے قبائل دریائے اردن کے جنوبی حصہ پر آباد ہو گئے اور باقی کے قبائل اس کے شمال مشرقی کنارے پر آباد ہو گئے۔

کچھ عرصہ جب قاضیوں نے حکومت کی اور یشوع ان میں سے ایک تھے تو بنی اسرائیل نے ساؤل کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس کے بعد حضرت داؤد بادشاہ بنے۔ انہوں نے کئی فتوحات کیں اور یروشلم کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ حضرت داؤد کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان تخت پر بیٹھے جنہوں نے وہاں ایک عظیم الشان ہیکل یہودہ (بائبل میں خدا کا نام ہے) کے نام پر تعمیر کیا۔ اپنے دور حکومت کے آخری دنوں میں حضرت سلیمانؑ بہت جابر حاکم ثابت ہوئے۔ اس لئے جب ان کا بیٹا رحبعام جانشین ہوا اور اس نے دعوہ کیا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی کرے گا۔ تو سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ یہودہ اور بن یامین کے قبائل (جو سلطنت یہودہ کہلائی) رحبعام کے وفادار رہے۔ باقی کے دس قبیلوں نے الگ سلطنت قائم کی۔ اور سماریہ کو دارالخلافہ بنا لیا اور یربعام اس کا پہلا بادشاہ بنا۔

لازمی بات ہے ان دونوں سلطنتوں کے مابین تعلقات کشیدہ تھے۔ چند سالوں میں ہی ان کے مابین جنگ چھڑ گئی اور یہ دشمنی مسلسل قائم رہی جب تک اسرائیل ایک خود مختار سلطنت کے طور پر قائم رہے۔ اسرائیل کے منتقم بادشاہ پیکاہ نے شام کے بادشاہ رزین سے اتحاد قائم کر لیا اور یہودہ پر حملہ کر دیا۔ اس کو بڑی فتح ملی کہ یہودہ کے ... اس نے بڑی تعداد میں قیدی بنا لئے۔ اس کے مقابل پر یہودہ کے بادشاہ [illegible] بھی ادا کیا۔ پیکاہ اور رزین اس جنگ میں مارے گئے۔ اب اسرائیل کو آہستہ آہستہ اسیریوں کے قبضہ میں آنے لگا۔ وہ اپنے دستور کے مطابق مفتوح لوگوں کو بڑی تعداد میں لے گئے اور اسیری سلطنت کے دوسرے حصوں سے لوگوں کو بلا کر ان مقبوضہ علاقوں میں آباد کرنا شروع کر دیا۔ یہ نئے آباد ہونے والے سماری قوم بن گئی جن کے بارہ میں سلطنت یہودہ کے یہودی ان سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔ تاہم تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد بابل کے بخت نصر نے جو اس دوران اسیریا میں کافی عروج حاصل کر چکا تھا۔ اس نے یہودہ کو قبضہ میں لے لیا اور یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔

"اور جو تلوار سے بچے وہ ان کو بابل کو لے گیا اور وہاں وہ اس کے اور اس کے بیٹوں کے غلام رہے جب تک فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی۔" (۲۰:۲۶+۲۰)

اس کے ساتھ ہی یہودیوں کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ جب شاہ فارس نے بابل پر قبضہ کر لیا اور ایک اعلان کے ذریعہ یہودیوں کو یروشلم واپس آنے کی اجازت دے دی اور یہ کہ وہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کریں۔ (عزرا ۱:۱—۴) تاہم نسبتاً بہت کم لوگ واپس گئے اور یہ لوگ سلطنت فارس کے ماتحت رہے۔ اس میں فلسطین بھی شامل تھا۔ فارس کے جانشین دارا نے سلطنت کو اور وسعت دی جو اپنے نقطۂ عروج پر یونانی جزائر سے انتہائی مشرق میں ہندوستان تک (جس پر دارا نے ایک بڑی فوج لے کر حملہ کیا تھا) اور بحر ہند سے لے کر انتہائی شمال میں بکٹریہ (یعنی افغانستان) تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سلطنت کو یونانیوں، سائتھیوں، پارتھیوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جن کی سلطنت جانب مشرق کشمیر میں دریائے جہلم تک پھیل چکی تھی۔

اگرچہ بائبل میں یہ تفصیلات تو موجود ہیں کہ کس طرح بچے کھچے ملک بدر یہودی واپس فلسطین آئے۔ لیکن یہ کہیں ذکر نہیں کہ اس طرح سلطنت اسرائیل کے دس قبیلے بھی (جو سلطنت یہودہ سے الگ تھے) واپس آئے ہوں۔ البتہ تومس ہولڈچ اپنی کتاب "دی گیٹس آف انڈیا" میں یہ لکھتا ہے کہ دس قبائل اسیری سلطنت کی تباہی کے بعد ایک سو سال کے عرصہ میں قدیم عراق اور آرمینیا کے رہنے والوں سے گھل مل چکے تھے اور (ایسا دکھائی دیتا ہے) کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اگرچہ عہد نامہ عتیق کی غیر مستند اناجیل اس بارہ میں خاموش ہیں کہ ان دس قبیلوں پر جلاوطنی کے بعد کیا گذری۔ تاہم ایک غیر مستند انجیل ۲ اسدراس ۱۳:۲۹—۳۶ میں یہ ذکر موجود ہے کہ وہ کبھی اپنے وطن نہ آئے بلکہ وہ مشرق کی طرف اور بڑھتے چلے گئے۔ اس میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ وہ اسارتھ تک جا پہنچے جہاں پہنچنے کے لئے انہیں ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا۔ بالآخر وہیں آباد ہو گئے۔ الحاج خواجہ نذیر احمد نے اپنی مبسوط کتاب "جیسس ان ہیون آن ارتھ" میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

طبقات نصیری میں یہ ذکر موجود ہے کہ خاندان سنیاسی کے عہد حکومت میں اسارتھ میں ایک قوم رہتی تھی جنہیں بنی اسرائیل کہا جاتا تھا اور وہ زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے۔ اس کے بعد خواجہ نذیر احمد ٹومس لڈلی کے مضمون بعنوان "مور لیڈ لین" (کلکتہ ریویو، جنوری ۱۸۹۸ء) کا حوالہ دیتے ہیں جس میں اس نے افغانیوں کی ابتدائی تاریخ کے ضمن میں یہ لکھا ہے کہ اسارتھ کا تعلق شمالی پاکستان کے ضلع ہزارہ سے ہے۔ یہ ضلع کشمیر کی سرحد پر واقع ہے لیکن قدیم زمانہ میں یہ علاقہ سندھ طاس سے کیلاس تک پھیلا ہوا تھا جو اب کشمیر کا علاقہ شمار ہوتا ہے۔

اس کے بعد خواجہ نذیر احمد کافی تفصیل سے اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں فاتح قومیں اکثر اپنے نئے مقبوضہ علاقوں میں اپنی ہی سلطنت کے مختلف علاقوں سے لوگوں کو لا کر آباد کیا کرتی تھیں تاکہ تہذیب اور تجارت کے نئے مراکز قائم ہو سکیں۔ خواجہ صاحب کے نزدیک یہ بات

عین ممکن ہے کہ تغلت پلیسر یا اس کے ایک یا ایک سے زیادہ جانشینوں نے اسرائیلی قوم کے کسی حصہ کو مشرق میں لا کر آباد کیا ہو۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تغلت پلیسر، دارا اور سکندر اعظم فتوحات کرتے ہوئے ہندوستان کی مغربی سرحدوں تک پہنچ گئے ہوں، یعنی پنجاب اور سندھ طاس تک۔ اس لئے اگر دس قبائل کے لوگ ان بڑھتی ہوئی افواج کے ساتھ مشرق کی طرف گئے تھے یا مشرقی سرحدی علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔ تو ان علاقوں میں بے کم و کاست ہمیں اس بات کے شواہد ملنے چاہئیں۔ آخر میں خواجہ نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ اس گم شدہ قبائل کی نسل کے لوگ افغانستان۔ گاگھر۔ بخارہ۔ خراسان کوہ کند۔ سمرقند اور تبت۔ نیز مغربی چین و ہندوستان۔ شمالی پاکستان اور کشمیر میں پائے جانے چاہئیں۔ اسی طرح قدیم عراق اور اس سے آگے مغرب کی طرف اسرائیلی نسل کے لوگ ابھی تک موجود ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی اہمیت کی بات ہے کہ اسرائیلی نسل کے وہ لوگ جو فلسطین۔ عرب۔ ترکی۔ قدیم عراق اور ایران میں رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں لیکن جو ایران کے مشرق میں رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو بنی اسرائیلی کہلواتے ہیں۔"

آئیے اب ان عبارتوں کا مطالعہ کریں جو افغان اور کشمیریوں کو اسرائیلی نسل سے بتاتی ہیں۔

کتب جو افغانستان اور کشمیریوں کو اسرائیلی نسل سے ثابت کرتی ہیں۔

بختاور خان اپنی کتاب "مراۃ العالم" (دنیا کی تاریخ) میں نہایت تفصیل سے افغان لوگوں کے ان سفروں کا بیان درج کرتے ہیں جو انہوں موعودہ سرزمین سے گور۔ غزنی، کابل اور افغانستان کے دوسرے مقامات کی طرف اختیار کئے۔ اس سلسلہ میں دو کتابیں "تاریخ افغانہ" از نعمت اللہ اور "تاریخ حافظ رحمت خانی" مصنفہ حافظ محمد صدیق میں افغان لوگوں کی تاریخ کا تجزیہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ بنی اسرائیل ہیں۔

اسی طرح جارج مور اپنی کتاب "دی لوسٹ ٹرائبز" (گم شدہ قبائل ۱۸۶۱ء) میں لکھتا ہے کہ بہت سی قدیم اسرائیلی خصوصیات دوبارہ ان لوگوں میں ظاہر ہوئی ہیں جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ گم شدہ قبائل کی نسل سے ہیں۔ ان کے قبائل اور ضلعوں کے قدیم اور جدید نام ان قدیم روایات کی تصدیق کرتے ہیں۔

اس امر کا مزید ثبوت اس راستہ سے ملتا ہے جو اسرائیلیوں نے میڈیا سے افغانستان اور پھر ہندوستان جاتے ہوئے اختیار کیا تھا۔ ان مختلف جگہوں سے جہاں سے وہ گذرے ان کے نام بعض قبیلوں کے نام پر ہیں۔ اُن سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبیلے وہاں سے گذرے بلکہ اس بات کا بھی پتہ دیتے ہیں کہ سفر کافی لمبا اور کٹھن تھا۔۔ مور مزید لکھتا ہے کہ مکمل تحقیق کے بعد سر ولیم جونز، سر جان میلکم اور چیمبرلین اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ دس قبائل ہجرت کر کے افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان تبت اور کشمیر آ گئے۔

ملا نادری نے اپنی کتاب "تاریخ کشمیر" اور ملا احمد نے "واقعات کشمیر" میں لکھا ہے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ کشمیری بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ اسی طرح عبدالقادر بن قاضی القضات واصل علی خان اپنی کتاب "حشمت کشمیر" میں یہی بات لکھتے ہیں۔

آخر میں یسوعی پادری کاٹرو کا ذکر کرتا چلوں جس نے اپنی کتاب "جنرل ہسٹری آف دی مغل ایمپائر" میں لکھا ہے کہ کشمیری یہودی نسل سے ہیں۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ بے شمار کتب ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ افغان اور کشمیری اسرائیلی نسل سے ہیں۔ تاہم خواجہ نذیر احمد کی کتاب میں سب سے ارفع ثبوت وہ جامع فہرست ہے جس میں انہوں نے ان قبائل کی ذات اور مقامات کے نام اکٹھے کر دیئے ہیں اور جو کشمیر اور گرد و نواح کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور جن سے ملتے جلتے نام بائبل میں بھی موجود ہیں۔ اس میں سے خلاصہ کے طور پر ایک فہرست آئندہ صفحات میں درج کی گئی ہے۔

اخبارِ احمدیہ

جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس میں جلسہ یوم وصال

مؤرخہ ۲۶ مئی بروز ہفتہ حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی صدارت میں یوم وصال حضرت مسیح موعودؑ کے سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس کا اہتمام مقامی جماعت احمدیہ لاہور نے کیا تھا۔ جلسہ کا آغاز مولانا شفقت رسول خان صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ ملفوظات مرزا محمد لطیف صاحب نے پڑھ کر سنائے۔ بعدہٗ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے اپنی تقریر میں احمدیہ بلڈنگس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت مجدد زمان علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری دو ماہ اسی جگہ بسر فرمائے تھے اور یہیں وفات بھی پائی۔ اس لئے اس جگہ کو حضرت مسیح موعودؑ سے ایک خاص نسبت ہے۔ (مفصل تقریر وصول ہونے پر شائع ہوگی) پھر محترم اعظم علوی صاحب نے حضرت مجدد زمان، مہدیٔ دوراں کے حضور اپنا منظوم ہدیہ عقیدت پیش کیا، جسے سامعین نے بے حد پسند کیا۔ اس کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تقریر فرمائی آپ نے ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ مجدد وقت کی سچی پیروی ہی سے اسلام کو ادیان باطلہ پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت یورپ کا مزاج اب قبولیت اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ مگر اس کے لئے ہمیں سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے اختتامی کلمات میں جماعت کو رسول مقبول صلعم کے نقش قدم پر چلنے اور اعلائے کلمۃ الحق کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور اختتام جلسہ پر دعا کی۔ مقامی جماعت کی طرف سے مہمانوں کو عشائیہ دیا گیا۔ مفصل رپورٹ آئندہ شائع ہوگی۔

— حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ بفضلہٖ بخیریت ہیں۔ جناب مولانا دوست محمد صاحب سابق مدیر پیغام صلح کا جنازہ (۱۹ مئی) بھی آپ نے خود پڑھایا تھا۔ جنازہ کے بعد آپ مولانا مرحوم کی دینی خدمات پر دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ اور ان کے خصائل حسنہ کا بار بار ذکر کرتے رہے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ کو مولانا مرحوم سے خاص اُنس تھا۔ اور آپ ان کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ نے ان کی خدمات اسلامی کو بے حد سراہا اور ان کے لئے طویل دعائے مغفرت فرمائی۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لندن مشن کی تبلیغی سرگرمیاں

امام لندن مشن جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب کا تازہ مکتوب

لندن مشن کی گذشتہ پندرہ یوم کی تبلیغی سرگرمیاں حسب ذیل ہیں:—

ساؤتھیمپٹن — SAUTH AMPTON کی ایک انگریز خاتون مسز لاکر نے مقامی لائبریری میں حضرت امیر مرحوم کا انگریزی ترجمہ قرآن، ریلیجن آف اسلام نہ ملنے کا تحریر فرمایا تو اسے مطلوبہ کتب معہ دیگر لٹریچر اور اخبار لائٹ کی چند کاپیاں، نیز محمد دی پرافٹ اور مسلم پریئر بک بھجوا دی گئیں۔ وہ بے حد متاثر ہوئیں اور 50/14 £ بھجوائے۔ اور "لائٹ" باقاعدہ طور پر جاری کروا لیا اور لکھا کہ مرسلہ لٹریچر سے اسلام کے متعلق اس کے بہت سے اعتراضات کا جواب حل گیا ہے۔

فرملے کے ناملنکاٹ سکول کے محکمہ دینیات کے انچارج مسٹر سٹوری کو بھی بہت سا لٹریچر اور "ریلیجن آف اسلام" کی ایک کاپی بھجوائی گئی۔ انہیں یہ اعتراض تھا کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے واحد کی بجائے "ہم" اپنے لئے جمع کی ضمیر کیوں استعمال کی ہے جبکہ مسلمان خود کو توحید پرست کہتے ہیں۔

ہمارے لٹریچر اور میرے مفصل خط سے جو قرآن کریم کی روشنی میں لکھا گیا تھا ان کی تسلی ہو گئی اور انہوں نے اعتراف کیا کہ جواب معقول ہے مزید برآں کل مجھے اخبار "لائٹ" ملا تو اس میں فاروقی صاحب کا نہایت اعلیٰ اور مدلل جواب پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی اور یہ پرچہ بھی اسی وقت مسٹر سٹوری کو بھجوا دیا گیا ہے۔

مسز لاکر نے "عورتوں کی تنظیم" سے ملنے کی خواہش کی تھی [illegible] بہن رضیہ فاروقی صاحبہ اور صدر جماعت مسز جمیلہ [illegible] گیا ہے۔ بے حد متاثر معلوم ہوتی ہیں البتہ دلوں کا مالک [illegible] دے سکتا ہے۔

الحاج عبدالرحیم جیگو صاحب مبلغ ہالینڈ کی آمد پر بعض [illegible] کے ہاں جلسہ کیا گیا۔ جناب مسٹر یوسف محمد آف گیانا کی صدارت [illegible] عمدہ مجلس ہوئی۔ [illegible] صاحب، ابراہیم شہامت اور گیانی جماعت کے امام [illegible] شہیر نے تقاریر کیں۔ مولانا موصوف نے اعتراف کیا کہ جماعت [illegible] طور پر اسلام کی ترجمانی کرتی ہے۔ البتہ انہوں نے ایک سوال اٹھایا [illegible] خدمت اسلام کا ہی کام کرتے ہیں تو اپنے لئے احمدی نام استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے، جبکہ دوسرے مسلمان اس سے بِدکتے ہیں۔ اس کا انہیں نہایت معقول و مدلل جواب دیا گیا اور جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا اور لوگ یہ تاثر لے کر اٹھے کہ حضرت اقدس کا پیدا کردہ علم کلام اسلام کی روح ہے اور اسلام و احمدیت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

گذشتہ اتوار ایک اور بہترین موقعہ تبلیغ کا مل گیا۔ مسٹر خلیل ابن آف گیانا جو لندن میں آباد ہیں، بعارضہ قلب بیمار ہیں اور ایک بڑے اپریشن کے لئے ہسپتال میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے قرآن خوانی کی ایک محفل منعقد کی۔ ہمیں بھی اس میں مدعو کیا گیا۔ چنانچہ صدر جماعت مسز جمیلہ خان صاحبہ ان کے خاوند اور خاکسار چھ بجے شام ان کے دولت کدہ پر پہنچے تو وہاں پر [illegible] گیانا اور سورینام کے بہت سے افراد سے ملاقات ہو گئی۔

مغربی نصف کرہ کے مسلمانوں میں بہت سی رسوم اور [illegible] احباب نے اپنے مقاد میں جاری رکھا ہوا ہے وہ رسومات [illegible] اختیار کر گئی ہیں۔ البتہ معقول طبقہ اسلام کو اصلی اور صحیح شکل میں دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ چنانچہ اس محفل کی غرض و غایت اور خلیل صاحب کی اسلامی خدمات کے تذکرہ کے بعد مجھے دعا کے لئے کہا گیا جس پر میں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں دعا کی ضرورت اور قبولیت دعا کے کچھ اصول بتائے اور پورے تذلل اور عاجزی کے ساتھ خلیل صاحب کے لئے دعا کی گئی۔

نماز مغرب کے بعد دوبارہ تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا، اسلامک سنٹر کے امام صاحب نے بھی اظہار خیال کیا۔ مسٹر رحمان صاحب، ان کی بیگم صاحبہ اور ہمارے بھائی مجید علی صاحب آف گیانا نے بھی تقاریر فرمائیں۔ چونکہ صاحب صدر کی خواہش تھی کہ میں فلسفۂ دعا پر مزید اظہار خیال کروں۔ چنانچہ اسلام کی تعلیم اور قرآن کریم کی روشنی میں خاکسار نے فلسفۂ دعا کی وضاحت مختلف آیات قرآنی پیش کر کے ذہن نشین کروائی اور روحانی اور جسمانی بیماری کا علاج قرآن مجید سے ثابت کیا اور بتایا کہ دعا کی قبولیت اسلام کے خدا کے زندہ خدا ہونے کا ثبوت ہے جس کو زمانہ کے اولیاء اور مجددین نے ہر زمانہ میں ثابت کیا ہے۔

آخر میں درود شریف پر تقریب ختم کی گئی۔ اپنا لٹریچر اور کتابچہ "پریئر آف دی قرآن اینڈ پرافٹ" تقسیم کیا گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ غیر احمدی سرکردہ حضرات نے جماعت احمدیہ لاہور کی اسلامی خدمات کا بڑی دلیری اور فراخدلی سے اعتراف کیا۔ والسلام

مجلہ ارباب ہدیٰ دوران حضرت مرزا صاحب کی اولیاء اللہ سے محبت۔

(بسلسلہ صفحہ ۳)

ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں کہا آپ ملہم ہیں۔ ہمارا ایک مدعا ہے۔ مگر آپ کو نہیں بتلاؤں گا کہ کیا مدعا ہے۔ انہوں نے کہا:— در پوشیدہ داشتن برکت است انشاء اللہ دعا خواہم کرد۔ و الہام اختیاری نیست (پوشیدہ رکھنے میں برکت ہے۔ انشاء اللہ دعا کروں گا اور الہام اپنے بس کی بات نہیں۔ ناقل) اور میرا مدعا یہ تھا کہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام روز بروز تنزل میں ہے۔ خدا اس کا مددگار ہو۔ بعد اس کے میں قادیان چلا آیا تھوڑے دنوں کے بعد بذریعہ ڈاک ان کا خط مجھے ملا جس میں لکھا تھا این عاجز برائے شما دعا کردہ بود۔ القا شد وانصرنا علی القوم الکافرین۔ فقیر را کم اتفاق افتد کہ بدیں جلدی القا شود۔ این از اخلاص شما می بینم (اس عاجز نے آپ کے لئے دعا کی تھی۔ القا ہوا۔ ہمیں کافر قوم کے مقابلہ نصرت دے۔ فقیر کو کم ہی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اتنی جلدی القا ہو۔ یہ سب کچھ آپ کے خلوص کی وجہ سے سمجھتا ہوں۔ ناقل) (ماخوذ)

تاج دین پرنٹر نے تکیہ اعلیٰ والا ایکاری روڈ لاہور میں باہتمام ملک ... پرنٹر چھپا اور محمد اعظم ملوی پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر:— ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۲۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

• میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
فون: ۵۲۷۳۷

پیغام صلح

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

لاہور
پاکستان

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

• رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
• تار کا پتہ
• تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
• پاک و ہند سے: پندرہ روپے
• بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دے گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۵ شوال المکرم سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۹ اگست سنہ ۱۹۷۹ء | نمبر ۳۲

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

تم اپنا محاسبہ آپ کرو پیشتر اس کے کہ خدا تمہارا محاسبہ کرے

ہمارے پیارے امام کی طرف سے احتساب نفس کی دعوت

اے نادانو خوب سمجھو! اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اعمال کے کسی طرح رہائی نہیں۔ اور جو شخص ہر طرف سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے۔ اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے، اور رسول کریم صلعم کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں رکھ دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے، بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے ہیں۔ اور تکبر کی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔

مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے ہیں اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔

جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کے دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اس جہان میں بھی کبھی باہر نہ ہوگا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں۔ خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دور کر دیں۔ **میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگوں کو دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور اپنا سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا۔** کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے۔ اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے دور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں۔ مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شئے ہے۔ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے۔ صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا۔ صرف تقوےٰ پہنچتی ہے ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔

دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو، اور رکوع یہ ہے کہ اس کی طرف جھکے، اور سجود یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار ہو۔

چوں رسد عجز کس بحد تمام + نصرت یار را رسد ہنگام
جب کسی کی عاجزی حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے — تو یار کی مدد کا وقت آجاتا ہے

رپورٹ :۔ مولوی شفقت رسول خان
ترتیب و تصحیح :۔ عبدالرؤف کھوکھر۔

روئداد جلسہ یوم وصال حضرت مجدد دوراں و مسیح زمان حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام

زیر انتظام مقامی جماعت احمدیہ لاہور

منعقدہ مؤرخہ ۲۶ مئی ۱۹۷۹ء ۔ در جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور

جلسہ کی تقریب حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اور آغاز جلسہ خاکسار نے تلاوت قرآن پاک سے کیا۔

جناب مولانا مرزا محمد لطیف صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑھ کر سنائے جن میں بتایا گیا کہ حضور کا وجود باجود دو اغراض کے لئے مبعوث کیا گیا۔ ایک اسلام کو تمام مذاہب عالم پر غالب کرنے کے لئے اور مسلمانوں کی علمی، قولی، معاشی، معاشرتی، اقتصادی، غرضیکہ کامل اصلاح کرنا مقصود تھا۔ اور حضور نے انہی دو اغراض کو پورا کرنے کے لئے ایسا علم کلام پیش فرمایا جو بے مثل اور لاجواب ہے جس سے اسلام کا غلبہ سب ادیان پر ہوگیا۔ اور ایک جماعت تیار کی جس میں جملہ مبائعین اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے خدا رسیدہ اور عامل قرآن و سنت تھے۔

جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی تقریر

آپ نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ اس جگہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے گہرا تعلق ہے کیونکہ حضرت اقدسؑ کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اسی محلہ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ہوئی۔ آپ وصال سے تقریباً دو ماہ قبل قادیان سے بمع اہل و عیال یہاں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ ہند و قوم کے لئے ایک پیغام صلح لکھ رہے تھے۔ مگر ابھی یہ نامکمل تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ اس میں ہندو قوم کو مسلمانوں کے ساتھ صلح کا پیغام دیا تھا تاکہ دونوں قومیں دلی اتحاد کے ساتھ اپنے وطن ہند میں حکومت کر سکیں۔ یہ پیغام صلح بعد میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ نے ایک جلسہ کر کے اہل لاہور کو پڑھ کر سنایا۔

قبل از وقت وفات کا علم

حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی وفات کا پورا علم دیا گیا۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں رؤیا میں آپ نے دیکھا کہ کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی ہے جو صرف دو یا تین گھونٹ باقی رہ گیا ہے۔ اور ساتھ ہی الہام ہوا "آب زندگی" جس کا مطلب یہ تھا کہ اب آپ کی پاک زندگی کا باقی حصہ دو یا تین سال کے درمیان رہ گیا ہے چنانچہ ایسا ہی واقعہ ہوا۔

پھر آپ کو الہام ہوا "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں" ۔ یہاں یہ الفاظ مکہ یا مدینہ بطور مجاز استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہماری موت اپنے جائے مسکن یعنی قادیان میں ہوگی یا ایسے مقام پر واقع ہوگی جہاں ہمارے مقاصد "اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن" آپ کے بعد منتقل ہونے والے تھے۔ چنانچہ اسی کے مطابق آپ کی وفات احمدیہ بلڈنگس میں ہوئی اور پھر اسی کے مطابق ۱۹۱۴ء میں جماعت احمدیہ میں اختلاف کا یہ مقصد اسی جگہ پروان چڑھے۔

یورپ میں پہلا اسلامی مشن

حضرت خواجہ کمال الدینؒ نے جو اسی محلہ احمدیہ بلڈنگس کے رہنے والے تھے پہلا فاتحانہ اسلامی مشن انگلینڈ میں ۱۹۱۲ء میں قائم کیا۔ جس کے ذریعہ انگریز لارڈ اور طبقہ رؤساء کے بعض افراد نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ تو تمام عالم میں اسلام کی فتح کا ڈنکا بجنے لگا۔ دنیا حیرت میں پڑ گئی اور اس پر ایک سکتہ کا عالم طاری ہوگیا۔

یہ حضرت اقدسؑ کے ان رؤیا کی تعبیر تھی جن میں آپ نے سفید پرندوں کو لندن میں تبلیغ کے دوران پکڑتے دیکھا تھا۔ پھر ۱۹۱۷ء میں اسی مرکز احمدیہ بلڈنگس لاہور سے قرآن کریم کا وہ ترجمہ انگریزی زبان میں شائع ہوا کہ جس نے مذہبی دنیا میں ایک روحانی انقلاب بپا کر دیا۔ یہ مقبول اور شہرۂ آفاق ترجمہ و تفسیر حضرت مولانا محمد علیؒ کے قلم سے حضرت اقدس کے "براہین احمدیہ" میں مندرج اس رؤیا کی تعبیر ثابت ہوئی جس میں آپ نے دیکھا تھا کہ پانچ وجیہہ دمحبوب صورت اصحاب کی زیارت آپ کو ہوئی یعنی پنجتن پاک کی اور آخر پر ایک کتاب آپ کو دی گئی جس کی بابت بتلایا گیا کہ یہ قرآن کی انگریزی زبان میں ترجمہ و تفسیر ہے۔ جسے علی نے تصنیف کیا ہے اور علی اب وہ تفسیر تجھے دیتا ہے۔ پس اس طرح اشاعت قرآن اور اشاعت اسلام دونوں مقاصد کی داغ بیل اس جگہ سے پڑی جہاں آپ نے وفات پائی۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت اقدسؑ الہیٰ علم کی بناء پر اپنی وفات سے قبل یہاں آکر مقیم ہوئے تھے اور یہاں ہی وفات پائی۔ اور آپ کی وفات پر غیر از جماعت لوگوں نے آپ کے بارہ میں جو تاثرات الم لکھی ہیں ان میں سے چند ایک آپ کی گوش گذار کروں گا جس میں حضرت مسیح موعود کی عظمت اور آپ کے اسلامی کارناموں کا اعتراف اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ وہ آراء درج ذیل ہیں :۔

اعتراف حقیقت

(۱) شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب ایڈیٹر "تہذیب نسواں" لاہور رقمطراز ہیں :۔

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی ہے۔ وہ نہایت باخبر عالم۔ بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہباً مسیح موعود نہیں مانتے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ہدایت و رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام کرتی تھی۔"

(۲) شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب (استاد گرامی علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ) لکھتے ہیں :۔

"افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی میں ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی معمولی انسانوں کی زندگی نہ تھی بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔"

(الحکم ۷ راپریل ۱۹۳۴ء)

(۳) مولوی سراج الدین صاحب والد ماجد مولوی ظفر علی خانصاحب فرماتے ہیں :۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء تا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع

(باقی بر صلا کالم اوّل)

ہفت روزہ پیغامِ صلح ـــــــ لاہور ـــــــ مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۷۹ء

"سوچنے کی بات"

"نورِ بصیرت" کے کالم نگار جناب میاں عبدالرشید مندرجہ بالا عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ:ـ

"ہم میں سے بیشتر کا (اللہ تعالےٰ کی ذات پر) ایمان محض سُنا سنایا ہے ـ مشاہداتی نہیں ـ یعنی ہمیں "احسان" کی وہ کیفیت حاصل نہیں جس میں اللہ تعالےٰ گویا سامنے نظر آتے ہیں، یا کم ازکم انسان کو یہ نظر آ جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے دیکھ رہے ہیں:۔
تصوّف کا یہی مقصد ہے کہ عشقِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی کی رو سے آئینۂ قلب کو اس قدر صاف کر لیا اور چمکا لیا جائے کہ انوارِ الٰہی اور موت کے بعد زندگی (آخرت) کے مشاہدات ہونے لگیں ـ جب انسان دِل کی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اللہ تعالےٰ سامنے موجود ہیں تو پھر وہ بُرائی کا ارتکاب نہیں کرے گا......
...... اس دَور میں اسلام کو (سائنس کی طرح) بھی مشاہداتی انداز سے پیش کرنے کی ضرورت ہے .... یہ دَور مشاہداتی علم کا دَور ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس میں اسلام کو اسی انداز سے پیش کیا جائے ـ اسی سے اسلام غیروں کے دِلوں میں گھر کرے گا اور اپنوں کے اندر اعلےٰ اخلاق پیدا کرنے کا سبب بنے گا ـ" (نوائے وقت ۲۹/۵ ۹)

میاں صاحب نے یہ سطور ارتکاب جرائم کے سلسلہ میں تحریر فرمائی ہیں ـ آپ فرماتے ہیں کہ "ایک پولیس کنسٹیبل کے سامنے تو کوئی شخص قاعدہ و قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتا مگر اللہ تعالےٰ کی موجودگی میں بیشتر لوگ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں"۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کانسٹیبل کو تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ کی ہستی آنکھوں سے اوجھل اور نہاں درنہاں ہے اس لئے انہیں جرائم کے ارتکاب پر جرأت پیدا ہوتی ہے ـ اگر انہیں اللہ تعالےٰ کی ہستی کا بھی اسی طرح مشاہدہ ہو جائے جس طرح وہ کانسٹیبل کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ گناہ اور جرم سے باز رہیں۔

ہمیں میاں صاحب کے ان ارشادات اور نظریات سے پُورا پُورا اتفاق ہے کہ جب تک اللہ تعالےٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا نہ ہو جائے کہ وہ زندہ موجود ہے ـ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں، اس وقت تک انسان کا گناہ سے بچنا مشکل اور محال ہے یہی وجہ ہے کہ اس زمین پر ابتدائے نسلِ انسانی سے انبیاء اور رُسل کے ذریعے ایک سلسلہ رشد و ہدایت کا جاری ہُوا ـ ان کا مقصد انسانوں کے دِلوں میں یہ یقین پیدا کرنا ہوتا تھا کہ خُدا ہے اور وہ زندہ ہے ـ وہ خود اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرتے اور دوسروں کو اس کا مشاہدہ ان خارق عادت واقعات کے ذریعے کراتے جو اللہ تعالےٰ کے منشاء اور ارادہ کے مطابق ان کے ہاتھوں پر رُونما ہوتے یا ان کے سامنے ایسی باتیں بیان کرتے جن تک عقل کی رسائی ناممکن ہوتی لیکن آنے والے واقعات ان پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دیتے ـ اسی وجہ سے ہر ایک نبی اور رسُول کو اپنے زمانے میں کاہن ساحر اور مجنوں کہا گیا کیونکہ ان کی باتیں عوام کی عقل سے ماوریٰ ہوتیں ـ یہی مشاہدہ ان کا ساتھ دینے والوں کی زندگیوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر دیتا کہ وہ حزب الشیاطین کے مقابلے میں حزب اللّٰہ کہلاتے ـ لیکن خُدا کا مشاہدہ کرانے اور گناہوں کی زندگی سے نجات دلانے والوں کا جو حشر ان کی قوم کے ہاتھوں ہوتا وہ ناقابلِ بیان ہے ـ اس کا نقشہ قرآن کریم نے جابجا کھینچا ہے ـ علیہ الرحمہ الحسرۃ ـ انہی کو حاصل ہوتا ـ

رسولِ کریم صلعم فرماتے ہیں کہ جتنی اذیّت مجھے دی گئی ہے اتنی مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی ـ آپؐ سے بڑھ کر خُدا کا مشاہدہ کرنے اور کرانے والا کون تھا ـ

اسی غرض کے لئے آنحضرت صلعم کے بعد آپ ہی کے ارشاد کے مطابق ایک سلسلہ خلفاء اور مجددین کا شروع ہُوا ـ ان میں سے ہر ایک نے خدا کو اپنی آنکھوں [illegible] سے دیکھا اور اپنے زمانے کے لوگوں کو دکھایا ـ بصیرت والوں نے اس کا مشاہدہ کیا اور ان کی زندگیاں اس یقین اور ایمان کی وجہ سے پاک صاف ہوگئیں ـ مگر جو اس بصیرت سے بے نصیب رہے انہوں نے ان کے ساتھ سُنت اللہ کے مطابق وہی سلوک کیا جو انبیاء سے ہوتا آیا ہے ـ ان کی زندگی جرم و گناہ اور عصیان و خطا سے مرکّب ہو گئی ـ

دنیا کو روشنی وحی کے ذریعے ملتی رہی لیکن آنحضرت صلعم کے بعد بابِ نبوّت مسدود ہونے پر اس روشنی کے سرچشمے قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی کامل متابعت تھی ـ اور ہے ـ کیونکہ آنحضرت صلعم کا کوئی قول اور فعل قرآن کریم کی تعلیمات کے قطعاً برخلاف نہیں ہو سکتا تھا جو حدیثِ مجدّد میں "من یجدّد لھا دینھا" میں یہ واضح اشارہ پایا جاتا ہے کہ خُدا کی ہستی پر ایمان مشکوک اور متزلزل ہو جائے گا جس کے نتیجے میں فسق و فجور پھیل جائے گا ـ گناہ اور جرائم کثرت سے ہوں گے جن کی روک تھام کے لئے خدا کا مشاہدہ کرنا اور کرانا ضروری ہوگا اور ایسا وہی شخص ہو سکے گا جسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس منصب پر فائز کرے گا ـ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج اسلامی دنیا میں بڑے بڑے "علماء" ـ "فقہاء" ـ مفسّرین اور متکلّمین موجود ہیں ـ انہیں قرآنی علوم اور شریعت میں کامل دسترس کا دعوےٰ بھی ہے مگر وہ مسلمانوں کے دِلوں میں اللہ تعالےٰ کی ہستی پر وہ نورِ ایمان پیدا نہیں کر سکے جو انہیں گناہ اور ثواب میں تمیز کرا سکے ـ اور اللہ تعالےٰ کا مشاہدہ کرنا اور کرانا تو در کنار ـ لوگوں کے دِلوں میں محض تحریروں اور تقریروں سے ایمان ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ان کے ذریعے خُدا کا مشاہدہ کر سکتے ہیں ـ

اس کے لئے اپنا نمونہ اور مشاہدہ اور تجربہ پیش کرنے کی ضرورت ہے ـ ورنہ کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنّت سامنے ہونے کے باوجود ساری مسلمان دنیا گناہوں کی غلاظت سے دامن آلود ہے ـ اور اپنی نجات خدا کی حکومت دِلوں پر مسلط کرنے کی بجائے انسان کے آٹے دن بدلنے والے خودساختہ قوانین میں تلاش کر رہی ہے ـ اگر قوانین ہی کافی ہوتے تو قرآن کریم میں "کونوا مع الصادقین" کا حکم نہ ہوتا ـ اور نہ ہی اللہ تعالےٰ کی طرف سے انبیاء ـ رُسل اور مجددین کی بعثت کی ضرورت ہوتی ـ ہم یہ دعوے سے کہتے ہیں کہ اس صدی میں سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے اور کوئی شخص ایسا نہیں جو اس بات کا دعوےٰ کر سکے کہ میں نے خُدا دیکھا ہے اور میں یہ خُدا دکھا سکتا ہُوں ـ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر میں نہ دکھا سکوں تو میں جھوٹا ہوں ـ آپ فرماتے ہیں :ـــ

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خُدا ہے ـ جو ہر ایک چیز پر قادر ہے ـ ہمارا بہشت ہمارا خُدا ہے ـ ہماری اعلےٰ لذّات ہمارے خُدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی ـ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو ـ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا ـ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا ـ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں ـ کس دف سے میں بازاروں میں

منادی کردوں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں یہ علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں ......
...... اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالےٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے ....
خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید [illegible] گر گئے ہیں [illegible]

یہ یقین یہ ایمان۔ یہ مشاہدہ۔ تجربہ اور بصیرت صرف اسی انسان کو حاصل ہو سکتی ہے جس نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھا اور دوسروں کو دکھانے کے لئے اپنے دل میں ایک درد اور تڑپ رکھتا ہے تا کہ لوگ دنیا پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کریں، انہیں تمام ہموم و غموم سے نجات مل جائے اور اسی دنیا میں انہیں جنت اور بہشت کی زندگی نصیب ہو جو اطمینان قلب سے عبارت ہے اور "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" حضرت مجدد اور مسیح وقت نے یہی نہیں فرمایا کہ صرف میں نے ہی خدا کا مشاہدہ کیا ہے۔ آپ نے ساری دنیا کو دعوت دی ہے کہ جو بھی قرآن اور آنحضرت صلعم کی کامل پیروی کرے گا اسے ضرور اللہ تعالےٰ اپنا جلوہ دکھائے گا۔ کوئی تجربہ کر کے دیکھے مسلمان دنیا (اسلامی دنیا نہیں کیونکہ آج قرآن اور رسولؐ کا اسلام کہیں نظر نہیں آتا) اس وقت جن مصائب۔ مشکلات۔ فتنوں اور ابتلاؤں سے گذر رہی ہے اس کا علاج صرف یہی ہے کہ :—

"ہر ایک کام کے وقت۔ ہر ایک مشکل کے وقت قبل اس کے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کرو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما۔ تب رُوح القدس تمہاری مدد کرے گی اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لئے کھولی جائے گی۔"

(کشتیٔ نوح۔ صفحہ ۴۸)

حضرت مرزا صاحب نے مخالفین اسلام اور اپنے مخالف مولویوں کو دعوت دی ہے کہ اگر وہ خدا کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس آکر رہیں اور اگر کوئی نشان نہ دیکھیں جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہو تو جو سزا ان کے لئے تجویز کی جائے گی وہ انہیں قبول ہو گی چنانچہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"میں بار بار کہتا ہوں کہ قرآن اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحب کرامات بنا دیتا ہے اور اسی کامل انسان پر علومِ غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دنیا میں کسی مذہب والا روحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا چنانچہ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام تمام مذہب مردہ ہیں۔ ان کے خدا مردہ اور خود وہ تمام پیرو مردہ ہیں اور خدا تعالےٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں۔ ہرگز ممکن نہیں .... آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے۔ وہ اسلام کے ساتھ ہے۔ اسلام اس وقت موسےٰ کا طور ہے جہاں خدا بول رہا ہے .... دیکھو میں تمہیں کہتا ہوں کہ چالیس دن نہیں گذریں گے کہ وہ بعض آسمانی نشانات سے تمہیں شرمندہ کرے گا۔"

"اے میرے مخالف مولویو! اگر تم کو شک ہو تو آؤ چند روز میری صحبت میں رہو۔ اگر خدا کے نشان نہ دیکھو تو مجھے پکڑو اور جس طرح چاہو تکذیب سے پیش آؤ .... خدا کے نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی نہیں؟ جو سچا دل لے کر میرے پاس آوے۔ کیا ایک بھی نہیں؟ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور [illegible]"

پس [illegible] آج [illegible] دنیا میں ایسا انسان نہ ملے گا جو اپنے حق میں آسمانی نشانات سے اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ساری دنیا کو اپنے مقابل بلانے کی جرأت رکھتا ہو، کیونکہ یہ وہی کر سکتا ہے جس نے اسلام کو تجربہ کر کے دیکھا ہو اور اس میں نور ہی نور پایا ہو۔ اپنی آنکھوں سے خدا کو اپنے سامنے دیکھا ہو۔ اُسے صرف "احسان" کا نہیں "ذی القربیٰ" کا مقام حاصل ہو، جیسے کہ حضرت صاحب "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربیٰ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :—

"پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو پس جیسا کہ درحقیقت بجز اس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکل کے لائق نہیں کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت اور ربوبیت خاصہ کے ہر ایک حق اسی کا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اس کی پرستش میں اور اس کی محبت میں اور اس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادب بن جاؤ اور اس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اس کی عظمت اور جلال اور اس کے حسنِ لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلف اور تصنع دور ہو جائے اور تم اس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔"

علامہ اقبال اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں :—

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اور غالب کہتے ہیں :

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

یعنی اللہ کی عبادت، پرستش اور فرمانبرداری میں دنیا کی ملونی کا شائبہ تک نہ ہو۔ یہ محض "لوجہ اللّٰہ" ہو۔

حضرت مرزا صاحب کی ایسی ہی تحریریں ہیں جنہیں پڑھنے سے عوام کو دکا جاتا ہے اور ان کے دلوں میں نفرت یہ الزام لگا کر پیدا کی جاتی ہے کہ اس شخص نے آنحضرت صلعم کے بعد نعوذ باللہ نبوت کا دعوے کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے خدا۔ رسولؐ۔ قرآن اور اسلام کی قوتوں اور تاثیرات کی ہر جگہ تبلیغ کی ہے اور اس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے کی نصیحت فرمائی ہے۔ انسانوں کا تعلق خدا سے جوڑنے کی تلقین کی ہے۔

چونکہ میاں عبدالرشید صاحب "نورِ بصیرت" کے کالم میں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ملفوظات عوام کے استفادہ کے لئے نقل کرتے رہے ہیں اس لئے ہم بھی انہی کے الفاظ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احسان کا درجہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے کیا فرمایا ہے۔ تسلیم و رضا پر بحث کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف۔ ایک وضع سے دوسری وضع کی طرف۔ ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف پلٹا اور پھرایا جاتا ہے .... وہ دیکھتا ہے تو مشیت ایزدی کے ساتھ۔ سنتا ہے تو مشیت الٰہی کے ساتھ۔ بولتا ہے تو مشیت ربانی کے ساتھ۔ .... اب اس کا علم خدا کے علم سے ہوتا ہے اور اس کا کلام خدا کے کلام سے ہے (کیا یہاں الہام اور وحی کا دعوے نہیں)۔ وہ اسی کی نعمت سے نعمت یافتہ۔ اسی کے قرب سے نیک بخت۔ اسی کے جمالِ معنوی سے بزرگ و آراستہ۔ اسی کے ذکر سے صاحب سکون و اطمینان۔ اسی کی فکر سے صاحب فہم و فراست .... مقامِ تسلیم و رضا میں صرف اللہ تعالےٰ سے مانوس و مربوط ہوتا ہے .... اس کا رشتہ عشق و محبت اللہ تعالےٰ کے ساتھ مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے .... وہ اسی کے نورِ معرفت سے ہدایت پاتا ہے اور اسی کی صفاتِ عالیہ سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ ہی کے عطا کردہ علم لدنی سے اسرارِ قدرت پر آگاہ ہوتا ہے .... اللہ سے اس کی رضا طلب کرو اور اس کی خوشنودی کے لئے نفسِ امارہ کی خواہشات کے اتباع سے کنارہ کشی اختیار کرو .... جو شخص بھی رضائے الٰہی میں فنا ہوا اور نفسانی خواہشات اس کے احکام کی تعمیل میں چھوڑ دیں اس پر دنیا و عقبےٰ میں ہر قسم کا عذاب حرام ہو گیا .... خدا کی رضا چاہنے والے اذکرو عبادت میں اخلاص کو کامل صورت میں اختیار کرو .... اخلاص کامل کا اہم تقاضا یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت خواہ وہ فرائض کی حیثیت رکھتی ہو یا نوافل کی اُسے بجا لانے کے بعد اجر و ثواب یا معاوضہ کی خواہش نہ ہو بلکہ عبادت کا مقصد صرف رضائے الٰہی اور طاعتِ احکامِ ربانی ہو۔"

(ملفوظات غوث الاعظم مرتبہ محمد سلطان نظامی ص۱۹۲ تا ۱۹۶)

حضرت غوث الاعظم اپنی صدی کے مجدد تھے۔ ان کے الفاظ مختلف ہیں لیکن کیا ہمیں کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ ان دونوں مجددین کی تعلیم میں کیا فرق ہے اور تفاوت ہے۔ یہ بھی سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔

گناہ اور جرم کا خاتمہ اللہ تعالےٰ کی ہستی پر زندہ ایمان سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ زندہ ایمان وقت کا کوئی امام اور مامور ہی پیدا کر سکتا ہے کیونکہ اُسے "احسان" کا مقام حاصل ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر "تسلیم و رضا" کا۔

اس وقت دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان زندہ نہیں جو یہ ایمان پیدا کر سکے۔ یہ فلسفہ قطعاً بے بنیاد ہے کہ حکومت اور قوانین جرائم کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے دلوں پر اللہ تعالےٰ کی حکومت قائم کرنے کی ضرورت ہے اور وہ حکومت اسی راہ سے قائم ہو سکتی ہے جو مجددین وقت بتاتے آئے ہیں اور اس زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ نے بتائی ہے۔

رپورٹ از محمد الرحمٰن صاحب پشاور

جلسہ جماعت احمدیہ پشاور بتقریب یوم مسیح موعودؑ

مؤرخہ ۲۵/۵/۶۹ بعد از نماز جمعہ بتقریب یوم مسیح موعود ایک اجلاس زیر صدارت جناب غلام محبوب خان صاحب ایم ایس سی ریٹائرڈ ایگریکلچر ڈائرکٹر منعقد ہوا۔ جلسہ کا افتتاح جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے تلاوت قرآن مجید سے کیا اور آپ نے ہی ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ پڑھ کر سنائے۔

اس کے بعد راقم الحروف نے اس جلسہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے دو عظیم مقاصد تھے "یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر" یعنی صلیبی مذہب کو بیخ و بن سے اکھیڑ دے گا۔ آپ کی آمد سے پہلے بڑی تعداد میں مسلمان عیسائی ہو چکے تھے۔ آپ نے عیسائیوں کے مصنوعی خدا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو وفات شدہ قرار دیا اور اس طرح مسلمانوں اور عیسائیوں میں مروجہ غلط عقیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح آپ نے اسلام پر حملہ آور جملہ عقاید آریہ سماج کا مقابلہ کیا اور ان کی ناکہ بندی کر دی آپ نے اسلام کی عظیم خدمات سر انجام دیں۔

میرے بعد جناب سرداد علی خان صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم پیش کی جو نے آپ نے کشتی نوح میں تفصیل سے بیان کی ہے۔ آپکے بعد جناب شیخ شریف احمد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں حضرت نبی کریم صلعم کو آخری نبی اور حضرت مرزا صاحب کو مجدد ثابت کیا۔ آپ نے فرمایا کیا آپ کے ذمہ سفید فام قوموں کو مسلمان بنانا تھا۔ اسی لئے آپ کے ذریعہ اور آپ کے متبعین کے ذریعہ یورپ کے عیسائی مسلمان ہوئے آپ نے وہ تعلیم دی کہ بڑے بڑے پادری کسی احمدی مبلغ کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ نوجوانوں کی تربیت پر زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔

آپ کے بعد جناب عبدالباری خان صاحب ایڈووکیٹ کو تقریر کے لئے بلایا گیا۔ آپ نے سابقہ مقررین کی تقاریر کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے زائد میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

آپ کے بعد جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب کو تقریر کے لئے درخواست کی گئی آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے حدیث مجددین خاص طور پر مسیح موعود کا ذکر فرمایا نیز فرمایا کہ جو شخص اسے پائے میرا اسلام اسے کہے۔ آنحضرت صلعم جس پر سلام بھیجتے ہیں یقیناً وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ آپکی بعثت اس وقت ہوئی جبکہ مسلمانوں کی حالت نہایت گری ہوئی تھی۔ آپکے سپرد دو عظیم کام تھے (۱) مسلمانوں کی اصلاح (۲) یکسر الصلیب یعنی عیسائی مذہب کا مقابلہ۔ آپ سے پہلے مسلمان علماء کو عیسائی مشنری ہر جگہ للکارتے پھرتے تھے اور علماء جان چھپاتے پھرتے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ نے آکر وہ عظیم انقلاب برپا کیا کہ ہر جگہ احمدی مبلغ عیسائی مشنریوں کو چیلنج دیتے پھرتے تھے اور عیسائی مشنریوں کی پوری کی پوری فوج دم بخود رہتی تھی۔ اور انکے قدم نہیں جمتے تھے۔ اس طرح مقرر نے نہایت تفصیل سے حضرت مسیح موعود کے مشن کی کامیابی کو بیان فرمایا۔ تقریباً پون گھنٹہ آپ کی تقریر جاری رہی۔

آپ کے بعد صدر جلسہ نے تمام مقررین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے سیکرٹری*

---

* محمد الرحمٰن اگرچہ بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن احمدیت کا جذبہ ان کے دل میں اسی طرح جاگزین ہے جس طرح جوانی میں تھا۔ اس قسم کے اجلاس بلانا احمدیت سے انس و محبت کا بین ثبوت ہے آخر میں انہوں نے [illegible]

سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲-۲۳ سال کی ہو گی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے ...... بناوٹ اور افتراء سے بری تھے .... ہم ان کو پکا مسلمان سمجھتے تھے۔" (اخبار زمیندار ۸ ؍ جون ۱۹۰۸ء)

(۴) حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف :-

"مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی حق پر ہیں اور اپنے معاملہ میں سچے اور صادق ہیں اور آٹھوں پہر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غرق رہتے ہیں اور اسلام کی ترقی اور امر دین کو بلند کرنے میں جان سے کوشش کرتے ہیں .... اگر مہدی اور عیسیٰ ہونے کا دعوے کیا ہے تو وہ بھی ان باتوں میں سے ہے جو جائز ہے۔"

(اشارات فریدی حصہ سوم۔ صفحہ ۶۹)

(۵) مولانا ابوالکلام آزاد :-

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو .... جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنا رہا جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا .... یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر دکھاتے ہیں .... ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنل کا فرض پورا کرتے رہے، ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے کہ وہ مہتمم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے .... غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا .... مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی آئندہ اُمید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔"

(اخبار "وکیل" امرتسر ۱۹۰۸ء)

(۶) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی :-

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔"

(رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۶)

(۷) سید کشفی شاہ نظامی صاحب :-

ایک صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے احمدیہ جماعت احمدیہ لاہور کو مخاطب کر کے لکھا ہے :-

"یہ پیغام جو تم کو دیا جاتا ہے تو اس پر عامل ہو جا۔ مسلمان اس وقت سو رہے ہیں۔ وہ اس پیغام کو بھول گئے ہیں جو ان کو دیا گیا تھا کہ کفر کے قلعوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا علم بلند کرو۔ اور ان کی کفر کی آندھیوں کو دور کر کے توحید کی روشنی پھیلا دو۔ مغربی دنیا پر کفر کی آندھیاں چھائی ہوئی ہیں تو لاہور کے مرکز سے اُٹھی اور مغربی دنیا کے مرکزوں تک پہنچ کر کے تو نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پیغام سنا دیا تو نے ان ہستیوں کو جو کفر کے باعث تڑپ رہی تھیں پیغامِ حیات ان کو سنا دیا۔ تو نے ان کی سر زمین میں اسلام کا بیج بو دیا جو کہ اب نشوونما پا رہا ہے۔ مگر بیج بو کر اس کو چھوڑ دینا اور اس کی پرورش نہ کرنا دوبارہ غفلت کی نیند پر سو جانا ہے۔ تو اس سے زیادہ قربانی کر کے تیار ہو جا۔ تو اس سے زیادہ جان نثاری دکھا۔ تو اس سے زیادہ مبلغوں کی جماعت تیار کر جو صرف مغربی دنیا کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے قریہ قریہ میں پھیل جائیں تو یہ مت دیکھ کہ دوسرے مسلمان کیا کر رہے ہیں تو اپنا فرض ادا کر اور اس سے زیادہ کر جواب تک کیا گیا۔ قدرت ربانی تیرے کاموں کو دیکھ رہی ہے وہی تیری معاون و مددگار ہے۔ اس کے بھروسہ پر کفر کے لشکر میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نغمہ سنا دے۔"

(مجدد اعظم جلد سوم صفحہ ۳۲۵)

بعدہٗ جناب اعظم علوی صاحب نے بحضور مسیح موعود علیہ السلام منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

اس کے بعد جناب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اعلی اللہ درجاتہٗ نے اپنے نہایت مؤثر و دلنشین اور مخصوص ملکوتی انداز خطابت سے ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا مختصر خاکہ حاضرات و سامعین کے روح و قلب کی گہرائیوں تک پہنچایا۔ آپ نے بتایا کہ مجدد وقت کی پیروی ہی غلبہ اور قوت عطا کر سکتی ہے۔ آپ نے قوم کو حضرت مرزا صاحب ؑ کے نقش قدم پر چلنے کی تحریک تلقین فرمائی۔ آپ نے واضح فرمایا کہ غلبۂ اسلام کے لئے دجال کا قتل اور کسر صلیب کے لئے صرف آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے تمام مجددین اور اولیائے اُمت پر فوقیت دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کہ جب وہ امامِ وقت تمہیں ملے تو میرا ان کو سلام کہو۔ کیونکہ امن و آشتی کا مینار صرف مسیح موعود ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمایا ہے :-

دوڑ کر میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے + ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

عافیت کا حصار صرف مسیح موعود کی ذات ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنا اور وابستگی کو استوار کرنا ہی تمام خامیوں اور کمزوریوں کو دور کر سکتا ہے اور اسلام تمام جہان پر غالب آ سکتا ہے وہ صرف اسی صورت میں کہ مسیح وقت کے علم کلام سے استفادہ کیا جائے۔ بعد ازاں حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مختصر الفاظ میں قوم کو اعلائے کلمۃ اللہ پر زور دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی تاکید فرمائی۔ حاضرین و حاضرات کے لئے دعائے خیر و برکت فرمائی۔ یوں یہ تقریب سعید بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ احباب کو بعد از سا

راہ نورد

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے ایک سوال

مکرّمی۔

پچھلے دنوں آپ کا ایک مضمون "اسلامی ریاست کے بنیادی اصول" روزنامہ "نوائے وقت" میں بالاقساط شائع ہوا۔ معلوم نہیں یہ آپ کا کوئی تازہ مقالہ ہے یا کسی گذشتہ مضمون کو اخبار نے دوبارہ شائع کیا ہے۔ اسی مضمون کی قسط دوم مطبوعہ ۲۶ فروری ۱۹۷۹ء میں آپ نے اسلامی ریاست کا آٹھواں بنیادی اصول یوں بیان فرمایا ہے:۔

"اسلامی ریاست کا آٹھواں بنیادی اصول یہ ہے کہ اس میں لوگوں کو جان و مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت دی جائے گی اور وہ کسی شخص یا گروہ کی طرف سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کی طرف سے دی جائے گی۔ اور کسی شہری کی آزادئ نفس اور حرمتِ جان و مال و آبرو پر جائز قانونی وجوہ کے سوا اور کسی وجہ سے ہاتھ نہ ڈالا جائے گا۔ اس دستوری قاعدے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

ترجمہ:۔ "جس شخص نے وہ نماز ادا کی جو ہم نے ادا کی اس قبلہ کی طرف رُخ کیا جس طرف ہم رُخ کرتے ہیں اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ذمہ میں اس کے ساتھ دغا بازی نہ کرو۔"

اس کے صاف یہ معنے ہیں کہ اسلامی حکومت میں شہریوں کو بنیادی حقوق کی جو ضمانت دی جاتی ہے وہ دراصل خدا اور رسول کی طرف سے نیابتاً دی جاتی ہے اور اگر کوئی حکومت یہ ضمانت دینے کے بعد قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے طریقے پر شہریوں کے اس حق کو چھینے تو وہ دراصل خدا کے ساتھ دغا بازی کی مجرم ہے۔ ایک دوسری حدیث یہ ہے:۔

"پس ان کے جان و مال ہم پر حرام ہیں الّا یہ کہ جان و مال ہی کا کوئی حق ان پر قائم ہو اور ان سے باطن کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔" اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت اگر کسی کو تحفظ کے اس حق سے محروم کرے گی تو حق کی بناء پر ایسا کرے گی اور وہ لوگوں کے باطن کا حساب اپنے ہاتھ میں نہ لے گی اسے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے گی اس کا معاملہ لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہری حال کے لحاظ سے ہوگا۔"

(نوائے وقت راولپنڈی مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۷۹ء صـ۳)

مندرجہ بالا اقتباس کی رُو سے آپ نے اس طرح اسلامی ریاست کا آٹھواں بنیادی اصول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ سے اخذ کیا ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ پہلی حدیث شریف میں آپ نے جس حق کی ضمانت کا ذکر فرمایا ہے وہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تعریف بھی بیان فرمائی ہے۔ یہی حدیث شریف جماعتِ احمدیہ لاہور کی مرکزی مسجد کے باہر پیشانی پر جلی حروف میں لکھی ہوئی تھی۔ اس کے دوسرے طرف رضینا باللہ ربّاً و بالاسلام دیناً و بمحمد نبیّاً بھی لکھا تھا۔ اس جماعت کے اراکین احادیث شریفہ متذکرہ بالا میں بیان کردہ ان تمام نشانوں کی تصدیق کرتے ہیں جو کسی کو فذالك المسلم له ذمة الله وذمة الرسول کی حدود میں لاکر خدا اور رسول کی حفاظت میں دے دیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ نے اسلامی ریاست کا آٹھواں اصول بیان فرماتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"اگر کوئی حکومت یہ ضمانت دینے کے بعد قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے طریقے پر شہریوں کے اس حق کو چھینے تو وہ دراصل خدا کے ساتھ دغا بازی کی مجرم ہے۔"

اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"اسلامی ریاست میں......... لوگوں کو جان و مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت......... کسی شخص یا گروہ کی طرف سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کی طرف سے دی جائے گی اور کسی شہری کی آزادئ نفس اور حرمتِ جان و مال و آبرو پر جائز قانونی وجوہ کے سوا اور کسی وجہ سے ہاتھ نہ ڈالا جائے گا۔"

ان مندرجہ بالاصاف عبارتوں کے ہوتے ہوئے آپ نے ایک عالمِ دین ہونے کی حیثیت میں ۱۹۷۴ء میں حکومتِ وقت کو اس خیانت سے کیوں نہ روکا جو وہ جماعتِ احمدیہ لاہور کے اراکین کو غیر مسلم قرار دے کر کر رہی تھی اور ان سے ان کا سب سے بڑا شرف جو جان و مال سے بھی زیادہ قیمتی ہے چھین رہی تھی اور آپ نہ صرف دیکھ رہے تھے بلکہ آپ تو ان لوگوں کے اس عمل کی پرزور تائید فرما رہے تھے۔ کیا اس وقت یہ احادیث شریفہ آپ کی نظر میں نہ تھیں؟ اگر کہا جائے کہ احمدیوں نے جو احادیث شریفہ اپنی مسجد کی محراب پر لکھ رکھی ہیں دراصل وہ ان کا باطنی عقیدہ نہیں۔ تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"اُن سے باطن کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے......... اسلامی حکومت لوگوں کے باطن کا حساب اپنے ہاتھ میں نہ لے گی اسے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے گی۔ اس کا معاملہ لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہری حال کے لحاظ سے ہی ہوگا۔"

الحمد للہ احمدیوں کا باطناً بھی وہی عقیدہ ہے جو ظاہراً ہے۔ لیکن آپ کو کسی اسلامی حکومت کو مندرجہ بالا اصول کی روشنی میں باطن کے محاسبہ کا حق نہیں۔ اگر کہا جائے کہ حکومت کو جائز قانونی وجوہ کی بناء پر ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اس استثناء کی موجودگی میں حکومت نے ایسا کیا ہے۔ تو عرض ہے کہ یہ قانونی استثناء بھی تو شریعت کی حدود کے اندر ہی ہوگا نہ کہ اس سے باہر۔ لیکن یہ بھی سوچئے کہ جو حدیث شریف آپ نے درج فرمائی ہے اس میں بیان کردہ ظاہری علامتیں جن سے کسی مسلمان کی شناخت ہو سکتی ہے ان میں آپ کی محولہ بالا استثنائی صورت تو کہیں بھی درج نہیں۔

مزید برآں اگر مزعومہ قانونی وجوہ کا استثناء کوئی حیثیت رکھتا ہے تو وہ قانونی وجوہ شریعت کی بیان کردہ ہونی چاہیئے نا کہ کسی لادینی افکار و استدلال کی جو دنیاوی سیاسی ضروریات یا معاشی گروہی حرص و آز کی خاطر اور مخصوص مادی مفادات کی ترویج اور بعض لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے وضع کر لی گئی ہوں۔

ہم نے آپ کا ۱۹۵۳ء کا جاری کردہ رسالہ بھی پڑھا ہے جس میں آپ وہ وجوہ گنواتے ہیں جو احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کو آپ کافی سمجھتے ہیں لیکن ان میں شرعی بنیادوں پر تو کوئی ایسی وجہ آپ نے بیان نہیں فرمائی جو لاہور احمدیہ جماعت کو غیر مسلم قرار دے سکے۔ اس لئے جماعتِ احمدیہ لاہور کے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے آپ کو شریعت میں بیان کردہ وہ "جائز قانونی وجوہ" جن کی بناء پر ان سے ان کا ناموسِ اسلام اور شرفِ اسلامیت چھینا گیا ہے ضرور بتانا چاہیے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے جس اساس پر احمدیوں کو غیر مسلم قرار

دلوایا ہے وہ شریعت اسلامیہ میں کہیں موجود نہیں تو پھر آپ خود کہیں کہ وہ ضمانتیں جو آپ نے خود اللہ اور رسول کی عطا کردہ بیان فرمائی ہیں اسے توڑ کر حکومت وقت بقول آپ کے "در اصل خدا کے ساتھ دغابازی کی مجرم" ہوئی یا نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ کسی شخص کو غیر مسلم صرف دو ہی باتوں سے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ ابتدا ہی غیر مسلم ہو یعنی غیر مسلم پیدا ہو اور اس نے کبھی اسلام قبول نہ کیا ہو اور اپنے آپ کو غیر مسلم سمجھتا ہو اور کہتا ہو۔ اور دوسرے وہ جو مسلمان پیدا ہو کر شامت اعمال سے خود اعلانیہ مرتد ہو کر اسلام کو ترک کر دے اور کہے کہ میں نے اسلام ترک کر دیا ہے۔ پہلی قسم میں تمام کفار۔ ہنود۔ یہود۔ نصرانی اور مشرکین یا اسی قبیل کے دوسرے لوگ آتے ہیں اور دوسری قسم میں حسین علی نوری اور اسی طرح کے دیگر مدعیوں کو ماننے والے آتے ہیں جنہوں نے اعلانیہ شریعت اسلامیہ کو ترک کر کے اپنے لئے اعلانیہ نئی راہ کو اختیار کر لیا اور امت محمدیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور صاف صاف کہہ دیا کہ نعوذ باللہ شریعت محمدیہ اسلامیہ اب منسوخ ہے اور کسی شریعت جدیدہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔

احمدی نہ تو پہلی قسم میں آتے ہیں اور نہ ہی دوسری قسم میں۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں کہیں یہ نہیں دکھا سکتے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اسلام سے آزاد لکھا ہو یا کسی شریعت جدید لانے کا دعوےٰ کیا ہو یا اسلام کے متفق عقائد سے انحراف کیا ہو۔ آپ کو خود اس کا علم ہے۔ کسی مسلمان کے لئے جو خدا تعالیٰ کی خاطر حق و انصاف کا ساتھ دینے کا مدعی ہو دوسرے مسلمان کا اعلان اور عمل اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کو کافی ہونا چاہیئے۔ تحریروں کو سیاق و سباق سے توڑ کر اور من مانی تاویل اور اور خود ساختہ معانی پہنا کر دوسرے کو ملزم کرنے کی شکایت تو آپ کو بھی اپنے مخالفوں سے ہے اور آپ خود شاکی ہیں کہ لوگ آپ کی طرف، وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو آپ کی تحریرات کا مفہوم نہیں ہوتیں۔ پھر آپ کو احمدیوں سے بھی اسی طرح وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو آپ دوسروں سے اپنے بارے میں چاہتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ شریعت ایک انسان سے مسلمان ہونے کے لئے کیا تقاضا کرتی ہے۔ مجھے اس بارے میں آپ کو کچھ تفصیلات بتانے کی ضرورت تو نہیں لیکن محض یادداشت کی تازگی کے لئے ایک حدیث شریف کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا:—

> "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ:—
>
> ما نجاۃ ھذا الامر" یعنی اس میں بچاؤ کی کیا صورت ہے تو آپ نے فرمایا ہے:—
>
> "من قبلہ منی الکلمۃ التی عرضت علیٰ عمی فردھا فھی لہ نجات۔"
>
> (رواہ احمد۔ مشکوٰۃ)
>
> یعنی جس شخص نے مجھ سے وہ کلمہ قبول کیا جو میں نے اپنے چچا (ابو طالب) پر پیش کیا تھا اور انہوں نے اسے نہیں مانا تھا تو وہی اس کے لئے بچاؤ ہے۔

جناب قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دار العلوم دیوبند نے اسی حدیث شریف اپنے رسالہ "کلمہ طیبہ" میں نقل فرما کر لکھا ہے:—

> "اس حدیث میں کلمہ کا لفظ مجمل ہے جس کا مصداق مذکور نہیں گو مشہور اور ذہنوں میں متعارف ہے۔ اس لئے یہاں یہ اجمال کافی سمجھا گیا۔ زہری کی روایت میں اس اجمال کی تفصیل بھی دے دی گئی ہے
> مذکور ہے یعنی کلمہ کے معنی صدیق اکبرؓ ہی سے شہادت ان لا الٰہ الا اللہ کے مروی ہیں۔ یعنی لفظ کلمہ سے کلمہ طیبہ مراد ہے۔" (کنز الاعمال)
>
> (رسالہ کلمہ طیبہ۔ صفحہ ۵۹)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ جناب ابو طالب کو اس دعوت سے پیش کیا کہ وہ اس کو قبول فرمائیں۔ ابو طالب نے اس حدیث بیان کردہ مضمون کے مطابق قبول نہ کیا۔ حضور فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی اس کلمہ کو قبول کرلے وہ حضور کے نزدیک محفوظ اور نجات یافتہ ہے۔ قاری طیب کہتے ہیں کہ یہاں کلمہ سے مراد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی جو اس کلمہ طیبہ کو قبول کرتا ہے وہ مسلمان ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اب اس سے زیادہ صاف اور مختصر بات کیا ہو سکتی ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اس کلمہ کے قبول و استرداد کو معیار نجات یعنی فارق بین الاسلام والکفر قرار دیدیا ہے؟

کیا **احمدی** اس کلمہ کو قبول نہیں کرتے؟ آپ صاحب علم ہیں۔ عمر کا بیشتر حصہ آپ نے دین کے سیکھنے یا سکھانے میں خرچ کیا ہے۔ یہ نہیں سکتا کہ آپ اوپر درج شدہ حدیث شریف کو نہ جانتے ہوں۔ اس کے علاوہ بھی دیگر متعدد احادیث شریفہ سے آپ کو شناسائی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے موقف سے بھی آپ ضرور واقف ہوں گے۔ ایسی حالت میں کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ جو ضمانت آپ کے بیان کردہ اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے آٹھویں اصول میں شہریوں کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا ہوئی ہے اور جسے احمدیوں سے ستمبر ۱۹۷۴ء سے ساقط کر دیا گیا ہے اسے جماعت احمدیہ لاہور کی حد تک بحال کیا جائے گو اصولاً جماعت احمدیہ ربوہ بھی اگر حضرت مسیح موعود کی ذات پر ایمان لانے کو کفر و اسلام کا معیار قرار نہ دے تو اس ضمانت سے متمتع ہونے کا حق رکھتی ہے۔

آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو احمدیہ جماعت لاہور کے عقائد اور موقف کا علم نہیں۔ میں آپ کو آپ کے اس خط کا حوالہ دوں گا جو آپ نے بحوالہ ۱۸۲ مورخہ ۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ کو دار السلام پٹھانکوٹ پنجاب سے لکھا تھا۔ یہ خط بہت طویل ہے جس میں اور امور کے علاوہ آپ نے جماعت احمدیہ کے بارے میں بھی بعض باتیں رقم فرمائی تھیں۔ اس کا متعلقہ حصہ تازگی یادداشت کے لئے میں نقل کئے دیتا ہوں:—

> "تکفیر کے متعلق آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے بہت زیادہ میں خود اس سے پہلے لکھ چکا ہوں۔ آپ نے چونکہ ترجمان القرآن اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا اس لئے آپ کو میرے خیالات کا پوری طرح علم نہیں۔ اگر ابتداء سے یہ پرچہ آپ کے زیر مطالعہ ہوتا تو شاید تکفیر ہی کے متعلق نہیں بلکہ دوسرے مسائل کے متعلق بھی، جن کا آپ نے ذکر کیا ہے آپ کو کسی چیز کے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو جاتا کہ میری پالیسی کیا ہے۔
>
> مرزا غلام احمد صاحب کے متبعین میں قادیانیوں اور احمدیوں کو میں بھی ایک CATEGORY میں نہیں سمجھتا۔ قادیانی گروہ میرے نزدیک فرق اسلامیہ سے خارج ہے۔ مگر احمدی گروہ شمار فرق اسلامیہ ہی میں ہے۔ البتہ اس گروہ کے ساتھ تعاون کرنا یا اس کو ENCOURAGE کرنا میں نامناسب سمجھتا ہوں کیونکہ احمدی ہونے کے بعد انسان قادیانیت سے بہت اقرب ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کے بارے میں دو ہی طرز عمل معقول ہو سکتے ہیں۔ اگر انسان ان کو سچا سمجھے تو نبی مان لے کیونکہ سچے آدمی کا دعوےٰ نبوت جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر انسان ان کے دعویٰ نبوت کو تسلیم نہ کرے تو پھر اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ ان کو ایک

مجدّد ماننا تو درکنار ایک GENTLEMAN بھی نہ سمجھے کیونکہ
اتنے بڑے جعل کا جو شخص مرتکب ہو اس کو کسی عزت کا مقام
نہیں دیا جا سکتا۔ احمدی حضرات نے بیچ کی جو پوزیشن اختیار کی
ہے وہ UNTENABLE ہے۔ مجدّد اور مہدی موعود جو شخص
کسی کو تسلیم کرتا ہو وہ بہر حال اس کی تصدیق و تکریم کی طرف مائل
ہوگا اور پھر جب وہ اسی مجدّد و مہدی کی ناقابلِ تاویل تحریروں
میں نبوت اور نزول وحی کا دعوے پائے گا تو اس کے لئے قادیانیت
سے ادھر کوئی مقام ٹھہرنے کے قابل نہ ملے گا۔

(احمدی) حضرات میں جو تعلیمیافتہ حضرات اس غیر معقول
[illegible] نبوت مرزا کا انکار کرتے ہیں یا بدرجہ اخص ان
کے دماغ میں کوئی خلل ہے کہ اپنی متعارض حیثیت کا ان کو شعور نہیں۔
بہر حال اسلام کی تائید میں وہ جو کچھ کام کر رہے ہیں اس کی قدر کرنے
کے باوجود ہمارے نزدیک مصلحت یہی ہے کہ ان کو ENCOURAGE نہ کریں کیونکہ یہ بالواسطہ قادیانیت کی اعانت ہے"

خط کا جو حصہ اوپر نقل کیا گیا ہے وہ بہت واضح ہے اس میں آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کے عقیدہ درباره حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو بھی اپنا نقطہ نظر بیان فرمایا اس سے قطع نظر جو شرعی صورت حال بیان فرمائی ہیں میں نے اس کے نیچے خط کھینچ دیا ہے تاکہ مسئلہ زیر بحث پر آپ کی توجہ مبذول کروا سکوں۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ:۔

"احمدی گروہ کا شمار فرق اسلامیہ ہی میں ہے"

اور پھر بقول آپ کے احمدی تعلیمیافتہ حضرات کی "غیر معقول پوزیشن" کے باوجود جو وہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کے بارے میں اختیار کئے ہوئے ہیں آپ

"ان کے متعلق .... کوئی شرعی فتوے تو نہیں
لگا سکتے کیونکہ وہ نبوت مرزا کے منکر ہیں۔"

اس کا مفہوم تو میں جہاں تک سمجھا ہوں یہی ہے کہ شرعًا احمدی مسلمان ہیں اور انہیں فرق اسلامیہ سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ تبھی کہہ سکتے تھے جب آپ ان کے موقف کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ کیونکہ کوئی رائے چاہے موافق ہو یا مخالف ہو تبھی دی جا سکتی ہے جب کہ رائے دیئے جانے والے کے موقف کو پہلے سمجھنے کی سعی کی گئی ہو۔

اب میری گذارش مختصراً صرف یہ ہے کہ کیا آپ نے اس خط میں بیان کردہ موقف اور مضمون میں بیان کردہ اسلامی ریاست کے آٹھویں اصول والی ضمانت کی روشنی میں آپ احمدیہ جماعت لاہور کے اراکین کو مسلمانوں کا حصہ قرار دیں گے؟ اور آئین کی وہ دفعہ جس میں انہیں غیر مسلموں میں شمار کیا گیا ہے اسے خلافِ اسلام سمجھیں گے؟ کیونکہ وہ اس بنیادی ضمانت کی نقیض ہے جو کسی شخص یا گروہ کی طرف سے نہیں بلکہ خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اسلامی ریاست کے شہریوں کو عطا ہوئی ہے جسے قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے طریق سے چھین کر جس حکومت نے بھی ایسا کیا ہے وہ آپ ہی کی تحریر کی رُو سے دغابازی کی مجرم ہوئی ہے۔ اس لئے کہ قانونِ الٰہی کی پوزیشن تو آپ نے خود بیان فرما دی ہے کہ احمدیوں کے خلاف شرعی فتوے نہیں لگ سکتا اور شرعی فتوے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے پر شہریوں کے اس حق کا چھیننا آپ کے کہنے کے مطابق دراصل خدا کے ساتھ دغابازی کے جرم کا ارتکاب ہے۔

اس خط میں جو باتیں آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کے موقف کے بارے میں رقم فرمائی ہیں وہ ہرگز درست نہیں۔ نہ تو ہم اپنی کسی سابقہ غلطی کو نباہ رہے

ہیں کیونکہ ہم لوگوں نے مسیح موعودؑ کو مان کر کوئی غلطی نہیں کی بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی فرمانبرداری ہی کی ہے اور یوں ہم حضورؐ کی ایک عظیم پیشگوئی کے پورا ہو جانے کے گواہ ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی سخن پروری کی ضرورت نہیں ہے نہ آپ کو ایسی تہمت طرازی زیب دیتی ہے۔ اور نہ ہی ہم کسی RESERVATION OF MIND کے ساتھ نبوت مرزا کے انکاری ہیں کیونکہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نبوت کا دعوے ہی نہیں کیا تو تحفظ ذہنی کے ساتھ کسی ایسے دعوے کا انکار کیسا۔

رہا خلل دماغ کا عارضہ تو ہماری دعا ہے کہ ایسا عارضہ تمام مسلمانوں کو لاحق ہو تا وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو دیوانہ وار زمین کے کناروں تک

رہا آپ کا یہ کہنا کہ احمدی حضرات کی بیچ کی راہ اختیار کردہ پوزیشن آپ کے نزدیک UNTENABLE ہے تو خدارا یہ تو بتا دیجئے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اتہام اور ادعا کے باوجود کہ مسیح علیہ السلام نے نعوذ باللہ خدا کا بیٹا ہونے کا دعوے کیا تھا مسلمانوں کی بیچ کی پوزیشن کہ وہ خدا کے سچے رسول تھے TENABLE ہے یا نہیں؟ کیونکہ دونوں عیسائی اور یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال سے ہی جناب مسیح کے اس دعوے پر استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو ابن اللہ کہا تھا۔ وہ اقوال بھی ان کے نزدیک اتنے ہی واضح ہوں گے جس قدر کہ آپ کو احباب ربوہ کو حضرت مسیح موعود کے اقوال واضح نظر آتے ہیں۔ اگر اس کے علی الرغم مسلمانوں کی بیچ کی پوزیشن جناب مسیح کے بارے میں TENABLE ہے تو پھر احمدیہ جماعت لاہور کی "بیچ کی پوزیشن" بھی حضرت مسیح موعودؑ کے بارے میں TENABLE ہے۔ میری تو دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو ان دونوں انتہائی پوزیشنوں سے بچائے جو آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کو یا تو نبی ماننے یا ایک جنٹلمین بھی نہ ماننے کی بیان کرکے اپنے لئے تجویز فرمائی ہیں کیونکہ ایک پوزیشن کو [illegible]
کو مغضوب کرے۔

بہر حال یہ تو مختصراً اس افسوسناک استدلال اور اتہام کے بارے میں جوابًا وضاحت تھی جو آپ نے اپنے خط میں جماعت احمدیہ لاہور کے موقف کے بارے میں اختیار کیا اور بیان فرمایا تھا۔ میرا مقصد یہاں صرف اس سوال سے ہے جو آپ کے اسلامی ریاست کے بارے میں بیان کردہ اصولوں میں سے آٹھویں اصول میں عطا کردہ بنیادی حقوق کے انطباق اور خط میں بیان کردہ شرعی حیثیت کے تعین سے پیدا ہوتا ہے۔

کیا آپ آخرت کی جوابدہی سے پہلے اس سچی گواہی کو ادا کریں گے کہ احمدیہ جماعت لاہور کے اراکین آپ کے خط میں بیان کردہ شرعی حیثیت کے تعین کی روشنی میں مسلمان ہیں۔ اور چونکہ ان پر کفر کا شرعی فتوے نہیں لگ سکتا اس لئے اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے آٹھویں اصول کے تحت کسی حکومت کو اختیار نہیں کہ وہ خدا اور رسول کی عطا کردہ اس ضمانت کو اسلامی ریاست کے ان شہریوں سے چھین لے جو اپنے آپ کو لاہور جماعت احمدیہ کا رکن کہتے اور عرف عام میں لاہوری احمدی کہلاتے ہیں؟

یا آپ اس مصلحت کے تحت جو آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کو باوجود اسکے اسلامی خدمات کے بجا لانے کے ENCOURAGE نہ کرنے کی بیان فرمائی ہے خاموش رہیں گے۔؟ اگر آپ خاموش رہے تو یہ نہایت بڑا ظلم ہوگا اور مجھے یہی ڈر ہے کہ آپ خاموش رہیں گے۔ ؎

شہرہ تیری معصوم نگاہی کا بہت ہے
الزام تو آنا ہے ہمیں بے ادبوں پر

منتظر جواب۔ راہ نورد

از قلم جناب علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

کیا قرآن کریم مُرتد کو قتل کا سزاوار قرار دیتا ہے یا اُسے زندہ رہنے کا حق دیتا ہے؟

(قسط اوّل)

قرآن کریم کی شان } (سُورۃ المائدہ ۱ع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:—

" الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔"

ترجمہ: آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے یعنی تمام وہ باتیں جن کا حق اور باطل کے ساتھ تعلق ہے جن کا نیکی اور بدی سے تعلق ہے یا جن کا مذہبی امور سے تعلق ہے وہ سب کھول کر بیان کر دی ہیں۔

چنانچہ سورۃ ھود ۱ع میں پہلی آیت میں ہی فرماتا ہے:—

" الٓرٰ کتٰب اُحکمت اٰیٰتہٗ ثمّ فصّلت من لدن حکیم خبیر"

ترجمہ: "یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں اپنے مطالب کے بیان کرنے میں نہایت ہی محکم ہیں۔ پھر اس خبیر خدا کی طرف سے اس میں ہر بات تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے۔"

پھر سورۃ الانعام ۴ع میں فرماتا ہے:—

" ما فرطنا فی الکتٰب من شیٔ"

ترجمہ: ہم نے اس کتاب میں کسی ضروری امر کے بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔"

پھر قرآن کریم اپنے متعلق کہتا ہے کہ اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں لازماً اختلاف پایا جاتا اب یہ تو ناممکن ہے کہ ایک طرف تو اس کی آیات مرتد کو واجب القتل قرار دیں تو دوسری طرف وہ آیتیں پیش کرے جن میں اس کے زندہ رہنے کا ثبوت ملتا ہو۔ ذیل میں ان آیات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنے والے شخص کے متعلق صریح فتوے موجود ہے کہ وہ زندہ رہے گا اور مسلمانوں کی ترقی کو دیکھے گا۔ ہاں روحانی سزا جو اس کے کُفر کا لازمی نتیجہ ہے اسے وہ ضرور بھگتے گا۔

پہلی آیت اور مدینہ کے یہُود کا منصُوبہ } مدینہ کے یہود نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

" وقالت طآئفۃ من اھل الکتٰب اٰمنوا بالذی اُنزل علی الذین اٰمنوا وجہ النھار واکفروا اٰخرہٗ لعلھم یرجعون۔"

(سورۃ آل عمران ۸ع)

ترجمہ: "یعنی اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اپنے ماننے والوں سے کہا کہ اس چیز پر دن کے پہلے حصہ میں ایمان لے آؤ جو مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے اور آخری حصہ میں اس سے پھر جاؤ یعنی اس کا انکار کر دو تاکہ وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اسلام کو چھوڑ کر اپنے پہلے مذہب کی طرف واپس آ جائیں۔"

اس منصوبے کے بنانے والوں کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک قرآن کریم میں مرتد کے متعلق کوئی ایسا حکم نہیں تھا کہ اسلام سے پھرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر قرآن کریم میں اگر کوئی ایسا محکم حکم ہوتا تو مدینہ کے یہود ایسا منصوبہ کیسے عمل میں لا سکتے تھے دوسروں کو اسلام سے برگشتہ کرنا تو کجا وہ خود ایسا منصوبہ بناتے ہی اور اسکو عملی جامہ پہناتے ہی اس دُنیا سے رُخصت کر دیئے جاتے اور ان کا اپنا نام و نشان مٹ جاتا۔ یہ منصُوبہ بتلا رہا ہے کہ نہ تو قرآن کریم میں کہیں مرتد کو قتل کر دینے کا حکم تھا اور نہ ہی حضرت نبی کریم صلعم کے عمل میں اس کا کوئی نشان ملتا تھا۔ اگر قرآن کریم میں ایسا حکم ہوتا یا حضرت نبی کریم صلعم کے عمل میں ایسا آرہا ہوتا تو یہ یہود ایسا منصوبہ بنا ہی کس طرح سکتے تھے اور ان کو یہ جُرأت ہی کیسے ہو سکتی تھی کہ ایسے منصُوبہ کے ذریعہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو قرآن کریم میں مرتد کو قتل کرنے کا محکم حکم تھا اور نہ حضرت نبی کریم صلعم نے کسی مرتد کو عملاً قتل کیا تھا۔ پس اس زمانہ میں جو یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مرتد کو قتل کر دیا جائے۔ اس کی قطعاً کوئی بنیاد نہیں ہے۔

دوسری آیت } (البقرہ ۔ ع۲۷) کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کرو " ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہٖ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ و اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون۔

ترجمہ: "اے مسلمانو! یہ تمہارے مخالفین تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین یعنے اسلام سے برگشتہ کر دیں اور اس کے چھوڑنے پر تمہیں مجبور کر دیں۔ اگر ان کے اندر اس کی طاقت ہو یعنے تمہارا پختہ ایمان ان کے اس ارادے کو عملی شکل دینے کی راہ میں روک بن کر کھڑا ہوا ہے لیکن اے مسلمانو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین یعنے اسلام سے مرتد ہو جائے گا تو یاد رکھو کہ ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں یعنے دونوں جگہوں میں ضائع ہو جائیں گے۔ یعنے ایسے لوگ ان کا کوئی اجر نہیں پائیں گے ایسے لوگ دوزخی ہوں گے اور دوزخ میں ہی رہیں گے۔"

یہ آیت بھی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کے زمانہ کے یہُود، عیسائی اور کفار مکہ سب ہی یہ کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیں۔ کر کے اسلام چھوڑنے پر مجبُور کر دیں۔ اپنے اس شیطانی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دلائل سے کام نہیں لے رہے تھے۔ بلکہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر اپنی تلوار کو اس کا ذریعہ بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کے پختہ ایمان ان کے راستے میں روک بنے ہوئے تھے۔ باوجود اس کے قرآن کریم مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر تم اپنے مخالفین کے قریب میں آ کر ان سے ڈر کر یا اپنی جانوں کو خطرہ میں محسوس کر کے اسلام کو چھوڑ کر ارتداد کو اختیار کر لو گے تو فرماتا ہے کہ یہ نہیں کہ ہم مسلمان ایسے اسلام سے ارتداد کرنے والوں کو قتل کر دیں گے بلکہ ان کو خدا تعالےٰ کے سپُرد کر دیں گے جو سلوک وہ ان سے کرنا چاہے گا وہ کرے گا۔ بہرحال گمراہی اختیار کرنے کے نتیجہ میں جو اعمال مسلمان ہونے کی حالت میں انہوں نے کئے ہوں گے وہ سب ضائع ہو جائیں گے۔ ان کا کوئی اجر ان کو نہیں ملے گا۔ وہ بجائے جنت میں جانے کے دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور اسی میں وہ اس وقت تک رہیں گے جس وقت تک اس میں رہنا ان کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔ کیا یہ آیت بھی صاف اس پر دلالت نہیں کرتی کہ اسلام سے ارتداد اختیار کرنے والے کی سزا قتل ہرگز نہیں۔

تیسری آیت } (آل عمران ۔ رکوع ۹):— " کیف یھدی اللہ قوماً کفروا

بعد ایمانهم وشهدوا ان الرسول حق وجاءهم البینٰت والله لا یهدی القوم الظٰلمین
اولٰئك جزاؤهم ان علیهم لعنة الله والملٰئكة
والناس اجمعین خالدین فیها لا یخفف عنهم العذاب
ولا هم ینظرون الا الذین تابوا من بعد ذالك
واصلحوا فان الله غفور رحیم ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کس طرح ہدایت دے سکتا ہے ان لوگوں کو جنہوں نے ایمان لے آنے کے بعد کفر اختیار کیا حالانکہ انہوں نے شاہد کر لیا تھا کہ رسول حق ہے اور اس کے حق ہونے پر بیّنات بھی ان کے پاس آ گئے تھے ۔ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت کے راستے پر گامزن نہیں کرتا (کیونکہ ان کا یہ عمل ان کو ہدایت کی راہ پر آنے سے روک رہا ہے) آگے فرماتا ہے کہ ان کی سزا قتل نہیں بلکہ ان کی سزا یہ ہے کہ روحانی طور پر ان پر اللہ فرشتوں اور تمام اہل اللہ کی لعنت پڑتی رہے گی اور اس لعنت میں ہی رہیں گے لیکن یہ عذاب لعنت کا ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کو کسی قسم کی ڈھیل ملے گی ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں گے یعنی ارتداد اختیار کرنے سے توبہ کر لیں گے اور پھر اسلام کی طرف واپس آ جائیں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے توبہ کرنے والوں کے لئے غفور رحیم ہے ۔

یہ آیت بھی صاف بتلا رہی ہے کہ نہ اللہ ان کو قتل کرنے کا حکم دے رہا ہے اور نہ رسول کریم صلعم ان کو قتل کرنے پر آمادہ تھے وہی روحانی سزا جو گمراہ لوگوں کو ملتی ہے وہی ان کو ملے گی ۔ یعنی اللہ فرشتوں اور اہل اللہ کی لعنت ۔ البتہ اپنی گمراہی کو چھوڑ کر پھر وہ اگر اسلام کی طرف آ جائیں اور اپنے نفس کی اصلاح کر لیں تو اس روحانی عمل کا جو روحانی نتیجہ ملنا انسان کے لئے مقدر ہے وہ انہیں لازماً مل جائے گا یعنی خدا کی مغفرت اور ان کی رحمت کے دروازے ان کے لئے کھل جائیں گے ۔

اب ہر عقلمند غور کرے کہ اگر ارتداد کے نتیجہ میں اس کو قتل کر دیا ہوتا تو اس کے لئے توبہ کا کونسا موقعہ ہو سکتا تھا وہ تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کو لے کر اس دنیا رخصت کر دیئے گئے ہوتے ۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ ارتداد اختیار کرنے والے کے لئے اسلام میں قتل کی سزا ہرگز نہیں ۔ بلکہ اس کو زندہ رہنے کا موقعہ دیا جاتا ہے ۔

چوتھی آیت } (آل عمران ۔ ع ۹) : ـــــ ان الذین کفروا
بعد ایمانهم ثم ازدادوا كفرا لن
تقبل توبتهم واولٰئك هم الضالون ان الذین
كفروا وماتوا وهم كفار فلن یقبل من احدهم
ملء الارض ذهبا ولو افتدی به اولٰئك لهم
عذاب الیم وما لهم من نٰصرین ۔

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد اس کو چھوڑ کر پھر کفر اختیار پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہو گی ۔ کیونکہ ایسے لوگ ضلالت میں یعنی گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور ایسے کفر کو اختیار کرنے والے کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں ۔ پس ان میں سے کوئی بھی اگر زمین سے بھرا ہوا سونا بھی سزا سے بچنے کے لئے پیش کرے گا تو اس کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہو گا اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہو گا ۔

یہ آیت بھی بصراحت دلالت کر رہی ہے کہ کسی مرتد کو نہ قرآن قتل کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرتد کو قتل کیا کرتے تھے بلکہ ہر مرتد کو موت تک اسے آزاد چھوڑے رکھا جاتا تھا ۔ یہاں تک کہ موت ہی اس کی روح کو اس کے جسم سے الگ کرتی تھی ۔

پانچویں آیت ـ (آل عمران ـ ع ۱۱) : ـــــ

" یوم تبیض وجوه وتسود وجوه فاما الذین اسودت وجوههم اكفرتم بعد ایمانكم فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون واما الذین ابیضت وجوههم ففی رحمة الله هم فیها خالدون "

ترجمہ: قیامت کے روز انسان دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے ۔ ایک جن کے چہرے چمکتے ہوئے روشن ہوں گے اور ایک وہ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ۔ پس وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے انکو (ایک طبقے) کو کہا جائے گا کہ کیا تم وہی لوگ نہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد ایمان کو ترک کر دیا اور اس کی جگہ کفر کو دوبارہ اختیار کر لیا تھا پس آج اس کفر کے اختیار کرنے کی وجہ سے وہ عذاب چکھو جو ایسے کافروں کے لئے مقرر کیا ہوا ہے اور ان کے مقابل میں وہ لوگ جن کے چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں رہ رہے ہوں گے ۔

چھٹی آیت } (آل عمران ـ ع ۱۶) : ـــــ
" یایها الذین امنوا ان تطیعوا الذین كفروا یردوكم علیٰ اعقابكم فتنقلبوا خٰسرین بل الله مولٰكم وهو خیر النٰصرین "

ترجمہ: اے مومنو! اگر تم کفر اختیار کرنے والے لوگوں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر تمہیں واپس کر دیں گے ۔ یعنی اسلام سے برگشتہ کر کے پھر تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں گے ۔ پس یاد رکھو اس لوٹ جانے کے نتیجہ میں تم خسارہ کا شکار ہو جاؤ گے ۔ یاد رکھو موجودہ اسلام کی حالت میں تمہارا مولا خدا ہے اور وہ بہترین تمہاری نصرت کرنے والا ہے ۔

دیکھو اس آیت میں بھی یہ نہیں کہا کہ مرتد ہونے کی صورت میں تم قتل کے مستحق ہو گے بلکہ بتایا تو یہ بتایا کہ خدا کی مدد اور اس کی نصرت سے محروم ہو جاؤ گے اور اس وجہ سے تمہاری زندگی بجائے خسارہ میں گرتی چلی جائے گی ۔

ساتویں آیت } (سورۃ النساء ع ۲۰)
" ان الذین امنوا ثم كفروا ثم امنوا ثم كفروا ثم ازدادوا كفرا لم یكن الله لیغفر لهم ولا لیهدیهم سبیلا بشر المنٰفقین بان لهم عذابا الیما الذین یتخذون الكٰفرین اولیاء من دون المؤمنین ایبتغون عندهم العزة فان العزة لله جمیعا "

عام طور پر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی مسلمان کہلانے والا شخص اگر کفر اختیار کرے تو وہ گردن زدنی ہوتا ہے ۔ لیکن یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ ایک دفعہ کفر کرنا تو کجا اس کو بار بار کفر کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے یہ ایک کھلی کھلی دلیل ہے اس بات پر کہ اسے کفر اختیار کرنے کے نتیجہ میں زندہ ہی رکھا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ کفر کو اختیار کرے دوبارہ یا سہ بارہ کفر کو اختیار کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ مرتد کو قتل ہرگز نہیں کیا جاتا تھا ۔ ہاں وہ روحانی سزا ہے وہ اسے ملتی ہے یعنی وہ خدا کی مغفرت سے محروم ہو جاتا ہے اور ہدایت کا راستہ اس کے لئے بند ہو جاتا ہے اور کفر اختیار کرنے کے نتیجہ میں یہ لازمی بات ہے کہ ہدایت پانے سے وہ محروم ہو جائے ایسے لوگوں کا نام قرآن شریف میں منافق رکھا ہے اور روحانی طور پر اس کو سزا الیم کا مستحق قرار دیا ہے ۔ ایسے لوگوں کا رجحان مومنوں کی طرف نہیں بلکہ کافروں کی طرف ہو جاتا ہے اور انہی کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں اور انہی سے اپنا مذہبی تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں سے وہ

عزت کے تو اہل ہوتے ہیں لیکن حقیقی عزت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا کے ہاں سے ہی ملتی ہے ۔ اس عزت سے جو خدا کی طرف سے ملتی ہے اس سے یہ لوگ محروم ہو جاتے ہیں ۔ پس یہ آیت بھی کھلی دلیل ہے اس بات پر کہ کسی مرتد کو قرآن کریم قتل کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ زندہ رہنے کا حکم ہی دیتا ہے ۔ ہاں کفر کے نتیجہ میں جو روح انسانی پر اثر پڑتا ہے وہ ان کی روح پر بھی لازمی پڑتا ہے ۔

آٹھویں آیت } (سورۃ المائدۃ ۔ ع) :—

"یایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہٗ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ واسعٌ علیمٌ انما ولیکم اللہ ورسولہٗ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ومن یتول اللہ ورسولہٗ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون ۔"

اگر مسلمانوں کا یہ خیال درست ہے کہ اسلام سے ارتداد اختیار کرنے والے کو قتل کر دینے کا حکم قرآن میں ہے تو مقام غور ہے کہ قتل ہونے کے بعد وہ مرتد خدا تعالےٰ کے مندرجہ ذیل وعدوں کا پورا ہونا کس طرح مشاہدہ کر سکتا ہے ۔ قرآن کریم تو اس کے مرتد ہونے کے بعد اور اس کو سزا قتل کو پا لینے کے بعد کس طرح اس کو ایسا موقعہ دے سکتا ہے کہ اس کے قتل کے بعد خدا تعالےٰ نے ایسی قوم اسلام میں داخل کی جس سے خدا بھی محبت کرتا تھا اور وہ خدا سے محبت کرنے والے تھے مومنوں کے لئے انکساری سے پیش آنے والے اور کافروں کے سامنے نہایت ہی مضبوط ایمان ظاہر کرنے والے ہوں گے اللہ کے رستے میں اپنی تمام کوششوں کو خرچ کرنے والے ہوں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے اور نہ ان سے خوف زدہ ہوں گے ۔ اور نہ وہ خدا کے خاص فضلوں کے وارث ہوں گے ۔ اے مسلمانو! یاد رکھو تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور حقیقی مؤمن ہیں جو نمازوں کو قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ ہر وقت خدا کے آگے جھکے رہتے ہیں اور جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کو اور مومنوں کو اپنا دوست بناتا ہے وہی اللہ کی جماعت ہے اور وہی غالب رہیں گے ۔ مسلمانوں میں سے مرتد ہونے والے نہ ان کے دوست ہو سکتے ہیں نہ خدا کی طرف جھکنے والے ہو سکتے ہیں اور نہ وہ اللہ کی جماعت بن سکتے ہیں اور نہ ان کو کافروں سے مل کر غلبہ نصیب ہو سکتا ہے اور نہ وہ خدا کے فضلوں کے وارث ہو سکتے ہیں یہ ساری علامتیں تو انہی کے وجود میں پائی جا سکتی ہیں جو زندہ ہوں، مُردوں کے وجود میں تو یہ علامتیں نہیں پائی جا سکتیں ۔

نویں آیت } (سورہ توبہ ع) :—

"لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃً بانھم کانوا مجرمین ۔"

ترجمہ: عذر تراشی سے کام مت لو تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے ۔ لیکن کفر اختیار کرنے والوں کی سزا یہ نہیں بتلاتی کہ اسے قتل کر دیا جائے ۔ بلکہ ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ہر ایک گروہ کی الگ الگ سزا بتلاتی ہے ایک گروہ کو تو قابل معافی قرار دیا ہے اور ایک کو عذاب کا مستحق قرار دیا ہے قتل کا کسی گروہ کو بھی مستحق قرار نہیں دیا ۔

دسویں آیت } (سورۃ توبہ ۔ ع) :—

اس آیت میں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنے والوں کی سزا قتل ہرگز نہیں بتلائی ۔

ان تمام آیتوں پر ہر شخص جو غور کی نظر ڈالے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن کریم نے کسی آیت میں بھی مرتد کے لئے قتل کا فتوےٰ نہیں دیا بلکہ تمام مرتدین کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے لیکن ان کے لئے روحانی سزا کو مقرر کیا ہے ۔ اور یہ سزا روحانی انہی کی اپنی بے راہ روی کا لازمی نتیجہ ہے ۔ جو شخص غلط راہ اختیار کرے گا وہ لازماً سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا ۔

گیارہویں آیت } (سورۃ النحل ۔ ع ۱۴) :—

"من کفر باللہ من بعد ایمانہٖ الا من اکرہ وقلبہٗ مطمئنٌ بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضبٌ من اللہ ولھم عذابٌ عظیم ذالک بانھم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الاٰخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکٰفرین اولٰئک الذین طبع اللہ علیٰ قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولٰئک ھم الغٰفلون لا جرم انھم فی الاٰخرۃ ھم الخٰسرون ۔"

ترجمہ :۔ "جو شخص ایمان کے بعد کفر اختیار کرتا ہے سوائے اس کے جو مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو لیکن اس کے بالمقابل جو شخص شرح صدر سے کفر اختیار کرتا ہے ایسے لوگوں پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور وہ عذاب عظیم کے مستحق ہوتے ہیں یہ اس لئے کہ ایسے لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ ایسے کفر اختیار کرنے والوں کو ہدایت کے راستے سے محروم کر دیتا ہے ایسے لوگوں کے دلوں پر اور ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیتا ہے ایسے لوگ پھر غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور لامحالہ آخرت میں بھی گھاٹے میں رہتے ہیں ۔"

یہ آیت بھی وضاحت سے بیان کر رہی ہے کہ مرتدین اپنی دنیاوی زندگی کو بہتر بنانے کی غرض سے کفر اختیار کرتے ہیں اگر انہیں یہ پتہ ہو کہ وہ کفر اختیار کرنے سے قتل کر دیئے جائیں گے تو وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا خیال ہی دل میں کیسے لا سکتے ہیں ۔ یہاں بھی جو سزا بتلائی وہ ہدایت کے راستے سے ہی محرومی ہی ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی زندگی غفلت میں گذرے گی اور آخرت میں بھی وہ مناسب سزا پائیں گے ۔

قسط نمبر ۲ میں انشاء اللہ تعالےٰ دوسرے مختلف پہلوؤں سے اس حقیقت پر روشنی ڈالی جائے کہ مرتد کی سزا قتل کا ذکر سارے قرآن میں کہیں نہیں اور یہ کہ قرآن کریم کی آیات کے خلاف اگر کوئی امر پایا جائے تو وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوگا اور نہ وہ اسلام کی تعلیم کا حصہ سمجھا جائے گا ۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ———— مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ———— شمارہ نمبر ۲۴

بشیر احمد شوز صاحب

ناشر دین پرنٹرز تکیہ املی والا آبکاری روڈ لاہور سے باہتمام تاج دین پرنٹر چھپا اور محمد اعظم علی پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸۶

ترجمان احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور
پاکستان

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

مدیر (اعزازی) خلیل الرحمٰن
نائب مدیر عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاکستان و ہندوستان سے ـــــ پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے ـــــ ایک پونڈ
(علاوہ محصولڈاک)

تار کا پتہ
تبلیغ لاہور

فون نمبر ۵۳۷۳۷

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۶ یوم چہارشنبہ ۵ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۷۹ء نمبر ۲۵

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

علامات اولیاء اللہ ـــــ ان کے چہروں پر عشق الٰہی کا نور ہوتا ہے

ان میں ہمدردیٔ خلق کا مادہ بہت بڑھایا جاتا ہے اور بغیر توقع کسی اجر و ثواب کے انتہائی درجہ کا جوش ان میں خلق اللہ کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے

ـــ خدا تعالیٰ کے خالص دوستوں کی یہ علامتیں ہیں کہ ایک خالص محبت ان کو عطا کی جاتی ہے جس کا اندازہ کرنا اس جہان کے لوگوں کا کام نہیں۔

ـــ ان کو خارق عادت استقامت دی جاتی ہے کہ اپنے وقت پر دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے۔

ـــ جب ان کو کوئی بہت ستاتا ہے اور باز نہیں آتا تو ان کے لئے غضب اس ذات قوی کا جو ان کا متولی ہے یکدفعہ بھڑکتا ہے۔

ـــ جب ان سے کوئی دوستی کرتا ہے اور سچی وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس پر ایک خاص رحمت نازل کرتا ہے۔

ـــ جب ان پر کوئی بڑی مصیبت کا وقت آتا ہے تو اس وقت دو طور میں سے ایک طور کا ان سے معاملہ ہوتا ہے یا خوارق عادت طور پر اس مصیبت سے رہائی دی جاتی ہے۔ اور یا ایک ایسا صبر جمیل عطا کیا جاتا ہے جس میں لذت اور سرور اور ذوق ہو۔

ـــ ان کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی کی جاتی ہے جو تکبر اور نخوت اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بخل اور تنگدلی سب دور کی جاتی ہے۔ اور انشراح صدر اور بشاشت عطا کی جاتی ہے۔

ـــ ان میں ہمدردیٔ خلق اللہ کا مادہ بہت بڑھایا جاتا ہے۔ اور بغیر توقع کسی اجر اور بغیر خیال کسی ثواب کے انتہائی درجہ کا جوش ان میں خلق اللہ کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے اور خود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس قدر جوش کس غرض سے ہے کیونکہ یہ امر فطری ہوتا ہے۔

ـــ خدائے تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل وفاداری کا تعلق ہوتا ہے اور ایک عجیب مستی جانفشانی کی ان کے اندر ہوتی ہے۔ اور ان کی روح کو خدائے تعالیٰ کی روح کے ساتھ وفاداری کا ایک راز ہوتا ہے جس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا اس لئے حضرت احدیت میں ان کا ایک مرتبہ ہوتا ہے جس کو خلقت نہیں پہچانتی وہ چیز جو خالص طور پر ان میں زیادہ ہے اور جو سرچشمہ تمام برکات کا ہے۔ اور جس کی وجہ سے یہ ڈوبتے ہوئے پھر نکل آتے ہیں اور موت تک پہنچکر پھر زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور ذلتیں اٹھا کر پھر تاج عزت دکھا دیتے ہیں۔ اور مہجور اور اکیلے ہو کر پھر ناگہاں ایک جماعت کے ساتھ نظر آتے ہیں وہ یہی راز وفاداری ہے جس کے رشتہ محکم کو نہ تلواریں قطع کر سکتی ہیں اور نہ دنیا کا کوئی بلوہ اور خوف اور مفسدہ اس کو ڈھیلا کر سکتا ہے۔ السلام علیہم من اللہ و ملٰئکتہ ومن الصلحاء اجمعین۔

ـــ قرآن کریم کے معارف اور حقائق و لطائف جس قدر ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں دوسرے لوگوں کو ہرگز نہیں دیئے جاتے۔ یہ لوگ وہی مطہرون ہیں جن کے حق میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے لا یمسہ الا المطہرون۔

ـــ ان کی تقریر و تحریر میں اللہ جلشانہ ایک تاثیر رکھ دیتا ہے جو علماء ظاہری کے تحریروں و تقریروں سے نرالی ہوتی ہے۔ اور اس میں ایک ہیبت اور عظمت پائی جاتی ہے اور بشرطیکہ حجاب نہ ہو دلوں کو پکڑ لیتی ہے۔

ـــ ان میں ایک ہیبت بھی ہوتی ہے جو خدائے تعالیٰ کی ہیبت سے [illegible] ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ ایک خاص طور [illegible] ہوتا ہے اور [illegible]

ـــ ان کے چہروں پر عشق الٰہی کا ایک نور ہوتا ہے۔ جو شخص اس کو دیکھ لے اس پر نار جہنم حرام کی جاتی ہے۔ (ازالہ اوہام)

تبلیغی خط و کتابت ——— از رسیل لٹریچر

میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

اسلام پر ہمارے شائع کردہ لٹریچر کی عالمگیر مقبولیت

مرتبہ: چوہدری محمد حیات صاحب (اسسٹنٹ سیکرٹری)۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

گھانا (مغربی افریقہ) سے ابو کاہی ساوا لکھتے ہیں :-

"حمد و نعت اور سلام و دعا کے بعد گزارش ہے کہ مجھے ایسی کتب کی ضرورت ہے جن میں دین اسلام کے بارے میں معلومات ہوں۔ اُمید ہے توجہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔" والسلام

الجواب :-

محترمی مکرمی! حسب طلب آپ کو چند کتب بھجوائی جا رہی ہیں، جن کو پڑھ کر آپ یقیناً محظوظ ہوں گے۔ ان سے تحصیل علم دین میں آپ کو بہت سہولت حاصل ہو گی انشاء اللہ العزیز۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

بنانو (ناسیریا) سے مسٹر ڈنلادی لکھتے ہیں :-

"آپ کے ادارہ کی ایک کتاب زیر مطالعہ آئی۔ جس سے مجھے آپ کی دینی و تبلیغی خدمات کے بارے میں ایمان افروز معلومات حاصل ہوئیں۔ میں بہت ہی متاثر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خدمات دینیہ اسلامیہ کا بیش از بیش موقعہ مرحمت فرمائے۔ آپ کی کتاب "دی کال آف اسلام" کے مطالعہ سے میں آپ کی جماعت اور بارے مطمع ہوا ہوں۔ اس نے مجھے تاریکی سے نکال کر روشنی بخشی ہے۔ الحمد للہ۔ مجھے چند باتیں سمجھ نہیں آئیں۔ اُمید ہے کہ آپ رہنمائی فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں گے۔

(۱) ہمارے ہاں کانوں میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں کے عقائد میں فرق ہے اور یہ کہ احمدی لوگ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے۔

(۲) کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی دوسرے غیر مجدد و مامور مسلمانوں سے الگ مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ کیا ان کے بعد دوسرا مجدد بھی آئے گا۔ کسی مجدد کا کیا کام ہوتا ہے۔

ممکن ہو تو اسلامی لٹریچر بالخصوص انگریزی ترجمۃ القرآن ارسال فرمائیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا حامی و ناصر ہو جو اکناف عالم میں اُس کے دین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ آمین۔"

الجواب :-

محترمی سلام و دعا۔ آپ کا مکتوب پیش نظر ہے۔ ہماری ایک کتاب آپ کو پسند آئی، اس سے ہمیں خوشی حاصل ہوئی ہے کہ ہماری مساعی فی اللہ بار آور ہیں۔ الحمد للہ۔ آپ کی مخلصانہ دعاؤں کا بصد شکریہ۔ آپ نے دو سوال کئے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا جواب تفصیل طلب ہے۔ ہم آپ کو اس قسط میں جو کتب و لٹریچر بھجوا رہے ہیں۔ ان میں ان کا اور دیگر سوالوں اور اعتراضات کا جو تحریک احمدیہ کے بارے بالعموم کئے جاتے ہیں جواب بڑی شرح و بسط کے ساتھ مرقوم ہے۔ اُمید ہے آپ ان کو پڑھ کر یقیناً مطمئن ہوں گے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تحریک احمدیہ خالصتاً حقیقی دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے قائم ہوئی اور یہی اس کی منشاء و مقصود ہے۔

یہ تحریک ایک خداؐ۔ ایک رسولؐ۔ اور ایک کتاب پر ایمان رکھتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قائل ہے۔ یہی اس کا کلمہ ہے اور اسی کا جھنڈا اکناف عالم میں بلند کر رہی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہادی و مرشد و مولیٰ ہیں۔ وہ آخری نبی و رسول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم نازل ہوئی۔ قیامت تک آپ صلعم کی نبوت اور قرآن کریم کی شریعت مؤثر و متحرک رہے گی۔

احمدیہ تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی خود اپنے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے۔ اور ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں۔ اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسولؐ کے فرمودہ کے خلاف نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا۔ میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا خدا اور رسولؐ پر وہ یقین ہے کہ اگر اس زمانہ کے تمام ایمانوں کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور میرا ایمان دوسرے پلہ میں تو بفضلہ تعالیٰ یہی پلہ بھاری ہو گا۔" (کرامات الصادقین ص ۲۵)

محترمی! بات لمبی ہو رہی ہے۔ تاہم حضرت مرزا صاحب موصوف کی ایک اور تحریر آپ کے غور و فکر کے لئے یہاں درج ہے۔ تاکہ آپ پر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے کہ احمدی لوگوں اور دوسرے مسلمانوں کے عقائد میں فرق نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب اپنی کتاب ایام الصلح میں فرماتے ہیں :-

"ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلشانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص شریعت اسلام میں ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن میں سلف صالح کو

(باقی بر صفحہ کالم اول)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۲۶ اگست ۱۹۷۹ء

"اسلامی جمہوریت یا خالص اسلام ـ؟"

آج کل ملک کے تمام سیاسی حلقوں میں اس مسئلہ پر بڑی گرما گرم تقریری اور تحریری بحث چل رہی ہے کہ پاکستان میں طرز حکومت صدارتی ہو یا پارلیمانی بلدیاتی انتخابات پہلے ہوں یا قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات پہلے کرائے جائیں اور بعد میں بلدیاتی انتخابات ہوں ـ صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن کیسے پیدا کیا جائے اور نظام حکومت میں فوج کا آئینی کردار کیا ہو۔

ہم جنہیں اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے حق سے بھی آئینی طور پر محروم کر دیا گیا ہے دوسرے درجے کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان بنیادی سیاسی مسائل پر اظہار رائے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور نہ ہی ہمارا مسلک سیاسی ہے کیونکہ :ـــ

ملک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نے دیار
مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوان یار
ملکِ روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر
گو بہت دنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار
کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض
گر وہ ذلت سے ہو راضی اس پہ سو عزت نثار

(حضرت مسیح موعود)

لیکن

اپنے موقف کی تائید میں جب کوئی مولانا ـ سیاسی رہنما یا مفکر قرآنی آیات کی غلط تعبیر پیش کرے تو ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ایسی تعبیر کی تردید میں دلائل کے ذریعے اپنا نقطۂ نظر پیش کریں تاکہ قرآن کریم کی تعلیم غیروں کی نظر میں مذاق اور تمسخر کا نشانہ نہ بن جائے ـ اور "منکرین اسلام" اس میں جس معنوی تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں اس سے قرآن کریم کو پاک ثابت کیا جائے ـ ہمارے لئے یہ بڑے افسوس اور دُکھ کی بات ہے کہ "یہ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ـ"

ایک مولانا روزنامہ جنگ مجریہ ۲۹ مئی ۱۹۷۹ء میں جمہوری نظام حکومت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :ـــ

" اسلام میں جمہوریت کا تصور ناپید ہے اور جمہوریت اسلام کے منافی ہے ـ قرآن و سنت سے متصادم ہے ـ اس کو خواہ کسی اسلامی نام ہی سے کیوں نہ پکارا جائے اس کا زہریلا پن باقی رہے گا اور اس کے ذریعے ایک اسلامی ریاست کی تشکیل ممکن نہ ہوگی وغیرہ " (جنگ ۲۹ مئی ۱۹۷۹ء)

جمہوری نظام میں فیصلے چونکہ کثرت رائے سے ہوتے ہیں اس لئے مولانا موصوف نے "کثرت" کے بارے میں قرآن کریم سے الانعام ۱۱۶ اور ۱۱۹ (مولانا نے غلطی سے ۱۱۷ اور ۱۲۰ لکھ دیا ہے) ـ یونس ۳۶ اور التکاثر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان آیات میں قرآن کریم نے اکثریت کی مخالفت کی ہے اس لئے جو فیصلے اکثریت کے ذریعے کئے جائیں گے وہ خلاف قرآن ہوں گے اور چونکہ جمہوری نظام میں ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے جمہوری نظام حکومت قرآن کریم کے منشاء کے خلاف ہے ـ

ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مقالہ نگار نے ان آیات میں سے صرف وہی الفاظ لئے ہیں جن میں کثرت کا ذکر آتا ہے اور پوری آیت کا ترجمہ اس کے سیاق و سباق کو سامنے رکھتے ہوئے پیش نہیں کیا ـ اور اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ ان آیاتِ محولہ میں قرآن کریم کی مراد کونسی کثرت سے ہے ـ ہم ان آیات کا ترجمہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرکے اس کا فیصلہ ان پر چھوڑتے ہیں کہ مقالہ نگار نے کثرت کے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے وہ قرآن کی روشنی میں کہاں تک صحیح اور درست ہے :ـ

۱ـ " اور اگر تو اکثر ان لوگوں کی بات مانتا چلا جائے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں ، وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں ـ"
(الانعام ۱۱۶)

۲ـ" اور تمہارا کیا عذر ہے کہ تم اس سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور اس نے تم کو کھول کر بتا دیا ہے وہ جو تم پر حرام کیا سوائے اس کے جس کے لئے تم لاچار ہو جاؤ اور یقیناً بہت سے اپنی بگڑی ہوئی خواہشات سے لاعلمی کے ساتھ گمراہ کرتے ہیں ـ تیرا رب حد سے گذرنے والوں کو خوب جانتا ہے ـ"
(الانعام ـ ۱۱۹)

۳ـ" اور ان میں اکثر اٹکل پر ہی چلتے ہیں ـ حق کے مقابلے میں اٹکل کچھ کام نہیں دیتی ـ" (یونس ـ ۳۶)

۴ـ "کثرت مال کی خواہش نے تمہیں غافل کر رکھا ہے ....
پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا ـ"
(التکاثر)

مولانا نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :ـــ

"تم کو کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش نے غافل بنا دیا ہے ـ" وغیرہ وغیرہ ـ

نمبر ۱ سے نمبر ۳ تک مذکورہ آیات میں جن سبیل اللہ اور "حق" کے مخالفوں اور "بگڑی ہوئی خواہشات کی پیروی کرنے" اور نمبر ۴ کے مقابلے میں کثرت تھی ـ لیکن یہاں جن سیاسی جماعتوں میں طرزِ حکومت پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے وہ سب کی سب اپنے آپ کو اسلام کی شیدائی اور فدائی کہتی ہیں اور سب ہی اس ملک میں اسلامی نظام لانے کی داعی ہیں ـ اس لئے یا تو مقالہ نگار اسلامی جمہوریت کے قیام کے حق میں نعرہ لگانے والی ان جماعتوں کو بھی مخالفین اسلام کے زمرے میں شامل کرتے ہیں اور یا قرآن کریم کی ان آیات کی تاویل سے غلط نتیجہ اخذ کرکے معنوی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ اپنی مطلب برآری کی خاطر "کثرت" کے لفظ کو ان مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں ـ جو درحقیقت مخالفین اسلام نہیں چاہے ان کے قول اور فعل میں کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو اور ان کا عمل تعلیمات اسلام سے خواہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو ـ

التکاثر میں جس کثرت کا ذکر ہے اس سے مراد بھی جمہوری نظام حکومت والی کثرت ہی لی گئی ہے حالانکہ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر اس کی تشریح "تکاثر فی الاموال والاولاد" (الحدید) فرما کر خود ہی کر دی ہے ـ یعنی ایک دوسرے سے بڑھ کر مال کمانے اور جمع کرنے اور اولاد کی کثرت نے تمہیں ہم سے غافل کر دیا ہے ـ اس لئے اس بات کو ہم پھر دوہراتے ہیں کہ ان آیات میں جس کثرت کا ذکر ہے وہ مخالفینِ اسلام کی کثرت ہے نہ کہ کسی جمہوری نظامِ حکومت میں کثرت مراد ہے ـ

انبیاء کے پیرو کار ہمیشہ قلت میں رہے ہیں اور کثرت کے ہاتھوں دُکھ اُٹھاتے رہے ہیں ـ آج بھی مسلمان قلت میں ہیں اور مخالفینِ اسلام کثرت میں ـ لیکن یہ قلت اور کثرت مذہب سے وابستگی کی بنیاد پر ہے کسی جمہوری نظامِ حکومت سے وابستگی کی بنیاد پر نہیں ـ قرآن کریم نے انسانوں کو مدنظر

بھتے ہوئے جہاں بھی کثرت کی مذمت کی ہے اس سے مطلب حق یعنی سلام کی مخالفت کرنے والوں کی ہی کثرت ہے ۔ اسلام کے اندر سی جماعت یا گروہ کی کثیر تعداد کو سامنے رکھ کر اسے بُرا بھلا نہیں کہا ۔ لبتہ مسلمانوں کے اندر کوئی ایسا فرقہ اکثریت میں ہو جو اسلامی اصولوں و راللہ اور اس کے رسُول کے احکام سے سرتابی اور سرکشی کرنے والا ہو تو وہ بھی اس کے ذیل میں آسکتا ہے کسی نظامِ حکومت میں اختلاف رائے کھنے پر اُسے بُرا بھلا کہنا ناانصافی ہے ۔

مضمون نگار نے جمہوریت کو اسلام کے منافی اور قرآن و سنت سے متصادم تو کہہ دیا لیکن پاکستان یا دوسرے اسلامی ممالک کے لئے کوئی متبادل نظامِ حکومت تجویز نہیں کیا ۔ صرف غیر اسلامی قوانین کو شریعت بنچوں کے ذریعے منسوخ کروانے پر زور دیا ہے ۔ اگر ان کے سامنے خلفاء راشدین کا نظامِ حکومت ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہاں نہ کوئی ابوبکر صدیقؓ ہے جس نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہ بولا ہو ۔ نہ کوئی عمر فاروقؓ ہے جو حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہو اور جسے مدینے کی عورتیں بھی کوچہ و بازار میں ٹھہرا کر گھنٹوں اپنی شکایات پیش کر سکتی ہوں ۔ نہ کوئی حلم و بُردباری ، شرم و حیا ، عفو و درگذر اور سخاوت کا پیکر عثمانؓ ہے کہ اپنی جان مسلمانوں میں اتحاد برقرار رکھنے کے لئے تلوار کے حوالے کر دے اور نہ کوئی فقر و غنا کا پیکر علیؓ ہے جس کی قوت کا مدار نانِ جویں پر تھا اور نہ ہی وہ خوف تھا اور نفوس کے جنگجو کے مشیر ہیں ۔ جو "ادخلوا فی السلم کافۃ" کا سراپا نمونہ تھے ۔ نہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں جو اپنے ذاتی کام کے لئے اپنا اور حکومت کے کاروبار کے لئے حکومت کا چراغ جلا کر راتوں کو کام کرے اور جس کے بچے عید بھی اپنے پرانے کپڑوں میں منائیں ۔

مُلک میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے اور خلافتِ راشدہ کا دور واپس لانے کے مدعیان ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ ان کے معیار پر کہاں تک پُورے اُترتے ہیں "وہ بات مت کہو جس پر تم خود عمل نہیں کر سکتے" ان حالات میں مُلک کے لئے خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت تجویز کرنا تو ممکن نہیں اس لئے کوئی اور ایسا نظام پیش کرنا پڑے گا جو اسلام کے منافی نہ ہو اور ملک کو صحیح خطوط پر چلا سکے ۔ ہمارے خیال میں نقص دراصل کسی نظامِ حکومت میں نہیں ہوتا بلکہ اس کے چلانے والے اسے بُرا بنا دیتے ہیں ۔

نظامِ حکومت کوئی سا بھی ہو اس کا بنیادی مقصد کسی ملک کی حدود میں رہنے والے انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفّظ ہوتا ہے ۔ ان حقوق کا ذکر ہمیں منیٰ کے مقام پر آنحضرت صلعم کے آخری خطبہ میں ان الفاظ میں ملتا ہے ۔ تم پر ایک دوسرے کی جان ۔ مال اور عزت حرام ہے یعنی ان کی حفاظت لازمی ہے ۔ اور آج انہی حقوق کی صدائے بازگشت ہمیں اقوامِ متحدہ کے منشور میں ملتی ہے جس پر پاکستان نے بھی دستخط کئے ہیں ۔ لیکن کیا کوئی بھی حکومت اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں کامیاب ہوئی ہے ۔

۱۹۵۳ء ، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۷ء کی تحریکوں پر کتنی جانیں ضائع ہوئیں کتنی جائدادیں تباہ ہوئیں اور کتنی آبروئیں برباد ہوئیں اور ان میں کن لوگوں نے حصہ لیا کبھی کسی نے یہ کبھی سوچا ہے ۔ آج افغانستان اور ایران میں کیا ہو رہا ہے کسی کی جان ۔ مال اور عزت کی حرمت وہاں باقی ہے ۔

اصلاحِ احوال کی آڑ میں فتنہ و فساد بپا کرنے اور محض سیاسی اختلافات کی بناء پر اپنے ہی ہم مذہبوں کے بے دریغ خون سے اپنی پیاس بجھانے والوں نے اپنے رسولؐ کے احکام کی کہاں تک پیروی کی ہے ۔ آپؐ نے تو اپنے ان بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے آپ کو اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے آخری لمحہ تک اپنی خون آشام تلواروں کو بے نیام کئے رکھا ۔ کیا محض سیاسی اختلافات کی بناء پر قرآن کریم نے ایک دوسرے کے قتلِ عام کی اجازت دی ہے ؟ اور کیا اسلام اب عفو و درگذر کے بجائے سفاکی اور ظلم و ستم کا نام رہ گیا ہے ۔ اسلام نے تو کافروں کے خلاف بھی اس وقت تک تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں دی جب تک وہ مسلمانوں کے خلاف تلوار نہ اُٹھائیں ۔ جیسے فرمایا ہے :۔

" اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو ۔ اللہ زیادتی کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا ۔" (البقرہ ۔ ۱۹۰)

اور یہاں مسلمانوں میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ اس لئے ہوتی ہے کہ سیاسی نظام یہ نہیں وہ ہونا چاہیئے ۔ ایک دوسرے پر اپنے مذہبی یا سیاسی نظریات ٹھونسنا اور انہیں قبول نہ کرنے کی صورت میں تشدد پر اُتر آنا اسلام کی تعلیم تو ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ اسلام میں بندے کی اپنی خواہش اور مرضی درمیان سے نکل جاتی ہے اور وہ صرف اللہ کی مرضی کا پابند ہو جاتا ہے ۔ اور یہی "ادخلوا فی السلم کافۃ" کا مطلب ہے ۔ اس مقام پر انسان میں احترامِ انسانیت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور وہ دوسرے انسانوں کے لئے امن و سلامتی کا پیغامبر بن جاتا ہے ۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عہدہ کی خواہش کرے اُسے وہ عہدہ مت دو کیونکہ اس میں اس کے نفس کی خواہش شامل ہوتی ہے اور یہ خواہش دوسرے انسانوں کے لئے فتنہ اور اذیت کا موجب بن سکتی ہے ۔

صاحب مقالہ کا یہ فرمانا کہ "جمہوریت اسلام کے منافی ہے قرآن و سُنّت سے متصادم ہے" نہایت افسوسناک ہے کیونکہ قرآن کریم میں الشوریٰ میں صاف طور پر یہ ذکر آیا ہے کہ :۔

" جو لوگ اپنے رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور ان کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا خرچ کرتے ہیں ۔" (الشوریٰ ۳۸)

یہ مکّی زمانہ کی سورت ہے جب کوئی انسانی ذہن یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسلام اکنافِ عالم میں پھیلے گا اور یہ ظلم و ستم کا نشانہ لوگ بھی قیصر و کسریٰ کے تاج اور ایک وسیع و عریض سلطنت کے مالک ہوں گے اور انہیں امورِ سلطنت انجام دینے اور پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے باہم مشورہ کرنا ضروری ہوگا ۔

قرآن کریم نے ایک اصول بیان فرمایا ہے کوئی تفصیل نہ بیان کرنا اس کے پُرحکمت اور کلامِ الٰہی ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے کیونکہ جب یہ الفاظ نازل ہوئے تو اس وقت عرب کے اردگرد شہنشاہیت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا ۔ بادشاہ کا حکم خواہ غلط ہو یا صحیح حرفِ آخر تھا جس کی تعمیل سے سرتابی کی سزا موت تھی ۔ جیسا کہ عشق کے پہلے حرف "ع" سے ظاہر ہے ۔ علیم خدا کو یہ معلوم تھا کہ زمانہ ترقی پذیر ہے ۔ تہذیبیں مٹتی اور نظام بدلتے رہیں گے ۔ عرب و عجم کی تہذیبوں کے اختلاط اور روابط سے مسائل پیدا ہوں گے ۔ نئی تہذیب جنم لے گی اور نئے مسائل کا سامنا ہوگا ۔ ایک دور آئے گا کہ آپس کے اختلافات کو مٹانے کے لئے آپس میں مل بیٹھنے اور مشورہ سے معاملات کو طے کرنے کی ضرورت پڑے گی ۔ مشورہ کے طریقِ کار کو بھی کھلا چھوڑ دیا گیا ہے کہ حقوقِ انسانی کی احسن طور پر اور کما حقہٗ ادائیگی کے لئے وہ طریقہ اختیار کیا جا سکے جو زمانہ مخصوص کے تقاضے پورا کر سکے ۔ اور نئی ضرورتوں کا ساتھ دے سکے ۔ یہیں آکر اجتہاد کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے ۔

آج سے سو سال قبل کا معاشرہ اس صدی کے معاشرہ سے قطعاً مختلف تھا اور آج سے سو سال بعد کا معاشرہ آج کے معاشرہ سے بہت مختلف ہوگا اس لئے طریقِ کار بھی مختلف ہوگا ۔ لیکن مشورہ کی ضرورت کم و بیش ہر زمانہ میں رہی ہے اور رہے گی ۔ اور جسے ہم جمہوری نظام کہتے ہیں اس کی بنیاد مشورہ پر ہے جس میں مشورہ دینے والوں کی رائے لی جاتی ہے ۔ اور

فیصلہ اکثریت کی رائے سے ہوتا ہے۔

ہمارے سامنے حضرت علی رضؓ کی ایک روایت ہے جس کے اصل الفاظ ہمارے سامنے نہیں ورنہ وہ بعینہٖ یہاں نقل کر دیئے جاتے۔ فرماتے ہیں:

"میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کے بعد کوئی اہم امر پیش آئے جس کے متعلق قرآن کریم سے کوئی رہنمائی نہ ملتی ہو نہ آپؐ کا کوئی فیصلہ ہو تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میری اُمّت کے نیک اور صاحب عقل لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرو۔ اکیلے کی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔"

جنگِ احزاب یا غزوۂ خندق کے موقعہ پر جبکہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین ہزار اور اس کے مقابلہ میں کافروں کی تعداد دس ہزار تھی اس نازک صورتِ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی رضؓ کی تجویز پر اتفاق کرتے ہوئے مدینہ کو محفوظ کرنے کے لئے شہر کے اردگرد ایک خندق کھودی۔ ورنہ آپ تو خدا کے نبی اور رسول تھے اور ساتھی بھی آپؐ کو ایسے ملے تھے کہ آپؐ کے ایک ادنےٰ اشارے پر اپنے سر کٹوا دینے والے تھے۔ آپؐ کو مشورہ کی کیا ضرورت تھی۔ حکم دیتے تو بلا حیل و حجت اس پر عمل ہو جاتا۔ اس لئے یہ کہنا کہ جمہوریت اسلام کے منافی ہے درست نہیں۔

خلافتِ راشدہ کی تاریخ بھی گواہ ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا انتخاب وہاں جمع شدہ انصار کے مشورہ سے ہوا۔ انصار نے بحث و تمحیص کے بعد اپنا یہ مطالبہ کہ امیر انصار میں سے ہو ترک کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور اسلامی اخوت اور اتحاد کے پرچم کو سربلند رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ امور سلطنت اس طرح طے کرتے تھے کہ سب سے پہلے قرآن اور سنت سے رہنمائی حاصل کرتے۔ اگر وہاں سے کسی اہم امر پر رہنمائی نہ ملتی تو بڑے صحابہؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے اور جو فیصلہ اکثریت کا ہوتا اس پر عمل کرتے۔

اپنے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی اپنی جانشینی کے لئے نظر حضرت عمر رضؓ پر تھی لیکن آپ نے اپنی رائے کو تقویت دینے کے لئے بڑے بڑے صحابہ رضؓ مثلاً حضرت عثمان رضؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ۔ حضرت سعید بن زید رضؓ اور حضرت اسید بن حضیر اور دیگر مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا۔ سب نے حضرت عمر رضؓ کے حق میں رائے دی۔ اور حضرت عمر رضؓ خلیفہ منتخب ہوگئے۔ یہ نامزدگی نہیں انتخاب تھا۔ اگر اسے نامزدگی بھی کہا جائے تو آج کی جمہوریت میں بھی ایک نام لیا جاتا ہے۔ اس کی تائید ہوتی ہے اور کثرت رائے سے اس کا انتخاب ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے جمہوریت کو اس طرح فروغ دیا کہ آپ نے ایک مجلس عمومی اور دوسری مجلس خصوصی کا اہتمام کیا۔ جس کی مثال آج کل کے ایوانِ زیریں اور ایوان بالا سے دی جا سکتی ہے۔ خاص خاص اہم امور سلطنت مجلس عمومی میں اور روزمرہ کے امور مجلس خصوصی میں طے ہوتے تھے۔ آپ مشورہ کے لئے باہر سے بھی لوگوں کو بلا لیتے حتّٰی کہ غیر مسلموں یا ذمیوں کو بھی مشورہ میں شریک کرتے تھے۔ صوبوں کے انتظام میں وہاں کے باشندوں سے مشورہ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ کوفہ۔ شام اور بصرہ کے گورنر بھی وہاں کے لوگوں کی رائے کے مطابق مقرر کئے گئے۔ لوگوں کی شکایت پر آپ گورنروں کو بھی معزول کر دیتے۔ یہ اس لئے کیا جاتا کہ لوگوں کو آزادیٔ رائے کا حق حاصل ہو اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر کوئی زد نہ پڑے۔

حضرت عثمان رضؓ کا انتخاب بھی اکثریت کی رائے سے عمل میں آیا۔ حضرت علی رضؓ کے انتخاب کے وقت گو حالات مختلف تھے لیکن وہ بھی بذریعہ انتخاب ہی خلیفہ بنے۔

جمہوریت کے حق میں قرآن کریم، سنت اور تاریخ کی شہادت موجود ہے جمہوری نظام میں کوئی خرابی اور بگاڑ نہیں لیکن اس نظام کے چلانے والوں کو خرابی اور بگاڑ سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مضمون نگار نے اس سلسلہ میں علامہ اقبالؔ مرحوم کا حوالہ بھی دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی جمہوریت کے مخالف تھے ان کے ذہن میں غالباً علامہ صاحب کے یہ دو شعر ہیں جن میں جمہوریت کو بُرا بھلا کہا گیا ہے:

(۱) ؎ گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

(۲) جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اس کے مقابل ہم علامہ اقبال کا ہی ایک شعر عرض کرتے ہیں جس میں وہ جمہوریت کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

؎ سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے، مٹا دو

اس شعر کے مطابق اگر اسلام جمہوریت کے منافی ہے تو وہ بھی نقشِ کہن ہے جسے علامہ مٹانا چاہتے ہیں لیکن یہ کہنا اور سوچنا غلط ہوگا۔ علامہ اس جمہوریت کے خلاف تھے جو انگریز متحدہ ہندوستان پر اپنے مفادات کی حفاظت کی خاطر مسلّط کرنا چاہتا تھا۔ اس قسم کی جمہوریت سے ہندوؤں کو مرکز اور بنگال۔ آسام۔ صوبہ سرحد۔ پنجاب۔ سندھ اور بلوچستان کو چھوڑ کر باقی تمام صوبہ جات میں واضح اکثریت حاصل ہوتی اور یہ اکثریت مسلمانوں کے جائز حقوق کو بھی اپنے پاؤں تلے روند ڈالتی۔ علامہ اس جمہوریت سے گریزاں تھے اور انہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو پاکستان کا مطالبہ بھی کبھی نہ ہوتا۔

پاکستان یا کسی دوسرے اسلامی ملک میں ایسا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ جہاں نناویں یا اٹھانویں فی صد مسلمان بستے ہیں۔ ہاں جس خطرہ کو مولوی صاحب محسوس کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کہیں ایک فرقہ اکثریت میں آکر دوسرے فرقوں کو اپنے حقوق سے محروم نہ کر دے جیسا کہ ملک میں دو فقہوں یعنے فقۂ جعفریہ اور فقۂ حنفیہ کے نفاذ کی بحث چل رہی ہے اور خدا کے کلام پر جمع ہونے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی جاتی تاکہ اختلافات مٹ کر پوری قوم ایک خدا۔ ایک رسول اور ایک کتاب پر اکٹھی ہو جائے اور اپنے لئے وہ جمہوری نظام تجویز کرے جو اسلام سے متصادم نہ ہو اور مجموعی طور پر قوم کی فلاح اور بہبودی کا ضامن بن جائے۔

اگر ہر ایک نے اپنی اپنی ڈفلی بلند سے بلند تر آواز میں بجانا شروع کر دی تو یہاں کوئی نظام بھی جمہوریت ہو یا اسلامی جمہوریت پنپ نہیں سکے گا۔ ہماری سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات ہمیں شدید تنبیہہ کر رہے ہیں کہ ہم من و تُو کے جھگڑوں سے بلند تر ہو کر قومی اور مُلکی مفاد کے نقطۂ نظر سے سوچیں تاکہ ہم اپنے روزمرہ دہرائے جانے والے دعوےٰ کو "پاکستان اسلام کا قلعہ ہے" عملی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور دنیا نے اسلام کو ایک بار پھر اس کا بھولا ہوا راستہ دکھا سکیں۔ فرقہ واریت کا یہ مہیب دیو تب ہی کچلا جا سکتا ہے جب ہم "لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ" اور قرآن کے اس ارشاد کو کہ ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلٰم لست مومنا کو اپنی زبان اور دِل کا ورد بنا لیں۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔ آمین۔

ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر ۔ نوحؑ کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ۔ ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
میں نے روتے روتے دامن کر دیا تر درد سے ۔ اب تلک تم میں وہی خشکی رہی با حالِ زار
(حضرت مسیح موعودؑ)

از جناب شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ چھاؤنی -

سیالکوٹ میں تقریب یوم وصال حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یوم وصال کے سلسلہ میں ۲۵ مئی کو شہر سیالکوٹ کی جماعت نے جمعہ چھاؤنی میں پڑھا۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کی یاد میں ایک جلسہ زیر صدارت جناب برکت اللہ راجپوت صاحب منعقد ہوا جس میں خاکسار کے علاوہ رحمت اللہ بٹ صاحب نے بھی تقریر کی جس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔

راقم الحروف نے سورۃ والتّین پڑھ کر بتایا:-

انجیر کے درخت سے سلسلہ اسرائیل کو مشابہت دی ہے اور زیتون سے ذریت محمدی کو۔ انجیل میں انجیر کی دو ٹوکریوں کا ذکر ہے جو ہیکل کے سامنے دھری تھیں۔ ایک میں اچھے سے اچھے انجیر اور دوسری میں برے سے برے انجیر تھے اور یہ بنی اسرائیل کے اچھے اور برے لوگ قرار دیئے گئے ہیں اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کے مشہور انجیر کے درخت پر لعنت کرنے کے واقعہ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

انجیر کے درخت پر کیا خفگی آ سکتی تھی کیونکہ وہ پھل کا موسم نہ تھا۔ اصل میں یہ تمثیل تھی لیکن اسے واقعہ کا رنگ دے دیا گیا۔ انجیر کا درخت بنی اسرائیل کے قائم مقام تھا۔ اس پر پتے تھے پھل نہ تھا۔ یعنی ظاہرا اعمال اچھے نظر آتے تھے مگر حقیقت سے خالی تھے۔

حضرت مسیحؑ نے بتا دیا کہ آئندہ کے لئے یہ درخت سوکھ گیا اور اس میں کوئی پتی نہیں آئے گا۔ پس انجیر اسرائیل کے قائم مقام اور زیتون سلسلہ محمدی کے اور اسی کی وضاحت کے لئے طور سینا کا ذکر کیا اور بلد امین کا بھی یعنی مکہ معظمہ جہاں سلسلہ محمدیہ کی بنیاد ڈالی اور امین فرمایا کہ یہ شہر امانت حق کو ہمیشہ ادا کرتا رہے گا گویا اس کا سلسلہ قائم رہے گا اور طور سینا کی طرح ایک وقت جا کر ختم نہیں ہو جائے گا۔ اور ان چاروں چیزوں کی شہادت اس بات پر ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے بہترین صورت پر پیدا کیا اور اس میں ایسی استعدادیں رکھی ہیں کہ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچ سکتا ہے۔

"مفصّل تفسیر کے لئے بیان القرآن اور خراج تحسین اور ہدیہ عقیدت پیش کریں اس کے مفسّر کو اور ان کی دیگر شاہکار تصانیف کا مطالعہ بھی کریں جو کہ علم کا مرقع بھی ہیں اور جمال ہمنشیں کی تاثیر کا کھلا ثبوت بھی

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اس ورثہ کو قوم تک خوب پہنچایا۔ اللہ تعالےٰ بیش از بیش رحمتیں نازل کرے ان پر۔ اسلام کے انحطاط کے درد کا اظہار کیا اور ایک پرامید دل کے ساتھ اس کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کوشش کی جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ ایک مغربی مفکّر نے خراج عقیدت پیش کیا۔"

[illegible]

سو اللہ تعالےٰ نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کر کے اسے توحید پر چلایا۔ توحید کی علت غائی نجات ہے جو کہ اجر غیر ممنون ہے جو منقطع نہیں ہوتا۔ جس قوم نے توحید کو چھوڑا ہے وہ گمراہ ہوئی ہے۔ جنہوں نے علوم ظاہر کو انتہا تک پہنچایا لیکن باطنی نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھایا وہ رفتہ رفتہ دین کی آنکھ سے محرومی کے سبب مادہ پرستی کے گڑھے میں جا گرے۔ توحید تو بڑی نعمت ہے اور دونوں قسم کی ترقی ظاہری اور باطنی اسی سے وابستہ ہے۔ اسلام نے جس توحید کو سکھایا ہے یہ اسلام سے ہی خاص ہے۔

بالعموم لوگ مذہب سے دور بھاگتے ہیں لیکن یہ فطرت میں ایک خواہش ہے اور وہ ہے برتر ہستی کی تلاش۔ حضرت مجدد زمان نے اس پر خوب فرمایا ہے کہ:-

" یہ کشش محبت اس کے اندر بھی ہوئی۔ جس طرح بچہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا اور پورا آرام اس کا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے خواہ اس کے آگے نعمتوں کے ڈھیر رکھ دیئے جائیں تب بھی وہ سچی خوشحالی اپنی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے۔"

چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اسکو پا سکتا ہے۔ اس لئے اس کی معرفت میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگتی ہیں۔ اور اس کا حق دوسرے کو دے دیتا ہے۔ حضرت امام زمانؑ نے اسکو بھی ایک بڑی عمدہ مثال سے واضح کیا ہے جو کہ قرآن شریف میں دی گئی ہے کہ:-

" دنیا ایک شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفّا شیشوں سے تیار کیا گیا ہے۔ پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے۔ جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو ہی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ شیشے ہیں اور پانی تو ان کے نیچے ہے۔ سو یہ بڑے بڑے اجسام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب یہ وہی شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی۔ ہے اور ان کے نیچے ایک اعلےٰ طاقت کام کر رہی ہے۔"

خدا تعالےٰ نے اپنے فرستادوں کے ذریعہ اپنا چہرہ دکھا دیا اور اس کے ان خاص بندوں نے لوگوں کو توحید پر چلانا چاہا۔ لیکن ان کی قدر نہ کی گئی۔

اس امام کے گراں قدر کارنامے نمایاں دنیا کے سامنے ہیں۔ معرفت و عرفان سے پُر تصنیفات کیں علماء کو چیلنج کیا آپ کے مقابل لکھ کر دکھائیں۔ عربی میں تصانیف کو بے شک عرب سے اہل زبان بلا لو میرے مقابل نہ لکھ سکو گے۔

یہ ہوتی ہے علمیت اور کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ ایک تو ہوتی ہے اپنوں کی تعریف۔ لیکن اگر اغیار یہ تحسین پیش کریں تو بات ہوئی۔ اور مسلّمہ فاضل لوگوں کی گواہیاں موجود ہیں۔ مولوی سراج الدین زمیندار اخبار کے مالک (مولوی ظفر علی خاں کے والد) نے لکھا:-

" مرزا غلام احمد کی عمر $\frac{22}{24}$ سال کی تھی ہم چشمدید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد کا وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔"

ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا کہ

" اگر کسی نے اسلام کا ٹھیٹھ نمونہ دیکھنا ہو تو قادیان جا کر دیکھے"۔

حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب نے ایک مرتبہ ڈاکٹر اقبال کو کہا کہ آپ نے اس امام کو سچا سمجھ کر ہی اپنے بیٹے کو پڑھنے کے لئے

قادیان بھیجا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے صدرالدین کے پاس بھیجا تھا۔ حضرت امیر مرحوم ایدہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس کا [illegible]

اور بھی بہت سی شہادتیں ہیں لیکن ابھی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

اب اس امام کے پیش کردہ نظریات کی صداقت اور یقین پر اس واقعہ پر غور فرماویں جو آپ نے مولوی نذیر حسین محدث دہلوی کو چیلنج کیا اور وہ گریز کرتے رہے۔ آخر آپ نے ایک اشتہار شائع کیا کہ ہم فلاں دن بوقت عصر جامع مسجد دہلی میں جاویں گے۔ مولوی صاحب موصوف بھی مسجد میں آجاویں۔ اگر بحث نہیں کرتے تو صرف اتنا کام کریں میں پہلے آیاتِ قرآنیہ و احادیث نبویہ سے اپنا حجت کے طور پر مسیح ابنِ مریم کی وفات اور اپنے دعوے مسیح موعود پر تقریر کروں گا۔ جب میں اپنا بیان ختم کر چکوں تو مولوی صاحب عام مجمع میں کھڑے ہو کر اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کر کہہ دیں کہ یہ سب غلط ہے اور وفاتِ مسیح ثابت نہیں ہوتی۔

اس قسم کے بعد ایک سال کے اندر اگر مولوی نذیر حسین پر عذاب نازل نہ ہوا تو میں اپنی کتابوں کو تلف کر دوں گا اور اپنے اس دعوے سے رجوع کر لوں گا اور دستبردار ہو جاوں گا اور اگر ان پر عذاب نازل ہو گیا جو مخالفینِ حق اور مکذبین پر ہوا کرتا ہے تو میری صداقت عالم پر آشکارا ہو جائے گی اور جو اس تاریخ کو مسجد میں حاضر نہ ہوا اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت۔ اور حضرت مرزا صاحب نے لکھا کہ میں نے اپنی حفاظت اور حفظِ امن کا انتظام کر لیا ہے۔ کسی قسم کا عذر نہ چھوڑا کہ مبادا یہ کہہ کر مرزا صاحب کی زندگی کا خطرہ ہے مباحثہ ٹال دیں۔

اس اشتہار سے دہلی میں کھلبلی مچ گئی اور مدِ مقابل کے ہوش اڑ گئے۔ اور باتیں یوں بنائی کہ مولوی نذیر حسین بوڑھے آدمی ہیں۔ ان کا مرجانا کوئی عجیب بات نہیں۔ اس لئے یہ معیارِ صداقت نہیں۔ معقول اور حق پسند طبقہ نے سمجھایا کہ خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ دونوں فریق بوڑھے ہیں۔ کیا خدا حق ظاہر کرنے کے لئے مولوی نذیر حسین کو ایک سال تک موت سے بچا نہیں سکتا۔

القصہ اب یہ حلف اور لعنت کا مقابلہ تھا۔ خیر اسی میں سمجھی کہ عوام کو مشتعل کر دیا کہ مرزا صاحب کو قتل کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ آخر مقابلہ کا دن آن پہنچا اور لوگ جوق در جوق مسجد میں پہنچنے شروع ہوئے۔ ادھر مرزا صاحب کو یہ کہلا بھیجا کہ آپ ہرگز نہ جائیں کیونکہ خطرہ ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے فرمایا ہے میں لوگوں سے تمہیں بچاؤں گا۔ پس اللہ کی حفاظت کافی ہے۔

بہرحال مخالفت کا یہ عالم تھا کہ کسی کے ہاتھ میں چھری اور کسی کے کلہاڑی اور نوک دار پتھر جمع کئے ہوئے تھے۔ الغرض آپ وہاں پہنچے۔ مسجد میں ایک جمِ غفیر تھا۔ لوگوں کا ایک سمندر۔ حضرت صاحب حسبِ عادت نظریں جھکائے بھیڑ کے درمیان سے گزر کر مسجد کی محراب میں جا بیٹھے۔ پاس ہی مولوی عبدالکریم صاحب تھے۔ لوگ قریب آکر گالیاں دیتے اور آوازے کستے۔ مگر یہ خدا کی طرف سے ہی تصرف تھا کہ کسی کو حملہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی حضور اشتعال بہت بڑھا ہوا ہے۔ حضرت صاحب نے طمانیت کے لہجہ میں فرمایا مولوی صاحب مردے زندہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیا طمانیتِ قلبی اور خدا

پر ایمان۔ اور توکل کا یہ نمونہ جھوٹے کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اور آپ کے اشعار بھی کس قدر ایمان افروز ہیں:۔

[illegible]

کے گرد جمع ہو گئے۔ اتنے میں مولوی نذیر حسین اور ان کے ساتھ مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ بھی پہنچ گئے۔

بات یہ ہوئی تو موضوع بدلنا چاہا کہ وفاتِ مسیح پر بحث نہیں ہوگی آپ کے دعویٰ مسیح موعود پر مباحثہ ہو۔ مخالفین کے ایک ساتھی نے انگریز پولیس افسر کو بھڑکانا چاہا کہ یہ شخص ہمیں اور تمہیں ناحق بد جانتا ہے کیونکہ ہم دونوں مسیح کو آسمان پر زندہ یقین کرتے ہیں اور یہ وفات یافتہ بتاتے ہیں۔

حضرت صاحب کے ایک ساتھی نے اس افسر کو کہا کہ دیکھئے جناب جب تک عہدہ خالی نہ ہو کوئی اس کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اگر عیسےٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو مسیح موعود پر بحث غیر ضروری ہے۔ اس انگریز افسر کو یہ بات بہت پسند آئی۔ اس نے کہا کہ بالکل صحیح ہے وفاتِ عیسےٰ پر بحث ہوگی۔ اور حلف کی شرط پر وہ لوگ راضی ہوئے۔ خیال فرمادیں کہ انکو اپنے عقیدہ پر یقین کیا ہوا

اس اثنا میں ایک آنریری مجسٹریٹ جو ڈپٹی بھی تھے اور وہ علیگڑھ کے رئیس تھے حضرت صاحب کے پاس آئے کہ لوگوں کے اندر بہت شور ہے کہ آپ کا عقیدہ خلافِ اسلام ہے۔ اگر یہ درست نہیں تو آپ مجھے اپنا عقیدہ لکھ کر دیں تاکہ میں لوگوں میں پڑھ کر سنادوں۔

حضرت صاحب نے فی الفور ایک تحریر لکھ دی اور جس کا ایک حصہ یہ تھا:۔

"میرا وہی مذہب جو دیگر اہلِ سُنّت والجماعت کا ہے میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاءؐ کے ختمِ نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہے اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"

مجسٹریٹ صاحب نے بہت کوشش کی کہ وہ تحریر سُنائیں لیکن مولویوں نے جن کی نیت فساد کی تھی سُننے نہ دی۔ انگریز پولیس افسر سمجھ گیا کہ یہ معاملہ کو صاف نہیں کرنا چاہتے بلکہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ مجمع کو منتشر کر دو۔ تو مولوی نذیر حسین اور ان کے ساتھیوں نے اسے غنیمت سمجھا اور جانے کی کی۔ بعد میں حضرت صاحب چلے تو پولیس نے حفاظت کے ساتھ باہر پہنچا دیا۔ باہر آئے تو بگھیاں نمازد حالانکہ واپسی کا کرایہ بھی ان کو دے دیا گیا تھا۔

پولیس آفسر نے کہا آپ میری گاڑی پر چلے جائیں۔ راستہ میں لوگ چھریاں اور کلہاڑیاں لئے کھڑے تھے مگر ان کو معلوم ہی نہ ہوا کہ اس گاڑی میں حضرت صاحب جا رہے ہیں۔ یہ ہوتی ہے اللہ کی حفاظت اور خدا کے ساتھ تعلق۔

اب سُنئے کہ اللہ تعالےٰ بھی اس تعلق کی قدر کرتا ہے اور آپ کی بات کو رد نہیں کرتا۔ آپ کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے حالات اور قبول احمدیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ان کے بیٹے میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی (اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے) جب وہ دو سال کے تھے تو ٹائیفائڈ سے بیمار ہو گئے۔ بخار

متواتر ۔ بے ہوشی رہتی اور نبض بھی بے قاعدہ ۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ حالت دیکھکر خیال کیا کہ ملازمت کو خیرباد کہدیں ۔ بزرگوں نے سمجھایا کہ ملازمت نہیں چھوڑنی چاہیئے ۔ اتفاق سے گھر میں حضرت صاحب کی کتاب برکات الدعا پڑی ہوئی تھی جو کہ آپ کی اہلیہ نے پڑھی ہوئی تھی ۔ مشورہ دیا کہ آپ ڈیوٹی پر جانے سے پہلے قادیان جاکر حضرت صاحب سے دعا کرائیں کیا عجب کہ اللہ تعالے شفا دیدے ۔ اور اس کتاب میں اس شعر کی طرف توجہ دلائی :۔

ے
اے کہ گوئی گر دعاہا را اثر بُودے کجاست
سُوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب

اے کہ مجھ کو کہتا ہے کہ دعاؤں میں اثر کہاں ہے ۔ میری طرف آنے میں جلدی کرتا کہ تمہیں آفتاب کی طرح دکھاؤں سُورج سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا ۔

ڈاکٹر صاحب تیار ہوگئے اور ایک احمدی دوست کو بھی ساتھ لے لیا راستہ بہت خراب تھا اور بٹالہ سے یکّے جاتے تھے ۔ رات کے دو بجے قادیان پہنچے ۔ روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا ۔ ناگاہ ایک مکان پر اندھیرے میں ان کے احمدی دوست کا ہاتھ جو پڑا تو دروازہ کھُل گیا ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب تہجّد پڑھ رہے ہیں ۔ اسی وقت آپ نے سلام پھیرا اور فرمایا کہ آپ اوپر مسجد میں چلے جائیں ۔

مسجد میں گئے تو وہاں بہت سے اور لوگ بھی بڑے خشوع و خضوع سے نماز تہجّد پڑھ رہے تھے ۔ وہاں خواجہ کمال الدین اور مولوی عبدالکریم صاحب بھی ملے اور آپ کو پہلے سے جانتے تھے اور حضرت صاحب کو بھی دیکھا ہوا تھا جب سیالکوٹ میں لیکچر کے لئے تشریف لے گئے تھے ۔ فجر کا وقت ہوا تو امامت مولوی عبدالکریم صاحب نے کرائی ۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی صاحب کی قرآن خوانی کی جو شان قادیان میں نظر آئی وہ پہلے نہ تھی ۔ یہ سب فیض مسیحائی تھا ۔ کئی اور لوگوں نے بھی بیان کیا ہے کہ قادیان آنے کے بعد وہ اور کے اور ہی ہو گئے ۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو کہا آخر آپ آ گئے ۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی تکلیف کے متعلق بتایا کہ سخت بیمار ہے ۔ مولوی صاحب نے فرمایا آپ بھی ابراہیم کی طرح حنیف بنیں آپ کے لئے بھی آسمان سے آواز آجائیگی یا نار کونی بردًا و سلٰمًا ۔ آپ کی یہ آگ اللہ تعالے ٹھنڈک اور سلامتی سے بدل دے گا ۔

ڈاکٹر صاحب کو اس جملے سے تسلّی ہوئی ۔ اتنے میں حضرت صاحب تشریف لے آئے ۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ گویا ایک نور کا ٹکڑا سامنے آ کھڑا ہوا ۔ مولوی صاحب نے آپ کو ان الفاظ میں حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا :۔

" حضور یہ بھی ایک سعید روح ہے جو میں آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں ۔ "

حضرت صاحب نے خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا ۔ لوگوں نے مشہور کیا ہُوا تھا کہ مرزا صاحب کے ہاتھوں کو جذام ہو گیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے غور سے آپ کے ہاتھوں کو دیکھا ۔ آپ نے لکھا ہے :۔

" مجھ سیاہ کار کے ہاتھوں میں ان کے نور سے ڈھلے ہوئے ہاتھ چاندی کے ہاتھ نظر آئے ۔ "

الغرض ڈاکٹر صاحب نے چونکہ ملاقات خلوت میں چاہی تھی ، حضرت صاحب نے اندر بلا لیا ۔ حضرت خالی چارپائی (بغیر بستر کے) پر بیٹھے ہوتے تھے ۔ خود پائنتی کی طرف ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب کے انکار کے باوجود ہاتھ سے پکڑ کر سرہانے کی طرف بٹھا دیا ۔

یہ تھے اخلاق اس امام کے ۔ عام پیروں اور سجّادہ نشینوں سے موازنہ کر کے دیکھ لیں وہ اپنی چارپائی پر کسی کو بٹھانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے عرض کی کہ حضور کوئی وظیفہ بتائیے ۔ فرمایا یہی نمازیں سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا کریں ۔ ڈاکٹر صاحب اس جواب سے بہت متاثر ہوئے کہ پہلے آپ بہت وظیفے کر چکے تھے جس کا نتیجہ کچھ اچھا نہ پایا الٹا دل کمزور ہو گیا تھا اور قوت مقابلہ کمزور ہو گئی تھی اور دوسرے حضرت محمدؐ نے جو طریق تزکیہ قلب کا اپنے صحابہؓ کے لئے اختیار کیا وہ یہی نماز تھی ۔ اس لئے مسنون طریقہ صفائی قلب کے لئے یہی نماز ہی تھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ کا قدم سنّت رسول اللہ صلعم پر کس قدر مضبوط تھا ۔ پھر صفائی قلب پر حضرت صاحب نے تقریر فرمائی ۔ تقریر کیا تھی ایک رُوحانی طبیب مرض کی صحیح تشخیص کر کے علاج کر رہا ہے ۔ اور فرماتے ہیں میرے دل کی کمزوریوں اور وساوس کا جواب اس طرح چلا آ رہا تھا کہ مجھے بعض دفعہ وہم ہوتا کہ شاید میرا قلب کھلا ہوا ان کے سامنے ہے اور وہ دیکھ کر اس کی بیماریوں کا علاج کر رہے ہیں ۔ اور جب انہوں نے فرمایا کہ ایک گنہگار انسان کی مثال ایک مجرم کی ہے جس کے نام وارنٹ جاری ہو چکا ہے اور وہ قدم قدم پر ڈرتا ہے اور ہر آن اسے یہی نظر آتا ہے کہ اب پکڑا گیا ۔

پس خدا سے تعلق پکڑنے والے کو جو طمانیت قلب نصیب ہوتی ہے وہ ایک گنہگار کو کب نصیب ہو سکتی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے وعظ تو بڑے سُنے تھے مگر ان الفاظ میں ایسا اثر تھا کہ دل میں سرایت کرتے جاتے تھے ۔ پھر حضرت صاحب نے فرمایا :۔

اگلے جہان کی طرف چلنے کے لئے یوں تیار رہنا چاہیئے جس طرح ایک دُور افتادہ مسافر اپنے وطن کو جانے کے لئے بخوشی آمادہ ہوتا ہے ۔ فرماتے ہیں ایسا اثر ان الفاظ کا ہوا کہ دنیا ہیچ نظر آنے لگی اور سوچا کہ عمر کا کیا اعتبار ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یوں ہی خاتمہ ہو جائے اور فیض احمدی سے محروم رہے ۔ عرض کی حضور میری بیعت لے لیں کب تک اس طرح بھٹکتا پھروں گا ۔ آپ نے بیعت لی اور دُعا کی ۔ پھر انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے دعا کے لئے عرض کی کہ آپ خاص توجہ فرمائیں ۔ آپ نے اسی وقت ہاتھ اُٹھائے اور دیر تک دعا فرماتے رہے ۔

ڈاکٹر صاحب روانہ ہوئے ۔ اسٹیشن پر انگریز ڈاکٹر جو ان کا افسر تھا ملا ۔ رخصت کے لئے کہا تو اس نے کہا آپ شکر گڑھ جائیں میں دو دن کے بعد آؤں گا تو پھر بے شک ۔ ادن کے لئے چلے جائیں ۔ وہاں پہنچے تو گھر سے خط آیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا ہے جس روز حضرت صاحب سے دُعا کرائی تھی اس روز حالت بہت خراب تھی مایوسی کا عالم تھا ۔ پچھلی شب ٹمپریچر لیا تو نارمل ، یقین نہ آتا تھا ۔ بار بار ٹمپریچر لیا جاتا کہ مبادا تھرما میٹر خراب نہ ہو ۔

ڈاکٹر کو بلایا اس نے بھی ٹمپریچر لیا تو نارمل ۔ حیرت سے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ ٹائیفائڈ بخار اپنی میعاد سے پہلے اُتر جائے میں نے تو ایسا کبھی نہیں دیکھا یہ تو اعجاز میسحائی ہے کہ مردہ زندہ ہو گیا ہے ۔ اور حضرت صاحب کا ایک شعر ہے :۔

ے
ہزار سر زنی و مشکلے نہ گردد حل
چو پیش او بروی کار یک دُعا باشد

ہزار سر پھوڑو مگر مشکل حل نہیں ہوتی مگر جب اس کے حضور پیش کرو تو ایک دُعا سے کام ہو جاتا ہے ۔ کیا سچ ہے ۔ بے شمار واقعات ہیں آپ کی قبولیت دُعا کے کہ ان ہونی چیزیں ہوتی ہیں کسی وقت پھر آپکو سناؤں گا

تو اس امام نے خدا کی طرف ہی لوگوں کو بلایا ہے اور اس احکم الحاکمین کی قدرت کے نمونے دکھائے ہیں ۔ یاد رکھیں مخالفت کوئی معیار نہیں حق کی ہمیشہ مخالفت ہوتی آئی ہے ۔ خدا کی نگاہ میں کون شخص مقرب ہے جس کی مخالفت نہیں ہوئی بلکہ یہ تو معیار صداقت ہے ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی خدمات دینیہ، زندگی اور تقدس اور طہارت کا کوئی انکار کر سکتا ہے، مگر آج تک نعوذ باللہ ان پر لعنت بھیجنے والے موجود ہیں۔ حضرت علیؓ کے تقوےٰ اور طہارت کے باوجود ان کو کافر قرار دینے والے موجود ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کو جلا وطن کرنے والے اور زہر پلانے والے۔ حضرت امام شافعیؒ کو کافر اور نعوذ باللہ شیطان سے زیادہ نقصان رساں کہنے والے۔ امام حنبلؒ کو کوڑے مارنے والے اور جیل خانہ میں ڈالنے والے۔ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام غزالیؒ پر کفر کا فتوےٰ لگانے والے۔ حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ پر پانچ سو کفر کے فتوے لگانے والے۔ حضرت محی الدین شیخ اکبر سرتاج صوفیاں کو کافر کہنے ان کے کفر میں شک کرنے والوں کو بھی کافر قرار دینے والے سب مسلمان اور ان کے متبعین ہی تھے تو اس زمانے کا امام اس سنت سے باہر کیوں رہتا۔

بجائے اس کے کہ مسلمان ان کی خدمات دینیہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کا اہل اس زمانہ میں کوئی دوسرا بھی نہ تھا تو مسلمانوں نے اس کے ساتھ استہزا کیا اور نہ سمجھا کہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا مار رہے ہیں۔ حالانکہ اس مادہ پرستی کے زمانہ میں جبکہ خدا کا شدت سے انکار کیا جا رہا تھا ایک صاحب تجربہ نے اس کے وجود پر یقین پیدا کیا اور اپنے پاس بیٹھنے والوں کو اچھے انسان اور با خدا بنا دیا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں استقامت بخشے اور جس راستے پر اس امام نے لگایا اس پر مضبوط رہنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین ؁

تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کا جذبۂ ایثار

پاکستان اور بیرون پاکستان کی تمام جماعتوں میں یہ خبر بڑی مسرت سے سنی جائے گی کہ احمدی خواتین بھی مردوں کے دوش بدوش دین اسلام اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت کر رہی ہیں اور اشاعت اسلام کے کام میں بڑی دلچسپی سے حصہ لے رہی ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ سیکرٹری تنظیم ہذا نے اس خاکسار کو اپنے تازہ خط میں یہ اطلاع دی ہے کہ:-

"تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کی ایگزیکٹو کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ تنظیم کے فنڈ میں سے اندرون ملک اور بیرون ملک مفت لٹریچر کی فراہمی میں حصہ لیا جائے۔ آپ ہمیں ایسے افراد کی فہرست مہیا کریں جو اسلامی کتب و احمدیہ لٹریچر کے مطالعہ کا شوق رکھنے کے باوجود خرید کر پڑھنے سے معذور ہیں۔ نیز آپ ایسی مطلوبہ کتب کی فہرست مع بتائی قیمت کے بھی مطلع فرما دیا کریں تاکہ جلد از جلد وہ کتب خواہشمندوں تک پہنچا دیا کریں"۔

احباب جماعت اور قارئین پیغام سے استدعا ہے کہ وہ ایسے طالب حق مطالعہ کتب و رسائل کا شوق رکھنے والے افراد کی نشاندہی کریں اور ان کے مطالبہ کتب پر مقامی جماعت کے سیکرٹری و صدر کی تصدیق کروا کر بھجوا دیں تاکہ اس پر عمل درآمد میں آسانی ہو۔ والسلام

چوہدری محمد حیات

اسسٹنٹ سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

احمدیہ جماعت انڈونیشیا کے ایک ممتاز ممبر کا انتقال

آہ! الحاج محمد بحرون

بریگیڈیر جنرل (ریٹائرڈ) الحاج محمد بحرون ۱۸ مئی ۱۹۷۶ء کو جکارتا میں فوت ہوئے۔ ان کی عمر ۶۹ سال تھی۔ انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے قومی قبرستان کالی باتا میں دفن کیا گیا۔

مرحوم ۱۱ فروری ۱۹۱۱ء کو وسطی جاوا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں معمولی کسان گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نچلے درجے کے سکول تک ہی حاصل کر سکے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے انہیں اعلےٰ درجے کا دماغ اور محنت کرنے کا حوصلہ عطا فرمایا ہوا تھا۔ چنانچہ بعد میں انہوں نے سات سال "سوراکارتا" کے "پیزنترن" میں جس کا نام جمسادن تھا مذہبی تعلیم حاصل کی۔ یہ سکول "منبع العلوم" کہلاتا ہے اور جاوا کے دو بڑے معروف "پیزنترنوں" میں سے ایک ہے۔ دوسرا اسی پائے کا سکول مشرقی جاوا کے شہر جم جگ میں واقع ہے اور اس کا نام ٹیبو آئرنگ ہے۔ اس تحصیل علم کے بعد مرحوم کا شمار بطور کیائی ہونے لگا جو پاکستان کے مذہبی سربراہ کے مترادف ہے۔

مرحوم نے انڈونیشی اور جاوی زبانوں کے علاوہ عربی، انگریزی اور ڈچ زبانوں میں بھی پوری دسترس حاصل کی ہوئی تھی۔

آپ کی دنیاوی زندگی کا آغاز محکمۂ صحت کے ایک معمولی عہدے سے ہوا لیکن دل میں سپاہیانہ جذبہ موجود تھا۔ اس لئے دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپانی حکومت کے دوران آپ ۱۹۴۳ء میں نیشنل ڈیفنس سروس میں شامل ہو گئے اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے بریگیڈیر جنرل کے عہدے تک پہنچے۔ آپ کے زیر کمان چار رجمنٹوں پر مشتمل ایک ڈویژن فوج تھی۔ آپ نے ذاتی صفات کے بل بوتے پر ترقی کی۔ آپ کے اندر فوجی اور سول دونوں طرح کے ماحولوں میں گھل مل جانے کی صلاحیت موجود تھی۔ جہاں فوج میں آپ اتنے اعلےٰ عہدے پر پہنچے وہاں شہری زندگی میں بھی آپ کم از کم نو کمپنیوں کے بورڈوں کے چیئرمین یا ممبر تھے۔

فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی زندگی کے آخری دس سالوں میں آپ نے احمدیہ تحریک میں گہری دلچسپی لی۔ مرحوم الحاج ایم جوجو سوگیتو کے بعد آپ دوسرے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے اور حضرت مولانا محمد علی کے قرآن شریف کے ترجمہ اور تفسیر کو جاوی زبان میں منتقل کرنے کے کام کو جو مرحوم الحاج جوجو سوگیتو اور معتی شریف نے شروع کیا تھا پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

آپ نے انڈونیشی زبان میں بھی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا مثلاً "براہین احمدیہ" "دجال اور یاجوج و ماجوج" "احادیث حمل" اور "کشتی نوح" لیکن شاہکار کی حیثیت حضرت مولانا محمد علیؒ کے "قرآن شریف کے ترجمہ اور تفسیر" اور "دین اسلام" کے تراجم کو حاصل رہی ہے۔

آپ کی وفات سے انڈونیشیا کی احمدیہ تحریک ایک نہایت ہی قابل اور دل لگن سے کام کرنے والے فرزند اسلام سے محروم ہو گئی ہے۔

اللہ تعالےٰ کی جناب سے دعا ہے کہ مرحوم کو اپنی رحمت سے نوازے اور ان کی جگہ لینے والے افراد کھڑے کر دے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام کو جاری رکھیں جو حضورؐ نے مسلمانوں کے سپرد کیا تھا اور جس کا اس زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعودؑ نے احیاء کیا۔ آمین۔

اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقوے اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعویٰ ہے کہ کیا اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین المفترین۔"

محترم مکرم! حضرت مرزا صاحب موصوف کی دو تحریروں کے حوالہ سے آپ تحریک احمدیہ کے عقائد کے بارے میں مطلع ہوئے۔ حضرت ممدوح نے صرف دو مقامات پر ہی نہیں بلکہ اپنی تمام تر تصانیف میں ان عقائد کو نہ صرف دوہرایا بلکہ ان پر اصرار اور تاکید فرمائی۔

اب آپ اپنے دوسرے سوال کو لیجئے۔ اس کا تفصیلی جواب تو ارسال کردہ کتب میں ملاحظہ ہو۔ تاہم بڑے اختصار کے ساتھ تحریر ہے کہ حدیثِ نبوی صلعم ــــ ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا کے تحت ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کی خدمت اور ترقی اور تبلیغ و اشاعت اور عقائد و اعمال کی تجدید و اصلاح کے لئے اپنے ایک بندے کو مقامِ مجددیت پر کھڑا کرتا ہے۔ اس حدیث کی صداقت و حقیقت کے تحت چودہ سو سال میں ایسے مقربین الٰہی آتے رہے ہیں اور آئندہ تا قیامت آتے رہیں گے۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ چودھویں صدی کے امام وحدی اور مجددؒ و مسیح موعود تھے۔ چنانچہ وہ اپنے مقام امامت کے باوصف عام مسلمانوں سے ہی نہیں بلکہ ماسبقت سلسلہ مجددین و مصلحین میں بھی ممتاز اور بلند مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ درجات عنداللہ کے حوالہ سے بزرگانِ اسلام ایک دوسرے سے ممیز و ممتاز مقام کے حامل ہوتے ہیں اور یہ امر سنتِ الٰہیہ ہی سے ہے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

امید ہے آپ ارسال کردہ کتب و لٹریچر کے ماحصل مطالعہ سے ہمیں بھی مطلع فرمائیں گے۔ انگریزی قرآن کریم زیر طبع ہے۔ جلد ہی آپ کو ارسال کر دیا جائے گا۔ آپ کی دعاؤں کا مکرر شکریہ۔ والسلام۔

ــــ نیو جرسی (یو ایس اے) سے محترمہ عامرہ عبدالغفور لکھتی ہیں: ــــ

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ۔ میں ان چند سہیلیوں کے ساتھ کام کرتی ہوں جو بچوں کو دینِ اسلام کی تعلیم دیتی ہیں۔ ہمیں بلا امداد غیرے اپنی جیب سے کتابیں خریدنا پڑتی ہیں جو ہماری مالی استعداد سے باہر ہوتی ہیں۔ اگر ممکن ہو تو آزراہ کرم چند دینی کتب مرحمت فرمائیں جنہیں میں خود بھی پڑھ سکوں اور بچوں کو بھی پڑھا سکوں۔ جو کتابیں بھی آپ ارسال فرمائیں گے وہ ہمارے لئے ممد و معاون ہوں گی۔ آپ کی کرم فرمائی اور توجہ کا پیشگی شکریہ۔ والسلام۔

ــــ الجواب: ــــ

محترمہ عامرہ عبدالغفور صاحبہ!

ہمیں خوشی ہے کہ آپ اپنی ساتھیوں کے ساتھ مل کر بچوں کو تعلیم دین دینے کا نیک کام کر رہی ہیں۔ اس طرح نہ صرف قوم و ملت کے بچوں کی علمی خدمت کر رہی ہیں بلکہ مالی جہاد بھی کر رہی ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس خدمت و قربانی کے صلہ میں آپ کو اور آپکی سہیلیوں کے لئے بیش از بیش اجور و صواب مرتب فرمائے۔ آپ کا حامی و ناصر ہو اور اس نیک کام کی راہ میں ہر مشکل کو آسان کرے۔

ہمیں آپ کی خدمت کرتے ہوئے انتہائی خوشی ہے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اور اب یا آئندہ جس خدمت کے لائق ہوں حاضر ہیں۔ چند کتابیں ارسال ہیں جو یقیناً آپ اور بچوں کے لئے دلچسپی کا موجب ہوں گی اور ان سے دینی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ آئندہ بھی ہم اپنا تازہ لٹریچر آپ کی خدمت میں ارسال کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

خدمتِ دین کے باب میں خواتین ملت کی ایمان افروز جدوجہد کی نظیریں تاریخ اسلام میں ملتی ہیں۔ ایسی خواتین کی اب بھی کمی نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اپنے پیارے دینِ اسلام کی تعلیم کی اشاعت اور امتِ اسلامیہ کے نونہالان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ ہر ممکن اور ہر صورت میں برقرار رکھیں گی۔

کاروبار لائقہ سے یاد فرماتی رہیں۔ اپنی سہیلیوں کی خدمت میں ہمارے سلام اور دعا پیش کریں۔ والسلام۔

احباب کرام کی توجہ کے لئے
ایک نہایت ضروری گذارش

خدا کے فضل سے "دارالسلام" کالونی میں نئی احمدیہ لائبریری تعمیر کی جا رہی ہے جس کے لئے محترم چودھری ظہور احمد صاحب مرحوم و مغفور نے خطیر رقم عطا فرمائی تھی۔ سلسلہ احمدیہ کی جملہ پرانی اور نئی کتب، رسالہ جات اور اخبارات نیز سلسلہ احمدیہ کے مخالف جو لٹریچر نکلتا رہا ہے، ہمیں ایسے تمام علم کلام کی اس لائبریری میں محفوظ کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

پس جن احباب کرام کے پاس متذکرہ بالا قسم کا علم کلام موجود ہو اور وہ لائبریری میں رکھ کر صدقہ جاریہ کا ثواب حاصل کرنے کے متمنی ہوں ان سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں براہِ مہربانی مطلع فرماویں تاکہ ہم اُن کتابوں کو یہاں منگوانے کا خاطر خواہ انتظام کریں۔ اگر ایسے احباب یہ پسند کریں کہ ایک ونگ (شعبہ) ان کے نام سے مختص کر دیا جائے تو ہم ان کے نام کی یادگار میں ایک شعبہ بھی مختص کر دیں گے۔

(ڈاکٹر) اللہ بخش

چیئرمین تبلیغ اندرون پاکستان۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور نمبر ۷

برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کی رپورٹ

۲۷ مارچ ۱۹۷۹ء تا ۳۱ مئی ۱۹۷۹ء

(از قلم مشنری انچارج و امام مولٰنا محمد یحییٰ بٹ صاحب)

۱- پاکستان میں تین ماہ کی رخصت گذارنے کے بعد ۲۷ مارچ کو واپس برلین پہنچ گیا۔ احباب کو اپنے واپس آنے کی اطلاع ٹیلی فون پر دی۔ بعض احباب ملنے کے لئے بھی آ گئے۔ یوں مسجد میں تبلیغی اور دیگر مساعی کا پھر سے آغاز ہو گیا۔ مسجد سے متعلق اہم امور کے بارہ میں متعلقہ افسران سے رابطہ پیدا کیا اور بعض کی ملاقات کے لئے ان کے دفتر میں بھی چلا گیا۔ لاہور مرکزی دفتر سے خط و کتابت کی گئی اور فارن مشن کمیٹی نے جن امور کے بارہ میں INFARMATION حاصل کرنے کے لئے مجھے کہا تھا اس (INFARMATION) انفارمیشن کو حاصل کر کے سیکرٹری صاحب کو بالتفصیل لکھ کر اطلاع دی گئی۔ اس کے علاوہ یہاں روزمرہ کی خط و کتابت کو نپٹایا گیا۔ جرمن لٹریچر تقسیم کیا گیا اور قرآن کریم کی سیل کو بڑھانے کی کوشش کی گئی۔

تبلیغی مساعی کو بھی خدا کے فضل سے بڑھایا۔ لیکچرز دیئے گئے۔ متعدد گروپوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا گیا۔ اور ان کی طرف سے کئے گئے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ مسلمان ممالک سے آئے ہوئے علماء اور طلباء کے سامنے مجدد زمان حضرت مرزا غلام احمد کی خدمات کو بیان کیا گیا اور انہیں عربی و جرمن لٹریچر تحفۃً پیش کیا گیا۔

۲- **جمعہ اور ہفتہ کے ۱۸ اجتماعات** جمعہ اور ہفتہ کے دن ہونے والے اجتماعات باقاعدگی سے سرانجام پاتے رہے اور مسلمان احباب اور عیسائی دوست ان میں حصہ لیتے رہے۔ نو (۹) بار جمعہ کے اجتماعات اور نو (۹) بار ہفتہ کے اجتماعات منعقد ہوئے۔ جمعہ کے دن نماز میں شریک ہونے والوں کی تعداد بعض دفعہ تیس پینتیس تک پہنچ گئی اور یوں خاکسار نے ۱۸ مرتبہ احباب کو خطاب کیا اور ان پر اپنے خطبات اور لیکچرز میں قرآن کریم کی تعلیمات کو واضح کیا جو حاضرین کے لئے ترقی علم اور خوشی کا باعث ہوا۔ جمعہ کے اجتماعات میں بعض دفعہ عرب ممالک سے آتے ہوئے افسران بھی شامل ہوتے رہے۔ افسران کا یہ گروپ یہاں ٹریننگ پر آیا ہوا تھا۔ جتنا عرصہ وہ برلین گورنمنٹ کے مہمان رہے وہ ہماری مسجد میں آ کر جمعہ کی نماز ادا کرتے رہے۔ ان میں سے بعض مصر سے آئے تھے بعض شام اور مکہ معظمہ سے۔ ایسے گروپوں کی موجودگی میں خطبات بعض دفعہ صرف انگریزی میں اور بعض دفعہ انگریزی اور جرمن میں دیئے گئے۔ ویسے عام طور پر خطبات اور لیکچرز صرف جرمن زبان میں دیئے جاتے ہیں۔ مصر سے آیا ہوا ایک گروپ جب ہمارے ہاں جمعہ کی نماز کے لئے آیا تو میں نے ان کی خاطر خطبہ صرف انگریزی زبان میں دیا۔ خطبہ کا موضوع تھا "صلح و امن"۔ نماز کے ختم ہونے کے بعد مصری احباب نے خطبہ کے موضوع کو سراہا اور اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور وہ بار بار اونچی آواز میں EXCELLENT EXCELLENT یعنی عمدہ و معقول کے الفاظ دوہراتے رہے۔ الحمدللہ بعد میں اس گروپ کے لیڈر نے قرآن کریم عربی کا ایک نہایت ہی خوبصورت ڈبہ میں بند تھا مجھے تحفۃً پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مصر سے یہ تحفہ مسجد کے لئے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ جزاھم اللہ۔ قرآن کریم کا یہ نسخہ مسجد کی لائبریری میں رکھ دیا گیا۔

۳- **چھ گروپ مسجد میں** اپریل کے مہینہ میں عیسائی دوستوں نے ایسٹر کا تہوار منایا۔ ان دنوں مغربی جرمنی سے کافی لوگ برلین آئے۔ برلین آنے والوں میں سے بعض دوست مسجد میں بھی آ گئے۔ ان میں زیادہ تر تعداد دسویں گیارہویں جماعت کے طلباء کی تھی۔ جن کے ساتھ بعض دفعہ انکے اساتذہ بھی تھے۔ ایسے چھ گروپ مختلف وقتوں میں میرے پاس آئے۔ اور ایک ایک گھنٹہ میرے پاس ٹھہرے۔ ان گروپوں میں شریک ہونے والوں کی تعداد سات سے دس افراد تک تھی۔ ایسٹر تہوار کے سلسلہ میں میں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم کا نظریہ واضح کیا۔ یعنی یہ کہ حضرت عیسٰے صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ بچا لئے گئے اور وہ ہجرت کر کے کشمیر چلے گئے جہاں وہ ۱۲۰ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ اور وہیں سرینگر محلہ خانیار میں دفن کئے گئے۔ یہ نظریات طلباء کے لئے بالکل نئے تھے۔ بہرحال انہوں نے دلچسپی سے ان نظریات کو سنا۔ ایک گروپ جس کے ساتھ ان کا استاد بھی تھا۔ اس نے اس موضوع پر مزید وضاحت چاہی۔ چنانچہ اس گروپ کو چائے کی دعوت پر دوسرے دن بلایا گیا۔ اور پھر وضاحت سے ان امور کو بیان کیا گیا۔ انجیل سے حوالہ جات بیان کئے گئے۔ جرمن رسالوں سے حضرت عیسٰے کی قبر کی تصویر دکھائی گئی وغیرہ۔

۴- **برلین سے ایک بڑا گروپ مسجد میں**۔ آل چرچز آرگنائزیشن کی سرکردگی میں ایک بڑا گروپ مسجد میں آیا۔ اس گروپ میں پچاس کے قریب مرد اور عورتیں شامل تھیں اور یہ جرمن دوست برلین کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔ اس گروپ کی لیڈر جرمن خاتون نے اپنے آنے کی اطلاع گذشتہ ماہ ہی مجھے کر دی تھی۔ یہ گروپ دو گھنٹے کے قریب مسجد سے ملحق مکان میں میرے پاس ٹھہرا۔ ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو مختصراً بیان کیا۔ حضرت عیسٰے اور ان کی اماں کے مقام کو قرآن کریم کی روشنی میں بیان کیا۔ بعد میں ان کی طرف سے کئے گئے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ الحمدللہ یہ اجتماع بخیر و خوبی سرانجام پایا اور یہ لیکچر دوستوں کے لئے مفید ثابت ہوا۔

۵- **دو جرمن دوستوں کا اسلام کے بارہ میں مزید علم حاصل کرنے کا شوق** دو جرمن دوست اسلام کے بارہ میں مزید علم حاصل کرنے کے لئے مسجد میں آتے رہے۔ انہیں جرمن لٹریچر پڑھنے کے لئے دیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اسلامی تعلیمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں ہفتہ کے علاوہ بھی وقت دیا گیا۔ اور ان کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔

۶- **دو ایرانی یونیورسٹی طلباء کا مسجد میں آنا**۔ دو ایرانی طلباء جو یہاں یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں مسجد میں آئے۔ اور انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد کے دعوے کے بارہ میں معلومات حاصل کرنے کے لئے سوالات کئے۔ انہیں حضرت مرزا صاحب کے دعوئے مجددیت سے آگاہ کیا گیا۔ یہ بھی بتایا کہ مسیح کے آنے یا مہدی کے آنے کی پیشگوئیاں ان کے وجود میں پوری ہو گئی ہیں۔ بڑے شوق سے انہوں نے اس بحث کو سنا اور اہم نکات کو نوٹ کر لیا۔ ان کے شوق کو دیکھ کر انہیں جرمن پمفلٹ "ڈیڈ احمد" تحفۃً دیا گیا۔ بعد میں انہوں نے قرآن کریم جرمن ترجمہ مع تفسیر کی ایک ایک کاپی بھی خرید لی۔

۷- **ایک ترکی عالم سے گفتگو** ایک ترکی عالم یہاں برلین میں مقیم بعض ترک نوجوان کے ساتھ مسجد میں آ گئے۔ برلین میں مقیم یہ ترکی نوجوان

مسجد میں آتے رہتے ہیں۔ انہوں نے ترجمان بن کر میری گفتگو کو ترکی عالم کے سامنے بیان کیا۔ گفتگو کے دوران میں نے ترکی عالم سے حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے بارہ میں پوچھا۔ انہیں آپ کے دعوے کے بارہ میں صحیح نظریہ پیش کیا گیا۔ آپ کی عربی کتب سے ترکی عالم کو جو عربی جانتے تھے اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ بالآخر حضرت میرزا صاحب کی کتاب "حمامة البشری" انہیں تحفۃً دی گئی۔ اس تحفہ کو انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔

۸۔ ریڈیو پر تقریر

۸ جولائی کو برلین کے مقامی ریڈیو RIAS پر تقریر کرنے کی دعوت ملی۔ چند دنوں تک اپنی تقریر لکھ کر ریڈیو کے منتظمین کو بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ۔ یہ تقریر سٹوڈیو میں ریکارڈ کی جائے گی اور بعد میں اتوار کے دن صبح سات بجکر پندرہ منٹ پر نشر کی جائے گی۔ یہ تقریر پندرہ منٹ تک جاری رہے گی۔

۹۔ بون میں ایک کانفرنس اور اس میں شرکت

ورلڈ کانگریس آف ریلیجنز کی یورپین سیکریٹریٹ کا بون میں ۲۰ جون کو ایک اجلاس منعقد ہو رہا ہے جس میں یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان اور بدھ مذہب کے علماء جمع ہوں گے۔ اس میں شرکت کرنے کے لئے مجھے بھی دعوت آئی ہے میں یورپین برانچ کا ایک مستقل ممبر ہوں۔ انشاء اللہ اس اجلاس میں شرکت کروں گا۔

۱۰۔ قرآن کریم جرمن ترجمہ کی فروخت

برلین یونیورسٹی کے ایک عرب پروفیسر سے ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی۔ انہوں نے اپنے طلباء کے لئے سترہ (۱۷) کاپیاں جرمن ترجمۃ القرآن کی خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ وہ ایک جمعہ کے دن آئے اور سترہ کاپیاں اپنے ساتھ لے گئے اپنے طلباء کے لئے وہ ہمیشہ اس مسلم مشن کی طرف سے شائع کئے گئے قرآن کو پسند کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مع تفسیر حضرت امیر مولانا صدرالدین نے کیا ہوا ہے۔

پروفیسر صاحب موصوف اپنے طلبا کو مسجد میں بھی بھیجتے ہیں اور وہ ہفتہ کے روز منعقد ہونے والی میٹنگز میں شامل ہوتے اور اپنے علم کو بڑھانے کی غرض سے سوالات کرتے ہیں۔

۱۱۔ ایک عرب نوجوان کا گھریلو مسئلہ اور اس کا حل

الجیریا سے آیا ہوا نوجوان مکرانی مسجد میں آیا اور اپنا گھریلو مسئلہ بیان کیا۔ اس نے بتایا اس نے جرمن نیشنیلٹی لے لی ہے۔ اور یہاں ایک جرمن عیسائی خاتون سے شادی کی ہے۔ ان کا ایک بچہ ہے جس کی عمر چار سال ہے۔ بچہ کی ماں عیسائی روایات کے مطابق بچہ کی تربیت کرتی ہے۔ جو اسے پسند نہیں۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ ماں بچہ کو اپنے ساتھ چرچ میں لے جاتی ہے اور کھانے کی میز پر کھانا شروع کرنے سے پہلے عیسائی طرز کی دعا پڑھتی ہے۔ وہ بچہ کو بھی ایسا کرنے کی عادت ڈال رہی ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے میں نے اسے اس کا حل یوں تجویز کیا کہ وہ بچہ کو اسلامی روایات کے مطابق تربیت دینے کی کوشش کرے۔

۱۔ ا۔ وہ بچہ کو مسجد میں گاہے گاہے لائے تا بچہ مسجد کی عمارت کو دیکھے یہاں نماز پڑھنے والوں کو دیکھے۔

اس نے جواباً کہا ایسا کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ مسجد سے بہت دور رہتا ہے آنے جانے میں دو گھنٹے کا وقت اسے درکار ہے۔

ب۔ وہ اپنے علاقہ میں دیگر مسلمان فیملیز سے تعلق قائم کرے تا اسلامی ماحول کا اس پر اثر پڑے۔

— یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اس علاقہ کے آس پاس کوئی مسلمان فیملی آباد نہیں۔

ج۔ وہ گھر میں خود نماز پڑھے اور بچہ کو اپنے پاس بٹھائے تا بچہ اس کو نماز پڑھتے دیکھے۔

— اس نے کہا کہ وہ نماز پڑھنے میں بڑا غافل ہے۔ لیکن وہ اس تجویز پر عمل کرے گا۔

چنانچہ وہ اس تجویز کے تحت خود چند بار ہفتہ کے روز مسجد میں آیا ہے اور نماز کے الفاظ کو میرے سامنے دوہرایا ہے۔

۲۔ میں نے مزید تجویز کیا کہ وہ بچہ کو گود میں لے کر مندرجہ ذیل الفاظ اس کے سامنے دوہرایا کرے۔ اللہ۔ محمدؐ۔ قرآن۔ صلوٰۃ۔ صوم حج اور آہستہ آہستہ کلمہ شہادت اس کو یاد کرانے کی کوشش کرے۔

یہ تجویز بھی اس نے مان لی۔

۳۔ کھانے کی میز پر جب بچہ کی ماں اپنی دعا ختم کرے تو وہ اسلامی طرز کی دعا کے الفاظ کو پڑھا کرے اور بچہ کو دوہرانے کی عادت ڈالے۔ یعنی یہ الفاظ بسم اللہ۔

— یہ تجویز بھی اس نے مان لی۔

۱۲۔ انڈونیشیا سے ایک احمدی نوجوان کی آمد

۲۶ مئی کو انڈونیشیا سے ایک نوجوان جس کا نام فتح الرحمن احمدی ہے اپنے جرمن دوست کے ساتھ مسجد میں آگئے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے والد صاحب انڈونیشیا میں احمدی جماعت لاہور کے بانی ہیں۔ انہوں نے مسجد کو دیکھا۔ مسجد سے باہر جہاں "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور پاکستان" کا کتبہ لکھا ہے۔ میرے ساتھ کھڑے ہو کر ایک تصویر کھچوائی۔ بعد میں مکان میں آئے۔ میں نے انہیں جرمن پمفلٹس کی ایک ایک کاپی دی۔ وقت کی کمی کے باعث وہ زیادہ دیر تک میرے ہاں نہ ٹھہر سکے۔ بہرحال دوبارہ آنے کا وعدہ کیا۔

۱۳۔ جرمن نومسلمہ مبارکہ کی خدمات

جرمن نومسلمہ مبارکہ نے ۱۹۶۰ء میں میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ وہ اس وقت سے مسجد کی خدمت کرتی چلی آرہی ہیں۔ اب تک کئی ہزار مارک مشن کو عطیہ دے چکی ہیں اور جب کبھی میں پاکستان رخصت پر جاتا ہوں تو مشن اور مسجد کی دیکھ بھال کرتی۔ جمعہ کے دن مسجد کو کھولتی اور مسلمان احباب کے لئے نماز کی سہولت پیدا کرتی ہیں اور یہ سب خدمات بلا معاوضہ بجا لاتی ہیں جزاھا اللہ خیر الجزاء۔

احباب جماعت اس خاتون کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام

تاج دین پرنٹرز تکیہ ایلی وارث آبکاری روڈ لاہور میں باہتمام تاج دین پرنٹر چھپا اور محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

(چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — ۱۱ / اگست ۱۹۶۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۸ — شمارہ نمبر ۲۵

ملفوظاتِ حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا معیار نماز ہے

انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا بھاری معیار نماز ہے ۔ وہ شخص جو خدا کے حضور نماز میں گریاں رہتا ہے ۔ جیسے ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں چیخ چیخ کر روتا ہے اور اپنی ماں کی محبت اور شفقت کو محسوس کرتا ہے ۔ اسی طرح پر نماز میں تضرع اور ابتہال کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑانے والا اپنے آپ کو ربوبیت کی عطوفت کی گود میں ڈال دیتا ہے ۔ یاد رکھو اس نے ایمان کا حظ نہیں اُٹھایا جس نے نماز میں لذت نہیں پائی ۔ نماز صرف ٹکروں کا نام نہیں ہے بعض لوگ تو نماز کو تو دو چار چونچیں لگا کر جیسے مرغی ٹھونگیں مارتی ہے ختم کرتے ہیں ۔ اور پھر لمبی چوڑی دعا کرتے ہیں ۔ حالانکہ وہ وقت جو اللہ تعالےٰ کے حضور عرض کرنے کے لئے ملا تھا ۔ اس کو صرف ایک رسم و عادت کے طور پر جلد جلد ختم کر دینے میں گزار دیتے ہیں ۔ اور حضورِ الٰہی سے نکل کر دعا مانگتے ہیں ۔ نماز میں دعا مانگو ۔ نماز کو دعا کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھو ۔

فاتحہ ۔ فتح کرنے کو بھی کہتے ہیں ۔ مومن کو مومن اور کافر کو کافر بنا دیتی ہے ۔ یعنی دونوں میں ایک امتیاز پیدا کر دیتی ہے اور دل کو کھولتی اور سینہ میں ایک انشراح پیدا کرتی ہے ۔ اس لئے سورۃ فاتحہ کو بہت پڑھنا چاہیئے ۔ اور دعا پر خوب غور کرنا چاہیئے ۔

انسان کو واجب ہے کہ وہ ایک سائل کامل اور محتاجِ مطلق کی صورت بناوے اور جیسے ایک فقیر اور سائل نہایت عاجزی سے کبھی اپنی شکل سے اور کبھی آواز سے دوسرے کو رحم دلاتا ہے ۔ اسی طرح سے چاہیئے کہ وہ پوری تضرع اور ابتہال کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور عرض حال کرے ۔

ایمان باللہ و عملِ صالحہ پر مبنی اصلاح یافتہ جماعت

آپ کی دردمندانہ آرزو اور بعثت کا مقصد

" میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اُسوہ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستے پر چلے اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ قائم کرے ۔ تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پاوے اور خدا کا منشاء پورا ہو ۔

پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پالیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں ۔ کیونکہ ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو گویا ہمارا سارا کام رائیگاں گیا ۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی کمزوری کو محسوس کرنے لگا ہے ۔

لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے ۔ پس یہ خیال ہے جو مجھے آج کل کھا رہا ہے اور یہ اس قدر غالب ہو رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا ۔ "

کیسے ہی وہ سخت دل ہوں ہم نہیں ہیں نا اُمید + آیت لا تیئسوا کہتی ہے دل کو استوار

پیشہ ہے رونا ہمارا پیشِ ربِّ ذو المنن

یہ شجر آخر کبھی اس نہر سے لائیں گے بار (دُرِّثمین)

صوبہ سرحد کے ایک بزرگ احمدی کا انتقال

صحابی حضرت مسیح موعود جناب عبدالرحمٰن آف تھاکھی (ہزارہ) گذشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

ان کی وفات حسرت آیات سے ہزارہ کی جماعت کو بالخصوص اور سلسلہ احمدیہ کو بالعموم بہت نقصان پہنچا ہے۔ آپ ان خوش قسمت اور منعم علیہم انسانوں میں سے تھے، جنہیں امام زمان، مہدی دوران، مجدد صد چہاردہم حضرت مسیح موعودؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی اور خدماتِ دینیہ اسلامیہ کی توفیق ملی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جب دعویٰ ماموریت فرمایا اور برصغیر پاک و ہند میں آپ کی تصانیف کی اشاعت و مقبولیت وسیع پیمانہ پر ہوئی اور ملک بھر کی نیک روحیں آپ کے فیوضِ روحانی سے متاثر ہو کر جوق در جوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا شروع ہوئیں۔ اس وقت ہزارہ کی سنگلاخ زمین کو بھی آوازِ حق نے نرم و گداز کیا۔

وہاں کے ایک **متدین بزرگ حضرت مولانا محمد یحییٰ** رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت الحاج ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مد ظلہ العالی) کو بھی حضرت مسیح موعودؑ کا ایک کتابچہ ملا۔ جس کے ابتدائی مطالعہ سے ہی آپ حضرت مسیح موعودؑ کے مصدق و مؤید بن گئے اور اس سخت جان زمین میں آپ سلسلہ احمدیہ کے اوّل داعی ٹھہرے۔

آپ نے علاقہ ہزارہ میں ایک باقاعدہ مبلغ و مجاہد کا مثالی کردار ادا کیا۔ آپ کے آباد کا دینداری اور تقویٰ و طہارت کے باعث علاقے بھر پر خاص اثر تھا اور بذاتِ خود آپ بھی اپنی للہیت، پاکیزگیٔ نفس، فکر کی صالحیت اور فعل کی طہارت کی وجہ سے عزو قدر کے مالک تھے۔

ہزارہ میں ان کی آواز سُنی جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود کی الہامی بصیرت نے بھی آپ کے باطنی جوہر قابل کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس مرید باصفا کو اپنی ایک تالیف ارسال فرماتے ہوئے لکھا "یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ" (اے یحییٰ! اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ رکھو) حضرت مولانا نے ارشادِ مسیح کو حرزِ جان بنایا۔ اس کتاب کو لے کر پتھروں کی وادی میں سنگ سنگ پھرے، نہ قدم ڈگمگایا نہ حوصلہ و ہمت نے جواب دیا۔ ہزارہ میں آپ کی تبلیغی مساعی سے جن خوش نصیب لوگوں کو سب سے پہلے دعوت کی قبولیت کی توفیق ملی، ان میں مولوی عبدالرحمٰن مرحوم و مغفور کے والد بزرگوار حضرت مولوی محمد ابراہیم بھی تھے۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ رح دعوت و تبلیغ کی غرض سے پہلی بار ان کے ہاں فروکش ہوئے تو نمازِ فجر کے بعد آپ نے لوگوں کو پیغامِ حق پہنچایا اور حضرت صاحب کا دعویٰ مسیح موعودؑ پیش کیا۔ حضرت مولوی محمد ابراہیم رح نے ایک لمحہ کے لئے بھی کسی تردد کا اظہار نہ کیا فوراً "امنا و صدقنا" کہا اور السابقون الاولون کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ بلا چون و چرا دعوئے مسیح موعود کو تسلیم کر لینے پر ایک استفسار کے جواب میں انہوں نے حضرت مولانا محمد یحییٰ رح سے عرض کی۔ کہ آپ کی باتیں ہماری سر آنکھوں پر۔ آپ کہیں اور ہم نہ مانیں۔ ہم آپ کو قول و فعل میں سچا سمجھتے اور دیکھتے ہیں۔ یہ تھا قدر و شرافت اور عقیدت و خلوص کا ایک نمونہ۔

مولوی کرم دین بھین کے دائر کردہ معروف مقدمہ کے سلسلہ میں حاضری عدالت کے لئے جب حضرت مسیح موعودؑ نے سر زمین جہلم کو اپنی آمد با سعادت سے سرفراز فرمایا۔ تو بیعت و شمولیت سلسلہ کا ایمان افروز منظر سامنے آیا۔ دور قریب کے لوگ کھنچے چلے آ رہے تھے اور زیارت و بیعت مسیح موعودؑ سے سرفرازی حاصل کر کے سعادت دارین سے حصہ پا رہے تھے۔ اس مبارک تقریب میں حضرت مولوی محمد یعقوب صاحب کی قیادت میں ضلع ہزارہ سے جو لوگ حضور کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور پہلی بار آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے ربانی جماعت میں داخل ہو گئے ان میں مولوی محمد ابراہیم صاحب بھی تھے۔

مولوی عبدالرحمٰن مرحوم و مغفور اس نیک بخت بزرگ کی نیک اولاد میں سے تھے، ان دنوں وہ نوجوان تھے۔ والد بزرگوار نے انہیں اور ان کے چھوٹے بھائی محمد جان صاحب کو بھی حضرت حکیم مولانا محمد یحییٰ رح کی خدمت میں موضع دیگراں تحصیل علم دین کے لئے بھیجدیا۔ جہاں وہ دونوں کئی سال تک حضرت مولانا کی براہِ راست تعلیم و تربیت میں رہے۔ مولوی عبدالرحمٰن مرحوم و مغفور اس دوران حضرت مولانا موصوف کے ساتھ قادیان گئے۔ حضورؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور بیعت کر کے جماعت میں باقاعدہ داخل ہو گئے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت مولوی عبدالرحمٰن مرحوم و مغفور کو تقریباً نوے سالہ لمبی قابلِ نمونہ پاکیزہ زندگی عطا فرمائی جو بہتوں کے لئے رشد و ہدایت کی موجب بنی۔

مرحوم نہایت پاکباز، خوش خلق اور متقی و باخدا، خدا خوف انسان تھے۔ اپنی تمام عمر نہایت سادگی کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں — تھاکھی ضلع ایبٹ آباد میں اپنے زمینداری کے کاموں اور یادِ الٰہی میں بسر کر دی۔ مرکزی سالانہ جلسہ لاہور میں آمد تو گویا ان کے فرائض میں داخل تھی کبھی کسی جلسے سے غیر حاضر نہ ہوتے تھے تا آنکہ آخری چند سال بوجہ جسمانی معذوری شمولیت جلسہ سے قاصر ہو گئے تھے۔ آپ اس محرومی کو بڑی شدت سے محسوس کیا کرتے تھے اور تاسف کا اظہار فرماتے۔

آپ اہل اللہ میں تھے اور بشاراتِ الٰہیہ سے فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ جو حضرت امامِ زمانؑ کی بعثت کی برکات میں سے ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔ لہم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔

اللہ تعالےٰ انہیں غریق رحمت کرے، جنت الفردوس میں زمرہ صالحین میں جگہ دے۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی پاک و مطہر زندگی کو مشعل بنائے رکھنے کی توفیق دے۔ آمین۔ (ادارہ)

انتقال پُرملال

یہ خبر سلسلہ احمدیہ کے تمام حلقوں میں نہایت افسوس سے سُنی جائیگی۔ کہ حکیم عبدالوہاب عُمر (ابن حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ) ۱۰ر جون ۱۹۷۹ء علی الصبح تین بجے وفات پا گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

اسی دن بعد نماز مغرب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ نے آپ کی نماز جنازہ دارالسلام میں پڑھائی۔ اور احمدیہ قبرستان دارالسلام میں ۸½ بجے آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم کی یادگار دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ آپ کی بیگم صاحبہ ایک مشہور طبیبہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے جملہ جماعتوں سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔

تعزیت کے لئے پتہ:—

طاہر عمر صاحب۔ بودھا مل بلڈنگ۔ تھارٹن روڈ۔ لاہور

"وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"

روزنامہ جنگ کے ۴ رمئی ۱۹۷۹ء کے جمعہ ایڈیشن میں یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض" کے متعلق کراچی کے جناب امتیاز حسین شاہد نے ۲۵ اگست ۱۹۷۸ء کے شمارے میں شائع ہونے والی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں قیامت کی نشانیوں۔ دجّال۔ یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کے متعلق ذکر تھا یہ سوال کیا تھا کہ :۔

"یاجوج ماجوج۔ دابۃ الارض سے کیا مراد ہے؟ اور آیا کہ یہ نشانی پوری ہو گئی ہے؟"

اور اس کا جواب طلب کیا تھا۔

یہ جواب ہماری نظر سے بھی گزرا لیکن تمام جواب بغور پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مجیب نے سائل کو صاف اور سیدھا جواب دینے اور اسے مطمئن کرنے کے بجائے اس سلسلہ میں قرآن کریم میں مذکورہ آیات کا ترجمہ اور چند ایک احادیث نقل کر کے اس کا نتیجہ سائل پر چھوڑ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ :۔

"فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہ نشانی پوری ہو چکی ہے؟ یا ابھی اس کا پورا ہونا باقی ہے۔ فرمائیے آپ کی عقلِ خداداد کیا فیصلہ کرتی ہے؟"

سائل کی عقلِ خداداد اگر فیصلہ کر سکتی تو وہ یہ سوال اخبار میں شائع کرا کر اطمینانِ خاطر کے لئے کسی عالمِ دین سے رجوع نہ فرماتے اور اگر انہوں نے ایسا کر ہی لیا تھا تو مجیب کا یہ فرض تھا کہ وہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث میں مذکور الفاظ اور واقعات کی جو ان احادیث میں دجّال۔ یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کے زمانہ ظہور سے وابستہ ہیں ایسی تشریح اور مفہوم بیان کرتے جو عقل کے معیار پر پورا اُترتا اور قارئین کی تسلی اور اطمینان کا باعث ہوتا لیکن مجیب اس میں پُوری طرح ناکام رہے ہیں اور سوال کو سلجھانے کے بجائے اور اُلجھا دیا ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث پر احمدیہ لٹریچر میں اس قدر مفصّل۔ مدلل اور عقل کو اپیل کرنے والی سیر حاصل بحث موجود ہے کہ اس پر قلم اُٹھانا سعی حاصل ہے۔ لیکن ہم انہی احادیث کی روشنی میں جو سوال کے جواب میں ایک عالمِ دین نے نقل کی ہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہمیں انکارِ ختمِ نبوت کا طعنہ دینے والے دراصل خود اس کے منکر ہیں کیونکہ وہ آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی کے آنے اور اجرائے وحی نبوت کے قائل ہیں۔ قارئین پیغام صلح کی خدمت میں ان کی دلچسپی اور غور کے لئے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ احادیث چونکہ کافی طویل ہیں اس لئے ہم صرف وہی ضروری حصّہ یہاں نقل کریں گے جس سے ہمارا تعلق ہے اور جس سے ہمارے اس موقف کی پُوری پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسےٰ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق آنحضرت صلعم کے بعد بطور "نبی" نازل ہوں گے اور ان پر "وحی" نازل ہوگی۔ اس طرح خاتم النبیّین آنحضرت صلعم نہیں بلکہ حضرت عیسےٰ قرار پاتے ہیں جو صریحًا قرآن اور احادیث کے منافی ہے۔ اس ختمِ نبوت پر کامل ایمان رکھنے والی جماعت جماعتِ احمدیہ ہے نہ کہ دوسرے مسلمان جو خلافِ واقع اپنے آپ کو محافظینِ ختمِ نبوت کہتے ہیں اور تحفظِ ختمِ نبوت کے نام پر تحریکیں چلاتے اور آنحضرت صلعم کو صحیح معنوں میں خاتم النبیّین ماننے والوں کو "غیر مسلم اقلیت" کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت عیسےٰ کے دجّال کو قتل کرنے کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :۔

"پھر عیسےٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس جائیں گے جن کو اللہ تعالےٰ نے دجّال کے فتنے سے محفوظ رکھا ہوگا اور گرد و غبار سے ان کے چہرے صاف کر دیں گے اور جنت میں ان کے جو درجات ہیں وہ ان کو بتائیں گے۔ ابھی وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اتنے میں اللہ تعالےٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجے گا کہ میں نے اپنے ایسے بندوں کو خروج کی اجازت دی ہے جن کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں پس اب میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جائیے"۔

دیکھ لیجئے، اس حدیث میں صاف طور پر یہ الفاظ آئے کہ "اللہ تعالےٰ حضرت عیسیٰ کی طرف وحی بھیجے گا"۔ چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق ابھی تک آسمان پر زندہ ہیں اور قربِ قیامت کو نزول فرمائیں گے یعنی آنحضرت صلعم کے بعد تشریف لائیں گے اس لئے اگر آنحضرت صلعم کے بعد حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی تو وہ وحی نبوت ہوگی اور ایک نبی نبوت کا اجرا ہوگا۔ آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی آ جائے گا۔ اس طرح آنحضرت صلعم خاتم النبیّین نہیں ٹھہرے بلکہ حضرت عیسےٰ خاتم النبیّین قرار پاتے ہیں۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اگر اس مصرع کو تھوڑے سے تصرف کے بعد ہم اس طرح لکھ دیں تو ہمارے حسبِ حال ہوگا :۔

ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور ان کا نکل آیا

کیونکہ ہمارے حضرت مرزا صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں :۔

"یہ الزام سراسر افترا ہے۔ میں نہ نبوت کا مدّعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کے رُو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدّعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔"

(دین الحق پرانا ایڈیشن صفحہ ۲۷ – ۲۸)

آپ آنحضرت صلعم کی ختمِ نبوت کے لئے اس قدر غیرت رکھتے ہیں کہ آپ کے بعد بذریعہ وحی ایک لفظ کے نزول کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور فرماتے ہیں :۔

"اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ سے صرف اتنا کہا جائے گا کہ تو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدّت العمر تک منقطع ہو جائے گی .... تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرئیل لاویں اور پھر چپ ہو جاویں یہ

امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونا شروع ہو گئی تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔"

(ازالہ اوہام۔ نیا ایڈیشن صفحہ ۲۱۵ پرانا ایڈیشن صفحہ ۵۷۷)

یاد رہے کہ حدیث مندرجہ بالا میں بھی یہ ایک ہی فقرہ ہے:—

"کہ میں نے اپنے ایسے بندوں کو خروج کی اجازت دی ہے جن کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں۔ پس اب میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جائیے۔"

ہم صاحب انصاف اور صاحب فہم و ذکا احباب سے یہ پوچھتے ہیں کہ ان تحریرات کی روشنی میں ختم نبوت کا حقیقی قائل کون ہے اور منکر کون۔ وہ وحی رسالت کو آنحضرت صلعم کے بعد جاری سمجھتے ہیں یا ہم جو آنحضرت صلعم کے بعد وحی رسالت کو مسدود اور اس کے ایک لفظ کے نزول کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ اگر کسی کو یہ اعتراض ہو کہ اس میں صرف وحی کا ذکر ہے حضرت عیسٰے کے نبی ہونے کا ذکر نہیں تو اس کا جواب بھی اسی حدیث سے دیتے ہیں جو عالم دین نے نقل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:—

"اور اللہ تعالٰے یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے پھسلتے ہوئے آئیں گے .... یہاں تک کہ جبل خمر تک جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے پہنچیں گے تو کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم قتل کر چکے اب آسمان والوں کو قتل کریں .... اور اللہ کے نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کے رفقاء اللہ تعالٰے کی بارگاہ میں دعا کریں گے پس اللہ تعالٰے یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں کیڑا پیدا کر دے گا جس سے وہ ایک آن میں ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر اللہ کے نبی حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور سے زمین پر اتریں گے .... پس اللہ کے نبی حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ان کے رفقاء اللہ تعالٰے سے دعا کریں گے تب اللہ تعالٰے بختی اونٹوں کی گردنوں کی مثل پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کو منظور ہو گا پھینک دیں گے۔"

اس حدیث میں چار دفعہ "اللہ کے نبی حضرت عیسٰے علیہ السلام" کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی چاہے ایک بار ہی سہی اور وہ اللہ کے نبی ہوں گے۔ اب حضرت رسول کریم ختم المرسلین اور خاتم النبیّین کے بعد ایک نبی آ جائے اور اس پر وحی بھی نازل ہو تو ختم نبوت کی مہر کہاں ثابت رہتی ہے اور قرآن کریم کی اس آیت پر "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیّین" (الاحزاب۔ ۴۵) کیسے زد نہیں پڑتی۔

اس کے متعلق بھی حضرت مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اس طرح فرماتے ہیں:—

"قرآن شریف جیسا کہ آیت .... الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیّین میں صریح نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر چکا ہے اور صریح لفظوں میں فرما چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ فرمایا ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیّین۔ لیکن وہ لوگ جو حضرت عیسٰے علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں واپس لاتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے اور پینتالیس برس تک ان پر جبرائیل علیہ السلام وحی نبوت لے کر نازل ہوتا رہے گا۔ اب بتلاؤ کہ ان کے عقیدہ کے موافق ختم نبوت اور ختم وحی نبوت کہاں باقی رہا۔ بلکہ ماننا پڑا کہ خاتم الانبیاء حضرت عیسٰے ہیں۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

پھر فرماتے ہیں کہ:—

"کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیّین کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آ سکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبرئیل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائد دین جبرائیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو سال سے مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔"

قرآن کریم کی اسی تصریح کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے متعلق فرماتے ہیں:—

من نیستم رسول نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم ہستم و ز خداوند منذرم

میں نہ رسول ہوں اور نہ کوئی کتاب لایا ہوں۔ ہاں ملہم ہوں اور اللہ تعالٰے کی طرف سے ڈرانے والا۔

یہ احادیث پڑھنے کے بعد ہم نے روزنامہ جنگ کو ایک خط کے ذریعے پوچھا تھا کہ آپ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جیسا کہ ان احادیث میں بیان ہوا ہے اگر حضرت عیسٰے بن مریم قیامت کے قریب تشریف لائیں گے اور ان پر وحی اترے گی اور نبی بھی ہوں گے تو کیا اس کے رو سے خاتم النبیّین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرتے ہیں یا حضرت عیسٰے علیہ السلام؟ لیکن آج ایک ماہ سے زائد گذر چکا ہے کہ ہم جواب کے انتظار میں ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہ انتظار انتظار ہی رہے گا کیونکہ اس کا جواب ان کے پاس کوئی نہیں اور جماعت احمدیہ پر یہ الزام لگا کر کہ یہ آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کی منکر ہے جو تحریک انہوں نے ۱۹۷۴ء میں چلائی اور اس جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اسی فتوے کی زد میں وہ خود بھی آتے ہیں بلکہ وہی آتے ہیں کیونکہ وہ پرانے اسرائیلی نبی کو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فضیلت دیتے ہیں کہ وہ آج تک زندہ ہے اور آپ کے بعد ایک مستقل نبی کی حیثیت میں آئے گا۔ ایک نئی شریعت آئے گی۔ نئی کتاب نازل ہوگی اور اسلام کے بجائے ایک نیا دین دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ نہ آنحضرت صلعم خاتم النبیّین رہے نہ اسلام مکمل دین اور نہ ہی قرآن آخری کتاب۔ ان کے اس باطل عقیدہ کے برعکس ہمارا عقیدہ یہ ہے:—

"نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔"

اس کے بعد ہمیں مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف سے یہ وصیت ہے کہ:—

"تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔"

اور نجات یافتہ کون ہے

"وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان

(باقی بر صفحہ کالم ۱)

حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی بعثت کی اصل غرض و غایت

جماعت کے اعلیٰ عملی نمونہ کی ضرورت

اگر اسلامی تعلیم پر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اندر اجتماعی زندگی کو اصل چیز قرار دیا ہے اور انفرادی زندگی کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ جماعت اور قوم افراد کے مجموعے کا نام ہے اور اس طرح جماعت کی تشکیل بھی قوم کے افراد کا آئینہ ہوگی۔ لیکن مقصود بالذات افراد کی فلاح و بہبود نہیں بلکہ جماعت اور قوم کی اصلاح اور ترقی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک عظیم الشان اور خوبصورت عمارت کی تکمیل۔

یہ درست ہے کہ اس عمارت کے اندر جس قدر مضبوط اور خوبصورت اینٹیں لگائی جائیں گی اسی قدر مضبوط اور خوبصورت وعمدہ عمارت ہوگی۔ لیکن اصل غرض و غایت مضبوط اور خوبصورت اینٹیں اور پتھر نہیں بلکہ وہ عظیم الشان عمارت ہے جو ان سے بنے گی۔ پتھروں اور اینٹوں کی حیثیت ثانوی ہے اصل چیز اور مقصود بالذات وہ عمارت ہے جو ان سے تعمیر کی جاتی ہے اوامر و نواہی صیغہ واحد میں نہیں بلکہ جمع میں بیان ہوتے ہیں۔

ایک مسلمان جب بالکل تنہائی اور علیحدگی میں نمازِ تہجد ادا کرتا ہے تو اس وقت بھی اس کے مدِنظر اس کی اپنی اصلاح اور بہبود نہیں ہوتی بلکہ تمام جماعت اور قوم کی۔ یہی حال تمام ارکانِ اسلام کا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کوئی نبی آتا ہے۔ تو وہ ایک جماعت، ایک اُمت بناتا ہے۔ اس اُمت کے سامنے اس نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ تا پھر اس اُمت کے نمونہ سے دنیا اصلاح اور ہدایت پائے۔

اُمتِ محمدیہ میں چونکہ بوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہونے کے نبیوں کا آنا بند ہوگیا لہٰذا اللہ تعالےٰ نے احیاءِ اسلام اور تجدیدِ دین کے لئے مجددین کا سلسلہ جاری کیا۔ تاکہ جب دنیا میں فسق و فجور، بدعملی اور بدکاری کا دَور دورہ ہو تو آنحضرت صلعم کے انفاسِ طیبہ سے ایسے کامل انسان پیدا ہوں جو انبیاء تو نہ ہوں لیکن انبیاء کا سا نمونہ دکھلائیں تا ان کے علمی و عملی کارناموں سے ایک جماعت پیدا ہو اور اس کے علم و عمل سے دُنیا پھر راہِ ہدایت پر آجاوے۔

حضرت مجدد زمان کا بھی یہی کام تھا۔ اور اسی غرض سے آپ نے ایک جماعت تیار کی۔ اسلام کا نظام یہ چاہتا ہے کہ ایک ایسی سوسائٹی پیدا کی جائے جو احکاماتِ الٰہی کو اپنے اعمال و کردار کرے۔ بالفاظ دیگر جو قرآن کی حکومت کو تسلیم کرکے ایک ایسا نظام اور ماحول پیدا کردے جس کو دیکھ کر مسلمان اور غیرمسلم اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ جن کی عملی زندگیوں میں اسلام کی جیتی جاگتی تصویر نظر آئے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے کشش کا موجب ہو۔

حضرت مسیح الزماںؑ زمانہ میں یہی بات تھی جس نے مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں کو بھی اسلام کا گرویدہ بنالیا تھا۔ حضرت صاحب کا حسنِ سلوک۔ آپ کی زندگی کا طرزِ عمل، ایسی چیزیں تھیں جو غیر بلکہ دشمنوں پر بھی اپنا اثر کئے بغیر نہ رہ سکتی تھیں اور ان تمام اعمالِ صالحہ کی جڑ آپ کا تعلق باللہ تھا۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی پر زندہ ایمان یہی وہ چیز تھی جس کو آپ نے پھر از سرِ نو پیدا کیا اور اسی لئے حدیث شریف "لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجلٌ من فارس" کے آپ حقیقی مصداق ٹھہرے۔ اور یہ حدیث شریف آپ کے وجود مبارک میں ایسی صفائی سے پوری ہوئی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

اللہ تعالےٰ کی طاقتوں اور قدرتوں پر آپ کا ایمان ایسا زبردست تھا کہ بار ہا فرماتے کہ کسی کو مال و دولت کی کثرت سے خوشی ہوگی۔ کسی کو اولاد سے خوشی ہوگی۔ کسی کو حکومت و سلطنت سے خوشی ہوگی۔ مگر ہمیں اس بات سے خوشی ہے کہ ہمارا خدا علیٰ کلّ شیءٍ قدیر ہے۔ اور خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے جو بات بڑی زبردست آپ نے پیش کی وہ زندہ خدا پر ایمان تھا۔ یعنی وہ خدا آج بھی حیّ و قیّوم موجود ہے اور اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور ان کو جواب دیتا ہے جو اگلے زمانہ میں نبیوں اور ولیوں سے بولا کرتا تھا۔

خدا پر ایمان فقط اگلے لوگوں کا فسانہ نہیں بلکہ وہ خدا آج بھی زندہ حیّ و قیّوم اپنی تمام ازلی صفات کے ساتھ موجود ہے اور "انا الموجود" کے الفاظ سے اپنی زندگی اور ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ آج اس مادہ پرستی کے زمانہ میں جب مشاہدہ اور تجربہ پر تمام علوم کا دارو مدار ہے۔ محض قیل و قال سے انسان قائل نہیں ہوسکتا اور دل میں یقین اور تسلّی پیدا نہیں کرسکتا جب تک کوئی صاحب مشاہدہ اور تجربہ اُٹھ کر اپنے آپ کو بطور اہلِ حال پیش نہ کرے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے بے شمار پیشگوئیوں اور الہامات کے ذریعہ نہ صرف اپنا سچّا ہونا ثابت کر دیا بلکہ اللہ تعالےٰ کی ہستی پہ ایک زندہ ثبوت پیش کیا جس کے ذریعہ ہزاروں مُردہ قلوب میں اسلام کی صداقت کی لہر دوڑ گئی۔ اور وہ یقین اور ایمان پیدا ہوگیا۔ جس کے سامنے تمام طاقتیں ہیچ ہوگئیں۔ اور وہ دیوانہ وار صداقت قرآن اور اشاعت اسلام کے کام کے پیچھے لگ گئے اور اس کام کو اپنی زندگیوں کا نصب العین قرار دے لیا۔ میں سمجھتا ہوں حضرت صاحب کی بعثت کی اصل غرض و غایت بھی یہی تھی۔ کہ ایسی جماعت پیدا ہو جس کے نمونہ سے دنیا ہدایت پائے۔ چنانچہ حضرت صاحب فرماتے ہیں :۔

"چند دن سے ایک خیال میرے دل میں اس زور کے ساتھ پیدا ہوا ہے کہ اس نے دوسری باتوں سے مجھے بالکل محو کر دیا ہے جس کا ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے وہی خیال میرے سامنے رہتا ہے۔ میں باہر لوگوں میں بیٹھا ہُوا ہوتا ہوں اور کوئی شخص مجھ سے بات کرتا ہے تو اس وقت بھی میرے دماغ میں وہی خیال چکّر لگا رہا ہوتا ہے۔ وہ شخص سمجھتا ہوگا کہ میں اس کی بات سُن رہا ہوں مگر میں اپنے اس خیال میں محو ہوتا ہوں۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو وہاں بھی وہی خیال میرے ساتھ ہوتا ہے۔ غرض ان دنوں میں یہ خیال اس زور کے ساتھ میرے دماغ میں غلبہ پائے ہوئے ہے کہ کسی اور خیال کی گنجائش نہیں۔ وہ خیال کیا ہے وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے

کہ ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلّق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح اور تقویٰ کے رستہ

پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا
تا پھر ایسی جماعت کے ذریعے دُنیا ہدایت پائے اور خدا کا
منشاء پُورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پُوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل
براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پا لیا اور اس کو پوری
طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔
کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا
کام رائیگان گیا۔

مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل اور براہین کی فتح کے تو
نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور دشمن بھی اپنی
کمزوری محسوس کرنے لگا ہے۔ لیکن جو ہماری بعثت کی
اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت
کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ پس یہ خیال
ہے جو مجھے رات دن کھائے جا رہا ہے۔ اور یہ اس
قدر غالب آ رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔"

"وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا" — بقیہ مقالہ

کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسُول ہے اور نہ قرآن
کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خُدا
نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے
زندہ ہے۔"

"اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے
کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا
اور آخر کار اس کی رُوحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود
کو دنیا میں بھیجا۔"

(کشتیٔ نوح۔ صفحہ ۲۸۔ ۲۹)

اس لئے

ہمارا دین اسلام ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہماری
کتاب قرآن ہے۔ ہم کس طرح کسی دوسرے نبی کو آپؐ پر ترجیح دے
سکتے ہیں۔ ایک مردہ نبی کو ایک زندہ نبی کے مقابل پر کس طرح قبول کر
سکتے ہیں۔ ختم نبوت کی مہر کو کس طرح توڑنے کی جُرأت کر سکتے ہیں۔
قرآن کریم کو کیسے پسِ پشت پھینک سکتے ہیں۔ ہمارا خدا زندہ۔
ہمارا رسُول زندہ اور ہماری کتاب قرآن زندہ ہے۔ مُردوں کے پیچھے
دوڑنے سے کیا حاصل ؟

احباب کرام کو ایک مژدہ

ہم بڑی مسرت سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت حکیم الاُمّت حاجی حرمین الشریفین مولانا
نور الدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات مرقات الیقین مرتبہ اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی
مرحوم و مغفور زیور طبع سے آراستہ ہو کر دار الکتب اسلامیہ میں برائے فروخت پہنچ گئی ہے۔
اس بار انجمن نے زرِ کثیر صرف کر کے اسے فوٹو آفسیٹ پر چھپوایا ہے۔ کتابت اور طباعت
نہایت ہی معیاری اور خوبصورت ہے۔ ٹائیٹل پیج نہایت دیدہ زیب اور کتاب کی
شایانِ شان ہے۔ اس کتاب کا عرصہ دراز سے اکثر و بیشتر احباب مسلسل مطالبہ فرما
رہے تھے۔ الحمد للہ آج ہم ان سب کی دیرینہ آرزو کو پورا کرنے کے قابل ہوئے ہیں
اگرچہ لاگت قیمت خاصی زیادہ ہے تاہم اس کی قیمت فروخت صرف -/5/ روپے رکھی
گئی ہے تاکہ تمام احباب بآسانی خرید سکیں۔ اور اسکے مطالعہ سے اپنے دلوں کو ایمان و
عرفان کے نُور سے روشن کر سکیں۔ مینیجر دار الکتب اسلامیہ۔ ۱۵۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

مکتوب امریکہ

امریکہ میں یومِ مسیح موعودؑ کی تقریب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بعثت کی غرض یوں بیان فرمائی ہے کہ:-
"اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے۔ کہ جو غلطیاں
اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں۔ ان کو دُور کر کے دنیا کے
عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔" (ازالہ)

پھر امریکہ و یورپ کا ذکر کے حضورؑ نے خاص طور پر فرمایا کہ:-
"جو کوئی میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا میں امید
رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔" (ازالہ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (شاخ لاہور) یو۔ ایس۔ اے۔ نے ۲۶ مئی
۱۹۶۹ء کو بوقت ۷-۳۰ بجے شام احمدیہ سنٹر 6415 SUNKIST-DRIVE
اوک لینڈ۔ کیلیفورنیا OAKLAND CALIFORNIA میں یومِ مسیح موعود
منانے کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جلسہ کا اعلان بذریعہ اشتہار اور
ریڈیو سانفرانسسکو کی اُردو سروس میں اعلان نشر کر کے کیا گیا تھا۔

جلسہ جس کی صدارت جناب محمد اسمٰعیل خان صاحب نائب
صدر جماعت امریکہ نے کی اور جس کی کارروائی جناب ظفر عبداللہ صاحب سیکرٹری
جماعت امریکہ کے ہاتھوں سر انجام پائی۔ جلسہ وقت مقررہ پر شروع ہوا اور
اس میں ممبرانِ جماعت کے علاوہ پاکستانی مسلمانوں اور ممبرانِ کمیونٹی آف
الاسلام ان دی ویسٹ (جو کہ بلالی مسلمانوں کا نیا نام ہے)۔ نے شرکت
کی۔ حاضرین کی تعداد ۶۰ سے اوپر تھی۔

چوہدری مسعود اختر صاحب سابق نائب امام یو۔ کے مشن جلسہ کے
مقرر تھے۔ چوہدری صاحب نے پہلے انجیل مقدس اور قرآن شریف کے حوالہ جات
سے ثابت کیا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے آسمان پر چڑھ جانے کا عقیدہ انجیل اور
قرآن دونوں سے ثابت نہیں ہوتا اور یہ عقیدہ محض توہم پرستی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا
مسیح کی آمدِ ثانی جس کے عیسائی اور مسلمان ہر دو معتقد ہیں خود حضرت عیسٰےؑ
نہیں ہو سکتے بلکہ ان جیسا کوئی اور انسان ہی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد چوہدری صاحب موصوف نے حضرت مسیح موعودؑ کی
زندگی اور مشن کے حالات بیان کئے اور امریکہ پر حضرت مسیح موعود کے
اثرات کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ویب سفیر امریکہ متعین فلپائن ۱۸۸۶ء
میں حضرت مسیح موعود سے خط و کتابت کے بعد اسلام قبول کرنے۔ ڈاکٹر
الیگزینڈر ڈوئی کے حضرت صاحب کی پیشگوئی کے مطابق مرجانے کا ذکر کیا۔ پھر
انہوں نے جناب عالیجاہ محمد صاحب کے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم
کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے روشنی حاصل کر کے مسلمان ہونے کا بتایا اور کہا
کہ یہ ترجمۃ القرآن جو کسی مسلمان کے قلم سے پہلا انگریزی ترجمۃ القرآن ہے حضرت
مسیح موعودؑ کے حکم کے مطابق اور ان کی آرزو پر عمل پیرا ہو کر کیا گیا اور اس طرح
امریکہ میں جو آج لاکھوں بلالی مسلمان موجود ہیں وہ حضرت مسیح موعودؑ کے مشن
کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور ان کے طفیل اسلام کی روشنی سے ان لاکھوں
انسانوں کے دل منوّر ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کی کوئی اور جماعت امریکہ میں
اسلام پھیلانے کے لئے کام کر رہی تھی نہ اور کوئی ترجمۃ القرآن موجود تھا۔
اگر یہ لاکھوں انسان اپنے اس محسن سے واقف ہوں اور اسکے مشن پر دل و جان سے
عمل پیرا ہوں تو چند سال میں امریکہ میں سب سے بڑا مرکز دین بن سکتا ہے۔

حاضرین کی تواضع جلسہ کے بعد ہلکی پھلکی چائے سے کی گئی۔ اس جلسہ کی کامیابی کے لئے
ہمارے جوان سال جنرل سکرٹری جناب ظفر عبداللہ صاحب نے کئی روز تک انتھک کوشش کی
اور اسکی کامیابی کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مکرم چوہدری محمد انور ملتانی صاحب

وقت کا تقاضا ہے کہ معاندینِ اسلام کا مقابلہ امام الزمان حضرت اقدس مرزا غلام احمدؑ کے فراہم کردہ سامانِ حرب سے کیا جائے۔

نوجوان طبقہ آئندہ رزم حق و باطل کے لئے اپنے آپکو اس سے تلبس کرے۔

دوسری عالمگیر جنگ کے اختتام پر ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی ایٹم بم باری سے جو تباہی آئی اس کے سبب ایٹمی اسلحہ کے استعمال سے دنیا ہر وقت لرزاں و خائف رہتی ہے۔ باوجود اس کے گذشتہ تیس پینتیس سال میں پہلے سے زیادہ مہلک و خطرناک ہتھیار تیار کئے گئے ہیں۔ جو اگر سب استعمال ہو جائیں تو ڈر ہے کہ پورا کرہ ارض بھک سے اڑ جائے۔ اس خطرہ کو کم سے کم کرنے کے لئے چند دن سے دو بڑی عالمی طاقتوں امریکہ اور روس کے مابین تحدید مہلک اسلحہ کا معاہدہ طے پایا ہے۔ جو دیکھیں کتنا موثر اور قابلِ عمل ثابت ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ سے ہندوستان اور بعض مغربی ممالک کے ذرائع ابلاغ یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پاکستان ایٹم بم کی تیاریوں میں مصروف ہے اور یہ جلد ایٹمی دھماکہ کرنے والا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ پاکستان اگر ایٹم بم تیار کر لیتا ہے تو یہ "مسلم ایٹم بم" ہوگا۔ اگرچہ حکومت پاکستان متعدد بار اس امر کی وضاحت کر چکی ہے کہ اس کی ایٹمی میدان میں ترقی صرف پُر امن مقاصد کے لئے ہے، اور یہ کوئی ایٹم بم نہیں بنا رہا اور اس سلسلے میں ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے اس نے اپنے ایٹمی مراکز کی بین الاقوامی نگرانی کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ مگر متعلقہ مغربی ممالک اور ہندوستان نے پاکستان کے موقف کو درخورِ اعتنا نہیں جانا۔

پہلے ان ممالک کے سرخیل امریکہ نے فرانس پر دباؤ ڈال کر پاکستان کے ہاتھوں ری پراسیسنگ پلانٹ کی فروخت رکوائی اور بعد ازاں توانائی سکیموں میں پاکستان کی مدد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تا کہ عالمِ اسلام میں اسے اس کے فعال کردار سے ہٹا کر اپنی پالیسیوں کے تابع بنائے۔

دراصل امریکہ کی یہ چال یہود۔ یہود اور نصاریٰ کی مشترکہ اسلام دشمنی کی آئینہ دار ہے، یہ لوگ چونکہ ملی بھگت سے مسلمانوں کے علاقوں اور ان کے بنیادی انسانی حقوق غصب کئے ہوئے ہیں اس لئے یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ مسلم ممالک میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ وہ عسکری لحاظ سے ان کے لئے کسی خطرے کا باعث بن جائیں۔

یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف ایک ایسا پڑوسی ملک ہمارے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے جو "عدم تشدد" کی پالیسی کا حامی اور "اہنسا" کے اصول کا پجاری ہونے کا دعویدار ہوتے ہوئے خود ایٹمی تجربہ کر چکا ہے۔ اور اپنے ہاں ہر طرف سے خرید کر کے جدید ہتھیاروں کے انبار لگا رہا ہے تاکہ موقع ملنے پر اپنے ہمسائیوں خصوصاً پاکستان پر کاری ضرب لگا سکے، اور جس نے پچھلے پینتیس سال کے دوران آئے روز اندرونِ ملک ہندو مسلم فسادات کرا کے اور ہمارے مشرقی بازو کو علیحدہ کر کے اپنے معاندانہ رویے کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ تو دوسری طرف مغربی ممالک نے پاکستان کے لئے طرح طرح کی مشکلات ابتداء سے پیدا کرنے کی کوششیں کی ہیں جن کے سرخیل امریکہ کو اپنے ۱۹۴۵ء والے کردار کا بخوبی علم ہے۔ کیا ان لوگوں کو جو مذہبی لحاظ سے یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ "ایک گال پر طمانچہ کھانے کے بعد دوسرا گال آگے کر دو" اور وہ خود اس کے برخلاف ایک مجنونانہ فعل کے مرتکب ہو چکے ہوں، یہ زیب دیتا ہے کہ وہ مذہبی دشمنی کی بناء پر پاکستان کو جوہری توانائی کے میدان میں ترقی سے روکیں نیز کیا خود ان میں غیرت و حمیت کی کوئی رمق باقی ہے کہ وہ یہ سب کچھ ایک ایسی قوم یہود کے اکسانے پر کر رہے ہیں جس نے ان کے مذہبی پیشوا اور ہادی کے ساتھ بدترین ظالمانہ سلوک کیا۔

اگر قوم یہود، یہود اور نصاریٰ یہ خیال رکھتی ہیں کہ وہ سائنسی میدان میں مسلمانوں کو پسماندہ رکھ کر اور اس طرح جوہری اسلحہ کی تیاری سے باز رکھ کر انہیں دبا سکتی ہیں یا وہ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک مقبوضہ علاقوں کے مسلمانوں کو ان کے جائز انسانی حقوق سے محروم کر کے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا سکتی ہیں تو یہ ان کی بھول ہے۔

انہیں یہ خبر نہیں کہ مسلمانوں کے پاس حصول مقاصد کے لئے وہ اسلحہ موجود ہے جس کا توڑ نہ عصرِ حاضر کی کسی بڑی سے بڑی دنیوی طاقت کے پاس اب ہے اور نہ آئندہ کوئی بڑی عالمی طاقت اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ یہ اسلحہ مذہب اسلام کی سچائی و حقانیت کی نسبت ناقابلِ تردید دلائل و براہین کا اسلحہ ہے جس کی حفاظت اور تائید و حمایت میں وہ اعلیٰ ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کائنات ہے اور جس کی طاقت کے سامنے امریکہ، روس اور دیگر بڑی بڑی اس دور کی عسکری طاقتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ اسلحہ امتِ مسلمہ کو بانیِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام اور امام الزمان حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت ملا ہے۔

حال کی بڑی طاقتوں کے اسلحہ سے بے شک کثیر تعداد میں لوگ ہلاک ہو سکتے ہیں۔ مگر اسلام کے پختہ دلائل و براہین کا اسلحہ بھی ہلاکت خیز ہے۔ ہاں البتہ دونوں کے اثرات میں واضح فرق ہے۔ اول الذکر اسلحہ کی تباہی و ہلاکت سے انسانوں کے اندر نفرت و انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور بہت سے انسانی مسائل جنم لیتے ہیں۔ جب کہ موخر الذکر اسلحہ کے استعمال کے نتیجہ میں ایسے لوگ جن کے اندر رشد و ہدایت کا مخفی مادہ ہوتا ہے اور وہ متلاشئ حق ہوتے ہیں ان کی زندگیوں میں خوشگوار تبدیلی رونما ہوتی ہے اور اس طرح انسانوں کے دلوں کے اپنے خالقِ حقیقی سے سچی محبت و معرفت۔ باہمی اخوت و مساوات، رواداری، ایثار و قربانی اور مخلوقِ خدا سے بھلائی و ہمدردی جیسے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو پھر ایک انقلاب کا موجب بنتے ہیں۔

یہ حد درجہ افسوسناک بات ہے کہ مسلمان قوم اب تک ان اسلحہ سے جو امام الزمانؑ کی معرفت اس تک پہنچا ہے اس کی افادیت سے بے خبر ہونے کے سبب لاتعلق چلی آ رہی ہے۔ اگر یہ قوم بہت پہلے اس طرف متوجہ ہو گئی ہوتی اور اس سے اس نے بروقت استفادہ کیا ہوتا تو آج نقشہ حالاتِ دنیا بالکل مختلف ہوتا۔ تاہم اس اسلحہ کی بدولت جو تبدیلی عنقریب متوقع ہے۔ اس کی بابت خدا تعالےٰ الہاماً بشارتیں حضرت امام الزمانؑ کو دے چکا ہے۔ ان میں سے کچھ کا ذکر یہاں پر کیا جاتا ہے:-

۱۔ مجھے یہ صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہوگا۔" (اشتہار

۱۲ر مارچ ۱۸۹۷ء)

۲- رات کو بعد تہجد لیٹ گیا- تھوڑی سی غنودگی کے بعد دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سرمہ چشم آریہ کے چار ورق ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ آریہ لوگ اب خود اس کتاب کو چھپوا رہے ہیں-

(الحکم جلد ۲ نمبر ۳- مورخہ ۸ر اکتوبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۶)

۳- میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے- میرا دل مردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے- میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا قادر توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے- غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے- مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا- خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو مریم اور اس کے بیٹے اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کر دوں سو اب اس نے چاہا ہے کہ ان دونوں کی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے- سو اب دونوں مریں گے- کوئی ان کو بچا نہیں سکتا اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو قبول کر لیتی تھیں- نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا- اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ چلے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہوگا- کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں-

قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے- وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے- تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی-"

(الاشتہار مستیقنا بوحی اللہ الاشتہار- مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۸۹۷ء صفحہ ۱-۲)

یہودی قوم کے بد انجام کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی پیشگوئی ہے کہ ایک وقت آئے گا جب یہ لوگ اپنی جانوں کو بچانے کے لئے پتھروں کے پیچھے چھپیں گے مگر پتھر بھی بتا دیں گے کہ یہ ادھر چھپے ہیں- ان کی طاقت کا انحصار اپنے مربی امریکہ و برطانیہ پر ہے جب ان ممالک کے اپنے لوگوں کی صفوں میں سخت پھوٹ پڑے گی تو اس کا گہرا اثر اسرائیل پر بھی پڑے گا-

حضرت امام الزمان کی مذکورہ بالا بشارتوں کی حقیقت کو پرکھنے کے لئے لوگوں کو ان کی چند درج ذیل کتابوں کے مطالعہ کی دعوت دی جاتی ہے:-

۱- براہین احمدیہ - ۲- ازالہ اوہام ۳- آئینہ کمالات اسلام -
۴- تریاق القلوب ۵- سرمہ چشم آریہ ۶- چشمہ معرفت ۷- نسیم دعوت-
۸- تحفہ گولڑویہ ۹- چشمہ مسیحی- ۱۰- انجام آتھم- ۱۱- اعجاز المسیح- ۱۲- نزول المسیح-
۱۳- اسلامی اصول کی فلاسفی-

جہاں تک امام الزمان حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحبؑ کے مقام اور دعاوی کا تعلق ہے جس کی بابت موافقین اور مخالفین نے مختلف رائیں قائم کر رکھی ہیں ان کی اصلیت و حقیقت کو جاننے کے لئے لوگوں کی توجہ ایک کتاب "THE NEW WORLD ORDER" مصنفہ مولانا محمد علی مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے جسے امام الزمان حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کی ستر اسی سال پہلے شائع شدہ پیشگوئیوں کے مطابق ایک فیصلہ کن کردار ادا کرنا ہے یہ کتاب جیسا کہ خاکسار پہلے کئی بار اس ہفت روزہ اخبار کے کالموں میں عرض کر چکا ہے کہ بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ملکی معیشت متعلق دو متنازعہ تقاریر مورخہ ۲۶ر مارچ و ۱۵ر جولائی ۱۹۴۸ء کا ماخذ کتاب ہے جو خدا تعالیٰ کی گہری حکمت و تدبیر کے تحت موجودہ حیثیت میں لوگوں کے سامنے آنے کو ہے-

ان معروضات کے ساتھ مسلمان قوم بالخصوص اس کے نوجوان طبقہ کو جذبۂ خیر خواہی کے تحت درخواست کی جاتی ہے کہ وہ آگے آئے اور خود دیکھے کہ آیا وہ شخص جسے اس نے اس کے مخالفین کی آراء کی بناء پر جھوٹا- فریبی- دغاباز اور امت محمدیہؐ میں ایک فتنہ سمجھ رکھا ہے ایسا ہی ہے یا اس کا بہی خواہ اور محسن جس کی مالی قربانیوں اور تقریری و تحریری جہاد فی سبیل اللہ سے مدتوں پہلے اسے فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا اور جس سے الگ رہ کر وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ مسلمان قوم حضرت مرزا صاحب کی جگہ ایک ایسے شخص کی منتظر چلی آ رہی ہے جسے اس کے خیال کے مطابق جلالی رنگ میں یعنی تلوار کے ذریعہ اسلام کو غالب کرنا تھا جو درحقیقت دیکھا جائے تو سراسر اسلام کے اس بنیادی اصول لا اکراہ فی الدین (دین میں جبر جائز نہیں) کے منافی عقیدہ ہے- تاہم ایسا کام قلم کے ذریعہ اگر ممکن ہو اور حالات کا تقاضا بھی یہ ہو تو پھر کیوں نہ وہی طریق اختیار کیا جائے جو مناسب اور منشاء الٰہی کے موافق ہو اور پھر قلم کی طاقت کے متعلق اس قوم کے ایک محبوب رہنما قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے یہ الفاظ بھی نوٹ کرنے کے قابل ہیں کہ:-

"قلم کی طاقت تلوار کی طاقت سے کم نہیں"

مکتوب تعزیت

کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ

آہ! مولانا دوست محمد

محترمی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

مانچسٹر انگلینڈ سے ناصر احمد کا مراسلہ دستیاب ہوا جس میں یہ اندوہناک خبر ملی کہ پیغام صلح کے سابق ایڈیٹر مولانا دوست محمد مورخہ ۲۲ر مئی کو اپنے مولائے حقیقی کی طرف رحلت کر گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون - اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں بلند درجات عطا کرے - اور ان کی روح کو ابدی سکون بخشے - آمین-

مولانا مرحوم نے بحیثیت مدیر "پیغام صلح" نصف صدی سے زائد بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں- اتنی طویل خدمات انجام دینے کا موقع بہت کم مدیروں کو نصیب ہوتا ہے - ان کے اداریئے نہایت ہی جامع اور ہر قسم کی گرفت سے ہمیشہ محفوظ رہے - اللہ تعالیٰ نے انہیں قوی ذہن عطا کیا تھا - یہی وجہ تھی کہ ان کے مقالوں پر تنقید نہیں ہو سکتی تھی - مرحوم کے رشحات قلم نے پیغام صلح کو ایک نمایاں مقام عطا کیا- آپ یقیناً پیغام صلح کے روح رواں تھے - آپ کے صاحب علم و قلم ہونے کو اپنے پرائے سبھی مانتے ہیں اور آپکی خدمات کو خراج تحسین ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے - ان کی کتاب "آئینہ احمدیت" ایک اعلیٰ کتاب ہے-

آہ! انجمن کے اہل قلم حضرات ایک ایک کر کے اٹھتے چلے جا رہے ہیں- مولانا مرحوم کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسکا پورا ہونا آج ہمیں نظر نہیں آتا اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح پر بیشمار رحمتیں نازل کرے اور انکے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے - آمین - والسلام - مخلص محمد یسین اسٹیکر - کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ -

مکرم شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

قرآن کریم میں مُرتد کو قتل کرنے کی نہیں بلکہ زندہ رکھنے کی تلقین ہے

بلکہ قتل کو منافی اسلام قرار دیا ہے

(قسط نمبر ۲)

ملائکہ اور ابلیس اور انسان کی فطری بناوٹ اور ان کا مفوضہ کام پیشتر اس کے کہ میں دیگر پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قتلِ مرتد کے متعلق کچھ لکھوں اور اس پر روشنی ڈالوں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ، ابلیس، اور انسان کی فطری بناوٹ اور ان کے مفوضہ کاموں کے متعلق کچھ روشنی ڈالوں۔

ملائکہ کے متعلق قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے بلکہ وہ مشین کی طرح الٰہی احکام کو عمل میں لانے کے لئے مجبور ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون"

یعنی فرشتے کسی ایسے حکم کی جو اللہ ان کو دیتا ہے نافرمانی کر ہی نہیں سکتے بلکہ جو حکم ان کو دیا جاتا ہے اس کو فوراً عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کام جو ان کے سپرد کیا گیا ہے یعنی جس کام کا تعلق انسان کے ساتھ ہے وہ یہی ہے کہ انسان کو ان تمام نیکیوں کو بجالانے کی تحریک کرتے رہیں۔ لیکن نیکیوں کے کرنے کے لئے ان پر جبر کو کام میں نہ لایا جائے صرف تحریک تک اکتفا کیا جائے۔

ان کے بالمقابل ابلیس کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ہر حکم کی نافرمانی کرے۔ اسی لئے جب ملائکہ کو انسان کی خدمت کرنے کے لئے کہا گیا تو وہ فوراً خدمت کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن جب ابلیس کو اس کام کے لئے حکم دیا گیا تو اس نے فوراً اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں:-

"ابیٰ واستکبر وکان من الکٰفرین"

یعنی اس نے انسان کی خدمت گزاری سے انکار کر دیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور انکار کرنا ہی اس کی فطرت میں تھا۔ پس جس طرح فرشتوں کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ انسان کے دل میں نیک کاموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تحریکیں کرتے رہیں اسی طرح اس کے بالمقابل شیطان کے ذمہ یہ لگایا گیا کہ وہ انسان کو نیکی سے باز رکھنے اور برائی کے کاموں کو کرنے کی تحریکیں کرتا رہے جس طرح فرشتوں کو یہ حکم تھا کہ وہ انسان سے نیکی کروانے کے لئے جبر سے کام نہ لے صرف تحریک پر ہی اکتفا کرے۔

چنانچہ قیامت کے دن جب نیکی اور بدی کے فیصلے ہوں گے تو شیطان کہے گا کہ اے انسان اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا نکلا اور جو وعدے میں نے تم سے کئے تھے وہ غلط نکلے مجھے تم پر کسی قسم کا غلبہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تم کو بلایا اور تحریک کی اور تم نے میری تحریک کو قبول کر لیا۔ پس مجھے ملامت مت کرو۔ قرآن کریم کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں:-

"وقال الشیطان لما قضی الامر ان الله وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی فلا تلوموني ولوموا انفسکم۔" (ابراہیم - ۲۲)

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو انسان پر کوئی تسلط حاصل نہیں۔ صرف اس کا کام تحریک کرنا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے:-

"کتب علیه انه من تولاه فانه یضله ویهدیه الی عذاب السعیر۔" (الحج - ۵)

یعنی اس کے ذمہ یہی لگایا گیا ہے کہ جو اس کو دوست بنا لیتا ہے یعنی اس کی باتیں ماننے لگ پڑتا ہے تو وہ اسے گمراہی اور دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاتا ہے پھر اس کے متعلق قرآن کریم یہ بتاتا ہے:-

"انما سلطانه علی الذین یتولونه"

کہ اس کا تسلط انہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اس کی تحریکوں کو مان کر عملی جامہ پہناتے رہتے ہیں۔

شیطانی تحریکوں کا انسان کے لئے مفید ہونا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض"

اے انسانو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان تمام کو ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ شیطان بھی انہی چیزوں میں سے ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ لیکن شیطان تو خدمت گزاری سے انکار کرتا ہے پھر مسخر کرنے کے کیا معنے ہوئے سو یاد رہے کہ ملائکہ کی خدمت میں اور شیطان کی خدمت میں فرق ہے۔ دونوں ہی انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک ہستی تو براہ راست خدمت میں لگی ہوئی ہے جیسا کہ ملائکہ اور ایک ہستی بلاواسطہ خدمت میں مصروف ہے اور یہ ہستی شیطان کی ہستی ہے یہ بھی درحقیقت انسان کو اپنے مقصد زندگی کو حاصل کرنے کے لئے ممد بنائی گئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ طالب علموں کے دوڑ کے مقابلہ میں کچھ روکیں ان کے راستہ میں کھڑی کر دی جاتی ہیں تا جو ان روکوں کو عبور کر لیں تو دوڑ میں کامیاب قرار دیئے ہیں۔

پس شیطانی تحریکیں درحقیقت قربِ الٰہی کے حاصل کرنے کے راستے میں سالکین کے لئے روکوں کا کام دیتی ہیں جو ان تحریکوں کو ٹھکرا دیتے ہیں وہ قربِ الٰہی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"فقاتلوا اولیاء الشیطان ان کید الشیطان کان ضعیفا۔"

یعنی شیطان کا پوری طرح سے مقابلہ کرو یعنی اس کی تحریکوں کو عملی جامہ پہنانے کی بجائے انہیں ٹھکرا دو اور انہیں کامیاب نہ ہونے دو۔ اس کی تحریکیں درحقیقت کمزور ہوتی ہیں۔ انسان اگر تھوڑی سی ہمت کرے تو ان کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے طریقے بتلائے ہوئے ہیں ان پر عمل کرنے سے وہ تحریکوں سے بچنے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ نہ ملائکہ جبر سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی شیطان جبر سے کام لیتا ہے۔ دونوں ہستیاں اپنے اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے لئے محض تحریکوں پر ہی اکتفا کرتی ہیں۔ اب ان دونوں

ہستیوں کے مقابلہ میں تیسری ہستی انسان کی ہے جس کی فطرت میں دونوں طاقتیں رکھی گئی ہیں جیسا کہ فرمایا :۔

"فالھمھا فجورھا وتقوٰھا"

یعنی انسان کی فطرت میں فرشتوں کی طرح کامل فرمانبرداری کی طاقت بھی رکھی گئی ہے اور شیطان کی طرح اس کی فطرت میں نافرمانی کی طاقت بھی رکھی گئی ہے اور اسکو ان دونوں طاقتوں میں سے جن طاقتوں سے چاہے کام لے کر فجور کی طرف چلا جائے یا نیکی اور تقوے کی طرف جائے اس کے لئے اس کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کوئی جبر اس پر نہیں کیا جاتا نہ فجور کی طرف جانے کے لئے جبر کیا جاتا ہے اور نہ تقوے کی طرف جانے کے لئے جبر کیا جاتا ہے۔ اس کی مرضی ہے کہ دونوں راہوں میں سے جس راہ کو چاہے اختیار کرے۔ نیکی کی راہیں بھی خدا نے بتلا دی ہیں اور دونوں راہوں کو بالکل واضح بھی کر دیا ہے اور ساتھ ہی ان کے نتائج سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ بعض نتائج اس دنیا میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں اور مکمل نتائج قیامت کے دن ظاہر ہوں گے۔ پس اچھے نتائج اور برے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے جس راہ کو وہ چاہے اختیار کر لے۔

اس اختیار میں اس کو مکمل آزادی دی گئی ہے جیسا کہ فرمایا :۔

"لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم۔ اللہ ولی الذین اٰمنوا۔ یخرجھم من الظلمٰت الی النور والذین کفروا اولیٰھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمٰت اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون۔

اس آیت میں دو امور کو واضح کر دیا گیا ہے۔ پہلا امر تو یہ ہے کہ دین کے بارے میں یعنی اسے اختیار کرنے یا اس پر قائم رہنے کے متعلق کسی نوع کا جبر جائز نہیں کیونکہ صداقت اور حق کی راہ کو بھی کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور ان پر ایسے دلائل اور براہین دیئے گئے ہیں کہ جو حق کو بھی واضح کر دیتے ہیں اور باطل کو بھی عریاں کر کے سامنے لے آتے ہیں۔

پھر دوسری بات آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ حق کو اختیار کرنے سے کیا نتائج نکلیں گے یعنی حق کو اختیار کرنے والا شخص دن بدن تاریکیوں سے نکلتا چلا جائے گا اور نور کی نعمت سے متمتع ہوتا چلا جائے گا اور اس کے بالمقابل باطل کو اختیار کرنے والا نور سے محروم ہوتا چلا جائے گا اور خدا تعالےٰ کا دونوں کے ساتھ جو الگ الگ سلوک ہوگا وہ بھی حق کو حق ثابت کرنے کے لئے اور باطل کو باطل ثابت کرنے میں مدد دے گا اس خدائی تائید سے ہر عقلمند انسان حق کو آسانی سے سمجھ سکے گا اور باطل کی حقیقت بھی اس پر آسانی سے کھل جائے گی۔ لیکن باوجود ان وضاحتوں کے انسان کو پورا پورا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس راہ کو چاہے اختیار کرے یا جس راہ پر چاہے قائم رہے۔

"فمنھم من اٰمن ومنھم من کفر"

یعنی جو ان میں سے ایمان لانا چاہیں وہ ایمان لے آئیں اور جو کفر اختیار کرنا یا اس پر قائم رہنا چاہیں وہ کفر اختیار کر لیں یا اس پر قائم رہیں۔

اسی سورۃ الکھف میں فرمایا :۔

"وقل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔"

یعنی حق ظاہر ہو گیا یعنی تمہارے رب نے اسے واضح کر کے تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ پس تم میں جو اسے قبول کرنا چاہے قبول کر لے اور جو اس کا انکار کرنا چاہے اس کا انکار کر دے۔ اس آیت سے بھی واضح ہے کہ انسان ہدایت کی راہ یا کفر کی راہ اختیار کرنے میں خدا تعالےٰ کی طرف سے پوری طرح آزاد ہے۔

پھر سورۃ الدھر میں فرمایا :۔

"انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً"

یعنی ہم نے ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر دی ہے اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ شکر گذار ہو کر اسے قبول کرے اور اس پر چل پڑے یا اس کا انکار کر کے اس سے دور رہے یا اسے پا لینے کے بعد خواہ چاہے تو اس پر قائم رہے یا اسے چھوڑنا چاہے تو اسے چھوڑ دے۔

جیسا کہ سورۃ الانفال میں فرمایا :۔

"ویکون الدین کلہ للہ"

یعنی دین سارا کا سارا محض خدا کے لئے ہی ہو اس کے اختیار کرنے یا اس پر قائم رہنے پر خدا کے سوا اور کسی کا خوف یا ڈر اثر انداز نہ ہو۔ وہ لوگ جو اسلام کو ایک دفعہ اختیار کر کے پھر اس سے واپس ہونے کو جائز قرار نہیں دیتے خواہ کسی مسلمان کہلانے والے کا دل اسلام سے متنفر ہی کیوں نہ ہو جائے وہ اس آیت پر غور کریں۔

اب وہ شخص جس کا دل نعوذ باللہ اسلام سے بیزار ہو گیا ہے وہ اب اگر اسلام کے اندر رہتا ہے تو وہ قتل کے خوف اور ڈر سے رہ رہا ہے نہ کہ خدا کی خوشنودی کے لئے اس کا یہ دین خالصاً محض خدا کے لئے نہیں ہو سکتا۔ خدا تو اس دین کو اپنے لئے سمجھے گا جو واخلصوا دینھم للہ کے مصداق ہوں۔ گویا وہ لوگ جو اسلام کو چھوڑنا چاہتے ہوں وہ قتل ہونے کے خوف سے اسے چھوڑ نہیں سکتے وہ گویا منافقانہ زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کا دین خالص خدا کے لئے نہیں ہو سکتا اور کس طرح وہ خدا کے بندے کہلا سکتے ہیں اخلاص جو دین کے لئے لازمی چیز ہے وہ تو ان کے دلوں سے عنقا ہو چکا ہوتا ہے یہ آزادی جو انسان کو سچائی اور باطل کو اختیار کرنے میں انسان کو خدا تعالےٰ کی طرف سے دی گئی ہے اسی کی بنا پر کہا گیا ہے :۔

"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم"

یعنی انسان کی فطری بناوٹ بہترین بناوٹ بنائی گئی ہے کیونکہ یہ اپنی فطری طاقت کے لحاظ سے قرب الٰہی کے حاصل کرنے میں فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور ابلیس کو بھی پچھاڑ کر رکھ دیتا ہے یہاں تک کہ ابلیس پر بھی ایسا غلبہ حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے اصلی فرض یعنی بدی کی تحریک کو چھوڑ کر نیکی کی تحریک کرنا شروع کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت نبی کریم صلعم سے جب پوچھا گیا کہ کیا شیطان آپ کے ساتھ بھی لگا ہوا تھا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہاں وہ میرے ساتھ بھی تھا لیکن اب وہ مغلوب اور میرا مطیع ہو چکا ہے اور بدی کی بجائے میرے اندر بھی نیکی کی تحریک کرتا ہے۔ گویا اس نے میرے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ یہ ان کی اعلےٰ درجہ کی بناوٹ کا ہی نتیجہ ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں دوسری جگہ آیا ہے کہ ہم نے یہ امانت آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی مگر وہ اس امانت کے اٹھانے سے ڈر گئے اس امانت کو صرف انسان نے ہی اٹھا لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی فطری بناوٹ سب سے بہترین بناوٹ ہے۔

اگلی قسط میں انشاء اللہ اس موضوع پر دوسرے پہلوؤں سے بحث کی جائے گی ۔

ھفت روزہ پیغام صلح

خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں ۔ (ادارہ)

لنڈن مشن کے شب و روز

جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام لنڈن مشن کا مکتوبِ گرامی

محترم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام لنڈن مشن جو اس وقت جماعت سرینام کی دعوت پر ٹرینیڈاڈ، گیانا اور سرینام کے دورہ پر تشریف لے گئے ہیں اور اواخر جولائی میں واپس تشریف لائیں گے اپنے مکتوب مؤرخہ ۵ رجون میں رقمطراز ہیں :—

مولانا حافظ شیر محمد صاحب کی تشریف آوری مولانا حافظ شیر محمد صاحب مبلغِ اسلام فیجی جو وسط مئی میں پاکستان سے روانہ ہوئے تھے، ہالینڈ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد لندن تشریف لائے اور ایک ہفتہ یہاں ٹھہر کر سرینام روانہ ہو گئے۔ حافظ صاحب موصوف نے یہاں فیجی کے بہت سے مقیم احباب سے فرداً فرداً اور اجتماعی رنگ میں ملاقاتیں کیں، قرآن مجید کے درس اور وعظ و نصیحت کی مجالس کا انعقاد ہوا اور فیجی میں زیرِ تعمیر مسجد کے لئے تمام احباب سے چندہ وصول کیا اور ایک خطیر رقم جمع کر لی۔

یو۔کے جماعت کے احباب نے بھی حافظ صاحب کے اعزاز میں دعوتوں کا اہتمام کیا۔ فیجی کے احباب میں سے بالخصوص قابلِ ذکر جناب نور الدین صاحب وکیل ہیں، جن کے خسر جناب تسلیم رضا صاحب نے حال ہی میں وفات پائی ہے۔ مرحوم تسلیم رضا صاحب ایک صاحبِ حیثیت اور بارسوخ انسان تھے، ایک مخلص احمدی ہونے کے علاوہ بڑے مخلص کارکن تھے اور مسجد کی تعمیر میں خصوصیت سے بہت دلچسپی لے رہے تھے۔ ان کی وفات سے حافظ صاحب بہت آزردہ خاطر ہوئے۔ مگر ہر چہ مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ نور الدین صاحب کے ایک بھائی آفتاب اقبال صاحب بھی یہاں پر وکیل ہیں۔ ان دونوں نے ایک اجتماع کا انتظام کیا جس میں فیجی کے بہت سے احباب جمع ہوئے اور حافظ صاحب کی اپیل پر سب نے دل کھول کر مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ دیا۔

پاکستانی احباب میں سے جو یو۔کے جماعت کے مخلص اور مستعد ممبر ہیں سب سے اول چوہدری سعادت احمد صاحب (برادر زادہ جناب چوہدری فتح محمد عزیز صاحب ایڈووکیٹ) کے ہاں حافظ صاحب کی دعوت ہوئی اور ان کے جملہ اہل و عیال نے تعمیرِ مسجد کے لئے چندہ دیا۔ اس کے بعد قاضی عبد الجبار صاحب، قاضی ارشاد احمد صاحب اور ان کے دیگر اعزہ نے والتھم سٹو میں ایک اجتماع کا اہتمام کیا۔ جس میں حافظ صاحب نے قرآن مجید کا درس دیا اور تنظیم و استحکام جماعت پر گفتگو فرمائی۔

قاضی فیملی نے جو اپنی مہمان نوازی کے لئے بہت مشہور ہے نہ صرف پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا بلکہ سب نے مسجد کے لئے چندہ بھی دیا۔ اس سے دوسرے دن محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ نے اپنے دولت خانہ پر چند دوستوں کو بلایا اور حافظ صاحب کے اعزاز میں دعوت کا انتظام کیا۔ یہاں سے رات بارہ بجے حافظ صاحب کی واپسی ہوئی اور احمدیہ ہاؤس میں ہی انہوں نے قیام فرمایا۔

اگلے دن حافظ صاحب جناب ڈاکٹر عبد الکریم پاشا صاحب کے ہاں تشریف لے گئے اور ہسپتال میں ان سے اپنے زخم کی پٹی بھی کروائی اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں شام کا کھانا بھی کھایا۔ کافی رات گذرنے کے بعد جناب ڈاکٹر پاشا صاحب محترم حافظ صاحب اور خاکسار راقم الحروف کو اپنی کار پر احمدیہ ہاؤس لانگلے روڈ پر پہنچا گئے اور یہاں سے حافظ صاحب جناب شاہد عزیز صاحب سیکرٹری جماعت کے ہاں چلے گئے کیونکہ اگلی صبح کو ان کی روانگی تھی۔ دوسرے روز صبح جناب عزیز احمد صاحب اپنی کار میں حافظ صاحب کو ہوائی اڈہ لے گئے اور راقم الحروف احباب جماعت لندن اور فیجی کے کثیر احباب نے قریب دس بجے حافظ صاحب کو الوداع کہا اور وہ سرینام کے لئے پرواز کر گئے۔

ہالینڈ کے دوستوں کی تشریف آوری۔ دوسری قابلِ ذکر خبر ہالینڈ کے دوستوں کی لندن میں تشریف آوری ہے۔ جماعت ہیگ (ہالینڈ) کے صدر جناب نور سردار صاحب نے صدر جماعت یو۔کے محترمہ جمیلہ خان صاحبہ کو اطلاع دی کہ ہالینڈ سے ایک جماعت جو ساٹھ افراد پر مشتمل ہوگی، لندن کی سیاحت کے لئے آئے گی اور اپنے قیام کا خود انتظام کرے گی۔ البتہ ہفتہ کی شام کو جماعتِ لندن کے دوستوں سے ملاقات کرے گی۔ چنانچہ حسب پروگرام ۳۱ رمئی کو یہ جماعت لندن وارد ہوئی اور ہفتہ مؤرخہ ۲ رجون کی شام کو ان کے اعزاز میں جماعتِ لندن کی طرف سے دعوت دی گئی۔

کثیر اجتماع کے پیشِ نظر کوئی ہال کرایہ پر لینے کا خیال تھا۔ کیونکہ مہمانوں کے علاوہ لندن کی جماعت بھی کثیر تعداد میں شریک ہوئی مگر اس کو غیر ضروری خرچ سمجھا گیا اور احمدیہ ہاؤس میں ہی اپنی مسجد میں اجتماع ہوا۔ ہماری محترمہ جمیلہ خان صاحبہ اور دیگر خواتین و احباب نے نہایت سلیقہ سے جگہ کا انتظام کیا اور کرسیوں کی قطار کے پیچھے بچوں فرشی نشست کا انتظام بھی کیا گیا اور سب نے اس انتظام کو سراہا۔

مہمانوں کی دعوتِ طعام کے لئے جماعتِ لندن کی خواتین نے عمدہ عمدہ کھانے وافر مقدار میں پکا کر مہیا کئے اور نہایت شاندار دعوت کا انتظام ہو گیا۔ بیگم عزیز احمد صاحبہ، مسز مجید علی اور ان کی بیگم صاحبہ، ہمارے عزیز دوست مسٹر عزیز علی اور ان کی بیگم صاحبہ، محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ، محترمہ جمیلہ خان صاحبہ اور دیگر کئی دوست بہت سی چیزیں پکوا کر ہمراہ لائے جو مہمانوں کے علاوہ لندن کی جماعت کے شرکاء کے لئے بھی بخوبی مکتفی ہوئیں۔

ابتداء میں خاکسار نے تلاوتِ قرآن پاک سے مجمع کو خطاب کیا اور انہیں اس ارشادِ ربانی کی طرف توجہ دلائی کہ جب تم خدا کی زمین میں سیاحت کرو تو ان عظیم محلات، شاندار قلعوں، باغات اور تاریخی عمارات پر عبرت سے نظر ڈالو کہ ان کو بنانے والے کس قدر قابل اور طاقتور لوگ تھے لیکن اب وہ نابود ہو چکے ہیں۔ یہ ذکر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا تھا اور ثمود کی حالت کا نقشہ کھینچ کر بتایا گیا کہ مسلمان ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا اور عبرت حاصل کرتا ہے اور اس کا کوئی فعل بھی عبث اور محض کھیل نہیں ہوتا۔

جناب نور سردار صاحب کے تاثرات۔ اس کے بعد صدر جماعت محترمہ جمیلہ خان نے اپنی مجلس انتظامیہ کے ممبروں کا تعارف کرایا اور اس کے بعد جماعتِ ہالینڈ کے صدر جناب نور سردار صاحب نے اپنی جماعت کے ممبران کا تعارف کرایا اور ایک نہایت ہی مؤثر اور دلاویز تقریر فرمائی جس کا سامعین پر بہت اثر ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ گذشتہ کئی سالوں سے وہ سنتے آ رہے تھے کہ ووکنگ میں احمدیہ مشن ہے اور پھر لندن کا بھی سننے میں آیا۔ لیکن ہم نے یہاں کوئی جماعت نہ دیکھی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ آج ایک ملک کی احمدیہ جماعت

دوسرے ملک کی احمدیہ جماعت کی جہاں سے اور ہمیں اپنی سیاحت اور تفریحی دَورہ کی اس قدر خوشی نہیں ہوئی جس قدر لندن کی جماعت کو یہاں دیکھکر خوشی ہوئی ہے۔

یہ جماعت گذشتہ دو سال سے قائم ہوئی ہے اور یہ لوگ اپنی طاقت اور ہمت سے بڑھ کر کام کر رہے ہیں۔ ورنہ اس سے قبل یہاں ایسی کوئی جماعت موجود نہ تھی۔ اس کے بعد انہوں نے سرینام میں احمدیت کی ابتداء کی تاریخ بتائی کہ وہاں ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء میں احمدیت کا پیغام پہنچا اور ان بزرگوں کے حالات سنائے جنہوں نے ابتداء میں احمدیت کے لئے خاص طور پر کام کیا۔

مسٹر حسن علی صاحب اور یوسف محمد صاحب جو مہمانِ خصوصی تھے انہوں نے گیانا میں احمدیت کی تاریخ بیان کی اور فرمایا کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کا ان کے ملک پر بہت بڑا احسان ہے کہ ان کے توسط سے صحیح اسلامی تعلیم ان کے ملک میں پہنچی ورنہ مُلّا مولویوں کو تو کفر کے فتوؤں سے فرصت نہ تھی۔

نور سردار صاحب نے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا کہ جب بیرونی ممالک سے انجمن حمایت اسلام لاہور سے مبلغ کے لئے درخواست کی گئی تو انہوں نے وہ خط احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو بھیجدیا کیونکہ تبلیغ اسلام اسی جماعت کی خصوصیت تھی۔ اس مجلس میں ٹرینیڈاد کے مبلغِ اسلام مسٹر کمال ہائیڈل کے والدین اور ہمشیرہ بھی موجود تھے جو مسٹر فیض خان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ مجلس میں مسٹر کمال ہائیڈل کے کام کو سراہا گیا۔ جس کا اس کے والدین پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ پھر نماز کے بعد حاضرین کو پُرتکلف دعوت طعام دی گئی اور تمام لوگ کھانے کے ساتھ ساتھ گفتگو میں بھی شامل رہے غرضیکہ یہ اجتماع ہر لحاظ سے نہایت مفید اور بابرکت ثابت ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك۔

جناب نور سردار صاحب نے لندن کی جماعت کو دوبارہ ہالینڈ کے لئے دعوت دی جس کا انتظام ہوچکا ہے اور لندن کے احباب جولائی کے آخری ہفتہ میں بذریعہ بس ہالینڈ جا رہے ہیں۔ یہ لوگ بھی کم و بیش ساٹھ ہوں گے۔ لندن سے بعض غیر از جماعت دوست بھی اس گروپ میں شامل ہو رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اس سفر کو بابرکت بنائے۔

یہ اجتماع ہفتہ کے روز رات گیارہ بجے تک رہا۔ دوستوں نے دُور دور جانا تھا۔ ان کے ہمراہ بچے بھی تھے۔ بچوں کو سنبھالنا اور رقابی برتن لے کر جانا موجب تکلیف تھا۔ تاہم خواتین و احباب نے خوشی سے یہ تکلیف اُٹھائی۔ مسز شاہد عزیز، بیگم ڈاکٹر فاروق عبداللہ صاحب اور دیگر خواتین و حضرات ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

چونکہ آپ صاحبان کی خواہش کے مطابق اور گیانا، ٹرینیڈاڈ اور سرینام کی دعوت پر میں انشاءاللہ ۷ر جون کو بذریعہ ہوائی جہاز مغربی کنٹری جا رہا ہوں۔ غالباً شروع جولائی میں واپسی ہوگی۔ آپ تمام احباب اور بزرگانِ جماعت سے درخواست ہے کہ اس اہم سفر میں جو محض خدمتِ اسلام کے لئے ہے میری کامیابی کی دُعا فرمائیں۔ میری غیر حاضری میں محترم عزیز احمد صاحب میری جگہ کام کریں گے۔ والسلام

(نظیر الاسلام)

قابلِ تقلید محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ (لاہور) تحریر فرماتی ہیں: — پچھلے دنوں خطبہ جمعہ میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنی آمدن کا دس فیصد چندہ ماہوار میں دینا افضل ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں میں نے اپنے چندہ ماہوار کی رقم بڑھا کر دس فیصد کر دی ہے۔ چنانچہ تین ماہ جون، جولائی، اگست ۱۹۷۹ء کا ماہوار چندہ پیشگی ارسال خدمت ہے۔ ۲۲-۲۷۰/- روپے جزاہ اللہ احسن الجزا۔ (۲۶)

سیرت خیر البشرؐ

حبیبِ خدا اشرفِ انبیاءؐ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کا ایک پہلو

سب سے بلند گھاٹی جس پر چڑھ کر انسان انسانیت کے اصل شرف کو حاصل کرسکتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ یتیم کی اور خاک آلودہ مسکین کی خبرگیری کی جائے۔ جو یتیم کی عزت نہیں کرتے انہیں ذلت کی خبر سنائی۔ قوم کی ذلت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ اکرام یتیم اور امداد مسکین کو ترک کردے۔ قرآن کریم اس قسم کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ اور اس کا لفظ لفظ بتاتا ہے کہ بے کسوں اور مظلوموں کے لئے وہ کیا درد تھا جو آپؐ کے دل میں پنہاں تھا۔

آپ کی بعثت سے پہلے کی زندگی کے واقعات سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں اعلےٰ درجہ کے باحیا اور بُردبار تھے۔ زیادہ کھیل کود آپ کی عادت نہ تھی۔ ابوطالب نے آپؐ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عباسؓ سے کہا کہ میں نے کبھی آپ سے جھوٹ، ہنسی، مخول، جہالت، بچوں کے ساتھ رہنا نہیں دیکھا۔ ملک عرب کا عام شغل اس زمانہ میں جنگ تھا۔ مگر آپ کو اس سے کچھ مناسبت نہ تھی حرب فجار میں آپؐ شامل بھی ہوئے تو اپنے چچوں کو تیر وغیرہ پکڑانے کا کام کرتے تھے۔ ملک کی توہم پرستیوں کو آپ کے سینۂ صافی میں کوئی دخل نہ تھا اور بیان [illegible] ہے کہ آپ کا سینہ بچپن ہی سے ہر قسم کی آلائش سے صاف کر دیا گیا۔ اور وہ کشفی نظارہ جس میں فرشتے آپ کے سینہ کو دھوتے ہوئے دکھائے گئے اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ کہ آپؐ کا قلب ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے بت پرستی سے آپؐ کو بچپن سے نفرت تھی۔

ایک دفعہ کسی مجلس میں لات و عزیٰ کے ذکر پر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے جیسی ان سے نفرت ہے اور کسی چیز سے ایسی نفرت نہیں۔ بلکہ شرک کی رسومات میں بھی آپ کبھی شریک نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے وہ کھانا بھی کھانے سے انکار کیا جو بتوں کے نام پر چڑھایا گیا تھا۔

نسل انسانی کی ضلالت اور گمراہی کو دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا تھا۔ اور آپ کے اندر ایک جوش تھا کہ کس طرح مخلوق ہدایت کی راہ پر آئے۔ آپ غارِ حرا میں تنہائی میں جاکر خدا کے لئے روتے اور اپنے دردِ دل کا اظہار کرتے تھے حضرت مجدد صد چہاردہم نے اس کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا ہے ؎

اندراں وقتیکہ دنیا پر ز شرک و کفر بود
ہیچکس را غم نشد دل جز دلِ آں شہریار
نعرہ ہا پُر درد مے زد از پئے خلق خدا
شد تضرع کار او پیش خدا لیل و نہار

تاج دین پرنٹرز۔ تکیہ املی والا۔ آبکاری روڈ لاہور میں باہتمام تاج دین پرنٹر چھپا اور محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲۹ر اگست ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۲۷

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۱۲ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۲۷

ملفوظات حضرت مجدد زمان مرزا غلام احمد علیہ السلام

خدا تعالےٰ کے مامور ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں

— اور خدا تعالےٰ ان کو ضائع نہیں کرتا اور ذلت اور خواری کی مار ان پر نہیں مارتا کیونکہ وہ اس کے عزیز اور اس کے ہاتھ کے پودے ہیں ان کو اس لئے بلندی سے نہیں گراتا کہ ہلاک کرے بلکہ اس لئے گراتا ہے کہ تا ان کا خارق عادت طور پر بچ جانا دکھادے۔ ان کو اس لئے آگ میں دھکہ نہیں دیتا تا ان کو جلا کر خاکستر کر دیوے۔ بلکہ اس لئے دھکہ دیتا ہے تا لوگ دیکھ لیویں کہ پہلے تو آگ تھی۔ مگر اب کیسا خوشنما گلزار ہے۔

— ان کو موت نہیں دیتا جب تک وہ کام پورا نہ ہو جاوے۔ جس کے لئے وہ بھیجے گئے ہیں۔ اور جب تک پاک دلوں میں ان کی قبولیت نہ پھیل جائے۔ تب تک البتہ سفر آخرت ان کو پیش نہیں آتا۔

— ان کے آثار خیر باقی رکھے جاتے ہیں۔ اور خدائے تعالےٰ کئی پشتوں تک ان کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظر رحمت رکھتا ہے اور ان کا نام دنیا سے نہیں مٹاتا۔

— یہ آثار اولیاء الرحمٰن ہیں اور ہر ایک قسم ان میں سے اپنے وقت پر جب ظاہر ہوتی ہے تو بھاری کرامت کی طرح جلوہ دکھاتی ہے مگر اس کا ظاہر کرنا خدائے تعالےٰ کے ہی اختیار میں ہوتا ہے۔

اب یہ عاجز بحکم واما بنعمۃ ربک فحدث اس بات کے اظہار میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتا کہ خداوند کریم و رحیم نے محض فضل و کرم سے ان تمام امور سے اس عاجز کو حصہ وافر دیا ہے اور اس ناکارہ کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا اور نہ بغیر نشانوں کے مامور کیا بلکہ یہ تمام نشان دیئے ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں اور ہوں گے اور خدائے تعالےٰ جب تک کامل طور پر حجت قائم نہ کرلے تب تک ان نشانوں کو ظاہر کرتا جائے گا۔ اور یہ جو کہا کہ تمہارے وجود سے ہمیں کیا فائدہ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے۔ اس کے وجود سے علیٰ حسب مراتب سب کو بلکہ تمام دنیا کو فائدہ ہوتا ہے اور درحقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے۔ جس کی کم و بیش دور دور تک روشنی پہنچتی ہے۔ اور جیسی آفتاب کی مختلف تاثیریں حیوانات و نباتات جمادات اور ہر یک قسم کے جسم پر پڑ رہی ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو ان تاثیروں پر باستیفا علم رکھتے ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو مامور ہو کر آتا ہے تمام طبائع اور اطراف و اکناف عالم پر اس کی تاثیریں پڑتی ہیں اور جبھی سے کہ اس کا پر رحمت تعین آسمان پر ظاہر ہوتا ہے آفتاب کی کرنوں کی طرح فرشتے آسمان سے نازل ہونے شروع ہوتے ہیں اور دنیا کے دور دور کناروں تک جو لوگ راستبازی کی استعداد رکھتے ہیں ان کو سچائی کی طرف قدم اٹھانے کی قوت دیتے ہیں۔ پھر وہ خود بخود نیک نہاد لوگوں کی طبیعتیں سچ کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔

سو یہ سب اس ربانی آدمی کی صداقت کے نشان ہوتے ہیں جس کے عہد ظہور میں آسمانی قوتیں تیز کی جاتی ہیں۔ سچی وحی کا خدا تعالےٰ نے یہی نشان دیا ہے کہ جب وہ نازل ہوتی ہے تو ملائک بھی اس کے ساتھ ضرور اترتے ہیں اور دنیا دن بدن راستی کی طرف پلٹا کھاتی جاتی ہے۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم)

اے خدا اے مالک ارض و سما + اے پناہ حزب خود در ہر بلا
اے رحیم و دستگیر و رہنما + ایکہ در دست تو فضل است و عطا
سخت شورے اوفتاد اندر زمیں — رحم کن بر خلق اے جان آفریں

(حضرت مسیح موعودؑ)

رمضان کا مجاہدہ

ماہ رمضان میں دعا کرو اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے تبلیغی مقاصد میں کامیاب کرے

از حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

نہیں تو دو رکعت ہی پڑھیں۔ سحری کے لئے سب لوگ اُٹھتے ہیں بلکہ جو کسی عذر کی بناء پر روزہ نہ رکھ سکتے ہوں ان کی بھی آنکھ کھل جاتی ہے۔ کیونکہ سارا گھر جاگا ہوا ہوتا ہے۔

سحری کے وقت سے زیادہ نہیں تو آدھا گھنٹہ پیشتر ہی اُٹھ کر وضو کر کے کم سے کم دو رکعت نماز تہجد ضرور پڑھیں۔ اور اس کے بعد سحری کھائیں ان لوگوں کو جنہیں یہ عادت نہیں ہے بے شک پہلے پہلے ذرا مشکل معلوم ہوگا۔ لیکن دو چار دن میں جب عادت پڑ جائے گی تو اس میں راحت محسوس ہوگی۔

ہم ایک تبلیغی جماعت ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے سینوں میں یہ درد ہونا چاہیئے کہ ان لوگوں کو کلمۂ حق پہنچایا جائے جو ابھی تک اس سے بے خبر ہیں۔ یہ وہ بات ہے جس سے مسلمان انتہائی درجہ کی لاپرواہی برت رہے ہیں۔ یہی مسلمان قوم کی سب سے بڑی بیماری ہے۔ اور دوسری طرف مغربی دنیا کے مادہ پرست اور ان کی تقلید میں ان کے مشرقی غلام جو سیاسی طور پر بھی غلام ہیں اور ذہنی طور پر بھی غلام، خدا تعالےٰ سے بہت دُور جا رہے ہیں۔ اور اپنی طاقت اور دولت کے نشہ میں سرشار خدا کی طاقت سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کو خدائے واحد کی طرف واپس لانا اور اس کے آستانہ پر جھکانا یہ وہ عظیم الشان انقلاب ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے ہماری جماعت کھڑی ہوئی ہے۔

مگر ایسے انقلاب منہ کے لفظوں سے پیدا نہیں ہوتے تحریروں اور تقریروں سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ دلوں کے درد اور سینوں کے غم سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی درد تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیتاب کر کے غار حرا میں لے جاتا تھا۔ جیسا کہ مجدد وقت نے فرمایا ہے:۔

من نمیدانم چہ دردے بود و اندوہ وغمے
کاندراں غارے در آورد آں حزین و دلفگار

اور قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کا خالق اللہ آپؐ کے نہاں در نہاں رازوں کا واقف فرماتا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونو امومنین۔ تو اس غم اور درد سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا کہ لوگ اپنے مولا سے اتنے دُور کیوں جا پڑے ہیں اور کیوں وہ اس کے آستانے پر نہیں جھکتے۔

یہی درد تھا جس نے آپؐ پر رات کی نیند حرام کر رکھی تھی اور جو آدھی آدھی رات اور دو تہائی رات آپؐ کو خدا کے حضور کھڑا رکھتا تھا۔ یہی درد تھا جس نے آخر دنیا پر وہ انقلاب عظیم پیدا کیا کہ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ اس رنگ کا انقلاب آج بھی دنیا میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر وہ انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہی درد پھر دوبارہ دنیا میں پیدا نہ ہو۔ اسی درد سے وافر حصہ اس صدی کے مجدد کو ملا اور اسی آگ سے اس کے پاس بیٹھنے والوں کے سینوں میں بھی ایک ایک چنگاری پڑی۔ لیکن وہ چنگاری ان سینوں کو اور پھر وہاں سے نکل کر دنیا کو اسی وقت روشن کر سکتی ہے کہ غفلت کی خاکستر کے نیچے دب کر وہ بجھ نہ جائے، اور اس کو روشن کرنے کے لئے ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے راتوں کے اندھیرے میں اس کے روشن کرنے کا سامان کریں۔

پس رمضان کے انتیس یا تیس دن ہر ایک اس احمدی سے اور جسم کی تربیت کے دیئے ہیں تو اب اُن کی رُوح کی ربوبیت کی طرف بھی توجہ فرما اور اپنے اس کلام پاک سے جو تُو نے تمام جہان کی ربوبیت کے لئے نازل فرمایا تھا ان کی بھی ربوبیت فرما۔ تو اُن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے لے آ۔ کیونکہ وہ دنیا کی دولت کے پیچھے پڑ کر ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر جا پہنچے ہیں۔ بلکہ اس کے اندر دھڑا دھڑ گر رہے ہیں۔

بے شک اس درد سے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اصلاح عالم کے لئے تھا۔ فرداً فرداً ہمارے درد کو کوئی نسبت نہیں۔ اس سمندر کا یہ ایک قطرہ بھی نہیں۔ لیکن میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر پانچ ہزار قلوب کے اندر بھی اتنا درد پیدا ہو جائے تو دنیا میں پھر ایک دفعہ انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ اور دنیا اس عذاب عظیم سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے جس میں اس وقت اس کے اپنے اعمال نے اسے ڈال رکھا ہے۔ پانچ ہزار میں اس لئے کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ کو رؤیا میں یہی بتلایا گیا تھا کہ پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ اس فوج کے سپاہی کا ہتھیار گریہ شب ہے۔

آؤ ہم سب مل کر سال میں ایک مہینہ صرف انہی دعاؤں کے لئے وقف کر دیں کہ دنیا اسلام اور خدائے اسلام کے آگے سر جھکا دے۔ اس بات میں ذرا بھی شک آپ کے دلوں میں نہ ہو کہ اب دُنیا خدا کی طرف کس طرح واپس آ سکتی ہے۔ یہ خدائے صادق کا وعدہ ہے۔ یہ انسانوں میں سے صادق ترین انسان کا وعدہ ہے۔ سو خدا اور اس کے رسولؐ کا وعدہ پُورا ہو کر رہے گا۔ اللھم انت الحق و وعدک الحق۔

تو دُعا کرو کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے اس مقصد میں کامیاب کرے جو امام وقت نے ہمارے سامنے رکھا ہے یعنی قرآن کریم کا دنیا میں پہنچانا، اسلام کا دُنیا میں پھیلانا۔ اللہ تعالےٰ کا نام دنیا میں بلند کرنا۔ ان میں ہمیں کامیاب فرمائے اور ہمارے ہاتھوں سے اپنے دین کی تبلیغ کی وہ بنیاد رکھوائے جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے۔

ہاں یہ بھی دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں ہر قسم کے گناہوں سے، دنیا کے لالچ سے پاک کر کے اس قابل بنائے کہ ہم اس کا جند یا اس کی فوج کہلائیں اور یہ بھی دُعا کریں کہ جو لوگ ہم میں سے پیچھے رہتے جاتے ہیں اللہ تعالےٰ ان کے دلوں میں بھی وہ قوت پیدا کرے کہ ان کا قدم خدا کے رستے میں مضبوطی کے ساتھ اُٹھنے لگے۔

ہم تھوڑے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارادہ الٰہی کے ماتحت ہے لیکن اگر ہمارے دلوں میں درد تھوڑا ہو تو یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے۔ سو اپنے درد کو زیادہ کرو تا وہ ہماری قلت کا علاج ہو جائے۔

والسلام

---

(۲۷) نسخے پبلشر کی منظوری دیر سے ملنے کے باعث یہ بابرکت مضمون بھی آپ کو بعد از وقت مل رہا ہے مگر اس کی افادیت مسلمہ ہے لہٰذا قبول فرمائیں (ادارہ)۔

"یورپ کا اسلام دشمن پروپیگنڈا اور اسکا علاج"

عنوان مندرجہ بالا کے تحت مطیع الرحمٰن قریشی صاحب روزنامہ جنگ مجریہ ۲۸ مئی ۱۹۷۹ء میں فرماتے ہیں:۔

اسلام دنیا کو تہ و بالا کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ دنیا کی تمام رونق اور دلآویزی اسی اسلام اور اسلام کے پرستاروں کے دم سے قائم ہے۔ اس گئے گذرے زمانے میں بھی اسلامی ممالک میں رواداری۔ اخوت۔ مہمان نوازی عصمت۔ مروت اور وضعداری کی مثالیں مل جاتی ہیں جبکہ اس کے برعکس .... تمام مغربی دنیا میں انسانی ہمدردی عصمت۔ شرم و حیا اور حسن اخلاق نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے بلکہ انسانی ہمدردی کا جھوٹا لیبل لگا کر استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا کاروبار کیا جاتا ہے .... یورپین اس حقیقت کو سمجھ چکے ہیں کہ مغربی تہذیب اور سرمایہ دارانہ نظام انہیں حقیقی چین نہیں دے سکتا۔" (جنگ ۲۸ مئی ۷۹ء)

قریشی صاحب نے یہ سطور اس سلسلہ میں لکھی ہیں کہ یہودی جو ابتداء سے اسلام کے دشمن رہے ہیں اور قریش کے ساتھ مل کر اسلام کو مٹانے کی کوششوں میں مصروف رہے آج بھی اسلام کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنے اور عیسائیوں کو اس سے متنفر کرنے میں دن رات مشغول رہتے ہیں۔ انہوں نے عیسائیوں کو دعوت دی ہے کہ وہ خود اسلام کا مطالعہ کریں تاکہ انہیں اسلامی اصولوں پر غور و فکر کرنے کا براہ راست موقعہ ملے اور وہ یہودیوں کے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر اسلام کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی کینہ اور بغض نہ رکھیں۔ کیونکہ:۔

"حقیقت پسند مسیحی اگر یہود کی خاطر وہ تعصب کی عینک کو اتار کر اسلام کا مطالعہ کریں تو وہ اسلام کی صداقت کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جو اخوت اور عالمی بھائی چارہ کا سبق دیا ہے وہ پوری مسیحی دنیا میں عنقا ہے۔"

اسلام کے جن محاسن اور خوبیوں کا ذکر قریشی صاحب نے اپنے مضمون میں کیا ہے ان سے کسی کو سرمو اختلاف نہیں ہو سکتا لیکن جہاں تک ان کے اسلامی ممالک میں پائے جانے کا تعلق ہے اس سے اتفاق ممکن نہیں کیونکہ اصول اور عقائد ہمیشہ عمل کی کسوٹی پر پرکھے جاتے ہیں۔ اچھے اصولوں پر عمل سے اچھے نتائج کی توقع کی جاتی ہے۔ اگر نتائج اس کے برعکس ہوں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن اصولوں پر عمل سے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں ان میں کہیں نہ کہیں کوئی مزید خرابی ہے۔ قول و فعل کے اس تضاد نے ہی اسلام کے دشمنوں کو یہ موقعہ فراہم کیا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر حملہ کریں۔ مسلمانوں کے موجودہ معاشی۔ معاشرتی اور اخلاقی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مخالفین کے اس حملہ سے دوسروں کے متاثر نہ ہونے کی امید رکھنا عبث ہے۔ مخالفین اسلام کا خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی اسلام پر سب سے بڑا اعتراض آج یہی ہے کہ اگر اسلام تمام صفات و کمالات کا مجموعہ ہے جیسا کہ مسلمان دعوے کرتے ہیں تو ان کی زبوں حالی کی کیا وجہ ہے۔ اسلام بلاشبہ صفات و کمالات کا مجموعہ ہے لیکن جب تک انہیں اپنی زندگی میں سمو نہ دیا جائے اور عمل سے ان کا اظہار نہ کیا جائے یہ دعوے باطل ہو جاتا ہے۔ اور مخالفین کا اعتراض اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔

جہاں تک اسلامی ممالک میں رواداری۔ اخوت۔ مہمان نوازی۔ عصمت۔ مروت اور وضعداری کی مثالیں پائے جانے کا تعلق ہے ہم دوسرے اسلامی ممالک کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن پاکستان کی مثال تو ہمارے سامنے ہے۔ رواداری ایک دوسرے کے مذہبی اور سیاسی اختلافات کو برداشت کرنے کا نام ہے، لیکن اس ملک میں مذہب اور سیاست کے نام پر کتنے فسادات ہوتے ہیں۔ اور آج بھی فرقہ واریت کے لباس میں مذہبی منافرت کو ہوا دی جا رہی ہے۔ پاکستان کی تعلیمی درسگاہوں میں یہ ہنگامے کیوں برپا کئے جا رہے ہیں۔ ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تقدس کو جنہیں ALMA MATER کہا جاتا ہے کیوں تباہ و برباد کیا جا رہا ہے۔ تہذیب و ثقافت اور علم کے ان گہواروں کو کیوں پامال کیا جاتا ہے۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے خلاف کس لئے نبرد آزما ہے۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو علم کے سرچشمے سمجھتے ہیں اور لوگوں کو راہ ہدایت پر چلانے کے مدعی ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف کیوں آستینیں چڑھائے ہوئے ہیں اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں اپنے سیاسی مخالفین کے لئے ایسی زبان کیوں استعمال کرتے ہیں جسے تہذیب تحریر میں لانے کی اجازت نہیں دیتی۔ کیا یہ سب رواداری۔ اخوت اور مروت کے مظاہرے ہیں۔ رواداری۔ اخوت اور مروت تو عفو و درگذر سے کام لینے کا نام ہے۔ ایک دوسرے کے نظریات کو برداشت کرنے اور ان کے احترام کا نام ہے۔ آپس کے اختلافات کو اصولوں کی بنیاد پر پرکھ کر سلجھانے کے طریق کا نام ہے۔ جبر و اکراہ سے دوسرے کے ضمیر کی آزادی کو کچلنے کا نام نہیں۔ برائی کا احسن طریقے سے دفاع کا نام ہے اچھے وعظ اور حکمت سے رب کی راہ کی طرف دعوت دینے کا نام ہے۔ اگر یہی رواداری ہے جس کا مظاہرہ ہمارے ملک میں ہو رہا ہے تو یہودی مسلمانوں کے عمل کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیوں نہ کریں؟ ہمیں ان سے گلہ اور شکوہ کیوں ہو؟

ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہیں۔ اختلاف مذہبی نہیں سیاسی ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں کیا اسے ہم رواداری کا نام دے سکتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ ایران میں [illegible] انسانی [illegible] کی خبریں اخبارات میں پڑھنے میں نہ آتی ہوں۔ ان کا [illegible] جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے اگرچہ شاہ سے وفاداری اور اس کے ظلم و ستم میں شرکت ہی ہے، تو بھی اسلام اس طرح بے دریغ خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔

قتل کی سزا پانے والوں نے شاہ کے دور میں جو کچھ بھی کیا حکومت وقت کے حکم سے کیا جیسا کہ آج کی حکومت کے حکم کی تعمیل میں ہو رہا ہے۔ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ حکام اپنی حکومت کے خلاف بغاوت کی جرأت نہیں کر سکتے۔ وہ مجبور محض ہوتے ہیں۔ انہیں احکام کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں سزا کا خوف دامنگیر ہوتا ہے چاہے جان کا خطرہ ہو یا مال سے ہاتھ دھونے کا۔

؎ اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

بت پتھر کی وہ مورتیاں ہی نہیں جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ (ارباباً من دون اللہ) بھی بت ہیں۔ دولت اور ذات پات بھی بت ہیں۔ فرقہ واریت

اور اپنی لذت پرستی پہ ناز بھی بُت ہے اور خواہشات نفس بھی بُت ہیں۔ جو صرف مسلمانوں کو ہی نہیں تمام نسلِ انسانی کو بربریت کا شکار رکھتے ہیں۔ ان معبودانِ باطل کے آگے جھکنا انسان کو خدا سے دُور کر دیتا ہے۔ اور جب انسان خدا سے دُور ہو جاتا ہے تو اس سے بُرے بھلے میں تمیز کی توفیق چھن جاتی ہے۔

ع تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

یہ رواداری۔ اخوت اور مروت ان لوگوں میں مفقود ہے۔ جو اپنے آپ کو آنحضرت صلعم کے پیروکار کہتے ہیں لیکن عملاً انہیں آپ سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ آنحضرت صلعم کی رواداری۔ مروت۔ اخوت۔ مہمان نوازی۔ عصمت اور وضعداری کی مثال تو دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

عبداللہ بن ابی کو جو رئیس المنافقین کے لقب سے ملقب ہے اور جو عمر بھر قریش اور یہودیوں کو مسلمانوں کو کچلنے اور ختم کرنے کے لئے اُکساتا رہا نہ صرف معاف فرمایا بلکہ اس کی موت پر اس کی مغفرت کے لئے دُعا مانگی اور اپنی قمیص اس کے کفن کے لئے دے دی۔ مکّہ کے بسنے والوں نے جتنی اذیتیں آپ کو آپ کے ساتھیوں کو دیں ان کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ لیکن فتح مکہ کے موقعہ پر اپنے ان شدید ترین دشمنوں کو لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف کر دیا۔ جنگ احد کے موقع پر جب آپ زخمی ہو کر گرے تو ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ سے دشمن پر عتاب نازل کرنے کے لئے دُعا کریں۔

آپ نے فرمایا میں انسانیت کے لئے زحمت بنا کر نہیں رحمت اور نیکی کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپؐ نے دوست و دشمن سے انصاف کیا۔ مدینہ کے یہودی اور مشرک بھی اپنے جھگڑوں میں آپؐ کو ثالث بناتے تھے۔ ایک مقدمے میں آپؐ نے مسلمان کے مقابلے میں ایک یہودی کے حق میں فیصلہ دیا اور اس طرح اپنے دشمنوں سے بھی انصاف کرنے کی مثال قائم کی۔ ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے آج کا مسلمان کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس میں رواداری پائی جاتی ہے۔ وہ تو اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں سے بھی رواداری سے پیش نہیں آتا۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے کیا انصاف کرے گا مسلمانوں کی عملی تصویر کا یہی منفی پہلو ہے جو غیروں کو اسلام کے خلاف زبان کھولنے کا موقع دیتا ہے۔

اگر مغربی ممالک میں رواداری نہیں تو کیا وجہ ہے کہ سینکڑوں مسلمان روزگار کی تلاش اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہر سال ان ممالک کا رُخ کرتے۔ وہاں اپنی سوسائٹیاں قائم کرتے اور مسجدیں بناتے ہیں جن کی تعمیر اور مرمت کے لئے مقامی حکومت بھی مدد دیتی ہے۔ اپنے مخالف کی برائیوں پر نظر ہوتی ہی ہے لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کا بھی اعتراف کیا جائے۔ وہاں اسلام کی تبلیغ کی تو اجازت ہے لیکن پاکستان میں اپنے نظریات کی اشاعت پر عملاً پابندی ہے۔ جہاں ایک اسلامی ملک ہونے کی وجہ سے اس کی آزادی ہونی چاہیئے کیونکہ اسلام تو وہ مذہب ہے جس کے سامنے باطل ٹھہر ہی نہیں سکتا اور غلط نظریہ پنپ ہی نہیں سکتا۔ اگر اسلام دینِ فطرت ہے تو اس کا کوئی اُصول فطرتِ انسانی کے خلاف نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں یہ ہر انسان کی عقل و شعور کو اپیل کرتا ہے۔ ہاں یہ لازم ہے کہ اسے اس رنگ میں پیش کیا جائے جس رنگ میں قرآن پیش کرتا ہے۔ اسلام کے مذاق اپنے من گھڑت اصولوں کو اسلام کی شکر چڑھا کر پیش نہ کیا جائے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس قسم کے اصول بھی وضع کئے جا رہے ہیں کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"۔ یعنی مصلحت آمیز جھوٹ اس سچ سے بہتر ہے جس سے فتنہ پیدا ہو۔ حالانکہ قرآن کریم نے کہیں ایسا اصول بیان نہیں کیا۔ جھوٹ سے اصلاح ہوتی ہے نہ سچ سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اصلاح ہمیشہ سچ سے ہوتی ہے۔ دین کو جب اپنے اندازوں کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا جائے گا تو وہ دینِ اسلام

نہیں رہے گا اور نہ ایسے دین کا قرآن سے کوئی واسطہ و تعلق ہو گا۔ قرآن سے بے تعلق دین جتنے بھی اعتراضات کا نشانہ بنے کم ہے۔ اس میں قصور خود مسلمانوں کا ہے نہ کہ غیر مسلم معترضین کا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مغربی معاشرہ اخلاقی طور سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے۔ اور مغربی مفکرین سر بگریبان ہیں کہ اصلاحِ احوال کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ وہاں ہر قسم کے جرائم کی رفتار تیز تر ہو رہی ہے لیکن وہ معاشرہ اپنے آپ کو اسلامی معاشرہ نہیں کہتا نہ ہی مغرب کے پاس اسلام کی روشنی ہے جو اسے نجات کی راہ دکھائے۔ تہذیبِ مغرب کا آشیانہ شاخِ نازک پر بنا ہوا ہے جو ناپائیدار ہے اور گرا چاہتا ہے۔ اندھا اگر کسی گڑھے میں گر پڑے تو وہ قابلِ ملامت نہیں لیکن ایک آنکھوں والا جس کے ہاتھ میں روشنی ہو اگر گر پڑے تو سب کہیں گے دیکھ کر کیوں نہیں چلتے۔ قریشی صاحب اپنے پاکستانی اسلامی معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حالات مغرب کی نسبت یہاں بھی دل خوش کُن نہیں۔ فحاشی اور بدکرداری کی یہاں بھی کمی نہیں۔ قتل و غارت۔ لُوٹ کھسوٹ اور استحصال یہاں بھی عام ہے۔ ہم اس کے ثبوت میں روزنامہ جنگ راولپنڈی سے ہی مختصراً چند ایک خبریں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :-

روزنامہ جنگ راولپنڈی۔

۲۸ مئی ۱۹۷۹ء "تین ڈسپنسروں کے قبضہ سے عریاں فلمیں اور ہسپتال کے کمبل و ادویات وغیرہ برآمد"

"گونگی اور بہری لڑکی کی آبرو ریزی"

"قتل کے مقدمہ میں ایک شخص کو سات سال قید"

"گودام سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے کا غلہ خرد برد ہو گیا"

"عورت کا فساد۔ تین زندگیاں موت کی نیند سو گئیں" (یہ ناجائز تعلقات کی بنا پر ہوا)

"کاغذات میں ردّ و بدل کرنے پر مقدمہ"

"راشن زائد نرخوں پر دینے کا الزام"

"غیر ملکی کپڑا برآمد کر کے گرفتار کر لیا۔

"ریلوے پولیس کے چھاپے اور گرفتاریاں" (چرس اور افیون سمگل کرنے کے سلسلہ میں)

"بدنام ترین اُجرتی مفرور قاتل گرفتار"

"گھی فراہم کرنے کی بجائے گاہک پر قاتلانہ حملہ"

۳ جون ۱۹۷۹ء "دست درازی کے الزام میں مقدمہ"

"عُمر قید کی سزا" (عورت کے اغوا کے سلسلہ میں قتل)

"گراں فروشی کے الزام میں تین افراد گرفتار"

"رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار" (پانچ بچوں کی ماں ہوٹل سے گرفتار)

۴ جون ۱۹۷۹ء "نمک کے ناجائز منافع خوروں کے خلاف کارروائی کی جائے"

"زیادہ قیمت ناقص گوشت"

"برف کی گرانی"

"دو ماہ سے گھی غائب ہو گیا"

"دو افراد سے چرس برآمد"

"جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے پولیس اور عوام کا رابطہ ضروری ہے"

"شوہر نے بے وفا حاملہ بیوی کا گلا گھونٹ دیا"

"چور ساڑھے ... دین لے اڑے"

۱۱ جون ۱۹۷۹ء "... [illegible]

"[illegible] ذبح کر دیا۔ ملزم پر بیوی سے پیشہ کرانے کا الزام۔ مقتولہ بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

"شوہر سے مجھے نفرت ہے۔ ماموں میرا محبوب ہے۔ عدالت میں مغویہ کا بیان" (اپنے سگے ماموں کی شادی شدہ بیٹی سے ناجائز تعلقات)

"کار کے خفیہ خانوں سے ناجائز افیون برآمد"

"جعلی رجسٹری اور کبوتر بازی نے دو افراد کی جان لے لی۔"

"درآمد کنندہ کاروں کے اسکینڈل میں ملوث قومی اتحاد کے سابق وزیر کے خلاف سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج سے تحقیقات کرائی جائے۔"

"سلیمان گوجر کے قاتلوں کو گرفتار کر لیا گیا۔"

"دو بوڑھا جرندار قتل کیس کے گواہ منحرف ہو گئے"

"بیرون ملک بھیجنے کا جھانسہ دے کر رقم بٹورنے کے الزام میں مقدمہ"

"دیرینہ دشمنی کی بنا پر دو فریقوں میں تصادم۔ ایک شخص ہلاک اور دو زخمی"

۱۲ جون ۱۹۷۹ء "سائیں رکن الدین کی روحانی کرامات سے میں ان کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ مجھے اغوا نہیں کیا گیا۔ بلکہ میں نے خود اپنی مرضی سے شادی کی ہے۔ شکیلہ تبسم۔"

(قارئین کو معلوم ہے کہ سائیں رکن الدین میر پور جامعہ عثمانیہ کے سرپرست ہیں اور ان پر شکیلہ تبسم کے اغواء کا مقدمہ چل رہا ہے۔ روحانی کرامات سے تو مرد و زن گرویدہ ہو جاتے ہیں بوڑھے بھی اور جوان بھی یہاں صرف ایک خوبرو نوجوان خاتون کا ہی گرویدہ ہو جانا باعث حیرت ہے)

"عربی لباس کے جھانسہ میں آکر ہزاروں روپے سے ہاتھ دھو بیٹھا"۔ (سعودی عرب کے ایک فرضی شیخ کے خلاف دھوکہ دہی اور جعلسازی کا مقدمہ)

"دوستی کی آڑ میں۔ دوست کی بیوی کو اغوا کر لیا۔"

"گلدستے کا اغوا" (گلدستے ایک نوجوان لڑکی کا نام ہے۔ اسے ایک ماں بیٹے نے اغوا کیا۔)

"خوبرو بہو نے بہ نیت سسر کو کلہاڑی مار کر ہلاک کر دیا"

"طالب علم سے زیادتی کرنے پر مقدمہ"

"آبرو ریزی کے ملزم کو سات سال قید"

ہم نے صرف پانچ اخبارات سے ہی مختصر خبریں دینے پر اکتفا کیا ہے سال بھر کے اخبارات اکٹھے کئے جائیں تو ایک دفتر بن جائے۔ یہ چند ایک جھلکیاں ہیں اس اسلامی معاشرے کی جو اس وقت پاکستان میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فحاشی کے ظاہر اور خفیہ اڈوں اور شبینہ کلبوں میں راتوں کی تاریکی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے سوا ہے۔ داتا کی نگری لاہور کی شاہی مسجد کے زیر سایہ شاہی محلہ میں راتوں کو جو کچھ ہوتا ہے وہ کسے معلوم نہیں۔

مغربی ممالک کے کاروباری اداروں کا اپنے اداروں۔ تاجروں کا اپنے تاجروں۔ ڈاکٹروں اور وکیلوں کا اپنے ڈاکٹروں اور وکیلوں۔ اساتذہ کا اپنے اساتذہ۔ سرکاری حکام کا اپنے حکام۔ ایئرپورٹ اور بندرگاہ پر کام کرنے

انگریز غیر ملکی حکمران تھا لیکن اس کے دور میں رشوت کا بازار اتنا گرم نہ تھا جتنا آج ہے۔ دفتروں میں کام کروانے کے لئے کھلا اور سرعام سودا ہوتا ہے۔

فرمائیے قریشی صاحب! جس معاشرہ کی دھندلی سی تصویر ہم نے آپ کو آپ کے اپنے اخبارات سے دکھائی ہے کیا آپ اسے اسلامی معاشرہ کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کریم جن گناہوں اور جرائم سے معاشرہ کو پاک و صاف کرنے کے لئے آیا تھا وہ سب اس وقت تمام اسلامی ممالک میں بلا استثناء پائے جاتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کا قدم قرآن کریم کے خلاف اٹھ رہا ہے۔ مسلمانوں کی اسی اخلاقی گراوٹ کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نے کہا ہے:—

ع مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

قرآن کریم مسلمانوں کو شرک نہ کرنے۔ والدین کے ساتھ احسان سے پیش نہ آنے۔ اسراف سے بچنے۔ غربت کی وجہ سے اولاد کو قتل نہ کرنے جیسا کہ آج خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔ زنا کے قریب نہ جانے کسی کو قتل نہ کرنے۔ یتیم کے مال کو ہڑپ نہ کرنے بلکہ اس کے قریب تک نہ جانے۔ عہد کے پورا کرنے۔ ماپ تول پورا کرنے اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنے کا حکم فرماتا ہے لیکن کیا ان تمام احکامات کی بڑی دیدہ دلیری سے خلاف ورزی نہیں ہو رہی۔ ہمیں باطل طریقوں سے دوسروں کا مال ہڑپ نہ کرنے جھوٹی گواہی نہ دینے اور انصاف کے وقت اپنے قریبیوں کے معاملہ میں بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن یہ سب کچھ آج کے اسلامی معاشرہ میں نہیں ہو رہا۔ اس کے برعکس جو ان اوامر اور نواہی پر عمل کرنا چاہے اسے بیوقوف۔ جاہل۔ نادان اور کافر تک کہا جاتا ہے۔

یہودی ہوں یا عیسائی اسلام پر اعتراض نہ کریں تو کیا کریں۔ ان کے ہاں تو یہ محاورہ ہے "PRACTICE IS BETTER THAN PRECEPTS" یعنی عمل اصول سے بہتر ہے۔ کسی اصول کی موجودگی کا علم عمل سے ہی ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کے اعمال بگڑ جائیں اور اصول کتابوں میں دھرے رہ جائیں تو کون جانے گا کہ اس قوم کے اصول اچھے ہیں۔ لوگ آنحضرت صلعم کے نمونہ سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے تھے اور آپ کے بعد اولیاء۔ صلحاء اور مجددین کے نمونہ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ جس شخص مسٹر براؤن ولیم کے اسلام لانے کا ذکر قریشی صاحب نے اپنے مضمون میں کیا ہے اس نے بھی یہی کہا ہے کہ وہ اسلام کے نظریہ توحید اور انسانی بھائی چارہ کے فلسفے سے متاثر ہو کر اسلام لایا ہے۔ (اور اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ مسلمانوں کے نمونہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا ہے۔

یورپ کے اسلام دشمن پراپیگنڈا کا علاج صرف یہی ہے کہ اسلام میں پھیلائے گئے خلاف قرآن نظریات اور تصورات کو جو مسلمانوں میں باعث تفریق و انتشار ہیں ترک کر کے اور قرآن کے بیان کردہ اصولوں پر عمل کر کے اپنا صالح نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے جس سے کوئی وجہ نہیں کہ اغیار متاثر نہ ہوں اور ان عقائد اور اصولوں کی جستجو ان کے دل میں پیدا نہ ہو جن کو اپنا کر ایک صالح قوم دنیا میں پیدا ہوئی۔

مسلمانوں کے لئے یہ روشن نمونہ آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ میں موجود ہے۔ اور آپ کی حیات طیبہ قرآن کریم کی تعلیم کا چلتا پھرتا مجسم نمونہ تھی۔ جن لوگوں نے اپنے جدا جدا دین بنا لئے ہیں اور ان پر اڑے بیٹھے ہیں وہ اسلام کی بدنامی اور رسوائی کے ذمہ دار ہیں۔ انہیں صرف اس سے کام ہے کہ اسلام کو استعمال کر کے حکومت اور اقتدار کیسے حاصل کیا جائے۔ یہی بات ہے

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

اسلامی نظام کا نفاذ حقیقی معنوں میں انفرادی زندگیوں میں باطنی یا ایمانی و اخلاقی انقلاب کا نام ہے

قرآن کریم نے شیطان اور خدا کے دو گروہوں میں روحانی جنگ یا باطنی جہاد کا نقشہ پیش کیا ہے۔

معاشرہ کی اصلاح کا انحصار افراد کی باطنی و قلبی حیات میں صالح انقلاب کا طالب ہے

خطبہ جمعۃ المبارک فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور

(قسط نمبر ۱)

ان الذین یحادون اللہ ورسولہ اولئك فی الاذلین ٥ .... رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ط اولٰئك حزب اللہ ط الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ٥ ——— (المجادلۃ : ۲۰ تا ۲۲)

(مرتبہ مولانا شفقت ... خان)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو لشکروں کا ذکر فرمایا ہے — ایک کو حزب الشیطٰن اور دوسرے کو حزب اللہ کا نام دیا ہے۔ اور یہ دونوں لشکر ایک دوسرے سے ہمیشہ جنگ کی حالت میں ہیں۔ فرمایا کہ "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ یقیناً میں (اللہ) غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی (کیونکہ) ان اللہ قوی عزیز۔ اللہ طاقت ور غالب ہے۔ اس لئے کہ خدا کے مخالف کبھی غالب نہیں آ سکتے۔ تو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں (ایسا) نہ پائے گا کہ وہ اس سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ اور گو وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے کے لوگ۔ انہی کے دلوں کے اندر (اللہ تعالیٰ نے) ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ اور وہ انہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہیں میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہیں سنو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی کامیاب ہوگا۔" (ترجمہ)

فرمایا کہ یہ آیات میں نے اس لئے تلاوت کی ہیں کہ آج ہمارے ملک میں ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے — یعنی اسلامی نظام کا نفاذ۔ یہ حقیقت ہے کہ جب پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تو اس وقت اس بات کا اظہار کیا گیا تھا کہ ہم مسلمانوں کی ایک الگ تہذیب و ثقافت اور علیحدہ مذہب و دین ہے۔ ہمارا اپنا ایک نظام ہے — ہمیں اس مطلوبہ وطن میں ہماری اپنی حکومت و سلطنت درکار ہے تاکہ ہم اپنے دین اسلام کے نظام کو نافذ کر سکیں۔

جب خدا داد مملکت پاکستان وجود میں آ گئی اور خدا نے ہمیں حکومت عطا فرما دی — تو اگرچہ پہلی حکومتوں نے اس قدر واضح اظہار نہیں کیا کہ وہ اسلامی نظام نافذ کریں گی۔ لیکن موجودہ حکومت نے واضح طور پر اعلان کیا کہ وہ اسلامی نظام نافذ کرے گی۔ اس دعوے کی صداقت کے لئے ہمیں اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ **اسلامی نظام حقیقتاً کیا چیز ہے؟ اور اس کا نفاذ کیسے ہو؟** —

یہ ایک مشکل مسئلہ ہے جس کو اب تک لوگ نہیں سمجھ سکے اور ایک وسیع موضوع ہے اس لئے اس کی وضاحت ایک نشست میں ممکن نہیں اس لئے میں انشاء اللہ چند مسلسل مجالس میں ذکر کروں گا۔ کئی دوستوں نے اس بارہ میں مجھ سے سوال بھی کیا ہے۔ کیونکہ میں اخبارات و رسائل میں مضامین لکھتا رہتا ہوں — کہ میری رائے میں اسلامی نظام کیا ہے؟ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ چند شرعی قوانین اگر کوئی حکومت نافذ کر دے تو گویا اس نے اسلامی نظام نافذ کر دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر ملک میں جرائم کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ چوری قتل اور زنا وغیرہ کے جرائم کے لئے قوانین نافذ ہیں۔ اور ان قوانین کے مطابق مجرموں کو سزائیں دی جاتی ہیں۔ ایسے ہی دین اسلام میں بھی جرائم کے لئے سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ :—
"اے لوگو! جس طرح یہ دن اور یہ مہینہ قابل احترام ہے۔ اسی طرح جب تک تم زندہ ہو تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔"

تو ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ضرور سزا ملنی چاہیئے۔ ان جرائم کے لئے قوانین وضع کئے گئے ہیں۔ لیکن میری بحث سے یہ بات خارج ہے کیونکہ محض شرعی قوانین کا نفاذ اسلامی نظام کا پر محیط نہیں۔ بلکہ اسلامی نظام کے نفاذ کا صرف ایک جزو ہے **صرف ایک حصہ کا نفاذ ہے جس کا تعلق اصلاح معاشرہ کی ایک صورت سے ہے**۔ لیکن اس کو تمام تر اسلامی نظام سمجھنا غلطی ہے۔ اسلامی نظام صرف سزاؤں تک محدود نہیں ہے۔

دین اسلام میں نہ صرف حکومت معاشرہ کے متعلق ہدایات جاری کرتی ہے۔ بلکہ ہر مسلمان کے قلب و ذہن۔ سوچ و فکر۔ اقوال و اعمال۔ اعتقادات و معاملات پر بھی بلکہ زندگی کی ساری اساس اسلامی نظام میں ڈوبی ہوتی ہے اور اسلامی نظام ہر مسلمان کے ہر گوشۂ زندگی میں باطنی و بیرونی طور پر جاری و ساری ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام انسان کے باطنی امور سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ ظاہری قوانین باطنی قوانین کے ...

ع۔ منہ سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (علامہ اقبال)

اگر باطنی نظام درست ہے تو تب ہی ظاہری نظام درست ہو سکتا ہے۔ ورنہ ظاہری نظام بھی بے اثر ثابت ہوتا ہے۔ جب تک ہر فرد قوم اپنے اوپر یہ نظام خود نافذ نہ کرے تب تک حکومت اس پر اسلامی نظام نافذ نہیں کر سکتی۔ اس امر کو کہ حقیقی نظام اسلام ہر فرد کی باطنی کیفیات و نیات، خیالات و جذبات اور خواہشات و معاملات سے متعلق ہے آج قومی اتحاد کے علماء نے بھی تسلیم کیا ہے جو آئے روز اخبارات میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ حکومت کا نافذ کردہ اسلامی شرعی نظام تب ہی کامیاب ہوگا جب اس قوم کے افراد میں وہ تبدیلی پیدا ہوگی جسے اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور جسے ایمانی و اخلاقی تبدیلی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

آج ایک نئی تحریک نے جنم لیا ہے یعنی "اسلامی تنظیم"۔ یہ دراصل جماعت اسلامی کے اندر سے نکلے ہوئے لوگوں نے تنظیم قائم کی ہے۔ اور یہ تنظیم

علی الاعلان اس بات کی مدعی ہے کہ جماعتِ اسلامی نے حکومت میں شامل ہو کر اور سیاسیات میں مداخلت کر کے بڑی غلطی کی ہے - لیکن اس تنظیم کا تعلق حکومت اور سیاست سے بالکل نہیں ہوگا - بلکہ وہ صرف معاشرہ کی اصلاح کرے گی اور معاشرہ کی اصلاح افراد کی اصلاح پر موقوف ہے - اگر دوسروں کی اصلاح اور تبدیلی پر اپنی اصلاح و تبدیلی موقوف کی جائے تو کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی - اس لئے ضروری ہے ہر فرد اپنی جگہ اپنی اصلاح اور درستی پر زور دے اور اپنی اعتقادی - اخلاقی - عملی حالت کو درست بنائے تو یقیناً ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے -

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں افراد کی اندرونی حالتوں میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا تھا - حالانکہ معاشرہ سخت مخالف تھا - لوگ برائی کو برائی نہیں بلکہ ایک عظمت کی دلیل تصور کرتے - بتے - شرک معاشرہ کی رگ و پے میں رواں دواں تھا - لیکن صحابہ کرام نے اپنی اصلاح کے لئے کس قدر مصائب و شدائد کا مقابلہ کیا، رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات ہیں -

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم ریت اور پتھروں پر لٹا کر اقرار کروایا جاتا کہ تم توحید کا انکار کرو - لیکن وہ زبان سے احد احد ہی پکارتے یقیناً یہ اثر جو صحابہؓ کی زندگیوں میں پیدا ہوا، صرف ایمانی طاقت اور روحانی قوت سے ہی پیدا ہوا، ورنہ حکومت تو مسلمانوں کے پاس تھی ہی نہیں اہل کفر کے پاس تھی اور اہل کفر سارے عرب پر پھیلے ہوئے تھے - ایمانی اور روحانی قوت نے مسلمانوں کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ وہ پاکیزہ معاشرہ کے درخشندہ ستارے بن گئے - اس بات کی جماعت احمدیہ ہی قائل نہیں بلکہ اسلام کا معاند اور دشمن ولیم میور نے اپنی تاریخ محمد صلعم میں لکھا ہے کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں جو تین سو تیرہ اصحاب پیدا کئے جن کی اندرونی زندگیوں میں اسلامی نظام نافذ تھا - مدنی زندگی میں شرعی قوانین کا نفاذ مکی زندگی میں انقلاب کی بنا پر استوار ہوا - حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام نام ہے خیالات و افکار - اعمال و کردار میں انقلاب پیدا کرنا اور اسلام کے لائے ہوئے نظریات و اصولوں کو انفرادی طور پر اپنے اندرونی نظام حیات پر خود لاگو کرنا -

اسلامی نظام - برائیوں اور اعمالِ شر سے انفرادی طور پر الگ ہو کر اللہ تعالےٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے - اسی لئے ان آیات میں یہ ذکر ہے کہ ایمان ان لوگوں کے دلوں میں لکھا گیا ہے جو اسلام مخالف لوگوں اور قوتوں سے دوستی نہیں لگاتے مگر ایسے لوگ جو اسلام دشمن قوتوں کا مقابلہ نہیں کرتے ان کے دلوں میں ابھی ایمان پیدا نہیں ہوا - سینکڑوں بلکہ ہزاروں میں ایک فرد مشکل سے ملتا ہے جو برائیوں کا مقابلہ کرتا ہے، جب ہم خلافِ اسلام، خلافِ خدا اور خلافِ رسول اور خلافِ قرآن قوتوں سے تعلق نہیں توڑتے تو یہی وجہ ہے کہ ہم اسلامی نظام کے نفاذ میں کامیاب نہیں ہوتے -

جب تک ہم اپنی انفرادی زندگی میں انفرادی طور پر اسلامی نظام کے مطابق حقیقی تبدیلی پیدا نہیں کریں گے تب تک اس مملکت میں حقیقتاً اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا - قرآن پاک میں فرد کو ہی اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

(۱) ثم توفی کل نفس ما کسبت - پھر ہر فرد پورا بدلہ پائے گا جو اس نے کمایا ہے -

(۲) کل نفس بما کسبت رهينة - ہر شخص سے اس کے اعمال بندھے ہوئے ہیں -

(۳) ومن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره - ہر شخص اپنے اعمال کا خود (بھلائی کا ذرہ بھر ہو یا برائی کا ذرہ بھر ہو) ذمہ دار ہے - اور اس کے مطابق مستحق جزا و سزا -

اللہ تعالےٰ نے دوسرے لوگوں کا قول نقل کر کے فرمایا ہے :-

لن تمسنا النار الا اياما معدودات -

اور اس کے جواب میں فرمایا :-

بلى من كسب سيئة واحاطت به خطيئته فاولئك اصحاب النار -

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں چند دن کے سوا آگ نہیں چھوئے گی لیکن یہ یاد رکھیں کہ جس نے برائیاں کیں اور ان کی برائیوں نے ان کو گھیر لیا تو ایسے لوگ ہی آگ والے ہیں فرمایا :-

تلك امانيهم قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين -

یہ محض ان کی خوش فہمی ہے - ان سے کہہ دو کہ وہ اس پر کوئی دلیل لائیں اگر ان میں کچھ صداقت ہے محض نام سے کچھ بات نہیں بنتی بلکہ ایمان کا عمل سے اظہار شرطِ اول ہے - چنانچہ فرمایا بلى من اسلم وجهه لله وهو محسن - اپنے آپ کو خدا کا کامل فرمانبردار بنانا اور مخلوقِ خدا کی بھلائی کرنا اسلامی نظام کے دو بنیادی اصول ہیں - قرآن پاک سے رہنمائی حاصل کریں - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے اندر خون کی مانند جاری ہوتا ہے - جو لوگ شیطانی خیالات کی پیروی کرتے ہیں وہ حزب الشیطان ہو جاتے ہیں، اور جو اپنی زندگی کو خدا کے احکام کے مطابق ڈھال لیتے ہیں وہ حزب اللہ میں شامل ہو جاتے ہیں - لیکن شیطان سے رہائی مامور من اللہ سے تعلق کی بنا پر ہی ملتی ہے - کیونکہ وہ انسان کو عملی نمونہ سے عمل کی طرف لاتا ہے اور شیطان کی یلغار سے بچاتا ہے - بہرکیف اصلاح فرد پر اصلاح معاشرہ موقوف ہے - اور اصلاح معاشرہ کے بعد اسلامی نظام نافذ ہوتا ہے - اللہ تعالےٰ ہمیں انفرادی طور پر اپنی اصلاح اور درستی کی توفیق عنایت فرمائے اور مامورِ وقت سے وابستگی کی توفیق ملے جو انسان کو عمل خیر کی طرف لاتی ہے۔

بقیہ مقالہ

(از صفحہ ۵)

جو لوگوں کو متنفر کر رہی ہے -

قرآن "زندگی بخش جام احمد ہے" جس نے یہ جام ترستے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیا وہ زندہ ہو گیا اور جو محروم رہا اس نے موت کو لبیک کہا - حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہاردہم فرماتے ہیں :-

آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست
بادۂ عرفانِ ما از جام اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

مسلمانوں کے خسران و تباب کی یہی وجہ ہے کہ وہ قرآن کریم سے دور جا پڑے ہیں اور اغیار کی تضحیک کا نشانہ بن گئے -

---

اے احمدی خاتون! تو اسلام اور احمدیت کی سچی خادم بن - خود اپنی زندگی سدھار اور اپنے رشتہ داروں، اپنے عزیز و اقرباء، اپنی سہیلیوں اور اپنی اولاد کی بہتری اور بھلائی میں ہر وقت مصروف رہ - اولاد کی بہترین تربیت اور خاوند کی پوری خدمت تیرا سب سے اہم اور پہلا فرض ہے :- (ماخوذ)

از مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔

(تیسری قسط)

اسلام مرتد کو قتل نہیں بلکہ اُسے زندہ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کس قسم کے مومن تیار کرنا چاہتا ہے

... کس قسم کے مومن وہ اسلام میں دیکھنا چاہتا ہے۔ پہلی آیت اس بارے میں مندرجہ ذیل ہے:۔

" قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولٰکن قولوا اسلمنا و لما یدخل الایمان فی قلوبکم و ان تطیعوا اللہ و رسولہٗ لا یلتکم من اعمالکم شیئاً ط ان اللہ غفور رحیم انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ و رسولہٖ ثم لم یرتابوا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصٰدقون قل اتعلمون اللہ بدینکم واللہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واللہ بکل شیءٍ علیم یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صٰدقین ان اللہ یعلم غیب السمٰوٰت والارض ط واللہ بصیر بما تعملون " (الحجرات ۱۴ تا ۱۸)

ترجمہ: گنوار لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان کو کہہ دو کہ تم ابھی مومن نہیں بنے ہو ہاں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے اطاعت قبول کرلی ہے - ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا۔ آئندہ شاید ہو جائے اس حالت میں اگر تم اللہ ، رسول کی اطاعت کروگے تو اللہ تمہارے عملوں میں سے کسی عمل کا اجر کم نہیں کرے گا - اللہ تعالیٰ یقیناً بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کے اس حصہ میں اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ وہ گنوار جو ایمان کا دعوےٰ کرتے تھے ایمان کی حقیقت سے ناواقف تھے جس چیز کو وہ ایمان سمجھ رہے تھے وہ درحقیقت ایمان نہ تھا بلکہ اس سے وہ بہت دور تھے۔ صرف اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا ایمان کی علامت نہیں - ایمان اس کیفیت کا نام ہے جو دلوں میں داخل ہو کر ایمان لانے والے کی زندگی میں نیکی کی طرف انقلاب عظیم پیدا کر دیتا ہے اور ایسا ایمان اللہ اور رسول کی کامل فرمانبرداری اختیار کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ان گنوار لوگوں کو اللہ اور رسول کی کامل فرمانبرداری کی طرف توجہ دلائی ہے - اب اس آیت کے دوسرے حصہ میں حقیقی ایمان کی حقیقت کو بیان کیا ہے اور بتلایا ہے کہ قرآن کا خدا کس قسم کا ایمان اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ فرماتا ہے کہ:۔

"مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر محکم ایمان لاتے ہیں کہ پھر اس ایمان میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور اس کے بعد وہ اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے خدا کے راستے میں جہاد میں مشغول ہو جاتے ہیں یعنی خدا کے دین کو ... یہ دونوں قسم کی قربانی کو خندہ پیشانی سے کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں خدا کے نزدیک یہی سچے مومن ہوتے ہیں مومن کا لفظ درحقیقت انہی پر صادق آتا ہے ان کو کہہ دو کہ:۔

"اے لوگو! کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کے متعلق علم دیتے ہو کیا وہ جو تمہارے دلوں کے اندر جو دین کی حقیقت ہے اس کو جانتا نہیں وہ تو ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے پس گنوار لوگ جان لیں کہ ان کا ایمان خدا کے نزدیک ایمان نہیں اس کو ہر چیز کا علم ہے اے رسول یہ لوگ تم پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں ان کو کہہ دو کہ وہ اپنے اسلام کا مجھ پر کوئی احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان کر رہا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی طرف رہنمائی کی ہے اگر تم سچے دل سے ایمان لا رہے ہو تو اس حقیقت کو اپنے دلوں میں راسخ کر لو اور خدا کے احسان کے مقابلہ میں اس کے شکرگذار بندے بن جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اس لئے تمہارے عمل بھی اس سے مخفی نہیں وہ تمہارے عملوں کو بھی دیکھ رہا ہے۔

تمہارے اعمال بھی اس کے سامنے کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہیں۔ پس وہ انہی کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کرے گا۔ گنوار لوگوں کو محض یہ کہنے کی وجہ سے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں ان کو ایمان کی برکتوں سے متمتع نہیں کرے گا ہاں جو سچے مومن ہیں وہ روحانی طور پر ضرور ایمان کی برکتوں سے متمتع ہوں گے اور ہدایت کی روشنی سے دم بدم ان کے دل منور ہوتے رہیں گے اور خدا کے اس احسان کو دیکھ کر ان کے دل شکرگذاری کے جذبات سے لبریز رہیں گے۔

پس درحقیقت ایسے مومن ہی ہیں جن کی اوپر شان بیان ہوئی ہے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور جن کی اپنے ساتھ وابستگی کو دیکھنا چاہتا ہے جن کے دلوں کے اندر ایسا ایمان نہیں ہے کہ اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار پاتے ہیں وہ اس کی درگاہ سے دور رہتے ہیں۔ اس سے ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی اس کی حضور میں کیا قدر ہو سکتی ہے کہ جو گو بظاہر مسلمانوں کی سوسائٹی میں تو شامل ہوتے ہیں لیکن ایمان کی برکات سے بکلی محروم ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق اس کا فیصلہ تو یہی ہے کہ وہ الگ ہو جائیں تو اچھا ہے تا وہ اسلام کے لئے بدنامی کا موجب نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے متعلق وہ کس طرح قتل کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ وہ تو خود ان کو اسلام سے نکالنے کے درپے ہوتا ہے تا وہ جتنی جلد نکل جائیں اس کے لئے بہتر ہے۔

دوسری آیت سورۃ الانفال کی مندرجہ ذیل آیت میں اس مومن کی حقیقت بھی بیان کی ہے جس کو خدا تعالیٰ فی الحقیقت مومن سمجھتا ہے اور مومن قرار دیتا ہے آیت یہ ہے:۔

" والذین اٰمنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا و نصروا اولٰئک ھم المؤمنون حقاً

لھم مغفرۃ و رزق کریم۔ (انفال - ۷۴)

ترجمہ:۔ "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے انہیں اپنے وطن چھوڑنے پڑے اپنے رشتہ داروں کی جدائی برداشت کرنی پڑی اپنے اموال اور اپنی جائیدادوں سے علیحدہ ہونا پڑا ان بیشک مومن اپنی ایمانوں کی حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان قربانیوں کے لئے تیار ہوجاتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے بعد ان کو جہاد کرنا پڑے تو اس کے لئے بھی وہ اپنی ہر پیاری سے پیاری چیز کو قربان کر دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتے ہیں۔ پھر یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے ان کو جگہ دی تاکہ وہ بھی ان کے پاس آکر اپنے ایمانوں کو محفوظ کریں۔ اور ایسے آنے والوں کو ہر قسم کی مدد پہنچائی یہی سچے اور پکے مومن ہیں۔ خدا کی طرف سے ان کو مغفرت کا اور باعزت رزق کا انعام ملے گا۔"

اب ہر ایک عقلمند کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جو مذہب اس قسم کے مخلصوں کو ہی اپنے اندر شمار کرتا ہے وہ کس طرح پسند کرتا ہے کہ ایسے لوگ ان میں شامل رہیں جن کے دلوں سے اسلام کی سچائی نکل چکی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرلیں لیکن مسلمان ان کو دھمکی دے رہے ہوں کہ اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری گردنیں اڑا دی جائیں گی گویا وہ ایسے بے دین لوگوں کو اپنی سوسائٹی میں شامل رکھنے میں مجبور کر رہے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ عمل یقیناً اسلام کے منافی ہے۔

تیسری آیت } اس سلسلہ کی تیسری آیت یہ ہے:۔

"انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم ایتہ زادتھم ایمانا و علیٰ ربھم یتوکلون۔ الذین یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنھم ینفقون اولئک ھم المؤمنون حقا لھم درجت عند ربھم و مغفرۃ و رزق کریم۔" (انفال ۲ تا ۴)

اس آیت میں بھی اللہ تعالےٰ نے سچے اور پکے مومنوں کی علامتیں بتلائی ہیں۔ فرماتا ہے کہ

"مومن حقیقی وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اس خیال سے کہ کہیں اللہ تعالےٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ان سے ہوجائے اور دوسری علامت ان کی یہ بتلائی ہے کہ جب اُن پر خدا تعالےٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیات ان کے ایمانوں میں زیادتی کا موجب بن جاتی ہیں اور ان کے دلوں میں توکل علی اللہ کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ تیسری علامت ان کی یہ بتلائی ہے کہ وہ نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خواہ مال ہو یا کوئی اور چیز ہو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ فرماتا ہے یہی سچے اور پکے مومن ہیں ان کے رب کے ہاں ان کے مختلف درجات ہیں اور مغفرت کے انعام سے یہ نوازے جائیں گے اور باعزت رزق کے وارث ہونگے"

اب جائے غور ہے کہ وہ لوگ جو بظاہر مسلمانوں میں شامل ہیں لیکن دل ان کے اسلام کو چھوڑ چکے ہیں اور ان سے الگ ہونے کے لئے تیار ہو رہے ہیں ان کے اندر مندرجہ بالا علامتیں کہاں پائی جاسکتی ہیں۔ خدا کے ذکر سے ان کے دلوں میں کہاں خوف پیدا ہوسکتا ہے اور اس کی آیات جب ان کے سامنے پڑھی جائیں تو وہ کس طرح ان کے ایمانوں میں زیادتی کا موجب بن سکتی ہیں اور کس طرح وہ متوکل علی اللہ بن سکتے ہیں اور کس طرح وہ دلوں سے نماز قائم کرنے والے ہوسکتے ہیں اور کس طرح وہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوسکتے ہیں۔ پس سچے مومن کی جب یہ علامتیں ہیں تو وہ قرآن سے محروم ہیں وہ کسی مجبوری کی وجہ سے اسلامی سوسائٹی میں شامل تو رہ سکتے ہیں لیکن حقیقتاً تو وہ اسلام سے نکل چکے ہوتے ہیں۔ اسلامی سوسائٹی میں ان کو اگر کوئی چیز شامل رہنے کے لئے مجبور کرسکتی ہے تو وہ تلوار کا خوف ہے جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا یہ خیال کہ اسلامی سوسائٹی میں تلوار کے خوف سے ان کو رکھا جاسکتا ہے غلط ہے ان کو آزادی ہے کہ اگر ان کے دلوں سے اسلام نکل گیا ہے تو وہ اسلامی سوسائٹی سے بھی الگ ہوجائیں کوئی چیز ان کو اس راہ سے روک نہیں سکتی۔

چوتھی آیت } مومنوں کی شان میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔"

جو لوگ اسلام کو ترک کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں وہ تواب کی صفت سے کس طرح متصف ہوسکتے ہیں اور پاکیزہ بننے کی خواہش کس طرح انکے دل میں پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ دونوں باتیں تو سچے اور پکے مومن کے دل میں جگہ پاسکتی ہیں۔ پس ایسے لوگوں کا جن کے دل میں توبہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کی خواہش پیدا نہ ہو وہ اگر اسلام سے نکل جائیں تو اسلام کا ان کے نکل جانے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ انہیں قتل کی دھمکی دینے کی بجائے ان کو اسلام سے نکل جانے کی ترغیب دلائیں۔

پانچویں آیت } اس سلسلہ میں پانچویں آیت یہ ہے:۔

"قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا و من اتبعنی و سبحٰن اللہ وما انا من المشرکین۔" (یوسف - ۱۰۸)

اس آیت میں بھی حضرت نبی کریم صلعم کے حقیقی متبع کی شان بتلائی گئی ہے فرماتا ہے کہ:۔

اے رسول ان کو کہہ دو میرا تو یہی راستہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا رہوں۔ میرا یہ دعوت دینا بصیرت کی بنا پر ہے اور جو میرا حقیقی متبع ہوگا وہ بھی میری لوگوں کو دعوت دیتا رہے گا اور اس کی بھی یہ دعوت بصیرت کی بنا پر ہی ہوگی۔

جو شخص اسلام کو چھوڑنے کے لئے تیاری کر رہا ہوتا ہے وہ نہ تو کسی کو دعوت الی الاسلام دے سکتا ہے اور نہ اس کے دل میں اسلام کی سچائی کے متعلق بصیرت پیدا ہوسکتی ہے۔

چھٹی آیت } فرمایا:۔ "وادعوہ مخلصین لہ الدین۔"

یعنی اے مومنو! خدا کو پکارو اور اس کی اخلاص کے ساتھ فرمانبرداری کرتے ہوئے اس مضمون کی آیات مختلف سورتوں میں آئی ہیں۔ چنانچہ سورۃ زمر میں فرماتا ہے:۔

"فاعبد اللہ مخلصاً لہ الدین۔ الا للہ الدین الخالص۔"

یعنی اے مومنو! اللہ کی عبادت کرو خالص کرتے ہوئے اس کی فرمانبرداری کو وہی فرمانبرداری اس تک پہنچتی ہے جو خلوص کے ساتھ کی جائے۔

اب وہ شخص جو اسلام سے ارتداد اختیار کرنے والا ہے وہ کس طرح خدا کی فرمانبرداری اخلاص سے کرسکتا ہے۔ پھر سورۃ النساء میں فرماتا ہے کہ مومنوں کے ساتھ وہی لوگ ہوسکتے ہیں جن کی یہ شان ہو:۔

"الا الذین تابوا و اصلحوا و اعتصموا باللہ واخلصوا دینھم للہ فاولئک مع المؤمنین وسوف یؤت اللہ المؤمنین اجراً عظیما۔" (النساء - ۱۴۶)

یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں کسی قدر سستی پیدا ہوجاتی لیکن پھر وہ توبہ کریں اور اپنے نفس کی اصلاح کریں اور خدا کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرلیں اور

اپنے دین کو خالص خدا کے لئے بنالیں پھر وہ خدا کے نزدیک مومنوں میں داخل ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ تمام مومنوں کو اجرِ عظیم دے گا۔

پھر سورۃ مؤمن میں فرماتا ہے:۔

"فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکفرون۔" (مومن - ۱۴)

اے مومنو! تم خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اخلاص کرتے رہو گو کافر اس کو بُرا منائیں اور تمہیں اس راہ سے روکنے کی کوشش کریں تم ان کی کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے مخلصانہ تعلق کی مضبوطی سے قائم رکھو جس رسول کو اور اس کے ماننے والوں کو خدا کی طرف سے یہ ہدایت ہو وہ کس طرح مرتدین کو تلوار کا خوف دلاکر اپنی سوسائٹی میں رکھ سکتے ہیں۔

پھر سورۃ مؤمن میں فرماتا ہے:۔

"ھو الحی لا الہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العلمین۔" (مومن - ۶۵)

اس آیت میں بھی اخلاص سے عبادت الٰہی کرنے پر ہی زور دیا گیا ہے جو ارتداد کے ارادہ کرنے والے سے ناممکن ہے۔

پھر سورۃ البیّنہ میں فرماتا ہے:۔

"وما أمروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ وذالک دین القیّمۃ۔" (البینۃ - ۵)

اور مسلمانوں کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس رنگ میں کریں کہ ان کی فرمانبرداری میں اخلاص کا رنگ بالکل نمایاں نظر آئے اور یہاں تک کہ وہ خدا کی طرف جھکے ہوئے ہوں کہ اس میں ریا کا کوئی پہلو نظر نہ آئے اور نمازوں کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں یہی مضبوط دین ہے۔ اب اس آیت میں کھول کر بتلایا ہے کہ یہ حکم ہے خدا کا تو وہ مرتد ہونے والا شخص مسلمانوں سے پوچھ سکتا ہے کہ جب یہ خدا کا حکم ہے اور ہم اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے تیار نہیں تو پھر ہمیں تلوار کی دھمکی دیکر کیوں اسلام پر قائم رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ پس یہ آیت بھی بالوضاحت بیان کر رہی ہے کہ اسلام سے مرتد ہونے والے شخص کو تلوار کا خوف دلاکر اسلام میں رہنے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا اس قسم کی آیات سے تو قرآن کریم بھرا ہوا ہے اور وہ ایسے ہی شخص کو مومن قرار دیتا ہے جس کے اعمال میں ریا کا شائبہ تک نہ ہو بلکہ اس کے بالکل اخلاص ہی اخلاص ہو۔

انشاء اللہ اگلی قسط میں مرتد ہونے والوں کا مسلمانوں پر ایک الزام کو بیان کیا جائے گا اور بتلایا جائے گا کہ ان کے قتل کا فتویٰ دینے والوں پر اُن کا ایسا الزام ہے جس کو وہ کسی صورت میں دور نہیں کر سکتے اور دوسرے حضرت نبی کریم صلعم کی بے پناہ ہمدردی بھی نمایاں کر کے دکھلایا جائے گا۔

والسلام من اتبع الھدیٰ

امیرِ قوم حضرت مولٰنا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ کو صدمہ

یہ خبر جماعت کے تمام حلقوں میں بڑے ملال سے سُنی جائے گی۔ کہ حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیگم صاحبہ ۲۰؍ جون کی صبح انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحُومہ ایک دیندار نیک اور پارسا خاتون تھیں، امام وقت کے سلسلہ سے والہانہ محبت رکھتی تھیں اور حضرت امیر قوم کی تبلیغی مہمات میں ممد و معاون رہیں۔ اور اس جہاد میں مشکل سے مشکل وقت بھی صبر و سکون سے گذارا۔ جب تک صحت اور طاقت رہی قیام تنظیم خواتین کے کاموں میں بھی کسی نہ کسی طرح حصہ لیتی رہیں۔ ایک عرصہ سے بعارضہ قلب صاحب فراش تھیں تاہم صحت تشویشناک نہ تھی۔ لیکن ۲۸؍ جون کو تکلیف میں اچانک اضافہ ہوا جو کہ بالآخر جان لیوا ثابت ہُوا۔ فوتیدگی کے وقت مرحُومہ کی عُمر قریباً ۸۵ سال تھی۔

حضرت امیر قوم کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ ہے۔ احباب کرام دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق بخشے اور حضرت امیرِ قوم کا سایہ جماعت کے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین۔

احباب مرحُومہ مغفورہ کا جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت فرمائیں

(اُدارہ)

دُعا میں دُشمن کو بھی یاد رکھو

حضرت مجدّدِ زمانؑ

"ایک قسم ہمدردی کی دُعا ہے جس میں نہ صرف زر ہوتا ہے۔ اور نہ زور لگانا پڑتا ہے اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے کیونکہ جسمانی ہمدردی کو اس صورت میں ہی انسان کر سکتا ہے جب کہ اس میں طاقت بھی ہو۔ ایک ناتواں مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہے تو کوئی شخص جس میں خود طاقت و توانائی نہیں کب اس کو اُٹھا کر مدد دے سکتا ہے۔ اسی طرح پر اگر کوئی بیکس، بے بس بے سرو سامان انسان بھوک سے پریشان ہو۔ تو جب تک مال نہ ہو اس کی ہمدردی کیونکر ہوگی۔ مگر دُعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے۔ کہ نہ اس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت۔ بلکہ جب تک انسان ۱۴۵

(بقیہ کالم دوم) ۱۴۵

انسان ہے وہ دوسرے کے لئے دُعا کر سکتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے۔ اور اگر اس ہمدردی سے انسان کام نہ لے تو سمجھو کہ وہ بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔"

قرآن حکیم میں اتحادِ نسلِ انسانی کی ۲ دو زبردست بنیادیں

وحدتِ نسلِ انسانی ——— اخوتِ اسلامی

وحدتِ نسلِ انسانی } انسانوں کے اتحاد کی دو بڑی زبردست بنیادیں قرآن کریم نے رکھی ہیں۔ اُن میں سے ایک بنیاد تو نسلِ انسانی کی وحدت ہے۔ جو گویا اللہ تعالےٰ کی توحید کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اس نسلِ انسانی کی وحدت کا ذکر کسی دنیا کی کتاب میں آپ قرآن سے پہلے نہ پائیں گے۔ فرمایا کان النّاس اُمّۃً واحدۃً۔ لوگ ایک ہی قوم ہیں۔ یہ چھوٹا سا جملہ ہے۔ لیکن فی الحقیقت اس کے اندر ایک اتنا زبردست اصول بیان کیا گیا ہے جو انسان کے لئے بڑی ترقیات کا موجب ہے۔ یہ نسلِ انسانی کا ایک ہونا قرآن ہی نے بتایا ہے۔ یہ خیال پہلے کسی سر میں نہ آیا تھا۔ کہ جہاں کہیں انسان اس رُوئے زمین پر ہیں وہ سب ایک ہی قوم ہیں۔

مسلمانوں کی باہمی اخوت } یہ ایک ہونے کی بنیاد جسمانی ہونے کے لحاظ سے ہے۔ لیکن ایک اور زبردست بنیاد اتحاد کی اس چھوٹے سے جملہ میں ہے۔ اِنما المؤمنون اخوۃ مؤمن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے بھائی بھائی ہیں۔ یقیناً بھائی بھائی ہونے کا جو تعلق ہے وہ ایک قوم ہونے کے تعلق سے بہت بڑا ہے۔ اس فرق کو قرآن کریم نے ایک دوسری جگہ فرمایا۔ جہاں عرب کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:—

"واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا۔"

اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ عرب کے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے فالّف بین قلوبکم۔ اس دشمنی کو بدل کر تم میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کر دی۔ پھر تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔

ایک دوسرے کا بھائی بھائی ہونا ایک بڑا تعلق ہے۔ لیکن قرآن نے اس آیت میں واضح کر دیا ہے کہ بھائی بھائی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی اُلفت دلوں میں پیدا ہو گئی۔ کتنا بڑا انتقال ہے۔ کنتم اعداءً تم ایک دوسرے کے دشمن تھے فالّف بین قلوبکم۔ پھر نہ صرف اس دشمنی کو دُور کیا بلکہ اس جگہ ایک دوسرے کی اُلفت پیدا کر دی۔

جسمانی اور رُوحانی اتحاد } یہ بہت زبردست بنیاد ہے اتحاد کی۔ وہ اتحاد جو پہلا ہے۔ جو ساری نسلِ انسانی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ وہ تو صرف اسی قدر ہے۔ کہ تمام انسان ایک ہی قوم ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے کی حق تلفی نہ ہو۔ سب کے حقوق برابر ہوں۔ یہ جسمانی اتحاد ہے۔ لیکن انما المؤمنون اخوۃ میں اس رُوحانی اتحاد کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا نتیجہ ہے۔ تو فی الحقیقت یوں بھی اس میں سمجھایا ہے کہ جسمانی بنا پر وہ محبت ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ جو رُوحانی بنا پر ہو سکتی ہے۔

ختمِ نبوت اور اخوتِ اسلامی } ایک اور جگہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا ذکر ہے وہاں فرمایا ما کان محمد ابا احد من رجالکم۔ محمد رسول اللہ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ یعنی جسمانی ابوت کا سلسلہ آپ سے نہیں چلا۔ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّین۔ لٰکن اہلِ لغت کے نزدیک استدراک کے لئے آتا ہے۔ یعنی پہلے جملہ سے کوئی شبہ پیدا ہوتا ہو تو اس کو لٰکن سے دُور کیا جاتا ہے۔ تو ابوّت کی نفی کے ساتھ ہی فرمایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ جسمانی طور پر وہ کسی مرد کے باپ نہیں۔ لیکن رُوحانی طور پر وہ تمہارے باپ ہیں۔ اور پھر خاتم النبیّین کا لفظ اسی لئے بڑھایا کہ آپؐ اکیلے ہی (اَبّ) یا دُنیا کے روحانی باپ رہیں گے۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جس سے آپؐ کی اِبوت رُوحانی منقطع ہو جائے۔ اگر آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہو جائے تو وہ آپ کا بھائی ہو گا۔ کیونکہ ایک نبی دوسرے نبی کا بھائی ہوتا ہے۔ تو اگر آپؐ کے بعد کوئی نبی آئے گا تو آپؐ کی رُوحانی ابوّت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اور پھر دوسرا نبی لوگوں کا باپ ہو گا۔ نہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

نبی کریم صلعم کا زبردست معجزہ } تو روحانی رنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک قوم پیدا کی۔ اور ان میں ایسا اتحاد پیدا کیا جس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ تمام بڑے بڑے مؤرخین نے لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک زبردست معجزہ ہے کہ ان لوگوں کو جو ایک دوسرے کے دشمن تھے ایسا ملا دیا اور ایسی الفت ان کے اندر پیدا کر دی جس کی تاریخ عالم میں نظیر موجود نہیں۔

اتحاد کا موجب بلند مقصد } اتحاد پیدا کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی بلند مقصد سامنے ہو۔ جب تک کوئی بلند مقصد سامنے نہ ہو تفرقہ ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کے اندر اس قدر زیادہ تفرقہ تھا۔ ان کے سامنے کوئی بلند مقصد نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی پست اغراض تھیں۔ جو اس قوم یا قبیلہ کی بہتری سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی لئے فرمایا کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النّار۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ فانقذکم منھا۔ اس سے تمہیں بچایا۔ اور عجیب بات ہے کہ انہیں الفاظ سے پہلے وہ بلند مقصد بھی بتا دیا جس کی وجہ سے یہ الفت اور اتحاد پیدا ہوا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرّقوا۔ اللہ کی رسّی کو اس کے عہد کو یعنی قرآن کریم کو سب کے سب مضبوط پکڑ لو۔ اور تفرقہ نہ کرو۔

یہ خطاب فی الحقیقت آج کے مسلمانوں سے کیا گیا ہے۔ وہ اتحاد جو تم میں قرآن کریم نے پیدا کیا تھا اگر اس کو قائم رکھنا چاہتے تو اس بلند مقصد کو سامنے رکھو کہ سب اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو۔ وہ اللہ کی رسّی قرآن ہے۔ جب تک یہ مقصد سامنے رہے گا۔ اس وقت تک تم میں اتحاد رہے گا۔ جس وقت یہ مقصد سامنے سے ہٹ گیا اور قرآن کریم کو چھوڑ دیا گیا۔ اتحاد باقی نہیں رہے گا۔

صحابہ کرامؓ کا قرآن پر اتحاد } یہ فی الحقیقت سچ ہے۔ جب تک مسلمانوں کے سامنے یہ بلند مقصد تھا۔ اس وقت تک ان میں زبردست اتحاد قائم رہا۔ اس میں کوئی شبہ

نہیں کہ ان میں لڑائیاں بھی ہوئیں۔ لیکن پھر بھی اسی بلند مقصد پر ان کا اتحاد تھا۔ کہ اعلائے اسلام کے سامنے قرآن کریم پر متحد رہیں۔ وہ مشہور واقعہ یاد ہوگا کہ جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ تھی۔ اس وقت قیصر روم نے ارادہ کیا کہ عرب پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو مٹا دے۔ اس وقت حضرت معاویہؓ نے اسے پیغام دیا کہ دیکھو اگر تم نے عرب کا رُخ کیا تو سب سے پہلے معاویہ ہوگا جو علیؓ کا جرنیل ہو کر تمہارے مقابلہ میں آئے گا بڑے وسیع النظر تھے حضرت معاویہؓ اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے تمام صحابہؓ وسیع النظر تھے۔ وہ ایسے موقعہ پر جب اتحاد کی ضرورت ہو کبھی تنگ نظری سے کام نہ لیتے تھے۔

انسان کی نظر اگر تنگ ہو جائے تو اس سے نقصان ہی ہوتا ہے اور قرآن پر متحد ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی نظریں کبھی تنگ نہیں ہوئی تھیں۔

اصلاح و اخلاق کی تعلیم

تو یہ بلند مقصد جب تک مسلمانوں کے سامنے رہا۔ ان کا اتحاد قائم رہا۔ لیکن جب یہ بلند مقصد ہٹ گیا۔ وہ اتحاد کمزور ہو گیا۔ دو باتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں میں زبردست اتحاد پیدا کیا۔ ایک تو یہ بڑا بلند مقصد ان کے سامنے رکھا کہ قرآن کے ذریعہ سے دنیا کی اصلاح کی جائے۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے اخلاق کو بلند کیا جائے۔ آپ غور کر کے دیکھئے۔ قرآن کی نہایت ابتدائی مکّی سورتوں میں اخلاق پر بڑا زور دیا اور بار بار عفو اور درگذر کی تعلیم دی ہے۔ حالانکہ کوئی موقعہ تو ہے نہیں عفو اور درگذر کا ــــ اس وقت دشمن ستا رہا ہے۔ دُکھ اور اذیت اُٹھا رہے ہیں۔ اور حکم ہوتا ہے عفو اور درگذر سے کام لو۔ حالانکہ عفو اور درگذر کا وہ موقع ہوتا ہے جب کسی کے ہاتھ میں ظالم کو سزا دینے کی طاقت ہو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کو اخلاقی رنگ میں تیار کرنا مقصود تھا۔

عفو کا بلند ترین نمونہ

اخلاقِ انسانی میں بڑا بلند خلق عفو ہے اپنے بھائی کو معاف کر دینا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تاریخ میں عفو کا وہ نمونہ پایا جاتا ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ جتنے نیک لوگ دنیا میں ہوتے ہیں اور دنیا میں بڑے بڑے انبیاء اور اولیاء ہو گذرے ہیں انہوں نے بڑے بڑے اچھے نمونے اخلاق کے دکھلائے ہیں۔ لیکن وہ اعلےٰ درجہ کا عفو کا نمونہ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دکھایا ہے۔ کمال کو پہنچ گیا۔

فتح مکّہ کے موقعہ پر وہ لوگ جنہوں نے آپؐ کو قتل کرنے کی کوششیں کیں۔ آپؐ کو کچلنے اور برباد کرنے میں حصّہ لیا۔ وہ سامنے آتے ہیں۔ آپؐ نے یہ خواہش بھی نہیں کی کہ آؤ معافی مانگ لو۔ انہیں معافی کے لئے اشارہ تک نہیں کیا بلکہ پوچھا کہ کس سلوک کی مجھ سے توقع رکھتے ہو۔ اخٌ کریمٌ ابن اخٍ کریمٍ۔ کرم کرنے والے بھائی ہو اور کرم کرنے والے بھائی کے بیٹے ہو۔ سوائے کریم ہونے کے کیا توقع آپؐ سے ہو سکتی ہے۔ فرمایا لا تثریب علیکم الیوم۔ آج تم پر کوئی ملامت بھی نہیں۔ چہ جائیکہ معافی کا ذکر بھی آسکے۔ یہ نمونہ تھا جو آپؐ نے دُنیا کو دکھلایا۔ اس نمونہ کے ساتھ جب ایک شخص کی عظمت دلوں پر ہو تو اس کے اخلاق بھی اثر کر جاتے ہیں۔ اور آپؐ کے ماننے والوں پر ان اخلاق کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

اپنے بھائیوں کو معاف کرو

خوب یاد رکھو وہ دعائیں جو قرآن کریم میں معافی طلب کرنے کے لئے آتی ہیں واعف عنا واغفر لنا وارحمنا۔ یہ اسی حالت میں قبول ہوتی ہے کہ ہم بھی دوسروں کو معاف کریں۔ جب تک تم اپنے بھائیوں کو معاف نہیں کرتے۔ اس وقت تک خُدا بھی تم کو معاف نہیں کرے گا۔

یہ سارا قرآن کریم اسی قسم کے وعظ سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم و اعظوں کی بدقسمتی ہے۔ ہم شاید امتحان پیش آنے پر خود نہ کر سکیں۔ لیکن امتحان میں جو شخص پُورا اترتا ہے وہی اصل واعظ ہے۔

خوب یاد رکھو عفو بڑی چیز ہے۔ عفو کے اصول کی خوب پرورش کرو۔ اسے عمل میں لاؤ۔ ہر چیز عمل میں لانے سے بڑھتی ہے۔ جس چیز کو عمل میں نہ لائیں وہی رہ جاتی ہے۔ اگر آپ بازوؤں سے کام نہ لیں تو وہ سُوکھ جاتے ہیں۔ اگر ٹانگ سے کام نہ لیا جائے تو وہ بے کار ہو جائے گی۔ جتنا آپ جسم کے کسی حصّہ سے کام لیں گے۔ اتنا ہی وہ نشو و نما پائیگا۔ اسی طرح اگر تم اپنے اخلاق کو ترقی دینا چاہتے ہو تو دوسروں کے قصور معاف کرنے کی عادت پیدا کرو۔ دیکھتے رہو کہ آج میرے بھائی نے میرا کوئی قصور کیا ہے۔ اچھا اس کو معاف کر دو۔ اس کو جتلاؤ بھی نہیں۔ اس سے تمہارے اخلاق میں ترقی ہوگی۔

مسلمانوں سے محبّت کرو

اس وقت اتحاد اسلام کی بڑی ضرورت ہے ......

میں اپنی جماعت سے کہتا ہوں ہماری جماعت کو خُدا نے بطور ایک فوج کے کھڑا کیا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے خدا کا نام بلند ہو۔ ان کو ایسے اخلاق کے سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے جن سے قوموں میں اتحاد پیدا ہو۔ خوب یاد رکھو کہ جب ہم دوسرے مسلمانوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے تنگ دلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ تو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت کی۔ آپؐ کا سب کا باپ ہونے کی۔ تحقیر کرتے ہیں۔ دوسرے مسلمان خواہ کتنے ہی بُرے ہوں۔ کتنے ہی گرے ہوئے ہوں۔ آخر اسی باپ کی اولاد ہیں جس کی تم ہو۔ ان سے نفرت نہ کرو اور محبّت کے ساتھ ان کو ساتھ ملانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو تمہاری نفرت سے کوئی فتح نہیں ہوگی۔ صرف تمہاری فتح محبت سے ہو سکتی ہے۔

(ماخوذ)

اخبارِ احمدیہ

درسِ قرآن کریم

جامع احمدیہ دارالسلام میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدت سے درسِ قرآن کریم دے رہے تھے کل آپ نے (۲ جولائی کو) قرآن حکیم کی آخری سورۃ الناس کا درس دیا۔ جس پر درسِ قرآن کریم کا ایک دور ختم ہو گیا۔ درس کے اختتام پر آپ نے طویل دُعا فرمائی۔ جس میں خدا تعالےٰ کے حضور تمام انسانوں کی بہتری اور اسلام کی سربلندی کے لئے استدعا کی گئی تھی۔ مکرم ڈاکٹر صاحب رمضان المبارک کی خاطر بہت جلد ایبٹ آباد تشریف لے جا رہے ہیں۔ وہاں اُن کا پتہ حسب ذیل ہوگا:۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب۔ دار السعید۔ ملک پُورہ۔ جیل روڈ۔ ایبٹ آباد

کیا جماعتِ احمدیہ مُرتد اور کافر ہے؟

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم کا ایک بصیرت افروز مضمون

کیا احمدی مُرتد ہیں؟ } اگر فرض کر لیا جائے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے تو اس کے بعد یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا احمدی جماعت مرتد ہے؟ اور وہ اب مسلمان نہیں رہی۔ ہمارے نزدیک احمدیوں کو مرتد اور کافر کہنا سخت ظلم اور ناانصافی ہے۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

اس وقت احمدیوں کی دو جماعتیں ہیں۔ لاہوری جماعت کے عقائد تو بالکل عام مسلمانوں کے سے ہیں۔ وہ صرف مرزا غلام احمد صاحب کو مجدّد مانتے ہیں اور بس، اور غالباً ہندوستان کے کافرگر و کفرساز مولوی بھی ان کو کافر و مُرتد نہیں سمجھتے جن کا یہی دلچسپ مشغلہ ہے۔

اب رہے قادیانی احمدی یعنی مرزا محمود احمد صاحب کے حلقہ کے لوگ۔ بیشک ان کے عقائد عام مسلمانوں سے الگ ہیں اور ہم ان کو صحیح نہیں سمجھتے۔ مگر باوجود ان کے غلط عقائد کے ان کو کافر و مرتد کہنا صریح ظلم ہے۔ کیونکہ وہ اہلِ قبلہ ہیں۔ توحید۔ رسالت۔ قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں اور عبادات و معاملات میں فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو فرض تسلیم کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن کو کلامِ الٰہی اور رسول اللہ کو افضل الرسل والانبیاء مانتے ہیں۔ باقی مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق جو خیال انہوں نے قائم کر لیا ہے وہ ہر ایک لحاظ سے غلط و باطل ہے۔ مگر یہ مغویات ان کے قصورِ علم و کوتاہی فہم کی وجہ سے ہے۔ وہ آیات و حدیث میں تاویلات کرتے ہیں۔ اور مُول کو آج تک کسی نے کافر و مرتد نہیں کہا۔ مرتد کی تعریف یہ ہے کہ جو اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے دینِ اسلام کو چھوڑ دیا۔ کسی دوسرے شخص یا جماعت کو یہ حق نہیں کہ کسی ایسے شخص کو دوبارہ مرتد یا کافر قرار دے۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔

قرآن کریم میں تو یہاں تک ہے کہ لاتقولوا لمن القیٰ الیکم السّلام لست مؤمنا۔ جو تم کو سلام کرے اس سے مت کہو کہ تو مومن نہیں۔

اگر قصورِ فہم و تاویلاتِ بعیدہ کی بناء پر کفر و ارتداد کے فتوے نکلنے اور احکام جاری ہونے لگیں تو کوئی فرد بھی کفر و ارتداد کی زد سے نہیں بچ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ قادیانی جماعت کے جو کچھ بھی عقائد ہیں وہ آیات و احادیث کے سوءِ فہم و قصورِ علم کی بناء پر ہیں۔ ایک آیت کے معنے جو ہم سمجھے ہوئے ہیں، وہ اس کے دوسرے معنے مراد لیتے ہیں۔ مگر ہماری طرح وہ بھی اپنے عقائد کے ثبوت میں آیات و احادیث کے معنی و مفہوم کو اپنے طور پر اپنے فہم و ادراک کے مطابق پیش کرتے ہیں۔ اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ مُول کو مرتد یا کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اگر مناظرانہ الزامات سے کفر و ارتداد کو معتبر قرار دیا جائے تو پھر تمام فرقے ایک دوسرے کے نزدیک واجب القتل ٹھہرتے ہیں۔ [illegible] اور اثنا عشری علمائے اہلِ سنت شیعوں کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔ بالخصوص [illegible] اور اہلِ سنت شیعہ خوارج کو کافر کہتے ہیں، اور مناظرانہ حیثیت میں تمام فرقے ایک دوسرے کے عقائد کو باطل ٹھہراتے اور کفر و ارتداد سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیوبند کے دارالکفر سے سینکڑوں علمائے حق کی نسبت کفر کے فتوے صادر ہوئے۔ خصوصاً مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز تک تمام علمائے دیوبند ان کے نزدیک بالکل ہی مرتد و کافر تھے۔ کیا یہ واجب القتل نہیں ٹھہرتے۔ اور کیا اس طریقہ پر ایک ایسے فتنہ کا۔ (فتنہ کا مفہوم اصطلاحِ شریعت میں یہ ہے کہ کسی شخص کو اس لئے ستانا اور اس پر اس لئے ظلم روا رکھنا کہ وہ اپنے عقیدہ سے باز آجائے۔ جس طرح کفارِ مکہ مسلمانوں کو ستاتے تھے اور صرف اللہ کو اپنا ربّ کہنے پر طرح طرح کے ظلم و ستم ان پر کرتے تھے اور ان کو جلاوطن کر دیتے تھے جس کی طرف ذیل کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (اذن للذین یقاتلون بانّھم ظلموا وان اللّٰہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربّنا اللّٰہ) دروازہ نہیں کھل جاتا جو بے انتہا تباہی و بربادی کا باعث ہوگا........"

آگے چل کر اسی مضمون میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم افغانستان کی اسلامی حکومت کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں اور یہی خطاب آج حکومتِ پاکستان کے بھی مناسب اور موزون حال ہے۔

"حکومت کا فرض ہے کہ وہ **تعصّب اور دیوانہ پن کا مردانہ وار مقابلہ کرے**۔ حق پر قائم رہنا چاہیئے اور **متعصّب ملاؤں کو** یہودیوں کی طرح اربابًا من دون اللّٰہ کا درجہ دے کر ان کی **شورش انگیزی و فتنہ پردازی سے اس قدر خوفزدہ نہ ہونا چاہیئے** کہ جو کچھ وہ کہیں اس کو آیت و حدیث سمجھ لیا جائے۔ **اگر خدا اور رسول کے مقابلہ پر ان مُلّاؤں کو یہ اقتدار دے دیا گیا**۔ تو مسلمانوں اور ان یہودیوں میں کیا فرق رہ جائے گا جو اپنے ربیوں کے ہفوات کو کالوحی **سمجھتے تھے**۔

آج اگر ان علماء کے جنون و تعصّب کے آگے سرِ اطاعت خم کر دیا گیا۔ تو جس طرح انہوں نے احمدیوں کو مرتد قرار دیا ہے، کل اسی طرح اگر کوئی شیعہ سُنّی ہوا۔ اور پھر شیعہ بن گیا تو اس کو بھی مرتد کہہ کر اس کے رجم کا فتوے صادر کر دیں گے اور اس طرح ان کے باطل اقتدار کو روز افزوں ترقی ہوتی جائے گی۔

بہرحال جہاں تک ہماری حقیر معلومات ہیں۔ نیز **وسیع النظر علماء سے گفتگو اور بحث و تمحیص کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نہ تو قتل مرتد محض بربنائے ارتداد واجب ہے۔ نہ احمدی مرتد ہیں**.........

اس لئے ہم اس کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ اسلام کے صحیح شرعی احکام کے مطابق ضمیر کی کامل آزادی کا آئندہ پورا پورا احترام کیا جائے گا **اور متعصّب مُلّاؤں کے شور و شغب سے اس رُوحِ اسلام کو پامال ہونے نہ دیا جائے گا۔ جو اس نے عالمِ انسانیت کو عطا فرمائی ہے۔**

اِسلامی نظام کا نفاذ، مسلمانوں کی اندرونی اعلیٰ صلاحیتوں کے ارتقاء سے وابستہ ہے

باطنی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے ایمان بالغیب یا یقینِ محکم کے تقاضے

خطبہ جمعہ ۔ مؤرخہ ۸؍ جولائی ۱۹۷۹ء ۔ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ۔ جامع احمدیہ ۔ احمدیہ بلڈنگز لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الٓمٓ ۝ ذالک الکتاب لا ریب فیہ ۛ ھدی للمتقین ۝ ......
اولئک علیٰ ھدیً من ربھم و اولئک ھم المفلحون ۔۔۔۔۔ (البقرۃ ۔ ع ۱)

قسط نمبر (۲)　　(رپورٹ: شفقت رسول خان)

قرآن کریم کی ان ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ اس لئے اس کتاب کے کسی بیان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش قطعاً نہیں۔ بلکہ جو کچھ اس کتاب میں مذکور ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔ کوئی امر قیاسی و ظنی نہیں اور اس کے جملہ قوانین یقین محکم پر مبنی ہیں۔ اس لئے جو لوگ ان قوانین پر عمل کریں وہ متقی ہونے کے باعث فلاح پا جائیں گے۔

متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ صلاحیتیں ہم نے ان کو دی ہیں اس میں سے وہ مخلوقِ خدا کی بھلائی پر خرچ کرتے ہیں۔ نیز جو اس وحی پر جو آپؐ پر خارج سے نازل کی گئی ہے ایمان لاتے اور جو آپ سے ماقبل نازل کی گئی ہے پر یقین رکھتے ہیں اور آخرت یعنی جزا و سزا کے اصول پر یقین رکھتے ہیں۔ پس جو لوگ ان صفات کے حامل ہوتے ہیں وہی خدا کی طرف سے حق پر ہیں اور یہی لوگ کامیابی و فلاح سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔

میری اس تقریر کا موضوع گذشتہ جمعہ کے مضمون سے پیوستہ ہے۔ چنانچہ میں نے پچھلے جمعہ میں بتایا تھا کہ اسلامی نظام صرف چند شرعی سزاؤں تک ہی محدود نہیں بلکہ نظام اسلام ایک وسیع موضوع پر مشتمل ہے۔

شرعی سزاؤں کا نفاذ صرف ان مفسد لوگوں کی روک تھام کے لئے ہے جو لوگوں کی جان۔ مال اور عزت و آبرو پر حملہ کر کے معاشرہ کے امن و آزادی کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ معاشرہ میں مفاسد ابھرنے نہ پائیں۔ قرآن پاک کی تعلیم چونکہ مکمل ہدایت ہے اس لئے اس نے بگاڑ و فساد معاشرہ کی اصلاح کے لئے یہ اقدام بھی تجویز کئے ہیں۔ لیکن سارے کا سارا اسلامی نظام حیات اسی پر مرکوز و محدود سمجھ لینا اور ان قوانین کے نفاذ کو اسلامی نظام کا نفاذ تصور کر لینا ایک بڑی غلط فہمی ہے۔ دین اور پھر اسلام جو کہ کامل اور جامع ہدایت نامہ ہے۔ اس کی یہ محدود تعلیم نہیں ہو سکتی، بلکہ دین تو انسان کو بہت بلند مقام کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ کیونکہ نہ صرف وہ اس کے ظاہری اعمال کی اصلاح کرتا ہے بلکہ اس کے اندرون کو اعلیٰ مقامات تک بلند کرتا ہے

مہبطِ کامل وحی صرف انبیاء و مامورین ہی ہوتے ہیں۔

چنانچہ یہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسلام نے اس بلندی تک پہنچا دیا کہ ان کی زندگی رہنمائی کا روشن مینار بن گئی ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں صحابہ کرامؓ کی یہی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں کہ وہ درج ذیل صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

(۱) غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی خدا کی ہستی جو غیب در غیب اور ماوراء المحسوسات ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ظاہری حواسِ خمسہ سے خدا کی صفات کا ادراک نہیں کر سکتے مگر اس کے باوجود اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہی ایمان بالغیب ہے۔

(۲) کامل وحی جو خدا بھیجتا ہے۔ وہ انبیاء اور مامورین تک محدود ہوتی ہے۔ اگرچہ عوام بھی خدا کی ہمکلامی کے سلسلہ سے محروم نہیں تاہم اپنی کامل حجت کے ساتھ خدا ہر ایک کے ساتھ ہمکلام نہیں ہوتا۔ اس لئے انبیاء کی وحی پر ایمان لانا بھی غیب پر ایمان لانے کے لئے ضروری ہے۔ گو عوام میں سے بعض کو سچی خوابیں آجاتی ہیں لیکن انبیاء و مامورین کا مقام کمال درجہ پر ہوتا ہے۔ قرآن پاک کے احکامات اللہ تعالیٰ کی روشن وحی ہے اور ان پر ایمان لانا یقیناً غیب پر ایمان لانے کے لئے لازم پڑتا ہے۔

(۳) وبالآخرۃ ھم یوقنون ۔ اور اس بات پر ایمان کہ ہمیں اپنے اعمال کی سزا و جزا ضرور مل کر رہے گی۔ مگر اعمال کی جزاء یا سزا کا پھل ملنے پر یقین بھی ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ اس لئے یہ بھی یقیناً غیب ہے اس پر ایمان لانا اعمال میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے از بس ضروری ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ اعمالِ خیر و بد کا معاملہ اسی دنیا تک محدود ہے۔ مابعد الموت آخرت کوئی شے نہیں پس جب کوئی شخص ان اصولوں کو مان کر انہیں اپنا لیتا ہے تو اس سے اس کے نفس کی تکمیل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور وہ فلاح یا اعلیٰ دینی صلاحیتوں کی نشوونما کو حاصل کر لیتا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تقسیم

بندہ مومن کے ذمہ دونوں قسم کے حقوق یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خدا کے حقوق تو یہ ہیں کہ مومن یقیمون الصلوٰۃ کا پیکر ہوتا ہے۔ اور حقوق العباد ممّا رزقنٰھم ینفقون یعنی اپنی خداداد صلاحیتوں سے مخلوقِ خدا کو نفع پہنچاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اگر ہم خدا کی بندگی سے منہ موڑ لیں تو ہم خدا کا ذرہ بھر بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان تکفروا انتم و من فی الارض جمیعًا فان اللہ لغنی عن العٰلمین ۔ اگر جملہ مخلوق خدا کا انکار کر دے تو خدا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔

اعلیٰ باطنی صلاحیتوں کی نشوونما کے حامل افراد کا اتحاد و مربوط نظام

فقہاء نے احکامِ خداوندی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ حقوق اللہ کا ہے اور دوسرا حصہ حقوق العباد کا ہے۔ اور شرعی قوانین کا نفاذ ایک ادنیٰ صورت حقوق العباد کی ہے۔ اگر ہم نے بنی نوع انسان کے بنیادی حقوق کو اپنے برابر سمجھ لیا اور ان کو مساوات کے دائرہ میں رکھا بھی تو یہ کوئی بڑی بات نہیں اس لئے محض شرعی قوانین کے نفاذ کو اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کے مترادف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ خدا پر کامل ایمان اور اس کی صفات پر ایمان اور اس کے فرشتوں پر ایمان اور اس بات پر ایمان کہ خدا اپنی مخلوق میں سے

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۲)

"تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب ٭ کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب"

(حضرت مسیح موعودؑ)

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم نے ۱۸۹۱ء میں جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس الہام کے مطابق کہ "مسیح ابن مریم فوت ہوگیا وجعلناك المسيح ابن مريم" قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں حیات و وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر پورا ایک سال غور و فکر اور تحقیق کرنے کے بعد یہ اعلان کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے اور احادیث میں جس مسیح کے آنے کی بشارت دی گئی ہے وہ میں ہی ہوں تو علماءِ وقت کی طرف سے مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ یہ شخص مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کرکے اپنے آپ کو نبوت کے مقام پر کھڑا کرتا ہے کیونکہ مسیح ابنِ مریم جس کا احادیث میں ذکر ہے وہ نبی ہے۔ وہ اب تک زندہ ہے اور وہی واپس آئے گا۔ یہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے اور چونکہ یہ نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لئے ختم نبوت کا منکر ہونے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) ملحد۔ کافر اور دجال ہے۔ یہی الفاظ حضرت مسیح موعود نے اپنے دردِ دل کا اظہار کرنے کے لئے اپنے ایک شعر میں اس طرح استعمال کئے ہیں :۔

> کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں
> نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے

آپ کو ملت محمدیہ کی خستہ حالی کا غم کھائے جا رہا تھا اور ملت کے علماء اس درد کو جانتے ہوئے بھی نہ جانے کس کے خفیہ اشاروں پر قوم کی زبوں حالی پر دن رات آنسو بہاتے اور اسے اس کی پست حالی سے اٹھا کر بلند مینار پر اس کا قدم جمانے والے مردِ مومن اور اس کے ساتھیوں پر ستم ڈھانے کے لئے ہر لمحہ ادھار کھائے بیٹھے تھے :۔

> جانم گداخت از غمِ ایمانت اے عزیز
> ویں طرفہ ترکہ من بگمانِ تو کافرم

مسلمان یہ جانتے ہوئے بھی چشم و گوش رہا کہ تکبیر بازی کے اسی دن رات کے مشغلہ نے امتِ مسلمہ کو ثریا سے اٹھا کر تحت الثریٰ میں پٹک دیا ہے جہاں سے نکلنے اور اپنے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ایک ایسی قیادت کی ضرورت ہے جس کا ہاتھ اللہ تعالےٰ کے دامن کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہو۔ اس کے قدم محمد صلعم کے نقوشِ پا پر ہوں اور اس کی روشنی اور معرفت کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہو۔ لیکن افسوس ہے دنیا پر مرمٹنے والی قوم نے کبھی ایسی قیادت کا ساتھ نہیں دیا۔ اسی لئے حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ :۔

> امروز قومِ من نشناسد مقامِ من
> روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

یہ مامورِ زمانہ کے الفاظ ہیں۔ ضرور پورے ہوں گے۔ لیکن آج ایک صدی گذر چکی ہے قوم تو قوم کسی ایک فرد کی آنکھ سے بھی ایک آنسو تک نہیں ٹپکا بلکہ یہ قوم اور زیادہ سخت ہوگئی اور قرآن کریم کے ان الفاظ پر مہر تصدیق ثبت کر گئی کہ :۔

"فطال عليهم الامد فقست قلوبهم"

ان پر ایک لمبا زمانہ گذر گیا تو ان کے دل سخت ہوگئے اور ایسے سخت ہوئے کہ :۔

"فهي كالحجارة او اشد قسوة"

وہ سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ گئے۔ ممکن ہے وہ زمانہ بھی آجائے کہ ان پتھروں سے چشمے پھوٹ نکلیں جو دنیا کی روحانی اور اخلاقی آبیاری کا باعث بن جائیں اللہ تعالےٰ ایسا ہی کرے۔ آمین۔

خدا سے بھاگی ہوئی دنیا پر اتمام حجت کے لئے جب آپ نے خدا سے ہمکلامی اور نشانات دکھلانے کا دعوےٰ کیا تو یہ جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ یہ کتنا بڑا کفر اور ضلالت ہے کہ ایک امتی آنحضرت کے بعد وحی و الہام۔ رؤیا و کشوف اور خدا سے مکالمہ و مخاطبہ کا مدعی ہو جبکہ اللہ تعالےٰ چودہ سو سال سے جُپ لب ہے۔ ازلی ابدی اور لازوال ہونے کے باوجود اس کی صفت تکلم معطل ہو کر رہ گئی ہے۔ اب نہ وہ کسی سے بولتا ہے۔ نہ کسی کی دعا سنتا ہے اور نہ کسی مضطر کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ انسان لاکھ عبادت کرے۔ لاکھ سر پٹکے۔ اس کے حضور چیخ و پکار کرے۔ "اياك نعبد و اياك نستعين" کہے۔ "اهدنا الصراط المستقيم" پکارے۔ کیا مجال جو خدا اس کی رات دن کی التجا سنے اور اسے تسلی اور اطمینان بخشے۔ یہ سب افسانے اور کہانیاں بن گئی ہیں۔ اور محض طفل تسلیوں سے بڑھ کر ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

بات صرف اتنی تھی کہ عیسائیت اور اس کی مادی تہذیب نے تو خدا کو اپنے ہاں سے دیس نکالا دے دیا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ مسلمان کا خدا کیوں زندہ ہو کیونکہ اگر کسی نے اپنے وجود سے یہ شہادت پیش کر دی اور دیکھنے اور سننے والوں نے اس آواز پر لبیک کہا تو اس تہذیب کا بوریا بستر اگر صبح نہیں تو شام کو لپٹ جائے گا اور اسلام ایک بار پھر زبردست قوت بن کر ابھرے گا۔ جس کے سامنے کوئی دوسری بڑی سے بڑی طاقت نہ ٹھہر سکے گی۔ اس نے لنکا ڈھانے کے لئے گھر کے بھیدی تلاش کر لئے۔ جو اس عمارت کو مسمار تو نہ کر سکے لیکن نقصان ضرور پہنچا گئے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

آپ نے ۱۸ رمئی ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار "قطعی فیصلہ کے لئے" شائع فرمایا جس میں یہ اپیل کی کہ ہم آپس کے جھگڑے ختم کرکے "سب متفق ہو کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کریں"۔ اور اسی اشتہار میں لاہور اور امرتسر کے مسلمان اکابر سے بھی اپیل کی کہ خدا کے لئے تم اٹھو اور انصاف سے فیصلہ کرو اور ہمارے آپس کے جھگڑوں کو طے کرا کے اسلام اور مسلمانوں پر رحم کرو اور اتحاد و اتفاق کی بنیاد ڈالو۔" لیکن افسوس ہے کہ کسی نے کروٹ تک نہ لی۔ اگر اس آواز پر کان دھرا جاتا تو مسلمانوں کی قسمت کب سے بدل چکی ہوتی۔ جہل اور تعصب نے آنکھوں پر ایسے پردے ڈال رکھے تھے کہ کسی کو کچھ دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق ہی نہ ملی۔

غیر ملکی مالکوں کے اشاروں پر اور انعام و اکرام کے لالچ میں جن لوگوں نے اس زمانے میں حضرت مرزا صاحب کے نظریات پر بے بنیاد اور بے دلیل اعتراضات کرکے عیسائیوں۔ آریوں۔ اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ مل کر تحریکِ احمدیت کو ختم کرنے کے لئے ناکام جدوجہد کی آج انہی لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے والے حضرت مرزا صاحب کے نظریات کو قبول کرتے جا رہے ہیں۔ اور وہی دلائل دے رہے ہیں جو آپ دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک تازہ مثال کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب روزنامہ جنگ (جمعہ ایڈیشن) مورخہ ۱۵ رجون ۱۹۷۹ء میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" ایک مرتبہ (حضرت مریم) مسجد اقصےٰ کے مشرقی جانب ایک

کرنے میں لوگوں کی نگاہوں سے دُور اکیلی کسی ضرورت سے تشریف فرما تھیں کہ اچانک خدا کا فرشتہ جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں ظاہر ہُوا۔ یہ وہی جبرائیل علیہ السلام ہیں جو کہ رسولوں پر اللہ تعالٰے کا پیغام لے کر تشریف لاتے ہیں۔"
آگے چل کر وہ فرشتہ حضرت مریم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ:۔
"میں خدا تعالٰے کا بھیجا ہُوا فرشتہ ہُوں۔ انسان نہیں ہوں اور آپ کو ایک بشارت اور خوشخبری سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں"
یہ فرشتہ ایک بار نہیں کئی بار آیا۔ دوسری بار اس وقت آیا جب حضرت عیسٰے علیہ السلام کی پیدائش بالکل قریب تھی اور کہا:۔
"خدا تعالٰے کے فرشتے نے ایک دفعہ آپ کو تسلّی دی کہ اس کھجور کے درخت کے نیچے آپ آرام کریں۔ اس کو ہاتھ سے ذرا ہلائیں تو اُوپر سے پکی کھجوریں آپ کے کھانے کے لئے آپ کو مل جائیں گی اور نہر بھی خدا تعالٰے نے جاری کر دی کہ اس سے پانی بھی پی لیں۔
حضرت مریم کو یہ خوف لاحق تھا کہ لوگ اس بچّے کے بن باپ پیدا ہونے پر معترض ہوں گے کیونکہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوتا تو ان کی اس مشکل کو بھی حل کرنے کے لئے یہ فرشتہ تیسری بار نازل ہوا اور ان کو یہ پیغام دیا کہ "فکر کی کوئی بات نہیں .... آپ ان کو کہہ دیں کہ میں روزہ سے ہوں اور بات چیت کرنے سے عاجز کیونکہ میں نے خدا تعالٰے سے یہ وعدہ کر لیا ہے میں چند دن بات چیت نہیں کروں گی۔ اس لئے اگر اس بچّے کے متعلق کوئی سوال کرنا ہے تو اسی بچّے سے دریافت کر لیں وہ خود ہی جواب دے دے گا............. حضرت مریم فرشتہ کی یہ بات سُن کر مطمئن ہو گئیں۔"
یہ کہانی بچّوں کو سنائی جا رہی ہے۔ اس میں واقعات کو کس طرح توڑ موڑ کر اور آگے پیچھے کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس پر ہمیں کوئی تبصرہ کرنا مقصود نہیں کیونکہ کہانی نویس اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک "حضرت عیسٰے کی پیدائش معجزانہ۔ کلام معجزانہ۔ کام معجزانہ۔ زندگی معجزانہ اور قیامت کے قریب نازل ہو کر جو کارنامے وہ سرانجام دیں گے وہ بھی معجزانہ بلکہ آنحضرت صلعم کے کارناموں سے ہزار گنا بڑھ کر ہیں" مگر پھر بھی ختم نبوّت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ہمیں اپنے قارئین کے سامنے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر قرآن کریم یہ کہے کہ:۔
۱۔ "سُنو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو ایمان لائے اور تقوٰے کرتے تھے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔"
(یونس: ۶۲ تا ۶۴)
۲۔ "وہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ ہمارا ربّ ہے۔ پھر سیدھے راہ پر جمے رہتے ہیں۔ ان پر فرشتے اُترتے ہیں تتنزل علیھم الملٰئکۃ۔ کہ تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔"
(السجدہ: ۳۰)
اور اگر آنحضرت صلعم یہ فرمائیں کہ:۔
۳۔ "لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجالٌ یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن من امتی منھم احد فعمر۔" اور اگر اس کے ساتھ یہ فرمائیں کہ:۔
"لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یکن من اُمتی احد فانہٗ عُمر۔"
یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے آدمی تھے جن سے باتیں کی جاتی تھیں (یعنے وہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے سرفراز ہوتے تھے) بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں تو اگر میری اُمّت میں ان میں سے کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ یا یہ فرمائیں کہ تم سے پہلی اُمتوں میں محدّث ہُوا کرتے تھے اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔
۴۔ انہی آیات اور احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے کہ مومنوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ انہیں بشارتیں دیتے ہیں۔ پہلی اُمتوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ اگر مجدّد الف ثانی یہ فرمائیں کہ:۔
"اعلم ایھا الاخ الصدیق ان کلام سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھا وذالک الافراد من الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والتسلیمات۔ وقد یکون ذالک لبعض المکمل من متابعیھم بالتبعیۃ والوراثۃ ایضًا واذا کثر ھذا القسم من الکلام مع واحد منھم سمّی محدثاً کما کان امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔"
(مکتوب۔ ۵۱)
"یعنی اسے صدیق جان لے کہ اللہ سبحانہٗ کا کلام بشر کے ساتھ کبھی ایسا ہوتا ہے جیسا ان کے سامنے اور یہ (طریق) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے اور کبھی ان کے پیروؤں میں سے بعض کے لئے جو کمال حاصل کر چکے ہوں بہ سبب پیروی اور وراثت کے بھی ایسا کلام ہوتا ہے اور جب یہ قسم کلام ان میں سے ایک کے ساتھ کثرت سے ہو تو اس کا نام محدّث رکھا جاتا ہے جیسے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رکھا گیا۔" (ترجمہ ماخوذ از النبوۃ فی الاسلام صـ ۱۲۲)
تو قرآن کریم۔ احادیث نبوی اور اقوالِ مجدّدین سلف کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں مسلمانوں کے ہاں مسلم الثبوت ہیں لیکن یہی بات اگر حضرت مرزا صاحب قرآن اور احادیث کو پیش کرتے ہوئے کہیں تو انہیں نبوّت کا مُدّعی کہہ کر کافر و دجّال کہا جاتا ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی جو اپنی صدی کے مجدّد تھے حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:۔
"اور از انجملہ صدیقیت اور محدثیت ہے اور ان کی حقیقت یوں ہے کہ اُمت میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جیسے کہ شاگرد فطین کو شیخ محقق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے"
حضرت مرزا صاحب اس نبوّت کی حقیقت کے متعلق جس کے دعویٰ کا انہیں الزام دیا جاتا ہے فرماتے ہیں:۔
"ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃِ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوّت تامہ نہیں رکھتا جس کو دوسرے لفظوں میں محدّث بھی کہتے ہیں وہ اس تحدید سے باہر ہے کیونکہ وہ بباعث اتباع اور فنافی الرسول ہونے کے جناب خاتم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے جیسے جزء کل میں داخل ہوتی ہے۔"
(ازالہ اوہام۔ نیا ایڈیشن صـ ۲۱۴/۵۷۵)
ہم اپنے مخالفین سے یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب۔ محدّث دہلوی اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

اور مجدّدین مانا جائے لیکن حضرت مرزا صاحب اگر وہی بات آج چودھویں صدی میں فرمائیں تو وہ کافر کہلائیں۔

مقالہ نگار یا کہانی نویس کے مطابق حضرت مریم پر جو ایک عورت تھیں اور نبیہ نہیں تھیں کیونکہ سلسلۂ انبیاء میں جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ہمیں ایک بھی عورت کا نام بھی نہیں ملتا جو نبوت کے مقام پر سرفراز کی گئی ہو۔ اگر تین بار جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی لے کر اُترتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ خیرالرسل صلعم کی اُمت میں جسے قرآن شریف میں خیر امۃ کہا گیا ہے ایک بھی ایسا شخص اس مقام اور رتبہ کو نہ پہنچا کہ اللہ تعالےٰ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نہ سہی کسی اور طور رویاء یا مکاشفہ کے ذریعے ہی ہمکلام ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ سلسلۂ بنی اسرائیل کی ایک غیر نبی عورت سے تو ہمکلام ہو سکتا ہے لیکن یہ اُمت اتنی مغضوب علیہ ہے کہ اس کے ایک مرد سے ہمکلام ہونا پسند نہیں کرتا خواہ وہ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کا کامل نمونہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور قرآن کریم کے ان الفاظ پر عمل کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ "ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"۔

ہم کہانی نویس کے اپنے معتقدات اور ارشادات کے مدِنظر ان سے چند سوال کرنے کی اجازت چاہتے ہیں :—

۱- کیا حضرت مریم نبیہ تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام ان پر نازل ہوتے کیونکہ آپ نے خود یہ لکھا ہے کہ یہ وہی حضرت جبرائیل ہیں جو انبیاء پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔

۲- اگر وہ نبیہ نہ تھیں تو کیا حضرت جبرائیل ان پر وحیٔ نبوت لے کر نازل ہوتے یا محض بشارت دینے کے لئے اور تسلی دینے کے لئے؟

۳- اگر وہ نبیہ نہ تھیں تو سلسلۂ بنی اسرائیل کے کسی نبی کی پیرو کار ضرور تھیں جس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی کے کامل متبع پر بھی بقول آپ کے جبرائیل کا نزول ہو سکتا ہے۔ اور اسے بشارتیں مل سکتی ہیں حالانکہ وہ نبی نہیں ہوتا یا نہیں ہوتی۔

۴- سورۃ التحریم ۱۲ میں مومنوں کی مثال حضرت مریم کے حوالے سے بیان کی ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنی رُوح اس میں پھونکی کیونکہ اس نے اپنے رب کی باتوں کی تصدیق کی۔ اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔ کیا ان مومنوں سے مراد آنحضرت کی اُمت کے مؤمن ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حضرت مریم پر تو جبرائیل اُتریں اور آنحضرت صلعم کی اُمت کے مؤمن اس سے محروم رہیں؟

۵- اگر ان مومنوں پر فرشتے نہیں اُترتے تو السجدہ کی آیت ۳۰ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جس میں یہ ذکر آتا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر سیدھے رستے پر جمع رہتے ہیں ان پر فرشتے اترتے ہیں۔ کیا خدا اپنے وعدہ اور قول کے مخالف کہہ سکتا ہے؟ حالانکہ آل عمران میں ہے "اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم ...... تجھے چن لیا ہے" (۴۲)۔ مومنوں پر بھی فرشتے اترتے ہیں اور مریم پر بھی فرشتے اُترے۔

۶- آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا یا تو حضرت مریم نبیہ تھیں اور اگر وہ نبیہ تھیں تو جن مومنوں پر فرشتے اُترتے ہیں وہ بھی نبی ہی ہوں گے اور یا تسلیم کرنا ہوگا کہ حضرت مریم نبیہ نہ تھیں اور غیر نبی سے بھی کلام بذریعہ فرشتہ ہو سکتا ہے۔ اگر ان سے ہو سکتا ہے تو اُمت کے مومنوں سے بھی ہو سکتا ہے جو نبی نہیں ہوتے اور انہیں محدّث کہا جاتا ہے

۷- اگر حضرت مرزا صاحب نے ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ :—

"اُمت محمدیہ میں محدثیت کا منصب اس قدر بکثرت ثابت ہوتا ہے جس سے انکار کرنا بڑے غافل اور بے خبر کا کام ہے .... کیا خدا تعالےٰ کا قرآن شریف میں اس بارہ میں شہادت دینا تسلی بخش امر نہیں ہے فرمایا کنتم خیر امۃ اخرجت للنّاس .... اور دوسری طرف مشتے نمونہ از خروارے پہلی اُمتوں کے کاملین کا حال بیان کر کے کہتا ہے کہ مریم صدیقہ والدہ عیسےٰ اور ایسا ہی والدہ حضرت موسےٰ نیز حضرت مسیح کے حواری اور نیز خضر جن میں سے کوئی بھی نبی نہ تھا یہ سب مُلہم من اللہ تھے اور بذریعہ الہام اسرار غیبیہ سے مطلع کئے جاتے تھے۔ تو اب سوچنا چاہیئے کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُمتِ محمدیہ کے کامل متبعین ان لوگوں کی نسبت بوجہ اولیٰ ملہم و محدّث ہونے چاہئیں کیونکہ وہ حسب تصریح قرآن شریف خیرالامم ہے .... کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس اُمت میں بھی پہلی اُمتوں کی طرح محدّث پیدا ہوں گے اور محدّث بفتح دال وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات و مخاطبات الٰہیہ ہوتے ہیں"۔

(براہین احمدیہ ص۳۴۷ نیا ایڈیشن)

تو کیا مضمون نویس ہمیں بتا سکتے ہیں کہ آپ نے کونسی بات خلافِ قرآن و حدیث اور خلافِ اقوال اولیاء اللہ اور مجدّدین کہی جس کے کہنے سے وہ تو نعوذ باللہ کافر و دجّال ٹھہریں اور دوسرے یہی کہنے والے اولیاء اللہ اور مجدّد اور نہ جانے اس سے بڑھ کر کیا کیا مانے جائیں۔

۸- اگر حضرت موسےٰ کی والدہ - حضرت عیسےٰ کی والدہ اور حضرت عیسےٰ کے حواریوں پر وحی نازل ہو سکتی ہے اور جبرائیل علیہ السلام اُتر سکتے ہیں تو وہ کیا وجوہات ہیں کہ اس اُمت کے مؤمن اس سے محروم ہیں۔

ہم کہانی نویس اور روزنامہ جنگ کی طرف سے اپنے ان سوالات کے جوابات کے منتظر رہیں گے۔

نماز میں رونا، گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے

خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو!! خدائے تعالےٰ کے حکموں کو بے قدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے گی۔ ایک بچہ کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو۔ **نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے** اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دُعا کرو اور رونا، گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔" (ازالہ اوہام حصّہ دوم)

غیر مسلموں کو مسلمانوں میں تبلیغ کی اجازت دینے کا مزید ثبوت قرآن کریم کی آیات سے۔

غیر مسلموں کا اللہ کے نور کو مٹانے کی کوشش "یریدون ان یطفؤا نور اللہ یا افواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہٗ ولوکرہ الکفرون۔
(التوبۃ ۔ ع)

کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ انکار کرتا ہے سب باتوں کا سوائے اس ایک بات کے کہ وہ اپنے نور کو پھیلنے کی انتہا تک پہنچا دے اگرچہ کافر اس امر کو ناپسند ہی کریں۔"

منہ سے بجھانے کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اسلام پر اعتراضات کی ایسی بوچھاڑ کریں کہ مسلمانوں کے دل ہل جائیں اور اسلام کے متعلق ان کے دل شبہات کی وجہ سے وہ اس دین کو چھوڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام پر اعتراضات کرنے کی کھلی اجازت تھی گو اللہ تعالےٰ ان کے اعتراضات کو دور کرنے کے سامان بھی ساتھ ساتھ کرتا جاتا تھا۔ پس مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ غیر مسلموں کو اسلام پر اعتراض کرنے کی قرآن کریم اجازت نہیں دیتا اس آیت سے غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

کفار کے کلمہ کو ناکام اور ذلیل بنانا "وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلٰے وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم۔ (توبہ آیت ۴۰)

آیت کے اس حصہ میں خدا تعالےٰ نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں کفار جو کچھ اپنے مذہب کی تائید میں کہیں گے وہ نہایت ہی ذلیل اور حقیر قرار پائے گا اور اس کے مقابلہ میں اسلام جو کچھ پیش کرے گا وہ نہایت ہی بلند اور بالا ثابت ہوگا اور حقائق اور حکمت پر وہ کلام مبنی ہوگا اور کفار کے کلام پر غالب ثابت ہونے والا ہوگا اگر جناب مودودی صاحب کے اصول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ کفار کو اسلام کے مقابلہ میں منہ کھولنے کی اجازت ہی نہیں لیکن آیت تو ان کو منہ کھولنے کی اجازت دیتی ہے۔

قرآن کریم کی طرف سے مخالفین اسلام پر حجت پوری کرنے کا طریق۔

"فذلکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلل فانی تصرفون ۝ کذالک حقت کلمت ربک علی الذین فسقوا انھم لا یؤمنون ۝ قل ھل من شرکائکم من یبدؤا الخلق ثم یعیدہٗ قل اللہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہٗ فانی تؤفکون ۝ قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق قل اللہ یھدی للحق افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فمالکم کیف تحکمون ۝ وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ان اللہ علیم بما یفعلون ۝ وما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ ۔ (سورۃ یونس ۔ ع)

قرآن کریم میں غیر مسلموں پر حجت پوری کرنے کے لئے پہلا طریق تو یہ اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ایسی صفات بیان کی ہیں کہ غیر مسلم مقابلہ میں اپنے خدا کی وہ صفات بیان ہی نہیں کر سکتے فرمایا کہ خدا تعالےٰ کی جو شان ہم نے بیان کی ہے وہ حق ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور ہو ہی کیا سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم مقابلہ میں آیا کرتے تھے اور اس مقابلہ میں ان پر مختلف طریقوں سے حجت پوری کی جاتی تھی جن میں سے ایک طریق تو وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ تیرے رب کا کلمہ ان نافرمانوں پر سچا ثابت ہو جاتا ہے جس کا یہ انکار نہیں کر سکتے لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان لانے کی طرف نہیں آتے۔ جب یہ مقابلہ میں آتے ہیں تو ان کو فرما دو کہ جن کو تم نے خدا کے مقابلہ میں شریک بنایا ہوا ہے ان کے متعلق ذرہ یہ تو بتلاؤ کہ ان میں سے کونسا شریک خلق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اس کو لوٹاتا ہے کہہ دو کہ یہ کام تو اللہ ہی کرتا ہے تمہارے شریکوں میں سے تو کوئی یہ کام نہیں کر سکتا پھر کس طرح تم حقیقت سے پرے جا رہے ہو۔ یہ طریق اتمام حجت بھی بتلا رہا ہے کہ غیر مسلم باقاعدہ مقابلہ میں دلائل پیش کیا کرتے تھے جن کا رد مندرجہ بالا طریق سے کیا جاتا رہا ہے۔

پھر تیسرا طریق اتمام حجت کا مندرجہ ذیل آیت میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ ان غیر مسلموں کو کہہ دو کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کیا کوئی شریک ہمارے خدا کے مقابلہ میں کسی کی حق کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے اگر کسی کو ان میں سے کسی نے حق کی طرف راستہ دکھلایا ہو تو اس شخص کو پیش کرو یہ بھی ان کو بتلا دو کہ اللہ تعالےٰ نے جس کو ہم پیش کرتے ہیں حق کی طرف بے شمار لوگوں کو راستہ دکھلایا ہے۔ پس کیا وہ ذات جو حق کی طرف رہنمائی کرے کیا زیادہ حق رکھتی ہے اس بات کا کہ اس کی اتباع ہو [illegible] خود ہدایت نہیں پا رہی سوائے اس کے کہ اس کو ہدایت دی جائے۔ جیسا کہ عیسائی یا ہندو اپنے اوتاروں کو خدا مانتے ہیں حالانکہ وہ خود محتاج ہدایت ہیں۔ پس اے غیر مسلمو تمہیں کیا ہو گیا ہے اور کیسے فیصلے کر رہے ہو ان میں سے اکثر محض ظن کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ظن حق کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں دیتا۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ انسانوں کے لئے کونسے کام کرنے کے قابل ہیں اور کونسے نہیں یاد رکھو کہ یہ قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے بطور جھوٹ نہیں بنایا گیا بلکہ تصدیق کر رہا ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے یعنی اپنے وجود کو ان پیشگوئیوں کے ذریعہ سچا ثابت کر رہا ہے جو اس کے متعلق ان کتب میں کی گئی تھیں۔

حضرت نوح کی قوم کا حضرت نوح سے مباحثہ میں اوپر بتلا آیا ہوں کہ جناب مودودی صاحب کا اصول صرف حضرت نبی کریم صلعم پر ہی لاگو نہیں ہوتا بلکہ پہلے انبیاء علیہم السلام پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کی قوم نے جو حضرت نوح سے مباحثہ کیا اس کا ذکر سورۃ ھود کے ۳ع میں مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا جاتا ہے :۔

"ولقد ارسلنا نوحا الی قومہٖ انی لکم نذیر مبین ۝ ان لا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم ۝ فقال الملا الذین کفروا من قومہٖ ما نرٰک الا بشرا مثلنا وما نرٰک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کذبین ۝ قال یقوم ارءیتم ان کنت علی بینۃ من ربی واٰتنی رحمۃ من عندہٖ فعمیت علیکم انلزمکموھا وانتم

ان اجری الا علی اللہ وما انا بطارد الذین امنوا انھم ملقوا ربھم ولکنی ارٰکم قوما تجھلون ○ ویقوم من ینصرنی من اللہ ان طردتھم افلا تذکرون ○ . . . .
قالوا ینوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصدقین ○"

حضرت نوحؑ نے جب دعوےٰ اپنی قوم کے سامنے پیش کیا اور انہیں توحید الٰہی اختیار کرنے کی ہدایت کی تو انہوں نے مقابلہ میں کہا کہ ہم تجھے اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں اور ہمیں نظر آ رہا ہے کہ چند رذیل اور سطحی خیال کے لوگوں نے تمہیں قبول کر لیا ہے اور ہم پر تمہاری کوئی فضیلت نظر نہیں آتی بلکہ ہم تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

قوم کے اعتراضوں کا جواب دیتے ہوئے حضرت نوح نے فرمایا کہ:۔ جن لوگوں کو تم رذیل خیال لوگ قرار دیتے ہو وہ تو اپنے ربّ کے نزدیک مقبول بندے ہیں ان کو نہیں بلکہ میں تم کو جاہل سمجھتا ہوں۔

قوم نے آگے سے یہ جواب دیا کہ:۔

اے نوحؑ تو نے ہم سے جھگڑا کیا ہے اور اس جھگڑے میں تم حد سے زیادہ آگے نکل گئے ہو جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے آؤ۔
اسی طرح دوسرے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں کے مباحثہ کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا مخالفین کو جواب

"بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون ○" (الانبیاء۔ ۱۱)

بلکہ ہم حق کے ذریعہ سے باطل پر ایسی ضرب کاری لگاتے ہیں کہ وہ اسے کچل کر رکھ دیتا ہے اور وہ حق کے مقابلہ میں ایسا کچلا جاتا ہے کہ گویا وہ نابود ہو جاتا ہے اے مخالفو! ایسی حالت کو دیکھتے ہوئے بھی تم باطل پر اڑے رہتے ہو اور حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہو یہ حالت تمہاری کیسی خوفناک حالت ہے۔

اب جناب مودودی صاحب بتلائیں کہ اگر غیر مسلموں کو مقابلہ کرنے کی اجازت ہی نہیں تو آیت قرآنی میں اس مقابلہ کے کیا معنے جس میں دشمنوں کو ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

سورۃ انبیاء ع ۵ میں حضرت ابراہیم کے ساتھ ان کی قوم کے مناظرہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔

غیر مسلموں کے مناظرہ کا ذکر

"ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ویتبع کل شیطٰن مرید۔ کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ ویھدیہ الی عذاب السعیر" (سورۃ حج۔ ع)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے وجود کے بارے میں بھی جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں وہ شیطان سرکش ..... کی پیروی کرتے ہیں حق اور صداقت کی نہیں ایسے لوگوں کے تعلق خدائی فیصلہ یہی ہے کہ جو شیطان کو اپنا ولی بناتا ہے وہ اسے گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے اور دوزخ کے عذاب کا راستہ اسے دکھلا دیتا ہے۔

پھر اسی رکوع میں فرمایا:۔

"ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا
عن سبیل اللہ لہ فی الدنیا خزی ونذیقہ یوم القیامۃ عذاب الحریق" (الحج آیت ۸۔۹)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے وجود کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ ان کے پاس کوئی علمی دلیل ہوتی ہے اور نہ کوئی ہدایت ان کے پاس ہوتی ہے اور نہ کوئی روشنی دینے والی کتاب، اپنے پہلو کو حق سے پھیر لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں ایسے لوگوں کے لئے خدا کی طرف سے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی آگ میں جلنے والا عذاب چکھیں گے۔"

غیر مسلموں کا مجادلہ

سورۃ حج میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ "وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون" (الحج۔ ۸)

اگر یہ لوگ تیرے پاس جھگڑا کرنے کے لئے آتے ہیں تو ان کو کہہ دو کہ اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے انہی کے مطابق تم پر اس کی گرفت ہوگی۔

کیا یہ تمام آیات جناب مودودی صاحب اس بات کا بیّن ثبوت نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو مجادلہ کرنیکی کھلی اجازت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کا اعتراض

سورۃ المؤمنون ع ۳ میں فرمایا کہ جب رسولوں نے اپنی قوموں کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کیا:۔

"وقال الملا من قومہ الذین کفروا وکذبوا بلقاء الاخرۃ واترفنھم فی الحیٰوۃ الدنیا ما ھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منہ ویشرب مما تشربون ○ ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون ○ ایعدکم انکم اذا متم وکنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون ○ ھیھات ھیھات لما توعدون ○ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین ○ ان ھو الا رجل افتری علی اللہ کذبا وما نحن لہ بمؤمنین ○" (المؤمنون ۳۴۔ ۳۹)

تو اس قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ شخص جو رسول ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے ہمارے جیسا ہی ایک بشر ہے وہی کچھ کھاتا ہے جو کچھ ہم کھاتے ہیں وہی پانی پیتا ہے جو ہم پیتے ہیں اے لوگو! اگر تم اپنے جیسے ہی ایک بشر کی اطاعت کرو گے تو یقیناً نقصان اٹھاؤ گے۔ کیا یہ رسول تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جاؤ گے پھر تم کو زندہ نکال لیا جائے گا۔ ایسا وعدہ جو تم سے کیا جاتا ہے بالکل دور از عقل ہے ہماری زندگی یہی دنیوی زندگی ہے اسی میں ہم مرتے ہیں اور اسی میں ہم زندہ ہوتے ہیں ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے یہ شخص سوائے اس کے نہیں کہ اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے اور ہم تو اس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔"

پھر سورۃ الکہف ع ۵ میں ایک کافر اور مومن کے درمیان مناظرہ کا ذکر ہے۔ کافر اپنے مال و دولت پر اترا رہا ہے اور اپنے جتھے پر فخر کرتا ہے اور یقین سے کہتا ہے کہ میری یہ جاہ و حشمت کبھی برباد نہیں ہوگی لیکن مومن اس کے مقابلہ میں اس کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ تم کو خدا نے ہی مٹی سے پیدا کیا ہے اور اسی نے تم کو اس مقام پر پہنچایا ہے

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم ۱)

اِنقلابِ احمدیت
یعنی
اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ

جانم گداخت از غمِ ایمانت اے عزیز ؛؛ دیں طُرفہ تر کہ من گمانِ تو کافرم

دنیائے اسلام میں آج کل احیائے دِین کے لئے ایک ولولہ اور جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ مسلمان قوم میں بیداری کے آثار نمایاں ہیں۔ گو دین کی جانب یہ رجوع زیادہ تر سیاسی اور اقتصادی مقاصد کے ساتھ وابستہ ہے تاہم بلاشبہ ہر طرف اسلامی تعلیمات کا چرچا ہے۔ اسلام کی سربلندی اور تمام ادیان پر اس کی فضیلت کا چہار طرف ایک غوغا سنائی دیتا ہے۔ کہیں قرآن کریم کے درس و تدریس کے سلسلے جاری ہیں، کہیں دینی علوم اور مسائل کی تدوین کے لئے مجالس سیمنار قائم ہو رہے ہیں۔ ریڈیو۔ ٹی وی کے ذرائع ابلاغ کو تبلیغ اسلام کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ مذہب کی جانب رغبت اور دین کا ذوق و شوق جس کا آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا کیونکر ظہور پذیر ہوا؟ اور یہ فکری انقلاب کس طرح وقوع میں آیا؟ کون اس کا ذمہ دار ہے؟ یہ غور طلب امور ہیں۔ جس کے پس پردہ حقائق کو ایک حق پسند۔ منصف مزاج اور غیر جانبدار۔ غیر متعصبانہ جائزہ ہی واشگاف کر سکتا ہے۔

قریبًا ایک صدی قبل اسلام کو انتہائی مایوسانہ حالات درپیش تھے۔ دِین اسلام پر ادبار کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ بے دینی اور ملحدانہ خیالات کی ایسی یورش تھی کہ مسلمان خود دین سے متنفر تھے۔ اپنے مادی وسائل کی فراوانی کی بدولت عیسائیت اسلام پر ایسی حملہ آور تھی کہ اس کا نام و نشان دنیا سے مٹانے کے درپے تھی۔

ہندومت میں آریہ سماج کی تحریک نے اسلام کے خلاف سر اُٹھایا ہوا تھا۔ اور اسلام اور بانیٔ اسلام پر نہایت گھناؤنے اور مکروہ اعتراضات پھیلا کر شدھی کی تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کو ہندومت میں شامل کرنے کی پرزور کوششیں ہو رہی تھیں۔ غرض اسلام پر فتنوں سے بھرپور ایسا زمانہ آ گیا تھا جس کا نقشہ کس خوبی سے مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی تصنیف تذکرہ میں یوں بیان کیا ہے:۔

> "الغرض اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چودھویں صدی ہجری بمطابق انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی ایسا پرفتن زمانہ تھا کہ ایک مجددِ دین کے ظہور کا شدید متقاضی تھا۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ اس میں تمام قرونِ گذشتہ سے بڑھ کر بدعات، فسق و فجور کا زور اور لوگوں کی مذہب سے بیگانگی اور غفلت انتہاء پر پہنچ چکی تھی۔ ایک طرف بے دینی اور دہریت کی زہریلی اور تند ہوائیں چل رہی تھیں۔ دوسری طرف دِین اسلام پر خطرناک حملے ہو رہے تھے۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں وہ تمام فتن اور ضلالتیں جو حدیثوں میں آخری زمانہ کے متعلق بیان کی گئی ہیں، وہ سب کی سب اس زمانہ میں پیدا ہو چکیں تو کیا سنتِ الٰہیہ بابت بعثت مجددین چودھویں صدی پر آ کر ختم ہو گئی؟"

اس چودھویں صدی ہجری کے دوران اسلام میں کئی تحریکیں اٹھیں جن کا مقصد قوم کو سدھارنے اور ترقی کے راستہ پر چلانا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے سر سیّد احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کو اعلےٰ تعلیم کے حصول اور مادی ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ علیگڈھ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس سے انہوں نے اعلیٰ مغربی تعلیم کی اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے شائع ہوئیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی تحریکِ تعلیم سے بہرہ ور ہو کر مسلمان قوم نے دنیاوی ترقی میں کچھ مقام حاصل کیا۔ لیکن ان کی تحریک سے مسلمان دینی اقدار سے بہرہ ور نہ ہوئے۔ اور دین سے غفلت بلکہ تنفر میں بدستور مبتلا رہے۔ ان کے زمانے میں ہی دین سے بے اعتنائی کا یہ عالم تھا کہ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے اپنے ظریفانہ انداز میں اسکو یوں ادا کیا:۔

> رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے یہ جا کے تھانے میں
> کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

سر سیّد احمد خاں مرحوم نے مسلمان قوم کی گرانقدر خدمت اس رنگ میں کی کہ اس کو نئی مغربی تعلیم اور سائنسی فلسفہ سے آراستہ کیا۔ مگر دین سے غفلت کی چارہ جوئی نہ کر سکے انہوں نے اسلامی لٹریچر ضرور پیدا کیا۔ تفسیر قرآن اور سیرت رسول کریم صلعم پر کتابیں لکھیں۔ لیکن انہوں نے اسلام اور سیرت کو ایک معذرت خواہی کے رنگ میں پیش کیا۔ یعنی اسلام کی تعلیم کو مغربی سائنسی علوم اور فلسفہ کو فوقیت دے کر اس سے مطابقت پیش کی۔ اور اس وجہ سے اسلام کی اصل رُوح یعنی تعلّق باللہ دِلوں میں گھر نہ کر سکی۔

سر سیّد احمد خان کی نمایاں تحریک کے بعد کئی اور تحریکیں۔ مثلاً تحریکِ خلافت اور ہجرت اور تحفظِ ختم نبوت یا جماعت احرار اور اب جماعت اسلامی۔ یہ تمام تحریکیں سیاسی اغراض اور مقاصد سے ملوث ہو کر ابھریں۔ لیکن یہ سب بھی رُوحِ اسلام یعنی تعلّق باللہ پر ایمان سے عاری تھیں اور ہیں۔ اس لئے ان تحریکوں سے کوئی ایمانی انقلاب پیدا نہیں ہوا۔ اور ان کا اثر محض سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول تک محدود رہا۔

ہاں! شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کے رُوح پرور نغموں نے مسلمانوں کو متاثر کیا۔ جس سے قوم اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلعم کے اخلاقِ کاملہ فاضلہ کی قائل ہوئی۔ لیکن خود علامہ اقبالؔ کی شاعری اور ان کے کلام کو کس مفکرِ اسلام نے متاثر کیا؟ اور وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے ان کی شاعری کو دینی اور اسلامی رنگ میں ڈبو دیا۔

مخالفین احمدیت کے تعصبات اور ضد اس امر کے کوشاں رہے ہیں کہ علامہ اقبال کی زندگی کے اس حصہ کو پردۂ اخفا میں رکھیں اور ان محرکات و عوامل کو فراموشی کا لبادہ پہنائیں۔ جس میں علامہ نے تحریکِ احمدیت کو قریب سے مشاہدہ کیا، بلکہ ایک طرح اس تحریک سے منسلک بھی رہے۔

علامہ اقبال کی زندگی کا یہ وہ زمانہ تھا جب وہ مغربی علوم فلسفہ سے بہرہ ور ہو کر انگلینڈ سے واپس اپنے وطن کو لوٹے۔ علامہ کے فارسی کلام کو چھوڑ کر جو تین مشہور و معروف کتابوں پر مشتمل ہیں یعنی اسرار خودی، رموزِ بے خودی اور پیامِ مشرق اور جو اس دور سے متعلق ہے جو ۱۹۰۸ء سے ہوا۔ اس کا ذکر سر شیخ عبدالقادر۔ بانگِ درا کے دیباچہ میں کرنے کے بعد اقبال کے اُردو کلام کے بارہ میں یوں رقمطراز ہیں:۔

> "اقبال کا اُردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۰۱ء سے لے کر آج تک رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا۔ اس کے مجموعہ کی اشاعت کے بہت لوگ خواہاں تھے .... خدا کا شکر ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور اقبال کی اُردو نظموں کا مجموعہ شائع ہوتا ہے جو تین سو چھتیس صفحوں پر مشتمل ہے اور تین حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اوّل میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں۔ حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کی اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے ...."

میرے خیال میں ۱۹۰۸ء سے بعد تک تیسرا حصہ۔ در اصل دو حصوں میں منقسم ہونا چاہیے۔ ایک حصہ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۸ء یعنی پہلی عالمی جنگ کے خاتمہ تک۔ اس زمانہ کی نظموں میں ایک خصوصیت نمایاں ہے۔ اوائل سے ۱۹۰۵ء تک اقبال کی شاعری عمومی شاعرانہ کلام پر مشتمل ہے جیسے ہمالہ۔ ابر کوہسار۔ ایک مکڑا اور مکھی۔ ایک پہاڑ اور گلہری۔ بچے کی دعا۔ پرندے کی فریاد۔ شمع اور پروانہ۔ نالۂ فراق۔ چاند۔ ترانہ ہندی نیا شوالہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک سوامی تیرتھ ناتھ۔ حسن عشق۔ کلی۔ نوائے غم۔ جلوۂ حسن۔ - فراق۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ۱۹۰۸ء یا اس کے قریب زمانہ سے ایک واضح فرق نمایاں ہے۔ اور اس زمانہ میں اقبال کی نظموں میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور ان کے تجدید دین اسلام اور آنحضرت صلعم کی مدح اور نعت جیسے مضامین ان کا موضوع بن جاتے ہیں اسی دور کی وہ مایۂ ناز اور شہرت یافتہ نظمیں ہیں جو شکوہ اور جواب شکوہ سے منسوب ہیں۔ اس نمایاں تبدیلی زیر موضوع کے پس پردہ کیا عوامل تھے اور یہ اندازِ فکر کیونکر ظہور پذیر ہوا؟ اس کے بارہ میں صرف اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں ۱۹۰۸ء سے لیکر ۱۹۱۴ء تک اقبال کو احمدیت کا قریب سے مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ اور بانی سلسلہ احمدیہ جن کو ان ایام میں اقبال نے اپنے زمانے کے عظیم مذہبی مفکر قرار دیا تھا۔ کے افکار سے گہرا اثر لیا۔

علامہ اقبال اپنے زمانے کا مفکر تھا۔ اور آپ کو ایک طرف مغربی علوم فلسفہ پر مکمل عبور حاصل تھا۔ تو دوسری طرف اسلامی علوم تصوف سے استفادہ حاصل تھا۔ بے شک ان کا کلام کانٹ۔ ہیگل۔ برگسان اور گوئٹے کے فلسفیانہ افکار سے بھی اثر پذیر ہوا۔ اور مثنوی مولانا روم کے صوفیانہ کلام اور عرفان سے بھی اثر انداز ہوا۔ لیکن وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے اقبال کی شاعری کو ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا؟ وہ کیا اثرات تھے جنہوں لاشعوری طور پر ترانہ ہندی جیسے موضوع یعنی "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔ ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا + مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔ ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا" سے یک قلم رخ موڑ کر ترانہ ملی جیسے اسلامی نغمہ سرائی پر لگا دیا:—

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا + مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کیا اس تبدیلی موضوع کے پس منظر میں احمدیت کے اثرات نشاندہی نہیں کرتے؟ اور اقبال کے کئی اشعار تو احمدیہ افکار کی خوب ترجمانی کرتے ہیں۔

بانی سلسلہ احمدیہ نے جن وجوہات پر اپنی جماعت کا نام احمدیہ تجویز کیا۔ ان کو حضرت اقبال نے کس خوبی سے اس شعر میں ادا کر دیا۔ سبحان اللہ کیا انداز بیان ہے اقبال کی "گورستان شاہی"۔ جو ۱۹۰۸ء کے ابتدائی زمانہ کی ہے کا آخری شعر احمدیہ تحریک کی غمازی کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:—

"ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور"

علاوہ ازیں اقبال کے چند ایک اشعار واضح ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ اقبال نے کس حد تک احمدیہ تحریک کے افکار سے خوشہ چینی کی مثلاً:—

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ینسلون

یہ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ ہی تھے جنہوں نے موجودہ اقوام یورپ کو یاجوج اور ماجوج قرار دے کر حدیث نبوی کی صداقت کو پیش کیا۔ جہاد اور ایمان باللہ کے بارہ میں علامہ اقبال کے خیالات بھی بانی سلسلہ احمدیہ کی توضیحات کی عین ترجمانی کرتے ہیں لیکن جب یہ نغمات اقبال کی زبان سے نکلتے ہیں تو سب سر دُھنتے ہیں اور علامہ کو ترجمانِ حقیقت کے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ لیکن امام وقت بانی سلسلہ احمدیہ ان حقائق کو بہت پہلے بیان کر چکے تھے لیکن تنسیخ جہاد کے ملزم ٹھہرائے جاتے ہیں اور مسلمان قوم ان حقائق کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے!۔

"غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں + جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا + نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت پادشاہی۔ علم اشیاء کی جہانگیری + یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں
یقیں محکم۔ عمل پیہم۔ محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

الغرض تحریک احمدیت کا آغاز بھی چودھویں صدی ہجری بمطابق انیسویں صدی اور بیسویں صدی ہوا۔ جو بقول علامہ ابوالکلام آزاد ایسا پرفتن زمانہ تھا کہ ایک مجدد دین کے ظہور کا اشد متقاضی تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کو بتقاضائے وقت مقام مجددیت پر فائز کیا گیا۔ جس کا اعلان حضرت اقدس نے بذریعہ اشتہار ۱۸۸۵ء میں کیا۔ اور اپنی بعثت کے اغراض و مقاصد کو واضح طور پر اپنی سب سے پہلی تصنیف براہین احمدیہ میں یوں بیان فرمایا:—

"کتاب براہین احمدیہ جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم اور مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے۔ ...... جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ اور سچا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ کو ہر ایک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وہ فقط اسلام ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے.........."

الغرض اس تاریخی پس منظر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ اس دورِ جدید اور زمانۂ حاضرہ میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے بانی تھے۔ درحقیقت ان کی بعثت کی غرض اور اس کا مقصد ہی تجدید دین اسلام تھا۔

چنانچہ حضرت اقدسؑ نے مجددیت کے منصب عالیہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فائز ہو کر تجدید دینِ اسلام کا فریضہ کما حقہٗ ادا کیا۔ ایک طرف وہ آفتاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نورِ اسلام حاصل کر کے چودھویں صدی ہجری کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چودھویں رات کے بدرِ کامل کی طرح اپنی ضیا پاشیوں سے جہان کو منور کرتا رہا۔ دوسری طرف اس نے صداقت اسلام اور اصلاح قوم کے لئے اپنے عقیدتمندوں میں نورِ ایمان کی ایسی شمع روشن کی کہ وہ صدق دل سے 'امنوا و عملوا الصالحات' کے مصداق بن گئے اور اسلام کی تبلیغ کے لئے دنیا کے چاروں طرف دوڑ پڑے۔ گویا دنیا نے یہ نظارہ دیکھ لیا:—

"ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون"۔ (سورۃ یٰسین)

جماعت احمدیہ کے مبلغین مشرق و مغرب میں کہاں کہاں تک نکل گئے اور دینِ اسلام کی وہ شمع روشن کی۔ کہ اسلام کے بالمقابل باطل مذاہب کی قوتیں ماند پڑ گئیں۔ مغرب میں ایک مجاہد نے لندن میں مشن قائم کیا جہاں سے نورِ اسلام کی کرنیں مغربی ممالک میں پھیل گئیں۔ انڈونیشیا۔ فجی۔ افریقہ۔ جنوبی امریکہ ٹرینیڈاڈ۔ غرض سب اطراف میں اسلامک مشنز کا غوغا بپا ہو گیا۔

مگر ہائے امت مسلمہ کی بدقسمتی! اور وائے شومئی قسمت!! امت مسلمہ کی اکثریت نے بجائے اس برگزیدہ انسان سے اپنا دامن وابستہ کرنے کے۔ اس کی دولتِ ایمان کی پیشکش کو نہ صرف بے اعتنائی سے رد کیا بلکہ اس سے مخالفت اور مخاصمت پیدا کر کے خود کو خسران میں ڈالا اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ٹھہرے۔ اس کے دعاوی، الہام اور خدائے پاک سے

[illegible] کا [illegible] تو اس غرض سے تھا کہ تا دینِ اسلام کی روح کو تازہ کرے جس کی بناء اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ اور کامل یقین پیدا ہو اور ایسا ایمان باللہ اور تعلق باللہ حاصل ہو کہ جس سے اتو دا عمال صالح سرزد ہوں۔ قرآن کریم کی بار بار تلقین اسی امر پر ہے کہ "امنوا و عملوا الصالحات"۔ جب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل پیدا نہ ہو۔ اس کی تمام تعلیمات جو ایمان افروز اور معرفت الٰہی سے لبریز ہیں پر عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔

حضرت اقدس نے قرآنی تعلیم "امنوا و عملوا الصالحات" کو شیوۂ زندگی اختیار کرنے کی بار بار تلقین کی۔ آپ نے نماز اور دعا کے آداب سکھائے۔ آپ نے سچائی اور دیانت، امانت اور راستبازی کا سبق دیا۔ جس کو علامہ اقبال نے اپنے شاعرانہ انداز میں یوں ادا کیا:

سبق پھر پڑھ صداقت کا۔ امانت کا۔ دیانت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آپ نے ایمان اور یقین کا درس بزبان علامہ اس طرح دیا:

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا!!
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت۔ پادشاہی۔ علمِ اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

علامہ اقبال کے نغمات یقین و ایمان دراصل بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی نوائے بازگشت ہیں۔!!

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ ہی وہ مردِ مومن تھے جنہوں نے اپنی مومنانہ نگاہ سے اپنی جماعت کے افراد کی تقدیریں بدل کر رکھ دیں۔ کہاں وہ بندگانِ خاکی جو مبتلائے فسق و فجور اور بے دینی اور ملحدانہ خیالات میں مستغرق تھے اور پھر ایمان سے فرشتہ سیرت انسان بن گئے!

گو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان روح پرور معجزات کا اس زمانہ میں ایک نظارہ پیش کر دیا۔ وہ خاکی مجسمے جو دنیاوی خواہشات اور تمناؤں سے زمین سے منسلک تھے ان میں حضرت اقدس نے ایمان کی ایسی روح پھونکی کہ یک دم وہ روحانیت کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگے:

"انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ۔"

بہتیروں نے ابدال و اقطاب کا رنگ پکڑا اور بہتیروں نے جذبہ ایمان سے لبریز ہو کر دنیا کی [illegible] مادی اور تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ تعلق باللہ سے وہ مقام حاصل کیا کہ الہامی کلام سے مشرف ہوئے۔

اسلام کی قرونِ اولیٰ کی جھلک دیکھ کر دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ مخالفین اسلام تو اسلام کی ان روحانی قوتوں کے قائل ہو گئے۔ مگر مخالفین احمدیت پر قساوت قلبی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور وہ اس تحریک کو ختم کرنے کے درپے ہو گئے۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ امتِ مسلمہ کو ایمان کی دولت سے مالامال کرنے آئے لیکن امت نے ایسی گرانبہا نعمت سے خود کو محروم کر لیا! مسلمان کی سب سے بڑی متاع ایمان باللہ ہے۔ جسے کھو کر بجائے احساس محرومی کے وہ نازاں اور خنداں ہیں!!

ایمان مسلمان کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ حضرت اقبال نے ایمان کو یقین سے تعبیر کیا۔ یہی ایمان اقبال کے اسرارِ خودی میں تبدیل ہوا اور اسی ایمان میں اقبال کے رموزِ بے خودی پنہاں ہیں۔ ایمان ہی انسان کے اعمال صالحہ کا سرچشمہ ہے۔ ایمان ہی وہ بیج ہے جس سے شجرِ طیبہ نشو و نما پاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃٍ طیبۃٍ اصلھا ثابتٌ و فرعھا فی السماء"

(سورۃ ابراہیم: ۲۴)

یہی ایمان وہ دولت ہے جس سے صحابہ کرام نے وہ فیوض و برکات حاصل کیں جن کی بدولت وہ دنیا و دین میں انسانیت کے کمال کو پہنچے۔ اسی ایمان کی بدولت مسلمان قوم بامِ عروج پر پہنچی۔ اور اسی ایمان کے فقدان سے مسلمان پسماندہ قوم بن گئے۔ اور قعرِ مذلت میں گر گئے۔ یہی وہ نورِ ایمان ہے جو مسلمان کے دل کو منور کرتا ہے اور اسے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ملتی ہے۔ یہ ایمان ہی وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے استعمال سے اصلاح معاشرہ وابستہ ہے۔ اور یہی ایمان ہی وہ بنیاد ہے جس پر نظام اسلام یا سیاسی نظامِ مصطفیٰ کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

الغرض یہی وہ ایمان کی انمول متاع ہے جو مجدد صد چہاردہم مسلمانوں کو دینے آیا۔ اسی سچے ایمان کی دولت سے وہ امتِ مسلمہ کو مالامال کرنے آیا۔ مگر وائے محرومی اور شومئی قسمت مسلمان قوم کی اکثریت نے اس نعمتِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کی بجائے اسے ٹھکرا دیا۔ اور ایسی گرانبہا نعمت کو پسِ پشت ڈال کر اس کی ناقدری کی۔ جس کی بناء پر وہ اپنے معاشرہ کی اصلاح سے محروم ہے۔ اور موجودہ سیاسی دور اور مذہبی بحران ایک عذاب کے رنگ میں ان پر مسلط ہو چکا ہے۔

کیا ان کے دل اب بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں کہ کفرانِ نعمت کی بدولت آج ان پر ایک طرح کا عذاب وارد ہو چکا ہے۔ کیا یہ دینی اور سیاسی بحران جس میں گھر کر وہ تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ کیا ان کے لئے باعثِ فخر ہے کہ وہ اس پر نازاں ہیں یا قوم مسلمان کے لئے باعثِ ندامت اور خشیۃ اللہ کا مقام ہے؟

"الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق۔ ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیرٌ منھم فسقون۔"

(سورۃ الحدید: ۱۶)

ترجمہ: "کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے (ایسا وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں اور اس کے لئے جو حق اترا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن میں پہلے کتاب دی گئی۔ پھر ان پر لمبا زمانہ گذر گیا۔ تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور (اس لئے) ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔"

کاش مسلمان قوم میں یہ احساس زیاں پیدا ہو جائے تو ان کے لئے خداوند تعالیٰ کے حضور رونے اور آہ و زاری کا مقام بن جائے! مگر صد افسوس ایسا نہیں ہو رہا۔

کیا یہ امر غور طلب اور مقامِ عبرت نہیں کہ اس مامور من اللہ ہستی جس کو مجددِ زمان اور امامِ وقت بنا کر بھیجا گیا کے انکار اور اس کو جھٹلانے سے مسلمان قوم نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟ امامِ زمان کی تقلید کی بجائے اس کی تکفیر سے مسلمان قوم اس نعمتِ ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکی، اور اس سے محروم رہ گئی جس سے اس کی نجات وابستہ تھی۔ اور [illegible] ن اس نے کیا پایا؟ نورِ ایمان کے چھن جانے سے مسلمان [illegible] [illegible] ل صالحہ کی توفیق یکسر چھن گئی۔ جس کی وجہ سے مسلمان معاشرہ میں وہ تمام برائیاں سرایت کر گئیں جو اس کی پستی کا باعث ہیں اور اس کی

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

اوقاتِ سحر و افطار رمضان المبارک

سحری کی نیّت

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ

افطاری کی نیّت

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ

اور تیرے ہی رزق پر میں نے افطار کیا

ایّام	رمضان المبارک	جولائی ۱۹۷۹ء	منتہائے سحر گھنٹہ	منتہائے سحر منٹ	وقتِ افطار گھنٹہ	وقتِ افطار منٹ
جمعرات	۱	۲۶	۳	۳۸	۷	۶
جمعہ	۲	۲۷	۳	۳۹	۷	۵
ہفتہ	۳	۲۸	۳	۴۰	۷	۵
اتوار	۴	۲۹	۳	۴۱	۷	۴
پیر	۵	۳۰	۳	۴۲	۷	۳
منگل	۶	۳۱	۳	۴۳	۷	۲
بدھ	۷	یکم اگست	۳	۴۴	۷	۲
جمعرات	۸	۲	۳	۴۵	۷	۱
جمعہ	۹	۳	۳	۴۶	۷	۰
ہفتہ	۱۰	۴	۳	۴۷	۶	۵۹
اتوار	۱۱	۵	۳	۴۸	۶	۵۸
پیر	۱۲	۶	۳	۴۹	۶	۵۸
منگل	۱۳	۷	۳	۵۰	۶	۵۷
بدھ	۱۴	۸	۳	۵۱	۶	۵۶
جمعرات	۱۵	۹	۳	۵۲	۶	۵۵
جمعہ	۱۶	۱۰	۳	۵۳	۶	۵۴
ہفتہ	۱۷	۱۱	۳	۵۴	۶	۵۳
اتوار	۱۸	۱۲	۳	۵۴	۶	۵۲
پیر	۱۹	۱۳	۳	۵۵	۶	۵۱
منگل	۲۰	۱۴	۳	۵۶	۶	۵۰
بدھ	۲۱	۱۵	۳	۵۷	۶	۴۹
جمعرات	۲۲	۱۶	۳	۵۸	۶	۴۸
جمعہ	۲۳	۱۷	۳	۵۹	۶	۴۷
ہفتہ	۲۴	۱۸	۴	۰	۶	۴۶
اتوار	۲۵	۱۹	۴	۱	۶	۴۵
پیر	۲۶	۲۰	۴	۲	۶	۴۴
منگل	۲۷	۲۱	۴	۳	۶	۴۳
بدھ	۲۸	۲۲	۴	۴	۶	۴۲
جمعرات	۲۹	۲۳	۴	۴	۶	۴۱
جمعہ	۳۰	۲۴	۴	۵	۶	۴۰

لاہور سے دوسرے شہروں کا فرق: گجرات ۲ منٹ زیادہ، جہلم ۲ منٹ زیادہ، گوجرانوالہ ۲ منٹ زیادہ، ... ۴ منٹ زیادہ

اوکاڑہ ۲ منٹ زیادہ | فیصل آباد ۴ منٹ زیادہ | ساہیوال ۴ منٹ زیادہ | ... ۸ منٹ زیادہ | سرگودھا ۴ منٹ زیادہ
راولپنڈی ۶ منٹ زیادہ | ایبٹ آباد ۲ منٹ زیادہ | ملتان ۱۲ منٹ زیادہ | حیدرآباد ۲۲ منٹ زیادہ | جھنگ ۸ منٹ زیادہ
سیالکوٹ ۴ منٹ زیادہ | پشاور ۱۸ منٹ زیادہ | بہاولپور ۱۴ منٹ زیادہ | کراچی ۲۶ منٹ زیادہ |

بقیہ خطبہ جمعہ: — از صفحہ ۲

از صفحہ ۲

پاکیزہ لوگوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور اعمال کی جزاء پر ایمان لانا، کامیابی اور فلاح کے حقیقی گُر ہیں۔

فلاح کے معنی ہیں زمین کو پھاڑنا اور سخت محنت سے عمدہ پھل اور غلّہ پیدا کرنا۔ کسان کو بھی فلاح یعنی زمین کو پھاڑ کر اس سے پھل پیدا کرنے والا اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ نہایت محنت سے زمین پر کلمہ رانی کرتا اور غلّہ پیدا کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک مرد مومن اور جبکہ انسان ایمان بالغیب کی روشنی میں اپنے اخلاق و اوصاف کو ترقّی دے اور اس مقصد کے حصول کے لئے مصائب و مشکلات میں سے گذر کر باطنی صلاحیتوں کو اُجاگر کرے گا تو وہ کامیاب و کامران ہوگا۔ جب ایسے افراد باہم مل کر و متحد ہو کر ایک نظام میں منسلک کر کے ایک صالح معاشرہ قائم کرلیں تو تب یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلامی نظام صحیح معنوں میں نفاذ ہوگیا۔

یقیں محکم، عملِ پیہم، محبّت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

انقلابِ احمدیت — بقیہ صفحہ ۱۰

بقیہ صفحہ ۱۰

تباہی کا باعث بن رہی ہیں۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ہر قوم کا اعتراف ہے کہ موجودہ اسلامی معاشرہ میں ہر قسم کی بدعنوانیاں بکثرت رائج ہیں۔ ہر طرف یہی نظر آتا ہے کہ جھوٹ۔ دھوکہ بازی، بددیانتی۔ چور بازاری۔ بدکرداری۔ خود غرضی۔ ظلم و تعدی۔ بے حیائی۔ بے ایمانی اور ان تمام برائیوں کا دور دورہ ہے مسلمان قوم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ایک زبردست بحران میں مبتلا ہیں۔ اور اس کی ناؤ ایک ایسے گرداب اور بھنور میں پھنس چکی ہے جس سے اس کا نکلنا مشکل نظر آتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ یہ وقتِ دعا ہے۔ قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير۔ انك على كل شيء قدير۔ (سورۃ آل عمران: ۲۶)

قسط چہارم — بقیہ صفحہ ۲۷

بقیہ صفحہ ۲۷

پس تو اس سے ڈرو اور اسی کے سامنے عاجزی سے جھکے رہو۔ جناب مودودی صاحب! اگر کافر کو اجازت ہی نہیں کہ مومن کے مقابلہ میں منہ کھولے تو یہ مناظرہ جس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ کہف میں موجود ہے کہاں سے آگیا۔

انشاء اللہ تعالیٰ اسی کی توفیق سے مزید ثبوت بھی مودودی صاحب کے نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے پیش کئے جائیں گے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

دُعا اور برکات کا مہینہ

رمضان کے روزے قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ روزہ کا مقصد کردار کو بلند کرنا اور منکرات و خواہشات رذیلہ سے انسانوں کو بچانا ہے۔

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین صاحب کا ایک خطاب

(ماخوذ)

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما
کُتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔
(سورۃ البقرہ - آیت - ۱۸۴)

فرمایا اے ایمان والو۔ تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھا۔ تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

روزہ کیا ہے۔ اس کی ظاہری صورت تو یہ ہے کہ طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک انسان کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے یعنی خدا کے حکم کی بجا آوری میں حلال اشیا کا استعمال بھی بند کر دیتا ہے۔ یہ ایک ظاہری صورت روزہ کی ہے۔ لیکن روزہ کی باطنی صورت اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اور وہ ہے اپنی زبان کو لغو باتوں سب و شتم غیبت اور کذب سے بچانا۔ اور کان کو ممنوعہ اشیاء کے سننے سے روکنا۔

اگر روزہ کا یہ حقیقی مقصد کوئی شخص پورا نہیں کرتا تو اس کو اپنی فکر کرنی چاہئے۔ کیونکہ روزہ کی غرض انسان میں حقیقی تقوےٰ و طہارت پیدا کرنا ہے۔ صرف بھوکا پیاسا رہنے سے کیا حاصل ہے؟ رمضان ہمیں نیکی و خدا خوفی مخلوق خدا سے ہمدردی اور تقوےٰ و طہارت کا سبق دینے آتا ہے۔ یہ مہینہ بڑا مبارک ہے اس میں خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی مبارک مہینہ میں قرآن کریم کا نزول ہوا تھا۔

روزہ کے متعلق تمام انبیاء و صلحاء کا تجربہ یہ ہے کہ اس سے دل کو روشنی ملتی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ دنیا کی اور قوموں اور پیغمبروں نے بھی روزے رکھے۔ خدا تعالےٰ مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ روزہ تمام انبیائے کرام اور صلحاءِ عظام کی تجربہ شدہ چیز ہے۔ دنیا کے تمام پیغمبروں اور صلحاء نے خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق روزے رکھے اور ان کو ہر لحاظ سے مفید پایا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب سے زیادہ روزے رکھے ہیں۔ اور اس امت کے صلحاء نے بھی برابر روزے رکھے ہیں اور انہوں نے روزوں کا پھل پایا۔

اس زمانہ کے مجدد حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ایک طویل عرصہ تک روزے رکھے ہیں۔ روزہ سے کردار بلند ہوتا ہے۔ صبر۔ بردباری اور برداشت کا سبق ملتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے خود ہی روزہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے کہ لعلکم تتقون۔ خدا تعالےٰ کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرو۔ تقوےٰ کا ماحصل یہ ہے کہ تم یقین کرو کہ خدا عز و جل ہر جگہ دیکھتا ہے۔ تقوےٰ دل میں ہوتا ہے۔ دل میں یہ شعور ہو کہ میرا آقا و مولا مجھے دیکھ رہا ہے۔ وہ میرا نگران اعلےٰ ہے۔ [illegible] اور نیکی کی ترقی ابھرتی ہے اور پروان چڑھتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہی کی۔ مگر درویشی کے اس طریق سے غفلت نہیں برتی۔ آپ نے اپنا معیار زندگی وہی رکھا جو پہلے تھا۔ وہی پہنا اور کھایا جو دوسرے تمام لوگوں کو ملتا تھا۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا بادشاہ پیدا نہیں ہوا کہ جس کے دسترخوان پر حضور کی مانند روکھی سوکھی روٹی کھانے کے لئے رکھی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ بن کر بھی درویشی اور فقیری کا کامل نمونہ بنے رہے۔ اخلاقی معراج کا یہ بلند ترین مقام ہے۔

روزوں کے دن بڑے مبارک ہوتے ہیں کہ دنیا بھر کے پچاس کروڑ مسلمان روزہ رکھے ہوتے ہیں۔ یہ صرف نبی کریمؐ کی برکت ہے۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی۔ آج بھی وہ لوگ مبارک ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی میں قوم کی سربلندی کا راز ہے۔ دینِ اسلام ترکِ دنیا نہیں سکھاتا بلکہ وہ تعلیم دیتا ہے کہ زندگی کے معمول جاری رکھ کر خدا کی عبادت کرو۔ خدا کی خوشنودی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو بھی پورا کرے۔ رمضان المبارک برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس میں آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے پس تم اس ماہ کی برکتوں سے حصہ لو۔

روزہ کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ حرام مال نہ کھاؤ۔ رزقِ حلال سے کردار میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اخلاقی اور نفسیاتی تربیت کا مہینہ ہے۔ اس میں مسلمانوں کو صبر، حوصلہ، برداشت، تحمل، بردباری اور دیانتداری کی ٹریننگ ملتی ہے۔ نیز شرافت اور احسان و مروت، خدا ترسی، رحمدلی کے اوصاف روزہ ہی سے پرورش پاتے ہیں۔ غرباء کا احساس، یتیم پروری، باہمی بھائی چارہ اور مساوات کا بھی روزہ سے ہی سبق ملتا ہے۔ اس ماہ میں دیانت کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا۔ بددیانتی کرنا یا کسی کی حق تلفی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

روزہ رکھنے سے پرہیزگاری کی مشق بھی ہو جاتی ہے۔ اور ہر حالت میں شرافت و دیانتداری کا احساس پورا ماہ بیدار رہتا ہے۔ پس روزہ کا اصلی اور حقیقی مقصد خدا و رسول کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا اور احکامِ خداوندی کی پابندی کرنا ہے۔ پس تم پر یہ احساس ہر وقت غالب رہنا چاہیئے کہ روزہ رکھ کر تم نے خدا تعالےٰ کے ہر حکم کی پابندی اور اس کی تابعداری کا عہد باندھ رکھا ہے۔ یہ احساس تمہیں ہر برائی سے ایک پہریدار کی طرح بچائے گا۔ اور خدا تعالےٰ کی نافرمانی سے تمہیں روکے گا۔ خدا تعالےٰ کے احکام کی اجتماعی تعمیل اور تابعداری سے ایک پاکیزہ معاشرہ بنتا ہے۔ ایسا معاشرہ جس سے ہر فرد تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔

قرونِ اولیٰ میں مسلمان یہی نمونہ لے کر جہاں کہیں بھی گئے دوسروں پر نیک اثر ڈالا۔ اس زمانہ میں مقررہ مبلغ نہ تھے۔ بلکہ ہر مسلمان مبلغ تھا۔ وہ یورپ چین۔ سپین اور روس جہاں بھی گئے ان کے نیک نمونہ سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق مسلمان ہوئے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کے اچھے نمونہ سے لوگ متاثر نہ ہوئے ہوں۔ پس تم بھی کوشش کرو کہ تمہارے نیک نمونہ سے لوگ اچھا اثر لیں۔

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ـــــــ ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــــ شمارہ نمبر ۲۸

ج دین پرنٹرز نکلسن روڈ لاہور / آبکاری روڈ لاہور [illegible] محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا"
الہام حضرت مسیح موعود

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

سالانہ چندہ
پاکستان و ہند سے — پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۹ شوال المکرم سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۲۹

ارشادات حضرت امامِ زمان مرزا غلام احمد علیہ السلام

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔

وہ کیا ہے — ہمارا اسی راہ میں مرنا

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

دنیا کے لوگ جو تاریک خیال اور پرانے تصورات پر جمے ہوئے ہیں وہ اس کو قبول نہیں کریں گے مگر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جو ان کی غلطی ان پر ظاہر کر دے گا۔ یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور ربِ جلیل کا کلام ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اُن حملوں کے دن نزدیک ہیں۔ مگر یہ حملے تیغ و تبر سے نہیں ہوں گے۔ اور تلواروں اور بندوقوں کی حاجت نہیں پڑے گی بلکہ روحانی اسلحہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد اُترے گی۔ اور یہودیوں سے سخت لڑائی ہوگی۔ وہ کون ہیں؟ اس زمانے کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے۔ ان سب کو آسمانی سیف اللہ دو ٹکڑے کر دے گی۔ اور یہودیت کی خصلت مٹا دی جائے گی۔ اور ہر ایک حق پوش دجال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا حجتِ قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور سچائی کی فتح ہوگی۔ اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے۔ اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا۔ جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔ اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کریں۔

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے۔

(فتح اسلام سلسلہ تصنیفات احمدیہ (۳۰))

جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب
امام احمدیہ مشن ہاؤس لنڈن

جماعتہائے مغربی نصف کرّہ کے دَورہ کی جھلکیاں

نوٹ: جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام احمدیہ مشن ہاؤس لندن نے حال ہی میں مغربی نصف کرّہ کی جماعتوں کی دعوت پر ٹرنی ڈاڈ۔ گیانا اور سرینام کا دَورہ کیا۔ انہوں نے اس دَورہ کے دوران میں اپنی مصروفیات کی ایک مختصر رپورٹ ارسال کی ہے جو ہم قارئین پیغام صلح کی دلچسپی کے لئے شائع کر رہے ہیں۔ مفصّل رپورٹ آنے پر بعد میں انشاء اللہ شائع کی جائے گی۔ خُدا کے فضل سے ان کا یہ دَورہ ہر لحاظ سے نہایت کامیاب رہا ہے۔ ان کی رپورٹ سے احباب کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ احمدیت نے اسلام کی جو تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ کس قدر مقبول ہو رہی ہے۔

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے + گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اسکا انتظار
(حضرت مسیح موعودؑ)

(ادارہ)

فرماتے ہیں:

مصروفیت کا یہ حال ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سے رات گئے تک سفر۔ لیکچر اور سوالات و جوابات کا سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ لوگوں کا جوش۔ اخلاص۔ اسلام اور احمدیت کے متعلق ہر قسم کے سوالات اور ان کا حل یہی ہر مقام پر دیکھنے میں آیا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ یہ ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن چکا ہے۔ مرد اور عورت۔ بوڑھے جوان اور بچے سبھی قرآن سُننے اور سمجھنے کے شائق ہیں۔

جو عشق حضرت صاحب لوگوں کے دلوں میں قرآن کے لئے پیدا کرنے کے لئے تشریف لائے تھے اس کا نظارہ یہاں دیکھنے میں آتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ نہ کسی نے صحیح قرآن پیش کیا اور نہ ان کی پیاس بجھی۔ یہاں جو بھی آیا ان سادہ لوح انسانوں کو اسلام کی صحیح تصویر دکھانے کے بجائے انہیں ایسے توہمات اور رسومات کی زنجیروں میں جکڑ گیا جن کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں نے غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے میں اسی پہلو کو مدّنظر رکھا۔

میں ۷ جون کو ٹرینیڈاڈ پہنچا۔ قیام کا انتظام جناب عنایت صاحب کے ہاں تھا۔ بہت سے اور دوست بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ جن میں ڈاکٹر حمزہ رفیق۔ مولنٰنا کمال ہیڈل اور مسٹر عبد القیوم قابلِ ذکر ہیں۔ رات گئے تک ان کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ بقول حضرت صاحب جس کام کی ذِمّہ داری ہم نے اُٹھائی ہے یہ کام ان کا ہے اور یا ان کا جو ان کی شاخ ہیں اور انہی میں داخل ہیں دوسرا کوئی اس میں کامیاب نہ ہوگا۔ اس کامیابی کے حصُول کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ وہ تمام لوگ جو اپنے آپ کو اس مشکلات کے دَور میں بھی احمدی سمجھتے اور کہلاتے ہیں، حضرت صاحب کی خلیفہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا دل و جان سے ساتھ دیں کیونکہ شاخیں تنے کی سلامتی اور سالمیت اور اس سے وابستگی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں، اور نہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کر کے کامیاب ہو سکتی ہیں۔

دوسرے دن یعنی ۸ جون کو کنونشن تھی۔ میں مہمانِ خصُوصی تھا۔ اپنی تقریر میں میں نے اسلام۔ احمدیت اور حضرت مسیح موعودؑ کے مشن اور اس کی کامیابی پر روشنی ڈالی۔ اور اس کے اثرات جو اب دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں ان کی وضاحت کی۔ اور بتایا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا اللہ تعالےٰ کی ناشکری اور اس کی نگاہ میں ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔

جُمعہ کا خُطبہ اور نماز میں نے ہی پڑھائی۔ خطبہ کا موضوع تھا "یا ایّھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین .... اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔" نماز جمعہ کے بعد جماعت احمدیہ ٹرنی ڈاڈ کی ورکنگ کمیٹی کے ارکان سے بہت مفید بات چیت ہوئی۔

۹ جون سے میرے تفصیلی دورہ کا پروگرام تیار کیا گیا۔ میں نے گیانا کے تینوں صوبوں کا تفصیلی دَورہ کیا۔ اور ہر صوبہ میں ایک ہفتہ گذارا۔ میں نے جن مقامات پر اسلام اور احمدیت پر کثیر تعداد میں لیکچر دیئے ہیں۔ ان کے اب نام بھی یاد نہیں۔ تمام مساجد اور مستردوں کو دیکھا۔ ہر مجمع میں ایک اچھی خاصی تعداد شامل ہوتی۔ رات گئے تک میرے میزبانوں کے گھر بھی ایک اچھی خاصی جلسہ گاہ میں تبدیل ہو جاتے۔ ان اجتماعات میں ہندومت اور عیسائیت کے نمائندے بھی شامل ہوتے اور اسلام کے متعلق سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہتا۔ جن کے ذریعے اسلام کی خوبیوں کو اُجاگر کیا جاتا اور بے بنیاد الزامات کی تردید کی جاتی۔

سب سے بڑھ کر جارج ٹاؤن میں سخت مصروفیت رہی۔ لیکچروں۔ ریڈیو پر انٹرویو اور اسلام پر لیکچروں کا سلسلہ جاری رہا۔ چار مرتبہ ریڈیو پر اسلام کے مختلف موضوعات پر تقریریں ہوئیں۔ سُنا ہے سامعین پر ان کا بہت اچھا اثر ہوا یہ سب خُدا کا فضل ہے۔ ہم تو عاجز اور کمزور انسان ہیں۔

گیانا کے دورہ کے دوران میں مولوی عبدالرشید صاحب سے جو اس علاقہ کے مبلغ انچارج ہیں اور عالم باعمل انسان ہیں۔ اور جناب ایم بی یٰسین صاحب سے جو ایک معروف ہستی ہیں جماعتی تنظیم اور معاملات کے متعلق بڑی تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ یٰسین صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ مرکز کی رہنمائی کے بغیر کوئی شاخ بھی اپنا کاروبار کامیابی سے نہیں چلا سکتی۔ مرکز اور شاخوں کا تعلق اسی طرح ہونا چاہیئے جس طرح حضرت صاحب نے فرمایا ہے کیونکہ یہی کامیابی کی صحیح راہ ہے۔ جماعت احمدیہ کی کسی بھی شاخ کو مرکز سے جُدا ہو کر کام کرنے کا تصوّر تک دِل میں نہ لانا چاہیئے۔

گیانا میں میرے لیکچروں کا تذکرہ ہے اور اسلام پر لیکچر سن کر لوگ بہت متاثر ہوئے ہیں۔ ایک لیکچر انسانی مساوات اور توحید پر ریڈیو پر ہوا جو بہت پسند کیا گیا۔ یوسف محمد صاحب کے بھائی محمد یعقوب صاحب کی وجہ سے ہمارا مشن غیر احمدی حضرات میں بھی بہت کامیاب رہا۔ ہم ایسے علاقے میں مدعو ہوئے جہاں ہمارے احمدی بھائی جانے سے ہچکچاتے تھے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے خاص فضل و کرم سے ہم نے ان کی مسجد میں نمازیں ادا کیں اور ان کے ہاں ایک بڑی دعوت میں اسلام پر تقریر ہوئی۔ ان لوگوں نے ریڈیو والوں سے درخواست کی کہ یہ تقریر دوبارہ نشر کی جائے بعض دوستوں نے فون پر شکریہ ادا کیا کہ اگر احمدیت یہی ہے تو یہ تو پھر خالص اسلام ہے! ہم بھی احمدی ہیں۔ الحمد للہ۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے اس سے نوازے۔ یہ سب کامیابیاں مجدّدِ وقت کی بدولت ہیں جنہوں نے اس تاریک دور میں ہمیں ظلمتوں سے نکال کر روشنی کے مینار کی طرف رہنمائی کی اور صحیح اور سا

احمدی اور جزیہ

اسلام آباد سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ "مسلم" مورخہ ۷ جولائی ۱۹۷۹ء کے صفحہ ۱ پر جلی حروف میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ "احمدی جزیہ ادا کریں گے"۔ اس کا پورا ترجمہ یہ ہے :۔

"مظفر گڑھ۔ ۶ جولائی۔ حکومت پنجاب نے تمام ڈپٹی کمشنروں کو یہ ہدایت کی ہے، کہ وہ احمدی کی زرعی زمین کی مفصل فہرستیں تیار کریں تاکہ جزیہ کا حساب لگایا جاسکے۔ اسلامی معاشرہ میں غیر مسلم عشر اور زکوٰۃ کے بجائے جزیہ ادا کرتے ہیں۔ محکمہ مال کا سٹاف ۱۵ دن کے اندر اندر احمدیوں کی زرعی جائداد کی مفصل فہرستیں تیار کرے گا۔"

ہم قرآن و سنت کی روشنی میں جس کے خلاف پاکستان کی اسلامی حکومت میں کوئی قانون نافذ نہیں ہوسکتا۔ اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ حکومت پنجاب احمدیوں سے جزیہ لینے کی کہاں تک مجاز ہے اور آیا اس کا یہ حکم قرآن و سنت کے مطابق ہے یا اس کے صریحاً خلاف۔

سارے قرآن کریم میں جزیہ کے متعلق صرف ایک بار ذکر آیا ہے۔ ہم وہ آیت جس میں جزیہ کا ذکر ہے من و عن نقل کر دیتے ہیں تاکہ یہ شبہ نہ رہے کہ اس کا ترجمہ ہم نے اپنی طرف اپنے مفید مطلب بیان کر دیا ہے :۔

"قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صٰغرون (التوبہ : ۲۹)

ترجمہ:۔ ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ یوم آخر پر اور نہ ہی ان چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ محکوم ہوں۔"

اس آیت میں مسلمانوں کو ان لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم ہے جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو اللہ تعالےٰ نے اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا احمدی اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے؟ اور دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے؟

ان سوالات کا مفصل جواب ہم بارہا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم کی اپنی تحریرات سے دے چکے ہیں لیکن ضد اور تعصب۔ بے جا دشمنی اور عداوت۔ نفرت اور حقارت کی وجہ سے اگر کسی کو یقین نہ آئے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ کوئی انصاف پسند ہو تو اس کو یقین دلانے کے لئے حضرت مرزا صاحب کے یہ مختصر الفاظ ہی کافی ہیں :۔

"میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے"

اپنے اس عقیدہ کا اقرار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والبعث بعد الموت وامنت بکتاب اللہ العظیم القرآن الکریم واتبعت افضل رسل اللہ وخاتم انبیاء اللہ محمدن المصطفٰی وانا من المسلمین وانت تعلم ما فی نفسی ولا یعلم غیرک وانت خیر الشاھدین۔"
(اشتہار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

"میں اللہ اور اس کے ملائکہ۔ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ کی عظیم کتاب قرآن کریم پر ایمان لایا ہوں۔ میں اللہ تعالےٰ کے رسولوں میں سب سے افضل رسول اور اللہ تعالےٰ کے نبیوں کے خاتم حضرت محمد مصطفٰےؐ کی پیروی کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (اے اللہ) تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور تیرے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا اور تو ہی بہترین گواہ ہے۔"

ان تمام باتوں میں سے آخر وہ کونسی بات ہے جس پر سنت جماعت کا تو ایمان ہے مگر حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت کا ایمان نہیں، جس کی وجہ سے احمدیوں کو غیر مسلم سمجھتے ہوئے ان سے جزیہ وصول کرنے کے احکام صادر ہوئے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کو احمدیوں کے خلاف جنگ کر کے انہیں مغلوب اور محکوم بنا کر ان سے جزیہ وصول کرنے کا حکم قرآن کریم میں دیا گیا ہے۔ جن لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم ہے وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے ان کو حرام سمجھتے ہیں اور ان کے قریب تک نہیں بھٹکتے۔ ان کا ذکر سورۃ الانعام کی آیات ۱۵۱ اور ۱۵۲ میں ان الفاظ میں ہوا ہے :۔

"آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے حرام کیا ہے۔ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو...... اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ قتل نہ کرو......... بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ وہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی۔ اُسے قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے......... یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ......... ماپ تول پورا کرو (ماپ تول پورا نہ کرنا حرام ہے)، جب تم بات کہو تو عدل کرو۔ (عدل نہ کرنا حرام ہے) اگرچہ قریبی ہی ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو (اللہ کے عہد کو پورا نہ کرنا حرام ہے) اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو اس کی پیروی کرو۔ اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو اس کے راستہ سے ہٹا دیں گے۔ اس کا (وہ اللہ) تم کو حکم دیتا ہے تاکہ تم تقویٰ کرو۔"

آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے یہ اعلان کروایا گیا ہے کہ "میرا راستہ سیدھا ہے سو اس کی پیروی کرو۔" اور حضرت مرزا صاحب اپنی مذکورہ بالا تحریر میں فرماتے ہیں کہ "میں افضل رسل اور خاتم انبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی پیروی کرتا ہوں۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ان تمام چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اور اس کے رسول صلعم نے حرام ٹھہرایا ہے اور جن کا مختصر سا ذکر سورۃ الانعام کی ان آیات میں آیا ہے۔ اور اسی طرح آپ کی جماعت سمجھتی ہے۔ جب ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ نے حرام بتایا ہے انہیں حرام سمجھتے ہیں اور دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں تو قرآن کریم

کی تعلیم کے پیش نظر کوئی اسلامی حکومت ہم سے جزیہ وصول کرنے کا حکم کس طرح دے سکتی ہے جبکہ آئین میں یہ بات درج ہے کہ کوئی قانون قرآن اور سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ جب ہم اپنا ایک عقیدہ بیان کرتے ہیں تو قرآن اور سنت کسی فرد۔ جماعت یا کسی حکومت کو یہ اختیار نہیں دیتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ نہیں تمہارے یہ عقائد نہیں تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ قرآن کریم سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے کو آنحضرت صلعم نے کبھی نہیں فرمایا کہ نہیں تم مسلمان نہیں ہو۔ حتیٰ کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جیسے اسلام کے اشد ترین دشمن جس کے شب و روز مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور قریش اور یہودیوں کو ان کے خلاف جنگ پر اکسانے میں گذرتے کی موت پر اس کی مغفرت کے لئے دعا مانگی اور اپنی قمیض اس کے کفن کے لئے عطا کر دی۔ اس لئے کہ وہ کم از کم زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا تھا۔ اس کی تمام مذموم حرکات سے واقفیت کے باوجود آپؐ نے اسے یہ نہیں کہا کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ آپؐ سے بڑھ کر کس کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے کو یہ کہے کہ تم مسلمان نہیں ہو اس لئے تمہیں جزیہ دینا ہوگا۔

بخاری شریف میں کتاب الجزیہ کے عنوان کے تحت اس ضمن میں جتنی احادیث بیان ہوئی ہیں اور خلافتِ راشدہ کے دورِ حکومت سے ہمیں شہادتیں ملتی ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جزیہ زکوٰۃ اور عشر کی طرح ایک مستقل ٹیکس نہ تھا بلکہ ایک عارضی ٹیکس تھا جو مفتوحہ علاقوں کے لوگوں سے ان کی حفاظت کے بدلہ میں وصول کیا جاتا تھا اور یہ انہی لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جن کا ذکر سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۲۹ میں آیا ہے۔

جب مسلمان فوجیں اس ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہو سکتی تھیں اور یہ علاقہ خالی کر جاتیں تو ان سے جزیہ کے طور پر وصول کی ہوئی رقم انہیں واپس کر دی جاتی۔ اس کے علاوہ وہ غیر مسلم جو مسلمان فوجوں کے ساتھ شامل ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ان سے بھی جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے ثبوت میں ہم حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے چند ایک واقعات پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ شام کی فتوحات میں اہل جرجومہ نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم مسلمان فوجوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ نہ وہ مسلمان ہوئے اور نہ جزیہ دیا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کا دشمن کے مقابلہ میں ساتھ دینے کا عہد کیا۔

۲۔ ایران کی فتوحات کے بعد جرجان کے لوگوں نے بھی اسی شرط پر صلح کی کہ وہ جزیہ نہیں دیں گے۔ ایک دوسرے مقام باب کے رئیس کے ساتھ بھی اسی شرط پر صلح ہوئی کہ وہ جزیہ ادا نہیں کریں گے۔

۳۔ آرمینیہ میں ہراز تام کے شہر کے رئیس کے ساتھ بھی یہی فیصلہ ہوا کہ بجائے جزیہ کے وہ مسلمان فوجوں کا ساتھ دے گا۔ اس شرط پر صلح ہو جانے کی وجہ سے اس سے جزیہ وصول نہ کیا گیا۔

۴۔ حمص کا مشہور واقعہ بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ جزیہ ایک مستقل ٹیکس نہ تھا۔ جنگ یرموک کے موقعہ پر جب حضرت ابو عبیدہ کو قیصر روم کی فوجوں کے اجتماع کی خبر ملی تو آپ نے حمص کو خالی کرنا مناسب سمجھا۔ آپ حمص سے دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور حکم دیا کہ حمص اور اس کے ارد گرد کے علاقے سے جو جزیہ وصول کیا گیا تھا وہ واپس کر دیا جائے کیونکہ یہ یہاں کی آبادی کی حفاظت کا معاوضہ تھا اور چونکہ اب ہم ان کی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے یہ رقم اپنے پاس رکھنے کا ہمیں اب کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سب رقم ان لوگوں کو واپس کر دی گئی۔ اگر یہ مستقل ٹیکس ہوتا تو کبھی واپس نہ کیا جاتا۔

اس لئے جزیہ کو زکوٰۃ اور عشر کا متبادل ٹیکس سمجھنا قرآن اور حدیث اور تاریخی واقعات کے بالکل خلاف ہے اور قرآن و سنت کے صریحاً منافی۔

جزیہ کی وصولی مفتوحہ علاقہ کے ساتھ صلح کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔ ایسے علاقہ میں بسنے والے لوگوں کی مرضی ہے کہ وہ جزیہ دیں یا بیرونی حملہ کی صورت میں مسلمان فوجوں کی مدد کریں۔ ان دونوں صورتوں کی شہادت ہم اوپر پیش کر آئے ہیں۔

قرآن۔ حدیث اور تاریخ کے حوالے سے ہم یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ:۔

۱۔ احمدی اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان سب چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور وہ دینِ حق کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ ان اہل کتاب میں شامل نہیں ہیں جن سے جنگ کرنے اور جزیہ وصول کرنے کا حکم ہے۔

۲۔ موجودہ پاکستان میں اس وقت جتنے علاقے شامل ہیں ان میں سے کسی ایک علاقے پر بھی پاکستان بننے سے قبل احمدیوں کی حکومت نہ تھی کہ مسلمانوں نے اس پر فوج کشی کر کے اسے فتح کیا ہو اور احمدیوں سے اس شرط پر صلح کی ہو کہ وہ جزیہ دیں گے۔ پاکستان قائدِ اعظم کی قیادت میں ایک عوامی جدوجہد کے نتیجہ میں وجود میں آیا۔ جس میں احمدیوں کا کردار قابلِ رشک ہے۔ یہ تلوار کے ذریعے فتح نہیں ہوا۔ اور نہ ہی احمدی یہاں حکمران تھے۔ آج جو لوگ احمدیوں سے جزیہ وصول کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں وہ تو سرے سے پاکستان کے مخالف تھے اور اب تک ہیں۔ اس لئے پاکستان کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ نہیں کہ وہ احمدیوں سے جزیہ وصول کرنے کا مطالبہ کریں یا مشورہ دیں۔

۳۔ سنہ ۱۹۶۵ء اور سنہ ۷۱-۱۹۷۰ء کی بھارت کے خلاف جنگوں میں احمدیوں نے اپنی جانیں اور مال پیش کیا۔ احمدی فوجیوں نے کیم کرن۔ قیصر ہند۔ چونڈہ اور چھمب جوڑیاں کے مقامات پر پاکستان کی برتری کی تاریخ اپنی شجاعت اور خون سے رقم کی۔ کسی احمدی کمانڈر نے غنیم کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ اس لئے کہ یہ ان کے آباؤ اجداد کا وطن تھا جس کی سرسبزی اور شادابی ان کے خون اور پسینہ کی مرہونِ منت ہے۔

۴۔ جزیہ کی وصولی اس شرط سے مشروط ہے کہ جزیہ ادا کرنے والوں کی حفاظت کی جائے گی۔ اس حفاظت میں جان۔ مال۔ عزت۔ عبادتگاہوں۔ عقائد۔ بچوں۔ بیماروں۔ بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت شامل ہے۔ کیا سنہ ۱۹۵۳ء اور سنہ ۱۹۷۴ء کے واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کی حفاظت کی گئی۔ کہانی بالکل اس کے برعکس ہے۔ بعض مقامات پر جلی ہوئی عمارات کے کھنڈرات جن میں مسجدیں بھی شامل ہیں اس کی شہادت دیتے ہیں کہ جن سے جزیہ وصول کرنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں وہ "مسلمانوں" کے ہاتھوں امن میں نہیں رہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ آخر وہ کونسی دلیل ہے جو احمدیوں سے جزیہ وصول کرنے کے حق میں پیش کی جا سکتی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ سیاسیات کا رخ موڑنے کے لئے آج بھی مسجدوں اور دینی درسگاہوں میں عوام کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے اور ان کے جذبات کو بھڑکانے کے لئے بے بنیاد الزامات لگائے جاتے ہیں جس کا مقصد ملک میں جو پہلے ہی مختلف اندرونی اور بیرونی بحرانوں سے دوچار ہے نیا فتنہ اور فساد پیدا کرنا اور اس کے امن کو اندرونی خطرات سے دوچار کرنا ہے۔ یہ بالواسطہ ان قوتوں کی مدد کرنا ہے جنہیں پاکستان کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ پاکستان میں جتنی بھی سیاسی یا مذہبی تحریکیں اٹھتی رہی ہیں ان کا مقصد در پردہ کچھ اور تھا لیکن ذرائع دوسرے استعمال کئے گئے۔ اور اس وقت

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

مکرم سید رشید احمد صاحب
بذریعہ جناب عبدالرزاق صاحب بمبئی (بھارت)

بائبل اور قرآن

دُنیا میں جس قدر بڑے بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں ان میں عیسائیت اور اسلام، مذاہب شمار ہوتے ہیں۔ ہردو مذاہب کی سکرپچر SCRIPTURE الگ الگ ہیں یعنی بائبل اور قرآن۔ ان دونوں کتب کے گہرے مطالعے کے بعد بھی ایک سطحی نقطہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو دونوں میں بُعد المشرقین پائے جائے گا۔

(۱) بائبل ایک کتاب کا نام ہے جس کے دو حصے ہیں۔ پرانا عہدنامہ اور نیا عہدنامہ۔ پرانے عہدنامہ میں انتالیس ۳۹ جزوی کتابیں ہیں اور نئے عہدنامہ میں ستائیس جزوی کتابیں ہیں۔ لیکن ان ۶۶ (چھیاسٹھ) ساری کتابوں کے مجموعہ کا نام "بائبل" یا "کتابِ مقدس" کس نے رکھا؟ کس بناء پر رکھا؟ کچھ درج نہیں ہے۔ اتنا تو واضح ہے کہ اس بائبل کے اندر کہیں بھی "بائبل" کا نام نہیں ہے۔ دوسری طرف قرآن کریم کو دیکھا جائے تو اس میں قرآن مجید کا نام اس کی شان و عظمت وغیرہ کا ذکر صاف درج ہے۔ تلك آيات الكتاب وقرآن مبين۔ (سورۃ حجر۔ ۱ع) اس میں بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن ہے۔ ویسے یہ نام سب سے زیادہ معروف ہونے کی وجہ سے یہاں ایک ہی آیت درج کی گئی ہے۔ ورنہ خدا تعالےٰ خود اسکے نازل کرنے کا ذکر کرتا ہے اور اس کے مختلف اسماء کا ذکر کرتا ہے۔ اور اس کی شان و عظمت کا ذکر کرتا ہے۔ ان ہردو کُتب کے معتبر یا مشکوک ہونے میں کس کتاب کو کیا ووٹ (VOTE) مل سکتا ہے؟

(۲) دُنیا میں جتنے مذاہب آئے ہیں ان سب کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ انسان

کو اپنے خالق سے ملوائیں اور اس زندگی اور وفات کے بعد کی اُخروی زندگی میں راحت کے حصُول کے راستے بتائیں

چنانچہ بائبل کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے (خصوصًا بائبل کے حامل عیسائیوں کے استدلال کی وجہ سے) کہ حضرت آدمؑ اور حوّاؑ نے گناہ کی بنیاد رکھی (پیدائش۔ باب ۳) اور یہ گناہ کی ناپاکی نسل در نسل آگے چلی گئی۔ پھر اس پر آگے کفارہ کا اصُول بنایا جاتا ہے۔ ہم کو مسئلہ کفارہ کے متعلق فی الحال عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ "ساری بنی آدم پیدائشی گناہ گار ہے"۔ لیکن قرآن مجید اس اصُول کی تردید کرتا ہے اور صاف فرماتا ہے ونفسٍ وّما سوّٰها (سورۃ شمس۔ ۱ع) اس میں اللہ تعالےٰ قسم اُٹھاتا ہے نفس کی جو پاک ہوتا ہے۔ یعنی انسان پیدائشی طور پر سیدھی فطرت رکھنے والا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں انسان اپنے نامۂ اعمال کو گناہوں سے بھر دے یا نیکیوں سے۔ بہرحال بائبل کے اصُول اور قرآنی اصول میں جو اس معاملہ میں اختلاف ہے وہ واضح ہے۔ ایک کتاب قنوطیت کا پیغام دیتی ہے اور دوسری اُمید کا۔

(۳) بائبل ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے قاری کے اندر یہ تاثر پیدا کرتی ہے کہ یہ عجیب خدا کی کتاب ہے کہ اس میں (اصُولی باتوں میں بھی) اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس کی صرف ایک مثال درج ذیل ہے:-

"بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب سے مارا جائے"۔ (استثنا۔ ۲۴-۱۶)

"باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے"۔ (خروج۔ ۳۴/۷)

اختلافات میں سے صرف ایک نمونہ درج کیا گیا ورنہ بائبل کے قاری کا یہ تاثر صرف ایک اختلاف کے دیکھنے سے نہیں بلکہ متعدد اختلافات دیکھنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

اس کے برعکس قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو یہ چیلنج کرتی ہے کہ لو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا (النساء۔ ۱۱ع) اگر یہ قرآن مجید اور اس کی آیات خدا تعالےٰ کی بجائے کسی دوسرے کی طرف سے ہوتیں تو اس میں کثرت سے اختلافات پائے جاتے۔

ہردو کتب کے اس فرق کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کون سی کتاب معقول اور کونسی نامعقول ہے۔

(۴)۔ بائبل والے اپنی کتابوں کو شریعت کی کتاب (BOOK OF LAW.) کہتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے ماننے والے اپنی کتاب کو کتابِ شریعت کہتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خود شریعت کی کتاب یہ اصل پیش کرتی ہے کہ "شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں" (گلیتوں ۱۲/۳) حالانکہ راستبازی کی زندگی کے لئے ایمان کی ضرورت ہے (گلیتوں ۱۱/۳ و حبقوق ۴/۲) گویا انسان کی فلاح کو اس شریعت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس کے برعکس قرآن مجید ہے کہ جو ابتداء سے ہی یہ اصُول پیش کرتا ہے: ذالك الكتاب لاريب فيه ...... واولٰئك هم المفلحون۔ (بقرہ۔ ۱ع) کہ یہ ایسی کتاب شریعت ہے جس میں کوئی شک نہیں اور متقیوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے .... اور ایمان والوں کی یہ علامت ہے کہ اس پر ایمان و یقین رکھتے ہیں ...... اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

گویا انسان کی تقدیر اسی شریعت کی کتاب کے ساتھ وابستہ ہے اسی سے ایمان ہے اور اسی سے نجات و فلاح ہے۔ اب ہردو کتب میں فرق واضح ہے۔ ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کونسی کتاب انسانی نجات کے لئے بے فائدہ اور غیر ضروری ہے اور کون سی کتاب کارآمد ہے۔

(۵) بائبل کو لے کر اگر کوئی شخص پیدائش سے لے کر مکاشفہ کے آخر تک پڑھے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ کتاب جابجا ان باتوں سے بھری ہوئی ہے کہ فلاں کتاب فلاں نبی سے منسوب ہے اور فلاں کتاب فلاں نبی و رسُول سے لیکن اسے یہ کہیں نظر نہیں آئے گا کہ دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی طرف منسوب ہونے والی کتابوں کے متعلق اس کی شہادت نہیں ملتی۔ نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام اللہ بعینہٖ وہی اصلی کلام ہے یا کوئی مفہوم ہے؟ یہ کس زبان میں نازل ہوا؟ کس علاقہ میں نازل ہوا؟ کب نازل ہوا؟ نہ ہی اس کے اندر کوئی کسوٹی بیان کی گئی ہے جس سے نقلی و اصلی کلام میں فرق کیا جا سکے۔ اس کے برعکس ایسی ایسی باتیں اور واقعات درج ہیں جو کسی نبی کی طرف منسوب کرنا تو کجا کسی معمولی عقل والے انسان کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن قرآن مجید نے ان تمام صداقتوں کو یکجا طور پر پیش کر دیا ہے جو تمام پہلے صحیفوں میں مذکور تھیں۔ فرمایا ان هذا لفى الصحف الاولىٰ ۝ صحف ابراهيم و موسىٰ۔ (سورۃ الاعلیٰ۔ ۱ع) کہ یہ مضمون صرف قرآن ہی کا دعوےٰ نہیں بلکہ یہ اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراہیم اور موسےٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی ہے۔

ہردو کتاب کے اس فرق کو سمجھنے کے لئے صرف ایک سوال کافی ہوگا کہ گذشتہ انبیاء کرام کی توہین کس قدر بائبل نے کی ہے اور قرآن کریم نے کس قدر ان کی امقدس شان کو قائم کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے زیادہ باتیں درج کرنے سے رہ گئی ہیں۔ اور جو درج کی گئیں وہ بھی انتہائی اختصار کے ساتھ۔ ورنہ بائبل اور قرآن

(۲۰)

عالمِ نسواں

ابنِ رحیم

تبلیغِ دین اور مسلمان خواتین

عصرِ حاضر کی دجّالی تہذیب نے ضمائرِ انسانی پر جو بدسایہ ڈالا ہے اس سے نہ صرف فکر و نظر میں انار کی پیدا ہو رہی ہے بلکہ الحاد و زندیقیت کی وبائیں پھیلتی جارہی ہیں ۔ مادیت کا بھوت بُری طرح سروں پر سوار ہے ۔ جس کی وجہ سے کارگاہِ عالم غیر فطری تخریب اور منفی ترقیوں کا میدان بن چکا ہے ۔ جدھر کدھر نظر ڈالیں، جو چاہے تو لے دینی کا، شور ہے تو لادینی کا ۔ مغرب کی اس لعنتی تہذیب نے انسان سے دینی احساس پر ایسی کاری ضرب لگائی ہے کہ آج کے تہذیب یافتہ انسان کے لئے دین و مذہب ۔ ایک خواب، ایک خیال، ایک وہم اور ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ گیا ہے ۔

اس جہنمی تہذیب نے جہاں دنیا جہان کی شرم و حیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے وہاں پاکستان کا مسلمان بالخصوص مسلمان عورت بھی اس تہذیبی زکام، بلکہ تہذیبی انفلوئنزا کے ایک ATTACK میں مبتلا ہے ۔ اس کی آنکھوں سے مشرقی دین اور اس کی قدریں بڑی سرعت سے اوجھل ہوتی جا رہی ہیں ۔

جب یہ عالم اور حال ہے تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پاکستان مشرقی اور دینی رکھ رکھاؤ کا نمونہ پیش کر سکے ۔ پاکستانی مسلمان نے جو ایک غیر فطری تہذیبی اُبال کے زیر اثر ماڈرن لائف کی پگ ڈنڈی اختیار کی ہے جو انسانی ضمیر کو موت کی منزل کی طرف لے جاتی ہے اور جو شیطانی و طاغوتی راہ ہے ۔ اس سے نجات حاصل کرنے کی صرف ایک ہی راہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو اس فرنگی راہ سے ہٹ کر اس صراطِ مستقیم پر قدم مارنے چاہئیں جو اسلام کے خدا اور اسلام کے رسولؐ نے دکھلایا ہے ۔ جس کی منزل انسانی عظمت و رفعت اور ضمیر کی بلندی ہے ۔ اور جس پر چل کر ہمارے اسلاف نے اوّل و آخر کی برکات و حسنات سے حصّہ پایا ہے ۔ یورپی نہیں بلکہ یثربی تہذیب سے ہی عزّ و شرف اور سیرت و کردار اور انسانی ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں ۔

عورت مُلک و معاشرہ کی جان ہوتی ہے ۔ یہی وہ فعال طبقہ ہے جو اگر چاہے تو معاشرت اور ماحول میں ایک عظیم الشان تعمیری انقلاب پیدا کر سکتا ہے ۔ ماں کی گود پہلا مکتب ہے جو اس کی کوکھ سے نکلنے والا فرد اس کے فکر و نظر کا وارث ہوتا ہے، اور فکر و نظر کی یہ اجتماعیت بالآخر مُلک و معاشرہ کی تقدیر اور ترقی کا نام پاتی ہے ۔ اس لحاظ سے اس اہم طبقہ کو جو مُلک و معاشرہ کی تقدیر کو جنم دیتا ہے مغربی اثرات سے بچنا از حد لازم ہے ۔ عورت کی اصلاح قوم کی اصلاح ہوتی ہے ۔ عورت کی دینی ترقی قوم کی دینی ترقی ہے ۔ ضرورت ہے اس امر کی کہ آج مسلمان عورت کی دینی رنگ میں صحیح صحیح رہنمائی کی جائے ۔ اس کو اسلام کے ہر پہلو سے آگاہ کیا جائے ۔ اس کو اسلام کی معاشرت سے روشناس کرایا جائے ۔ مشرقی اخلاق و آداب سے واقف کرایا جائے ۔ اور ہمارے اسلاف نے جو پاکیزگی، حیاء، عفت، تقویٰ زہد و پارسائی، علم و عمل اور دینی جذب و عشق کے صالح نمونے چھوڑے ہیں ۔ جن پر چل کر انسانی معراج حاصل ہوتا ہے ۔ ان پاکیزہ نمونوں اور صالح مناظر کی روشنی میں انسانی عزّ و عظمت کی تہذیب کو جو حقیقی تہذیب ہے ۔ پروان چڑھانا چاہیئے ۔ تاکہ عالمِ انسانیت کا سینہ نورِ باطن حاصل کرے ۔ تہذیب و معاشرت کی یہ منصوبہ بندی "خاندانی منصوبہ بندی" سے زیادہ اہم اور توجہ طلب ہے ۔

تواریخ و سیر کی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ صدرِ اوّل کی مسلمان خواتین نے یثربی تہذیب کی روشنی میں اپنی سیرت و کردار کے باوصف نہ صرف ایک صالح قوم و معاشرہ کی تعمیر کی بلکہ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے فریضہ کو بھی ذوق و شوق اور جذب و ولولہ سے انجام دیا ۔ بلکہ اس میں ایک بلند کردار پیدا کیا ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی تبلیغ کا ایک بہت بڑا رُکن ہے ۔ صدرِ اوّل کی خواتین نے اس رُکن کی ادائیگی سے بے توجہی نہیں برتی ۔ جہاں کہیں شریعت کے خلاف اور باعثِ تذلیل انسانیت کوئی چیز ہوتے دیکھی فوراً اُسے روک دیتیں ۔ اس راہ میں ان حور صفت خواتین کو دُکھ درد سے بھی واسطہ پڑا ۔ اس جُرم میں انہوں نے جلاوطنی بھی سہی اور تلواروں کے زخم بھی کھائے ۔

اس جگہ ان باکمال خواتینِ اسلام کے عدیم المثال اسلامی تبلیغی کارناموں اور ان پردہ نشین عورتوں کا دینی جنون اور عظیم الشان جان نثارانہ دائرۂ عمل کے چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں ۔

حضرت اُمّ شریکؓ بڑی برگزیدہ خاتون تھیں ۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئیں ۔ آپ نے اپنے دَور میں بہترین دینی خدمات انجام دیں ۔ ان کا معمول تھا کہ حلقۂ خواتین میں وعظ و نصائح کرتیں ۔ اپنے قول و فعل سے اسلام کی نشر و اشاعت کیا کرتیں ۔ ان کے ہاتھوں کتنی ہی عورتیں مشرف بہ اسلام ہوئیں ۔ اور کتنی ہی شرک و جہل کی دیویاں بنات الاسلام بن گئیں ۔

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب سے کون واقف نہیں ۔ آپ حضرت عُمر فاروق اعظمؓ کی بہن تھیں ۔ بڑی نیک اور پاکباز عورت تھیں ۔ آپ کو دینِ اسلام سے والہانہ محبت تھی ۔ ہر وقت ذکر و فکر میں رہتی تھیں ۔ اشاعتِ اسلام میں سرگرانی اور انہماک رہتا تھا ۔ کڑے سے کڑے موقع پر بھی دعوت و تحریکِ اسلام سے باز نہ آئیں ۔

اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے حضرت عُمرؓ جب قتل رسولؐ کے ارادہ سے جا رہے تھے تو سرِ راہ کسی نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو ۔ تمہاری اپنی بہن اس نئے دین کی والا و شیدا ہے ۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے تو ان کو تلاوتِ قرآن کریم میں مشغول پایا ۔ یہ دیکھ کر ان کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی ۔ اپنی بہن کو مار مار کر لہو لہان کر دیا ۔ اس درد و کرب کی حالت میں بھی تبلیغ دین سے نہ رُکیں اور اسلام کو اس خوبی سے پیش کیا کہ اس قہر و غضب کی آگ سے حضرت عمرؓ کا دل پانی پانی ہو گیا ۔ اور اسلام قبول کر لیا ۔ کتنی تحسین آفریں تھی یہ تبلیغ کہ جس نے سخت ترین دشمن کو محبِ اسلام و رسول بنا دیا ۔ اور جس نے بعد ازاں اسلامی تاریخ میں ابواب کا اضافہ کیا ۔

حضرت امِ الحکیمؓ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھیں ۔ فتح مکّہ کے وقت عکرمہ یمن بھاگ گیا ۔ اپنے شوہر کو راہِ راست پر لانے کے لئے اس نیک بی بی نے یمن کا سفر اختیار کیا ۔ اور اس سے مل کر کچھ اس خلوص اور مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے اس فریضۂ تبلیغ کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا ۔

صدرِ اوّل کی ایک اور خاتون حضرت سعدیؓ بنت کریز تھیں ۔ وہ ایک بزرگ صحابیہ تھیں ۔ انہوں نے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت میں بہت ہی ایثار و قربانی سے کام لیا ۔ محض آپ کی ہی تبلیغی جد و جہد سے منجملہ دیگر عظیم المرتبت شخصیات کے حضرت عثمانؓ بن عفان قعرِ کفر سے نکل کر سایۂ اسلام میں آ گئے ۔ حضرت عثمانؓ اسلامی تاریخ کے اہم کیرکٹر ہیں ۔

اسی طرح حضرت اُمِّ سلیمؓ بھی بہت ہی جلیل القدر تھیں اور نامور مسلمان صحابیہ اور بہت بڑی مبلغہ تھیں ۔ حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے کفر کی حالت میں ان نیک خاتون سے نکاح کی درخواست کی ۔ تو اُنہوں نے فرمایا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو نہ صرف میں تم سے نکاح ہی کر لوں گی، بلکہ یہی اسلام میرا حق مہر بھی ہو گا ۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ صدقِ دل سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ۔

ان خواتین اسلام کی تبلیغی مساعی سے اسلامی تاریخ میں کیسے کیسے کیرکٹر روشن ہوئے

از مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

جناب مودودی صاحب کی پیش کردہ احادیث سے "مرتد کی سزا" قتل کا بے دلیل ثبوت!

(قسط اوّل)

میں چار اقساط میں قرآن کریم کی متعدد آیات پیش کر کے ثابت کر چکا ہوں کہ قرآن کریم اپنے نصوص صریحہ سے یہی تعلیم دے رہا ہے کہ کسی مرتد کو قتل چھوڑ کر کوئی معمولی سزا بھی نہیں دی جا سکتی وہ اپنی ضمیر کی آزادی سے جو مذہب بھی اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہے اور نہ ہی حضرت نبی کریم صلعم کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلعم نے کسی مرتد کو محض اسلام سے ارتداد کی وجہ سے قتل کیا ہو۔ پس قرآن کریم کی نصوص صریحہ کے مقابلہ میں کوئی حدیث پیش کرنا جو قرآن کریم کے نصوص صریحہ کے مفہوم کے منافی ہو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

پس جو حدیثیں مولانا مودودی صاحب نے پیش کی ہیں ان کا وہ مفہوم ہرگز نہیں ہو سکتا جو قرآن شریف کے صریح حکم کو رد کرتا ہو۔ پس ان حدیثوں پر غور کرنا پڑے گا کہ کیا ان کا صرف وہی مفہوم ہو سکتا ہے جو مولوی مودودی صاحب نے پیش کیا ہے یا ان احادیث کے الفاظ کسی اور مفہوم کے بھی متحمل ہو سکتے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب نے اپنے نظریہ کی تائید میں قریباً آٹھ حدیثیں پیش کی ہیں اور یہ سب کی سب ان کے نقطہ نگاہ سے ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں یعنی اسلام کو چھوڑ دینے والے کو قتل کی سزا دی جائے۔ ان کی پیش کردہ پہلی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

"من بدل دینه فاقتلوه"

اس حدیث میں دو الفاظ قابل غور ہیں ایک لفظ دین کا ہے اور دوسرا لفظ قتل کا ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے دین سے مراد مذہب اسلام لیا ہے اور قتل سے مراد گردن اڑا دینے کا مفہوم لیا ہے۔ میرے نزدیک دین سے نہ تو مذہب اسلام یہاں مراد لیا جا سکتا ہے اور نہ قتل سے گردن اڑا دینے کا مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے۔

دین کے معنے عربی زبان میں اور قرآن شریف کے محاورہ میں بھی محض اطاعت کے ہیں کسی حکومت میں خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہو۔ اگر کوئی شخص فوجی خدمت پر مامور ہو اور کمانڈر کے کسی حکم کے خلاف کاروائی کرنے پر آمادہ ہو جائے اور اس کی اطاعت سے منہ پھیر لے تو اس کا کورٹ مارشل کیا جاتا ہے اور وہ سزا قتل کا مستحق ہوتا ہے۔

پس حدیث میں جو قتل کا لفظ وارد ہوا ہے اگر اس سے گردن اڑا دینے کا ہی مفہوم لیا جائے تو دین سے اگر مراد کسی فوجی حکم کی نافرمانی لی جائے تو قتل کا وہ مفہوم لیا جا سکتا ہے جس سے گردن اڑانا مد نظر ہو۔ لیکن اگر دین سے مراد مذہب کی تبدیلی مراد ہو تو قتل سے مراد گردن اڑانا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ قتل سے مراد اس شخص کی طرف سے جو ارتداد اختیار کرتا ہے بے توجہگی اور اس کی طرف سے بے پرواہی مراد ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کے متعلق ایک خاص موقعہ پر کہا تھا اقتلوا سعدا ان الفاظ سے نہ تو انہوں نے خود اس قتل سے حضرت سعد کی گردن اڑا دینا مراد لیا تھا اور نہ کسی صحابی نے یہ مراد سمجھی تھی بلکہ جو بات وہ کہہ رہے تھے اس سے بے توجہگی اور بے پرواہی ہی فریقین نے سمجھی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔ یعنی سعد کی اس بات کی طرف جو وہ کہہ رہے تھے کسی نے التفات نہیں کیا اور وہ اپنی بات پر اکیلے ہی عامل رہے۔

پس جب زبان کے محاورہ میں قتل کا لفظ اس مفہوم پر بھی دلالت کرتا ہے تو جناب مودودی صاحب کا کیا حق ہے کہ وہ حدیث میں قتل سے مراد گردن کا اڑا دینا ہی مراد لیں۔ پس حدیث کے جو معنے میں نے کئے ہیں وہ نہ تو قرآن کی نصوص صریحہ کے خلاف پڑتے ہیں بلکہ دونوں میں یعنی قرآن اور حدیث میں مطابقت ہو جاتی ہے۔ پس جناب مودودی صاحب یا کسی اور شخص کو ایسے معنے کرنے کا کیا حق ہے جو قرآن کریم کی نصوص صریحہ کو پس پشت ڈال رہے ہوں۔

دوسری حدیث } جناب مودودی صاحب کی دوسری پیش کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل دم امرئ مسلم يشهد ان لا اله الا الله وانى رسول الله الا باحدى ثلث ۔ النفس بالنفس والثيب الزانى، والمفارق لدينه التارك للجماعة"

پس یہاں بھی دین سے مراد فوجی کمانڈر کے حکم کی اطاعت ہی ہو سکتی ہے اور مفارق کے معنے اس اطاعت سے الگ ہو جانے کے ہیں اور التارک للجماعت کے معنے ہوں گے کہ کمانڈر فوج کا اگر مسلمانوں کی اس جماعت کو جو اس کے ماتحت ہے کسی خاص طرف سے حملہ کرنے کی ہدایت دیتا ہے تو ایک شخص اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو وہ گویا جماعت کی جو غرض و غایت اتحاد کی ہوتی ہے اس کے منافی کام کر رہا ہوتا ہے۔ یقیناً وہ کورٹ مارشل کا مستحق ہوتا ہے اور اس کا کورٹ مارشل ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ پس اس حدیث کو بھی دین سے پھر جانے سے کوئی تعلق نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں دین اور دشمنوں کے ساتھ جنگیں ملی جلی تھیں۔ پس اس لئے احکام کو جنگوں کے متعلق کمانڈر کے دین کے متعلق سمجھ لیا گیا ہو۔ جیسا کہ جناب مودودی صاحب سمجھ رہے ہیں۔ پس حدیث کے جو معنی میں نے کئے ہیں اس سے قرآن شریف کی مخالفت نہیں ہوتی بلکہ مطابقت قائم ہو جاتی ہے۔

تیسری حدیث } جناب مودودی صاحب کی پیش کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يحل دم امرء مسلم الا رجل زنى بعد احصانه او كفر بعد اسلامه او النفس بالنفس"

اس حدیث میں بھی او کفر بعد اسلامه کے الفاظ کو جناب مودودی صاحب نے غلط سمجھا ہے۔ یہاں بھی اسلام کے معنے اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں اور او کفر کے معنے اطاعت سے انکار کرنے کے ہیں۔

پس ان معنوں کے لحاظ سے یہ حدیث بھی قرآن شریف کی نصوص کے خلاف نہیں پڑتی اس کو بھی ان معنوں کے لحاظ سے اسلام سے ارتداد اختیار کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔

چوتھی حدیث } جناب مولوی مودودی صاحب کی پیش کردہ چوتھی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے:۔

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يحل دم امرء مسلم الا باحدى ثلث رجل كفر بعد اسلامه او زنى بعد احصانه او قتل نفسا بغير نفس"

جناب مولانا مودودی صاحب نے رجل کفر بعد اسلامه سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے قتل کرنے والوں کے سامنے یہ

پیش کیا کہ میں تھے تو اسلام کے بعد کفر اختیار نہیں کیا حالانکہ ان الفاظ کے وہی معنی تھے جو گذشتہ حدیث میں میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی برأت میں یہی کہا تھا کہ میں نے کسی اسلامی جنگ میں حضرت نبی کریم صلعم یا آنحضور کے کسی کمانڈر کے حکم کی نافرمانی نہیں کی اس لئے مجھ پر قتل کا فتویٰ کس طرح صادر ہو سکتا تھا یا ہو سکتا ہے۔

پانچویں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:—

" حضرت ابوموسےٰ اشعری سے روایت ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثہ الی الیمن ثم ارسل معاذ بن جبل بعد ذالک فلما قدم قال ایھاالناس انی رسول اللہ الیکم فالقیٰ لہ ابوموسےٰ وسادۃ لیجلس علیھا فاتی رجل کان یھودیا فاسلم ثم کفر فقال معاذ لا اجلس حتیٰ یقتل قضاؤ اللہ و رسولہ ثلٰث مرات فلما قتل قعد "۔

واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہودی اسلام کے سخت دشمن تھے اور اسلام کا قلع قمع کرنے کے لئے مختلف قسم کے حربے استعمال کرتے رہتے تھے۔

پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ یہودی شخص اسلام میں کوئی جنگی راز حاصل کرنے کے لئے داخل ہوا ہو اور جب اس کا یہ راز فاش ہو گیا ہو تو پھر وہ یہودیت کی طرف واپس چلا گیا ہو اور معاذ نے اسے قتل کروا دیا ہو تا وہ راز اپنی قوم کو جا کر بتلا نہ سکے۔ ویسے معاذ کا یہ فعل اس کے ذاتی خیال پر مبنی ہو تو یہ حجت نہیں ہو سکتا اور ایسی غلطیاں صحابہ کرام سے ہو جایا کرتی تھیں جیسا کہ حضرت خالد بن ولید نے ایک جنگ میں ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے کلمہ طیبہ کا اعلان کر دیا تھا۔

جب اس واقعہ کا علم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آنحضرت صلعم نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت خالد نے کہا کہ یا رسول اللہ اس شخص نے اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ دیا تھا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا اسی طرح ایک صحابی نے بھی باوجود اس کے کہ کافر کے منہ سے کلمہ نکل گیا تھا پھر بھی اسے قتل کر دیا گیا اس پر بھی حضرت نبی کریم صلعم نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ نے بھی حضرت نبی کریم صلعم کے کسی لفظ کا غلط مفہوم سمجھ لیا ہو۔

چھٹی حدیث جناب مودودی صاحب نے جو چھٹی حدیث اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:—

" حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کان عبداللہ بن ابی سرح یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فازلہ الشیطان فلحق بالکفار فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقتل یوم الفتح فاستجار لہ عثمان ابن عفان فاجارہ رسول اللہ "۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلعم نے فتح مکہ کے روز ابی سرح کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ لیکن عثمان بن عفان نے اس کے لئے پناہ مانگی۔ آنحضرت صلعم نے اسے پناہ دے دی۔

تو پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ ہر مرتد کو یہ موقعہ دیا جاتا تھا کہ وہ پھر اسلام کو قبول کر لے تو اسلام قبول کرنے کے بعد اسے کوئی سزا نہیں دی جاتی تھی۔ تو عبداللہ بن ابی سرح کو کیوں قتل کا حکم دیا گیا جبکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔

تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے اس کے لئے کیوں پناہ چاہی اور حضرت نبی کریم صلعم نے اسے کیوں پناہ دے دی جبکہ بقول مودودی صاحب وہ مستحق قتل تھا۔ کیا حضرت عثمان کے کہنے سے حضرت نبی کریم صلعم نے شریعت کا حکم بدل دیا تھا۔ کیا حضرت نبی کریم صلعم کسی انسان کے کہنے سے شریعت کے حکم کو بدل دیتے تھے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایک صحابی کی سفارش کو آنحضور صلعم نے رد کر دیا اور شریعت کا فیصلہ ہاتھ کاٹنے کا جاری کیا۔

ساتویں حدیث جناب مودودی صاحب کی پیش کردہ ساتویں حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:—

" ان امرأۃ ارتدت یوم احد فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تستاب فان تابت والا قتلت "

بظاہر یہ حدیث صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ گئے لیکن آنحضور صلعم نے کسی کو بھی قتل نہیں کروایا۔ پھر اس غریب عورت کو ہی قتل کروانا تھا۔ اور اگر اس حدیث کو ہم صحیح بھی سمجھ لیں تو پھر قتلت کے معنے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہی ہوں گے کہ اس عورت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا اور اس کے قتل کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔

آٹھویں حدیث جناب مودودی صاحب نے اپنے نظریہ کی تائید میں جو آٹھویں حدیث پیش کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:—

" حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے ان امرأۃ ام رومان ارتدت فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان یعرض علیھا الاسلام فان تابت والا قتلت۔

یہ حدیث بھی حضرت نبی کریم صلعم کے عمل کے خلاف ہے اور اس لئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو پھر اس کے معنے وہی ہوں گے جس کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

پس یہی وہ احادیث ہیں جو جناب مودودی صاحب نے اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کی ہیں جیسا کہ میں نے بتلایا ہے کہ یہ حدیثیں ان معنوں کے لحاظ سے جو جناب مودودی صاحب پیش کرتے ہیں قرآن کریم کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں لیکن ان معنوں کے لحاظ سے جو میں نے ان کے بیان کئے ہیں قرآن کریم کے مخالف نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول ہو سکتے ہیں لیکن ان معنوں کے لحاظ سے "مرتد کی سزا" قتل ثابت نہیں ہوتی۔

خلافتِ راشدہ کے نظائر اس کے بعد جناب مودودی صاحب نے خلافتِ راشدہ کے نظائر کے ہیڈنگ کے ماتحت چند مرتدین کے قتل کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان واقعات کے متعلق عربی الفاظ نہیں لکھے بلکہ جو مفہوم ان الفاظ کا انہوں نے اپنے ذہن میں سمجھا وہی لکھ دیا ہے لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اس کا مفہوم سب جگہ غلط ثابت ہوتا رہا ہے۔

چوتھا واقعہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود کو اطلاع ملی کہ بنی حنیفہ کی ایک مسجد میں کچھ لوگ شہادت دے رہے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ نے پولیس بھیجی اور ان کو گرفتار کر کے بلا لیا۔ جب وہ لوگ ان کے سامنے پیش ہوئے تو سب نے

(باقی بر صفحہ کالم نمبر ۲)

ہم کون ہیں اور ہمارے فرائض کیا ہیں؟

ہم غلبۂ دینِ اسلام کے لئے اپنے اندر ایک جنون پیدا کریں

حضرت امیر مرحوم کا ایک خطاب

میں نے پچھلے خطاب میں ذکر کیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو ایک عظیم الشان روحانی جنگ کا نظارہ دکھایا۔ جو تمام مسلمانوں کی نظر سے مخفی تھا کہ کفر اور اسلام اور بالخصوص مسیحیت اور اسلام میں ایک ظاہری جنگ تیر و تفنگ سے نہیں بلکہ پروپاگنڈا کے رنگ میں ہو رہی ہے ۔ جس میں مسیحیت کے ساتھ افواج اور سامان کی کوئی انتہا نہیں اور اسلام انتہا درجہ کی بے کسی اور کس مپرسی کی حالت میں ہے اور اسکے ساتھ ہی آپ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ بموجب وعدۂ الٰہی جو تیرہ سو سال پیشتر قرآن کریم میں دیا گیا تھا۔ اس جنگ میں غلبہ اسلام کے لئے ہے ۔ اس مقابلہ کے لئے آپ نے وہ جماعت تیار کی جو جماعتِ احمدیہ کہلاتی ہے اور اس میں جماعت کے ذمے یہ فرض لگایا کہ وہ قرآن کے جھنڈے کو دنیا میں بلند کرے۔ اور کفر اور دجالیت کی ساری طاقتوں کا مقابلہ کرتی ہوئی قدم آگے بڑھاتی چلی جائے ۔ کیونکہ اس مقابلہ میں ایک طرف دنیا کے سارے سامان اور مادیت کی ساری طاقتیں ہیں تو دوسری طرف روحانیت کی وہ زبردست طاقت ہے جو تمام مادی طاقتوں کو پاش پاش کر سکتی ہے ۔

پس اس بات کو کہ ہم کون ہیں۔ ہم اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب ہمیں اس بات کا کامل احساس ہو کہ ہم فی الواقع ایک میدانِ جنگ میں کھڑے ہیں جس میں کفر کی طاقتیں اپنی پوری قوت کے ساتھ جمع ہیں اور ہم نے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے قرآن کریم کے جھنڈے کو جو ہمارے ہاتھ میں دیا گیا ہے آگے لے جانا اور دنیا کی تمام بستیوں حتّٰی کہ دجّالیت کے مرکزوں میں نصب کرنا ہے ۔

جنگ میں کامیابی کے لئے لازمی شرط

جب کسی قوم کو جنگ پیش آتی ہے تو کامیابی کی وہ سی صورت میں متوقع ہو سکتی ہے کہ اس کی تمام تر توجّہ جنگ پر ہو اور اس کے دوسرے تمام مشاغل ایک ثانوی حیثیت اختیار کر لیں ۔

گذشتہ عالمگیر جنگ کا نظارہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح ان تمام قوموں نے جو اس جنگ میں شامل تھیں ۔ اپنے تمام علمی اور تجارتی اور دیگر مشاغل کو بھلا کر اپنی ساری توجّہ فوجوں کی بھرتی اور اسلحہ اور سامان کی تیاری پر لگادی اور آج پھر ہم یہی نظارہ دیکھ رہے ہیں کہ وہی تہذیب جو کل تک صنعت اور علم اور تجارت وغیرہ کی ترقی میں مصروف تھی ۔ آج ان سامانوں کے تیار کرنے میں مصروف ہے جو انسانوں اور بستیوں اور شہروں کو برباد کر کے زمین کے ساتھ ملا دیں۔ اور ان تمام اقوام کے دماغوں پر آج ایک ہی خیال مسلط ہے کہ کس طرح جنگ میں کامیابی حاصل کریں ۔

حضرت مسیح موعودؑ خیالات میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ اس قسم کا انقلاب ان لوگوں کے خیالات میں پیدا کرنا چاہتے تھے ۔ جن کو آپ نے اس روحانی جنگ کے لئے تیار کرنا تھا۔ جس کا نظارہ آپ کو دکھایا گیا تھا ۔ اسی لئے آپ نے ایسے لوگوں کے لئے اپنی بیعت کو ضروری ٹھہرایا اور اس بیعت میں یہ زبردست اقرار لیا کہ

”میں دین کو دُنیا پر مقدّم رکھوں گا“۔

اس اقرار کا مطلب صاف الفاظ میں یہی تھا کہ اس دُنیا کے کاموں کی نسبت ہمارے خیالات پر خدمتِ دین اور تبلیغِ اسلام کا تسلّط زیادہ ہوگا۔ جتھہ ۔ مال ۔ دولت ۔ حکومت ۔ یہ سب دنیا کے مختلف رنگ ہیں ۔ اور جو لوگ اس دنیا میں اپنی ذاتی اغراض سے کسی قدر بلند ہوتے ہیں اور صرف اپنی ذات کے لئے مال اور جائداد کا حاصل کرنا ان کی غرض نہیں ہوتا ۔ ان کا انہماک بھی انہی خیالات میں ہوتا ہے کہ کس طرح ان کا جتھہ ترقی کرے ۔ یا کس طرح وہ اپنی قوم یا دوسری اقوام پر حکومت کریں ۔

اس اقرار کا مقصد

تو ہم سے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد لے کر ہمیں یہ سمجھایا گیا تھا کہ ہمارے خیالات پر خدمت دین اور تبلیغ دین کا خیال غالب ہو ۔ ہمارا انہماک ان باتوں میں ہو کہ خدا کا دین کس طرح دنیا میں غالب ہو ۔ قرآن کریم کو کس طرح دنیا کی قوموں تک پہنچایا جائے ۔ خدا کے نام کو کس طرح کفرستانوں میں بلند کریں ۔ حق کا پیغام کس طرح ان لوگوں تک پہنچائیں ۔ جنہیں یہ اب تک نہیں پہنچا ۔ یہ اقرار اس لئے لیا گیا تھا کہ جس طرح ایک جنگ کرنے والی قوم کو سب سے بڑھکر یہ فکر ہوتا ہے کہ کس طرح جنگ میں کامیابی حاصل کرے ۔ ہمیں سب سے بڑھ کر یہ فکر ہونا چاہیئے کہ کس طرح کفر کی افواج کا مقابلہ کریں کس طرح دجالیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکیں ۔ کونسے ہتھیار اس کے مقابلہ کے لئے ہمارے ہاتھ میں ہونے چاہیئے ۔ کس طرح پیغامِ حق کو دنیا میں پہنچائیں اور اس وعدہ الٰہی کو پورا کرنے کا ذریعہ بنیں جو اسلام کے تمام ادیان پر غالب آنے کے متعلق قرآن کریم میں دیا گیا ہے ۔

مسلمانوں کی دو بھاری غلطیاں

حضرت مسیح موعودؑ کو جہاں دجالیت اور اسلام کی روحانی جنگ کا نظارہ دکھایا گیا یہ بھی آپ پر کھولا گیا کہ جہاد کے مفہوم کو صرف جہاد بالسیف تک محدود کرنا اور پھر یہ خیال کرنا کہ جہاد بالسیف تبلیغ اسلام کے لئے تھا ۔ مسلمانوں کی دو بڑی بھاری غلطیاں ہیں ۔

قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ دو جہادوں کا ذکر ہے ۔ ایک جہاد بالقرآن اور دوسرا جہاد بالسیف ۔ جہاد بالقرآن پر ابتدا سے ہی زور دیا گیا اور یہی وہ جہاد تھا جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ تھا ۔ یعنی قرآن دوسروں کو پہنچانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کرنا ۔ اس کی ضرورت پہلے دن سے ہی پیش آ گئی تھی اور اس جہاد کے فرض سے کوئی مسلمان خواہ کسی ملک میں ہو، کسی حکومت کے ماتحت ہو، کسی حالت میں ہو کبھی آزاد نہیں ہوتا ۔ اسی لئے اس جہاد کو قرآن کریم نے جہاد کبیر کہا ہے ۔ وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا ۔

جہاد بالسیف کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب مخالفوں نے اسلام

کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار اُٹھائی اور جہاد بالقرآن کو جو ہر مسلمان کا پیدائشی حق تھا تلوار سے روکنا چاہا۔ اسی لئے یہ جہاد مشروط بالشرائط بھی تھا۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم۔ جہاد بالسیف کرتے ہوئے بھی جہاد بالقرآن کا حکم قائم تھا۔ کیونکہ یہ پیغام حق کے نازل ہوتے ہی اوّل المسلمین صلی اللہ علیہ وسلّم اور ہر مسلمان پر فرض ہو گیا تھا۔ مگر جہاد بالسیف کا حکم تیرہ سال بعد نازل ہوا۔ اور اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا۔

مجدّدِ وقت نے اپنی جماعت کو جہاد بالقرآن کے لئے تیار کیا۔

مسلمانوں نے جہاد بالقرآن کو ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز تھا بُھلا دیا اور جہاد بالسیف کو ہی تبلیغ اسلام کا ذریعہ سمجھ لیا۔ اس غلطی کو اس صدی کے مجدّد کے ذریعے سے دور کیا گیا۔ اور آپ نے اپنی جماعت کو اس جہاد بالقرآن کے لئے تیار کیا۔

دو یاد رکھنے والی باتیں

پس ان دو باتوں کو ہمیں بھولنا نہ چاہیئے۔ ایک یہ کہ ہمیں ایک جنگ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمارا جہاد، جہاد بالقرآن ہے۔ ہماری جماعت کا ایک ایک فرد اس میدانِ جنگ کا ایک مردِ مجاہد ہے ایک سپاہی ہے خواہ وہ مرد ہے یا عورت، بوڑھا ہے یا جوان۔ دولت مند ہے یا غریب کارخانوں کا مالک ہے یا نوکری کرتا ہے۔ حاکم اعلیٰ ہے یا چپراسی۔ ہم کتنے بھی تھوڑے ہوں اگر ہم اپنی اس حیثیت کو پہچان لیں اور ہر بڑا آدمی اس خیال کو دل سے نکال دے کہ میں اس میدانِ جنگ کا سپاہی اس لئے نہیں بن سکتا کہ میں بڑا آدمی ہوں مجھے اور مصروفیتیں ہیں۔ میرے دنیوی کاروبار بہت توجہ کو چاہتے ہیں۔ اور چھوٹا اس خیال کو دل سے نکال دے کہ میں کہاں اس قابل ہوں کہ اس عظیم الشان جنگ میں سپاہی بن سکوں تو ہماری موجودہ جماعت بھی دو چند نہیں دہ چند بلکہ اس سے بھی زیادہ کام کر سکتی ہے۔

اس میدان کا سپاہی بننے کے لئے صرف اسی بات کی ضرورت نہیں کہ آپ کے چند پیسوں سے اس کام کو قوت ملے۔ وہ بھی ضروری ہے اور نہایت ضروری۔ مگر اس سے بڑھ کر اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ آپ اپنا پورا دل اور پوری توجہ اس کام کے لئے دیں۔

ہم لوگ تارک الدنیا نہیں ہیں۔ آپ بے شک ملازمت کریں۔ تجارت کریں۔ کارخانے بنائیں۔ زمینوں کا انتظام کریں یا انہیں کاشت کریں۔ مگر ان سب کاموں کے اندر ہر وقت آپ کے دل اور دماغ پر اس خیال کا تسلّط ہو کہ میں کن کن ذریعوں سے پیغامِ حق دوسروں کو پہنچا سکتا ہوں۔ کس طرح قرآن کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔ کس طرح اعلائے کلمۃ الحق کر سکتا ہوں۔

میری دِلی تڑپ

جماعت میں ضرور ایسے احباب ہوں گے جو اپنی اپنی جگہ پر اسی طرح کام میں لگے ہوئے ہوں گے۔ مگر میرے دل میں یہ تڑپ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اسی قسم کا جنون غلبۂ دین کے لئے اپنے دِل میں رکھتا ہو۔ پھر اگر ہم پانچ ہزار بھی ہوں تو پانچ لاکھ کا کام کر سکتے ہیں۔

میں مالی قربانیوں کو نہایت ضروری سمجھتا ہوں اور ان کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اپنے دلوں کو قربان کریں اور اپنے خیالات کو قربان کریں تو آپ کا نام ان سپاہیوں میں آ سکتا ہے جنہیں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی فوج قرار دیا ہے۔

توبہ کر لی اور اقرار کیا کہ ہم آئندہ ایسا نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہؓ نے اوروں کو تو چھوڑ دیا۔ مگر ان میں ایک شخص عبداللہ ابن النواحہ کو موت کی سزا دی۔ لوگوں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ نے ایک ہی مقدمہ میں دو مختلف فیصلے کئے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا کہ یہ ابن النواحہ وہ شخص ہے جو مسیلمہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس سفیر بن کر آیا تھا۔ میں اس وقت حاضر تھا۔ ایک دوسرا شخص حجر بن وثال بھی اس کے ساتھ سفارت میں شریک تھا۔

آنحضرت صلعم نے دونوں سے پوچھا کہ تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ان دونوں نے جواب دیا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے؟ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ سفارتی وفد کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت عبداللہؓ نے کہا میں نے اس وجہ سے ابن النواحہ کو سزائے موت دی ہے۔

(طحاوی حوالہ مذکور)

واضح رہے کہ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ہے جب کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ انکے ماتحت کوفہ کے چیف جج تھے۔

قرآن کریم نے اور حضرت نبی کریم صلعم نے ہر شخص کو یہ آزادی دی ہے کہ جو مذہب وہ اختیار کرنا چاہے اختیار کر لے اور جس شخص کو وہ اپنا رہبر تسلیم کرنا چاہے کر لے، اور اسے یہ حق بھی دیا تھا کہ وہ اپنا مذہب دوسروں سے منوانے کی کوشش میں آزاد ہے۔ اور جس شخص کو وہ اپنا رہبر تسلیم کرتا ہے دوسروں کو بھی اسے رہبر تسلیم کروانے کی بھی کوشش کرے۔

پس اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے اپنا رسول ہونا منوانا چاہا تو انہوں نے بھی اپنا تبلیغی حق استعمال کرتے ہوئے نبی کریم صلعم سے مسیلمہ کو رسول منوانے کی کوشش کی۔ پس وہ کس طرح واجب القتل ہو سکتے تھے۔ ان کا واجب القتل ہونا اسلامی رُوح کے اور حضرت نبی کریم صلعم کے عمل کے صریحاً منافی تھا۔

پس یہ روایت اسلامی رُوح کے منافی ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کا ابن النواحہ کو قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا تھا۔ جس شخص کو حضرت نبی کریم صلعم نے قتل نہیں کیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا ابن النواحہ کو قتل کرنا کس طرح جائز ہو سکتا تھا کہ اسے قتل کر دیتے۔ پس ایسی کمزور اور لایعنی روایتوں پر قتل مرتد کی سزا قتل رکھنا ایسا فعل ہے جس کو کسی صورت میں بھی جائز نہیں کہا جا سکتا۔

پانچواں واقعہ } کوفہ میں چند آدمی پکڑے گئے جو مسیلمہ کی دعوت پھیلا رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ کو اس بارے میں لکھا گیا۔ آپ نے جواب میں لکھا ان کے سامنے دینِ حق اور شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پیش کی جائے جو اسے قبول کرے اور مسیلمہ سے برأت کا اظہار کر دے اسے چھوڑ دیا جائے اور جو دینِ مسیلمہ پر قائم رہے اسے قتل کر دیا جائے۔

یہ روایت بھی اسلامی رُوح کے صریح منافی ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو اپنا مذہب اور اپنا عقیدہ پھیلانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ پوری آزادی عطا کی ہے۔ یہاں تک تو روایت درست معلوم ہوتی ہے۔ اگر مسیلمہ کے آدمی مسیلمہ کی دعوت کر رہے تھے تو اسکے جواب میں مسلمانوں کو یہ تلقین کی گئی کہ وہ بھی اپنا دینِ حق ان کے سامنے پیش کریں اور کوشش کریں کہ وہ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو قبول کر لیں اور مسیلمہ سے برأت کا اظہار کر دیں۔ آگے جو روایت میں لکھا ہے کہ اگر وہ اس سے متفق نہ ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے یہ بالکل اسلامی تعلیم کے منافی ہے اور حضرت نبی کریم صلعم کا عمل بھی اسکو جائز قرار نہیں دیتا۔ اسلئے یہ روایت بھی رد کرنے کے قابل ہے۔ ایسی روایتیں کتابوں میں بغیر کسی احتیاط کے درج ہو گئی ہیں جو قابلِ قبول نہیں۔

جب انسان کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ بھی اس کا ہو جاتا ہے

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ در کار اند + تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

فرمودات حضرت حکیم الامّت مولٰنا نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

انسان پر جناب الٰہی نے بڑے بڑے کرم، غریب نوازیاں اور رحم کئے ہیں۔ اس کے سر سے لے کر پاؤں تک اس قدر ضرورتیں ہیں کہ شمار نہیں کر سکتا۔ اس لئے اللہ فرماتا ہے وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ اگر اللہ تعالےٰ کی نعمتوں اور غریب نوازیوں کا مطالعہ کرو تو کیا گن سکتے ہو۔ ایک بال جو اس کا سفید ہو جائے تو گھبرا اُٹھتا ہے اور حجام کو بلا کر نوچ ڈالتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیسی نعمت ہے۔ پھر کھانے پینے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کھانا غریب سے غریب آدمی کے سامنے بھی جو آتا ہے تو دیکھو کہ وہ پانی، غلہ نمک، کہاں کہاں کی نعمت ہے اور ہر ایک کا جُدا جُدا مزا ہے۔ پھر ہوا روشنی، وغیرہ کوئی ایک نعمت ہو تو اس کا شمار اور ذکر ہو۔ کسی نے مختصر ترجمہ کیا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

سورج، چاند کو دیکھتے ہیں، بادل اور ہوا کو دیکھتے ہیں۔ یہ سب تیری روٹی کے فکر میں ہیں۔ پھر جس کا نمک کھائیں اور حکم نہ مانیں تو یہ نمک حرامی ہوئی یا کچھ اور؟ کوئی کسی کا نوکر ہو، اگر وہ آقا کی فرمانبرداری نہیں کرتا تو وہ نمک حرام کہلاتا ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے انسان پر کہ اللہ تعالےٰ کے لا انتہا انعام و اکرام اس پر ہوں اور وہ غفلت کی زندگی بسر کرے۔ دو قسم کے لوگ دُنیا میں ہیں۔ ایک کامیاب ہوتے ہیں فاتح اور ملکوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ صحابہؓ پر بھی وہ وقت آیا۔ اس لئے فرمایا لیس البرّ ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔ آج جو مشرق و مغرب کی طرف منہ کر رہے ہو جدھر توجہ کرتے ہو جناب الٰہی دستگیری کر رہا ہے اور خدا کی توجہ بھی اسی طرف ہے۔

پس یاد رکھو ہماری مہربانیوں سے آرام پاتے ہو۔ اگر وہ باتیں جو ہم بیان کرتے ہیں تو تمہارا فاتح ہونا اور مالدار ہونا کچھ کام نہیں آئے گا۔ ولکنّ البرّ (الایۃ) نیک وہ شخص ہے یا نیکی تو اس شخص کی ہے جس کا اللہ تعالےٰ پر ایمان ہو۔ ایمان کیا ہے؟ اللہ تعالےٰ کی ہستی اور اس کی کامل صفات کو مان لینا۔

پھر جب انسان کامل طور پر اللہ تعالےٰ کے حضور جھک جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے قبضۂ قدرت میں یقین کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کا ہو جاتا ہے۔ من کان للہ کان اللہ لہ۔ کسی چیز پر ایمان ہو وہ بری ہو یا بھلی۔ بھلی چیز پر ایمان ہو تو اس کے لینے میں مضائقہ نہیں کرتا۔ مثلاً کھانا آتا ہے اور بھوک ہو تو اس کے لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ لیکن اگر بجائے کھانے کے آگ سامنے رکھ دی جائے تو ہرچند بھوک ہو مگر چونکہ جانتا ہے کہ یہ آگ ہے ہاتھ اس کی طرف اُٹھتا ہی نہیں۔ میری جیسی فطرت تو آگ کو تاپنا بھی پسند نہیں کرتی۔

بارہا میں نے سُنایا ہے کہ اگر پانچ سو اونٹ کی قطار ہو تو ایک لڑکا بھی ان کی نکیل پکڑ کر لئے جاتا ہے۔ لیکن اگر اسے کنوئیں میں دھکیلنا چاہو تو پانچسو آدمی بھی ایک اونٹ پکڑ کر کھینچیں تو وہ آگے نہیں بڑھتا۔ پس اسی طرح اگر انسان کو یقین ہو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کیسی قادر۔ رحیم۔ علیم۔ خبیر۔ رب۔ رحمان اور مالک یوم الدین ہے اور وہ شہنشاہ احکم الحاکمین ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر وقت یہ خواہش ہو کہ اسے راضی کیا جائے۔

پھر اس نے اپنے رسُولوں کی معرفت بتا دیا ہے کہ وہ کسی بدی پر راضی نہیں۔ میں سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ایک شخص ایمان حقیقی رکھ کر سب نبیوں کی مشترکہ تعلیم کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے۔ کیا کسی بھی نبی کی تعلیم ہے کہ جھوٹ بولیں حریص ہوں، کاہل اور سست بن جائیں۔ دھوکہ دیں۔ حق سبحانہٗ و تعالےٰ کی عبادت سے غافل ہو جائیں۔ شریروں اور بدمعاشوں سے تعلق پیدا کریں۔ خدا تعالےٰ اس کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ اور ان تمام بدیوں سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ اللہ پر ایمان ہو۔

پس جو شخص من اٰمن باللہ کا مصداق ہو وہ تمام نیکیوں کا گرویدہ اور بھلائیوں کا پسند کرنے والا ہوگا۔ اگر اسی طرح پر سمجھ نہیں آتا تو ایک اور راہ ہے جس پر چل کر انسان بدیوں سے بچ سکتا ہے۔ والیوم الاٰخر یوم آخر پر ایمان ہو کہ بدیوں کا بدلہ نیک نہیں ملے گا اگر انسان جزاء اعمال کو مانتا ہو اور اسے ایمان ہو تو وہ بدیوں سے بچ جاتا ہے۔ ایک شریف طبع انسان کو کہہ دیں کہ دو روپے دیتے ہیں دو جوتے لگا دینے دو۔ وہ کبھی پسند نہیں کرے گا۔ پھر یوم آخر میں کب کوئی گوارا کر سکتا ہے۔ پس اس پر ایمان لا کر بدی نہیں کر سکتا۔

میں جانتا ہوں کہ ایک نوکر اپنے فرض منصبی میں سستی کر کے تنخواہ پا سکتا ہے۔ ایک اہل حرفہ دھوکہ دے کر قیمت وصول کر سکتا ہے۔ ایک شخص دوست کو دھوکا دے کر آدھ بھگت کرا سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے۔ لیکن اگر آخرت پر ایمان ہو کہ اللہ تعالےٰ کے حضور جا کر ان اعمال کی جوابدہی کرنا ہے تو ایسا عاقبت اندیش بدی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

ایک لڑکا جو قلاقند کھاتا ہے اور باپ کو کہتا ہے کہ نب لئے ہیں یا کاپی لی تھی۔ وہ سوچ لے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ ایسا ہی جو لڑکا اپنے ہاتھوں سے اپنے قوائے شہوانی کو تحریک دیتا ہے اس کا نتیجہ لازمی ہے کہ آنکھ اور دماغ خراب ہو جائے۔ ہر ایک کام کے انجام کو سوچو۔ پھر نیکی کی تحریک کے لئے ملائکہ بڑی نعمت ہیں جو انسان کے دل میں نیکی کی تحریک کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے کہنے کو مان لے تو اس طبقہ کے جو ملائکہ ہیں وہ سب اس کے دوست ہو جاتے ہیں۔ تو قرآن مجید میں فرمایا نحن اولیاءکم فی الحیٰوۃ الدنیا۔ ایسی پاک مخلوق کسی کی دوست ہو اور کیا خواہش ہو سکتی ہے۔

پھر ایمان بالکتب ہے۔ اللہ کے فرمان اور حکم نامہ سے بڑھ کر کیا حکم نامہ ہوگا۔ بہت سے افعال ہیں جن کی بابت لوگ کہہ دیتے ہیں کہ وہ

کہ یہ قانون اور قاعدہ اور تحریر کے خلاف ہے۔ یہاں سے کیسی نصیحت ملتی ہے کہ جب قوم برادری اور ملکی قوانین کی خلاف ورزی اچھے نتائج پیدا نہیں کرتی، تو اللہ تعالٰے کی کتاب، اس کے قوانین اور قواعد کے خلاف کرکے انسان کب سُرخرو ہو سکتا ہے۔ یہ تمام امور انسان کے عقائد کے متعلق ہیں۔ جب عقائد کی اصلاح ہو جائے تو انسان کی عملی حالت پر اس کا اثر پڑتا ہے۔

فرمایا واتی المال علی حبّہ۔ مال کو دے کہ اس سے محبت ہے یا خدا کی محبت کے لئے رشتہ داروں کو دے۔ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا بڑے بہادروں نیک بندوں کا کام ہے۔ کہیں شادی غمی، ناطہ و رشتہ اور سلوک بدسلوک میں رنج پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس واسطے ان سے سلوک بڑا بھاری کام ہے۔ پھر یتامیٰ سے سلوک کرو۔ مساکین جو بے دست و پا ہیں۔ ان کی خبرگیری کریں۔ ایک جلدساز ہے اس کے پاس تراش اور ضروری سامان نہیں۔ موچی کے پاس چمڑہ نہیں۔ لوہار کے پاس ہتھوڑا نہیں۔ یہ مساکین میں شامل ہیں۔

وابن السبیل۔ مسافروں کو دو۔ پھر سائلین کو دو۔ کیا خبر ہے ان کے پاس ہے یا نہیں۔ تم انہیں دو۔ وفی الرقاب۔ غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کرو۔ دیوانی کے مقدمات میں قیدی ہو جاتے ہیں۔ ان کو چھڑانے کی کوشش کرو۔

اس کے بعد اقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ۔ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز اللہ کی تسبیح و تحمید ہے۔ اللہ کے حضور دُعا ہے۔ اس کے حضور جھک کر عرض کرتا ہے۔ اپنے محسن مربّی خصوصاً خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے لئے دعا ہے۔ پھر زکوٰۃ ہے۔ پھر وہ جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ پہلا اقرار تو قالوا بلیٰ میں ہوا ہے۔ جب اللہ تعالٰے کو اپنا ربّ مانتا ہے۔ تو چوری کیوں کرتا ہے۔ بد ذاتی کیوں کرتا ہے۔ جاہل ہے۔ پھر مسلمان کہلا کر اسلام کے دعوے سے تمام نیکیوں کا اقرار کرتا ہے۔ والبأساء۔ انسان کو بیماری میں مشکلات آتے ہیں۔

مجھ پر تو اللہ تعالٰے کا بڑا فضل ہوا۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں لگا کہ یا سویا ہوا تھا بیدار ہو گیا۔ مومن اور نیک مرد وہی ہیں جو بیماری، غریبی میں بھی نافرمان نہیں ہوتے۔ مقدمات میں سچائی کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اللہ تعالٰے تمہیں متقی کرے۔ جس قدر مجلس میں بیٹھے ہیں خدا ان سے راضی ہو اور ناراض نہ ہو۔ تم بھی خدا تعالٰے سے راضی ہو اور وہ دستگیری کرے۔ کبھی اس کا شکوہ نہ کرو۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ انصاف کرو۔ یہ اللہ تعالٰے کا حکم ہے۔ دیکھو اگر تم کسی کو روپیہ دو اور وہ دھوکہ دے کر لے۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی تمہارے ساتھ دھوکا کرے۔ تم کسی کو ملازم رکھو اور وہ سُستی سے کام کرے تو کیا تم پسند کرتے ہو۔ اگر نہیں تو پھر تم دوسروں کے ساتھ کیوں بدی کرتے ہو۔

میں نے دیکھا ہے سردی کا موسم ہے اور سرد ہوا چل رہی ہے بوندا باندی ہو رہی ہے۔ ایک مزدور چوکیدار کھڑا ہے۔ چوکیدار ہوشیار وہ باہر پھرتا ہے۔ پھر کیسے افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ وہ چند پیسوں کے لئے اتنا محتاط اور اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ اور ہم خدا کے بے انتہا فضلوں کو لے کر بھی تہجد کے لئے نہ اُٹھیں۔

پھر کوئی ہمیں گالی دے۔ بہتان باندھے تو ناپسند کرتے ہیں۔ پھر دوسروں پر کیوں بہتان باندھیں۔ دوسروں کے گھر کی فحش باتیں کیوں سُنتے ہو۔ پھر تاکید ہے ایتاء ذی القربیٰ۔ بھائی ہے بہن ہے۔ چچا ہے۔ ماں باپ اور بیوی کے رشتہ دار۔

وینھیٰ عن الفحشاء۔ جو بدیاں تمہاری ذات میں ہیں یا دوسروں پر اثر کرتی ہیں ان سے رُکو۔ پھر بغاوت سے منع کیا ہے۔ بادشاہوں اور حکام کی مخالفت نہ کرو۔

یہ باتیں کون سکھاتا ہے لعلکم تتقون۔ تم جانتے ہو کہ میں کس تکلیف سے آیا ہوں۔ اللہ چاہتا ہے کہ امر بالمعروف کے لئے آیا ہوں۔ راستہ چلنے کی سکت نہیں۔ پسینہ پسینہ ہو رہا ہوں۔ صرف تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ جس کے لئے نہی عن المنکر کرتا ہوں۔ وہی بہتر بدلہ دینے والا ہے۔ اللہ تعالٰے نے

میری طبیعت تو ایسی بنائی ہے کہ تمہارے اُٹھنے اور سلام کا بھی روادار نہیں ہوں۔ اللہ تعالٰے تمہیں توفیق دے کہ تم متّقی بنو۔ (آمین)

بقیہ مقالہ

(از صفحہ ۴)

بھی مذہب کے نام پر جو نفرت پھیلائی جا رہی ہے وہ بھی پاکستان کی مشکلات میں اضافہ کرنے کا خطرناک سبب ہے۔

۵۔ جن لوگوں سے لڑنے اور جزیہ وصول کرنے کا واضح حکم قرآن کریم کی محولہ بالا آیت قرآنی میں موجود ہے۔ آخر مسلمانوں کی توجہ ان کی طرف کیوں نہیں جاتی اور قرآن کریم کے اس واضح حکم سے جان بوجھ کر سرتابی کیوں کی جا رہی ہے۔

اس دنیا میں کتنے اہلِ کتاب ہیں جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے۔ نہ اس کو حرام سمجھتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام سمجھا ہے اور نہ ہی وہ دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں۔ ان میں مسلمان دنیا کو چھوڑ کر باقی تمام دنیا شامل ہے۔ پھر قرآن کے اس حکم کی خلاف ورزی کا کیا جواز ہے؟ چاہیئے تو یہ کہ ان ممالک کے خلاف جنگ کر کے انہیں محکوم بنایا جائے اور ان سے جزیہ وصول کیا جائے تاکہ پاکستان کا خزانہ کناروں سے بہہ نکلے ان پر اربوں ڈالروں کا قرضہ بھی ختم ہو اور امداد کے لئے غیروں کے سامنے ہاتھ بھی نہ پھیلانے پڑیں۔ چند لاکھ احمدیوں سے جو اس ملک میں محکوم نہیں بلکہ آزاد شہری ہیں خلاف قرآن و سنت چند لاکھ ٹکے بطور جزیہ زبردستی وصول کرنے سے پاکستان کی مالی مشکلات میں کوئی قابلِ قدر کمی واقع نہیں ہوگی۔

اگر احمدیوں سے زکوٰۃ اور عشر کے بجائے کچھ وصول کرنا ہی ہے تو اسے جزیہ کا نام نہ دیں کیونکہ یہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی

درخواست دُعا

محترمہ بلقیس انور پیر صاحبہ ۱۲ بجے نیو مسلم ٹاؤن لاہور بغرض علاج لندن تشریف لے گئی ہیں۔ بزرگانِ سلسلہ ان کی صحت اور بخیریت واپسی کے لئے دُعا فرمائیں۔

محترمہ کا تعلق نہایت ہی مخلص احمدی گھرانہ سے ہے اور خود بھی جماعت کی فعال رکن ہیں۔ ماہانہ چندوں کے علاوہ بھی تحریکات میں باقاعدہ حصہ لیتی رہتی ہیں۔ مخیر طبع خاتون ہیں۔

مخلص احباب ان کی صحت، علاج کی کامیابی، اور بخیریت مراجعت وطن کے لئے دُعائیں فرماویں۔

اخبارِ احمدیہ

فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی سے اطلاع دیتے ہیں:—

"جون، جولائی اور اگست کے ان ایام میں جماعت راولپنڈی جن حالات سے گذری اور جو حوادثات اسے پیش آئے مختصراً درج ذیل ہیں:—

(۱) محترم میاں بشیر احمد منتو صاحب مسلم مشنری۔ جون کے اواخر میں مرکزی انجمن کی اجازت سے کوہ مری تشریف لے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں اخویم محمد عزیز اور محترم قاضی عبدالرشید صاحب باری باری خطبہ جمعہ دیتے رہے۔

(۲) ۱۶ر جولائی کو مرکز سے بذریعہ ٹیلیفون اطلاع ملی کہ ہالینڈ سے آئے ہوئے تین اراکین انجمن اسی رات لاہور سے راولپنڈی پہنچ رہے ہیں۔ خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب سیکرٹری مقامی جماعت معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر رات دس بجے پہنچ گئے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام بھی خواجہ صاحب نے بڑی مستعدی اور لگن سے کیا۔ جزاک اللہ۔

۱۸ر جولائی کو معزز مہمان مسجد مبارک، لائبریری اور مہمان خانہ دیکھنے تشریف لائے اور قریباً نصف گھنٹہ قیام کیا۔ مسجد دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور زیر تعمیر حصہ کے لئے دو سو روپیہ چندہ بھی دیا۔ معزز مہمانوں کی خدمت میں براہین احمدیہ۔ حمامۃ البشریٰ اور تحریک احمدیت کی ایک ایک کاپی پیش کی گئی۔ ۲۸ر جولائی کی شام کو معزز اراکین لاہور واپس تشریف لے گئے۔

(۳) محترم میاں فاروق احمد شیخ اپنی بیگم صاحبہ محترمہ کو علاج کے لئے جون کے پہلے ہفتے امریکہ لے گئے تھے۔ جولائی کے آخری ہفتے وہ واپس تشریف لے آئے ہیں۔ الحمد للہ۔ محترمہ بیگم صاحبہ کو احباب کی دعاؤں سے کافی افاقہ ہے۔

(۴) امسال بھی مسجد مبارک میں رمضان المبارک میں نمازِ تراویح باجماعت ادا کی جاتی رہی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب حسبِ معمول ہر شب نماز میں قرآن حکیم سناتے رہے ہیں۔ ۲۷ر رمضان المبارک کو ختم قرآن پاک ہوا۔

مرکزی انجمن ہر سال مولانا صاحب کو نمازِ تراویح پڑھانے کے لئے پشاور سے راولپنڈی تبدیل کر دیتی ہے جس کے لئے وہ شکریہ کی مستحق ہے۔ مولانا صاحب کا ان دنوں قیام و طعام کا انتظام بیگم صاحبہ میاں فاروق احمد ہر سال اپنی کوٹھی پر کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور ایسے خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار وجودوں کو تادیر سلامت رکھے

کیمیا صد کرم کن ہر کسے کو ناصرِ دین است
بلائے او بگرداں گر گہے آفت شود پیدا

(۵) مکرم محمد اسلم صاحب صدیقی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور دیدوہلی نے مسجد مبارک میں اجتماعات کے دوران استعمال کے لئے دو نئے پیڈسٹل فین بطور عطیہ دیئے ہیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

(۶) اس دوران سلسلہ کے دو قیمتی نوجوان بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ پہلے تو حضرت مولانا عبدالرحمٰن مجاہد مرحوم

(باقی کالم اول کے نیچے)

مرحوم کے پوتے اور میرزا عطاء الرحمٰن ریٹائرڈ انجنیئر کے لائق فرزند مرزا جمیل الرحمٰن، جون کے اواخر میں بعارضہ حرکت قلب بند ہو جانے انتقال کر گئے اور اپنے والدین۔ اپنی بیوہ اور چار کم سن بچوں کو سوگوار چھوڑ گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

دوسرا سانحہ پروفیسر خلیل اللہ خان ایم اے خلف الرشید ڈاکٹر عصمت اللہ مرحوم کی وفات تھی۔ پروفیسر صاحب پندرہ سال سے جھنگ میں تعینات تھے۔ مرحوم ملک نصر اللہ صاحب کے بھانجے اور داماد تھے۔ مرحوم نے بھی سوگوار بیوہ کے علاوہ چار کم سن بچے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ میت ۱۵ر جولائی کی رات جھنگ سے راولپنڈی لائی گئی اور اسی رات مرحوم کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اِنّا لِلّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

مرزا عطاء الرحمٰن صاحب مکان نمبر 139/ے محلہ قاسم آباد راولپنڈی میں رہتے ہیں اور ملک ظفر اللہ خان صاحب کوٹھی نمبر A — 2.7 — ملک غلام قادر اسٹریٹ کھنہ روڈ راولپنڈی میں۔

احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے ؎

تبلیغی جدّ و جہد

اکولہ (بھارت) سے جنید اطہر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:—

"میں نے اپنے محلہ کی مسجد میں ایک دینی مدرسہ موسومہ "دار السّلام" قائم کیا ہے جس میں نوجوان تعلیم یافتہ مسلمان لڑکوں کو اسلام سے روشناس کرایا جائے گا۔ نیز اپنے گھر کے سامنے ایک بورڈ رکھنے کا اہتمام بھی کیا ہے جس پر حضرت مجدد الزمان مسیح موعودؑ کے اپنے بیان کردہ عقائد۔ عشقِ رسولؐ کے متعلق نظم و نثر اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی اسلامی خدمات درج ہوں گی۔ بزرگانِ اور احبابِ سلسلہ سے دعا کی درخواست ہے ؎

یادِ رفتگان

از:— ابو الاسرار رمزی۔ جودھپور بھارت

حضرت مولانا عبد الحق ودیارتھی مرحوم

اور

تحقیقِ انیق

وہ اِک چلتا پھرتا کتب خانہ تھا ؎ پر انداز اس کا فقیرانہ تھا
زبان دان مبلغ مفسر ادیب ؎ محقق مناظر معلّم خطیب
پڑھی سنسکرت اور فاضل بنا ؎ یجروید کا ترجمہ بھی کیا
خدا کی عنایات و توفیق سے ؎ جوابات لکھے ہیں تحقیق سے
کہاں ہیں زمانہ میں وہ دیدہ ور
جو رکھتے ہیں ایسی عقابی نظر

اب حضرت مرزا صاحب پہ یہ الزام کیوں؟

مخالفین تحریکِ احمدیت کی طرف سے بانیٔ تحریک حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر جو بہت سے الزامات لگائے اور اچھالے جاتے رہے ہیں ان میں سے ایک سب سے بڑا اور بے بنیاد الزام یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں کے ایماء پر اور ان کو خوش کرنے کے لئے جہاد منسوخ ہونے کا فتویٰ دیا۔ تاکہ مسلمان غلامی کا جُوا اپنی گردن سے اتار پھینکنے اور ان کے تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ان کے خلاف ۱۸۵۷ء کی طرح دوبارہ جنگِ آزادی کا اعلان نہ کر دیں اور اس طرح انگریز کی حکومت کا تختہ نہ اُلٹ دیں۔

اس الزام کی حقیقت اگر ہم تاریخ عالم کے واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے بیان کریں تو ممکن ہے کہ ہمیں اس کا ملزم گردانتے والے اپنا سا منہ لے کے رہ جائیں۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں لیکن ہم اپنے قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے صرف دو ہی ایسے واقعات اُن کے سامنے رکھنے پر اکتفا کریں گے۔ جو جنگِ عظیم ۱۹۱۴-۱۸ء سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ حضرت مرزا صاحب کی وفات سے بہت بعد کے واقعات ہیں۔

پہلا واقعہ جس سے غالباً ہمارے قارئین ضرور واقف ہوں گے وہ ہے جب ٹی۔ ای۔ لارنس کی سازش سے امیر فیصل انگریزوں کے ساتھ مل گیا اور عربوں نے ترک فوج کی راہ میں مشکلات پیدا کرنے اور انگریزوں کو اس کے خلاف فتح دلانے کے لئے تمام ذرائع مواصلات ریلوے۔ تار برقی۔ ٹیلیفون اور پل تباہ کر دیئے۔ ان کا سلسلہ رسد و رسائل پر چھاپے مارنا شروع کر دیا اور عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس طرح ترک فوج کو یہاں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سلطنتِ عثمانیہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور بالآخر ترکی کی حدود کے اندر محدود ہو کر رہ گئی۔ ہم پر الزام لگانے والے کیا ہمیں قرآن و حدیث سے ایسا ثبوت دے سکتے ہیں کہ مسلمان کسی کافر کے ساتھ مل کر مسلمان کے خلاف جہاد کر سکتا ہے۔ اگر نہیں تو ایسے جہاد کو وہ کیا نام دیں گے جس میں عرب مسلمانوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر ترکوں کی شکست کے لئے جو مسلمان تھے راستہ ہموار کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے کم از کم ایسے جہاد کے حق میں ہرگز نہیں تھے۔ انہی واقعات کو مدِنظر رکھتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:۔

کیا خُوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

دوسرا واقعہ غالباً ستمبر ۱۹۲۲ء ہے جب ترکوں نے کمال اتاترک کی سرکردگی میں سمرنا پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور یونانیوں کو اپنے ملک سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن انہوں نے ترکی پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے تھریس میں زیادہ بڑے پیمانے پر اپنی فوجوں کی صف بندی شروع کر دی۔ یہ لمحہ ترکوں کے لئے بڑا نازک تھا۔ یہ ان کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ ایک طرف یونانی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ دوسری جانب ترک تھے جنہیں حملہ کی صورت میں درہ دانیال کے مقام چانک پر قابض انگریز فوجوں میں سے ہو کر گذرنا پڑتا تھا اور ان کی طرف سے شدید مزاحمت کا امکان تھا۔

اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے اتاترک نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ یونانی فوجوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے انگریز فوج کے درمیان میں سے اپنے ہتھیار نیچے کر کے گذریں گے جس کا مطلب ہوگا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں چاہتے۔ ہمیں اپنے دشمن تک پہنچنے کے لئے گذرنے دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحادیوں نے تھریس سے یونانی فوجوں کو نکالنے اور یورپی ترکی کو ترکوں کے حوالے کرنے کی شرائط پر کمال اتاترک کو صلح کی پیشکش کر دی۔ آخر کمال اتاترک نے اتحادی فوجوں سے جنگ کر کے یونانیوں تک پہنچنے کا کیوں ارادہ نہ کیا۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں ان فوجوں کے مقابلے کی تاب انہیں نہ تھی۔ وہ فوجیں تعداد میں بھی زیادہ تھیں۔ تازہ دم بھی تھیں اور ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے پورے طور پر لیس بھی۔

کافروں سے جہاد کے بجائے ترکوں نے صلح پر آمادگی کیوں ظاہر کی؟ یہ جہاد کے اصول کے خلاف نہ تھا جسے توڑنے کے لئے ہمیں مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے!

یہ تو بہت پرانے واقعات ہیں، ہمارے پاس تازہ واقعات اب بھی ہیں جو جذبۂ جہاد سے سرشار واعظوں اور مقرروں کی ہمتوں اور جرأتوں کی شہادت دیتے ہیں۔

جب سے اسرائیلی خنجر عربوں کے دل میں پیوست کیا گیا ہے انہوں نے اسے کئی بار نکالنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیلی جنگ میں عربوں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ ان کا بہت سا علاقہ یہودیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا اور آج تک واپس نہیں کرا سکے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھی عربوں کو کوئی قابلِ قدر کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ جس غرض یعنی اپنے مقبوضہ علاقے واپس کرانے کے لئے یہ جنگ لڑی گئی وہ بھی پوری نہ ہوئی۔ جب جہاد کے ذریعے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا تو ایک بڑے عرب ملک نے یہودیوں سے صلح میں ہی اپنی عافیت سمجھی جس پر دوسرے عرب ممالک بہت برافروختہ ہوئے اور اس کے خلاف پابندیاں لگانے اور سفارتی تعلقات منقطع کرنے تک نوبت پہنچی۔

مسجد اقصےٰ کو جسے مسلمانوں کا قبلہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہودیوں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لئے "یوم اقصےٰ" پر بڑی دھوآں دھار تقریریں ہوتی ہیں۔ قرار دادیں پاس کی جاتی ہیں۔ بزورِ شمشیر اسے واپس لینے کا عزم کیا جاتا ہے۔ آج کتنے عرصہ سے یہ قبلۂ اول کسی صلاح الدین ایوبی کا منتظر ہے مگر اسی کروڑ مسلمانوں میں جن میں بڑی بڑی آزاد حکومتیں بھی شامل ہیں اسے آزاد کرانے کا شوقِ جہاد شعلہ بن کر بھڑک نہیں سکا۔

حضرت مرزا صاحب نے تو بقول ان کے انگریز آقا کو خوش کرنے کے لئے جہاد منسوخ اور حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ انگریز اس زمانے کی سُپر پاور تھی۔ کیا اب بھی کسی سُپر پاور کی خوشنودی کی خاطر جہاد بالسیف کے شائقین اور قائلین کا جذبۂ جہاد سرد پڑ گیا ہے یا مقابلے کی ہمت نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ غیر قوموں کے پاس مہلک ہتھیار ہیں تو علامہ اقبال تو یہ فرما گئے ہیں:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اب فیصلہ خود ہی کریں کہ "دانائے راز"، "ترجمانِ حقیقت"، "شاعرِ مشرق"، "مردِ مومن" کے فتوے کے مطابق کون کافر ہے اور کون مومن۔

اگر حضرت مرزا صاحب نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کی سیاسی اقتصادی اور اخلاقی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ:۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

کیونکہ:

ظاہر میں خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں
اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں

اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی
وہ سلطنت۔ وہ رُعب وہ شوکت نہیں رہی
دنیا و دیں میں کچھ بھی لیاقت نہیں رہی
اب تم کو غیر قوموں پہ سبقت نہیں رہی
سب پر یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی
اِک پھوٹ پڑ رہی ہے مؤدّت نہیں رہی
تم مر گئے تمہاری وہ عظمت نہیں رہی
صورت بگڑ گئی ہے وہ صورت نہیں رہی

تو کیا جُرم کیا۔ جہاد جو لوازمات ان شعروں میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب ہی مسلمانوں میں ناپید اور مفقود تھے اور اب بھی ہیں حالانکہ مسلمان اس وقت تمام دنیا میں غلام تھے اور اب وہ آزاد ہیں لیکن اب بھی غیر قوموں کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی ان میں ہمت نہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے تو فرمایا تھا:۔

"سو جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف یونہی لڑائی کے لئے حکم نہیں فرماتا بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لئے فرماتا ہے جو خدا تعالےٰ کے بندوں کو ایمان لانے سے روکیں اور اس بات سے روکیں کہ وہ خدا تعالےٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں اور ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے۔ جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالےٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آویں"

(نور الحق حصہ اوّل صفحہ ۴۶ پرانا ایڈیشن)

حضرت صاحب کی اس تحریر میں ہمیں کوئی ایک لفظ بھی قرآن شریف کے خلاف نظر نہیں آتا کیونکہ قرآن شریف فرماتا ہے:۔

"اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کے رستے میں جنگ نہ کرو اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی ولی بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا" (النساء: ۷۵)

قرآن کریم کے ان الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے وہ کرم فرما جو ہمیں جہاد کے منکر ہونے کا طعنہ دیتے ہیں اور اسے ہمارے خلاف ایک نعرہ کے طور پر استعمال کر کے سادہ لوح عوام کو شب و روز ہمارے خلاف اُکسانے اور ان کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے میں مشغول رہتے ہیں ذرا غور فرمائیں کہ پاکستان کے ارد گرد کتنے ملک ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور جہاں سے کمزور مردوں۔ عورتوں اور بچوں کی اکثر یہ آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں کہ "اے خدا اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں۔ اپنی جناب سے ہمارا کوئی ولی بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا۔ کیونکہ انکے گھر جلائے جاتے ہیں۔ انہیں اپنا مُلک چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لئے قتل کیا جاتا ہے۔ ان کا کاروبار تباہ کرنے کے لئے ان کی کروڑوں کی جائدادیں نذرِ آتش کی جاتی ہیں کہ اس وحشت و بربریت کے سامنے وہ سرنگوں ہو کر یا تو اپنا مذہب چھوڑ جائیں اور یا اس ملک کو خیر باد کہہ دیں جہاں پُشتہا در پُشت وہ آباد رہے ہیں اور جس سر زمین کو انہوں نے اپنا لہو اور پسینہ بہا کر آباد کیا ہے کیا کسی نے ان کی درد بھری پکار پر سوائے اخبارات میں چند قرار دادیں شائع کرانے اور احتجاجی تقاریر کرنے کے عملی طور پر کوئی مؤثر قدم اُٹھایا ہے۔

دوسروں کو تلوار بے نیام نہ کرنے کا طعنہ دینے والوں نے خود بھی کبھی ایک سوئی کی نوک تک بلند کی ہے۔ آخر قرآن کے اس صریح حکم کی خلاف ورزی کیوں کی جا رہی ہے۔ کیا جہاد ان حالات میں فرض نہیں؟ یا جہاد کا حکم بدل گیا ہے کہ اب جہاد مسلمانوں پر ظلم کرنے والے۔ انہیں ستانے والے اور گھروں سے نکالنے والے کافروں کے خلاف نہیں بلکہ ایسے کمزور لوگوں کے خلاف کیا جائے گا جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہوں لیکن قرآن و حدیث کے خلاف کسی مخصوص نظریہ کو تسلیم کرنے سے انکاری ہوں۔ اور چاہے وہ اسلام کی خدمت کرنے والے اور آنحضرت صلعم کی آن پہ مرمٹنے والے ہوں۔ اب جہاد کا مطلب ان کے نزدیک کمزوروں اور نہتوں کی حمایت میں نہیں بلکہ ان کے خلاف تلوار اُٹھانا ہے۔

اس نظریئے سے ہمارا نظریہ جہاد یقیناً متصادم ہے کیونکہ ہم کمزور کے حق میں تلوار اُٹھانے کے حامی ہیں اور اگر کبھی ایسا موقعہ آیا کہ اسلام کے دفاع میں تلوار اُٹھانے کی ضرورت پیش آئی تو دنیا دیکھے گی کہ احمدی جنہیں کافر اور منکرِ جہاد کہا جاتا ہے کس طرح اپنی جان اور مال کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ پھر وہ موت کی وادی میں ہتھیار ڈالنا اور قیدی بننا ہرگز گوارا نہیں کریں گے بلکہ اسلام کی آبرو اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آن پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کو اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے۔ اور حضرت مجدد وقت کے ان الفاظ کو عملی جامہ پہنائیں گے کہ:۔

"مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں"

(احمدی) نرے اُپدیشک نہیں کہ من باتوں میں موہ لینے والے ہوں۔ ہم خدا کے فضل سے گفتار کے بھی غازی ہیں کہ دشمنوں کو دلائل اور براہین سے زیر کیا اور انشاء اللہ کردار کے غازی بھی بن کر دکھائیں گے جب موقعہ آیا۔

ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے برصغیر میں سیاسی اور مذہبی تحریکوں کا اتار چڑھاؤ دیکھا ہے لیکن کسی لیڈر پر ایک ہلکی سی خراش آتی نہیں دیکھی۔ لاٹھیاں کھاتا ہے تو غریب اور آنسو گیس سے آنکھیں متاثر ہوتی ہیں تو غریب کی لیکن اس کی ان ساری قربانیوں کا پھل گرتا ہے تو سیاسی اور مذہبی لیڈر کی گود میں۔

اسلام کے قرن اوّل کی تاریخ میں ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ کہ قائدین لشکر آگے آگے ہوتے۔ وہ نیزوں اور تلواروں کے وار اور تیروں کی بوچھاڑ اپنے سینوں پر سہتے۔ زخمی بھی ہوتے اور شہید بھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام زندہ تھا اور مسلمان زندہ تھا۔ قیادت مخلص بھی تھی اور اپنے قول اور فعل کی پکّی بھی۔ وہ فوراً آگے ہوتے تھے عوام کو آگے کر کے مشکل پڑنے پر بھاگنے کا اوّلین موقعہ تلاش نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کے پیچھے آنے والے بھی پیٹھ نہیں پھیرتے تھے۔

ایک انگریز مصنّف ایچ۔سی۔آر۔ آرمسٹرانگ اپنی کتاب "گرے ولف" میں جو کمال اتاترک کی سوانحعمری ہے عالمی جنگِ اوّل میں گیلی پولی کے مقام پر جہاں اتاترک فوجوں کی کمان کر رہے تھے ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ:

ایک دفعہ اتاترک ایک نئے مورچے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے کہ انگریز توپ خانہ نے اس مقام پر گولہ باری شروع کر دی۔ گولے انکے دائیں بائیں اور آگے پیچھے بہت قریب گر رہے تھے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کے سٹاف نے آپ کو پناہ لینے کے لئے کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس وقت پناہ لینا اپنے جوانوں کے سامنے ایک بُری مثال پیش کرنا ہوگا۔ اور وہ وہیں ڈٹے رہے۔ ایک ایسے ہی دوسرے موقعہ پر ایک گولی ان کی گھڑی کے شیشہ کو چُور چُور کرتی ہوئی گذر گئی۔ یہی اتاترک فاتح درّہ دانیال اور بعد میں جدید ترکی کے معمار بنے۔

پاکستان اس وقت جن بے شمار بحرانوں کا شکار ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ حضرت قائدِ اعظم کے بعد اسے کوئی مخلص حکمران نہیں ملی ۔ نہ مذہبی نہ سیاسی اور حالت یہ ہے کہ :۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

اسلام اور اسلامی مملکتوں کو نقصان ایسے ہی قول و فعل کے تضاد سے پہنچا جس کا دوسرا نام قرآن نے نفاق رکھا ہے ۔ یہی سارے فتنہ و فساد کی جڑ ہے اور نفاق کیا ہے ایک بات کو حق جانتے ہوئے اُسے جھوٹا کہنا اور ایک بات کو جھوٹا جانتے ہوئے اسے حق بتانا ۔ اور یہ اسلام کی تعلیم کے قطعاً خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے :۔

" اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو ۔ اللہ کا تقوےٰ کرو اور سیدھی بات کہو (قولوا قولاً سدیدا) ۔ وہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہ تمہیں بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی کی اطاعت کی اس نے بڑی بھاری کامیابی حاصل کی ۔"

(الاحزاب ۔ ۷۰ ۔ ۷۱)

یعنی جو تقوےٰ اختیار نہیں کرے گا ۔ سیدھی سادی بات نہیں کہے گا ۔ وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے ۔ نہ اس کے اعمال میں اصلاح ہوگی ۔ نہ اس کے گناہ بخشے جائیں گے اور نہ اسے کوئی کامیابی حاصل ہوگی ۔ ہر پاکستانی خواہ وہ سیاسی یا مذہبی لیڈر ہے یا ایک عام آدمی ہے اپنے گریبان میں تھوڑی دیر کے لئے منہ ڈال کر سوچے کہ کیا اس نے کبھی زندگی بھر سیدھی بات کی ہے اور اپنے دل میں نفاق کو کبھی جگہ نہیں دی؟ آزادی کے تیالیس سال کے عرصہ میں ہمارے مشاہدہ میں جو کچھ آیا ہے وہ اس کے برعکس ہے ۔ ورنہ پاکستان آج جنت نشان ہوتا ۔

جب تک ہم دن کو رات اور رات کو دن کہتے رہیں گے پاکستان کے مقصد کی منزل دُور ہوتی جائے گی ۔ جب تک مسلکوں یا فرقوں کے لاوے اُبلتے رہیں گے تباہی کے لمحات قریب تر ہوتے جائیں گے ۔ جب تک پیار محبت پر زبان کی قینچی چلتی رہے گی اُمتِ مسلمہ کے ٹکڑے ہوتے رہیں گے ۔

ہمارے خیال میں پاکستان کے استحکام اور خوشحالی کا راز صرف اسی بات میں مضمر ہے کہ سب پاکستانی خواہ وہ کسی مذہب اور فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں اپنے دل سے نفاق کے زہر کو دھونے کی کوشش کریں ۔ ایک دوسرے کے مذہب یا فرقہ پر کیچڑ اُچھالنا ترک کر دیں ۔ قوم اور ملک کے مفاد کے پیشِ نظر اپنے ذاتی مفاد کو چھوڑ دیں کیونکہ سب کا مفاد ملک اور قوم کے مفاد سے وابستہ ہے ۔ اور ذاتی مفاد کی حفاظت ہی نفاق کی جڑ ہے " لکم دینکم ولی دین " پر عمل کریں کیونکہ اس کا فیصلہ کسی انسان نے نہیں اللہ تعالےٰ نے ہی کرنا ہے کہ کون گمراہ ہے اور کون ہدایت پر ہے تو پاکستان کی منزل قریب آ سکتی ہے ۔ ورنہ :۔

" وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم "

اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہارے بجائے کسی اور قوم کو بدل کر لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ۔"

(سورۃ محمد ۔ ۳۸)

یہی خدا کا قانون ہے ۔ یہ پاکستانی قوم داستانِ پارینہ بن کر رہ جانے کی اور

ع   طعنہ دیں گے بُت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

قرآن کریم پہلی قوموں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

" سو ان پر آسمان اور زمین نہ روئے اور نہ انہیں مہلت ۴۴

۴۴ دی گئی ۔ (الفرقان : ۲۹/۴۴)

کیا خدا نخواستہ ہم بھی ایسے ہی انجام کے منتظر ہیں ؟ کیونکہ اللہ تعالےٰ جب کسی قوم کو اس کی بد اعمالیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ نہ مسلم اکثریت اور غیر مسلم اقلیت کو دیکھتا ہے اور نہ کسی سوادِ اعظم کی اس کی نگاہ میں کوئی حقیقت ہوتی ہے ۔ اس کے پاس اچھے بُرے کی ایک ہی کسوٹی ہے " ان اکرمکم عند اللہ اتقکم " ۔ جو اس معیار پر پورا نہیں اُترتا خواہ وہ فرد ہو یا قوم اس کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں ۔ یہ چالاکیاں ۔ عیاریاں ۔ چابازیاں اور نعرہ بازیاں اس کے ہاں کام نہیں دیتیں ۔ جو ان سے کام لیتے ہیں :۔

" یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون "

ایسے رویے کا انجام عذابِ الیم ہے ۔

کفر اللہ اور رسول سے بغاوت اور سرکشی کا نام ہے

اس کے شواہد مرزا صاحب کی تحریروں میں نہیں

مولانا عبدالماجد صاحب مرحوم دریابادی کا فتویٰ

کفر جو اصلاً ترجمہ ہے اللہ و رسول سے بغاوت و سرکشی کا ۔ اس کے شواہد شاید مرزا صاحب کی تحریروں میں نہ مل سکیں ۔ بلکہ اس کے برعکس **نصرتِ دین اور حمایتِ اسلام ہی کے جذبات کی افراط ملے گی** ۔ گو ان میں دعوے اپنے متعلق ناقابلِ برداشت حد تک غلو کے ملیں گے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مقاماتِ نبوّت ، مہدویت ، مسیحیت وغیرہ کی جو تجویزیں کی ہیں سب اسی غلو فی الانانیت کا نتیجہ ہیں ۔

یہ صورتِ حال گو یقیناً بہت تکلیف دہ اور صحیح اسلامی عقائد کے لئے اشتعال انگیز ہے ۔ لیکن پھر بھی دائرہ اسلام کے اندر باقی رہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے ۔ گو بہ تکلف اور تاویلاتِ بعیدہ کے بعد ہی ہو ۔ دو باتیں اگرچہ محض ضمنی ہیں تاہم ان کا بھی صاف ہو جانا بہرحال ضروری ہے ۔ پہلی یہ کہ :۔

معتقدین و خلفاء کے غلو اور غلو کی ذمہ داری مرزا صاحب پر نہیں ہے ۔

دوسری یہ کہ :۔

جن معاصر علماء نے کفر وغیرہ کے فتوے صادر کئے وہ ضرور ماجور ہوں گے اور انتظاماً انہیں یہی کرنا چاہئے تھا ۔ لیکن **بہرحال غیر معصوموں کے اقوال و تحقیقات پر نظرِ ثانی کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے ۔ خصوصاً بدلے ہوئے حالات میں** ۔

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب:

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲۲:۵۸)

(قسط اوّل)

قانونِ قدرت اس بات کی شہادت دیتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ اس کی تائید کرتی ہے کہ یکتا۔ بے مثل صرف ایک ذات یعنی اللہ تعالےٰ کی ہے جس کو کسی کی احتیاج نہیں۔ باقی دنیا میں ہر چیز کو بڑھنے، ترقی کرنے کے لئے "ساتھ" کی ضرورت ہے۔ اسی سے یہ امر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ دنیوی ہو یا اُخروی۔ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اجتماع کی ضرورت ہے۔ اور جس کو انسان رہنما تسلیم کرے اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

قرآن مجید اس بات پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو بغیر ہادی کے یا آسمانی رہنمائی کے زندگی بسر کرتے ہیں ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے۔ جو کہ آگ کے گڑھے پر کھڑا ہو۔ اس میں بتانا یہ مقصود ہے۔ کہ اس صورت میں تمہاری زندگیاں ایسی حالت میں ہوتی ہیں جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ حیوان اور انسان میں ایسی حالت میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ انسان کو نطق یعنی بولنے کی قدرت ہے۔ ورنہ کچھ بھی نہیں۔

لیکن اسلام یہ تعلیم دیتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۹۵:۴) اس آیت پر بحث کرتے ہوئے صوفیاء لکھتے ہیں کہ انسان اصل میں اُنس اور نسیان سے مرکب ہے۔ کہ جو انسان کمال تک پہنچنا چاہتا ہے۔ تو اپنے اندر دو محبتیں پیدا کرے۔ ایک اپنے مولا سے اور دوسرے خدا کی مخلوق سے۔ اور ان معنوں کی تائید حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ جب آپ سے یہ دریافت کیا گیا۔ کہ ما الاسلام۔ کہ اسلام کی تعریف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا العظمۃ لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ کہ محبت و اطاعت سے خدا کے حکموں کو ادا کرو۔ اور اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ اور حسنِ سلوک کرو۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اسلام اجتماعی زندگی پر کتنا زور دیتا ہے۔ انفرادی زندگی بہائم کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور اجتماعی زندگی کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ید اللہ علی الجماعۃ ــــ ان کاموں میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ ان کو تائیدِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ جو اجتماعی رنگ میں ادا کئے جاتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن مجید میں فرمایا انما المؤمنون اخوۃ (الحجرات۔ ع ۱)

سب سے پہلا مذہب یا دین جس نے مساوات پر بنیاد رکھی وہ اسلام ہے۔ یہاں انما حصر کے لئے آیا ہے۔ معنے یہ ہیں کہ مسلمانوں میں عملی زندگی میں سب سے بڑا۔ ضروری۔ اہم۔ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے کام بھائی چارہ کے طور پر کیا کریں۔ ہر طرح کی تفریق۔ نسب۔ مال، جتھہ اسباب دنیوی۔ ان کو وجہِ فضیلت نہ بنائیں۔ اسی واسطے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان تؤدوا الامٰنٰتِ الیٰ اھلھا۔ (۴:۵۸) کہ اے لوگو۔ جب تم جماعتی زندگی بسر کرو گے۔ تو تم کو ایک دوسرے کو اپنے میں سے بعض فرائض سپرد کرنے پڑیں گے۔ جو اپنے تجربہ، علم کی روشنی میں دوسروں کی رہنمائی کریں۔ اور قضایا کی صورت میں انصاف سے فیصلے کیا کریں۔ تو اس وقت انتخاب کے وقت ایسے لوگوں کو چنو جو تم میں سے اس کام کے اہل ہوں۔

آج جو دنیا میں طریقِ انتخاب جاری ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا یہ سراسر غیر اسلامی طریق ہے۔ یہ لوگ اپنے ذرائع یا طاقت کے بل بوتے یا پارٹی BASE پر انتخاب میں حصّہ لیتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے تو اگر کوئی کسی عہدے کی از خود خواہش کرتا ہے تو اسے یہ عہدہ دینا بھی نہیں چاہیئے۔ مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ اہل اور صالح حکمران تلاش کرو۔ اور جب تک ایسی صورت نہ ہوگی۔ برکت و ترقی نصیب نہ ہوگی۔

اسلامی جماعتوں کا تو خاص طور پر یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کو نمونہ دکھانے کے لئے اہل اور متقی لوگوں کا چناؤ کریں۔ اور جو خود خواہش کریں ان کو قریب نہ آنے دیں۔ کیا عمدہ ایک مفکر کا قول ہے:۔

"زمین میں آسمانی بادشاہت قائم کرو۔" (ارسطو)

اس پر اس کے شاگردوں نے یہ سوال کیا کہ زمین میں آسمانی بادشاہت کس طرح قائم کریں۔ اس پر اس نے انہیں کہا۔ کہ "صالح حکام تلاش کرو"۔ اس پر دوبارہ شاگردوں نے یہ سوال کیا کہ صالح آدمیوں کو کس طرح تلاش کریں۔ کوئی ان کی ظاہری نشانی بتائیں۔

اس پر ارسطو نے کہا کہ ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ مناصب سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور ذمہ داری قبول کرنے سے کتراتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالےٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ ان تؤدوا الامٰنٰتِ الیٰ اھلھا۔ لیکن آج تو اس کے خلاف نقشہ ہے۔ اور پھر جب ان پر ذمہ داری کو ڈالا جائے تو وہ نہایت وفاداری سے اس فرض کو ادا کریں۔ ایک مفکر کا کیا عمدہ قول ہے:۔

"THE PRICE OF GREATNESS IS RESPONSIBILITY."

عظمت کا معیار یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض کو دیانت داری سے ادا کریں۔

آج کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔

معاف فرمائیں میں موضوع پر سے قدرے ہٹ گیا تھا۔ جماعت کا وجود ایک نہایت مبارک زینہ ہے۔ جس کی صحیح معاشرہ میں از حد ضرورت ہے۔ اسلام مادر پدر آزاد زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تو فرماتا ہے:۔

"یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط" (۴:۱۳۵)

اس آیت میں مومنوں کو قوام کا حکم دیا ہے۔ جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ کہ تم آپس میں۔ ایک دوسرے کے ساتھ۔ اخوت۔ محبت۔ تعلقات۔ حسنِ سلوک میں ایسا عمدہ نمونہ دکھاؤ۔ کہ فرق کرنا مشکل ہو جائے۔ اور دوسرا حکم یہ دیا کہ تم انصاف کے علمبردار ہو جاؤ۔ کوئی کسی پر زیادتی نہ کر سکے۔ کوئی کسی کے حقوق تلف نہ کرے۔ اور کوئی تمہارے فیض سے محروم نہ رہے۔

ظاہری رنگ میں اس کا نمونہ ہمیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ کہ جب آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ تو مدینہ کے قریب ابواء مقام پر آپؐ نے چند روز قیام فرمایا۔ اتفاقاً ایک دن مدینہ سے چند مسلمان آپؐ کی ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ اور ان میں سے کوئی صاحب بھی ایسا نہیں تھا جس نے

آپؐ کو پہلے دیکھا ہو۔ اس وقت ایسی صورت حال ہوگئی کہ آپؐ کا پہچاننا مشکل ہوگیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ اللہ۔ اللہ۔ دو جہانوں کا سردار۔ اتنی سادگی۔ مساوات کو دیکھنے والا فرق نہ کر سکے۔ اور آج جو لوگ منبر رسول کے وارث بننے کے شوقین ہیں۔ ان کا عمل۔ کردار نمونہ سے بہتر زندگی کا فرد۔ والا معاملہ ہے۔ اور یہی چیز حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں پیدا فرمادی ہے۔ مبارک نمونہ کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"اعتق سیدنا ابوبکر سیدنا بلال" کہ ہمارے سردار حضرت ابوبکرؓ نے ہمارے سردار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کروایا تھا۔ پھر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے عمرہ کا ارادہ کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا:۔

یا اخانا لاتنسانا من دعائک۔ اے بھائی! آپ ایک ایسے مقام پر جا رہے ہیں۔ جسے خدا تعالیٰ نے امن والا۔ اور مثابۃ الناس کہا ہے۔ وہاں سچے دل سے کی گئی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ تمہیں دعا کا موقع ملے گا۔ ہمیں دعا کرتے وقت نہ بھول جانا!

اللہ۔ اللہ اس فقرہ میں کتنا سبق ہے۔ اگر آج ہم اس پر غور کریں۔ اور جماعت سازی کی بنیاد اس پر ہو۔ تو ایک عظیم انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید جماعت سازی کا مقصد یہ بیان فرماتا ہے:۔

"من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس۔ (۴: ۱۱۴)

(برکت اس میں ہے) جو اچھے کاموں اور اصلاح بین الناس کرے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی بات سے اطلاع نہ دوں جس کا درجہ نماز اور روزے سے بڑھ کر ہے۔ صحابہ رضی اللہ نے عرض کیا ہاں، تو فرمایا کہ لوگوں میں اصلاح کرنا (ترمذی)

یہاں اصلاح بین الناس کے الفاظ ہیں۔ تمام بنی نوع انسان اس میں شامل ہیں۔ اب اس سے اندازہ لگالیں کہ آپؐ نے لوگوں سے خیر خواہی کی کتنی بڑی تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔ اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون۔

اس آیت مبارکہ نے جماعت سازی کے چار سبق دیئے ہیں:۔

(۱)۔ ارکعوا۔ رکع سے نکلا ہے۔ خضع والحاح۔ پہلی بات یہ ہے کہ اپنے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کرو۔ اس واسطے حدیث میں آتا ہے الدین۔ الاطاعۃ۔ اسی چیز کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی یہ صفت بیان فرماتا ہے ان یقولوا سمعنا و اطعنا۔ (نور) ۔ قال کے معنی وہ صفت جو ان کے وجود سے جدا نہیں ہو سکتی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی مثالیں کثرت سے احادیث میں وارد ہیں کہ ان کے اندر اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ کس حد تک پایا جاتا تھا۔

(۲)۔ اسجدوا۔ میں یہ سبق دیا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت ان کا نمایاں وصف ہوتا ہے۔

(۳) واعبدوا ربکم۔ وہ جتنے نیک کام بھی کرتے ہیں۔ وہ رضاء الٰہی کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔ اس میں ذرہ بھر بھی دنیا کی ملونی نہیں ہوتی۔ ہر کام۔ ہر نیکی۔ میں خدا تعالیٰ کی رضاء مقدم ہوتی ہے۔

(۴)۔ وافعلوا الخیر۔ اطاعت کے بعد۔ عبادات روح کی پاکیزگی اور طہارت کے لئے ضروری ہیں۔ ان کو ادا کرتے رہتے کسی لمحہ بھی۔ کسی دور میں بھی۔ کسی حالت میں بھی ان سے غفلت نہیں برتتے اور پھر اپنی نیکی کا دامن پھیلا دیتے ہیں۔ پھر بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ایک کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ خیر الناس من ینفع الناس اے لوگو! تم سب میں سے افضل انسان وہ ہوگا جو ہر انسان کی خیر خواہی کرے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے آپؐ نے فرمایا الدین النصیحۃ کہ دین اصل میں وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہؓ نے دریافت فرمایا لمن یا رسول اللہ، کہ یہ کس کی وفاداری یا حضرت آپؐ نے فرمایا "المسلمین وعامتھم" یعنی تم نے تمام مسلمانوں اور تمام بنی نوع انسان سے خیر خواہی اور وفاداری کرنی ہے۔

پس اگر ہر فرد دبشر الدین کے جو معنے حضور صلعم نے بیان فرمائے ہیں ان پر حقیقی طور پر گامزن ہو جائے۔ اور جماعت کی بنیاد ان امور پر ہو تو اس نقشہ کی یاد تازہ ہو جائے گی ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین (۱۵: ۲) ربما رب سے نکلا ہے۔ اس کے معنے تربیت۔ اقامت استقلال۔ اور تکرار کے ہیں۔ کہ اس مقام کو پیدا کرنے کے لئے کہ لوگ یہ خواہش کریں کہ کاش ان کے اندر بھی مسلمانوں جیسی صفات پیدا ہو جائیں۔ مسلمانوں میں یہ صفات اس وقت پیدا ہوئیں جب انہوں نے من حیث الجماعت اپنے افراد کی صحیح تربیت کی۔ اور اقامت میں یہ اشارہ ہے کہ جہاں بھی کمزوری نظر آئی۔ فوراً اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ اور پھر ان کوششوں پر ہمیشہ وہ کاربند رہے۔ پھر ان کو یہ مقام ملا کہ وہ لوگوں کے لئے قابلِ رشک وجود تھے۔ پس اس میں جماعت سازی کا ایک عظیم الشان سبق ہے۔

صحیح تعلیم و تربیت اور نمونہ اور اخلاقِ فاضلہ۔ اور واعبد ربک حتی یاتیک الیقین۔ افعال حسنہ پختہ ایمان۔ جماعتوں کی حقیقی آبادی و تمدنی زندگی کا شیریں ثمرہ ہوتے ہیں۔ اور پھر ان جماعتوں کو الٰہی بشارت یہ دی گئی ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون (۱۶: ۱۲۸) وہ لوگ جو ایک روحانی جماعت کی سلک میں پروئے جاتے ہیں وہ اپنے اعمال کو کردار کو اور عبادات کو احسن رنگ میں ادا کرتے ہیں۔ اور خدا ترسی۔ خدا خوفی اپنے اندر پیدا کرتے ہیں۔ اور خودی۔ خود روی۔ خود بینی سے پاک ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رضاءِ الٰہی کے وارث اور کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر وہ مقام پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ (۳: ۱۰۳)

خدا کے فضل سے ہم احمدی مسلمان ہیں۔ مامور زمانہ حضرت مسیح موعود نے یہ جماعت ایک عظیم الشان مقصد و غرض کو پورا کرنے کے لئے خدا کے حکم سے قائم کی ہے۔ اور الہام ہوا واصنع الفلک باعیننا و وحینا یہاں کشتی سے مراد جماعت ہے۔ آپ نے ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام رکھا کشتی نوح۔ دوسرا نام دعوت الایمان اور تیسرا نام تقویۃ الایمان رکھا۔ اور فرمایا جو لوگ اس تعلیم پر حقیقی طور پر گامزن ہوں گے وہ آسمان پر میری جماعت میں شمار ہوں گے۔

پس ہم سب کو کوشش کرنی چاہیئے کہ قرآن مجید کی ہدایات پر من حیث القوم عمل پیرا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو بشارتیں دی ہیں ان کے وارث ہوں۔

اے خدا! تو ہم سب خورد و کلاں کو اس تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

حضرت نبی کریمؐ کی ۲ ممتاز خصوصیات

عرفانِ الٰہی ——— غریبوں اور یتیموں کی مدد

حضرت امیرِ قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ

حضرت نبی کریم صلعم کی پہلی خصوصیت } حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں پیشتر اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہمکلام ہو اور شریعت کے احکامات نازل ہوں دو نمایاں باتیں اور خصوصیات نظر آتی ہیں۔ ایک حضور صلعم کا عرفان ہے۔ یعنی جس طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جاتی ہے انہیں اللہ تعالیٰ کے فیوض اور اس کی ہستی کے نشانات نظر آتے ہیں۔ اور ان فیوض اور نشانات سے متاثر ہو کر خدا تعالیٰ کی اس قدر عبادت کرتے کہ کوئی لمحہ اس عبادت اور جذبۂ عبودیت سے خالی نہیں۔ جو کوئی کام بھی کرتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں۔ کہیں باہر نکلتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں۔ سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں۔ واپس لوٹتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں۔ گویا کہ ہر لمحہ اور ہر وقت خدا یاد ہے۔

دوسری خصوصیت } دوسری چیز وہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد ہے۔ یہ دو خصوصیتیں حضرت نبی کریم صلعم کی طبیعت اور فطرت میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کا نقشہ اگر شریعت نازل ہونے سے پیشتر کہیں نظر آتا ہے تو وہ رسول کریم صلعم کی شخصیت میں۔ جب احکاماتِ شریعت اترے تو یہ دو چیزیں متمیز طور پر ان احکامات میں موجود تھیں اور حضور صلعم کی فطرت کو تسکین دیا کرتی ہیں۔

مکی زندگی کا ابتلاء } مکہ معظمہ میں ۱۳ سال رہے بڑی ماریں کھائیں بڑا ابتلاء تھا۔ لیکن ان مصائب اور مشکلات میں ان کا سہارا صرف خدا پر تھا۔ ہر ایک شخص سے کہتے تھے کہ خدا ہمارا مددگار ہے۔

مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر } جب حضور صلعم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے اور مدینہ کے قریب سب سے پہلے جو کام کیا وہ ایک مسجد بنائی جو مسجد قبا کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس بے سرو سامانی کی حالت میں بھی خدا یاد ہے رسول کریم صلعم کی طبیعت کا نقشہ اس کے اندر نظر آتا ہے۔ مسجد سے جو خدا کی عبادت کی جگہ ہے بڑی محبت ہے اور اسی کو خیر و برکات کا منبع یقین کرتے ہیں۔

حضرت نے ساری عمر باجماعت نماز پڑھی۔ حضرت نے فرمایا ان الصلوٰۃ عماد الدین۔ نماز دین کا ستون ہے۔ اور فرمایا کہ المصلی یناجی ربہ۔ نمازی اپنے خدا سے باتیں کرتا ہے جس طرح چاہے اپنا دل کھول کر خدا تعالیٰ کے حضور میں رکھ دیتا ہے ——— اس کے بعد جب حضرت نبی کریم صلعم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی ایک مسجد بنائی۔ اس مسجد کو مسجد نبوی کہتے ہیں۔ بہت بڑا اہتمام ہے اس مسجد کا۔

مساجد کی کثرت } صحابہ کرامؓ نے جب یہ اہتمام مسجد کا دیکھا تو جہاں کہیں جاتے تھے مساجد بناتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے تمام ممالک میں کثرت سے مساجد ہیں۔ پھر اس زمانہ میں بھی ٹوکیو میں مسجد بنی۔ پیرس میں مسجد بنی۔ لندن میں مسجد بنی۔ جرمنی میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اس کے علاوہ ایشیا اور افریقہ میں تو اس کثرت سے مساجد ہیں کہ جن کا کوئی حد و شمار نہیں۔ چپے چپے پر مسجدیں موجود ہیں۔ جہاں کہیں بھی مسلمان جاتا ہے مسجد بناتا ہے۔

مغل بادشاہوں نے جہاں اپنے خوبصورت محلات اور قلعے بنائے تو ساتھ ہی مسجدیں بھی بنوائیں۔ اور بڑی خوبصورت اور شاندار مسجدیں بنوائیں۔ غرضیکہ مسجد کا بڑا مقام ہے۔ مسجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ مسجد میں ہمارا دین ہے۔ مسجد دین کی اشاعت اور عمل کا مرکز ہے۔

اسلامی عبادت میں حقیقت ہے } اقوام عالم میں اس قدر رسومات ہیں اور وہ عبادت کے ساتھ اس طرح مل جل گئی ہیں کہ عبادت کو ان سے نمایاں نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے اندر حقیقت پیدا کرنے کے لئے فرمایا لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔ بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ ولکن البر من اٰمن باللہ۔ بہت بڑی نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ہو۔ اور محکم ایمان ہو۔ کہ وہ میرا محسن اور مولیٰ ہے۔

آخرت پر ایمان کی اہمیت } والیوم الاٰخر۔ اور خدا کو مان کر اپنے اعمال کو سنوارتا ہو یعنی یقین رکھتا ہو کہ مکافات کا دن آنے والا ہے۔ دیانت دار آدمی کی بڑی عزت ہوتی ہے۔ اس دنیا میں بھی اس کو پھل لگتا ہے اور آئندہ دنیا میں بھی اسکو بڑا اجر دیا جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا آدمی جو دیانت دار نہ ہو اس کی کوئی عزت نہیں نہ اس کا کوئی پھل اس دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں کوئی اجر ہے۔ والملٰئکۃ اور فرشتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتے نازل ہوتے تھے۔ فرشتے نیکی کی تحریکات کرتے ہیں۔ والکتٰب اور شریعت پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں۔ ان احکامات کے مطابق زندگی بسر کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔

خدا تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا } اس کے بعد آتا ہے واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربٰی۔ خدا کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ رشتہ داروں کے لئے یہ بڑا امتحان ہے۔ سب سے پہلے ذوی القربٰی کے لئے مال خرچ کرو۔ اور غریبوں کے لئے مال خرچ کرو۔ والیتٰمٰی اور یتیموں کے لئے اپنا مال خرچ کرو۔ والمساکین اور مساکین کے لئے اپنا مال خرچ کرو۔

مساکین وہ ہوتے ہیں جن کا کام نہ چلتا ہو۔ کام میں سکون آ گیا ہو۔ وابن السبیل مسافر کے لئے خرچ کرو کیونکہ مسافر کو بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور وہ مدد کا محتاج ہوتا ہے۔

والسائلین۔ سوالیوں کو بھی دینا پڑتا ہے۔ سوال کرنے والوں نے آجکل پیشہ بنا لیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ سوال کرنے والے کو دھتکارو۔ وفی الرقاب۔ اور غلاموں کو چھڑاؤ۔

صلوٰۃ اور زکوٰۃ } واقام الصلوٰۃ۔ اور نماز کو قائم کرو یعنی اچھے عمل کرو اور نماز پڑھو۔ مسلمان آج نماز کو قائم نہیں کرتا۔ آج مسلمان نماز کو وہ مقام نہیں دیتا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ تو پھر کیوں نہ اس کی طاقت اور عزت میں کمی آ جائے۔ واٰتی الزکوٰۃ اور زکوٰۃ دو۔ زکوٰۃ وہ نظام ہے جو رسول کریم صلعم نے اپنی قوم کی غربت کو دور کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ بہت بڑا انسٹیٹیوشن ہے۔ مسجد بہت بڑا ادارہ ہے۔ اگر سب مسلمانوں کا زکوٰۃ کا روپیہ جمع ہو جائے تو آج

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

(از مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب)

جناب مولوی مودودی صاحب کی کتاب "مُرتد کی سزا" پر ایک تحقیقی نظر

جناب مودودی صاحب کے متعلق میری رائے اور اس کی تبدیلی کی وجہ

جناب مودودی صاحب کو میں ہمیشہ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہوں کیونکہ میں اُنہیں مفکر اسلام یقین کیا کرتا تھا۔ لیکن ان کی کتاب "مرتد کی سزا" پڑھ کر مجھے اپنی رائے ان کے متعلق تبدیل کرنی پڑی ہے۔

مولوی مودودی صاحب نے اپنی اس کتاب میں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام میں "مرتد کی سزا" قتل ہی ہے۔ بڑا زور لگا کر ہے اور مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ اس بات کو ضرور اپنے عقیدے میں داخل کر لیں کہ اسلام مرتد کو قتل کرنا ضروری قرار دیتا ہے اور انہوں نے اپنی ساری کوشش اس بات پر صرف کر دی ہے کہ کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام سے پھرنے والے کو قتل کی سزا دینا اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ بہرحال جو دلائل اس امر کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اپنی اس کتاب میں پیش کئے ہیں ان کا جائزہ لینا اور ان پر تحقیقی نظر ڈالنا ضروری ہے تا مسلمانوں پر یہ واضح ہو جائے کہ جو کچھ اس بارے میں اُنہوں نے بیان کیا ہے وہ کہاں تک صحیح اور اسلامی تعلیم کے مطابق ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں اُن کے دلائل اور استدلالات کا غلط ہونا اور اسلام کے منافی ہونا ثابت کروں یہ بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کی تعلیم کا اصل اور مقدم ماخذ قرآن کریم ہے اور میں نے چار قسطوں میں جو اخبار پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہیں متعدد آیات سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم ہرگز مرتد کو قتل کرنے کی سزا تجویز نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس اس کو پوری آزادی دیتا ہے کہ اگر اس کا ضمیر اسلام کو صحیح سمجھنے پر مطمئن نہیں تو اسے اسلام چھوڑ دینے کی مکمل آزادی ہے اسے تلوار کے خوف سے ہرگز منافقانہ زندگی بسر کرنے کی ضرورت نہیں۔

مولوی مودودی صاحب کو باوجود کوشش بسیار کے قرآن کریم کی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جو ان کے اس بھیانک نظریہ کو صحیح ثابت کرنے میں مدد دیتی ہو اور میری پیش کردہ آیات خدا کے فضل سے نصوص صریحہ کا حکم رکھتی ہیں اور قرآن کے نصوص کے مقابلہ میں نہ کوئی حدیث پیش کی جا سکتی ہے اور نہ کسی فقیہہ کا قول پیش کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم صریح الفاظ میں فرماتا ہے:—

"فبای حدیث بعد اللّٰہ و اٰیاتہ یؤمنون"

(سورۃ جاثیہ - ع)

پھر سورۃ الاعراف - ع میں فرماتا ہے:—

"فبای حدیث بعدہ یؤمنون"

پھر سورۃ المرسلات میں فرماتا ہے:—

"فبای حدیث بعدہ یؤمنون"

باوجود اس امر کے جناب مودودی صاحب کو قرآن کریم سے ایک نص بھی اپنے نظریئے کی تائید میں نہیں ملی مجھے بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ قرآنی نصوص کے مقابلہ میں انہوں نے کہیں کسی فقیہہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہیں بعض مسلمانوں کے عمل کو ترجیح دی ہے گو انہوں نے احادیث بھی اس بارے میں پیش کی ہیں لیکن احادیث پیش کرتے وقت وہ اس اُصول کو بھول گئے کہ اگر حدیث بھی قرآنی نصوص کے منافی ہوں تو وہ بھی قرآن کریم کو پس پشت نہیں ڈال سکتی بلکہ قرآن کے مقابلہ میں احادیث کے متعلق ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ وہ کہاں تک قرآن کریم کے نصوص کے مطابق بنائی جا سکتی ہیں۔ اگر کوئی صورت ایسی نکل آئے جس سے حدیث کو قرآن کریم کے نصوص کے مطابق بنایا جا سکتا ہے تو بنا لیا جائے اور ان معنوں کو چھوڑ دیا جائے جو قرآنی نصوص کے مخالف پڑتے ہوں اور اگر حدیث اور قرآنی نصوص کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو قرآن کریم کے نصوص کو نہیں بلکہ حدیث کو چھوڑنا پڑے گا۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی مودودی صاحب کو قرآن کریم سے تو ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جو ان کے نظریہ کی تائید کرتی ہو۔ صرف سورۃ توبہ ع کی ایک آیت کا سہارا اُن کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس ایک آیت کا مفہوم ہی غلط طور پر پیش کیا ہے۔ وہاں مرتدین کے قتل کرنے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔ وہاں تو بعض عہد شکنی کرنے والوں کے متعلق قاتلوا کا لفظ مذکور ہوا ہے جس کے معنے قتل کرنا ہرگز نہیں بلکہ ان کے خلاف جنگ کرنے کا حکم ہے اور قاتلوا کے معنے جنگ کرنے کے ہیں نا کہ قتل کرنے کے۔

اس آیت کے سوا جناب مودودی صاحب کو قرآن کریم میں اپنے نظریہ کی تائید میں کوئی اور آیت نہیں ملی۔ اس آیت کے متعلق میں مفصّل روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ جناب مودودی صاحب کے استدلال کی عمارت کی بنیاد ہی ہل جائے اور ان کی بنیاد کے ہلنے سے ان کی اصل عمارت دھڑام کر کے ساری کی ساری زمین بوس ہو جائے۔

ہر عقلمند قاری کرام کو حیرت ہو گی کہ اتنے اہم مسئلے کے متعلق اپنے نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جناب مودودی صاحب کو قرآن کریم میں سے ایک بھی آیت نظر نہ آئی جو آئی بھی وہ بھی ان کے نظریئے کو صحیح ثابت کرنے میں ان کے لئے ممد ثابت نہیں ہو سکتی۔ جناب مودودی صاحب کی پیش کردہ آیت میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ قتل کا کوئی ذکر نہیں بلکہ جنگ کرنے کا ذکر ہے۔ کن کے ساتھ جنگ کرنے کا ذکر ہے اس پر میں ذیل میں مفصّل روشنی ڈالتا ہوں۔ یاد رہے کہ اوّل تو قتال یعنی جنگ میں ایک ہی فریق کے آدمی قتل نہیں ہوتے ہیں اگر عہد شکنی کرنے والوں کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ کرنی پڑتی تو لامحالہ اگر عہد شکنی کرنے والے افراد میں سے بعض قتل ہوں گے تو مسلمانوں کے بعض افراد بھی قتل ہوں گے تو گویا اگر عہد شکنی کرنے والوں کے ساتھ قتال کا حکم لاگو کر کے اس سے قتل مراد لے لیا جائے تو یہ سزا تو صرف عہد شکنی کرنے والوں کے لئے نہیں ہو گی بلکہ خود مسلمان بھی اس کی زد میں آئیں گے۔ پس قتال کے نتیجہ میں جو قتل وقوع میں آتا ہے اس کو مرتد کی سزا کے مفہوم میں اگر لیا جائے تو پھر خود مسلمان بھی اس قتل کے مفہوم کی زد کے نیچے آتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ توبہ ع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:—

"ان اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون و یقتلون۔"

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مومنوں سے ان کے نفوس اور ان کے اموال اس بدلے میں کہ ان کو جنت عطا کرے گا یہ مومن اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے۔ پس دشمنان اسلام کو قتل کریں گے نہ صرف ان کو قتل کریں بلکہ اس راہ میں خود بھی قتل کئے جائیں گے۔

عھدتم منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون" (انفال - ۵۶)

وہ لوگ جن سے تم نے معاہدات کئے پھر وہ اپنے معاہدے کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور وہ اس سے باز نہیں آتے ہیں تو جس میدانِ جنگ میں ان کو پاؤ تو ایسی سزا ان کو دو کہ انکے پیچھے مددگار بھی پراگندہ ہو جائیں۔

پس یہ آیت بتلا رہی ہے کہ کفار کی طرف سے عہد شکنی ایک روزمرہ کا معمول بنی ہوئی تھی اور عہد شکنی کا یہ عالم تھا کہ یہ لوگ نہ تو کسی قرابت کا لحاظ کرتے تھے اور کسی عہد و پیمان کا لحاظ کرتے تھے جب موقعہ ملتا تھا تو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور جب اپنی کمزوری محسوس کرتے تھے تو مسلمانوں کے ساتھ امن سے رہنے کا عہد کر لیتے تھے اس طریق سے انہوں نے مسلمانوں کی زندگیاں تلخ کی ہوئی تھیں بعض اوقات دھوکہ دہی سے مسلمان ہونے کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے لیکن دلوں میں وہی بغض اور عناد بھرا رہتا تھا۔ موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے کہ کب موقعہ ملے کہ مسلمانوں کو تہ تیغ کر ڈالیں۔

چنانچہ ایک دفعہ بنو عامر اور بنو سلیم جو ہوازن قوم میں سے تھے ان کا سردار ابو براء آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ میرے ساتھ کچھ قاری بھیجدیں تو شاید میری قوم مسلمان ہو جائے۔ آنحضور صلعم نے ستر (۷۰) قاری اس کے ساتھ بھیج دیئے۔ جب یہ لوگ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو اس شخص نے ایک لشکر جرار منگوا لیا اور ان قاریوں کو شہید کروا دیا۔ صرف ایک آدمی بچا جس نے اس واقعہ کی اطلاع مدینے پہنچائی۔

اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر دو قبیلوں نے آنحضرت صلعم کے پاس چند آدمی بھیجے کہ ہمارے قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا ہے چند آدمی دین سکھلانے کے لئے ہمارے پاس بھیجے جائیں تو آنحضور صلعم نے دس (۱۰) قاری ان کے ساتھ بھیج دیئے۔ مقام رجیع پر پہنچ کر ان کو بھی شہید کر دیا گیا۔ ان میں سے دو نے اپنے آپ کو ان کافروں کے عہد پر ان کے حوالے کر دیا جنہیں مکہ میں لے جا کر قتل کیا گیا۔

غرضیکہ ان کفار نے ملک کے امن کو بالکل برباد کیا ہوا تھا اور ایسے حالات پیدا کئے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کے لئے چین سے زندگی بسر کرنا محال ہو چکا ہوا تھا۔

پس بالآخر اس قسم کے عہد شکن لوگوں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ یا اسلامی حکومت کے ماتحت وفاداری سے رہیں یا ملک چھوڑ جائیں ورنہ ان کے خلاف جنگ کرنی پڑے گی۔ پس اگر کوئی ایسی جنگ ہوئی تو عہد شکنی اور بغاوت اور سرکشی کے نتیجہ میں ہوئی نہ کہ ارتداد کی سزا قتل دینے کی وجہ سے ہوئی جناب مودودی صاحب اگر تاریخ کو غور سے پڑھیں گے تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ کسی شخص کو بھی ارتداد کے نتیجہ میں قتل کی سزا نہیں دی گئی۔ جناب مودودی صاحب نے اپنے نظریہ کی تائید میں جو قرآن کریم سے استدلال کی ہے اس کی حقیقت یہ ہے جو اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان واقعات کو مرتد کی سزا قتل سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد جو چند احادیث جناب مودودی صاحب نے اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کی ہیں ان کا اصل مفہوم وہ نہیں جو مودودی صاحب نے بیان کیا ہے اس کا مفہوم بھی واضح کیا جائے گا۔

دُعا .... ایک حیات بخش چشمہ

انسان کمزور ہے۔ جب تک دُعا سے قوت اور تائید نہیں پاتا اس دشوار گذار منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوری اور اس کے ضعفِ حال کے متعلق ارشاد فرمایا ہے

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا

یعنی انسان ضعیف اور کمزور بنایا گیا ہے۔ پھر باوجود اس کی کمزوری کے اپنی ہی طاقت سے ایسے عالی درجہ اور ارفع مقام کے حاصل کرنے کا دعویٰ کرنا سراسر خام خیالی ہے۔ اس کے لئے دُعا کی بڑی ضرورت ہے۔ دُعا ایک زبردست طاقت ہے جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں اور دشوار گذار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے کیونکہ دُعا اس فیض اور قوت کے جذب کرنے والی نالی ہے جو اللہ تعالیٰ سے آتا ہے۔ جو شخص کثرت سے دُعاؤں میں لگا رہتا ہے وہ آخر اس فیض کو کھینچ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر اپنے مقاصد کو پا لیتا ہے۔ ہاں نری دُعا خدا تعالیٰ کا منشا نہیں ہے بلکہ اول تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لائے اور اس کے ساتھ دُعا سے کام لے اسباب سے کام لے۔ اسباب سے کام نہ لینا اور نری دُعا سے کام لینا یہ آداب الدعا سے ناواقفی ہے اور خدا تعالیٰ کو آزمانا ہے اور نرے اسباب پر گر رہنا اور دُعا کو لاشئی محض سمجھنا یہ دہریت ہے۔ یقیناً سمجھو کہ دُعا بڑی دولت ہے جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے دین اور دُنیا پر آفت نہ آئے گی۔ وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے جس کے اردگرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دُعاوں سے لاپروا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ہڈی بوٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دُعا ہے۔ یہی دُعا اس کے لئے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔ (ملفوظات جلد ہفتم)

حضرت نبی کریمؐ کی دو ممتاز خصوصیات ۔۔۔ بقیہ صفحہ ۸

مسلمانوں کی حالت کس قدر بہتر ہو سکتی ہے۔ مگر اس طرف مسلمانوں کی توجہ نہیں مسلمان اس کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں۔

عہد کی پختگی — والموفون بعھدھم۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی بات کے بڑے پکے ہوں۔ عہد کی پختگی سے اعتماد پیدا ہوتا ہے اور عزت بڑھتی ہے۔ یہ بھی ایک شان مسلمان کی ہونی چاہیئے۔

مشکلات میں صبر — والصابرین فی البأساء۔ تنگی آگئی، مشکلات پیدا ہو گئیں۔ مقدمات آگئے۔ وہ صبر کرتے ہیں اور شکایت نہیں کرتے۔ آپ جانتے ہیں کس قدر مشکل ہوتا ہے مصیبت اور تکلیف کی حالت میں خدا کا شکر کرنا اور صبر کرنا۔ والضراء وحین البأس تکلیف میں اور جنگ کے موقعہ پر صبر کرتے ہیں۔ اولئک الذین صدقوا ان لوگوں نے اپنے قول کو سچ کر کے دکھا دیا۔ واولئک ھم المتقون اور یہی متقی ہیں۔ یعنی تقوے متقاضی ہے کہ مسلمان ان صفات سے متصف ہوں تاکہ خدا کے افضال ان پر نازل ہوں۔ اس تعلیم میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں سکھائی ہیں کہ رسومات کو مذہب نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھو اس کی صحیح روح کو سمجھو اور اس کا اثر تمہارے معاملات میں نظر آ سکے۔

مبارک شخص — بڑا مبارک ہے وہ شخص جو ان احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے مستعد ہے۔ اگر مسلمان اس تعلیم پر

از محمد عبدالحی مجاہد صاحب امرتسری - گنج مغلپورہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علمی مقام

خدا تعالےٰ کے مامور دُنیا میں خدا کی طرف سے علوم حقیقی کا ایک بہا خزانہ لے کر آتے ہیں - دنیا اپنے محدود علم کے ماتحت ان کو دنیا ہی ایک بندہ سمجھتی ہے - مگر حقیقت یہ ہوتی ہے کہ خدا شناسی اور اس حقائق و معارف کی چادر نے ان کو اس طرح سے ڈھانپ لیا ہوتا ہے انسانی نظریں ان کو پوری طرح پہچان نہیں سکتیں - دنیا سمجھتی ہے کہ وہ نے کسبی علوم اور دنیوی ساز و سامان کے ساتھ خدا تعالےٰ کے بندوں روحانی علوم اور آسمانی حربوں پر غالب آ جائے گی - مگر خدا کی قدرت ان کو ہمیشہ اپنے پیاروں کے مقابلہ میں ناکام اور نامراد کرتی چلی آئی ہے -

اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اس امت میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا آپ کو اللہ تعالےٰ نے اپنی غیر معمولی تائید کے نیچے مدعیانِ علم کو عاجز کرنے والا کلام عطا فرمایا آپ نے آسمانی تائید سے متعدد کتب تحریر فرمائیں - جن میں سے بعض عربی زبان میں بھی ہیں جن میں قرآن مجید کے حقائق و معارف بکثرت تحریر فرمائے - اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باطل شکن علمی اکتشافات میں سے صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے -

وہ مثال لفظ "توفّی" کے معنے کے متعلق ہے - حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے اپنی متعدد تحریروں میں اس کے متعلق تحدّی فرمائی ہے انعامی چیلنج بھی کیا ہے آپ فرماتے ہیں :-

"اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت کرے کہ کسی جگہ "توفّی" کا لفظ خدا تعالےٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذی روح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار (۱۰۰۰) روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ اس کی کمالاتِ حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لوں گا -" (ازالہ اوہام بار دوم صفحہ ۲۷۵)

کتاب مذکور میں ایک اور اعلان حضرت نے بدیں الفاظ شائع فرمایا - حضرت صاحب فرماتے ہیں :-

"میں نے مدت ہوئی کہ اس ثابت شدہ امر پر ایک اشتہار دیا تھا کہ جو شخص اس کے برخلاف کسی حدیث یا دیوان مستند عرب سے کوئی ایسا فقرہ پیش کرے گا جس میں باوجود اس کے کہ "توفّی" کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور کوئی علم مفعول ہو یعنی کوئی ایسا شخص مفعول بہ ہو جس کا نام لیا گیا ہو مگر باوجود اس امر کے اس جگہ وفات دینے کے معنے نہ ہوں تو اس قدر اسکو انعام دوں گا اس اشتہار کا آج تک (اوائل ۱۹۷۹ء تک) - قبل کسی نے جواب نہیں دیا اب پھر اتمام حجت کے لئے دو سو روپیہ نقد کا اشتہار دیتا ہوں - اگر کوئی ہمارا مخالف ہمارے اس بیان کو یقینی اور قطعی نہیں سمجھتا تو وہ احادیث صحیحہ نبویہ یا قدیم شاعروں کے اقوال میں سے جو مستند ہوں اور جو عرب کے اہل زبان اور اپنے فن میں مسلّم ہوں کوئی ایک ایسا فقرہ پیش کرے جس میں "توفّی" کے لفظ کا خدا تعالےٰ فاعل ہو اور مفعول بہ کوئی علم ہو جیسے زید اور بکر اور خالد وغیرہ اور اس فقرہ کے معنے بداہت کوئی اور ہوں وفات دینے کے معنے نہ ہوں تو ایسی صورت میں میں ایسے شخص کو دو سو روپیہ نقد دے دوں گا ایسے شخص کو صرف یہ پیش کرنا ہوگا کہ وہ حدیث جس کو وہ پیش کرتا ہے وہ حدیث صحیح نبوی ہے یا گذشتہ عرب کے شاعروں میں سے کسی ایسے شاعر کا قول ہے جو علم محاورات عرب میں مسلّم الکمال ہے -"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم - صفحہ ۲۰۸)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالےٰ کی تائید اور نصرت سے لفظ "توفّی" کے معنوں کے متعلق ایک جامع و مانع قانون پیش فرمایا ہے جسے ہرگز غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا - اور چونکہ یہ قانون لغت عرب کی جزئیات قرآن مجید اور احادیث نبویہ نظم و نثر قدیم و جدید کے عین مطابق ہے اس لئے اسے غلط قرار دینا کوئی آسان کام نہیں بڑے بڑے ادباء آئے اور لغوی پیدا ہوئے - علماء اور مفسرین نے بہت موشگافیاں کیں لیکن لفظ "توفّی" کے متعلق عالمگیر قانون کو بیان کرنے اور اس صداقت کو دا شگاف کرنے کا فخر سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کو حاصل ہے - آپ کی یہ تحدّی وہ نوشتہ ہے جسے دنیا بھر کے علما باطل نہیں کر سکتے - حضرت مسیح پاک کی یہ تحدّی آج بھی قائم ہے اور آپ کی صداقت پہ ایک برہانِ قاطع ہے -

---

سانحۂ ارتحال

محترم جنرل سیکرٹری صاحب کو راولپنڈی سے خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"میں نہایت رنج و غم کے ساتھ آپ کو مطلع کر رہا ہوں - کہ مکرم خواجہ محمد عبداللہ صاحب ۲ ماہ کی علالت کے بعد کل مورخہ ۹/۹ ، ۱۵ ½ ۱ بجے دن اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون - بیرونی جماعتوں سے نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے - مرحوم کے مفصل حالاتِ زندگی بعد میں ارسال کروں گا - تعزیت کے لئے پتہ :- مکان 350/H گارڈن کالج روڈ راولپنڈی ۴۰"

غمزدہ
خواجہ محمد نصیر اللہ

تاج دین پرنٹر - تکیہ اُلی والا - آبکاری روڈ لاہور میں باہتمام تاج دین پرنٹر چھپا اور محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا -

(چیف ایڈیٹر - ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۳۸ —— شمارہ نمبر ۲۹

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تارکا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۳۲۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبد المعوف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے ایک پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۶۶ | یوم چہار شنبہ ۲۶ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۳۱ ۳۲

ارشادات حضرت امام زمان مرزا غلام احمد علیہ السلام

متقی کو اسی دنیا میں بشارتیں سچے خوابوں کے ذریعہ ملتی ہیں۔

متقی کے لئے ایک اور بھی وعدہ ہے لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ (س-۱۱) یعنی جو متقی ہوتے ہیں ان کو ہی دنیا میں بشارتیں سچے خوابوں کے ذریعہ ملتی ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ صاحب مکاشفات و الہامات ہو جاتے ہیں۔ مکالمۃ اللہ کا شرف حاصل کرتے ہیں وہ بشریت کے لباس میں ہی ملائکہ کو دیکھ لیتے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا ان الذین قالوا ربنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ (س-۲۴) یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور استقامت دکھلاتے ہیں یعنی ابتلاء کے وقت ایسا شخص دکھلا دیتا ہے کہ جو میں نے منہ سے وعدہ کیا تھا وہ عملی طور سے پورا کرتا ہوں۔ کیونکہ ابتلاء ضروری ہے۔ جیسے یہ آیت اشارہ کرتی ہے احسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون (س-۲۰) اللہ تعالے فرماتا ہے کہ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور استقامت کی ان پر فرشتے اترتے ہیں۔ مفسّروں کی غلطی ہے کہ فرشتوں کا اترنا نزع میں ہے۔ یہ غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دل کو صاف کرتے ہیں اور نجاست اور گندگی سے جو اللہ سے دور رکھتی ہے اپنے نفس کو دور رکھتے ہیں۔ ان میں سلسلۂ الہام کے لئے ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ سلسلۂ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ پھر متقی کی شان میں ایک اور جگہ فرمایا الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ (س-۱۱) یعنی جو اللہ کے ولی ہیں ان کو کوئی غم نہیں جس کا خدا متکفل ہو اس کو کوئی تکلیف نہیں۔ کوئی مقابلہ کرنے والا ضرر نہیں دے سکتا۔ اگر خدا ولی ہو جاوے۔ پھر فرمایا:۔ وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون (س-۲۴) یعنی تم اس جنت کے لئے خوش ہو جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے۔

(منظور الٰہی صفحہ ۲۹-۳۰)

ابوالاسرار رمزی۔ ایم۔ اے علیگ ——— جودھ پور (بھارت)

ایک غیر ضروری مشغلہ

مُسلمانوں میں کئی فرقے ہیں جو اپنے اپنے طریقہ پر اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایسا کوئی فرقہ نہیں جس میں سو فیصد اسلام دکھائی دیتا ہو اور ان کی ہر بات متفقہ ۔۔۔ ہو۔ پھر مُفتیان کرام ذراسی بات پر ایک دوسرے ۔۔۔ قرار دیتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت اقبال نے یہ شعر ۔۔۔

دین حق از کافری رُسوا تر است
زانکہ مُلّا مومن کافر گر است

ایک روز راقم الحروف باغ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب ہاتھ میں ایک پمفلٹ لئے ہوئے میری طرف بڑھے اور اس پمفلٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ دیکھئے اس میں فلاں جماعت پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے میں نے اُس سے پُوچھا: "کیا اللہ تعالیٰ بھی اس فتوے کو مان لے گا؟" انہوں نے ۔۔۔ کچھ جواب نہ دیا۔ ناراض ہو کر آگے بڑھ گئے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ہی اچھا قانون بتایا اِنّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اللہ کے نزدیک وہی معزز ہے جو تقوے کی زندگی گذارتا ہے یہ فیصلہ صحیح ہے کہ اللہ کے دربار میں کسی کے فتوے کی کوئی قدر نہیں ہے کسی کو معزز بنانے والی چیز ۔۔۔ تو وہ فقط تقوے ہے — العاقبۃ للمتقین — اہم دستور کی ان مقدس دفعات کا جانے کیوں احترام نہیں کیا جاتا۔ اس "غیر ضروری مشغلہ" سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہے؟ اپنی اپنی پسند اور مذاق ہے صحابہ کرام رضنے کافروں کو

مُسلمان بنایا اور علماء کرام نے مُسلمانوں کو کافر بنایا!

مفتیان کرام قریباً ایک صدی ہونے کو آئی اور دنیا کی اس سے کیا بہتری وابستہ ہے؟ مرزا غلام احمد کے پیچھے پڑ رہے ہیں۔ ان کا قصور یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ظلّی نبی ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ مگر ساتھ ہی کے شاندار کارناموں پر نظر نہ کی گئی۔

انہوں نے اسلام کی مدافعت و وکالت اور حمایت میں کیسی کیسی نادر ہیں تصنیف کی تھیں۔ ان کے بعد ان کی جماعت نے کتنے تثلیث پرستوں کو توحید بنایا۔ یہ کسی نے نہ دیکھا۔ ISLAM OUR CHEIS کے صفحات گواہی دے رہے ہیں کہ کتنے ملحدین یورپ۔ احمدی مبلغین کی صبر آزما کوششوں سے مشرف بہ اسلام ہو کر دوسروں کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا رہے ہیں۔

ہند و پاکستان کے علماء احمدیوں کو کافر کہتے رہے

وہی مظلوم کافر۔ اغیار کو مُسلمان بناتے رہے۔

اغور کرو کونسا کام اچھا ہُوا۔

جو لوگ مسلمان ہوئے یا ہو رہے ہیں وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر ہی مسلمان ہو رہے ہیں۔ آخر ان کو کیا سمجھا جائے "ظلّی نبی" ہونے کی بات تو ظلّ اللہ کے الفاظ جمعہ کے خطبوں میں آپ صدیوں سے سُن رہے ہیں۔ ان سے مراد بادشاہ وقت ہے بادشاہ وقت ظلّ اللہ ہو سکتا ہے تو ولی "ظلّی نبی" کیوں نہیں ہو سکتا۔

پھر بارہا مرزا صاحب نے اس کی صفائی پیش کی ہے کہ انہوں نے نبی کا لفظ مجازی طور پر استعمال کیا ہے۔ جو شخص خود نبی ہو تو وہ خود اپنا کلمہ پڑھے گا اور پڑھوائے گا۔ جن لوگوں نے اپنے دور میں نبوت کا دعوےٰ کیا تھا۔ انہوں نے نیا دین ایجاد کیا تھا۔ لیکن حضرت مرزا غلام احمد نے شریعتِ محمدی کو ہرگز نہیں بدلا نہ کلمہ میں ترمیم کی۔

کوئی شخص پورے لٹریچر میں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ غلام احمد رسول اللہ۔ یا لا الٰہ الا اللہ قادیانی رسول اللہ" نہیں دکھا سکتا۔

ہم ذیل میں اقتباسات پیش کر رہے ہیں جو چیخ چیخ کر یہ مصرع بلند کر رہے ہیں:— ع

"ذرا مفتی صاحب کو آواز دینا"۔

(مرید سے) آپ (خواجہ معین الدین چشتیؒ) نے فرمایا کہ تو کلمہ اس طرح پڑھتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ایک بار اس طرح پڑھ:— "لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ"

(صفحہ ۱۲۶-۱۲۷ فوائد السالکین ملفوظات قطب الدین بختیار کاکی مُرتبہ خواجہ فرید الدین گنج شکر ترجمہ غلام احمد بریاں)

"شبلی نے اس سے پوچھا کہ تم کلمہ طیبہ کیسے پڑھتے ہو؟ مرید نے کہا کہ میں اس طرح پڑھتا ہوں: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، شبلی کہنے لگے کہ آپ اس طرح پڑھو:—
" لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ"

(صفحہ ۴۰۔ فوائد الفواد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیا۔ مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب علما اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور مطبوعہ لاہور۔)

یہ تبدیلی بڑی بات ہے۔ کلمہ کے دوسرے جز میں اپنی اپنی نبوت کا صاف صاف اعلان کیا ہے۔ مگر یہاں "یہ تو آزمائشی کلمہ ہے" کہہ کر بات ٹال دی گئی ہے۔

امام غزالی نے تو کلمہ کے پہلے جز کو "لا ھو الا ھو" میں تبدیل کر دیا۔ اولیاء اللہ کے ملفوظات "کلام اللہ" پر سبقت لے گئے۔ پھر نہ تو زمین روئی اور نہ آسمان نے آنسو بہائے۔ بلکہ ان کی درگاہوں میں ان کی خدائی کا نعرہ بلند کیا گیا۔

یہی کیا درجنوں مثالیں موجود ہیں۔ نجات اس میں ہے کہ جب تک انسان گہرائی تک نہ پہنچے زبان نہ کھولے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ احمدی ہو جائیں۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ ان کو کافر کہنے سے اُمت کا کیا فائدہ ہے؟ کروڑوں کلمہ گو لوگوں کو اپنے دائرہ سے خارج کرکے دوسروں کے کیمپ میں زبردستی دھکیل دینا کونسی دانشمندی ہے؟ جو قافلہ مکّہ کو جا رہا ہے اس کو لٹوا دینا یا خود زخمی کر دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ ؎

نہ جانے کتنے سفینے ڈبو چکی اب تک
فقیہہ و صوفی و مُلّا کی ناخوش اندیشی

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۷۹ء

”وہ ہمیں ارادتاً بھول جاتے ہیں“

”قائد اعظم کا اسلامی کردار“ کے نام سے ایک کتاب تصنیف ہو رہی ہے، اس کے مصنف جناب پروفیسر کرم حیدری صاحب ادارہ تحقیقات اسلامی سے منسلک ہیں۔ اس کتاب کے ملخص کی پہلی قسط روزنامہ جنگ مورخہ ۲۲ جولائی کی خصوصی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔ جناب حیدری صاحب ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”غلامی کے دور میں اس برصغیر میں اُبھرنے والی اسلامی تحریکوں کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر تحریک کی بنیاد مذہب پر تھی۔ مغل حکومت کے آخری دور میں مسلمانوں کی سیاسی قوت کے زوال پذیری کے جہاں کئی فروعی اسباب تھے۔ وہاں ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے اندر دین سے نہ صرف بیگانگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں دینی شعائر کی ایسی توہین و تذلیل ہو رہی تھی۔ کہ خدا کی پناہ۔ اس دور کا ہمارا ادب ہماری دینی گم گشتگی کا پوری طرح آئینہ دار ہے۔ دینی گم گشتگی کا نتیجہ اخلاقی زوال کی صورت میں رونما ہوا اور اخلاقی رذائل کے باعث معاشرے کی تمام اعلیٰ صلاحیتوں کو گھن لگ گیا اور بالآخر قوم ذلت کی گہرائیوں میں جا گری۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں جتنے قومی رہنما بلکہ عسکری رہنما بھی آئے انہوں نے قوم کو سب سے پہلے اس کی اخلاقی پستی کی طرف متوجہ کیا اور اخلاقی پستی کے حقیقی اسباب سے بھی آگاہ کیا۔“

اس سیاسی اور اخلاقی پستی سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے جتنی تحریکیں بھی برصغیر میں اُٹھیں ان میں جناب حیدری صاحب نے حضرت سید احمدؒ شہید کی تحریک مجاہدین۔ بنگال میں حاجی شریعت اللہ صاحب کی تحریک فرائض تیتو میر کی جدوجہد۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی۔ مولانا محمود الحسن کی غدر پارٹی جس میں گاندھی اور نہرو جیسے لیڈر بھی شامل تھے کا ذکر تو کیا ہے لیکن مسلمانوں کو جس تحریک نے مذہبی اور اخلاقی پستی سے نکال کر ان میں اسلام کی صداقت پر ایمان پیدا کیا اور اس طرح اخلاقی زوال کے باعث معاشرہ کی جن اعلیٰ صلاحیتوں کو بقول پروفیسر صاحب گھن لگ گیا تھا انہیں دوبارہ زندہ اور اُجاگر کیا اس تحریک کا نام لینا وہ شاید بھول گئے ہیں یا عوام کے اعتراضات کا نشانہ بننے سے بچنے کے لئے وہ جان بوجھ کر اس سے دامن بچا کر نکل گئے ہیں۔ وجہ کوئی بھی ہو۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ مستقبل کا انصاف پسند مؤرخ اس تحریک کو یوں پسِ پشت ڈال کر برصغیر کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا ذکر اس انداز میں نہیں کرے گا جس انداز میں ہمعصر مؤرخین کر رہے ہیں۔

یہ تحریک تحریکِ احمدیت ہے جو ۱۸۸۳ء میں قادیان سے اُٹھی اور ۱۹۰۸ء تک مذہبی میدان میں ایک طوفان اور آندھی بن کر چھائی رہی۔ وہ اسلام اور مسلمان دشمنوں کے محلوں میں برق بن کر گری اور باطل نظریات کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیا۔ عیسائیت جس نے مسلمانوں کے بڑے بڑے جید علماء کو حلقہ بگوش کر لیا تھا گرجوں میں محبوس ہو کر رہ گئی اور ہندومت کو اپنے ہی مندروں میں منہ چھپانے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ دسمبر ۱۸۹۶ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے جلسہ مذاہب میں دنیا نے جاء الحق وزھق الباطل کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور مخالف بھی پکار اُٹھے کہ واقعی اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی فطرت کے تمام تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرنے کی اہلیت اپنے اندر رکھتا ہے۔

جن تحریکوں کا ذکر جناب حیدری صاحب نے اپنے مقالہ میں کیا ہے ان پر ہمیں کوئی تنقید اور تبصرہ کرنا مقصود نہیں۔ لیکن ان کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان تحریکوں نے مسلمانوں میں زندہ خدا پر ایمان پیدا کرنے کے لئے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ کیونکہ اخلاقی پستی اور دین سے گم گشتگی کا ابتدائے نسلِ انسانی سے یہی علاج چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا مضبوط اور زندہ ایمان اور یقین پیدا کیا جائے کہ وہی اس کا مطلوب اور محبوب اور مقصود بن جائے اور اس کی زندگی کی کوئی حرکت اور اس کا کوئی قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اُٹھے۔ اس معیار پر اگر پرکھا جائے تو سوائے سید احمدؒ شہید کی تحریک کے اور کوئی ایسی تحریک جس کا ذکر حیدری صاحب کے مقالہ میں ہوا ہے ایسی نہیں جس نے مسلمانوں کو اخلاقی پستی سے نکالنے کی کوشش کی ہو۔

حاجی شریعت اللہ صاحب کی فرائضی تحریک نے۔ فرائض کی ادائیگی کی طرف . تو مسلمانوں کو توجہ دلائی لیکن وہ مسلمانوں میں اللہ کی زندہ جاوید اور لازوال ہستی پر ایمان پیدا نہ کر سکی۔ محض نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرف توجہ دلانے اور انہیں بجا لانے سے اللہ تعالیٰ پر ایمان پیدا نہیں ہو سکتا۔ نمازیں آج بھی پڑھی جاتی ہیں۔ حج بھی کیا جاتا ہے، اور زکوٰۃ بھی دی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ مسلمان معاشرے کی نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی دنیا میں جو اخلاقی اور روحانی حالت ہے۔ وہ محتاج تبصرہ نہیں۔ اپنے ملک میں ہی دیکھ لیجئے۔ رمضان کا مبارک مہینہ ہے، روزہ مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے لیکن مسلمانوں کی ایک فیصد آبادی بھی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پابندی نہیں کر رہی۔ اس لئے کہ حکم دینے والے کی ذات پر یقین اور ایمان ہی نہیں [illegible] کا ایک حاکم اگر ناجائز حکم بھی دے تو کیا مجال جو اس کی فوری تعمیل نہ ہو۔ رمضان کے مہینے میں خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر تاجروں اور دکانداروں نے قیمتوں میں اضافہ کر کے روزہ داروں کے لئے مزید مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ذکر ہم نہیں کرتے۔ آخر یہ فرائضی تحریک اپنے مقصد میں کیوں کامیاب نہ ہوئی۔

تیتو میر کی تحریک انگریزوں اور ہندو زمینداروں کے خلاف تھی۔ یہ ایک معاشی اور اقتصادی تحریک تھی۔ اسے ایسی دینی تحریک کہنا کہ جس نے مسلمانوں کی اخلاقی حالت کو سنوارا کسی طور حقیقت پسندی نہیں۔ کیونکہ ہر تحریک کی کامیابی کا اندازہ اس کے نتائج سے لگایا جاتا ہے۔ اس تحریک کے نتائج یہ گواہی نہیں دیتے کہ یہ ایک مذہبی تحریک تھی۔

انہی تحریکوں میں جناب محمود الحسن صاحب دیوبندی کی ”غدر پارٹی“ کا نام بھی لیا گیا ہے جو اسلامی مزاج کی حامل تھیں۔ لیکن بقول مصنف اس پارٹی میں گاندھی۔ موتی لال نہرو۔ لالہ لاجپت رائے۔ بابو راجندر پرشاد اور مسٹر ہردیال بھی شامل تھے۔ جس پارٹی میں ایسے متعصب ہندو لیڈر بھی شامل ہوں وہ مسلمانوں کو اخلاقی پستی سے نکالنے کے لئے کیا کام سرانجام دے سکتی تھی۔ اور کس طرح اسلامی مزاج کی تحریک کہلائی جا سکتی ہے۔ اس کی تشکیل سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خالص کانگرسی اور سیاسی مزاج کی تحریک تھی۔ تحریکِ خلافت ترکی کی خلافت کو بچانے کے لئے آگے آئی لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ ترکی خلافت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جدید ترکی کی حدود میں محصور ہو کر رہ گئی۔ یہ تحریک بھی مسلمانوں کو اخلاقی پستی سے نکالنے کے لئے نہیں چلائی گئی تھی۔ بلکہ ایک سیاسی تحریک تھی۔ اس کے سیاسی پہلو اور کامیابی یا ناکامی پر ہم کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔

ان تمام تحریکوں کا ذکر کرنے کے بعد مصنف خود ہی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ :-

"مسلح جدوجہد کی جتنی تحریکیں چلائی گئیں وہ سب یکے بعد دیگرے ناکام ہوتی چلی گئیں جس کی صاف طور پر وجہ یہ تھی کہ انگریز اس دور کی سب سے بڑی عسکری طاقت تھے اور ان کا نظام جاسوسی بھی نہایت مکمل تھا۔"

ان الفاظ پر بطور جملہ معترضہ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ اعتراف ہے اس حقیقت کا کہ تلوار کا جہاد کامیابی کا راستہ نہ تھا تو بے جا نہ ہوگا - اور یہی بات آج سے تقریباً ۷۷ سال قبل انہی وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر حضرت مرزا غلام احمدؒ صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم نے فرمائی - تو وہ ان کے خلاف کفر کے فتویٰ کا جواز بن گئی - اور آج تک یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ انگریز کا خود کاشتہ پودا تھا - کتنی عجیب بات ہے کہ آج مسلمان مورخ خود اپنے قلم سے یہ لکھ رہے ہیں کہ تلوار کا جہاد ناکام ہو گیا - حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا :-

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا

۱۸۸۳ء سے آج تک کسی ایسی جنگ کا نام سامنے نہیں آتا جس میں مسلمانوں نے شرکت کی ہو اور انہیں نقصان نہ اٹھانا پڑا ہو۔

سرسید مرحوم اور آپ کے رفقاء کی تحریک علیگڑھ بھی خالصتاً ایک ایک مذہبی تحریک نہ تھی بلکہ اس کے مدنظر بھی مغربی تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی حیثیت واپس دلانا تھا اس لئے علیگڑھ میں ایک کالج کی بنیاد ڈالی گئی - یہی کالج بعد میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی صورت میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک مثالی درسگاہ میں تبدیل ہوا - اور جو مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور شعور پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

سرسید نے اسلام کو ایک جدید لباس پہنانا چاہا جو اسے راس نہ آیا کیونکہ بجائے اس کے کہ جدید علمی نظریات کی جو بظاہر اسلام سے متصادم نظر آتے تھے قرآن میں غوطہ زن ہو کر تشریح کی جاتی اور ان کی حقیقت اسلامی تعلیم کی روشنی میں واضح کی جاتی - اسلام کو جدید مغربی فلسفہ کے مقابل ایک معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کا پابند کر دیا گیا اور اس طرح اس کی آفاقیت پر ایک بھاری زد پڑی۔

اسلام کا اصلی دلچسپ اور خوبصورت چہرہ مادیت کے ظلمتکدوں میں روپوش ہو گیا - اس کی اخلاقی اور روحانی اساس اعتراضات اور تمسخر کا نشانہ بن گئی - وحی اور دعا جو اسلام کے بنیادی نظریات ہیں اپنی حقیقت سے عاری ہو گئے - اگر اخلاقی زوال کسی قوم کی ذلت کا موجب ہے تو اس میدان میں تحریک علی گڑھ نے بھی کوئی نمایاں کارنامہ سرانجام نہیں دیا - بلکہ مذکورہ تحریکات میں سے ایک تحریک بھی ایسی دکھائی نہیں دیتی جس نے مسلمانوں کو اخلاقی اور روحانی اقدار کو اپنے اندر زندہ کرنے کے لئے اس سرچشمۂ ہدایت یعنی قرآن کی طرف بلایا ہو جس سے یہ سوتے پھوٹتے ہیں - اس وقت کے دینی مدرسوں اور درسگاہوں پر نظر ڈالیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دستارِ فضیلت کے حصول میں قرآن کا اتنا ہی حصہ تھا جتنا دریا میں ایک قطرے کا ہو سکتا ہے یا صحرا میں ایک ذرے کا۔

ان کے نصاب اس بات کے گواہ ہیں اور آج بھی یہی حال ہے - جب تک چودہ علوم پر عبور حاصل نہ ہو جائے قرآن کو ہاتھ لگایا نہیں جا سکتا - خدا کہتا ہے کہ "ولقد یسرنا القرآن للذکر" - کہ ہم نے قرآن کو ذکر یا نصیحت کے لئے تمہارے لئے آسان کر دیا ہے لیکن کون اعتبار کرتا ہے کیونکہ خدا کی ہستی پر بھی وہ یقین اور ایمان حاصل نہیں کہ ان الفاظ کو کوئی اہمیت دی جائے۔

یہ ایک مسلمہ اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مادی قوت کا دارومدار تمام تر کسی قوم کی اخلاقی قوت پر ہوتا ہے - اور ارتقائے نسلِ انسانی کی تاریخ میں غیر مبہم الفاظ میں یہ شہادت موجود ہے - ابتدائے نسلِ انسانی یعنی حضرت آدمؑ کی لغزش پر یہی فرمایا گیا ہے کہ تم اپنی لغزش کی وجہ سے حالت امن سے نکل جاؤ اور جب کبھی تمہارے پاس ہماری طرف سے ہدایت آئے تو جو کوئی اس پر عمل کرے گا ان پر کوئی خوف اور حزن نہ ہوگا یعنی حالتِ امن میں آ جائے گا - اخلاقی اقدار کے اپنانے سے معاشرہ میں امن صلح اور آشتی کا دور دورہ ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس راستہ اختیار کرنے سے یہ امن تباہ و برباد ہو جاتا ہے - توریت اور انجیل کی شہادت بھی یہی ہے اور قرآن تو پہلی قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں سے بھرا پڑا ہے اور ان کی تباہی کے راستے سے مسلمانوں کو بار بار متنبہ کیا گیا ہے۔

یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے فرستادوں کے ذریعے آتی رہی ہے - وہ خود اخلاقی اقدار کے سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو کر اپنی اپنی قوم کے سامنے نمونہ پیش کرتے رہے ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے خاتمہ کے بعد یہ فرض آپ ہی ارشاد کے مطابق آپؐ کی امت کے مجددین کے سپرد کیا گیا - اس لئے جو تحریکیں ان کے ذریعے چلیں ان کا مقصد وہی اخلاقی انقلاب پیدا کرنا ہوتا رہا ہے جو آنحضرت صلعم نے پیدا کیا اور جو آپ کی کامل پیروی سے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے

چودھویں صدی میں احیائے اسلام کے لئے جو تحریک اٹھی وہ تحریک احمدیت کے نام سے نہ صرف برصغیر میں بلکہ ساری دنیا میں جانی پہچانی جاتی ہے - اس تحریک کا بنیادی مقصد بھی اس سیاسی اور اخلاقی زوال کے دور میں اخلاقی اقدار کو زندہ کرنا تھا جس کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین پیدا کرنا تھا - اور اس دور میں یہ یقین زمین سے اٹھ کر آسمان پر جا پہنچا تھا - اس کا دوسرا بڑا مقصد اسلامی اصولوں کو اسلام کے مخالف مذاہب کے اصولوں پر غالب کر کے دکھانا تھا - کیونکہ مسلمانوں کی ہمہ جہتی پستی سے فائدہ اٹھا کر یہ سارے مذاہب خاص کر عیسائیت اور ہندومت اس پر شدید حملے کر رہے تھے - چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت مرزا غلام احمدؒ صاحب قادیانی بانیٔ تحریک احمدیت فرماتے ہیں :-

"سو میں تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے .... سچا مذہب کبھی خشک قصہ نہیں بن سکتا - سو اسلام سچا ہے میں ہر ایک کو کیا عیسائی کیا آریہ اور کیا یہودی اور کیا برہمو اس سچائی کے دکھلانے کے لئے بلاتا ہوں کیا کوئی ہے جو زندہ خدا کا طالب ہے .... ہمارا خدا زندہ خدا ہے - وہ ہماری مدد کرتا ہے - وہ اپنے الہام اور کلام اور آسمانی نشانوں سے ہمیں مدد دیتا ہے اگر دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی عیسائی طالب حق ہے تو ہمارے زندہ خدا اور اپنے مردہ خدا کا مقابلہ کر کے دیکھ لے - میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس باہم امتحان کے لئے چالیس دن کافی ہیں۔"

(الاشتہار مستیقناً بوحی اللہ القہار ۱۲ جنوری ۱۸۹۷ء)

اس زندہ خدا پر ایمان پیدا کر کے آپ نے اپنے ماننے والوں میں کونسی اخلاقی اقدار زندہ کیں اس کی مثالیں بے شمار ہیں - قرآن کریم کا حکم ہے :-

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کی پوری حفاظت کرنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو گو تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو اور وہ امیر ہو یا غریب تو اللہ کا دونوں پر زیادہ حق ہے - سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ عدل کر سکو"

(النساء : ۱۳۵)

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق سب سے پہلے ہم حضرت مرزا صاحب کی اپنے خلاف گواہی کو لیتے ہیں۔ آپ کے دعوے مجددیت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ آپ نے اخبار کو طباعت کے لئے بھیجنے کے لئے اپنے ایک مضمون کے پیکٹ میں ایک خط بھی ساتھ رکھ دیا۔ مطبع کا مالک عیسائی تھا اور مضمون میں دوسرے مذاہب کا رد تھا۔ اس سے برافروختہ ہو کر اس عیسائی نے جس کا نام رلیا رام تھا، رپورٹ کر دی۔

پیکٹ میں خط رکھنا خلافِ قانون تھا۔ مقدمہ چلا۔ آپ نے دکیلوں کے مشورہ کے خلاف صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے ہوئے اپنے خلاف یہ گواہی دے دی کہ خط میرا ہے۔ اس کی سزا چھ ماہ قید یا پانچسو روپیہ جرمانہ تھی۔ لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اور قرآن کریم کے حکم کو مقدم رکھتے ہوئے نتیجہ سے بے نیاز ہو کر اپنے خلاف سچی شہادت دے دی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بری کر دیا۔

اپنے بیٹے سلطان احمد نے ایک ہندو کے خلاف مقدمہ میں ہندو کے حق میں گواہی دی۔ اس میں آپ کو بھی اور آپ کے بیٹے کو بھی جائداد کا نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر راستبازی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ سکھوں کے ساتھ زمین کے ایک مقدمہ میں آپ نے سکھوں کے حق میں گواہی دی۔

جب پیر کا یہ حال ہو تو مرید کیسے پیچھے رہتے۔ ان مریدوں میں سے بعض صاحب حیثیت بزرگوں نے قتل اور لڑائی جھگڑوں کے مقدمات میں اپنے بیٹے اور بھائی کے خلاف گواہی دی۔ مجسٹریٹ ان واقعات سے ایسے متاثر ہوئے کہ انہوں نے ملزموں کو رہا کر دیا۔

کیا اس صدی میں کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے جس میں کسی بڑے سے بڑے سیاسی یا مذہبی رہنما نے اپنی ذات۔ اپنے بیٹے۔ اپنے بھائی یا اپنے باپ کے خلاف گواہی دی ہو؟ ہمیں تو ہر طرف جھوٹ۔ مکر۔ فریب اور دھوکا ہی دھوکا نظر آتا ہے۔ اپنے خلاف تو کوئی کیا گواہی دے گا۔ چند ٹکوں کی خاطر لوگ دوسروں کے حق میں جھوٹی شہادت پیش کر دیتے ہیں۔

آج کل تو یہ فلسفہ پیش کیا جا رہا ہے کہ مصلحت کی خاطر جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔ یہ کس قدر خلافِ قرآن ہے۔ مذہبی تحریک صرف وہی ہوتی ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے اپنے ایک منتخب بندے کے ذریعے رکھتا ہے۔ ایسی ہی تحریک انسانوں میں اخلاقی اور روحانی اقدار زندہ کر سکتی ہے جو اس کی مادی طاقت اور قوت کی ضامن ہوتی ہے۔ لیکن ایسی تحریکوں کا مقصد نہ حکومت اور اقتدار حاصل کرنا ہوتا اور نہ کسی قسم کا سیاسی غلبہ۔ وہ مردہ دلوں کو زندہ کر کے ان پر حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے پیدا کی جاتی ہیں۔ دُنیا کی مخالفت کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے زیرِ سایہ پھلتی پھولتی ہیں اور ایک دن آ جاتا ہے کہ لوگ ان کی حقیقت اور صداقت کے سامنے ہتھیار ڈال کر انہیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

آج جن اولیاء اللہ اور بزرگوں کے مزاروں پر میلوں بعد عرس منعقد ہوتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کے مزاروں کے دروازوں پر سونے اور چاندی کی تہیں جمائی جاتی ہیں۔ انہیں گلاب کے عرق سے غسل دیا جاتا ہے اور ضعیف الاعتقاد مرید اور خواص و عوام ان مزاروں کے سامنے اسی طرح سجدہ ریز ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونا چاہیئے۔ انہیں اپنے زمانہ میں جس سلوک اور مشکلات کا سامنا ہوا، وہ ناقابلِ بیان ہے۔ بہت ہی قلیل تعداد نے اپنے زمانے میں انہیں وہ مقام دیا جو آج دیا جا رہا ہے حالانکہ یہ شرک ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی تحریک کا بھی یہی حال ہوا۔ آج تک اس کی مخالفت ختم ہونے میں نہیں آتی لیکن ابھی کچھ زور آور حملے آنے والے ہیں جو خود بخود ان کی اور ان کی تحریک کی عظمت اور افادیت کو دُنیا سے منوا لیں گے۔

اگر قوموں کے مادی، عروج و زوال کا دار و مدار اخلاقی اقدار پر ہے تو ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی پستی کا سبب ان اقدار کا فقدان تھا۔ ان اقدار کو اگر کسی تحریک نے زندہ کیا تو وہ تحریکِ احمدیت ہے۔ اگر مسلمان پھر مادی قوت اور عروج کے متمنی ہیں انہیں مجبوراً ان اقدار کو اپنانا ہوگا جو تحریکِ احمدیت آج تقریباً ایک سو سال سے پیش کر رہی ہے۔ وہ اس تحریک میں شامل ہونا پسند کریں یا نہ کریں۔ یقیناً راستہ یہی ہے جسے انہیں اختیار کرنا ہوگا۔ کوئی مؤرخ چاہے کتنا ہی اس تحریک کو نظر انداز کرے زمانہ خود اس کا لوہا منوا لیگا۔

یوم مولانا محمد علیؒ

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے مقامی جماعت احمدیہ لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء بروز ہفتہ بوقت ۴ بجے تا ۶ بجے شام جامع احمدیہ دارالسلام میں ایک خصوصی نشست کا اہتمام کر رہی ہے جس کی صدارت محترم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب فرمائیں گے۔

جملہ احباب و خواتین سے استدعا ہے کہ اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ اس ایمان افروز اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں اور اس طرح اپنے محبوب امیر مرحوم کو شایانِ شان ہدیۂ عقیدت پیش کریں۔ ممکن ہو تو اپنے غیر احمدی احباب کو بھی ہمراہ لائیں۔

اجلاس کے اختتام پر حاضرینِ مجلس کی تواضع پُرتکلف چائے سے کی جائے گی۔

والسلام

نائب صدر۔ مقامی جماعت احمدیہ۔ لاہور

افکار و اخبار

لو بسط الله الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض۔ (۴۲:۲۸)

دولت کی ریل پیل۔

غیر قومیں اپنی ایجادات اور علوم و فنون میں بام عروج تک پہنچ رہی ہیں اور وہ ایسی ایسی حیرت انگیز مصنوعات بازار میں لا رہی ہیں کہ باوجود اختلاف عقیدہ کے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی وہ بنی نوع انسان کی بڑی خدمت کر رہی ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں دین متین کے ماننے والے جن کو تعلیم ہی یہ دی گئی تھی و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کہ تم نے نافع ترین وجود بنی نوع انسان کے لئے بن کر زندگی گذارنی ہے۔ وہ کیا کر رہے ہیں۔ مطالعہ فرمائیں! اور دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہماری قوم کو ہدایت عطا فرمائے۔

"کراچی۔ ۳۰ر جولائی۔ سعودی عرب میں دولت کی ریل پیل سے دولت کے ضیاع کا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ جدہ سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار 'عرب نیوز' میں حال ہی میں ایک خبر چھپی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بلی کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی جس پر ایک لاکھ سعودی ریال خرچ کئے گئے۔ اخباری اطلاع کے مطابق اس بلی کے مالک نے ایک محل پر ایک شاندار ضیافت کا سامان کیا۔ مالک نے اپنی پیاری بلی کے لئے ایک ایسے بلے کو منتخب کیا جو بقول اس کے کئی روز سے اس کے گھر آتا جاتا تھا اور دور سے بلی کو گھور گھور کر دیکھا کرتا تھا۔ بلی کے مالک نے اس تقریب میں اپنے ایک رشتہ داروں پڑوسیوں اور دوستوں کو دعوت دی۔ بعد ازاں اس شادی شدہ جوڑے کو ساحل پر واقع ایک بنگلے میں لے جایا گیا اور ایک سجے ہوئے کمرہ میں ان کے ہنی مون کا انتظام کیا گیا۔"

(روزنامہ امروز لاہور۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۷۹ء آخری صفحہ)

مجھے اس خبر کے پڑھنے سے بڑا افسوس ہوا۔ لیکن مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی۔ کہ آخری زمانہ میں فرات سے سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا۔ لوگوں کو اس سونے سے فائدہ اٹھانے سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا (شاید یہی وجہ ہو کہ یہ لوگ اخلاق باختہ ہو جائیں گے۔ (مسلم۔ کتاب الفتن)

کھلے عام ساقی گری و میخواری

جماعت اسلامی کے مشہور کارکن۔ اور "ترجمان القرآن" کے ایڈیٹر جناب نعیم صدیقی امریکہ سے واپس آ رہے تھے۔ ان کو یہ سفر نیویارک سے جدہ تک "ایئر مراک" یعنی مراکش (اسلامی ملک) کی فضائی سروس پر کرنا پڑا۔ نعیم صدیقی صاحب اپنے اس سفر کے حالات یوں لکھتے ہیں۔ یہ پاکستانی حکمرانوں و علماء کے لئے اس میں سبق ہے کہ پہلے یعلمھم الکتاب و یزکیھم کا سبق خود۔ یاد کریں۔ عمل کریں۔ نمونہ دکھائیں۔ پھر محبت سے دوسروں کو تلقین کریں۔ ان کی روکیں اور مشکلات دور کریں۔ پھر نظام اسلام کو نافذ کریں۔ ورنہ جو نقشہ ۱۲ر ربیع الاول کے بعد سے نظر آ رہا ہے۔ اس کو دیکھ کر ہول آ رہا ہے کہ کیا بنے گا۔

خدا تعالےٰ اپنے فضل سے ہم کو اپنی اصلاح کرنے کی توفیق دے اور دوسروں کے دیکھنے سے محفوظ رکھے۔ اب آپ خبر ملاحظہ فرمائیں:۔

"ائیر مراک میں کھلے عام (یہ گذشتہ ماہ کا واقعہ ہے لمبا عرصہ نہیں گذرا۔ ناقل) شراب تقسیم ہوتی رہی۔ اور پینے والے پیتے رہے اور اکا دکا پینے والے سوتے رہے۔ میں پینے پر بھی تیار نہ تھا اور اس حال میں نیند بھی اچاٹ ہوگئی۔ لہٰذا وضو کیا اور نماز پڑھنے کی طرف متوجہ ہوا۔ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے کچھ جسم کو جھکایا کچھ روح کو جھکایا۔ پاس کے "مراکی" یا "مراقی" (مراکش کے شہری) شراب کی چسکیاں لیتے رہے۔ سوچتا رہا کہ یا تو میں ٹیڑھا مسلمان ہوں اور یا یہ لوگ۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہم سب ایک ہی ملت ہیں۔ تو ہم سب کے کردار اور اعمال مل جل کر ہی تو اثرات و نتائج دکھا رہے ہیں۔ مسلمان قوم کے جہاز، مسلمان کارندے، مسلمان مسافر (بیشتر) اور پھر یہ ساقی گری اور میخواری! اپنی نفی کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے! ہم نے اپنے پورے دینی و تہذیبی وجود پر خط تنسیخ ہی کھینچ دیا ہے (حالات تو یہی بتا رہے ہیں۔ ناقل) بلکہ خط نستعلیق بھی۔"

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ یکم اگست ۱۹۷۹ء)

قرآن مجید نے تو یہ مسلمان کو تعلیم دی تھی رجس من عمل الشیطن۔ اسے ناپاک اور شیطانی کام فرمایا تھا۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا تھا فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ اس (شراب) سے کلی طور پر اجتناب کرنا۔ اور اگر تم نے اس سے من حیث القوم اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھا تو ناکام رہو گے اور اسے ام الخبائث قرار دیا اور روحانی و مادی طور پر کامیابی کا راز اس سے بچے رہنے میں فرمایا۔ بغل میں چھری منہ میں رام رام — (اعتراف کیا ہے تاکہ عبرت پکڑیں) منہ سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عمل سے اس کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اے ارحم الراحمین! مسلمانوں پر رحم فرما! اور ان کو توفیق دے کہ وہ بھولا ہوا سبق یاد کریں۔ ورنہ شفا حفرۃ من النار میں کہیں بدقسمتی سے اوندھے منہ نہ گر جائیں۔

اعاذنا اللہ من کل شرور

"سرمایۂ افتخار"

ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو یہ بتایا جائے۔ اوّل اللہ تعالےٰ واقعی علیم بذات الصدور ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یوم آخرت برحق ہے۔ اور ہر انسان کو اپنے دنیاوی اعمال کا حساب چکانا پڑے گا۔ اور ایک رائی کے برابر بھی عمل مخفی نہیں رہے گا۔ ٹیپ ریکارڈ کی طرح ہر عضو اپنے ذریعہ سے سرزد افعال پیش کر دے گا۔ اور دوسری طرف مسلمانوں پر یہ ارشاد فرما کر اتمام حجت فرما دی کہ تم کو اپنا جانشین زمین میں مقرر کیا گیا ہے۔ اور پھر فرمایا لننظر کیف تعملون۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔

اب ایک خبر ملاحظہ فرمائیے گا۔ عنوان ہے: "لندن کے اسرار و رموز سے مکمل آگاہی ایک مشکل کام ہے۔ خبر کیا ہے:۔

"پاکستانیوں کو لندن سے دلچسپی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ اس شہر سے باہر لے جائیں۔ اور عربوں کا سرمایۂ افتخار یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لندن کے ہسپتالوں اور ہوٹلوں میں لٹا دیں ہر کسے را بہر کارے ساختند! لندن کو لوٹنے کے بجائے

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

حضرت مسیح موعودؑ کا جذبِ رُوحانی

ایک مخالف عالمِ دین کو مصافحہ کرتے ہی اپنا مطیع و عاشقِ زار بنا لیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں کئی ایسے واقعات دیکھنے میں آئے جن سے آپ کی زبردست قوتِ مقناطیسی اور جذبِ رُوحانی کا ثبوت ملتا ہے۔ کئی ایسے لوگ آپ کی خدمت میں جو دشمنی وعناد کے جذبات سے اندھے ہو کر آپ کو مورد گزند و ایذا بنانا چاہتے تھے، لیکن آپ کی صحبت میں بیٹھتے ہی ایسے رام ہوئے کہ آپ کے غُلام ہو کر رہ گئے۔ کئی لوگ طرح طرح کے اعتراضات اور شکوک و شبہات دل میں لے کر پہنچے اور آپ کی ایک ہی تقریر نے ان کے دلوں کو صاف کر دیا۔ کئی لوگ اپنی فاسقانہ اور فاجرانہ زندگیوں سے آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئے کہ "چوروں قطب بنایا" کا عملی مشاہدہ دنیا نے کیا۔ آپ کی اس مقناطیسی قوت اور جذبِ رُوحانی کا ایک مشاہدہ لدھیانہ میں ہوا۔ جب ایک مخالف عالمِ دین آپ کی تردید میں وعظ کرتے کرتے محض مصافحہ سے ہی آپ کے مطیع و منقاد اور عاشقِ زار بن گئے۔ اس واقعہ کو حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف مجدد اعظم میں بالفاظ ذیل قلمبند کیا ہے۔
(ادارہ)

لدھیانہ میں مخالفتوں کے ہجوم میں اتفاق سے مولانا غلام نبی صاحب جو خوشاب کے رہنے والے تھے لدھیانہ تشریف لائے۔ یہ صاحب بہت بڑے عالم اور صرف و نحو میں بہت عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے لدھیانہ پہنچتے ہی حضرت اقدسؑ کی مخالفت میں جابجا شہر میں وعظ کرنا شروع کر دیا۔ ان کے علم و فضل کی شہر میں دھوم مچ گئی۔ اور لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور ہر محلہ میں ان کی تقریریں کرانی شروع کر دیں۔ انہوں نے بھی حضرت اقدسؑ کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اور آیتوں پر آیتیں اور حدیثوں پر حدیثیں پڑھ پڑھ کر ان سے بزعم خود حیاتِ مسیح پر استدلال کرتے رہے۔

ایک روز اسی محلہ میں حضرت اقدس تشریف فرما تھے۔ مولوی صاحب کا وعظ تھا۔ ہزاروں آدمی جمع تھے اور اس وعظ میں جتنا علم تھا سب ختم کر دیا اور لوگوں کے تحسین و آفرین کے نعروں سے سارا محلہ پڑا گونج رہا تھا، اور مرحبا اور صلِ علیٰ کے شور سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔

اس وعظ میں لدھیانہ کے تمام مولوی موجود تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حسن اور مولوی شاہ دین اور مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد اور مولوی عبداللہ اور دو چار اور مولوی جو بیرونجات سے مولوی غلام نبی کی شہرت اور علمی لیاقت اور خداداد قابلیت کا شہرہ سن کر آئے ہوئے تھے حاضر تھے۔ کیونکہ یہ خاص وعظ تھا۔

پیر سراج الحق نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ یہ سب نعرے اور شور مرحبا ہمارے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ اور مردانہ مکان میں ہم چار پانچ آدمی سن رہے تھے۔ دل اندر سے کڑھتا تھا مگر کچھ بس نہ چلتا تھا۔ حضرت اقدس زنانہ میں تھے اور کتاب ازالہ اوہام کا مسودہ تیار کر رہے تھے۔ مولوی غلام نبی صاحب وعظ کہہ کر اور پوری مخالفت کا زور لگا کر چلے اور ساتھ ساتھ تمام مولوی صاحبان اور ایک جم غفیر لوگوں کا تھا۔ اور ادھر حضرت صاحب زنانہ مکان سے مردانہ مکان میں جانے کے لئے باہر نکلے تو مولوی غلام نبی صاحب سے مُٹھ بھیڑ ہو گئی۔

خود حضرت صاحب نے السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کیا۔ خدا جانے اس مصافحہ میں کیا مقناطیسی قوت تھی اور کیسی برقی طاقت اور کیا روحانی کشش تھی کہ آپ سے ہاتھ ملاتے ہی مولوی صاحب ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ بغیر کسی چون و چرا کے سیدھے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے حضرت اقدس کے ساتھ مردانہ مکان میں چلے آئے اور حضرت کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ اور باہر مولوی لوگ اور حاضرین وعظ حیرت میں کھڑے رہ گئے۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

کسی نے کہا کہ مولوی صاحب نے بڑی حماقت کی جو مرزا صاحب کے ساتھ چلے گئے۔ کسی نے کہا کہ مرزا جادوگر ہے خبر نہیں کیا جادو کر دیا۔ کسی نے کہا کہ مرزا کا بڑا رعب ہے۔ مولوی صاحب رُعب میں آ گئے۔ کسی نے کہا کہ مرزا بڑے پیسے دینے والا ہے اور مولوی لوگ لالچی ہوتے ہیں۔ مرزا نے کچھ لالچ دے دیا ہوگا۔ کسی نے کہا مرزا نے جو اتنا بڑا دعویٰ کیا ہے مرزا خالی نہیں ہے۔ کیا یہ دعوے کسی ایسے ویسے کا ہے۔ اس پر مولوی لوگ بہت بگڑے۔ ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب مرزا کو خبر لینے گئے ہیں۔ دیکھنا تو سہی مرزا کی کیا گت بنتی ہے۔ مولوی صاحب مرزا سے علم میں کم نہیں ہیں۔ طامع نہیں ہیں صاحب روزگار ہیں۔ بڑے علم و فضل والے ہیں۔ دیکھنا مرزا کو نیچا دکھا کے آئیں گے۔

غرضیکہ یہاں باہر تو جتنے منہ اتنی باتیں تھیں اور اندر یہ عالم تھا کہ مولوی غلام نبی صاحب حضرت اقدس کے سامنے چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھا تو یہ پوچھا کہ حضرت آپ نے وفاتِ مسیح کا مسئلہ کہاں سے لیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ "قرآن شریف سے۔ حدیث شریف سے اور علماء ربانیین کے اقوال سے"۔

مولوی صاحب بولے کوئی آیت قرآن شریف میں وفاتِ مسیح کے بارے میں ہو تو بتلایئے۔ حضرت صاحب نے قرآن شریف دو جگہ سے کھول کر اور کاغذ کا نشان رکھ کر مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیا۔ ایک مقام تو سورۃ آل عمران یعنی تیسرے پارے کے تیسرے پاؤ میں سے تھا جہاں یہ آیت تھی یا عیسٰی انی متوفیک۔ . . . . اور دوسری جگہ سورۃ مائدہ کا آخری رکوع تھا جہاں فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم تھا۔

مولوی صاحب دونوں مقاموں کی دونوں آیتیں دیکھ کر حیران ہو گئے۔ لیکن معًا بولے کہ یوفی اجورھم بھی تو قرآن شریف میں ہے۔ اس کے کیا معنے ہوں گے؟

حضرت صاحب نے فرمایا کہ "ان آیتوں میں جو ہم نے پیش کی ہیں توفی باب تفعل سے ہے جس کے معنی جب خدا فاعل ہو اور ذی روح مفعول ہو تو سوائے قبض روح کے کچھ اور ہوتے ہی نہیں۔ اور جو آیت آپ نے پیش کی ہے وہاں باب تفعیل ہے یعنے اس کا مصدر توفیہ ہے جس کے معنی ہیں پورا پورا دینا۔ پس دونوں جگہ باب الگ الگ ہیں۔ آپ تو بڑے صرفی نحوی ہیں اس پر غور فرماویں"

مولوی صاحب تو گہری سوچ میں غرق ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور کہا کہ معاف فرمایئے میری غلطی تھی جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہی

صحیح ہے۔ "قرآن مجید آپ کے ساتھ ہے"۔
حضرت اقدس نے فرمایا "جب قرآن مجید ہمارے ساتھ ہے۔ تو آپ کس کے ساتھ ہیں"۔ مولوی صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ رو پڑے اور عرض کیا کہ "یہ گنہگار آپ کے ساتھ ہے"۔ اس کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

الغرض اندر تو مولوی صاحب پر یہ حالت طاری تھی اور باہر ہزاروں لوگ جو کھڑے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ آج مرزا قابو آیا۔ آج مولانا اس کو توبہ کرا کے چھوڑیں گے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو لوگوں نے فریاد شروع کی اور لگے آوازیں دینے کہ مولانا باہر تشریف لایئے۔ پہلے تو مولوی صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب بہت شور مچا تو مولوی صاحب نے کہلا بھیجا کہ تم جاؤ میں نے حق دیکھ لیا اور حق پا لیا۔ تم بھی اگر چاہو تو آ جاؤ اور میرے ساتھ تائب ہو کر خدا کے سامنے سرخرو ہو جاؤ۔ اور اس امام کو مان لو۔ میں اس امام صادق سے کس طرح الگ ہو سکتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موعود ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام بھیجا۔ چنانچہ وہ حدیث شریف یہ ہے:۔

"من ادرک منکم عیسٰے ابن مریم فلیقرؤا منی السلام۔"

پھر مولوی صاحب حضرت اقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس حدیث کو پڑھ کر عرض کیا کہ میں اس وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو سلام علیک کہتا ہوں۔

حضرت اقدس نے اس وقت ایک عجیب لہجہ اور عجیب آواز سے وعلیکم السلام کہا کہ دل سننے کی تاب نہ لائے۔ اور مولوی مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ اس وقت حضرت اقدس کے چہرہ مبارک کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ اور حاضرین مجلس میں ایک سرور کا عالم تھا۔

پھر مولوی صاحب نے بیرونِ در جو لوگ کھڑے تھے ان کو پیغام بھیجا کہ مسیح ابن مریم موسوی مر گئے اور آنے والا آ گیا۔ تم یا تو چلے جاؤ اور یا اندر آ جاؤ اور میری طرح تم بھی ان کے قدموں میں گر و۔ جب یہ پیغام باہر پہنچا تو کیا مولوی اور عام سب نے کافر کافر کا شور مچا دیا۔ اور گالیوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ اور سب لوگ برا بھلا کہتے ہوئے منتشر ہو گئے کہ مرزا جادوگر ہے۔ ان کی چوٹ بن گئی۔

مولوی صاحبان شرم کے مارے گردن نیچی کئے ہوئے کہتے چلے گئے کہ غلام نبی جاہل تھا اسے سمجھ ہی کیا تھی۔ کبھی ہم سے مرزا کو واسطہ پڑے تو آٹے دال کا بھاؤ یاد آ جائے گا۔ اس کے بعد مولویوں نے پہلے تو مولوی غلام نبی صاحب کو پھسلانا چاہا اور کہلا بھیجا کہ ہماری دو باتیں تو سن جاؤ۔ مگر مولوی صاحب نے توجہ نہ کی۔ جب یوں کام نہ چلا تو مباحثہ کی دعوت دیدی۔ مولوی غلام نبی صاحب نے فوراً منظور کر لی۔ مگر باتیں ہی باتیں تھیں۔ مباحثہ کے لئے سامنے کوئی نہ آیا۔ تب مولوی غلام نبی صاحب نے ایک اشتہار مباحثہ کے لئے دے دیا کہ جسے علم کا دعوےٰ ہو وہ مجھ سے مباحثہ کر لے۔ مگر کوئی مولوی باہر نہ نکلا۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے اشتہار دیا کہ جو شخص حضرت عیسٰی کی حیات کی تائید میں قرآن شریف کی آیت صریح پیش کرے گا تو فی آیت اور فی حدیث دس روپے انعام دیئے جائیں گے اور روپے پہلے بنک میں جمع کرا دیئے جائیں گے۔ اس اشتہار کو پڑھ کر بھی کسی نے دم نہ مارا۔ مولوی غلام نبی صاحب تو بس حضرت اقدس کے ہی ہو رہے۔ ایک عشقیہ رنگ پیدا ہو گیا۔ اور ان کا ایسا بحر کھلا کہ کوئی مولوی یا شخص آتا تو اس سے بات کرنے اور مباحثہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے۔ اور حضرت کا ہی چہرہ دیکھتے رہتے۔ اور خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے۔ اور حضور کا کلام سننے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ •

حضرت صاحب جب اندر زنانخانہ میں جاتے تو مولوی صاحب بیقرار ہو جاتے اور روتے اور بار بار استغفار کرتے کہ اتنے روز جو میری طرف سے مخالفت ہوئی اور میری زبان سے گستاخانہ کلمات نکلے اس کا میں خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ حضرت صاحب باہر تشریف لاتے تو مولوی صاحب کو چین پڑتا۔

مولوی صاحب کہیں ملازم تھے۔ وہاں سے خط آیا کہ جلد آؤ ورنہ نام کٹ جائے گا۔ مولوی صاحب نے ملازمت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور کہا کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی بیعت کی ہے مجھے ملازمت کی کچھ پرواہ نہیں۔ میں حضرت امام کی صحبت کو غنیمت سمجھتا ہوں۔

حضرت اقدس کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ خود ملازمت کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ اس میں اللہ تعالےٰ کی ناشکری ہے۔ ہاں خود بخود ہی اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت سے علیحدہ کر دے تو بات دوسری ہے۔ اس وقت ضرور ملازمت پر چلا جانا چاہیئے۔ پھر رخصت لے کر آ جانا۔ یا اللہ تعالےٰ کوئی اور راہ نکال دے گا۔

حضرت صاحب کے ارشاد پر مولوی صاحب طوعاً و کرہاً چلنے پر راضی ہو گئے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

"مولوی صاحب کا دل جانے کو نہیں چاہتا۔ دیکھو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے یہ معنی ہیں"۔

خیر مولوی صاحب چل دیئے۔ کچھ دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب مسکراتے ہوئے خوش خوش بغل میں گٹھڑی دبائے ہوئے چلے آ رہے ہیں سب حیران ہو گئے اور حضرت اقدس بھی ہنسنے لگے۔

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ میں اسٹیشن پر پہنچا تو ریل گاڑی نکل چکی تھی تو لوگوں نے کہا کہ اسٹیشن پر ٹھہر جاؤ دوسرے وقت چلے جانا۔ میں نے کہا جتنی دیر یہاں وقت گذاروں گا میں کیوں نہ حضرت اقدس کی خدمت میں گذار دوں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ جزاک اللہ۔ بہت اچھا خیال ہے۔ اللہ تعالےٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس میں کچھ حکمت الٰہی ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاک آئی اس میں مولوی صاحب کے نام کا خط تھا کہ اوّل تو ملازمت پر حاضر ہو جاؤ اور اگر کسی وجہ سے نہ آ سکو تو رخصت کے لئے درخواست بھیجدو۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھو ریل کے نہ ملنے میں یہ حکمت تھی اب رخصت کی درخواست بھیجدو۔ مولوی صاحب نے درخواست بھیجدی اور رخصت منظور ہو کر آ گئی۔ اس طرح مولوی صاحب کو بہت روز حضرت کی خدمت میں رہ کر فیض صحبت حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا؎

گناہوں کی ظاہری صورت اور ان کی باطنی حقیقت

موجودہ علم طب نے ثابت کر دیا ہے کہ بسیار خوری اور کم حرکتی بعض مہلک امراض کو جنم دیتی اور کم عمری کا باعث ہے
غذاؤں میں سادگی اور کم خوری صحت و توانائی کے لئے مفید عادات ہیں۔

خطبہ جمعہ ۔ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۷۹ء ۔ فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ۔ جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔ (سورۃ بقرہ ۔ ۱۸۴)

روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے ۔ اگر تم جان لو تو ۔

وذروا ظاھر الاثم وباطنہ ط ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون (الانعام ۱۲۰)

اور کھلے اور چھپے گناہ چھوڑ دو ۔ جو لوگ گناہ کماتے ہیں ان کو ضرور اس کے موافق بدلہ دیا جائے گا، جو وہ کماتے ہیں ۔

(مرتبہ مولوی شفقت رسول خان)

گناہ دو قسم کے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی ۔ یا یوں کہ ہر گناہ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ۔ کسی گناہ کو کر گذرنا گناہ کا ظاہر ہے ۔ اور گناہ کا خیال دل میں لانا اس کا باطن ہے ۔ مثلاً یہ خیال کرنا کہ کسی کو نقصان پہنچایا جائے یا کسی کا مال لیا جائے اس گناہ کی تحریک یا اس کا باطن ہے ۔ اور فی الواقع کسی کا مال لے لینا اور اس کو نقصان پہنچا دینا اس گناہ کا ظاہر ہے ۔ انبیاء کرام دو قسم کے احکامات کے حامل نظر آتے ہیں ۔ ایک وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے مانند جو کہ آنکھ کے بدلے آنکھ ۔ ناک کے بدلے ناک اور زخم کے بدلے زخم یعنی ظاہری پاداش جرم کے احکام کے حامل تھے ۔ ظاہر شریعت کے احکام نافذ کرنے والے تھے اور دوسری قسم کے انبیاء کا زور اس بات پر تھا کہ باطن سے ہی گناہ کے خیال یا جڑ کو دور کیا جائے ۔

چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص بدی کا خیال بھی دل میں لایا تو گویا اس نے وہ گناہ کر ہی لیا ۔ یہودی شریعت میں زنا کرنے والے کی سزا سنگساری ہے ۔ لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عورت کو بدنظری سے دیکھا تو اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ظاہری اعمال کی سزا تجویز فرمائی لیکن حضرت عیسےٰ نے بدی کے خیال کو مٹانے کی تعلیم دی ۔

چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے بھائی کو قتل مت کرو مگر میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اپنے بھائی کے ساتھ غصے ہوگا اور جلدی اس کے ساتھ صلح نہ کریگا تو اس نے گناہ کیا ۔

پھر آپ نے تعلیم دی کہ جو تمہارا کوٹ اتار لے اس کو چادر بھی دے دو ۔ اگر ایک گال پر تھپڑ مارے دوسرا بھی اس کے سامنے کر دو ۔ لیکن یہود میں عفو و درگذر کا خانہ بالکل خالی رہ گیا تھا ۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے قبل عام مسلمان و علماء صرف ظاہری اعمال کی طرف زور دیتے رہے لیکن آج ان کے اندر بھی اعمال کی روح کا خیال پیدا ہو رہا ہے ۔ چنانچہ روزنامہ مشرق اخبار ۲۸ جولائی ۱۹۷۹ء میں بعنوان ذیل "رمضان المبارک میں روح کی بالیدگی کا اہتمام کیجئے" ۔ ایک خیال افروز مضمون شائع ہوا ہے ۔ جس کا درج ذیل اقتباس قارئین کی توجہ کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ کس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے خیال کی تائید ہو رہی ہے کہ ہر عمل کی ایک روح ہے اور وہی مقصود بالذات ہے ۔ چنانچہ مضمون نگار لکھتا ہے :۔

"یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ ہمدردی اور بھائی چارہ کا مہینہ ہے .... روزہ کے دو اجزاء یعنی کھانے پینے سے احتراز اور رات کو قیام کا ذکر فرما کر اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ رمضان المبارک کا پروگرام دراصل اشرف المخلوقات کی روحانی ترقی اور ترفع الی اللہ کے لئے ہے ۔ ہمارا یہ خاکی وجود مٹی سے بنا ہے اور اس کی پرواز بھی سفلی جذبات کی طرف ہے لیکن اس میں جو ایک روح پھونک دی گئی ہے وہ روح ربانی کی طرف سے ہے اور اس کی پرواز خدا تعالےٰ کی طرف ہے آپ اس ڈبل پروگرام کے ذریعے جس میں دن کو اس جسم کو مادی غذا سے محروم رکھا جاتا ہے تاکہ اس کی گرفت اس روح پر کمزور ہو اور رات کو کلام ربانی سے تبتل الی اللہ کا انتظام کیا جاتا ہے ......

.... آپ نے فرمایا ہے کہ یہ صبر کا مہینہ ہے اور عربی میں صبر کے معنے اپنے نصب العین کی جد و جہد میں صبر و استقلال سے جمے رہنا اور جو مشکلات و موانع پیش آئیں ان پر ثابت قدمی سے قابو پانا ہے اور اس راہ پر چلنے والوں کے لئے جنت کا بدلہ ہے

.... آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمدردی اور بھائی چارے کا مہینہ ہے ۔ کاش ہم اس اسوۂ حسنہ پر عمل کریں اور آج کل جو ایک دوسرے کے خلاف فضا قائم ہے اس ماہ اس کو دور کرنے کی کوشش کریں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح وضاحت سے فرمایا ہے کہ یہ دراصل کسی کام کی روح ہے ۔ جو ثواب کا باعث ہے نہ کہ ظاہری مال و منال ، غریب آدمی کے دل میں اگر اپنے بھائی کے لئے جذبہ ہے اور وہ کسی کو خالی پانی سے بھی افطار کرائے تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا ۔"

(روزنامہ مشرق ۔ ہفتہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ ۲۸ جولائی ۱۹۷۹ء)

تو ان ارکان کا مقصد صرف ظاہری شرعی قوانین پر ہی بس نہیں بلکہ وہ انسان کی روح پر منتج ہوتے ہیں اور وہ خدا کی اطاعت اور مخلوق کی ہمدردی ہے ۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ روزہ سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ روزہ تمہارے اپنے تزکیہ نفس کے لئے ہے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ جس نے جھوٹ نہ چھوڑا خدا کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ طعام و شرب سے دور رہے محض بھوکا پیاسا رہنا روزہ کی غرض نہیں ہے ۔ روزہ تو وہ ڈھال ہے جو شہوانی جذبات سے محفوظ رکھتا ہے ۔ اگر وہ جذبات درست نہ ہوئے تو یہ سب تکالیف رائیگاں ہوں گی ۔

اسی طرح جہاد بھی صرف خدا کی راہ میں محض جان دینے کا نام نہیں ۔ بلکہ وہ جذبہ ہے جس کے ماتحت اپنی دینی محبت کا اظہار اور دین کی مدافعت کرنا مقصود ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ سے واپسی پر فرمایا تھا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر ۔ یعنی مجاہدہ نفس اور

تزکیہ نفس کفار کے مقابل صف آراء ہونے کی بہ نسبت سب سے بڑا جہاد ہے۔ امراء طبقہ روزہ کو FAST نہیں جانتے بلکہ FEAST بنا کر رکھ دیتے ہیں یعنی سحری اور افطاری کے وقتوں میں اکل و شرب پر خوب زور دیتے ہیں یہاں تک کہ غیر مسلم یہ نظارہ دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ تو ضیافتوں کا ماہ ہے۔ حالانکہ روزہ نفسانی صحت کے لئے بڑا ضروری اور اہم ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ان تصوموا خیر لکم۔ روزہ رکھنے میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔ دنیا کا مال و متاع و لذائذ محض دھوکہ ہیں جیسے لذت کام و دہن بھی دراصل دھوکہ ہے اس لئے حکم ہوا روزہ رکھو تاکہ تم صحت حاصل کر سکو۔

بسیار خوری اور لذیذ ترین غذائیں اعضائے رئیسہ کی مہلک بیماریوں کا باعث ہیں

اس زمانہ میں علم طب میں بھی بڑی ترقی ہوئی ہے چنانچہ اس سے ثابت ہوا ہے کہ تہذیب نو کے باعث بعض امراض پہلے کی بہ نسبت زیادہ عام ہو گئی ہیں۔ ان میں دو تین سر فہرست ہیں۔ دل کا فیل ہونا، ذیابیطس، خون کے دباؤ میں زیادتی، بے خوابی، وغیرہ، ان تمام امراض کی اصل وجہ زیادہ تر کثرت طعام یا بسیار خوری کی عادت ہے۔ دن میں چار پانچ مقررہ اوقات پر کھانا اور طبقہ امراء میں عمدہ عمدہ اور لذیذ ترین غذاؤں سے لطف اندوز ہونا ایک فیشن بن چکا ہے۔

جوانی میں اعضائے رئیسہ کی طاقت کے باعث بسیار خوری کے نتائج ظاہر نہیں ہوتے مگر جوانی کے بعد اعضاء میں کمزوری آجانے کے بعد بھی جب یہ عادت بدستور قائم رہے تو جسم پر عام طور اور اعضائے رئیسہ میں خاص طور پر چربی کی تہیں بڑھتی جاتی ہیں۔ جوانی کے بعد اعضاء پہلے کی نسبت کمزور و سست پڑ جاتے ہیں۔ ان پر بوجھ کم ڈالنا مناسب ہے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ ان پر بوجھ زیادہ ڈالا جاتا ہے۔ معدہ و جگر، لبلبہ و گردہ اور خود دل کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے جو ان کی بڑھتی ہوئی کمزوریوں کے پیش نظر ان کی طاقت سے زیادہ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان میں جو عضو زیادہ کمزور ہے وہ اپنے فعل میں فیل ہونا شروع کر دیتا ہے۔ اس وقت ماہرین معالج یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اپنی غذا کم کرو۔ فلاں غذا سے پرہیز کرو وغیرہ۔ چنانچہ کتب طب میں مختلف امراض میں پرہیزی غذاؤں کے نقشے دیئے گئے ہیں۔ یہ بات بالخصوص مرض ذیابیطس میں نمایاں نظر آتی ہے۔

جب کسی شخص کے پیشاب میں شکر آنا شروع ہو یا خون میں شکر کی مقدار مناسب حد سے زیادہ ہو جائے تو اس حالت میں چینی یا تمام میٹھی غذائیں ترک کرنے کا مشورہ ایک مسلّم قاعدہ ہے۔ جائے غور ہے کہ وہی شئے جسے ہم لذیذ ترین غذا قرار دیتے ہیں ذیابیطس کی صورت میں زہر بن جاتی ہے۔ ایسا ہی جب دل کمزور ہو جائے یا خون کا دباؤ بڑھ جائے تو اس صورت میں بھی ڈاکٹر صاحبان کا متفقہ مشورہ یہ ہوتا ہے کہ روغنی چیزوں سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔ بلکہ وزن کو کم کرنے کی خاطر روزے بھی تجویز کئے جانا ایک مسلّم علاج ہے۔

بظاہر ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ جتنی عمدہ و اعلےٰ اور لذیذ و مرغوب غذا کھائی جائے اسی قدر زیادہ طاقت بڑھتی ہے لیکن یہ ایک نفسیاتی دھوکا ہے جس کی حقیقت ان امراض کے وارد ہونے پر منکشف ہوتی ہے پس روزہ کی اصل روح اس حقیقت کو سمجھنے میں ہے کہ لذت دہن اور بسیار خوری بجائے فائدہ کے مضر صحت عادات ہیں جن کو اگر ترک نہ کیا جائے تو انسان مہلک امراض اعضائے رئیسہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بالآخر ان امراض کے علاج میں اسے اپنی محبوب و مرغوب ترین غذائیں ترک یا کم کرنا ضروری ہو جاتی ہیں لیکن اگر جوانی سے ہی کھانے پینے میں اعتدال پسندی اختیار کی جائے تو یقیناً نہ صرف عمر میں زیادتی ہوتی ہے بلکہ صحت و توانائی بھی دیر تک قائم رہتی ہے۔

یہ یاد رہے کہ کم کھانے سے اتنی بیماریاں اور اموات واقع نہیں ہوتیں جس قدر کثرت اور لذیذ غذائیں کھانے سے صحت بگڑ جاتی اور عمر کم ہو جاتی ہے۔ مگر انسان کی یہ خود فریبی ہے کہ وہ حقیقت الامری کے عین برخلاف سمجھتا اور عمل پیرا رہ کر نقصان اٹھاتا ہے۔ اسی لئے خدا تعالےٰ کے کلام میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اگر تم روزہ رکھو تو یہ امر تمہارے اپنے لئے بہتر ہے کاش تمہیں اس کا علم ہو۔ فرمودہ خداوندی یہ ہے کہ جوں جوں تمہارا علم طب بڑھے گا توں توں تم پر یہ حقیقت آشکارا ہوتی جائے گی کہ روزے رکھنا تمہاری جسمانی صحت و توانائی اور درازیٔ عمر کے لئے بھی مفید ہے۔

اخبار و افکار (بسلسلہ ص ۔)

یار لوگ لندن کے حسن کو لوٹنے اور خریدنے کی نیت سے اپنے ماتھے پر سجائے پھرتے ہیں اور لندن ہے کہ انگریز قوم کے شاندار ماضی کو قطعی فراموش کر کے بکنے اور لٹنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ انگریز عربوں کو ان کے گھر میں جا کر لوٹتا تھا۔ اور آج عرب لٹنے کے بجائے خود چل کر لندن پہنچ جاتے ہیں۔ آہ! تیل کی دولت سے مالا مال عرب شہزادے جو دونوں ہاتھوں سے دولت لٹاتے ہیں، عیش و عشرت لوٹتے ہیں اور غیروں کی نظروں میں اسلام کے وقار کو مٹی میں ملاتے ہیں۔ کاش دنیا بھر میں اسلام کے نفاذ کی خواہش رکھنے والے اپنی ذات پر بھی اسلام نافذ کر سکیں۔"

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور (اشاعت جمعہ) ۱۰ اگست ۱۹۶۹ء۔ صفحہ اوّل)

کیا یہ خبر اسلام کے وقار کو مٹی میں ملانے والی ہے یا ہمارے اقبال غیروں کی نظر میں بلند کرنے والی ہے۔

اب اس خبر پر کیا لکھیں کیا نہ لکھیں۔ صرف اتنا کر سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ مولیٰ کریم ان پر رحم فرمائے۔ ان کی آنکھیں کھولے اور انہیں سوچنے والے دل عطا کرے۔ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ ہمارا علیم و خبیر قادر مطلق پر ایمان اٹھ چکا ہے۔ کاش وہ یہ قرآنی ارشاد پڑھ کر غور کریں:۔

"سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین۔"

دنیا میں۔ اپنے آس پاس۔ عاد۔ ثمود۔ صالح اور دوسرے علاقوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ خدا سے انحراف کرنے والے اور اس کی آواز پر لبیک نہ کہنے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

خدا تعالےٰ انہیں چشم بصیر عطا فرمائے۔ آمین

(مرزا محمد لطیف شاہد)

احباب کرام کو ایک مژدہ

ہم بڑی مسرت سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت حاجی حرمین الشریفین مولانا نورالدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات مرقات الیقین مرتبہ اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی مرحوم و مغفور زیور طبع سے آراستہ ہو کر دارالکتب اسلامیہ میں برائے فروخت پہنچ گئی ہے۔ اس بار انجمن نے زیر نگرانی کر کے اسے فوٹو آفسیٹ پر چھپوایا ہے۔ کتابت اور طباعت نہایت ہی معیاری اور خوبصورت ہے۔ ٹائیٹل پیج نہایت دیدہ زیب اور کتاب کی شایان شان ہے۔ اس کتاب کا عرصہ دراز سے اکثر و بیشتر احباب مسلسل مطالبہ فرما رہے تھے۔ الحمد للہ آج ہم ان صاحبان کی دیرینہ آرزو کو پورا کرنے کے قابل ہوئے ہیں اگرچہ لاگت قیمت خاصی زیادہ ہے تاہم اس کی قیمت فروخت صرف -/5/ روپے رکھی

از مکرم علامہ شیخ عبد الرحمٰن مصری صاحب

قتلِ مرتد کی سزا قتل کی تائید میں

جناب مودودی صاحب کے پیش کردہ چند واقعات کی حقیقت

(قسط دوم)

چھٹا اور ساتواں واقعہ } حضرت علی رضؓ کے سامنے ایک شخص پیش کیا گیا جو پہلے عیسائی تھا، پھر مسلمان ہوا۔ پھر عیسائی ہو گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا تیری اس روش کا کیا سبب ہے اس نے جواب دیا میں نے عیسائیوں کے دین کو تمہارے دین سے بہتر پایا۔

حضرت علی رضؓ نے پوچھا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ اس نے کہا کہ وہ میرے رب ہیں، یا یہ کہا کہ وہ علی کے رب ہیں اس پر حضرت علی رضؓ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ (طحاوی حوالہ مذکور)

حضرت علی رضؓ کو اطلاع دی گئی کہ ایک گروہ عیسائی سے مسلمان ہوا پھر عیسائی ہو گیا۔ حضرت علی رضؓ نے ان لوگوں کو گرفتار کرا کے اپنے سامنے بلوایا اور حقیقت حال دریافت کی انہوں نے کہا ہم عیسائی تھے پھر ہمیں اختیار دیا گیا کہ عیسائی رہیں یا مسلمان ہو جائیں ہم نے اسلام کو اختیار کر لیا مگر اب ہماری رائے یہ ہے کہ ہمارے سابق دین سے افضل کوئی دین نہیں ہے لہٰذا اب ہم پھر عیسائی ہو گئے۔ اس پر حضرت علی رضؓ کے حکم سے یہ لوگ قتل کر دیئے گئے اور ان کے بال بچے غلام بنا لئے گئے۔ (طحاوی حوالہ مذکور)

ان دونوں واقعات میں عیسائیوں نے اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے دین عیسائی کو اسلام سے بہتر اور افضل پایا ہے۔ اس لئے وہ اپنے سابق دین عیسائیت کی طرف لوٹ گئے ہیں روایت پیش آتی ہے کہ حضرت علی رضؓ نے اس پر ان کو قتل کروا دیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو نعوذ باللہ حضرت علی رضؓ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ قرآن کریم کی ہدایت کے منافی کیا۔ قرآن کریم میں تین جگہ اس بات کو وضاحت سے بیان کیا ہے کہ مذاہب میں جو اختلاف دنیا میں پایا جاتا ہے اس اختلاف کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کرے گا۔ چنانچہ سورۃ البقرہ ع۱۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وقالت الیھود لیست النصرٰی علٰی شیءٍ
وقالت النصرٰی لیست الیھود علٰی شیءٍ
وھم یتلون الکتٰب کذٰلک قال الذین لا
یعلمون مثل قولھم فاللہ یحکم بینھم
یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔"

یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی سچائی پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی سچائی پر نہیں حالانکہ دونوں کتاب پڑھتے ہیں اسی [illegible] کے قول کے مطابق ان لوگوں نے کہا جو علم نہیں رکھتے۔ پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس میں جس میں یہ اختلاف رکھتے تھے۔"

پھر سورۃ حج ع۹ میں فرمایا:۔

"اللہ یحکم بینکم یوم القیٰمۃ فیما کنتم
فیہ تختلفون۔"

"اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور میں جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"

پھر سورۃ حج ع۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئین
والنصرٰی والمجوس والذین اشرکوا ان اللہ
یفصل بینھم یوم القیٰمۃ ان اللہ علٰی کل
شیءٍ شھیدٌ۔"

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور جو صابی ہیں اور جو عیسائی ہیں اور جو مجوس ہیں اور وہ لوگ جو مشرک ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔"

ان آیات سے ظاہر ہے کہ مذاہب کے حق اور باطل ہونے کے متعلق خدا تعالیٰ نے فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اور اس کا یہ فیصلہ اس دنیا میں صادر نہیں ہوگا بلکہ قیامت کے روز صادر ہوگا پس اور کسی انسان کو حق کس طرح پہنچتا ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر دے کہ عیسائی مذہب سچا ہے یا اسلام دلائل بے شک دیں لیکن کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان سچائیوں کو قبول بھی کر لے۔ وہ خود اپنی ذات میں جس مذہب کو سچا سمجھتا ہے اس پر قائم رہے۔ قیامت کے روز اس کو پتہ لگے گا کہ میں غلطی پر تھا کہ سچا مذہب اسلام ہی ہے افسوس میں نے اسے قبول نہیں کیا اور آج مجھے پچھتانا پڑ رہا ہے۔

(۸) حضرت علی رضؓ کو اطلاع دی گئی کہ کچھ لوگ آپ کو اپنا رب قرار دیتے ہیں۔ آپ نے انہیں بلا کر پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے خالق و رازق ہیں۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا تمہاری حالت پر افسوس ہے میں تو تم جیسا ایک بندہ ہوں۔ تمہاری طرح کھاتا اور پیتا ہوں۔ اگر اللہ کی اطاعت کروں گا تو وہ مجھے اجر دے گا اور اس کی نافرمانی کروں تو مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے سزا دے گا۔ لہٰذا تم خدا سے ڈرو اور اپنے اس عقیدہ کو چھوڑ دو۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔

دوسرے دن قنبر نے آ کر عرض کیا کہ وہ لوگ پھر وہی بات کہہ رہے ہیں۔ آپ نے انہیں بلا کر دریافت کیا اور انہوں نے وہی سب باتیں دہرا دیں۔ تیسرے روز حضرت علی رضؓ نے انہیں بلا کر دھمکی دی کہ اگر اب تم نے وہ بات کہی تو میں تم کو بدترین طریقہ سے قتل کروں گا، مگر وہ اپنی بات پر کھڑے رہے۔ آخر کار حضرت علی رضؓ نے ایک گڑھا کھدوایا۔ اس میں آگ جلوائی پھر ان سے کہا دیکھو اب بھی اپنے قول سے باز آ جاؤ ورنہ میں تمہیں اس گڑھے میں پھینک دوں گا مگر وہ اپنے اس عقیدے پر قائم رہے۔ تب حضرت علی کے حکم سے وہ سب اس گڑھے میں پھینک دیئے گئے۔

(فتح الباری۔ جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۲۳۸)

یہ روایت اس لئے قابل قبول نہیں کہ اس میں حضرت علی رضؓ جیسے فدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسا فعل منسوب کیا گیا ہے جو حضرت نبی کریم صلعم کے صریح ارشاد کے خلاف ہے حضرت نبی کریم صلعم نے کسی شخص [illegible] دینے سے منع فرمایا ہوا ہے۔ اس ارشاد کی موجودگی میں کس طرح حضرت علی رضؓ زیر عتاب لوگوں کو آگ کا عذاب دے سکتے تھے۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روایت من گھڑت ہے۔

(۹) حضرت علی رضؓ رقبہ کے مقام پر تھے کہ آپ کو ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ یہاں ایک گھر کے لوگوں نے اپنے ہاں ایک بت رکھ چھوڑا ہے اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضؓ خود وہاں تشریف لے گئے۔ تلاشی لینے پر بت نکل آیا۔ حضرت علی رضؓ نے اس گھر میں آگ لگا دی اور وہ گھر والوں سمیت جل گیا۔ (فتح الباری جلد ۲۔ ص ۲۳۹)

یہ روایت بھی اس بنا پر رد کرنے کے قابل ہے کہ اس میں بھی آگ کے عذاب کا ذکر ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم کے صریح ارشاد کی موجودگی میں حضرت علی رضؓ جیسے تابع فرمان حضرت نبی کریم صلعم کی صریح ہدایت کی

کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتے تھے

(مثلاً) حضرت علیؓ کے زمانے میں ایک شخص پکڑا ہوا آیا جو مسلمان تھا پھر کافر ہو گیا۔ آپ نے اسے ایک مہینہ تک توبہ کی مہلت دی۔ پھر اس سے پوچھا۔ مگر اس نے توبہ سے انکار کر دیا۔ آخر کار آپ نے اسے قتل کرا دیا۔
(کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۸۰)

جو شخص کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے بالغ ہونے کے بعد اس کا یہ طبعی حق ہے کہ وہ تحقیق کرے کہ اس کا پیدائشی مذہب کہاں تک سچائی پر مبنی ہے۔ اگر اپنی تحقیق میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ نعوذ باللہ اسلام میں سچائی نہیں ہے بلکہ سچائی اسلام کے باہر ہے تو ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسا شخص اپنی تحقیق کے نتیجہ میں جس مذہب کو بھی خواہ وہ الہامی ہو یا غیر الہامی سچا پائے گا اگر وہ دیانت دار ہے تو لازماً وہ اسے اختیار کرے گا تو ایسی صورت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ گویا وہ پیدا ہی اس دوسرے مذہب میں ہوا ہے اس لئے ارتداد کا سوال اس کے حق میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ قتل کے قائلین اس پر قتل کا فتوےٰ جاری نہیں کر سکتے۔ جناب مولوی مودودی صاحب نے مندرجہ بالا دس نظائر خلافت راشدہ کے زمانہ کے پیش کئے ہیں جن سے وہ اپنے نظریہ کی تائید ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میرے مندرجہ بالا دلائل ان کے نظریہ کی تردید کافی طور پر کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اوّل کے جہاد کی حقیقت

جناب مودودی صاحب نے ان جنگوں کو جو عرب کے قبائل کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں لڑی گئی تھیں ان کو یہ رنگ دیا ہے کہ وہ جنگیں محض اس لئے لڑی گئی تھیں کہ وہ لوگ مرتد تھے اور اسلام سے پھر گئے تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ باغی تھے اسلام کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ مل کر اسلامی حکومت پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ تو ان کے حملے کو روکنا سربراہ حکومت اسلامی کا فرض تھا جس کو نہایت خوبی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے ادا کیا اور جو خطرہ اسلامی حکومت کو جھوٹے مدعیانِ نبوت کے اتحاد سے پیدا ہو گیا تھا اسکو نہایت خوش اسلوبی سے دُور کر دیا۔ پس اس واقعہ کو اس امر سے کوئی تعلق نہیں کہ اسلام میں "مرتد کی سزا قتل قرار دی گئی ہے۔ میں پچھلی قسطوں میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہاں قتل کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جنگ میں مسلمانوں کے متعلق یہ ارشاد موجود ہے کہ وہ قتل کریں گے اور قتل کئے جائیں گے پس وہ امر جس کی زد میں خود مسلمان بھی آتے ہوں مرتدین کی سزا کیسے کہلا سکتا ہے۔ جناب مودودی صاحب نے آئمہ فقہاء کا مذہب بھی اس بارے میں نقل کیا ہے لیکن میں بتلا چکا ہوں کہ قرآن کریم کے نصوص کے مقابلہ میں کوئی قول نہ پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی کوئی حقیقت ہو سکتی ہے۔ پس ایسے اقوال پر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں یہ فقہاء کے اپنے خیالات ہیں جو قرآن کے مقابلہ میں پیش نہیں کئے جا سکتے۔

قرآن شریف سب پر مقدّم ہے اور اسی کی نصوص صریحہ مقدم رہیں گی۔ اور عمل میں بھی وہی آئیں گی۔ پس جب وہ نصوص صریحہ صریح طور پر مرتد کو قتل کرنے سے روکتی ہیں تو کوئی اور قول اس کو کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے پس ہم قرآن کریم کے ہی پیروکار رہیں گے اور اسی پر چلتے رہنے پر ہمیں فخر رہے گا۔

کاش جناب مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا اس حقیقت کو سمجھیں اور اپنے غلط نظریہ کو واپس لے کر قرآن کریم کے حقیقی تابع بن جائیں۔۔۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

بشیر احمد

صالح معاشرہ کی ضرورت

قیام پاکستان کا اوّل و آخر مقصد یہی تھا کہ یہاں پر اسلامی آئیڈیالوجی کا عملی مظاہرہ کریں گے۔ یعنی یہ کہ ہم ایک ایسے صالح معاشرہ کی تعمیر کریں گے۔ جو جس کا ہر فرد اللہ تعالےٰ کی جزا و سزا کے تصوّر سے زندگی بسر کرے اور عامۃ النّاس کے ساتھ اس کا عام رویّہ انسانیت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

مگر یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہم اس مقصد میں اب تک بُری طرح ناکام ہیں۔ مُلک کے طول و عرض میں ہر لمحہ برائیوں کے طوفان برپا ہو رہے ہیں۔ لوگوں کے دلوں سے خوف خدا اور فکرِ آخرت نکل چکا ہے اور ان کے قلب و نظر پر گمراہی اور بے راہ روی کی آکاس بیل پھیل رہی ہے جس کی وجہ سے سارا معاشرہ جرم و گناہ کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ اور ہماری مجلسی زندگی اضطراب و انتشار کا شکار ہے۔

اس زبُوں حالی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے حقیقی مقصد کو چھوڑ کر فرنگی مادی تہذیب کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔ مغرب کی کونسی لعنت ہے جو ہمارے لئے فیشن وا چھائی نہ بن گئی ہو۔ اس اندھی تقلید نے ہماری معاشرت کو کھوکھلا اور اس کی رُوح کو کچل دیا ہے۔

اس خرابے میں مروّجہ انگریزی نظام۔ تعلیم۔ نام نہاد ادب اور فلم آرٹ کا بڑا دخل ہے۔ یہ تین شعبے ایسے ہیں جن کا اثر کسی معاشرے کی تعمیر و تخریب میں فوری اور غالب ہوتا ہے۔ آج تک ہم نے ان تینوں شعبوں کی اسلامی نقطۂ نظر سے تطہیر کی اور نہ ان سے کوئی تعمیری کام لیا۔ جس کی وجہ سے ہماری فکر و نظر میں بدنظمی جذبات کی تہذیب و تربیت کے بجائے ان میں جرائم و گناہ کی افزائش ہو رہی ہے۔

معاشی اور مجلسی اقدار تباہ ہو رہی ہیں۔ قوم کے نونہالوں میں خود اپنی قومی اقدار کا کوئی مقام نہیں رہا۔ اسلامی معاشرہ کا احترام اُٹھ رہا ہے۔ اور ہم نے اسلام کی فطری قیود کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ہم نے اپنی انفرادیت اور شخصیت کھو دی ہے ہمارا ذہن سامانِ نشاط کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ اسلامی زندگی کی بلند اقدار ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکی ہیں۔ ہمارے سامنے معاشرہ کی فلاح و بہبود کا کوئی تصوّر ہی نہیں رہا۔ ہمارے معاشرے کی بربادی اور تباہی صرف اسی لئے ہے کہ ہم زندگی کے ہر تعلق میں اسلام کو عملی طور پر چھوڑنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہم نے اپنی تہذیب و ثقافت کے فطری سرمایہ کو صحرائے زندگی کے ویرانوں میں گم کر دیا ہے۔ اور جب کسی قوم و معاشرہ کا یہ حال ہو جائے تو زوال و انحطاط کے شکنجے سے کسی طرح وہ بچ نہیں سکتی۔ قیام پاکستان کا مقصد پورا ہو سکتا ہے اور اس کے احترام و انصرام میں ہی نظریۂ پاکستان کی بقا ممکن ہے۔ ہمیں فکر کرنا چاہیئے کہ ہم کہیں بے رُوح۔ بے خدا تہذیب و ثقافت کے تھپیڑوں کی نذر نہ ہو جائیں۔ اسی لئے ہماری فوری اور اشد ضرورت اسلامی معاشرے کا قیام ہے۔

جناب ناصر احمد صاحب۔ مانچسٹر

مولانا دوست محمد صاحب مرحوم و مغفور

مولانا دوست محمد عمر بھر پیغام صلح سے وابستہ رہے۔ گذشتہ چند سالوں سے صاحب فراش تھے اور اخبار پیغام صلح کی ادارتی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے تھے۔ تاہم جب بھی انہیں صحت اجازت دیتی تو دفتر "پیغام صلح" آ بیٹھتے تھے اور مفید مشورے دیتے رہتے تھے۔

پیغام صلح احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قومی آرگن ہے۔ اور مولانا مرحوم کی اس قومی آرگن سے مسلسل وابستگی سے مولانا مرحوم اور اخبار مذکور لازم و ملزوم سمجھے جاتے رہے۔

افسوس ہے کہ انگلستان میں بیٹھے ہوئے مجھے وہ سہولتیں میسر نہیں جن سے مولانا دوست محمد صاحب مرحوم کی شخصیت اور سلسلہ احمدیہ کے لئے وقت اور حالات کے مطابق ان کی علمی، قلمی اور صحافی خدمات کی تاریخ وار تفصیل پیش کر سکوں۔ مگر جب سے ان کی وفات کی خبر سنی ہے دل بے اختیار ان سے دیرینہ عقیدت کے اظہار کے لئے بے چین تھا۔

اپریل ۱۹۷۹ء میں جب میں ایک ماہ کے مختصر عرصہ کے لئے پاکستان گیا تو مولانا کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ کمزوری کے باوجود مولانا اٹھ کر بیٹھ گئے اور شفقت کا اظہار کیا اور مرحوم اقبال بھائی جان کی وفات کا اظہار تعزیت کرتے رہے ان کی حالت کو دیکھ کر محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا اب چراغ سحری ہیں اور گویا مولانا سے یہ آخری ملاقات تھی۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے مولانا کو پیغام صلح سے ہی منسلک پایا۔ جماعت پر کئی ایک نہایت نازک وقت آئے لیکن مولانا کا قلم بڑے محتاط انداز میں جماعتی نقطہ نگاہ اور مخالفین کے حضرت مسیح موعود پر اعتراضات کے جوابات دیتا رہا۔ مولانا اداریہ بھی لکھتے۔ مولانا شذرات بھی لکھتے، ہر جمعہ کو حضرت کا خطبہ نوٹ فرماتے اور صاف کر کے اخبار میں شائع بھی کرتے۔

مولانا اخبار کی تدوین اور پروف ریڈنگ بھی خود ہی کرتے۔ یوں لگتا تھا پیغام صلح ان کی زندگی کا حصہ ہے جس کی دیکھ بھال اور فکر ان کو ہر وقت لگی رہتی تھی۔ انہوں نے اپنے کو اخبار کا مدیر نہیں بلکہ ایک خادم جانا اور اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی خدمت کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کی۔ بلکہ اس کے لئے ہر کسی کی منت سماجت بھی کر لیتے۔

بعض اوقات مولانا کے متعلق گفت گو ہوتی تو ہم کہتے کہ مولانا تحریک احمدیت، لاہور کی چلتی پھرتی تاریخ ہیں۔ اکثر مرتبہ تجویز ہوئی کہ مولانا تحریک کی تاریخ مرتب کریں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ گولڈن جوبلی کے موقعہ پر انہوں نے تاریخ احمدیت کے نام سے مختصر سی کچھ تاریخ مرتب کی جو اس موقع پر شائع ہوئی۔

ابھی چند دنوں کی بات ہے میں شاہجہان مسجد ووکنگ کی تاریخ کے لئے مواد اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں ماہنامہ اسلامک ریویو ۱۹۲۱ء کی فائل دیکھ رہا تھا۔ تو اس میں ایک الوداعی نوٹ جو مولانا محمد مصطفٰے اور مولانا دوست محمد کے متعلق تھا نظر سے گذرا۔ مولانا مصطفٰے خان صاحب اس وقت امام مسجد ووکنگ تھے اور مولانا دوست محمد ان کے معاون تھے۔

اندازاً ۱۹۱۹ء کے آخر یا ۱۹۲۰ء کے شروع میں مولانا مصطفٰے خان صاحب کے ہمراہ انگلستان تشریف لائے اور تقریباً دو سال رہے۔ یہاں بھی آپ کے لباس میں پگڑی کو نمایاں حیثیت حاصل رہی۔ مولانا مرحوم نے نہ صرف مولانا مصطفٰے خان صاحب کی معاونت کی بلکہ تمام دفتری امور نہایت فرض شناسی سے سرانجام دیئے۔

ان کے قیام کے دوران کی خاص بات یہ تھی کہ مولانا جمعرات کو نہایت باقاعدگی سے ہفتہ کی اخبارات اور رسائل میں اسلام کے متعلق مضامین پر تبصرے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات۔ اسلام قبول کرنے والوں کے تاثرات اور دیگر دلچسپ معلومات کو نامہ ووکنگ کے نام سے لکھتے جو پیغام صلح کے علاوہ ہندوستان کے دیگر اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتا۔

مولانا مرحوم کی سادگی، خوش خلقی اور خوش مزاجی نے ہر انگریز مرد و زن کے علاوہ مسجد میں آنے والوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ مولانا مرحوم کو بچوں سے بے حد پیار تھا۔ اور بچے جب کبھی مسجد میں آتے تو مولانا کی شفقت کی وجہ سے ان سے لپٹ لپٹ جاتے۔

مجھے بچپن سے انہیں نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ پیغام صلح سے ان کی وابستگی، حضرت مسیح موعود کی صداقت پر یقین اور انجمن سے وفا شعاری) ان کی زندگی کی نمایاں خصوصیات تھیں نماز باجماعت کے پابند تھے۔ ہر حال میں مسجد میں آ کر ہی نماز ادا کرتے اور ایک مدت تک نہایت باقاعدگی سے مولانا نماز فجر کے بعد درس قرآن کریم کے بعد حضرت مسیح موعود کے ملفوظات سناتے۔

کئی سخت آزمائش کے وقت آئے لیکن مولانا مرحوم نے ثابت قدمی دکھائی انجمن سے وابستگی اور حضرت مسیح موعودؑ سے کیا ہوا عہد نبھایا۔

مولانا کا انداز تحریر نہایت دلکش اور سلیس ہوتا لیکن بے حد مؤثر اور مدلل ہوتا۔ نوجوانوں کو لکھنے کی ترغیب دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے ہمیشہ انکساری کی زندگی گذاری .... ایک اچھے صاحب قلم ہونے کے باوجود انکساری کو اپنائے رکھا۔ مولانا کی وفات کے ساتھ پیغام صلح اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ایک منفرد تاریخ ساز قلمکار کے رشحات زریں سے محروم ہو گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس تاریخی دور کو جو تاریخ احمدیت کا شاندار باب ہے قلمبند کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کرے کوئی مرد مجاہد اٹھے اور "پیغام صلح" کے اوراق میں سے اس صدی کی جاندار تحریک کو یکجا کرے تاکہ موجودہ نسلیں ایک نیا جذبہ یہ یقین حاصل کر سکیں۔ اور تحریک کو ایک نئے انداز اور نئے ولولے سے آگے بڑھائیں۔

دنیا نئی کروٹیں لے رہی ہے۔ روحانی اقدار کا احساس نئے روپ دھار رہا ہے۔ انسانی قلب زندگی کی آویزشوں سے تنگ آ کر سکون کی تلاش میں ہے۔ کائنات کے وجود میں آنے کے متعلق نئے انداز میں غور و فکر ہو رہا ہے۔ اب سائنسدان یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کے اسباب و علل کا تو علم ہو گیا ہے لیکن کائنات اور انسانی زندگی کی ابتداء کا عقدہ حل نہیں ہوا کہ اس کی ابتداء کیونکر ہوئی۔

تحریک احمدیہ لاہور کے علمی کارنامے جن کا اس صدی کے مسلمانوں کی مذہبی اور ملی بیداری سے گہرا تعلق ہے پیغام صلح کے اوراق میں کافی حد تک محفوظ ہیں۔

ابھی وقت ہے کہ ان کو محفوظ کر لیا جائے تاکہ ماضی کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل متعین کیا جائے۔ نئے علم کلام کو پڑھنے کا شوق پیدا کیا جائے اور اشاعت

(باقی بر صفحہ ۱۴ کالم ۱)

ـــــه الله: ۱۹۵۲ء کے بعد انجمن نے جناب بشیر احمد منور کو آپ کا مستقل معاون بنا دیا۔ (نائب مدیر)

فضائلِ حضرت عمرؓ

یہ انسان بنا گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے!

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ کو ایک بادشاہ کی طرف سے ہیرے جواہرات سے بھری ہوئی بوتل آئی کہ فلاں گورنر کی اہلیہ نے بطور تحفہ پیش کی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے وہ بوتل چھین لی۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے کہا کہ یہ تحفہ مجھے بھیجا گیا ہے کیونکہ میں نے اس بوتل میں عطر بھجوایا تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ یہ ہیرے جواہرات آپ کو خلیفۂ وقت کی بیوی سمجھتے ہوئے خوشامد کے طور پر خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بھجوائے گئے ہیں۔ لہٰذا ان پر آپ کا کوئی حق نہیں۔ **یہ مال بیت المال کا ہے۔** اس پر تکرار بھی ہوئی۔ آخر یہ جواہرات بیت المال میں جمع کرا دیئے گئے۔

(۲) خدمت و خلوص کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر رات کے وقت گشت کو نکلتے تھے کہ کوئی محتاج ہو تو اس کی حاجت روائی کی جائے، کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد رسی کی جائے۔ کوئی تکلیف میں ہو تو اس کی مدد کی جائے۔ ایک مشہور بات ہے جو آپ نے کئی بار سنی ہوگی، میں پھر اس کو دوہراتا ہوں۔ اس کے دوہرانے میں ایک لذت ہے۔

ایک دفعہ آپ رات کے وقت ایک مکان کے پاس سے گذر رہے تھے۔ اندر سے بلبلانے کی آواز آئی۔ آپ نے دستک دی۔ دروازہ کھلا۔ اجازت لے کر اندر گئے۔ بچوں کے بلبلانے کی وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا بچے بھوکے ہیں ان کے کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ بچوں کی ماں نے چولھے پر ہنڈیا چڑھا رکھی ہے جس میں پانی ہے اور اسی کو چمچہ سے ہلا رہی ہے کہ بچے سمجھیں کہ شاید کچھ پک رہا ہے۔ اور اس انتظار میں سو جائیں۔

آپؓ (حضرت عمرؓ) فوراً واپس لوٹے۔ بیت المال سے آٹے کی بوری اٹھائی اور اپنی پیٹھ پر رکھ کر اس گھر کی طرف چل دیئے۔ ان کے ساتھی نے کہا حضور میں اٹھا لیتا ہوں۔

آپؓ نے فرمایا "تو قیامت کے دن یہ بوجھ اٹھائے گا؟

یہ میرا فرض ہے میں خود اٹھاؤں گا۔ آٹے کی بوری لے جا کر اس کے مکان پر رکھ دی۔ خود آگ جلائی۔ پھونکیں مارتے رہتے تھے اور آپ کی داڑھی دھوئیں سے ملتی تھی۔ کس قدر احساس فرض ہے اور کتنی غریب پروری ہے۔ حاکم اور بادشاہ وقت ہو کر اس قسم کی خدمت بجا لانا انہی کا کام تھا۔

(مولانا دوست محمد صاحب مرحوم و مغفور۔ بقیہ صفحہ ۱۳)

اسلام کے کام کو نئے خطوط پر منظم کیا جائے۔ مغرب میں تبلیغ اسلام کا کام اب پہلے سے بھی مشکل ہو گیا ہے۔ مسلمان ممالک میں سیاسی حالات اور مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کے معاشرتی مسائل نے بالکل نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ جن پر نئے انداز سے سوچنے اور عملی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

مولانا دوست محمد صاحب کی وفات کے ساتھ ہی ایک شاندار باب ختم خدائے تعالیٰ مرحوم کی روح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

اختتام پذیر ہوتا ہے

دعوتِ فکر

محمد انور

ہمارے معاشرے کا ... یہ حالت ہر درد مند دل کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ بے راہ روی، کم اندیشی، بدخلقی اور بدچلنی کا ملک پر پھر تسلط ہو گیا ہے۔ معاصی کی گھٹائیں امڈتی ہیں اور جرائم کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں۔ کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ سب کے سب بے دینی اور روحانی انتشار کے سیلاب کا شکار ہو رہے ہیں۔ نت نئے فتنے برپا ہو رہے ہیں۔ توحید پرستی کی جگہ نفس پرستی اور زر پرستی نے لے لی ہے۔ پیہم سیاہ کاری نے دلوں کو سیاہ کر دیا ہے۔ اخلاقی اقدار مٹتی جا رہی ہیں۔ عدل و انصاف، دیانت داری، حق پسندی، قول و قرار کی پابندی، رحم و کرم، پاس وفا، حب وطن، شرافتِ نفس، پاکیزگیٔ اخلاق، احساسِ فرض، مروت و محبت کے جذباتِ عالیہ ہمارے قومی کردار میں سے یکسر خارج ہوتے جا رہے ہیں۔ ذہنی انارکی نے اپنا تسلط جما لیا ہے۔

ہر شخص جائز و ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے کا بھوت سوار ہو رہا ہے: اور وہ آسائشاتِ دنیوی میں سب پر برتری حاصل کرنے کے جنون میں مبتلا ہے۔ ہمارے قول و فعل میں بعد المشرقین ہے۔ بقول قرآن کریم:

لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ

زبانی اقرار ضرور کرتے ہیں۔ لیکن اس کا شائبہ بھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوتے۔ السلام علیکم کی رٹ ہم ضرور لگاتے ہیں لیکن اعمال و افعال پر کفر و الحاد بھی قہقہہ زن ہیں۔

نفسیاتی اور سطحی طور پر اسلام سے اس لئے وابستہ ہیں تاکہ جو لادینی اور گمراہی کے چشمے دلوں میں پھوٹ رہے ہیں، ان کی پردہ پوشی کی جا سکے۔ کج فکری اور کج روی کی یہ انتہا ہے کہ ہر بوالہوس جسے دین کی مبادیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ دین کے اسرار و رموز پر طبع آزمائی کی جسارت کرتا ہے اور اسے آزادیٔ فکر پر محمول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ آزادیٔ فکر نہیں بلکہ فکر کی گمرہی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام کی اجارہ داری کسی خاص گروہ کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسلام میں درجہ اجتہاد حاصل کرنے کے لئے بھی علمی تبحر کی ضرورت ہے۔ علومِ اسلامیہ پر وسیع نظر پیدا کرنے کی حاجت ہے۔ راستے کا حق ہر ناپختہ ذہن کو حاصل نہیں ہو جاتا بلکہ ماہر فن اور اساتذہ پختہ کار ہی درجۂ اجتہاد اور حق رائے دہندگی کے مالک ہوتے ہیں۔ البتہ یہ مہارت اور حذاقت جو چاہے حاصل کرے۔ کسی فرد یا فرقے کی اجارہ داری نہیں ہے۔ محنت و طلب اور سعی و جہد کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں.......

آج وہ فرنگی زہر آلود تہذیب جس کی بنیادیں خالص، خود غرضانہ مادی فوائد پر استوار کی گئی ہیں، اور جو شرافت اور مروت سے عاری ہے اور جس تہذیب پر دست آج فرنگی خود بہت تنگ ہے، ہم اس کو گلے لگا رہے ہیں۔ ہماری آنے والی نسلیں جن کی تربیت مغربی طرز اور بود و باش کی آغوش میں ہو رہی ہے **گلشنِ وطن میں کیسی بہار لائیں گے؟** کاش ہمارے ارباب بصیرت اس بظاہر خوبصورت مگر اندرون بہیب اور درد انگیز تہذیب کے انجام پر غور کریں کہ ہم کس منزل کی طرف گامزن ہیں۔

ہرگز نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
ایں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

احیاءِ اسلام کی تحریکیں

۱۸۹۱ء کی ابتداء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدّد صد چہاردہم اور مسیح موعودؑ نے "فتح اسلام" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں آپ نے مستقبل میں اسلام کے احیاء۔ عروج اور ترقی کی خوشخبری ان الفاظ میں سُنائی:۔

"اس زمانہ کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے ان سب کو آسمانی سیف اللہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی اور یہودیت کی خصلت مٹا دی جائے گی اور ہر ایک حق پوش۔ دجّال۔ دُنیا پرست۔ یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا حُجّتِ قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چُکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خوں نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزازِ اسلام کے لئے ساری ذلّتیں قبول نہ کر لیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی۔ مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالےٰ اب چاہتا ہے۔

(فتح اسلام ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۶ تا ۱۷)

جس زمانہ میں یہ خوشخبری سُنائی گئی اس کے حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے اور ان کے مذہبی رہنما اور مشائخ وقت اس شخص کا ساتھ دیتے اور اگر ساتھ نہ دے سکتے تھے کم از کم اس کی راہ میں مشکلات پیدا نہ کرتے اور نہ رکاوٹیں کھڑی کرتے تاکہ اسلام کے سورج کے طلوع کا وقت قریب تر آجاتا اور دُنیا ایک عجیب شان اور آب و تاب سے اس کے طلوع کا منظر دیکھ لیتی لیکن شومیٔ قسمت سے انہوں نے اس کے انکار کرنے میں جلدی کی اور دُنیا کے لوگ جو تاریک خیال اور اپنے پُرانے تصوّرات پر جمے ہُوئے تھے انہوں نے اسے قبول نہ کیا:۔

"دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہیں کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچّائی ظاہر کر دے گا"

قبول کرنا تو درکنار انہوں نے اسے ایذائیں دینے اور ستانے میں اس حد تک سرکشی اختیار کی کہ اسلام کے دشمنوں عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ شامل ہوکر اسے نیچا دکھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور اپنی نادانی کہئے یا ضد اور تعصّب کی وجہ سے اسلام کے دفاع کی بجائے عیسائیت اور ہندو مت کے دفاع میں اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

صبح کا بھولا ہوا اگر شام کو بھی واپس آجاتا تو عین ممکن تھا کہ اُسے خوش آمدید کہا جاتا لیکن صدی کی شام آچکی ہے۔ تاریک سائے پھیل رہے ہیں۔ تاریکی چھانے کو ہے۔ اس صدی کا سُورج غروب ہونے میں صرف تین ماہ ہی تو باقی ہیں لیکن ان کے دِل اور سخت ہو گئے ہیں۔ آنے والی صدی کا جشن منانے کی تیاریاں بڑے زور و شور سے شروع ہیں مگر جانے والی کے واقعات پر غور کرنے کی اُنہیں فرصت نہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ کیا ابو داؤد کی مجدّد والی حدیث غلط ثابت ہوئی۔ چودھویں صدی میں بھی کوئی مجدّد آیا ہے۔ اگر آیا ہے تو کون ہے اور وہ کیوں خاموش ہے۔ کیوں یہ اعلان نہیں کرتا کہ مجھے خدا نے اس صدی کا مجدّد بنا کر اصلاحِ خلق کے لئے بھیجا ہے۔ آخر کسی کا نام تو لیں۔ کیوں مُہر بلب ہیں۔ لیکن اب کوئی نہیں۔ کوئی نہیں آئے گا۔ ان کی مثال اب یہ ہے کہ:۔

"ایک بادشاہ نے اپنے وعدہ کے موافق ایک شہر میں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر کے بھیجا تا وہ دیکھے کہ درحقیقت مطیع کون ہے اور نافرمان کون اور تا ان تمام جھگڑوں کا تصفیہ بھی ہو جائے جو ان میں واقع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ وہ حاکم عین اس وقت میں جبکہ اس کے آنے کی ضرورت تھی آیا اور اس نے اپنے آقاءِ نامدار کا پیغام پہنچا دیا۔ اور سب لوگوں کو راہِ راست کی طرف بلایا اور اپنا حکم ہونا اُن پر ظاہر کر دیا لیکن وہ اس کے ملازم سرکاری ہونے کی نسبت شک میں پڑ گئے۔ تب اس نے ایسے نشان دکھلائے جو ملازموں سے ہی خاص ہوتے ہیں۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اسے قبول نہ کیا اور اس کو کراہت کی نظر سے دیکھا اور اپنے تئیں بڑا سمجھا اور اس کا حکم ہونا اپنے لئے قبول نہ کیا بلکہ اس کو پکڑ کر بے عزّت کیا اور اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے مارنے کے لئے دوڑے اور بہت سی تحقیر و تذلیل کی اور بہت سی سخت زبانی کے ساتھ اس کو جھٹلایا تب وہ ان کے ہاتھ سے وہ تمام آزار اُٹھا کر جو اس کے حق میں مقدّر تھے اپنے بادشاہ کی طرف چلا گیا اور وہ لوگ جنہوں نے اس کا ایسا بُرا حال کیا کسی اور حاکم کے آنے کے منتظر بیٹھے رہے اور جہالت کی راہ سے ایسے خیال باطل پڑتے رہے کہ یہ تو حاکم نہیں تھا بلکہ وہ اور شخص ہے جو آئے گا جس کی انتظاری ہمیں کرنی چاہیئے۔ سو وہ سارا دن اس شخص کی انتظار کئے گئے اور اُٹھ اُٹھ کر دیکھتے رہے کہ کب آتا ہے اور اس وعدہ کا باہم ذکر کرتے رہے جو بادشاہ کی طرف سے تھا۔ یہاں تک کہ انتظار کرتے کرتے سُورج غروب ہونے لگا اور کوئی نہ آیا۔ آخر شام کے قریب بہت سے پولیس کے سپاہی آئے جن کے ساتھ بہت سی ہتھکڑیاں بھی تھیں۔ سو انہوں نے آتے ہی ان شریروں کے شہر کو پھُونک دیا اور پھر سب کو پکڑ کر ایک ایک کو ہتھکڑی لگا دی اور عدالتِ شاہی کی طرف بجرم عدول حکم اور مقابلہ سرکاری ملازم چالان کر دیا۔ جہاں سے اُنہیں وہ سزائیں مل گئیں جن کے وہ سزاوار تھے۔"

"...... یہی حال اس زمانہ کے جفاکار منکروں کا ہوگا۔ ہر ایک شخص اپنی زبان اور قلم اور ہاتھ کی شامت سے پکڑا جائیگا جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے۔"

(ازالہ اوہام نیا ایڈیشن صفحہ ۶۸۔۶۹۔ پرانا ایڈیشن صفحہ ۸۹-۱۸۸)

ہماری معروضات کا ایک پس منظر ہے۔ ہمارے انگریزی دان قارئین نے انگریزی رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ میں ولیم ای گریفتھ کا مضمون "ISLAM ON THE MARCH" جس کا اردو ترجمہ ہم علامہ اقبالؔ کے اس مصرعہ میں یوں کر سکتے ہیں "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" پڑھا ہوگا جس میں انہوں نے اسلامی ممالک میں اُٹھنے والی "احیاءِ اسلام" کی تحریکوں کا تجزیہ

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تحریکیں مغربی تہذیب کی عطا کردہ برائیوں معاشی ناہمواری، شراب، فحاشی، بدکاری، بے راہ روی، سودی بنکاری، طبقاتی کشمکش اور چند اعلیٰ طبقہ کے امیروں کے ہاتھوں غریب عوام کے استحصال کے خلاف شدید احتجاج کے طور پر اُبھری ہیں۔ کیونکہ اسلام عدل و انصاف۔ اخوت اور مساوات کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے جبکہ موجودہ اسلامی معاشرہ ان کی نفی کرنے کی وجہ سے غیر اسلامی ہے۔ اس غیر اسلامی معاشرہ کو ختم کر کے وہ اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے جس میں عدل و انصاف۔ اخوت اور مساوات کا دور دورہ ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آج سے تقریباً ۹۰ سال پہلے ہی مغربی تہذیب کو "سحر فرنگ" کا نام دیا تھا اور فرمایا تھا:۔

"اب اے مسلمانو! سنو! اور غور سے سنو! کہ اسلام کی پاک تاثیروں کے روکنے کے لئے جس قدر پیچیدہ افتراء اس عیسائی قوم میں استعمال کئے گئے ہیں اور پُرمکر حیلے کام میں لائے گئے اور ان کے پھیلانے میں جان توڑ کر اور مال کو پانی کی طرح بہا کر کوششیں کی گئیں یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعہ سے بھی جن کی تصریح سے اس مضمون کو منزہ رکھنا بہتر ہے، اس راہ میں ختم کئے گئے۔ یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کاروائیاں ہیں کہ جب تک ان کے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالیٰ وہ پُرزور ہاتھ نہ دکھاوے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزے سے اس طلسم سحر کو پاش پاش نہ کر دے۔ تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کے لئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اس بندہ کو اپنے الہام اور کلام اور اپنی برکات خاصہ سے مشرف کر کے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بہرۂ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا اور بہت سے آسمانی تحائف اور علوی عجائبات اور روحانی معارف و دقائق ساتھ دیئے تا اس آسمانی پتھر کے ذریعہ سے وہ موم کا بُت توڑ دیا جائے جو سحر فرنگ نے تیار کیا ہے......

......کیا ضرور نہیں تھا کہ سحر کے مقابل پر معجزہ بھی دنیا میں آتا؟" (فتح اسلام)

اس دجالی تہذیب کی دھجیاں بکھیرنے اور سحر فرنگ کو توڑنے کے لئے تا اسلام کی روشنی عام طور پر دنیا میں پھیل جائے اور حقارت اور ذلت کا سیاہ داغ مسلمانوں کی پیشانی سے دھویا جائے" آپ کو خداوند خدا کی طرف سے یہ بشارت ملی کہ:۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم اُفتاد"

اُٹھ کہ تیرا وقت قریب پہنچ گیا ہے اور محمدؐ کے نام لیواؤں کا پاؤں بلند تر مینار پر بڑی مضبوطی سے جم گیا ہے۔ سو آج انڈونیشیا سے مراکو تک پھیلے ہوئے ساٹھ کروڑ مسلمانوں نے جو نئی کروٹ اس صدی میں لی ہے اور ان میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ ان کے معاشرہ میں جو بے شمار برائیاں پھیلی ہوئی ہیں اور جنہوں نے دیمک کی طرح ان کے اعتقادات اور نظریات کو چاٹ کر ان کی قومی زندگی کی عمارت کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہ سب تہذیب فرنگ کی عنایات ہیں۔ جب تک ان سے مخلصی نہ ہوگی مسلمان اپنے گم کردہ مقام کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ احساس اُسی آواز کی صدائے بازگشت ہے جو آج سے ۹۰ سال قبل قادیان کے پس ماندہ گاؤں سے سُنائی گئی لیکن اس پر کسی نے کان نہ دھرا

آج زمانے کا تازیانہ یہ احساس دلا رہا ہے۔ مگر احیائے اسلام اگر عدل و انصاف۔ اخوت اور مساوات جیسی اقدار زندہ کرنے کا نام ہے تو تمام تحریکیں اس معیار پر پوری نہیں اُتریں کیونکہ مسلمان مسلمان سے برسرپیکار ہے۔ مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بے دریغ بہایا جا رہا ہے۔ جو اس اسلام کی نفی ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل حضرت محمدؐ صلعم نے پیش کیا۔ فتح مکّہ کے وقت اپنے قاتلوں اور اشد ترین دشمنوں کو "لاتثریب علیکم الیوم" کہہ کر معاف کر دینا تاریخ کا ایک عدیم المثال واقعہ ہے جو کبھی دہرایا نہیں جائے گا۔ کسی کو ملامت تک نہیں کیا گیا۔ اور یہاں محض سیاسی اور معاشی نظریات کے اختلاف پر بے گناہ انسانوں کا خون بہانے سے بھی ضمیر میں کوئی خلش یا کسک پیدا نہیں ہوتی۔

اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے انسانی خون بہانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس معاشرہ میں آنحضرت صلعم نے آنکھ کھولی اس کی انتہائی اخلاقی پستی اور CORRUPTION کی بھی دنیا کے معاشروں میں کوئی نظیر نہیں ملتی لیکن اس کی اصلاح کے لئے آپؐ نے حکمت اور موعظہ حسنہ سے ہی کام لیا۔ کسی کی گردن نہیں ماری۔ جنگ اگر ہوئی بھی تو مخالفین اسلام سے نہ کہ مسلمانوں سے۔ ہاں جب گمراہی اور رُشد کی راہیں واضح ہو گئیں اور ایک اصلاح یافتہ معاشرہ وجود میں آگیا تو اسے ہدایت کی راہ پر قائم رکھنے اور دوبارہ گمراہی کی راہ اختیار کرنے سے روکنے کے لئے۔ مختلف جرائم کے لئے سزائیں مقرر کیں۔ مگر ایسے گم کردہ راہ لوگوں کو قتل کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ اور رجوع کرنے والوں کے لئے دروازہ کھلا رکھا۔

ان تحریکوں کا یہ پہلو نہایت المناک ہے لیکن کیا اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی سزا نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ الانعام ۶۵ میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ:۔

"کہہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں کئی فرقے بنا کر ملا دے اور تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو ہم کس طرح باتوں کو بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھ لیں۔"

یہ امر کسی قوم سے خاص نہیں جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گی اس کا انجام یہی ہوگا۔ ممکن ہے کسی وقت یہ تحریکیں اسلام کی طرف واپس آجائیں جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے اور مسلمانوں کی پیشانیوں سے ذلت اور رسوائی کے داغ مٹ جائیں۔

دیکھئے شام ہو گئی ہے۔ اور اس شام کے ساتھ بڑی مصائب وابستہ ہیں۔ گھر واپس لوٹ آئیں تو انجام اچھا ہوگا، ورنہ رات کی ایسی تاریکی میں جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا کسی ایسی مصیبت میں نہ گرفتار ہو جائیں جس سے رہائی ناممکن ہو اور انجام عبرتناک۔ کیونکہ یہ خدا کی بتلائی ہوئی باتیں ہیں جو کبھی ٹل نہیں سکتیں۔

(مسلیں)

ارشادات (بقیہ ص ۱۹)

ختم نبوت اور فرمایا کہ میں انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہوں اور فرمایا کہ انبیاء کی طرح میری آزمائش کرنا نادانی ہے۔ ایک مولوی نے لکھا کہ آپ الہام شائع نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں مُلہم ہوں۔ مُلہم کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے الہام شائع کرے یا نہ کرے۔ لیکن کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ اپنی وحی کو چھپائے۔ ما کان لنبی ان یغل۔ مگر حضرت صاحب نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور جبریل کا وحی لے کر آنا ممتنع ہے۔ ہاں اولیاء اللہ پر وحی ولایت یا الہام ہوتا ہے۔ ان میں سے میں بھی ایک ہوں۔ حضرت مجدد زمانؑ نے یہ اعلان بھی کر دیا ہوا ہے میں نہ نبی ہوں اور نہ ہی میرے نہ ماننے سے کوئی مسلمان کافر یا دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

عید الفطر یا غرباء کی عید - نشأۃ ثانیہ اسلامیہ کی خوشخبری

مسلمان اقوام کی دینی بیداری کی صبح کا دن چڑھ چکا ہے۔

خطبہ عید الفطر مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۷۹ء - فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب - جامع احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون (سورۃ توبہ - آیت - ۳۳)

وہ وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

(مرتبہ:- مولوی شفقت رسول خان)

اس مبارک تقریب کو عید الفطر اس لئے کہتے ہیں کہ اس عید کے منانے سے قبل فطرانہ بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا ہے تاکہ وہ نادار مسلمانوں کو مل سکے۔ اور وہ بافراغت تمام عید کی مسرتوں میں بھرپور حصہ لے سکیں۔ اسلام ایک مکمل دین اور کامل مذہب ہے اور روزوں کے بعد عید کا مقصد یہ بھی ہے کہ خدا نے جو زندگی ہمیں عطا فرمائی ہے اسے ان نیک مقاصد کے لئے کارآمد بنائیں۔

اگر ہم نے خدا کے احکام کے مطابق اس کے حلال کردہ رزق سے بھی تعلق منقطع رکھا تو اس کے عطا کردہ اموال سے اس کی بھلائی کے لئے بھی خرچ کریں۔ دوسرے ادیان میں جسم کو اذیتوں میں مبتلا کر کے اور تارک الدنیا ہو کر اور خدا کی نعمتوں سے منہ موڑ کر خدا کو خوش کرنے کا تصور ہے لیکن اسلام میں یہ تصور نہیں۔ بلکہ اسلام میں خدا کی نعمتوں سے استفادہ کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ان سے استفادہ کرنے کا حکم موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لا تحرموا ما احل اللہ لکم۔ خدا کی حلال کردہ اشیاء کو اپنے اوپر حرام مت قرار دو۔ اسلام نے جو کچھ بتایا ہے وہ ایک کامل مذہب کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ روزہ میں جن خدائی نعمتوں سے ممنوعہ اوقات کے علاوہ بھرپور استفادہ کی اجازت ہے۔ وہ اکل و شرب سے تعلق رکھتی ہوں یا تخلیقی منشاء کے لئے ضروری ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ اصل مقصد حیات یعنی ابنائے آدم کی کامل ضروریات کا احساس ہے اور امکانی حد تک ان کی تکمیل ہے۔ اور یہ عید سعید ان دونوں ضرورتوں کی تکمیل کرتی ہے کہ خدا کی نعمتوں سے استفادہ بھی کرو اور اپنے بھائیوں کی مدد کر کے ان کو بھی ان مسرتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ بہم پہنچاؤ۔

ایک طرف روزے رکھنے کی توفیق ملنے پر اظہار خوشی کا نام عید ہے تو دوسری طرف غریب بھائیوں کی خوشی کے سامان کرنا۔ انہیں بھی اس عید سے اور فی الحقیقت اہل دل اور اہل ثروت ومال کی عید و خوشی صرف یہی ہے کہ وہ غرباء و مساکین کی خوشی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

آج میرے دل میں اس عید الفطر کی خوشی کے علاوہ نشأۃ ثانیہ اسلام کی خوشی ہے جس کی بشارت نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور پھر اس زمانہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبع اور شاگرد رشید حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے دی ہے۔ کہ اسلام پھر اپنی پوری آب و تاب سے تمام عالم کو روشن کر دے گا۔ اور انسان ماسوی اللہ کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلام کے روشن اصولوں پر عمل کر کے دنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دے گا۔

اس نشأۃ ثانیہ کا اظہار یوں ہو رہا ہے کہ مسلمان اقوام اب جاگ اٹھی ہیں اور اپنے دین کی جانب آنا چاہتی ہیں اور دنیا میں کروٹ انگڑائی لے رہی ہے۔ وہ اپنے دین کے اصولوں پر عمل کر کے اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دے کر دنیا میں اسلام کی برکات کو پھیلائیں۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دوکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زر کم عیار ہوگا

یوں تو دوسری قومیں بھی جاگتی ہیں۔ لیکن ان کا جاگنا محض جهد للبقاء کے لئے ہوتا ہے۔ اور کوئی دوسری اقوام برتری کی خواہش لے کر جاگتی ہیں۔ اور ترقی و عروج کے لئے کوشاں نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی اس بیداری پر غیر اقوام پریشان ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ مسلمان شاید کہیں اس تشدد و تعصب کا حامل تو نہیں ہوگا جو قرون وسطیٰ میں اس سے ظہور میں آیا تھا۔ اور کہیں مسلمان دوسرے لوگوں پر تشدد اور جبر تو نہیں کرنا چاہتے جیسے وہ اپنے عروج کے دور میں کر چکے ہیں

یہ باتیں TIMES OF LONDON میں کسی مبصر نے لکھی ہیں کہ مسلمان اگر قوت و طاقت حاصل کر لیں گے تو وہ اسی تعصب اور تنگ دلی کا اظہار کریں گے جس کا وہ پہلے بھی اظہار کر چکے ہیں۔ اس قسم کے دنیاداروں کے بیانات اس بات کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ **مسلمان اب جاگ اٹھے ہیں اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا دور شروع ہونے والا ہے** اور اس کے بارہ میں حضرت مجدد وقت **مسیح موعود** علیہ السلام پہلے ہی اپنی کتاب "فتح اسلام" میں فرما چکے ہیں کہ دین اسلام کا فروغ ہونے والا ہے:-

"عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جو ان کی غلطی ان پر ظاہر کر دے گا دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور رب جلیل کا کلام ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان حملوں کے دن نزدیک ہیں مگر یہ حملے تیغ و تبر سے نہیں ہوں گے اور بندوقوں کی حاجت نہیں پڑے گی۔ بلکہ روحانی اسلحہ کے ساتھ خدا کی مدد اترے گی۔ اور یہودیوں سے سخت لڑائی ہوگی۔ وہ کون ہیں؟ اسی زمانہ کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہود کے قدم پر قدم رکھا۔ ان سب کو آسمانی سیف اللہ دو ٹکڑے کر دے گی اور یہودیت کی خصلت مٹا دی جائے گی۔ اور ہر ایک حق پوش دجال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا

حجت قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور سچائی کی فتح ہوگی
اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا
جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال
کے ساتھ چڑھے گا۔ جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی
ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے
جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں
اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔
اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کر لیں

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا
ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت
ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ
خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے
لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی نام کا زندہ کرنا خدا
تعالیٰ آپ سے چاہتا ہے"

اس سے قبل لوگ کہتے تھے کہ اسلام ختم ہو گیا ہے۔ اور اسلام اس زمانہ
میں چل نہیں سکتا۔ اس کے اصول و قواعد چودہ سو سال پرانے ہیں۔ مگر اب
روشنی کا زمانہ ہے اس میں دین اسلام کامیاب　　نہیں ہو سکتا۔
مایوسی اور ناامیدی کا یہ دور اب ختم ہو چکا ہے۔ [illegible]
لگ گئے ہیں اور وہ اصول پر کاربند ہونے کے لئے خواہاں ہیں۔ [illegible]
افغانستان۔ غرضیکہ کوئی بھی اسلامی حکومت ہو اس میں دین اسلام کی طرف
میلان و رجحان کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں انہی میں مسلم اقوام کی توجہ اس طرف
مبذول ہے کہ اسلام کے اصولوں پر خود عمل کرو اور دوسری
دنیا کو بھی اس کی طرف بلاؤ اور دعوت دو۔ اور
خیال موجود ہے کہ مسلمان اپنے ان زریں اصولوں پر عمل کریں گے تو ان کو نجات
حاصل ہوگی۔ اور دوسری قوموں کی نجات بھی انہی اصولوں پر عمل کرنے میں وابستہ
ہے۔ یہ محض لفاظی نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ دین اسلام نے ترقی حاصل
کی ہے۔

حضرت مسیح موعود نے احمدیہ تحریک محض اسلام کی
ترقی اور غلبہ کے لئے قائم کی ہے جس نے اپنی بساط کے مطابق اہل کلیسا
کے ممالک میں مساجد بنائیں۔ چنانچہ انگلستان میں مسجد قائم ہوئی تو اب وہاں
اور مساجد بھی تعمیر ہو رہی ہیں جن کی تعمیر میں اسلامی دنیا کے متمول ممالک
حصہ لے رہے ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں جماعت احمدیہ
نے جرمنی میں مسجد تعمیر کی تو وہاں بھی مساجد تعمیر ہو رہی
ہیں۔ اسی طرح انگریزی زبان میں اور دیگر یورپین زبانوں میں احمدیہ
تحریک نے تراجم و تفاسیر لکھیں تو اب ان کی تتبع میں دوسرے
مسلمان بھی اہل یورپ کی زبانوں میں تراجم و تفاسیر لکھ رہے ہیں۔

سیرت کانفرنسیں

منعقد کی جاتی ہیں۔ یہ سب باتیں مسلمانوں کی اسلام کی طرف میلان کا
اور دین اسلام کے اصولوں کی بلندی و برتری کا پتہ دیتی ہیں۔
بلکہ مسلمان اس بات سے آگاہ ہیں کہ اب ان کی ترقی صرف دین اسلام
کے اصولوں پر عمل کرنے پر ہی موقوف ہے۔ اور حضرت مسیح
موعود نے کیا خوب فرمایا تھا۔

چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں
اب تو ہیں اے دل کے اندھو دیں کے گن گانے کے دن

اب موجودہ یورپی تہذیب خود ایک تباہی کا پیش خیمہ ہے جس کی تباہی کی طرف
اشارہ فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ:۔
فضل کا پانی پلا اس آگ برسانے کے دن

اور مسلمانوں کو اس تباہی سے بچنے کی بشارت دی۔ اور اس کی صورت
یہ ارشاد فرمائی کہ مسلمان

جہاد بالقرآن کریں

یعنی

جہادِ اکبر

کریں۔ سائنس کا اس زمانہ میں مقابلہ قرآنی علوم سے مقابلہ کریں۔ کیونکہ
ہمیشہ قرآن پاک کے علوم کو ہی برتری حاصل ہوگی اور ہو رہی ہے۔ اور آئندہ
انہی کو برتری حاصل　ہوگی۔ کیونکہ اس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود
دیگر ادیان پر غلبہ کے لئے مبعوث ہوا اور

امام الوقت علیہ السلام

بھی اسی دین کی برتری اور غلبہ کے لئے مبعوث
کئے گئے۔ اور آج جس بات کی طرف آپ نے توجہ دلائی تھی۔ وہی اب
دیگر مسلمانوں کی توجہ کا مرکز نظر آ رہی ہے۔ اسی لئے امام الوقت
علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:۔

دل سے یہ انکار کی مجال نہیں رکھتے گو منہ سے انکار کریں۔
مصرع　دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

ہم نے جو قدم اٹھایا ہے وہی دیگر مسلمانوں
کی رہنمائی کا باعث بنا ہے اور انہیں اس طرف آنا پڑا ہے۔ ہم نے ترقی اور

غلبۂ اسلام کے لئے یورپی ممالک میں مساجد بنائی ہیں

تو اب دوسرے مسلمان بھی وہاں تعمیر مساجد
کر رہے ہیں۔ جو یقیناً:۔

اسلام کی سربلندی اور غلبہ کا موجب ہوں گی

لیکن جب تک کامل طور پر ان اصولوں کو نہ اپنائیں گے جو غلبۂ

اسلام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے

امام الوقت مجدد زمانؑ

نے پیش کئے ہیں۔ اس وقت تک کامل طور پر غلبہ و برتری حاصل
نہیں ہوگی۔ اور ان میں سے سب بڑا علمی اور قلمی جہاد ہے
اور عملی زندگی کو اسلامی اصولوں پر ڈھالنا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیں

اسلام کے ان سنہری اصولوں پر چلنے کی توفیق دے اور

غلبۂ اسلام کی عید

کی مسرتیں ہم حاصل کر سکیں۔

ارشادات

حضرت امیرِ قوم مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

للہ مافی السمٰوٰت و مافی الارض ......
...... وقالوا سمعنا و اطعنا غفرانک
ربنا و الیک المصیر (البقرۃ)

چشمۂ برکات ان آیات میں خدا تعالیٰ کی جبروت، عظمت، قدرت، علم اور فیاضیوں کا ذکر ہے ۔ فرمایا للہ مافی السمٰوٰت و مافی الارض ۔ اس کائنات کے خالق ہم ہیں ۔ خالق ہونے کی وجہ سے حکومت ہمارے ہاتھ میں ہے ۔

دوسری جگہ فرمایا لہ الخلق و لہ الامر ۔ کائنات کی اشیاء میں تاثیرات اور خواص ہم نے پیدا کئے ہیں ۔ اس لئے ان تمام چیزوں کا ہمیں پورا علم ہے اور ان پر پورا تصرف ہے ۔ اور فرمایا تبارک الذی بیدہ الملک ۔ صرف قدرت ثمانی اور علم کامل ہی نہیں اس کائنات کو خدا تعالیٰ نے برکات کا سرچشمہ بنایا ہے ۔ اس کی فیاضیاں ہیں ۔ اس کی رحمانیت ہے ۔ یہ صفاتِ عالیہ عقلمند انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت قائم کرتی ہیں ۔ اور ان سے اس کی فرمانبرداری کی رغبت پیدا ہوتی ہے ۔

علم و قدرت کی قدر علم، قدرت اور فیاضی کے سامنے لوگ جھکتے ہیں ۔ مثلاً جرمن دماغ کی لوگ بڑی تعریف کرتے ہیں ۔ اس کی مشینوں کے کل پرزے دیکھکر لوگ حیران ہوتے ہیں کہ کس خوبی سے یہ مشین بنائی گئی ہے ۔

انگلستان میں تو میں نے خود سنا ہے کہ دنیا میں علم کے لحاظ سے اول درجہ پر جرمن قوم ہے ۔ دوسرے نمبر پر فرانسیسی قوم ہے ۔ اور تیسرے نمبر پر ہم انگریز ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ یہ جرمن ہی ہیں جنہوں نے بائبل پر بلند پایہ تنقید HIGHER CRITICISM لکھی ہے ۔

ایسا ہی اگر کوئی ڈاکٹر کسی کے بچے کی جان بچادے ۔ تو والدین عمر بھر کے لئے اس کے خادم بن جاتے ہیں ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ اپنے محسن کے ساتھ محبت کرے جبلت القلوب الیٰ من احسن علیھا ۔ اللہ تعالیٰ کے کرم اور فیاضی کے آگے بھی ہر گردن جھکتی ہے ۔

جسمانی اور روحانی نظام للہ مافی السمٰوٰت و مافی الارض ۔ ہم اس کائنات کے پیدا کرنے والے ہیں ۔ قوانین ہم نے بناتے ہیں ۔ اشیاء کے اندر تاثیرات ہم نے رکھی ہیں ۔ دوسری جگہ فرمایا تبارک الذی نزل علیٰ عبدہ الفرقان جہاں ہم نے اس کائنات میں اپنے علم و قدرت ، فیاضی اور حکمت اور عظمت کا مظاہرہ کیا ۔ وہاں ہم نے روحانی فیوض کے بھی چشمے جاری کئے ہیں ۔ اس کے مقابل پر ہم تمہارے اعمال دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اعمال کو چھپا کر کرو تو بھی وہ ہمارے علم میں ہوتے ہیں اور ظاہر داری سے کام لو تو بھی ہمیں علم ہوتا ہے ۔ اگر ہماری رضا حاصل کرنے کے لئے اعمال بجا لاؤ تو تمہارے لئے انعامات ہی انعامات تیار ہیں اور اگر نافرمانی کرو تو سزا لازمی ہے ۔ وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ ۔ دلوں کی حالت کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۔ نیک ارادوں کو خدا تعالیٰ جانتا ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ نے جب بیعت کی تو فرمایا علم مافی قلوبھم یعنی ان کے دلوں میں خلوص تھا ہم اس خلوص سے واقف ہیں ۔

رضاء الٰہی لوگ دنیا کے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے ۔ بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہ مال، اولاد سب کچھ قربان کر دینا چاہتے ہیں ۔ مصطفیٰ نامی ایک نوجوان لندن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ۔ بیگم بھوپال پانچسو روپے ماہوار انہیں تعلیمی وظیفہ دیتی تھیں ۔ وہ نوجوان بڑا صالح اور پرہیزگار تھا ۔ کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے لئے جاتا تو بڑی احتیاط سے کھانا کھاتا ۔ اگر کوئی شک و شبہ ہوتا تو وہ مکھن ۔ ڈبل روٹی اور انڈا اُبال کر کھا لیا کرتا تھا ۔

اس کی تمنا تھی کہ بیگم صاحبہ کو میرے اس حال کا پتہ لگ جائے تاکہ اس کے حسنِ کردار سے وہ خوش ہو جائیں ۔ تو دنیوی حکام کی خوشنودی کے لئے انسان کیا کچھ کرتا ہے ۔ لیکن اگر زمین و آسمان کا بادشاہ خوش ہو جائے تو کتنی بڑی بات ہے ۔ اس کو خوش کرنے کے لئے توجہ کرو ۔ وہ حاضر و ناظر ہے ۔ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہیں دیکھتا ہے ۔ اس کا انحصار سی آئی ڈی کی رپورٹ پر نہیں بلکہ وہ خود دیکھتا ہے ۔

فیغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء ۔ فرمایا اگر تم ہمارے قوانین اور احکام کی پابندی کروگے تو تمہارے لئے مغفرت ہے اور اگر تم نافرمانی کروگے تو تمہارے لئے رسوائی ہے ۔

کمالِ عبودیت اللہ تعالیٰ کی کمال الوہیت ۔ کبریائی ۔ قدرت اور علم کی شان بیان کرنے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عبودیت کا ذکر کیا گیا ہے ۔ فرمایا اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ ۔ خدا تعالیٰ خود اعلان کرتا ہے کہ رسول اللہ ہماری پوری اطاعت کرتے ہیں ۔ ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ ۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا ۔ وہی کرتا ہوں جس کے لئے مجھے خدا سے حکم ہوتا ہے ۔ و انا اول المسلمین ۔ اور میں سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہوں ۔

اعترافِ خدمات اور فرمایا والمؤمنون ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ قوم کو بھی اپنے ساتھ ساتھ رکھتے ہیں اور اپنے عرفان اور عمل میں قوم کو بھی شریک کرتے ہیں ۔ فرمایا علیٰ بصیرۃ انا و من اتبعنی اور فرمایا ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین ۔ ہم نے آپ کی نصرت کی ۔ اور مومنین کے زورِ بازو سے بھی آپؐ کو نصرت حاصل ہوئی ۔ اور فرمایا حسبک اللہ و من اتبعک من المؤمنین ۔ خدا تعالیٰ آپؐ کے لئے کافی ہے ۔ اور ان مومنوں کے لئے بھی جو آپؐ کی اتباع کرتے ہیں ۔

حضور صلعم اپنے ساتھیوں کی خدمات کا اعتراف کیا کرتے تھے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق فرمایا ان امن الناس علیّ فی صحبتہ و مالہ ابابکر ۔ جس نے میری خدمت کی ۔ اور میرے لئے اپنا مال صرف کیا وہ ابوبکرؓ ہیں ۔ جس کا سب سے زیادہ احسان مجھ پر ہے ۔ پھر فرمایا کہ اگر ساری دنیا کے ایمان کو اور ابوبکرؓ کے ایمان کو تولا جائے تو ابوبکرؓ کا ایمان بھاری ہوگا ۔

اور حضرت عمرؓ کے متعلق حضور صلعم نے فرمایا کہ جس راستے سے عمرؓ چلتا ہے وہ راستہ شیطان بھی چھوڑ دیتا ہے ۔ اور ان کے حق میں عبقری کا لفظ استعمال کیا کہ وہ لاجواب شخص ہیں ۔

کلچر اور انسانیت حضرت امام الزمانؑ نے بھی حضرت مولانا نور الدینؓ کو عبقری کا خطاب دیا تھا ۔ اور فرمایا کہ وہ لاجواب انسان ہیں ۔ اور فرمایا ان میں بعض ایسی صفات ہیں کہ مجھے ان پر رشک آتا ہے ۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے بھی کلچر اور انسانیت سکھلائی ہے ۔ پیری مریدی نہیں سکھائی ۔ ایک دفعہ کا ذکر

(باقی بر صلا کالم ملا)

ہے کہ ایک ہندو جو کمپونڈر کا کام کرتے تھے مسلمان ہو گئے۔ وہ بٹالہ سے پیدل چل کر حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت صاحب سیر کی غرض سے سیڑھیوں سے اُتر رہے تھے۔ دیکھ کر فرمانے لگے آہا! ڈاکٹر صاحب آپ آگئے۔ اسی وقت گھر کے اندر واپس گئے۔ اور لسّی اور روٹی لے آئے اور فرمانے لگے کہ پہلے آپ ناشتہ کر لیں پھر ہم سیر کو جائیں گے۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؒ حضرتؑ کی ملاقات کے لئے گئے آپ نے گھر اندر بُلا لیا۔ اور پلنگ پر بٹھایا۔ ان کو کچھ دیر کے بعد نیند آگئی اور وہیں لیٹ گئے۔ آپ پہرہ دینے کے لئے دوسری چارپائی پر لیٹ گئے تاکہ ان کو کوئی نہ جگا دے۔

ایک دفعہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب اور شیخ مولا بخش صاحب ملاقات کے لئے آئے۔ دروازے پر دستک دی۔ تو حضرت باہر نکل آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضور نے وسمہ لگایا ہُوا ہے اور اسی حالت میں بلا تکلف باہر آ گئے اور ان کو اندر لے گئے۔ تصنع وغیرہ ان کے پاس تک نہ آیا تھا۔ دوستوں پر کبھی تصنع سے اثر نہ ڈالتے تھے۔ بلکہ آپ نے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ حضرت مولنا محمد علی صاحبؒ اور حضرت مولنا عبدالکریم صاحبؓ کو اپنے گھر کے اندر رہائش کے لئے جگہ دے رکھی تھی۔ کوئی پیر کبھی اپنے گھر کے اندر کسی کو نہیں رکھ سکتا۔ پیر کی زندگی اور قسم کی ہوتی ہے۔ اس کا ظاہر و باطن ایک قسم کا نہیں ہوتا۔ پیر کے مُرید آخر کار اس سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ لیکن اہل اللہ کے لئے دِلوں میں محبّت بڑھتی جاتی ہے۔

تکریم احباب

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستوں کی تکریم کرنے میں کمال کر دیا۔ حضرت عُمرؓ عمرہ کرنے کی اجازت طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخانا لا تنسنا من دعائك۔ اے ہمارے بھائی تم خدا کے گھر جا رہے ہو۔ آپ ہمیں اپنی دُعاوں میں یاد رکھنا۔ اس کلام نے حضرت عمرؓ پر وجد طاری کر دیا کہ مجھے بھائی کہا گیا ہے۔ اور مجھے دُعا کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ حضرت عُمرؓ کے منہ سے ذیل کا جُملہ بے اختیار نکلا۔ فقال کلمة ما یسرنی ان لی بھا الدنیا۔ یعنے حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ کلمات میرے لئے استعمال کئے ہیں کہ ان کے مقابل پر اگر ساری دنیا بھی مجھے حاصل ہو جائے تو وہ مسرت نصیب نہ ہو۔

صحبتِ ماہور

حضرت مرزا صاحب کی صحبت سے فیضیاب ہو کر لوگ باخدا ہو گئے۔ ان کی زندگیوں میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ متقین ہو گئے۔ وہ ایثار پیشہ ہو گئے۔ اُنہوں نے جائدادیں دیں مال دے دیا۔ زندگیاں وقف کر دیں۔

معیارِ صداقت

حضرت مرزا صاحب ایسے گاؤں میں قیام رکھتے تھے جہاں علم کا کوئی چرچا نہ تھا۔ باوجود اس کے آپ نے پنجاب و ہندوستان کے علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ میری صداقت کی یہ دلیل ہے کہ میں عربی زبان میں کتاب لکھوں گا۔ جس کی فصاحت و بلاغت اور معارف کے مقابل پر تم ویسی کتاب نہ لکھ سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ اس مُلک کے سخت ترین دشمن علماء بھی ان کے مقابل پر کچھ نہ لکھ سکے۔

عالم الکلام کا اعتراف

اس کے خلاف بعض عرب عُلماء نے عربی کتابوں کو دیکھ کر ان کی فصاحت و بلاغت و حقائق و معارف کی بڑی تعریف کی۔ شکیب ارسلان جو محمد عبدہ مصری کا ہم پلہ عالم بے بدل تھا میری ان سے ملاقات لوزان کانفرنس میں ہوئی۔ اس کانفرنس میں حکومتِ عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ایک طرف لارڈ کرزن تھے اور دوسری طرف عصمت پاشا۔ موخرالذکر کے مقابلہ پر لارڈ کرزن بچہ معلوم ہوتا تھا۔ لوزان میں شکیب ارسلان بھی تھے۔ اُنہوں نے مجھے مل کر خوشی کا اظہار کیا اور میرے اعزاز میں پارٹی دی۔ چھ ماہ کے بعد وہ برلن پہنچے۔ مجھے خبر ہوئی میں ان کی ملاقات کے لئے گیا اور ان کی قیامگاہ پر جا کر ان کو السلام علیکم کہا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ کہاں انہوں نے میرے اعزاز میں پارٹی دی اور تعریف کی۔ اور کہاں وہ میرے سلام کا جواب نہیں دے رہے تھے۔ میرے لئے یہ امر موجب تعجّب تھا۔

دو سکنڈ کے بعد میں وہاں سے واپس روانہ ہُوا اور خفگی کے اظہار کے لئے میں نے لکڑی کی سیڑھیوں پر زور زور سے پاؤں مارے۔ اس کا اثر ان پر ہُوا۔ وہ بھی نیچے اُتر آئے اور مجھے اپنے ساتھ اُوپر لے گئے۔ اور کہا کہ ہم عرب ہیں جو ہمارے دل میں ہے وہی زبان پر بھی ہے۔ میں آپ کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے ان کو حضرت نبی کریم صلعم کے فرمان کی طرف توجہ دلائی کہ جو کوئی آدمی تمہارے پاس نہیں ہے اس پر کوئی الزام مت لگاؤ۔ اس کے متعلق فیصلہ مت کرو۔ جب تک اس سے پوچھ نہ لو۔ آپ عالمِ دین ہیں۔ قرآن و حدیث سے واقف ہیں۔ آپ نے مجھ سے دریافت کئے بغیر کسی دشمن کی بات سُن کر فیصلہ کر لیا۔

میرے اس کلام پر انہوں نے سر جھکا لیا۔ اور مجھ سے کہا کہ آپ مرزا صاحب کو کیا مانتے ہیں۔ میں نے کہا مجدّد؟ بس؟ تو مجدّد تسلیم کرنے کے لئے تو میں تیار ہوں۔ آپ مزید اطمینان کے لئے یہ امر ان کی کتاب میں دکھا دیں۔ میں ان کو اپنے گھر لے آیا۔ اور حضرت صاحب کی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کا عربی حصہ ان کے سامنے رکھا اس میں یہ عبارت درج ہے:۔

"ولست بنبیّ انی بعثت لاجل دین المصطفٰی"

اس بیان کا اطمینان حاصل ہوا اور کہا میں بھی ان کو مجدّد تسلیم کرتا ہوں۔ بعد میں انہوں نے مجھے خط لکھا اور ایک کتاب پر دیباچہ لکھتے ہوئے سلسلہ عالیہ کا اس میں ذکر کیا۔

حضرت مرزا صاحب نے جہاں اپنے کلام سے لوگوں پر سکّہ جمایا وہاں ان کی صحبت اور تعلیمات نے جماعت پر وہ خاص رنگ چڑھایا کہ وہ علماء جو احمدیوں کی تکفیر کرتے تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ اسلام دیکھنا ہو تو قادیان میں جا کر دیکھو۔ کچہری میں احمدی کی گواہی صحیح سمجھی جاتی تھی۔ اور عدالت جانتی تھی کہ احمدی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

مقامِ رسالت

رسولوں اور مومنین کے ایمان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا امن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ اس آیت میں خدا تعالےٰ نے اپنی سنّت کا ذکر کیا ہے کہ ہم اپنی وحی فرشتہ کے سپرد کرتے ہیں۔ جو اس وحی کو ہمارے رسول تک پہنچاتا ہے۔ انہ تعالیٰ انما یوحی الی انبیاءہ بواسطۃ الملائکۃ کما قال تعالیٰ ینزل الملائکۃ۔ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ وقال تعالیٰ فانہ نزلہ علی قلبك وقال تعالیٰ نزل بہ الروح الامین علے قلبك وقال تعالیٰ علمہ شدید القویٰ۔

دعویٰ مجدّدیت

ان آیات کی بناء پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا حسب تصریح قرآن کریم نبی یا رسُول وہ ہوتا ہے جس پر جبریل وحی نبوت لے کر اُترے۔ میرے پر جبریل وحی نبوت لے کر نہیں اُترتا۔ میرے پر وحی ولایت اُترتی ہے۔ میرا دعوےٰ نبی ہونے کا نہیں بلکہ میرا دعویٰ مجدّد ہونے کا ہے۔ جو خدا کے حکم سے کیا گیا ہے۔ ان آیات میں ایک اور اہم اُصول بیان کیا گیا ہے۔ وہ امن الرسول . . . . . . والمؤمنون کے الفاظ میں درج ہے۔ یعنی نبی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لاوے۔ جس کی مزید تصدیق یہ حدیث کرتی ہے۔ امنت بکتابك الذی انزلت بنبیك الذی ارسلت۔ اور اپنے متبعین کو اپنی نبوت منوائے۔ اس قانونِ الہٰی کے موافق حضرت امام الزمان اگر نبی ہوتے تو اپنی نبوت پر ایمان لاتے۔ اور اپنے متبعین کو اپنی نبوت منواتے۔ لیکن انہوں نے کبھی اعلان نہ کیا کہ میں اپنے نبی ہونے پر ایمان لاتا ہوں بلکہ بیعت کے وقت اپنی نبوت کے بجائے اخوت کا سبق دیا۔ معلوم ہُوا وہ نبی نہ تھے۔

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۳ ذیقعد ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۳۳

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عزیزاں بے خلوص و صدق نکشاید رہے
مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے دوستو جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے ۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو۔ اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اسی سُنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر ایک طرف سے کوشش ہو گی کہ تم ٹھوکر کھاؤ۔ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی۔ اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دُکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ وہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سُن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے ۔ اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی۔ جن سے خدا تعالےٰ نفرت کرتا ہے ۔ اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔ یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدائے تعالےٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا ہم کیونکر خدا تعالےٰ کو راضی کریں ۔ اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقوےٰ سے ۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو کہ تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں ۔ اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں ۔ سو تقوےٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالےٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ ۔ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر یک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے ۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہو گی ۔ اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء ۔ ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے ۔ اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے ۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پان کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے ۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو ۔ اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہو گا اور وہ گھر بابرکت ہو گا جس میں تم رہتے ہو گے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہو گی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہو گا جہاں ایسا آدمی رہتا ہو گا .... اگر تم پورے طور پر خدا تعالےٰ کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔

(الوصیت)

وفات حسرت آیات

اخبار پریس میں جا چکا تھا کہ علامہ حضرت شیخ عبدالرحیم مصری صاحب کی وفات کا المناک واقعہ بتاریخ ۱۲ اکتوبر بروز ہفتہ پیش آیا۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ راجعون۔ مفصل آئندہ۔ (ادارہ)

ماسٹر اصغر علی صاحب دارالسلام

مذاکرۂ علمیہ

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم پر ایک نظر

کیا بعض قوانین کے ماتحت انسان کی عمر گھٹ بڑھ سکتی ہے؟

(از قلم مجز رقم ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم و مغفورا)

اعتراض ایک دوست نے ایک مرتبہ میرے سامنے عمر کے گھٹنے اور بڑھنے پر کسی نیچری کا اعتراض پیش کیا کہ قرآن کریم کی مختلف آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر گھٹ بڑھ نہیں سکتی۔ جیسا کہ آیت اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ولا یستقدمون۔ سے ظاہر ہے کہ جب ان کا وقت مقرر آجائے گا تو وہ اس سے نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی آیات ہیں جن سے ایسا ہی نظر آتا ہے۔ تو حضرت مرزا صاحب نے بعض جگہ یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ دشمنوں کے مباہلہ وغیرہ کی صورت میں میں تیری عمر بڑھا دوں گا۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟

جواب میں نے اس اعتراض پر بڑا غور کیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی بھی معقولیت نظر نہیں آئی۔ یہ کہنا کہ خدا کسی کی عمر کو نہ گھٹا سکتا ہے نہ بڑھا سکتا ہے خواہ ضرورت اور مصلحت کیوں نہ ہو۔ یہ نیچریت ہے۔ معرفت الٰہی نہیں۔ وہ خدا کیا ہوا۔ اور اس کی قدرت کیا ہوئی جو اپنے کسی بندہ کی عمر کو نہ گھٹا سکتا ہے نہ بڑھا سکتا ہے۔

میرے خیال میں ایسے شخص کی نظر میں خدا کی حیثیت نعوذ باللہ ایک کولھو کے بیل سے بڑھ کر نہیں۔ جو مقررہ چکر میں گھوم رہا ہے۔ معترض کو اذا جاء اجلھم۔ الخ۔ کی آیت نظر پڑی۔ مگر ساتھ ہی یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتٰب کیوں نظر نہ پڑی۔ کہ خدا جو چاہے مٹا دے اور جسے چاہے قائم رکھے۔ اور اس کے پاس ہے اصل کتاب۔ معترض کو قرآن کریم کی یہ تنبیہ بھول گئی کہ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ کہ قرآن کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو۔

صفاتِ علیم و قدیر پر بحث

اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی دو صفات علیم اور قدیر پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی دو صفاتِ الٰہیہ ہیں جن کے ماتحت تمام مسائل تقدیر، معجزات، پیشگوئیوں وغیرہ کے آجاتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کو سمجھ لینے سے یہ ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

صفت قدیر پر بحث

میں پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو لے لیتا ہوں۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یعنی اپنی صفات کے مطابق وہ ہر چیز اور ہر امر پر قدرت رکھتا ہے۔ فعل خدائی صفات کے خلاف ہوگا۔ وہ خدائی فعل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کی صفت حق کے خلاف ہوگا۔ پس جو جھوٹ بولے گا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خدا کی طرف امکانِ کذب نہیں ہو سکتا

اسی طرح خدا کی طرف ہم یہ نہیں منسوب کر سکتے کہ وہ اپنے جیسا خدا پیدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ پیدا ہونا خدا کی صفت نہیں۔ جو پیدا ہوگا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا تو غیر مخلوق ہے۔ جو مخلوق ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ سوال پرلے درجہ کی جہالت پر مبنی ہے کہ کیا خدا اپنے جیسا خدا پیدا کر سکتا ہے؟ خدا کی طرف پیدا ہونا منسوب ہی نہیں ہو سکتا۔ پس علیٰ کل شیءٍ قدیر کے معنی یہ ہوئے کہ اپنی صفات کے مطابق وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

چونکہ وہ خدا ہے اس لئے اس کی صفات اور افعال پر حد بندی نہیں لگائی جا سکتی۔ پس اس کی ہر صفت لامحدود ہے۔ اور اس کے ماتحت اس کا ہر فعل ایک لامحدود قدرت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ فعال لما یرید۔ جو ارادہ کرلے اس کو کر کے رہتا ہے۔ یعنے اس کے ارادہ میں کوئی چیز روک نہیں پیدا کر سکتی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ بے شک اس کا امر تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کے متعلق ارادہ کرے تو فرماتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ یعنی ارادہ الٰہی اور اس چیز کے وجود میں آجانے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ پھر فرماتا ہے یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب۔ کہ خدا جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے قائم رکھے۔ اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔

پھر یہاں تک فرمایا کہ واللہ غالب علیٰ امرہٖ۔ اور اللہ اپنے امر پر بھی غالب ہے۔ یعنی ایک چیز کا امر جناب الٰہی سے ہو چکا ہو۔ تب بھی وہ اس کو روک سکتا ہے۔ تو گویا خدا کے افعال یعنی اس کی قدرت پر جو اس کی صفات کے منافی نہیں حد بندی لگانا عدم معرفت کی دلیل ہے۔

قدرت اور سنت اللہ میں فرق

یہاں بعض لوگوں کو یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ کہ تو خدا کی سنت میں تبدیلی نہیں پائے گا۔ [illegible] ہوئے۔ سو واضح ہو کہ قدرتِ الٰہی اور چیز ہے اور [illegible] ہے۔ سنت اللہ کے تو یہ معنے ہیں کہ خدا نے اپنے علم اور قدرت کے ماتحت اپنی تمام مخلوق کو جن قوانین کے ماتحت رکھا ہے۔ تو ان میں تبدیلی نہیں پائے گا۔ یہ بھی اسی قدیر کی قدرت پر دلیل ہے۔ کہ خدا کے قوانین اٹل ہیں۔ وہ بدلا نہیں کرتے اور انسان کی تو کیا مجال ہے کہ مخلوق ہو کر اس کے قانون میں کوئی رد و بدل کر سکے۔

اس کے یہ معنے تو نہیں کہ خدا کو قدرت نہیں کہ وہ ان قوانین کو بدل سکے۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اس نے اپنی مشیت سے جو قوانین اپنی مخلوق کے لئے تجویز کر دیئے ہیں۔ وہ ان کو بدلا نہیں کرتا۔ یہ عادت اللہ کا ذکر ہے قدرتِ الٰہیہ کا ذکر نہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ سنت اللہ سے وہی قوانین اور عاداتِ الٰہیہ مراد ہیں۔ جن کا ذکر خود جناب الٰہی نے اپنی

(باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ــــ لاہور ــــ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے (مسیح موعود) جب اللہ تعالیٰ ایٹم شق کرے گا۔

۱۹۴۵ء میں جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرایا گیا تو اس کی ہولناک تباہیوں سے متاثر ہو کر مشرقی اور مغربی دُنیا نے اس وحشت و بربریت اور انسان کُشی کی بہیمانہ کاروائی کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ اس مہلک ہتھیار کے موجد سائنس دان جو اس کی تباہ کاریوں کے امکانات سے ابھی تک ناآشنا تھے اور سیاست دان اور حکمران بیک آواز پکار اُٹھے کہ اس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں ورنہ اگر روس۔ برطانیہ۔ فرانس۔ چین۔ جاپان۔ اٹلی۔ جرمنی۔ کیوبا اور میکسیکو وغیرہ نے بھی اپنے بچاؤ اور دفاع کی خاطر اس قسم کے مہلک ہتھیار ایک بڑی تعداد میں تیار کرنے شروع کر دیئے تو اس کے غالب بلکہ یقینی امکانات ہیں کہ اس کرۂ ارض کو مکمل تباہی اور بربادی سے کوئی انسانی طاقت اور تدبیر ہرگز نہ بچا سکے گی۔

اس دوران میں انتباہ کے طور پر بہت سی کتابوں اور بے شمار رسالوں میں ایسے بیانات شائع ہوتے رہے جن کا مقصد انسانی ضمیر کو جھنجھوڑنا اور انسانیت کے بچاؤ اور اس کی حفاظت کی خاطر کوئی کارآمد لائحہ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دینا تھا۔ انہی احتجاجات اور چیخ و پکار کے نتیجے میں اقوامِ متحدہ کا اس اُمید پر وجود میں لائی گئی کہ شاید اس کے ذریعے مختلف قوموں کے درمیان تنازعات اور اختلافات کو پُرامن طور پر حل کرنے کی کوششوں سے دُنیا میں امن قائم ہو سکے اور انسان اپنی ہی ایجاد کردہ تخریب کاری کے ہاتھوں اپنی ہزاروں سال کی محنت سے تعمیر کی ہوئی تہذیب کو جلا کر راکھ کا ڈھیر نہ بنا دے۔ لیکن اس ادارہ کی کامیابی کے متعلق بھی خدشات کا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ ایک امریکی مصنف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اقوامِ متحدہ وجود میں آگئی ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد بہت بلند اور اخلاص پر مبنی ہیں۔ اس کے نظریات کے ارفع و اعلیٰ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس لئے یہ لازم ہے کہ ہر انسان کی ہمدردی اس کے ساتھ ہو۔ ساری نسلِ انسانی کی نیک خواہشات اس کے ساتھ ہیں۔ لیکن اس ادارہ نے ایک ناممکن کام کا بیڑہ اُٹھایا ہے۔ ایسا کام جس کا پایۂ تکمیل تک پہنچانا اس کے بس کا روگ نہیں۔
>
> اس میں کوئی شک نہیں کہ باہمی عداوتیں بظاہر ختم ہو چکی ہیں۔ قومیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دنیا میں امن نہیں ہے۔ جنگ و جدل کے بیج ابھی ختم نہیں ہوئے۔ قومی حسد۔ دُشمنی اور لڑائی جھگڑے ابھی تک باقی ہیں۔ فتنہ و فساد کی جڑی بوٹیاں ابھی تک جڑ سے نہیں اُکھاڑی گئیں۔ نفرت اور کینہ کی آگ ابھی تک سینوں میں سُلگ رہی ہے ناقابلِ برداشت جنگی قرضوں کی وجہ سے اس میں اور بھی اضافہ ہوا ہے اور اس کے شعلے اور تیزی سے بھڑک گئے ہیں کیونکہ جنگِ عظیم کے دوران کھربوں ڈالر کے بے پناہ اخراجات نے ساری دُنیا کو چکرا دیا ہے جس کی ناممکن تلافی کے مطالبات کئے جا رہے ہیں۔
>
> چنگھاڑتے ہوئے گولوں۔ سنسناتے ہوئے بموں۔ کٹے ہوئے جسموں۔ بڑے بڑے شہروں کی تباہیوں۔ بڑے بڑے جہازوں کے ٹکڑوں۔ پھٹنے والے مادہ کی آسمان سے برسات۔ عورتوں کے آنسوؤں اور بھوک اور خوف سے نڈھال اور زرد رُو معصوم بچوں کے نظارے ابھی تک آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتے۔"

"WHEN GOD SPLITS THE ATOM —1945"

(جب خدا ایٹم شق کرے گا) کے مصنف کارلائل بی۔ ہینز۔ ایٹم کی دریافت اس کی ساخت اور اس میں بے پناہ مخفی تباہ کُن قوت اور اس کی وجہ سے دُنیا کی تباہی کے امکانات پر روشنی ڈالتے ہوئے بائبل میں پیشگوئیوں کے حوالے سے بتاتے ہیں:

> "جنگ کا خاتمہ انسان کی طاقت میں نہیں کیونکہ انسان جنگ کے اسباب کو نہ ختم کر سکتا ہے۔ نہ ان پر قابو پا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں کسی صورت میں دُور کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ باہمی کشمکش کا سب سے بڑا سبب گناہ ہے اور گناہ کو دُور کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ جب تک دنیا گناہ کی گرفت میں رہے گی دُنیا میں جنگ و جدل کا بازار گرم رہے گا۔" (ص ۶۲)

اس لئے اقوامِ عالم کو متحد کرنے کی کوئی بھی انسانی کوشش نہ اس وقت تک کامیاب ہوئی اور نہ کامیاب ہوگی۔

مصنف گناہ سے نجات کو آدمِ ثانی کی آمد سے منسوب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "اب وقت قریب ہے کہ گناہ صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ اور دُنیا اس کی لعنت سے آزاد ہو جائے گی۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب انسان کے ہاتھوں دنیوی تباہی و بربادی کے بعد اللہ تعالیٰ ایک نیا سماجی نظام وجود میں لائے گا۔ بدی کے بجائے نیکی کا دَور دورہ ہوگا۔ لعنت کی جگہ رحمتِ الٰہی ہوگی۔ کیونکہ آدمِ ثانی کی آمد کا وقت قریب ہے۔ ایک صاف ستھری نئی دنیا کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ ابھی سے آسمان پر اس کی عظیم الشان تیاریاں زور و شور پر ہیں۔
>
> موعود بادشاہت اور شان و شوکت مسیح کی آمد سے وابستہ ہے۔ وہی اس کا علاج لے کر آئیں گے۔ وہی اس ٹوٹی ہوئی دنیا کو جوڑیں گے۔ وہ گناہ اور غم کو ملامت کریں گے۔ وہ موت اور بیماری کو دنیا سے نکال دیں گے۔ وہ قبروں کا صفایا کر دیں گے وہ مخلوق کو نجات دیں گے۔ وہ تمام قوموں سے لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کریں گے۔ وہ ساری دنیا کو مستقل صحت بخشیں گے اور عدل و انصاف کے دائمی اصول قائم کریں گے۔ وہ انصاف پر مبنی دائمی اصول قائم کریں گے۔ اور اپنے عدل اور امن کے تخت سے ہمیشہ کے لئے حکومت کریں گے۔" ص ۸۹

ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف دنیا میں قیامِ امن اور گناہ سے نجات

نجات کو آدمِ ثانی کی آمد سے وابستہ سمجھتے ہیں اور اس آدمِ ثانی سے ان کی مراد حضرت یسوع مسیح ہیں۔

اسی ایٹمی توانائی کے خطرناک دور کو آدمِ ثانی یا مسیح کی آمدِ ثانی کا زمانہ ثابت کرنے کے لئے وہ بائبل کی اس پیشگوئی کا حوالہ دیتے ہیں:-

"سورج اور چاند اور ستاروں میں نشان ظاہر ہوں گے اور زمین پر قوموں کو تکلیف ہوگی کیونکہ وہ سمندر اور اس کی لہروں کے شور سے گھبرا جائیں گے۔ اور ڈر کے مارے اور زمین پر آنے والی بلاؤں کی راہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی جان میں جان نہ رہے گی اس لئے کہ آسمان کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ اس وقت لوگ ابنِ آدم کو قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ بادل میں آتے دیکھیں گے۔ اور جب یہ باتیں ہونے لگیں تو سیدھے ہو کر سر اوپر اُٹھانا اس لئے کہ تمہاری مخلصی نزدیک ہوگی۔"

(لوقا - ۲۱: ۲۵-۲۶)

اس سے پہلے متی کی انجیل میں جو نشانیاں بیان ہوئی ہیں ان میں لڑائیوں، زلزلوں، قحط، بے دینی اور بھاری مصیبت کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ: "جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابنِ آدم کا آنا ہوگا۔"

اس کے بعد ہے:-

"اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے۔ اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابنِ آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔ اور اس وقت زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابنِ آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گے۔ اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک جمع کریں گے۔ (متی - باب ۲۴ - ۲۹-۳۱)

اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کتاب مذکور کے مصنف پطرس کے دوسرے عام خط کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

"خداوند کا دن چور کی طرح آ جائے گا۔ اس دن آسمان بڑے شور و غل کے ساتھ برباد ہو جائیں گے۔ اور اجرامِ فلکی حرارت کی شدت سے پگھل جائیں گے اور زمین اور اس پر کے کام جل جائیں گے لیکن اس کے وعدہ کے مطابق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں جن میں راستبازی بسی رہے گی۔"

"اجرامِ فلکی حرارت کی شدت سے پگھل جائیں گے" کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ ایٹم کے شق ہونے سے اس قدر شدت کی حرارت خارج ہوتی ہے کہ اس سے سخت سے سخت چیزیں پگھل کر فنا ہو جاتی ہیں۔ اس کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یورینیم ۲۳۵ جو ایٹم بم میں استعمال ہوتا ہے کے ایک پونڈ سے اتنی حرارت خارج ہوتی ہے جتنی کوئلے کے پچاس لاکھ پونڈ کے جلانے سے خارج ہو سکتی ہے۔ پانی کے ایک گرام وزن میں اتنی قوتِ حرارت مخفی ہے کہ اگر اسے خارج کیا جائے تو اس سے تین ہزار ٹن پانی چشم زدن میں بھاپ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

عیسائی عالم بھی جب یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اپنی بائبل کے حوالوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ وہی پُر آشوب اور خطرناک دور ہے جس میں حضرت مسیح کو نازل ہونا چاہئے اور دنیا مختلف قسم کے تیز رفتار ذرائع مواصلات کی ایجادات سے اس قدر سمٹ کر رہ گئی ہے کہ ایک دن میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کیا جا سکتا ہے ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے تو چند لمحات میں ہزاروں میل سے خبریں سُنی جا سکتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے اس دنیا کو گناہ اور خوف سے نجات دلانے کے لئے حضرت عیسےٰ ابھی تک تشریف نہیں لائے جب کہ یہ دُنیا بقول عیسائی عالموں اور سائنسدانوں کے ایٹم بموں۔ ہائیڈروجن بموں اور نیوٹران بموں کی ایجادات سے ایک ایسی ہولناک تباہی اور بربادی کے دہانے پر کھڑی ہے کہ پلک جھپکنے میں پگھل کر اور جل کر راکھ کا ڈھیر ہو سکتی ہے۔ اور یہ ساری مادی تہذیب مٹ کر ایک افسانۂ پارینہ بن سکتی ہے۔

بعض عیسائی عالموں نے تو مسیح کی آمدِ ثانی کے وقت کا تعین بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۸۹ء میں امریکہ میں "MILLENNIAL DAWN" (میلینیل ڈان) کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کے صفحہ ۳۳ پر یوں لکھا ہے:-

ترجمہ: "ہم اس باب میں بائبل کی شہادت پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدمؑ کی پیدائش سے سنہ ۱۸۷۲ء تک چھ ہزار پورا ہوتا ہے اور اس سنہ ۱۸۷۲ء کے بعد ہم لازمی طور سے ساتویں ہزار میں داخل ہوتے ہیں جس کا ابتدائی حصہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا زمانہ ہے جو مصیبت اور تکالیف کا زمانہ ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اس دنیا کی حکومت ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور خدا کی حکومت آسمانوں کے نیچے قائم ہو جائے گی۔ خداوند یسوع مسیح کی صبح تاریک اور طوفانی اور مصائب دنیا سے پُر ہوگی اور برائے نام جو گرجے ہیں وہ بھی ان مصائب سے بری نہ ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک روشنی پھوٹ نکلے گی جو راحت اور سرور سے بھرپور ہوگی۔"

امریکہ ہی میں سنہ ۱۹۰۰ء میں "OUR LORD'S RETURN" (خداوند یسوع مسیح کی آمدِ ثانی) کے نام سے ایک دوسری کتاب شائع ہوئی جس میں لکھا ہے:-

(۱) "ہم آخری زمانہ میں ہیں اور آخری زمانہ سنہ ۱۷۹۹ء سے شروع ہوتا ہے۔" (ص ۹)

(۲) "مذہب کی حکومت دنیا پر ہو جائے گی۔ اور تمام بادشاہ اس آخری زمانہ کے مذہب کے جھنڈے کے نیچے ہو جائیں گے اور یہی زمانہ مسیح کے دوبارہ آنے کا ہے۔ اس کا ظہور رفتہ رفتہ ہو جائے گا۔" (ص ۱۱)

(۳) "ہم ابنِ آدم کے زمانہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں" (یعنی مسیح آ چکا ہے)" (ص ۲۱)

(۴) "ہماری سمجھ میں مسیح کے دنیا میں موجود ہونے کا وقت موسمِ خزاں سنہ ۱۸۷۴ء سے شروع ہو گیا ہے۔ اور اس کے لئے قوی ثبوت ہیں۔" (صفحہ ۲۳)

اسی کتاب کے مختلف صفحات میں اس زمانہ کی نشانیاں اس طرح درج ہیں:-

"خداوند اس طرح آئے گا جس طرح چور رات کو آتا ہے اور کوئی ظاہری اور قدرتی آنکھوں سے نہ پہچان سکے گا۔ اس کے ظہور کے وقت لوگ کہیں گے کہ کیا امن اور سلامتی کا زمانہ ہے۔ مگر ناگہاں اُن پر بربادی آئے گی جس سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکیں گے۔ آخری زمانہ میں سفر بڑھ جائے گا۔ عام خبروں کی کثرت ہو جائے گی۔ علم کی بہت ترقی ہوگی۔ لوگ سفر کر کے دور دراز مُلکوں میں جا کر علمی ترقی کریں گے۔ علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ

لوگوں میں بے چینی پھیل جائے گی اور بالآخر اس قدر مصیبت بڑھ جائے گی کہ جس کی نظیر پہلے نہ ہوگی۔ لالچ۔ حرص۔ شدید نفسانیت۔ حسد۔ منافرت۔ جھگڑا و فساد اور دیگر شیطانی کاموں کا فروغ ہوگا۔" (صفحات ۲۔ ۹۔ ۱۰۔ بحوالہ عسل مصفّٰی حصہ دوم ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۱۲۔ ۴۱۳)

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۹ء تک کے ۱۵۷ سال کے عرصہ میں یہ مذکورہ علامات ایک ایک کر کے بڑے واضح اور غیر مبہم طور پر پوری ہو چکی ہیں لیکن جس مسیح نے آنا تھا وہ آ چکا ہے۔ اس کا ظاہری آنکھوں کو کوئی نشان نہیں مل رہا۔ مسلمان بھی اس کے انتظار میں آسمان کی طرف نظریں لگائے بیٹھے ہیں لیکن اس کے نازل ہونے کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ اور اب مایوس ہو کر بڑے بڑے مفکر یہ کہہ اٹھے ہیں کہ مسیح کے دوبارہ آنے کا تصور مجوسیوں کا تصور ہے جو اسلام میں داخل ہو گیا لیکن یہ نہیں سوچا کہ مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی تو بخاری شریف میں موجود ہے۔ اور متواتر چلی آ رہی ہے۔ اب بھی مسلمان قرب قیامت اس کے آنے اور ان کے مصائب دور کرنے کے قائل ہیں۔ اس تصور کو آج تک کسی نے رد نہیں کیا بلکہ یہ اتنا پختہ اور ذہن نشین ہو گیا کہ مسیح کو اس کے لئے آج تک آسمان پر زندہ بٹھایا ہوا ہے اور اس کی حیات کے ثبوت میں لندن میں حیات مسیح کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ کون کہتا ہے کہ یہ اسلامی عقیدہ کے خلاف مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے مطابق آنے والے مسیح کا زمانہ ۱۸۷۲ء یا ۱۸۷۹ء سے شروع ہو چکا ہے۔ جتنی بھی علامات بائبل میں مذکور ہیں وہ بھی پوری ہو چکی ہیں۔ اصلی یسوع مسیح کے متعلق عقیدۂ الوہیت سے بھی اب بڑے بڑے عیسائی علماء جو خود عیسائیت کی تعلیم بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں دیتے ہیں دستبردار ہو رہے ہیں اور اسے عام انسان سمجھنے لگے ہیں۔ انہوں نے یسوع مسیح کے اس کفن کا بھی کھوج لگا لیا ہے جس میں صلیب سے اتارے جانے کے بعد انہیں لپیٹا گیا اور اس پر نشانات اور خون کے دھبوں سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم کو جب صلیب سے اتارا گیا تو وہ زندہ تھے۔ کشمیر کا سفر اختیار کرنے کے بعد ایک عیسائی مصنف واقعاتی شہادت کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ مسیح فوت ہو چکا ہے اور کشمیر کے محلہ خانیار میں مدفون ہے۔

مقبوضہ کشمیر کے ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر حسنین اسی مسئلہ پر تحقیق اور چھان بین کے بعد اس نقطہ پر پہنچے ہیں کہ اس قبر کو اگر کھدوانے کی اجازت مل جائے تو یہاں مسیح کی آمد۔ قیام اور فوت ہو جانے کا ایک ٹھوس ثبوت مل جائے گا۔ ان کا خیال یہی ہے کہ مسیح فوت ہو چکا ہے اور یہیں پر مدفون ہے۔ ان تمام واقعات پر نظر ڈالنے کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق بخاری میں مذکور حدیث نعوذ باللہ غلط اور من گھڑت ہے اور یا وہ مسیح آ چکا ہے اور لوگوں نے اسے پہچاننے میں غلطی کھائی ہے۔

ہم مندرجہ بالا تحریرات کو سامنے رکھ کر یہ ناقابل تردید ثبوت دیتے ہیں کہ وہ مسیح آ چکا۔ وہ بڑی خاموشی اور گمنامی کی حالت میں ایک غیر معروف گاؤں میں آیا اور بقول امریکی مصنف کے جس کے الفاظ ہم اوپر درج کر آئے ہیں کوئی ظاہری اور قدرتی آنکھ اُسے نہ پہچان سکی۔

امریکی مصنف کہتا ہے کہ ۱۸۷۲ء سے ساتواں ہزار شروع ہو چکا ہے اور اس کا ابتدائی حصہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا زمانہ ہے۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو وہ مسیح مانتے ہیں جس نے اس صدی میں آنا تھا۔ اور واقعات اس کے گواہ ہیں۔ ۱۸۷۲ء میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی عمر تقریباً ۳۷ سال تھی یعنی وہ اس وقت موجود تھے۔ ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ اسلام کے دفاع میں آپ کی تحریری زندگی کا آغاز ۱۸۷۲ء ہی سے ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کا پہلا مضمون بنگلور (بھارت) کے ہفت روزہ اخبار "منشور محمدی" میں ۲۵ اگست ۱۸۷۲ء کو شائع ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کا یہ اندازہ بالکل صحیح ہے کہ مسیح کو موجود ہونا چاہیئے۔

آپ کی مستقل تصنیفات کا سلسلہ ۱۸۷۸ء سے شروع ہوا۔ اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ آپ نے ۱۸۹۱ء میں کیا۔ اس وقت سے لے کر اس وقت تک کوئی ایسا انسان اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا جس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ ہاں ایک امریکی بدنصیب ڈاکٹر جان الیگزینڈر ڈوئی نے جو اللہ تعالیٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا دشمن تھا نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ محمدی مسیح کے مقابلہ میں ذلت اور رسوائی کی موت مر کر اپنے جھوٹا اور کذاب ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔ حضرت مرزا صاحب نے اسے مباہلہ کا جو چیلنج دیا۔ اس کے الفاظ میں یہ صاف طور پر درج تھا کہ:۔

"اسلام سچا ہے اور عیسائی مذہب کا عقیدہ جھوٹا ہے۔ اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وہی مسیح ہوں جو آخری زمانہ میں آنے والا تھا اور نبیوں کے نوشتوں میں اس کا وعدہ تھا"

اگر حضرت مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے ہوتے اور خدا کی طرف سے اس مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ کر کے جھوٹ نے افتراء کیا اور جھوٹ کہا ہوتا تو ڈوئی کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ قرآن کریم کی مختلف آیات میں افتراء کرنے والے کو ظالم اور جھوٹا کہا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ:۔

"مفتری علی اللہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اس پر اللہ کی لعنت پڑتی اور وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔" (انعام ۲۱۔ ہود ۱۸۔ اعراف ۳۷۔ یونس ۱۷۔ طٰہٰ ۶۱)

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو یہاں تک عظیم کامیابی سے نوازا کہ مخالفین نے آپ کی جماعت کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی اور کامیابی کو دیکھتے ہوئے اپنی ناکامی اور گھبراہٹ کے پیش نظر غیروں کے اشارہ پر تحریک چلا کر اسے غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس سے بڑھ کر آپ کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ابھی تک تو ہم نے عیسائی عالموں اور سائنس دانوں کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کا یہی زمانہ ہے جو ۱۸۷۲ء سے شروع ہو چکا ہے اور جس مسیح نے آنا تھا وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی صورت و شکل میں آ چکا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی بہت سی آیات بھی اس زمانہ کی شہادت دیتی ہیں۔ (الواقعہ۔ التکویر۔ الانفطار۔ الانشقاق۔ الزلزال۔ وغیرہ) کہ وہ زمانہ ایسا ہوگا جس میں زمین و آسمان کے عناصر میں غیر معمولی اور محیر العقول انقلابات ظہور میں آئیں گے۔ اور بے شمار متفق علیہ احادیث بھی یہی گواہی دیتی ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی کا یہی زمانہ ہے۔

علماء کی لاتعداد کتب میں بھی اسی وقت کا تعین ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ہم نواب صدیق حسن خان صاحب کی جو اہل حدیث کے بہت بڑے عالم فاضل گذرے ہیں حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۹۵ سے فارسی تحریر کا ایک اقتباس اور اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"و مؤید او است وجود فتن صغریٰ تماماً در عالم و تسلسل دیدن در رنگ پاره ہائے شب تار و سلک گہر کہ یکے بعد دیگرے می افتد و بدل این صد سیزدہم موقع فتن و آفات کثیرہ منظر حوادث

کہ برزبانِ کہہ ومہ شہرت دارد باآنکہ طفل بودم پیرزناں را شنیدم کہ میگفتند کہ حیوانات ایں مائتہ پناہ خواستہ اند و ہرچند ایں معنی بعینہٖ از حدیث صحیح ثابت نیست ۔ امّا ملاحظہ انقلاب عالم تقلب احوال بنی آدم کہ دریں زمان آخر است شاہد عدل است برآنکہ پیش ازیں رنگ گیتی بایں عنوان نبود و شرح ایں ماجرا طوامیر طویلہ و دفاتر ثقیلہ میخواہد ۔ مشتے نمونہ از خروارے وانداکے از بسیارے در ابواب سابقہ جلوہ گر شدہ ما بقی براں قیاس باید کرد وآنچہ باقی است ہمیں ظہور مہدی موعود است"

ترجمہ : ——

" اور اس کی تائید وہ تمام چھوٹے چھوٹے فتنے کرتے ہیں جو دنیا میں ظاہر ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ تاریک راتوں کے ٹکڑوں اور موتیوں کی لڑی کی صورت میں برابر جاری وساری ہے ۔ اس تیرھویں صدی میں ان عظیم فتنوں اور بے شمار آفات کے واقع ہونے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ان کا ذکر ہے ۔ ہم بچپن میں بڑی بوڑھی خواتین سے یہ سُنا کرتے تھے کہ اس تیرھویں صدی سے حیوانات نے بھی پناہ مانگی ہے ۔ اگرچہ یہ قول بعینہٖ احادیث صحیحہ سے اس طرح ثابت نہیں ہوتا لیکن عالم کے انقلابات اور بنی آدم کے تغیرۂ حالات پر نظر ڈالنے سے اس بات کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ اس سے پہلے زمانہ کا یہ رنگ ڈھنگ نہیں تھا ۔ اس کی تشریح کے لئے ایک بڑے طومارا اور دفتر طویل کی ضرورت ہے ۔ جو اس سے پہلے تھوڑا سا بطور نمونہ بیان ہو چکا ہے باقی کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے ۔ اب صرف ظہور مہدی باقی ہے "

یہاں لفظ مہدی واقع ہوا ہے ۔ لیکن ایک حدیث کے الفاظ "لا مہدی الا عیسٰی" ۔ آنے والا مسیح ہی مہدی ہوگا ۔ اس تحریر میں "فتن ۔ آفاتِ کثیرہ انقلابِ عالم اور تقلب احوال یعنی تغیر حالاتِ عالم کا ذکر" صاف طور پر ان واقعات اور علامات کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن ۔ احادیث اور عیسائیوں کی کتابوں میں واضح طور پر ہو چکا ہے ۔ جو مسیح کی آمد ثانی کی گواہی دیتے ہیں ۔

اب دو ہزار سال سے دنیا جس مسیح ابنِ مریم کے آنے کی منتظر تھی وہ تو نہ آیا اور نہ آئے گا ۔ صرف ایک ہی انسان نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ مسیح ہوں جس کے آنے کا وعدہ تھا اور میں اسی کی خو بو پر آیا ہوں ۔ سوائے تھوڑوں کے سب نے انکار کر دیا ۔ اب یا تو عیسائی اور مسلمان مسیح ابن مریم کو آسمان سے اتار دیں یا یہ اقرار کریں کہ اس ضمن میں جو شہادتیں قرآن ۔ حدیث ۔ توریت ۔ انجیل ۔ عیسائی علما اور سائنسدانوں اور مسلمان علماء ۔ صُلحاء ۔ اور مجددین نے پیش کی ہیں وہ سب نعوذ باللہ غلط اور جلانے کے قابل ہیں ۔

" وَمَا لَكُمْ اِنْ لَا تَعْقِلُوْنَ وَتَدَبَّرُوْنَ "

قراردادِ تعزیت

تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کا یہ اجلاس محترمہ بیگم صاحبہ مولانا صدر الدین ایدہ اللہ کی وفات پر گہرے رنج والم کا اظہار کرتا ہے ۔ حضرت امیر جماعت مولانا صدر الدین صاحب کے لئے اس پیرانہ سالی میں یہ صدمہ بڑا شدید ہے ۔ ہم انکے اور صاحبزادیوں اور صاحبزادے کے غم میں برابر کے شریک ہیں ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ۔ آمین ثم آمین ۔ سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

سانحۂ اِرتحال

والد صاحب محترم مخدوم خدا بخش خادم روز جمعۃ المبارک ۲۹ جون ۱۹۷۹ء شام کے وقت ۵ بجے ڈیرہ غازی خان میں اپنے رفیقِ اعلیٰ سے نہایت معمولی تکلیف کے بعد جا ملے ۔ بڑے ہی خوش قسمت اور مُستجاب الدّعوات انسان تھے ۔ چھیاسی ۸۶ سال کی عمر میں رحلت فرمائی ۔ موت کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے ۔ انہوں نے اپنے دینی و دُنیاوی فرائض کو بطریقِ احسن انجام دیا ۔ تمام بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے زیور سے مزیّن کیا ۔ دُعا کرتے تھے کہ : ——

مرا سعد اختر مظفر حسن
بنیں فوج مہدی کے وہ پیلتن

اُن کے تین فرزند پروفیسر سعد اختر ریٹائرڈ چیئرمین تعلیمی بورڈ ، مظفر حسن و مظفر حسین (دونوں سبجیکٹ سپیشلسٹ اور دونوں دختراں نسیم اختر و مہ پارہ ایم ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی ۔ زندہ ہیں ۔ اُن کی زوجہ محترمہ اور ہماری پیاری امی دولت خاتون ہم سے ۱۹۵۱ء میں جُدا ہو گئیں ۔ والد صاحب نے ۲۸ سال نہایت مجرد نیک اور پارسا کی زندگی بسر کی ۔ کہا کرتے تھے ؎

میری دولت کا کر لو اندازہ
چار بیٹوں میں اک کوڑی ہے

چونکہ میں کوڑ لعل عیسن ضلع مظفر گڑھ میں ۲۰ ستمبر ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوا تھا اس لئے دایہ نے میرا نام کوڑی رکھا تھا ۔

ہمارے والدین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑے ہی پاک نیک سیرت اور خدا اور اس کے رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرنے والے بزرگ تھے ۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو جوارِ رحمت میں اعلیٰ عِلّیین میں جگہ دے ۔ آمین

سلسلہ عالیہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صدی چہاردہم سے دونوں بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے ۔ اگرچہ بیعت کنندگان میں سے نہیں تھے لیکن ہماری دلجوئی کرتے تھے ۔

والد صاحب کی تاریخ وفات میرے محترم دوست محمد اعظم علوی صاحب نے درجِ ذیل اشعار میں منظوم فرمائی ہے ۔ مولا کریم اُنہیں جزاءِ خیر عطا فرمائے ۔

(۱) وہ خدا بخشِ خلیق و خوش بیاں
خادم و مخدوم کا عکسِ رواں

(۲) عِلم و عرفاں کا اچھوتا امتزاج
دین و دُنیا کا نرالا نکتہ داں

(۳) بیٹھے بٹھلائے جو ہم سے رُوٹھ کر
ہو گیا رُخصت وہ سوئے آسماں

اُس کی رحلت کی اگر تاریخ تو چاہے تو کہہ
"داخلِ جنت ہُوا وہ راز داں"
۱۹۷۹ء

(پروفیسر مخدوم سعد اختر)

حضرت امام الزمانؑ

اہل اللہ کو کافر نہ کہو، وہ مقامِ فنا سے بولتے ہیں

بے شک ہم مذہبی لحاظ سے اس قوم (انگریز ـــ ناقل) کو صریح خطا پر اور ایک انسانی بناوٹ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس صورت میں ہم دُعا اور توجہ سے اس کی اصلاح چاہتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ سے مانگتے ہیں کہ اس قوم کی آنکھیں کھولے اور اس کے دلوں کو منور کرے اور انہیں معلوم ہو کہ انسان کی پرستش کرنا سخت ظلم ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کیا ہیں۔ صرف ایک عاجز انسان۔ اور اگر خدا تعالےٰ چاہے تو ایک دم میں کروڑہا ایسے بلکہ ہزارہا درجہ ان سے بہتر پیدا کر دے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کر رہا ہے۔ مشتِ خاک کو منور کرنا اس کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ جو شخص صاف دل اور کامل محبت سے اس کی طرف آوے گا۔ بے شک وہ اس کو خاص بندوں میں داخل کرے گا۔ انسان قرب کے مدارج میں کہاں تک پہنچ سکتا ہے اس کا کچھ انتہا بھی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اے مُردوں کے پرستارو! زندہ خدا موجود ہے۔ اگر اس کو ڈھونڈو گے پاؤ گے۔ اگر صدق سے پَیروں کے ساتھ چلو گے ضرور پہنچو گے۔ یہ نامردوں اور مخنثوں کا کام ہے کہ انسان ہو کر اپنے جیسے انسان کی پرستش کرنا۔ اگر ایک کو باکمال سمجھتے ہو۔ تو کوشش کرو ویسے ہی ہو جاؤ۔ نہ یہ کہ اس کی پرستش کرو۔ مگر وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے رُوحانی اور پاک قوے کے پُر زور دریا سے کمالِ تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسانِ کامل کہلایا بخدا وہ ابنِ مریم نہیں ہے۔

مسیح تو ایک معمولی سا نبی تھا۔ وہ بھی کروڑہا مقربوں میں سے ایک تھا۔ بس اس سے دیکھ لو کہ انجیل میں کیا لکھا ہے۔ کہ وہ یحییٰ نبی کا مُرید تھا۔ اور شاگردوں کی طرح اصطباغ پایا

وہ صرف ایک خاص قوم کے لئے آیا۔ اور افسوس کہ اس ذات سے دنیا کو کوئی بھی روحانی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ ایک ایسی نبوت کا نمونہ دنیا میں چھوڑ گیا۔ جس کا ضرر اس کے فائدہ سے زیادہ ثابت ہوا اور اس کے آنے سے ابتلاء اور فتنہ بڑھ گیا۔ اور دنیا کے ایک حصہ کثیر نے ہلاکت کا حصہ لیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ سچا نبی اور خدا تعالےٰ کے مقربوں میں سے تھا۔

مگر وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسانِ کامل تھا۔ اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعثت اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی۔ اور ایک عالم کا عالم مَرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبی دنیا میں نہ آتا۔ تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے۔ جیسا کہ یونسؑ اور ایوبؑ اور مسیح ابنِ مریم اور ملاکی اور یحییٰ اور زکریا وغیرہ وغیرہ ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ اگرچہ یہ سب مقرب اور وجیہ اور خدا تعالےٰ کے پیارے تھے۔ یہ اسی نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے۔ ([illegible])

اصحابہ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔"

(اتمام الحجۃ۔ صفحہ ۳۱۔ ۳۲)

"افسوس کہ ان سادہ لوحوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ جو شخص اللہ اور رسول کے قول کے مطابق کہتا ہے وہ کیوں کافر ہو جائے گا۔ کیا کوئی شخص اس بات کو قبول کرے گا۔ کہ وہ ہزارہا اکابر اور اہل اللہ جو تیرہ سو برس تک یعنی ان دنوں تک حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا فوت ہو جانا مانتے چلے آئے وہ سب کافر ہیں۔ اور نعوذ باللہ امام مالک رضی اللہ عنہ بھی کافر ہیں جنہوں نے کروڑہا اپنے پیرؤوں کو یہی تعلیم دی اور نعوذ باللہ امام بخاری بھی کافر۔ جنہوں نے حضرت عیسےٰؑ کی موت کے بارے میں اپنی صحیح میں ایک خاص باب باندھا۔ ابنِ قیم بھی کافر جنہوں نے ان کو حضرت موسےٰ کی طرح موتی میں داخل کیا۔ اور ان بزرگوں کے مسلمان جاننے والے بھی سب کافر۔ اور معتزلہ تمام کافر جن کا مذہب یہی یہی ہے کہ حضرت عیسےٰؑ درحقیقت فوت ہو گئے

اے مولویو! کیا تمہیں ایک دن موت نہیں آئے گی۔ جو شوخی اور چالاکی کی راہ سے سارے جہان کو کافر بنا دیا۔ خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے کہ جو تمہیں السلام علیکم کہے۔ اس کو یہ مت کہو کہ لستَ مؤمناً (تو مومن نہیں) یعنی اس کو کافر مت سمجھو۔ وہ تو مسلمان ہے لیکن تم نے ان کو کافر ٹھہرایا۔ جو تمام ایمانی عقائد میں تمہارے شریک ہیں۔ اہلِ قبلہ ہیں اور شرک سے بیزار اور مدارِ نجات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جانتے ہیں۔ اور پیروی سے منہ پھیرنے والوں کو لعنتی اور جہنمی اور ناری سمجھتے ہیں۔

اے مولویو! ذرا مرنے کے بعد دیکھنا کہ اس جلد بازی کی شرارت کا تمہیں کیا پھل ملتا ہے۔ کیا تم نے ہمارا سینہ چاک کیا اور دیکھ لیا کہ اندر کفر ہے ایمان نہیں۔ اور سینہ سیاہ ہے روشن نہیں۔ خدا سے ڈرو کہ اس دنیا کی عمر کچھ بہت لمبی نہیں۔

تمہارے نزدیک چند مولوی جو اسلام کے لئے جلتے مارے ہیں مسلمان ہیں۔ اور باقی سارا جہان کافر۔ یہ لوگ کس قدر سخت دل ہو گئے۔ کیسے پردے ان کے دلوں پر پڑ گئے۔ یاالٰہی اس اُمت پر رحم کر اور ان مولویوں کے شر سے ان کو بچا لے۔ اور اگر یہ ہدایت کے لائق ہیں تو ان کی ہدایت کر۔ ورنہ ان کو زمین پر سے اُٹھا لے۔ تا زیادہ خرابی پھیلے"

(اتمام الحجۃ۔ صفحہ ۲۴۔ ۲۵)

عیسےٰ علیہ السلام کے بارہ میں تو خوب جانتا ہے کہ قرآن ان کا نام خدا ابنِ خدا نہیں رکھتا۔ بلکہ ان تمام قولوں سے بری کرتا ہے۔ جو ان کے حق میں بڑھا کر یا گھٹا کر کہے گئے ہیں۔ اور دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ بندہ اور مقرب الٰہی ہے۔ اور ہر ایک مقام میں فرماتا ہے کہ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسےٰ خدا کا بیٹا ہے۔ خدا بیٹوں سے پاک ہے بلکہ وہ عزت بندے ہیں۔ جو ان میں سے یہ کہے کہ بجز خدائے میں بھی خدا ہوں تو ایسے شخص کی سزا جہنم ہوگی۔ اور اسی طرح ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں اور قرآن کریم نے جو ظالمین کے لفظ کے ساتھ من دونہ کی شرط لگا دی ہے۔ اور کہا ہے کہ جو شخص کہے کہ میں خدا کے سوا خدا ہوں سو یہ شرط من دونہ کی تجی ہوئی اس واسطے لگائی ہے تا کہ

(باقی صفحہ کالم ۲)

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد صاحب —— (قسط دوم)

الا ان حزب اللہ ہم المفلحون

مذہبی جماعتوں اور سیاسی جماعتوں کی تاسیس میں ایک بیّن فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات خواہ کتنی ہی غلط ہوں۔ اپنی جماعت کو بڑھانے اور اپنی سیاست کو چمکانے کے لئے انکو خوش کرنے کے لئے وہی باتیں کہتا ہے۔ جن سے اس کا مقصد پورا ہو۔ اور وہ اس کا ساتھ دیں۔

لیکن مذہبی جماعتیں۔ ان کی اساس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کرتی ہے۔ اب ہم جس طرف اپنے قارئین کرام کو لانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان۔ جماعت بندی کے لئے کن خطوط پر ہم کو کام کرنا چاہیئے کہ وہ مقصد جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ اور ہماری پیدائش کا ایک مقصد ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اسلام کیا تعلیم دیتا ہے۔ جس کی روشنی میں ہم خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو سکیں!

پہلے فرد۔ پھر کنبہ۔ — اور من حیث الجماعت ہر ناکس و ناکس کو جو چیز عملی طور پر اجتماعی رنگ اور انفرادی رنگ میں اپنے اندر پیدا کرنی چاہیں ان میں ایک واضح ہدایت قرآن مجید یہ ارشاد فرماتا ہے:۔

"الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھو عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔"

(۲۲:۴۱)

اس آیت میں پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ مکن کے معنے یہ ہیں کہ جب تم ایک حالت میں قرار اور آرام پکڑو کسی جگہ قیام کرو۔ اسی سے مکین کا لفظ نکلا ہے جو کہ عام فہم ہے۔ مکن بمعنی سکن۔ پہلی بات یہ فرمائی۔ اقاموا الصلوٰۃ۔ نماز کو کھڑا کرنے کی کوشش کرو۔ اقام کا لفظ بتاتا ہے کہ اس میں سستی اور کمزوری بھی آسکتی ہے۔ لیکن اے مسلمانو تمہارا فرض ہے کہ جدوجہد کرو۔ اور اس میں سستی نہ آنے دینا۔ کبھی غفلت اور لاپرواہی یا عدم دلچسپی کا اظہار نہ کرنا۔ جماعتوں کے قیام و استحکام کے سلسلے میں بنیادی اینٹ مساجد اور نماز باجماعت ہے۔

چنانچہ ہمارے سامنے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے۔ مکہ سے کن حالات میں آپ ہجرت فرماتے ہیں۔ دشمن تعاقب کر رہا ہے۔ لیکن جب آپؐ مدینہ کے قریب ایک بستی میں چند دن کے لئے قیام فرماتے ہیں تو سب سے پہلا کام اور اہم کام یہ فرماتے ہیں کہ ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی واسطے تاریخ اسلام میں قبا کی مسجد کو مسجد اوّل کا مقام دیا گیا ہے۔

اور جب حضورؐ مدینہ تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں عارضی طور پر قیام فرماتے ہیں۔ لیکن سب سے پہلا کام یہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے لئے زمین خریدتے ہیں۔ آپؐ نے عملاً ہمیں یہ سبق دیا کہ مسلمان اگر جماعتی طور پر کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو مسجد کا قیام اور اقامت صلوٰۃ کو قائم کریں۔

آج ہمارے گھروں اور مساجد کا جو نقشہ ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ مساجد کے بارے میں ارشاد تھا ان المساجد للہ۔ کہ مسجد ایک ایسی درسگاہ ہے جس میں انسان کی روحانی تربیت ہوتی ہے۔ جس سے باہر جو وہ وقت گذارتا ہے اسے اپنی ظاہری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کا دل مسجد کی طرف جھکا ہوا ہے۔ اسی واسطے جب وہ اذان کی آواز سنتا ہے۔ وہ الفاظ دہراتا ہے۔ اور حیّ علی الصلوٰۃ کی ندا سنتا ہے تو کہتا ہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دنیا کی ظاہری مصروفیات بڑی پُرفریب ہیں۔ ان سے انسان اللہ کے فضل سے ہی نکل سکتا ہے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المؤمن فی المسجد کالسمک فی الماء۔ مومن مسلمان کی مثال مسجد میں ایسی ہی ہے جیسے مچھلی پانی میں ہوتی ہے۔

فرمایا اے مسلمانو تمہاری روحانی حیات وابستہ ہے مساجد کے ساتھ۔ اگر تم اس سے دور رہو گے تو روحانی اعتبار سے تمہارا تعلق کمزور ہو جائے گا آخری زمانہ کی علامات میں سے ایک علامت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی تھی۔ مساجدھم عامرۃ وھی خراب عن الھدیٰ۔ کہ مسلمانوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ ظاہری طور پر تو مساجد بڑی دیدہ زیب ہونگی۔ لیکن ہدایت سے دور ہوں گی۔ فرقہ پرستی کی لعنت سے خدا کے حقیقی ذکر و عبادت سے خالی ہوں گی۔ اُوپر درج کیا گیا ہے ان المساجد للہ۔ مسجد کا مقصد یہ ہے کہ انسان سچے دل سے خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے۔ اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھے ان کو ترک کرنے کا عہد کرے۔

پھر مساجد کے آداب ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کو حکم دیا ان طھرا بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع السجود (۲:۱۲۵) کہ میرے اس گھر کو ظاہری طور پر اور باطنی طور پر پاک کرنا۔ اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جو شرک میں داخل ہو۔ اور اس گھر میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیئے جو طہارت ظاہری و باطنی کے خلاف ہو۔ اسی واسطے فرمایا کہ مساجد میں دنیاداری کی باتیں کرنا۔ اونچا بولنا حلقہ بنا کر بیٹھنا۔ نماز کی حالت میں تیز دوڑ کر آنا۔ خود کھڑا کسی کو اٹھا کر خود بیٹھنا۔ خرید و فروخت کی باتیں کرنا۔ ایسی چیز کھا کر آنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ یہ سخت منع ہیں۔

لیکن آج ہمارے ہاں نقشہ کچھ اور ہے۔ ہم گھروں میں خاموش رہتے ہیں مسجد میں آکر اتنی اونچی دنیاداری کی باتیں کہتے ہیں جس سے دوسرے لوگ جو نوافل یا ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں ان کی عبادت میں خلل پڑتا ہے۔ نماز کے بارے میں حکم دیا کہ تمام ارکان کو نہایت آرام اور احتیاط سے ادا کرو۔ اور بقول حضرت مسیح موعودؑ جیسے مرغ دانا چگنے کے لئے ٹھونگیں مارتا ہے ایسی نماز ادا نہ کرو۔

اقامت صلوٰۃ ہی تھی جس کے ذریعہ سے اتنا بڑا انقلاب آیا کہ ایک طرف وہ روحانی اعتبار سے آسمان کے ستارے بن گئے۔ دوسری طرف انہوں نے آدھی دنیا کے قلوب کو فتح کر لیا۔ اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ ان کو حاصل ہوا۔ اور یہ اتنا بڑا انقلاب رونما ہوا کہ غیر مسلموں نے بھی اس کو محسوس کیا۔

آج زبانی جمع خرچ بڑا کیا جاتا ہے۔ زبان سے الفاظ بھی دہرائے

[illegible] ہیں۔ قربانی [illegible]
نیکی۔ لیکن جو تغیر ہونا چاہیئے وہ نظر نہیں آیا۔ اس کی صرف اور صرف وجہ یہی ہے۔ کہ ارشادِ ربی تھا الـذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ۔ اس حکم پر حقیقی طور پر عمل نہیں ہو رہا۔ جب بنیادی اینٹ ہی سیدھی نہیں رکھی۔ انقلاب اور نتیجہ کس طرح پیدا ہوگا۔

پس ہم لوگوں کو سب سے پہلے اپنے گھروں کا نقشہ سیدھا۔ صاف ستھرا کرنا چاہیئے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں نماز باجماعت کا بچوں و ازواج کے لئے دائمی انتظام ہے۔

رسولِ خدا کا ایک ارشاد ہے فلا تجعلوا بیوتکم قبورا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ گھر کتنے خوبصورت آباد۔ سب آسائشیں موجود۔ لیکن ان کی قبرستان کے ساتھ تشبیہ دی۔ وہ گھر قبرستان ہیں جن میں نماز باجماعت کا انتظام نہیں ہے۔ جس طرح قبرستان میں نماز ادا نہیں کی جاتی۔ اسی طرح جن گھروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ وہ روحانی طور پر قبرستان ہیں۔ خدا تعالےٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اپنے گھروں کو روحانی طور پر آباد کر لیں۔

اس کے بعد اجتماعی طور پر ہم نے دیکھنا ہے کہ کیا ہم نے اپنی مساجد کو آباد کیا ہے۔ ہمارے بچے۔ بزرگ اور دوسرے افراد مسجد میں باجماعت نماز کے لئے جاتے ہیں۔ خدا معاف کرے استثناء ہر جگہ ہے مجھے نقشہ الٹ نظر آتا ہے۔ مساجد کی حیثیت پانی کی طرح ہے۔ جس طرح آپ عمدہ بیج لیں۔ زمین کو اچھی طرح تیار کریں۔ بروقت اس میں بیج بو دیں۔ اگر آپ اس کو مناسب موقع پر پانی نہ دیں گے۔ رکھوالی نہ کریں گے۔ وہ عمدہ بیج گل سڑ جائے گا۔ فصل تیار نہیں ہوگی اسی طرح ہم زبان سے کتنا ہی اسلام۔ اسلام مسلمان۔ قرآن مجید کو ماننے کا دعوے کریں۔ جب تک انفرادی اور اجتماعی رنگ میں ہمارا مساجد سے روحانی تعلق نہیں ہوگا۔ ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہونگے۔ ہمارا دعوے ہے۔ جس طرح خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے فلا تموتن الا وانتم مسلمون (۳ : ۱۰۲) کہ ہم حقیقی مسلمان ہیں۔ ہمارے اندر وہ صفات پائی جاتی ہیں جو قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں میں پائی جاتی تھیں۔ اور یہ انقلاب ہمارے اندر حضرت مجددِ اعظم کی قوتِ قدسی سے پیدا ہوا۔ اور عنوان بالا الا ان حزب اللّٰہ ھم المفلحون۔ کہ اللہ کا گروہ ضرور غالب آئے گا۔ اور وہ کامیاب و کامران ہوں گے۔

میں ایک ایک ہدایت جو کہ ہم کو قرآن مجید نے ارشاد فرمائی ہے۔ اس کو باری باری تحریر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آج اقاموا الصلوٰۃ کو اختصار سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ایک ہم ہیں۔ صحیح سچے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ سچے مسلمان کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے دعویدار ہیں۔ ایک عظیم الشان مجدد کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں۔

دوسری طرف سچے مسلمانوں کے اعمال۔ افعال۔ کردار۔ اخلاص قربانیوں سے تاریخِ اسلام بھری ہوئی ہے۔ لیکن میں اقاموا الصلوٰۃ جو پہلی اینٹ ہے۔ اس کے بارے میں ایک تاریخی واقع عرض کرتا ہوں۔

ایک صحابی کو دھوکہ سے دشمنوں نے پکڑ لیا۔ اور انہوں نے یعنی کفار نے ارادہ کر لیا کہ ان کو قتل کر دیں۔ لیکن قتل کرنے سے پہلے ان سے دریافت کیا۔ کوئی وصیت۔ کوئی پیغام۔ آپ جانتے ہیں اس مقدس رضی اللہ عنہ صحابی نے کیا خواہش کی۔ کہ اگر تمہارا ارادہ قتل کرنے کا ہے تو تھوڑا وقت دو۔ میں نماز ادا کر لوں۔ کفار نے کہا کہ ہاں نماز پڑھ لو۔ انہوں نے نماز پڑھی۔ اور شہادت سے پہلے ان کو کہا کہ میں چاہتا اس خوف سے میں نے مختصر نماز ادا کی ہے کہ کہیں تم یہ خیال نہ کرو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں!

اللہ اللہ۔ یہ تھے قدسی انسان! جن کی برکت سے آج اسلام کا پرچم ساری دنیا میں لہرا رہا ہے۔

پہلی اور بنیادی ضرورت یہ ہے کہ

اقاموا الصلوٰۃ

کو حقیقی طور پر قائم کریں۔ اور اگر اس میں سستی رہی۔ توجہ نہ دی گئی۔ اصلاح کی طرف قدم نہ اٹھایا گیا تو خدانخواستہ یہ نہ کوئی کہے :—

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اب انشاء اللہ تعالےٰ اگلی قسط میں اس پر مزید روشنی ڈالی جاوے گی۔

اہل اللہ کو کافر نہ کہو

(بسلسلہ صفحہ نمبر ۷)

لوگوں کو ظالم ہونے سے مستثنیٰ رکھے۔ جن کے دِلوں کو ان کے حقیقی دوست نے کھینچ لیا اور ان کے دِلوں میں بیقراریاں پیدا کر دیں۔ یہاں تک کہ ان کے دِلوں میں محویت اور سُکر اور عاشقوں کا سا جنون آگیا۔ سو فنا نظری کی حالت اور جذب سماوی کے وقت میں ان کے منہ سے کچھ ایسی باتیں نکل گئیں۔ اور بعض واردات ان پر ایسے وارد ہوئے۔

وہ عشق کی مستی سے بے ہوشوں کی طرح ہو گئے۔ سو بعض نے اس مستی کی حالت میں کہا کہ میرے جبہ میں خدا ہی ہے، اور کوئی نہیں اور بعض نے کہا کہ میرا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ اور بعض نے کہا کہ میں ہی وجہ اللہ ہوں جس کی طرف تم نے منہ کیا۔ اور میں ہی جنب اللہ ہوں جس کے حق میں تم نے تقصیر کی۔ اور بعض نے کہا کہ میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ اور میرے سوا گھر پر دوسرا کون ہے۔ اور میں نے کہا میں ہی حق ہوں۔ **سو یہ تمام لوگ مرفوع القلم ہیں۔ کیونکہ وہ مقام محویت سے بولے ہیں۔ نہ کہ رعونت سے اور تکبر سے۔ اور شراب عشق کے نشہ اور دوست برگزیدہ کے جذبات نے ان کو گھیر لیا۔**

سو یہ آوازیں فنا کے گھر سے نکلیں۔ نہ کہ تکبر کے بالا خانے سے، اور دون اللہ کی طرف انہوں نے قدم نہیں اٹھایا بلکہ حضرت کبریا میں فنا ہو گئے۔ سو کچھ شک نہیں کہ ان پر ان کلمات سے کوئی ملامت نہیں۔ اور ان کے ان کلمات کی پیروی جائز نہیں۔ اور نہ یہ روا ہے کہ ان کی مشابہت کی خواہش کی جائے۔ بلکہ یہ ایسے کلمے ہیں جو لپیٹنے کے لائق ہیں نہ اظہار کے لائق اور خدا تعالےٰ انہیں سے مواخذہ کرتا ہے جو چالاکی سے ایسے کلمے منہ پر لاویں۔"

(نور الحق حصہ اوّل صفحہ ۷۶-۷۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کریمانہ اخلاق کی چند جھلکیاں۔

اکرامِ ضیف —— بذل و کرم —— محتاجوں کی حاجت براری

(از قلم: مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم)

جن لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مصاحبت کا فخر حاصل ہوا ہے، وہ جانتے ہیں کہ حضرت اقدس اخلاقِ فاضلہ سے متصف تھے۔ آپ کے محاسن و مکارم کی تفصیل کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے اس جگہ محض دو تین باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

اکرامِ ضیف احادیث میں اکرامِ ضیف کی بہت تاکید ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام اخلاقِ فاضلہ کے سرچشمہ اور انّک لعلیٰ خلقٍ عظیم کے مصداق تھے۔ اکرامِ ضیف کا وصف ایک نہایت ممتاز وصف تھا۔ اور کتبِ سیرت ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں مہمان کی کس قدر قدر و منزلت تھی۔ ایک عیسائی کا حضور کے ہاں قیام کرنا اور پھر بستر خراب کرکے چلے جانا اور حضور کا اپنے دستِ مبارک سے اس کا صاف کرنا، یہ اکرامِ ضیف کی وہ عدیم النظیر مثال ہے جس سے دنیا کی تاریخ خالی پڑی ہے۔ اولیائے اُمت علیہ الرحمۃ علیٰ قدر مراتب اسی چشمہ سے سیراب ہوتے ہیں اور اسی آفتابِ نبوت سے نور اور روشنی حاصل کرتے ہیں۔ جس سے عامۃ الناس محروم اور بے بہرہ ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے اخلاقِ فاضلہ میں اکرامِ ضیف کی صفت بدرجہ غایت جلوہ گر تھی۔ یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ بعض دفعہ بڑے بڑے دشمن آپ کو مار ڈالنے کے ارادہ سے آپ کے پاس گئے۔ مگر آپ کے اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ محمودہ دیکھ کر آپ کے جاں نثار غلام بن گئے۔

جب کسی مہمان کی آمد کی خبر سنتے آپ خوشی سے جامے میں نہ سماتے تھے۔ بعض دفعہ سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ مہمان کی خدمت اور خاطر و مدارات کے لئے خدمتگزاروں کی طرح کمربستہ ہو جاتے، اور ہر طرح اس کو آرام اور آسائش پہنچانے کی کوشش فرماتے۔ اور خدامِ کرام و پیش کو بھی اس بارہ میں تاکید فرماتے۔ اندر سے خود کھانا اٹھا کر لے آتے۔ خوشی خوشی مہمانوں کے آگے رکھتے۔ خود ساتھ کھاتے اور کھانا کھانے کی حالت میں بار بار اُٹھ کر اندر تشریف لے جاتے اور کبھی ایک چیز اور کبھی دوسری چیز لاتے اور پھر مہمانوں سے بااصرار فرماتے یہ بھی کھائیے، یہ بھی کھائیے۔

حافظ عظیم بخش صاحب مرحوم پٹیالوی نابینا تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت مجھے اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر دیتے تھے۔ اور میں کھاتا۔ میرزا نقی بیگ سامانوی کہتے ہیں کہ میں چھوٹا بچہ تھا جب میں اپنے والد کے ہمراہ قادیان جاتا۔ حضرت مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ تیسرے پہر خود میرے لئے اندر سے ڈبل روٹی اور جائے لاتے اور مجھے دیتے۔ میرے والد عرض کرتے کہ حضرت کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ آپ جواب میں فرماتے کہ یہ بچے ہیں ان کو جلدی بھوک لگتی ہوگی۔

باہر سے تحفہ کے طور پر جب کوئی چیز یا پھل آم وغیرہ آتے خود طشتری میں رکھ کر اُٹھا لیتے اور مہمانوں کی آرامگاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔

ایک دفعہ پٹیالے والے مولوی محمود الحسن صاحب قادیان گئے۔ کچھ دن قیام کے بعد انہوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور مجھے اب گھر جانے کی اجازت دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اتنی جلدی ہے؟ ابھی اور ٹھہرئیے۔ انہوں نے عرض کی کہ اصل میں مجھے کچھ نزلہ و زکام کی شکایت ہو گئی ہے۔ میرا سینہ کمزور ہے مجھے ڈر ہے کہ مرض کہیں بڑھ نہ جائے اور زیادہ تکلیف ہو جائے۔ آپ نے فرمایا ہم آپ کا یہاں ہی علاج کر دیتے ہیں۔ خادم کو بلوایا اور حکم دیا کہ مولوی صاحب کے لئے چوزہ کی یخنی تیار کیا کرو اور انہیں ہر روز دیا کرو۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ کوئی دو ہفتہ تک میں یخنی پیتا رہا اور بالکل چاق و چوبند ہو کر واپس آیا۔

مولوی محمد ایوب صاحب (مولوی مبارک علی صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی) بیان کیا کرتے ہیں کہ چھوٹی عمر تھی جب میں قادیان جاتا۔ میں گاؤں میں ادھر اُدھر گھومتا رہتا۔ اور کھانے کے وقت میں موجود نہ ہوتا حضرت میری تلاش میں آدمی بھیجتے اور جب تک میں حاضر نہ ہو جاتا حضرت کھانا نہ کھاتے۔ بعض دفعہ فرماتے کہ یہ میرے اُستاد کے بیٹے ہیں۔ ان کی مجھے بہت خاطر اور عزت منظور ہے۔

ایک دفعہ بڑی رات گئے ایک مہمان آ گیا۔ کوئی چارپائی خالی نہ تھی۔ اور سب سو رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا ذرا ٹھہرئیے میں ابھی انتظام کرتا ہوں، آپ اندر تشریف لے گئے اور دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ مہمان نے خیال کیا کہ شاید حضرت بھول گئے ہیں۔ اس نے ڈیوڑھی میں جھانکا تو دیکھا کہ ایک صاحب چارپائی بن رہے ہیں۔ اور حضرت خود مٹی کا دیا لئے کھڑے ہیں۔ چارپائی بنی گئی اور مہمان کو دی گئی۔

ادھر مہمان صاحب عرقِ ندامت میں غرق ہو رہے تھے کہ میں نے آدھی رات کے وقت حضرت کو اس قدر تکلیف دی۔ اور ادھر حضرت ہیں کہ استعذار فرما رہے ہیں کہ معاف کرنا چارپائی لانے میں دیر ہو گئی ہے۔ آپ کے ایسے ہی اخلاقِ کریمانہ دیکھ کر لوگ آپ پر جان و دل سے نثار تھے۔

جناب میر ناصر نواب صاحب مرحوم کی طبیعت سب جانتے ہیں کہ کس قدر تیز واقع ہوئی تھی۔ ایک دفعہ بہت سے مہمان آئے تھے۔ میر صاحب مرحوم کسی مہمان سے کسی قدر سختی سے پیش آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور بڑے درد بھرے لہجہ میں فرمایا میر صاحب مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ میر صاحب مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ بار بار اس فقرہ کو دوہراتے۔ بیان کرنے والا کہتا ہے کہ قریب تھا کہ آپ کے آنسو نکل پڑتے۔ پھر فرمایا میر صاحب آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ مہمان آپ کے پاس نہیں میرے پاس آئے ہیں۔

بذل و کرم حضرت مسیح موعودؑ بڑے سخی تھے۔ آپ کا حال دنیاداروں کی طرح نہ تھا کہ وہ مال کو سنبھال سنبھال کر رکھیں، ہاں آپ فضول خرچ بھی نہ تھے کہ بے جا طور پر مال خرچ کر ڈالیں۔ کان بین ذالک قواما۔ ایک دفعہ آپ کو معلوم ہوا کہ فلاں مرید مالی تنگی میں مبتلا ہے۔ آپ نے پچاس روپے ایک پوٹلی میں باندھے اور اس کے گھر تشریف لے گئے وہ شخص بے انتہا خوش ہوا کہ حضرت نے اس کے غریب خانہ کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ حضرت نے اس کے جملہ حالات دریافت کئے۔ پھر پوچھا کہ کس قدر تنخواہ ملتی ہے اور گذران کی کیا حالت ہے۔ اس نے کہا کہ آٹھ روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ آپ نے فرمایا لئن شکرتم لازیدنکم تھوڑے پر خدا کا شکر کرو۔ خدا زیادہ بھی دے گا۔

پھر آپ وہاں سے تشریف لے آئے اور روپوں کی پوٹلی وہاں ہی چارپائی پر چھوڑ آئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد اس شخص نے دیکھا کہ روپوں کی پوٹلی چارپائی پر پڑی ہے۔ وہ یہ پوٹلی لے کر حضرت کے پیچھے بھاگا اور آپ سے کہنے لگا کہ حضرت آپ یہ پوٹلی بھول گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا نہیں

باقی بر ص ۲۴ کالم نمبر ۲

تبلیغی خط و کتابت

ترسیلِ لٹریچر

اِسلام پر ہمارے شائع کردہ لٹریچر کی وسیع مقبولیت

دیکھو خدا نے اک جہاں کو جھکا دیا + گمنام پا کے شہرہ عالم بنا دیا

مرتبہ: چوہدری محمد حیات صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری

— گھانا سے گھانا مُسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر سلیفو لے سیڈو لکھتے ہیں: —

"اخی فی الاسلام السلامُ علیکم

آپ یہ پڑھ کر بہت خوش ہوں گے کہ گھانا کے مُسلم طلباء نے اتحاد و اتفاق کی ضرورت کی اہمیت کا احساس کیا اور احیاء و ترقی اسلام میں مدد کرنے کے لئے ایک ایسوسی ایشن کی تشکیل کی ہے۔ اگرچہ ہم اقلیت میں ہیں، اور ہمارے راستے میں بے شمار رکاوٹیں ہیں، ان سب کچھ کے باوجود ہم اپنے حوصلہ و عزائم کو تازہ رکھتے ہیں۔ اور درپیش آمدہ رُکاوٹوں کی پرواہ کئے بغیر۔ آگے ہی آگے قدم مار رہے ہیں۔ آپ بھی ایک عرصہ سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت وسیع پیمانہ پر کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہماری ایسوسی ایشن ضروری سمجھتی ہے کہ آپ کے ساتھ ہو کر اور آپ کی سربراہی میں خدمتِ دینیہ اسلامیہ کا فریضہ انجام دیا جائے۔ انشاءاللہ ہم اپنی تمام مشکلات پر قابو پا لیں گے۔

ہماری ایسوسی ایشن کو جو سب سے بڑی مشکل کا سامنا ہے وہ ہے کُتب و لٹریچر کی دستیابی۔ ہمارے پاس اسلام پر کُتب و لٹریچر کی کمی ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس شعبہ میں ہم آپ کی مدد کے طالب ہیں۔ ہمیں حضرت مولنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات بالخصوص ترجمۃ القرآن' ریلیجن آف اسلام اور حدیث بخاری کے نسخوں کی انتہائی ضرورت ہے۔ اُمید واثق ہے کہ آپ ہماری مدد فرمائیں گے ہم ان کُتب کی انتظار میں ہیں، اور دُعا کرتے ہیں کہ جب تک ہم زندہ ہیں، اللہ تعالےٰ ہمیں دینِ اسلام سے وابستہ رکھے۔ اللہ تعالےٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

— الجواب: —

محترمی سیڈو صاحب!

آپ کے مراسلے کے مندرجات ہمارے لئے بے حد خوشی کے باعث ہیں۔ اِتحاد بینَ المُسلمین کی اہمیت مسلّم ہے اور اس کی ضرورت وقت کا تقاضا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ گھانا کے مُسلم طلباء نے اپنے فریضہ کو پہچانا اور خدمتِ اسلام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ آپ اپنی اقلیت اور مختلف النوع مشکلات و مجبوریوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ اسلامی تاریخ کے اندر جو روحانی و اخلاقی فتوحات ہیں وہ ایسی ہی بے بسی اور مجبوریوں کی یادگار ہیں۔ [illegible] کثرت و قلت پر نہیں بلکہ عزم مصمم اور عملی پیہم پر منحصر ہے

اور اس ایمان و یقین کامل پر کہ اسلام کا خدا زندہ ہے۔ اس کی قدرتوں، عظمتوں اور حکمتوں کی تاثیرات اس کائنات پر حاوی و جاری ہیں۔ آپ نے ہمیں مدد و تعاون کی تحریک کی ہے۔ ہم ہزار خلوص اور انشراحِ صدر سے آپ کے ساتھ ہیں۔ خدمتِ دینیہ اسلامیہ کے باب میں جس قدر ہم سے خدمت ممکن ہوئی ہم کریں گے اور کرتے رہیں گے۔

ترسیلِ لٹریچر کے جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں ان کو بروئے کار لاتے رہیں گے۔ ہم آپ کو مطلوبہ کُتب معہ دیگر مجملہ لٹریچر ارسال کر رہے ہیں۔ وصولی سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

— امریکہ سے جان عبدل محمد لکھتے ہیں: —

"جناب مکرم۔ مجھے ایک مسلم بھائی نے بتایا ہے کہ آپ سے اسلامی کُتب و لٹریچر مل سکتا ہے۔ بناء بریں آپ سے ملتمس ہوں کہ از راہِ کرم مجھے اسلامی کُتب بشمول مینول آف حدیث مرحمت فرمائیں۔

جناب ویس دین محمد کی رہنمائی میں جو "ورلڈ کمیونٹی آف اسلام" مغرب میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام کر رہی ہے میں اس کا ایک ادنےٰ رکن ہوں۔ مجھے ایسے لٹریچر کی ضرورت ہے جس کے مطالعہ سے میں ایک اچھا مسلمان بن جاؤں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی نیک مساعی کو باثمر کرے۔"

— الجواب: —

مکرمی جان عبدل محمد صاحب۔

حسبِ منشاء آپ کو مینول آف حدیث اور دیگر کُتب دینیہ ارسال ہیں۔ اُمید ہے آپ ان کا بغور مطالعہ فرمائیں گے۔ ایک اچھا مسلم ہونے اور اول و آخر کی نعماء سے متمتع ہونے کے لئے دینِ اسلام کی صحیح فہم اور صالح جد و جہد کی ضرورت ہے۔ ہماری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ گاہ گاہے یاد فرماتے رہیئے۔ والسلام

— بھارت (ریاست کیرالہ) سے ڈینیل دی ٹی لکھتے ہیں: —

"مجھے آپ اور آپ کی خدماتِ دینیہ اسلامیہ کے بارے میں پتہ چلا ہے۔ دو حق میں آپ کی مساعی جمیلہ قابلِ تعریف ہیں۔ میں یونیورسٹی کا طالب علم اور یونیورسٹی میں ایک پارٹی لیڈر ہوں۔ میں پیدائشی عیسائی ہوں۔ ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں، اور تلاشِ حق میں سرگرداں ہوں۔ میں قرآن کریم اور اسلام کے بارے میں دیگر لٹریچر کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ جتنی جلد ممکن ہو کُتب و لٹریچر بھجوا کر شکریہ کا موقعہ دیں۔"

— الجواب: —

عزیزم ڈینیل دی ٹی۔

آپ کا مکتوب پیشِ نظر ہے۔ بھارت میں ہمارے مشنری انچارج عبدالرزاق صاحب کا پتہ تحریر ہے۔ آپ اُن سے بالمشافہ ملیں یا مراسلت کریں۔ وہ آپ کی صحیح معاونت فرمائیں گے اور مطلوبہ کُتب و لٹریچر بھی ان سے بآسانی مل سکے گا۔

آپ کو حق کی جستجو ہے، ہماری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو صراطِ مستقیم دکھائے اور اس پر عمل کی توفیق بخشے۔ آپ کو موجود لٹریچر ارسال ہے حاصلِ مطالعہ سے مطلع کریں۔ ترسیلِ لٹریچر کے جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں ہم ان کو بروئے کار لاتے [illegible] جاری رکھیں گے۔ زیادہ دُعائیں۔

تبلیغی خط وکتابت - بسلسلہ ص

— ناٹجیریا سے محمد یوسف لکھتے ہیں :

" آپ کی خدمت میں یہ خط لکھتے ہوئے بے حد خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے انگریزی ترجمۃ القرآن اور مبلغ احمدیت کی ضرورت ہے۔ مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں "

— الجواب :

محترمی محمد یوسف صاحب ! ہمیں بھی آپ کے مکتوب گرامی سے مسرت ہوئی ہے۔ ان ہر دو کتب کا ہدیہ ہے۔ آپ کی طرف سے رقم وصول ہونے پر ہر دو کتب ارسال کر دی جائیں گی۔ تاہم آپ کے مطالعہ کے لئے مندرجہ ذیل کتب اسلامی موصل ، اسلام از ماڈرن - اور محمد دی ماڈرن پرافٹ - ارسال ہیں - ان سے آپ کے دینی علم میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا انشاءاللہ تعالے -

---

— مغربی افریقہ (نائجیریا) سے سیڈو اے سلام لکھتے ہیں :—

" دہ حق میں آپ کی علمی، قلمی اور مالی خدمات لائق صد تحسین ہیں، اللہ تعالے آپ کو خدمتِ دینِ متین کے بیش از بیش مواقع عطا فرمائے۔ میں نے اپنے دوست کے پاس آپ کا ارسال کردہ لٹریچر دیکھا جس میں ترجمۃ القرآن کا نسخہ بھی شامل تھا - یہ تالیف مجھے بہت ہی پسند ہے اور اپنے لئے بڑی مفید پاتا ہوں - از راہ کرم ایک جلد مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں - اللہ تعالیٰ جو ہماری ساری حوائج کا متکفل ہے اس کی برکتیں آپ کے شامل رہیں - آمین -

دیگر مسلم خواتین و حضرات کو ہمارے سلام و نیاز پیش کریں "

— الجواب :

محترمی سیڈو اے سلام صاحب !

آپ کے ہر دو خط بزبان عربی و انگریزی ہمیں ملے ہیں - ہمیں خوشی ہوئی کہ آپ عربی زبان لکھ پڑھ رہے ہیں اور عربی زبان میں خط لکھنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ اللہ تعالے آپ کے علم کو وافر کرے - ہم آپ کو عربی، انگریزی دونوں زبانوں میں لٹریچر ارسال کر رہے ہیں، جس میں نجم الہدیٰ - مجموعہ - مسلم ریک - اسلام از ماڈرن - محمدؐ دی ماڈرن پرافٹ اور فہرست کتب شامل ہیں۔ امید ہے آپ سلسلۂ مراسلت جاری رکھیں گے - اور کار لائقہ سے یاد فرماتے رہیں گے - والسلام -

---

— گھانا کے سکول سے مسٹر ابوکاہی بادا لکھتے ہیں :—

" آپ خدمت و تبلیغِ دینِ اسلام کا ربانی فریضہ جس انہماک اور علمی قلمی اور مالی ایثار سے سرانجام دے رہے ہیں وہ آپ کے شائع کردہ عظیم الشان لٹریچر سے عیاں ہے - جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزا - مجھے انگریزی ترجمۃ القرآن کی ضرورت ہے ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور دیگر تازہ لٹریچر بھی۔

امید ہے توجّہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے - والسلام "

— الجواب :

مکرمی ! آپ کا عنایت نامہ پیشِ نظر ہے - دینِ اسلام کی خدمت میں ہماری جو حقیر مساعی ہیں، ان پر آپ کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ - انگریزی ترجمۃ القرآن کا ہدیہ 5 سلہ ہے ارسال فرما کر مالی خدمات اسلامی میں ہاتھ بٹائیں اور عنداللہ ماجور ہوں - تازہ کتب و لٹریچر بھجوایا جا رہا ہے امید ہے کہ آپ کے علم میں مزید اضافہ کا موجب ہوگا - انشاءاللہ تعالے - مطالعہ کر کے شکرگذاری کا موقع دیں - والسلام

از : ابوالاسرار رمزی - ایم اے (علیگ)
جودھپور - بھارت

مرزا غلام احمدؒ کی آمد

ان کو تبھی کہوں میں وہ آدمی نہیں ہوں ⁂ کرتا ہوں قدر مرزا گو احمدی نہیں ہوں

کی ہے جو خدمتِ دیں ہمیں تو شک نہیں ہے ⁂ کافر گروں کو اتنا احساس تک نہیں ہے

کافر کرے گا کیونکر اسلام کی اشاعت؟

اللہ کے نبیؐ کے احکام کی اطاعت؟

چاروں طرف سے دیں پر یلغار ہو رہی تھی[1] ⁂ باطل کی گویا حق سے پیکار ہو رہی تھی

قصہ فروش' واعظ گو بگڑے ہوئے تھے ⁂ آپس میں لڑ رہے تھے سینے تنے ہوئے تھے

یارا نہ تھا کسی میں دینا جوابِ دشمن ⁂ دشتِ مناظرہ میں پہنچا وہ شیر افگن

یعنی غلام احمد ایسے میں آئے آگے ⁂ سب دشمنانِ ملت میدان چھوڑ بھاگے

ہمت نہ تھی کسی میں جو کوئی ان سے بولے ⁂ اُن کے مقابلہ میں اپنی زبان کھولے

بخشا تھا خدا نے ایسا علیم کلام اُن کو

کرتے تھے سب مناظر جھک کر سلام اُن کو

چاروں طرف جہاں میں اُنکے سفیر نکلے ⁂ "دانشوران فاضل" مثلِ فقیر نکلے

کرتے تھے وہ ہمیشہ علم و عمل کی باتیں ⁂ روزوں میں دن گذرتے نفلوں میں انکی راتیں

ایثار و استقامت دونوں تھے ساتھ انکے ⁂ فولاد کے قدم تھے چاندی کے ہاتھ انکے

عشقِ کتاب[2] دل میں آنکھوں میں کیف و مستی ⁂ چہرہ سے تھے نمایاں آثار حق پرستی

دیں کی مدافعت میں آگے رہے جہاں میں ⁂ قیدِ حیات کاٹی آلامِ ناگہاں میں

زندہ ہے وہ ابھی تک جو انجمن[3] بنائی

احیاءِ دیں کی خاطر بزمِ کہن سجائی

پھیلے جہان بھر میں ہر سو پیامِ احمدؐ

کوشش یہ کر رہے تھے مرزا غلام احمدؒ

[1] اس زمانے میں شدھی سنگھٹن ، برہمو سماج - آریہ سماج تحریکیں سر اٹھا رہی تھیں -
[2] قرآن مجید [3] احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور -

''ضمنی شرعی اختلاف پر کسی کو کافر ٹھہرا کر خدا کے غضب کو آواز نہ دیجئے''

(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

آج ہمارے سامنے روزنامہ مشرق ۹ اگست ۱۹۷۹ء کے خصوصی ایڈیشن کا ایک تراشہ ہے جس میں ''منکرِ اسلام'' اور مزاج شناس رسول'' سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی کا اسلام میں فرقہ بندی اور اس کی مذمت پر ایک مختصر مگر جامع مضمون شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے دین اور شریعت میں فرق واضح کرنے کے بعد مسلمانوں میں مختلف فرقوں کے آپس میں اختلافات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان نتائج کی نشاندہی کی ہے جن سے ملتِ اسلامیہ دوچار ہو سکتی ہے۔ اور قرآن کریم کے ان الفاظ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ:—

''اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ''وہ تم کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دے اور تم آپس میں کٹ مرو''۔

اپنے اس مضمون میں جناب مودودی صاحب نے تین باتوں دین۔ شریعت اور تفرقہ بازی کی وضاحت فرمائی ہے:—

۱۔ دین کیا ہے؟ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

''خدا کو آقا اور مالک اور حاکم ماننا۔ خدا ہی کی غلامی۔ بندگی اور تابعداری کرنا اور خدا کے حساب سے ڈرنا اس کی سزا کا خوف کھانا اور اسی کی جزا کا لالچ کرنا...... پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعہ سے ہی پہنچا ہے اس لئے رسول کو خدا کا رسول اور کتاب کو خدا کی کتاب ماننا اور اس کی اطاعت کرنا دین ہی میں داخل ہے...... جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو وہ اس کی فرمانبرداری صرف اس صورت میں کر سکتا ہے کہ اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور اس کے رسول کے ذریعہ جو احکام آئیں ان کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام دین ہے۔''

۲۔ شریعت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

''شریعت کے معنے طریقے اور راستے کے ہیں۔ جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا اور اس کی بندگی قبول کر لی اور یہ تسلیم کر لیا کہ رسول اسی کی طرف سے حاکم مجاز ہے اور کتاب اسی کی طرف سے ہے تو تم دین میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد تم کو جس طریقے سے خدا کی بندگی کرنی ہے اور اس کی فرمانبرداری میں جس راستہ پر چلنا ہے اس کا نام شریعت ہے۔ یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسول ہی کے ذریعہ سے بتاتا ہے......... اللہ نے جو شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو بھیجی ہے اس کو خدا کی شریعت ماننے والے اور واجب التعمیل سمجھنے والے سب کے سب مسلمان ہیں....... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ناحق کافر کہے گا اس کا قول خود اسی پر پلٹ جائے گا۔''

۳۔ فرقہ بندی کے متعلق فرماتے ہیں:—

''آپ مسلمانوں میں حنفی۔ شافعی۔ اہلِ حدیث وغیرہ جو مختلف فرقے دیکھ رہے ہیں یہ سب قرآن و حدیث کو آخری سند مانتے ہیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق دین سے احکام نکالتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کی سمجھ صحیح ہو اور دوسرے کی سمجھ غلط ہو...... لیکن کسی شخص کی سمجھ کا غلط ہونا اور بات ہے اور اس کا دین سے خارج ہونا اور بات۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اگر دس مسلمان دس مختلف طریقوں پر عمل کریں تو جب تک وہ شریعت کو مانتے ہیں وہ سب مسلمان ہیں۔ ایک ہی امت ہیں......... مگر جو لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے وہ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فرقے بناتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں۔ اپنی نمازیں اور مسجدیں الگ کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے شادی بیاہ، میل جول اور ربط ضبط بند کر دیتے ہیں اور اپنے اپنے ہم مذہبوں کے جتھے اس طرح بنا لیتے ہیں کہ گویا ہر جتھہ ایک الگ امت ہے۔''

اتنی لمبی چوڑی اور طویل تشریح کی بجائے اگر صرف یہ مختصر الفاظ لکھ دیئے جاتے کہ ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ'' پر ایمان رکھنے والا ہر شخص مسلمان ہے تو مطلب بخوبی ادا ہو سکتا تھا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور عبودیت میں یہ ساری باتیں آ جاتی ہیں جن کا ذکر مودودی صاحب نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔

اس تمام تحریر پر غور کرنے کے بعد ہر انصاف پسند انسان اس بات کا قائل ہو جائے گا کہ صحیح طرزِ فکر اور معقولیت کا راستہ یہی ہے جس پر چل کر افتراق و انتشار کی شکار امتِ مسلمہ ایک بار پھر وحدت و اتحاد اور اخوت کے رشتہ میں پروئی جا سکتی ہے اور اس کی منتشر قوت مجتمع ہو کر نسلِ انسانی کی رہنمائی کے لئے ایک مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

ہمیں مودودی صاحب کے ان زرّیں خیالات سے پورا پورا اتفاق ہے لیکن ہم نہایت افسوس اور معذرت کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ بانی جماعتِ اسلامی اور جماعت اسلامی سے ان کے ان نظریات کے پیشِ نظر جس عظمتِ کردار کی توقع کی جا سکتی تھی وہ قطعاً پوری نہیں ہوئی کیونکہ اس ۳۲ سال کے عرصہ میں ان کا طرزِ عمل ان کے ان سنہری اقوال سے ہمیشہ متضاد رہا ہے خصوصاً جماعتِ احمدیہ کے خلاف ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریکوں میں حکومت سے یہ مطالبات منوانے میں جماعت اسلامی اور اس کے بانی پیش پیش رہے ہیں کہ اس جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور احمدیوں کو تمام کلیدی عہدوں سے الگ کیا جائے۔ حالانکہ احمدی ان پانچوں بنیادی اصولوں پر نہ صرف یقینِ محکم رکھتے بلکہ ان پر عمل بھی کرتے ہیں جن کا ذکر حضرت ابن عمرؓ سے مروی آنحضرت صلعم کی اس حدیث میں ہوا ہے کہ:—

''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور کہ محمد صلعم اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج کرنا اور رمضان میں روزے رکھنا''۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کی بے شمار تحریرات بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ نے ان عقائد سے سرِ مو انحراف کو ارتداد [illegible]

اور خروج از اسلام قرار دیا ہے چنانچہ وہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

" جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بناء رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے اور جس خدا کے کلام یعنی قرآن پاک کو پنجہ مارنے کا حکم ہے ہم اس کو پنجہ مار رہے ہیں . . . . اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہٗ نے قرآن شریف نے فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلعم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعتِ اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے ۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں ۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے ۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :-

" ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم
بدیں آمدیم و بدیں بگذریم "

" ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ تمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا کہ جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعتِ مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے ۔ اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراط مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا "

(ازالہ اوہام)

بانی جماعتِ اسلامی نے دین اور شریعت کی جو تعریف بیان فرمائی ہے اسے اور حضرت مرزا صاحب کی ان دو تحریروں کو سامنے رکھتے ہوئے کیا وہ خود کسی ایسے نقطے پر انگلی رکھ سکتے ہیں جس سے جماعتِ احمدیہ کو غیر مسلم قرار دلوانے کا اشارۃً بھی جواز نکلتا ہو ؟ ہم نہ صرف انہیں بلکہ اسلامی دنیا کے تمام علماء کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ ایسا کر کے دکھائیں مگر وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔

اس لئے ہم ان کی توجہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف دلاتے ہیں :-

" یا یھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و قولوا قولاً سدیداً ۔ یصلح لکم اعمالکم و یغفر لکم ذنوبکم ط و من یطع اللہ و رسولہٗ فقد فاز فوزاً عظیما ۔

اے وہ لوگو! جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی سیدھی بات کہو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہ تمہارے لئے بخش دے گا اور جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی ۔" (الاحزاب : ۷۰ - ۷۱)

صاف ستھری ، سیدھی سیدھی اور سچی بات کرنا تقویٰ کی لازمی شرط ہے۔ جو ایسا نہیں کرتا نہ وہ اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہے اور نہ رسول کی اس لئے اس کے اعمال میں کوئی صالحیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ اس کے گناہ بخشے جا سکتے ہیں اور نہ ہی وہ وہ اعلیٰ کامیابی حاصل کر سکتا ہے جس کا وہ متمنی ہے ۔ زبان کو توڑ موڑ کر پیچدار ، مبہم اور غیر واضح بات کرنا انسان کو ناکامی اور ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیتا ہے کیونکہ یہ اللہ اور رسول کی معصیت کے ذیل میں آتا ہے ۔

تقویٰ کی دوسری شرط انصاف ہے " اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی ۔ انصاف کرو کیونکہ انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے ۔" کسی کی صحیح بات کو تسلیم نہ کرنا بھی اس کی حق تلفی اور ناانصافی ہے ۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ عدل سے کام نہ لینے کی وجہ سے قرآن کے مطابق تقویٰ کی راہوں سے بعید ہوتے ہیں ۔ ان باتوں کی رعایت ان لوگوں کے لئے ایک لازمی امر ہے جو کسی دینی جماعت کے رہنما کہلاتے ہیں کیونکہ ان پر نہ صرف اپنی بلکہ اپنی جماعت کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ۔

مسلمانوں کے باقی فرقوں کے لئے یہ رعایت تو روا رکھی جاتی ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق احکام نکال کر ان پر عمل کرنے کے باوجود مسلمان اور ایک اُمت ہیں لیکن جماعت احمدیہ کو اس حق سے بھی محروم کیا جاتا ہے ۔ احمدیوں کو بھی اسی طرح حق حاصل ہے کیونکہ قرآن اور حدیث کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت نہیں کہ اس پر قانوناً کوئی تجاوز نہیں ہو سکتا ۔ قرآن کریم ہر ایک کو فکر و تدبر اور عقل و شعور سے کام لینے کی بار بار دعوت دیتا ہے ۔ جن امور میں احمدیوں کو باقی مسلمانوں سے اختلاف ہے ان کا استنباط انہوں نے اپنی سوچ سمجھ اور فکر و تدبر کے مطابق قرآن اور حدیث سے ہی کیا ہے ۔

۱ - احمدی قرآن اور حدیث سے ہی یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ فوت ہو چکے ہیں ۔ وہ نہ قتل ہوئے نہ مصلوب ہوئے بلکہ طبعی موت مرے ۔

۲ - احمدی حدیث سے ہی یہ دلیل دیتے ہیں کہ جس مسیح کے دوبارہ نزول کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اسی اُمت کا ایک فرد ہوگا کیونکہ مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہو چکے ہیں ان کا دوبارہ آنا ممکن نہیں کیونکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ مردے اس دنیا میں دوبارہ واپس نہیں لوٹ سکتے ۔

۳ - وہ اس حدیث کی رو سے " ان اللہ یبعث لھٰذہ الاُمۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا " حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں کیونکہ اس صدی میں ساری دنیا میں ان کے علاوہ یہ دعوےٰ

کسی اور نے نہیں کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس صدی کا مجدد مبعوث کیا گیا ہوں۔ اگر کوئی ہے تو سامنے لایا جائے اور اس کا یہ دعوےٰ بھی دکھایا جائے۔

۴۔ قرآن اور حدیث ہی کے رُو سے احمدی یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کے نزول کے زمانہ کی جو علامات بیان ہوئی ہیں وہ ایک ایک کر کے پُوری ہو چکی ہیں۔ جب علامات پُوری ہو گئی ہیں تو جس شخص کے لئے ان علامات کا پُورا ہونا مذکور ہے اسے بھی اس زمانہ میں موجود ہونا چاہیئے اور مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ بھی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ صرف حضرت مرزا صاحب ہی ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ دوسرا کوئی شخص نہیں اور ساری دنیا میں کوئی نہیں۔

۵۔ احمدی احادیث رسُول صلعم ہی سے اپنا یہ موقف ثابت کرتے ہیں کہ صدی کا مجدد۔ مسیح اور مہدی تین علیحدہ علیحدہ شخصیتیں نہیں بلکہ ایک ہی شخص ہے جس نے مجدد۔ مسیح اور مہدی کے فرائض سرانجام دیئے ہیں اور وہ حضرت مرزا صاحب ہیں۔

۶۔ قرآن کی روشنی میں ہی احمدیوں کا یہ ایمان ہے کہ خدا ازلی ابدی اور زمان و مکان کے تغیرات سے مبرا اور آزاد ہستی ہے۔ اس کی تمام صفات بھی ازلی ابدی اور ناقابلِ تغیر ہیں۔ صفتِ تکلم بھی اس کی ان جمیع صفات میں سے ایک صفت ہے جو کبھی معطل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر یہ کسی دَور اور زمانہ میں بھی معطل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایک قابلِ تغیر ہستی بن جاتا ہے جو خُدا نہیں ہو سکتی۔ وہ پہلے بھی نبیوں اور رسُولوں اور غیر نبیوں سے کلام کرتا رہا ہے اور اب بھی کرتا ہے۔ البتہ انبیاء اور غیر انبیاء کے ساتھ اس کے کلام میں یہ فرق ہے کہ انبیاء کے کلام کے ذریعے ہر زمانے میں زمانہ کی ضرورت کے مطابق نئے نئے احکام شریعت نازل ہوتے رہے ہیں۔ اب یہ شریعت مکمل ہو چکی ہے اس لئے اب جو کلام غیر انبیاء کے ساتھ ہوگا اس میں نئے احکام نازل ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس لئے یہ کلام وحی نبوت نہیں وحیِ ولایت ہے جو اس اُمّت کے صلحاء۔ اولیاء اور مجددین کو ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اور یہی کلام اللہ تعالیٰ کی ہستی کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے۔

۷۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ کسی کو تلوار کے زور سے اسلام میں داخل کرنے کا تصور قرآن کریم میں کہیں نہیں البتہ مخالفین اسلام اگر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے مسلمانوں پر جنگ مسلط کریں تو انہیں بھی کیل کانٹے سے لیس ہو کر دشمنِ اسلام کے ارادوں کو خاک میں ملانے کے لئے بنیانِ مرصوص ہو کر صف آراء ہونا چاہیئے اور اس وقت تک تلوار نیام میں نہیں ڈالنی چاہیئے جب تک دشمن کا صفایا اور قلع قمع نہ ہو جائے۔ ہاں اگر دشمن تلوار کے بجائے اپنے علم اور قلم کو استعمال میں لائے جیسا کہ اس چودھویں صدی میں ہُوا تو پھر مسلمانوں کو بھی یہی آلاتِ حرب استعمال کر کے اس کے بد ارادوں کو ناکام بنایا جائے۔ اور اشاعتِ قرآن سے اسلام کی خوبیوں کو غیر مسلموں میں عام کیا جائے کیونکہ قرآن کریم کا بھی یہی حکم ہے کہ اپنے رب کے رستہ کی طرف موعظہ حسنہ اور حکمت کے ساتھ بلایا جائے اور بحث مباحثہ میں احسن طریق اختیار کیا جائے۔ یہی حقیقی اور اصلی جہاد ہے جو زمان و مکان کی کسی شرط سے مشروط نہیں۔ ہر وقت ہر مسلمان اس میں شریک ہو سکتا ہے۔

مسیح موعود کے زمانہ کی یہ بھی ایک نشانی ہے کہ جزیہ اور جنگ معطل ہو جائیں گے یا ملتوی ہو جائیں گے۔ اور یہ پوری ہو چکی ہے۔

یہ دَور تفسیراتی جنگ اور کشمکش کا دَور ہے۔ غیر اسلامی نظریات کا ابطال علم اور قلم کے ذریعہ ہو سکتا ہے جنگ کے ذریعہ نہیں اگر جنگ کے ذریعے ہی ہو سکتا تو آج ستر اسی کروڑ مسلمان غیرت قوموں کی چیرہ دستیوں کے سامنے اتنا بے بس نہ ہوتا کہ چند لاکھ یہود اُسے آنکھیں دکھاتے ہوتے۔ اور بیت المقدس کو ان کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے جلسوں میں صرف قرار دادیں پاس ہوئیں اور اس عزم کا سالہا سال سے بار بار اعادہ ہوتا کہ ہم بیت المقدس کو جو ہمارا قبلہ اوّل ہے آزاد کرا کے ہی دم لیں گے۔ اور مصر کو اپنے مقبوضہ علاقے آزاد کرانے کے لئے اسرائیل سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہونا پڑتا۔

یہی وہ چند ایک اختلافی امور ہیں جن میں دوسرے مسلمانوں سے ہمارا اختلاف ہے۔ لیکن ان میں اسلام کے بنیادی پانچ اصولوں میں سے کسی ایک کا انکار کبھی شامل نہیں۔ نہ خُدا کا انکار ہے۔ نہ رسُول کا اور نہ قرآن کا نہ نماز۔ روزہ حج اور زکوٰۃ کا۔ نہ ہی ملائکہ۔ رسل۔ کتب سابقہ اور یوم آخرت کا۔ تو پھر احمدی کس بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے ہیں۔ اگر حنفی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شافعی۔ اہلِ حدیث۔ اہلِ تشیع اور اہلِ قرآن وغیرہ باوجود اپنے اس حد تک اختلافات کے کہ ان کی مسجدیں الگ الگ ہیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کے روادار نہیں۔ بات بات پر ایک دوسرے کے خلاف کفر کا فتوےٰ لگا دیتے ہیں مسلمان ہیں اور ایک ہی اُمّتِ مسلمہ میں شامل ہیں تو احمدیوں کو اُمّتِ مسلمہ سے کاٹ دینے کے لئے مولٰنا مودودی اور ان کی جماعت کے پاس کیا دلائل ہیں۔ ہم نے بنیادی اصُولوں سے کہیں انکار نہیں کیا۔ اختلافی امور کے متعلق ہم اپنی سوجھ بوجھ اور عقل و فکر کے مطابق قرآن اور حدیث سے دلائل اور ثبوت دیتے ہیں۔ یا تو ہمارے ان دلائل کو توڑا جائے جو آج تک سو سال سے نہیں توڑے جا سکے اور یا ہمیں اپنے حال پر چھوڑا جائے۔

قرآن و حدیث کسی بڑے سے بڑے متفکّر۔ مجتہد اور مفسر کو یہ اختیار ہرگز نہیں دیتے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے۔ اسلام کے پانچ بنیادی عقائد پر ایمان لانے اور ان پر عمل کرنے والوں کو کافر کہے یا انہیں اُمّتِ مسلمہ سے کاٹنے کے لئے تحریک چلوائے۔ ورنہ ایسا شخص اس حدیث کی زد میں آتا ہے جس کا حوالہ مودودی صاحب نے اپنی تحریر میں دیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے گا تو کفر اُلٹ کر اس پر پڑے گا۔

ہم خُدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔ ہمیں غیر مسلم کہنے والے خود سوچ لیں کہ کہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتوےٰ کے نیچے تو نہیں آتے۔ اور جس دن وہ خُدا کے سامنے جواب دہی کے لئے کھڑے ہوں گے اُس دن ان کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا کہ تم نے لاکھوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کو کس بناء پر غیر مسلم اقلیت ٹھہرا کر اُمّتِ محمدیہ سے باہر کر دیا۔ اور اس کا اختیار تمہیں کس نے دیا تھا؟ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ بقول مودودی صاحب "خود آقا (یعنی خُدا) کا منصب اختیار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ جس طرح تو آقا کا حکم ماننے پر مجبور ہے اگر تو میری سمجھ کو نہ مانے گا تو میں اپنے اختیار سے تجھ کو آقا کی نوکری سے خارج کر دوں گا۔ غور کر دیکھئے کتنی بڑی بات ہے۔"

حصولِ اقتدار اور سیاسی اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر کسی مسلمان پر کفر کا فتوےٰ لگانے کا تصور قرآن اور حدیث میں ہرگز موجود نہیں۔

ہم مولٰنا مودودی کے یہ الفاظ دہراتے ہیں:۔

"میں بھی ایک طریقہ کا پیرو ہوں (لیکن اس طریقہ کا اظہار میں نے کبھی نہیں کیا۔ ناقل) اور اس کو صحیح سمجھتا ہوں اور اس کے

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

رسمِ جہیز اور مسلمان

اسلام انتہائی قابلِ عمل دین ہے۔ لیکن انسان کی ہوسِ زر، ذوقِ نمائش اور مادہ پرستی اسے خودساختہ زنجیروں میں جکڑ دیتی ہے پھر وہ اپنی خواہشات کو دین بنا لیتا ہے۔ اور ان زنجیروں کو جدا کرنے کے تصوّر سے بے چین ہو جاتا ہے۔ کیا ہم بھی اس مرض کا شکار نہیں ہیں۔ اور جہیز کی لعنت سے اکثر گھرانوں کی زندگیاں تلخ نہیں ہو چکیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا ہم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و سنّت کی اتباع کر کے ایک اعلیٰ مثال قائم نہیں کریں گے اور اپنے ہاتھوں بنے ہوئے جال کو توڑ کر قوم کی بچیوں اور نادار طبقے کی دعائیں نہیں لیں گے؟ زیرِ عنوان موضوع پر درج ذیل مضمون میں جہیز کی دینی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ ——— (ادارہ) ———

جب ہم کسی فرد یا جماعت کو کسی مقصد کے لئے تیار کرتے ہیں تو اس مقصد کے مطابق ضروری ساز و سامان مہیا کرتے ہیں۔ اگر طالبعلم پڑھنے جا رہا ہو تو اس کا سامان پڑھنے لکھنے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی سفر پر جا رہا ہو تو رختِ سفر باندھنا اس کی تیاری ہوتی ہے۔ اگر جنگ کے لئے جا رہا ہو تو خود، زرہ، اسلحہ اور سواری وغیرہ مہیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی قبر میں دفن ہونے جا رہا ہو تو اس کے کفن دفن کا سامان کرتے ہیں۔ اگر کوئی دلہن رخصت ہو رہی ہو تو اس کا بناؤ سنگھار کرتے ہیں۔

غرض جس شخص کو کسی مقصد کے لئے تیار کرتے ہیں اس کے لئے اس مقصد کے مطابق ضروری ساز و سامان تیار کرتے ہیں۔ اسی تیاری کو عربی میں تجہیز کہتے ہیں۔ البستان میں ہے :۔

۱۔ جہز القوم:۔ اذا تکلّف لھم بجھازھم للسفر
جب ایک جماعت کے لئے رختِ سفر مہیا کیا جائے تو کہیں گے جہز القوم۔

۲۔ جہز الغازی:۔ اعدّ ما یحتاج علیہ فی غزوۃ۔
جہز الغازی۔ کا مطلب ہے غازی کے لئے سامانِ حرب مہیا کیا جائے۔

۳۔ جہز فلانا ھیأ لہ جھاز سفر۔ جہز فلانا
کے معنی ہیں فلاں کے لئے رختِ سفر مہیا کرنا۔

۴۔ جہز العروس اعدّ جھازھا۔ جہز العروس کے معنی
ہیں دلہن کا سامان مہیا کرنا۔

۵۔ جہز المیت ارصدت لہ اھبتہ من کفن وغیرہ۔
جہز المیّت کا مطلب ہے مُردے کے کفن وغیرہ کا سامان مہیا کرنا۔

اس تصریح سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جہّز تجہیزاً کے معنی ہیں کسی مقصد کے لئے کسی کو تیار کرنا۔ اس تیاری کے ساز و سامان کو عربی میں جَہاز اور جِہاز (جیم کے زبر اور زیر سے) کہتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبداللہ لبنانی البستان میں لکھتے ہیں :۔

" الجھاز للمیت والعروس والمسافر بالکسر والفتح ما یحتاجون الیہ۔ جہاز (جیم کے زیر اور زبر سے) مردے، دلہن اور مسافر کے لئے وہ چیز ہے جس کی ان تینوں کو ضرورت ہے۔"

قرآن میں ہے :۔ فلما جھزھم بجھازھم ... الخ ۔
یعنی جب حضرت یوسف نے بھائیوں کا سامان (راشن) تیار کر دیا۔ اس کا یہ مطلب کون لے سکتا ہے کہ جب حضرت یوسف نے بھائیوں کا "سامانِ جہیز" مہیا فرما دیا۔

اصلی لفظ جہاز کو امالہ کر کے "جہیز" بنا لیا گیا ہے، جیسے رکابی سے رکیبی۔ جلابی سے جلیبی اور ماشاء اللہ سے ملشے اللہ بنا لیا گیا ہے۔ یہ لفظ جہیز (یائے مجہول) نہ عربی ہے نہ فارسی بلکہ اُردو ہے۔ عربی میں جہیز (یائے معروف) ہے جس کے معنی ہیں ہلکا تیز رفتار گھوڑا۔ موتٌ جہیزٌ کے معنی ہیں اچانک مرگ۔

یہ لفظ "جہیز" اب ایک مخصوص اصطلاح بن گئی ہے۔ یعنی جہیز اس تمام ساز و سامان کو کہتے ہیں جو ماں باپ (ان کے قائم مقام ولی) اپنی طرف سے اپنی جیب سے رخصتی کے وقت دلہن کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ اس میں بستر، پلنگ، کپڑے، زیور، سنگھار کا سامان، چولھا، توا، پکانے اور کھانے کے لئے برتن اور اب سلائی کی مشین، ریڈیو سیٹ ٹیلیویژن سیٹ اور صوفہ سیٹ وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ اس ساز و سامان کا نام جہیز ہے۔

دلہن کے دوسرے رشتہ دار جو تحائف پیش کرتے ہیں۔ ان کا شمار جہیز میں نہیں۔ شادی کے موقع پر ہر برادری کا ایک رواج بھی ہے کہ باراتی طعام کے وقت دلہن والوں کے رشتہ دار اور دعوتِ ولیمہ کے وقت دولہا کے رشتہ دار کچھ رقمیں بھی پیش کرتے ہیں۔ جسے نیوتا کہتے ہیں۔ بعض جگہ بانجھا (جوڑا) دینے کا بھی رواج ہے۔

والدین کا لڑکی کو جہیز دینا یا دوستوں کا تحائف پیش کرنا یا نیوتا یا مانجھا دینا یہ سب ایسی رسمیں ہیں جو کسی افادی نقطۂ نظر سے ایجاد ہوئی ہیں۔ تاہم کسی رسم کے متعلق یہ دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سنّتِ رسول یا لازمۂ شادی ہے۔ اسلامی شریعت میں نکاح کے بعد عروس کی تمام ضروریات کی ذمہ داری شوہر کے سر آ جاتی ہے۔ ان ضروریات میں حسبِ استطاعت مکان، لباس، خوراک، ضروریاتِ البیت وغیرہ سب کچھ آ جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ماں باپ (یا ان کے قائم مقام ولی) پر نہیں رہتی۔

اگر شوہر غیر مستطیع ہو اور والدین صاحبِ استطاعت ہوں تو بیٹی یا داماد کی امداد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اور والدین کی محبت کا ایک فطری تقاضا بھی۔ والدین پیدا ہونے کے بعد سے جوانی تک اپنی بیٹی کو بہت کچھ دیتے رہتے ہیں۔ بلکہ بیاہے جانے کے بعد بھی کچھ دے دیں تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے؟ شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد والدین جو کچھ بھی اپنی بیٹی کو دیتے رہتے ہیں اسے کوئی جہیز نہیں کہتا۔ جہیز صرف اس ساز و سامان کو کہا جاتا ہے جو بیاہتے وقت دیا جاتا ہے حالانکہ شادی کے وقت جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بھی اسی طرح کی ایک امداد ہے جس طرح شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد کچھ دینا ایک امداد ہے۔

خاص شادی کے وقت کچھ دینا نہ سنّتِ رسول ہے نہ سنّتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نہ لازمۂ شادی ہے نہ جزوِ نکاح۔

شادی کے وقت ساز و سامان مہیا کرنے کے لئے ہم نے جو ایک اصطلاح "جہیز" کی بنا لی ہے وہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو شریعتِ اسلامیہ اور اسلامی تاریخ میں کبھی متعارف نہیں رہی ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل نکات پر غور کیجئے :۔

(۱) اصطلاح جہیز کے لئے عربی زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں۔ لفظ

جہاز کے متعلق ہم ابھی بتا چکے ہیں۔ کہ یہ ہر قسم کے رخت کے لئے ہے۔ صرف دلہن کے لئے نہیں۔ ہاں اب "جہیز" کے لئے ایک عربی لفظ ایجاد ہوا ہے۔ اور وہ ہے "بائنة"۔ لیکن یہ لفظ مولد ہے۔ مولد کے معنی یہ ہیں کہ اس معنی میں یہ لفظ قدیم عربی لغت میں موجود نہیں بلکہ اس کا شمار لغات جدیدہ میں ہے جیسے مذیاع کے معنے لاؤڈ سپیکر۔ مدمرة کے معنے بلڈوزر وغیرہ۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ جس مفہوم کے لئے عربی میں کوئی لفظ موجود ہی نہیں وہ سنت رسول کیسے ہو جائے گا؟

(۲) جہیز دینا اگر سنت ہوتا تو اس کا ذکر ان ہزاروں شادیوں میں موجود ہوتا جو عہد نبوت میں ہوئیں۔ حضورؐ نے اپنی دوسری صاحبزادیوں کو بھی بیاہا۔ حضرت زینبؓ سیدنا ابو العاصؓ سے اور حضرات رقیہؓ و ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے سیدنا عثمانؓ سے بیاہی گئیں۔ لیکن کہیں جہیز کا ذکر نہیں آتا۔

خود حضورؐ کے کاشانے میں متعدد ازواج مطہرات آئیں لیکن جہیز ساتھ لانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں صحابہ میں بے شمار شادیاں ہوئیں لیکن کہیں جہیز ساتھ لانے کا ذکر موجود نہیں اگر جہیز دینا سنت ہوتا تو ان ہزاروں شادیوں میں کہیں تو جہیز کا بھی ذکر آتا۔

(۳) قرآن اور حدیث میں ازدواجی زندگی کی بہتری جزئیات تک کا ذکر موجود ہے مثلاً تعدد ازدواج۔ باری مقرر کرنا۔ رضاعت کی اجرت۔ مسکن اور نان و نفقہ کی ذمہ داری۔ حسن سلوک اور دیگر حقوق زوجین، حلال حرام رشتے، عدت، عقد ثانی، اولاد اور حضانت وغیرہ، غرض ازدواجی زندگی کے ایک ایک جزئے کا ذکر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہے۔ لیکن جس چیز کا اشارۃً بھی کہیں ذکر نہیں ملتا وہ رسم جہیز ہے۔

انتہا یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں بھی کوئی باب الجہیز موجود نہیں (متاخرین کے فتاوے میں اس کا ذکر ایک آدھ جگہ ملتا ہے لیکن یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے) پھر ایک ایسی شئے کو سنت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جس کا کوئی ذکر کتاب و سنت اور فقہ میں موجود نہ ہو بلکہ اس مفہوم کے لئے عربی لغت میں کوئی لفظ ہی نہ پایا جاتا ہو۔

جہیز سے متعلق سنت رسول ہونے کی غلط فہمی سنن نسائی وغیرہ کی جس حدیث سے پیدا ہوئی وہ یوں ہے:۔

"جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها اذخر"

(النسائی۔ جلد دوم ص ۷۵۔ طبع کراچی)

یعنی حضورؐ نے جناب فاطمہؓ کو تیار کیا، ایک چادر، مشکیزے اور تکیے میں اذخر (گھاس) بھری ہوئی تھی۔

یہاں لفظ جهز کا مفہوم یہ لیا گیا کہ حضورؐ نے جہیز میں یہ یہ چیزیں دی تھیں۔ حالانکہ جهز کا مطلب صرف تیار کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔ مطلب اس عبارت کا صرف یہ ہے کہ حضورؐ نے جب سیدہ فاطمہ کو رخصت کیا تو اس وقت یہ چیزیں مہیا فرمائیں۔ اس کا یہ مطلب ہی نہیں کہ جہیز میں یہ یہ چیزیں دیں۔

اسی مفہوم کی روایت سنن ابن ماجہ میں ہے۔ اس کے الفاظ پر ذرا غور کیجئے:۔

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى عليًا وفاطمة وهما في خميل لهما قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم جهزهما بها ووسادة محشوة اذخراً وقربة۔"

(ابن ماجہ کتاب الزهد ضجاع آل محمد۔ ص ۱۳۹۰ حدیث نمبر ۴۱۵۲ طبع عیسی البابی الحلبی)

یعنی حضور حضرات علیؓ و فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اس وقت ان دونوں کے پاس ایک چادر تھی جو حضورؐ نے ان دونوں کو مہیا فرمائی تھی۔ اور نیز ایک تکیہ تھا جس میں اذخر بھرا ہوا تھا۔ اور ایک مشکیزہ تھا۔

یہاں جهزهما کا لفظ ہے جس کے معنی محض یہ ہیں کہ حضورؐ نے ان دونوں کے لئے یہ چیزیں مہیا فرمائی تھیں۔ اگر یہاں جهزهما کا ترجمہ کیا جائے کہ حضورؐ نے ان دونوں کو یہ چیزیں جہیز میں دی تھیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہیز بیٹی کے علاوہ داماد کو بھی دیا جاتا ہے۔

جهز کے معنی ہیں هيأ، أعد، ارصد، یعنی مہیا کیا، تیار کیا، جیسا کہ تمام لغات میں موجود ہے۔ "جہیز دیا" کے معنی میں یہ لفظ کبھی مستعمل نہیں ہوا۔ جہیز کے مفہوم کے لئے تو عربی لغت میں کوئی لفظ ہی نہیں اور یہ مفہوم شرع میں بھی متعارف نہیں رہا ہے۔

جهز کے لفظ کا ترجمہ "جہیز دینا" کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی لغات جدیدہ میں مدمرة کے معنی بلڈوزر دیکھ کر فدمرناها تدميرا کا ترجمہ یہ کرے کہ "ہم نے بلڈوزر بھیج کر اس بستی کو تباہ کر دیا"۔

اب ایک ضروری نکتہ بھی سن لیجئے۔ حضورؐ نے جو چیزیں حضرت فاطمہؓ (نیز حضرت علیؓ کے لئے) مہیا فرمائیں اس میں جہیز کے مفہوم کا شائبہ تک نہ تھا کیونکہ:

جہیز اصطلاح میں اس ساز و سامان کو کہتے ہیں جو باپ (یا ماں یا ان کے قائم مقام ولی) اپنی طرف سے اور اپنی جیب سے مہیا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے جو کچھ فرمایا وہ اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ مہر کی رقم سے مہیا فرمایا تھا جو حضرت علیؓ نے رخصتی سے پہلے ہی حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دی تھی۔ اس کی تفصیل زرقانی اور روضۃ الصفا کے مؤلفوں سے سنئے۔

المواهب اللدنيا في المنح المحمدية سیرت نبویؐ کی مشہور کتاب ہے جس کے مؤلف شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی ہیں۔ ان کی ولادت سنہ ۸۵۱ھ اور سنہ وفات ۹۲۳ھ ہے۔ اس کتاب کی شرح کا نام ہے اشراق مصابیح السیرة المحمدیه بمزج اسرار المواهب اللدنیه شارح کا نام محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی ہے۔ جن کی ولادت سنہ ۱۰۵۵ھ میں اور وفات ۱۱۲۲ھ میں ہوئی۔

یہ شرح زرقانی کے مختصر نام سے مشہور ہے۔ اس متن و شرح کا جو نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے وہ مطبع ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ ہجری کا شائع کردہ ہے۔ اس کی جلد دوم اور صفحہ ۳-۴ کی عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ یہ عبارت ذکر تزویج علیؓ بفاطمة رضی الله عنهما کے عنوان کے تحت ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"حتى اتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: تزوجني فاطمة؟ قال: عندك شيء؟ فقلت: فرسي وبدني۔ قال: اما فرسك فلابد لك منها واما بدنك فبعها فبعتها من عثمان بن عفان باربع مائة وثمانين درهما ان عثمان ردّ الدرع الى علي فجاء بالدرع والدراهم الى المصطفى صلى الله عليه وسلم فدعا لعثمان بدعوات

كما فى رواية فجئته بها فوضعتها فى حجرة فقبض منها قبضة - فقال: اى بلال ابتع لنا بها طيبا وفى رواية ابن ابى خيثمة من على: امر صلى الله عليه وسلم ان يجعل ثلث الاربعمائة والثمانين فى الطيب .... و امرهم ان يجهزوها فجعل لها سرير مشروط ووسادة من ادم محشوها ليف (نشان زدہ الفاظ متن کے ہیں اور خالی عبارت شرح کی ہے۔)

"یعنی آخر میں (علی رض) نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ: کیا حضور فاطمہؓ کو مجھ سے بیاہنا پسند فرمائیں گے؟ حضورؐ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کچھ (مال) ہے؟ میں نے عرض کیا میرا گھوڑا ہے یا زرہ۔ فرمایا: گھوڑے کی تو تمہیں بہر حال ضرورت رہے گی رہی زرہ، اسے فروخت کر دو۔ میں نے عثمان بن عفان کے ہاتھ چار سو اسّی درہم میں فروخت کر دیا۔ اس کے بعد عثمان رض نے وہ زرہ بھی واپس کر دی۔ حضرت علی رض نے وہ زرہ اور رقم لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئے۔ حضورؐ نے عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر کی۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ پھر میں (علی رض) رقم لے کر آیا اور حضورؐ کی گود میں رکھ دی۔

حضورؐ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فرمایا: بلالؓ اس رقم کی خوشبو خرید کر ہمارے پاس لے آؤ ——— ابن ابی خیثمہ نے حضرت علی رض کی زبانی جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: حضورؐ نے حکم فرمایا کہ: ان چار سو اسّی درہموں کی ایک تہائی (ایک سو ساٹھ درہم) خوشبو میں صرف کی جائے .... پھر حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ: ان (فاطمہ رض) کا سامان مہیا کریں۔ چنانچہ ان کے لئے ایک بنی ہوئی چارپائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی تیار کئے گئے۔"

مذکورہ بالا عبارت تو مواہب اور اس کی شرح تھی۔ اب ایک اور کتاب کی عبارت بھی ملاحظہ ہو، اس کا نام ہے روضۃ الصفاء فی سیرت الانبیاء والملوک والخلفاء۔ اس کے مؤلف شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، اور کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا وہ نسخہ میرے سامنے ہے جو نولکشور پریس نے رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق مئی ۱۸۹۱ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے مؤلف ہیں المورخ میر خواند محمد بن خاوند شاہ بن محمود ہروی۔ مؤلف کا سنہ وفات ۹۰۳ھ ہے۔ اس کی جلد دوم صفحہ ۷۴ - ۷۵ کی عبارت یوں ہے:-

"چوں حضرت علی فاطمہ زہرا را خواستگاری نمود حضرت رسول فرمود کہ مہر اورا چہ می سازی؟ جواب داد کہ نزد من چیزے نیست۔ حضرت فرمود کہ زرہ حطمیہ تو کجا است؟ عرض کرد موجود است۔ حضرت فرمود کہ آں را صدق ساز۔ گویند کہ حضرت علی رض آں زرہ را چہار صد ہشتاد درہم بعثمان فروخت و آں زرہ بود فراخ وسنگین کہ ہیچ شمشیر براو کار نمی کرد و عثمان بعد از خریدن بحضرت علی بخشید و مرتضیٰ علی زرہ و بہائے آنکہ چہار صد و ہشتاد درہم بود بخدمت مصطفیٰ آورد و حضرت در بارہ عثمان دعا فرمود، روایتے آن است کہ دو دانگ وجہ مذکور بہوئے خوش صرف کردند۔ چہار دانگ اورا در چہار مصرف داشتند و از آں جملہ دو جامہ برد بود و دو بازو بند

نقرہ و لحاف و لحاف کتان و یک نہالے از آں جنس، و جمعے دو نہالے گفتہ اند و بعضے از جہیزیات دیگر کہ محتاج الیہ بود از آں زر مرتب ساختند۔"

ترجمہ:- "جب حضرت علی رض نے فاطمہ زہرا کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ سے پوچھا کہ: ان کے مہر کے لئے کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ فرمایا کہ: تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟ عرض کیا وہ تو موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: بس اسی کو مہر قرار دے دو۔ کہتے ہیں کہ حضرت علی رض نے وہ زرہ چار سو اسّی درہم میں عثمان کے ہاتھ فروخت کی۔ وہ زرہ ایسی کشادہ اور سخت تھی کہ اس پر تلوار بھی کوئی اثر نہ کر سکتی تھی۔ عثمان نے وہ زرہ خریدنے کے بعد حضرت علی کو واپس کر دی۔ علی مرتضیٰ وہ زرہ اور اس کی قیمت جو چار سو اسّی درہم تھی لے کر محمد مصطفیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ نے عثمان کے حق میں دعا فرمائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضورؐ نے اس رقم کے دو حصے تو خوشبو میں صرف فرمائے اور چار حصے دوسرے چار مصرف میں۔ مثلاً دو جامہ برد (دھاری دار ایک کپڑے کی قسم ہے) دو نقرئی بازو بند۔ ایک قسم کا لحاف اور اسی کا ایک تکیہ۔ بعض مؤرخین دو تکئے بتاتے ہیں۔ اور بعض وہ چیزیں جن کی ضرورت تھی۔ یہ سب کچھ اسی رقم (مہر) سے حضور صلعم نے تیار فرمایا۔"

مذکورہ بالا عربی اور فارسی عبارتوں کے بعد کسی مزید تشریح میں جانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ یہ بات واضح ہے سارا اثاث البیت حضورؐ نے مہر فاطمہ رض ہی کی رقم سے مہیا فرمایا تھا۔ اب اگر کسی کو اس حقیقت سے انکار ہو تو یہ اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسی روایت دکھائے جس میں یہ صراحت موجود ہو۔ کہ حضورؐ نے یہ سامان، رقم مہر سے نہیں مہیا فرمایا تھا، بلکہ اپنی جیب سے یہ رقم ادا فرمائی تھی۔ پس اگر یہ جہیز دینا سُنّت ہے (جو صرف حضرت فاطمہ رض کو دیا گیا اور کسی کو نہیں دیا گیا) تو پھر یہ بھی ضروری سُنّت ہے کہ باپ یہ سامانِ جہیز مہر کی رقم سے پورا کرے نہ کہ اپنی طرف سے۔

۲۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے اگر واقعتہً جہیز دینا سُنّت اور لازمہ ازدواج ہے تو یہ صرف جناب فاطمہ کے ساتھ کیوں مخصوص رہا اور دوسری صاحبزادیوں کو یہ جہیز کیوں نہ دیا؟ نیز ازواج مطہرات اپنے ساتھ کوئی جہیز کیوں نہ لائیں؟ پھر اور ہزاروں صحابیات کے ازدواج کے ذکر میں جہیز کا کوئی ذکر کیوں نہیں ملتا؟ اس سوال کا جو جواب ہے اس سے خود ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ دیا وہ جہیز نہ تھا بلکہ ایک مخصوص ضرورت یا EMERGENCY تھی۔

واقعات یوں ہیں کہ حضرت علی رض کا کوئی الگ گھر نہ تھا جہاں وہ جناب فاطمہ رض کو لے جا کر آباد کرتے۔ گھر دامادی کا کوئی رواج نہ تھا اور شادی کا مطلب تھا الگ گھر بسانا۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری نے اپنا ایک گھر اس نئے جوڑے کے لئے پیش کئے۔ اس خالی گھر کو اثاث البیت کی بہر حال ضرورت تھی، یہی چند ضروریات خانہ داری اور کچھ دلہن کی تیاری تھی اور اس کو بھی حضورؐ نے مہر کی رقم سے پورا کیا۔

حضورؐ نے اپنی دوسری صاحبزادیوں کے لئے اتنا کچھ سامان بھی نہ کیا۔ کیونکہ جہاں وہ رخصت ہو کر جا رہی تھیں، وہ گھر پہلے سے موجود تھے اور اثاث البیت بھی موجود تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی گھر اور اثاث البیت پہلے سے موجود ہوتا ——— جیسا کہ حضرت ابوالعاص رض اور حضرت عثمان رض کے پاس موجود تھا ——— تو حضورؐ کو حضرت فاطمہ رض

(باقی [illegible] ۲۴ کالم [illegible])

الحاج ممتاز احمد فاروقی مرحوم ومغفور

مسئلہ جبر و قدر

ہماری ایک معزز بہن نے قرآنی نقطۂ نگاہ سے مسئلہ تقدیر پر روشنی ڈالنے کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے - آپ فرماتی ہیں کہ :—
" جب انسان اپنی تقدیر کا نوشتہ ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے تو پھر نیک یا بد بننے میں اس کا اپنا کیا دخل ہو سکتا ہے - وہ تو اپنے مقدر کا اسیر ہے - مکرم میاں الحاج ممتاز احمد فاروقی مرحوم ومغفور کا اس موضوع پر ایک مسودہ پیغام صلح کی فائل سے ملا ہے - جو ہدیۂ قارئین ہے - ملاحظہ فرمائیں -
(نائب مدیر)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :—

(۱) سبح اسم ربك الاعلیٰ ۝ الذی خلق فسوّیٰ ۝ والذی قدّر فھدیٰ - (۸۷ / ۱-۳)

ترجمہ : اپنے رب بہت بلند کی تسبیح کر - جو پیدا کرتا ہے - پھر تکمیل کرتا ہے اور جو چیزوں کو ایک اندازہ کے مطابق بناتا ہے - پھر ان کی منزل مقصود تک رہنمائی کرتا ہے -

(۲) وخلق کل شیٍٔ فقدّرہٗ تقدیرا - (۲۵ / ۲)

ترجمہ : اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے - اس کے لئے ایک اندازہ ٹھہرایا -

(۳) والشمس تجری لمستقرٍ لھا ذالك تقدیر العزیز العلیم ۝ والقمر قدرنہ منازل - (۳۶ ، ۳۸-۳۹)

ترجمہ : اور سورج اپنے مقرر رستہ پر چلتا رہتا ہے - یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے - اور چاند کے لئے ہم نے کئی منزلیں مقرر کر دیں -

(۴) وان من شیٍٔ الا عندنا خزائنہٗ وما ننزلہ الا بقدرٍ معلوم - (۱۵ / ۲۱)

ترجمہ : اور کوئی چیز نہیں مگر اس کے خزانے خدا کے پاس ہیں - اور ہم اسے ایک مناسب اندازے سے اتارتے رہتے ہیں -

(۵) من ایّ شیٍٔ خلقہٗ ۝ من نطفۃٍ خلقہٗ فقدّرہٗ - (۸۰ / ۱۸-۱۹)

ترجمہ : اسے کس چیز سے پیدا کیا ؟ نطفہ سے - اسے پیدا کرتا ہے - پھر اسے ایک اندازہ سے بناتا ہے -

امام راغب کے نزدیک قدر یا تقدیر اشیاء کی اللہ تعالیٰ نے دو طرح سے کی ہے - ایک تو انہیں قدرت یا طاقت دینے سے اور دوسرے انہیں ایک خاص اندازہ اور خاص طریق پر بنانے سے جیسا کہ اقتضائے عقل ہو - اس کی مثال کھجور کی گٹھلی کی تقدیر سے دی جا سکتی ہے -

کھجور کی گٹھلی سے کھجور کا درخت ہی اُگے گا - سیب یا زیتون کا درخت نہیں اُگے گا - یہی کیفیت انسانی نطفہ کی تقدیر کی ہے کہ اس سے انسان ہی پیدا ہوگا اور کوئی حیوان پیدا نہیں ہوگا - لہٰذا تقدیر ایک قانون یا اندازہ ہے جو تمام کائنات میں کام کر رہا ہے -

لفظ قضا عموماً قدر کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے - لیکن جہاں قدر کے معنی اشیاء کے متعلق خدا کا اندازہ ہے - قضا کے معنے حسب تصریح امام راغب کسی معاملہ کا طے کرنا ہے، خواہ بذریعہ لفظ ہو یا بذریعہ [illegible] ایک انسان [illegible] اور دوسری خدا کے متعلق - مؤخر الذکر میں قضا یا تو پیشگوئی کے رنگ میں حکم الٰہی کا اعلان ہوتا ہے - یا خدائی فیصلہ میں کسی معاملے کو عمل کے ذریعے طے کرنا -

قضا اور قدر میں فرق بیان کرتے ہوئے امام راغب لکھتے ہیں کہ قدر ایک اندازہ ہے اور قضا فیصلہ یا اس اندازے کا عمل میں لے آنا ہے - مثلاً جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ کو حکم دیا کہ وہ طاعون زدہ علاقہ چھوڑ دیں اور اپنی فوجوں کو کسی دوسری جگہ جو طاعون سے پاک ہو - لے جائیں - تو اس پر اعتراض کیا گیا کہ " کیا تو اللہ تعالیٰ کی قضا سے بھاگتا ہے ؟" حضرت عمرؓ نے اس کا جواب دیا " میں اللہ کی قضا سے اللہ کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں "

ظاہر ہے کہ اس سے آپ کا مطلب تھا کہ اگر خدا نے ایک جگہ طاعون پھیلا دی ہے تو ایک دوسری جگہ اس سے پاک صاف بھی ہے یہ خدا کی قدر ہی ہے - یعنی اس کا قانون ہے کہ لوگ اس کی جگہ چلے جائیں - لہٰذا ثابت ہوا کہ قضا ایک چیز کو وقوع میں لانے کا حکم ہے - اور قدر کے معنے چیزوں کا خاص قوانین کے ماتحت پیدا کرنا ہے -

مندرجہ بالا آیات قرآنی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر قرآن مجید کی زبان میں خدا کا ایک عالمگیر قانون ہے جو انسان پر بھی ایسا ہی حاوی ہے جیسا کہ باقی کائنات پر -

نمبر (۱) آیت میں مخلوق کے متعلق چار چیزوں کا ذکر فرمایا - [۱] پیدا کیا - [۲] پھر جو چیز بنائی اس کو اس کی حیثیت کے مطابق خوب درست بنایا - پھر [۳] اس کو ٹھیک اندازہ پر بنایا - اور [۴] پھر اس کی فطرت کے اندر اپنی علت غائی کے حصول کے لئے ایک میلان رکھا - اور باہر سے بھی ایسے اسباب اس کے لئے مہیا کر دیئے جس سے وہ اپنی منزل مقصود کی صحیح راہ پر چل پڑے -

نمبر (۲) آیت میں دو چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی پر دلیل ٹھہرایا ہے - ایک خلق دوسری تقدیر - جس طرح مخلوق اپنے خالق پر ایک دلیل واضح ہے - اسی طرح پر ایک خاص اندازہ کے ساتھ چند قوانین کے ماتحت اس کا پیدا ہونا اور اپنا کام کر کے اور علتِ غائی کو حاصل کر کے فنا ہو جانا ایک ارادہ اور مشیت کا پتہ دیتا ہے - یعنی کوئی ایسی ہستی ہے جس نے ہر چیز کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اسے چند قوانین کا پابند کر دیا ہے جن کے مطابق وہ اپنا فرض ادا کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے -

تقدیر بمعنی خیر و شر

تقدیر بمعنی خیر و شر کے متعلق جو کا مطلق اور قطعی حکم ہو کہ آج کل عامۃ الناس میں خیال کیا جاتا ہے - وہ نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے اور نہ عربی لغت سے - جس کو انگریزی میں "PRE-DESTINATION" کہتے ہیں بعد کی پیداوار ہے اور اسلام اور ایرانی (مجوسی) عقائد کے باہمی تصادم کا نتیجہ معلوم دیتا ہے -

خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اسے خاص خاص طاقتیں عطا فرمائیں ان کا صحیح استعمال خیر ہے اور ان کا غلط استعمال شر ہے - مثلاً انسان کو خدا نے طاقت گویائی عطا فرمائی ہے - اگر وہ کذب بیانی اور دوسروں کی بدگوئی کرتا ہے تو یہ بدی ہے - اور اگر راست گفتاری اور کلمۂ خیر زبان سے نکالتا ہے تو یہ بھلائی ہے - مگر خدا نے انسان کو عقل و تمیز دی ہے اور ہدایت دی ہے کہ اپنی طاقتوں کے صحیح استعمال کو سمجھ سکے - مثلاً حضرت لوطؑ کی بیوی کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے قدرنا

اِنّھا لمن الغابرین (۱۵/۴) (ہم مقدر کر چکے ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہو۔ لیکن یہاں یہ نہیں کہ خدا نے حکم دیا تھا کہ وہ بُرے کام کریں۔ بلکہ یہاں ایک قانون کا ذکر ہے جو تمام بُرے کام کرنے والوں پر عائد ہوتا ہے۔ وہ عورت مومنات میں سے نہ تھی بلکہ کافرہ تھی۔ پس جب خدا کا عذاب سیہ کاروں پر آیا تو اس کو بھی ان کے ساتھ عذاب کا حکم دیا گیا۔

بعض اوقات اس بات کی تائید میں کہ خدا انسان کے افعال کا خالق ہے۔ آیت واللہ خلقکم وما تعملون (۳۷/۹۶) (اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور جو تم بناتے ہو) مگر واضح ہو کہ لفظ عمل سے جس سے تعملون بنا ہے۔ دو معنے آتے ہیں۔ ایک کرنا اور دوسرے بنانا۔ اگر تعملون کے معنی جو تم بناتے ہو، کی جگہ، جو تم کرتے ہو، کئے جائیں تو اعمال میں جو کہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کا خالق کہا جائے گا جو کہ صحیح نہیں بلکہ یہاں بناتے ہو زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس آیت کے سیاق و سباق میں بُتوں کا ذکر ہے جو انسان بنا کر پوجتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح الفاظ میں فرما دیا ہے:—

"الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر" (۱۸/۲۹)

"حق تمہارے ربّ کی طرف سے ہے سو جو تم میں سے چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے"

اور چونکہ انسان ایک کام کے کرنے یا نہ کرنے میں اپنی مرضی یا پسندیدگی استعمال کر سکتا ہے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ اور وہ ان کے نتائج بھگتے گا

اس بحث نے کہ آیا خدا انسان کے اعمال کا خالق ہے یا نہیں۔ ایک زمانہ میں مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ فرقہ جبریہ کا مذہب تھا کہ خدا انسان کے اعمال کا خالق ہے۔ خواہ وہ بُرے ہوں یا بھلے۔ اور انسان اس بارہ میں بالکل بے بس ہے۔ اس کی اپنی مرضی کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ اس کی طاقت ہے کہ خدائی فیصلہ سے اِدھر اُدھر ہو سکے۔

دوسرا فریق دوسری انتہا کو جا پہنچا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان چونکہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اس لئے اس کو ان پر کلی اقتدار حاصل ہے۔ یہ وہ مذہب تھا جو بعد میں معتزلہ نے اختیار کیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ ناممکن ہے کہ خدا پہلے ایک کام کے لئے مجبور کرے اور پھر انسان کو اس کی سزا دے۔

جمہور مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ دونوں فرقے افراط تفریط کی طرف چلے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک صحیح مسلک جبر اور قدر کے بین بین تھا۔ اور ان انتہا پسند فرقوں میں صلح کرانے کے لئے انہوں نے نظریہ کسب تجویز کیا۔ یعنی انسان نہ تو بالکل مجبور ہی ہے اور نہ بالکل مختار۔ یہاں تک تو بات معقول تھی۔ مگر بعد کے مباحثات اس عقیدہ کے نئے نئے راستوں کو اس نظریہ پر لے آئے کہ انسان بیرونی یا ظاہری طور پر مختار ہے مگر اندرونی یا باطنی طور پر مجبور ہے۔

یہ سچ ہے کہ انسان کا ارادہ خاص حدود کے ماتحت کام کرتا ہے جو خدا کی قدر ہے۔ لیکن یہ درست نہیں کہ خدا کا ارادہ انسان کو خاص عالمت اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ حقیقتاً انتخاب اور پسندیدگی انسان کی اپنی ہے اور یہی حال ذمہ داری کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور انسان کے ارادہ میں کیا تعلق اور رشتہ ہے۔ اس کے متعلق بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ وہ تمام قویٰ جو انسان کو ودیعت کئے گئے ہیں۔ ان کا مصدر اور منبع صفاتِ عالیہ الٰہیہ ہیں۔ لیکن تمام انسانی صفات غیر مکمل اور نا تمام ہیں۔ اور خاص قیود کے ماتحت اور ایک حد تک عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔ ان میں انسان کو اختیار سے محروم نہیں کر دیا گیا۔ بلکہ انسان اپنے ارادہ پر عمل کرنے کے لئے آزاد ہے۔ اگرچہ حالات کے اختلافات لازماً اس کی ذمہ داری کی حدود معین کر دیتے ہیں۔

قرآنی آیت (۶: ۱۴۹-۱۵۰) میں کہا گیا ہے:—

"مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے اسی طرح وہ لوگ جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے۔ یہاں تک کہ ہماری سزا کا مزہ چکھا۔ کہہ کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو اس کو ہمارے لئے نکالو۔ تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو۔ اور تم نری اٹکلیں دوڑاتے ہو۔ کہہ دے اللہ کی دلیل ہی فیصلہ کن ہے سو اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا"

مطلب صاف ہے کہ اگر خدا کی مرضی ہوتی کہ لوگوں کو ایک راستہ پر مجبور کیا جائے تو وہ صرف ہدایت ہی دیتا۔ لیکن لوگوں کو جب صحیح راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا تو غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے بتلا دیا کہ نیکی کا راستہ کونسا ہے اور بدی کا کونسا۔ اور انسان کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ خواہ یہ راستہ اختیار کرے یا وہ۔ قرآنی آیت (۷۶/۳) کہتی ہے:—

"ہم نے رستہ دکھا دیا ہے خواہ وہ شکر گذار رہے خواہ ناشکرا۔"

اسی طرح ایک دوسری قرآنی آیت میں (۸۱: ۲۸-۲۹) فرمایا:—

"یہ سب قوموں کے لئے یاددہانی ہے۔ انہی کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ اور تم نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ اللہ جہانوں کا ربّ چاہے۔"

یہاں الفاظ "الّا ان یشاء اللہ" جو قرآنی آیت میں آتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا وحی نہ بھیجنا چاہتا تو انسان نیک و بد میں انتخاب کرنے کے قابل نہ ہوتا۔

سرنوشت یا تحریرِ ازل } یہ عقیدہ کہ ابتداء سے ہی خدا نے ہر انسان کے لئے نیکی و بدی لکھ دی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا۔ حدیث میں سرنوشت کا جو ذکر کہیں کہیں آیا ہے اس پر مفصل بحث اس مضمون کے آخر میں کی جائے گی۔ یہاں یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ خدا کے علم مستقبل سے کیا مراد ہے۔

وقت اور فاصلہ (TIME AND SPACE) جو انسان کے لئے اس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ خدا کے ہاں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ خدا تعالیٰ مستقبل کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح انسان اس چیز کو جانتا اور دیکھتا ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ مگر محض ایک چیز کا علم کسی عمل کے انتخاب میں مخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا خدا کے علم مستقبل کا اس سے کچھ واسطہ نہیں جسے عرف عام میں "سرنوشت یا قسمت کی تحریر" کہا جاتا ہے۔ قرآنی آیت:—

"لن یصیبنا الّا ما کتب اللہ لنا" (۹/۵۱)

"ہم کو ہرگز کوئی تکلیف نہ پہنچے گی مگر وہی جو خدا نے لکھ رکھی ہے"

یہاں لفظ کتابۃ کے معنے حکم کرنے کے ہیں۔ بعض اوقات اس کے معنے صرف ایک چیز کا ارادہ کرنے کے ہوتے ہیں۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ایک چیز کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ پھر بولی جاتی ہے اور پھر لکھی جاتی ہے۔ پس ارادہ ابتداء ہے اور لکھنا انتہا ہے اور اس لئے کتابۃ محض ارادہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو ابتداء ہے

جبکہ کہ اس کی تاکید مقصود ہو"۔ (راغب)

اسی طرح آیت :—

" ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ"۔ (۶۴/۱۱)

اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی۔

لفظ اذن کے معنے جو یہاں استعمال ہوا ہے۔ امام راغب کے نزدیک ایک چیز کے علم کے ہیں جس کے ساتھ مشیت بھی ہے۔ یعنی اجازت یا حکم۔ واضح ہو کہ سورۃ البقرۃ آیات (۱۵۵-۱۵۷) میں مومنین کو ابتلاؤں کے ذریعے کامل بنانے کے لئے ارادہ الٰہی کا ذکر ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت کی خوشخبری دی ہے ان آیات میں مسلمانوں کو خدا کی طرف سے پیغام دیا گیا کہ انہیں تمام مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے اور خدا کے رحم و کرم سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔

لوح محفوظ اس کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خدا کے تمام احکام اور فیصلہ جات اس میں ثبت ہوتے ہیں۔ "لوح محفوظ" کے الفاظ قرآن مجید میں صرف ایک دفعہ آتے ہیں۔ اور وہ بھی قرآن کریم کی حفاظت کے ضمن میں :—

" بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ"۔ (۸۵/۲۱-۲۲)

لوح کی جمع الواح کا لفظ حضرت موسیٰؑ کی کتب کے سلسلہ میں بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ امام راغب نے لوح محفوظ سے مراد لی ہے کہ:

" قرآن مجید تغیر و تبدل اور تحریفات سے مصئون اور محفوظ ہے"

جس طرح آیت :—

" انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون"۔ (۱۵/۹)

" ہم نے خود یہ نصیحت اُتاری اور ہم خود ہی اسکی حفاظت کریں گے"

سو جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس میں کسی ایسی لوح محفوظ کا ہرگز ذکر نہیں جس میں خدا کے فیصلہ جات لکھے ہوں۔ خدا تعالےٰ کا لکھنا اس قسم کا نہیں جیسا انسان کا لکھنا ہے۔ اگر کسی حدیث میں لوح محفوظ کا ذکر آیا ہے تو اس سے اللہ تعالےٰ کا وسیع و بسیط علم مراد ہے جس کے سامنے ہر چیز ایسی بین ہے جیسے انسان کے سامنے کوئی تحریر۔

خدا تعالیٰ نہ خود گمراہ کرتا ہے اور نہ دلوں پر مُہر لگاتا ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ ویضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا جس کے معنے معترضین یہ کرتے ہیں کہ خدا اس قرآن کے ذریعہ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس قرآن کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے۔ پس جب خود خدا گمراہ کرتا ہے تو پھر انسان کا کیا قصور ہے؟ –

اضلال کے ایک معنی گمراہ کرنا یعنی بہکانا اور غلط راہ پر ڈالنا ہے۔ مگر ان معنوں میں یہ لفظ اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن نے بارہا شیطان کو مضل کہا ہے۔

" لقد اضل منکم جبلا کثیرا ط افلم تکونوا تعقلون"

"بے شک شیطان نے تم میں سے کثرت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا پس کیوں تم نے عقل سے کام نہیں لیا۔"

پھر قیامت کے دن غلط کار انسان کا جو عذر قرآن کریم میں نقل کیا ہے وہ تو یہی ہے ربنا ارنا الذین اضلنا من الجن والانس۔ یعنی ہمارے سرداروں اور شیطانوں نے ہمیں غلط راہ پر ڈالا۔ یہ نہیں کہا کہ خدا یا تو نے ہمیں غلط راہ پر ڈالا۔ اللہ تعالےٰ تو قرآن کریم میں فرماتے ہیں :—

" وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھداھم حتی یبین لھم ما یتقون" (۹/۱۱۵)

اور اللہ تعالےٰ کی شان نہیں کہ ایک قوم کو گمراہ کرے جب انہیں ہدایت دے چکا۔ جب تک ان کے لئے بیان نہ کر دے جس سے انہیں بچنا چاہیئے۔"

دلیل بالکل واضح ہے وہ ہستی جو ایک قوم کو ہدایت بھیجتی ہے ان کو گمراہ نہیں کر سکتی۔ سو شروع کی آیت میں یضل سے اگر گمراہی کا پہلو نکلتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ ضد اور تعصب سے ایک شخص اس کے خلاف راہ اختیار کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ کا یہ قول قرآن کریم میں درج ہے فلم یزدھم دعائی الا فرارا۔ یعنی میرے بلانے نے اُن کو اور دُور بھاگنے میں ہی بڑھایا۔ حالانکہ بلانا خود کوئی بھگانے والی شے نہیں۔ مگر ضد کی وجہ سے وہ ہدایت کی طرف بلانے پر اور دُور بھاگتے تھے۔ مگر لغت عربی کی رُو سے ایک تیسرے معنی اضلال کے ہو سکتے ہیں جو کہ یہاں زیادہ موزوں معلوم دیتے ہیں۔ اور وہ کسی شخص کو گمراہ پا کر اسے گمراہ قرار دینا ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں آتا ہے وما یضل بہ الا الفسقین۔ یعنی اللہ تعالےٰ کا اضلال اُنہی کے لئے ہے جو پہلے ہی فاسق ہو چکا ہے۔

پس شروع کی آیت کی معنی پھر یہ ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ قرآن کے ذریعہ بہتوں کو گمراہ قرار دیتا ہے یعنی جو اس کی ہدایتوں کو توڑتے ہیں ان کو کتاب کے ذریعہ ملزم گردانا جاتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔ کیونکہ قوانین کی کتاب کا منشاء ہی ہدایت ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت قرآنی یضل من یشاء ویھدی من یشاء کا مفہوم ہوگا۔ ورنہ وہ خدا جس کی شان ہے۔ وما ربک بظلام للعبید (اور تیرا رب بندے پر ظلم نہیں کیا کرتا)۔ وہ نعوذ باللہ ایسی سکھاشاہی نہیں چلاتا کہ جس کو چاہے گمراہ قرار دے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔

جیسا ایک دنیا کے جج کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو اختیار ہے جسے چاہے ملزم قرار دے کر سزا دے اور جسے چاہے چھوڑ دے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جسے چاہے خلاف عدل و انصاف اور خلاف قوانین چھوڑ دے یا سزا دے۔ سو جب سب سے بڑے حاکم اور جج یعنی اللہ تعالےٰ کے متعلق یہ کہا جائے تو ضروری ہے کہ عدل و انصاف بلکہ رحم کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع میں ہی ایک آیت آتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :—

" وہ جنہوں نے انکار کیا اُن کے لئے برابر ہے کہ تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ نہیں مانتے۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب خدا نے ہی مُہر لگا دی تو پھر ان کا کیا قصور اور ان کو کیوں عذاب دیا جائے؟ یہاں تمام کے تمام کافر مراد نہیں ہے۔ کیونکہ تبلیغ اسلام سے انہیں کفار میں سے بہت سے مسلمان ہو گئے تھے اور ہوتے رہیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں کوئی خاص قسم کے کافر مراد ہیں اور ان کے نزدیک ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے یعنی یہ وہ کافر ہیں جنہوں نے اپنے دلوں کو اس قدر سخت بنا لیا ہے کہ حضرت نبی کریم کے انذار کی طرف ذرا توجہ نہیں دیتے۔ وہ صداقت کو قبول کرنے کے لئے اپنے دلوں کو کھولنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس کو سننے کے لئے کان نہیں لگاتے۔ اور نہ کذب سے صدق کو پرکھنے کے لئے اپنی آنکھیں استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن مجید فرماتا ہے :—

" لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین

لا یبصرون بھا ۔ ولھم اٰذانٌ لا یسمعون
بھا ۔ اولٰئک کالانعام ۰ (۷ / ۱۷۹)

"ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں ۔ ان کی آنکھیں ہیں جن
سے وہ دیکھتے نہیں ۔ اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے
نہیں ۔ وہ چار پایوں کی طرح ہیں"

ایک انسان اپنے ہاتھوں کو بالکل بے کار کر دے اور ان سے مدت تک
لگاتار کوئی کام نہ لے ۔ تو وہ ہاتھ یا بازو سوکھ جائے گا اور بے کار ہو جائے
۔ یہی حال باقی قوتوں کا ہے ۔ جب وہ کفار اپنی
غفلت و لاپرواہی یا تکبر اور ضد اور تعصب سے کام لے کر مذکورہ
بالا قوتوں کو کام نہیں لاتے تو وہ بے کار ہو جاتی ہیں ۔

باقی رہا یہ امر کہ مہر جب انسان کے اپنے فعل کا نتیجہ ہے تو اُسے
خدا کی طرف منسوب کیوں کیا ۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اعمال کے نتائج
اللہ تعالےٰ ہی مرتب کیا کرتا ہے ۔ اس لئے قوت کے سلب کرنے یا
مہر لگانے کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیا گیا ۔ ہر ایک قانون جو اسباب
اور نتیجہ سے مرکب ہوتا ہے وہ خدا کا قانون ہونے کی وجہ سے خدا کی
طرف منسوب ہو سکتا ہے ۔

پھر سورۃ ھود میں آیات ۱۱۸ - ۱۱۹ ہیں :-

" اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ کر دیتا اور
وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہتے ہیں ۔ مگر جس پر تیرا رب رحم
کرے اور اسی کے لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے ۔ اور تیرے
رب کی بات پوری ہو گئی ۔ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب
سے بھر دوں گا ۔"

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب خدا نے ہی چاہا کہ اختلاف ہو پھر لوگوں
کا کیا قصور ۔ اور اس پر غضب یہ کہ اس اختلاف کرنے کی سزا میں
جہنم بھرے جائیں گے ۔ مگر یہاں اصل مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا رب اپنی
مشیت سے کام لیتا تو سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا ۔ یہاں ذکر نبی کی تعلیم
سے اختلاف کرنے کا ہے ۔ فرمایا کہ یہ لوگوں کی مرضی پر منحصر کیا گیا ہے خواہ
وہ نبی کی تعلیم کو قبول کریں یا اس سے اختلاف کریں ۔ اور خدا تعالےٰ
نے اپنی مشیت کو اس میں دخل نہیں دیا ۔ اور لوگوں کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے ۔
نتیجہ یہ ہے کہ لوگ شیطان کے پیچھے لگ کر رحمانی تعلیم سے اختلاف
کرتے ہیں ۔ اور یہ تیرے رب کا رحم ہے جو اس اختلاف سے نکل آئے
اور حق کو قبول کرے ۔ اور جہنم میں جن اور انس کو بھرنے کے متعلق سورہ
الاعراف رکوع ۲ کی آیات ۱۶، ۱۷، ۱۸ - دیکھیں جہاں شیطان نے
خود راندۂ درگاہ ہو جانے کی وجہ سے انسان کو گمراہ کرتے رہنے کا اعلان
کیا ہے ۔ اس پر اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :-

" ..... جو کوئی ان میں سے تیرا پیروی کرے گا ۔ یقیناً میں
تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا ۔"

سو پہلی والی آیت میں اسی خدائی عذاب کی طرف اشارہ ہے ۔

حدیث اور قسمت کی تحریر یا سرنوشت

لوگ بعض احادیث سے قسمت یا سرنوشت
کا مسئلہ نکال لیتے ہیں ۔ مگر یہ امر ذہن نشین کریں کہ حدیث کو قرآن مجید
کے مقرر کردہ وسیع اُصولوں کی روشنی میں پڑھنا چاہئے ۔ اور اس کے
وہ معنی کرنے چاہئیں جو قرآن مجید کے برخلاف نہ جائیں ۔ اور ان میں
تناقض ہو تو اس صُورت میں حدیث کو ترک کر دینا پڑے گا ۔ کیونکہ حضرت
نبی کریم صلعم قرآن شریف کے برخلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے تھے ۔
اور حدیثوں کے الفاظ عموماً راویوں کے اپنے الفاظ ہوتے ہیں اور بعض
اوقات نادانستہ طور پر ان احادیث میں جو نظریاتی مضامین سے تعلق

رکھتی ہیں ۔ راویوں کے اپنے خیالات ۔ مفہوم پورا اور صحیح نہ سمجھنے کی
وجہ سے ۔ نفس حدیث میں دخل پا جاتے ہیں اور جہاں ایک لفظ کی
تبدیلی نفسِ مضمون کو بدل کر رکھ دیتی ہے ۔ مثلاً ایک حدیث جو اگرچہ
ثقہ محدثین کے نزدیک مجروح ہے مگر چونکہ ابوداؤد ۔ ترمذی ۔ احمد
میں مختلف طرق سے مروی ہے ۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ جب
خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نے اس کی اولاد کی ارواح بھی پیدا
کیں ۔ اور احمد کی روایت میں ہے :-

" اس نے (یعنی خدا نے) اپنے دائیں ہاتھ والی روحوں کو
کہا بہشت کو جاؤ اور مجھے پرواہ نہیں ۔ پھر اپنی بائیں
ہاتھ والی روحوں کو کہا ۔ دوزخ کو جاؤ اور مجھے پرواہ نہیں
(مشکوٰۃ المصابیح ۳ / ۴)

یہ حدیث خدا کا اپنے بندوں سے معاملہ کرنے کی ایسی غلط تصویر
پیش کرتی ہے کہ اس کے رد کرنے میں ذرا تامل نہیں ہو سکتا ۔ قرآن مجید
میں آتا ہے :-

" اور اس کا رحم اس کے علم کی طرح تمام چیزوں پر محیط ہے " (۴۰ / ۵)
پھر آتا ہے کہ :-

سخت سے سخت گنہگار کو بھی خدا کے رحم سے مایوس نہیں
ہونا چاہئے کیونکہ " خدا سب گناہوں کو معاف کر دیتا ہے "
(۳۹ / ۵۳) قرآن کریم خدا کو بار بار ارحم الراحمین
ظاہر کرتا ہے (۱۲ / ۶۴-۹۲ اور ۲۱ / ۸۳ اور ۲۳ / ۱۰۹-۱۱۸)

حدیث بھی اللہ تعالےٰ کے رحم بے پایاں کی ایسی ہی تصویر کھینچتی ہے ۔
یہ بتاتی ہے کہ جب خدا نے دنیا و مافیہا کی پیدائش کا حکم دیا تو اس
نے لکھ دیا کہ :-

" اس کا رحم اس کے غضب پر سبقت لے جائے گا ۔"
(بخاری ۵۹)

پھر حدیث بیان کرتی ہے کہ خدا نے اپنے رحم کو سَو حصوں میں تقسیم
کر دیا ہے اور دنیا میں صرف ایک حصے کا مظاہرہ اور باقی ۹۹ حصوں
کا مظاہرہ قیامت کے دن ہو گا ۔ حتیٰ کہ اگر کفار کو خدا کے سارے
رحم کا علم ہو جائے تو انہیں بہشت میں جانے سے مایوسی نہ ہو ۔ (بخاری
۸۱ / ۱۹ و ۲۷ / ۱۹ و مسلم ۴۹ / ۴)

کیا اسی خدا کے متعلق روا ہو سکتا ہے کہ وہ یہ کہے " یہ سب دوزخ
میں جائیں گے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں " یقیناً یہ حضرت نبی کریم صلعم کے
الفاظ نہیں ہو سکتے اور ماننا پڑے گا کہ روایت کے لمبے سلسلہ میں یہ
کسی راوی کی غلطی ہے ۔ ایک دوسرے طرق پر پہلی حدیث قرآن مجید
کی ایک آیت کی تفسیر میں آئی ہے (مشکوٰۃ المصابیح ۲ / ۴)
ہاں اگر ہم اس آیت کو پڑھیں جس کی یہ حدیث تفسیر بیان کی جاتی
ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میں اور حدیث میں سوائے " بچوں
کے پیدا کرنے " کے اور کوئی امر مشترک نہیں پایا جاتا اس آیت قرآنی
کا ترجمہ یہ ہے :-

" اور جب تیرے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں
سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا ۔
کیا میں تمہارا رب نہیں ۔ انہوں نے کہا ۔ ہم گواہ ہیں " (۷ / ۱۷۲)

اب ظاہر ہے کہ مذکورہ حدیث اس آیت کی کوئی تفسیر نہیں ۔
اس آیت کی اصل تفسیر ایک دوسری حدیث میں آتی ہے ۔ جو کہ ابی بن
کعبؓ سے مروی ہے (مشکوٰۃ المصابیح - ۱) جس میں جنت اور
دوزخ میں بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں ۔ قرآنی آیت (۳۰ / ۳) میں اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہو جس پر اس نے لوگوں

کو پیدا کیا ہے۔ انسانی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ اُسے بُرا راستہ اختیار کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔

حدیث یہ بھی بیان کرتی ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی صحیح حالت میں یا حالت اسلام میں) پھر اس کے والدین اس کو یہودی بناتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی (ح ۲۳/۸۰-۹۳) سو یہ عقیدہ باطل ہے کہ نیکی بدی پہلے سے ہی لکھی جا چکی ہے اور اس میں انسان کا اپنا اختیار کچھ نہیں۔

قدر پر ایمان

صحیح بخاری جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ (یعنی کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) ہے۔ اس میں ایک بھی ایسی حدیث نہیں جس میں قدر پر ایمان لانے کا ذکر ہو۔ اس لئے یہ سوال کہ قدر پر ایمان لانا اصولِ دین میں سے ہے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ نہ تو قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے اور نہ حدیث کی اصح الکتب میں

بخاری نے اپنی جامع کی کتاب ۸۲ میں زیر عنوان قدر مختلف احادیث بیان کی ہیں۔ مگر اس باب میں ایک بھی حدیث نہیں جو اس نظریہ کی تائید کرتی ہو کہ خدا نے ہر انسان کے لئے نیکی بدی پہلے سے لکھ چھوڑی ہے اور انسان اس کے کرنے پر مجبور ہے۔

سب سے زیادہ مشہور حدیث جس سے سرنوشت کا عقیدہ نکالا جاتا ہے۔ وہ حدیث ہے جس میں اس فرشتے کا ذکر ہے جو جنین پر متعین ہوتا ہے۔ یہ حدیث بیان کرتی ہے کہ ایک فرشتہ جنین کے پاس بھیجا جاتا ہے اور اس کو چار چیزوں کا حکم دیا جاتا ہے۔ رزق۔ مدت عمر۔ اور اس امر کے متعلق کہ آیا وہ سکھ کی زندگی بسر کرے گا یا دُکھ کی۔ (بخاری ۸۲/۱) اور بخاری (۵۹/۶) میں اس کے اعمال کو بھی زائد کیا ہے

یہ حدیث سرنوشت نظریہ کی بیخکنی کرتی ہے۔ کیونکہ اگر ہر چیز خدا کے فیصلہ میں پہلے ہی لکھی جا چکی ہے تو پھر پیدا ہونے کے وقت فرشتہ کی یہ باتیں لکھنے کے لئے کیوں بھیجا جاتا ہے؟۔ دوسرے فرشتے اعمال انسانی کو جب وہ صادر ہوں تب لکھتے ہیں۔ اور یہ ایک نہیں بلکہ دو فرشتے کراماً کاتبین کہلاتے ہیں اور اس سلسلہ میں سورۃ قٓ کی آیات ۱۷-۱۸ بھی ملاحظہ ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنین حالت میں فرشتے کے بھیجنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ بعلم الاشیاء محیط کل ہے۔ حتیٰ کہ جنین کی حالت میں بھی انسان کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ فرشتے کے لکھنے سے محض خدا کے علم کا اظہار مقصود ہے۔ اسی طرح بخاری (۸۲/۴) حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہر ایک شخص کی جگہ دوزخ یا بہشت میں لکھی جا چکی ہے اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم پھر بھروسہ کریں اور اعمال کا بجالانا چھوڑ دیں۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ ضرور عمل کرو کیونکہ یہ ہر ایک کے لئے آسان بنایا گیا ہے؟ پھر آپ نے آیاتِ قرآنی (۹۲/۵-۱۰) پڑھیں۔ جن میں ذکر ہے کہ نیک کام کرنے والے کے لئے نیک انجام اور بُرا کام کرنے والے کے لئے بُرا انجام آسان بنا دیا گیا ہے۔

جس قدر یا تقدیر کا ذکر قرآن مجید کرتا ہے وہ ایک عام چیز ہے وہ ایک قانون ہے جو تمام کائنات میں دائر و سائر ہے۔ یہ ایک حد بندی ہے جس کے ماتحت تمام موجودات آگے ہی آگے حرکت کر رہی ہے۔ اور اس لئے قدر یا تقدیر کا نیک و بد اعمال سے کچھ تعلق نہیں جو انسان کے لئے مخصوص ہیں۔ تیسرے نہ تو قرآن مجید میں نہ کسی ثقہ ترین حدیث میں قدر یا تقدیر پر ایمان کا ذکر آیا ہے۔ بڑے بڑے اصول۔ بنیادی معتقدات سب قرآن مجید سے تلاش کرنے چاہئیں۔ جو نہ تو قدر کو اصولِ دین میں سے قرار دیتا ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ذکر کرتا ہے ؛ (ختم شد)

مذاکرۂ علمیہ (بقیہ ص ۲)

کتاب قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے نہ کہ انسان کے تجویز کردہ قوانین نیچر۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جن قوانین و عادات الٰہیہ کا ذکر جناب الٰہی خود فرماویں گے ان میں غلطی کا احتمال باقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا علم اپنے قوانین کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ وہ جب کوئی اپنا قانون بیان فرماوے گا۔ تو ایسا ہونا ناممکن ہے کہ کوئی امر اس سے باہر رہ جائے۔

برخلاف اس کے انسان کا محدود اور ناقص علم خدا کی ساری مخلوق اور اس کی عجائبات اور اس کے قوانین پر پوری طرح حاوی نہیں ہو سکتا آج ایک بات سائنس دریافت کرتی ہے۔ کل اس میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ پرسوں اس کے خلاف کوئی بات نکل آتی ہے۔ پس انسان کے تجویز کردہ قوانین نیچر کا نام سنت اللہ نہیں۔ بلکہ سنت اللہ قرآن کریم نے جسے فرمایا ہے۔ وہ وہ قوانین ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں خود اللہ تعالےٰ نے فرما دیا ہے۔

مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے اپنی سنت یہ بیان فرمائی ہے فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت۔ کہ جس پر موت وارد ہو جائے اللہ تعالےٰ اس کی روح کو روک لیتا ہے۔ اور واپس اس دنیا میں نہیں بھیجتا۔

دوسری جگہ فرمایا حرامٌ علیٰ قریۃٍ اھلکنھا انھم لا یرجعون۔ جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر دیتے ہیں ان پر حرام ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا کے لوگوں کی طرف واپس لوٹائے جائیں اب یہ وہ سنت اللہ ہے جسے قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے اپنے علم کامل سے خود بیان فرما دیا ہے۔ اس لئے اس ارشادِ الٰہی کے بعد ہم کسی نبی یا ولی کا اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں مان سکتے کہ اس نے کسی حقیقی مردے کو جس کی روح قبض ہو چکی تھی زندہ کر دیا۔ کیونکہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے اور خدا کا ارشاد ہے کہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ کہ تو اللہ کی سنت میں کبھی تبدیلی نہیں پائے گا۔

پس اگر کسی نبی کے معجزہ میں ہم کسی موتیٰ کے احیاء کا ذکر پڑھیں گے تو وہاں ہم اس کے معنی حقیقی مردے کا زندہ ہونا نہیں کر سکتے بلکہ مجازی معنوں کی طرف رجوع کریں گے۔ یعنی روحانی طور پر مُردہ لوگوں میں نئی زندگی پھونکنا یا کسی مصیبت میں مبتلا شخص کی تکلیف کا دُور ہو جانا یا کسی کالمیّت مریض کا شفا پا جانا۔

لیکن اس سنت اللہ میں تبدیلی نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ خدا کو قدرت نہیں کہ ان میں تبدیلی کر سکے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنی قدرت اور علم سے جب اپنی مخلوق کے لئے کچھ قوانین بنائے تو ساتھ ہی ان کے متعلق یہ بھی ایک قانون بنایا کہ ان قوانین میں تبدیلی نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر قوانین میں تبدیلی ہونے لگے تو تمام خواص اشیاء اور قوانین قدرت سے امان اٹھ جائے اور انسان کی تمام ترقیات مادی و روحانی بلکہ خود انسان کی زندگی ناممکن ہو جائے۔ پس جب تک کوئی امر اللہ تعالیٰ کی صفات یا اس کی بیان کردہ سنت اللہ کے خلاف نہ ہو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔

سنی شرعی اختلاف (بقیہ ص ۱۵)

خلاف جو لوگ ہیں ان سے بحث بھی کرتا ہوں تاکہ جو بات میرے نزدیک صحیح ہے وہ ان کو سمجھاؤں اور جس بات کو میں غلط سمجھتا ہوں اُسے غلط ثابت کر دوں۔"

ان الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ:۔

"کہ ہم بھی ایک طریقہ کے پیرو ہیں اور اس کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف جو لوگ ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو بات ہمارے نزدیک صحیح ہے وہ ان کو سمجھائیں اور جس بات کو ہم غلط سمجھتے ہیں اسے غلط ثابت کریں۔"

لیکن ہمیں تحریر و تقریر کی آزادی حاصل نہیں کہ ہم اپنا موقف لوگوں کے سامنے اخبارات اور رسائل کے ذریعے پیش کر سکیں۔ ہم سے میل جول سے عوام الناس کو روکا جاتا ہے اور ہمارے لٹریچر پر پابندی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ غضب علیٰ غضب یہ ہے کہ حکومت سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ انہیں مسجدیں بنانے۔ نمازیں پڑھنے۔ روزے رکھنے۔ قرآن پڑھنے اور دیگر شعائرِ اسلامی پر عمل کرنے سے روکا جائے۔ یہ سب پاپڑ اسی لئے بیلے جاتے ہیں کہ کہیں عوام الناس حقیقت سے آشنا ہو کر ان کے جُوتے تلے سے نہ نکل جائیں اور جن مقاصد کے لئے ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں وہ ریت پر بنے ہوئے محلوں کی طرح دھڑام سے زمین بوس نہ ہو جائے۔ اگر ہمیں بھی اتنی آزادی اور رعایت حاصل ہو جو مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو ہے تو ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ مسلمان ہمارے موقف سے آگاہ ہو کر اسے قبول کرنے کی اگر جرأت نہ بھی کر سکیں تو کم از کم اس مخالفت اور نفرت سے ضرور دامن کش ہو جائیں جو غلط بیانیوں کے تانے بانے سے ہمارے خلاف پھیلائی گئی ہے۔

بہرحال حق و باطل کے اس معرکہ کا فیصلہ ایک دن ضرور ہو کر رہے گا جس دن یہی عوام الناس کہیں گے:۔

"اے ہمارے ربّ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی سو اُنہوں نے ہمیں راستہ سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے ربّ انہیں دوچند عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت کر۔"

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور ہر نفس نگاہ رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ تعالےٰ کا تقویٰ کرو۔ اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔" (الحشر۔ ۱۸)

رسمِ جہیز اور مسلمان۔ بقیہ ص ۱۸

اتنا کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ پس سنت دراصل یہ ہے کہ اگر بیٹی کسی ایسے گھر میں رخصت ہو کر جانے والی ہو جو اثاثات البیت سے خالی ہو تو اس کو اثاثات البیت مہیا کرنا (نہ کہ جہیز دینا) چاہیئے اور پھر یہ بھی مہر ہی کی رقم سے مہیا کرنا چاہیئے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بیٹی کو شادی سے پہلے یا شادی کے وقت کچھ نہیں دینا چاہیئے یا رخصت کرنے سے پہلے اس کے بدن کے کپڑے بھی اتروا لینے چاہئیں۔ آپ ساری عمر اس کو دیتے رہیئے۔ لیکن اسے جہیز تو نہ کہیئے اور جہیز کا ترجمہ جہیز دینا تو نہ کیجئے۔ اگر جہیز کی ہی اصطلاح استعمال کرنا ضروری ہو تو اسے لازمہ شادی نہ سمجھئے۔ اور اگر لازمہ ازدواج ہی سمجھتے ہیں تو اسے سنتِ رسول یا سنتِ صحابہ رضؓ تو نہ کہیئے۔ اسے زیادہ سے زیادہ تحائف یا نیوتے

اور مایئے وغیرہ کی طرح کا ایک رسم و رواج کہیئے جو مختلف برادریوں نے کسی زمانے میں امداد باہمی وغیرہ کی مصلحت کو سامنے رکھ کر قائم کیا ہوگا۔ لیکن رسم و رواج کو سنتِ رسول سے کیا تعلق؟ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں بخوشی کیجئے۔ لیکن اسے محض رسم و رواج کا درجہ دیجئے جس میں ترمیم کرنے، پابندی عائد کرنے یا اسے ترک کرنے کی ہر وقت گنجائش موجود رہے۔ اسے ضروری سنتِ رسول سمجھ کر اس کی فکر میں گھُلتے رہنے کا شریعت اسلامیہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ صرف ایک رسم ہے جو ہندوؤں سے لی گئی ہے۔

ہندوؤں کے ہاں بیٹی کو ترکہ نہیں ملتا اس لئے وہ ایک بار "دان" (جہیز) کے نام سے بہت کچھ بیٹی کو دے دیتے ہیں۔ ہندو خود اب اس رسم پر پابندی عائد کر چکے ہیں، اور ساتھ ہی بیٹی کو ترکہ بھی دینے لگے ہیں۔ لیکن ہم نے ہندوؤں سے جو رسم لے کر اختیار کر لی اس پر ابھی تک سنتِ رسول کا ٹھپہ لگا کر قائم ہیں۔ (ماخوذ)

حضرت مسیح موعودؑ کے کریمانہ اخلاق — بقیہ ص ۱۰

میں تمہارے لئے ہی روپے چھوڑ آیا ہوں۔

سائل آپ کے پاس آتے تو آپ کسی کو ردّ نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پچاس روپے کی سخت ضرورت بیان کی۔ کہنے لگا کہ اگر پچاس روپے ہوں تو مکان قرضخواہوں کی قرقی سے بچ سکتا ہے۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور بجائے پچاس کے ساٹھ روپے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو بھیجے کہ فلاں شخص کو دے دیں۔

مولانا عبدالکریم صاحب نے کہلا بھیجا کہ سائل کا سوال تو پچاس روپیہ کا ہے شاید حضرت کو غلطی لگی ہے کہ ساٹھ روپے بھیجے ہیں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ پچاس روپے تو انہوں نے قرض ہی دینا ہے۔ باقی ان کے پاس کرایہ وغیرہ کے لئے کیا بچے گا؟ یہ دس روپے ان کے اخراجات کرایہ وغیرہ کے لئے ہیں۔

سید عبدالحی صاحب عرب نے جب شادی کی تو ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ ہمیں اپنا مکان بنوانا چاہیئے۔ اس لئے میں فلاں جگہ جاتا ہوں۔ وہ مالدار لوگ ہیں مکان کے لئے روپیہ دے دیں گے۔

حضرت نے فرمایا اچھا کوشش کر دیکھئے۔ چنانچہ یہ گئے اور بے نیل و مرام واپس آ گئے۔ حضرت صاحب سے ملے اور اپنا قصہ بیان کیا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ عرب صاحب نزد مطلبی سخن درین است۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کے مکان کے لئے روپیہ ہم دیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن آپ نے ۵۰۰ روپے آپ کو تعمیر مکان کے لئے دے دیا۔

تاج دین پرنٹرز۔ تکیہ املی والا۔ آبکاری روڈ لاہور میں باہتمام تاج دین پرنٹر چھپا اور محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۱۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳۳-۳۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸۰
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۴۳۷

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے ایک پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۱۰ ذیقعد ۱۳۹۹ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۳۵

ملفوظات حضرت امام الزمان علیہ السلام

ہر وقت اور ہر لحظہ تمہیں خدا کا خوف رہنا چاہیئے

۵ اپریل سنہ ۱۹۰۲ء شام کے وقت چند احباب بیعت کے لئے جمع ہوئے۔ حضور ان کی بیعت لے کر بظاہر ان کو خطاب کر کے کل جماعت کو ذیل کی نصیحت فرمائی:-

استغفار کرتے رہو اور موت کو ہر وقت یاد کرو۔ موت سے بڑھ کر اور کوئی شے بیدار کرنے والی نہیں ہے۔ جب سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو اللہ اس پر اپنا فضل نازل کرتا ہے جس وقت اللہ تعالےٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیتا ہے اور پھر اس سے بندے کا نیا حساب چلتا ہے۔ اگر ایک انسان کسی دوسرے انسان کا ذرہ سا بھی گناہ کرے تو وہ شخص ساری عمر اس سے کینہ اور دشمنی رکھتا ہے۔ اور گو اسے معاف کر دینے کا اقرار کرے تاہم پھر بھی جب اسے موقع ملتا ہے تو وہ اپنے کینہ اور عداوت کا اظہار کر ہی دیتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کمال رحیم و کریم ہے کہ جب ایک بندہ سچے دل سے اس کی طرف آجاتا ہے۔ تو وہ رجوع برحمت ہو کر اس کے سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اور اس پر اپنا فضل نازل کر دیتا ہے اور سابقہ گناہوں سے درگذر فرماتا ہے۔

اس لئے تم بھی اب یہاں سے ایسے ہو کر جاؤ کہ تم وہ ہو جاؤ جو پہلے نہ تھے۔ نمازوں کو سنوار کر پڑھو۔ جو اللہ تعالیٰ یہاں ہے وہ وہاں بھی ہے۔ پس یہ نہ ہو کہ جب تک تم یہاں رہو تمہارے دلوں میں رقت اور خدا کا خوف ہو اور جو نہی اپنے گھروں میں جاؤ تو بے خوف و نڈر ہو جاؤ نہیں بلکہ ہر لحظہ تمہیں خدا کا خوف رہنا چاہیئے۔ ہر ایک کام کرنے سے پہلے خوب سوچ لو اور دیکھ لو کہ اس سے اللہ تعالےٰ راضی ہوگا یا ناراض۔ (ملفوظات احمدیہ جلد سوم)

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے
جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا

سو اے بھائیو! برائے خدا جلدی مت کرو۔ اور اپنے علم اور فراست پر داغ مت لگاؤ۔ [illegible] سمجھ کر [illegible] گیا ہے کہ تم ہی ہو جو اس کے قائم مقام بھیجے گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک انسان اپنے کاموں سے شناخت کیا جاتا ہے۔ ہرچند عوام کی نظر میں یہ دقیق اور غامض بات ہے لیکن زیرک لوگ اس کو خوب جانتے ہیں۔ کہ ایسے ماموروں کی صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت ممکن نہیں کہ جس خدمت کے لئے اس کا دعوے ہے کہ اس کے بجا لانے کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔

اگر وہ اس خدمت کو ایسی طرز پسندیدہ اور طریق برگزیدہ سے ادا کر دیوے جو دوسرے اس کے شریک نہ ہو سکیں تو یقیناً سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا تھا۔ کیونکہ ہر یک چیز اپنی علت غائی سے شناخت کی جاتی ہے۔ اور یہ خیال بالکل فضول ہے کہ جو مثیل مسیح کہلاتا ہے وہ مسیح کی طرح مردوں کو زندہ کر کے دکھلاوے یا بیماروں کو اچھا کر کے دکھلاوے کیونکہ مماثلت علت غائی میں ہوتی ہے۔ درمیانی افعال کی مماثلت معتبر نہیں ہوتی۔

بائیبل کی کتابوں کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی مردوں کا زندہ کرنا یا بیماروں کا اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ بنی اسرائیلی ایسے بھی گذرے ہیں کہ ان سب کاموں میں نہ صرف مسیح ابن مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی ان کو مثیل مسیح نہیں کہا جاتا۔ نہ مسیح کو ان کا مثیل ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم اس پر ناطق ہے۔ لیکن کبھی کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونٹے سے حضرت موسیٰ کی طرح سانپ بنایا ہو یا آسمان سے خون اور جوئیں اور مینڈکیں برسائی ہوں۔ بلکہ اس جگہ بھی علت غائی میں مشابہت مراد ہے۔

چونکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی رہائی دلانے کے لئے مامور کئے گئے تھے۔ سو یہی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی تا اس وقت کے فرعونوں سے زبردست ہاتھ کے ساتھ مؤمنوں کو رہائی دلاویں اور جیسا کہ نصرت الٰہی ایک خاص رنگ میں حضرت موسیٰ کے شامل حال ہوئی ایسا ہی نصرت الٰہی ایک دوسرے رنگ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال ہو گئی۔ وہ درحقیقت وہی نصرت ہے جو اپنے اپنے محل پر رنگا رنگ کے معجزات کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ سو میں خوب جانتا ہوں کہ جیسا کہ نصرت الٰہی حضرت مسیح کے شامل حال ہوتی تھی میں بھی اس نصرت سے بے نصیب نہیں رہونگا۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ نصرت جسمانی بیماروں کے اچھا کرنے کے ذریعہ سے ظاہر ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک الہام میں میرے پر ظاہر فرمایا ہے کہ خلق اللہ کی روحانی بیماریوں اور شکوک و شبہات کو وہ نصرت دور کرے گی جیسا کہ میں پہلے اس سے لکھ چکا ہوں۔ اور میں دیکھتا ہوں مستعد دلوں پر تریاق اثر ہوتا جاتا ہے اور پرانی بیماریاں دور ہوتی جاتی ہیں۔ اور نصرت الٰہی اندر ہی اندر کام کر رہی ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے اپنے اس کلام سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ نبی ناصری نے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا وہ روحانی بیماریوں کو بہت [illegible] کر رہا ہے۔ اس سے زیادہ کہ کبھی جسمانی بیماریوں کو شفا کیا گیا ہو۔

(ازالہ اوہام حصہ دوم)

آہ! حضرت علامہ شیخ عبد الرحمٰن مصری صاحب
مفتی سلسلۂ عالیہ احمدیہ کی وفات حسرت آیات

15/3/71

آج صبح دفتر آتے ہی یہ اندوہناک خبر سنی کہ شیخ مصری صاحب [illegible] گئے۔ آپ چونکہ عمر رسیدہ تھے اور کچھ عرصہ سے بیمار تھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب آپ کی رحلت کا وقت قریب ہے۔ چنانچہ آپ کے فرمودہ کے مطابق کراچی سے شیخ عبد الحق صاحب اور راولپنڈی سے انکے فرزند شیخ اکرام الحق صاحب آ گئے تھے۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اعزہ و اقارب کو یہ بتلانا کہ میرا وقتِ رحلت اب قریب ہے کسی اشارۂ خداوندی کے تحت تھا۔

شیخ صاحب مرحوم و مغفور نے اسلام اور بالخصوص جماعتِ احمدیہ کی خدمات میں ساری زندگی وقف کر دی ہوئی تھی۔ اہل علم و قلم ہونے کے باعث آپ کا دائرہ عمل زیادہ تر تصانیف سے متعلق رہا۔ آپ کا عربی زبان کا علم بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ چنانچہ یہاں کے [illegible] علم عربی کے علاوہ آپ ابتدا [illegible] میں مصر سے بھی عربی زبان کی تعلیم حاصل کر آئے تھے۔

آپ پیدائشی شاہ عالمی دروازہ لاہور [illegible] ایک ہندو گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اکثر احباب سے اپنے اسلام لانے کی داستان سنایا کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جوانی [illegible] آپ کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہوا کہ ایسی شخصیت سے ملاقات نصیب ہو جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ شہادت دے۔ چنانچہ اس کوشش میں آپ نے متعدد ہندو جوگیوں اور مسلمان پیروں سے ملاقاتیں کیں۔ مگر کسی جگہ سے آپ کے قلب کو تسلی نہ مل سکی۔ آخر یہ خبر ملنے پر کہ قادیان میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب خدائی نشانات دکھلانے کے مدعی ہیں۔ آپ وہاں گئے اور واقعی آپ کو گوہرِ مراد ہاتھ آ گیا۔ جس چیز کے آپ متلاشی تھے وہ آپ کو وہاں مل گئی۔ اس بارہ میں آپ کو کچھ الہام اور رؤیا بھی ہوئے۔

1937ء میں خلیفہ صاحب قادیان میاں محمود احمد صاحب سے علیحدگی اختیار کی اور علیحدگی کے بعد قادیان میں رہ کر قادیانی استبداد کا بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا اگرچہ اس سلسلہ میں بڑی تکالیف اٹھائیں مگر حوصلہ نہ ہارا۔ اور کچھ عرصہ بعد لاہور کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ بیشتر عرصہ لاہور میں ہی مقیم رہے۔ آپ نے قادیان سے علیحدگی کے بعد بہت سا لٹریچر پیدا کیا جو حضرت [illegible] مجدد زمان کے دعاوی کی صداقت اور دونوں فریقوں کے مابین اختلافی مسائل سے تعلق رکھتا ہے احباب کرام کی نظروں سے یہ علم کلام گذرتا رہا ہے۔

ہماری رائے میں آپ ایک ولی اللہ کا مقام رکھتے تھے۔ آپ کا ہندو خاندان سے اسلام میں آنے کا موجب بھی زندہ خدا کی تلاش و جستجو ہوئی۔ اور خلیفہ قادیان سے علیحدگی کا موجب بھی تحقیقی کاروائی اور واقعات حقہ پر مبنی تھا۔

ہمارے اور جماعت احمدیہ لاہور کے اکابرین کے لئے شیخ صاحب کی وفات پر بہت صدمہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ کسی دوسری فرصت میں آپ کے حالات پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ احباب جنازۂ غائبانہ پڑھیں اور دعائے مغفرت کریں۔

(ڈاکٹر) اللہ بخش

جس چراغ سے روشنی لیتے ہیں اُس کا نام بھی لیجیئے

ہمارے قارئین یہ جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کو غیر مُسلم اقلیت قرار دینے کے بعد بڑے زور شور سے یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے متفقہ طور پر پاس شدہ آئین میں (خلاف قرآن و سُنت) ترمیم کے مطابق اب ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن کے رُو سے احمدیوں کو شعائرِ اسلامی پر عمل کرنے سے منع کیا جائے۔ اور ان کی خلاف ورزی کے لئے سزائیں تجویز کی جائیں یعنے احمدیوں کو خُدا کے اس گھر کا نام مسجد نہ رکھنے دیا جائے جس میں اس کی پانچ وقت عبادت کی جاتی ہے۔ اور اذان کے ذریعے انہیں یہ شہادت دینے سے روکا جائے کہ اللہ ایک ہی ہے اور محمد صلعم اس کے رسُول ہیں۔ انہیں منع کیا جائے کہ لوگوں کو نماز کے لئے جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک کامیابی کا واحد ذریعہ ہے نہ بلائیں۔ ان ہی حق نہیں کہ وہ روزہ رکھیں یا زکوٰۃ دیں۔ حرم کعبہ اور حرم نبوی کی زیارت سے بھی انہیں قانوناً محروم کر دیا جائے۔

احمدی کچھ بھی ہوں انہیں اس ملک میں اپنے آپ کو مُسلمان کہلا کر جینے کا حق ہرگز حاصل نہیں کیونکہ یہاں قرآن و سنت کے اِسلام کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام وہی قابلِ قبول ہے جسے ہم اِسلام کہیں خواہ وہ قرآن و سُنت کے پیش کردہ اِسلام سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔ ان مطالبات کے علاوہ ان کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ احمدیوں کو کلیدی اسامیوں سے ہٹایا جائے اور ان کا لٹریچر ضبط کیا جائے اور بیرون ملک اس لٹریچر کی تقسیم پر پابندی لگائی جائے۔

خُطبہ جمعہ ہو یا کوئی سیاسی اجتماع ۔ شب براءت کی تقریب ہو یا محفلِ شبینہ ۔ عیدین کی نمازیں ہوں یا کوئی جی خوش آج بھی ہر محراب و منبر سے یہی مطالبات بار بار دوہرائے جاتے ہیں اور حکومت پر ہر طرح سے دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ انہیں صرف غیر مُسلم اقلیت ٹھرانا ہی کافی نہیں جب تک اس بارے میں قوانین نہیں بنائے جائیں گے مقصد پُورا نہیں ہوگا۔ کلیدی عہدوں سے ہٹائے جانے کا مطالبہ اس لئے کیا جا رہا تھا کہ چونکہ جماعت احمدیہ پاکستان کی وفادار ہے اور اس نے تحریکِ مُسلم لیگ میں قائد اعظم کی قیادت میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس نے جب تک اس کے ارکان اہم عہدوں پر فائز ہیں پاکستان کی بنیادوں کو کوئی رخنہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

یہ عہدے خالی ہو جانے کے بعد ہمارے ایسے افراد ان پر متمکن ہو سکیں گے جو ہماری توقعات پر پُورا اتریں گے اور ابتداء سے پاکستان کے متعلق جو ہمارے ارادے ہیں وہ پُورے ہونے میں ہماری منزل قریب سے قریب تر آ جائے گی۔ سب سے زیادہ خطرہ انہیں اس لٹریچر کے پھیلانے سے تھا جو اس جماعت نے اسلام کی حمایت و تائید میں شائع کیا ہے۔

چونکہ تحریکِ احمدیت ایک بین الاقوامی تحریک بن چکی ہے۔ اس لئے بیرونِ ملک اس کے لٹریچر کی اشاعت سے دیگر ممالک میں یہ تاثر پیدا ہونا لازمی تھا کہ جس جماعت اور اس کے بانی نے قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کی اتنی صاف ستھری۔ خوبصورت اور معقول تصویر پیش کی ہے اور اسلام کی سچائی اور صداقت پر اس کے دلائل اتنے ناقابلِ تردید اور دلنشین ہیں وہ جماعت اور اس کا بانی کس طرح غیر مسلم ہو سکتے ہیں جنہیں اپنے ملک میں ملک کے دستور میں ترمیم کے ذریعے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا ہے۔ خوف یہ تھا اور ہے کہ کہیں مسلم اور

غیر مُسلم انصاف پسند دنیا یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بناء پر ان کے ساتھ یہ ناانصافی ہوتی گئی ہے۔ حالانکہ اس ملک کی اپنی بے شمار دینی درسگاھوں میں اس جماعت کا لٹریچر موجود ہے جس سے استفادہ کرتی ہیں۔ اور اگر بعینہٖ وہ کتابیں موجود نہیں تو ان پر اس ادبی سرمایہ کی چھاپ ضرور ہے۔

ہمارے پاس ایک ٹھوس مثال پروفیسر فیروز الدین رُوحی کی کتاب "ISLAMIC PHILOSOPHY" کی ہے جو ادارۂ تبلیغ القرآن کراچی نے دس ہزار کی تعداد میں جمالی آرٹ پریس کراچی نے شائع کی ہے۔ اس کے پیراگراف کے پیراگراف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد و مسیح موعود صدی چہاردہم کے اس معرکۃ الآرا لیکچر سے نقل کئے گئے ہیں جو "اسلامی اصُول کی فلاسفی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور جو دسمبر ۱۸۹۶ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے "جلسۂ اعظم تحقیق مذاھب" میں پڑھا گیا اور جس کے چھ منصفین نے جن میں سے تین غیر مُسلم تھے بالاتفاق یہ فیصلہ دیا کہ یہ مضمون سب سے اعلےٰ تھا۔ اور اس طرح دیگر مذاہب پر اِسلام کے غلبہ کی شہادت دی۔ سردار راجندر سنگھ ایڈیٹر خالصہ بہادر نے فرمایا:—

"وہ قرآن جس کو مرزا صاحب نے کل قابلیت سے بیان کیا۔ اگر مسلمان اس قرآن پر اس طرح چلیں جس طرح مرزا صاحب نے بیان کیا تو پھر ان جیسا کون ہے۔"

(رپورٹ جلسہ صفحہ ۲۶۳)

سردار صاحب کے ان الفاظ میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا عمل قرآن کے بالکل برعکس ہے۔ اگر ان کا عمل قرآن کریم کے مطابق ہو جائے تو یہ ایک ایسی اعلےٰ قوم بن سکتی ہے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔

حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو یہی دعوت دی۔ لیکن وہ اور ان کی جماعت کافر ٹھہری ہمارے قارئین اس حقیقت کا بھی بخوبی علم رکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے حضرت صاحب کے اس لیکچر کا ترجمہ "ٹیچنگز آف اسلام" کے نام سے شائع کیا۔ جب یہ کتاب مغرب میں پہنچی تو کئی انگریز اسے پڑھ کر اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے اور انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ اِسلام ہماری فطرت کی آواز ہے جسے دبایا نہیں جا سکتا۔ ؎

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان ہوں میں

لیکن ہمیں اپنے اس کُفر پر فخر و ناز ہے کیونکہ بقول حضرت مرزا صاحب خدا اور اس کے رسُولؐ سے پیار اور عشق اگر کفر ہے تو خُدا کی قسم ہم سب سے بڑے کافر بننا چاہتے ہیں۔ اس کُفر پر مرنا ہی ہمارے لئے سعادت مندی اور فلاح کا راستہ ہے۔ کیونکہ:—

"ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔"

اور رسولؐ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ:—

"لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین"

یعنے اس وقت تک کوئی بھی مومن ہونے کا دعوےٰ نہیں کر سکتا جب تک میں اسے اس کے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے

سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں "۔
جس کے رگ و ریشہ میں میرا ہی پیار ہو۔ اور
" والذین امنوا اشد حبًا للہ "
اور ایسے مومن پھر خدا سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ماسوٰی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم کافروں کو یہ مقام حاصل ہو جائے ہم دنیا کے فریب و دھوکے ... سے مخلصی پا لیں۔ اے خدا! تو ایسا ہی کر۔ آمین اور ہم تجھ سے وہی چیز چاہیئے جو تیرے نزدیک بہتر ہے اور جسے بقا حاصل ہے ہمیں ۱۹۷۴ء کے بعد کے اس ملک میں رونما ہونے والے واقعات اس کے گواہ ہیں کہ ہمارے خلاف تحریک چلانے والوں اور آئین میں ترمیم کرنے والوں کے عزائم مذہبی نہیں سیاسی تھے۔ مذہب کے نام پر فائدہ اٹھایا گیا۔ غیر مسلم اقلیتوں کے لئے آئین میں جداگانہ انتخابات کی ترمیم اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ کیونکہ جس ملک کی نوے فیصدی سے زیادہ آبادی مسلمان ہو ایسے دس فیصد سے کم غیر مسلم اقلیتوں سے کیا خوف ہو سکتا ہے کہ وہ صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں اتنی کثیر تعداد میں نشستیں حاصل کر لیں گی کہ مسلمانوں کے حقوق تلف ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

یہ دعوے بھی کہ غیر مسلم اقلیتوں نے اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے یہ مطالبہ کیا ہے سراسر جھوٹ اور خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ سوائے ایک دو سیاسی جماعتوں کے باقی سب نے اس ترمیم کو ناپسند کیا اور مخلوط بنیادوں پر انتخابات کا مطالبہ کیا ہے۔ اور کسی غیر مسلم اقلیت نے ان کے اس مطالبہ کے خلاف کوئی ایسا بیان نہیں دیا کہ نہیں ہم اپنی جداگانہ حیثیت تسلیم کرانے کے لئے جداگانہ طریقِ انتخاب کے حق میں ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کمزوروں پر خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں ظلم اور زیادتی پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں محض زبان سے بلکہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں وہ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے عہد کے نیچے ہوتے ہیں اور جو لوگ انہیں کافر کہہ کر ان کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی جسارت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ اور اس کے رسولؐ کے اس عہد کو توڑنے کے مرتکب ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی بستیوں کے حالات پر نہ آسمان آنسو بہاتا ہے اور نہ زمین اور نہ ہی ان کے رہنے والوں کو اپنے ظلم کی وجہ سے مہلت دی جاتی ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور ظلم کوئی نہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے کو کافر کہا جائے۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی تنبیہہ کی ہے کہ :- ایما رجل قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما۔
جس نے اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے کسی ایک پر یہ کفر لوٹ کر آئے گا۔"
لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ :-

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کوئی ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

اور آنحضرت صلعم کے اس قول کی کوئی پرواہ نہیں کہ مسلمان کو کافر بکہ ہم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوے کے نیچے آجاتے ہیں
ہم جماعت احمدیہ کے لٹریچر پر بے جا تصرف کی ایک مثال اوپر دے آئے ہیں ابھی چند دن ہوئے جناب قدیر الدین احمد سابق چیف جسٹس مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے مقالہ کی دوسری قسط ہماری نظروں سے گذری جو روزنامہ جنگ مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی ہے اور ہمارے ایک محترم بزرگ نے کراچی سے ہمیں ارسال کی ہے۔ ہم اس قسط کا متعلقہ اقتباس پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-
"پاکستان دستوری قانون کے لحاظ سے دارالحرب نہیں ہے

جمعہ کی چھٹی ہے۔ شراب اور جوئے کی بھی ممانعت ہے مگر معیشت اور معاشرہ میں کوئی نمایاں فرق اسلامی نقطہ نظر سے نہیں ہے۔ بیت المال سے بے سودی قرضے نہیں مل سکتے سب سے زیادہ زور بینک کے سود پر ہے حالانکہ سود کا رواج اس سے زیادہ بدنما شکل میں بھی موجود ہے اور بینک کا تو سود ایسا ہے کہ علامہ محمد عبدہ نے جو جامع ازہر کے صدر تھے۔ آفاقی شہرت کے عالم تھے اور مصر کے مفتیٔ اعظم تھے۔ انہوں نے مصر کی حکومت کے سوال پر فتوےٰ دیا ہے کہ بینک کا سود حلال ہے۔ اس فتوے کو ملک بھر میں شائع کیا گیا تاکہ جو چاہے اس پر اظہار رائے کرے اور کہا جاتا ہے کہ کسی نے مخالفت نہیں کی۔
رابطۂ عالمِ اسلامی کے صدر دفتر واقع مکہ معظمہ سے ایک کتاب "THE RELIGION OF ISLAM" یا دینِ اسلام انگریزی زبان میں دستیاب ہے۔ رابطہ کے صدر جناب محمد علی الحرکان صاحب جو خود ایک نامور عالم ہیں اور سعودی عرب میں محکمۂ قضا کے سربراہ رہ چکے ہیں اور عدالتوں کی تنظیم میں بہت سی اصلاحات کی ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے وہ کتاب مجھے بھی عنایت کی۔ اس میں محمد عبدہ صاحب کے فتوٰی کی تائید کی ہے۔"
ہمیں افسوس ہے کہ "THE RELIGION OF ISLAM" کا نام تو لے لیا گیا ہے لیکن اس کے مصنف کا نام لینا اس لئے گوارا نہیں کیا کہ کہیں ہماری اس حرکت پر دنیا احمدیت کا زن نہ ہو کہ اپنی مشکلات کے حل کے لئے استعمال تو احمدیوں کا لٹریچر کیا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی ان کو غیر مسلم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ اس کتاب کے مصنف حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد اور مسیح موعود کے ایک باوفا اور باصفا شاگرد اور ساتھی حضرت مولانا محمد علیؒ سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور ہیں۔ جن کے مقابلے میں بقول محمد مارما ڈیوک پکتھال :-
"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے اتنی قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں"
اور :-
"یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں
(رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء)
محمد علی نام کا اس وقت دنیا میں کوئی اور شخص یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ دینِ اسلام اس کی تصنیف ہے
ہمیں تو معلوم نہیں کہ علامہ محمد عبدہ نے کس بینک کے سود کے متعلق یہ فتوٰی دیا لیکن یہ بخوبی معلوم ہے کہ دینِ اسلام کے دیباچہ میں حضرت مولانا محمد علیؒ فرماتے ہیں :-
" یہ ۱۳ فروری ۱۹۰۷ء کی بات ہے کہ تحریک احمدیت کے

حضرت مرزا غلام احمد ... کے بعد ... ان کے لئے بھی مفید ثابت ہو۔"

۱۹۲۸ء میں آپ نے لکھنا شروع کیا اور ۱۹۳۵ء میں یہ کتاب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے شائع کی۔ اس پر نامور قانون دانوں اور سیاستدانوں نے تبصرے کئے۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم قائد اعظم کے ساتھی فرماتے ہیں:۔

"لاہور کی جماعت کے امیر مولانا محمد علی صاحب نے اسلام اور قرآن مجید کی جو خدمت کی ہے اس سے کون واقف نہیں۔ سب سے زیادہ میں ان کی انگریزی تصنیف ریلیجن آف اسلام سے متاثر ہوا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے رجحانات اور طریقہ فکر و نظر کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ میں اس کتاب کو مولانا کا ملت اسلامیہ کے لئے ایک بہترین تحفہ اور نا واقفانِ مذہب اسلام کے لئے نہایت بااثر پیام تصور کرتا ہوں۔" (مجاہد کبیر صفحہ ۱۷۱)

اس کتاب کی مقبولیت اور افادیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصر میں جہاں بڑے بڑے علماء۔ فقہاء۔ مفتی اور قاضی موجود ہیں اس کا ترجمہ عربی زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ لیکن تمام اخلاقی۔ کاروباری اور طباعت و اشاعت کے ضابطوں کو بر طرف رکھتے ہوئے نہ تو مصنف کے ورثاء اور نہ ہی ناشر سے اس کی اجازت لی گئی ہے اور نہ اجازت لی گئی ہے اور نہ ہی مصنف اور ناشر کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اسے احمد ... میں رکھا گیا ہے کہ مصنف امیر جماعت احمدیہ لاہور ہے اور ناشر جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ... ایک چوری اور سینہ زوری۔ صرف محمد علی نام سے کون جان سکتا ہے کہ یہ کون سا محمد علی ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کے دفتر میں یہ انگریزی میں موجود ہے اور یہ اپنی طرف سے بطور تحفہ بھی دے رہے ہیں اور غالباً قیمتاً بھی لیکن یہ بتانے کی جرأت نہیں کہ یہ ایک احمدی مصنف کی تصنیف ہے۔ کہ میں احمدی کی تصنیف تو فروخت ہو سکتی ہے لیکن احمدیوں پر خانہ خدا کی زیارت منع ہے۔

ایسا ہی فارس میں اتنی جرأت تو موجود ہے کہ وہ جس کتاب سے کوئی اقتباس پیش کرتے ہیں، اس کا بلا خوف حوالہ بھی دیتے ہیں۔ ایران میں ایک تفسیر قرآن فارسی زبان میں شائع ہوئی ہے اس میں جگہ جگہ بیان القرآن سے حوالے دیئے گئے ہیں لیکن ساتھ ہی مصنف کا مختصر تعارف بھی موجود ہے۔ جس سے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ بیان القرآن کا مصنف محمد علی کون ہے۔ احمدیوں کا اسلام پہ ادبی سرمایہ تو مسلمان ہے لیکن احمدی غیر مسلم ہیں۔ اس عقل و دانش پر کوئی ہنسے یا روئے۔

حقیقت زیادہ دیر تک ضد اور تعصب کے گرد و غبار میں چھپائی نہیں جا سکتی۔ یہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ ہمارا لٹریچر بڑی گہری سوچ و فکر تحقیق اور تدبر کا نتیجہ ہے۔ یہ مجدد وقت کے دامن سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہم پر خدا کا فضل ہوا ہے کہ ہمارے علماء و مفکرین نے ادھر ادھر سے جوڑ کر دنیا کے سامنے فرسودہ نظریات پیش نہیں کئے بلکہ قرآن کے متعلق کوئی ایسا لغو اور بے بنیاد ذکر نہیں کہ فلاں فلاں نبی نے فلاں فلاں وقت جھوٹ بولا (نعوذ باللہ) اس میں یہ بھی ذکر نہیں کہ بعض انبیاء اپنے مشن میں ناکام ہوئے۔ خود نام نہاد مفکرین اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس میں پیش کئے گئے نظریات کو اپنی طرف منسوب کر کے پیش کرتے اور اپنی علمی قابلیت کا لوگوں سے خراج تحسین وصول کرواتے ہیں۔ یہ ادبی چوری پکڑے جانے کے خوف سے ہمارے لٹریچر کو ضبط کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہمارا بیان القرآن کا سرورق پھاڑ کر اس میں سے درس دیتے ہیں۔ لیکن کب تک۔

اب اس دنیا میں اسلام وہی قابل قبول ہوگا جو سائنس کی طرح تجربات کی کسوٹی پر پورا اتر سکے۔ آج سے صدیوں پہلے پیش کئے گئے خیالات اب قابل قبول نہیں۔ علمی دنیا ان کا مذاق اڑاتی ہے۔ یہ اسلام ہمارے پاس ہے۔ یہ اسلام کاروبار و تجارت کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے دلوں کو قائل کرنے کے لئے اور ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے اور یہی انشاء اللہ قبول ہوگا۔ اور رقیب رو سیاہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جس کی نگاہ نے عالم افکار میں ایک زلزلہ برپا کر دیا۔ اسی کا پیش کردہ لٹریچر اب مقبولیت کا درجہ پائے گا۔ کیونکہ اس کے پیچھے خدائی قوت کام کر رہی ہے۔ خود ساختہ اور من گھڑت افکار و نظریات کی اب کوئی گنجائش نہیں۔

تقریبِ سعید

مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کی دختر نیک اختر عزیزہ ثمینہ مسعود سلمہا کی شادی ۴ / اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز پنجشنبہ ہمراہ عزیزم مرزا خالد محمود بیگ سلمہ خلف الرشید مرزا مظفر احمد بیگ مرحوم نہایت سادگی اور پُر وقار طریق پر ہوئی۔

خطبہ نکاح حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پڑھا اور حق مہر دس ہزار روپے طے ہوا۔ اس مبارک تقریب میں سلسلہ احمدیہ کے بزرگان اور دوست احباب کے علاوہ تمام کارکنان دفاتر انجمن بھی شامل ہوئے اور پھر دعاؤں کے ساتھ عزیزہ کو رخصت کیا۔

اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو جانبین کے لئے بابرکت بنائے۔ آمین۔ (ادارہ)

ایک ضروری اعلان

علامہ حضرت شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری کے حالات پر پیغام صلح کا خاص نمبر

قارئین پیغام صلح اسی شمارہ میں حضرت علامہ شیخ عبد الرحمٰن مصری نائب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی فوتیدگی کی خبر پڑھ چکے ہیں۔ ادارہ پیغام صلح ان کی یاد میں ایک خاص نمبر شائع کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کے عزیزوں، رشتہ داروں اور قریبی دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ ان کی زندگی کے حالات رقم فرما کر نومبر کے پہلے ہفتہ تک ارسال فرمائیں تاکہ یہ نمبر شائع کیا جا سکے۔

(ادارہ)

از قلم نصیر احمد فاروقی صاحب

حضرت اقدس کے بعض الہامات

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صدی چہاردہم مسیح موعود کے الہامات سینکڑوں کی تعداد میں آپ کی زندگی میں پورے ہوئے اور آپ کی وفات کے بعد بھی پورے ہوتے رہے۔ جنہیں دوست دشمن سب نے دیکھا۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ اس کی مرضی ہے۔ اور وہ خدا تعالےٰ کے آگے اس کا ذمہ دار ہوگا۔ بہت سے الہامات خاص اس زمانہ کے اہم واقعات کے رنگ میں پورے ہوئے ہیں جن کا ذکر میرے اس مضمون سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے میں ان کا ذکر نہیں کرتا۔

میرا سردست مضمون مسلمانوں اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہے اور اس کے متعلق حضرت اقدس کے الہامات میں سے بعض کا ذکر کرنا ہے۔ ایسا کرنے سے قبل میں ان کے پس منظر کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں خصوصًا ان نوجوانوں کی خاطر جن کو آج سے سو سال پہلے یعنے تیرھویں صدی ہجری کے اختتام اور چودھویں صدی ہجری کے آغاز کے وقت حالات کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

آج سے سو سال قبل مسلمانوں کا دنیاوی تنزل و انحطاط اپنی انتہاء کو پہنچ چکا تھا۔ دنیاوی سلطنتیں ان سے چھن چکی تھیں اور جہاں برائے نام تھیں وہ مغربی طاقتوں خصوصًا انگریزوں کے ماتحت ہوکر رہ گئیں تھیں۔ مسلمان والیانِ ریاست اور چند برائے نام بادشاہ انگریزوں کے وظیفہ خوار بن چکے تھے۔ اور برطانیہ کی فوجوں اور چھاؤنیوں کو اپنے ملکوں میں بسنے پر مجبور تھے اور انگریز ریذیڈنٹ یا سفیر کے حکم کو ٹال نہیں سکتے تھے تمام تجارت اور صنعت و حرفت (انڈسٹری) انہی غیروں کے ہاتھوں میں تھی۔ اسلامی ملکوں کے خزائن خواہ وہ سونا چاندی اور جواہر ہوں اور یا آج کے زمانہ میں سب سے اہم تیل اور دیگر معدنیات ہوں وہ مغربی ممالک کی لیبر کے ہاتھوں میں تھیں کہ وہ جو چاہیں کریں۔

قرآن مجید میں مغربی اقوام کے عروج اور ان کے تمام اعلےٰ مقامات پر قابض ہو جانے کی پیشگوئی یاجوج اور ماجوج کے ذکر میں موجود ہے۔ اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی اقوام کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی کہ لا یدان لاحد لقتالھم یعنے کسی کو ان سے جنگ کرکے کامیاب ہونے کی طاقت نہ ہوگی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں کہیں جب مسلمانوں نے سر اٹھانے کی اور اپنے کھوئے ہوئے عروج کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو سخت ہزیمت اٹھائی اور مغلوب پست ہوکر رہ گئے۔ ہمارے اپنے برصغیر میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی فوجی کوششیں اور بالآخر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ناکام ہوکر رہ گئیں۔ بلکہ مسلمان قوم اور پس کر دب گئی۔ الغرض انتہائی مایوسی اور بے بسی کے عالم میں مسلمان محکوم اور مغلوب ہوکر رہنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

اسلام کی زبوں حالی

دنیاوی دولت اور حکومت تو آنی جانی چیزیں ہیں۔ اور مسلمانوں سے خاص نہ تھیں۔ غیر مسلم اقوام کو بھی یہ چیزیں ملتی ہیں۔ مگر ایک چیز جو مسلمانوں سے خاص تھی اور ان کی انمول دولت تھی وہ تھا اسلام۔ جس زمانہ کا میں ذکر کر رہا ہوں اس میں مسلمان اپنی دولتِ ایمان کو بھی کھوتے نظر آرہے تھے۔ اور کفر بظاہر اسلام پر غلبہ پاتا نظر آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائی سلطنتوں نے اپنے عالمگیر غلبہ کو دوام بخشنے کے لئے اور اپنی امپیریلزم اور نوآبادیات میں اپنے تسلط کو مستحکم کرنے کے لئے وہاں کی رعایا کو عیسائی کرنے کی ٹھان لی۔

ایک ٹڈی دل تھا پادریوں اور مشنری عورتوں کا جو تمام ایمپائر میں اور نوآبادیات میں گھر گھر میں پھیل گیا اور عیسائی حکام ان کی کھلم کھلا مدد کرتے تھے۔ سر سید احمد خان مرحوم نے عیسائی حکام کی اس کھلم کھلا مداخلت اور دباؤ ڈالنے کو ہی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا اصل سبب بتایا ہے (دیکھو سر سید کی تصنیف "اسباب بغاوت ہند") حالانکہ سر سید مرحوم انگریزوں کے دوست سمجھے جاتے ہیں۔ مگر انہوں نے بھی اس کلمۂ حق کو برملا کہنے کی جرأت مومنانہ دکھائی۔ اور ان کی بات صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس بغاوت کے بعد جو ملکہ وکٹوریہ کا مشہور اعلان ہوا اس میں رعایا سے یقین دہانی کی گئی کہ حکومتِ برطانیہ (کے افسر) رعایا کے مذہب میں دخل نہیں دیں گے۔ ملکۂ آنجہانی کا یہی فیصلہ ہوگا۔ مگر برطانوی افسر درپردہ عیسائی مشنریوں کی مدد کرتے رہے۔ یہ تو برصغیر میں ہوا جہاں ۱۸۵۷ء کی بغاوت ہوئی۔ دوسری نوآبادیات میں عیسائی افسر کھلم کھلا اپنے مشنریوں کی مدد کرتے رہے۔

مگر سرکاری مداخلت سے بہت بڑھ کر وہ حملہ تھا جو عیسائی مذہب نے اور اس کی نقالی میں آریہ سماج نے اسلام پر کیا۔ عیسائیوں کو اپنے مذہب کے بالمقابل کوئی زندہ مذہب نظر نہ آیا جو عیسائیت کا مقابلہ کر سکے سوائے اسلام کے۔ اس لئے اسلام پر وہ بڑے زور سے حملہ آور ہوئے۔ اعتراضات کے رنگ میں۔ اسلام پر، قرآن پاک پر اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی کہ اسلام کے پیر بظاہر اکھڑتے نظر آنے لگے۔

لاکھوں کی تعداد میں مسلمان صرف برصغیر میں عیسائی ہوگئے۔ تمام دنیا میں تو یہ تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی۔ ان اعتراضات کی بنیاد اکثر وہ غلط عقائد اور خیالات تھے جو خود علمائے اسلام نے اپنائے تھے۔ مثلاً حضرت عیسےٰ کا حی و قیوم بن کر آسمان پر دو ہزار سال سے بیٹھا ہونا، ان کی خدائی طاقتیں جیسے پرندوں کی تخلیق یا مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ جو خود قرآن حکیم کے مطابق سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی کے لئے ممکن نہ تھا، اس لئے ان تمام غلط عقائد سے حضرت عیسےٰ کی الوہیت ثابت ہوتی تھی۔ اسلام اور عیسائیت میں جہاں تک حضرت عیسےٰ کا تعلق ہے صرف اتنا ہی فرق تھا کہ مسلمان حضرت عیسےٰ کو ایک عظیم پیغمبر مانتے تھے اور عیسائی انہیں خدا کا بیٹا اور خدائی میں شریک۔

تو جب عیسائی پادریوں اور مستشرقین نے مسلمان علماء کے ان غلط عقائد کا فائدہ اٹھاکر خود قرآن کریم سے حضرت عیسےٰ کی خدائی کو ثابت کر دکھایا اور مسلمانوں کے عقیدہ کو کہ آخر زمانہ میں بنی اسرائیل کا یہ خدائی طاقتیں رکھنے والا پیغمبر آن کر مسلمانوں کو

ازقلم نصیر احمد فاروقی صاحب

حضرت اقدس کے بعض الہامات

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صدی چہاردہم مسیح موعود کے الہامات سینکڑوں کی تعداد میں آپ کی زندگی میں پورے ہوئے اور آپ کی وفات کے بعد بھی پورے ہوتے رہے۔ جنہیں دوست دشمن سب نے دیکھا۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ اس کی مرضی ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے آگے اس کا ذمہ دار ہوگا۔ بہت سے الہامات خاص اس زمانہ کے اہم واقعات کے رنگ میں پورے ہوئے ہیں جن کا ذکر میرے اس مضمون سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے میں ان کا ذکر نہیں کرتا۔

میرا سردست مضمون مسلمانوں اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہے اور اس کے متعلق حضرت اقدس کے الہامات میں سے بعض کا ذکر کرنا ہے۔ ایسا کرنے سے قبل میں ان کے پس منظر کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں خصوصاً ان نوجوانوں کی خاطر جن کو آج سے سو سال پہلے یعنے تیرھویں صدی ہجری کے اختتام اور چودھویں صدی ہجری کے آغاز کے وقت حالات کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

آج سے سو سال قبل مسلمانوں کا دنیاوی تنزل و انحطاط اپنی انتہاء کو پہنچ چکا تھا۔ دنیاوی سلطنتیں ان سے چھن چکی تھیں اور جہاں برائے نام تھیں وہ مغربی طاقتوں خصوصاً انگریزوں کے ماتحت ہو کر رہ گئیں تھیں۔ مسلمان والیانِ ریاست اور چند برائے نام بادشاہ انگریزوں کے وظیفہ خوار بن چکے تھے۔ اور برطانیہ کی فوجوں اور چھاؤنیوں کو اپنے ملکوں میں بسنے پر مجبور تھے اور انگریز ریذیڈنٹ یا سفیر کے حکم کو ٹال نہیں سکتے تھے تمام تجارت اور صنعت و حرفت (انڈسٹری) انہی غیروں کے ہاتھوں میں تھی۔ اسلامی ملکوں کے خزائن خواہ وہ سونا چاندی اور جواہر ہوں اور یا آج کے زمانہ میں سب سے اہم تیل اور دیگر معدنیات ہوں وہ مغربی ممالک کے لیٹروں کے ہاتھوں میں تھیں کہ وہ جو چاہیں کریں۔

قرآن مجید میں مغربی اقوام کے عروج اور ان کے تمام اعلیٰ مقامات پر قابض ہو جانے کی پیشگوئی یاجوج اور ماجوج کے ذکر میں موجود ہے۔ اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی اقوام کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی کہ لا یدان لاحد لقتالھم یعنے کسی کو ان سے جنگ کر کے کامیاب ہونے کی طاقت نہ ہوگی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں کہیں جب مسلمانوں نے سر اٹھانے کی اور اپنے کھوئے ہوئے عروج کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو سخت ہزیمت اٹھائی اور مغلوب ہو کر رہ گئے۔ ہمارے اپنے برصغیر میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی فوجی کوششیں اور بالآخر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ناکام ہو کر رہ گئیں۔ بلکہ مسلمان قوم اور پس کر دب گئی۔ الغرض انتہائی مایوسی اور بے بسی کے عالم میں مسلمان محکوم اور مغلوب ہو کر رہنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

اسلام کی زبوں حالی

دنیاوی دولت اور حکومت تو آنی جانی چیزیں ہیں۔ اور یہ مسلمانوں سے خاص نہ تھیں۔ غیر مسلم اقوام کو بھی یہ چیزیں ملتی ہیں۔ مگر ایک چیز جو مسلمانوں سے خاص تھی اور ان کی انمول دولت تھی وہ تھا اسلام۔ جس زمانہ کا میں ذکر کر رہا ہوں اس میں مسلمان اپنی دولتِ ایمان کو بھی کھوتے نظر آ رہے تھے۔ اور کفر بظاہر اسلام پر غلبہ پاتا نظر آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائی سلطنتوں نے اپنے عالمگیر غلبہ کو دوام بخشنے کے لئے اور اپنی امپیریلزم اور نوآبادیات میں اپنے تسلط کو مستحکم کرنے کے لئے وہاں کی رعایا کو عیسائی کرنے کی ٹھان لی۔

ایک ٹڈی دل تھا پادریوں اور مشنری عورتوں کا جو تمام ایمپائر میں اور نوآبادیات میں گھر گھر میں پھیل گیا اور عیسائی حکام ان کی کھلم کھلا مدد کرتے تھے۔ سر سید احمد خان مرحوم نے عیسائی حکام کی اس کھلم کھلا مداخلت اور دباؤ ڈالنے کو ہی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا اصل سبب بتایا ہے (دیکھو سر سید کی تصنیف "اسباب بغاوت ہند") حالانکہ سر سید مرحوم انگریزوں کے دوست سمجھے جاتے ہیں۔ مگر انہوں نے بھی اس کلمۂ حق کو برملا کہنے کی جرأت مومنانہ دکھائی۔ اور ان کی بات صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس بغاوت کے بعد جو ملکہ وکٹوریہ کا مشہور اعلان ہوا اس میں رعایا سے یقین دہانی کی گئی کہ حکومت برطانیہ (کے افسر) رعایا کے مذہب میں دخل نہیں دیں گے۔ ملکۂ انجہانی کا یہی فیصلہ ہوگا۔ مگر برطانوی افسر درپردہ عیسائی مشنریوں کی مدد کرتے رہے۔ یہ تو برصغیر میں ہوا جہاں ۱۸۵۷ء کی بغاوت ہوئی۔ دوسری نوآبادیات میں عیسائی افسر کھلم کھلا اپنے مشنریوں کی مدد کرتے رہے۔

مگر سرکاری مداخلت سے بہت بڑھ کر وہ حملہ تھا جو عیسائی مذہب نے اور اس کی نقالی میں آریہ سماج نے اسلام پر کیا۔ عیسائیوں کو اپنے مذہب کے بالمقابل کوئی زندہ مذہب نظر نہ آیا جو عیسائیت کا مقابلہ کر سکے سوائے اسلام کے۔ اس لئے اسلام پر وہ بڑے زور سے حملہ آور ہوئے۔ اعتراضات کے رنگ میں۔ اسلام پر، قرآن پاک پر اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی کہ اسلام کے پیر بظاہر اکھڑتے نظر آنے لگے۔

لاکھوں کی تعداد میں مسلمان صرف برصغیر میں عیسائی ہو گئے۔ تمام دنیا میں تو یہ تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی۔ ان اعتراضات کی بنیاد اکثر وہ غلط عقائد اور خیالات تھے جو خود علمائے اسلام نے اپنائے تھے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کا حی و قیوم بن کر آسمان پر دو ہزار سال سے بیٹھا ہونا، ان کی خدائی طاقتیں جیسے پرندوں کی تخلیق یا مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ جو خود قرآن حکیم کے مطابق سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لئے ممکن نہ تھا۔ اس لئے ان تمام غلط عقائد سے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت ثابت ہوتی تھی۔ اسلام اور عیسائیت میں جہاں تک حضرت عیسیٰؑ کا تعلق ہے صرف اتنا ہی فرق تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو ایک عظیم پیغمبر مانتے تھے اور عیسائی انہیں خدا کا بیٹا اور خدائی میں شریک۔

تو جب عیسائی پادریوں اور مستشرقین نے مسلمان علماء کے ان غلط عقائد کا فائدہ اٹھا کر خود قرآن کریم سے حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کو ثابت کر دکھایا اور مسلمانوں کے عقیدہ کو کہ آخر زمانہ میں بنی اسرائیل کا یہ خدائی طاقتیں رکھنے والا پیغمبر آن کر مسلمانوں کو

بچائے گا۔ اس غلط عقیدہ کو استعمال کرتے ہوئے **مسلمانوں** کو دعوت دی کہ بالآخر جب حضرت عیسیٰ نے ہی تم کو نجات بخشنی ہے تو پھر ان کو فوراً مان کر تم ان کے دامن کو کیوں نہیں پکڑتے ۔ تو **مسلمان علماء** اور عوام کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا ۔ خود علمائے اسلام میں سے بعض بھٹک گئے اور **عیسائی** ہو کر خطرناک پادری بن گئے کیونکہ

؎ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

والا معاملہ بن گیا ۔ لاکھوں کی تعداد میں برصغیر ہند و پاکستان میں، اور دوسرے ممالک کو ملا کر کروڑوں کی تعداد میں **مسلمان عیسائی** ہو گئے ۔

رکھا جا سکتا ہے اور اس لئے قتل مرتد پر آج تک مسلمان علماء بد قسمتی سے اڑے ہوئے ہیں ۔ یا مثلاً لونڈیوں کو بلا نکاح رکھنے اور غلامی کے جواز کے غلط عقائد کو عیسائیوں نے اچھالا ۔

چونکہ **مسلمان علماء** ان چیزوں کو خود مانتے تھے اس لئے لاجواب ہو گئے ۔ ان کا زور اتنا ہی تھا جو انہوں نے کر دکھایا کہ جو **مسلمان** عیسائی ہو گئے ان کی نسبت یہ کہا کہ ان کی اسلام کو یا امتِ **مسلمہ** کو ضرورت ہی نہ تھی ۔ یا جو انگریزی زبان جس میں یہ اعتراض تھے پڑھے وہ کافر ہے ۔ یا انگریزی پڑھنا حرام ہے ۔ ان باتوں سے کس کی دلی تسلی ہو سکتی تھی ؟ نتیجہ یہ ہوا کہ جو مسلمان عیسائی نہ بھی ہوئے وہ اسلام سے دل برداشتہ ہو گئے ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی زبوں حالی کی یوں پیشگوئی فرمائی تھی کہ :۔

لم یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ ۔

کہ اسلام کا کچھ باقی نہ رہے گا سوائے نام کے ۔

اور یہ بھی پیشگوئی فرمائی تھی کہ ایمان زمین سے اُٹھ کر ثریا ستارہ پر چلا جائے گا ۔ مگر :۔

" لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس "

کہ اگر ایمان ثریا ستارہ پر بھی چلا جائے گا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسے واپس لے آئے گا ۔

مسیح موعود

اب قرآن پاک کی تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئی تھیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیاں بھی پوری ہو گئی تھیں کہ **یاجوج** اور **ماجوج** کا خروج ہو گیا اور یہ عیسائی اقوام تمام دنیا کی بلندیوں پر چھا گئیں اور **دجال** (عیسائی پادریوں) کا بھی ٹڈی دل دنیا میں پھیل گیا اور عیسائیت اسلام پر زوروں سے حملہ آور ہو گئی ۔ مگر ان تمام پیشگوئیوں سے منسلک وہ پیشگوئیاں **قرآن پاک** اور **احادیث نبویؐ** صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں نہ پوری ہوتیں کہ وہی زمانہ ہو گا کہ **موعود مسیح** آئے گا اور وہ مسلمانوں میں سے ہی ان کا ایک امام ہو گا ۔ (صحیح بخاری ۔ صحیح مسلم) اور وہ **یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر** کرے گا یعنے عیسائی مذہب اور آریہ مذہب کے جو اسلام پر حملہ آور ہوں گے پرخچے اڑا دے گا ۔

قرآن پاک اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں بھلا کیسے پوری نہ ہو سکتی تھیں ؟ وہ پوری ہوئیں اور ضرور پوری ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے **مجدد** اور **امام وقت** کو مسیح موعود بنا کر بھیجا ۔

مجدد و مسیح موعود ہونے کا دعوے اس زمانہ میں صرف ایک انسان نے کیا اور وہ تھے **حضرت مرزا غلام احمد** صاحب ۔ آپ ہی واحد انسان تھے جو **عیسائیت** اور **آریہ سماج** کے خلاف نبرد آزما ہوئے ۔ اور آپ نے عیسائیت اور آریہ مذہب کا قلع قمع کیا ۔ آپ نے **اسلام** کے دامن پر سے داغ دھبوں کو دور کیا جو غلط عقائد سے پیدا ہو گئے تھے ۔

یہ تاریخ کی گواہی ہے ۔ یہ واقعات کی گواہی ہے ۔ یہ اس عظیم نشان تقدیر کی گواہی ہے جو حضرت **مسیح موعود** اور آپ کی جماعت نے **مسلمانان** کو ماننے والے غیر مسلم قرار دے دیئے گئے کوئی تعجب نہیں کہ جب یہ کیا گیا تو عیسائیوں کی عید ہو گئی ۔

محسنِ اسلام و مسلمانان

حضرت مرزا صاحب جو نہ صرف **مسیح موعود** تھے بلکہ مہدی بھی تھے بموجب **حدیث نبوی** کہ **لا مهدی الا عیسیٰ** دینی مسیح موعود ہی **مہدی** بھی ہو گا ۔ آپ نے **اسلام** اور **مسلمانوں** کی اتنی **عظیم** الشان خدمت کی ہے کہ وہ ایک علیحدہ مضمون ہے جو کتاب کا حجم بن جائے گا اس لئے میں اس میں نہیں پڑتا ۔ میں صرف مسلمانوں کی زبوں حالی اور **اسلام** پر سے ان کے **ایمان** کے اُٹھ جانے کے بعد دوبارہ قائم ہونے کے لئے جو **حضرت امام وقت** نے پیشگوئیاں کی ہیں ان میں سے صرف چند کا ذکر کروں گا ۔ آپ دن رات بارگاہ خداوندی میں دونوں امور پر گریہ وزاری کرتے تھے ۔ اسی لئے آپ کو تسلی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے کچھ خبریں دی گئیں جو آج پوری ہوتی دکھ رہے ہیں ۔ میں ان کو اسی ترتیب سے بیتا ہوں جس سے میں نے اسی مضمون کے شروع میں کیا ہے ۔ یعنے **مسلمانوں** کی عیسائی طاقتوں کے ہاتھوں **مغلوبیت** اور دوئم اسلام پر مسلمانوں کا ایمان صرف نام کے واسطے رہ جانا ۔

مسلمانوں کی مغلوبیت

حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ کا سب سے اہم کام تو کسر صلیب ہے اور اس کے لئے آپ نے چالیس پچاس کتابیں لکھیں ۔ مگر بد قسمتی سے مسلمانوں میں سے بہتوں کو اغراض نفسانی نے دبایا ہوا ہے ۔ نہ صرف پادریوں کے پاس بہت سا روپیہ تھا جسے وہ بے دریغ خرچ کر رہے تھے ۔ حاجت مند لوگوں کا **ایمان** خریدنے کے لئے بلکہ عیسائی حکومت کے پاس **نوکریاں** اور **زمینیں** تھیں ۔ جن کی لالچ بھی دی جاتی تھی اور اکثر لوگ حکومت سے تعلقات استوار کرنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھتے تھے ۔

ان **دنیاوی** لالچوں کو دور کرنے کے لئے عیسائی سلطنتوں کے دنیاوی عروج کا خاتمہ بھی ضروری تھا ۔ مگر **یاجوج** اور **ماجوج** کے دنیا پر چھا جانے (قرآن حکیم) اور **لا یدان لاحد لقتالهم** (حدیث نبویؐ) یعنے کسی کو **عیسائی** اقوام سے جنگ کر کے کامیاب نہ ہونے کی جو **پیشگوئیاں** تھیں وہاں وہ **پیشگوئی** بھی **رسول اللہ** صلعم کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بعض بندے ایسے ہوں گے کہ کوئی تباہ نہ کر سکے گا سوائے میرے (کنز العمال ص ۳۰۲) تو

سلسلہ میں حضرت اقدس نے فرمایا:۔
" اللہ تعالے کا یہ فرمانا کہ من کل حدب ینسلون اس امر کے اظہار کے واسطے کافی ہے کہ یہ (عیسائی اقوام) کل دُنیا کی زمینی طاقتوں کو زیر پا کریں گے ورنہ اس کے سوا اور کیا معنے ہیں؟ کیا یہ قومیں دیواروں اور ٹیلوں کو کودتی اور پھاندتی پھریں گی؟ نہیں بلکہ اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ دُنیا کی کل ریاستوں اور سلطنتوں کو زیر پا کر لیں گی اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

" واقعات جس امر کی تفسیر کریں وہی تفسیر ٹھیک ہوا کرتی ہے۔ اس آیت کے معنے خدا تعالے نے واقعات سے بتا دیئے ہیں۔ ان (عیسائی طاقتوں۔ ناقل) کے مقابلہ میں اگر کسی قسم کی سیفی قوت کی ضرورت ہوتی تو اب جیسے کہ بظاہر اسلامی دُنیا کے آخری دن ہیں چاہیئے تھا کہ اہل اسلام کی سیفی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی اور اسلامی سلطنتیں تمام دُنیا پر غلبہ پاتیں اور کوئی ان کے مقابل پر ٹھہر نہ سکتا۔ مگر اب تو معاملہ اس کے برخلاف نظر آتا ہے۔ خدا تعالے کی طرف سے بطور تمہید یا عنوان کے یہ زمانہ ہے کہ ان کی فتح اور ان کا غلبہ دنیاوی ہتھیاروں سے نہیں ہو سکے گا بلکہ ان کے واسطے آسمانی طاقت کام کرے گی جس کا ذریعہ دُعا ہے .... رہی سیف اس کے واسطے خدا تعالے کا اذن اور منشا نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف اور اسی قوت پانے کے واسطے

ایک الگ حجرہ بنایا اور دُعا کی۔"

" ہم نے دیکھا کہ اب ان مسلمانوں کی حالت تو خود مورد عذاب ہے اور شامت اعمال سے قہر الٰہی کے نزول کی محترک بنی ہوئی ہے۔ اور خدا کی نصرت اور اس کے فضل و کرم کی جاذب مطلق نہیں رہی۔ جب تک

یہ خود نہ سنوریں تب تک خوشحالی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔........ اس لئے خدا کے آگے دست دُعا پھیلانے کا قصد کر لیا ہے کہ وہ اس قوم کی اصلاح کرے اور شیطان کو ہلاک کرے تاکہ خدا کا سچا نور دنیا پر دوبارہ چمک جاوے اور راستی کی عظمت پھیلے ....
دُنیا کو علم نہیں آج کل عیسائی کیا کر رہے ہیں مسلمانوں کی کس قدر ذُریت کو انہوں نے برباد کیا ہے۔"

(البدر۔ مؤرخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

حضرت اقدس نے آگے چل کر فرمایا کہ جس طرح حضرت آدم و حوا کو بالآخر دُعا ہی کے ذریعہ سے شیطان پر فتح نصیب ہوئی (ان کی دُعا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ناقل) آخر زمانہ میں بھی شیطان پر فتح دُعا ہی سے حاصل کرنی ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر مشکوٰۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے مذکورہ فرمان کا حضرت اقدس نے ذکر کیا:۔
مشکوٰۃ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں عیسائیوں کے ساتھ کوئی شخص مقابلہ نہ کر سکے گا مگر ہاں مسیح موعود دُعاؤں سے مقابلہ کرے گا۔" اور اسی سے دجال ہلاک ہوگا۔

ایک دُعا

حضرت اقدس نے جو ایک خاص بیت الدعا بنوا کر اس میں عرصہ دراز تک دُعائیں کیں وہ سب کی سب نہ تو ضبط تحریر میں آئیں اور نہ طوالت کے خوف سے آپ کی معلوم دُعائیں یہاں لکھی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک دُعا عربی زبان میں آپ کی کتاب نور الحق حصہ اوّل میں مذکور ہے جو پوری کی پوری قابل سننے ہے۔ اس کے ترجمہ کے چند فقرے درج ذیل ہیں۔

" عیسائیوں کو اور ان کے عیوب کو دیکھ۔ اور ان گندگیوں پر نظر ڈال جو ان سے ظاہر ہوئیں۔ ان کے زمانہ کے شر سے ہم اللہ کی طرف شکایت لے جاتے ہیں اور ان کے شیطنت سے پاک پروردگار کی پناہ میں آتے ہیں وہ اپنے وطنوں میں بدکاری پھیلاتے ہیں۔ ان کے دل کے خیالات مکر پر مکر ہیں اور ان کی زبان کا بیان جھوٹ پر جھوٹ ہے۔ پاکیزگی ان کی کاروان سرائے میں نہیں اتری۔ ان کی بلائیں عام ہو گئیں اور ان کا فساد بڑھ گیا۔ اور فتنوں کا سیلاب ان کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے بہت سخت ہو گیا۔

" اے رب تو انہیں اسی طرح پکڑ جس طرح تو ایک مفسد کو پکڑتا ہے۔ ان کو ڈھیل دیا جانے نے دُنیا کو بگاڑ دیا۔ ان کی فوجیں مسلمانوں کی زمین پر اتر آئیں اور ان کی بلائیں مسلمان خواتین تک میں سرایت کر گئیں۔ اپنے احمد کے رب! اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا! اپنے بندوں کو ان کے ڈنکوں کے زہر سے بچا۔ اے ہمارے مددگار خدا تیرے سوا ہمیں کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ہم پر ان لوگوں کے مددگاروں کی وجہ سے زمین تنگ ہو گئی ہے۔
اے خدا پتھروں سے ان کے شیشے توڑ دے۔
اے میرے رب انہیں ایسا ہی پیس ڈال جیسا کہ تو ایک سرکش کو پیستا ہے۔ ان کی عمارتیں مسمار کر دے اور ان کے صحن خانہ میں اتر آ۔ اے میرے رب انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ ان کی جمعیت کو پاش پاش کر دے۔ اے میرے رب انہیں اور ان کے پگھل جانے کی طرف کھینچ لا۔"

خوشخبری

حضرت اقدس جو دن رات اسلام اور مسلمانوں کی مغلوبیت کے ہٹ جانے کے لئے دست بدعا تھے اور اس غم میں دربار خداوندی میں گریہ وزاری کر رہے تھے انہیں بذریعہ الہام خوشخبری دی گئی کہ:۔

" بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و
پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم اُفتاد"

یعنے خوش ہو جا کہ جس وقت کو تو چاہتا ہے وہ نزدیک آ گیا ہے اور محمدیوں کا پیر بلند تر مقام پر محکم ہو جائے گا۔
لفظ "محمدی" عیسائی اقوام مسلمانوں کے لئے استعمال کرتے

تھے - تو اسی نام کو استعمال فرمایا کہ عیسائی اقوام تو یہ نہیں چاہتیں مگر اسم محمدؐ کے طفیل مسلمانوں کو ظاہری قوت اور اسلام کو شوکت عطا کی جائے گی (لفظ محمدؐ ظاہری قوت اور شوکت کا مظہر ہے یعنے آپ کا جلالی نام ہے جبکہ احمدؐ آپ کا جمالی نام تھا) اسی الہام کے اگلے الفاظ ہیں:—

"پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار - و روشن شد نشانہائے من"

چونکہ محمد مصطفٰے نبیوں کے سردار ہیں اس لئے آپؐ کے متبعین کو بھی سرداری یعنی حکومت دی جائے گی - اور اس بارہ میں میری قدرت نمائی روشن نشانوں کی طرح ہوگی -

وہ کس طرح ہوگا؟ عیسائی اقوام تو اس وقت اپنی فوجی قوت اور غلبہ کی وجہ سے تمام مسلمان ملکوں اور قوموں کو دبائے بیٹھی تھیں، اور اپنے عالمگیر غلبہ کی وجہ سے دنیا میں عیسائیت اور بعد میں بے دینی کو فروغ دے رہی تھیں اور ہر قسم کی بدیوں کو پھیلا رہی تھیں؟ اس غلبہ کو توڑنے کے لئے حضرت اقدس نے مندرجہ بالا دعائیں مناجات کی تھی کہ :-

"اے رب تو انہیں اس طرح پکڑ جس طرح تو مفسدوں کو پکڑتا ہے - اے خدا پتھروں سے ان کے شیشے توڑ دے — اے میرے رب انہیں ایسا پیس ڈال جس طرح کہ تو ایک سرکش کو پیستا ہے - ان کی عمارتوں کو مسمار کردے ... ان کے صحن میں اتر (یعنے ان کے گھروں میں تیرا عذاب نازل ہو) ان کی جمعیت کو پاش پاش کردے - انہیں مجھل جانے کی طرف کھینچ لا -"

چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور قرآن کریم میں جو وعید تھی کہ —

"اور ہم انہیں (عیسائی اقوام) کو اس دن ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے (یعنے جس طرح سمندر کی موجیں ایک دوسرے پر ٹکر کھاتی ہیں یہ بھی ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور اس طرح انہوں نے قوموں کو توڑ دیا ہے) ہم انہیں چھوڑ دیں گے - اور صور (توپ) جنگ کے وقت پھونکا جاتا تھا پھونکا جائے گا اور ہم انہیں اچھی طرح ان جنگوں میں جمع کردیں گے اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے سامنے لے آئیں گے - یہ وہ ہیں جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردہ میں تھیں (حالانکہ سائنس کی ترقیات سے جو یہ کریں گے انہیں خدا کی ذات ذرہ ذرہ میں نظر آنی چاہیئے تھی) اور وہ میرا ذکر سن بھی نہیں سکتے تھے"

(سورۃ الکہف - آیات ۹۹ تا ۱۰۱)

وہ وعید پورا ہونے کے دن آ گئے -

عالمگیر جنگیں

حضرت اقدس کو علم دیا گیا کہ وہ وعید کس طرح پورے ہونگے پہلی عالمگیر جنگ جس کی پیشگوئی حضرت اقدس نے ۱۹۰۵ء میں براہین احمدیہ حصہ پنجم میں ایک نظم میں کی وہ ایک تصویر ہے پہلی عالمگیر جنگ کی ہولناک تباہیوں کی جو کہ دنیا نے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ تھا اس میں بعض ایسی چیزوں کا ذکر ہے کہ وہ کسی انسانی دماغ سے نکل ہی نہ سکتی تھیں - مثلاً : ع

زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

جب یہ پیشگوئی کی گئی (۱۹۰۵ء میں) تو اس وقت زارِ روس دنیا کا سب سے بڑا مطلق العنان شہنشاہ تھا - کسی کو وہم وگمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کسی دن وہ ایسے حال زار میں ہوگا کہ ایک معمولی ریڑھے (گھوڑے والی دو پہیوں کی گاڑی) پر بمع اپنی ملکہ اور ولی عہد اور دیگر خاندان کے لوگوں کے لے جا کر گولیوں سے

اڑا دیا جائے گا اور ان کی لاشیں دریا میں بہا دی جائیں گی -

یہ واقعہ روس کے اندر ایک ایسا انقلاب لایا کہ صدیوں بلکہ ہزاروں سال پرانی بادشاہت ختم ہوئی اور کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی - اس جنگ عظیم کی دوسری نمایاں خصوصیت اس میں پہلی دفعہ ہوائی جہازوں کا استعمال تھا جو آج تو عام ہوگیا ہے - مگر جب حضرت اقدس نے اس کی پیشگوئی کی تھی تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا -

اسی طرح دوسری عالمگیر جنگ کے متعلق بھی حضرت اقدس نے دل ہلا دینے والے الفاظ میں پیشگوئی فرمائی - اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحات ۲۵۶، ۲۵۷ پر آپ لکھتے ہیں :—

"وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی .... اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں ......"

دوسری جنگِ عظیم کی یہ خصوصیت تھی کہ یورپ اور ایشیا دونوں اس کی ہولناک لپیٹ میں آ گئے - اور مشرقی ایشیا کے ہزارہا جزائر (جن سے مل کر انڈونیشیا اور فلپائن کی سلطنتیں اب بنی ہیں) جاپانی ٹڈی دل کی طرح پھر گئیں - ان جزائر میں پتھر اور لکڑی کے مصنوعی دیوتا قدم قدم پر پوجے جاتے تھے - مگر جیسا کہ حضرت اقدس نے فرمایا تھا وہ مصنوعی خدا ان کے کام نہیں آئے -

ایک اور عالمگیر جنگ (غالباً تیسری) کے متعلق حضرت صاحب کی پیشگوئی صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب کی زبانی یوں روایت ہے - حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

"خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ ہمارے سلسلہ میں ایک سخت تفرقہ پڑے گا اور فتنہ انداز اور ہوا و ہوس کے بندے جدا ہو جائیں گے پھر خدا تعالے اس تفرقہ کو مٹا دے گا اور جو کٹنے کے لائق اور راستی سے تعلق نہیں رکھتے اور فتنہ پرداز ہیں وہ کٹ جائیں گے - اور دنیا میں ایک حشر برپا ہوگا اور وہ اوّل الحشر ہوگا اور تمام بادشاہ (یعنے حکومتیں - ناقل) ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے - اور ایسا کشت وخون ہوگا کہ زمین خون سے بھر جائے گی - اور ہر ایک بادشاہ (یعنے حکومتیں - ناقل) کی رعیت بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی ایک عالمگیر تباہی آوے گی - اور ان تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہوگا"

(تذکرہ صفحہ ۷۹۹)

ایک اور جگہ حضرت اقدس نے لکھا ہے :-

"وہ نشان دکھلائے گا قدرت کا اچھا پنجہ"

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانچ عالمگیر جنگیں ہوں گی اور اس طرح عیسائی حکومتوں کا دنیاوی غلبہ بالکل ختم ہو جائے گا -

سیاسی ومادی انقلاب

بہرحال پہلے ہی نشان یعنے دنیا کی پہلی جنگ عظیم (سنہ ۱۹۱۴ء تا سنہ ۱۹۱۸ء) کے بعد ہی جبکہ زار روس باحالت زار ختم ہو گیا تو اس کی جگہ ایک کمیونسٹ حکومت قائم ہوگئی - جو آجکل دنیا کی دو بڑی طاقتوں میں سے ہے - یہ لوگ لادین اور دہریہ ہیں - اور وہ دنیا بھر میں اشتراکیت پھیلانا چاہتے ہیں - چنانچہ جہاں جہاں عیسائی حکومتوں کی نو آبادیات یا مقبوضہ علاقے تھے ان میں اشتراکیوں نے ریشہ دوانیاں شروع کیں - چونکہ مغربی ممالک کی حکومتوں نے ان نو آبادیات یا مقبوضہ علاقوں کا خون چوس کر ان کو غریب

حالات سازگار تھے۔ مغربی حکومتیں جو کہ نہایت زیرک اور سمجھدار تھیں ... سے تب و تاب جاری تھی۔

عیسائی حکومتوں کا عسکری دنیاوی ملکی غلبہ اب تک کی دو عالمگیر جنگوں نے توڑ کر رکھ دیا ہے اور ان جنگوں کی پیشگوئی قرآن اور حدیث میں موجود ہے (جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں) کہ مسیح و مہدی کی دعاؤں کے نتیجہ میں عیسائی حکومتوں کا غلبہ جو دیسے نہ ٹوٹ سکتا تھا ختم ہو جائے گا۔ اس عالمگیر انقلاب کے نتیجہ میں اسلامی ممالک جو مغلوب اور محکوم تھے وہ بھی آزاد ہو گئے۔ جس کے لئے اس زمانہ کے امام نے ایک علیحدہ بیت الدعا بنا کر جناب الٰہی میں گریہ و زاری کی جو قبول ہوئی اور اس کا قبل از وقت علم اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دے دیا گیا تھا۔ جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں:۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد"

یہی وہ خوشخبری تھی جس کے لئے مسلمانوں کا یہ بہی خواہ دست بدعا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان ممالک کو صرف آزادی ہی نہیں بخشی بلکہ ان میں سے اکثر کو دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔ ریت کے ٹیلوں میں سے تیل کے خزائن نکل آئے۔ جس کی وجہ سے اکثر مسلم ممالک آج کل امیر ترین ممالک ہیں۔ عرب یورپ اور امریکہ میں محلات اور اعلیٰ ہوٹل خرید رہے ہیں۔ بلکہ بڑی تجارتی اور صنعتی کمپنیوں میں بھی حصص حاصل کر رہے ہیں۔ جہاں تک بینکوں میں دولت کا سوال ہے ایک چھوٹا سا عرب ملک اگر اپنا خزانہ نکال لے تو بینک آف انگلینڈ کا بھٹہ بیٹھ جائے گا۔

ایران کے تیل کی سپلائی رکی تو امریکہ میں مالی اور سیاسی زلزلہ آگیا اور صدر جمی کارٹر صاحب کی کرسی کھسک گئی۔ سونا جس کی قیمت اب اس قدر بڑھ گئی ہے کہ وہ آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ بتائی جاتی ہے کہ عرب ممالک نے ڈالر کی مخدوش حالت کو دیکھ کر اسے خریدنا چھوڑ کر سونا خریدنا شروع کر دیا ہے۔ اور یورپ اور امریکہ ان اسلامی ممالک کی دولت کو حاصل کرنے کے لئے ان سے تجارت اور انہیں تازہ ترین جنگی سامان بیچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

علیٰ ھذا القیاس دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد" پورا ہوتا صاف نظر آ رہا ہے اور ان شاء اللہ مسلمانوں کا مادی حال بہتر ہوتا چلا جائے گا۔

دینی انقلاب

(۲) چودھویں صدی ہجری نے بموجب حدیث نبوی کسر صلیب کا نظارہ بھی دکھا دیا۔ کہاں تو عیسائیت اسلام پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ کہاں آج اپنے گھر میں ختم ہو گئی ہے۔ صرف روس میں اشتراکیوں نے عیسائیت کو نہیں چھوڑا بلکہ سرمایہ دار ممالک کی اکثر لوگ عیسائیت کو چھوڑ چکے ہیں اور خود عیسائی علماء اور پادری عیسائیت کے عقائد کو جھوٹا اور گمراہ کن لکھ رہے ہیں۔ یہ ایک بڑا مضمون ہے جسے میں یہاں دوہرانا نہیں چاہتا۔ اس کی تفصیل کے لئے میرے سابقہ مضامین کو دیکھیں جو "پیغام صلح" میں اور انگریزی اخبار

لائٹ میں ۲۴ مئی ۱۹۷۸ء کو نکلے۔ اس ضمن میں صرف اتنا دہرا دوں کہ جس شخص نے ان دشمنوں سے دن رات جہاد کیا۔ وہ تھا مرزا غلام احمد قادیانی اس صدی کا مجدد اور مسیح موعود جس کے ہاتھوں سے رسول اللہ صلعم کی پیشگوئی یکسر الصلیب والی پوری ہوئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تائید میں آج بھی وہ لٹریچر کا سمندر موجود ہے جو دنیا کے کونے کونے میں پھیل گیا۔ اس لٹریچر کی وجہ سے عیسائی محققین کے خیالات میں وہ انقلاب آیا جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ تحریری شہادت کا انکار کون کر سکتا ہے؟

(۲) اس دینی انقلاب کی خوشخبری اس مرد خدا کو جو دن رات اس جہاد میں لگا ہوا تھا اور دن رات گریہ و زاری جناب باری میں کرتا تھا پہلے سے دے دی گئی تھی جو تحریریں بے شمار کتابوں، ملفوظات اور حضرت مرزا صاحب کے منظوم کلام میں موجود ہے جن میں سے کچھ نمونے میں نے اپنے ۲۴ مئی ۱۹۷۸ء کے مضامین میں لکھے ہیں۔ چند اشعار یہاں بھی لکھ دوں ؎

میرے دل کی آگ نے آخر دکھایا کچھ اثر
آ گئے ہیں اب زمیں پر آگ بھڑکانے کے دن

جب سے میرے ہوش غم سے دیں کے ہیں جاتے رہے
طور دنیا کے بھی بدلے ایسے دیوانے کے دن

کون روتا ہے کہ جس سے آسمان بھی رو پڑا
لرزہ آیا اس زمیں پر اس کے چلانے کے دن

دوستو اس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی
آئیں گے اس باغ کے اب جلد لہرانے کے دن

اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن

دیں کی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

دین اسلام کا احیاء

حضرت مرزا صاحب اگر بطور مسیح موعود کسر صلیب کا کام کامیابی سے کر رہے تھے تو بطور مجدد صدی چہاردہم وہ مہدی موعود مسلمانوں کی اصلاح اور تجدید اسلام کا کام بھی کر رہے تھے۔ آپ کی تحریرات اور تقریرات بھری ہوئی ہیں اس بات سے کہ آپ کی بعثت کا ایک بڑا مقصد ایک متقی جماعت بنانا ہے جو دوسرے مسلمانوں کے لئے بطور نمونہ بنے۔ چنانچہ اس کا اعتراف مسلمانوں کی مقتدر ہستی ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم جیسے صاحب بصیرت انسان نے اپنے علی گڑھ کے لیکچر میں کیا کہ:۔

"اس زمانہ میں اگر ٹھیٹھ اسلامی زندگی کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ قادیان میں ہے"

دراصل تقویٰ پیدا ہوتا ہے زندہ خدا پر زندہ ایمان سے ورنہ زبانی تو سب انسان اپنے اپنے مذہب پر ایمان رکھتے ہی ہیں۔ خدا تعالیٰ

---

۴۵ اور انگریزی میں حضرت مرزا صاحب اور آپ کے مریدوں نے پیدا کیا ہوا تھا

نے ہر مذہب پر ایمان کی بنیاد اپنی وحی و الہام پر ہی رکھی تھی یعنے وہ اپنی ہستی کا پتہ انا الموجود کہہ کر دیتا رہا اور اس کے ثبوت میں ہر نبی کو اپنے کلام کے ذریعہ کتاب دیتا رہا۔ مگر دوسرے مذاہب کی الہامی کتابیں یا تو ضائع ہو گئیں یا تحریف سے بگڑ گئیں۔ صرف قرآن پاک وہ الہامی کتاب ہے جو محفوظ ہے اور اس کا اعتراف معترض اور دشمن بھی کرتے ہیں۔ تاہم ہر مذہب کا ابھی بھی دعوےٰ ہے کہ وہ انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ خدا کو پانے کی نشانی ہر مذہب کی تاریخ میں یہی رہی کہ خدا ایسے انسان سے کلام کرتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی سب سے بڑی خدمت اسلام یہ ہے کہ آپ نے اسلام پر چل کر خدا کو پا لیا اور اس سے ہمکلامی کا شرف حاصل کیا۔ اور آپ نے اس کامیابی کو اسلام کے واحد سچا مذہب ہونے پر علی الاعلان پیش کیا اور تمام مذاہب کو بار بار چیلنج کیا کہ اگر وہ سچے ہیں تو خدا کو پانے اور اس سے ہمکلامی کا ثبوت دیں ورنہ اسلام کو قبول کریں جس پر چل کر خدا ملتا ہے جیسا کہ آپ کو مل گیا۔

آپ پر جو وحی و الہام نازل ہوئے (اور وہ بکثرت تھے) انہوں نے نہ صرف زندہ خدا پر زندہ ایمان کو مستحکم کیا بلکہ اسلام کی حقانیت اور برتری کا ناقابل شکست ثبوت دیا اور اس طرح مسلمانوں میں سے ان کو جنہوں نے آپ کو قبول کیا زندہ خدا پر زندہ ایمان کی نعمت میسر آئی۔ اور دوسرے مذاہب پر اتمام حجت بکمال ہوئی۔ آپ نے کیا خوب لکھا ہے ؎

کوئی دیں ایسا نہیں ہے کہ نشاں دکھلائے
یہ ثمر باغ محمدؐ میں ہی پایا ہم نے

اس سے سلا دو اسلام کے متعلق مسلمانوں میں غیروں کے پیدا کردہ وساوس کو دور کرتے اور اسلام پر ان کا ایمان تازہ اور مستحکم کرنے کے لئے جہاں حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کے بعض غلط عقائد کی اصلاح کی (مثلاً حضرت عیسےٰؑ کا زندہ حیّ و قیوم آسمان پر بیٹھے ہونا یا دوسری خدائی صفات رکھنا۔ مثلاً پرندوں کو تخلیق کرنا یا مُردوں کو زندہ کرنا جو بموجب قرآن کریم صرف اللہ تعالےٰ کر سکتا ہے، یا ناسخ و منسوخ کا عقیدہ جو کہ بموجب آیت قرآن لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ خود قرآن کو نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ کی کتاب کے بلند مرتبہ سے گراتا تھا، یا مرتد کے واجب القتل ہونے کا غلط عقیدہ جو کہ قرآن پاک کے صریحاً خلاف ہونے کے علاوہ عیسائیوں کے اعتراضات کو ثابت کرتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا اور تلوار ہی سے قائم رہ سکتا ہے جو کہ ایک سچے مذہب کی نشانی نہیں) بلکہ حضرت مرزا صاحب نے اسلام کے خوبصورت چہرہ اور سراپا حسن کو اپنی متعدد کتابوں اور تقاریر سے دنیا کو دکھایا۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال آپ کا مضمون "اسلامی اصول کی فلاسفی" ہے جو لاہور میں تمام مذاہب کی کانفرنس میں ۲۷ دسمبر ۱۸۹۶ء کو سنایا گیا اور جو بالاتفاق اس بین المذاہب مقابلہ کا بہترین مضمون قرار دیا گیا۔ جس کی نسبت حضرت اقدس کو پہلے سے الہاماً خوشخبری دی گئی تھی کہ "مضمون بالا رہا"۔ آج بھی وہ مضمون اسلام پر ایک شاہکار ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ "ٹیچنگز آف اسلام" کے نام سے حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب نے کیا تھا دنیا بھر میں پھیلا۔

اسی طرح حضرت اقدس کی خواہش کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و تفسیر کی جائے اور اسلام پر ایک جامع کتاب زبان انگریزی میں لکھی جائے۔ اُسے بھی حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب مرحوم نے اپنے انگریزی ترجمہ و تفسیر اور کتاب "دی ریلیجن آف اسلام" نامی سے بخوبی پورا کیا۔ یہ دونو معرکۃ الآراء تصانیف دنیا بھر میں (بشمول عرب) ممالک میں جن میں عربی بولنے والے ممالک بھی ہیں، ترجمہ ہو کر پھیلی ہیں۔ اور انہوں نے اسلام کے متعلق ایک انقلاب نہ صرف غیر مسلم ذہنوں میں بلکہ خود مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ اس کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے اور جو کئی علماء کے خوف سے ملاں نہیں دیتا۔

حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا تھا ؎

جو دور خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

اس کام کو حضرت اقدس اور آپ کے مریدوں علی الخصوص حضرت مولانا محمد علی صاحب نے بخوبی ادا کیا۔ حضرت اقدس کو اس بارہ میں ایک اور عظیم الشان خوشخبری پہلے سے دی گئی تھی جو درج ذیل ہے:۔

الہامی پیشگوئی

حضرت اقدس کو الہام ہوا:۔

"اِنّی مَعَکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ اَجْمَعُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ لِیَجْتَمِعُوْا عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ ۔"

ترجمہ:۔ "میں تیرے ساتھ ہوں اے رسول اللہ کے بیٹے۔ **سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو دینِ واحد پر۔**"

حضرت اقدس نے خود اس الہام کی تشریح میں فرمایا:۔

"یہ امر جو ہے کہ سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو علیٰ دینٍ واحدٍ یہ ایک خاص قسم کا امر ہے۔ احکام اور امر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک شرعی رنگ میں ہوتے ہیں جیسے نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ خون نہ کرو وغیرہ۔ اس قسم کے اوامر میں ایک پیشگوئی بھی ہوتی ہے کہ گویا بعض ایسے بھی ہوں گے جو اس کی خلاف ورزی کریں گے۔ جیسے یہود کو کہا گیا کہ توریت کو محرّف مبدّل نہ کرنا یہ بتاتا تھا کہ بعض ان میں سے کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غرض یہ امر شرعی ہے۔ اور یہ اصطلاح شریعت ہے۔

دوسرا امر کونی ہوتا ہے۔ اور یہ احکام اور امر قضا و قدر کے رنگ میں ہوتے ہیں جیسے قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا اور وہ پورے طور پر وقوع میں آ گیا۔ اور یہ امر جو میرے اس الہام میں ہے یہ بھی اسی قسم کا معلوم دیتا ہے کہ **مسلمانان روئے زمین علیٰ دینٍ واحدٍ جمع ہوں گے اور وہ ہو کر رہیں گے۔ ہاں اس سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کوئی کسی قسم کا بھی اختلاف نہ رہے۔ اختلاف بھی رہے گا مگر وہ ایسا ہوگا جو قابلِ ذکر اور قابلِ لحاظ نہیں۔**"

(اخبار الحکم۔ مؤرخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء)

اس الہام میں حضرت مرزا صاحب کو "اے رسول اللہ کے بیٹے" کہہ کر خطاب کیا گیا۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اور خلیفہ ہیں اور جس طرح باپ کی وفات کے بعد بیٹا اس کے کام کو جاری رکھتا ہے۔ آپ جو کام کر رہے تھے وہ دراصل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس بارہ میں وقت پر خوشخبری تھی کہ یہ کام ہو کر رہے گا جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے خود تمام مسلمانوں کو دینِ واحد پر جمع کرنے کی عملی کوشش حضرت اقدس نے کئی رنگ میں کی جس میں نمایاں اہمیت اس اعلان کو تھی کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور بقول حضرت امام ابو حنیفہؒ جس کا حضرت مرزا صاحب نے اعادہ کیا کہ اگر کسی مسلمان میں ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں مگر ایک وجہ اسلام کی ہو تو وہ مسلمان ہے۔ حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ :-

"میرے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔"

اور بجائے فقہی جھگڑوں کے جن میں اس وقت کے مسلمان علماء اور ان کے پیچھے عامۃ الناس الجھ کر تفرقہ اندازی پیدا کر رہے تھے حضرت اقدس نے قرآن کریم [illegible] پیش کیا [illegible] ہے کہ یہ کوئی امر ہے اور انشاء اللہ ہو کر رہے گا۔

اسلام کا احیاء اور اس کی طرف تمام مسلمانوں کے دلوں میں تحریک ہونا اور بعض ممالک مثلاً پاکستان، ایران، سعودی عرب اور تمام مشرقِ وسطےٰ بلکہ شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک میں نفاذِ شریعت اسی امر کی طرف عملی اقدام ہیں۔

مسلمان بھائیوں سے اپیل

میں اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کیا وہ شخص جس کی جدوجہد اور دعاؤں سے چودھویں صدی ہجری میں یہ عظیم الشان اور تاریخی، دینی، سیاسی اور سب سے بڑھ کر مذہبی، اقتصادی اور سماجی انقلابات آگئے ہیں جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے سے دے دی تھی کوئی جھوٹا اور مفتری انسان تھا؟ کیا یہ عظیم الشان محسن اسلام مسلمانان کو کافر اور مفتری کہہ کر وہ ظلمِ عظیم نہیں کر رہے صرف اس مقدس انسان پر بلکہ اپنے نفسوں پر بھی؟

اگر مرزا صاحب نعوذ باللہ جھوٹے اور مفتری انسان تھے تو پھر چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ پچھلی تیرہ صدیوں میں سے بعض میں ایک سے زیادہ مجدد کا نام لیا جاتا ہے مگر موجودہ صدی میں صرف ایک انسان نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ تھے حضرت مرزا غلام احمد صاحب۔ آپ کا دعویٰ قرآن و حدیث نبوی کی تصدیق ہے۔ اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو پھر حدیث مجدد جس کی تصدیق میں ہر صدی کے سر پر مجددین آتے رہے جن میں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی۔ اس برصغیر میں مبعوث ہوئے۔ اس حدیث اور ان مجددین کی پوزیشن کیا بنتی ہے۔

قرآن پاک نے یاجوج ماجوج (عیسائی اقوام) کے خروج اور غلبہ کی پیشگوئی اور آنحضرت صلعم نے دجال کے لقب سے ان اقوام کے متعلق پیشگوئیاں فرمائیں وہ سب پوری ہو گئیں مگر یہ کیا تماشہ ہے کہ یاجوج ماجوج اور دجال کے خروج کے ساتھ مسیح موعود کے آنے کی جو پیشگوئی تھی وہ نعوذ باللہ پوری نہ ہوئی! اس کے علاوہ سینکڑوں احادیث مسیح موعود کے زمانہ کی نشان دہی کرتی تھیں وہ تو پوری ہو گئیں مگر وہ مسیح موعود کہاں ہے؟

اگر وہ حضرت مرزا صاحب نہیں جو فردِ واحد ہیں جنہوں نے اس موجودہ فتنہ کے استیصال کے لئے تاریخی کام سر انجام دیئے؟ اگر رسول اللہ صلعم نے اس مسیح موعود کا کام یکسر الصلیب فرمایا تو وہ کام کس نے کیا۔ میں بتاتا آیا ہوں کہ تحریری اور تاریخی شہادت موجود ہے کہ وہ کام حضرت مرزا صاحب نے بوجہ احسن سر انجام دیا۔

اگر مسلمان امام مہدی کے ذریعہ سلطنت چاہتے تھے تو وہ بھی حضرت مرزا صاحب کی دعاؤں نے عیسائیوں کا دینی و دنیوی غلبہ توڑ کر مسلمانوں کو دلا دی جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں۔

الغرض حضرت مرزا صاحب کے تینوں دعاوی یعنی :-

(۱)- مجدد صدی چہاردہم - (۲) مسیح موعود (۳) اور مہدی زمان ہونے کے اس صدی کے پورا ہونے سے پہلے پورے ہو گئے اور یوں اتمامِ حجت ہو گئی چاہے کوئی مانے یا حقائق سے آنکھیں بند کر لے۔

بسفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا دورۂ سرینام

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سینئر نائب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام و چیئرمین کمیٹی تبلیغ بلادِ غیر جماعت احمدیہ سرینام کی دعوت پر وہاں گولڈن جوبلی کی تقریبات میں شمولیت کے لئے (جو ۱۵ نومبر تا ۲۵ نومبر منعقد ہو رہی ہے) یہاں سے ۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو بذریعہ ہوائی جہاز اپنے اس للّٰہی سفر پر باوجود کمزوری صحت روانہ ہو گئے۔ یہ عمر یہ بڑھاپے پر اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اس قدر طویل سفر کا عزم غلبۂ اسلام کے لئے آپ کی اس دلی تڑپ اور لگن کا عکاس ہے جو آپ کی دل کی گہرائیوں میں متحرک ہے۔ آپ ایک وفد کی قیادت کر رہے ہیں جو پاکستان اور دوسری بیرونی جماعتوں سے اس کنونشن اور جوبلی میں شرکت کے لئے اکتوبر کے آخری ایام میں روانہ ہونے والا ہے۔ آپ عید الضحیٰ تک انگلستان میں قیام کریں گے۔ اور وہاں کی جماعت کو اپنی روحانی برکتوں سے بہرہ ور فرمائیں گے۔

عید الضحیٰ کے بعد براستہ میکسیکو آپ سرینام روانہ ہوں گے۔ میکسیکو میں آپ کا قیام ایک ہفتہ تک رہے گا۔ وہاں آپ نے گذشتہ سال سلسلہ کی کتابیں سپین کی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے دی تھیں۔ اگر وہ ترجمہ مکمل ہو گیا ہو تو ان کی طباعت اور اشاعت کا انتظام کریں گے۔

کنونشن کے بعد آپ براستہ انگلستان عازم لاہور ہوں گے۔ اور امید ہے کہ دسمبر کے دوسرے ہفتے واپس لاہور پہنچ جائیں گے۔

احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی بخیریت واپسی اور اس للّٰہی سفر میں نمایاں کامیابی کے لئے دل سے دعا کرتے رہیں کہ اللہ پاک کے افضال ہر حال میں ان کے شاملِ حال رہیں۔

وہ پیکرِ تنویر جو پیری میں جواں ہے + لاریب مجدد کی صداقت کا نشاں ہے
اوصافِ محمدؐ کا ثناخوان و خوش الحان + دانائے مقاماتِ مسیحائے زماں ہے
وہ جس نے کیا دین کو دنیا پہ مقدم + وہ جس کی نظر محرمِ اسرارِ نہاں ہے
جو تارکِ لذات ہوا حق کی طلب میں + جو فقر میں بھی باعثِ صد رشکِ شہاں ہے
یہ عمر یہ تبلیغ کا جذبہ یہ عزیمت + حیرت زدہ اس بزم کا ہر پیر و جواں ہے
اس مردِ خدا مست کا حق حامی و ناصر
جو نصرتِ اسلام کی راہوں میں رواں ہے

(بحوالہ) ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء رجسٹرڈ ایل ۱۳۸ شمارہ نمبر ۳۵

www.aaiil.org

تیرے بعد

بہ یادِ حضرت امیر مرحوم و مغفور

ابو راشد

سہمے سہمے سے ہیں کچھ صدق و وفا تیرے بعد
کتنے بے کیف ہوئے لطف و عطا تیرے بعد

جن کی آہوں کے ستاروں سے جواب آتے تھے
بے اثر ہو گئی پھر ان کی دُعا تیرے بعد

منزلیں دُور سہی پھر بھی نظر آتی تھیں۔
اب نگاہوں سے بھی اوجھل ہیں بخدا تیرے بعد

راستے شوق کے پیچیدہ ہُوا کرتے ہیں۔
ڈھونڈتے رہتے ہیں ہم راہنما تیرے بعد

"جس کے کپڑوں سے شہنشاہوں نے برکت ڈھونڈی"
سامنے اپنے وہ دامن نہ رہا تیرے بعد

تیرے دم سے تھی وہی دیں کے چمن کی رونق۔
دُھندلی دُھندلی ہے جو گلشن کی فضا تیرے بعد

آنِ واحد میں جو سُلجھائے مسائل تُو نے
بن گئے آج وہی ہوش رُبا تیرے بعد

مہدیٔ وقت کا منصورِ ظفر یاب ہے تُو
تیرے رشحات ہیں اب حشر بپا تیرے بعد

بے خبر مُنہ کو جو آتے ہیں خبرداروں کے
اُن کو جرأت یہ ہوئی جانِ صبا تیرے بعد

ولولہ و شوق کہاں؟ جوش کہاں؟ ہوش کہاں؟
کیا ہُوا ہو گئے سب ہم سے خفا تیرے بعد

"مُفتیٔ شہر بہ ایں دعوئ ترکِ دُنیا۔
تھا مگر بندۂ صد حرص و ہوا تیرے بعد"

میری آہوں پہ نہ جا، اشکوں کی رفتار کو دیکھ
مینہہ برستا ہے تو اے موجِ ہوا تیرے بعد

انجمن کچھ بھی سہی ہے تو سراپا تیرا
ڈھیلے ڈھالے سے ہیں گو بندِ قبا تیرے بعد

ہفت روزہ پیغام صلح ـــ لاہور ـــ مؤرخہ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء

"ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق"

"احمدیت را وجودت مایۂ صد افتخار
قوم احمد را بعالم فخر دوراں کردہ"

۱۳؍ اکتوبر ۱۹۵۱ء حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا یوم وصال ہے۔ سن ہجری کے مطابق وہ دن دسویں محرم الحرام کا دن تھا۔ وہ دن جس دن جگہ گوشہ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت کربلا کے میدان [illegible]

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

وہ لوگ جو خدا کی راہ میں اپنی جان دے دیتے ہیں وہ ہرگز نہیں مرتے۔ وہ ہمیشہ زندہ جاوید ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم اس فلسفۂ زندگی سے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتی ہے نا واقف ہوں۔ ان کا نام لوح زمانہ پر ایسا گہرا نقش ہوتا ہے کہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ وہ آنے والی نسلوں کے لئے کچھ ایسی روشن اور تابندہ یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں جو نہ آنکھوں سے اوجھل ہو سکتی ہیں اور نہ دلوں سے مٹ سکتی ہیں۔ وہ خود زندہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو زندگی بخش جاتے ہیں۔

اقتدار و دولت کے راستوں سے ان کا راستہ بالکل الگ ہوتا ہے اس راستہ پر صرف وہی چل سکتا ہے جسے پاؤں پر نہ چھالے پڑنے کا خوف ہو اور نہ خارِ مغیلاں سے ان چھالوں کے پھوٹنے کا ڈر۔ اسے عشق و مستی کی انتہا کہہ لیجئے یا جنونِ عشق کے انداز جو کسی صورت چھٹ نہیں سکتے۔ ان کے لئے اس راہ میں ہر دکھ راحت اور ہر درد ایک لذت بن جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد علی رح کی زندگی بھی ایک ایسے ہی دردِ عشق سے عبارت تھی کہ وہ شمع کی طرح پگھلتے بھی رہے اور محفل خوباں کو روشن بھی کرتے رہے لیکن شمع جب جل بجھتی ہے تو محفل سونی اور تاریک ہو جاتی ہے۔

آپ نے اپنی عمر طبعی شمع کی طرح رو کر گذاری اور ہنس کر بھی۔ وہ تنہائی کا رونا اس لئے تھا کہ قرآن کو ہم دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔ تاکہ اس کے نور سے ساری دنیا کے انسانوں کے سینے منور ہو جائیں، اور انہیں امن و سلامتی کی وہ منزل نظر آجائے جس سے وہ بھٹک گئے ہیں اور اس کی جگہ وہ اتنی اندھیری بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ گئے ہیں کہ ان سے نکلنے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ اور ہنس کر اس طرح کہ اس غم اور فکر میں بڑے بڑے زخم بھی کھائے جنہیں اپنے تبسم کے دامن میں چھپا دیا۔

اپنے متعلق کبھی کوئی ناخوشگوار بات سنی تو ایک ہلکی سی مسکراہٹ خاموش لبوں پر کھل گئی جس میں سارے غم تحلیل ہو کر رہ گئے۔ وہ صبر و سکون اور عزم و حوصلہ کا ایک پہاڑ تھا جسے اپنی جگہ سے کوئی نہ ہلا سکا۔ وہ ایک خاموش ساحل تھا جس پر طوفانی لہریں اپنا سر پھوڑ کر واپس چلی جاتیں۔ کوئی اسے مبالغہ سمجھے لیکن ہم نے یہ اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے۔ کتابوں میں پڑھا بھی ہے اور سنا بھی ہے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔

۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۱ء تک ہم دیکھتے چلے آتے ہیں۔ ۳۴ سال کا عرصہ کوئی کم عرصہ نہیں۔ ہمیں یہ دعوے نہیں کہ ہم نے انہیں خلوت میں دیکھا ہے لیکن جو جلوت میں نظر آیا اسی پر خلوت کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ہماری نگاہیں تو خطا کر سکتی ہیں لیکن مامور کی فراست تو خطا نہیں کر سکتی۔ جو یہ فرماتے ہیں کہ:

"ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں .... اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اور اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو [illegible] طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے۔"

مجموعہ اشتہارات۔ ۹؍ اگست ۱۸۹۹ء

"میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھلائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔"

(مجموعہ اشتہارات ۱۸۹۹ء)

مامورانِ الٰہی کی نظرِ کرم تو مسِ خام کو کندن بنا دیتی ہے اور جہاں پہلے سے ہی ایسی صفات حمیدہ موجود ہوں اس کے درجات کا کیا کہنا۔ حضرت امیر مرحوم خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں:–

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

اس ہم نشین کے جمال نے اس مٹی میں کیا اثر کیا کہ اس سے گلہائے رنگا رنگ کھلے جن کی خوشبو قلب و روح کو معطر کر گئی اور کر رہی ہے۔

حضرت صاحب کے یہ الفاظ "ایسے ہونہار لڑکے" قابلِ غور ہیں۔ ہمارے جو بزرگ ہم سے جدا ہو گئے ہیں یا جو تھوڑے بہت باقی ہیں انہوں نے لڑکپن اور جوانی میں حضرت صاحب کو پہچانا اور ان کا ساتھ دیا۔ آپ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد کیا اور اس عہد کو بڑی وفاداری سے آخری دم تک نبھایا۔

"ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی قربانیوں کو پورا کیا اور وہ بھی ہیں جو ابھی اس کے پورا کرنے کے انتظار میں ہیں۔"

ہمارے بچوں اور جوانوں کے لئے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ "جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں" اور دنیا کی زندگی کے لئے آبِ بقائے دوام لانا نہیں۔ ہم میں سے جو بھی چلا جاتا ہے اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی راہ تکتے تکتے ہماری آنکھیں پتھرا جائیں گی لیکن ان میں سے اب کوئی بھی واپس نہیں آئے گا کہ ہماری انگلی پکڑ کر ہماری رہنمائی کرے۔ یہ بڑے فکر اور غم کی بات ہے کہ ہمارے اس قیمتی اثاثہ کا جو ہمارے بزرگ ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ کون وارث ہو گا۔ خدا نہ کرے کہیں یہ تو نہیں ہو گا کہ آنے والے طوفانوں اور آندھیوں میں ان کی شب و روز کی عرق ریزی کے ان پھلوں اور پھولوں کی پتیاں ورق ورق ہو کر فضاؤں

میں اس طرح بکھر جائیں گی کہ ہم انہیں پھر اکٹھا نہیں کر سکیں گے۔ ہمارے یہ اندیشے دُور دراز نہیں اور نہ یہ ایک بے معنی تصور ہے۔ اور نہ ہی ایک واہمہ۔ گرد و پیش کے حالات اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ مضمحل قویٰ اس ذمہ داری کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ وہ جانیں یا نہ جانیں یہ بوجھ جوانوں کے کندھوں پر آپڑا ہے۔ اب اس کشتی کے کھیون ہار وہی ہیں جو تجربہ کار ملاح پتوار اٹھانے کی سکت تو نہیں رکھتے ہاں یہ ضرور بتا سکتے ہیں کہ ساحل سے ہمکنار ہونے کے لئے دریا میں کونسا راستہ اور رُخ اختیار کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کی مومنانہ فراست آنے والے حالات اور واقعات سے جن سے اس جماعت کو دوچار ہونا تھا جانتی تھی اس لئے آپ نے اپنی جماعت کے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"آپ لوگ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے۔ قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا کوئی اور کام اس دنیا میں نہیں۔ یہ وہ کام جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحاء کو کھڑا کرتا رہا ہے .... اے میرے نوجوان دوستو! میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ ان کی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے۔"

(پیغام صلح۔ ۳۰ر نومبر ۱۹۳۸ء)

درد میں ڈوبے ہوئے اس پیغام کے ۱۳ سال بعد ہم نے اپنے اس قائد کے جسد خاکی کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اُتارا۔ آپ کی آخری وصیت بھی یہی تھی:—

"ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا۔ آگے قرآن اپنا کام آپ کرلے گا۔"

آیئے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر چند لمحوں کے لئے یہ سوچیں کہ کیا ہم نے اپنے قائد مرحوم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کے بعد اپنی روایات کو زندہ رکھنے اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے مقدور بھر کوشش کی۔ اور جماعت کی تعمیر میں کوئی مثبت کردار ادا کیا؟ اگر بُرا نہ مانیں تو ہمارا جواب نفی میں ہے اور گذشتہ ۲۸ برس کی ہماری تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

ماضی کے دریچوں میں سے ذرا سا جھانکیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ یہ **پیغام** اور **وصیت** دراصل **مجدد وقت** اور **مسیح موعود** حضرت **مرزا غلام احمد** صاحب قادیانی کے دل کی آواز تھی اور یہی آپ کا مشن اور مقصد تھا۔ آپ کی کوئی کتاب خواہ نثر کی ہو یا نظم کی اٹھا کر دیکھیں تو اس کے الفاظ سے اسی درد کی ٹیسیں اٹھتی سنائی دیتی ہیں کہ قرآن پڑھو۔ قرآن پڑھاؤ اور **قرآن** پہنچاؤ۔ آپ اپنے اس درد کا اظہار اپنے ان فارسی اشعار میں کرتے ہیں۔

دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نہ ماند
آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند
بینم کہ ہر کسے بہ غمِ نفس مبتلا ست
کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند
جانم کباب شد زِ غمِ ایں کتاب پاک
چنداں بسوختم کہ خود اُمید جاں نماند
اے سیّد الوریٰ مددے وقت نصرت است
در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

ترجمہ: "**افسوس** کہ قرآن کریم کا حُسن و جمال ظاہر نہیں ہُوا۔ یہ خود تو ظاہر ہے لیکن عارفوں کا اثر باقی نہیں رہا۔

دیکھتا ہوں کہ ہر کوئی اپنے ہی غم میں مبتلا ہے۔ اور کسی کو اشاعت قرآن کا غم نہیں رہا۔

اس پاک کتاب کے غم کی وجہ سے میری جان جل کر کباب ہو گئی ہے۔ میں اس طرح جل رہا ہوں کہ اپنے بچنے کی اُمید بھی باقی نہیں رہی۔

اے **سیّد الوریٰ** (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی مدد فرمائیں یہ مدد کا وقت ہے۔ تیرے اس باغ میں کوئی بھی باغباں نہیں رہا جو اسے آراستہ پیراستہ کرے۔"

اپنے مقتدا اور پیر و مرشد کا یہ غم حضرت مولانا محمد علیؒ نے اپنا لیا۔ حضرت صاحب نے اس آگ کی ایک چنگاری ان کے دل میں روشن کر دی جو ترقی کرتے کرتے ایک شعلہ بن گئی۔ حضرت مولانا بھی اسی آگ میں جلنے لگے جس میں حضرت صاحب جل رہے تھے۔ حضرت صاحب کی اس آرزو، تڑپ، جذبہ اور شوق کو حضرت مولانا نے اپنے رگ و ریشہ میں سمو لیا۔ اور یہ الفاظ اوراق کی شکل میں بیان القرآن انگریزی اور اردو کی صورت میں دنیا کے سامنے آئے۔ آپ کا کوئی خطبہ۔ کوئی تقریر یا تحریر یا کوئی نجی گفتگو ایسی نہ تھی جس میں قرآن کی اشاعت کا ذکر نہ ہو۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا:—

"اگر آپ نے اپنی نسل کی تعلیم قرآن کا کوئی ابھی سے بندوبست کیا تو پھر یہ جماعت خود اپنے ہاتھوں برباد ہو جائے گی۔ اس طرح آپ اپنے مقام سے گر جائیں گے .... خدا کو کسی کی پرواہ نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے دین کے کام رُک نہیں سکتے۔ اگر ایک قوم خدمت دین سے غافل ہو جائے گی تو اس کی جگہ دوسری قوم کو کھڑی کر دے گا۔"

(پیغام صلح۔ ۲۰ر فروری ۱۹۴۶ء)

آج ہم میں کتنے لوگ ہیں جو **قرآن** کریم پڑھنے پڑھانے اور اس کی اشاعت میں حصہ لیتے ہیں۔ اور کیا حضرت مولانا مرحوم کے یہ الفاظ حرف بحرف پورے نہیں ہوتے؟ یہ ذمہ داری ہماری ہے۔ سچ کڑوا ہوتا ہے لیکن یہ بات کہنے سے ہم رُک نہیں سکتے کہ ہم نے اپنے بچوں اور نوجوانوں کو نہ قرآن پڑھنے اور نہ سلسلہ کی کتب سے واقف ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس وطن میں ہمیں جو مشکلات درپیش ہیں۔ ان کا سبب یہی اپنے مشن سے ہماری بے توجہی اور غفلت ہے۔

اپنے سرمایہ کی ہم نے خود قدر نہیں کی تو دوسروں سے اس کی کیا قدر کرائیں گے۔ اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ **عہد بیعت** کو ہم نے نہ نظریاتی طور پر اور نہ ہی عملی طور پر نبھایا ہے۔ اور **قرآن** کریم میں جماعت بنانے کی جو غرض بیان کی گئی ہے یعنے بھلائی کی طرف بُلانا۔ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بُری باتوں سے روکنا۔ وہ غرض ہم نے ان ۲۸ سالوں میں پوری نہیں کی یہ غرض دیگر مسائل اور اُلجھنوں کی گرد میں جن سے ہم ابھی تک آزاد نہیں ہو سکے دب کر رہ گئی ہے۔

حضرت صاحب کے درد کو ہم نے اپنا درد اور حضرت مولانا مرحوم مغفور کی تڑپ کو اپنی تڑپ نہ جانا۔ اس سے ان کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آیا اور نہ آئے گا۔ آپ کی **علمی** اور **فکری عظمت** کا معترف وہ سارا **زمانہ** ہے جس کے ہاتھ میں آپ کے رشحاتِ قلم پہنچے ہیں۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۵۱ء تک ۵۷ کتابیں لکھیں۔ جن میں **انگریزی ترجمۃ القرآن**، **بیان القرآن اردو**۔ **فتح الباری شرح صحیح بخاری**۔ **دین اسلام** جیسی عظیم تصنیفات شامل ہیں اور ۱۹۰۷ء سے ۱۹۵۱ء تک ۸۷ ٹریکٹ

تحریر فرمائے۔ ان میں سے بہت سی کتابوں اور ٹریکٹوں کے دوسری زبانوں میں ترجمے بھی ہوگئے اور کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ آپ کے تصنیفی شاہکاروں کی مقبولیت کا اندازہ ہم پاکستان میں نہیں لگا سکتے۔ جو موتی ہمارے پاس ملکہ میں دبے ہوئے ہیں۔ وہ بیرون ملک دنیا کے گلوں کی زینت ہیں۔ لاہور کو لوگ مولانا "محمد علی" کے نام سے جانتے ہیں۔ ہم یہاں صرف دو تین مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ جس "محمد علی" کی ہم نے کماحقہٗ قدردانی نہیں کی وہ بیرونی مذہبی حلقوں کی آنکھوں کا تارا ہے۔

(۱) "ایک ترک جرنلسٹ خاتون جو ترکی کے اخبار "الوس" کی لندن میں اپنے اخبار کی طرف سے نامہ نگار تھیں۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں لاہور تشریف لائیں حضرت مولانا سے ان کی ملاقات کا موقع پیدا ہوا۔ گفتگو کے دوران میں انہوں نے بتایا کہ میں مذہب سے متنفر اور بیگانہ رہی ہوں لیکن جب میں لندن میں تھی تو مجھے آپ کا انگریزی ترجمۃ القرآن ملا اس کے پڑھنے سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے بعد میں نے اور دل میں یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ میں پاکستان جا کر اس شخص کے ہاتھوں کو بوسہ دوں گی جس نے قرآن اور مذہب سے دلچسپی کا دروازہ میرے لئے کھول دیا۔ سو خدا کا شکر ہے کہ آج مجھے یہ موقع نصیب ہوا ہے۔ انہوں نے مولانا کے ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ اگر آپ ترکی آئیں گے تو وہاں کے لوگ آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔"

۲۔ "محترمہ حبیبہ شعبان بکن صدر مجلس خواتین لبنان لکھتی ہیں کہ:
آپ کی کتاب محمد اینڈ کرائسٹ پڑھنے کے بعد میں نے اس کتاب کو چوما اور بار بار سینے سے لگایا کہ انہوں نے مجھے بہت سی ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات بخشی۔ اس خاتون نے آپ کی متعدد کتابوں کے ترجمے عربی میں کر کے بیروت سے خود چھپوائے ہیں۔"

۳۔ لاہور کی ایک معزز خاتون نے امریکہ سے واپسی پر بیان کیا کہ انہیں مولانا محمد علی صاحب کی عزت اور قدر و منزلت کا اندازہ پاکستان سے باہر جا کر ہوا۔ امریکہ میں ایک جگہ کچھ نومسلم مرد اور عورتوں سے ان کی ملاقات ہوئی اور جب انہیں پتہ چلا کہ یہ پاکستان سے آئی ہیں تو انہوں نے بہت شوق سے پوچھا کہ آپ کس شہر سے آئی ہیں اور جب لاہور کا نام سنا تو بہت خوش ہوئے، اور کہا کہ ہمیں مولانا محمد علی صاحب کے حالات بتائیں۔ وہ کیسے رہتے اور کیا کرتے ہیں۔ ہم انہیں کا انگریزی مترجم قرآن اور دوسری کتابیں پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔

۴۔ جناب یوسف ہارون نیو سندھ کے وزیر اعلیٰ اور آسٹریلیا میں پاکستان کے سفیر رہ چکے ہیں فرماتے ہیں کہ "میں آسٹریلیا میں ایک معمولی سے قصبہ میں دورہ پر گیا تو ایک آسٹریلین مجھے ملنے کے لئے آئے اور کہا کہ آپ کے ہاں ایک شہر لاہور ہے۔ اس میں کوئی مصنف محمد علی ہے جس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر کی ہے، اسے پڑھ کر میں اور میرا خاندان سب مسلمان ہو چکے ہیں۔" (ماخوذ از مجاہد کبیر)

یہ کوئی الف لیلوی کہانی یا افسانہ نہیں اور نہ ہی خیالات و تصورات کی صناعی ہے۔ بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے یہ بالکل سچ ہے کہ جس کے ہاتھ بھی یہ قرآن لگا وہ اس کے نشانہ سے بچ کر نہیں نکل سکا۔ مسلمانوں کا اسلام پر ایمان پختہ ہوا اور غیر مسلم اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ایسی ہزاروں مثالیں ہیں۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور "محمد علی" کے نام سے زندہ تھی بلکہ زندہ انجمن ہے۔ اور اب بھی اگر زندہ رہے گی تو اسی نام سے زندہ رہے گی۔ "محمد علی" حسد کے نہیں رشک کے لائق ہیں۔ ان کا لٹریچر نکال دیں تو ہمارے پاس کچھ نہیں رہتا۔ جس جرأت اور دلیری اور سائنٹیفک طریقے سے انہوں نے حضرت صاحب کے لٹریچر کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور آپ کی آرزو پوری کی اس کی

کوئی نظیر نہیں۔ مگر یہ انہیں کے ہاتھ سے مقدر تھا کیونکہ حضرت صاحب نے خود فرمایا تھا۔

"یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے"

اور حضرت مولانا فرماتے ہیں:

"اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی راہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے۔ جو اس عظیم مصلح مہدی و مجدد صدی چہاردہم بانی سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔"

(ترجمہ تمہید انگریزی تفسیر۔ ماخوذ از مجاہد کبیر)

یہی مطلب ہے حضرت صاحب کے ان الفاظ کا کہ:

"مجھ میں ہی داخل ہے"

اور حضرت صاحب کا یہ رؤیا بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے:

"حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا مرحوم آگے پیچھے دونوں ایک گھوڑے پر سوار ہیں جو نہایت تیز رفتاری سے ایک شہر کے گلی کوچوں کے اندر سے دوڑ رہا ہے اور ہر کونے پر خطرہ ہوتا ہے کہ ٹکرا جائے لیکن صاف نکل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک کھلے میدان میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں ایک شخص حضرت مولانا کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ ان کا نام ہے مجدد الدین یعنی تجدید دین کی جس غرض کے لئے حضرت صاحب تشریف لائے تھے۔ وہ آپ کے بعد مولانا محمد علی رح کے ہاتھوں پوری ہوگی۔ آپ نے اپنی تصنیفات میں اسلام کی اتنی خوبصورت اور دلآویز تصویر پیش کی ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے۔ اس کے اندر سے یہ آواز آتی ہے کہ یہی میری فطرت کی آواز ہے۔

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ "محمد علی" اپنی ذات میں علم و فکر کا ایک ادارہ تھے۔ ایک انجمن تھے۔ تحقیق و ریسرچ کی ایک INSTITUTION تھے۔ پیاسوں کی پیاس بجھانے کا ایک چشمہ تھے۔ دلوں کی خشک کھیتوں کے لئے آب کوثر تھے۔

اگر ہم نے اپنے دل و دماغ سے انہیں فراموش کر دیا تو علمی دنیا انہیں چراغ لے کر تلاش کرے گی۔ ہم بہت ہی خوش نصیب ہیں کہ ہمیں ایسا قائد ملا جس کی عظمت کی دنیا معترف ہے اور رہے گی۔ یہ باتیں ہم نے اس لئے نہیں لکھیں کہ ہم "پدرم سلطان بود" کے قائل ہیں۔ بلکہ اس کے واقعاتی شواہد موجود ہیں۔ آپ مغربی اور مشرقی دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں "محمد علی" کو جاننے والے مل جائیں گے۔ انہیں ہماری ضرورت نہیں۔ انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ہم ان کے فکر کو اپنا فکر اور ان کے غم کو اپنا غم بنا لیں اور ان کی اس آخری خواہش کو پورا کرنے کے لئے زندگی کے آخری لمحہ تک اس کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

سر دادم فدائے خاک احمدؐ ۔ دلم ہر وقت قربان محمدؐ
دریں رہ گر کشندم ور بسوزند ۔ نتابم رُو ز ایوان محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرۂ من ۔ کہ دیدم حسن پنہان محمدؐ
تو جان ما منور کردی از عشق ۔ فدایت جانم اے جان محمدؐ

(مسیح موعود)

ازقلم نصیر احمد فاروقی صاحب

حضرت امیر مرحوم کے اعلےٰ اخلاق، آپ کی عبادت و ریاضت، آپ کے علم و فضل، آپ کی اسلام اور احمدیت کے لئے خدمات، آپ کے زندہ جاوید لٹریچر وغیرہ وغیرہ موضوعات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس پرچہ میں بھی مجھ سے زیادہ اہل حضرات ان پر لکھیں گے - ان علمی مضامین کے سامنے میرا کچھ ذوقی اور ذاتی باتوں کو لکھنا اس پرچہ کے شایانِ شان تو شاید نہ ہوگا اس لئے میری ایڈیٹر صاحب پیغام صلح سے درخواست ہے کہ میرے مضمون کو سبقت نہ دیں بلکہ کہیں آخر میں رکھیں ۔

داتا گنج بخش

یوں تو حضرت امیر مرحوم کی میرے دل میں یاد اس سے قبل کی ہے مگر جس بات سے میں اس مضمون کو شروع کرنے لگا ہوں وہ ۱۹۱۴ء کے اخیر کی یا ۱۹۱۵ء کے شروع کی ہے ۔ میرے والد مرحوم نے مجھے کہا کہ گئی رات انہوں نے ایک خواب دیکھا جو وہ مجھے اس لئے سُنانا چاہتے ہیں کہ میرے متعلق بھی اس کا کچھ حصہ ہے ۔

فرمانے لگے کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ اور میں ایک ٹانگہ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہیں ۔ ٹانگہ کھڑا ہے ۔ دُور اُفق میں ایک عظیم الشان شخص ہے جس کے پیر تو زمین پر ہیں مگر سر آسمان سے باتیں کر رہا ہے ۔ اور وہ شخص ہماری طرف آ رہا ہے ۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ عام طور پر تو جو شخص قریب آ رہا ہو اس کا قد لمبا ہوتا چلا جاتا ہے ۔ مگر اس رجل عظیم کا قد جوں جوں وہ قریب آتا ہے کم ہو کر عام انسانوں کی طرح ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ جب وہ بالکل قریب آتا ہے تو ہم دونوں نے پہچانا کہ وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب ہیں ۔ مگر رؤیا میں میرے والد مرحوم کو کوئی شخص کہتا ہے ۔ ـــــــ

"یہ حضرت داتا گنج بخش ہیں ۔"

انہیں دیکھ کر میں (نصیر احمد) بولا : ـــــــ

"جناب میرے لئے دُعا فرمائیں"۔

مولانا نے مسکرا کر جواب دیا : ـــــــ

"میں تو ضرور کروں گا مگر آپ بھی اپنے لئے دُعا کیا کریں"

میرے والد مرحوم نے اس رؤیا کی کوئی تعبیر اس وقت تک نہ کی - اور کرتے بھی کیا اس زمانہ میں حضرت مولانا مرحوم قادیان سے ہجرت کر کے لاہور آئے تھے - اور مستقبل تاریکی میں تھا ۔ مگر "داتا کی نگری" لاہور آن کر ہی آپ کی وہ عظیم الشان تصنیفات لکھی گئیں اور چھپیں اور دنیا میں پھیلیں جو واقعی آپ کو داتا گنج بخش اصل معنوں میں بناتی ہیں ۔

آپ وہ داتا گنج بخش ہیں جنہوں نے علم و فضل، رُوحانیت و معرفت حکمت و اخلاقیات کے خزانے لٹا دیئے ۔ جن سے تمام دُنیا بہرہ ور ہوئی، ہو رہی ہے، اور ہمیشہ ہوتی رہے گی ۔ آپ کی باطنی و روحانی عظمت واقعی ایسی تھی کہ اگرچہ آپ کے پیر اس دُنیا کی زمین پر تھے مگر آپ کا سر آسمان تک پہنچا تھا جہاں سے وہ علم و معرفت اور رُوحانیت کے مضامین پا رہا تھا ۔

جہاں تک اس رؤیا میں میرا تعلق ہے حضرت امیر مرحوم نے تو اپنا وعدہ بخوبی نباہا اور سالہا سال میری دُنیا اور دین کی بھلائی کے لئے دعائیں کیں - مگر افسوس ہے کہ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل نہ کی اور اپنی فکر نہ کی ۔

[illegible] مرحوم کے آخری دِنوں میں ہوا جب وہ کراچی میں میرے غریب خانہ پر ٹھہرے ہوئے تھے ۔ حضرت مرحوم کی یہ عادت نہ تھی کہ اپنے رؤیا یا کشوف کا ذکر کریں یا لوگوں کو بتائیں کہ انہیں الہام بھی ہوتا ہے ۔ مگر ایک دن میں ان کے کمرہ میں گیا تو فرمانے لگے : ـــ

"مجھے ابھی آواز آئی یا عظیم المرتبۃ"!

کسر نفسی جو حضرت امیر مرحوم میں انتہائی تھی اس کی وجہ سے آپ نے سمجھا کہ عظیم المرتبۃ کے الفاظ اگرچہ انہیں کہے گئے ہیں مگر ہیں اللہ تعالےٰ کی نسبت ۔ تو فوراً ہی اگلا الہام ہوا : ـــــــ

"و یا ضعیف الجثۃ"

گویا اس الہام نے واضح کر دیا کہ اس عظیم المرتبت انسان کو اب اپنے ضعیف بیمار جسم کو چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کو پیارا ہونا ہوگا - اور ایسا ہی ہوا ۔

اللہ کا پیارا

یہ الفاظ ہم رسماً ہر متوفی کے لئے کہتے ہیں ۔ مگر یہ الفاظ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ایک الہام کے ذریعہ حضرت مولانا کے لئے فرمائے ۔ ہوا یوں کہ ۱۹۵۰ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر میں کراچی سے لاہور آیا ہوا تھا اور حضرت مرحوم کے گھر پر ٹھہرا ہوا تھا ۔ جلسہ کے دو تین روز کے بعد میں ایک سہ پہر کو ان کے بستر مرض کے قریب گیا تو دیکھا کہ بہت فرحت محسوس کر رہے ہیں ۔ میں نے پوچھا ۔ "جناب کی طبیعت کیسی ہے ؟"

تو فرمانے لگے : ـــــــ

"میں نے ابھی ایک عجیب نظارہ دیکھا ۔ دیکھا کہ ایک نہایت حسین و جمیل اور نورانی انسان ہے اور مجھے تفہیم ہوتی ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالےٰ ہے اور میں اس کی گود میں ایک بچے کی شکل میں لیٹا ہوا ہوں ۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے زور سے سینہ سے بھینچا تو فرط محبت سے بے قرار ہو کر میں نے اس کے کرتہ کے بٹن کھول کر اس کے سینہ سے چمٹ کر کہا اللّٰھم انت محبّی فادخلنی من احبائک"

میں (راقم الحروف) اس وقت حضرت امیر مرحوم کے پاس اکیلا تھا ۔ مگر اتنے میں کوئی اور صاحب تشریف لے آئے تو میں نے انہیں یہ کشف و الہام سُنانا چاہا مگر حضرت نے مجھے اشارہ کر کے منع کیا ۔ مگر ان کی وفات کے بعد میں اس کا ذکر کرنے میں حرج نہیں سمجھتا ۔

سید اسد اللہ شاہ صاحب مرحوم

حضرت امیر کی زندگی میں ہی جبکہ وہ دن رات خدمت دین میں لگے ہوئے تھے ہماری جماعت کے معروف مُلہَم و صاحب کشف بزرگ سید اسد اللہ شاہ صاحب نے ایک خط میرے بڑے بھائی ممتاز احمد فاروقی کو لکھا جو انہوں نے مجھے بھجوا دیا ۔ اس میں شاہ صاحب نے لکھا کہ انہیں الہام ہوا : ـــ

کان خلیفتنا فی الارض یقال لہٗ محمد علی هو لیلۃ القدر و الیہ مرجعکم ۔

یعنے اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرمایا کہ ہمارا زمین میں جو خلیفہ ہے اس کا نام محمد علی ہے ۔ اس کی ذات میں لیلۃ القدر کی طرح انوار و برکات آسمانی کا نزول ہو رہا ہے ۔ اور تمہیں ـــ

(یعنی جماعت کی یا مسلمانوں کو کیونکہ صیغہ جمع کا ہے) اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ یعنی اس کی مدد کو جانا چاہیئے۔"

یہ الہام اس شدت کا تھا کہ شاہ صاحب نے لکھا کہ جب وہ حالت ہٹی تو میں اس کی شدت سے ہائے ہائے کر رہا تھا اور باوجود سخت سردیوں کی رات کے پانی پانی پکار رہا تھا۔

ایک ہندو کی شہادت

میری ہمشیرہ زبیدہ کا بیگم جو مولانا یعقوب خان صاحب کے گھر میں تھیں۔ اُن کا آخری بچہ ہونے پر ان پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ بالکل صاحب فراش ہوگئیں۔ بہت سے ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر میں میڈیکل کالج لاہور کے مشہور پروفیسر کرنل ہارپر نیلسن کو بلایا گیا۔ انہوں نے کچھ دن کے علاج معالجہ کے بعد کہا کہ یہ فالج خود وارد کردہ ہے کہ مریضہ نے وہم کر کر کے اپنے اوپر وارد کر لیا ہے اس لئے دوائیاں بے کار ہیں کسی ہپناٹسٹ سے علاج کرا کر دیکھو۔ ان دنوں میں لاہور میں صرف ایک ہپناٹسٹ تھا جو ہندو تھا اور مال روڈ پر شاہ دین بلڈنگ میں اوپر کی منزل پہ کام کیا کرتا تھا۔ اس نے آ کر ہپناٹزم کرنا شروع کیا تو واقعی میری ہمشیرہ کو کچھ کچھ فائدہ ہونے لگا۔ اور ان کی بانہہ اور ٹانگ حرکت کرنے لگی۔

ایک دن جو وہ آیا تو میرے والد کے علاوہ حضرت امیر مرحوم بھی وہاں موجود تھے۔ تھوڑی دیر کوشش کرنے کے بعد وہ ہندو میرے والد کو باہر لے گیا اور کہنے لگا:—

"اس دوسرے شخص کو کہو کہ وہ چلا جائے"

میرے والد حضرت امیر مرحوم کے ساتھ ایسی گستاخی کیسے کر سکتے تھے۔ انہوں نے پوچھا "مگر کیوں؟" تو وہ ہپناٹسٹ بولا:—

"اس شخص کے قلب کی طاقت اس قدر زیادہ ہے کہ میری ہپناٹزم اس کے آگے نہیں چلتی۔"

اس پر میرے والد نے مجبور ہو کر حضرت امیر مرحوم کو باہر بلا کر سب بات سنائی تو وہ مسکرا کر تشریف لے گئے۔

اس مضمون میں گنجائش نہیں ورنہ میں بتاتا کہ حضرت موسیٰ اور مصری جادوگروں کے واقعہ میں بھی یہی راز تھا کہ اہل اللہ کو وہ قلبی طاقت دی جاتی ہے کہ دنیادار اس قسم کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاتے ہیں۔

پاسِ ادب

میرے والد اگرچہ خود زبردست عالم و فاضل اور صاحب باطن و روحانیت تھے۔ مگر وہ حضرت امیر مرحوم کی جو اگرچہ داماد تھے اپنے پیر و مرشد کی طرح عزت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ سناؤں۔ میں ڈلہوزی میں چھٹی لے کر اپنے والد کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ جمعہ کا دن آیا تو ہم دونوں جمعہ کی نماز کے لئے دارالسلام جو پاس تھا وہاں گئے۔ خطبہ جمعہ میں حضرت امیر مرحوم نے ایک آیت کی جو تفسیر کی وہ میرے دل کو نہ لگی (یہ غیر معمولی بلکہ واحد بات تھی) واپسی پر میں نے اپنے والد مرحوم سے کہا:—

"حضرت مولانا کی فلاں آیت کی تفسیر میرے دل کو نہیں لگی۔"

میرے والد مرحوم نے فرمایا:—

"میرے دل کو بھی نہیں لگی۔" تو میں نے کہا:—

"خطبہ کے بعد آپ نے پوچھ کیوں نہ لیا؟" فرمانے لگے "پاس ادب کی وجہ سے"۔

اللہ اللہ! میرے والد جیسا عالم و فاضل انسان بھی یہ سمجھتا تھا کہ اگر میں کوئی بات سمجھ نہیں آئی تو وہ ہماری سمجھ کا قصور ہے۔ بہرحال اس بحرِ علم و معرفت کے آگے زبان کھولنا خلافِ ادب سمجھا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم

ڈاکٹر سر محمد اقبال جو کبھی احمدیت اور احمدیوں کے مدّاح تھے بعد میں کچھ وجوہ کی بناء پر مخالف ہو گئے تھے۔ جب وہ مرض الموت میں بیمار تھے تو باوجود ان کی مخالفت کے حضرت امیر مرحوم کی وسعتِ قلبی اس قدر زیادہ تھی کہ وہ مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب باتوں کے دوران فرمانے لگے:—

"مولانا! مسلمان نوجوانوں کی فکر کیجئے، وہ دین سے دن بدن دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔"

مولانا نے فرمایا:—

"آپ نے بھی تو ان کے لئے بڑا کام کیا ہے" (یعنی اپنے اشعار و تقاریر کے ذریعے)

اس پر ڈاکٹر اقبال رو پڑے اور کہنے لگے:—

"مولانا میرے کلام پہ سر تو سب دھنتے ہیں مگر اثر نہیں ہوتا۔"

ایک مجلس کا بیان

شہر بمبئی کے قریب ایک ضلع تھانہ نامی ہے۔ میں وہاں ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۴ء رہا۔ اس دوران میں حضرت امیر مرحوم کا مانگرول آنا ہوا تو میں نے انہیں لکھا کہ اس قدر قریب آن کر اگر وہ غریب خانہ پر بھی تشریف لائیں تو میری خوش قسمتی ہوگی۔ آپ جو سراپا شفقت تھے اپنے پروگرام کو درہم برہم کر کے اور خاص تکلیف اٹھا کر تشریف لائے اور کچھ دن قیام بھی فرمایا۔

اس قیام کے دوران میں نے تھانہ ضلع کے چند مسلمان عمائدین کو چائے پر بلا کر حضرت امیر مرحوم سے تعارف کرایا۔ آپ نے اس مختصر سی محفل میں تقریر بھی فرمائی جس میں جماعت احمدیہ لاہور کی خدماتِ اسلامی کا ذکر فرمایا۔ تقریر کا نہایت اچھا اثر ہوا اور ان مٹھی بھر حاضرین نے قریباً دس ہزار روپے کے چندوں کے وعدے کئے۔ وہ یہ بھی کہتے سنے گئے کہ انہیں بالکل معلوم نہ تھا کہ ایسا اچھا کام ہو رہا ہے۔ اور جاتے ہوئے انہوں نے حضرت امیر کے ہاتھ کو چوما۔

تقریر کا اثر ایسا اچھا ہوا تھا کہ دس ہزار سے بھی زیادہ چندہ ہو جاتا مگر ہوا یوں کہ تقریر کے اختتام پر ایک مقامی وکیل صاحب نے جو طبیعت کے بہت جوشیلے تھے کھڑے ہو کر یک دم کہہ دیا:—

"ہم سب کو احمدی ہو جانا چاہیئے"

اس فقرہ کا یہ اثر ہوا کہ تمام مجلس درہم برہم ہو گئی اور سامعین نے جوش میں آن کر ان کو ڈانٹا۔ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ اب دس ہزار کے وعدے پورے ہوں گے یا نہیں۔ مگر بعد میں ان لوگوں نے خود اپنے دوستوں میں تحریک کر کے دس کی جگہ بارہ ہزار روپے چندہ دیا۔ حضرت امیر جن کی طبیعت میں پاکیزہ مزاح اور شگفتگی بہت تھی فرمانے لگے:—

"یہ تھانہ نہیں خزانہ ہے"

اسی قسم کے پاکیزہ مزاح کا ایک چھوٹا سا واقعہ اور یاد آیا۔ اسی قیام تھانہ میں حضرت امیر مرحوم کو اپنے پرسنل اسسٹنٹ مولوی عبدالوہاب صاحب کو کسی کام کے لئے بمبئی شہر بھیجنا تھا۔ جو تھانہ ضلع کے بالکل ساتھ ۲۰، ۲۲ میل کے فاصلہ پر تھا اور بجلی کی ٹرینیں ہر دس بیس منٹ کے بعد چلتی تھیں۔ مگر مشکل یہ آن پڑی کہ مولوی عبدالوہاب صاحب بمبئی شہر سے بالکل ناواقف اور اجنبی تھے۔ حسنِ اتفاق سے مولانا عمر دین شملوی صاحب جو ان دنوں

بمبئی میں تھے ملنے کے لئے آ گئے۔ وہ واپس جانے لگے تو حضرت امیر نے ان سے درخواست کی کہ وہ مولوی عبدالوہاب کو ساتھ لیتے جائیں۔ "رستہ میں نبوت کے مسائل ہی سمجھائیں"۔ (وہ بمبئی میں جس جگہ مولوی عبدالوہاب صاحب کو جانا تھا وہاں پہنچا دیں۔

رستہ میں نبوت کے مسائل سمجھانے کے برساختہ جملہ کا وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو جانتے ہیں کہ مولانا عمرالدین شملوی صاحب نبوت کے مسائل پر اخبار "پیغام صلح" میں اکثر مضامین لکھا کرتے تھے اور بال کی کھال نکالا کرتے تھے۔

نور کی جھلکیاں

قرآن پاک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق آیا ہے:—— ماتھے پر بعض دفعہ نشان پڑ جاتا ہے وہ مراد ہے۔ حضرت امیر مرحوم بڑی تاکید سے اس غلط معنی کو رد کرتے ہوئے صحیح معنی بیان فرمایا کرتے تھے کہ عابد و ساجد لوگوں کے چہروں پر جو نور کی روشنی جھلکنے لگتی ہے وہ مراد ہے۔

چنانچہ قارئین نے صالح تہجد گذار لوگوں کے چہروں میں وہ نور دیکھا ہوگا۔ اس کے دیکھنے کے لئے باطنی آنکھ کا کھلا ہونا ضروری ہے۔ قرآن کریم نے تو صحابہؓ کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کے چہروں میں وہ نور جھلکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بقول قرآن پاک نور علیٰ نور تھے حضور کا چہرہ کس قدر دمکتا ہوگا! مگر کفار کو وہ نور نظر نہ آیا اسی لئے کہ ان کی باطنی آنکھ اندھی تھی۔

تو اثر السجود سے کئی ایک لوگوں کے چہروں میں نور الٰہی جھلکتا ہے مگر حضرت امیر مرحوم میں میں نے ایک خاص بات دیکھی جو کم سے کم مجھے کسی اور میں نظر نہ آئی۔ وہ یہ کہ جب وہ سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو آپ کے چہرہ میں نور کی خاص چمک آتی تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ سردیوں میں ظہر کی نماز کے لئے میں مسلم ٹاؤن کی مسجد میں گیا اور چار سنتیں پڑھ کر جماعت کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ سردی کی وجہ سے صفیں باہر صحن میں دھوپ میں بچھی تھیں۔ حضرت امیر تشریف لائے اور سنتیں پڑھنے لگے تو اتفاقاً میری نظر ان کے چہرہ پر پڑی جب وہ سجدہ سے سر اٹھا رہے تھے تو ایک خاص روشنی کی چمک دیکھی پھر تو میں نے ان کی باقی کی نمازیں دیکھا کہ یہی ہوتا تھا بعد میں جب آپ کراچی تشریف لائے تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ آپ سجدہ سے سر اٹھا رہے ہوتے تھے تو میری نظر پڑ جاتی تو اسی طرح ایک خاص روشنی کی چمک میں نے دیکھی۔ یہ کسی خوش فہمی یا حسن ظن کی بناء پر نہ تھا۔ بلکہ یہ غیر معمولی نظارہ میں نے کئی بار دیکھا اور اگر میں غلط بیانی کر رہا ہوں یا مبالغہ تو یقیناً اللہ تعالیٰ مجھے پکڑے گا۔

حضرت امیر بطور مؤذن

میں ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جنہوں نے حضرت امیر مرحوم کو اذان دیتے سنا ہے۔ میرے خیال میں کم لوگ ہیں جن کو یہ تجربہ ہوا ہوگا۔ ہوا یوں کہ خوش قسمتی سے مجھے چھ سات سال متواتر ڈلہوزی پہاڑ پر حضرت امیر کا مہمان ہونے کا فخر نصیب ہوا۔ تو وہاں اذان حضرت کے پرسنل اسسٹنٹ مولوی عبدالوہاب صاحب دیا کرتے تھے۔ مگر کئی دفعہ صبح صادق کے وقت ان کی آنکھ بروقت نہ کھلتی تھی تو حضرت امیر خود اذان دیا کرتے تھے۔ اللہ اللہ! کس قدر موثر اور دلکش اذان ہوتی تھی!

حضرت امیرؒ کی قرأت کوئی خاص اچھی نہ تھی اگرچہ آخری ایام میں کراچی میں اس میں خاص دلکشی اور اثر پیدا ہو گیا تھا۔ مگر آپ کی اذان ہمیشہ جب میں نے سنی قرأت سے بہت زیادہ دلکش اور موثر ہوتی تھی۔ مجھے یہ گمان ہوا کہ شاید یہ میرا خیال ہے۔ مگر ایک دفعہ میں نے اپنے والد مرحوم سے ذکر کیا جو ڈلہوزی آئے ہوئے تھے تو انہوں نے بھی میری بات کی تصدیق کی۔ پھر صبح صادق کا وقت ایک تو ہوتا ہی نورانی اور روحانی ہے اس پر حضرت امیرؒ جو اس سے قبل کئی گھنٹے تہجد کی نماز میں گریہ وزاری کر چکے ہوتے تھے۔ ان کی آواز میں ایک خاص اثر پیدا ہو جاتا تھا۔

اذان اور مولوی عبدالوہاب صاحب کے ذکر سے لطیفہ یاد آیا حضرت بلال حبشیؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ ان کے حوالہ سے کہا کہ مولوی صاحب آپ خوش نصیب ہیں کہ جنت میں حضرت امیر کے آگے آگے ہوں گے۔

حضرت امیر مرحوم کی عادت تھی کہ وہ مولوی عبدالوہاب صاحب سے پیار کی وجہ سے مذاق کیا کرتے تھے۔ میرے والد کی بات سن کر ہنس کر فرمانے لگے:—
"اگر میں ان کے قدموں کی چاپ کے پیچھے لگا تو خدا جانے کہاں کا کہاں پہنچ جاؤں گا"!

وفات کے بعد

یہ مضمون لمبا ہو رہا ہے اس لئے اب اسے ختم کرتا ہوں۔ ایک اور ذوقی بات کا ذکر کہ حضرت امیر کی وفات کے بعد میری طبیعت خراب تھی تو میں ایک ماہ کی رخصت پر اپنی بیوی سمیت سوات چلا گیا۔ وہاں ایک رات میں نے خواب دیکھا جو اس قدر صاف اور دل پر نقش کرنے والا تھا کہ ابھی بھی معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے کل ہی دیکھا ہے۔

خواب کا ذکر کرنے سے قبل میں دو باتوں کی وضاحت کر دوں۔ ہر شخص کبھی نہ کبھی خواب دیکھتا ہے۔ جن میں کچھ سچے ہوتے ہیں اور کچھ حدیث النفس ہوتے ہیں۔ یہی حال میرا ہے۔ مگر ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ میں نے جب کبھی ریلوے ٹرین یا ریلوے سٹیشن کو اپنے خواب کا حصہ دیکھا تو وہ خواب ہمیشہ سچے نکلے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں نہیں بتا سکتا اور یہ اغلباً میرے لئے خاص ہے۔ دوئم یہ کہ میں کبھی اپنی پچھلی بیکار اور گناہوں سے بھری زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر مجھے میری زندگی دوبارہ مل جائے تو میں کہاں سے اسے دوبارہ شروع کروں تا پشیمانی نہ رہے تو مجھے خیال آیا کہ خان پور (جو بہاولپور ریاست میں اس وقت تھا۔ جب میرے والد وہاں ریلوے کے میڈیکل افسر تھے) وہاں سے اگر میں اپنی زندگی شروع کر سکوں تو کیا اچھا ہو۔

یہ بات میرے دل میں آئی اور میں نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ جو دلوں کے مخفی رازوں کو جانتا ہے اسے تو معلوم تھی۔ تو جو خواب میں خان پور سے متعلق دیکھوں وہ ضرور سچا نکلتا ہے۔ مندرجہ ذیل خواب میں ریلوے سٹیشن۔ ریلوے ٹرین اور خان پور تینوں ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے یہ بات حضرت امیر مرحوم کی وفات کے بعد کی ہے۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ میں خان پور کے ریلوے پلیٹ فارم پر جو کراچی سے آنے والی ٹرینوں کے لئے ہے کھڑا ہوں۔ اتنے میں ایک مختصر سی ٹرین کراچی کی طرف سے آئی اور کھڑی ہوئی۔ میں نے بڑھ کر ایک فرسٹ کلاس کے چار برتھ والے ڈبہ کا دروازہ کھولا تو اندر وہ ڈبہ نور سے جھلک رہا تھا

میں نے کبھی اتنی تیز اور خاص قسم کی روشنی نہیں دیکھی تھی جو دنیاوی روشنیوں کی طرح نہیں تھی بلکہ انتہائی نورانی تھی۔

اس ڈبہ کی پرلی بچلی پرکھڑ پر حضرت امیر مرحوم لیٹے ہوئے تھے اور یہ عجیب و غریب نورانی کی وجہ سے تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کر دروازہ کی طرف آئے۔ میں پلیٹ فارم پر ہی کھڑا دروازہ کو کھول کر پکڑے ہوئے تھا۔ آپ نے کاغذ کی ایک گولی میرے ہاتھ پر رکھی۔ تو وہ گاڑی چل پڑی اور لاہور کی طرف چلی گئی۔ میں نے اس کاغذ کی گولی کو کھولا تو اس میں حضرت امیر مرحوم کی خصوصی طرز تحریر میں یعنی ان کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا:—

”میں وہاں ہوں جہاں محمد احمد ہے میں وہاں ہوں جہاں نصیر احمد ہے۔ میں ہیڈ رسول پر ہوں۔“

یہ خواب ایسا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ گھڑی دیکھی تو رات کے دو بجے تھے۔ میرے دل و دماغ پر اس خواب نے ایسا اثر ڈالا تھا کہ میں دیر تک لیٹا اس کی نسبت سوچتا رہا۔

میرے دل میں فوری خیال تو یہ آیا کہ ہیڈ رسول سے وہ جگہ مراد ہے جو ضلع جہلم میں نہر پر ہے۔ مگر ساتھ ہی مجھے سمجھ آئی کہ ہیڈ رسول سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو رسولوں کے سردار ہونے کی وجہ سے ہیڈ رسول ہیں۔ اسی طرح باقی کا خواب بھی اشارہ کرتا ہے کہ محمد و احمد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک ہیں۔ اور نصیر احمد سے مراد حضرت مسیح موعود ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام احمد یعنی آپ کے اور آپ کے دین کے جمال کو دنیا میں پھیلانے کے لئے آئے تھے۔ حضرت مسیح موعود نے خود اس بات کو کئی جگہ لکھا ہے۔ صرف ایک شعر میں جو آپ نے لکھا یہ بات واضح ہے:—

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

الغرض حضرت امیر مرحوم جو مجھ سے بے انتہا شفقت اور محبت کرتے تھے انہوں نے مجھے اس رؤیا میں اپنے مرنے کے بعد اپنے انجام کی خبر دی کہ بموجب آیت مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین ج وحسن اولٰئک رفیقا۔ آپ کو رسول اللہ صلعم اور حضرت مسیح موعود کی معیت اور رفاقت نصیب ہوئی جس سے بڑھ کر اور کیا اچھا انجام ہو سکتا ہے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

رپورٹ مولوی شفقت رسول خان
تلخیص: عبد الرؤف کھوکھر

جامع احمدیہ دار السلام میں

یوم حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ

مورخہ ۱۳ ۱۰/۷۵ بمقام دار السلام حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی یاد میں جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جناب ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے فرمائی۔ جلسہ کی ابتداء مولوی شفقت رسول صاحب نے تلاوت قرآن مجید سے کی۔

اس کے بعد جناب زاہد جنجوعہ نے حضرت مولانا محمد علی رح کے متعلق: امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات پڑھ کر سنائے جس میں حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ:—

”ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے لئے یعنی میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں .... اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں۔ ظاہری نظر سے اور پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا، اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے .... یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو ہمہ صفت موصوف ہوں اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی ہوں تلاش کرنے سے نہیں ملتے۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد ہفتم صفحہ ۱۷۱ مندرجہ مجاہد کبیر صفحہ ۶۱)

بعد ازاں دار السلام کی ایک چھوٹی بچی نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی بڑے پسندیدہ انداز میں سنائے۔

اس کے بعد پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے آیات قرآنی یا ایھا الذین .... فوزا عظیما (تلاوت فرما کر بتایا کہ ہم بانی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا ”یوم وصال“ منانے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے مولانا کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات سن لئے ہیں۔ جن کے بارے میں مامور وقت نے جو ان کے باطن سے بھی آگاہ تھے۔ ارشاد فرمایا لہٰذا یہ ہمارے خراج عقیدت کے محتاج نہیں بلکہ اس میں ہماری اپنی سعادت ہے کہ ہم ان

(باقی ص ۱۵ کالم ۲)

قرآن کریم کے منجانب اللہ کلام پر ایمان اور غلبۂ اسلام پر کھویا ہوا دوبارہ یقین نشأۃ ثانیہ اسلامیہ کی داغ بیل مسلمانوں میں حضرت مولانا محمد علیؒ کی تفاسیر سے ہی پڑی۔ خدا تعالےٰ کی ہمکلامی کی خارجی حقیقت کا ثبوت اس زمانہ میں حضرت مجدد زمان نے بہم پہنچایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ

بلاشبہ اس ذکر (کلام) کے نازل کرنیوالے ہم ہی ہیں اور یقیناً اس کلام کی ظاہری و معنوی حفاظت بھی ہمارے ہی ذمہ ہے

خطبہ جمعہ ۔ مؤرخہ ۱۲ ؍ اکتوبر ۱۹۷۹ء ۔ فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ۔ جامع احمدیہ ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

(مرتبہ :۔ مولوی شفقت رسول خاں)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک کا نزول تو ایک تاریخی امر واقع ہے مگر قرآن کریم کی حفاظت خدا کے ذمہ ہے یہ ایک پیشگوئی ہے کہ یہ قرآن ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ لیکن اب یہ بات بھی ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے۔ **اور چودہ سو سال سے حفاظت قرآن اللہ کا ایک معجزہ ہے** ۔ گو اس سے پہلے بھی انبیاء سابقین پر وحی کا نزول ہوا۔ اور انبیاء کو کتابوں سے نوازا گیا۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی محفوظ اور مصئون نہ رہی۔

انجیل عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے۔ حضرت عیسےٰ پر نازل ہوئی اور خدا کا کلام تھی۔ لیکن موجودہ انجیل کے بارے میں خود عیسائی محققین کا علانیہ اعتراف ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ واقعی وہی انجیل ہے جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی یا یہ حواریوں نے لکھی ہے۔

لیکن حواریوں کی لکھی ہوئی کتابیں بھی تحریف سے محفوظ نہیں رہیں۔ کیونکہ تراجم ہوتے ہوتے مختلف النوع اناجیل بن گئیں۔ سو سال پہلے کی لکھی ہوئی انجیل اور موجودہ انجیل میں کافی فرق ہے۔ غرضیکہ اصل انجیل محفوظ نہیں رہی۔

ویدوں کی بھی یہی کیفیت ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ان کے اندر بھی بڑا تغیر و تبدل ہوا ہے۔ اس کو ماسوا چند ایک ماہر سنسکرت پنڈتوں کے کوئی نہیں جان سکتا۔ ایسے ہی دوسرے مذاہب کی کتب کا حال ہے۔ لیکن قرآن پاک کی حفاظت کے سامان کئے گئے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی لکھ کر محفوظ کر لیا گیا تھا۔ اور آپؐ کی زندگی میں ہی اس کے حفاظ سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ جن کو الٓمٓ سے لے کر والناس تک نوک زبان تھا۔ جوں جوں قرآن پاک کا نزول ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھوا دیتے اور یاد کروا دیتے۔ کوئی سورۃ یا آیت جو مختلف مقامات پر اور موقعوں پر نازل ہوتی آپ خدا تعالےٰ کی تفہیم کے مطابق اسی ترتیب سے لکھوا دیتے۔

لیکن قرآن پاک کے ظاہری الفاظ ہی کی صرف حفاظت نہیں کی گئی بلکہ معنوی حفاظت بھی کی گئی ہے۔ کیونکہ جہاں الفاظ اور آیات کی ترتیب **کی حفاظت ضروری تھی وہاں اس سے بڑھ کر معانی کی حفاظت ضروری تھی** ۔ کہ معانی اور مطالب بھی محفوظ ہوں۔ جیسے صحابہ رضؓ کے وقت اس کے معانی محفوظ تھے۔

چنانچہ اس کی معنوی و عملی حفاظت یوں کی کہ اللہ تعالےٰ نے مجددین کا سلسلہ قائم کیا۔ تاکہ وہ روح اسلام کو سمجھ کر اس کے مطابق معانی کی حفاظت کریں اور قرآن کریم کی اصل روح کو اپنی زندگی کے کردار و عمل سے زندہ ثابت کریں۔ اسی لئے فرمایا وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کیونکہ اس سلسلہ کی حفاظت معنوی و عملی کا قیام بھی خدا کی جانب سے ہے۔ چنانچہ ہمارے اس زمانہ یعنے چودھویں صدی کے شروع میں گو قرآن پاک کے الفاظ موجود تھے۔ حفاظ قرآن بھی موجود تھے۔ گویا ظاہری حفاظت من وعن موجود تھی۔ لیکن معانی و عملی اعتبار سے ایک منقلب حالت ہو چکی تھی۔

اسلام کے بنیادی اصول محو ہوتے جا رہے تھے۔ معنوی انحراف کا معاملہ تو دگرگوں ہو چکا تھا کہ بعض مسلمان لیڈر اس کو خدا کا کلام ماننے کے بجائے یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن کریم کا کلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن سے نکلا ہوا کلام ہے۔ گویا وہ لفظی و خارجی وحی کے قائل نہ تھے۔ ان کے خیال میں خدا اور اس کے فرشتوں کا انسانوں سے ہمکلام ہونا اس سائنس و معقولیت کے دور میں ناقابل قبول تھا۔

ان کے خیال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ایک نیک خیال انسان تھے۔ اور اپنے نیک خیالات لوگوں میں پھیلاتے تھے۔ اور جیسے کہ یہ شعر ہے: ز جبرائیل امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم ÷ ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم
یہ ایک عظیم معنوی تحریف ہو گئی تھی

حضرت مجدد زمان مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے ان کے اس خیال کی تردید کی اور بتایا کہ خدا آج بھی ہمکلام ہوتا ہے جیسا پہلے وہ انبیاء سے ہمکلام ہوتا تھا۔ اب بھی اولیاء سے ہمکلام ہوتا ہے اور مجددین اور اولیاء اللہ مبعوث ہوتے رہتے ہیں اور ان کو خدا سے ہمکلامی کا شرف ملتا رہا ہے۔

البتہ انبیاء پر حضرت جبرائیل وحیٔ نبوت لاتے تھے۔ مگر اولیاء اللہ کو وحی نبوت کی بجائے لم یبق من النبوۃ الا المبشرات کے تحت وحیٔ ولایت ہوتی ہے۔ اور یہ خیال کہ خدا انسان سے ہمکلام نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس بنیادی غلطی پر تبر چلایا کہ بعض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیٔ نبوت کے اب قائل نہیں رہے حالانکہ میں ان کا غلام اور خادم ہو کر خدا سے ہمکلامی سے مشرف ہوں۔ تو اس ہستی پر جو میرا آقا ہے اور تمام اولین و آخرین کا سردار ہے کیسے خدا ہمکلام نہیں ہوتا تھا؟ بلکہ یہ اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک کی صورت میں خدا کا

عظیم و پاک کلام نازل ہوا۔
راستہ اللہ اس طرح اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت پر موقوف ہے۔

یہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے حضرت مرزا صاحب کی خدمات کا ایک پہلو ہے۔ اور مرزا صاحب رح کے احیائے دین کا دوسرا پہلو حضرت مولانا محمد علی رح مفسر انگریزی ترجمۃ القرآن اور اردو تفسیر (متوفی ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء) کی عظیم اسلامی خدمات ہیں جو انہوں نے حسب الارشاد تفہیم محل دین مان کیں۔ کیونکہ وہ ان کے شاگرد اور بلند پایہ مرید تھے۔

ہم حضرت مولانا محمد علی مرحوم کی مساعی کو محض عقیدت اور خوش فہمی کی وجہ سے احیائے اسلام میں اہمیت نہیں دے رہے بلکہ یہ ایک واقعاتی رنگ اور زندہ حقیقت ہے۔ جس کا اعتراف ہمیں ہی نہیں بلکہ غیر از جماعت لوگوں اور علماء کو بھی ہے۔ کہ جو خدمات مولانا مرحوم نے علمی اور قلمی رنگ میں کی ہیں ان کی کس قدر اہمیت ہے۔ اس کی ان کوششوں نے دین اسلام کے پھیلانے میں انقلاب انگیز اقدامات انجام دیئے۔

پس ان غیر از جماعت مقتدر علماء کی آراء اور تاثرات کا بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو کہ خود بھی مفسر قرآن ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مفسر قرآن نے لکھا:۔

"مولانا محمد علی لاہوری رح کی ترجمۃ القرآن کی اعلیٰ افضلیت تبلیغی افادیت کا انکار کرنا سورج کی روشنی کا انکار کرنا ہے جب میں دہریت اور شکوک و شبہات میں بہتا جا رہا تھا تو مولانا محمد علی رح کے ترجمۃ القرآن نے ان شکوک و شبہات سے نکال کر مجھے یقین و آگہی بخشی۔"

دوسرے صاحب حافظ غلام سرور صاحب ہیں جو ملائشیا میں بطور جج بھی فرائض انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا محمد علی رح نے جو ترجمۃ القرآن شائع کیا ہے یہ اس محنت اور کاوش سے کیا ہے کہ اگر کوئی دوسرا آدمی کرتا تو اسے دس بیس یا تیس سال میں بھی نہ کر سکتا۔ یہ خیال مت کرو کہ مولانا محمد علی رح نے قرآن کریم میں اپنی طرف سے کوئی نئے معانی بیان کر دیئے ہیں (جیسا کہ عام مولویوں نے یہ بات پھیلا رکھی ہے کہ احمدی قرآن کے اور معانی کرتے ہیں۔ مجھے اپنی طالب علمی کا ایک واقعہ یاد آیا جب میں سنہ ۱۹۱۸ء میں ایف اے میں اسلامیہ کالج میں زیر تعلیم تھا۔ وہاں کالج میں ایک مولوی ٹائپ طالب علم مولوی ابراہیم صاحب تھے۔ وہ میرے ہم کلاس تھے
انہوں نے جلسے میں اظہار افسوس کیا کہ ہمارے علماء نے انگریزی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر نہیں لکھی۔ تو میں نے اسے بتایا کہ حضرت مولانا محمد علی رح نے حال ہی میں انگریزی ترجمۃ القرآن شائع کیا ہے۔
اس نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو مرزائی کا ترجمہ ہے۔ یہ بات اس نے مطالعہ کے بغیر صرف تعصب سے کہی۔ لیکن صاحب حضرت مولانا محمد علی کا ترجمہ و تفسیر اور محمد علی رح نے شائع اس کی روحانی و تبلیغی افادیت کا اقرار کیا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے جو بیان کیا ہے اس کی احادیث نبوی سے اسناد دی ہیں اور لغت و محاورہ عربی اور علماء و مفسرین سابقہ کی اسناد پیش کی ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی معانی بیان نہیں کئے بلکہ انہوں نے بہت سے مفسرین کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے" (دیباچہ انگریزی ترجمۃ القرآن حافظ غلام سرور صاحب)

ہم جانتے ہیں اور یہ ایک فطری بات ہے کہ کوئی ڈاکٹر یا انجنیئر کسی حریف ڈاکٹر یا انجنیئر کی تعریف نہیں کرتا جبکہ وہ واقعیت کا رنگ نہ رکھتی ہو۔ تو جو تعریف حافظ غلام سرور صاحب نے کی وہ قطعی اور صحیح تر ہے۔ کیونکہ وہ خلوص اور دیانتداری سے کی گئی ہے۔

تیسرے صاحب مولانا محمد مارماڈیوک پکتھال ہیں جو نومسلم انگریز تھے۔ اور رسالہ "اسلامی کلچر" از دکن کے ایڈیٹر بھی تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے مولانا محمد علی رح کے بارے میں کوئی بات کہی ہے تو نہایت انصاف اور دیانت داری سے کہی ہے۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں ریلیجن آف اسلام کی کتاب شائع ہوئی ہے۔ جو کہ مکمل اور صحیح کتاب ہے جو اسلام کی روح، عقائد، تعلیم و ارکان کے ساتھ صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد علی رح کی اس کتاب کو ہندوستان میں شائع کیا جا رہا ہے اور مصر سے شائع ہو رہی ہے۔

اس کی نسبت مولانا مارماڈیوک پکتھال صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا محمد علی نے احیائے اسلام کے لئے اس قدر طویل اور قابل قدر اسلامی خدمات کی ہیں جو کسی اور شخص نے نہیں کیں۔"

یہ بات جناب پکتھال نے اس وجہ سے نہیں کہی کہ وہ جماعت میں شامل تھے یا حضرت مرزا صاحب رح کے مرید تھے بلکہ یہ ایک واقعاتی بات تھی جو انہوں نے بیان کی۔ یہ تمام اقرار مولانا محمد علی رح کی عظیم خدمات اسلامی کا بیّن ثبوت ہیں۔

آج شریعت کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس کو ریڈیو اور ٹیلیویژن پر نشر کیا جاتا ہے۔ یہ کانفرنس بین الاسلامی ہے کہ شریعت اسلام کا نفاذ تمام اسلامی ممالک میں کیا جائے۔ پاکستان [illegible] کے مطابق اسلامی شریعت کا نفاذ ہو گیا ہے۔ لیکن اسے دوسرے اسلامی ممالک تک اس دائرے کو وسیع تر کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرے مسلمانوں کو اپنے دین کے بارے میں واقفیت نہیں ہے۔ اس لئے ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ اور کانفرنس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ دشمنان اسلام کی نکتہ چینیوں اور اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں اور اسلام کے متعلق صحیح واقفیت پیدا کی جائے۔ یہ باتیں کہاں سے پیدا ہوئیں؟

یہ خیالات جماعت احمدیہ ایک صدی سے کہتی چلی آرہی ہے

اور مولانا محمد علی رح کی تحریروں میں موجود ہیں

بنیادی اسلام کی باتوں کو مولانا نے نشر کر کے احیائے اسلام کے مقصد کو اجاگر کیا۔ تجدید و احیائے اسلام کے بارے میں جو خدمات مولانا نے کی ہیں وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ ؏

> ایں سعادت بزور بازو نیست
> تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے۔ وہ بنیادی امور کونسے ہیں جن پر آپ نے روشنی نہیں ڈالی ہو آپ نے کہا کہ اب نشأۃ ثانیہ اسلامیہ کا وقت آگیا ہے اور اسلام کے غلبہ کا وقت آگیا ہے۔ آپ نے اس کا اظہار شدت یقین کے ساتھ کیا ہے۔

غلبۂ اسلام کا طریق کار طاقت اور سلطنت کے بل بوتے پر نہیں ہوگا۔ بلکہ اسلام کی افادیت اور اسلامی تعلیم کے اصولوں کی خوبصورتی کی بنیاد پر ہوگا۔ اے مسلمانو! اسلام کو غیروں کے سامنے پیش کرنے کے لئے معقول طریق سے اختیار کرو۔ جو عقل و سائنس کے ذریعہ روشن ہوں۔

ایک صاحب نے مجھے کہا کہ اگر مولانا محمد علیؒ مجدد ہونے کا دعوےٰ کرتے تو ہم مان لیتے۔ میں نے کہا وہ تو حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں جو ان کے استاد ہیں۔ مولانا تو ان کے شاگرد اور مرید ہیں تم جب مولانا کو ماننے کے لئے تیار ہو تو حضرت امام زمان کو کیوں نہیں مانتے حالانکہ وہی مستحق ہیں کہ ان کو مانا جائے۔

آج ہم پر فتاوی کفر وغیرہ سے مشکلات و مصائب ہیں مگر مجھے دن کی روشنی کی مانند یقین ہے کہ یہ تکالیف عارضی ہیں قائم نہیں رہیں گی۔ اور اس میں مجھے کبھی بھی شک و شبہ تک نہیں ہوا کہ بالآخر اسلام کی وہی صورت مقبول ہوگی جو امام وقت نے اور آپ کے بعد حضرت مولانا محمد علی رح نے پیش کی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ حضرت مولانا کے لٹریچر اور حضرت امام وقت کے لٹریچر کو دنیا میں پھیلائیں اور اشاعت اسلام کریں۔ تو ہم انشاء اللہ بارگاہِ خداوندی میں سرخرو ہو جائیں گے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حسب سابق امسال جلسہ سالانہ کی مندرجہ ذیل تاریخیں مقرر ہوئی ہیں:-

۲۵ — منگلوار — جلسۂ خواتین

جلسہ سالانہ ۱۹۹۶ء

۲۶ — بدھ وار۔
۲۷ — جمعرات۔
۲۸ — جمعۃ المبارک۔

سوائے جمعۃ المبارک کے ہر روز دو نشستیں ہونگی۔ ایک صبح اور ایک شام۔ بروز جمعۃ المبارک صرف صبح کی نشست ہوگی نماز جمعہ کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہو جائے گا۔

جماعت کے مقررین اصحاب سے التماس ہے کہ وہ اس مبارک تقریب حالات کے موافق موضوعات پر تقریر کرنے کے لئے افسر جلسہ سالانہ کو اطلاع دیں۔　　　سیکرٹری انجمن

اخبارِ احمدیہ

— حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالےٰ بفضلہٖ خیریت سے ہیں۔ آپ جمعہ کے علاوہ بعض نمازوں میں بھی تشریف لاتے ہیں احباب کرام ان کی صحت و عافیت کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

درخواست دُعا — جناب ماسٹر اللہ بخش صاحب ایم۔ اے بدوملہی پر ایک بیماری کا حملہ ہوا ہے۔ موصوف بڑے نیک اور دیندار نوجوان ہیں۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور تہجد گذار ہیں عمر کوئی ۴۰ برس کے لگ بھگ ہوگی۔

مقامی ہائی سکول میں ٹیچر ہیں۔ بیماری سے پہلے مسجد احمدیہ بدوملہی میں نمازوں کی امامت کراتے اور قرآن کریم کا درس بھی باقاعدہ دیتے تھے۔ راقم الحروف کی تحریک پر آپ نے اپنا چندہ ماہوار ۲۰ روپے سے بڑھا کر ۱۳۸ روپے ماہوار کر دیا ہوا ہے۔

ماسٹر صاحب موصوف میں یہ پاک تبدیلی ایبٹ آباد میں منعقدہ ایک تربیتی کورس میں شمولیت کے بعد آئی۔ اس سے پہلے وہ باقاعدہ نمازی بھی نہ تھے۔ مگر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کے فیضانِ نظر اور وہاں کے پاکیزہ ماحول کے اثر نے ماسٹر صاحب کی کایا پلٹ دی۔ اور تربیتی کورس سے واپسی پر وہ ماسٹر اللہ بخش نہ رہے بلکہ ایک پکا نمازی، تہجد گذار نیک دیندار اور ہر ایک تحریک سلسلہ میں جوش و خروش سے حصہ لینے والے اللہ بخش بن گئے۔ (عبد اللہ بخش سیکرٹری جماعت بدوملہی)

— چوہدری عبد الغنی صاحب سابق ہیڈ ماسٹر بدوملہی ہائی سکول بھی بیمار ہیں اور چلنے پھرنے سے معذور۔ ان کے لئے بھی دُعا کی جائے۔

یوم مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ

(بقیہ ص ۱۲)

حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں حضرت مولانا کو طاعون کے حملہ کا شبہ ہوا اور آپ نے وصیت لکھوانا شروع کر دی۔ حضرت صاحب کو معلوم ہوا۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا کون کہتا ہے کہ آپ کو طاعون ہوگئی ہے۔ اگر آپ کو طاعون ہو جائے تو میرا کلام اور یہ سلسلہ جھوٹا ہے۔

ایک موقع پر فرمایا:—

وہی فرشتہ میرے اندر بولتا ہے وہی مولانا محمد علی کے بولتا ہے۔ آپ نے جہاد بالقرآن کیا۔ تفسیر قرآن لکھی اور اسلام کی تشریح کے لئے "دین اسلام" لکھی۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کو غیروں نے بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

آج کسی شخص کا پیش کردہ اسلام نہیں چل سکتا۔ اسلام کی وہی تفسیر و تشریح مقبول ہوگی جو مولانا محمد علیؒ نے کی ہے۔ اور وہ یقیناً تمام دنیا میں مقبول ہے۔

(اسلام) پاکٹ **ریلیجن آف اسلام** کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اور ستر مختلف زبانوں میں ان کے تراجم موجود ہیں۔

ہمارا فرض

ہے کہ ان کے تتبع میں ہم اشاعت اسلام کریں۔ **اور ان کے پیدا کردہ لٹریچر کو دنیا میں پھیلائیں**۔ کیونکہ دنیا اور دنیا میں بھلائی کا ذریعہ ہے۔ دُعا پر جلسہ ختم ہوا اور اختتام جلسہ پر حاضرین کی تواضع پر تکلف چائے سے کی گئی۔

جنابِ میاں محمد احمد صاحب ایم اے
خلف الرشید حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

مجاہدِ کبیر

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا

اور ان سے اسی (قرآن) کے ساتھ جہاد کرو (جو) بڑا جہاد (ہے)

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی قیادت

[illegible] ۱۹۱۴ء [illegible] ۴۷ء [illegible] کی تڑپ ورثہ میں اس ماموؔر سے حاصل کی تھی۔ جس طریق پر ان احباب نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اپنے مشن کو نبھایا وہ اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔

لاہور کی جماعت اور انجمن کے پہلے سینتیس سال کا عرصہ ایک ایسا دور تھا جس کی یاد جتنی دفعہ بھی تازہ کی جائے کم ہے۔ چونکہ آئندہ بھی اس جماعت کا پھلنا پھولنا اگر مقدر ہے تو وہ اسی طرز پر اسی جذبہ کے ماتحت ہو سکتا ہے جس کا نمونہ روزِ روشن کی طرح ان بزرگوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔

اس یاد کے سلسلہ میں سب سے پہلے جس شخصیت کا تصور ذہن میں آتا ہے وہ مولانا محمد علی رح کی ہے۔ جن کو ہم سے جدا ہوئے آج ۲۸ سال پورے ہو گئے ہیں۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ گذشتہ واقعات کے نقوش دھندلے پڑتے جاتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد علی رح کی زندگی ایک ایسی جلتی ہوئی مشعل ہے جس کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑے گی اور جو آئندہ آنے والوں کے لئے ایک ایسا واضح اور بیّن نمونہ پیش کرتی رہے گی جس میں اس جماعت کی کامیابی کا راز ہے۔

میرے باپ کے متعلق میرے تأثرات

اس عظیم الشان شخصیت کو ایک باپ کی حیثیت سے دیکھنے کی سعادت مجھے اپنی زندگی کے اکتیس سال تک نصیب ہوئی۔ سب سے اوّلین بچپن کے نقوش جو میرے دل میں آپؒ کے متعلق بیٹھے ہوئے ہیں وہ آپ کی محبت اور شفقت اور ہماری دُنیوی اور دینی تعلیم کی طرف توجہ کے علاوہ وہ آپ کی اپنی زندگی سے متعلق تین قسم کے ہیں:۔

اوّل۔ آپ کا کام میں انہماک اور باقاعدگی جو کہ ہم بچوں کے لئے اس وقت صرف ایک "دفتر کے کام" کی حیثیت رکھتی تھی۔ دوسرے مسجد میں آپ کے درسِ قرآن اور قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے پر زور اور تیسرے اگر کبھی رات کے پچھلے پہر میں آنکھ کھلتی تو کسی دوسرے کمرے سے آپ کے خدا تعالےٰ کے حضور رونے اور گڑگڑانے کی دھیمی دھیمی آوازیں نیند کی حالت میں سُننے والے پر اپنا اثر چھوڑ جاتیں جو کبھی محو نہیں ہو سکتا تھا۔

بچپن کے نقوش لازماً دھندلے پڑ جاتے ہیں۔ لیکن اب بھی اتنا زمانہ گزر جانے کے باوجود جب آپ کی زندگی پر نظر دوڑاتا ہوں تو آپ کی یہ خصوصیات زیادہ سے زیادہ روشن نظر آتی ہیں۔ اور ان کی اہمیت کا اصل احساس ہوتا ہے۔ ایک بچہ کیا سمجھ سکتا تھا کہ اس کا باپ جو دفتر میں انہماک سے اپنے کام [illegible] رہتا ہے وہ اس قلم کو چلا رہا ہے جو ماموروقت نے اسے عطا کی اور وہ اس فرض کو پورا کر رہا ہے جو اس ماموؔر نے اسے سونپا کہ "اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دُنیا پر ظاہر ہو" اور اس کی راہیں مغربی ممالک پر کھلیں"۔ اور جس کے نتیجہ کے طور پر وہ بلند پایہ اور یکتا تصانیف ظہور میں آئیں جن کا اعتراف دوست و دشمن سبھی کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے دُنیا کے کونوں میں جن کا ہمیں گمان بھی نہیں لوگوں نے ہدایت پائی۔ اور نہ ہی ایک بچہ کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی تھی کہ قرآن کریم کے درس اور قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے پر اس قدر اصرار اور توجہ اس عشقِ قرآن کا نتیجہ ہے جو ماموروقتؑ کے سینے میں ایک آگ کی طرح جل رہا تھا۔ اور یہی آگ اس کے باپ کے سینے میں بھڑک رہی تھی اور پھر ایک بچہ یا نوجوان شاید یہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کا باپ جو کہ گرمی۔ سردی۔ سفر۔ گھر۔ صحت۔ بیماری کی قید سے بے نیاز ہو کر پچھلے پہر اُٹھ کر خدا کے حضور روتا ہے اور دعائیں کرتا ہے۔ وہ نسخہ آزما رہا ہے جو پیغمبروں اور اولیاء اللہؒ نے آزمایا اور جس سے انہوں نے وہ طاقت حاصل کی۔ سمجھنے کے لئے آپ کی زندگی کے کچھ حالات کا بیان کرنا ضروری ہے۔

آپؒ کی ابتدائی زندگی، تعلیم اور سلسلہ احمدیت میں شمولیت

مولانا محمد علیؒ کی پیدائش دسمبر ۱۸۷۴ء میں موضع مراد دیا ست کپورتھلہ کے معزز زمیندار خاندان میں ہوئی۔ آپ کی عمر کے پہلے ۲۵ سال اعلےٰ دُنیاوی تعلیم کے حصول میں گذرے۔ اس زمانے میں بھی دو باتیں آپؒ کے متعلق ممتاز نظر آتی ہیں۔

ایک تو آپ کی ذہانت اور قابلیت جس کی وجہ سے آپ نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تعلیم اس عمر میں شروع کی جس میں بچے عام طور پر سکول میں نہیں جاتے۔ اور پھر بی۔اے۔ (ریاضی) ایم۔اے۔ (انگریزی) اور ایل ایل بی۔ کے امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کئے۔

دوسرے آپ کی نیکی اور تقوےٰ جس کی گواہی آپؒ کے ہمعصروں نے دی ہے۔ اس نوجوانی میں آپ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کو پڑھ کر متاثر ہوئے اور بالآخر ۱۸۹۷ء میں بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ اور حضرت صاحبؑ سے محبت اس حد تک بڑھ گئی کہ لاہور میں اسلامیہ کالج میں پڑھاتے ہوئے۔ ہر ہفتہ اور ہر ممکن موقعہ پر قادیان حاضر ہوتے اور رات کو بٹالہ سے قادیان کا سفر پیدل کرتے تاکہ چند گھنٹے فرصت کے حضرت صاحب کی صحبت میں گذار سکیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا قرب اور اکتسابِ فیض

پھر جب آپؒ وکالت کی پریکٹس اور مقابلہ کے امتحانات میں داخلہ کی تیاریاں مکمل کر چکے تو پہلے کچھ عرصہ کے لئے مئی ۱۸۹۹ء میں حضرت صاحب کی خدمت میں رہنے کے لئے قادیان پہنچے۔ لیکن ایک مختصر قیام بڑھتے بڑھتے اس قدر طویل عرصہ ہوا کہ دنیا کے کاروبار کا ارادہ ترک کر کے آپؒ نے حضرت صاحبؑ کے قدموں میں مستقل رہائش اختیار کی۔ اور ۹ سال تک حضرت مسیح موعود کی جو صحبت آپؒ کو میسر آئی وہ کم لوگوں کو آئی ہوگی۔ حضرت صاحب نے نہ صرف آپ کو رہنے کے لئے اپنے گھر میں جگہ دی بلکہ آپ کے متعلق جو کچھ وقتاً فوقتاً بیان فرمایا اور لکھا اور جو فرائض آپ کو سونپے ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت صاحب کی نظر میں اس پچیس تیس سالہ نوجوان کا کیا مقام تھا۔ اور اپنے مقصد کے سر انجام پانے اور اپنی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے حضرت صاحب نے آپ کو گویا منتخب کر لیا تھا۔

رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا اجراء اور اسکی مقبولیت کی شہرت

صدر انجمن احمدیہ کا قیام اور انجمن کے کاروبار کا پھیلاؤ اور تنظیم سکول اور مساجد کی نئی عمارات کی تعمیر، اور پھر انگریزی ترجمہ و تفسیر کا کام یہ سب کچھ اس پندرہ سالہ دور زندگی کی یادگاریں ہیں جو جماعت کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پھر ۱۹۱۴ء میں وہ انقلاب آیا جس کے نتیجہ کے طور پر آپؒ نے قادیان سے ہجرت کی اور جو کہ بقول مولانا ابوالکلام آزادؔ ایک یادگار واقعہ" تھا۔ اور لاہور میں انجمن کا قیام ہوا۔ اس کے بعد کے ۳۷ سالوں کے واقعات بھی ذہنوں میں تازہ ہیں۔ باوجود مخالفتوں اور مالی مشکلات کے اشاعت اسلام کے میدان میں ایک ٹھوس اور تعمیری کام ہوا۔ اور ایک طرف تو احمدیہ بلڈنگس کا نام ممالک غیر میں بھی تبلیغی مرکز کی حیثیت سے شہرت پا گیا اور دوسری طرف ہندوستان کے تمام فہمیدہ طبقہ کے مسلمانوں کی نظریں اس کی طرف اٹھنے لگیں۔

اس تمام کارکردگی کے پیچھے مولانا محمد علیؒ کی تصانیف عزم راسخ اور آپ کی قیادت میں آپؒ کے رفقاء کا قلمی جہاد اور مالی قربانیاں تھیں۔

خدمت دین کے سلسلہ میں گوناگوں مصروفیات

آپؒ کی زندگی کے اس حصہ پر نظر ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح آپؒ نے تصنیف و تالیف اور تنظیم و استحکام جماعت اور تبلیغ اشاعت قرآن کے وسیع میدانوں میں بیک وقت کام کیا۔ اس زمانے کو جنہوں نے دیکھا ہے ان کی آنکھوں کو اب بھی یہ مناظر یاد ہوں گے۔ کہیں تو آپؒ بڑی معرکتہ الآراء انگریزی و اردو تفاسیر اور کتب کی تصانیف اور اشاعت فرما رہے ہیں۔ کہیں ملاقاتیوں سے بات چیت اور بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ملنے والوں سے خندہ پیشانی سے مل رہے ہیں۔ گویا اسی کام میں آپ کو حقیقی راحت مل رہی ہے۔ کہیں مسجد میں نمازیں ہیں۔ اور درس قرآن کریم کا سلسلہ ہے۔ اور ہر جمعہ کے خطبے جو کہ قوم کی روحانی تربیت اور جہاد بالقرآن کی جدوجہد میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

کہیں جماعت کی تنظیم اور ماہوار چندوں کی باقاعدگی اور ہر خاص و عام سے ذاتی تعلقات پیدا کرنے کے لئے ہر سال باہر کے شہروں کے سفر تھے تو کہیں انجمن کے جلسوں کی صدارت۔ دفتر کے انتظامی امور کی دیکھ بھال اور انجمن کے اموال و جائداد کی نگرانی، ہر حال انجمن کے مفاد اور تبلیغ و اشاعت قرآن کے لئے کوئی نہ کوئی تحریک ہوتی تھی اور اس کے لئے جدوجہد۔ اور جس طریق پر یہ چھوٹی سی جماعت ان تحریکات پر لبیک کہتی تھی اس کا تصور آج بھی دلوں میں ایک سرور پیدا کرتا ہے اور آنکھیں انہی مناظر کو دیکھنے کے لئے ترستی ہیں

ظاہر ہے کہ اس مصروف زندگی کے تمام پہلوؤں کو ایک محدود مضمون میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت میں آپؒ کی انہی چند خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کے متعلق پہلے بیان کر چکا ہوں۔ یعنی آپؒ کا جہاد بالقلم۔ عشق قرآن اور دعاؤں کے مجاہدے۔

جامع صفات صاحب قلم

مولانا محمد علیؒ کی شخصیت کا خاکہ جو سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے اس میں آپ کا امتیازی نشان آپؒ کا صاحب قلم ہونا ہے۔ آپؒ نے خدمت اسلام اور اشاعت قرآن کے لئے جس قدر تن دہی۔ انہماک اور لمبے عرصے کے لئے قلم چلائی ہے اس کی نظیر کم ملتی ہے سنہ ۱۹۰۱ء میں آپؒ نے ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے لئے قلم سنبھالا اور اس وقت سے لے کر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک اس قلم کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ متواتر پچاس سال تک یہ آپؒ کا شب و روز کا مشغلہ رہا، اور یہ روحانی غذا تھی۔

ان تفاسیر اور تصانیف کے لئے جتنی ریسرچ کی وہ خود تن تنہا کی۔ حتیٰ کہ مسودوں کو بار بار تصحیح کر کے خود ہی لکھتے اور خود ہی پروف ریڈنگ بھی کرتے۔ آپؒ کی ان تصانیف کی عظمت کا اعتراف ایک دنیا نے کیا۔ اور آج بھی کر رہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو عالمگیر مقبولیت بخشی۔ انگریزی ترجمہ تفسیر کے متعلق ایک عیسائی نقاد نے کہا ہے کہ نہ صرف یہ اسلام کی بہترین تصویر پیش کرنے والی کتاب ہے بلکہ ایک تحقیقی کارنامہ ہے (ORIGINAL WORK) ہے۔ اور باقی کے تراجم یا تو اس کا تتبع کرتے ہیں، یا اس سے استفادہ کرتے ہیں، یہ سات سال کی محنت کا نتیجہ تھا۔

اسی طرح اردو بیان القرآن جیسی تالیف نے جو مزید چھ سال کی محنت سے لکھی مخالفین سے بھی اپنا لوہا منوا لیا۔ فضل الباری یعنے اردو ترجمہ و تفسیر صحیح بخاری پر آپ نے کام کیا تو نہایت خوبصورت طریق اور حضرت مسیح موعودؑ کے لکھے ہوئے اصولوں پر اس کو پیش کیا گیا۔ ریلیجن آف اسلام جیسی جامع کتاب لکھ کر آپؒ نے حضرت صاحبؑ کی اس بڑی خواہش کو پورا کیا کہ اسلام پر ایک جامع کتاب انگریزی میں لکھی جائے۔ اس کتاب میں آپ کا وہی مخصوص رنگ جھلکتا ہے۔

عقائد و اعمال کے ہر پہلو پر موجودہ زمانے کے رجحانات اور طریقہ فکر و نظر کو مدنظر رکھ کر یہ کتاب لکھی ہے۔ اور تفاسیر قرآن کی طرح اس کی بنیاد بھی ایک وسیع اور دقیق ریسرچ پر رکھی گئی ہے۔ بقول ایک ناقد کے یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے بخوبی واقف ہے۔ جس کے دل میں اسلام کی پچھلی پانچ صدیوں کے انحطاط کا درد ہے۔ اور جس کے دل میں اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے۔ اس کے علاوہ سیرت نبویؐ اور تعلیمات اسلامی پر آپؒ نے کئی رنگوں میں انگریزی اور اردو میں لکھا اور چھوٹی بڑی ملا کر پچاس سے زائد کتب اور ایک سو سے زائد رسالے اور کتابچے تصنیف فرمائے۔

جس موضوع پر قلم اٹھایا اس پر ایسی مفید تحریرات چھوڑی ہیں جو زمانے کے گذرنے کے باوجود اسی طرح کارآمد ہیں اور متلاشیان حق کے لئے تسکین کا سامان ہیں۔

ان تصنیفات میں سے اکثر کئی ایڈیشنوں میں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئیں۔ اور ان کے تراجم پچیس تیس غیر ملکی زبانوں میں مختلف ممالک میں نکل چکے ہیں۔ تصانیف کی یہ رفتار جس طرح اول دن سے شروع ہوئی اسی طرح تا دم مرگ جاری رہی۔ اس دوران میں بعض سخت بیماریاں اور تکالیف آئیں۔ لیکن کام میں فرق نہ آیا۔ حتیٰ کہ ۷۲ سال کی عمر میں انگریزی ترجمہ و تفسیر کی نظر ثانی کا بیڑا اٹھایا۔ جو کہ اپنی وفات سے پہلے مکمل فرما گئے۔

اس عظیم کام کا راز

اکثر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصانیف کے کام کا اس قدر گرانقدر ذخیرہ کیسے چھوڑا۔ اس کا راز یہی ہے کہ آپ کو اپنے کام سے عشق تھا۔ اور اس کو پوری محویت اور استغراق سے کرنے میں آپ تھکان نہیں بلکہ لذت محسوس کرتے تھے۔

ایک موقع پر آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی اس تحریر کا ذکر کر کے کہ میری زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں کام میں لگا رہوں۔ بلکہ اس کے بغیر میں جی ہی نہیں سکتا۔ اور میری ناتوانی اور مشکلات کے اندر ایک دست غیبی سے مجھے قوت ملتی ہے۔

اپنے متعلق فرمایا:۔

"......... یہ دستِ غیب جسے آپؒ اپنی زندگی میں مدد کرتے دیکھتے تھے آپؒ کی وفات کے بعد اس عظیم الشان کام میں میرا مددگار ہوگیا۔ میں اس وقت نوجوان تھا۔ کم علم بھی تھا مگر میں دیکھتا تھا کہ "مجھے دستِ غیب سے قوت ملتی ہے"۔ درحقیقت وہ قوت میرے لئے نہ تھی۔ وہ اس برگزیدہ انسان کے لئے تھی جس کے دل میں یہ تڑپ پہلے اُٹھی۔ مگر چونکہ اس تڑپ کے پورا ہونے کا میں آلۂ کار بن گیا تھا اس لئے وہ دستِ غیب میری طرف بھی منتقل ہوگیا۔ اس وقت سے آج تک میں دیکھتا ہوں کہ اس نوجوانی کی حالت سے ستّر سال کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود طرح طرح کی بیماریوں کا شکار اور ضعیف ہونے کے باوجود جب بھی میں نے خدمتِ دین کے کسی کام پر ہاتھ ڈالا ہے تو میرے اندر ایک نئی قوت پیدا ہوگئی ہے۔

میں بہت ورزش کرنے والا، بہت چلنے والا اور بہت تیز چلنے والا تھا۔ پچیس پچیس تیس تیس میل بھی ایک دن میں چل لیتا تھا، اور تھکتا نہ تھا۔ مگر اب دو اڑھائی میل چل کر بھی تھک جاتا ہوں۔ جسم ناتوان ہوگیا ہے مگر قرآن کی خدمت کے کسی کام کو جب میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو میں تھکتا نہیں بلکہ جسم میں ایک نئی قوت آجاتی ہے۔ فی الحقیقت اس وقت بھی وہ میری قوت نہ تھی بلکہ اللہ تعالےٰ کے دستِ غیب کی تائید تھی، اور آج بھی دستِ غیب کی تائید سے یہ کام کر رہا ہوں۔"

عشقِ قرآن

مولانا محمد علیؒ کی تمام عمر قرآن پر ریسرچ اور اس کے مطالعہ میں گذری۔ قرآن کا عشق انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ اور اس کے بعد حضرت مولانا نور الدینؓ سے ورثہ میں حاصل کیا تھا اور اس کو دنیا میں پہنچانا آپؒ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ آپؒ کا ایمان تھا کہ اس عظیم الشان کتاب میں وہ قوت ہے جو دلوں کو مسخّر کر لیتی ہے۔ ہمارا فرض اس کو پھیلانا ہے۔

لیکن ایک خادم قرآن جماعت کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن کو پہلے اپنے دلوں پر وارد کرے۔ جماعتی رنگ میں آپ نے تمام عمر درسِ قرآن کریم پر زور دیا۔ لیکن اس کے علاوہ بڑے بڑے پُر درد پیرایوں میں جماعت کو ہمیشہ یہ بھی تلقین کی کہ وہ انفرادی طور پر قرآن کریم کا مطالعہ اپنی زندگی کا جزو بنالیں۔

آپ کے تمام خطبات۔ مضامین۔ تحریرات۔ خطوط کو پڑھ جائیے ایک ہی رنگ نظر آتا ہے۔ قرآن۔ قرآن۔ قرآن۔ آپ فرماتے تھے کہ احمدیت کی عزت قائم رہے گی تو صرف خدمتِ اشاعتِ قرآن سے۔ ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا:——

"ہماری جماعت کا مقصدِ عظیم خدا کے نام اور اسلام کو دنیا میں پھیلانا ہے۔ اس کے لئے ہر ایک ضرورت سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن کریم کا مطالعہ کریں اس کے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کے درس جاری کریں۔ دوسروں کو سنائیں۔ اس کی آیات پر غور و فکر کی عادت ڈالیں خود مختلف علوم پڑھیں اور ان کو قرآن کا خادم بنائیں۔

قرآن کریم کی عظمت بہت بلند ہے۔ اسی طرح بلند جس طرح خود اللہ تعالےٰ کی شان بلند ہے۔ ہمارے وہم و گمان سے بھی بلند۔ لیکن اگر ہم اس پر غور کریں تو تھوڑا تھوڑا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ ورنہ قرآن کریم کے عجائبات اور حقائق و معارف تو اس قدر ہیں کہ قیامت تک بھی ختم نہ ہوں گے.........

.... حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی اصل غرض تو یہی تھی کہ قرآن کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ اس کی اشاعت کی جائے۔ اس کے تراجم کئے جائیں۔

اس وقت قرآن کریم انتہائی بے کسی کی حالت میں ہے۔ باوجود اس کے کہ ساٹھ کروڑ انسان اسکو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ یہ بے کسی کی حالت میں ہے۔ کیونکہ اس کے نزول کی غرض پوری نہیں ہو رہی۔

ساٹھ کروڑ مسلمان اس کو سر آنکھوں پر ضرور رکھتے ہیں لیکن اس کو دنیا میں پہنچانے سے قطعاً لاپرواہ ہیں۔ ہماری جماعت نے اگر اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم کسی حالت میں اس کام کو نہ بھولیں......... قرآن کو پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مفہوم لوگوں کے سامنے رکھا جائے۔ اور اس کے تراجم ان کی زبانوں میں کر کے لوگوں کو دیئے جائیں............... سب کام جو آپ کے ذمہ ہیں وہ اس کام کے خادم کے طور پر ہیں.......

.... ہر کام میں غلو اور افراط ہو سکتا ہے لیکن اس کام میں غلو اور افراط ہرگز نہیں ہو سکتی۔

خدا کے کلام کو پھیلانا محبتِ الٰہی کا نشان ہے۔ اور خدا کی محبت میں غلو ہو نہیں سکتا۔ یہ جذبہ جس قدر ترقی کرے اور بڑھے اسی قدر بہتر ہے۔"

قرآن کریم کو پڑھتے وقت ہمارے دلوں کی کیا حالت ہو۔ فرمایا:——

"قرآن کریم کو بہت کثرت سے پڑھو۔ اپنے گھروں کے اندر کسی کونے میں ایک چھوٹی سی غار بنالو۔ جہاں بیٹھ کر دنیا و مافیہا سے الگ ہو جاؤ۔ اور جو وقت میسّر آئے وہاں بیٹھ کر قرآن کریم پڑھو، اور پڑھتے وقت دعائیں مانگو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ جہاں خدا کی رحمت کا ذکر ہو تو یہ دعا کرو کہ وہ اس ساری زمین پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔

اپنی جماعت کے لئے رحمت کی دعائیں مانگو کہ اس وقت قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ اللہ تعالےٰ کی زبردست طاقت کا ذکر آئے کہ کس طرح وہ حق کو غالب کرتا چلا آیا ہے تو تمہارے دلوں میں یہ فریاد اُٹھے کہ دنیا پر آج ظلمت چھائی ہوئی ہے تو اپنی اس زبردست طاقت کا نشان آج بھی دنیا کو دکھا۔

قرآن کی عظمت کا ذکر آئے کہ یہ قرآن شفاء اور رحمت ہے۔ یہ قرآن مُردوں کو زندہ کرے گا، مشکلات کے پہاڑ اڑا دے گا۔ زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گا۔ تو تمہارے دلوں سے یہ دعا اُٹھے کہ اے خدا تو آج بھی ہماری مشکلات کے پہاڑوں کو اُڑا دے اور ہمیں وہ سامان عطا فرما کہ ہم اس قرآن کریم کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔

انبیاء اور مومنین کی نصرت کا ذکر آئے تو وہی نصرت اپنے لئے مانگو۔ کیونکہ مقصود تمہارا بھی یہی ہے کہ خدا کا نام دنیا میں بلند ہو۔ پچھلی ہلاک شدہ قوموں کا ذکر آئے تو تمہارے دل کانپ اُٹھیں کہ اے خدا تیری یہ قوم ساری دنیا کی ہدایت کے لئے اُٹھی تھی۔ اسے اپنے رسولؐ

کی نافرمانی سے بچا اور اسے قرآن کی حامل بنا۔ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کا ذکر آئے کہ وہ حق کو غالب کرے گا، اور قرآن کئی پیراؤں میں اس ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ تو تمہارے پورا فرما۔ تو نے اپنے رسول کو رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجا تھا۔ مگر دُنیا کی بے شمار قومیں ابھی اس رحمت سے محروم ہیں۔ تو نے اس قرآن کو ذکراً للعٰلمین فرمایا۔ مگر ابھی بے شمار قومیں ہیں جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔ اے خدا۔ تیری نصرت تو یقیناً آتی ہے اور آتی رہے گی۔ مگر اس کو جذب کرنے والے دِل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر سُست ہو گئے ہیں .... غرضیکہ یہ قرآن پڑھو مگر اس طرح نہیں کہ اس کے لفظ تو تمہاری زبان پر ہوں مگر دِلوں پر نہ اُتریں۔ قرآن کا صحیح مقام انسانوں کی زبانیں نہیں ہوتیں۔ انسانوں کے دِل ہیں۔ قرآن کو پڑھو۔ مگر اس کا مقام اس سے بھی بلند تر ہے۔ اس کو اپنے قلوب پر وارد کرو۔ یہ قلب نبوی پر اُترا۔ اور قلب ہی اس کا مقام ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں مگر تم ان سے قوت اس وقت حاصل کر سکتے ہو، جب یہ تمہارے قلب سے نکلیں۔"

غور کے قابل یہ بات ہے کہ قرآن کے ساتھ آپؒ کا عشق محض جذباتی اور عملی پہلو سے خالی اور محض عطیات کے ساتھ قرآن پڑھنے یا پڑھانے تک محدود نہ تھا بلکہ اصل درد اور تڑپ یہ تھی کہ یہ عظیم الشان کتاب تمام دنیا میں کس طرح پہنچے۔ اسی درد اور تڑپ کو آپ تمام احمدیوں کے دل میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اور خود آپ نے اس کی وجہ سے جو جدّ و جہد تمام عمر کی اس کے نتائج اب دنیا پر ظاہر ہیں۔

آپؒ فرماتے ہیں:۔

"اپنے دِلوں کے اندر وہ تڑپ پیدا کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہاری نسبت پیدا کر دے۔ اور وہ لعلّک باخع نفسک کی تڑپ ہے۔ کہ تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم میں ہلاک کر دے گا اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔ جو بھی اس تڑپ کو پیدا کرے گا وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نسبت پیدا کرے گا۔ اس کے اپنے اندر بھی انقلاب پیدا ہوگا۔ اور وہ دُنیا کے اندر بھی انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن جائے گا۔"

دُعاؤں کے مجاہدے

مولانا محمد علیؒ کو خدا نے ایک اعلیٰ درجہ کا انتظامی دماغ اور معاملہ فہمی کی قوت عطا فرمائی تھی۔ اور فطرتی طور پر آپؒ کے اندر ایسی تعمیری صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں کہ آپؒ جہاں بھی رہے کچھ بنتا ہی گیا۔ قادیان کے تعمیری کام کا ذکر آ چکا ہے۔

لاہور آئے تو سخت نامساعد حالات اور بے سروسامانی کے اندر قوم کی شیرازہ بندی اور استحکام کے لئے جدوجہد کی اور جلد ہی وہ وقت آ گیا کہ نہ صرف ایک ٹھوس کام اشاعتِ اسلام کا ہونے لگا۔ بلکہ اس وقت کے تمام سمجھدار مسلمانوں کی نظریں احمدیہ بلڈنگس کی طرف اُٹھنے لگیں۔ اور بیرونی دنیا میں ایک وقار اور شہرت جماعت احمدیہ لاہور کی قائم ہوئی۔ علمی سرگرمیوں کے علاوہ مالی جہاد کی رُوح جماعت میں زندہ تھی کیونکہ ہر وقت کوئی نہ کوئی تحریک اور مقصد آپؒ جماعت کے سامنے رکھتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کی آواز میں ایک عجیب اثر رکھا تھا۔ چنانچہ مالی رنگ میں بھی آپؒ نے تعمیر قومی کا حق ادا کیا۔ لیکن سب کچھ کامیابیاں جو آپ کو اور اس جماعت کو خدا تعالیٰ نے عطا فرمائیں، ان سب کے پیچھے نہ صرف مولانا کی انتظامی اور تعمیری صلاحیتیں تھیں۔ اور نہ صرف جماعت کی مالی قربانیاں تھیں، اور نہ صرف آپؒ کا پہاڑ کی طرح نمایاں عزم و استقلال تھا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی ان نصرتوں کی جاذب آپؒ اور آپؒ کے رفقاء کی وہ درد اور تڑپ تھی جو انہیں آدھی رات کو بے چین کر کے اپنے بستروں سے اُٹھا دیتی تھی۔ اور وہ خدا کے حضور گریہ و زاری میں لگ جاتے تھے۔

مولانا کی تمام تحریرات اور خطبات کو پڑھ جائیں۔ اسی تلقین سے بھرے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے آگے گرنا اور اُسی سے مدد اور قوت اور رفعت کی التجا۔ خود آپ کو جوانی سے جو نمازِ تہجد کی عادت پڑی تھی تو سفر ہو یا بیماری تا دمِ مرگ اس میں ناغہ نہ ہُوا۔

آخر عمر میں آ کر اس تہجد کی گریہ و زاری نے ایک عجیب رنگ اختیار کر لیا۔ جس کے گواہ آپ کے بعض عزیز اور قریبی بزرگ ہیں۔ آخر بیماری میں زیادہ تکلیف کے دوران میں ڈاکٹروں کے خواب آور ٹیکے بھی آپ کو تہجد کے وقت سُلا نہ سکتے تھے۔ اور بستر پر لیٹے لیٹے ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

یہ گریہ و زاری اور دُعائیں اور مجاہدے بعض موقعوں پر اور بھی شدت اختیار کر لیا کرتے تھے۔ مثلاً جب کبھی انجمن کو مشکلات درپیش ہوں یا کوئی بڑی تحریک مدِّ نظر ہو، یا رمضان کا مہینہ ہو۔ ایسے موقعوں پر دُعا کے مجاہدوں کو جماعتی رنگ دینے کے لئے تمام احباب کو شامل ہونے کی دعوت دیتے اور بار بار اس کو دہراتے۔ اور ان موقعوں پر آپؒ کے مکتوبات اور خطبات میں ایسی پر درد اور پُر اثر دعائیں موجود ہیں جن کو پڑھ کر آج بھی دِل پگھل جاتا ہے۔ تبلیغِ دین کے کام کے لئے سب سے بڑھ کر ضرورت خدا کے آگے دُعا کرنے کی ہے۔ اس کا احساس آپؒ ہمیشہ جماعت کو دلاتے رہتے تھے۔ آپؒ فرماتے ہیں:۔

"وہ کیا اضطراب تھا آنحضرتؐ کے دِل میں جو آپؐ کو یوں بے چین رکھتا تھا۔ وہ اضطراب دِلوں میں پیدا کرو۔ اس کے لئے راتوں میں اُٹھو اور خدا کے آگے روؤ اور دلی درد کے ساتھ اس سے مدد مانگو...... تمہارے دِلوں کے اندر وہ تڑپ ہونی چاہیئے کہ تمہاری راتوں کی نیند جاتی رہے .... اگر اس وقت کہ دینِ اسلام تمہاری امداد چاہتا ہے۔ اس درد نے تمہیں بے چین نہیں کیا کہ تم اُٹھو اور خدا کے آگے روؤ تو تم نے کچھ بھی نہیں پایا......... جس دن یہ جماعت راتوں کو اُٹھ کر گریہ و زاری کرے گی اس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہوگی۔"

"........ خدا کی طاقت کا جلوہ ایسے ہی دل میں ہوتا ہے۔ اور اسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آتی ہے۔ اپنے دلوں کو اس کا محل بناؤ........ مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اس جماعت کو گرا نہیں سکتا جب تک ایسے لوگ اس جماعت میں موجود ہیں جن کے آنسو راتوں کو بہتے ہیں۔"

ایک اور جگہ آپؒ فرماتے ہیں:۔

"دنیا کے سب سے بڑے کام انسان اپنی خداداد طاقتوں کے

ذریعے کر لیتا ہے۔ ہواؤں۔ پانیوں اور بجلیوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ مگر انسانی قلوب کو بدلنا۔ یہ اپنی قوت سے نہیں کر سکتا اس کے لئے ایک اور قوت کی ضرورت ہے جو خدا کے آگے گرنے سے ملتی ہے۔

خدا کے حضور گر کر طاقت کا ملنا، یہ لفظ ہی نہیں۔ یہ سب سے بڑی سچائی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا الہام۔ یہ ہے کہ جو شخص خدا کے آگے گرا دنیا اس کے آگے گر جاتی ہے۔ پس جو جماعت دعوت الی اللہ کے کام میں لگی ہے، اس کے لئے پہلی شرط ہے کہ خدا کے آگے گرے اور اس سرچشمہ سے قوت حاصل کرے۔"

ایک اور خطبہ میں فرماتے ہیں:—

"یہ عظیم الشان کام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے اموال کو اس کے حصول کے لئے خرچ کریں۔ لیکن ایک اور چیز کی ضرورت ہے جس کے بغیر ہمارے اموال اور کوششیں بھی بارآور نہیں ہو سکتیں اور وہ ہے خدا کے آگے گرنا۔ اور اس کے حضور دعائیں کرنا۔ لوگوں کو یہ راہ مشکل نظر آتی ہے۔ لیکن یاد رکھیئے دعا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان یقینی کامیابی حاصل کر سکتا ہے .... دعا کا بہترین وقت سارے قرآن کو پڑھ کر دیکھ لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کو دیکھ لو۔ ایک ہی نظر آئے گا۔ وہ ہے پچھلی رات کا وقت۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ رات کا اٹھنا دل میں ایک زبردست قوت اور طاقت پیدا کرتا ہے۔ رات کا اٹھنا اور خدا کے حضور قیام کرنا، یہ زیادہ کام کرنے کا نسخہ ہے۔ جسے ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے۔ ہم نے امام زمان حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے۔ رات کا بیشتر حصہ تہجد کی نمازیں گذارتے تھے۔ ان کے کام کو بھی دیکھ لیجئے کہ کس قدر عظیم الشان کام ہے۔

بڑے بڑے اولیاء اللہ اور بزرگوں نے اس راہ کو آزمایا اور صحیح پایا، ان کی زندگیوں میں دو چیزیں بین نظر آتی ہیں۔ ایک عبادت کی زیادتی اور دوسرے کام کی زیادتی۔ میں اپنے احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عظیم الشان نصب العین میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے دعا۔ جس قدر ہو سکے خدا کے حضور گریہ و زاری اور دعا پر زور دیں۔ یہاں تک کہ اٹھتے بیٹھتے۔ سوتے جاگتے دعا کا پہلو ان پر غالب ہو۔

جماعت کے ساتھ نماز بھی پڑھو مگر تنہائی میں کچھ حصہ نماز کا ضرور ادا کرو۔ گھر کے کسی کونے کے اندر جہاں سوائے خدا کے اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو اس نماز کی عادت ڈالو کہ جب تم خدا کے آگے سجدے میں گرو اور پھر اپنے سر کو اٹھانا چاہو تو اٹھا نہ سکو۔"

اشاعتِ قرآن کی تڑپ

خود آپ کی اپنی زندگی انہی باتوں کا ایک روشن نمونہ تھی۔ قرآن کریم کا عشق ...... اشاعت اسلام کا درد۔ عبادت کی زیادتی اور کام کی زیادتی۔ آپ ایک ایسے پیشوا تھے جو بڑی بڑی دل لبھانے والی باتیں قوم کو تو سناتے ہیں۔ لیکن ان کی اپنی زندگیوں میں وہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ جن باتوں کی طرف آپ نے جماعت کو ہمیشہ توجہ دلائی۔ ان کے متعلق خود آپ کی اپنی زندگی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اپنی وفات سے قبل آخری جلسہ سالانہ میں حضرت مولانا نے دو تقاریر کیں۔ ان میں سے ایک مختصر سا اقتباس ذیل میں اس خوف کے ساتھ درج کرتا ہوں کہ آپ کے بعد کہیں ہماری حالت تو وہ نہیں ہو گئی جس کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ یہ بیان کرتے کہ بعض صحابہؓ کے پاس جہاد پر جانے کے وسائل نہ تھے تو قرآن کریم میں آیا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔ فرمایا:—

"کیا اس محبت الٰہی کا کوئی کرشمہ ہمارے دلوں میں بھی ہے؟ اگر ہے تو اپنی آنکھوں سے کسی وقت اس کے لئے بھی آنسو بہاؤ کہ خدایا تیرا دین مصیبت میں ہے۔ تو نے جس قرآن کو ساری دنیا کے لئے بھیجا تھا۔ وہ ہمارے گھروں میں بند پڑا ہے۔ اور دوسروں کو پہنچانا تو ایک طرف۔ ہمارے دلوں میں بھی نہیں اترتا۔ تو نے جس رسول کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اس کے نقش قدم پر نہ ہم خود چل رہے ہیں نہ اس کی تصویر دنیا کو دکھلانے کے لئے ہم ہاتھ ہلاتے ہیں۔ تو ہمارے دلوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ محبت پیدا کر دے کہ ہم خود بھی دیوانہ وار اس کے پیچھے چلنے والوں میں ہوں اور دیوانہ وار اس کا حسن دنیا کو دکھانے والے بن جائیں۔"

آپ کے دل کا یہ درد اور تڑپ حضرت مسیح موعودؑ کے ان اشعار کی گویا ایک روشن تصویر تھی:—

درد ا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند
آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند

بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفسِ مبتلا است + کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجا نماند
اے بے خبر بخدمتِ قرآں کمر بہ بند + زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

آخری شعر میں جو نصیحت ہے اس پر مولانا محمد علی رح اور آپ کے رفقاء نے مثالی طور پر عمل کیا۔ ان سب کے دل اسی خوبی سے معمور اور اسی تڑپ سے بھرپور تھے۔ یہ سب تو اپنے اپنے عہد کو نبھا کر اپنے مولا سے جا ملے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگیوں کا نقشہ حضرت مولانا کے اپنے الفاظ میں دیکھئے:—

"کس قدر عظیم الشان کام ہو چکا ہے اور کس قدر بلند عمارت بن چکی ہے اور کن ہاتھوں نے اس کام کی بنیاد رکھی ہے۔ اصل کام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت اور اشاعت کا ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے ایک مامور کے ذریعہ رکھی ہے اس عمارت پر آج سینکڑوں بڑے بڑے آدمیوں کی زندگیاں صرف ہوئیں۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ اس پر صرف ہو چکا ہے۔ کئی بزرگ اس جماعت میں ایسے ہیں جن کا لاکھ لاکھ سے زیادہ روپیہ اس تعمیر پر صرف ہوا ہے اور ان کی کوئی گنتی ہی نہیں جنہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بال بچوں کو تکلیف میں رکھ کر۔ اثاثہ بیچ کر اس پر روپیہ صرف کیا۔ وہ آہیں جو خدا کے دین کی ترقی کے لئے دلوں سے اٹھ چکی ہیں اگر ان کا کوئی ریکارڈ ہو اور خدا کے ہاں یقیناً وہ ہے تو رات کی سنسان خاموشی ایک شور عظیم سے بھری ہوئی نظر آتے وہ آنسو جو اس درد میں بہہ چکے ہیں اگر اکٹھے ہوں تو ایک نہر بہہ نکلے۔"

اس کے بعد آپ ان لوگوں سے خطاب کرتے ہیں جو کسی رنج یا کدورت یا ذاتی خواہش کی وجہ سے سستی کا شکار یا علیحدگی کی طرف مائل یا جھگڑے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:—

"خوب یاد رکھو کہ یہ عظیم الشان عمارت جس کی بنیاد خدا کے مامور کے ہاتھوں نے رکھی اور جس کی تعمیر میں آج ۴۵ سال سے ایک قوم اپنی جانوں اور اپنی قوتوں اور اپنے مالوں سے لگی ہوئی ہے یہ کوئی معمولی سی چیز نہیں جس کو آج گرا کر کل پھر اس کو بنا لو۔ اس

[illegible] اس [illegible] اور [illegible] اللہ [illegible] رضا کے لئے اس
کام کو شروع کیا اسی طرح اکٹھے رہ کر اس کی تکمیل میں مصروف ہو
، اور محض اللہ کی رضا مطلوب ہو۔ ہُوا تو سب کچھ اللہ تعالے کے
فضل سے ہے۔ مگر آخر تمہاری ہی طاقت، تمہارا ہی مال اس پر
صرف ہوا ہے۔ اپنی چیز کو اپنے ہاتھوں سے برباد نہ کرو۔

مولانا مرحوم کا دردمندانہ پیغام

آج اس موقعہ پر حضرت مولانا محمد علی رح کے اس ذکر سے مراد کچھ اپنا جائزہ لینا بھی تھا۔ کہ ہم کو کہاں جانا تھا اور ہم کہاں جا رہے ہیں۔ آپ رح کی زندگی کے حالات اور آپ کی شخصیت کی خصوصیات اور جماعت احمدیہ کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے بہت سے سبق ملتے ہیں۔ اس ذکر کو آپ کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جن میں اپنے بعد آنے والوں سے خطاب ہے۔ فرماتے ہیں :۔

" احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے، قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا کوئی کام دنیا میں نہیں۔ یہ وہ کام ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحا کو کھڑا کرتا رہا ہے۔ سو ہمارے لئے فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جبکہ مسلمانوں نے تبلیغ دین کے کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالے نے ہماری جماعت کو دین کے پھیلانے کے لئے چن لیا ہے۔ یہ جہاں ہمارے لئے فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی و گریہ وزاری کا مقام بھی ہے۔ کہ جس کام کے لئے اللہ تعالے نے اتنے بلند لوگوں کو چنا تھا اس کے لئے اس زمانے میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقع دیا۔

سو خدا سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پورے اترو۔ میں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہوں گا کہ اپنی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ ایک دن آئے گا کہ تم ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔

اے میرے نوجوان دوستو! میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے " ٭٭٭

ہے۔ یہ اس قدر عظمت کی بات ہے۔ اس کے علاوہ حضور فرماتے ہیں کہ :۔

" مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اس وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالے کے نزدیک یہ صورت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا ہرگز نہ ہوتا۔ مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ "

(مجاہد کبیر۔ صفحہ ۴۹)

میں نے جو آیات تلاوت کی ہیں، ان میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے :۔

" اے ایمان والو کیا میں تمہاری رہنمائی ایک ایسی تجارت کی طرف کروں جو تمہیں عذاب سے نجات دے۔ اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ بڑی کامیابی ہے "

حضرت امیر مرحوم کی زندگی اس مقصد اور مشن کے لئے وقف تھی آپ نے حضرت مرزا صاحب کے درد دل فرقان کو اپنا درد بنا کر قرآن پاک کی تفسیر انگریزی زبان میں کی۔ اور اس کے علاوہ کثیر لٹریچر اسلام کی حمایت اور دفاع میں تیار کیا۔

اب ہمارا فرض ہے کہ دنیا کو اسلام کی طرف لانے کے لئے حضرت مولانا کی تحریروں کو دنیا تک پہنچائیں۔ حضرت مولانا نے ایک تقریر میں نوجوانوں سے کہا تھا کہ اپنے بزرگوں کو دفن کرنے کے ساتھ اپنی روایات بھی دفن نہ کر دینا۔ ہماری روایات یہ ہیں کہ خود قرآن پڑھیں اس پر عمل کریں اور اس کو لوگوں تک پہنچانے میں اپنے بزرگوں کی روایات پر عمل کریں یہی بات تمہاری احیاء و بقاء اور کامیابی کی ضامن ہے۔

بعد ازاں جناب میاں محمد احمد صاحب خلف الرشید حضرت مولانا محمد علیؒ نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت مولانا کی شخصیت مختلف النوع خوبیوں کی حامل تھی۔ ان کی زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال اور سادگی تھی۔ نمود و نمائش سے نفرت تھی۔ اپنا اور بیوی بچوں کا کام خود کر دیتے تھے۔

آپ رح کی طبیعت میں خوش مزاجی۔ بشاشت بھی تھی، اور پاکیزہ مزاح بھی تھا۔ آپ بے پناہ قوتِ کارکردگی کے مالک تھے۔ آپ نے ۲۵ سال تک دنیاوی تعلیم حاصل کی۔ آپ نیکی اور تقوے کے اعتبار سے منفرد تھے۔ آپ نے ۲۲ سال کی عمر میں حضرت امامِ وقت کی بیعت کی۔

۱۸۹۹ء میں ہجرت کر کے قادیان تشریف لے گئے۔ ۳۵ سال کی عمر میں تفسیر قرآن کا ایک عظیم الشان کام شروع کیا آپ نے اس سلسلہ میں ... ۵ ہزار کتب کی ریسرچ کی۔ آپ قرآن پاک کا کام کرنے میں کبھی تھکن محسوس نہ کرتے تھے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان کی زندگی کو مشعل بنائیں اور اس طرح سے عشقِ قرآن پیدا کریں۔

جناب نصیر احمد فاروقی صاحب نے تقریر کرتے ہوئے، فرمایا کہ زبانی اظہار عقیدت کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ جس طرح سے "مجاہد کبیر" لکھی گئی ہے اسی طرح ہمیں چاہیئے کہ حضرت مولانا کے وہ مضامین جو مختلف رسائل کے اوراق میں منتشر موجود ہیں، ان کو اکٹھا کریں اور اس کو کتابی شکل میں شائع کریں

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

از قلم میاں رحیم بخش صاحب [illegible] کراچی

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے۔

یہ مارچ اپریل ۱۹۰۲ء کا ذکر ہے۔ پنجاب میں طاعون ایک خطرناک وبائی صورت میں زوروں سے پھیل چکی تھی۔ حضرت اقدس مسیح موعود کو بذریعہ الہام یہ تسلی بخش اطلاع مل چکی تھی کہ جو آپ کے گھر یعنی مکان کے اندر ہوگا۔ وہ اس مہلک مرض سے محفوظ رہے گا۔

ان ایام میں اتفاق سے حضرت مولانا صاحب جو شروع سے ہی قیام قادیان کے دوران میں حضرت مسیح موعود کے ذاتی مکان کے اندر رہائش پذیر تھے سخت بخار میں مبتلا ہو گئے۔ اور ان پر اس خیال نے کہ ان پر طاعون کا حملہ ہوا ہے اس قدر غلبہ کیا کہ وہ اپنا وصیت نامہ لکھوانے لگے۔

حضرت اقدس مسیح موعود کو جونہی ان حالات کی اطلاع ملی وارفتگی کے عالم میں مولانا صاحب کے کمرہ میں تشریف لائے تو ایک اضطراری اور والہانہ انداز میں فرمایا:—

"اگر آپ کو طاعون ہو گئی ہے۔ تو میں جھوٹا ہوں اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔"

ان الفاظ کا منہ سے نکلنا تھا کہ حضرت اقدس کے مولانا کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہی بخار دفع ہو گیا۔ اور مولانا اسی وقت سے صحتیاب ہو کر بیٹھ گئے۔ گویا حضرت اقدس کے ارشاد پر مولانا موصوف کو ایک نئی زندگی عطا ہوئی۔

جن حالات میں جس جذبہ سے حضرت اقدس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نے مولانا صاحب کی فوری صحتیابی کو اپنے دعوے کی صداقت کا محض وقتی نشان قرار نہیں دیا بلکہ حضرت مولانا کی تمام زندگی کو اپنی صداقت کا نشان ٹھہرایا۔ اس لئے کہ حضرت اقدس کو یہ یقین تھا کہ مولانا صاحب اپنی تمام باقی زندگی میں خواہ حضرت اقدس کی حیات طیبہ میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد ہو جو خدمت سر انجام دیں گے۔ وہ حضرت اقدس مسیح موعود کے دعوے کی تصدیق میں ہوگی۔ اور یہ آپ کے دعوے کی صداقت پر بیّن ثبوت ہوگا

جس طرح حضرت اقدس کو ایک طرف یہ یقین تھا کہ مولانا کی تمام زندگی آپ کے دعوے کی تصدیق اور آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے ایک نشان ہوگی۔ اسی طرح دوسری جانب مولانا صاحب کو بھی یقین تھا کہ آپ کی زندگی حضرت اقدس کے ہاتھ سے معجزانہ طور پر جان کی زندگی کا عود کرتا آئندہ بھی ایسی وبائی آفات سے محفوظ اور مامون رہے گی۔ یہ یقین کس حد تک ان کو تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے جو مجدّدِ اعظم اور مجاہد کبیر میں یوں مذکور ہے۔

ایک طرف حضرت صاحب کو مولانا محمد علیؒ صاحب کی نیکی اور تقوےٰ اللہ پر اتنا یقین تھا تو دوسری طرف مولانا کا یقین اور ایمان بھی مدارج طے کر کے اس قدر کمال پر پہنچا کہ اس واقع کے بعد کئی بار طاعون کا زور ہوا اور آپ وبا زدہ مقام پر رہے مگر طاعون کا ٹیکہ لگانے سے ہمیشہ انکار کیا۔ کہ میرے لئے مسیح موعود کا ارشاد کافی ہے۔

مارچ ۱۹۲۴ء میں لاہور میں سخت طاعون کی وبا پھیلی کثرت سے اموات ہونے لگیں۔ تعلیمی اداروں اور دفاتر میں چھٹیاں دے دی گئیں۔ بہت سے لوگ شہر سے نکل گئے۔ مولانا محمد علی صاحب بھی بچوں کو لے کر اپنے احباب کے ہمراہ شہر کے باہر اس میدان میں جہاں اب مسلم ٹاؤن آباد ہے خیمے لگا کر جا رہے۔ مگر روزانہ صبح اپنے دکان واقع احمدیہ بلڈنگس لاہور میں چلے جاتے۔ تمام دن وہاں کام کرتے اور شام کو واپس آ جاتے۔ وبا اس قدر بڑھی کہ احمدیہ بلڈنگس کے علاقے میں بھی کیس ہونے لگے۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جو آپ کی طرح خیموں میں قیام پذیر تھے بہت اصرار کرتے تھے کہ آپ ٹیکہ لگوا لیں۔ یا شہر نہ جایا کریں۔ مگر آپ انکار کرتے رہے۔ انہوں نے آپ کی اہلیہ سے کہلوایا مگر آپ ٹال گئے۔ البتہ اہل و عیال کو ٹیکے لگوا دیئے گئے۔ ایک دن آپ کے دفتر میں کتابوں کی الماری کے نیچے سے ایک چوہا نکلا اور وہیں مر گیا۔ آپ نے اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر جلا دیا اور اپنے کام میں حسب معمول لگے رہے۔"

ان دو مقدس زندگیوں میں یہ باہم گہرا تعلق اور اعتماد کس طرح پیدا ہوا یہ تعلق ایک ایسا روحانی تعلق تھا جو تمام ظاہری رشتوں سے بالاتر اور پائدار تھا۔ یہ اس پدرانہ شفقت اور تربیت کا نتیجہ تھا جو حضرت اقدس نے مولانا صاحب پر شروع سے ایک والہانہ محبت اور تربیتی توجہ کے ساتھ نچھاور کی۔ یہ اس لئے تھا کہ حضرت اقدس کی نگاہ انتخاب مولانا صاحب پر پڑی

مولانا صاحب کی زندگی کا ابتدائی زمانہ تھا جب آپ کی عمر ۲۵ برس تھی۔ کہ آپ ۱۸۹۷ء میں حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ مولانا صاحب تعلیم سے فارغ ہو کر لاہور میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ اور وکالت کا امتحان دے رہے تھے۔ اس زمانے میں ہی حضرت اقدس اپنی خاص تحریرات اور میموریل وغیرہ حضرت مولانا صاحب کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اور مولانا صاحب کا یہ معمول تھا کہ حضرت اقدس کی صحبت اور قربت حاصل کرنے کی غرض سے آپ تقریباً ہر ہفتہ اتوار اور دیگر تعطیلات میں قادیان جایا کرتے تھے۔

آج کل کے معیار سے تو یہ سفر لاہور اور قادیان کے درمیان کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مگر اُن دنوں یہ مختصر سا فاصلہ کرنا بھی بڑا دشوار گذار تھا۔ قادیان سے نزدیک ترین ریلوے اسٹیشن بٹالہ تھا۔ جو بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ مگر یہ کبھی پیدل، کبھی یکہ کے ذریعہ ایک کچی سڑک پر طے کرنا پڑتا تھا مگر یہ پرصعوبت منزلیں ان بلاکشانِ محبت کے لئے کس طرح سامانِ تفریح اور مسرت مہیا کرتی تھیں۔ یہ بھی انہی کی زبانی سنئے:—

"طالب علمی کے زمانے میں ہم نمونۃً قادیان جاتے تھے۔ لاہور سے گاڑی رات کے بارہ بجے بٹالہ اسٹیشن پہنچتی تھی۔ کوئی ٹانگہ اور یکہ نہ تھا جو ہمیں قادیان لے جاتا۔ ہم وہاں سے پیدل ہی قادیان چل

دیتے اور جا کر مسجد کے فرش پر بیٹ رہتے۔ اور فجر کی نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ ہم وہاں صرف ایک دن کے لئے جایا کرتے تھے۔ شوق کا عجیب عالم تھا۔ حضرت صاحب کو ملنے کے لئے طبیعت کتنی چاہتی تھی۔ ہفتہ کی رات کو وہاں جا کر اتوار کی شام کو واپس چل پڑتے۔"

۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۹ء تک دو سال کے عرصہ میں جب مولوی محمد علی صاحب لاہور میں ملازمت اور وکالت کے امتحان کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ مولانا صاحب اور حضرت اقدس مرزا صاحب کے درمیان مسلسل خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ اور حضرت اقدس کے کثیر خطوط مولانا صاحب کے کاغذات میں محفوظ ہیں۔

یہ خطوط حضرت مرزا صاحب نے اپنی تحریرات کے ترجمے کرنے یا مقدمات میں بعض ڈیفنس پیش کرنے یا اور متفرق معاملات دینی کے متعلق لکھے ہیں۔ (ان خطوط کے فوٹو عکس کتاب "مجاہد کبیر" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔) اس سلسلہ کے آخری خط کا اقتباس درج ذیل ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح یہ خط و کتابت حضرت مولانا کو کشاں کشاں قادیان لے گئی۔ وہاں آپ کے قیام کا باعث ہوئی۔ یہ وہ خط ہے جو اس ہجرت کا باعث ہوا:-

"محبی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ مجھ کو تو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ خدا تعالے نے اپنی حکمت کاملہ سے آپ کے لئے قادیان میں رہنے کے لئے تقریب پیدا کر دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کے لئے بہت کچھ فضل اور رحمت کا ارادہ فرمایا ہے۔ کہ یہ تقریب قائم ہوگی۔ میرے نزدیک تو بہتر ہے کہ تمام گرمی کے دن اکتوبر کے مہینے تک آپ اسی جگہ قادیان میں رہیں اور جو امور دینی سے سر انجام دیں۔ اور اس عرصہ میں مولوی صاحب (مولانا نورالدین صاحب) سے قرآن شریف بھی سنیں۔ پھر اکتوبر جو ابتدا سردی کا ہوتا ہے آپ کو اختیار ہوگا کہ اپنے کام میں مشغول ہوں۔

یہ مدت آپ کے لئے انشاء اللہ دینی امور کی تکمیل کے لئے اکسیر کا کام دے گی۔ مجھے آپ پر نہایت نیک ظن ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ اس عرصہ میں بہت ترقیات کریں گے .... دوسرا گروہ جو پورے صدق اور پوری وفاداری سے اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور درحقیقت اپنے تئیں اس راہ میں بیچتے ہیں۔ سو میں چاہتا ہوں کہ خدا تعالے آپ کو دوسرے گروہ میں سے کرے۔ آپ ۱۵ مئی ۹۹ء کے گذرنے کے بعد اس لمبی رہائش کے ارادہ سے تشریف لے آویں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بہت ثواب ہوگا ...."

چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود کی اس دعوت کی تعمیل میں حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کی لاہور سے قادیان کو وہ ہجرت وقوع میں آئی جس نے حضرت مولانا کی زندگی کی کایا یکسر پلٹ دی۔ کہ جہاں آپ دنیاوی ترقیات کی اعلےٰ منازل کے حصول میں کوشاں تھے۔ اب قادیان پہنچ کر آپ نے اپنی زندگی کی تمام تر کوششیں حضرت اقدس مسیح موعود کی منشاء کے مطابق دینی امور کی سر انجام دہی کے لئے وقف کر دیں۔

حضرت مولانا نے ۱۸۹۹ء میں وکالت یعنی ایل ایل بی کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورداسپور میں وکالت کی پریکٹس کے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے کہ حضرت اقدس کے دعوت نامہ کے باعث قیام و حصول ہونے پر بجائے گورداسپور ۱۸ مئی ۱۹۹۹ء کو آپ قادیان پہنچ گئے۔ اور اس وقت آپ کی وہاں آمد کی خبر جماعت کے اخبار الحکم میں اس طرح شائع ہوئی:-

"مولوی محمد علی صاحب ایم اے چند ماہ تک قادیان میں مقیم رہیں گے۔ ۱۸ مئی ۱۹۹۹ء کو وہ دارالامان میں آپہنچے۔ حسب معمول "مسیح ہندوستان میں" کا ترجمہ کر رہے ہیں۔"

حضرت مولانا محمد علی صاحب کی اس یادگار ہجرت پر اور آپ کی ۱۸ مئی ۱۱۱۹ء کو قادیان میں آمد سے آپ کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ جو مئی ۱۸۹۹ء تا اپریل ۱۹۱۴ء پندرہ سال کی مدت پر مشتمل ہے۔ یہ عرصہ حضرت مولانا صاحب کی دینی خدمات سے بھرپور مصروفیت کا زمانہ تھا۔ جس میں انہوں نے ایک طرف حضرت اقدس مسیح موعود کی عین نظر تلے اور حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کی شاگردی میں دینی تربیت اور قرآنی علوم اور معارف پر کامل عبور حاصل کیا۔ تو دوسری طرف روحانی اور معرفت کی ترقیات کی وہ اعلےٰ منازل طے کیں کہ جن کی بدولت آپ علم و معرفت میں حضرت اقدس اور مولوی نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح جانشین کی حیثیت میں ابھرے۔

ان علمی معرفت اور روحانی ترقیات کی کچھ جھلکیاں ذیل کے اقتباسات سے ملیں گی جو "مجاہد کبیر" سے ماخوذ ہیں۔ دراصل حضرت مولانا کی دینی تربیت اور روحانی معرفت اور قرآنی علوم کے اکتساب کی پوری کیفیت اور حال اس نعمت غیر مترقبہ کتاب "مجاہد کبیر" کے بار بار پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے (مصنف مجاہد کبیر سے معذرت خواہ سے ملتمس ہوں۔ کہ اس کتاب کا نام موزونیت کے لحاظ سے "مجاہد اعظم" ہونا چاہئے تھا۔ مصلحِ اعظم کا اپنی دینی اور قرآنی مجاہدات کی بنا پر سب سے عظیم ترین شاگرد مجاہدِ اعظم ہی ہو سکتا ہے) اب وہ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

"حضرت صاحب کی خدمت میں رہنے کے شوق کی وجہ سے اور خود ان کے ارشاد کے مطابق بھی مولانا محمد علی صاحب نے جلد ہی گورداسپور کی کوٹھی کا دو ماہ کا کرایہ ادا کر کے اسے خالی کر دیا۔ تاکہ اکتوبر تک آپ قادیان رہ سکیں۔ اسی اثناء میں اشاعت اسلام کے لئے ایک رسالہ انگریزی میں جاری کرنے کی تجویز ہوگئی۔ اور حضرت صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کو اس دینی خدمت کے سر انجام دینے کے لئے کہا۔ تو آپ نے فوراً لبیک کہا۔

رسالہ کے جاری ہونے میں کچھ التواء ہو گیا۔ اور آپ کا عارضی قیام لمبا ہی ہوتا گیا۔ مارچ ۱۹۰۰ء میں مولانا محمد علی صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل رقعہ لکھا۔ اس کا جواب حضرت صاحب نے اسی رقعہ کی پشت پر تحریر فرمایا:-

"سیدی و مولائی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

حضور نے کل ظہر کے وقت جو ارشاد فرمایا تھا کہ اس خاکسار کو بھی چاہیئے کہ مستقل طور پر اب یہاں رہائش اختیار کرے۔ اس کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ جب مئی گزشتہ میں اس چھ ماہ قیام کی اجازت لے کر حاضر خدمت اقدس ہوا

تھا تو اس وقت میرے دل میں سوائے اس کے اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور اللہ تعالےٰ اس پر گواہ ہے کہ شاید اس لمبے قیام کے اثنا میں کوئی ایسی سبیل نکل آئے۔ کہ دنیا کے سب دھندوں سے الگ ہو کر ہر وقت حضور کے قدموں میں رہنا نصیب ہو جائے اور یہی سب سے بڑی آرزو اس وقت تک دل میں موجود ہے۔ .... آپ کے قدموں میں ہوں اور آپ کا غلام ہوں۔ اور آپ سے ہی درخواست کرتا ہوں۔ کہ میرے لئے دعا کریں۔ کہ خدا تعالےٰ اس وعدے پر تا دمِ زیست قائم رہنے کی توفیق دے اور اسی ایمان پر اُٹھائے۔"

جب اور جس طرح آپ حکم دیں گے میں رہنے اور کام کرنے کو تیار ہوں۔ اگرچہ اس دعوے کو پیش کرتے وقت بہت ڈرتا ہوں۔ کیونکہ سب ہدایت اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر چونکہ حضور خود یہ وعدہ بیعت کے وقت لیتے ہیں اس لئے میں نے بھی عرض کر دینے کی جرأت کی ہے یعنی ان الفاظ کے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" یہی معنے ہیں کہ بیعت کنندہ اپنے آپ کو مع اپنے تمام قویٰ کے مرسل من اللہ کے حوالے کر دے ...."

خاکسار: محمد علی۔

اس رقعہ کی پشت پر حضرت صاحب نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا:۔

"مجبی اخویم مولوی صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھ کو اس وقت آپ کے اس خط کے پانے سے بہت ہی خوشی ہوئی کہ اندازہ سے باہر ہے خدا تعالےٰ آپ کو مراداتِ دارین تک پہنچائے۔ میں مکان کی تجویز میں ہر وقت لگا رہتا ہوں۔ اُمید ہے خاطر خواہ مکانات بہت قریب مل جائیں گے۔ مگر بالفعل آپ کے لئے یہ مکان کافی ہوگا۔ اور میں نے محض آپ کی نیت سے اس مکان کو بنوایا تھا اور کوئی غرض نہ تھی۔ .... اُمید ہے اللہ تعالےٰ تمام افکار ہٹائے رفع کر کے مراداتِ تک پہنچا دے گا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ..."

"غرضیکہ پچیس سال کی عمر میں جبکہ ایک زریں دنیاوی مستقبل مولانا محمد علی کے سامنے تھا۔ انہوں نے امامِ وقت کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا ایک زبردست عملی نمونہ پیش کیا۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت مسیح موعود کے قدموں میں جا بیٹھے"

یہ حضرت اقدس اور حضرت مولانا صاحب کے مابین خط و کتابت کا ایک نمونہ ہے جس سے حضرت مولانا محمد علی رح کی والہانہ عقیدت حضرت اقدس مسیح موعود کی مربیانہ شفقت اور حسنِ اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کے گھر میں رہائش

"جب مئی سنہ ۱۸۹۹ء میں مولانا محمد علی صاحب قادیان پہنچے تو حضرت مسیح موعود نے آپ کو رہنے کے لئے اپنے خاص گھر میں تیسری منزل پر جگہ دی .... اسی منزل میں ایک طرف حضرت مولانا نورالدین رح صاحب اقامت پذیر تھے ...... آپ کے کمرے کے ساتھ مولانا عبدالکریم صاحب کا کمرہ تھا .... مولانا محمد علی صاحب کے کمرے کے ساتھ صحن میں سے ایک چھوٹا سا زینہ درمیانی منزل کی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں جاتا تھا۔ اور یہی کوٹھڑی آپ کا دفتر تھی۔ جہاں سے وہ بیش بہا مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے لئے انگریزی میں نکلتے تھے جس کے متعلق شُبہ کیا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے کوئی انگریز رکھا ہوا ہے جو یہ مضامین لکھ رہا ہے .... البتہ حضرت مسیح موعود کی صحبت اور آپ کے الطاف و کرم کی بیش بہا نعمت ہر وقت میسر تھی۔ حضرت صاحب آپ پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ صبح کے وقت آپ کے ناشتے کے لئے خود اہتمام سے کچھ نہ کچھ بھجوایا کرتے تھے۔ .... اس وقت قادیان ایک معمولی سا گاؤں تھا مگر حضرت مسیح موعود کی برکت سے مرجع خاص و عام ہوتا جاتا تھا۔ لیکن بہت سی ضروریاتِ زندگی جو ہمارے لوازم بن چکی ہیں وہاں میسر نہ تھیں

کبھی حضرت صاحب کی خدمت میں باہر سے پھل وغیرہ آتے تھے تو خاص توجہ فرما کر ایک حصہ مولانا محمد علی صاحب کو عنایت فرماتے۔

ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں کوئی برف لایا۔ مولانا صاحب فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود رح نے مجھے بلایا۔ آپ کے سامنے برف کے ڈلے رکھے تھے۔ اور ایک بڑی سی گڑوی میں دودھ تھا۔ آپ نے گلاس میں دودھ اور چینی ڈال کر برف ڈالی اور مجھے دیا۔ میں نے نہایت ممنونیت سے لے کر پی لیا۔ آپ نے دوبارہ گلاس دودھ چینی سے بھر دیا۔ تو مجھے شرم سی آئی کہ حضور دے رہے ہیں تو کس طرح انکار کروں۔ وہ بھی پی لیا۔ تیسری دفعہ آپ نے پھر دودھ اور برف ڈال کر دیا۔ تو میں نے عرض کیا۔ کہ میں کافی پی چکا ہوں۔ تو حضرت مسیح موعود نے مسکرا کر فرمایا۔ دو بار تو آپ نے اپنی مرضی سے پیا تو تیسری بار ہماری خوشی کے لئے پی لیں۔ چنانچہ میں نے وہ تیسرا گلاس بھی پی لیا۔ اور مجھے کسی قسم کی تکلیف یا گرانی محسوس نہیں ہوئی۔ غرضیکہ حضرت اقدس ایک نہایت شفیق والد کی طرح آپ کا خیال کرتے تھے۔ ......

(ماہرین تعبیر رؤیا کہتے ہیں کہ خواب میں دودھ کا پینا اکتسابِ علمِ لدنی کی علامت ہے۔ یہاں تو مامورِ وقت اور امامِ زمان رح اپنے ہاتھ سے مُحبّت کے خم پلائے جا رہے تھے۔ گویا ایک استاد اپنے شاگرد کو اپنے علومِ لدنی اور معرفتِ الٰہی اور معارفِ قرآن کے پیالے کے پیالے پلائے جا رہے تھے!)

"حضرت صاحب کے قرب اور مسلسل صحبت کے علاوہ مولانا محمد علی صاحب، مولانا نورالدین صاحب سے روزانہ درسِ قرآن سنتے تھے۔ اور قرآن کا جو علم آپ نے ان دو بزرگوں سے حاصل کیا۔ اس کا اعتراف آپ نے مختلف موقعوں پر اور کئی رنگوں میں کیا ہے۔ بیان القرآن کے دیباچہ میں اس کا صریحاً اعتراف موجود ہے۔ جس کو مختصراً مولانا نے خود اس شعر میں سمو دیا ہے:۔ "جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(باقی صفحہ)

۔ دوستوں سے بھی جب ظرافت کی بات سنتے تو کھل کھلا کر ہنستے تھے۔ لیکن میں نے آپ کے منہ سے کسی کی بدگوئی یا غیبت عیب جوئی، اور کوئی بناوٹ یا ساز باز کی کوئی بات کبھی نہیں سنی تھی۔ مخالفین کا ذکر کبھی کبھی آتا، تو ہمیشہ عزت و احترام سے نام لیتے۔ جیسے ایک بلند پایہ متقی مومن کی شان ہوتی ہے۔

آپؒ کی زندگی ہر قسم کے تصنع اور تملق سے پاک تھی۔ اسی لئے بعض سطحی خیال رکھنے والے لوگوں کو یا تھوڑی واقفیت رکھنے والوں کو اور خصوصاً ایسے لوگوں کو جو تکلف کو پسند کرتے اور تملق کی باتوں سے خوش ہونے کے عادی ہوتے ہیں۔ آپ کی طبیعت کا صحیح اندازہ کرنے میں غلطی لگ جانے کا امکان ہوتا تھا۔

رات کے آخری حصہ میں جو غالباً دو بجے کے قریب وقت ہوتا ہوگا۔ آپؒ کے کمرہ سے ایک دھیمی پُر ترنم اور پُرسوز آواز آنا شروع ہوتی تھی جس کے اثر سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سب فضا پُرکیف اور پُرنور ہوگئی ہے۔ طویل قراءت میں وقفہ وقفہ سے کچھ درد بھری آوازیں آنے لگتیں۔ جن سے دعا ہائے مستجاب کا پتہ چلتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کیا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اس شعر کی تفسیر تھی۔

اندریں وقت مصیبت چارۂ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست

ہماری یہ بدنصیبی کہ ہم ان دعاؤں سے محروم ہوگئے۔

میں نے ایک مرتبہ اپنی ایک بیماری میں دعا کی درخواست کی تو آپ نے مجھے لکھا کہ تمہاری صحت کے لئے دعا کرنا تو اب میرے لئے ایک ورد ہوگیا ہے۔ پھر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں سجدہ میں دعا کر رہا تھا تو بے ساختہ میرے منہ سے الفاظ نکلے:—

"اللہ میرے بیٹے سعید کو شفا بخش"

میں نے عرض کیا کہ میں تو اپنے آپ کو آپ کا بچہ ہی سمجھتا تھا۔ اچھا ہوا کہ اللہ میاں نے اپنے الہام سے اس پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی میں اسے اپنی زندگی کی بہت بڑی قیمتی دولت سمجھتا ہوں کہ آپؒ کو میرے ساتھ اس قدر محبت تھی۔

میں ۱۹۵۰ء کے وسط ستمبر میں پاکستان سے باہر جا رہا تھا۔ جس روز مجھے جانا تھا۔ کراچی کے ہوائی اڈہ پر پہنچا تو تھوڑی دیر کے بعد حضرت امیر بھی محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کو ہمراہ لئے ہوئے تشریف لائے۔ جہاز کی روانگی میں دیر تھی۔ قریباً دو گھنٹے بیٹھے رہے۔ اور بھی کئی لوگ وہاں آگئے۔

قرآن کریم اور اسلام کے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔ مجھ سے فرمایا کہ مکہ میں جو پہلی مرتبہ قرآن کریم طبع ہوا ہے اس کا ایک نسخہ لیتے آنا۔ میں سفر میں ہی تھا کہ ان کی شدید بیماری کی اطلاع ملی۔ لیکن جب میں واپس آیا تو آپ رُو بصحت تھے۔

۱۹۵۱ء میں دوبارہ مجھے انہی ایام میں وطن سے باہر یورپ جانے کا اتفاق ہوا اور کراچی میں آپ سے ایسی حالت میں ملاقات ہوئی جب آپ بظاہر مرض کے دوسرے شدید حملے سے اچھے ہو رہے تھے۔ اور یہ خیال نہ تھا اور نہ ہی دل اس بات کو قبول کرتا تھا کہ میری آپ سے یہ آخری ملاقات ہوگی۔ ۱۳ ستمبر کو قبل از دوپہر جب میں آپ کی خدمت میں الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو آپؒ کرسی پر تشریف رکھے خط پڑھ رہے تھے۔ مجھے کھانے کے لئے انگور دیئے اور کچھ گفتگو کے بعد مجھے ایک سیٹ کتابوں کا ہمراہ لے جانے اور کسی لائبریری میں پیش کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اور موزوں لائبریریوں کے پتے اگر میں لکھوں گا تو وہ کتب بھجوا دیں گے۔

اس ملاقات میں جو گفتگو ہوئی وہ آپؒ کی اسی دلی تڑپ اور زندگی کے اس مقصد وحید کے ساتھ تعلق رکھتی تھی کہ کسی طرح سے اکناف عالم میں قرآن کریم کے تراجم اور اسلام کا پیغام جلد سے جلد پہنچ جائے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ صحت کی ایسی حالت میں بھی صرف ایک ہی غم ہے جو ان کے دل کو کھا رہا ہے کہ یہ کام کہیں ادھورا نہ رہ جائے۔

جب میں نے رخصت چاہی تو آپ کرسی سے اٹھنے لگے۔ میں نے ہر چند روکا، مگر کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا کہ شاید یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ بیٹھے بیٹھے میں آپ کو کیسے رخصت کر دوں۔ پھر مجھ سے بغلگیر ہوئے اور حقیقت میں یہ آخری ملاقات ہی ثابت ہوئی کہ ٹھیک اس کے ایک ماہ بعد وہ ہم سب سے ہی رخصت ہوگئے۔

آپؒ کا وجود خاکی تو ہم سب سے ہمیشہ کے لئے مستور ہوگیا لیکن آپ کا کام زندہ رہے گا اور آپؒ کی بلند پایہ تصانیف ہمیشہ کے لئے ایک چشمۂ فیض کی حیثیت سے باقی رہیں گی۔ جن سے ہزارہا بندگانِ خدا اور متلاشیانِ حق اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔

اس مبارک انسان کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کی بدولت ہم نے جو عجمی اور اُمّی تھے۔ قرآن کریم کے مغز کو پایا۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر کی تفسیر کو عملی رنگ میں دیکھا اور علم دین جو صدیوں سے صرف طبقۂ علماء کی حدود ملکیت میں محدود تھا۔ اس کا حصول ہر پڑھے لکھے آدمی کی حدِ استطاعت میں لاکر رکھ دیا گیا۔

یہ ایسا فیض ہے جو کبھی بند نہ ہوگا۔ اور آنے والی نسلیں محمد علیؒ کا نام ابد تک عزت و احترام کے ساتھ یاد کریں گی اور اس کی روح پر برکتیں بھیجیں گی۔

ہم اپنے ماں باپ کو تو بھول سکتے ہیں، لیکن ہر صبح اور ہماری ہر شب جب ہم اس کی تفسیر یا اس کی کوئی کتاب ہاتھ میں لیتے ہیں اس کی یاد ہمارے سینوں میں تازہ ہو جاتی ہے۔ اور زبان سے بیساختہ اپنے اس بڑے محسن کے لئے دعا نکلتی ہے کہ:—

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی روح پر فتوح پر ہزاروں کروڑوں بلکہ بے حد و حساب رحمتیں نازل فرمائے۔

آمین یا رب العلمین

...کا وہ بیہودہ پڑا رہا کہ:

"یہ کام صرف مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے - اور مجھ میں داخل ہے۔"

افسوس کہ صاحبِ قلم کے ساتھ وہ قلم بھی دنیا سے اٹھ گیا اور یہی ہماری علمی اور محرومی کا سب سے زیادہ ناگوار پہلو ہے۔ اللّٰھم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیرا منھا۔

میں ابھی میڈیکل کالج کا طالب علم تھا اور بیمار ہونے کی وجہ سے رخصت پر تھا اور اپنے وطن میں ایک پہاڑ پر رہتا تھا۔ مجھے حضرت باقاعدہ خط لکھتے رہتے تھے۔ اور ان کے خطوط اور دعاؤں سے مجھے بہت تسلی ملتی تھی۔

ایک مرتبہ مجھے لکھا کہ فلاں قسم کے ٹیکوں سے جو ڈلہوزی کے مولسری جن نے ایک اور عزیز کو لگائے ہیں، انہیں پورا فائدہ پہنچا ہے۔ تم بھی وہ ٹیکے ضرور لگواؤ۔

ابھی چند روز ہی گذرے تھے کہ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے ان ٹیکوں کا ایک بکس مجھے بذریعہ ڈاک لاہور بھیج دیا۔ میں نے مرزا صاحب کو شکریہ کا خط لکھا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ حضرت امیر کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے ہی یہ ٹیکے بھیجنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس کی قیمت بھی ادا کر دی ہے۔ قدرتی طور پر ان باتوں کا اثر میرے دل سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔ اب ایسے لوگ کہاں باقی ہیں۔

۲۳-۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے کہ میڈیکل کالج ہوسٹل میں اذان کے مسئلہ پر جو کہ ایک غیر از جماعت طالب علم دیا کرتے تھے) ہندو طلباء کے ساتھ کچھ جھگڑا پیش آگیا۔ غیر مسلموں نے شکایت کی تو انگریز پرنسپل نے اذان بند کر دینے کا حکم دے دیا۔

جو لوگ اذان دیا کرتے تھے انہوں نے کچھ کمزوری کا اظہار کیا۔ میں نے مشورہ دیا کہ حضرت امیر سے اس کے متعلق فتویٰ حاصل کرنا چاہیئے۔ تاکہ مسئلہ کا دینی اور مذہبی پہلو واضح ہو جائے۔

اس وقت جماعت لاہور کے متعلق عام مسلمانوں میں خصوصاً لکھے پڑھے طبقہ میں کوئی تعصب نہ تھا۔ چنانچہ ہم چند طالب علم نماز مغرب کے بعد حضرت ممدوح کو مسجد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ملے اور آپ کی خدمت میں مدعا پیش کیا۔ آپ نے بڑے زور سے فرمایا اذان کیسے بند ہو سکتی ہے اور اذان کے خلاف مسلمان کسی کا حکم کیسے مان سکتا ہے۔

اگر آپ لوگوں نے ایسی معمولی بات پر کمزوری دکھائی تو پھر اسلام کے لئے آپ سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ دراصل ایسی باتوں سے انسان کا کیرکٹر بنتا ہے۔ اور پھر تسلی دی اور ہر طرح کی امداد کا وعدہ فرمایا۔ اس واقعہ کا ان طلباء پر بڑا گہرا اثر ہوا۔

جب ہم نے مضبوطی دکھائی تو ہمیں فتح بھی حاصل ہو گئی اور باقاعدہ اذان و نماز ہوسٹل میں جاری ہو گئی۔

ڈاکٹری کے امتحان کے آخری ایک پرچہ میں میرا ایک ساتھی اور میں چند منٹ دیر سے پہنچے۔ یونیورسٹی کے رجسٹرار کے غیر ہمدردانہ اور متعصبانہ رویہ سے ہمیں کافی پریشانی لاحق ہو گئی تھی اور ایک تعلیمی سال ضائع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

ہم حضرت امیرؒ کے پاس حاضر ہوئے کہ ہم دنیا میں اپنی ہر مشکل میں انہیں اپنا غمخوار اور قوت کا مرکز یقین کرتے ہیں۔ تو آپ نے ایک خط

اور اپنے دور میں سمجھا کہ انہیں پہلے سنڈیکیٹ کے ایک رکن سے [illegible] مسلم عمائدین میں بڑا اونچا درجہ رکھتے تھے۔

ان سے مایوس کن جواب سنکر ڈاکٹر صاحب کو [illegible] وہ پھر میڈیکل کالج کے انگریز پرنسپل کی کوٹھی پر پہنچے جو یونیورسٹی کی میڈیکل فیکلٹی کے ڈین بھی تھے۔ انہوں نے ہماری امداد کی پوری کوشش کی اور اللہ تعالےٰ نے ہماری مشکل آسان کر دی۔

جزاھما اللہ عنا احسن الجزا
وجعل اللہ الجنۃ مثواھما

حضرت امیر مرحوم حاجت مندوں اور دوستوں کی سفارش کرنے میں ذرا بھر بھی تساہل نہ فرماتے تھے۔ ان کی شخصیت کے اثر کے علاوہ ان کے سفارشی خطوط میں اس قدر سچی ہمدردی، گہری دلچسپی اور تائید کا رنگ ہوتا تھا کہ صاحب غرض کا کام اکثر بن ہی جایا کرتا تھا۔ مجھے بھی آپ سے ایسے خطوط پانے کا شرف حاصل رہا ہے۔

چند مرتبہ مجھے حضرت امیر مرحوم کے ہاں بطور مہمان ٹھہرنے کا بھی موقع ملا۔ پہلی مرتبہ تو آپ کی خاص تاکید کی وجہ سے میں آپ کے ہاں ٹھہرا تھا لیکن جب میں نے دیکھا کہ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا اس طرح ایک غیر معمولی موقع نصیب ہو جاتا۔ تو میں نے اپنے آپ کو مجبور پایا اور اپنے آپ کو اس دولت نایاب سے محروم رکھنا گوارا نہ سمجھا۔

پھر میں نے ان سے ایک مرتبہ خود عرض کر دیا کہ اب لاہور میں آکر آپ سے دور رہنا برداشت نہیں کر سکتا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بزرگوں کی زندگی کے مطالعہ کا مہمان کے لئے ایک اچھا موقع ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں بھی میں نے حضرت امیر مرحوم کو ایک بے نظیر انسان پایا۔

گھر میں بھی ان کی زندگی بے تکلف، لیکن منظم تھی۔ اس کا نقشہ یہ تھا کہ اس زندگی کا ہر لمحہ ایک خاص معیار پر تلا ہوا تھا۔ ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر تھا۔ اور آپ کا ہر وقت ایک کام کے لئے۔ بعض اوقات کھانے کی میز پر اور نماز کے لئے مسجد میں آتے جاتے آپ کے ساتھ گفتگو کا موقع مل جاتا تھا۔

آپ کی طبیعت کی شگفتگی اور آپ کے سنجیدہ اور پرلطف مزاح کا ایسے اوقات میں اندازہ ہوتا تھا۔ دوستوں کی مجلس میں بے تکلفی سے بیٹھتے اور بعض پاکیزہ ظرافت کی باتیں بھی کرتے تھے۔ مسجد میں [illegible] بشیر حسین شاہ صاحب مرحوم سے ایسی بے تکلف باتیں کرتے میں نے انہیں سنا، تو پرانے دوستوں کی اولاد سے آپؒ کی محبت کی گہرائی کا اندازہ ہوا۔

ایک مرتبہ نماز فجر میں مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور ہر چند انکار کیا لیکن آپ کے حکم کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ نماز کے بعد مکان کو آتے ہوئے دوست بھی ساتھ تھے۔ قرآن خوانی کے متعلق بات ہوئی تو فرمانے لگے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بہت اچھا قرآن پڑھا کرتے تھے۔ قادیان میں جب صبح کی نماز پڑھاتے تو ایک بوڑھی عورت جس کا گھر قریب تھا۔ اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ان کا قرآن سنا کرتی تھی۔ جب وہ فوت ہو گئے تو حضرت مولانا نورالدین صاحب [illegible] لگے تو اس عورت نے کسی سے شکایت کی کہ یہ کون آیا [illegible] ہے۔ "ایہہ تا غلطاں ماردا اے"

تو یہ واقعہ سنا کر آپؒ خوب ہنسے) اور اپنے متعلق فرمانے لگے ہم بھی غلطاں مار دیتے ہیں۔

(باقی بر صفحہ ۲۲)

تاج دین پرنٹرز - تکیہ املی والا - آبکاری روڈ لاہور میں باہتمام تاج دین پرنٹر چھپا اور محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا [illegible]

جلد ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۲/۹ ذوی الحجہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۴/۳۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۳۸-۳۹

مَلفُوظاتِ حضرت مجددِ زمان مرزا غلام احمد علیہ السلام

دُنیا میں میرا کوئی دُشمن نہیں ہے

مَیں بنی نوعِ انسان سے ایسی محبّت کرتا ہُوں جیسے والدہ مہربان اپنے بچّوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔

مَیں صرف ان باطل عقائد کا دُشمن ہُوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصُول۔

میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے سونے کی ایک کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہُوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے مِلا ہے۔ اور اس کی اس قدر قیمت ہے کہ اگر مَیں اپنے اُن تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولت مند ہو جائیں گے جس کے پاس آج دُنیا میں سب سے بڑھ کر سونا چاندی ہے۔

وہ ہیرا کیا ہے؟ سچّا خُدا۔

اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچانا اور اس پر **سچّا ایمان** لانا اور سچّی محبّت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچّی برکات اس سے پانا۔

پس اس قدر دولت پاکر سخت ظلم ہے کہ مَیں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور مَیں عیش کروں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دِل ان کے **فقر و فاقہ** کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے۔

ان کی **تاریکی اور تنگ گزرانی** پر میری جان گھٹی جاتی ہے۔ مَیں چاہتا ہُوں آسمانی مال سے اُن کے گھر بھر جائیں۔ اور سچائی اور یقین کے جوہر انکو اتنے ملیں کہ ان کے دامن استعداد پُر ہو جائیں۔ (اربعین لاتمام الحجۃ علی المخالفین ص۲)

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد صاحب ——— (قسط سوم)

الا ان حزب اللہ ھم المفلحون

گذشتہ قسط میں قرآنی ارشاد:—

"الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور" (۲۲-۴۱)

پیش کر کے عرض کیا تھا کہ اجتماعی و انفرادی طور پر مقصد زندگی کو حاصل کرنے کے لئے پانچ باتیں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے اقاموا الصلوٰۃ کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی تھیں۔ آج خدا کے فضل سے ہر مسلمان اس بات کا دعویدار ہے کہ اس کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا پیار ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی ارشاد ربّی ہے:—

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔" (۳:۳۱)

اللہ تعالےٰ کا محبوب بننے کے لئے اگر دل میں خواہش ہے تو پہلی شرط یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے۔ محبت کی کچھ شرائط ہیں۔ بنیادی شرط یہ ہے کہ ان کی سچے دل سے پیروی کرو۔ ان کی خواہش کا احترام کرو۔

حضرت رسول کریم فرمایا کرتے تھے قرۃ عینی فی الصلوٰۃ مجھے ٹھنڈک تو صرف نماز سے ملتی ہے۔ یعنی آرام۔ سکون۔ خوشی۔ راحت نماز سے ملتی ہے۔ آج ہمیں سوچنا چاہیئے کہ اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے یہ چیزیں ملتی ہیں تو ہم کو اس کے ادا کرنے میں کتنی محنت اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ ہم کو بھی یہ چیز حاصل ہو۔

دوسری بات جماعت سازی! اس کی ترقی۔ عروج۔ اقبال اور قلبی اتحاد کے لئے قرآن مجید یہ بیان فرماتا ہے وآتوا الزکوٰۃ۔ وہ زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں۔ اس ٹکڑے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بدون تحریک جس طرح والدین بغیر جبر و اکراہ کے اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ کرتے رہتے ہیں کسی پر احسان نہیں جتاتے۔ وہ زبان سے نہیں۔ دل میں بھی اپنے اوپر کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے۔ اسی طرح سچے مسلمان اپنے مالوں میں سے ایک حصہ جیسا خدا کا حکم ہے پوری شرائط کے ساتھ نکالتے رہتے ہیں کسی کے اوپر احسان نہیں جتاتے کسی پر بوجھ نہیں بنتے۔ کسی سے تعریف و توصیف کے طلبگار نہیں ہوتے۔ ان کا دایاں ہاتھ کا دیا خیر کرتا ہے۔ بائیں کو خبر نہیں ہوتی۔ اس کی نمائش۔ دکھاوا نہیں ہوتا۔

جماعتوں میں ہر طرح کے افراد ہوتے ہیں۔ بعض مالدار۔ بعض درمیانے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کچھ حاجت مند ہوتے ہیں۔ اور مومن کی نگاہ ہمیشہ ارشاد ربّانی پر ہوتی ہے:—

"ویطعمون الطعام علیٰ حبّہ مسکیناً ویتیماً واسیراً۔" (۷۶:۸)

کہ خدا کی محبت کی خاطر وہ قربانیوں میں قدم آگے ہی بڑھاتے جاتے ہیں۔ اور پھر اس کو اتنی وسعت دیتے ہیں کہ ایک ایسا دور آجاتا ہے کہ ان میں ہر آدمی غنی ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک ایسا دور آیا کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا آدمی نہ رہا کہ جس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں۔ پھر ان اموال کو غیر مسلموں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا تھا۔

آج اتنا بعد۔ دُوری اور دُوری مسلمانوں کے اندر واقع ہو گئی ہے کہ جن پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ خود بھوکے رہیں اپنے بھائی کو کھلائیں۔ خود جاگیں، تھکے ماندے بیمار ساتھی کو آرام دیں۔ اپنی ضروریات کو محدود کر دیں اپنے بھائی کی ضروریات کو رات کے اندھیرے میں پورا کریں۔ وہ خود غافل ہو گئے اور سو گئے۔ نتیجہ کیا نکلا۔ وہ صورت جو پہلی علامت تھی مسلمان جماعت کی:—

"فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً۔" (آل عمران ۳:۱۰۳)

کہ تم محبت و اخلاص کے اس مقام پر پہنچ چکے ہو کہ تمہارے اندر فرق تمیز کا نشان مٹ گیا ہے۔ تم سب کی اب فکر و سوچ کا انداز ایک ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں میسر آگیا ہے جس کی ایک رُوحانی جماعت کو ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اب یہ تیل و قال یا لفظی جمع خرچ ہے۔ پھر تو دونوں طرف سے حال پتلا ہو گا۔

حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی متقی۔ ولی اللہ۔ عالم اور فاضل انسان تھا۔ تاریخ و اسلامیات پر بڑا گہرا عبور رکھتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں دس سلطنتوں کو اچھی طرح جانتا ہوں جو کہ عدم زکوٰۃ کی وجہ سے تباہ ہوئیں۔ اور انفرادی طور پر فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں اپنے شہر بھیرہ کی مثال دیتا ہوں کہ یہ مقام بڑے آسودہ حال تجار کا تھا۔ لاکھوں روپے کا بھیرہ والے کاروبار بلخ بخارا تک کرتے۔ بڑی دولت کی فراوانی تھی۔ لیکن ایمان کی چنگاری دھیمی پڑ گئی۔ جب زکوٰۃ ادا کرنے کا موقع آتا تھا خوب حیلے بہانے سے کام لیتے تھے۔ ایک بہت بڑے برتن (مٹ) میں روپے ڈال دیتے تھے۔ اور اوپر اس برتن کے دو تین سیر غلہ ڈال دیتے تھے۔ مسلمانوں کی اس وقت تنظیم کوئی نہیں تھی۔ کسی مستحق کو بلاتے۔ تھوڑی بہت خاطر مدارات کرتے پھر اسے کہتے کہ یہ لو زکوٰۃ ہم تم کو دیتے ہیں۔

پھر اس سے پوچھتے کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ کوئی کہتا کہ میرا گھر یہاں سے دس کوس کے فاصلے پر ہے۔ پھر وہ کہتے اُوہ! اتنی دُور ہے۔ تم کو لے جانا مشکل ہو گا۔ چلو تم اس زکوٰۃ کے مال کو ہمارے اوپر بیچ دو اس لینے والے کو بھی اکثر علم ہوتا تھا کہ یہ اب کتاب الحیل سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن وہ خاموش رہتا۔ چلو کچھ نہ کچھ یہ مجھے دے ہی رہے ہیں۔ میرا کونسا حق تھا۔

حضرت نورالدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، دین کے ساتھ تمسخر کرنے والے میری آنکھوں کے سامنے تباہ ہوئے۔ اور ان کی املاک میرے سامنے بک بکا گئیں۔ اور جب ان کی بڑی بڑی حویلیاں قرضخواہوں میں تقسیم ہو کر ان کی دیواریں گرائی جا رہی ہوتی تھیں تو میں نے گرانے والوں سے سُنا کہ وہ بنانے والوں کو گالیاں دیتے تھے کہ اتنی مضبوط دیواریں بنائی ہیں جو ٹوٹتی نہیں۔ مجبوراً یہ لمبا واقع لکھنا پڑا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار اس میں سبق ہے۔ تاریخ کا عمل دہرایا جاتا ہے۔ ملتا نہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق دے!

زکوٰۃ ایک طرف جماعت کے افراد کے اندر وحدت۔ محبت۔ ترقی پیدا کرتی ہے۔ افراد کو اطمینان و حوصلہ ملتا ہے قربانی کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ اگر افراد کو یہ احساس ہو۔ اور یہ ان کو پختہ یقین ہو کہ

(باقی بر صفحہ ۸ کالم ۲)

پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے

دنیا اس وقت تباہی کے جس خطرناک دہانے پر کھڑی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ خشک گھاس پھوس اور خس و خاشاک کا ایک ایسا ڈھیر ہے جسے چھوٹی سی چنگاری بھی کسی وقت اور کہیں بھی بھڑک کر آناً فاناً راکھ کے ڈھیر میں بدل سکتی ہے۔ تہذیب مغرب آپ ہی اپنے خنجر سے خودکشی کرنے پر تلی بیٹھی ہے۔ لیکن مشرق بھی اس حادثہ سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ قوموں۔ قومیتوں۔ تہذیبوں اور نظریات میں بٹی ہوئی انسانیت اپنے بچاؤ اور تحفظ کے لئے مذاکرات۔ معاہدوں اور کانفرنسوں کے ذریعے امن کی تلاش میں سرگرداں اور ماری ماری پھر رہی ہے۔ لیکن تاریکی اتنی گہری ہے کہ اسے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ نظریات اور اختلافات کے درمیان اتنی گہری خلیج حائل ہو چکی ہے کہ اسے پاٹنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ امن کی خواہش ہر ایک کے دل میں ہے لیکن ایسی کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتی جس پر اتفاق رائے ہو سکے۔ اب یہ تصور بھی ابھر رہا ہے کہ ممکن ہے مذہب ہی اس میں ہماری کوئی رہنمائی اور مدد کر سکے۔ اس لئے غیر اسلامی دنیا کا رخ بھی اب اس طرف ہو رہا ہے۔

حال ہی میں "مذہب اور امن" کے موضوع پر پرنسٹن۔ نیو جرسی۔ امریکہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پاکستان کے نامور قانون دان جناب اے کے بروہی نے "اسلام اور امن عالم" پر اپنا مقالہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ اسلام آباد سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ "دی مسلم" میں چار قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ اور اس کا اردو ترجمہ آج کل روزنامہ جنگ میں شائع ہو رہا ہے۔ بروہی صاحب نے اپنے اس مقالہ میں بہت سے ایسے نکات پر بحث کی ہے جن پر تبصرہ کی ضرورت ہے۔ لیکن آج ہم ان میں سے صرف ایک ہی نکتہ پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اور وہ ہے اسلام کے معنی اور مفہوم جو کانفرنس میں مقالہ نگار نے پیش کئے ہیں۔

بروہی صاحب نے اسلام کے معنی امن۔ سلامتی اور اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور احکام کے سامنے گردن نہاد ہونے کے بتاتے ہوئے فرمایا کہ اس لحاظ سے اس زمانے میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے اصول اور ان پر پورا پورا عمل دنیا میں امن اور سلامتی کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ ہمارے لئے اس موقف سے سرمو اختلاف کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کیونکہ بانئے تحریک احمدیت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور آپ کے اس مشن کے لئے قائم کردہ جماعت احمدیہ تقریباً ایک صدی سے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے دنیا کے سامنے اسلام کے متعلق یہی نظریہ پیش کرتی آ رہی ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ یہ پیار۔ محبت اور اخوت کا مذہب ہے۔ یہ دنیا سے جنگ و جدل۔ حقارت و نفرت۔ مفاد پرستی پر مبنی باہمی آویزش۔ دشمنی اور عداوت اور رنگ و نسل کے امتیازات اور تفریق کو مٹا کر ساری نسل انسانی کو ایک نقطے پر جمع کرنے کے لئے آیا ہے۔

توحید باری تعالیٰ کے تصور اور نظریہ پر وحدت نسل انسانی قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ یہ دنیا میں ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کے لئے آیا ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف اور احسان پر رکھی گئی ہے کیونکہ اسلام اپنے دشمنوں سے بھی عدل اور انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔

اسلام اپنا نظریہ پیش کرنے کے بعد اسے قبول کرنے کے لئے انسان پر جبر کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ کہتا ہے کہ:-

"حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے اس کا انکار کر دے۔" البتہ جو لوگ اس حق کا انکار کریں گے وہ اپنے اوپر ہی ظلم کریں گے۔ اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔" (کہف۔ ۲۹)

وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ:-

"ان کافروں سے کہہ دو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے۔" (الکافرون)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ساری نوع انسانی کی تخلیق ایک ہی مرد اور عورت سے ہوئی ہے۔ یہ رنگ و نسل۔ زبان اور لباس۔ قبیلوں اور شاخوں۔ قوموں اور قومیتوں کے اختلافات محض ایک دوسرے کی پہچان اور شناخت کے لئے تھے، نہ کہ تفریق و انتشار اور ایک دوسرے پر برتری جتانے کے لئے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہی ہے جو متقی ہے اور اپنے آپ کو غلط راہوں سے محفوظ رکھتا ہے جن پر چلنا انسان کو مورد غضب الٰہی بنا دیتا ہے۔ اس لئے اس میں کسی کو اختلاف کی مجال نہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو دنیا میں امن اور سلامتی قائم کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے۔

ایسا کوئی مذہب۔ نظریہ یا تصور جسے جبر و اکراہ کے ذریعے منوایا جائے نسل انسانی کے لئے امن اور سلامتی کا ضامن نہیں ہو سکتا کیونکہ جبر۔ ظلم اور زیادتی سے دلوں میں محبت اور پیار کی بجائے نفرت کا زہریلا پودا جڑ پکڑ کر پھلتا پھولتا ہے اور جب بھی وقت آئے وہ سارے معاشرہ کے جسد کو زہر آلود کر کے موت سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ان غلط افکار نے کہ اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا اور جہاد سے مراد صرف تلوار ہی کا جہاد ہے۔ مغربی دنیا کے مفکرین کے دلوں میں اسلام سے نفرت و حقارت پیدا کر دی۔ انہوں نے اسلام کو دنیا کے سامنے ظلم اور جبر کا مذہب بنا کر پیش کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تصویریں کھینچیں کہ ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں قرآن ہے جن سے ظاہر کرنا مقصود تھا کہ آنحضرت اپنے مخالفوں سے تلوار کی زبان میں مخاطب ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مانو ورنہ تمہاری گردن تلوار سے اڑا دی جائے گی۔ اس سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان عداوت اور دشمنی کی ایسی رَو چلی کہ آج تک یہ ختم ہونے میں نہیں آتی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت مرزا صاحب نے اس زمانے میں آ کر جہاد کا وہ تصور پیش کیا جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے اور صرف تلوار کے ذریعے جہاد کے غلط تصور کو بذریعہ دلائل رد کیا اور اسے وقتی ضرورت کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام۔ قرآن اور آنحضرت صلعم پر غیروں کی طرف سے اعتراضات کے مواقع خود مسلمانوں نے فراہم کئے ورنہ اگر مخالفین اسلام کے سامنے قرآن کریم کے صحیح نظریات۔ اصول اور فلسفہ پیش کیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں کہ آج اسلام دنیا کی اکثر آبادی کا مذہب ہوتا۔

قرآن کریم نے تمام اہل کتاب کو آج سے چودہ سو سال قبل یہ دعوت دی تھی کہ:-

"اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں یعنی مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔" (آل عمران۔ ۶۴)

یہاں آنحضرت صلعم نے اپنے آپ کو بھی پیش نہیں کیا کہ مجھے بھی نبی مانو۔ اور قرآن کریم کے ہی مطابق اہلِ کتاب میں اس وقت روئے زمین پر جو قومیں بستی تھیں اور آج بھی بستی ہیں سب کی سب شامل ہیں کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے :-

"ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گذر چکا" (فاطر - ۲۴)

یہ بھی تمام قوموں کے لئے صلح کا پیغام تھا اور دنیا میں امن قائم کرنے کی دعوت تھی۔ آنحضرت صلعم نے اپنے عمل سے بھی اس کی تفسیر کر دکھائی۔ صلح حدیبیہ اس کی واضح مثال ہے۔

اس صلح کی شرائط مسلمانوں کے لئے ناقابلِ قبول تھیں لیکن آنحضرت صلعم کی وجہ سے وہ خاموش رہے۔ صلحنامہ پر دستخط ہونے کے عین بعد حضرت ابوجندل بن سہیل کا دلخراش واقعہ سامنے آتا ہے۔ کفارِ مکہ نے آپ پر بے انتہا ظلم کئے۔ آپ کے جسم پر ان ایذاؤں کے نشانات دیکھکر مسلمانوں کے دل تڑپ اُٹھے۔ آپ خود اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ صلحنامہ کی جو بھی شرط میں ترمیم چاہی لیکن فریق مخالف نہ مانا۔ حضرت عمر رض آپے سے باہر ہو گئے۔ آپ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کیا آپ اللہ کے رسُول نہیں ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا یہ درست ہے۔ پھر حضرت عمر رض نے پوچھا کیا ہم حق پر نہیں ہیں اس کا جواب بھی مثبت ملا۔

اس کے بعد حضرت عمر رض نے فرمایا اگر یہ سب کچھ درست ہے تو پھر ہم دین کے معاملہ میں یہ ذلت و رسوائی کیوں برداشت کریں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا میں سب کچھ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔

حضرت ابوجندل کو ان کے زخموں کے ساتھ کفارِ مکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ حضرت علی رض نے جو کاتب صلحنامہ تھے آنحضرتؐ کے نام کے ساتھ "رسُول اللہ" لکھا تو فریق ثانی نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسُول مانتے ہوتے تو یہ سارا فتنہ وفساد اور خون ریزی کیوں ہوتی۔ آپ نے ان الفاظ پر اپنے ہاتھ سے لکیر پھیر دی اور "محمد بن عبد اللہ" لکھ دیا۔ یہ سب دنیا میں اَمن قائم کرنے کی کوششیں اور اس کی خاطر معاہدہ کی پابندی تھی۔ فتح مکہ کے وقت اپنے بدترین دشمنوں کے لئے عام معافی کا اعلان بھی امن و سلامتی کی خاطر تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج مُسلمان اس تعلیم پر عمل پیرا ہیں؟ مسٹر بروہی کو خدشہ تھا کہ کہیں کوئی مندوب یہ سوال نہ کر بیٹھے کہ اسلام اگر ساری دنیا کے لئے امن کا پیغام لایا ہے تو خود مسلمانوں کی یہ حالت کیوں ہے؟۔ انہوں نے اس طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے بڑی ہوشیاری سے کانفرنس میں یہ سوال کر دیا کہ آخر ان تینوں الہامی مذاہب (اسلام۔ عیسائیت اور یہودیت) کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے شانہ بشانہ دجال کے اس حملہ کو روکنے کے لئے کھڑے نہیں ہوتے جو وہ نسلِ انسانی کے وسیع حصّہ کی زندگیوں پر کر رہا ہے۔ اور یہ کیا معاملہ ہے کہ یہ تینوں مذاہب متحد ہو کر دہریت۔ مادیت اور اشتراکیت کے نظریہ جدلیات کا مقابلہ نہیں کرتے جو دنیا کے کروڑوں انسانوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ بروہی صاحب جن تینوں مذاہب عیسائیت۔ یہودیت۔ اور اسلام کو ابراہیمی مذاہب کہکر پکارتے ہیں۔ ان کی بنیاد اللہ تعالےٰ کی خالص توحید پر رکھی گئی تھی۔ لیکن کیا آج بھی یہ تینوں مذاہب خدا کی توحید کے قائل اور اس قدر مشترک پر اکٹھے ہو سکتے ہیں اس کا تجزیہ ضروری ہے۔ ہمارے خیال میں یہودیوں نے حضرت عیسٰیؑ کا انکار کر کے اور اپنی سازشوں کے ذریعے انہیں رومی سلطنت کے ہاتھوں صلیب پر چڑھا کر اللہ تعالےٰ کا انکار کر دیا ہے۔ وہ لفظ پرستی میں اس قدر مبتلا ہوئے کہ حضرت عیسٰیؑ کی آمد سے پہلے حضرت الیاس کے آنے کو جس کے متعلق توریت میں پیشگوئی موجود تھی شرط ٹھہرایا۔

حضرت عیسٰیؑ کی اس دلیل کو کہ حضرت یحیٰیؑ حضرت الیاسؑ کے رُوپ میں نازل ہوئے ہیں۔ وہ ان کے مثیل ہیں ٹھکرا دیا اور ان کا انکار کر دیا۔ وہ اس خیال میں مبتلا رہے کہ وہی حضرت الیاس پہلے آئیں گے جو ایک دفعہ آ کر آسمان پر چلے گئے ہیں اور دوبارہ نازل ہوں گے۔ ان کے خیال کے مطابق نہ حضرت الیاس آئے اور نہ ہی حضرت عیسٰیؑ۔ وہ آج تک اسی انتظار میں ہیں۔ عیسائیوں نے خدا کی توحید کو چھوڑ کر تین خدا بنا لئے ہیں اس طرح وہ بھی توحید کے منکر اور شرک میں مبتلا ہیں۔

انجیل میں آنحضرت صلعم کی آمد کی بشارت واضح الفاظ میں موجود ہے۔ اور یہی بشارت توریت میں موجود ہے۔ لیکن جب آپؐ تشریف لائے تو دونوں نے نہ صرف آپؐ کا انکار کیا بلکہ دشمنی اور عداوت میں حد سے بڑھ گئے اور یوں انہوں نے اللہ تعالےٰ کی باتوں کا انکار کر کے اللہ تعالےٰ کا انکار کیا۔ اسلام جو تمام مذاہب کی غلطیاں دور کرنے اور خدا کی توحید اور وحدتِ نسلِ انسانی کا سبق یاد دلانے کے لئے آیا تھا اس کے ماننے والے بھی شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم اور سُنت کو ترک کر کے انہوں نے بھی اربابًا من دون اللہ کی پرستش شروع کر دی وہ اپنی حاجت روائی کے لئے مُردوں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ وہ اولیاء اللہ اور مجدّدین جو مسلمانوں کو شرک اور بدعت سے چھڑانے کے لئے تشریف لائے۔ آج ان کا مزار مشرکانہ رسوم کے مرکز بنا دیئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے مزاروں کے سامنے سجدے کئے جاتے ہیں۔ جالیوں کو بوسے دے کر مدد کے لئے انہیں پکارا جاتا ہے حالانکہ قرآن کریم صاف فرماتا ہے :-

"کہہ انہیں پکارو جنہیں تم اس کے سوائے معبود خیال کرتے ہو تو وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ بدل دینے کا۔ وہ جنہیں یہ پکارتے ہیں ان میں سے وہ جو زیادہ قرب رکھتے ہیں خود اپنے رب تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تیرے ربّ کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے"

وہ خود ایسے وسیلہ کے محتاج ہیں جو انہیں قربِ الٰہی عطا کر سکے۔ وہ دوسروں کی کیا مدد کر سکیں گے۔ اللہ تعالےٰ رسول کریم کو یہ بھی فرماتا ہے کہ :-

"کہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا"

اب جن کے مزاروں پر ہر سال بہ سال عُرس منعقد کئے جاتے ہیں وہ مُردے ہیں۔ وہ کسی کی پکار نہ سُن سکتے ہیں۔ نہ ان کا جواب دے سکتے ہیں۔ جو ان کو سناتا اور جواب لینا چاہتا ہے وہ انہیں خدا سمجھتا اور شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

صُورتِ حال جب یہ ہو تو پھر کیسے مانا جائے کہ ان تینوں مذاہب میں لادینیت اور دہریت کا رنگ نہیں۔ جب یہ خود اسی رنگ میں رنگین ہیں تو لادینیت۔ دہریت۔ مادیت اور اشتراکی نظام اور تصوّر جدلیت کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ اس وقت نہ عیسائیت اور یہودیت اپنی اصلی صُورت وشکل میں موجود ہیں اور نہ ہی اسلام۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکی نظام کسی نہ کسی شکل میں ساری دنیا کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے اپنے قدم دن بدن آگے بڑھا رہا ہے۔ اسلام کے نام لیوا بھی اس کے اثر سے محفوظ نہیں۔

مادیت۔ دہریت اور اشتراکیت کی جن قوتوں کے خلاف ابراہیمی مذاہب کے پیروؤں کو یکجا ہو کر مقابلہ کرنے کی دعوت جناب بروہی صاحب نے دی ہے۔ کسی وقت وہ قوتیں بھی ایک ابراہیمی مذہب عیسائیت کی پیرو تھیں۔ ان کا اشارہ اگر روس کی طرف ہے کیونکہ اس

وقت روس ہی ایک ایسی سُپر پاور ہے جو اپنا اثر و رسوخ مشرقی ممالک میں بڑھانے کے لئے کوشاں ہے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب تک روس ایک عیسائی مُلک تھا لیکن وہاں کیسے حالات پیدا ہوئے جن کی وجہ سے مذہب کے خلاف بغاوت۔ نفرت اور حقارت پیدا ہوئی اور آخر کار وہاں دھریت اور مادیت کے لئے راستہ ہموار ہُوا۔ کیا روس کی اِس دَور کی تاریخ اس حقیقت کو منکشف نہیں کرتی کہ جاگیرداری اور کلیسائی نظام نے غریب عوام کے منہ سے ان کے خون کی کمائی کا آخری ذرّہ تک چھین کر جاگیرداروں اور پیرانِ کلیسا کی عیش پرستیوں کی نذر کر دیا تھا۔ وہ جہالت۔ غربت۔ بیماری اور بھوک کی چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ مذہب کے نام پر وہاں راسپوٹین پیدا ہوئے جن کے ہاتھوں کسی کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہ تھی۔ گرجے شراب اور بدکاری کے اڈّے تھے۔ جو غریب عوام کے خون پسینہ کی کمائی پر چل رہے تھے۔ اس لوٹ کھسوٹ اور استحصال کا فتوے مذہب کے ٹھیکیداروں سے حاصل کیا جاتا تھا۔ وہاں کا سیاسی نظام بھی انہی دو ستونوں کے سہارے پر قائم تھا۔

یہ عیسائیت کا یہ فتوے ہرگز نہ تھا۔ نہ عیسٰیؑ کی یہ تعلیم تھی۔ حضرت مسیح نے تو فرمایا تھا کہ کسی عورت کو بُری خواہش سے نہ دیکھو۔ اور یہاں معصوم عصمتوں سے دن رات کھیلا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا زمین پر مال جمع نہ کرو۔ اور یہاں اپنی عیاشی کے لئے دوسروں کا حق چھینا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا تم خدا اور مال دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ یہاں خُدا کے نام پر مال کی پرستش کی جاتی تھی۔

آپ نے فرمایا ریاکاری سے کام نہ لو اور یہاں مذہب کے ٹھیکیدار دن رات مذہبی لبادہ اوڑھے ریاکاری میں مبتلا تھے۔ حضرت مسیح نے اپنے بھائی پر غصہ ہونے سے بھی منع فرمایا تھا، لیکن یہاں دِن رات غریبوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی اور مال ہتھیانے کے لئے مار پیٹ اور قتل و غارت کا بازار گرم رہتا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ امیر آدمی کا جنّت میں داخل ہونا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح اُونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذرنا۔ لیکن یہاں پیرانِ کلیسا دولت سمیٹنے میں دِن رات مشغول رہتے۔ مسیح نے محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ لیکن رُوس کی سرزمین پر غریبوں کی زندگی ناقابلِ برداشت تھی۔ یسوع کے سامنے جب سات روٹیاں اور چند مچھلیاں لائی گئیں۔ تو انہوں نے وہ سب ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ لیکن یہاں لوگوں کے مونہوں سے روٹی کا ذرّہ تک چھین لیا جاتا۔

ایک شخص نے آپ سے پُوچھا کہ مَیں کیا نیکی کروں۔ آپ نے اسے جواب میں اور باتوں کے علاوہ یہ فرمایا:۔

"اگر تُو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔"

یہ ساری تعلیم انجیل میں موجود تھی۔ مذہب کے ٹھیکیدار یہ سب کچھ جانتے تھے۔ لیکن عوام کے سامنے انہوں نے جاگیرداروں اور حکمرانوں کے اثر کے تحت اور خود دولت اکٹھی کرنے اور عیاشی کے پیشِ نظر اپنے قول اور فعل سے یہ ساری تعلیم اُلٹی پیش کی۔ اور غریب عوام کو یہ باور کرنے پر مجبور کر دیا کہ غُربت و افلاس تمہارا مقدّر ہے اور عمارت اور عیاشی ہمارا۔

اس رنگ میں جو مذہب پیرانِ کلیسا پیش کر رہے تھے۔ اس مذہب اور اس خدا کو کون مان سکتا تھا۔ اس کا ردِ عمل یہی ہونا تھا جو ۱۹۱۷ء میں ہوا۔ یہ خیال پیدا ہونا ضروری تھا کہ اس خدا کو کیوں مانا جائے جس کا پیش کردہ مذہب غریبوں پر ظلم و ستم، جبر و استبداد روا رکھتا اور ان کے استحصال کا حامی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا پیش کردہ مذہب اور تعلیم یہ تھی۔ مذہب کا لبادہ اوڑھنے والوں نے اپنے نفس کی خاطر اسے مسخ کر کے پیش کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب اور مذہب کے سرچشمہ اللہ تعالیٰ ... کے نتیجہ کے طور پر دھریت اور لامذہبیت نے جنم لیا۔ اس میں عوام کا کیا قصور۔ انہوں نے اپنی نجات اس میں دیکھی تو مذہب اور خدا کو ترک کر کے اشتراکیت کو قبول کر لیا۔

دُور نہ جائیے ترکی میں بھی مذہب سے نفرت اسی وجہ سے پیدا ہوئی۔ مصر، اور عراق میں خونی انقلابات بھی اسی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ افغانستان میں انقلاب کا پسِ منظر بھی یہی ہے۔ شام بھی نظریۂ سوشلزم کا حامی ہے۔ اس وقت اسلامی اور غیر اسلامی سارے مشرقی ممالک سوشلزم کے زیرِ اثر ہیں۔ کیونکہ وہ اسلام جو لوگوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے وہ خدا کا اسلام نہیں جو قرآن اور حدیث میں ہے۔ یہ انسانوں کا اپنا بنایا ہوا اسلام ہے جس پر کوئی دو فریق متفق نہیں۔

قرآن و سنّت کا اسلام اس اسلام سے بالکل مختلف ہے جو مُلّا اسلام کی طرف سے دُنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے لیکن غضب یہ ہے کہ اس پر اسی طرح قرآن اور سنّت کی مُہر لگائی جا رہی ہے جس طرح روس میں کلیسا کی کارروائیوں پر انجیل کی مہر لگائی جا رہی تھی۔ اور عوام اس اصلی تعلیم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے لُٹتے رہے۔

اِسلامی ممالک کے عوام بھی قرآن اور سنّت کی تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں۔ ان کے سامنے مذہب کے نام پر جو کچھ پیش کیا جاتا رہا ہے وہ مانتے رہے ہیں۔ لیکن اب پڑھے لکھے طبقہ میں اس قسم کے مذہب پر اعتراضات اُٹھ رہے ہیں اور یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا غریب و امیر کی طبقاتی تقسیم خُدا کی طرف سے ہے اور غریب کا یہ مقدر بن چکا ہے کہ وہ ہمیشہ غریب ہی رہے۔ وہ اس کے بیوی بچے رات کو بھوکے سوئیں جبکہ پڑوس میں شراب و کباب اور عیش و نشاط کی محفلیں رات گئے تک جاری رہیں۔

کیا مزدور اور کسان کا خون صنعت کار اور زمیندار کے عیش و طرب کی خاطر پسینہ بن کر بہتا ہے یا اس کمائی میں اس کی محنت کا بھی کوئی حق ہے۔ اس کے ان سوالات کا جواب اگر قرآن و سنّت کے اسلام سے دیا جائے تو استحصال پسند طبقہ پر ایک کاری ضرب پڑتی ہے۔ اس لئے اسے خوش کرنے کے لئے اِسلام کی وہی تفسیر کی جاتی ہے جو اس کے مفاد میں ہو۔ عوام تو ان کے نزدیک کالانعام ہیں جس طرف مذہب کے نام پر ہانکا جائے ہنکتے رہیں گے۔

تاریخ سے اگر سبق نہ لیا گیا تو اشتراکیت کے سامنے کوئی روک خواہ مذہبی ہو یا کوئی اور کھڑا کرنا ممکن نہ رہے گا۔ اب مذہب کے نام پر استحصال کے مواقع ختم ہو رہے ہیں۔ اور اس نعرے میں ننگوں اور بھوکوں کے لئے کوئی کشش نہیں رہی۔ اب زبان سے تو کم از کم لوگ خدا اور رسُول کا نام لیتے ہیں پھر خدانخواستہ زبانوں سے یہ نام بھی سُننے میں نہیں آئیں گے۔ جنگ کے ذریعے اس طوفان اور آندھی کو روکنا ممکن نہیں، اگر اسے روکا جا سکتا ہے تو قرآن کریم کی صحیح تعلیم عمل میں پیش کرنے سے۔ اَب کوئی دھوکا۔ کوئی فریب اور کوئی مکر کام نہیں آ سکے گا۔

عوام کے ذہنوں میں یہ شکوک بھی پیدا ہو رہے ہیں کہ اسلام کے نام لیوا در پردہ سرمایہ دارانہ نظام کی تبلیغ کر رہے ہیں جس کی پُشت پر ایک دوسری سُپر پاور کا ہاتھ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن سرمایہ دارانہ نظام کا قطعاً مؤید نہیں۔ نہ اس کا یہ اُصول ہے کہ غریب غریب ہی رہے اور دوسرے کے لئے دولت کما کر اسے امیر سے امیر تر کرتا جائے۔ یہ انسانوں کی اپنی نفس پرستی کا نتیجہ ہے۔ قرآن تو یہ فرماتا ہے:۔

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔ جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ یہ وہ

ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔" (التوبہ - ۳۵)

"جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے مالِ غنیمت دلایا تو وہ اللہ تعالےٰ کے لئے اور رسول کے لئے اور قریبیوں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ تم میں سے دولت مندوں کے اندر نہ پھرتا رہے ...... اللہ تعالےٰ کا تقوےٰ کرو۔ اللہ سزا دینے میں سخت تر ہے۔"

"تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہہ جو کچھ بھی اچھے مال (حلال مال) سے خرچ کرو۔ وہ ماں باپ اور قریبیوں۔ اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لئے ہے اور جو کچھ بھی تم نیکی کرو گے تو اللہ اسے جانتا ہے۔" (البقرہ - ۲۱۵)

"اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ جو کچھ حاجت سے بڑھ رہے اسی طرح اللہ تمہارے لئے کھول کر باتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو۔" (البقرہ - ۲۱۹)

"اور اس کی محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مال دے۔"

(البقرہ : ۱۷۷)

"کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور کیا جو دین کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں اور دوسروں کی معمولی چیزوں سے مدد کرنے سے اپنے ہاتھ کو روکتے ہیں۔"

ان تمام آیات کو یکجا پڑھنے اور ان پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام ارتکازِ زر کا حامی نہیں بلکہ تقسیمِ زر کا سبق دیتا ہے۔ وہ نہ سرمایہ داری کا حامی ہے اور نہ اشتراکیت کا جو سرمایہ داری کا خوفناک ردِ عمل ہے۔ اسلام اگر ایک طرف نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے تو دوسری طرف اس ملکیت سے حاصل کی ہوئی دولت میں ساری قوم کو حصہ دار بناتا ہے۔

اسلام انسان کو انسان کے استحصال اور معاشی غلامی سے نجات دلانے کی تائید کرتا ہے۔

آنحضرت صلعم کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے ہے۔ آپ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو کتنی دولت اپنے پسماندگان کے لئے چھوڑ گئے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو مال بھی باہر سے آتا۔ سب مسجد میں تقسیم کر دیا جاتا اور خود خالی ہاتھ اُٹھ کر چلے جاتے۔ کیا آپ نے اپنی بیبیوں سے نہیں فرمایا تھا کہ اگر تمہیں مال و دولت اور آرام و آسائش کی ضرورت ہے تو میں تمہیں دے دیتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد نبی کے گھر میں تمہارا رہنا ممکن نہیں۔ ہاں اگر اللہ اور رسول چاہیں تو اس مطالبہ سے دستبردار ہونا ہوگا۔ ورنہ جتنی دولت اور مال کا آپ مطالبہ کرتیں آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی جاتی۔

کمیونزم اور اشتراکیت کے نظریات کو وہیں قدم جمانے کا موقع ملتا ہے۔ جہاں کے عوام غربت و افلاس کی چکی میں پس رہے ہوتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے مذہب اس رنگ میں پیش کیا جائے کہ دولت اور وسائل دولت پر صرف چند آدمیوں کا حق ہے۔ ان کے مقابلے میں بیماری، بھوک، اور افلاس عوام کی تقدیر میں ہے تو مذہب میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں ہوتی۔ انہیں اور ان کے بچوں کو پیٹ بھرنے کے لئے بھی کچھ چاہیئے۔

قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس کا مطلب یہ ہو کہ غریب کو ہمیشہ غریب ہی رہنا چاہیئے۔ یہ درست ہے کہ کسی معاشرہ میں ایسی مساوات نہیں کہ سب ہی ایک سطح پر آجائیں لیکن اتنا فرق اور تفاوت بھی نہیں

ہونا چاہیئے کہ بعض کا تو ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات ہو۔ اور اکثریت ایسے بدنصیبوں کی ہو جنہیں پیٹ بھر کر روٹی بھی میسر نہ ہو۔

اگر معاشی انصاف کے تقاضے قرآن اور سُنّت کی روشنی میں پورے نہ کئے گئے تو اشتراکیت، لادینیت اور دھریت کے سیلاب کو تقریروں اور کانفرنسوں سے نہیں روکا جا سکے گا۔ کیونکہ انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا پورا ہونا اور کرنا انسان کا بنیادی حق ہے۔

قارون کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس کے پاس بے بہا دولت تھی۔ اس پر اللہ نے احسان کیا تھا لیکن اس نے مخلوقِ خدا پر احسان نہ کیا تھا بلکہ فساد کرتا رہا۔ وہ اپنی دولت سمیت نیست و نابود ہو گیا۔

دولت اور معاشی ناہمواری ہی اس وقت دنیا میں فساد کا موجب ہیں۔ جب ان کی تائید میں مذہب کو پیش کیا جائے تو لوگ مذہب سے انکار پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں مذہب کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ مذہب کو غلط رنگ میں پیش کرنے والوں پر اس کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے دھریت کی طرف دھکیلنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔

مرکزی انجمن کی طرف سے
مقامی جماعتوں کے دورہ کا پروگرام

جماعتوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان کی اطلاع کے لکھا جاتا ہے کہ انجمن کی طرف سے گذشتہ تبلیغی دورہ کی تکمیل کا حسب ذیل پروگرام مرتب کیا ہے:-

بروز	تاریخ	مقام
جمعۃ المبارک	۹ - ۱۱ - ۷۹	سیالکوٹ
سوموار	۱۱/۱۲ - ۱۱ - ۷۹	بدوملہی
جمعۃ المبارک	۱۶ - ۱۱ - ۷۹	راولپنڈی
"	۲۳ - ۱۱ - ۷۹	پشاور
"	۳۰ - ۱۱ - ۷۹	ملتان
اتوار	۱ - ۱۲ - ۷۹	اوکاڑہ
جمعۃ المبارک	۷ - ۱۲ - ۷۹	فیصل آباد
	۱۴ - ۱۲ - ۷۹	کراچی

گرد و نواح سے رہائش پذیر جملہ احمدی احباب و خواتین اور نوجوان عزیزوں کو اس مبارک موقع پر شمولیت کی دعوت دی جاتی ہے۔ مرکز سے مندرجہ ذیل اصحاب میں سے دو یا تین بطور نمائندہ مرکز دورہ میں شرکت کریں گے۔

۱۔ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

۲۔ جناب پروفیسر سعد اختر صاحب

۳۔ مولانا مرزا محمد لطیف صاحب

سعد اختر۔ جائنٹ سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

برکت اللہ راٹھور صاحب سیالکوٹ

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

شجر احمدیت کا نہایت ہی شیریں پھل

(۱) مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے جس طرح شیریں پھل درخت کی مقبولیت اور عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت مرحوم اس کی ایک روشن دلیل تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی عظمت کی اور اسلام اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی حقانیت کی۔

جس قدر شیریں پھل ہوگا اسی قدر اس درخت کی عظمت دلوں میں گھر کر جائے گی۔ اور اسی قدر اس کی حفاظت و نگہداشت ہوگی۔ حضرت امیر مرحوم صحیح معنوں میں مجاہد کبیر تھے۔ وہ شجر احمدیت کا بہترین پھل تھے۔ اللہ تعالےٰ نے پھل دار درخت کی طرح پھر ان کی حفاظت کی، کیونکہ پھل اپنے درخت سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضور مسیح موعود کا ایک شعر ہے ؎

اے آنکہ بسوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم

(۲) حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تحریک احمدیت کو ایک سخت بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ جو قریب تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی صحیح تعلیم کو مسخ کر دے۔ اور اس طرح مجددِ زمان کی بعثت کی غرض و غایت تشنۂ تکمیل ہو کر رہ جائے۔

ایک طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند تھے جو اپنے انتہا پسندانہ نظریات کو قوم پر ہر قیمت پر ٹھونسنا چاہتے تھے اور جیسا کہ پیر پرست طبقہ کی عادت ہے وہ ان انتہا پسندانہ نظریات کو بلا چون و چرا قبول کرتا چلا جا رہا تھا۔ ماسوا جماعت کے ایک فہیم طبقہ کے جو کہ حسب معمول اقلیت میں تھا۔ موخرالذکر گروہ کی قیادت حضرت امیر مرحوم فرما رہے تھے۔

انہوں نے میاں صاحب کو بہتیرا سمجھایا۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی کے سلسلہ میں غلو سے کام نہ لیں۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی بلکہ حضرت امیر مرحوم اور ان کے ساتھیوں کو انصار اللہ کی پشت پناہی کے بل بوتے پر قادیان سے نکال دینے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کی زندگیاں ہر وقت خطرہ میں تھیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کی حفاظت فرمائی کہ وہ ذرہ نہ گھبرائے۔

حضرت امیر مرحوم حضرت مسیح موعود کی پاک تعلیم کو یوں ضائع ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ یہ چھوٹا سا گروہ سنت نبویؐ کے مطابق حضرت امیر مرحوم کی قیادت میں قادیان چھوڑ کر لاہور چلا آیا۔ یہ چند نفوس پر مشتمل قافلہ جن کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ کوئی دفتر اور نہ کوئی عملہ تھا۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں فروکش ہوا۔ لیکن گو ان کے پاس سرمایہ نہ تھا۔ مگر ان کے دل نورِ ایمان سے منور تھے۔

بنی ہوئی عمارت کو زیرِ استعمال لانا تو سب جانتے ہیں۔ لیکن ناساعد حالات میں ایک نئی عمارت کھڑی کرنا معمولی کام نہیں۔ حضرت مولانا نے اپنی قوتِ ایمانی اور دن رات کی جانفشانی سے نیست سے ہست کر دکھایا۔ احمدیت کا پودا جو نہایت ناتواں حالت میں احمدیہ بلڈنگس میں اُگایا گیا وہ اس مجاہد کبیر کی آبیاری اور دن رات کی دیکھ بھال سے ایک تنومند درخت بن گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شاخیں مشرق سے مغرب تک پھیل گئیں۔

(۳) جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں حضرت امیر مرحوم ایک دلیل تھے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر۔ حضرت ممدوح نے ایک رؤیا میں حضرت مولانا کو ایک قلم عطا فرمایا۔ اس قلم سے آپؒ نے ایسا قلمی جہاد کیا۔ جس کی مثال تاریخ اسلام میں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے۔

قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور تفسیر آپؒ کا شاہکار ہے ایسی تفسیر برصغیر پاک و ہند میں کوئی نہ کر سکا۔ اور میرا خیال ہے کہ آئندہ بھی کوئی نہ کر سکے گا خواہ وہ کتنی بھی کوشش کیوں نہ کرے۔ اور خواہ اس کے پاس وسائل کی بھرمار بھی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کے شاگرد رشید کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اس طرح یہ حضرت مسیح موعود کا ایک نشان ہے۔

قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ بھی حضرت مولانا نے خود کیا جو بلحاظ زبان اور طرزِ بیان محکم ایک معیاری حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے مغربی اقوام میں بے حد مقبول ہے۔ اور اس کے طفیل ہزاروں نیک روحیں حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکی ہیں۔ اور پھر اسلامی اصولوں پر ہزاروں صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب۔ THE RELIGION OF ISLAM (دینِ اسلام) تالیف فرمائی۔ جو در خود ایک معجزہ سے کم نہیں۔

اس کے مطالعہ سے مغربی اقوام کے بے شمار علماء اور مصنفین نے بے حد استفادہ حاصل کیا ہے۔ ان کتب کے علاوہ دیگر بے شمار کتب، رسالے اور پمفلٹ شائع کئے اور زندگی کے آخری لمحوں میں بھی جبکہ بیماری کا زور تھا اس کام سے غافل نہ ہوئے۔ یہ اعجازِ مسیحائی نہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) تفسیر بیان القرآن برصغیر ہند و پاک کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اِس سرزمین کو ایک اعلےٰ تفسیر و ترجمہ کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ عربی سے ناواقف ہونے کے باعث عوام قرآن کریم کی تعلیم سے محض بے بہرہ تھے۔

پکی روٹی کے ملاؤں کی من مانی تاویلوں اور من گھڑت افسانوں سے عوام مذہب سے متنفر ہو چکے تھے اور اکثر دہریہ ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا کی تفسیر نے ان کے تمام شکوک و شبہات دور کر دیئے۔ اور اب وہ پھر سے آغوشِ اسلام میں آبیٹھے ہیں۔ جو اسلام پر پھبتیاں کستے تھے۔ وہ اس کے والہانہ عاشق ہو گئے۔

اِس تفسیر پر جس کسی کی بھی نظر پڑی وہی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ ایک دفعہ راقم الحروف نے ایک پرانا نسخہ مرمت کے لئے جلد ساز کو دیا۔ ایک شخص کی نظر پڑ گئی۔ مطالعہ شروع کر دیا۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ نہایت ہی اعلےٰ پایہ کی تفسیر ہے۔ دراصل ایسی تفسیر کسی نے بھی پہلے دیکھی نہ ہوگی۔ ان کی ایک جلد کا صفحات کی یادداشت کے لئے جو دھاگہ ہوتا ہے اکھڑ گیا تھا۔ جلد ساز کو دھاگہ رکھنے کے لئے دیا۔ یہ زیادہ سے زیادہ پانچ دس منٹ کا کام تھا۔ لیکن ایک ہفتہ گذر گیا۔ دو ہفتے گذر گئے۔ لیکن یہ معمولی سا کام بھی نہ ہو سکا۔

استفسار پر وہ مسکرائے میں سمجھ گیا کہ مطالعہ ہو رہا ہے۔ اور آخر بیان القرآن کی عظمت ان کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ یہ صاحب حافظ قرآن ہیں اور اہل سنۃ والجماعت کے پیش امام اور خطیب ہیں۔ الحمد اللہ کس قدر احسان ہے۔

مسیح موعودؑ کے شاگرد رشید کا لوگوں پر جنہوں نے اسلام کی خوبصورت تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جس کے دیکھنے سے اپنے بھی اور غیر بھی محظوظ ہوتے ہیں ۔ اس سے قبل بھی مفت تقسیم کے لئے انجمن سے قرآن کریم منگوا کر لوگوں میں تقسیم کیا جس کے مطالعہ سے ان کی آنکھیں کھل گئیں ۔

وہ ہمارے مخیر حضرات جنہوں نے قرآن کریم کی مفت تقسیم کے لئے گرانقدر رقوم انجمن کو عطا کیں انہوں نے تو یقیناً اپنا گھر جنت میں بنا لیا ہے ۔ اللہ تعالےٰ ان کے دنیوی کاروبار میں بھی برکت ڈالے اور ہر مقام پر اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو ۔

[illegible]

مومن یقیناً کامیاب ہیں ۔ حضرت امیر مرحوم کی کامیابی کا راز اسی حقیقت میں مضمر تھا کہ وہ یقیناً مومن تھے ۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو اپنے اندر ایک مومنانہ شان لئے ہوئے تھا ۔

قادیان کی زندگی کے آخری ایام میں جن مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ، ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو گھبرا جاتا ۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی ۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی جماعت سے وہ کام لیا جو بڑی سے بڑی جماعتیں بھی نہ کر سکیں ۔ ایسا کام انہیں سے ہو سکتا ہے ۔ جن پر اللہ تعالےٰ کے فرشتوں کا اتار ہوتا ہے ۔ جو ان سے کہتے ہیں :—

" تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے "

۶ ـ حضرت امیر مرحوم قیادت کی اعلےٰ صفات کے بھی مالک تھے ۔ خلوص نیت ۔ ایمانداری ۔ محبت ۔ رواداری اور جذبۂ ایثار کی صفات اُن میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں ۔ ان کے فرمودات سے ان کی عظیم شخصیت کا پتہ چلتا ہے ۔

ان کی باتیں محبت سے لبریز ہوتی تھیں جس کے باعث جماعت ہر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہو جاتی تھی ۔ کیونکہ صدق دل سے نکلی ہوئی بات اثر رکھتی ہے ۔ ان کی بعض باتیں تو ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہیں ۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا :—

" اتحاد ، انصاف بڑی چیز ہے ۔ جدھر چلو اکٹھے چلو "

جماعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :—

" خوب یاد رکھو کہ یہ عظیم الشان عمارت جس کی بنیاد خدا کے مامور کے ہاتھوں نے رکھی اور جس کی تعمیر میں سالہا سال سے ایک قوم کی قوم دن راتوں اور اپنی قوتوں اور مالوں سے لگی ہوئی ہے یہ کوئی معمولی چیز نہیں جس کو گرا کر پھر کل بنا سکو ۔ اس لئے اگر کچھ کر سکتے ہو ۔ تو اپنی ہمت اور طاقت کو اس کام کو قوت دینے میں لگاؤ ۔۔۔۔۔۔ ہوا تو یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہے مگر آخر تمہاری طاقت بھی ، تمہارا مال بھی اس پر صرف ہوا ہے ۔ اپنی چیز کو اپنے ہاتھوں سے برباد نہ ہونے دو ۔ لہٰذا آپ کو میری نصیحت ہے ۔ مقابلہ کی طاقت اپنے دشمن کے لئے رکھو اور جھکنے کی طاقت اپنے بھائیوں کے لئے رکھو "

جب بھی میں یہ الفاظ پڑھتا ہوں تو مجھ پر رقت سی طاری ہو جاتی ۔ اللہ اللہ کس شان کے یہ الفاظ ہیں ۔

حضرت امیر مرحوم نہایت منکسر المزاج تھے انہوں نے ملت کے کاروبار کے مقابلہ میں اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہ دی ۔ اپنی بات تحکم سے منوانا ان کے ضمیر کے خلاف تھا ۔ ہمیشہ تالیف قلوب کیا کرتے تھے ۔

ایک بار جماعت کے ایک آدمی نے اپنے بیٹے کی شادی کی ۔ لیکن اس نے حضرت کو شادی میں شمولیت کی دعوت نہ دی ۔ جب شادی ہو چکی تو حضرت امیر مرحوم اُن کے بیٹے کے ـ وا آپ کے کیسی پیاری بات ہے ـ کہ

" اس نے وہ کیا جو اس نے اچھا سمجھا ۔ میں نے وہ کیا جو میں نے اچھا سمجھا "

اللہ اللہ کیا اعلےٰ نمونہ ہے ہمارے لئے ۔ اس کو کہتے ہیں تالیفِ قلوب ۔

اللہ تعالےٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم حضرت امیر مرحوم کے نقش قدم پر چل کر خدا اور رسول کے احکام بجا لائیں ۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے آمین

بقیہ صفحہ ۲

ہماری بڑی سے بڑی قربانی دنیا میں بھی رائیگاں نہیں جائے گی ۔ اور اگر ہم کو جان دینی پڑی ۔ تو کوئی حرج نہیں ۔ ہمارے بچے قوم کے بچے ہیں ۔ یہ شہزادوں کی طرح پلیں گے ۔ ان پر ابتلا نہیں آئے گا ۔ تو ہم قطعاً قربانی سے پس و پیش نہ کریں گے ۔ اور دوسری طرف زکوٰۃ کو صحیح دینے والے کو تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے ۔ ان کے اندر اخلاص ۔ انصاف ۔ خدا خوفی ۔ اور دیانت و امانت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور زکوٰۃ کے ایک معنے نمو ہیں یعنی ان کے اموال میں برکت پڑتی ہے ۔ اس کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے :—

" مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ ۔ واللہ یضعف لمن یشاء ۔ واللہ واسع علیم " (۲ : ۲۶۱)

خدا کی راہ میں جب ایک انسان اخلاص ۔ اطاعت ۔ شکر کے جذبہ کے ساتھ خرچ کرتا ہے ۔ تو اس میں اللہ تعالےٰ سات صد گنا برکت ڈالتا ہے عربی میں ۷ ـ ۱۷ ـ ۷۰ ـ ۷۰۰ سے معین تعداد مراد نہیں ہوتی بلکہ کثرت اور بڑھوتی مراد ہوتی ہے ۔ اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں آتی ۔ کیسا پیارا ارشاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا

زبذلِ مال در راہش کسے مفلس نمی گردد
خدا خود می شود ناصر اگر ہمت شود پیدا

خدا کی راہ میں خرچ کرنے والا کبھی محتاج نہیں ہوتا ۔ اور دوسری طرف یہ انفاق فی سبیل اللہ قوم کی ترقی ۔ خوشحالی ۔ استحکام اور مقصد کے حصول میں آگے بڑھنے میں ممد و معاون ہوتا ہے اور جب تک اقامت صلوٰۃ کے بعد ادائے زکوٰۃ پر حقیقی عمل نہیں ہوتا ۔ کوئی جماعت نہ مضبوط ہو سکتی ہے اور نہ ترقی کی طرف ان کا قدم بڑھتا ہے ۔

از قلم میاں رحیم بخش صاحب کراچی (قسط نمبر ٢)

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی

حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان ہے

اس کے علاوہ شروع سے ہی مولانا محمد علی صاحب کا یہ بھی شغل تھا کہ یورپین مفکرین اور مصنفوں کی تصنیفات جمع کر کے خود مطالعہ کرتے اور حضرت صاحب کو ترجمہ کر کے سناتے اور ان لوگوں کے اسلام پر اعتراضات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت صاحب کے مضامین وغیرہ کا انگریزی ترجمہ کرتے تھے اور اپنے بھی مضامین تصنیف فرماتے تھے۔

اس کے علاوہ آپ مدرسہ تعلیم الاسلام میں کچھ وقت پڑھاتے بھی تھے۔ اور اس مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے انتظامی امور اور چندہ جمع کرنا بھی آپ کے سپرد تھا۔ آپ کی ان دنوں کی مصروفیات کی ایک جھلک اخبار الحکم مؤرخہ ٣٠ نومبر ١٩٠٠ء میں اس طرح نظر آتی ہے:۔

"حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی کی دینی خدمت قابل رشک ہے۔ آپ قریباً ٢ سال سے دارالامان میں بیٹھے ہوئے خدمت دین میں مصروف ہیں۔ یہ سب مولوی صاحب موصوف کی للّٰہی خدمت کا نتیجہ ہے...... باوجود اس قدر مصروفیت کے آپ نے گولڑی کے مقابل اخبار "عام" اور "چودھویں صدی" میں بڑے بڑے زبردست آرٹیکل لکھے اور کلکتہ کے ایک عیسائی اخبار میں انگریزی میں لطیف مضامین لکھ رہے ہیں........"

(الحکم ١٠ ستمبر ١٩٠٠ء)

"حضرت مولانا محمد علی صاحب بعض ولایتی فلاسفروں کی تصنیفات حضرت صاحب کو سنا رہے ہیں۔"

مولانا محمد علی صاحب کے اس زمانے کے حالات زندگی سے جو اوپر درج کئے گئے ہیں واضح ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نے مولانا صاحب کو کتنے قریب اور کس نظر غائر سے مطالعہ کیا تھا۔ اور جس نتیجہ پر وہ پہنچے اُن کا اظہار حضرت اقدس نے یوں تحریر فرمایا ہے:۔

"ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اُٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے سر انجام دینے کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں...... اور میں اس مدت میں یعنی جب سے وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا، اخلاق اور دین اور شرافت میں ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیاء، نیک اندرون، پرہیزگار آدمی ہے۔

اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے.... یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو بہمہ صفت موصوف ہوں اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی ہوں تلاش کرنے سے نہیں ملتے"

(مجموعہ اشتہارات ٩ اگست ١٨٩٩ء)

اس کے بعد اکتوبر ١٨٩٩ء میں ایک اور موقع پر تحریر فرمایا:۔

"اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے۔ کہ ایک جوان صالح خدا کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے۔ یعنی حبّی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ہیں۔ ان کے آثار عمدہ پاتا ہوں۔ اور وہ ایک مدت سے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں ہیں۔ اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی۔ کہ جوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے تقوےٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا۔ جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین!"

(مجموعہ اشتہارات ٤ اکتوبر ١٨٩٩ء جلد ہشتم ص ٦٨)

رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا اجراء

مذہبی دنیا میں دین اسلام کی حقانیت کے بارہ میں ایک انقلاب پیدا کرنے والا ماہوار رسالہ انگریزی میں مولانا محمد علیؒ کی ادارت میں جنوری ١٩٠٢ء میں شائع ہوا۔ اس کے اجراء کے عوامل اور مقاصد خود حضرت اقدس مسیح موعود کی ذیل کی تحریر سے واضح ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں (یہ اقتباس مجاہد کبیر سے ماخوذ ہے):۔

"یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجب غم اور پریشانی کا تھا۔ کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی روح کو ہمیشہ اطمینان دینے والی باتیں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ ان سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں کو اب تک فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ درد اس قدر تھا۔ کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی۔ مگر چونکہ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس کے ناپائدار گھر سے گذر جائیں۔ ہمارے تمام مقاصد پورے کر دے اور ہمارے لئے آخری سفر حسرت کا سفر نہ ہو۔ اس لئے

دوسرے تجسس کرتا رہا ہوں سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے۔ ایک تدبیر پیدا ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ ...
...... ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۲۷)

اس رسالہ کی ایڈیٹری کے لئے ایک قابل انگریزی دان کی ضرورت تھی چنانچہ حضرت اقدس نے مولانا محمد علی صاحب کو فرمایا کہ آپ اگر قادیان رہ کر یہ خدمت دین کریں تو بہت خوب ہو۔

مولانا صاحب نے اس کو اپنی سعادت سمجھا اور جیسا پہلے ذکر آچکا ہے وکالت کرنے کے تمام انتظامات کو منسوخ کر دیا۔ لیکن رسالہ کے نکلنے میں کچھ تاخیر ہوگئی .... بالآخر نومبر ۱۹۰۱ء میں فیصلہ ہوا کہ عہدہ داران انجمن (یعنے انجمن اشاعت اسلام جو خاص طور پر رسالہ کے اجراء کے لئے قائم کی گئی) مقامی ہوں۔ اور مولانا محمد علی صاحب کو سیکرٹری بنایا گیا۔ اور رسالہ کو قادیان سے نکالنے کی تجویز رہی جنوری ۱۹۰۲ء سے یہ رسالہ مولانا محمد علیؒ کی ایڈیٹری میں ماہوار شائع ہونا شروع ہوا۔ اور ساتھ ہی اس کا ایک ترجمہ اُردو رسالہ کی شکل میں بھی نکلنے لگا .... ابتداء میں اُردو رسالے میں اکثر حضرت صاحب کے ہی مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ جن کا انگریزی ترجمہ مولانا محمد علی صاحب شائع کیا کرتے تھے۔ اور مولانا صاحب خود بھی کچھ مضامین لکھا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں مولانا محمد علی صاحب کے اپنے مضامین کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اور آگے چل کر تو تقریباً سارا رسالہ ہی مولاناؒ کے اپنے قلم سے نکلنے لگا۔ اور بڑے بڑے معرکۃ الآراء مضامین ان کے قلم سے نکلے۔ جو مسلم اور غیر مسلم پبلک میں نہایت مقبول ہوئے۔ مثلاً بہشت و دوزخ۔ پردہ۔ کثیر الازدواجی۔ غلامی۔ اسلامی جنگیں۔ مسئلہ وراثت۔ سود۔ طلاق۔ جمع قرآن۔ حفاظت احادیث وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اس وقت جو کچھ پادری اسلام کے خلاف لکھ رہے تھے۔ اس کی تردید پر زور دلائل اور پُرشوکت سلسلۂ مضامین سے کی گئی۔ کہ تمام مسیحی دنیا میں تہلکہ مچ گیا .... مضامین کی خوبیوں کے علاوہ اس رسالہ کی انگریزی زبان کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف بھی عام طور پر کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا تھا۔ کہ اس رسالہ کا ایڈیٹر کوئی انگریز ہے۔ جو مرزا قادیانی نے اپنے پاس چھپا کر رکھا ہوا ہے اور محمد علی کے فرضی نام سے اس رسالے کی ایڈیٹری کرتا ہے ....

الغرض ریویو آف ریلیجنز پہلا رسالہ تھا جس نے اس زور و شور اور فصاحت و بلاغت سے انگریزی زبان میں اسلام کو پیش کیا اور دلائل قاطعہ سے اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر ثابت کر کے دکھایا۔ مسلم و غیر مسلم اہل علم طبقہ حیرت میں پڑ گیا۔ سینکڑوں انگریزی تعلیمیافتہ نوجوانوں کو جو پادریوں اور دہریوں کے زیر اثر تھے۔ دوبارہ اسلام اور ایمان نصیب ہوا۔

پادریوں کے گھروں میں ماتم پڑ گیا۔ کیونکہ عیسائی مذہب سب سے زیادہ اس رسالہ کا نشانہ تھا۔ اور اسلام کا غلبہ دلائل سے تمام ادیان پر ایک حقیقت نظر آنے لگا ....

ستمبر ۱۹۰۳ء میں حضرت صاحب نے اس رسالہ کی اشاعت کے لئے ایک اشتہار شائع فرمایا۔ چونکہ اس سے اس سلسلہ کی اصل غرض روشنی پڑتی ہے اس لئے اس کے کچھ حصہ کی نقل مندرجہ ذیل ہے:—

" چونکہ ہماری جماعت کو معلوم ہوگا۔ کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میری بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائیں۔ ان کو دور کر کے دنیا کے تمام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض کو مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ پورا کیا جائے اس لئے انہی اغراض کو پورا کرنے کے لئے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا جس کا شائع ہونا امریکہ اور یورپ کے اکثر حصوں میں بخوبی مفید ثابت ہو چکا ہے۔ اور بہت سے دلوں پر اثر ہونا شروع ہو گیا ہے۔"

اس کے بعد رسالہ کے لئے تحریک کرتے ہوئے فرمایا۔—
" جو کوئی میری موجودگی میں اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا۔ میں امید رکھتا ہوں۔ کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔"

غرضیکہ حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مولانا محمد علی صاحب کا انتخاب فرمایا۔ اور یہ رسالہ بڑی آب و تاب سے شائع ہوتا رہا۔ اور بڑے بڑے قیمتی مضامین اسلام پر اس میں شائع ہوتے رہے۔ اور بڑی عظیم الشان خدمت اس کے ذریعہ دین کی ہوتی رہی ہے۔

اسلام کے متعلق انگریزی خوان دنیا کا نقطہ نظر بدلنے کا باعث اس زمانے میں سب سے پہلا یہی رسالہ تھا۔ اور ہندوستان کے تعلیمیافتہ طبقہ کے علاوہ کثرت سے غیر ممالک میں بھی بھیجا جاتا رہا مارچ ۱۹۱۴ء تک جب تک کہ مولانا محمد علی صاحب اس کے ایڈیٹر

تبلیغی کلاس کے لئے

احمدی نوجوان طلباء کی

خدمات کی ضرورت

انجمن نے تجویز کیا ہے کہ ادارہ تعلیم القرآن کے زیر نگرانی تبلیغی کلاس شروع کی جائے۔ جس کے لئے مندرجہ ذیل کوائف کے حامل خاندانی احمدی نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں۔

۱۔ تعلیم:— کم از کم۔ ایف اے۔ عربی۔ اسلامیات اور اسلامی تاریخ میں تعلیم والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ یا فاضل عربی اور فاضل فارسی کی سند کے حامل طلباء کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

قبل ازیں ۲ طلباء انڈونیشیا سے مرکز میں آکر فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن میں تبلیغ اسلام کے مبارک کام میں کماحقہٗ مصروف ہیں اسی طرح اب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے حالیہ دورہ سرینام سے واپسی پر وہاں سے طلباء کو دینی تعلیم کی غرض سے مرکز میں لانے کے لئے کوشاں ہیں۔

طلباء کو درج ذیل سہولتیں حاصل ہوں گی:—

(۱) دوران تعلیم خورد و نوش اور رہائش کا انتظام مرکزی انجمن کے ذمہ ہوگا۔ علاوہ ازیں یکصد روپیہ ماہوار بطور وظیفہ دیا جائے گا

(۲) فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کو انجمن بطور اپنے کارکن مبلغ بیرون یا اندرون پاکستان مقرر کریگی۔ جن کے گریڈ گورنمنٹ پے سکیل کے مطابق حسب قابلیت و لیاقت مقرر کئے جائیں گے۔ سعد اختر۔ جائنٹ سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

رہے ۔ اس رسالہ کی آب و تاب میں فرق نہیں آیا ۔ بڑی شان و شوکت سے شائع ہوتا رہا ۔ لیکن جب مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد مولانا محمد علی صاحب کو قادیان میں سب کچھ چھوڑ کر لاہور آنا پڑا ۔ تو یہ رسالہ دوسرے ہاتھوں میں چلا گیا ۔ اور یہی وہ وقت ہے جب اس کے مضامین کا تنزل شروع ہوا ! اور یہ ایک معمولی درجہ کا رسالہ بن کر رہ گیا ۔

یورپ میں اسلام پھیلانے کے علاوہ اس رسالہ کے اجراء سے حضرت صاحبؑ کی دو خواہشات اور تھیں ۔ ایک قرآن کا انگریزی ترجمہ و تفسیر کر کے ان لوگوں تک پہنچانا اور دوسرے اسلامی مسائل پر ایک مفصل کتاب لکھ کر اس کا پھیلانا ۔ چنانچہ آپ نے اپنے دعوے کے بعد سب سے پہلی کتاب "ازالہ اوہام" میں اپنی آرزو ان الفاظ میں بیان کی :۔

"سو میری صلاح ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں ۔ اور اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو ۔ تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے ۔

میں اس بات کو صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا ۔ کہ یہ میرا کام ہے ۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے ۔"

اور ایک اور مقام پر تحریر فرمایا :۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں ۔ اور مولوی محمد علی صاحب ترجمہ کریں ۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے ۔ ایک یہ کہ اللہ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں ۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں ۔ اور تیسرے یہ کہ بنی نوع انسان کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں ۔"

(منظور الٰہی ۔ صفحہ ۱۸۲)

ایک موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈائری مطبوعہ بدر ۔ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء میں درج ہے :۔

"۱۳ فروری ۱۹۰۷ء کو مولوی محمد علی صاحب کو حضرت اقدسؑ نے بلا کر فرمایا ۔ کہ ہم چاہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے ۔

آج کل ان ملکوں میں جو اسلام نہیں پھیلتا ......

اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ۔ . . . ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھایا جائے ۔ جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے ۔ اور وہ امتیازی باتیں جو خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں

...... ان سب باتوں کو جمع کیا جائے جن کے ساتھ اسلام کی عزت اس زمانے میں وابستہ ہے ۔"

زمانہ ما بعد نے کس صراحت اور کس خوبی سے یہ ثابت کر دیا کہ جو آرزوئیں اور دلی خواہشات حضرت اقدس کی برائے تبلیغ اسلام خاص کر مغربی ممالک میں حضرت مولانا محمد علیؒ سے وابستہ تھیں ۔ ان کی تکمیل حضرت مولانا محمد علیؒ کے وجود سے ہوئی ۔ اور اس پچیس چھبیس سالہ نوجوان نے وہ مقام حاصل کر لیا جس سے وہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے سلطان القلم

بقیہ صفحہ ۔۔۔ ۲۲

اور میری اطاعت کرو ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مغفرت فرما دے گا اور تمہیں وقت مقرر تک تاخیر دے دیگا ۔ بے شک اللہ کا وقت جب آ جاتا ہے تو پھر اس میں تاخیر نہیں ہوتی ۔ کاش تم جانتے ۔

یہاں کئی لطیف باتیں مذکور ہیں ۔ ایک تو یہی کہ اگر تم خدا کی طرف رجوع کرو گے اور اپنی بد اعمالیوں سے باز آ کر میری اطاعت کرو گے ۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا ۔ اور تمہیں وقت مقررہ تک مہلت اور تاخیر عطا فرمائے گا ۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے اعمال ایسے تھے کہ وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ ان کو دنیا میں مقررہ وقت تک رہنے دیا جائے ۔ بلکہ اس سے قبل ہلاک کر دیا جائے ۔ دوسرے انّ اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر لو کنتم تعلمون میں اجل اللہ اس وقت کو بتایا جب ان پر ہلاکت کا عذاب آنے والا تھا ۔ اسی لئے تو فرماتے ہیں کاش کہ تم جانتے کہ خدا کا مقرر کردہ وقت جب آ جاتا ہے تو پھر مہلت نہیں ملتی ۔ معلوم ہوا کہ جو بھی کسی امر کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے ۔ وہ ایک اجل ہوتی ہے ۔

یہاں دوسری دفعہ جو اجل فرمایا تو اس سے مراد عذاب کا وقت مقرر ہے ۔ اور تیسری بات یہ معلوم ہوتی کہ جب تک توبہ و استغفار ، صدقہ و خیرات وغیرہ سے وقت ٹل سکتا ہے ۔ لیکن جب وہ آ جائے تو وہ ٹل نہیں سکتا ۔ گویا اس کے آنے سے پہلے وقت ہوتا ہے کہ کوشش کرنے سے اللہ تعالیٰ اسے ٹال دے ۔ لیکن جب سر پر آن موجود ہوا تو پھر نہیں ٹلا کرتا ۔ ٹلنے کا وقت اس کے آ جانے سے قبل ہے ۔

اسی طرح عمر کے بڑھنے کے قوانین باطنی میں سے ایک قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے ۔ کہ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (الرعد) اور جو نافع الناس ہوتا ہے اسے خدا زمین میں قائم رکھتا ہے اس کی تشریح حدیث شریف میں اس طرح ہے :۔

لا یرد القضاء الا الدعا ولا یزید فی العمر الا البر (ترمذی)

کہ قضا کو کوئی چیز رد نہیں کرتی مگر دعا اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی مگر نیکی ۔

ایک ضروری تصحیح

پیغام صلح ۱۹ ستمبر ۱۹۷۹ء صفحہ پہلا کالم ۱ کی آخری سطر سے اوپر کی سطر میں جلسہ مذاہب عالم کے ساتھ سہو کتابت سے ۱۸۹۶ء کے بجائے ۱۸۹۴ء لکھا گیا ہے ۔ اصل مسودہ میں بھی ۱۸۹۶ء ہے ۔

یہ جلسہ اعظم تحقیق مذاہب عالم ۱۸۹۶ء میں بمقام لاہور منعقد ہوا تھا ۔ قارئین تصحیح فرمائیں ۔ ادارہ معذرت خواہ ہے ۔

(ادارہ)

کا حقیقی جانشین ٹھہرا۔

حضرت اقدسؑ کا مولانا محمد علیؒ صاحب کے بارہ میں یہ حسنِ ظن محض آپ کی مومنانہ فراست پر مبنی نہ تھا۔ گو مومن کی فراست بھی ایک اللہ کا نور اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ بلکہ حضرت اقدس کو مولانا صاحب کے بارہ میں رؤیا، کشوف اور الہامات بھی ہوئے۔ جن کی بناء پر آپ کا حسنِ ظن یقین کی حدود تک پہنچ گیا۔ جیسا کہ درج ذیل خط میں آپ فرماتے ہیں۔ (اس کے اصل کا فوٹو مجاہد کبیر میں ملاحظہ ہو) :—

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا تھا۔ ہرگز نہ ہوتا۔ مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں ....."

سب سے بڑا کام تفسیر قرآن کا کام تھا۔ جس سے اس زمانہ میں اسلام کی صداقت ظاہر ہو۔ حضرت مسیح موعود نے ازالہ اوہام ص۷۷۳ پر خود ایک تفسیر لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جیسا کہ پہلے حوالہ آچکا ہے۔ مگر دوسری جگہ آپ کو ایک روشن کشف میں یہ دکھایا گیا۔ کہ تفسیر علی نے لکھی ہے۔ اور علی وہ تفسیر تم کو دیتا ہے۔ آپ نے اپنے اس کشف کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

"اس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا" کشف کے دو حصے ہیں، جن میں سے دوسرا حصہ ان الفاظ میں ہے :—

"پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتایا گیا۔ کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جس کو علی نے تصنیف کیا ہے۔ اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔"

(تذکرہ ص۲۱-۲۲ و براہین احمدیہ ص۵۰۳)

گویا خود حضرت صاحب نے اپنا ارادہ ایسی تفسیر لکھنے کا ظاہر فرمایا مگر مصلحت الٰہی یہی تھی۔ کہ حضور کا مندرجہ بالا کشف پورا ہو۔ کہ علی ایک تفسیر لکھے۔ اور آپ کو دے۔ چنانچہ اس تفسیر کی تمہید میں مولانا محمد علی صاحب کے یہ انگریزی الفاظ ہیں :—

"اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانے کے سب سے بڑے مذہبی رہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو اس مصلح عظیم، مہدی و مجدد صدی چہاردہم بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔"

حضرت مسیح موعود کے علمی ورثہ اور دین اسلام کے لئے قلمی جہاد کے لئے مولانا محمد علی صاحب کا منتخب کیا جانا ایک اور رؤیا میں بھی صراحت سے بتایا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :—

"رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہو گئی تو میں واپس آ گیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں واپس آتے ہوئے راستے میں گرد و غبار سے بہت تاریکی ہو گئی اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر پکڑا ہوا ہے۔ چند قدم چل کر روشنی ہو گئی۔ آگے دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ ہے۔ اس پر اتر پڑا۔ وہاں چند ایک لڑکے ہیں۔ انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم صاحب آ گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب آ رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا۔ اور السلام علیکم کہا۔ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی اور کہا کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے۔ وہ بھی اس سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح سے ہے جیسے خرگوش ہوتا ہے۔ بادامی رنگ۔ اس کے آگے ایک نالی لگی ہوئی ہے۔ اور نالی سے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے۔ جس سے وہ قلم بغیر محنت کے آسانی سے چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی خود حضرت صاحب تعبیر فرماتے ہیں کہ :—

"عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں۔ قلم مراد سے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ مخالفین کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔"

(تذکرہ صفحہ ۷۵۶ و براہین احمدیہ صفحہ ۵۳)

الغرض حضرت اقدس مسیح موعود کے مولانا (حضرت اقدسؑ ہمیشہ مولوی کے لقب سے یاد فرماتے تھے) مولوی محمد علی کی علمی قابلیت اور دینی خدمات کے پُرخلوص جذبات کی بناء پر آپ کے (مولوی محمد علی) کے بارہ میں متعدد کشوف اور رؤیاء کی بناء پر اس حقیقت کا بلاشک و شبہ انکشاف ہوتا ہے۔ کہ حضرت اقدس کو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مولوی محمد علی صاحب پر دن بدن اعتماد بڑھتا جاتا تھا کہ گویا حضرت اقدسؑ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے مولوی محمد علی صاحب کو منتخب کر لیا تھا۔ اور اسی مقصد کے لئے حضرت اقدس نہ صرف تالیف و تصنیف کا کام آپ کے سپرد کرتے تھے بلکہ

شکریہ احباب

میرے برادر بزرگ خواجہ محمد عبداللہ کی وفات پر حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ نیز محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور دیگر بزرگانِ سلسلہ۔ احباب کرام اور بیرونی جماعتوں نے ہمدردی کے خطوط اور تاریں ارسال کر کے میرے غم کو ہلکا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ بہت سے احباب خود بھی تعزیت کے لئے دور دراز کا سفر اختیار کر کے تشریف لائے۔ میرے لئے ان سب بزرگوں اور بھائیوں کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ بذریعہ پیغام صلح ان احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔

خواجہ محمد عبداللہ صاحب میرے بڑے بھائی ہی نہ تھے۔ بلکہ میرے لئے بمنزلہ باپ کے تھے۔ ان کے پاس رہ کر ہی میں نے تعلیم مکمل کی۔ ان کی شفقت اور محبت اور تربیت نے مجھے اس قابل بنایا کہ دینی خدمت بجا لاؤں۔ دگرنہ میں ایک عام سپاہی تھا۔ جو ملازمت سے سبکدوش ہو کر کھیتی باڑی کرتا تھا۔

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

غمزدہ: خواجہ محمد نصیر اللہ

جب جماعت تعداد میں بڑھتی گئی۔ تو جماعت کی تنظیم اور اشتہر کام کے متعلق بھی ضروری کام آپ کے سپرد کرتے چلے گئے۔ رؤیا اور کشوف کے بیان کو ختم کرنے سے پہلے ایک رؤیا کا ذکر کر دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت اقدس کی زندگی کے بعد جو واقعات رونما ہونے تھے۔ ان سے مولوی محمد علی کا کیسا گہرا تعلق تھا۔ یہ بیان ذرا تفصیل سے تجلّیٔ کبیر میں یوں درج ہے:۔

اسی جگہ یہ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احادیث نبوی میں مہدی کے خروج کے متعلق تین احادیث ایسی ہیں جن کو نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۴۲-۴۴۳ پر نقل کیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ مہدی کی وفات کے بعد ایک خلیفہ ہوگا اور جب وہ فوت ہوگا۔ تو قرآن لوگوں کے سینے سے اٹھ جائے گا۔ اور لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ اس کے بعد لوگ اس کے اہل بیت میں سے ایک آدمی کو اپنا خلیفہ بنائیں گے جس کا شر خیر سے زیادہ ہوگا۔ اس کے خلاف ایک شخص خروج کرے گا جس کا لقب منصور ہوگا۔

ایک اور حدیث ابوداؤد کی حضرت مسیح موعود نے اپنے ایک کشف کے ازالہ اوہام صفحہ ۹۵ تا ۹۹ کے حاشیہ میں دی ہے۔ کہ ایک شخص ما وراء النہر سے نکلے گا۔ یعنی بخارا اور سمرقند اس کا اصل وطن ہوگا۔ اور وہ حارث کے نام سے پکارا جائے گا۔ یعنی باعتبار اپنے آباء و اجداد کے پیشے کے حارث یعنی زمیندار ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

"عن علی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخرج رجلٌ من وراء النہر یقال لہ الحارث حراث علی مقدمۃ رجلٌ یقال لہٗ منصور ......"

اس حدیث کو حضرت مسیح موعود نے اپنے اوپر لگایا ہے کہ یہ حارث دراصل اسی اُمت کا مسیح ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"سو واضح ہو کہ یہ پیشگوئی جو ابوداؤد کی صحیح حدیث میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث، ماوراء النہر یعنے سمرقند کی طرف سے نکلے گا۔ جو آل رسول کو تقویت دے گا۔ یہ پیشگوئی اور مسیح کے آنے کی پیشگوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا۔ دراصل یہ دونوں پیشگوئیاں متحد المضمون ہیں، اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔"

اور پھر حدیث کے ان الفاظ علی مقدمۃ رجل یقال لہ منصور کی تشریح آپ نے یوں فرمائی ہے:۔

"اور اس کے (یعنی حارث) لشکر یعنے اس کی جماعت کا سردار اور سرگردہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں۔ بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی۔ کہ اس حارث کو دی جائے گی۔ جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا۔ کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔ تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا۔ مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ مگر وہ چپ رہا۔ اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ تب میں نے اس دوسرے کی طرف رخ کیا۔ وہ چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا۔ اس سے میں نے مخاطب کر کے کہا۔ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری یہ بات سن کر بولا۔ ایک لاکھ نہیں پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے دل میں کہا۔ کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے سے آدمی ہیں۔ پر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللّٰہ۔ پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا۔ اور کہا گیا خوشحال ہے خوشحال مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت پہچانا جائے گا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۹۵-۹۹۔ تذکرہ صفحہ ۱۸۱-۱۸۲)

آپ کی کتاب ازالہ اوہام جس میں یہ کشف درج ہے ۱۸۹۱ء میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت نہ حضرت اقدس نے مولانا محمد علی صاحب کو دیکھا تھا اور نہ انہوں نے حضرت صاحب کو۔ لیکن اس کے بعد جب مولانا محمد علی صاحب قادیان میں رہ پڑے تو حضرت صاحب نے جس طریق پر اپنی دلی خواہشات کا اظہار کر کے اس کے متعلق سب کام مولانا محمد علی صاحب کے سپرد کئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور نے اپنے مقدمۃ الجیش کا تقرر خود ہی فرمایا تھا۔ اس رؤیا کی تعبیر جو اصل واقعات کے رنگ میں ظہور پذیر ہوئی۔ حضرت اقدس کی وفات کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کا ذکر موقعہ کی مناسبت سے بعد میں تفصیل سے ہوگا۔

حضرت اقدس مسیح موعود کا اعتماد حضرت مولوی محمد علی صاحب کی قابلیت۔ اخلاص۔ دیانت۔ تقویٰ۔ اور علم دین پر دن بدن بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ جماعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے تمام انتظامی اور اقتصادی امور آپ اپنے منشاء خاص سے مولوی محمد علی صاحب کے حوالے کرتے گئے۔ اور مولانا محمد علی صاحب کو گوناگوں مصروفیات اس قدر بڑھ گئیں کہ آپ کی کارگزاری اور ان سب امور کا بطور احسن سرانجام دینا ایک حیرت انگیز بات ہے۔

دن میں آپ کی مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ تعلیم الاسلام مولانا صاحب کی کوششوں سے قائم ہوا۔ جس کے قیام کے اغراض کے بارہ میں حضرت اقدس خود ارشاد فرماتے ہیں:۔

"...... اسی لئے مدرسہ کو ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی خدمت کے کام آئے ...... میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اور وہ اکیلے ہیں۔ ان کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔"

(ڈائری الحکم۔ مورخہ ۱۱/۸ ۱۹۰۱ء)

اسی طرح مقدمات کی پیروی۔ صدر انجمن احمدیہ کا قیام۔ ریسالہ ریویو آف ریلیجنز وغیرہ میں آپ کا تمام وقت صرف ہوتا۔ مگر باوجود اس کے رات کو بیٹھ کر موم بتیوں کی روشنی میں قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر اور اس کے لئے حوالجات کی تلاش، یہ کام اپنی نیند کو حرام کر کے خدمت قرآن میں وقف کرتے رہے۔ اللہ اللہ وہ کیا زمانہ تھا۔ نہ اس وقت بجلی کے قمقمے جگمگاتے تھے۔ نہ پنکھوں کی ہوا کی راحت میسر تھی۔ ایک دیہاتی زندگی کی سختیاں جھیل کر وہ خدمت دین کے کام مولوی محمد علی صاحب نے سرانجام دیئے

کہ دنیا حیرت زدہ رہے گی۔

الغرض حضرت اقدس کی زندگی کے آخری ایام تک جب جماعت اپنے عروج پر تھی اور چندوں سے آمدنی کی آمدنی ہزاروں سے لاکھوں روپے تک پہنچ گئی تھی ۔ مولانا محمد علی صاحب کے بارہ میں حضرت اقدس کا یہی اعتماد قائم رہا۔ چنانچہ آپ نے الحکم اور البدر کے (یہ دونوں بڑے پایہ کے اخبار حضرت صاحب کی یاد میں شائع ہوتے تھے) کے ایڈیٹروں کو بلا کر تاکید کی کہ :۔

"وہ آپ کی تقاریر اور مضامین کے قلمبند کرنے میں ہمیشہ محتاط رہا کریں ۔ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی بات غلط پیرایہ میں بیان ہو جائے .... اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے مضامین اخبارات میں چھاپنے سے پہلے مولوی محمد علیؓ صاحب ایم اے کو دکھا لیا کریں۔"

(ڈائری ۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء ملفوظات احمدیہ جلد ہفتم ۔ صفحہ ۴۴۵)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے ساتھ حضرت مولوی محمد علی صاحب کی زندگی کا پہلا عظیم الشان زریں باب اس طرح ختم ہوا جس کا ذکر مجاہد کبیر میں یوں لکھا ہے :۔

"۲۷ر اپریل ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح نے اپنا آخری سفر لاہور فرمایا ۔ اپنی غیر حاضری میں قادیان میں آپ نے مولوی محمد علی صاحب کو مہمان خانے کا انتظام (جو خود آپ کی نگرانی میں تھا) اور دیگر سب کاروبار سونپا ۔ لاہور میں آپ پہلے خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر ٹھہرے ۔

مولوی نورالدین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور کئی احباب بھی لاہور آ گئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت صاحب ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں تشریف لے آئے ۔ احمدیہ بلڈنگس میں جہاں اب مسجد ہے وہاں اس وقت میدان تھا ۔ اس پر شامیانہ لگا کر اور دریاں بچھا کر نماز جمعہ ہوا کرتی تھی ۔ اور روزانہ مولوی نورالدین صاحب درس قرآن دیتے تھے ۔ ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے (یعنی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے) اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون ۔

اور اسی روز رات کو جنازہ بذریعہ ریل قادیان لے جایا گیا ۔ تمام جماعت نے مولانا نورالدین صاحب کو حضرت صاحب کا جانشین تسلیم کیا ۔ حضرت صاحب کی وفات ایک طرف تو جماعت کے لئے انتہائی صدمہ کا موجب ہوئی دوسری طرف مخالفین نے ایک طوفانِ بدتمیزی اٹھا رکھا تھا ۔ اور جماعتِ احمدیہ کے لئے وہ وقت ایک سخت امتحان کا وقت تھا ۔ لاہور کے قیام میں حضرت صاحب نے اپنی آخری تصنیف "پیغام صلح" تحریر فرمائی تھی ۔ اور آپ کی وفات کے بعد جب پیغام صلح لاہور کے یونیورسٹی ہال میں ۲۱ر جون کو پڑھا جاتا تھا ۔ تو کثرت سے احمدی احباب لاہور میں جمع ہو گئے تھے ۔ اس موقعہ پر حضرت مولانا نورالدین صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں مولانا محمد علی صاحب نے احمدیہ بلڈنگس میں ایک نہایت مؤثر اور پرجوش تقریر کی اس تقریر کو پورا بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا ۔ اس لئے آخری حصے کا اقتباس درج ذیل ہے :۔

"......... حضرت صاحب کا وجود اس زمانے میں ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک ابرِ رحمت اور سایہ کرم تھا ۔ آپ نے ہمیں بدیوں سے ہٹا کر نیکی پر قائم کیا ۔ ہماری دہریت اور خشک ایمان کو تازہ اور زندہ ایمان سے بدل دیا ۔ اور ہمارے دلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی عزت اور عظمت فولاد کی طرح بھر دی ۔ ہماری عملی حالتیں ناگفتہ بہ تھیں ۔ مگر اس نے کچھ ایسا شربت پلایا کہ نماز اور ذکر الٰہی میں ہمیں لذت اور سرور آنے لگا ۔ اور قرآن مجید کی محبت ہمارے دلوں میں موجزن ہوئی ۔ اور ہر ایک نفس نے اپنی مقدور اور استعداد کے مطابق نیکی میں ترقی کی .... پس ہمیں آپ کی اس وفات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے ۔ مبارک ہیں وہ جو اس وقت پاک تبدیلی اور ثبات قدم کا بہترین نمونہ دکھائیں ۔ مومن کی نشانی یہی ہے کہ وہ دکھ کے وقت بھی آگے قدم اٹھاتا ہے ...."

پھر اس تقریر کے آخری الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں ۔ فرمایا :۔

"باوجود مخالفت کی سخت آندھیوں کے وہ خدا کا مامور لاکھوں انسانوں کو اپنی بات منوا گیا ۔ اور آپ لوگوں میں ایسی روح پیدا کر گیا ۔ اگر اس کو لے کر ہم یہ کام کریں تو روحانی فتوحات کے دروازے ہم پر کھولے جائیں گے ۔

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ابوبکرؓ عمرؓ نے کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں ۔ کیونکہ ان کی روح صحابہ میں کام کرنے لگی تھی ۔ اسی طرح مسیح موعود کی وفات کے ساتھ یہ سلسلہ بند نہیں ہو گیا ۔ اور ہم لوگوں کا فرض ہے کہ اس مقصد عالی کو سامنے رکھ کر کام کریں اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ دینے کی کوشش کریں ۔"

(الحکم ۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۰۸ء)

ان حالات اور واقعات کے بیان کرنے سے جو دو اقساط میں ذرا تفصیل اور تشدد سے شائع کر چکے ہیں ۔ مخصوص مقصد یہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود کی نیک ظنی اور پرخلوص اعتماد کے جذبات کو ذہن نشین کر کے حضرت مولانا محمد علی نے جماعت میں ایک عالی مقام اور بے مثل مرتبہ حاصل کیا تھا۔

مولانا محمد علی صاحب کے حضرت اقدس کی وفات کے بعد کے واقعات کو بھی انہیں حالات کی روشنی میں دیکھا گیا ۔ تو ان کا مرتبہ علو اور عظمت شان اور بھی بڑھ کر نظر آنے گی ۔ اور ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا ۔

حضرت اقدس کی رویاء صادقہ کے صدق کی تصدیق بھی آئندہ کے حالات میں واضح تر ہو جائے گی ۔ اس موضوع پر ابھی ایک یا غالباً دو مزید اقساط کا انتظار فرمائیے ۔

وَمَا توفیقی الا باللہ العلی العظیم

ایک ضروری تصحیح

حضرت امیر مرحوم نمبر صفحہ ۲۰ پر کالم ۲ میں سہو کتابت سے دو جگہ ۱۸۹۹ء کی جگہ ۱۹۹۹ء لکھا گیا ہے قارئین کرام تصحیح فرمائیں ۔ ادارہ اس افسوسناک غلطی پر معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کی سہ ماہی رپورٹ

ماہ جون، جولائی، اگست ۱۹۷۹ء

(مولانا محمد یحییٰ بٹ امام و مشنری انچارج)

۱۔ ماہ رمضان کا مبارک مہینہ اور اس کی برکات

ماہ رمضان کا مبارک مہینہ ہمارے ہاں ۲۶؍ جولائی ۱۹۷۹ء کو شروع ہوا اور ۲۳؍ اگست تک جاری رہا۔ احباب کی سہولت کے لئے سحور و افطار کے اوقات کا ایک چارٹ مرتب کیا گیا اور اسے چھپوا کر بذریعہ پوسٹ احباب کو بھیجا گیا۔ بعض احباب خود مسجد میں آکر اس چارٹ کو لے گئے۔ انڈونیشیا کے طلباء نے جو یہاں یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اپنے طور پر اس چارٹ کی فوٹو کاپی کرا کر اسے اپنے حلقہ میں تقسیم کیا۔

اس چارٹ کے سر پر عربی رسم الخط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــ نحمدہٗ و نصلی علیٰ محمد رسول اللہ و خاتم النبیین کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ تمام جرمنی میں شاید یہ ایک ہی چارٹ تھا جس میں سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان بھی شائع کیا گیا تھا۔

اس سال سحور و افطار کے اوقات کا درمیانی وقفہ بڑا لمبا تھا۔ پہلا روزہ ۱۷ گھنٹے ۲۳ منٹ کا تھا۔ اور آخری روزہ ۱۵ گھنٹے ۴۴ منٹ کا تھا۔ روزہ کے اس وقت کے لمبا ہونے کے پیش نظر قرآن کریم کے الفاظ میں یہ فتوےٰ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ اگر کسی فرد کے لئے روزہ کا یہ لمبا وقت اس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا کرتا ہو یا وہ بیمار ہو تو وہ یا تو روزہ رکھنے کی بجائے فدیہ دیدے یا روزہ کو کسی دوسرے مہینہ میں پورا کرلے۔

رمضان کا مہینہ خدا کے فضل سے بڑی برکات کا موجب ہوا۔ مجاہدہ کی توفیق ملی۔ اشاعت اسلام کے لئے دعائیں کی گئیں۔ جمعہ کے اجتماعات میں رونق بڑھ گئی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے ایک قاری مصر سے مسجد میں بھیج دیا۔ جمعہ کی نماز سے پہلے اور جمعہ کی نماز کے بعد قاری موصوف نے احباب کو قرآن کریم کی قرأت سے محظوظ کیا۔ مسجد سے باہر باغ میں کھڑے ہو کر انہوں نے اونچی اور سریلی آواز میں اذانیں دیں۔ الحمد للہ۔

۲۔ عید الفطر کا پُرلطف اجتماع۔

رمضان کے مبارک مہینہ کے اختتام پر ۲۴؍ اگست بروز جمعہ عید الفطر کا اجتماع منعقد ہوا۔ احباب کو دعوت نامے بذریعہ پوسٹ بھیجے گئے۔ صبح نو بجے احباب مسجد میں آنا شروع ہو گئے۔ آدھ گھنٹہ کے اندر اندر بارہ مختلف ممالک کے احباب عید کی نماز کے لئے جمع ہو گئے۔ ان میں سب طبقہ کے لوگ تھے۔

راقم الحروف نے احباب کو خوش آمدید کہا۔ نماز شروع کرنے سے پہلے صدقۃ الفطر کے ادا کرنے کا اعلان کیا۔ پھر نماز میں تکبیروں کی تعداد یعنی سات بار و پانچ بار بتائی گئی۔ بعد میں سب احباب نے مل کر دو رکعت نماز ادا کی۔ بعد ازاں خاکسار نے جرمن زبان میں خطبہ دیا جو بیس منٹ تک جاری رہا۔ خطبہ کے ختم ہونے پر میں نے احباب کو عید مبارک کہی حاضرین کو چائے اور کیک پیسٹری پیش کئے گئے۔ یوں سب احباب نے مل کر عید کے اس انٹرنیشنل اجتماع کی رونق اور اس کی مسرتوں کو بڑھایا۔ احباب نے خطبہ کے مضمون کو طبع کرانے کا مشورہ دیا۔

جمعہ کی نماز کا اجتماع

عید کے اجتماع کے بعد ایک بجے بعد دوپہر جمعہ کی نماز کے لئے احباب دوبارہ مسجد میں جمع ہوئے۔ خطبہ دیا گیا۔ نماز ادا کی گئی۔ یوں عید الفطر کے دن بعض احباب میرے ہاں چار بجے شام تک بیٹھے رہے۔

۳۔ جمعہ کی نماز کے لئے اجتماعات۔

جون۔ جولائی اور اگست کے مہینوں میں چودہ بار مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے احباب مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے جمع ہوئے۔ بعض دفعہ اجتماع میں پانچ مختلف ممالک اور بعض دفعہ سات مختلف ممالک کے احباب موجود تھے۔ بعض دفعہ حاضرین کی تعداد بائیس تک پہنچ گئی۔

قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں خطبات دیئے گئے۔ خدا کے فضل سے احباب بڑے شوق سے جمعہ کے اجتماعات میں شمولیت کرتے رہے۔

۴۔ ہفتہ کی شام کو منعقد ہونے والے اجتماعات بھی

جاری رہے۔ ماہ رمضان کے دوران وقت کی قلت کی وجہ سے احباب باقاعدگی سے حصہ نہ لے سکے۔ البتہ جرمن عیسائی دوست آتے رہے۔ اور اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرتے رہے۔

۵۔ دو جرمن نوجوانوں کا قبول اسلام۔

دو جرمن نوجوان مسجد میں ہونے والے اجتماعات میں حصہ لیتے رہے اور اسلام کی تعلیمات کے بارہ میں علم حاصل کرتے رہے۔ ہفتہ کے دن منعقد ہونے والے اجتماعات کے علاوہ بھی انہیں وقت دیا گیا۔ انہیں قرآن کریم جرمن ترجمہ و تفسیر از حضرت مولنا صدر الدین سے بعض حصص کا مطالعہ کرنے کے لئے کہا گیا۔ جرمن زبان میں شائع شدہ پمفلٹ پڑھنے کے لئے دیئے گئے۔ اور انہیں اپنے ہاں دعوت دے کر ان کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ یہ دونوں نوجوان مختلف مہینوں میں میرے ہاں آتے رہے۔

انہوں نے بالآخر اپنے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس پر انہیں کلمۂ شہادت زبانی یاد کرایا گیا۔ نماز پڑھنے کا طریق سکھلایا گیا۔ موجودہ عیسائی مذہب اور اسلام کی تعلیمات میں بنیادی فرق ان پر واضح کیا گیا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ عدالت سے اس امر پر سرٹیفکیٹ لائیں کہ وہ عیسائی مذہب کے پیروکار نہیں ہیں۔ پھر ایک مقالہ لکھیں جس سے معلوم ہو سکے کہ انہوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں کو سمجھ لیا ہے چنانچہ اس لمبی تربیت

کے بعد دونوں نوجوان مختلف دنوں مسجد میں آئے اور انہوں نے حاضرین کے سامنے کلمۂ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ الحمد للہ۔ حاضرین نے خوشی کا اظہار کیا اور انہیں مبارک دی اور ان کی استقامت کے لئے سب نے مل کر دعا کی۔

گذشتہ سال دسمبر کے آخر میں جب پاکستان رخصت پر جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ تو ایک جرمن خاتون نے جو ایک عرصہ سے ہمارے اجتماعات میں حصہ لے رہی تھی۔ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا۔ جن کا اسلامی نام فاطمہ رکھا گیا۔

۶۔ مقامی اخبارات کے نمائندوں سے انٹرویو

روزنامہ "DER TAGESSPIEGEL" اور روزنامہ "DIE WELT" کے دو جرنلسٹ دو مختلف دنوں میں برلن مسجد میں آئے اور انہوں ہمارے مسلم مشن کی مساعی اور اس کی تاریخ کے بارہ میں سوالات کئے۔ "DER TAGESSPIEGEL" کے نمائندہ نے بعد میں دو ہزار الفاظ پر مشتمل ایک لمبا آرٹیکل ۸ر جولائی کے پرچہ میں شائع کیا۔ اس میں مسجد اور مشنری انچارج یعنی خاکسار کی تصویر کو بھی شائع کیا۔

جرنلسٹ موصوف نے اپنے آرٹیکل میں مشن کی خدمات اور برلن مسجد کے امام کے اسلامی نظریات کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کو سراہا ہے اس نے اپنے اس لمبے آرٹیکل کے لئے جو ہیڈنگ تجویز کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:—

"DER WILMERSDORFER IMAM DENKT EHER ÖKUMENISCH"

بزبان اردو:—

"(برلن کے علاقہ ولمرس ڈورف میں واقع مسجد) کے امام کے غور و فکر کا انداز ہمہ گیر ہے۔"

تصویر کے نیچے لکھے ہوئے الفاظ کا ترجمہ یوں ہے:—

"امام بٹ اور مسجد۔ گذشتہ بیس سال سے ولمرس ڈورف میں واقع مسجد و مسلم مشن کے انچارج محمد یحییٰ بٹ پاکستانی ہیں۔ جن کے غور و فکر کا انداز ہمہ گیر اور تعصب سے پاک ہے مسجد کی بنیاد ۱۹۲۴ء میں رکھی گئی تھی۔ بٹ صاحب اس کے پانچویں امام ہیں۔"

امام برلن مسجد کے اسلامی نظریات کا ذکر کرتے ہوئے جرنلسٹ موصوف نے لکھا ہے:—

SERIOSER GEWAHRSMANN DES ISLAM
DA IST DIE MUSLIMISCHE MISSION
MIT IHREM
GOTTESHAUS DER MOSCHEE IN
DER WILMERSDORFER DRIENNER
STRAßE — DER DORT SEIT NUN 20
JAHREN WIRKENDE IMAM AUS
LAHORE \ PAKISTAN MUHAMMAD YAHYA BUTT GILT BEI BERLINER BEHÖRDEN ALS SERIÖSER GEWAHRSMANN DES ISLAM IN DER STADT

یعنی یہ کہ امام محمد یحییٰ بٹ صاحب جو لاہور پاکستان سے آئے ہیں۔ گذشتہ بیس سال سے مسلم مشن کے انچارج ہیں۔ برلن گورنمنٹ کے حکام اسلامی مسائل پر ان کی رائے کو معتبر اور مستند سمجھتے ہیں۔ ... ی رکھتے ہوئے

جرنلسٹ نے لکھا ہے کہ برلین مسجد ... کے غور و فکر کا انداز ہمہ گیر ہے۔ اس سلسلہ میں وہ ایک مثال لکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اسلام کے نظریات کا برلن میں موجود دیگر مسلمانوں کے نظریات سے مقابلہ بھی کرتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں وہ خاص طور پر "اسلام میں عورت کے حقوق" کو بیان کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ برلن میں بعض مسلمان عورت کے حقوق کے بارہ میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو پاکستان میں مودودی صاحب نے پھیلائے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عورت کے حقوق کے بارہ میں وہ نظریات جو پاکستان سے آئے امام برلین مسجد یہاں جرمنی میں پھیلا رہے ہیں زیادہ ماڈرن ہیں۔

برلین مسجد اور برلین مسلم مشن کی تاریخ کو بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ لاہور پاکستان میں موجود مسلمانوں کی ایک انجمن نے اس مسجد کو ۱۹۲۴ء میں تعمیر کرایا۔ مولانا صدر الدین صاحب اس مشن کے

DER ERSTE SADR UDDIN HEUTE
ÜBER HUNDERT JAHRE ALT LEBT IN
LAHORE ALS GEMEINDEPRÄSIDENT ER
LIEFERTE NACH BERLIN — WILMERSDORF DIE DEUTSCHE ÜBERSETZUNG DES KORANS

بانی اور مسجد کے پہلے امام تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کی تفسیر جرمن زبان میں کی ہے۔

یہ ترجمہ اور تفسیر آج بھی مسجد میں پڑھایا جاتا ہے۔ مولانا صدر الدین صاحب کی عمر ایک سو سال سے زائد ہے اور وہ اس انجمن کے پریزیڈنٹ ہیں۔ اس نے مزید لکھا ہے:—

IN DER TAT BUTT UND SEINE GEMEINDE
SIND GEWISSERMAßEN REFORMIERTE DEM
KORAN ZWAR STRENG VERPFLICHTET DOCH
IN DER GEWIßHEIT DAß NACH JEDEM
JAHRHUNDERT EIN ISLAMISCHER REFORMATOR
ERSCHEINT DER NÄCHSTE WERDE 1981 IM 15. ISLAMISCHEN JAHRHUNDERT ERWARTET

"حقیقت یہ ہے کہ اس انجمن (یعنے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) اور امام بٹ کے نظریات ماڈرن ہیں۔ یہ انجمن قرآن کریم کی تعلیمات پر سختی سے قائم ہے۔ ہاں البتہ اس کا نظریہ یہ ہے کہ ہر سو سال کے بعد امت محمدیہ میں مجدد پیدا ہوتا ہے۔ آئندہ پندرھویں صدی ہجری میں بھی مجدد ظاہر ہوگا۔"

۷۔ برلین ریڈیو "RIAS" پر تقریر

میری ایک تقریر، جسے ریڈیو کے منتظمین نے ۲۶ر جون کو اپنے سٹوڈیو میں ریکارڈ کر لیا تھا۔ ۸ر جولائی کو نشر کی گئی۔ جو پندرہ منٹ تک جاری رہی موضوع تھا:—

"مسلمان اور عیسائی کے درمیان DIALOGUE"

میں نے کہا قرآن کریم تمام ادیان کے درمیان مفاہمت پیدا کرنا چاہتا ہے لہٰذا اسلام نے چودہ سو سال سے ایسی DIALOGUE کا نظریہ پیش کیا ہوا ہے اور اس کے لئے بعض بنیادی نظریات بھی پیش کئے ہیں۔ عیسائی علماء اگر ان بنیادی نظریات کو قبول کر کے DIALOGUE کے لئے ہمت باندھ لیں تو ایسی DIALOGUE یقیناً مفید ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم کے نظریات کو اس تقریر کے ذریعہ لاکھوں انسانوں تک پہنچانے کا موقع مل گیا۔ الحمد للہ۔

۸۔ لبنان کے ایک عالم کے ساتھ مکالمہ

لبنان کا ایک جید عالم ۲ر جولائی کو مسجد میں آیا۔ ان کا ایک نوجوان

بیٹا یہاں برلین میں مقیم ہے اور یونیورسٹی سٹوڈنٹ ہے۔ یہ نوجوان اکثر میرے پاس آتا ہے۔ اپنے عیسائی دوستوں کے ساتھ مذہبی گفتگو کرنے کے لئے دلائل سُنتا ہے۔ وہ ہمارا لٹریچر بھی خرید کر لے گیا ہے۔ یہ نوجوان ہمارے علم کلام اور طرز استدلال سے مطمئن ہے۔ وہ اپنے والد کو اپنے ساتھ مسجد میں لے آیا۔ ان سے مختلف اسلامی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں پر بھی تبادلہ خیالات ہُوا۔ مثلاً دجّال کا ظہور، مسیح کی آمد وغیرہ۔ اسی سلسلہ میں وفات مسیح اور خاتم النبیّین پر بھی تبادلۂ خیالات ہُوا۔ یہ مکالمہ بڑا مفید ثابت ہوا۔ نوجوان نے اپنے والد کو جرمن ترجمۃ القرآن تحفۃً دیا۔

۹۔ دعوت۔

انڈونیشیا کے کونسل نے اپنی تبدیلی کے موقع پر الوداعی پارٹی دی اس پارٹی میں شمولیت کے لئے مجھے بھی دعوت نامہ ملا۔ اس پارٹی میں شمولیت کی۔ یوں مختلف ممالک کے کونسلرز سے مُلاقات کا بھی موقع مل گیا ہے۔

۱۰۔ شادی کی ایک تقریب۔

مسجد میں شادی کی ایک تقریب منعقد ہوئی۔ اس میں لڑکی کے والدین اور لڑکے کے رشتہ داروں نے مع اپنے دوست حلقہ کے ساتھ شمولیت کی۔ خطبہ مسنون پڑھا کر اس کا مفہوم جرمن زبان میں حاضرین پر واضح کیا گیا۔ اور مختصراً میاں بیوی کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی گئی۔ یہ تقریب خدا کے فضل سے بخیر و خوبی سرانجام پائی۔

۱۱۔ مسجد سے ملحق مکان کی چھت سے بارش کا پانی ٹپک پڑا۔

۱۷ر جون کو برلین میں زور سے بارش ہوئی۔ رہائشی مکان کی چھت سے بارش کا پانی ٹپک پڑا۔ کونے میں بالٹی رکھ دی گئی۔ یوں مکان کا بالائی کمرہ اور نیچے والا کمرہ بارش کے پانی سے خراب ہونے سے تو بچ گئے۔ البتہ بالائی کمرہ کے چھت کا کونہ اور کونہ میں لگا ہُوا کاغذ بالکل خراب اور داغدار اور قابل مرمت ہو گئے۔

برلین میں بارش ہونے کا ابھی امکان تھا۔ لہذا ان دنوں برلین سے باہر کسی دوسرے شہر میں ہونے والی میٹنگز میں حصہ نہ لے سکا۔

۱۲۔ مہمان نوازی۔

احمدیہ جماعت لاہور کے بعض احباب برلین مسجد کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ پاکستان سے جناب شیخ فضل احمد صاحب مع بیگم صاحبہ، جنوبی افریقہ سے جناب ڈاکٹر مہاتہ صاحب ہالینڈ سے جناب جگو صاحب۔ ان سب احباب کو مکان کا بالائی کمرہ، جس کا کونہ قابل مرمت تھا، رہائش کے لئے پیش کیا گیا۔ جناب جگو صاحب اور جناب ڈاکٹر مہاتہ صاحب اس کمرہ میں ٹھہر گئے۔ اور مشن کے گھر میں ٹھہرنے کو اپنے لئے باعث باعث عزت سمجھا۔

ان احباب کو مشن کی تبلیغی مساعی سے آگاہ کیا۔ انہوں نے خوبصورت مسجد کو بھی دیکھا۔ اور اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی خدمات کو سراہا۔

جناب شیخ فضل احمد صاحب کو حضرت مرزا غلام احمد کی کتاب "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب" کا جرمن ترجمہ، جو ٹائپ ہو چکا تھا دکھایا۔ قرآن کریم کے پہلے پارہ کا جرمن ترجمہ بھی دکھایا۔ ٹائپ شدہ "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے ایک حصہ کا جرمن ترجمہ بھی دکھایا جو ابھی ٹائپ ہو سکا۔ اس کے علاوہ بیس سال کے عرصہ میں جو جرمن نوجوان اسلام قبول کر چکے ہیں ان کا تمام ریکارڈ انہیں دکھایا۔ اس کے علاوہ بھی انہیں مشن کی تبلیغی مساعی سے آگاہ کیا گیا۔

۱۳۔ ایک نومسلمہ خاتون کی قربانی۔

ایک جرمن خاتون نومسلمہ جس کا نام مبارکہ ہے۔ اس کی قربانی کا ایک واقعہ لکھنا چاہتا ہوں۔ یہ خاتون جرمن ہے۔ اور جرمن قوم دوسری جنگ عظیم کے بعد جو ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ اس کی ضرور وجہ ہو گی۔ اس قوم کی ترقی کا راز دو الفاظ میں پنہاں ہے۔ محبت قربانی۔ اس جرمن خاتون نومسلمہ کی قربانی کے جذبہ سے آپ تمام قوم کی قربانی کے اس جذبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

چند سال ہوئے یہ خاتون میرے ہاں آئی اور کہنے لگیں کمرے کی دیواروں پر لگا ہوا کاغذ بہت میلا ہو گیا ہے۔ نیا کاغذ لگوانا چاہیئے کہنے لگیں میں نے تین ہزار مارک اپنی چھٹیوں کے دن گذارنے کے لئے رکھا ہوا ہے۔ ارادہ تو تھا کہ برلین سے باہر سمندر کے کنارہ پر چھٹیاں گذاروں لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ یہ تین ہزار مارک مشن ہوس کی خوبصورتی کے لئے خرچ کر دوں۔ سمندر کے کنارہ پر اس سال نہیں جاتی۔ چنانچہ مبارکہ نے تین ہزار اپنی جیب سے خرچ کر کے تمام کمروں میں نیا کاغذ لگوا دیا۔

جو قوم قومی کاموں کے لئے ایسی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو بتائیے وہ قوم ترقی کرے گی یا نہیں۔ قرآن کریم کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے، ہاں ضرور کرے گی۔

۱۴۔ مسلمان قیدیوں سے ملاقات۔

برلین حکومت کے وزیر عدلیہ نے مجھے جون ۱۹۷۷ء میں ایک خدمت کو آنریری طور پر بجا لانے کے لئے کہا تھا۔ وزیر صاحب موصوف نے میرے ذمہ یہ خدمت لگائی تھی کہ میں بحیثیت امام برلین کی جیلوں میں محبوس مسلمانوں سے ملاقات کروں اور ان کو تسلی دوں۔ چنانچہ اس پروگرام کے تحت میں کئی بار منتظمین جیل سے انتظامات کر کے نوجوانوں کی ملاقات کے لئے گیا۔ ہر بار چند گھنٹے ان کے پاس ٹھہرا۔ انہیں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اُن کے ساتھ مل کر نماز کے الفاظ دہرائے۔ نماز کا مفہوم ان کو سمجھایا۔ انہیں "استغفر اللہ ربّی من کلّ ذنب و اتوب الیہ" کا ورد کرنے کے لئے کہا۔ جیل کی لائبریری میں میں نے قرآن کریم جرمن ترجمۃ القرآن کے چند نسخے ھدیۃً رکھ دیئے ہوئے ہیں۔ امین

انہیں قرآن کریم پڑھنے کا مشورہ دیا۔ جرمن زبان میں لکھے ہوئے پمفلٹ کی چند کاپیاں بھی ان میں تقسیم کیں۔

ایک عرب نوجوان جو انجنیئر ہے جرمن زبان خوب جانتا ہے کسی وجہ سے جیل پہنچ گیا ہے۔ اس نے اپنی دوسری ملاقات میں مجھے بتایا کہ اس نے قرآن کریم جرمن تفسیر سے سُورۃ الفاتحہ کی تفسیر پڑھی ہے۔ اور یہ تفسیر اسے بڑی پسند آئی ہے۔ اس نے پُوچھا کہ مولانا صدرالدین صاحب کہاں ہیں۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہ لاہور پاکستان ہیں۔ تو کہنے لگا میں چاہتا ہُوں لاہور پاکستان جاؤں۔ اور مولانا موصوف سے ملاقات کروں۔

۱۵۔ دفتری امور و خط و کتابت۔

برلین مسلم مشن سے متعلق مندرجہ بالا مساعی کے علاوہ مسجد سے متعلق انتظامی امور مشن سے متعلق دفتری امور اور خط و کتابت کو بھی نبھایا۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان تمام امور کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ احباب کرام سے درخواست ہے کہ وہ مشن کی کامیابی کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب مبلغ انجمن

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کا بطل جلیل

قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ ان پر مرور زمانہ کے باعث ترقی و زوال کے ادوار آتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ دنیا میں بڑے زور و شور سے کام کرتی نظر آتی ہیں۔ اور کبھی ان پر مردنی کا تاریک زمانہ آ جاتا ہے۔

مذہبی دنیا کی کیفیت بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔ کہ کبھی ایسا وقت ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے کثرت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو کہ دین کے صحیح رنگ میں رنگین ہوتے ہیں اور کبھی اُن پر کمزوری اور سستی غالب آ جاتی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر ایک عظیم الشان انقلاب روحانی رنگ میں پیدا فرمایا اور وہ لوگ آپؐ کی قوت قدسیہ کی وجہ سے فرش سے اٹھ کر عرش تک جا پہنچے! اور روحانی رنگ میں انہوں نے اتنی ترقی کی۔ کہ خدا تعالیٰ نے خود گواہی دی:-

"محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم"

کہ وہ لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے ایسی کیفیت و حالت کے مالک ہو گئے ہیں کہ وہ کفار کے مقابلہ میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں۔ اور آپس میں نہایت شفیق و مہربان ہیں۔ اور صحابہؓ کی اس حالت کا نام قرآن مجید نے بنیان مرصوص بیان فرمایا ہے کہ ان کی مثال ایک ایسی عمارت کی طرح ہے۔ جس میں کسی رنگ میں کوئی کمی نہیں، ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہاں تک فرما دیا کہ اب ان کے سیرت و کردار کی وجہ سے میں ان سے راضی اور یہ مجھ سے راضی ہیں۔

لیکن یہ کیفیت ایک عرصہ تک رہی۔ پھر یہ حالت بدل گئی۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر یہ خبر دی کہ اب تو یہ دور ہے کہ ہر طرف خیر ہی خیر ہے اور برکت ہی برکت ہے۔ لیکن ایک وقت آوے گا کہ صرف نام کے لوگ مسلمان رہ جائیں گے۔ قرآن مجید پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ مساجد اپنی ظاہری شکل میں خوبصورت لیکن اصل مقصد یعنی قال اللہ و قال الرسول سے کوسوں دور۔ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ امانت۔ دیانت۔ خلوص۔ صحیح اسلامی صفات ناپید ہو جائیں گی۔ اور انتہائی تاریک دور ہوگا۔ کہ یہ لوگ اس وقت مسلمان ظاہری کہلائیں گے۔ حقیقت اسلام سے دور ہوں گے لیسوا منی ولست منھم! ایسے لوگوں کا روحانی طور پر نہ مجھ سے تعلق اور نہ میرا ان سے کسی قسم کا تعلق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ آپؐ کو جو عظیم الشان کتاب دی گئی ہے۔ اس نے قیامت تک رہنا ہے اور انشاء اللہ ایک وقت آتا ہے کہ اسلام نے سارے ادیان اور مذاہب پر غالب ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبیں اور نظام مغربی تہذیب اپنی ترقی کے باوجود اخلاق باختہ رہیں گے۔ آخر پورے زور و شور سے اسلام کی طرف آئیں گے، اور جس طرح دریا کا بند ٹوٹ جانے سے پانی بہتا ہے۔ انشاء اللہ یہ لوگ بھی اسی طرح اسلام کی طرف آئیں گے۔

کونسا اسلام! وہ وہی اسلام ہوگا کہ جس کی بنیاد اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی فارسی الاصل رجل فارس نے رکھی ہے۔ جیسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

"لو کان الایمان معلقاً بالثریا لناله رجل من ھؤلاء"

اور دوسری جگہ فرمایا:-

"کیف تھلک امتی انا فی اولھا والمسیح فی آخرھا۔ (مشکوٰۃ)"

کہ جس وقت ایمان صحیح دنیا سے پرواز کر جائے گا۔ لوگ مایوس ہو جاویں گے ایک فارسی الاصل رجل رشید اس کو دوبارہ دنیا میں لاوے گا۔ اور یہ قوم (مسلمان) کس طرح تباہ ہو سکتی ہے جن کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں مسیح موعود ہوگا۔

روحانی اعتبار سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کتنا عظیم الشان ہے۔ ایک طرف غلبہ اسلام کے وقت انحطاط کی خبر دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف اسلام کی نشأۃ ثانیہ کو مسیح موعود کے دامن کے ساتھ وابستہ فرماتے ہیں اور پھر اس عظیم مجدد کے رفیق رئیس علم الکلام۔ کو بھلانے نہیں جو سب سے بڑھ کر آپ کا عظیم الشان معاون و مددگار ہوگا۔ اس کی بھی بشارت دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے دعوے مجددیت کے تھوڑا عرصہ بعد ایک عظیم الشان کتاب ازالہ اوہام تصنیف فرمائی اس میں حضرت مسیح موعودؑ اس حدیث کو تحریر فرماتے ہیں:-

"اب ہم ابوداود (یہ صحاح ستہ میں شامل ہے۔ ناقل) کی حدیث کو اس کے اصل الفاظ میں بیان کر کے پھر جس قدر مناسب اور کافی ہو اپنی نسبت اس کا ثبوت پیش کریں گے۔ سو واضح ہو کہ حدیث یہ ہے:-

من علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یخرج رجل من وراء النھر یقال له الحارث حراث علی مقدمة رجل یقال له المنصور یوطن او یمکن لآل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ صلعم وجب علی کل مؤمن نصرہ واجابته

سو واضح ہو کہ یہ پیشگوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ شخص حارث نام یعنے حراث ماوراء النھر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول کو تقویت دے گا۔ یہ پیشگوئی اور مسیح کے آنے کی پیشگوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل دونوں پیشگوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔"

اور اس حدیث میں جو یہ الفاظ آتے ہیں علیٰ مقدمہ رجل یقال له منصور کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ تشریح فرماتے ہیں:-

"یعنے اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سرگروہ ایک

توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اس جگہ اگرچہ منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں بلکہ یہ ایک رُوحانی فوج ہوگی جو اس حارث کو دی جائے گی۔"

اس حدیث میں حضرت مسیح موعود کو جس منصور کی بشارت دی گئی ہے اس کو رُوحانی فوج کا سپہ سالار بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود کو ایک کشف خدا کی طرف سے دکھایا گیا جس کو حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں یوں رقم فرمایا ہے:-

"پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا۔ اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال ہے"

مگر خدا تعالےٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے"

(ازالہ اوہام صفحہ ۹۸ حاشیہ)

۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود سے حضرت مولانا محمد علی صاحب نہیں ملے تھے آخر ۱۸۹۷ء میں آپ حضرت مسیح موعود کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور پھر روحانی رنگ میں حضرت صاحب کے رنگ میں رنگین ہوگئے اور حضرت سے اتنا تعلق گہرا ہوا کہ حضور کو بھی آپ کی جسمانی جدائی منظور نہ تھی۔ چنانچہ حضور آپ کو لکھتے ہیں:-

"میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت نماز میں دعا کرتا ہوں"

ایک بار فرمایا:-

"مشکل یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جائے۔ وہ دُنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور وہ اکیلے ہیں۔ ان کا ہاتھ بٹانے والا کیا قائم مقام نظر نہیں آتا۔"

(ڈائری الحکم۔ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء)

یہ ۱۹۰۵ء کی ڈائری ہے۔ زاں بعد کے معروف مبائعین حلقہ ارادت و بیعت میں شامل ہیں۔ اس کے تین سال بعد حضرت کا وصال ہو جاتا ہے۔ مثال اپنے ماننے والوں میں سے جن کی تعداد چار پانچ لاکھ ہے۔ اپنے کامل پیرو کاروں میں حضرت مولوی محمد علی صاحب کی دیتے ہیں۔

دوسرا فرماتے ہیں وہ اکیلے ہیں۔ ان کا ہاتھ بٹانے والا یا قائم مقام نظر نہیں آتا۔ اور جب آپ کا مشن پڑھ رہے ہیں کہ ... سال تیار ہو رہے تھے۔ مختلف لوگ

حضرت صاحب کے ارشادات شائع فرما رہے تھے۔ اور حضرت صاحب کو کامل یقین تھا کہ اگر کوئی میری تعلیم اور عقائد کو صحیح طور پر سمجھتا ہے تو وہ صرف مولوی محمد علی صاحب ہیں۔

حضرت مسیح موعود کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:-

"حضرت اقدس نے "الحکم" اور "البدر" کے ایڈیٹروں کو بلا کر تاکید کی کہ وہ آپ کی تقاریر اور مضامین کے قلمبند کرتے میں ہمیشہ محتاط رہا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی بات غلط پیرایہ میں بیان ہو جائے ——— اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے مضامین اخبارات میں چھاپنے سے پہلے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو دکھا لیا کریں۔"

(ڈائری ۲ نومبر ۱۹۰۴ء ملفوظات احمدیہ جلد ہفتم صفحہ ۴۴۵)

منصور کے لفظ میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ آپ کا کامل رنگ میں حضرت مسیح موعود کے رنگ میں رنگین ہو کر آپ کے مشن کو چلانے اور دلی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے چن لیا ہے۔ حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں ہی یہ کام مولانا صاحب کے سپرد کئے اور تفسیر القرآن لکھنے کا ارشاد فرمایا۔

دوسری طرف حضرت مسیح موعود کی بعثت کا اصل مقصد بھی اشاعت اسلام یعنی قرآن مجید کو حقیقی رنگ میں دنیا میں ہی پیش کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے دریافت فرمایا۔ تو یہی ارشاد فرمایا کہ جہاد بالقرآن۔ اور قرآن مجید نے بھی سب سے بڑا جہاد قرآن مجید ہی کو قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا وجاھدھم بہ جہادا کبیرا (الفرقان) اور ان سے اس (قرآن) کے ساتھ جہاد کرو۔ جو بڑا جہاد ہے۔ اور الہاماً حضرت مسیح موعود کو فرمایا گیا کہ یحیی الدین و یقیم الشریعۃ۔ کہ آپ کا مشن یہی ہے کہ شریعت اسلامیہ کو قائم کریں۔ اور دین کے بارے میں جو غلط خیالات رواج پا گئے ہیں۔ ان کو دلائل کے ذریعے سے دور کریں۔ اور دین کا روشن چہرہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔

چنانچہ سب سے اوّل کام یہی تھا کہ قرآن مجید اردو اور انگریزی میں اپنے حقیقی حقائق و معارف کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ سارے عالم اسلام میں صرف اور صرف حضرت منصور مولانا محمد علی صاحب کو سب سے پہلے اس کی سعادت نصیب ہوئی۔ الحمدللہ۔ اور پھر اس ترجمہ کو بہت زیادہ قبولیت بخشی۔ اور لاتعداد بھولی بھٹکی مخلوق کو اس کے ذریعہ سے روشنی نصیب ہوئی اور اسلام کا پاکیزہ چہرہ جو اس تفسیر کے ذریعہ سے ظاہر ہوا آج بھی اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

حافظ غلام سرور صاحب اپنے دیباچہ انگریزی قرآن مجید میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"انگریزی زبان میں مولانا محمد علی صاحب کے ترجمہ و تفسیر کے مقابل اور کوئی ترجمہ و تفسیر نہیں۔ اس کے ذریعہ مولانا نے حیات جاوید حاصل کر لی ہے۔"

اسی طرح مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر "صدق" نے بھی حضرت مولانا کے ترجمہ و تفسیر کے بارے میں یہ رائے دی ہے:

"مولانا محمد علی لاہوری کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کی افادیت سے انکار کرنا سورج کی روشنی سے انکار کے مترادف ہے"

اس ترجمہ و تفسیر کے ذریعہ ہزاروں غیر مسلموں کے قلوب سے دین اسلام کے بارہ میں غلط فہمیاں دور ہوئیں اور وہ اسلام کے قریب آگئے اور لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں دینِ اسلام پر دوبارہ یقین پیدا ہوگیا۔

یہ جو حضرت مولانا محمد علی صاحب کی انگریزی و اُردو کی تفسیر کو مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔ حضرت مسیح موعود کا ۱۸۸۴ء یا ۱۸۸۵ء کا ایک کشف ہے۔ اور اس کشف کے کوئی دس سال بعد حضرت صاحب نے مجددیت کا دعوےٰ فرمایا۔ اور ۱۸۹۷ء میں حضرت مولانا صاحب حضرت مسیح موعود کے ساتھ وابستہ ہوئے کشف کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ تبلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا فالحمد للہ خالک۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم۔ سر الخلافہ۔ تحفہ گولڑویہ۔)

حضرت مولوی صاحب اپنے ترجمة القرآن میں فرماتے ہیں:۔

"اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانے کے سب سے بڑے مذہبی رہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں۔ میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے۔ جو اس مصلح عظیم مجدی و مجدد صدی چہاردہم، بانی سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔"

اور اُردو بیان القرآن کے ترجمہ و تفسیر کے دیباچہ میں فرماتے ہیں

"میں محض مٹی ہوں۔ اگر اس میں کسی کو خوشبو معلوم ہو تو کسی اور کی پھول کی ہوئی روح ہے۔

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اس طرح حضرت مسیح موعودؑ کی شدید خواہش تھی کہ قرآن مجید اور دوسرے اسلامی مسائل پر کتب تحریر کی جائیں۔ اور لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا جاوے۔

ازالہ اوہام میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔"

فرمایا:۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب ترجمہ کریں۔" (منظور الٰہی ص ۱۸۸)

اور ۱۳ر فروری ۱۹۰۷ء اپنی وفات سے سوا سال پہلے فرماتے ہیں:

"۱۳ر فروری ۱۹۰۷ء کو مولوی محمد علی صاحب کو حضرت اقدس نے بلا کر فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جاوے اور یہ آپ کا کام ہے"

(بدر۔ ۲۱ر فروری ۱۹۰۷ء)

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد پر حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ایک عظیم الشان لاجواب RELIGION OF ISLAM تصنیف فرمائی۔

یہ کئی زبانوں اور کئی ممالک میں کئی دفعہ شائع ہو چکی ہے۔ اور ہو رہی ہے۔ ایک مشہور مفسّر قرآن مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال۔ رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات سرانجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب (ریلیجن آف اسلام۔ ناقل) ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے۔

یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے۔ اور جس کے دل میں اس کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔"

بہت مبارک ہیں وہ لوگ جو حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ ہو کر اس مردِ مجاہد۔ اسلام کے بطلِ عظیم نے حقیقی اسلام کی اشاعت کے لئے ایک عظیم الشان روحانی سند تصنیف فرما کر ایک عظیم ادارہ تبلیغ و اشاعت کی بنیاد رکھ کر ہم پر ایک احسان کیا ہے۔ اس کے ممد و معاون بنتے ہیں۔ پس آج ہم سب وابستگان کا سلسلہ ہے کہ آپ کے علم کلام کو سمجھیں۔ اور اس کی کماحقہ اشاعت کر کے خدا تعالےٰ کی رحمت و افضال و انعام کے وارث بنیں آمین۔

آخر میں آپ کی ایک نہایت ضروری نصیحت بھی تحریر کرتا ہوں۔ تاکہ ہمارے قدموں کے اندر اگر کوئی سستی واقع ہو چکی ہے تو وہ دور ہو جائے اور ہم اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پھر سے بیدار ہو جائیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک بات میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہنی چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے، قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں میں پھر اپنے نوجوان دوستوں کو کہوں گا، اور بار بار کہوں گا کہ قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔ اے میرے نوجوان دوستو! میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ انکو زندہ رکھنا اور

مذاکرۂ علمیہ:　　(قسط دوم)

اللہ تعالےٰ کی قدرت اور علم پر ایک نظر

کیا بعض قوانین کے تحت انسان کی عمر گھٹ بڑھ سکتی ہے؟

(از قلم معجز رقم حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم مغفور)

عمر کی میعاد پر بحث

اُمید ہے یہاں معترض خوشی سے یہ پیش کر دے گا کہ یہ بھی تو سنت اللہ ہے کہ عمر کی میعاد بدلا نہیں کرتی اور وہ آیت پیش کر دے گا:۔

"ولکل امۃ اجل فاذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون"

(الاعراف - ۳۴)

کہ ایک اُمت کے لئے ایک وقت مقرر ہے.... جب اس کا وہ وقت مقرر آ جاتا ہے تو اس سے نہ ایک گھڑی وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس آیت میں کہاں ذکر ہے کہ خدا بھی اس گھڑی کو بدل نہیں سکتا یا بدلا نہیں کرتا۔ بلکہ یہاں تو یہ ذکر ہے کہ خدا کی طرف سے کسی قوم کے لئے جو وقت مقرر ہے۔ وہ وقت جب آ جائے تو وہ قوم خدا کے مقرر کردہ وقت سے نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔ اور ٹھیک بھی ہے۔ انسان کی کیا مجال کہ وہ خدا کے مقرر کردہ وقت سے آگے یا پیچھے ہو سکے۔

انسان عاجز۔ خدا قادر۔ دونوں کا مقابلہ کیا ہے۔ لیکن انسان کے مقررہ وقت سے آگے پیچھے ہونے کے یہ معنی تو نہیں کہ خدا بھی اس مقررہ وقت کو آگے پیچھے نہیں کر سکتا یا یہاں کسی سنت اللہ کا ذکر تو نہیں کہ خدا کسی کے مقررہ وقت کو آگے پیچھے نہیں کیا کرتا۔ انسان کے مقررہ وقت کو آگے پیچھے نہ کر سکنے کے یہ معنی تو نہیں کہ وہ سنت اللہ ہے بیسیوں باتیں ہوتی ہیں جن کو انسان اپنے عجز کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ مگر وہ سنت اللہ نہیں ہیں۔

خود قرآن کریم میں دوزخیوں کے متعلق آیا ہے:۔

"یریدون ان یخرجوا من النار وما ھم بخارجین منھا" (المائدۃ - ۳۷)

کہ دوزخی چاہیں گے کہ آگ میں سے نکل جائیں۔ مگر وہ وہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔

دوزخیوں کے آگ سے نہ نکل سکنے کے یہ معنی نہیں کہ خدا ان کو نکال نہیں سکتا۔ یا خدا کبھی ان کو نکالے گا ہی نہیں۔ یہاں دوزخیوں پر اپنی عدم قدرت کا ذکر ہے۔ سنت اللہ کا ذکر نہیں۔

برخلاف اس کے جنتیوں کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے:۔

"وما ھم منھا بمخرجین" (الحجر - ۴۸)

کہ جنتی جنت میں سے نکالے نہیں جائیں گے۔

یہاں چونکہ خدا تعالےٰ نے اپنی سنت کا ذکر فرمایا ہے۔ اسلئے مخرجین مفعول کا صیغہ استعمال فرمایا۔ کیونکہ یہاں اس کا فاعل اللہ تعالےٰ ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نہیں نکالے گا۔ اور دوزخیوں کے ذکر میں خارجین فاعل کا صیغہ تھا۔ وہاں فاعل دوزخی تھے۔ یعنی وہ نہیں نکل سکیں گے۔ پس دوزخیوں کے آگ سے نکل جانے پر عدم قدرت سنت اللہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ جنتیوں کو خدا کے جنت سے نہ نکالنے کا فعل سنت اللہ ہے۔ کیونکہ یہ فعل دوام کے رنگ میں اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح کسی وقت مقررہ کو کسی فرد یا کسی قوم کا ٹال نہ سکنا سنت اللہ نہیں کہلاتا۔

عمر کے متعلق سنّت اللہ

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں سنت اللہ قرآن کریم نے کیا بیان فرمائی ہے۔ سو گذارش ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات تو لامحدود اور مکان اور زمان سے بالاتر ہے۔ لیکن اس نے اپنی جو مخلوق پیدا کی اسے مکان اور زمان سے محدود کر دیا۔ انگریزی میں اسپیس (SPACE) اور ٹائم (TIME) کہتے ہیں۔ موجودہ تحقیقات بھی یہی ہے کہ یہ دونوں چیزیں ہر ایک چیز کی تین حدبندیوں طول اور عرض اور ارتفاع کی طرح چوتھی حدبندی اس لئے ہر چیز خواہ وہ کتنی بڑی اور وسیع کیوں نہ ہو۔ مکان کے لحاظ سے محدود اور کتنی ہی پائیدار کیوں نہ ہو۔ زمانے کے لحاظ سے محدود ہے۔

پس یہ ساری کائنات مکان کے لحاظ سے بھی محدود ہے اور زمانہ کے لحاظ سے بھی محدود ہے۔ یعنی ایک دن فنا ہو جائے گی۔ پس قیامت برحق ہے۔ انسان بھی اسی کائنات کا ایک جزو ہے۔ وہ بھی مکان اور زمان کی حدبندیوں میں محدود ہے۔ چنانچہ قرآن کریم بھی یہی فرماتا ہے:۔

"لکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین"

(بقرۃ: ۳۶)

کہ تمہارے لئے اس زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے (یہ مکان کی حدبندی ہے) اور ایک وقت مقررہ تک رہنا بسنا ہے (یہ زمان کی حدبندی ہے) ہر ایک انسان کو جس طرح مختلف حالات اور مختلف استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا۔ اور ان کے فرائض میں اختلاف ہے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ اس کے وقت مقررہ میں بھی اختلاف ہو۔

اس اختلاف کا کیا رنگ ہے۔ کیوں ہے۔ اس پر علم الٰہی کی ہی وسعت حاوی ہو سکتی ہے۔ انسان کا محدود اور ناقص علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پس اس کا علم اسی کو ہے کہ کتنا وقت کسی کے لئے مقرر ہے۔ اور کیوں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"ھو الذی خلقکم من طین ثم قضیٰ اجلا واجل مسمّی عندہ ثم انتم تمترون"

(الانعام: [illegible])

بے شک وہی خدا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر زندگی کے لئے ایک میعاد مقرر کی اور وقت مقررہ اسی کے پاس ہے اور پھر بھی تم جھگڑتے ہو۔

اجل مسمّی کو خواہ تمام کائنات کا مقررہ وقت قرار دے لو۔ یا انسان کا مقررہ وقت قرار دو۔ ہر حالت میں مطلب یہی ہے کہ اس کا علم۔ اس کی باگ بالکل خدا کے پاس اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ تو فیصلہ ہو گیا کہ انسان کو جو

ے بسلسلہ شمارہ ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء

اس زمین میں رکھا گیا ہے۔ تو ایک محدود وقت کے لئے رکھا گیا ہے۔ اور ہر انسان کے رہنے کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ وقت کتنا ہے اس کا علم انسان کو نہیں فقط خدا تعالےٰ کو ہے۔

عُمر کی کمی بیشی کے قوانین

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس مسئلہ پر کچھ اور بھی ذکر ہے۔ یعنی انسان کے اس دنیا میں رہنے کی میعاد میں کسی وجہ سے کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے اب ہم قرآن کریم پر جو نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ اس میعاد میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :—

"وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہٖ الا فی کتاب ان ذالک علی اللہ یسیر"
(فاطر: ۱۱)

اور نہ کسی شخص کی عُمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عُمر کم کی جاتی ہے مگر وہ کتاب میں ہے بے شک اللہ پر یہ آسان ہے۔

اس آیت سے پتہ چل گیا کہ اللہ تعالےٰ انسان کی عمر کو زیادہ بھی کر دیا کرتا ہے اور کم بھی کر دیا کرتا ہے۔ یہ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ مگر اس کمی بیشی کے متعلق فرمایا کہ وہ کتاب میں ہے یعنی اس کے لئے کچھ قوانین الٰہیہ ہیں۔ ان کے ماتحت کمی اور بیشی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ساری اسلامی دنیا جبریہ بن جاتی اور تمام ترقیات اور زندگی کے لئے انسان کی تگ و دو بند ہو جاتی۔ کیونکہ جب عُمر کی میعاد میں کسی صورت میں بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو حفظانِ صحت کے اُصولوں پر چلنا اور بیماریوں میں علاج کرنا سب بے فائدہ ہے۔ جو وقت مقرر ہے سو ہے۔ اس کے لئے تگ و دو کیا معنی۔

نیچری اور جبریہ ذرا نکسیر پھوٹ جائے تو ڈاکٹروں اور طبیبوں کے دروازہ پر ناصیہ فرسائی کرتے ہیں۔ پھر روٹی کھانے کی بھی ضرورت کیا ہے جب تک زندگی ہے۔ کھاؤ گے تو بھی ہے۔ نہ کھاؤ گے تو بھی ہے۔ پھر سمجھ نہیں آتا کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے کیا معنی ہیں۔ کہ اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ خودکشی قابلِ سزا کیوں ہے۔ ایک آدمی کا مقررہ وقت آگیا تھا اس نے اپنے آپ خاتمہ کر دیا۔ خدا تعالےٰ کو کوئی اور تدبیر نہ کرنی پڑی۔ پس خودکشی میں انسان کی ذمہ داری اور حفظانِ صحت اور طبابت کے اُصول سب بے معنی ٹھہر جاتے ہیں۔ اگر کچھ قوانین ایسے نہیں ہیں جن کی پابندی نہ کرنے سے انسان کی عُمر کم ہو جاتی یا ان کی پابندی کرنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یا اپنی غلطی اور سرکشی سے بھی انسان اپنی عُمر کم کر لیتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں انسان کی فطرت میں ہر آن ہر گھڑی، ہر قدم پر اپنی زندگی کو بچانے کی فکر اس امر کی خبر دیتی ہے کہ انسان کی زندگی گھٹ بھی سکتی ہے۔ اور بڑھ بھی سکتی ہے۔

اس آیت نے ایک بڑی حقیقت پر سے پردہ اُٹھا دیا ہے۔ اور انسان کو اس کی زندگی کی قدر و قیمت کی طرف اور اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان کو ان قوانین کو معلوم کرنا چاہیئے جن سے اس کی عُمر کم نہ ہو بلکہ زیادہ ہو۔ گویا ان تمام قوانین ظاہری اور باطنی کے معلوم کرنے کے لئے کوشش کرنا چاہیئے۔ جن سے انسان وقت مقررہ سے پہلے بھی مر سکتا ہے یا اس کے وقت مقررہ میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ تا مضر سے بچ سکے اور مفید باتوں سے فائدہ اُٹھا سکے۔

عُمر کے گھٹنے اور بڑھنے کے باطنی قوانین

ظاہری قوانین تو سائنس کے ذریعہ بھی پتہ لگ سکتے ہیں۔ مگر باطنی قوانین کے لئے کوئی روحانی سائنس ہی چاہیئے۔ اس لئے قرآن کریم نے باطنی قوانین میں سے بعض کا علم انسان کو دیا ہے۔ چنانچہ عمر کے کم ہونے قوانین میں سے ایک انسان کا ظلم میں حد سے بڑھ جانا بھی ہے۔ ویسے تو انسانوں میں سے بہت کم ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم نہیں کرتے۔ مگر خدا اس کی وجہ سے ان کی عُمروں کو نہیں گھٹاتا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :—

"ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علیھا من دابۃ ولٰکن یؤخرھم الی اجل مسمّٰی فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون"
(النحل: ۶۱)

اور اگر اللہ ان لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑتا تو اس زمین پر کوئی جاندار نہ بچتا لیکن وہ انہیں ان کے مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے۔ پس جب ان کا وقت مقررہ آجائے گا۔ تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

یہاں تو اس مہربانی کا ذکر ہے جو عام طور پر گنہگار انسانوں پر ہے کہ اگرچہ وہ اس قابل تو ہیں کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن خدا کا رحم انہیں انکی مقررہ میعاد تک بسائے چلتا ہے۔ لیکن دفعہ ایسا وقت بھی آجاتا ہے جو انسان کا ظلم حد سے گذر جاتا ہے۔ تب کسی مامور یا رسُول کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ انہیں تنبیہہ کرتا ہے۔ رسول کو حکم ہوتا ہے کہ کہہ دو :—

"انّنی لکم منہ نذیر و بشیر و ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعًا حسنًا الی اجلٍ مسمّٰی و یؤت کل ذی فضلٍ فضلہٗ و ان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر"
(ھود: ۲، ۳)

بے شک میں خدا کی طرف سے تمہیں عذاب سے ڈرانے والا اور اس سے بچنے کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ کہ تم اپنے ربّ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو۔ اور اس کے حضور میں توبہ کرو تو وہ تم کو وقتِ مقررہ تک رسائے بسائے گا۔ اور جو زیادہ نیکی کرے گا اسے زیادہ نیک بدلہ دے گا۔ اور اگر اس سے منہ موڑو گے تو میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

اس آیت میں صاف صاف بتا دیا کہ تمہاری بد اعمالیاں اور سرکشیاں اور ظلم یہاں تک حد سے گذر چکے ہیں کہ اگر تم باز نہ آئے اور خدا سے مغفرت طلب نہ کی تو تمہارے وقت مقررہ تک تمہیں تاخیر نہیں دی جائے گی اور سخت عذاب میں مبتلا اور ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

یہاں صاف طور پر وقتِ مقررہ سے پہلے ہلاکت کا ذکر ہے اور وقت مقررہ تک پہنچنے کے لئے شرط یہ رکھی ہے کہ اپنی ان بداعمالیوں سے باز آجاؤ۔ پھر ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو اپنی ان ظالمانہ حرکات سے باز نہ آئے فرماتے ہیں :—

"واخذ الذین ظلموا الصیحۃ فاصبحوا فی دیارھم جٰثمین"
(ھود: ۶۷)

اور ظلم کرنے والوں کو عذاب نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

اسی طرح قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :—

"ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون یغفر لکم من ذنوبکم ویؤخرکم الی اجلٍ مسمّٰی ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر لو کنتم تعلمون"
(نوح: ۴، ۵)

اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور تقویٰ اختیار کرو

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

صحتِ عمل ـــــ صحتِ علم پر منحصر ہے

اسی لئے ہر امر میں صحیح علم کا حاصل کرنا انسانی زندگی کی ضرورت اوّلین ہے۔

ہر شخص اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کے آگے ذمہ دار سمجھے

اسلام میں اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کا نام رُوحانیت ہے

((از حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم و مغفور))

اس میں شک نہیں کہ مذہبی زندگی ہی اخلاقِ فاضلہ کی ذمہ دار ہے اور اخلاق ہی سے حقیقی انسانیت اور ہمدردیٔ بنی نوع پیدا ہوتی ہے۔ نفس پرستی نے جو مادیت کے لازمی آثار و اظلال ہیں مغرب میں اس کا خون کر رکھا ہے۔ اور یہی حال ایک دن یہاں ہوگا۔ اس کا حقیقی علاج اخلاقِ فاضلہ سے وابستہ ہے۔

اب اگر کوئی مذہب جہد للبقاء کے مسئلہ کا صحیح حل تجویز کرکے ان مطلوبہ اخلاق کو پیدا کر سکتا ہے۔ اور اس مذہب کی تعلیم کی کامل نمائندگی نماز یا پراریھتنا میں ہو سکتی ہے۔ تو مذہب دنیا میں قائم رہ سکتا ہے اور نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ ورنہ ہمارا قدم تو مغرب کے اتباع میں اُٹھ چکا ہے۔ یورپ کے گرجے عابدین سے خالی ہو چکے۔ مسجدیں اور مندر بھی بے رونق ہوتے جاتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ اس بات کی جو ذمہ دار ہے اسے سعدی علیہ الرحمۃ نے دو مصرعوں میں صاف صاف بتلا دیا ہے:۔

؎ شب چو عقد نماز بندم + چہ خورد بامداد فرزندم

پھر مذہب کو زمانے نے علی العموم رُوحانیات سے وابستہ کر رکھا ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔ لیکن اس امر کے مفہوم اور اس کے حصول کی راہوں میں اس وقت اختلافِ عظیم ہے۔ چلّہ کشی۔ جنگل نشینی یا مختلف ریاضتیں آج مرغوب خاطر نہیں رہیں۔ آج تو ایسے طریقوں کی ضرورت ہے کہ ہم اس دُنیا میں رہ کر باخدا بن سکیں۔ ورنہ رُوحانیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اِسلام نے اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کا ہی نام رُوحانیت رکھی ہے۔ جنہیں اسی دنیا میں رہ کر ہم نے برتنا ہے۔ اسی کے حصول پر انسان روحانی زندگی میں قدم رکھ کر ربانی رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ اور اس پر بلوغت انسانی ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ باتیں ہیں۔ اور جس کی طرف اسلامی دُعا و نماز یعنی سُورۃ فاتحہ ہمیں پانچوں وقت متوجہ کرتی ہے۔ اسی لئے ختمیت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کا نام مومن کا معراج رکھا ہے۔

اب مسلم نماز کی رُوح رواں سورۃ فاتحہ ہے، یہی عین نماز ہے اسی کے مطالب پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے اِنسانی استعداد یں صحیح معنوں میں اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور یہی ایک انسان کا معراج ہے۔ یہ سب کی سب باتیں سورۃ فاتحہ کے اصلی الفاظ میں تو مجھے نظر آتی ہیں۔ لیکن اپنی مادری زبان چھوڑ مجھے تو روئے زمین کی ایک زبان بھی نظر نہیں آتی کہ جس میں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ان اغراضِ عالیہ اور ان کے طریق حصول کو میرے سامنے لے آئے۔

ان حالات میں مَیں اپنی نماز میں اور اس کے علاوہ بھی اپنی دوسری دُعاؤں میں سُورۃ فاتحہ کو الہامی الفاظ میں پڑھنے پر مجبور ہوں۔ اسی لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تاکید فرمائی ہے کہ جو دعا بھی ہم کریں اسے سورۃ فاتحہ سے ہی شروع کریں۔

یہ سب کی سب باتیں اگر صحیح بھی ہوں اور میرا ایمان ہے کہ یہ صحیح ہیں تو بھی یہ امور نظری رنگ میں ہیں جو محتاج عمل ہیں۔ عمل ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر کُل کی کُل اِنسانی قوتیں حالت جمود میں آجاتی ہیں۔ مگر عمل محتاج علم ہے۔ علم ہی ہر انسانی سکون و حرکت کا محرک ہوتا ہے۔ انسان۔ تہذیب۔ تمدّن کی کسی حالت میں ہو۔ وہ کسی امر میں قدم نہیں اُٹھا سکتا جب تک اس امر کے متعلق اسے تھوڑا بہت علم نہ ہو۔ اگر دنیا کا سدھار صحتِ عمل سے وابستہ ہے تو صحتِ عمل صحتِ علم پر منحصر ہے۔ اسی لئے ہر امر میں صحیح علم کا حاصل کرنا انسانی زندگی کی ضرورت اوّلین ہے۔

یوں تو علم کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اور آئے دن نئے سے نئے عُلوم پیدا ہو رہے ہیں اور انسانی عمل کو معراج ترقی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ایک انسان ہر علم سے واقف ہو۔ علاوہ اس کے ایک کا علم ہزاروں لاکھوں کے لئے نفع رساں ہو جاتا ہے جو انہیں اس کے حصول کا محتاج نہیں رکھتا۔ لیکن انسانی بہتری کے لئے ایک علم مخصوص بھی ہے جس کا جاننا ہر فردِ نوع کے لئے ضروری ہے اور جس کے نہ جاننے سے انسان حدودِ حیوانیت سے باہر نکل ہی نہیں سکتا۔ میری مراد اس سے علم جذباتِ حیوانیہ ہے۔ گو وہ علم اپنی ابتدائی حالت میں کیوں نہ ہو۔

انسانی فطرت آخر چند جذبات کے مجموعہ کا ہی نام ہے۔ ہمارے ہر قول و فعل کا باعث اِن ہی جذبات کے مطالبات ہوتے ہیں۔ اب ان تمام جذباتِ انسانیہ کی جڑ اور بنیاد صرف دو جذبے ہیں۔ انہیں عربی زبان میں غضب اور شہوت اور ہندی میں کرودھ اور لوبھ کہتے ہیں یہی دو جذبے انسانی کوشش کو مختلف ثمرات کے حصول میں لگا کر پھر ان ثمرات کی حفاظت بھی کرتے ہیں لیکن یہی دو جذبے بد استعمالی میں آکر نسلِ انسانی کی ہلاکت و تباہی کا موجب بھی ہو جاتے ہیں۔ ان دو جذبات کو جس طرح ایک عالم متبحر محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ایک جاہل سے جاہل بھی ان کے ہاتھ بکا ہوا نظر آتا ہے۔ دوسرے علوم سے کوئی واقف ہو یا نہ ہو لیکن نسلِ انسانی کی صلاحیت اسی میں ہے کہ ہر ایک انسان ان دو جذبات کے استعمال کا تھوڑا بہت صحیح علم رکھتا ہو۔

اِنسان مختلف الحال واقع ہوتے ہیں۔ ایک کا ماحول دوسرے سے جُدا ہوتا ہے۔ مدارج میں اختلاف ہے۔ علمی معلومات بھی ایک کے دوسرے کے سے نہیں ہوتے۔ ان کے اذکار و اشغال بھی جُداگانہ ہوتے ہیں۔ مزید برآں ایک ہی انسان کا ایک دن حالات حاضر کے ماتحت دوسرے دن سے مختلف ہوتا ہے۔

پھر طبائع انسان میں تضاد بھی ہے۔ یہ سب اختلافات اگر انسانی تمدّن کے لئے ضروری ہیں تو پھر یہ کیا ضروری ہے کہ کُل کے کُل اِنسان ایک ہی طرح سوچیں اور اپنی نماز میں ایک ہی بات کو زیرِ غور رکھیں جس حال میں انسان ہو، جو بھی اس کا طریقِ زندگی یا صورتِ معاش یا ذریعۂ اشغال ہو اس کے سامنے تو آٹھوں پہر

اخبارِ احمدیہ

حضرت امیر قوم الحاج حضرت مولانا صدرالدین ایدہ اللہ بفضلہ تعالےٰ بخیریت ہیں ۔ آپ نے نمازِ عید اور دوسرے دن نماز جمعہ مسجد میں ادا فرمائی ۔

احباب کرام حضرت امیر ایدہ اللہ کی صحت اور عافیت والی درازیٔ زندگی کے لئے دعا فرماتے رہیں ۔ تاکہ قوم کا یہ متبرک وجود تادیر سلامت رہے ۔

جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور } میں نمازِ عید مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے پڑھائی ۔ تبلیغ اور قربانی کی اصل رُوح کو جلا بخشنے والا خطبہ ارشاد فرمایا ۔ جو موصول ہونے پر آئندہ شائع کر دیا جائے گا ۔

جامع احمدیہ دارالسلام } مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے نمازِ عید پڑھائی اور خطبہ دیا اور وضاحت سے بتایا کہ عیدِ قربان ہمیں دین کو دنیا پر مقدم کرنا اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے اپنی خواہشات سے دستبردار ہوجانے کا نام قربانی ہے ۔

عید کے موقعہ پر حلقہ دارالسلام کے احباب کی مالی قربانی کی جو تفصیل ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عید پر دارالسلام (۵ عثمان بلاک) میں سال بہ سال چندہ بڑھ رہا ہے

عیدالفطر	۱۹۷۸ء	۱۲۳۲
عیدالاضحیٰ	" "	۶۶۷
عیدالفطر	۱۹۷۹ء	۱۵۵۰
عیدالاضحیٰ	" "	۷۶۹

جناب ماسٹر اصغر علی سیال صاحب کے ذریعہ اس سال ۔۔۔۔ ۱۳۸۵ روپیہ کی کھالیں فروخت ہوئی ہیں ۔ اس کے علاوہ جناب فیض الرحمٰن ساماڑی کی معرفت بھی کھالیں فروخت ہوئی ہیں ۔ اللّٰھم زِد فزِد ۔

قرار دادِ تعزیت } حضرت علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب کی وفات کی خبر سن کر جماعت احمدیہ فیصل آباد کا ایک تعزیتی جلسہ ہوا ۔ جس میں مصری صاحب کی وفات کو ایک قومی نقصان قرار دیا گیا ۔ نیز ان کی مغفرت کے لئے دعا کی گئی اور ۱۹ اکتوبر بروز جمعہ غائبانہ جنازہ پڑھا گیا ۔

قرار داد کی ایک نقل مرحوم کے صاحبزادگان اور ایک نقل برائے اشاعت پیغام صلح بھجوا دی گئی ۔ سیکرٹری جماعت احمدیہ فیصل آباد

ایک ضروری اعلان

ادارہ پیغام صلح حضرت علامہ شیخ عبدالرحمان مصری مرحوم کے حالات زندگی پر مشتمل ایک خاص نمبر شائع کرنا چاہتا ہے ۔ اس لئے ان کے اعزہ اور احباب سے درخواست ہے کہ وہ مرحوم کی طویل دینی خدمات پر مضامین رقم فرما کر جلد از جلد ارسال فرما دیں ۔ تاکہ یہ نمبر شائع کیا جا سکے ۔

(ادارہ)

تاج دین پرنٹرز تکیہ املی والا آبکاری روڈ لاہور میں باہتمام تاج دین پرنٹر چھپا اور محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا ۔ (چیف ایڈیٹر ۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

پشاور میں
شبان الاحمدیہ کا جلسہ

مکرم اختر علی صاحب نے پشاور سے جناب اعلیٰ مجوعہ سیکرٹری شبان الاحمدیہ مرکزیہ کو اطلاع دی ہے کہ :۔

" ہم نے پشاور کی تمام جماعتوں میں دورہ کے بعد ۔ مورخہ ۲۶ بروز جمعۃ المبارک مسجد احمدیہ جہانگیر پورہ میں شبان الاحمدیہ کا ایک جلسہ منعقد کیا ۔ جلسے کی صدارت صاحبزادہ ہارون احمد صاحب نے فرمائی اور سیکرٹری کے فرائض سعید احمد صاحب نے ادا کئے ۔

مکرم فرمان علی کی تلاوت قرآن پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا ۔ گوہر علی صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ پڑھ کر سنائے اور پشتو میں مختصر سی تقریر بھی کی ۔

عبداللہ جان صاحب نے بڑی خوش الحانی سے درثمین سے حضرت امام الزمان کی نظم سنائی جو بہت پسند کی گئی ۔ اس کے بعد راقم الحروف نے اس جلسہ کی غرض و غایت بیان کی اور گذشتہ جلسہ سالانہ لاہور میں شبان کو تنظیم شبان اور اشاعت اسلام کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینے کا وعدہ یاد دلایا ۔

اس کے بعد صدر شبان الاحمدیہ ڈاکٹر جمیل الرحمان صاحب نے بڑی مفصل اور پُر اثر تقریر فرمائی ۔ اور تنظیم شبان الاحمدیہ کو مزید فعال بنانے کا پیغام دیا ۔

ان کے بعد جناب شیخ شریف احمد صاحب کی خدمت میں منتظمین جلسہ کی طرف سے گذارش کی گئی کہ وہ بھی حاضرین کو اپنے خیالات سے نوازیں ۔ آپ نے فرمایا :۔

" ہم کو تو خدشہ تھا کہ نوجوانوں میں احمدیت کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے ۔ لیکن آج میں دیکھ رہا ہوں کہ خدا تعالےٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ نوجوانوں میں احمدیت زندہ ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ زندہ رہے گی ۔"

دوران تقریر خوشی سے آپ کا چہرہ دمک رہا تھا ۔

شیخ صاحب کی تقریر کے بعد صدر جلسہ جناب صاحبزادہ ہارون احمد صاحب نے الوداعی تقریر کی ۔ اور تمام احباب شبان کا شکریہ ادا کیا ۔

جلسے کے اختتام پر حاضرین کی تواضع چائے سے کی گئی ۔

صدر شبان علاقہ پشاور جناب جمیل الرحمان صاحب کی خواہش ہے کہ شبان کے تمام علاقائی عہدیدار اپنے اپنے حلقہ میں جلسے کریں ۔ یہ جلسے جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۷۹ء سے پہلے ہونے چاہئیں ۔ اور ان کی کارروائی پیغام صلح میں شائع ہونی چاہیئے تاکہ جلسہ سالانہ شبان کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا سکے ۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲۴ ۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳۸ ۔ ۳۹

تارکا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷
مدیر اعزازی
حلیل الرحمٰن
بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا
الہاماتِ حضرت مسیحِ موعود
نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر
سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ ڈاک)

جلد : ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ ہجری مطابق ۷ نومبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۴۰

قرآنِ کریم، حدیث شریف، ارشادِ امامِ زماں علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا فرمان

"اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"
(النساء آیت : ۹۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی

دیکھو جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارا ذبیحہ کھائے اور ہمارے قبلہ (بیت اللہ) کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے۔ اس کے حقوق و فرائض مسلمانوں کے سے ہیں۔
(مسند احمد بن حنبلؒ)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

• مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ میں کافر نہیں ہوں۔

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

میرا عقیدہ ہے اور "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآنِ کریم کے حروف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسولؐ کے فرمودہ کے برخلاف نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا۔" (کراماتُ الصادقین)

(۲)

واقعی میرا یہ مذہب ہے، کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔ ہاں یہ عقیدہ رکھتا ہوں جو شخص مسلمان ہو کر ایک سچے ولی اللہ کے دشمن بن جاتے ہیں اُن سے نیک عملوں کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور دن بدن اُن کے دل کا نور کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن چراغ سحری کی طرح گل ہو جاتا ہے۔ سو یہ میرا عقیدہ اپنی طرف سے نہیں ہے، بلکہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بدقسمت منکر جو ان مقربانِ بارگاہِ الٰہی کا انکار کرتا ہے وہ اپنے انکار کی شامت سے دن بدن سخت دل ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ نورِ ایمان اس کے اندر سے مفقود ہو جاتا ہے اور یہی احادیثِ نبویہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ انکار اولیاء اور اُن سے دشمنی رکھنا اوّل انسان کو غفلت اور دنیا پرستی میں ڈالتا ہے اور پھر اعمالِ حسنہ اور افعالِ صدق اور اخلاص کی توفیق چھین لیتا ہے اور پھر آخر سلبِ ایمان کا موجب ہو کر دینداری کی اصل حقیقت اور مغز سے ان کو بے نصیب اور بے بہرہ کر دیتا ہے (تریاق القلوب ۱۳۰/۱۳۱)

اخبار احمدیہ

دُعائے صحت { چوہدری امتیاز احمد صاحب فضل آباد (ملتان) سے اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

— چوہدری مراد علی صاحب جن کا پتہ کا اپریشن ہوا ہے۔ اور ابھی تک زیرعلاج ہیں۔ جملہ احباب جماعت سے ان کی مکمل صحت یابی کے لئے دُعا کی درخواست ہے۔

—(۲) محترمہ بیگم صاحبہ ماسٹر منظر علی سیال دارالسلام کو موٹرسائیکل کے حادثہ میں شدید چوٹیں آئی ہیں۔ بائیں پنڈلی کی دو جگہ سے ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ محترمہ بڑی نیک دل اور پابند صوم وصلوٰۃ خاتون ہیں۔ احباب جماعت اور بزرگان سلسلہ ان کی صحت یابی کے لئے درد دل سے دُعا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

وفات { سیکرٹری جماعت راولپنڈی خواجہ محمد نصیراللہ صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

—" میں نہایت رنج والم سے یہ لکھ رہا ہوں کہ میرے بڑے بھائی کی وفات کے صرف ڈیڑھ ماہ بعد میری شفیق ہمشیرہ بھی 11/79 ۲۹ کو انتقال فرما گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کی عمر ۷۶ برس تھی۔ بڑی نیک سیرت، پارسا طبع صوم وصلوٰۃ کی پابند اور خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والی تھیں۔ عزیز اقارب کے علاوہ اہل محلہ کے ساتھ بھی ہمیشہ مشفقانہ اور ہمدردانہ برتاؤ رکھا۔

تمام بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ جامع احمدیہ دارالسلام میں 11/79 ۹ بعد نماز جمعہ نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔

پیغام صلح { ہمیں اس صدمہ میں محترم خواجہ نصیراللہ صاحب سے دلی ہمدردی ہے۔ ½۱ ماہ کے قلیل عرصہ میں انہیں یہ دوسرا بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔ آمین۔

آہ! مولانا احمد یار صاحب

یہ خبر جماعت میں نہایت دُکھ کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ مولانا احمد یار صاحب ایم اے۔ ایم او ایل ۱۹ نومبر بروز یک شنبہ بوقت ۳ بجے بعد دوپہر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ومغفور جماعت کی ایک قد آور شخصیت تھے۔ سال ہا سال تک انجمن کے مختلف شعبوں میں بحیثیت معلم اعلیٰ ادارہ تعلیم القرآن مبلغ ومناظر امام وانچارج فی مشن اور کچھ عرصہ لطبعہ بل سیکرٹری دینی خدمات سرانجام دیں۔ اب چند سالوں سے صاحب فراش تھے اور احمدیہ بلڈنگس میں ہی مقیم تھے۔ بیماری بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی۔ تجہیز وتکفین احمدیہ بلڈنگس میں ہوئی اور سات بجے شب ان کی میت ان کے آبائی گھر بہاولپور بھجوا دی گئی۔ مرحوم نے اہلیہ دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

احباب سے درخواست ہے کہ مرحوم مولانا صاحب کے لئے جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت فرمائیں، اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کریں۔

(ادارہ)

جلسہ سالانہ

دسمبر ۱۹۷۹ء

حسب سابق امسال جلسہ سالانہ کی مندرجہ ذیل تاریخیں مقرر ہوئی ہیں:۔

۲۵ 12/79 منگلوار۔ جلسہ خواتین

۲۶ 12/79 بدھوار } جلسہ
۲۷ 12/79 جمعرات }
۲۸ 12/79 جمعۃ المبارک }

سوائے جمعۃ المبارک کے ہر روز دو نشستیں ہوں گی۔ ایک صبح اور ایک شام۔

بروز جمعۃ المبارک صرف صبح کی نشست ہوگی۔ نماز جمعہ کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوگا۔

جماعت کے مقررین اصحاب سے التماس ہے کہ وہ اس مبارک موقعہ پر حالات کے موافق موضوعات پر تقریر کرنے کے لئے افسر جلسہ سالانہ کو اطلاع دیں۔

مخدوم سعد اختر
افسر جلسہ سالانہ

من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم ۔ دستش محافظ است ز ہر بادِ صرصرم

میں تو اللہ تعالیٰ کے حضور صداقت کا روشن چراغ ہوں ۔ اور ہر بادِ صرصر سے اسی کا ہاتھ میرا محافظ ہے

(مسیح موعودؑ)

ابھی تین چار دن ہوئے ہیں مِس مارگریٹ مارکوس جن کا بعد میں اسلامی نام مریم جمیلہ رکھا گیا ۔ اور جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے درمیان انگریزی میں خط و کتابت کے مطالعہ کا موقعہ ملا ۔ یہ کتاب پڑھ لینے کے بعد ہمارا تاثر یہی ہے کہ یہ اس مہم کی ایک کڑی ہے جس کے ذریعے جماعت احمدیہ اور بانیٔ تحریک احمدیت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد و مسیح موعودؑ کو مشرقی اور مغربی ممالک میں بدنام کیا جانا اور ان کے خلاف نفرت پھیلانا مقصود ہے ۔ اس خط و کتابت میں ایک یہودی نژاد انگریزی دان امریکی خاتون کے منہ میں الفاظ ڈال کر انگریزی دان مشرقی اور مغربی طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے ۔ تاکہ افریقہ ۔ جنوبی امریکہ ۔ شمالی امریکہ ۔ یورپ ۔ برطانیہ میں جہاں جہاں جماعتِ احمدیہ کے مشن قائم ہیں ۔ اور ان کے ذریعہ قرآن و سُنّت کے مطابق اسلام کی ایسی سچی اور صحیح تعلیم پیش کی جا رہی ہے جو دلوں میں گھر کرتی اور جدید دور کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے ۔ اور لوگ جوق در جوق اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں ۔ اس جماعت کی مقبولیت اور روزافزوں ترقی کو روکا جا سکے ۔

مِس مارگریٹ مارکوس نے اپنی خط و کتابت میں یہ خود تسلیم کیا ہے کہ افریقہ میں اسلام بڑی تیزی سے مقبول ہو رہا ہے ۔ اگر ایک آدمی عیسائیت قبول کرتا ہے ۔ تو اس کے مقابلے میں دس آدمی اسلام قبول کرتے ہیں ۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ جوں جوں قرآن کا مطالعہ کرتی ہیں اسلام اور زیادہ ان کے دل میں اترتا جاتا ہے ۔ لیکن اس قرآن کا جس کا وہ مطالعہ کر رہی ہیں اور جس کے ذریعے اسلام کا نقش ان کے دل پر گہرا ہوتا جا رہا ہے اس کا نام نہیں لیا کہ وہ کس مصنف کا ہے ۔ کیونکہ مغرب میں اگر کسی انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر نے انگریزوں کے دلوں میں انقلاب پیدا کیا ہے تو وہ خود ان قارئین کی زبانی حضرت مولانا محمد علیؒ کی تفسیر ہے ۔

اس خط و کتابت میں حضرت مرزا صاحب کی ذات پر جو ایک حملے کئے ہیں وہ قرآنی معیارِ حسنِ اخلاق پر کسی طرح پورے نہیں اترتے ۔ اختلافِ رائے کی بنا پر گالیوں پر اتر آنا اس کی تعلیم نہ قرآن نے دی ہے ۔ نہ حدیث نے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ رہا ہے ۔

ایک حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کے اکابرین ہی کا کیا ذکر اس میں ہر اس قومی راہنما کو بُرا بھلا کہا گیا ہے جس نے مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء کے بعد اخلاقی ، معاشی اور معاشرتی پستی سے نکالنے کے لئے ذرا بھر بھی کوشش کی ۔ اس میں سر سیّد احمد خاں مرحوم ۔ سیّد چراغ علی ۔ سیّد امیر علی ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی ۔ علّامہ اقبال ۔ مولانا ابوالکلام آزاد ۔ حضرت مولانا محمد علی اور مصر کے مولانا محمد عبدہ کو "APOLOGETIC" کا خطاب دے کر مغرب نواز اور مغربی تہذیب سے متاثر اور اس کے دلدادہ کہا گیا ہے ۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کو اس رنگ میں پیش نہیں کیا کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور زانی کی سزا رجم کیونکہ انہیں قرآن سے اس کی کوئی دلیل نہ ملی ۔ اور انہوں نے اپنے زمانے کے مسائل کو قرآن سے استنباط کرتے ہوئے جدید سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں پیش کیا ۔ اس ملک میں چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور علامہ اقبال کی لوگوں کے دلوں میں بہت عزت اور احترام ہے اس لئے ان کی ناراضگی مول نہ لینے کی وجہ سے ذرا نرم زبان استعمال کی گئی ہے ۔ سر سیّد احمد خاں مرحوم کا اتنا لحاظ بھی نہیں رکھا گیا کہ اگر ان کی بنا کردہ مسلم یونیورسٹی نہ ہوتی اور ان کی تقلید میں اسلامیہ کالج پشاور ۔ اینگلو عربک کالج دہلی ۔ سندھ مدرسہ ۔ وغیرہ جیسی درسگاہیں قائم نہ ہوتیں تو تحریکِ مسلم لیگ کا پیغام نوجوانوں کے ذریعے گھر گھر نہ پہنچتا اور پاکستان وجود میں نہ آتا ۔

حضرت قائد اعظم بار بار ان درسگاہوں کا دورہ کر کے ان کے ذریعے مسلمان عوام سے مخاطب نہ ہوتے ۔ ہمیں کوئی یہ بتائے کہ متحدہ ہندوستان کی دینی درسگاہوں نے اس میں کیا کردار ادا کیا ۔ وہ سب کی سب پاکستان کی مخالف تھیں ۔ قائد اعظم اور تحریک مسلم لیگ کے عمائدین کو بے بہرہ کہتیں اور اپنے جلسوں میں انگریزوں اور ہندوؤں کے ہم نوا ہو کر ان کے خلاف زہر اگلتیں ۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ۔

اگر ہمیں مِس مارگریٹ مارکوس کا پتہ معلوم ہو تو ہم ان کے سامنے حقائق پیش کریں ۔ ہمیں افسوس ہے کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے اس خط و کتابت میں پیش کئے گئے جھوٹ اور اتہام کا پردہ چاک نہیں کیا گیا ۔ بڑی عجیب بات یہ ہے یہ خطوط اس خاتون کی طرف سے ہیں جو خود اپنے ۲۲ ۳/۶۲ کے خط میں یہ تسلیم کرتی ہیں کہ وہ مارچ ۱۹۵۷ء سے اپریل ۱۹۵۹ء تک دماغی امراض کے ہسپتال میں رہی ہیں ۔

حضرت مرزا صاحب کے متعلق اس خط و کتابت میں مریم جمیلہ اور جناب مولانا مودودی صاحب نے اپنی جو رائے پیش کی ہے اس پر ہم انا للہ وانا الیہ راجعون ہی پڑھ سکتے ہیں ۔ اور قرآن کریم کے الفاظ میں ہی کہہ سکتے ہیں :-

" اور اس پر صبر کر جو یہ کہتے ہیں اور خوبی سے کنارہ کشی کرتا ہوا انہیں چھوڑ دے اور صاحبِ دولت جھٹلانے والوں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے ۔ ہمارے پاس بیڑیاں اور جلتی ہوئی آگ ہے اور گلا گھونٹ دینے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے ۔"

(المزمل ۔ ۱۰ تا ۱۳)

کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی اپنے مامور کے ساتھ وعدہ ہے کہ :-

" انی مھین من اراد اھانتک "

اور " ولا نبقی لک من المخزیات شیئاً "

جو تیری رسوائی کے درپے ہوگا میں اسے رسوا کروں گا ۔ اور ہم تیرے متعلق کوئی رسوا کرنے والی بات باقی نہیں رہنے دیں گے "

اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ :-

" انی معین من اراد اعانتک " میں اس کا مددگار ہوں گا جو تیری مدد کرے گا ۔"

یہ فیصلہ تو خدا کے مامور اور اس کے دشمنوں کے درمیان ہو کر رہے گا۔ کب اور کیسے یہ وہی جانتا ہے۔ کچھ وقت کے لئے تو دنیا کو دھوکا اور فریب میں مبتلا کیا جا سکتا ہے لیکن ملمع جلد ہی اتر کر اصلیت ظاہر کر دیتا ہے۔

جس اہم بات کی طرف ہم اپنے قارئین کو توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے پہلے خط میں مس مارگریٹ مارکوس نہ تو یہ لکھتی ہیں کہ انہوں نے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یا "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ" پڑھ لیا ہے اور نہ ہی یہ بتاتی ہیں کہ انہوں نے کسی مجمع میں مسلمان ہونے کا اعلان کیا ہے۔

اس بات کا ذکر وہ اپنے ایسے خط میں کرتی ہیں جو پہلے خط کے تقریباً چھ ماہ بعد لکھا گیا ہے۔ لیکن جناب مودودی صاحب مرحوم اس کے پہلے خط کا جواب دیتے ہوئے اس خاتون کو السلام علیکم سے مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے خط کی ابتداء میں آپ کو جان بوجھ کر السلام علیکم کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ جو بہ طرز تخاطب مسلمانوں سے مخصوص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ آپ ابھی تک اپنا مذہب تبدیل کرنے کے بارے میں غور و فکر کر رہی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ پہلے سے ہی مسلمان ہیں۔ جو شخص اللہ کی توحید پر ایمان رکھتا ہے۔ آنحضرت صلعم کو آخری نبی مانتا ہے۔ قرآن کو اس کا کلام سمجھتا ہے اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ وہ درحقیقت سچا مسلمان ہے۔ خواہ وہ کسی یہودی، عیسائی۔ یا کسی بت پرست (غیر اہل کتاب) خاندان میں پیدا ہوا یا ہوئی ہو۔ اس لئے میں آپ کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ اگر آپ اسلام کی صداقت کی قائل ہو چکی ہیں تو آپکو صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کی ضرورت ہے۔"

(مکتوب ترجمہ مودودی صاحب ۲۱/۱/۶۱)

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

ایک لڑکی جس نے ابھی تک کلمۂ شہادت یا کلمۂ توحید پڑھا ہے۔ نہ خدا کی توحید۔ آنحضرت صلعم کی ختم نبوت۔ قرآن کا خدا کا کلام ہونے اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا اعلان کیا ہے وہ تو ان کے نزدیک مسلمان ہے۔ حالانکہ ان تمام باتوں کا زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق کلمۂ شہادت کے ذریعے زبان سے اللہ تعالےٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم کی رسالت کا اعلان ضروری ہے۔ کیا ہم یہ عرض کر سکتے ہیں کہ جب تک اپنی زبان سے کوئی یہ اقرار اور اعلان نہ کرے وہ قرآن کی کسی آیت اور حدیث کے مطابق مسلمان کہلاتا ہے؟ اس کے علاوہ مولانا موصوف کو اس نے اپنے خط میں "السلام علیکم" سے بھی مخاطب نہیں کیا کہ قرآن کی اس آیت کی رو سے "ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مومنا" اسے مومن سمجھتے ہوئے السلام علیکم سے مخاطب کیا جائے۔ اور مسلمان اور مومن سمجھا جائے اور جو لوگ دن رات دوسروں کو اس کلمہ سے مخاطب کرتے۔ خدا کی توحید۔ آنحضرت صلعم کی رسالت اور ختم نبوت کو ماننے اور اس پر یقین رکھنے والے اسلام کے تمام ارکان نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ پر ایمان رکھتے اور ان پر عمل کرنے والے ہوں وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیئے جائیں۔ اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے تحریکیں چلائی جائیں۔ مولانا خود فرماتے ہیں کہ اسلامی برادری میں شامل ہونے کے لئے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنا ہی کافی ہے۔ کیا کوئی یہ شہادت دے سکتا ہے کہ احمدی یہ کلمۂ توحید یا کلمۂ شہادت نہیں پڑھتے۔ اگر کسی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے یہ کلمہ کافی ہے تو احمدیوں کو یہی کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام سے خارج کرنے کے لئے کونسی دلیل ان کے پاس ہے۔ اگر دلیل اور بحث کے طور پر ان سے یہ ثبوت مانگا جائے کہ اس کلمہ کے ساتھ "خاتم النبیین" کے الفاظ بتا دیں یا یہ بتا دیں کہ یہ مفہوم کہاں سے نکلتا ہے تو ان کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ حضرت مجدد وقت اور مسیح موعود فرماتے ہیں:

(۱) "میں عامۃ الناس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللہ جلشانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں ہوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے اور ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلعم کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالےٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حروف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالےٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں۔ اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا۔"

(کرامات الصادقین ص ۲۵)

(۲) تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت جماعت کا مذہب ہے . . . . مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت منکر ہو اس کو بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"

(مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم ص ۳۳۳)

(۳) "ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ بفضل و توفیق باری تعالےٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالےٰ تک پہنچ سکتا ہے۔

اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب

کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔

(ازالہ اوہام نیا ایڈیشن صفحہ ۵۶، پرانا صفحہ ۱۳۷ و صفحہ ۱۳۸)

جو مخالفین اس وہم میں مبتلا ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو مجدد اور مسیح موعود ماننے میں نقصان دین کا اندیشہ ہے۔ ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ نقصان دین کس درجہ سے ہو سکتا ہے۔ نقصان تو اس صورت میں ہوتا کہ اگر یہ عاجز برخلاف تعلیم اسلام کے کسی اور نئی تعلیم پر چلنے کے لئے انہیں مجبور کرتا۔ مثلاً کسی حلال چیز کو حرام یا حرام کو حلال بتلاتا۔ یا ان ایمانی عقائد میں جو نجات کے لئے ضروری ہیں کچھ فرق ڈالتا یا یہ کہ صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ وغیرہ تعلیم لے کر نہیں آیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم مسلمانوں کے لئے بجز قرآن شریف اور کوئی دوسری کتاب نہیں جس پر عمل کریں یا عمل کرنے کے لئے دوسروں کو ہدایت دیں اور بجز جناب ختم المرسلین احمد عربی صلعم کے اور کوئی ہمارے لئے ہادی اور مقتدا نہیں جس کی پیروی ہم کریں یا دوسروں سے کرانا چاہیں تو پھر ایک متدین مسلمان کیلئے میرے اس دعوے پر ایمان لانا جس کی الہام الٰہی پر بنا ہے۔ کون سی اندیشہ کی جگہ ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۶۶۰ / ۱۸۲-۱۸۱)

یہ ہمارے عقائد ہیں۔ اب ہم تمام انصاف پسند مسلمانوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی کسی ایک کتاب میں سے یہ ثابت کر دیں کہ ان کے عقائد اس کے برخلاف ہیں تو ہم انہیں چھوڑ دیں گے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں اور انشاء اللہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے تو سوچ لیں کہ مرنے کے بعد وہ اللہ تعالےٰ کے سامنے احمدیوں پر ظلم و ستم روا رکھنے کے لئے کیا جواب دیں گے!

مس مارگریٹ (مریم جمیلہ) اپنے ۲۵/۱/۶۲ کے مکتوب میں لکھتی ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں میں جدت پسند اور معذرت خواہانہ رویہ رکھنے والے لوگوں کے لئے کافی مواد موجود ہے۔ اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے متعلق مودودی صاحب کی رائے پوچھی ہے۔ مودودی صاحب اس کے متعلق اپنے ۱۰/۲/۶۲ کے مکتوب میں حضرت مرزا صاحب کو کوسنے اور برا بھلا کہنے کے بعد لکھتے ہیں یہ جدت پسند لوگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں سے اپنے مطلب کی باتیں نکال کر لوگوں کے سامنے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اور اس طرح ان پر اپنے نظریات ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو کیا حضرت مرزا صاحب کے مخالفین اور معاندین اپنی مطلب براری اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر اور مسخ کر کے پیش نہیں کرتے۔ اور اس طرح جھوٹ، بد دیانتی اور خیانت کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اس سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ ان کی تحریریں بھی پیش نہیں کرتے بلکہ وہ جناب میاں محمود احمد صاحب مرحوم کی کتابوں سے جو انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کے بارے میں تصنیف کی ہیں۔ اور ان میں وہی غلط دعاوی ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں جن کا الزام آپ کے مخالف آپ کو دیتے ہیں اور پیش کرتے ہیں۔

ہمارے سامنے اس وقت ایک ٹریکٹ "قادیانیوں کو دعوت اسلام" ہے۔ جو مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے ۱۰ رجب ۱۳۹۶ھ کو شائع کیا۔ (اس پر انگریزی تاریخ نہیں) اس میں بھی جو حوالے حضرت صاحب کی کتب سے پیش کئے گئے ہیں وہ سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کئے ہیں اور اکثر حوالے الفضل۔ کلمۃ الفصل اور سیرت المہدی سے دیتے ہیں جو حضرت صاحب سے بعد کی تصنیفات ہیں۔

ہم ازالہ اوہام کا ایک حوالہ جو اس ٹریکٹ میں دیا گیا ہے پیش کرتے ہیں۔ اسی پر آپ دوسرے حوالوں کا قیاس بھی کر لیں۔ کہ کہاں تک دیانت سے کام لیا گیا ہے۔ مولوی صاحب ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۹۱ کا صرف اتنا حوالہ دیتے ہیں۔

مولوی صاحب کا پیش کردہ حوالہ

ٹریکٹ کا صفحہ ۱۵، عقیدہ ۴، حقائق کا انکشاف

اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں (اور بنا کا ذکر نہیں۔ ناقل) کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ دجال کے ستر باع گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی

اصلی حوالہ

یہ بحث دراصل مکاشفات اور پیشگوئیوں کے ہو بہو پورا نہ ہونے بلکہ ان کی تاویل کے متعلق صفحہ ۶۸۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۹۲ پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو خوابوں کی مثال بھی دی ہے۔ جو ہو بہو پورے نہ ہوئے یعنی ہجرت کے متعلق اور لمبے ہاتھوں والی بی بی کے پہلے فوت ہو جانے کے متعلق۔ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

"ان تمام باتوں سے یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام کبھی غلطی بھی کھاتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالےٰ خود اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اسی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو۔ اور نہ دجال کے ستر باع کی گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ھی ہی ظاہر فرمائی گئی ہو۔ اور صرف امثلہ قریبہ اور صور متشابہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے۔ اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو۔ تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں تو شان نبوت پر کچھ جائے حرف نہیں۔"

(ازالہ اوہام نیا ایڈیشن صفحہ ۲۵۵)

خود مودودی صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ لوگ ان کی باتوں کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ کسی پر کوئی الزام لگانے سے پہلے اس کی اپنی تحریر کو پڑھ اور سمجھ لیا جائے اور پھر کسی مسئلہ کے متعلق پوری تحریر پیش کی جائے۔ تا کہ دلوں میں غلط فہمی پیدا نہ ہو۔

کامل ایمان باللہ اور کامل استقامت کے معجزہ نما یادگاریں

حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کے عظیم و عالمگیر نمونے

خطبہ عید الاضحیٰ مورخہ یکم نومبر ۱۹۷۹ء، فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس، برانڈرتھ روڈ — لاہور

"واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظلمین" (البقرہ : آیت : ۱۲۴)

ترجمہ: ہم نے ابراہیمؑ کو ایک عظیم آزمائش میں ڈالا۔ وہ مردِ خدا ابراہیمؑ ابتلا میں کامیاب ہوا۔ بنابریں ہم نے اُسے لوگوں کی راہبری کے لئے امامت عطا فرمائی۔ ابراہیمؑ نے دُعا کی کہ میری اولاد کو بھی ایسی امامت نصیب ہو۔ مگر خدا تعالےٰ نے جواباً فرمایا کہ تمہاری اولاد میں ظالموں کو امامت کا مقام نہیں ملے گا۔

اِسلام میں جو دو موقع مسرت و خوشی کے مقرر کئے گئے ہیں اگر ہم غور کریں تو یہ راز ہم پر منکشف ہو گا کہ خوشی کے یہ دو تہوار یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ یونہی مقرر نہیں ہوئے بلکہ یہ بعض آزمائشوں میں پُورے اترنے کے بعد رکھے گئے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ آزمائشوں میں ڈالے گئے تو وہ کامیاب ہوئے عید الفطر اس خوشی کے موقع کی بات ہے کہ مسلمانوں نے رضائے الٰہی کے تحت یعنی ایک ماہ رمضان کے روزوں کی مشقت اُٹھانے میں کامیابی حاصل کی۔ عید الاضحیٰ کی خوشی اس یادگار واقعہ کو دُہراتی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے رضائے الٰہی کے تحت اپنے پیارے بیٹے کو قربان کرنے کی تیاری کی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ عمر رسیدہ ہو چکے تھے، اولاد نہ ہوئی۔ خدا سے دعائیں مانگیں تو بشارت ربّی کی طرف سے لڑکے اسمٰعیلؑ کا تولد ہوا۔ اب مقام غور ہے کہ اگر بوڑھی عمر میں کسی بے اولاد شخص کے ہاں بچہ تولد ہو تو اسے اُس سے کیسی شدید محبت ہو گی مگر کچھ عرصہ بعد آپ کو حکم ہوا کہ اس اکلوتے و چہیتے بچہ کو تم خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر دو۔ اگر کسی کا اکلوتا بچہ اس کی ضعیفی میں قضائے الٰہی سے وفات پا جائے تو اکثر وہ صبر کو کھو بیٹھتا ہے لیکن یہاں تو یہ حکم ہے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے ذبح کر دو۔ یہ آزمائش کس قدر عظیم و صبر آزما ہے۔ کوئی معمولی انسان تو ایسی بات کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا اور اپنی خواب کو اپنے ہاتھوں عملی جامہ پہنانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کی عظمت پر یہ آزمائش کامل دلیل ہے کہ آپ ہمہ تن تیار ہو جاتے ہیں کہ اپنے ہاتھ سے اپنے پیارے بیٹے کی گردن پر چُھری چلائیں اور بیٹا بھی ایسا عظیم انسان ثابت ہوا کہ خُدائی حکم کے سامنے وہ بھی سربسجُود ہو گیا۔ اس زمانہ میں انسانوں کی قربانیاں دینے کا رواج تھا جب اطاعت و فرمانبرداری کا یہ معجزانہ عزم باپ اور بیٹے کی طرف سے ہوا تو آسمان سے آواز آئی کہ یہ تو تمہاری آزمائش ہم نے کی تھی۔ تم دونوں اس میں کامل کامیاب نکلے۔

قربانی کا فریضہ اس وقت کے بعد انسان کے ذبیحہ کی بجائے ایک جانور کا ذبیحہ ادا کیا جانا منظور ہو۔ کیونکہ اصل مقصد تو انسان میں رضاء الٰہی کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ نہ کہ اس کی جان لینا۔ پس جب اطاعت پر کاربستگی ہو گئی تو یہی سبق جانور کے ذبح کرنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ تب سے حج کے مبارک موقعہ پر ایک جانور کو ذبح کرنا فرض قرار پایا مگر جائے غور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایسے عظیم ابتلاء میں کامیابی کی یادگار یہ مقرر ہوئی کہ ساری دُنیائے اسلام ہر سال لاکھوں جانوروں کی قربانی دیتی ہے۔ کیسی عظیم یادگار ہے یہ۔ جیسی عظیم قربانی باپ بیٹے نے دی ویسی یہ عالی و عالمگیر یادگار خدا تعالےٰ نے عطا فرما دی۔

قرآنِ کریم نے تو اس امر کی بھی بخوبی وضاحت کر دی کہ جانوروں کی قربانیاں یا ان کا خون بہایا جانا اور گوشت کی تقسیم قربانی کی حقیقت نہیں جیسے ارشاد ہوا "لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم"۔ بارگاہِ الٰہیہ میں نہ تو یہ خون اور نہ گوشت مقبول ہیں بلکہ اصل رُوح تو رضائے خداوندی کے حصول کے لئے اس کے احکامات کی اطاعت کا جذبہ ہے۔

بلکہ ہم تو تمہیں بھی ابتلاؤں و آزمائشوں میں ڈالا کریں گے جیسے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ ہوا۔ "ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ..... وبشر الصٰبرین": ہم تمہیں بھی مصائب سے آزمائیں گے۔ جو ان میں صبر کی قوت کو کام میں لا کر کامیاب ہوں گے وہی ہمارے نزدیک مقبول و معزز ہوں گے۔

حج کے ارکان اور اُن میں نہاں روحانی حقیقت

اِسی عظیم اصول کا ذکر اس آیت میں بھی کیا ہے: "فان مع العسر یسرًا ان مع العسر یسرا"۔ اگر آسانی و راحت چاہتے ہو تو پہلے دکھوں اور مصائب میں سے گزرنے کی خصلت پیدا کرو۔ یہاں اس اصول کو دو مرتبہ دوہرایا ہے اور مسلمانوں کے لئے سال میں دو موقع مسرت و خوشی کے آتے ہیں اور دونوں ہی دُکھ و مصائب میں سے گزرنے کے بعد۔ یہی تجربہ ہر اس انسان کا ہے جو کسی روحانی مقام تک پہنچا ہو۔ مقامات عالیہ کا حصول محنت و مشقت کا طالب ہے مصائب و ابتلاؤں کے آنے کے بغیر اور ان میں صبر و استقامت دکھلانے کے بغیر دوسروں کے لئے کوئی نمونہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ جہاں حج کے رکن ذبیحہ میں یہ عظیم سبق پنہاں ہے وہاں باقی تمام ارکان حج کے اندر بھی یہی رُوح کام کر رہی ہے۔

جب کوئی مسلمان حج کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادہ میں بھی ایک عظیم قربانی کا سبق ہے۔ علاوہ کثیر اخراجات و صعوبات حج برداشت کرنے کے ایک حاجی اپنے وطن و ملک اور

اعزہ و اقربا کو الوداع کہنا ہے۔ اکثر لوگ تو اس جدائی کے وقت چشم پُر آب ہو جاتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں کہ وہ واپس بھی لوٹیں گے یا نہیں؟

پھر احرام باندھنے کے وقت یہ سبق سکھلانا مقصود ہے کہ گویا موت واقع ہونے پر جس طرح دو اَن سلے کپڑوں میں انسان کفنایا جاتا ہے۔ اسی طرح احرام باندھنے پر تمام تعلق جو کپڑوں کے خلاف سے طبعاً دل میں پیدا ہوتی ہو وہ ختم ہو جائے۔

طواف کعبہ میں یہ عظیم سبق سکھلانا مقصود ہے کہ جس طرح حاجی خدا کے گھر کے گرد چکر لگاتا ہے جیسے گویا ایک عاشق اپنے محبوب کے گھر کے گرد گھومتا ہے اسی طرح وہ نہ صرف اپنے ملک و وطن اور قوم و اعزہ کو ترک کر دیتا ہے بلکہ وہ خدائی محبت میں صرف معبود حقیقی کی یاد و تڑپ میں بے قرار ہو گیا۔ اسی لئے کعبۃ اللہ میں سے لاکھوں افراد کی اللّٰھم لبیک اللّٰھم لبیک کی آوازوں سے مکہ مبارک کی وادی گونج اٹھتی ہے۔ اس کی نگاہ میں اور کوئی چیز ایسی پیاری و محبوب نہیں رہتی خواہ وہ بادشاہت ہو یا سیم و زر کے ڈھیر، خواہ کوئی بلند رتبہ ہو یا عظیم درجہ کا یہ تمام اشیاء خدا کی محبت اور اسکی رضا اور اس کی اطاعت کے مقابل ہیچ و لاشئے ہیں۔

یہ قیمتی یقین ہے کہ خدائی وعدے خطا نہیں جاتے۔ اگرچہ ظاہری ذرائع موجود نہ ہوں اور اسباب دنیا مفقود ہوں تب بھی غیب سے سامان پیدا کرنے پر خدا تعالےٰ کو کامل قدرت حاصل ہے چنانچہ یہی کچھ واقعات میں رونما ہوا۔

جائے غور ہے کہ خدا کے کامل بھروسہ پر جس بے آب و گیاہ مقام سنگلاخ ریگستان میں ایک عورت اور شیر خوار بچہ کو تنہا چھوڑ دیا گیا گویا صاف بھوک و موت کے منہ میں پھینک دیا گیا۔ ان کی یادگار میں لاکھوں افراد ہر سال ان مقامات پر حضرت ہاجرہ کی دوڑ کی یاد میں دوڑتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے خاندان کی تعلیم قربانی عالی مرتبت۔ یقین و ایمان کیا رنگ لایا! - کیسی عظیم یادگار قائم ہوئی!! رمی جمار اور ذبیحہ قربانی دونوں رکنوں میں یہ سبق دیا گیا کہ نفسانی وساوس اور حرص و طمع سے بچنا بلکہ ادنیٰ خواہشات و حیوانی جذبات کو ذبح کر کے مخلوق خدا کی بہبود و فلاح میں ہمہ تن غرق ہو جانا ہی ہماری اس زندگی کے اصل مقاصد و مدعا ہیں۔

انہی اسباق عالیہ کو قرآن کریم نے ایک مقام پر یوں ادا کیا ہے۔ "قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین۔ لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین" کہہ دو کہ میری عبادت اور قربانی اور جینا و مرنا سب کی تہ میں اصل غرض خدا کی خوشنودی و رضا ہے اس جذبہ محبت خداوندی میں اور کوئی دوسرا شریک نہیں حتیٰ کہ میرا اپنا نفس و ارادہ بھی اس میں شامل نہیں۔ مجھے یہی حکم ملا ہے اور میں اولین فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

حج میں لاکھوں افراد کا اجتماع

اور بے نظیر امن و سلامتی کا نظارہ

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس سال حج کے مبارک موقع پر بیس لاکھ افراد جمع ہوئے۔ یہ لوگ دنیا کے تمام ملکوں سے آئے تھے۔ مختلف زبانیں بولتے اور مختلف رنگ و نسل اور تہذیب سے وابستہ تھے۔ گویا ایک دوسرے سے ہر طرح اجنبی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور چھوٹی سی وادی مکہ معظمہ میں مقیم تھے پھر ان کی حفاظت کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں، مگر کیا مجال جو کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہونے پائے۔ حالانکہ نہ پولیس متعین ہے نہ کوئی فوج۔ نہ کوئی کسی کو گالی دیتا ہے نہ تلخی و درشتی سے پیش آتا ہے۔ یہ تمام نظارہ حیرت انگیز ہے۔ اور اس آیت شریفہ کی معجزانہ تفسیر ہے "ومن دخلہ کان امنا" جو اس گھر میں داخل ہو وہ امن میں آجائے گا۔ حج کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ "فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج" یعنی اس موقعہ پر نہ کوئی گالی ہو اور نہ کوئی فسق و فجور کی بات اور نہ ہی تنازع۔ لہٰذا ایسے عظیم انبوہ کے جمع ہو جانے پر ایسے معجزانہ امن و سلامتی کا مظاہرہ ایک حیرت کن اثر پیدا کرتا ہے کاش! مسلمانوں کو عموماً اور حج کرنے والوں کو خصوصاً یہ خیال دامنگیر ہو کہ ارکان حج میں جو اسباق مضمر ہیں وہ تمام نہ صرف اس موقع کیلئے ہیں بلکہ تمام زندگی کے لئے ہدایات مشعل راہ ہیں اگر ہم ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو دنیا میں مسلمان ایک بے نظیر امۃ اور رہنما و امام گروہ کا حق ادا کرنے والے ہوں۔

سعی بین الصفا والمروۃ

اور رمی جمار

حج کے رکن

طواف کعبہ کے بعد ایک اور عظیم رکن صفا اور مروۃ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا ہے۔ اس رکن کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں آیا ہے۔ "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ" صفا اور مروہ کی پہاڑیاں دو عظیم شعائر اللہ ہیں۔ ان کے درمیان سعی یا دوڑنا اس واقعہ کی یادگار میں ہے جب حضرت ہاجرہ اپنے شیر خوار بچے اسماعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں اس سنگلاخ و بے آب و گیاہ ریگستان میں بے تحاشہ دوڑ رہی تھیں۔

جب حضرت ابراہیمؑ خدائی فرمان کے ماتحت حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو اکیلے چھوڑ کر چلے گئے تھے تو اس وقت حضرت ہاجرہ کے دریافت کرنے پر کہ آپ ہمیں کس کے بھروسہ پر یہاں ریگستان میں چھوڑ کر جا رہے ہیں حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا تھا کہ میں خدا کے بھروسہ اور وعدہ پر آپ کو تنہا چھوڑ رہا ہوں۔ یہ کیا عالی ایمان اور خارق عادت توکل تھا۔ ایک عورت ذات اور اس کا شیر خوار بچہ! نہ کوئی بشر ہے نہ گھر۔ نہ کوئی پانی ہے اور نہ زاد راہ! مگر دل میں

تبلیغی کلاس کیلئے احمدی نوجوان طلباء کی خدمات کی ضرورت

انجمن نے تجویز کیا ہے کہ ادارہ تعلیم القرآن کے زیر نگرانی تبلیغی کلاس شروع کی جائے جن کیلئے مندرجہ ذیل کوائف کے حامل خاندانی احمدی نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں۔

۱: تعلیم ، کم از کم ایف اے۔ عربی۔ اسلامیات اور اسلامی تاریخ میں تعلیم والوں کو ترجیح دی جائے گی یا فاضل عربی اور فاضل فارسی کی سند کے حامل طلباء کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

قبل ازیں دو طلباء انڈونیشیا سے مرکز میں آکر فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن میں تبلیغ اسلام کے مبارک کام میں کماحقہ مصروف ہیں۔ اسی طرح اب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے حالیہ دورہ سرینام سے واپسی پر وہاں سے طلباء کو دینی تعلیم کی غرض سے مرکز میں لانے کے لئے کوشاں ہیں۔

طلباء کو درج ذیل سہولتیں حاصل ہوں گی۔

۱:- دوران تعلیم خورد و نوش اور رہائش کا انتظام مرکزی انجمن کے ذمہ ہوگا۔ علاوہ ازیں یکصد روپیہ ماہوار بطور وظیفہ دیا جائیگا۔

۲:- فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کو انجمن بطور اپنے کارکن مبلغ بیرون یا اندرون پاکستان مقرر کریگی جن کے گریڈ گورنمنٹ پے سکیل کے مطابق حسب قابلیت و لیاقت مقرر کئے جائیں گے۔

سعد اختر۔ جوائنٹ سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

آہ! خواجہ محمد عبداللہ مرحوم

جناب فخر الدین احمد صاحب، راولپنڈی

فروغِ شمعِ محفل تو رہے گا صبحِ محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے۔

خواجہ محمد عبداللہ کے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ آپ ۱۹۱۶ء سے راولپنڈی میں مقیم تھے۔ آبائی وطن سیالکوٹ تھا ۱۸۹۹ء کی ۱۸ ؍جنوری کو تھانہ سبھلورہ کے ایک گاؤں ڈھوکی میں پیدا ہوئے۔ ہنوز تعلیم کا آغاز نہیں کیا تھا کہ والد بزرگوار کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ آپ کے عم نے خواجہ صاحب اور ان کی دو بہنوں کو اپنی سرپرستی اور کفالت میں لے لیا۔ ان بزرگ کا انتقال راولپنڈی میں ہی ہوا۔ اور خواجہ صاحب نے ان کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ عم مرحوم کی باپ کی طرح عزت و احترام کرتے اور وہ بھی خواجہ صاحب کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ خواجہ نظام الدین (عم خواجہ صاحب) نے حضرت اقدس کی بیعت ۱۹۰۴ء میں بمقام سیالکوٹ کی تھی اور مرتے دم تک حضرت اقدسؑ کے کفش برداروں میں سے رہے۔ سلسلہ میں اختلاف رونما ہوا تو وہ احباب قادیان سے وابستہ ہو گئے۔

خواجہ محمد عبداللہ صاحب مرحوم کا تعلق جماعت لاہور سے ہو گیا۔ تو ان کے عم نے کسی خفگی یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا نہ ہی کبھی خواجہ صاحب مرحوم کو جماعت قادیان میں شامل ہونے پر مجبور کیا۔ اور ان سے دینی تعلقات محبت اور شفقت قائم رکھے۔

خواجہ محمد عبداللہ صاحب کے والد بزرگوار کا نام خواجہ غلام محمد تھا۔ ان کی وفات تک اس کنبے کے کسی فرد کو امام الزماں کی منادی سنائی نہیں دی تھی۔ ڈھوکی ایک دور افتادہ گاؤں تھا۔ البتہ جب حضرت اقدسؑ ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ تشریف لائے اور سرائے مہاراجہ میں لیکچر دیا تو خواجہ صاحب کے عم بھی کشاں کشاں اس چشمہ رواں تک پہنچے اور سیراب ہو کر واپس لوٹے۔ شمع سے شمع جلتی ہے۔ آج خواجہ نظام الدین مرحوم کے سارے بیٹے اور بیٹیاں حضرت امام الزماں کے خدام میں شامل ہیں۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب کے والد ماجد کا انتقال ۱۹۰۴ء سے پہلے ہی ہو گیا تھا ورنہ وہ بھی اس چشمہ رواں سے ضرور فیض یاب ہوتے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے اور صاحبزادیوں نے اس سعادت کو پایا اور اسے سینے سے لگائے رکھا۔ خواجہ غلام محمد کے سایہ شفقت اور پدری محبت سے خواجہ محمد عبداللہ صاحب محروم ہوئے تو مولا کریم نے ایک دوسرے غلام محمد کے دل میں آپ کیلئے محبت اور شفقت ڈال دی یہ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی ماسٹر غلام محمد بی۔اے سیالکوٹی تھے۔ حضرتؑ کی تحریروں میں آپ کا ذکر آتا ہے۔ ماسٹر غلام محمد صاحب اسلامیہ سکول میں ہیڈ ماسٹر رہ چکے تھے۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب مشن سکول میں پڑھتے تھے اور ماسٹر صاحب کے زیر اثر تھے۔ ان کی صحبت اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے سلسلہ میں شمولیت اختیار کی۔ جب ۱۹۱۶ء میں آپ نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا تو تلاش روزگار کرنے لگے۔ ان دنوں محکمہ ڈاک و تار میں عملے کے لئے بھرتی ہو رہی تھی۔ خواجہ صاحب بھی درخواست دینے جا رہے تھے کہ ماسٹر غلام محمد صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کا کیا ارادہ ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ راولپنڈی میں ملازمت کرنا چاہیں تو میں آپ کو اسلامیہ ہائی سکول میں مدرس کی اسامی دلوا سکتا ہوں۔ ماسٹر صاحب ان دنوں انجمن اسلامیہ کے ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے آمادگی ظاہر کی تو ماسٹر صاحب نے فرمایا میں کل راولپنڈی جا رہا ہوں آپ بھی اپنا ضروری سامان اور بستر لے آئیں اور میرے ہمراہ راولپنڈی چلیں۔ یہ ستمبر ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔ راولپنڈی پہنچے تو خواجہ صاحب کو سکول میں ملازمت مل گئی اور بورڈنگ ہاؤس میں قیام و طعام کا بندوبست ہو گیا۔ ہیڈ ماسٹر کی صحبت اور مجلس نے جہاں خواجہ عبداللہ صاحب پر احمدیت کا رنگ چڑھایا وہاں ہیڈ ماسٹر صاحب کے اخلاق و عادات نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ ہیڈ ماسٹر میں قوم کی خدمت کا ایک خصوصی جذبہ اور لگن تھی۔ جتنا عرصہ وہ راولپنڈی میں ہیڈ ماسٹر رہے برائے نام گزارہ لیتے رہے اور گریڈ کی منظور شدہ تنخواہ کا باقی حصہ سکول کے امدادی فنڈ میں دے دیتے۔ اسلامیہ ہائی سکول کو وجود میں آئے کم و بیش ایک صدی ہونے کو آئی ہے۔ مگر اس درس گاہ کو ماسٹر غلام محمد جیسا منتظم با اصول اور نامور ہیڈ ماسٹر میسر نہیں آیا۔ وہ اپنی محنت اور دلسوزی سے طلباء کے والدین میں احترام اور عقیدت سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے دور میں یہ سکول صف اول کی درس گاہ شمار ہوتی تھی۔ اس کا نظم و ضبط، تعلیمی معیار اور صحت مندانہ ماحول اپنی مثال آپ تھا۔

ماسٹر غلام محمد صاحب کو یہ کامیابی خواجہ محمد عبداللہ اور دوسرے احمدی مدرسین کے تعاون اور امداد سے حاصل ہوئی ماسٹر غلام محمد صاحب ۱۹۲۴ء کے قریب قریب واپس سیالکوٹ چلے گئے مگر ان کا خلوص۔ ان کی لگن اور قومی خدمت کا جذبہ ابھی تک قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور لوگ انہیں احترام سے یاد کرتے ہیں۔

ماسٹر صاحب تو سیالکوٹ چلے گئے مگر اس شہر اور اس درس گاہ میں جو پودا وہ خواجہ محمد عبداللہ کی شکل میں لگا گئے تھے وہ بڑھا، پھلا اور پھولا۔ اس کے زیر تربیت ہزار ہا طلبہ زیور تعلیم سے آراستہ ہوئے۔ ان کی سچی اور دلآویز خوشبو سے یہ علاقہ آج تک مہک رہا ہے۔ استادوں کی زجر و توبیخ کی وجہ سے بہت کم تلامذہ ان کو یاد رکھتے ہیں۔ مگر ماسٹر غلام محمد صاحب کی تربیت نے خواجہ محمد عبداللہ صاحب کو ایک مشفق اور ہمدرد باپ کا روپ عطا کیا تھا۔ آپ نے پچاس سال تک درس و تدریس کا فریضہ ادا کیا۔ مگر نوجوانوں اور بڑوں میں جوان کے حلقہ تلامذہ میں اضافہ کرتے رہے۔ ہر ایک شاگرد ان کا دل سے احترام کرتا تھا اور ادب اور نیازمندی سے ان سے ملتا تھا۔

بہت کم ایسے اساتذہ ہوں گے جنہوں نے اتنی طویل اور مسلسل خدمات سرانجام دی ہوں۔ جب خواجہ صاحب ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچ گئے تو سکول کی انتظامیہ نے انہیں RE-EMPLOY کر لیا۔ بفضل تعالیٰ خواجہ صاحب اس عمر میں بھی صحت مند چاق و چوبند تھے۔ چاہتے تھے کہ باقی ماندہ عمر تمام تر خدمت دین میں صرف کریں مگر سکول کی انتظامیہ کے پیہم اصرار پر سکول سے منسلک رہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحبان ان پر کلی اعتماد کرتے تھے اور سکول کے نظم و نسق چلانے میں ان سے بھرپور تعاون اور امداد کے امیدوار۔ خواجہ صاحب نے بھی بڑی لگن اور محنت شاقہ سے ان ذمہ داریوں کو نبھایا جو اس سکول کے سربراہ اور انجمن اسلامیہ آپ پر ڈالتی رہتی تھی۔ وہ ایک پاکباز اور دیانت دار کارکن تھے۔ مرحوم اپنے تلامذہ اور رفقائے کار میں ہی مقبول نہ

تھے ۔ بلکہ محکمہ تعلیم کے حکام اور روسائے شہر بھی آپ کو عزت واحترام سے دیکھتے تھے ۔

مدرسے یا اس کے اساتذہ کا کوئی مسئلہ ہوتا کوئی عقدہ لاینحل ہوتا تو خواجہ صاحب کا ناخن تدبیر اسے حل کر دیتا ۔ آپ کی مقبولیت کا دائرہ صرف اپنے سکول یا جماعت اسلامین تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آریہ سماجی ۔ عیسائی سیناتن دھرمی اور عالمہ مدارس اور اس کے اساتذہ میں بھی خواجہ صاحب اسی احترام اور عزت سے دیکھے جاتے تھے ۔ جس طرح اپنے مدرسہ اور طلبا اساتذہ میں ۔

ملازمت کے دوران خواجہ صاحب بورڈنگ ہاؤس کے سپرنٹنڈنٹ بھی رہے ۔ دفتری امور کے سلسلے میں بھی آپ کو ادھر ادھر جانا ہوتا تھا مگر آپ نے اخراجات میں کمال حزم واحتیاط مدنظر رکھی ۔ جہاں تک ممکن ہوا پیدل ہی آتے جاتے رہے ۔ اگر سواری کی ضرورت پڑتی تو ٹیکسی کی بجائے تانگہ یا بس میں سفر کرتے تاکہ خرچ کم سے کم ہو اور درس گاہ کے فنڈ پر ناجائز بوجھ نہ پڑے ۔

اپنے شاگردوں سے بڑی خوش خلقی اور محبت سے پیش آتے ۔ جب میں پرائمری پاس کر کے پہلی مرتبہ ان کے درس میں شریک ہوا تو اس دن آپ نے ہمیں جو تلقین کی وہ مجھے آج تک یاد ہے ۔ آپ نے فرمایا عربی مسلمانوں کی زبان ہے اسے سیکھنے کی کوشش کرو اور جب رات کو سونے کے لئے بستر پر جاؤ تو اپنے بے خواب کواڑوں کو بند کرنے سے پہلے جھانک کر دیکھ لیا کرو کہ آج تم نے کتنے نیک کام کئے ہیں ۔ اور کتنے برے ۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ نیک کام بڑھتے چلیں اور برے کام کم سے کم ہوتے جائیں ۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیشہ یہ شعر سنایا ۔

ہے خوش وہ قوم مستقبل ہو جس کا شاندار
کل سے بہتر آج ہو اور آج سے بہتر ہو کل

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہوں ۔ خواجہ صاحب مرحوم ۱۹۰۶ء میں راولپنڈی آنے سے قبل حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت میں داخل ہو چکے تھے ۔ راولپنڈی پہنچ کر ماسٹر غلام محمد صاحب حکیم شاہنواز خاں مرحوم اور ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم کی محبت ، محافل و مجالس نے آپ میں موجود مادہ رشد و ہدایت کو جلا دی خواجہ صاحب کو اختلافی مسائل میں گفتگو کرنے کا ایک خاص ملکہ حاصل تھا ۔ بحث کرتے وقت بڑی متانت اور تحمل سے گفتگو کرتے ۔ جوش میں ہرگز نہیں آتے تھے ۔ مخالف کی بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے ناحق ضد اور ہٹ دھرمی نہ کرتے ۔ سکول سے فارغ ہوتے تو دینی مشاغل میں منہمک ہو جاتے ۔ علمی مجالس میں ضرور شریک ہوتے ۔ اختلاف عقیدہ اپنی جگہ وہ ذاتی تعلقات کو ان سے اثر انداز نہیں ہونے دیتے تھے ۔ احباب قادیان سے ان کے گہرے مراسم تھے وہ ان سے بحث اور مناظرہ بھی کرتے مگر ان سے خلوص اور محبت سے ملتے تھے ۔ مباحثہ راولپنڈی جس میں جماعت قادیان اور جماعت لاہور کے چوٹی کے علماء نے حصہ لیا اور جو مباحثہ سات دن تک جاری رہا خواجہ صاحب مرحوم کی تحریک پر ہوا تھا ۔ اور انہوں نے اس مباحثہ کے انتظام و انعقاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر خواجہ صاحب مرحوم ۔ شیخ غلام حسین صدیقی مرحوم ۔ شیخ قمر الدین جہلمی مرحوم اور شیخ مولا بخش لائبریری مرحوم میر مدثر شاہ پشاوری ساری ساری رات اختلافی مسائل مسئلہ تکفیر اور ختم نبوت کے بارے میں اپنے سال بھر کے مطالعہ تحقیق اور تدقیق کے نتائج اور ثمرات بکھیر دیتے دور دور کی جماعتوں سے آئے ہوئے احباب ان علم دوست اصحاب کے افکار سے بہرہ ور ہوتے ۔ خواجہ صاحب مرحوم ان عناصر خمسہ کی یادگار تھے ۔ مدت ہوئی یہ محفل سونی ہو چلی تھی صرف خواجہ مرحوم کا دم غنیمت تھا مگر ان کی رحلت سے یہ بساط بھی الٹ گئی ۔

تھی تمہارے ہی دم سے یہ بزم طرب جو تم اٹھ کر گئے ہوا کیا غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اٹھائے گا کیا کہ جو رونق بزم تمہیں نہ رہے

دینی مسائل پر عبور کے علاوہ خواجہ صاحب مرحوم کو قدرت نے جرأت مومنانہ سے بھی نوازا تھا ۔ ۱۹۳۵ء کے قریب کی بات ہے احرار کے ایک کارکن لال حسین اختر راولپنڈی آئے ان لوگوں کو اسٹیج سجانا ہوتا تو حضرت امام الزمانؑ پر الزام تراشی کر کے جاہلوں کو بھڑکاتے اور اپنا الو سیدھا کر کے چلے جاتے اختر صاحب کی تقریر کے لئے بھی محلہ امام باڑہ قدیم میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا ۔ بعد نماز عشاء جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی ۔ اختر صاحب تقریر کرنے آئے تو یہ دعوے کیا کہ حضرات میں جو کچھ بھی بیان کروں گا حضرت مرزا صاحب کی تحریروں سے بیان کروں گا ۔ جس سامع کو شک ہو مجھ سے بر سر مجلس حوالہ مانگ سکتا ہے ۔ یہ تو ایک دھوکہ تھا ۔ عوام میں کتنے آدمی تھے جنہوں نے حضرت اقدسؑ کی کتابوں کو پڑھا تھا یا ان کے مریدوں سے حضرت کے دعاوی کے بارے میں کچھ سنا تھا ۔ خواجہ عبداللہ صاحب مرحوم کو حضرت صاحب کی بہت سی کتابوں کے حوالے ازبر تھے ۔ بلامبالغہ آپ بلا کے ذہین تھے ۔ جوش خطابت میں اختر صاحب نے حضرت صاحب کی طرف ایک عبارت منسوب کر کے کہا کہ یہ عبارت آئینہ کمالات اسلام کی ہے ۔ خواجہ عبداللہ صاحب ۔ ان کے عم زاد بھائی خواجہ عنایت اللہ جلسہ میں موجود تھے ۔ مجمع مقرر کی تہمت تراشی سے مشتعل تھا ۔ خواجہ صاحبان کے پاس ہی ان کے ایک غیر از جماعت دوست بیٹھے تھے خواجہ عبداللہ صاحب نے اختر صاحب سے حوالہ طلب کرنے کے لئے اٹھنا چاہا مگر اس غیر احمدی دوست نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ شرارت کا اندیشہ ہے آپ کو روکنا چاہا مگر یہ مرد خدا اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا مولوی صاحب حوالہ بتلائیے ۔ مولوی صاحب تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ یہ تیشہ سونا پڑا ہے ۔ جس طرح چاہے غلط سلط کہہ دو مگر خواجہ صاحب مرحوم کے چیلنج نے اختر صاحب کی حالت ابتر کر دی وہ لگے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے اور ورق گردانی کرنے لگے ۔ مگر عبارت ہو تو کہیں نظر پڑے ۔ ان کی سراسیمگی سے یار لوگ سمجھ گئے کہ کیا معاملہ ہے ۔ اسی عالم میں خفت کو مٹانے کے لئے ایک عدو اللہ کھڑے ہو کر پکارنے لگے کہ " اے راولپنڈی کے مسلمانو ! یہ تمہاری غیرت کو چیلنج ہے کہ ایک اسلامیہ سکول کا احمدی استاد تمہارے مولوی پر یوں برسر عام اعتراض کرتا ہے " ۔ اس افراتفری میں جلسہ کیا ہونا تھا مشتعل مجمع کو دیکھ کر خواجہ برادران کو ان کے احباب نے اپنی حفاظت میں گھر پر پہنچا دیا ۔ یہ معاملہ یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتا ۔ مولویوں نے انجمن اسلامیہ سے واویلا مچایا کہ احمدی اساتذہ کو اسلامیہ سکول کی ملازمت سے الگ کر دیا جائے ۔ اسکول کے مینجر نے دانشمندی سے کام لیا اور خواجہ صاحب سے جواب طلبی کی انہوں نے جرأت مندانہ جواب دیا ۔ معاملہ کمیٹی میں پیش ہوا ۔ مطالبہ تو آپ کی برطرفی کا تھا ۔ مگر جب ارکین کمیٹی نے آپ کا جواب پڑھا تو آپ کو بری الذمہ قرار دے دیا گیا ۔ سکول کے مینجر نے کہا کہ سکول کے ہر استاد کو حق ہے کہ اپنے عقائد پر کاربند رہے اور جہاں کہیں بھی کوئی غلط بیانی یا تہمت تراشی کرے اس کی صفائی اور تدارک کے لئے مناسب طریقہ اختیار کرے ۔

حضرت امیر مرحوم کو جب ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے خود خواجہ صاحب کو لکھا کہ مجھے ان واقعات کا سن کر بڑا صدمہ ہوا ہے ۔ اللہ تعالے آپ کی حفاظت فرمائے ۔ اور آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائے ۔ آپ چاہیں تو انجمن آپ کو لاہور یا بدوملہی جہاں آپ پسند کریں اسی مشاہرہ اور مراعات کے ساتھ اسکول میں جگہ دینے کو تیار ہے ۔

مگر واہ رے اولوالعزم خواجہ عبداللہ حضرت امیر مرحوم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس پیشکش کو قبول نہ کیا ۔ ہاں استقامت کے لئے دعا کی درخواست کی ۔

خواجہ صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہوں نے زندگی بھر نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کی ۔ سردی ہو گرمی ہو ۔ جاڑا ہو برسات ہو وہ نماز جمعہ کے لئے باقاعدگی سے آتے دوسری خصوصیت جلسہ سالانہ پر حاضری تھی ۔ جب تک آپ چلنے پھرنے کے قابل رہے جلسہ سالانہ میں ضرور شرکت کی ۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ لاہور کا جلسہ ختم ہوا تو قادیان کے جلسے میں شرکت کے لئے چل پڑے ۔ لاہور میں قیام کے دوران جیسا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ۔ راتوں کو اختلافی مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی ۔ قادیان میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا گو خلافت کی کتنی کڑی نگرانی کیوں نہ ہو ۔

یہی نہیں کہ خواجہ صاحب مرحوم علمی مباحثوں سے دلچسپی رکھتے تھے ۔ آپ مقامی جماعت اور سلسلہ کے امور میں بھی گہری دلچسپی لیتے تھے ۔ آپ متعدد بار مقامی جماعت کے سیکرٹری نائب صدر اور صدر چنے گئے اور گراں قدر خدمات سرانجام دیں ۔ مسجد مبارک کی تعمیر میں جن بزرگوں کا نام تاریخ میں محفوظ

ہے۔ ان میں خواجہ صاحب مرحوم بھی شامل ہیں۔ قریب الیس سال تک آپ مجلس معتمدین میں جماعت راولپنڈی کے نمائندے رہے۔ آپ ایک صائب الرائے۔ صلح پسند اور رگوں کا احترام کرنے والے احمدی تھے۔ ایثار۔ اخلاص اور خلاق میں آپ کی نمایاں حیثیت رہی۔ موتیا بند اترنے کی بہ سے آپ کو شہر کی مصروف سڑکوں پر آنے جانے میں واری پیش آنے لگی تھی۔ مگر دوستوں کے دکھ سکھ میں برابر یک ہوتے رہے۔ جماعت اور غیر از جماعت لوگوں میں شاذ کوئی ایسا فرد ہو جو خواجہ مرحوم کی شکایت کے لئے لب کھولے رنہ ان کی وفات پر ان کے احباب، رفقائے کار۔ خدام رشاگردوں میں سے جو کوئی بھی آیا بچشم اشکبار آیا۔ اور ان ے احسانات کا ذکر کرنے والا آیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس نت کے بارے میں چار آدمی شہادت دے دیں کہ وہ بھلا آدمی ما تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ خواجہ مرحوم نت الفردوس میں مقیم ہیں۔ مگر ان کی وفات سے جماعت میں خلا پیدا ہوا ہے اس کو کون پُر کرے گا ؟

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: خیرکم خیرکم لاھلہ۔ خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی کے ں پہلو پر بھی کچھ روشنی ڈالنی ضروری ہے۔ آپ کے والد رگوار کا سایۂ شفقت تو آپ کے سر سے اس وقت اٹھ گیا ب آپ عہدِ طفلی میں تھے البتہ آپ کی والدہ محترمہ کی دعاؤں ے آپ کا بڑی عمر تک ساتھ دیا۔ والدہ محترمہ سے آپ کو ی محبت تھی۔ موسم گرما کی تعطیلات ہوتیں تو راتوں رات سیفر کے گاؤں پہنچنے اور پہلی چھٹی کو والدہ کے قدموں میں جا پڑتے م سرما کی تعطیلات ہوتیں تو بھی پہلے والدہ محترمہ کی قدم بوسی تے اور پھر جلسہ سالانہ میں شرکت کرتے۔ جلسہ سالانہ سے فت پاتے تو پھر والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اجہ صاحب مرحوم کے اخلاق و اطوار سے اندازہ کیا جا سکتا ہے وہ کس عظیم ماں کی آغوش میں پلتے رہے۔ خواجہ صاحب کی لی شادی ملازمت کے جلد ہی بعد ہو گئی تھی۔ آپ کی ازدواجی ی بڑی پرسکون تھی اور آپ نے حسن معاشرت کا بڑا عمدہ نمونہ کیا۔ تقریباً بیس سال کی ازدواجی زندگی میں خواجہ صاحب م کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اولاد کی خواہش کس کو یں ہوتی۔ نبی۔ ولی بھی اس نعمت سے جو یار ہے۔ بعض لوگوں دیکھا ہے کہ وہ دوسری شادی کر بیٹھے ہیں۔ مگر خواجہ صاحب دم نے اپنی پہلی بیوی کی وفا اور خلوص سے متاثر ہو کر دوسری دی کا خیال تک نہ کیا۔ البتہ جب انہوں نے وفات پائی تو رہ محترمہ کے اصرار اور ان کی رضا کی خاطر شادی کر لی۔ اس ی سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا ا۔ پہلے دو لڑکے شیر خوارگی میں ہی داغ مفارقت دے گئے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں موجود ہیں۔

ماں کی دعا کا اثر

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خواجہ صاحب کی والدہ محترمہ نے اپنے بیٹے کے حق میں جو دعائیں کی تھیں ان کی قبولیت اپنے جیتے جی دیکھ لی۔ انہیں اس بات کا خیال تھا کہ میرا اکلوتا بیٹا ابھی تک اکیلا ہی ہے۔ خداوند کریم نے اس ضعیفہ کی دعائیں سن لیں اور خواجہ صاحب کا نہالِ آرزو پھل لایا۔

خواجہ صاحب مرحوم کی بڑی بہن جوانی میں ہی بیوہ ہو گئیں ان کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان کی پرورش بھی خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے ذمے لے لی۔ جب آزادیٔ وطن سے کچھ عرصہ قبل اس بہن نے انتقال کیا تو آپ ان کے بچوں کو راولپنڈی لے آئے۔ اس وقت تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان یتامیٰ کو انہوں نے بچوں کی طرح محبت اور شفقت سے پالا۔ بھانجے کو بی۔ اے تک تعلیم دلوائی اور بھانجیوں کی شادی اپنی بیٹیوں کی طرح کی۔ بھانجا اب برسر روزگار ہے اور ممتاز عہدے پر ہے۔ اُسے بھی مولا کریم نے اولاد عطا فرمائی ہے آج سے بہت عرصہ پہلے اس عزیز نے غیر ملک جا کر ملازمت کا خیال ظاہر کیا۔ خواجہ صاحب مرحوم نے اس کی دلجوئی کے لئے حامی بھر لی۔ پاسپورٹ تیار ہو گیا۔ ویزا بھی آ گیا۔ اب ٹکٹ خرید کر روانہ ہونا تھا۔ ویسے سامان سفر تیار تھا۔ خواجہ مرحوم اپنے بھانجے کو ایک ایسے دوست کے پاس لے گئے جو انگلستان میں ایک مدت تک ملازمت کر کے وطن واپس آئے تھے۔ غرض یہ تھی کہ ان کے تجربہ سے عزیز مستفید ہو گا ہاں جا کر خواجہ صاحب کا دل بے قابو ہو گیا اور اس بھانجے جو انہیں بیٹے کی طرح عزیز تھا کی مفارقت کے تصور نے ان کو مضطرب کر دیا۔ اور وہ بچشم تر اپنے دوست سے ملتجی ہوئے کہ انہیں باہر جانے کا ارادہ ترک کرنے کا مشورہ دو۔ اس دوست نے سمجھایا کہ خواجہ صاحب۔ ان کا باہر جانا ان کے لئے بہتر ہے اور کشائش روزگار کا ذریعہ۔ یہ چلے گئے تو دوسرے افراد بھی وہاں جا کر روزی کے بہتر مواقع حاصل کریں گے۔ مگر خواجہ صاحب کی شفقت پدری اس جدائی کی تاب نہ لا سکی اور ان کے فرمانبردار اور سعید بھانجے نے از خود ترک وطن کا ارادہ ترک کر دیا۔ مرحوم کی چھوٹی بہن حیات ہیں۔ مگر عرصہ سے بیمار چلی آتی ہیں۔

خواجہ صاحب کے چار عم زاد بھائی حیات ہیں۔ خواجہ نصیر اللہ ان کے پاس ہی رہتے ہیں۔ انہوں نے علالت کے دوران خواجہ صاحب کی بیٹے کی طرح خدمت کی۔ ان کے اہل و عیال بھی شب و روز ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری میں کمربستہ رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ مرحوم کے باقی عم زاد جماعت قادیان سے وابستہ ہیں مگر واہ رے خواجہ مرحوم صلہ رحمی کا کیا حق ادا کیا۔ ان کے ساتھ بھی محبت اور شفقت سے پیش آتے رہے۔ ان سے اور ان کی اولاد سے اپنے بچوں کی طرح سلوک کیا۔ ان بھائیوں سے اگر کوئی امر ناگوار طبیعت گذرا تو درگذر سے کام لیا۔ چھوٹے بھائی ناراض ہوئے تو ان کو راضی کر لیا۔ عجیب صلح جو مجاہد تھا۔ خواجہ صاحب مرحوم کی وفات سے تقریباً دو ماہ قبل ان کی بھاوج کا انتقال ہوا ان کی میت کے سرہانے کھڑے ہو کر زار و قطار روتے تھے کہ کل ہی تو میں تجھے بھاوج بنا کر لایا تھا۔ آج تو مجھے سوگوار چھوڑ کر کہاں چلی گئی۔ قدرت نے آپ کو ایک رقیق قلب اور شفیق طبیعت عطا کی تھی۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہم نشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تیری یاد ہے جو رفیق ہے دلِ زار ہے

ایک ضروری اعلان

ادارہ پیغام صلح حضرت علامہ شیخ عبدالرحمان مصری مرحوم کے حالات زندگی پر مشتمل ایک خاص نمبر شائع کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کے اعزہ اور احباب سے درخواست ہے کہ وہ مرحوم کی طویل دینی خدمات پر مضامین رقم فرما کر جلد از جلد ارسال فرما دیں۔ تاکہ یہ نمبر شائع کیا جا سکے۔

(ادارہ)

اللہ تعالیٰ کے محبوّں کی علامات

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے کرے پاک آپ کو تب اُسکو پاوے

یہ تو ہر ایک قوم کا دعوےٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں ایسے ہیں کہ خدا تعالےٰ سے محبت رکھتے ہیں مگر ثبوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالےٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے یا نہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی محبت یہ ہے کہ پہلے ان کے دلوں پر سے پردہ اُٹھا دے۔ جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالےٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا اور ایک دھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اس کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ پردہ اُٹھایا جانا بجز مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کے اور کسی صورت سے میسر نہیں آ سکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اس دن غوطہ مارتا ہے جس دن خدا اس کو مخاطب کر کے انا الموجود کی بشارت اس کو دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت اس کے خیالی ڈھکوسلے یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ خدا تعالےٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو دیکھتا ہے۔ اور سچ اور بالکل سچ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ پر کامل ایمان اسی دن انسان کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ [illegible] جلشانہٗ اپنے وجود سے خبر دیتا ہے۔ اور پھر دوسری علامت خدا تعالےٰ کی محبت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں دیتا بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر ان پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح پر کہ ان کی دعائیں جو ظاہری اُمیدوں سے زیادہ ہوں قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دے دیتا ہے۔ تب ان کے دل تسلی پکڑ جاتے ہیں کہ یہ ہمارا قادر خدا ہے جو ہماری دعائیں سنتا اور ہم کو اطلاع دیتا ہے اور مشکلات سے ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اسی روز سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ آ جاتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے وجود کا پتہ لگتا ہے اگرچہ جگانے اور متنبہ کرنے کے لئے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچی خواب آ سکتی ہے۔ مگر یہ طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اور ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کا مکالمہ ہے جو خاص مقرّبوں سے ہی ہوتا ہے۔ اور جب مقرب انسان دعا کرتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ اپنی خدائی کے جلال کے ساتھ اس پر اپنی تجلی فرماتا ہے۔ اور اپنی روح اس پر نازل فرماتا ہے۔ اور اپنی محبت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اس کو قبول کی بشارت دیتا ہے۔ اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوع میں آیا ہے۔ اس کو نبی یا محدث کہتے ہیں۔ اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ اس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے ہیں جو محدث کے مرتبہ تک پہنچ جائیں۔ جن سے خدا تعالےٰ آمنے سامنے کلام کرے۔ اور اسلام کی حقیقت اور حقانیت کی اوّل نشانی یہی ہے۔ کہ اس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالےٰ ہم کلام ہو پیدا ہوتے ہیں تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا۔ سو یہی معیار حقیقی سچے اور زندہ اور مقبول مذہب کی ہے۔ (حجۃ الاسلام ص۲)

میری ماموریت کی غرض وغایت } وہ کام جس کیلئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے۔ اس کو دُور کر کے محبت اور اخلاق کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں۔۔۔۔

۔۔۔۔ اور دینی سچائیاں جو دُنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں ان کو ظاہر کروں۔ اور وہ رُوحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے۔ اس کا نمونہ دکھاؤں۔ اور خدا کی طاقتیں جو انسان کے اندر داخل ہو کر توجہ یا دعا کے ذریعہ سے نمودار ہوتی ہیں حال کے ذریعہ سے نہ صرف قال کے ذریعہ سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے جو اب نابود ہو چکی ہے اس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودہ لگا دوں۔ اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہوگا بلکہ خدا کی طاقت سے ہوگا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔

دنیا قیامت تک مجددوں کی محتاج ہے

اور مجدد چاہتا ہے کہ انسان میں ایک تبدیلی ہو، نیا دل ہو، نئی رُوح ہو۔

یہ حدیث کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد تجدید دین کے لئے آتا ہے مخالفوں کے نزدیک کیسی ہی ہو مگر ہم کہتے ہیں کہ جب قانون قدرت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ تو پھر اس سے انکار کے کیا معنے؟ ہر چیز تجدید کی محتاج ہے۔ پس نئی صدی بھی حق رکھتی ہے کہ نئے اہل دل پیدا کرے جو حکمت اور صداقت کی تخم ریزی کریں۔ بعد ما اھلکنا القرون الاولیٰ۔ تجدید ہی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جیسا گذشتہ زمانہ میں مجددوں کی ضرورت تھی۔ دنیا قیامت تک اسی طرح مجددوں کی محتاج ہے۔ انبیاء علیہم السلام مجدد ہوتے تھے اور مجدد کثرت سے آتے تھے۔ مگر یہ ضروری امر ہے کہ تجدید سے مراد صرف چند کلمے کہنے والوں کی جماعت نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا تو جلال چاہتا ہے۔ پس مجدد چاہتا ہے کہ انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہو۔ نیا دل ہو، نئی رُوح ہو۔ اس لئے میری ہمیشہ آرزو ہے کہ ہماری جماعت ایسی ہی ہو کہ خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے اپنے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریں۔ کہ گویا وہ ایک نئی دُنیا کے انسان ہوں۔ اور جب جماعت اس حالت پر پہنچے گی تو پھر فوق العادت ترقی ہوگی۔ پس ہر ایک تم میں سے نیا انسان بننے کی کوشش کرے۔ کیونکہ تم نے ایک مجدد کو قبول کیا ہے۔

پس یاد رکھو کہ مخالفوں پر غالب آنے کے واسطے تقویٰ ضروری ہے۔ اور اس کے لئے اس زمانہ میں بہتر طریق یہی ہے کہ ہمارے پاس رہیں۔ سب سے پہلے مولوی نورالدین صاحب نے اس راز کو سمجھا ہے۔ اور وہ محض خدا کی رضا مندی کے واسطے اور دین کو حاصل کرنے کے واسطے یہاں آ کر جنگل میں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے بہت بڑی قربانی کی ہے۔ اپنی جائدادیں اور املاک چھوڑیں۔ اور ایک جنگل کی رہائش اختیار کی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مولوی صاحب جیسی قابلیت اور لیاقت کا آدمی اگر لاہور یا امرتسر میں رہتا تو بہت بڑا دنیوی فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ اور کئی بار لاہور اور امرتسر والوں نے چاہا بھی کہ وہ وہیں آ کر رہیں۔ مگر انہوں نے کبھی یہاں کے رہنے پر دوسری جگہ کی آمدنی اور فوائد کو ترجیح نہیں دی۔ اللہ تعالےٰ ان کو اس کی بہتر جزاء دے۔ اس قسم کے لوگ ہوں اور ایسا روح اور یقین یہاں لے کر آئیں۔

پھر میں دیکھتا ہوں کہ بعض احباب ہمارے ہر سال دُنیا سے رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ یہ کس کو معلوم ہے کہ اگلے سال کون ہوگا اور کس کو طلبی کا حکم آ جائے گا۔ پس اس سے پیشتر کہ انسان دُنیا سے رُخصت ہو، اس کو ضروری ہے کہ وہ خدا سے صلح کر لے۔ اور یہ سچی بات ہے کہ کسی شخص کو فیض الٰہی نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کو خدا کے فرستادہ کے ساتھ سچی محبت نہ ہو۔ اور اس محبت کا ثبوت اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ وہ اسکی اطاعت اختیار کرے۔

یہ بڑی عظیم الشان بات ہے کہ انسان اخلاق کو حاصل کرے اور تقویٰ اختیار کرے۔ اس کے لئے صادقوں کی صحبت کی ضرورت ہے۔ اس لئے میرے پاس رہنے کی فکر کرو۔ ان دنوں کو غنیمت سمجھو اور رسول اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بناؤ۔

رپورٹ دورہ کلاں سیالکوٹ
مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

سیالکوٹ چھاؤنی میں تربیتی و تبلیغی نشست

مورخہ ۹ / ۱۱ / ۷۹ بروز جمعہ مرکزی وفد جو تین افراد پر مشتمل تھا سیالکوٹ پہنچا۔ جمعہ سے قبل محترم جناب شیخ نثار احمد صاحب اپنے زیر اثر دوستوں سے ملانے کے لئے لے گئے۔ نہایت دوستانہ ماحول میں اس مقام پر عالمانہ اصلاحی گفتگو ہوتی رہی۔ نماز جمعہ تک یہ گفتگو جاری رہی۔

خطبہ جمعہ محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب امیر وفد نے دیا۔ آپ نے قرآن مجید کی آیت ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ـــــ کی روشنی میں حضرت مسیح موعودؑ نے روحانی طور پر جو انقلاب پیدا کیا ہے اس میں سے تین امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی :-

۱۔ سائنس کی دنیا۔
۲۔ کسر صلیب اور
۳۔ مسلمانوں پر اتمام حجت

آپ نے ان ہر سہ امور پر تفصیل سے دلائل دے کر ثابت کیا کہ آج سے ایک صدی پیشتر یا اس سے پہلے جو نظریات تھے ان کو بزبان حال سے تبدیل کر رہے ہیں۔ جو نقطۂ نگاہ حضرت مسیح موعود نے قرآن مجید اور خدا کے دیئے ہوئے علم الکلام سے بیان فرمایا۔ آج وہ خود بھی اس کو تسلیم کر رہے ہیں۔ اور ہم اقرار کر رہے ہیں کہ ان نظریات کا منبع اور اجاگر کرنے کا سہرا جماعت احمدیہ کے بانی کے سر پر ہے۔

ادائیگی نماز جمعہ کے بعد باقاعدہ اجلاس محترم جناب برکت اللہ صاحب راٹھور ایڈووکیٹ کی صدارت میں شروع ہوا۔ محترم شیخ نثار احمد صاحب نے وفد کا تعارف کرایا۔ اور اپنی افتتاحی تقریر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کارنامے بیان فرمائے۔ اور وفات مسیح کے مسئلہ کو دلائل سے ثابت کیا اور کہا کہ آج اگر اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو مرہبی حیات مسیح کا فرضی عقیدہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے رستہ میں ایک سنگ گراں ہے۔

مرزا محمد لطیف صاحب نے حدیث مجدد کی صحت۔ اسناد۔ اور لغوی اعتبار سے اس کا مفہوم اور موجودہ دور میں بعض حلقوں کی طرف سے اس نعمت عظمیٰ کی ناقدری کے سلئے جو سعی لا حاصل کی جا رہی ہے۔ اس کا ذکر کر کے حضرت مسیح موعودؑ کے بعض کارنامے اور آپ کی آئندہ پیشگوئیاں بیان کیں۔

اور آخری مقرر محترم پروفیسر سعید اختر صاحب ایم۔ اے۔ جائنٹ سیکرٹری انجمن نے یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ والا رکوع تلاوت فرمایا اور نہایت ہی عمدہ سلجھے ہوئے انداز میں احباب کرام کے فرائض کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس دورے کے مندرجہ ذیل مقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

ا۔ جماعت میں وحدت، یگانگت اور استحکام کے ذرائع۔
ب۔ اندرونی جماعت ازدواجی رشتے ناطوں کو خاص طور پر فروغ دیا جائے

(ج) یتامیٰ اور بیوگان کے لئے ایک فنڈ کا مضبوط بنیادوں پر قیام

(د) جلسہ فنڈ کے لئے اس ہوشربا گرانی کے دور میں خاص تحریک۔

(ھ) جلسہ سالانہ میں احباب جماعت کے علاوہ اسلام کے ساتھ اخلاص و محبت رکھنے والے احباب کو شمولیت کی دعوت۔

(و) ادارہ تعلیم القرآن میں تبلیغی کلاس کا اجراء

ازاں بعد احباب جماعت سیالکوٹ نے ترقی و استحکام جماعت کے لئے نہایت مفید تجاویز پیش فرمائیں جو تحریری طور پر محترم جناب جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کر دی گئی ہیں۔

۲۔ یہ نشست مغرب تک جاری رہی۔ خدا کے فضل سے یہ دورہ بڑا کامیاب رہا۔

محترم راٹھور صاحب صدر جلسہ کے اختتامی خطاب و دعا سے یہ جلسہ برخواست ہوا۔

جلسہ کے دوران ہی ہماری معزز و محترم بہن مکرمہ زمرد فاضل رمضان صاحبہ جو آج کل ہالینڈ میں مقیم ہیں اور چند روز کے لئے پاکستان تشریف لائی ہوئی ہیں، اور وہاں پر آپ خاص طور پر نئی پود کو قرآن مجید اور دینی مسائل سکھاتی ہیں۔ اور اب آپ کی مساعی بار آور ہو رہی ہیں۔ وہاں کے لوگ مغرب کی مسموم فضا میں اس کوشش کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے ہالینڈ کی جماعت کی طرف سے تمام احباب کرام و خواتین کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا تحفہ دیا۔ اور بڑی خوشی کا اظہار فرمایا کہ مرکز کی طرف سے جماعت کی تربیت کے لئے ایسے اجلاس منعقد کئے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے فضل سے ہالینڈ میں جماعت بڑی ترقی کر رہی ہے۔ آپ نے سب جماعت کی خدمت میں دعا کی درخواست کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مغرب میں آپ کو اسلام کی خدمت کی حقیقی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

احباب متوجہ ہوں :-

جن احباب کرام کے بچے لاہور کے کالجوں میں زیر تعلیم ہیں اور کسی ہوسٹل میں رہائش رکھتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ اپنے بچوں کو احمدیہ ہوسٹل دار السلام میں داخل کرائیں تاکہ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ دینی تربیت بھی ہوتی رہے۔ ہوسٹل میں ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہیں۔
(مخدوم) سعید اختر۔ جوائنٹ سیکرٹری

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ نومبر سنہ ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۰ ـــــ شمارہ نمبر: ۴۴

باہتمام تاج دین پرنٹر آنکاری ڈاڈا پریس چھپا اور محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا: چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

جلد: ۶۶ | یوم چہار شنبہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ / یکم محرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۴/۲۱ نومبر ۱۹۷۹ء | نمبر: ۴۱/۴۲

ملفوظات مجدد زمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی برکات

قرآن مجید میں باوجود ان تمام کمالات بلاغت و فصاحت و احاطہ حکمت و معرفت ایک روحانی تاثیر اپنی ذات بابرکات میں ایسی رکھتا ہے کہ اس کا سچا اتباع انسان کو مستقیم الحال اور منور الباطن اور منشرح الصدر اور مقبول الٰہی اور قابل خطاب حضرت عزت بنا دیتا ہے۔ اور اس میں وہ انوار پیدا کرتا ہے اور فیوض غیبی اور تائیدات لاریبی اس کے شامل حال کر دیتا ہے کہ جو اغیار میں ہرگز نہیں پائی جاتیں اور حضرت احدیت سے وہ لذیذ اور دلآرام کلام اس پر نازل ہوتا ہے جس سے اس پر دمبدم کھلتا جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی سچی مطابعت سے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی سے ان مقامات تک پہنچایا گیا ہے کہ جو محبوبان الٰہی کے لئے خاص ہیں اور ان ربانی خوشنودیوں اور مہربانیوں سے بہرہ یاب ہو گیا ہے جس سے وہ کامل ایماندار اور بہرہ یاب تھے جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور نہ صرف مقال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر بھی ان تمام محبتوں کا ایک صافی چشمہ اپنے پر صدف قلب میں بہتا ہوا دیکھتا ہے اور ایک ایسی کیفیت تعلق باللہ اپنے منشرح سینے میں مشاہدہ کرتا ہے جس کو نہ الفاظ کے ذریعے اور نہ کسی مثال کے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ اور انوار الٰہی کو اپنے نفس پر بارش کی طرح برستے ہوئے دیکھتا ہے۔

اور وہ انوار کبھی اخبار غیبیہ کے رنگ میں اور کبھی علوم و معارف کی صورت میں اور کبھی اخلاق فاضلہ کے پیرائے میں اس پر اپنا پرتو ڈالتے رہتے ہیں۔ ـــــــ

ـــــــ اور دیکھنے والوں کو صریح دکھائی دیتا ہے۔ وہ انعامات خارق عادت سے سرفراز ہیں۔ اور کرامات عجیب وغریبہ سے ممتاز ہیں اور محبوبیت کے عطر سے معطر ہیں۔ اور مقبولیت کے مخزوں سے مفتخر ہیں۔ اور قادر مطلق کا نور ان کی صحبت میں ان کی توجہ میں ان کی ہمت میں ان کی دعا میں ان کی نظر میں ان کے اخلاق میں ان کی طرز معیشت میں۔ ان کی خوشنودی میں ان کے غضب میں۔ ان کی رغبت میں۔ ان کی نفرت میں ان کی حرکت میں۔ ان کے سکون میں ان کے نطق میں ان کی خاموشی میں۔ ان کے ظاہر میں ان کے باطن میں ایسا بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک لطیف اور مصفیٰ شیشہ ایک نہایت عمدہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور ان کے فیض صحبت اور ارتباط اور محبت سے وہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں کہ جو ریاضات شاقہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ۴۴۲/۴۴۳)

جلسہ سالانہ

دسمبر ۱۹۷۹ء

حسب سابق امسال جلسہ سالانہ کی

مندرجہ ذیل تاریخیں مقرر ہوئی ہیں:-

۲۵-۱۲-۷۹ منگل وار — جلسہ خواتین

۲۶-۱۲-۷۹ بدھ وار

۲۷-۱۲-۷۹ جمعرات

۲۸-۱۲-۷۹ جمعۃ المبارک

جلسہ

سوائے جمعۃ المبارک کے ہر روز دو نشستیں ہونگی

ایک صبح اور ایک شام،

بروز جمعۃ المبارک صرف صبح کی نشست ہوگی۔ نماز

جمعہ کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوگا:

جماعت کے مقررین اصحاب سے التماس ہے کہ

وہ اس مبارک موقعہ پر حالات کے موافق موضوعات

پر تقریر کرنے کے لئے افسر جلسہ سالانہ کو اطلاع دیں

* * * *

(مخدوم) سعد اختر

افسر جلسہ سالانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء

تاریخہائے ۲۵/۲۶/۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء

مکرم و محترم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

۳ نومبر کو جلسہ سالانہ ۷۹ء کے سلسلہ میں ایک سرکلر لیٹر احباب جماعت کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا جس میں استدعا کی گئی تھی کہ اس متبرک اجتماع میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شمولیت فرما کر اسے پر رونق بنائیں اور مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوں نیز موجودہ ہوشربا گرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے جلسہ فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں تاکہ منتظمین جلسہ کو اشیاء خورد و نوش کی بہم رسانی میں آسانی ہو۔ امید ہے آپ نے وہ چٹھی احباب جماعت کو جمعہ کے اجتماع میں ضرور سنائی ہوگی یہ سطور ان امور کی یاددہانی اور اس غرض کے لئے تحریر کر رہا ہوں کہ:-

۱. آپ ان افراد (مرد و زن) کی تعداد سے مطلع فرمائیں جو جلسہ میں شمولیت کے لئے تیار ہیں۔

۲. ان افراد میں جو دوست معہ اہل و عیال آ رہے ہیں اور الگ رہائشی سہولت چاہتے ہیں انکی درخواست مع تعداد افراد ابھی ارسال کریں تاکہ ابھی سے مناسب الاٹمنٹ کا انتظام ہو سکے۔

۳. آپکی جماعت نے دستکاری کی تحریک خواتین میں اگر ابھی تک نہیں کی گئی تو بطور خاص خواتین کو توجہ دلائیں کہ ابھی سے دستکاری تیار کریں جن خواتین کی طرف سے دستکاری متوقع ہو اسکے متعلق بھی اطلاع دیں۔

۴. جلسہ فنڈ کی تحریک میں ہر فرد جماعت کو شامل کرنے کی کوشش کریں اور مجھے اسکے نتیجہ سے مطلع کریں۔

۵. اگر کوئی غیر از جماعت فرد شمولیت جلسہ کا خواہشمند ہو تو اسکی حوصلہ افزائی مقامی طور پر کریں۔

اللہ تعالیٰ آپکا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

والسلام

مخدوم سعد اختر افسر جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء

من درِ حریمِ قدس چراغِ صداقتم

د[illegible] حافظ است [illegible]

اور ہر بادِ صرصر سے اُسی کا ہاتھ میرا محافظ ہے ؏ (مسیح موعودؑ)

محترمہ مریم جمیلہ نے جن کا تعارف ہم اس سے پہلے اپنے ایک مضمون میں کرا چکے ہیں، حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "GOG AND MAGOG" (یاجوج ماجوج) کا ذکر بھی اپنی خط و کتابت میں کیا ہے ان کے خط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان حقائق اور دلائل سے جو اس کتاب میں اقوام مغرب اور ان کی مادی تہذیب کو دجال اور دجالی تہذیب ثابت کرنے کے لئے دیئے گئے ہیں بہت متاثر ہوئی ہیں۔ اور اس کی قائل ہو گئی ہیں کہ یہی اقوام دجال ہیں جس کا ذکر احادیثِ نبویؐ میں بار بار آیا ہے۔ لیکن آخر میں لکھتی ہیں کہ یہ ساری کوشش اس لئے برباد ہو گئی ہے کہ مصنف نے کتاب کے آخر میں قارئین کو اس بات کا قائل کرنا چاہا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی مہدی موعود ہے۔

اس کے جواب میں جناب مودودی صاحب (مرحوم) اس کتاب کے اثر کو زائل کرنے کے لئے اپنے خط میں فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: اب میں دجال کے متعلق تمہارے سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ عربی زبان میں لفظ دجال کے لغوی معنی دھوکا اور فریب کے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ہر دھوکے باز اور فریبی انسان، گروہ یا قوم دجال ہے۔ تاہم ہمارے نبی صلعم کی احادیث کے رو سے "الدجال" ایک ہی انسان ہونا چاہیئے نبی صلعم کی پیشین گوئیوں کے مطابق "الدجال" کی رہنمائی میں سچے مسلمانوں کو شدید ایذائیں دی جائیں گی۔ احادیث میں بیان کردہ الدجال کے متعلق تمام تفصیلات پر جب میں غور کرتا ہوں تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت قریب ہے۔ میرا خیال ہے کہ "الدجال" اسرائیل میں ظاہر ہوگا۔

"الدجال" کے متعلق مولانا مودودی صاحب مرحوم نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ایک ہی انسان ہونا چاہیئے اور وہ اسرائیل میں ظاہر ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کی رائے قرآن کریم اور احادیث کے رو سے بھی درست ہو۔ کیونکہ کسی کی رائے اور خیال کو اُسی وقت قابل قبول سمجھا جا سکتا ہے۔ جب اسلامی عقائد کے یہ دونوں سرچشمے اس کی تائید کرتے ہیں۔

جب ہم قرآن کریم اور احادیث پر غور کرتے ہیں۔ تو جناب مودودی صاحب کی یہ رائے اور خیال غلط ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ "الدجال" کوئی خاص قوم اور گروہ ہے جس کی تخصیص اور تعریف قرآن اور احادیث میں مذکور چند ایسی علامات کرتی ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔ اور یہ وہ خاص گروہ ہے جس کا نزولِ مسیح سے قبل موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ یہی وہ سب سے بڑا فتنہ ہے جس کا خاتمہ مسیح کے ہاتھ سے مقدر ہے۔

آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:

۱۔ "من حفظ عشر آیات من اول سورۃ الکھف عصم من فتنۃ الدجال" (احمد بن حنبل، مسلم، ابوداؤد اور نسائی)

ترجمہ: ابوداؤد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ کہف کی اول دس آیتیں یاد کرے تو وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔"

۲۔ "من قرأ العشر الاواخر من سورۃ الکھف عصم من فتنۃ الدجال"۔ (ترمذی)

ترجمہ: ترمذی نے ابوداؤد سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھے گا تو وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا (منقول از عسل مصفی ۲۶۰، ۲۶۱)

سورہ کہف کی پہلی دس آیات پر غور کریں تو ان میں ایک قوم کے عقائد کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے:

"وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا" اور انہیں ڈرائے جو کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنالیا"

نہ صرف سورہ کہف میں بلکہ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ مریم میں بھی اللہ تعالےٰ کا کوئی بیٹا ہونے کا انکار ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت ۱۱۱ میں ہے:۔

"وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا"

اور کہہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے [illegible] یہ الفاظ آتے ہیں: "اور کہتے دعوٰی کرتے ہیں:"

وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا "اور رحمٰن کو شایاں نہیں کہ وہ بیٹا بنائے (۸۸-۹۲)

قرآن کریم میں یہ تینوں سورتیں یکے بعد دیگرے واقع ہوئی ہیں۔ تینوں میں خدا کی توحید پر زور اور اس کا بیٹا ہونے سے انکار ہے۔

یہود اور نصاریٰ دو ہی ایسی قومیں ہیں جنہوں نے خدا کے لئے بیٹے تجویز کئے ہیں۔ یہود نے "عزیر" کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو:

اور یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے (التوبہ: آیت ۳۰)

سورہ کہف کے پہلے رکوع سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہی قوم دجال ہو سکتی ہے جو اللہ کے لئے بیٹا تجویز کرتی اور اس کے ساتھ شریک کرتی ہے۔ چونکہ یہود و نصاریٰ دونوں ہی یہ عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے یہ دونوں قومیں اس گروہ میں شامل ہیں۔

جہاں تک سورہ کہف کے آخری رکوع کا تعلق ہے اس میں یہ الفاظ آتے ہیں:۔

ترجمہ: کہہ کیا ہم تمہیں عملوں میں بہت بڑھ کر گھاٹے میں رہنے والوں کی خبر دیں وہ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے بہت اچھے کام بنا رہے ہیں۔" (۱۸ کہف ۱۰۴، ۱۰۳)

اسی رکوع میں آگے چل کر یوں ارشاد ہوتا ہے:۔

ترجمہ: "کہہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے۔ پہلے اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں۔ گو ہم اس جیسا اور اس کی مدد کو لائیں: (۱۰۹)

سورہ لقمان میں یہی الفاظ ذرے مختلف انداز میں دہرائے گئے ہیں۔

"اور اگر جو درخت زمین میں ہیں سب قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی ہو۔ اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے:"

(لقمان: ۲۷)

سورہ کہف کی جس آیت کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ قوم جس پر دجال کا لفظ صادق آئے گا وہ مادہ پرست ہوگی اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں اس کا کوئی ثانی نہ ہوگا لیکن وہ اپنی تحقیقات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے علوم پر ہرگز حاوی نہ ہوسکے گی۔ مغربی اقوام کی مادہ پرستی اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں ان کی برتری مسلمہ ہے اور مشرقی اقوام ان کی محتاج ہیں۔ پہلے رکوع میں بھی ان کے لئے جمع کے کلمات استعمال ہوئے ہیں اور آخری رکوع میں بھی۔ اس لئے وہ ایک فرد یا شخص نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ ایک گروہ یا قوم ہے جس میں یہ دو اقدار مشترک ہیں کہ وہ اللہ کے لئے بیٹا تجویز کرتی ہے اور مادی ترقی۔ صنعت۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔ یہاں تک کہ ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔

آنحضرت صلعم بھی یہی فرماتے ہیں کہ وہ ایک گروہ یا جماعت یا قوم ہے۔ فرماتے ہیں:۔

یخرج فی آخر الزمان دجال یختلون
الدنیا بالدین یلبسون للناس ملوک
الضان من الدین السنتھم احلیٰ
من العسل وقلوبھم قلوب الذیاب
یقول اللہ عز وجل ابی یغترون
ام یجترون حتی حلفت لابعثن علیٰ
اولئک منھم فتنۃ تدع الحلیم منھم
حیران۔ (نسائی کنز العمال جلد، ص۱۴۷)

ترجمہ: "نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخری زمانے میں دجال نکلے گا۔ وہ دنیا کو دین کے ساتھ ملائیں گے اور لوگوں کو دین کے بارہ میں بھیڑ کی کھال میں دکھلائی دیں گے۔ ان کی زبانیں شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ کہے گا کیا یہ میرے ساتھ افترا کرتے ہیں۔ یا میری ذات پر جرأت کرتے ہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ ان ہی میں سے میں ایک فتنہ برپا کردوں گا کہ ان کے دانا سے دانا بھی حیران رہ جائیں گے۔" اس حدیث میں پہلے لفظ دجال استعمال ہوا ہے اس کے بعد جمع کے کلمات استعمال کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک فرد نہیں بلکہ ایک جماعت، گروہ یا قوم ہوگی ان کی یہ ساری خصوصیات صاف ظاہر ہیں۔ اس پر کسی تبصرہ کی حاجت نہیں۔ ان کا افترا تو یہ ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کو اللہ کا بیٹا بنا کر اسے اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں اور وہ فتنہ بھی ان مہلک جنگی ہتھیاروں کی آپس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے اور برتری حاصل کرنے کی دوڑ ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایٹم بم۔ ہائیڈروجن بم اور نیوٹران بم وغیرہ ایجاد ہوئے ہیں۔ اور یہ کثرت میں انہی مغربی اقوام کے پاس ہیں۔ جب بھی کوئی قیامت خیز فتنہ بپا ہوگا تو یہ انہیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لئے استعمال کریں گے اور قرآن کریم کی یہ پیشن گوئی پوری ہوگی۔

"جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ انہیں آزمائیں کہ کون ان میں سے بہترین عمل کرنے والا ہے۔ ہم یقیناً اسے جو اس پر ہے خالی زمین چٹیل میدان بنا دیں گے (کہف: ۸)

جن لوگوں نے مغربی ممالک کا سفر کیا ہے۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دنیا کے جنت ہیں۔ ان کی چمک دمک۔ اور آب و تاب سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ اس دور میں یہ مادی تہذیب اپنے عروج کی آخری منزل پر ہے۔ لیکن اس تہذیب کا جو حشر خود اس کے اپنے ہاتھوں ہونے والا ہے اس کا تصور بھی بہت ہولناک ہے۔ اور یہ اللہ کا فرمان ہے۔ پورا ہو کر رہے گا۔ جب اچانک ایک آفت ٹوٹے گی تو عقل و دانش والے بھی حیران اور ششدر رہ جائیں گے کہ یہ کیا ہو گیا۔

مولانا مودودی نے "الدجال" سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دجال کوئی ایک فرد ہوگا کیونکہ دجال کے لفظ پر "ال" لانے سے اس کی تخصیص ہوگئی لیکن ہماری رائے میں یہ درست نہیں۔ مثلاً قرآن کریم فرماتا ہے:۔

"یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا" اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔" (النساء: ۲۸)

اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ کوئی خاص انسان کمزور پیدا ہوا ہے اور باقی سب ان کمزوریوں سے پاک ہیں۔ بلکہ یہاں "انسان" کا لفظ ساری نسل انسانی کے لئے استعمال ہوا ہے جس میں سے کسی ایک کا ذکر کر دیا جائے تو اس سے وہ ساری جنس ہی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً گائے دودھ دیتی ہے۔ یہاں صرف ایک ہی مخصوص گائے کا ذکر نہیں بلکہ ساری گائیں ہی دودھ دیتی ہیں وغیرہ۔ یہاں بھی "الدجال" سے مطلب ہے کہ اس کی پہچان کے لئے چند خصوصیات ہیں جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔

"وہ دجال جس میں یہ خصوصیات اور نشانیاں پائی جائیں گی۔" اس کا ظہور کب ہوگا؟ اس کی تخصیص اس کی ان نشانیوں کی وجہ سے ہے۔

اور کسی ایک کو دجال نہیں کہا جا سکتا۔ انگریزی زبان میں "ال" کے لئے THE کا استعمال ہوتا ہے۔ اب "THE ITALIAN" "THE FRENCH" "THE ENGLISH" وغیرہ جب کہا جاتا ہے تو اس سے کوئی ایک انگریز یا ایک فرانسیسی یا ایک اطالوی مطلب نہیں ہوتا بلکہ ساری قوم ہوتا ہے۔ اس لئے ضد اور تعصب کی بنا پر یہ کہنا کہ وہ ایک ہی شخص ہوگا بالکل بے جا اور غلط ہے۔

اپنے خطاب میں مودودی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پیشن گوئی کے پورا ہونے کا وقت قریب ہے۔ اور دجال اسرائیل میں ظاہر ہوگا۔ وہ اپنے کتابچہ "ختم نبوت ص۵۲" پر فرماتے ہیں کہ:۔

"جس کے ظہور کی خبر دینے ہی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکتفا نہیں فرمایا ہے بلکہ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں پر ایسے مصائب کے پہاڑ ٹوٹیں گے کہ ایک دن ایک سال کے برابر محسوس ہوگا۔ اور اس مصیبت کے وقت میں مسیح دجال ۷۰ ہزار یہودیوں کا لشکر لے کر شام میں گھسے گا اور دمشق کے سامنے جا پہنچے گا۔ ٹھیک اس نازک موقع پر دمشق کے مشرقی حصے میں ایک سفید مینار کے قریب حضرت عیسےٰ ابن مریم صبح دم نازل ہوں گے اور نماز فجر کے بعد مسلمانوں کو اس کے مقابلے پر لے کر نکلیں گے۔ ان کے حملے سے دجال پسپا ہوکر افیق کی گھاٹی سے اسرائیل کی طرف پلٹے گا اور وہ اس کا تعاقب کریں گے۔ آخر کار لُد کے ہوائی اڈے پر پہنچ کر وہ ان کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔"

جناب مودودی صاحب مرحوم کے ان الفاظ پر غور کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ مسلمان ممالک میں نہ آپس میں اتحاد ہے اور نہ اتفاق ہے۔ اور نہ سیاسی اور اقتصادی اشتراک عمل۔ اندرونی طور پر انہیں کوئی استحکام حاصل نہیں۔ افغانستان اور ایران انقلاب کی لپیٹ میں ہیں جس کا اثر پڑوسی ممالک پر بھی پڑ رہا ہے۔ دجال ۷۰ ہزار سے زیادہ تعداد میں یہودیوں کے ساتھ شام میں گھس چکا ہے۔ اور اس کے ایک خاص حصے پر قابض ہے۔ دمشق سے وہ زیادہ دور نہیں۔ اسرائیل کے طیارے موقع پاکر اس کے ٹھکانوں پر بم برسا جاتے ہیں۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک کو اسرائیل کے سرپرست کی طرف سے دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ٹاسک فورس بھی تیار کی جا رہی ہے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے تیل کی پیداوار کی قیمتیں بڑھانے سے معذور ہیں کیونکہ اس صورت میں ان کو کسی کارروائی کا خطرہ ہے۔ لیکن اس نازک موقع پر مسلمانوں کی مدد کے لئے حضرت عیسیٰ نازل نہیں ہو رہے۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس سے نازک موقع اور کون سا ہوگا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔

فرض کیجئے کہ وہ عنقریب تشریف لاتے ہیں تو مولانا کے مطابق وہ [illegible] نماز فجر سے قبل اتریں گے۔ اندھیرا ہوگا اور انہیں اترتے ہوئے کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ نہ انہیں آسمان پر جاتے ہوئے کسی نے دیکھا اور نہ اترتے ہوئے وہ اچانک مسجد میں داخل ہوں گے اور اپنا تعارف کرائیں گے۔ اس تعارف پر کون یقین کرے گا کہ واقعی یہی حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ جو ہماری مدد کو اترے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اگر وہ محض حلیہ سے اندازہ لگائیں گے تو احادیث میں مسیح کے دو حلئے بیان ہوئے

ہیں۔ اس لئے کچھ تو کہیں گے کہ نہیں یہ عیسیٰ نہیں ہے کیوں کہ اس کا حلیہ یہ ہے۔ اور دوسرے کہیں گے کہ نہیں یہ وہی ہیں یعنی مسجد میں ہی اختلاف ہو جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی نشانیاں ساری مذہبی کتابوں میں موجود تھیں۔ جب آپ تشریف لائے تو عیسائیوں اور یہودیوں نے انہیں ان کی نشانیوں سے جو ان کی کتابوں میں مذکور تھیں شناخت بھی کر لیا اور قرآن کے الفاظ میں اس طرح پہچان لیا جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں قبول نہ کیا تو آخر حضرت عیسیٰؑ کو سارے مسلمان کیسے مان لیں گے۔ یہ تو مذہب کی تاریخ میں ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی کو ساری قوم نے مان لیا ہو۔ حضرت عیسیٰ ان نمازیوں کو کیسے یقین دلائیں گے کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔ اور تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں۔ اور وہ سب ان کے پیچھے ہو جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ دجال اپنے جدید فوجی ساز و سامان کے ساتھ یلغار کرتا ہوا دمشق کے سامنے پہنچ جائے گا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی جان بچانے کی فکر ہوگی یا وہ مسجد میں نماز کے لئے جمع ہوں گے۔ کیوں کہ ایسے خوف و ہراس کی صورت میں جب بمباری۔ گولہ باری اور حملہ کا خطرہ ہو تو نماز گھروں میں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ اور ایک اور بات جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے وہ یہ ہے کہ دجال جدید سامانِ جنگ کے ساتھ دمشق پر حملہ آور ہوگا۔ حضرت عیسےٰ نے اس سامان کے استعمال کے لئے فوجی تربیت کہاں اور کس سے حاصل کی ہوگی کیونکہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع اور متبع ہوں گے تو ان کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اسی طرح عمل کریں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں "بابِ لُد" ہے۔ "مطارِ لُد" نہیں۔ یعنی لُد کا دروازہ نہ یہ کہ لُد کا ہوائی اڈہ اگر تاویل کر کے "باب" کو "مطار" میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کے باقی الفاظ کی تاویل نہ کی جائے۔ اور انہیں استعارہ نہ خیال کیا جائے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ دجال اپنے لشکر کے ساتھ دمشق کے سامنے پہنچ کر رک جائے گا اور اس کا انتظار کرے گا کہ حضرت عیسیٰ نازل ہوں اور مسلمانوں کو اس کے خلاف لے کر نکلیں۔ اور اسے لد کے ہوائی اڈے پر قتل کر دیں۔ یہ بھی کبھی ہوا ہے۔ کہ آگے بڑھتی ہوئی فوج جس کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ ہو ایک مقام پر رک جائے اور یہ انتظار کرنے لگے کہ غنیم کی فوج پہنچ کر اُسے شکست دے دے۔ عقل تو اس بات کو قبول نہیں کرتی۔ مسلمانوں کو آخر یہ علم کیسے ہوگا کہ حضرت عیسےٰ آنے [illegible] اس لئے اُن کا منتظر رہنا چاہیئے اگر ان کو علم ہوگا تو باہر نکل کر اُن کے اترنے کا نظارہ دیکھیں تاکہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔

اخبار احمدیہ

شمولیتِ سلسلہ :-

محترمہ امینہ عمر بیگم اسامہ عمر نے حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں بیعت کا خط تحریر فرمایا ہے۔ آپ لکھتی ہیں کہ میں پہلے ہی سے مسلمان فرقہ احمدیہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ لیکن اب باقاعدہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس سلسلہ میں داخل ہوتی ہوں"۔ آپ جرمنی میں اپنے شوہر اسامہ عمر داماد مولانا عبدالمنان عمر کے ساتھ مقیم ہیں :

پیغامِ صلح :-

اللہ تعالےٰ ان کی بیعت قبول فرمائے اور انہیں استقامت بخشے۔ احبابِ سلسلہ سے بھی دُعا کی درخواست ہے۔

وفات اور درخواست دُعائے جنازہ غائبانہ

شاہدرہ سے مکرم شیخ غلام صادق صاحب لکھتے ہیں کہ :

"میرے بڑے بھائی شیخ محمد اسحاق بعارضہ قلب وفات پا گئے ہیں۔ " انا للہ وانا الیہ راجعون" مرحوم اسسٹنٹ ڈائریکٹر انیمل ہسبنڈری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ احباب سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے :

راہ نورد

برِّ صغیر کی جدید مسلم فکر اور حضرت مسیحِ موعودؑ

ماہنامہ "ماہ نو" کے اگست، ستمبر کے شماروں میں ایک صاحب جناب قاضی جاوید صاحب کا مقالہ بعنوان "برصغیر کی جدید مسلم فکر کا ایک مطالعہ" شائع ہوا ہے۔ اگست کی قسط میں انہوں نے سرسید مرحوم، دارالعلوم دیوبند اور جناب شبلی نعمانی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلے تو ہم انہیں اس جرأت پر مبارک باد دیتے ہیں کہ اس خوف افزاء ماحول میں انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد کا نام اپنے مقالہ میں لیا۔ یہی نہیں انہوں نے حضرت صاحبؑ کو جدید مسلم فکر کے ان چند لوگوں میں شمار کیا جو جدید مسلم فکر کے سنگہائے میل ہیں اور اس طرح انہوں نے حضرتؑ صاحب کو مسلمانوں میں ہی گنا۔ ایسے زمانہ میں جب ہمارے اردگرد غیر احمدی مسلمان مہربانوں نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہم طے کیا ہے کہ جماعت احمدیہ کے بانی اور اس جماعت کی اسلامی تبلیغ اور اسلامی خدمات کا قطعاً کہیں ذکر نہ کیا جائے جس سے ان کا مقصود شاید ہمارے تذکرے کو تاریخ کے صفحات سے محو کرنا ہے۔ کسی ایک غیر احمدی مسلمان کا ایک سنجیدہ مجلّہ میں حضرتؑ کا ذکر یقیناً لائق تحسین ہے۔

البتہ ہم قاضی صاحب کی بعض بیان کردہ باتوں کے بارے میں کچھ وضاحتاً عرض کریں گے کیونکہ ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے شاید یک طرفہ معلومات فراہم ہونے کے باعث صحیح رائے قائم کرنے میں دشواری محسوس کی ہے اور وہ ایک غلط نتیجے پر پہنچ پائے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

> "نوآبادیاتی نظام محکوم قوموں کی روحانی زندگی کو جس بدترین حد تک مسخ کر دیتا ہے۔ مرزا غلام احمد کا فکری نظام اس کی ایک واضح مثال ہے اس فکر کا سماجی اور سیاسی پہلو رجعت پسندانہ ہے اور اس نے قومی محکومیت کا مذہبی۔ الہامی اور الہیاتی جواز فراہم کیا ہے۔ یہ نہ صرف ہندی مسلمانوں کے روحانی افلاس کا مظہر ہے بلکہ اس نے اس صورت حال کو برقرار رکھنے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔"

ہمیں معلوم نہیں کہ قاضی صاحب روحانی زندگی سے کس قسم کی زندگی مراد لے رہے ہیں جس کی نوآبادیاتی نظام کے زیر اثر "بدترین حد تک مسخ" ہو جانے کی "واضح مثال" مرزا غلام احمد کا فکری نظام ہے۔ اگر وہ اس کی وضاحت کر دیتے تو یقیناً ہم اسے سمجھنے کیلئے ایک بہتر حالت میں ہوتے۔ اسی طرح "اس فکر" کے "سماجی اور سیاسی پہلو" کو "رجعت پسندانہ" کہتے وقت انہوں نے رجعت کی سمت متعین نہیں کی کیونکہ جب تک رجعت کا وہ مفہوم جو ان کے ذہن میں ہے ہمیں معلوم نہ ہو، ہم ان کی رائے کی صحت یا سقم کا فیصلہ کرنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ ہم یہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ رجعت پسندی کی اصلاح کا ایک وہ مفہوم ہے جو مارکسی طرز کے دانشوروں نے متعین کر رکھا ہے۔ دوسرا مفہوم لادینی غیر اشتراکی مفکرین کا ہے جو دین اور لادینیت کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور ایک تیسرا خالص بورژوائی (دانشوروں) کا گھڑا ہوا مفہوم ہے جو کبھی خانہ بدوشوں اور آباد کاروں، کبھی جاگیرداروں اور بادشاہوں اور کبھی بادشاہت اور بورژوا جمہوریت کے حوالے سے واضح کیا جاتا ہے۔ ہم قاضی صاحب کے مفہوم کو صرف اندازے سے متعین کر سکتے ہیں۔ ہمارا گمان ہے کہ انہوں نے شائد اسے انیسویں صدی کی اس سیاسی صورت حال کے حوالے سے بیان کیا ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے ظہور فرمایا تھا۔ ہمارا یہ اندازہ ان کے اس قول کی بنا پر ہے جس میں انہوں نے قومی محکومیت کو مذہبی اور الہامی اور الہیاتی جواز فراہم کرنا کہا ہے۔ چونکہ قومی محکومیت یا حاکمیت کا موضوع سیاسیات سے متعلق ہے اس لئے قاضی صاحب کے مذکورہ بالا جملے میں بیان کردہ سیاسی رجعت پسندی کا حدود اربعہ تو قومی محکومیت کو بقول اُن کے مذہبی، الہامی اور الہیاتی جواز فراہم کرنے سے متعین ہو سکتا ہے جہاں وہ شاید آزادی کی جدوجہد کو ترقی پسندی اور غلامی پر رُکے رہنے کو رجعت پسندی سمجھتے ہوں لیکن سماجی رجعت پسندی کے تعین کے لئے صاحب مضمون نے ہمیں کوئی کلید فراہم نہیں کی کہ ہم سمجھ سکتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور تحریک احمدیہ کا وہ کون سا عمل ہے جس سے سماجی رجعت پسندی کا اظہار یا آغاز ہوا ہو۔ ابہام کا یہ پھیلاؤ صرف انہی دو تین باتوں تک محدود نہیں۔ انہوں نے اس کے بعد مزید کہا ہے کہ جماعت احمدیہ اور اس کے بانی کا فکر:۔

> "نہ صرف ہندی مسلمانوں کے روحانی افلاس کا مظہر ہے بلکہ اس نے اس صورت حال کو برقرار رکھنے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔"

اُنہوں نے اِس طرح یکے بعد دیگرے کئی الزامات اور دعاوی پر مشتمل ایک فردِ جرم تو قائم کر دی ہے۔ لیکن ان الزامات کا ثبوت یا دعاوی کے دلائل بجز ایک شق کے کسی میں مہیا نہ کئے اور وہ ایک شق میں پیش کردہ دلیل بھی دعوٰی ہی ہے۔ جو غلط فہمی یا غلط نگہی کے سبب انہیں اس طور دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ بھی اس طرح نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ سمجھ رہے ہیں۔ ہمارا اشارہ ان کے اس الزام یا دعوٰی سے ہے جو انہوں نے قومی محکومیت کا مذہبی جواز فراہم کرنے کا حضرت مسیح موعود اور ان کی جماعت پر قائم کیا ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہمیں قاضی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ روحانی زندگی سے وہ کس قسم کی زندگی مراد لیتے ہیں جس کی نوآبادیاتی نظام کے عامل کے زیر اثر بدترین حد تک مسخ ہو جانے کی واضح مثال مرزا غلام احمد کا فکری نظام ہے، اگر اُن کی مُراد روحانی زندگی سے معروف خانقاہی نظام میں پرورش پانے والی زندگی ہے۔ تو ہم اس نظام کی تنقیص نہ کرتے ہوئے بھی یہ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ حضرت مسیح موعودؑ یا اس کی جماعت نے کسی خانقاہی نظام کی بنیاد نہیں رکھی۔ نہ اُسے اپنے سلسلہ تربیت فرد و اجتماع میں کہیں استعمال کیا ہے۔ فرد کی روحانی تربیت کے سلسلہ ہائے طریقت جو برصغیر میں قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ اور نقشبندیہ کے ناموں سے مشہور و معروف ہیں۔ ان میں جو اذکار و اشغال۔ اوراد و وظائف یا مرشد و مرید کے رشتوں کا نظام ہے۔ احمدیہ فکر نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

اب قاضی صاحب اگر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح نظام کا وجود اور اس کے طرز پر روحانی طرق تربیت کا سلسلہ انگریزوں کے برصغیر پر دور سے پہلے قائم تھا، اس کا انقطاع یا ترک نوآبادیاتی نظام کے عروج سے ہوا اور اس نے برصغیر کے محکوم مسلمانوں کی روحانی زندگی کو مسخ کر دیا تو اس بارے میں ہم کچھ رائے ظاہر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں لیکن اگر ان کا استدلال اس سے یہ ہے کہ اس نظام کو اختیار نہ کرنا گویا تربیت فرد اور اجتماع میں کسی اور کے وضع کردہ طریقے کا قبول تھا۔ اور اس کا ترک روحانی زندگی کو بدترین حد تک مسخ کر دینا تھا۔ تو ہمیں اُن سے اتفاق نہیں۔ ظاہر ہے کہ نوآبادیاتی نظام کے داعیوں کو طریقت کے ان سلسلوں سے کوئی تعلق نہ تھا اور

نہ ہی اُن کے کسی براہ راست دخل سے طریقت کے ان معروف سلسلوں کا مدون کردہ طریق تربیت ترک کیا گیا تھا۔ اگر حضرت صاحب نے طریق خانقہی قبول کیا ہوتا تو قاضی صاحب کہہ سکتے تھے۔ کہ اُن کا طریق تربیت فرد یا اجتماع بھی ہندی مسلمانوں کے معروف روحانی طریق ہائے تربیت سے ماخوذ یا مشتق تھا۔ اور "اس طرح ہندی مسلمانوں کے افلاس کا مظہر تھا۔" یہ بھی وہ تبھی کہہ سکتے تھے اگر وہ ان طریقہ ہائے تصوف کو روحانی افلاس کا منبع سمجھتے یہاں تو کوئی ایسی بات تھی ہی نہیں۔ نہ جماعت احمدیہ نے اپنی قلم ان گذشتہ تربیت کے طریقوں پر لگائی۔ نہ اس نے خود کوئی ایسا طریقہ ایجاد کیا جو ان سے مشابہت رکھتا۔ اس لئے ان پر ان کے حوالے سے کوئی رائے قائم کرنا تو درست نہ ہوگا۔ ہمارا مقصد اس لئے روحانی تربیت کے ان معروف سلسلہ ہائے طریقت کی تنقیص نہیں اور نہ ہی اُن کے سودمند ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی رائے دینا ہے۔ ہم تو صرف امر واقعی کے اثبات کے لئے ان سے احمدیہ فکر کے کسی براہ راست تعلق کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ قاضی صاحب ہمارے اس عدم تعلق پر تب کوئی الزام دھر سکتے تھے اگر وہ یہ ثابت کر دیتے کہ ہمارا تربیت فرد اور اجتماع کا راستہ لوآبادیاتی داعیوں کے ایماء پر ایجاد کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حقیقت یُوں نہیں۔

لیکن اگر ان کی مراد روحانی زندگی سے طریقت کے سلسلوں کا نظام تربیت افراد نہیں بلکہ قوموں کے اپنے شعور ذات پر ایمان سے ہے جو ان کو انتہائی تاریک اور مایوس کن مراحل حیات میں زندہ رہنے کش مکش جاری رکھنے اور بالآخر کامیاب ہو جانے کی مضبوط اُمید فراہم کرتا ہے۔ اور قاضی صاحب یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ بانی جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ نے مسلمان قوم کو مغرب کی یلغار کے مقابل دو سو سال پر پھیلی ہوئی جد و جہد اور کش مکش میں اس شعور ذات کے دفاع کے لئے زندہ اور مضبوط ایمان مہیا نہیں کیا۔ تو انہیں نہ صرف اسے واضح کرنا چاہیئے تھا بلکہ اس کا ثبوت بھی دینا چاہیئے تھا۔ یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود نے "قومی محکومیت کا مذہبی۔ الہامی اور ایمانی جواز فراہم کیا۔" اگر جہاد بالسیف کا التوا اس کی دلیل ہے تو یہ ایک انتہائی افسوسناک استدلال ہوگا۔ کیونکہ کسی بھی فقیہہ حکم کو اس کے پس منظر سے الگ کر کے اُس پر کوئی رائے دینا درست نہیں۔ جہاد بالسیف بھی جسے لوگوں نے آہستہ آہستہ اجازت" کے دائرے سے نکال کر "حکم" کے دائرے میں شامل کر لیا ہے۔ ہر حالت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض شرائط سے مشروط ہے۔ اور وہ شرائط خود اس پہلی قرآنی آیت میں بھی اجمالاً نظر آسکتی ہیں۔ جو اس باب میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ جب خدا تعالےٰ نے

" اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا

(۲۲ : ۳۹)

کی اجازت [illegible] اس اصول کو متعین کر دیا۔ لیکن نہ ظلم سہنے کے باوجود کب قتال کی اجازت پر امام کو عمل کرنا ہے یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے۔ کیونکہ ظلم تو مسلمانوں پر مکی زندگی میں بھی ہو رہا تھا لیکن تلوار انہوں نے صرف مدنی زندگی میں استعمال کی۔

اگر اس کی دلیل انگریزی حکومت کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رائے ہے تو کوئی بھی شخص جو پنجاب کے اٹھارویں صدی عیسوی اور وسط انیسویں صدی تک کے حالات ۔ اور سکھ مسلم آویزش سے پیدا ہونے والی صورت حال کا مطالعہ کرے گا وہ یقیناً حضرت صاحب کی اس رائے سے اختلاف نہیں کر سکے گا کہ پنجاب میں انگریزی عملداری سکھوں کے مقابل پر مسلمانوں کے لئے رحمت تھی۔ یہ محاورہ تو آج بھی لوگوں کو یاد ہوگا کہ پنجاب میں انگریزی حکومت قائم ہو جانے کے بعد اکثر کہا جاتا تھا "ہن انگریز دا راج اے کوئی سکھا شاہی نہیں۔" کہ اب انگریز کا راج ہے کوئی سکھ گردی نہیں۔ اس دور کی سکھا شاہی سے مسلمان اس قدر نالاں ہی ہوں گے کہ اس ضرب المثل کو رواج مل گیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تو سکھا شاہی اور مرہٹہ گردی پر عربی میں ایک دردناک فریاد نامہ بھی لکھا تھا جس کا کچھ حصہ سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب "تذکرہ شاہ ولی اللہ" میں نقل کیا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں شاہی مسجد لاہور جو آج بھی مسلمانان برصغیر کی عظمت کا نشان ہے سکھوں کے زمانے میں بطور اصطبل استعمال ہوتی تھی۔ اور اس کے حجرے شاید سپاہیوں اور برچھوں کے لئے بطور مسکن۔ اس کا تفصیلی احوال قاضی صاحب ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی انگریزی تصنیف میں دیکھ سکتے ہیں جو انہوں نے مسجد کے بارے میں کوئی پانچ برس قبل رقم فرمائی تھی اور شائد حکومت پنجاب یا مرکز نے اسے طبع کروایا تھا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ مسجد مسلمانوں کی درخواست پر انگریزی دور میں مسلمانوں کو واگزار ہوئی۔ اس قسم کی اندوہناک صورت حال میں اگر حضرت نے سلطنت انگلشیہ کو اس وقت کی سکھ عملداری کے مقابل رحمت کہا تو اسے محکومیت قومی کے لئے مذہبی الہامی یا ایمانی جواز کا فراہم کرنا قرار دینا مسلمانوں کی تکالیف سے بے نیاز ہو کر ہی کہا جا سکتا ہے۔ آج بھی جب ہندوستان میں ہندو مسلم فساد ہوتے ہیں تو پاکستان میں مسلمانوں کو دکھ ہوتا ہے کیوں؟ اسی لئے نا کہ سوال قومی یا بدیشی حکومت کا نہیں۔ سوال مسلمان قوم کا بحیثیت مسلمان قوم کے اس کے الگ ذاتی تشخص کا ہے۔ جس کے دکھ یا سکھ سے ہمیں دکھ یا سکھ ہوتا ہے ورنہ ہندوستان میں اب بدیشی راج کہاں ہے۔ اب تو وہاں قومی حکومت اور آزادی کا دور دورہ ہے۔ اور جس قومی محکومیت کا ذکر قاضی صاحب نے حضرتؑ کے حوالے سے کیا تھا وہ تو اب وہاں نہیں ہے۔ پھر اس منطق سے مسلمانوں کو جو تکالیف کبھی آزاد ہندوستان میں پہنچتی ہیں ان پر ہمیں غم نہیں کرنا چاہیئے مگر ایسا ممکن نہیں؟ ہمارے لئے سکھ اور انگریز اس حد تک یقیناً یکساں تھے کہ دونوں غیر مسلم تھے۔ لیکن سکھوں کے نسبت اس دور میں ہمیں انگریز گوارہ تھے۔ کیونکہ وہ ہمارے ذاتی تشخص کو مٹانا نہیں چاہتے تھے۔ جبکہ اس دور کے سکھوں نے ہماری مسجدیں گرائیں اور کئی جگہوں پر ان کو اصطبلوں میں تبدیل کرایا۔ اپنی عملداری میں کئی جگہ اذان کو ممنوع قرار دیا اور مسلمانوں کے شعائر دینی کی ادائیگی میں حارج ہوئے۔ اب اگر حضرت صاحب نے اس مخصوص صورت حال میں انگریزوں کو سراہا تو اُن کے عدل و انصاف کے لئے جو سکھوں سے مسلمانوں کو میسر نہ تھا۔ اگر اسے رحمت کہا تو اس امن و امان کے لئے جو پنجاب میں انیسویں صدی کے نصف اوائل میں سکھوا نارکی کی نظر ہو چکا تھا۔

جہاں تک مسلمان قوم کو ان انتہائی تاریک دنوں میں تحفظ ذات کی کش مکش میں کسی مستحکم امید اور یقین کے مہیا کرنے کا سوال ہے۔ حضرت مسیح موعود سے بڑھ کر کسی اور کے ہاں پُر امید مستقبل کی نوید ہمیں نظر نہیں آتی۔ بلکہ ہم یہ کہنے میں غلط نہ ہوں گے کہ مسلمان قوم کے فعال تاریخی کردار کے ابھار اور اس کے شاندار مستقبل کو اگر کسی نے اس زمانہ میں مذہبی۔ الہامی اور ایمانی سہارا مہیا کیا ہے تو وہ مرزا غلام احمد ہی ہیں۔ ہمیں کسی کی کسر شان مقصود نہیں۔ دوسرے مسلمان اکابر جو اس دور میں تھے ہمیں ان کا بھی بڑا احترام ہے۔ لیکن ہم اس زمانہ کی مایوسی میں صرف حضرتؑ ہی کو پُر امید دیکھتے ہیں۔ یہ مبالغہ نہیں۔ مولانا حالی اس زمانے کے غالب قومی ذہن کی ترجمانی ہی کر رہے تھے جب انہوں نے مسدس حالی یا مد و جزر اسلام کے شروع میں یہ رباعی رقم فرمائی تھی۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اس کے مقابل پر مرزا غلام احمد ہی ہیں جنہوں نے اس وقت مسلمانوں کی مایوسی کو امید سے۔ جمود کو حرکت سے۔ بے یقینی کو ایمان سے اور بے راہ روی کو سمت و منزل کے تعین سے بدل دیا۔ اگر قاضی صاحب یہ کہتے کہ مرزا صاحب نے امید پہلو الہامی سند مہیا کی تو حقیقت سے دور نہ ہوتے کیونکہ محکومیت قومی کی تائید میں تو وہ کوئی الہام حضرتؑ کا پیش نہ کر سکیں گے۔ لیکن مسلمانوں کے یقینی عروج اور بقاء ملت کا وہ مشہور الہام تو شائد انہوں نے بھی پڑھا ہو جو ۸۵ء میں ہوا۔ ابھی ۴۰ سال بھی نہ گزرے تھے کہ مرزا غلام احمد مسیح موعود نے خدا تعالےٰ سے سن کر مسلمانوں کو سنایا تھا کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔" انصافاً کہیئے کہ کیا یہ محکومیت قومی کے لئے الہامی جواز ہے یا تھکے ماندے مایوس گروہ کو دعوت خرام کہ ہمت بلند رکھو کامیابی قریب ہے آج تو آپ کو بے شمار لوگ ہمدردئ ملت کے دعوے دار نظر آ رہے ہیں لیکن انیسویں صدی کا نصف اواخر بیسویں صدی کے شروع میں وہ کون سا گروہ تھا جس نے اسلام کی نظریاتی یلغار کا قدم مسلمانوں کی سیاسی شکست کے باوجود پیچھے ہٹنے نہیں دیا۔ اور اس کی نظریاتی سرحدوں کو یورپ اور امریکہ تک

آگے بڑھانے کا عملی اقدام کیا۔ کیا یہ جرأت کسی محکم یقین، کسی روحانی آسودگی اور کسی زندہ ایمان کے بغیر ممکن ہو سکتی تھی۔ قاضی صاحب نے خود اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:۔

"اس تحریک کے بانی نے شعوری طور پر یہ کوشش کی تھی کہ غیر ملکی آقاؤں پر مذہبی حوالے سے زبردست یلغار کی جائے۔ اور نہ صرف انہیں بلکہ تمام مغربی اقوام کو اسلام کی صداقت اور بالادستی قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔"

ظاہر ہے کہ یہ جبر سیاسی یا عسکری تو نہیں ہو سکتا تھا یہ جبر خالصتاً تبلیغی دعوت کے جواب میں فرد کے اندر بیدار ہونے والے اُس داخلی جذبے کا جبر ہی ہو سکتا تھا۔ جو اپنی تکمیل اور تسکین کے لئے اسلام قبول کئے بغیر نہ رک سکتا ہو۔ کیا ایسی تبلیغی لگن اور یلغار کسی روحانی افلاس سے نمو پا سکتی تھی۔ یا یہ روحانی خوشحالی کا وہ نظام تھا جو صرف ایسی شخصیتوں یا جماعتوں سے ظاہر ہوتا ہے جو تاریخ سازی میں معمار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نہ کہ محض ایسے مواد کی جسے معمار اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کا بانی تاریخِ انسانی میں اُسی روحانی عمل کی ایک کڑی ہے جو انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی طویل جوئے نور کی شکل میں کارگاہِ حیات کو روشن رکھے ہوئے ہے۔ یہ ہم مبالغہ نہیں کر رہے بلکہ بیانِ حقیقت ہے جس کا خود قاضی صاحب کو بھی احساس ہے۔ جبھی وہ اپنے آپ کو ایک الجھاؤ میں محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ سب کچھ کہہ چکنے کے بعد کہ احمدیہ فکر ہندی مسلمانوں کے روحانی افلاس کا مظہر ہے اور اس صورتِ حال کو برقرار رکھنے کے لئے اس فکر نے نمایاں کردار ادا کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"تاہم مرزا غلام احمد کی تحریک احمدیہ کی مکمل طور پر اُس حوالے سے توجیہہ کرنا حقائق کو مسخ کئے بغیر محال ہے۔ نفسیاتی، سماجی اور فکری مظاہر پیچیدہ اور کثیر الاسباب ہوتے ہیں۔ اور یہ فکر کی تشکیل میں بھی بہت سے عوامل نے حصہ لیا ہے۔ لہٰذا یہ ایک پہلے پیچیدہ تحریک ہے۔"

قاضی صاحب نے یہ درست ہی کہا ہے کیونکہ تحریک احمدیہ کی ایسی توجیہہ جو اسے نوآبادیاتی نظام کے زیرِ اثر نمودار ہونے والے روحانی افلاس کی پیداوار بتائے "حقائق کو مسخ کئے بغیر محال ہے"۔ لیکن تعجب ہے کہ یہ کہہ چکنے کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

"یوں اس میں کئی تضادات بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف تو ہندی مسلمانوں کی غلامی کو مذہبی جواز عطا کرتی ہے تو دوسری طرف اس تحریک کے بانی نے شعوری سطح پر یہ کوشش کی تھی کہ مغربی اقوام کو اسلام کی صداقت اور بالادستی قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس لحاظ سے احمدیہ تحریک میں جارحانہ عنصر موجود تھا۔ تاہم تاریخی عمل کے دوران اس تحریک کا پہلا رُخ غالب رہا ہے۔ لہٰذا اس منفی پہلو کو ہی فیصلہ کن قرار دینا ہوگا۔"

ہم شدت سے اس الزام کو جھٹلاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے "ہندی مسلمانوں کی غلامی کو مذہبی جواز عطا" کیا۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ کس قسم کے سیاسی ماحول میں انہوں نے انگریزی راج کو ترجیح دی۔ اُسے مذہبی جواز کی فراہمی کہنا حقائق کو مسخ کرنا ہے۔ لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ افسوسناک یہ اصرار ہے کہ احمدیت کو یہ کہہ کر ختم کیا جائے کہ "تاریخی عمل کے دوران اس تحریک کا پہلا رُخ (یعنی غلامی کو مذہبی جواز عطا کرنے) غالب رہا ہے۔ لہٰذا اس منفی پہلو کو ہی فیصلہ کن قرار دینا ہوگا۔" ظاہر ہے قاضی صاحب یہاں تاریخی عمل سے انیسویں اور بیسویں صدی میں برپا ہونے والی ہندوستانی سیاسی تحریکات ہی مراد لے رہے ہوں گے۔ ورنہ تحریک احمدیہ کی مغرب میں تبلیغِ اسلام بھی جسے وہ خود "زبردست یلغار اور جارحانہ عنصر" کہتے ہیں تاریخی عمل ہی تھا اور اب بھی ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ انہوں نے تاریخی عمل کا حوالہ دیتے ہوئے تحریک کے دو رُخ کیونکر قرار دیئے؟ جبکہ پہلا رُخ جس کے غالب رہنے کا انہوں نے ذکر کیا۔ تحریک احمدیت کا کوئی رُخ تھا ہی نہیں۔ تحریک نے عملاً سیاست میں کوئی حصہ لیا ہی نہیں۔ اور نہ ہی اس نے دوسری سیاسی تحریکات کے مقابل پر سیاسی عمل سے مخالفت یا عدم تعاون کی کوئی تحریک چلانے کا اقدام کیا۔ کہ کسی پہلو کے غلبہ کا کوئی سوال پیدا ہوتا۔ اس کا یہ مفہوم لینا کہ احمدیت نے عملی سیاست سے علیحدگی اختیار کر کے خالصتاً تبلیغی دعوت کا جو اہتمام کیا اس طرح وہ غلامی کو کوئی مذہبی جواز عطا کر رہی تھی انتہائی زیادتی ہوگا۔ کیونکہ ہر چند کہ وہ عملی سیاست سے علیحدہ رہی اُس نے مسلمانوں کی جداگانہ ملی حیثیت اور اس سے برآمد ہونے والے داعیات کا سختی سے اثبات کیا جس کا ایک ثبوت تو خود حضرت مسیح موعودؑ کی آخری تصنیف پیغام صلح ہے۔ اس کے علاوہ غیر احمدی مسلمانوں کی جدوجہد میں ہر نازک گھڑی کے وقت احمدیوں نے فرداً فرداً اور جماعتی طور پر بھی ان کے شانہ بشانہ ساتھ دیا۔ کوئی بھی انصاف پسند جماعت احمدیہ لاہور کے اخبار لائٹ کی فائلیں اٹھا کر دیکھ سکتا ہے کہ احمدیوں نے مسلمانوں کے تمام جائز مطالبات کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان کے نظریئے کی وضاحت کرتے ہوئے اخبار لائٹ کے ایک اداریئے کا حوالہ بھی دیا تھا۔ تحریک پاکستان سے پہلے بھی شدھی اور سنگٹھن کی تحریکات کے خلاف بھی احمدی مبلغ ہی مسلمانوں کے دفاع میں پیش پیش رہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ احمدیت نے غلامی کو مزعومہ مذہبی جواز عطا کرنے کے منفی پہلو کو تاریخی عمل کے دوران غالب رکھا واقعات کا انکار کرنا ہے۔ جو ایک دانشور محقق کو زیب نہیں دیتا۔

ہمیں یہ ماننے میں انکار نہیں کہ سیاست کے حوالے سے جو تاریخی عمل برصغیر جنوب ایشیا میں کوئی سو سال سے اگلی ٹیک رواں تھا اس میں احمدیہ تحریک نے براہ راست سیاسی طور پر حصہ نہیں لیا لیکن ایسا نہ کرنے میں تحریک کسی کوتاہی کی مرتکب نہ تھی۔ کیونکہ ایک ایسی تحریک کہ جو اپنے نصب العین اور طریقِ کار میں عالمی محیط پر پھیلی ہوئی ہو۔ اُسے وقتی یا محدود وطنی مصلحتوں یا ضرورتوں ہی کے تنگنائے میں محصور کرنا ممکن نہیں۔ اس کا دعا وقتی اور دوامی دونوں ہی مسائل سے ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں، فرمانبرداروں اور سرکشوں، مقامی اور عالمی تمام ہی سے دلچسپی رکھتی ہے۔ وہ مسلمانوں کو ان کے اصل مقامِ دعوت کی یاد دہانی کراتی ہوئی اس نصب العین کی طرف بڑھنے کو بلاتی ہے جس کے حصول کے لئے مسلمانوں کو بہ حیثیت امت جنم دیا گیا تھا وہ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" کا مقام تھا کیونکہ جہاں تک مسلمانوں کی سیاسی سربلندی اور سرفرازی کا سوال تھا تحریک اس بات پر ایمان رکھتی تھی کہ اگر مسلمان اپنی تخلیق کے مقاصد کو پورا کریں گے تو سیاسی ادبار خود بخود ختم ہو جائے گا۔ وگرنہ اس الہامی شعر کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا کہ:۔

چوں دورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

اب قاضی صاحب ہی کہیں کہ کیا دورِ خسروی کی بات کرنا حصولِ سطوتِ حاکمانہ کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ یا نکبتِ غلامانہ کی طرف؟ کیا دورِ خسروی کا آغاز کرنے کے لئے مسلمانوں کو ان کے اپنے وجود اور فرض کا احساس دلانا اور اس شعور سے صادر ہونے والے منطقی اعمال بجالانے کا تقاضا کرنا غلامی کے لئے مذہبی الہامی اور ایمانی جواز مہیا کرنا ہے۔ احمدیہ تحریک دراصل مسلمانوں کو دوبارہ اس مقام کی بھرپور یاد دہانی کراتی تھی جس پر انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے نتیجہ میں فائز ہونا چاہیئے تھا۔ اور جس کا اعلان قرآن پاک میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کیا گیا تھا کہ:۔

"وجعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس۔"

اس طرح جماعت ایک طرف مسلمانوں سے مخاطب تھی اور دوسری طرف غیر مسلموں تک پیغامِ محمدی پہنچانے کی مکلف جو قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ تحریک احمدیہ جہاں ایک طرف مسلمانوں کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا رہنے کی کاہلانہ زندگی سے نکال کر یاس اور ناامیدی سے نجات دلاتی ہوئی ان کو ان کے تاریخی دور اور کردار کے ادا کرنے پر آمادہ کرتی تھی۔ وہاں انہیں اپنے مقامی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ خلافت ارضی کے حصول کے لئے فتح و کامرانی کے ایمانی وعدوں کے یقین کے ساتھ جدوجہد کرنے کو بلاتی تھی۔ وہ اسلام کے جمالی دور کی نقیب تھی اور اپنے آپ کو احمدیہ ہی اس لئے کہتی تھی کہ اسلام کے حسن و احسان سے وہ ایک نئی تہذیب کا آغاز کر رہی تھی۔ جہاں جنگ و جدل کی بجائے صلح و آشتی

تحکم و تفاخر کی بجائے حلم و انکسار اور انتقام و تفریق کی بجائے عفو و اتحاد کا نظام اقتدار رواج پا سکے۔ سچ یہی ہے کہ ایک ایسی جد و جہد ریاضت شاقہ اور طویل مجاہدہ و صبر کی متقاضی ہوتی ہے۔ جس میں بعض ایسے مقام بھی آ پڑتے ہیں جہاں بڑے بڑے باہمت فرمانبردار بھی بے چین ہو کر متیٰ نصر اللہ پکار اُٹھتے ہیں۔

یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے احمدیہ فکر سے اختلاف کرنے والے غیر احمدی دوست کہہ اٹھتے ہیں کہ تحریک احمدیہ کا طریق کار دراصل محکوم مسلمان قوموں کی حصول آزادی کی جد و جہد کو ساز گار نہیں اور پھر اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ دو قدم اور بڑھ کر یہ الزام دینے لگتے ہیں گویا ایسا طریق کار انہیں غلامی پر رضامند رہنے کو آمادہ کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کے نظام اپنے نفاذ کے لئے اقتدار کے حصول کا تقاضا کرتا ہے۔ جب تک اقتدار کی کنجیاں نہ ملیں قانون نافذ نہیں ہو سکتا۔ وہ دراصل ایک کلی انقلابی تحریک اور اس کی محرک روح کو حکومت کے نظام سے خلط ملط کر دیتے ہیں۔ وہ محض ظاہری مادی صورت کو دیکھتے ہیں اور اس کی تزئین اور تحسین کو اصل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جب تک اُس میں نفخ رُوح نہ ہو۔ وہ ایک جامد و ساکت ڈھانچہ ہی رہے گا۔ جو کسی تخلیقی عمل پر قادر نہیں ہوگا۔ اگر کوئی بھی نظام انقلابی روح کی والہیت سے بے نیاز ہو کر مشینی انداز میں چلنے کا دعویٰ کرے تو وہ چند قدموں سے زیادہ شاید ہی بڑھ سکے گا۔ وہ نظام مشینی روبوٹوں (ROBOTS) کا نظام ہی ہوگا جس میں کمپیوٹرائز (COMPUTERIZED) ہوئے اسباق اُسے اتنے ہی قدم لے جا سکیں گے جو اس میں بھر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ حق یہی ہے کہ تاریخ انسانی میں جتنے قدم آگے بڑھے ہیں وہ اس روحانی انقلابی عمل کے نتیجے میں ہی اُٹھے ہیں جسے بدھ مت۔ عیسائیت اور اسلام نے برپا کیا تھا۔ موجودہ دور میں بھی مارکسزم (MARXISM) اور دیگر سیکولر (SECULAR) نظام ہائے فکر کا اندرونی وہ انقلابی ارادہ ہی ہے جو ان کو عصر حاضر کی کشمکش میں مصروف رزم رکھے ہوئے ہے تا کہ ان کا ظاہری نظام جو ان کے داخلی ارادے کا صرف ایک مظہر ہے۔

اس لئے ہم یہ کہنے میں ہرگز ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ کسی گروہ میں جب تک یہ داخلی روحانی ارادہ توانا رہتا ہے اور اجتماعی ذہن کو اس کی موجودگی کا شدید احساس ہوتا ہے اور اس گروہ کو اس احساس ذات اور داخلی روحانی ارادے سے والہانہ محبت کرنے میں فخر محسوس ہوتا ہے۔ وہ زندہ اور فعال رہتا ہے۔ چاہے اس کی ظاہری تربیت و تنظیم کے پہلو [illegible]۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مبارک دور سے لے کر سولہویں صدی عیسوی تک، ہر چند خلافت راشدہ سے ہٹ کر ملوکیت کی ظاہری صورت میں ڈھل گئے تھے اُن کے قدم فتح و کامرانی کی طرف بڑھتے رہے۔ ان کی تہذیب اس ایک ہزار سال میں غالب اور حاکم تہذیب بن کر رہی۔ ان کے معاصر اپنے رواج و لباس سے لے کر فکر و اختراعات تک سب مسلمانوں کی پیروی کرتے رہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ جب بھی کسی گروہ کی انقلابی روح پر انحطاط اور ضعف طاری ہوتے ہیں اور اس گروہ کی قوت متحرکہ میں پیامبری کے بے پناہ جذبے سے پیدا ہونے والے فرض و عمل کی ادائیگی پر فخر کی جگہ محض ظاہری نام و نمود و نمائش کا فخر زبردستی آ دھمکتا ہے۔ تو وہ تخلیق نو اور نقش تازہ پیدا کرنے کی لذت سے عاری ہو جاتی ہے۔ اُسے تکبر اس بات پر مجبور کر کے اُکساتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے بس وہی کافی ہے اس لئے اسے بچانا ضروری ہے۔ وہ ماضی کی اسیر ہو کر رہ جاتی ہے کیونکہ اس کا ہی سرمایہ اُسے وراثت میں ملا ہے جس میں اضافہ کا اُسے کوئی شوق اور ولولہ نہیں رہتا۔ شکستگی اس کے روزمرہ کے چلن پر پھیل جاتی ہے۔ اور مفلسی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی محض میراث پر زیادہ عرصہ جی نہیں سکتا۔ جب تک کہ اس میں نئے اموال و اثاثے کا اضافہ نہ کرے۔

سوال ہو سکتا ہے کہ کیا تحریک احمدیہ کا ردعمل اپنے دور کی دعوت مبارزت کے جواب میں محض ایک روایت پرست اسیر ماضی کے زخم خوردہ عصبیت کا ردعمل تھا یا وہ کوئی مثبت انقلابی روح کا اقدام تھا۔ جسے اپنے مشن کی رفعت اور اپنے عمل کی وسعت اور ہمہ گیری کا شدید شعور ایسے اقدام پر آمادہ کرتا ہے۔

جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ احمدیہ تحریک کو اپنے مقام اور اس کی ذمہ داریوں کا بہت شدید احساس تھا اور یہ احساس خود بانی کی تحریر و تقریر سے عیاں ہے۔ وہ اپنے قیام اور اقدام کو اسی حوالے سے بیان کرتی ہے جو ایسی تحریکوں کا ہمیشہ سے منبع و مصدر رہا ہے۔ ”تبھی تو کہا گیا تھا کہ :۔

ہم ہوئے خیر امم تجھ ہی سے اے خیر رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

تحریک احمدیت نے عین اس وقت جب مسلمانوں کی آخری بڑی سلطنت ترکی خلافت دم توڑ کر سیاسی یاس پھیلا گئی۔ انہیں اس انقلابی اقدام کی طرف بڑھایا جو ”تطلع الشمس من مغربہا“ کا معجزہ دکھائے۔

یہ کسی یاس انگیز، شکست خوردہ۔ روحانی افلاس زدہ رجعت پسند فکر کا اقدام نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ اس ارادہ کی بازگشت تھا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ بشیرا اس تحریک کے آغاز میں پندرہ سو سال اُدھر ظاہر فرمایا گیا تھا کہ قیامت آ ہی نہیں سکتی جب تک کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو جائے۔ اسے اتنا شدید حتمی طور پر صرف ایک ہی شخص اور ایک ہی جماعت نے ہمارے زمانے میں بار بار دہرایا ہے کہ ؎

بعنایات خدا و نصرت دلبند اے اغی [illegible]
قضائے آسمان است این بہر حالت شود پیدا

بھلا یہ روحانی افلاس زدوں کی باتیں ہیں یا ایک نئے سحر کے طلوع کا اعلان کرنے والوں کا مژدہ۔ حکومتوں کے زوال تحریکوں کا زوال نہیں ہوتے بشرطیکہ حکومت اور تحریک کو ایک نہ سمجھ لیا جائے۔

ایک ضروری اعلان

ادارہ پیغام صلح حضرت علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری مرحوم کے حالات زندگی پر مشتمل ایک خاص نمبر شائع کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کے اعزہ اور احباب سے درخواست ہے کہ وہ مرحوم کی طویل دینی خدمات پر مضامین رقم فرما کر جلد از جلد ارسال فرما دیں تا کہ یہ نمبر شائع کیا جا سکے۔

”ادارہ“

ہفت روزہ پیغام صلح ۱۰۰، ۱۴/۲۱ نومبر ۱۹۷۹ء

مکرم میاں رحیم بخش صاحب کراچی

قرآن ایک پُرحکمت کتاب ہے

قرآن ایک نہایت اعلےٰ پُرحکمت کتاب ہے چونکہ یہ کتاب اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے جو حکیم اور علیم ہے۔ اس لئے اس کتاب کی حکمت کا علم اور اس کی وسعت بے پایاں ہے۔ جوں جوں اور جتنا انسانی علم ترقی اور وسعت اختیار کرے گا اسی نسبت سے قرآن کی حکمت کے انکشافات علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ حقائق بن کر نظر آئیں گے۔ زمانہ کی علمی ترقی کے ساتھ قرآنی حکمت کے انکشافات کا اضافہ ہوتا رہے گا اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا کیونکہ قرآن اللہ تعالےٰ کی طرف سے آخری اور مکمل دین کی کتاب ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیات اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۔ ولقد جاءھم من الانبآء مافیہ مزدجر حکمۃ بالغۃ فما تغن النذر (سورہ القمر: ۴،۵)

ترجمہ: اور یقیناً انہیں وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے (یہ سب) کامل دانائی کی باتیں ہیں، مگر (ان کو) ڈرانا کسی کام نہ آیا۔

۲۔ وانک لتلقی القراٰن من لدن حکیم علیم (سورہ نمل: ۶)

ترجمہ: یقیناً تجھے قرآن حکمت والے علم والے کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

۳: ذالک نتلوہ علیک من الاٰیات والذکر الحکیم (سورہ آل عمران: ۵۷)

ترجمہ: یہ ہم آیتوں اور حکمت والے ذکر سے تجھ پر پڑھتے ہیں۔

۴: الرٰ تلک اٰیات الکتاب الحکیم (سورہ یونس: ۱)

الرٰ کو ذرا ایک اور رنگ میں پڑھا جائے یعنی انزل اللہ الخبیر تو معنی زیادہ موزوں ہوں گے۔ (اللہ تعالےٰ خبر رکھنے والے نے اتاری ہیں) یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

۵: یٰسٓ والقراٰن الحکیم انک لمن المرسلین علیٰ صراط المستقیم۔ (سورہ یٰسٓ: ۱-۲)

ترجمہ: اے انسانِ کامل (یہ) حکمت والا قرآن گواہ ہے کہ تو پیغمبروں میں سے ہے۔ اور تو صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) پر ہے۔

علیٰ ھٰذا قرآن میں کیا کیا حکمتیں مرکوز ہیں۔ اس کی ہر زمانے میں اس کے حالات اور علم کے مطابق اس کی شہادتیں اور صداقتیں ملتی ہیں۔ یہ کتاب چونکہ ہر زمانہ ہر وقت اور ہر قوم کے لئے تاقیامت ہے۔ لہٰذا اس کی حکمت کی باتیں بھی لاانتہا ہیں۔ اور ہر زمانے میں نئے انکشافات کا ظہور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کے نزول کی بین دلیل ہے۔ اس لئے اس کی حکمت کی باتیں کسی ایک زمانے سے معین نہیں کی جا سکتیں۔ بلکہ ہر زمانہ میں جو اللہ تعالےٰ کے کامل علم میں ہے اس کی حکمت کی باتوں کا ظہور لازمی امر ہے اللہ تعالےٰ خوب جانتا تھا کہ عالمِ اسلام اور مسلمانوں میں فطرتِ انسانی کے مطابق ضرور اختلافات پیدا ہوں گے۔ اس لئے اس مخبرِ صادق ؐ نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا: اختلاف اُمتی رحمۃ۔ میری اُمت میں اختلافات ضرور ہوں گے مگر وہ ایک حد تک رحمت ثابت ہوں گے کیوں؟ کیونکہ اختلاف خیالات میں انسانی ذہن اور اس کی عقل و دانش کی ترقی کا راز ہے مگر اللہ تعالےٰ نے پُرحکمت انداز میں اختلافات کے ساتھ ایک تنبیہ بھی کر دی اور وہ یہ ہے کہ یہ اختلافات تنازعات کا رنگ اختیار نہ کریں۔ جب ایک چیز پر اختلاف کے باعث تنازعہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو ذہن بجائے ترقی کے ماؤف ہو جاتا ہے۔ انسان اخلاقیات سے گر جاتا ہے۔ بلکہ یہ تنازعات جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی پُرحکمت کتاب نے اس کا ایک اطمینان بخش حل بھی بتا دیا۔ زمانۂ حال میں تو اختلافات تنازعات کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ان تنازعات کے حل کا کوئی طریقہ کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا بلکہ دن بدن یہ تنازعات نہایت خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں میں بجائے اخوت اسلامی کے نفرت، حقارت، دشمنی، ظلم، قتل و غارت اور بغض و عداوت پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمائے۔ مگر یہ سب محض ان قرآنی آیاتِ حکمت کے نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی پرحکمت آیات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے ان پر عمل پیرا ہوں تو مسلمان پھر اس نظارہ کو دنیا کے سامنے پیش کریں گے

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً (سورہ آل عمران آیت: ۱۰۲)

اللہ اللہ وہ کیا زمانہ ہوگا کہ جب مسلمان ان تنازعات کو اللہ تعالےٰ کی پُرحکمت آیات کے سامنے پیش کر کے ان کا حل نکال لیں گے۔ گو اختلافِ خیالات تو رہے گا مگر تنازعہ، عداوت، بغض و کینہ سب ختم ہو جائے گا۔ واللہ المستعان علیٰ ما یصفون۔

"یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ج فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذالک خیرٌ واحسن تاویلاً (سورہ النساء آیت ۵۶)

اس باب کے عنوان میں ہم سورہ النساء کی ۵۹ آیت کو تحریر میں لائے ہیں کیونکہ ہمارے موضوع کے لئے یہ آیت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اور اسی میں مسلمانوں کے آپس میں تنازعات کی صورت میں واضح طور پر نشاندہی بلکہ ہدایت نامہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں کے تمام تنازعات کے حل کی یہ پہلی سیڑھی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور اس کے معانی پر غور کریں اور اس سے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچیں۔ کچھ شرائط اور لوازمات کو ملحوظ بلکہ ذہن نشین رکھنا پڑے گا۔ جس کے متعلق خود قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ ہم جس معاملہ کے بارہ میں قرآن سے ہدایت چاہتے ہیں۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم نے جس معاملہ کے بارے میں پہلے ہی دل میں فیصلہ کر لیا ہے اور ہماری خواہش یہ ہو کہ جو بات ہم طے کر چکے ہیں قرآنِ کریم میں اسی کا ہی ذکر ہے۔ اگر کوئی بات قرآن سے ہماری منشا کے خلاف نظر آئے تو بھی ہم قرآن شریف کی بات ماننے کی بجائے اپنی ہی خواہشات پر قائم رہیں تو اس طرح ہم قرآن کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اسی معاملے کے مدنظر قرآن نے منکرین اور مکذبین کو جگہ جگہ ملزم کیا ہے کہ اگر قرآن میں ان کے اھواءھم یعنی خواہشات کے مطابق کوئی امر بیان ہوا ہے۔ تو وہ اس کو ماننے کو تیار ہیں۔ قرآن کریم نے ایسی بہت مثالیں پیش کی ہیں۔ مگر ایک آیت کریمہ اس بات پر وضاحت سے روشنی ڈالتی ہے۔ سورہ القصص کی آیت ۵۰ میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

"فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواءھم ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدًی من اللہ ان اللہ لا یھدی القوم الظٰلمین۔"

ترجمہ: پس اگر وہ تجھے جواب نہ دیں تو جان لو کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ (اسکے نتیجہ میں) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

پھر ایک جگہ صاف طور پر فرما دیا کہ قرآن سے ہدایت کون اور کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت: ۹ میں ارشاد ہے:۔

"ان ھٰذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم"

ترجمہ: یہ قرآن (اسی کو) وہ راہ دکھاتا ہے جو سیدھے راستہ پر قائم ہو۔ یعنی اپنی خواہشات کو بیچ میں لائے بغیر ہی راہ اختیار

کرے جو قرآن بتاتا ہے۔

الغرض اس تمہیدی بیان سے محض یہ غرض ہے کہ کسی متنازعہ فیہ امر میں اگر کسی نے پہلے ہی سے ایک خیال اس بارہ میں جما لیا ہو کہ قرآن کو اس کی خواہش کے مطابق فیصلہ دینا چاہیئے تو قرآن سے ہدایت فیصلہ لاحاصل امر ہے۔ بس اب ہم اس تمہیدی بیان کے پیش نظر ہم قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ اور مفہوم بیان کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ یہ ہے جو بیان القرآن سے مرقوم ہے۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی چیز (یعنی بات) میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ۔ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو یہ بہتر اور انجام کار اچھا ہے۔"

اس آیت کریمہ سے اہل اسلام کے لئے بہت اہم اصول وضع ہوتے ہیں۔ جو بہتر طور پر اس نوٹ سے واضح ہوتے ہیں جو اس آیت کی شرح میں بیان القرآن میں مندرج ہیں جسے ذیل میں بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

"حقیقی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ ان دو کے حکم کی فرمانبرداری بلا قید ہے۔ لیکن اولوالامر کی فرمانبرداری اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کی طرح مطلق اور بلا قید حکم نہیں بلکہ یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ یہی وجہ ہے تنازعہ کی صورت میں صرف اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کا حکم اس آیت میں صادر فرمایا۔ اور تنازعہ کی صورت میں اولی الامر کو حذف کر دیا۔ اسی نوٹ میں بعد میں مولانا صاحب نے یوں لکھا ہے:

"یہ امر بھی یہاں یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی تنازعہ میں اصلی اور فیصلہ کن قول یا اللہ تعالیٰ کا کلام ہو سکتا ہے۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث۔ پس جہاں کہیں مسلمانوں میں کوئی تنازعہ ہو اس پر فیصلہ کرنے کے لئے مقدم قرآن شریف اور بعدہٗ حدیث ہے۔ اور قرآن شریف کا تقدم اس لئے بھی ظاہر ہے کہ دوسری جگہ بصورت تنازعہ فحکمہ الی اللہ ہی فرمایا ہے۔ یعنی اس کا حکم اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح پر قرآن محفوظ ہے۔ اس طرح پر حدیث محفوظ نہیں۔ بلکہ حدیث کے الفاظ میں کمی بیشی کا ہو جانا اور بسا اوقات روایت کا بالمعنی ہونا ایک امر مسلّم ہے اور آئمہ مجتہدین کے اقوال ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ انسان اختلاف کر سکتا ہے اور وہ غلط بھی ہو سکتے ہیں۔"

چنانچہ اس آیت کریمہ جو اس کے عنوان میں درج ہے چند اصول واضح ہو جاتے ہیں جن میں شک و شبہ یا کسی قسم کا ابہام نہیں رہ سکتا۔ یہ اصول یوں بیان کئے جا سکتے ہیں کہ امور متنظمہ میں تعمیل احکام کی تین صورتیں ہیں۔ اولاً وہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو۔ آنحضرت صلعم کی زندگی میں تو ظاہر ہے امر رسول کریم کے سامنے پیش ہو کر فیصلہ کن ہو جاتا تھا لیکن آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد اللہ کے حکم کا ذریعہ صرف قرآن کریم ہے اس لئے اولیت تعمیل حکم قرآن ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ان کے افعال اور اقوال بذریعہ حدیث ہم تک پہنچے ہیں۔ اس لئے دوسرا درجہ تعمیل حکم کا حدیث ہے۔ وہ بھی بشرطیکہ قرآن کریم کے کسی اصول یا قول کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ قرآن حکیم کی تائید میں ہو۔

انتظام حکومت کی خاطر تیسرا درجہ اولی الامر کو دیا ہے یعنی جو حاکم وقت ہو اس کی اطاعت لازم ہے بشرطیکہ وہ بھی احکام الٰہی اور سنت رسول کے خلاف نہ ہو۔ گویا انتظامی امور کے لئے یہ تین درجات تعمیل احکام کے سلسلہ میں ہیں لیکن یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ تنازعہ کی صورت میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع لازم ہے۔ اور اولی الامر کو اس میں شامل نہیں کیا۔ اس اصول قرآنی کی تعمیل میں یہ قابل ذکر بات ہے کہ جب یہ تنازعہ کہ احمدی مسلمان ہیں یا نہیں اتنا بڑا مسئلہ کہ کسی کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کو صرف قرآن اور سنت کی رو سے حل کرنا چاہیئے تھا اور اسمبلی کا فیصلہ قرآنی شریعت کے برخلاف ہونے کی وجہ سے کالعدم قرار دیا جا سکتا تھا۔ قرآن اور سنت کا فیصلہ ہر آئین اور اسمبلی یا کسی حاکم کے حکم سے بالاتر ہے۔ اور اسی نص صریح پر آئین کی ترمیم جس سے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ کالعدم ٹھہرتا ہے۔ سورہ الانعام آیت ۶۲ میں ارشاد ہے:

" ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق۔ الا لہ الحکم وھو اسرع الحٰسبین"

ترجمہ: پھر وہ اپنے مولا برحق کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ سنو اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

یہ امر بھی اب تشریح کے لئے قابل غور ہے کہ آیا قرآنی آیت مندرجہ بالا کی روشنی میں احمدیت کو غیر اسلام قرار دینے کی حکومت یا کوئی آئین مجاز ہے۔ بہرصورت مندرجہ بالا آیت قرآنی جو اس باب کا عنوان ہے اس سے مفصلہ ذیل اصولوں کا صریحاً استنباط ہوتا ہے۔

۱۔ اطیعوا اللہ کے ماتحت احکامات قرآن کریم کی تعمیل اولیں درجہ پر قابل اطاعت ہے۔ قرآنی بیانات یا احکامات کے خلاف کوئی حکم واجب الاطاعت نہیں۔

۲۔ اطیعوا الرسول کے ماتحت، سنت رسولؐ جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے۔ اور قرآنی بیانات یا احکامات کے خلاف نہیں بلکہ مؤید ہے قابل اطاعت ہے۔ آیت کریمہ کا یہ حصہ مقام حدیث کو احسن طریق پر واضح کرتا ہے۔

۳۔ اولی الامر کی اطاعت صرف مملکت کے انتظامی امور میں لازم ہے۔ وہ بھی جب قرآن اور سنت کے مطابق ہو۔ ورنہ قرآن اور سنت کے خلاف انتظامی امور بھی قابل تعمیل نہیں۔

۴۔ اس آیت کریمہ میں اختلاف رائے کے بارہ میں کوئی ذکر نہیں۔ گویا ضمنی عقائد یا فروعی مسائل جو اسلام کے بنیادی اصول سے الگ ہیں ان میں اختلاف رائے جائز ہے۔ مگر جب کوئی دینی مسائل تنازعہ کی صورت اختیار کر لیں۔ جن پر اسلام کے بنیادی اصولوں اور ارکان دین کا انحصار ہے تو اس صورت میں صرف اللہ تعالیٰ یعنی قرآن کریم اور سنت رسولؐ فیصلہ کن ہو سکتے ہیں۔ ان مسائل میں اولی الامر کسی طرح دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ لیکن عالم اسلام میں معاملات اس کے برعکس ہیں۔ معمولی فروعی اختلافات کو اتنا بڑھا دیا گیا ہے کہ وہ منازعات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ایسے اختلافات اور منازعات کا ذکر تفصیلاً آئندہ آئے گا۔

لیکن یہ ازحد ضروری ہے کہ مفصلہ بالا اصول جو نمبر ۲ کی آیت کریمہ سے اخذ کئے گئے ہیں ہمیشہ مدنظر رہنا چاہیئیں ورنہ منازعات لاینحل صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

(نمبر: ۳)

ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ اٰیٰت محکمٰت ھن ام الکتاب واخر متشٰبھٰت ط فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ م والرٰسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ کل من عند ربنا ج وما یذکر الا اولوا الالباب ۰ (سورہ آل عمران، ۷)

اس باب کا عنوان ہم نے قرآن حکیم کی آیت کریمہ نمبر، سورہ آل عمران سے لیا ہے۔ اس آیت کریمہ کے مضمون کا باب دوم کی عنوانی آیت کریمہ سے بہت گہرا تعلق ہے۔ کیونکہ جو اصول تفہیم قرآن ہم نے باب دوم میں اخذ کئے ہیں۔ آپ ان کا اطلاق اس آیت کریمہ سے وابستہ ہے۔ پہلے اس آیت بالا العنوان نمبر سوم کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جو اصول تفہیم القرآن کے لئے اس آیت کی روشنی میں اخذ ہوں گے۔ ان کا تفصیلاً ذکر کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے:

"وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں سے کچھ محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل (حیثیت رکھتی ہیں) اور کچھ اور (ایسی ہیں) جو متشابہ (حیثیت رکھتی) ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ اس کی متابعت کرتے ہیں جو اس (آیت) میں متشابہ (بات) ہے (وہ ایسا استدلال) فتنہ پیدا کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اور (یہ) یہ چاہتے ہوئے کہ (اپنی من مانی) تاویل کریں۔ (حالانکہ) اس کی صحیح تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان

(لوگوں) کے جو علم میں پختہ ہیں (اس لئے) وہ کہتے ہیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ (یہ) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور اس آیت کے صحیح مفہوم کو عقل والوں کے کوئی (دوسرا) نصیحت قبول نہیں کرتا۔"

اس آیت کریمہ کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔ اور اس میں جس قدر حکمت کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان کو قبول کر لیا جائے (جو مطابق آیت کریمہ سوائے عقل و دانش والے ہی کر سکتے ہیں) تو مسلمانوں کے تمام تنازعات بحکم خداوند کریم باسانی حل ہو سکتے ہیں لیکن اگر اس میں ایک طرفہ بھی نظر انداز ہو گیا تو تنازعات ختم ہونے کی بجائے بڑھ جاتے ہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف عقل کی کسوٹی پر سوچ سمجھ کر قبول کرنا پڑے گا۔ اسی آیت میں انتباہ موجود ہے کہ فتنہ پیدا ہوگا اور اس امت کے تمام فتن اس آیت کو صحیح طور پر نہ سمجھنے یا اسے بالکل نظر انداز کر لینے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو اس آیت کے فوراً بعد آیت ۸ میں مسلمانوں کو دعا سکھائی ہے کہ:

"ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا
وهب لنا من لدنك رحمة انك
انت الوهاب۔"

ترجمہ:۔ "اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں وہ کج روی نہ پیدا کر (کہ ہم فتنہ کا باعث بنیں) اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت فرمائی۔ اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما (تاکہ امت کے لئے ہم باعث رحمت ہوں) بے شک تو ہی بہت (رحمت) عطا کرنے والا ہے۔"

کس قدر زبردست تنبیہہ اللہ نے فرمائی ہے کہ دل کانپ جائے اور روح تڑپ اٹھے۔ کہ کہیں خدانخواستہ ہم ایسی کج روی میں ملوث ہو جائیں کہ امت مسلمہ کے اتحاد اور اس کی اصلاح کی بجائے ہم باعث فتنہ ثابت ہوں۔ یا اللہ ہم کو اس زیغ سے بچائے رکھنا۔ اب اس آیت کریمہ کی تصریحات پیش ذیل ہیں

نمبر دوم میں جس آیت کریمہ کا ذکر تھا۔ اس میں چند اصول اخذ ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر نمبر دوم کے آخر میں آ چکا ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ جب کسی بات پر تنازعہ کی صورت پیدا ہو جائے تو اولین درجہ متنازعہ فیہ امر کو طے کرنے کے لئے کلام اللہ یعنی قرآن حکیم ہے۔ سو اس کا حل قرآن کی آیات کریمہ میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اس میں یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوگا کہ جتنے متنازعہ فیہ امور ہیں۔ سب کا حل ہر ایک اپنے خیال میں قرآن سے پیش کرتا ہے۔ اور قرآن سے مختلف معانی نکل سکتے ہیں۔ تو قرآن کے کون سے مطالب سے تصفیہ ہو سکتا ہے۔ سو چنانچہ اس آیت کریمہ جو اس باب کا عنوان ہے۔ اس کا بہت صریح حل موجود ہے۔ اور قرآن حکیم نے خود ہی وہ طریق صحیحہ اس آیت میں صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آیات قرآن پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آیات قرآنی دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک حصہ آیات حکیمہ کا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اُم الکتاب سے موسوم کیا ہے۔ یعنی قرآن حکیم کی چند آیات ایسی ہیں جو کتاب کا اصل ہیں۔ یعنی ان میں ایسے حقائق اور اصول حقہ بیان کئے گئے ہیں۔ جو گویا ایک قاعدہ کلیہ کے بطور اللہ تعالیٰ کے مقررہ قانون قدرت بیان کئے گئے ہیں۔ ایسی آیات قرآن کا اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور ان میں کوئی تاویل یا ذومعنی بات نہیں۔ بلکہ واضح قوانین قدرت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں ان میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے متنازعہ فیہ امر کے بارہ میں قرآن مجید کی ایسی آیات کو معلوم کرنا چاہیئے۔ جو غیر مبدل اصول یا قانون قدرت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ان آیات پر غور کرنا چاہیئے جس میں متنازعہ فیہ امر میں کوئی اور معانی نظر آتے ہوں۔ لیکن چونکہ یہ متشابہ آیات ہوں گی تو ان کی تاویل ہر کوئی اپنی مرضی یا خواہش کے مطابق نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایسی آیات کے مطالب کو آیات محکمات کے تحت اور ان سے موافقت میں مفہوم لینا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو قرآن حکیم خود اس کے صحیح نتیجہ سے متنبہ کرتا ہے۔ کہ اس طرح بجائے تنازعہ کے طے ہونے کے ایک فتنہ کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اس امر کی تشریح بھی اسی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ کہ آیات جو متشابہات کے بطور واقع ہوئی ہیں ان کی صحیح تاویل بالو اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے مطالب کوئی کچھ ہی نہیں سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے یا اپنے راسخ علم کی بنا پر متشابہ آیات کو صحیح تاویل ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جو راسخ العلم ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سب آیات یعنی محکمات اور متشابہات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یعنی سب کلام اللہ ہیں۔ اور ایسی صورت میں ان میں تضاد نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ان میں تضاد کی صورت ہو تو وہ ایک ہی کلام نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

افلا يتدبرون القرآن ط ولو كان
من عند غير الله لوجدوا فيه
اختلافا كثيرا ٥ (سورۃ النساء، ۸۲)

ترجمہ:۔ "پھر کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلافات پائے جاتے۔"

اس آیت کریمہ سے صریحاً واضح ہے کہ چونکہ قرآن حکیم ایک ہی ذات باری تعالیٰ کا کلام ہے اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اختلاف کی صورت میں یہ ایک ہی ذات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کریمہ کے معانی کو نظر انداز کرنے میں بہت غلط معانی اور غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک مسئلہ ناسخ منسوخ کا بہت اہم رہا ہے اور اس میں ایسے اختلافات ہیں جن سے یہ ظاہر ہوگا کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو منسوخ کرتا ہے۔ گویا دونوں میں اختلاف ہے۔ حالانکہ کلام اللہ میں نہ تناقض ہو سکتا ہے اور نہ اختلاف۔ اس لئے یہ مسئلہ ناسخ منسوخ ہی بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے۔

متذکرہ بالا آیت ۸۲ سورۃ النساء سے یہ اصول صریحاً واضح طور پر قائم ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی کوئی آیت کسی دوسری آیت کے متناقض نہیں۔ اس لئے کوئی آیت دوسری آیت کو نہ تو منسوخ کر سکتی ہے۔ اور نہ کسی آیت کے لئے ناسخ بن سکتی ہے۔ سو قرآن حکیم کی آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے خود قرآن مجید نے آیت کریمہ نمبر ۷ سورۃ آل عمران کی روشنی میں حسب ذیل اصول واضح کئے ہیں۔

۱:۔ کسی متنازعہ فیہ امر کے تصفیہ کے لئے سب سے پہلے قرآن حکیم کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر امر متنازعہ کے بارہ میں قرآن میں ایسی آیات کو نوٹ کیا جائے جو اس تنازعہ کو حل کرنے کے لئے محکمات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قرآن کریم میں یہ ارشاد موجود ہے کہ قرآن ہر ایک اختلافی مسئلہ میں بیان دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ کہف آیت ۵۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"ولقد صرفنا في هذا القرآن للناس
من كل مثل ط وكان الانسان اكثر
شيء جدلا۔"

ترجمہ:۔ "اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں اور انسان (باوجود ایسی صریح باتوں کے) جھگڑالو واقع ہوا ہے:"

لہٰذا ہر امر متنازعہ میں آیات محکمات قرآن حکیم کی پہلے نوٹ کرنی چاہئیں۔ جو بالکل وضاحت اور بغیر کسی تاویل کے اس امر پر بیّن دلیل اور ثبوت پیش کرتی ہیں۔ آئندہ ہم جن متنازعہ امور کا ذکر کریں گے اس آیت کریمہ کا یہ اصول سب سے پہلے مد نظر رکھنا پڑے گا۔

اس کے بعد جو غور طلب بات ہوگی وہ یہ ہے کہ امر متنازعہ کے بارہ میں کئی ایسی آیات ملتی ہیں جو متشابہات میں شامل ہیں جیسا کہ خود قرآن حکیم نے فرمایا کہ: واخر متشابهات "کہ کئی آیات ضرور ملیں گی جو متشابہات کہلائیں گی اور ان کے لئے صحیح تاویل کی ضرورت درپیش ہوگی۔ سو اصل اور صحیح تاویل اللہ کے علم میں ہے۔ جبکہ وہ اپنے برگزیدہ راسخ العلم لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ اور راسخ العلم وہ لوگ ہیں جو آیات محکمات کو اولیت دے کر آیات متشابہات کو محکمات آیات کے تحت اس کی تاویل کرتے ہیں۔ تو متشابہات آیات کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائے گا لیکن اگر معاملہ برعکس کیا جائے یعنی متشابہات کو اولیت دے کر محکمات کو ان کے تحت معانی میں لایا جائے تو یہ معاملہ باعث فتنہ ہوگا۔ اور امت مسلمہ میں تمام تنازعات اسی اصول کو نظر انداز کرنے یا اس کو برعکس استعمال کر لینے سے پیدا ہوتے ہیں۔

آیات متشابہات کی تاویل جب کوئی اپنے حسب منشاء کرتا ہے اور محکمات کو فوقیت نہیں دیتا تو یقیناً اس سے بہت بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اور تاریخ امت بتاتی ہے کہ ایسا ہی ہوتا

رہا۔ تو آئندہ جو مسائل متنازعہ فیہ کا ذکر کریں گے ان امور کے بارہ میں جو محکمات آیات ہیں ان کو اولیت اور فوقیت ہوگی اور پھر آیات متشابہات کی تاویلات اور معانی ان محکمات کے تحت اور اس کی موافقت میں کرنے پڑیں گے۔ اس طریقہ سے ہی ہم امور متنازعہ کا تصفیہ بروئے قرآن حکیم ہو سکتا ہے۔ ورنہ جیسا کہ متذکرہ بالا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ انسان جھگڑالو ہی ہو جاتا ہے اور صحیح بات یا حق کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔

تو آیئے! اب ہم امت مسلمہ میں اس زمانہ میں جو خاص طور پر یہ امور پیدا ہوئے ہیں۔ ان کو متذکرہ بالا آیات قرآنی کی روشنی میں بنظر غائر مطالعہ کریں۔ تو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اور بحکم ارشاد باری تعالیٰ ایسی امور کا تسلی بخش تصفیہ بھی ہو سکتا ہے۔ آیئے ہم حسب ارشاد قرآن ہر معاملہ پر تدبر اور غور و خوض سے تصفیہ کن فیصلہ پر پہنچ جائیں۔

وما توفیقی الا باللہ۔ واللہ المستعان
علیٰ ما تصفون ۔ (سورہ یوسف : ۱۸)

نمبر ۴

چودھویں صدی ہجری کے شروع میں ایک مامور من اللہ نے اسلام کی حمایت اور سربلندی میں ببانگ دہل دین اسلام کی حقانیت اور آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات انسانی پر آواز اٹھائی۔ اور تمام ادیان باطلہ کو چیلنج کیا کہ ان سب میں باطل عقائد سرایت کر گئے ہیں۔ اور حق اور صداقت کا صرف دین اسلام ہی مظہر ہے۔ چنانچہ بے شمار مواقع پر اس نے اس آیت قرآن کی صداقت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا۔ یعنی آیت ؛ لیظہرہ علی الدین کلہ " (سورہ توبہ آیت ؛ ۳۳) کی توثیق کر دکھائی۔

ابطال دین مسیحیت جو موجودہ زمانہ میں اسلام کے خلاف بلکہ اس کو دنیا سے مٹا دینے پر تلا ہوا تھا۔ اس سے شدت سے مقابلہ پیش آیا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ سے علم پا کر اس مامور من اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اس کا آسمان پر زندہ موجود رہنا اور دوبارہ اسلام کی حمایت میں نازل ہونا یا اس کی قدرتی وفات کا مسئلہ اٹھایا اور قرآن کریم سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام قبل از آنحضرت رسول کریمؐ وفات پا چکے ہیں۔ اور نہ وہ ہزار سال سے آسمان پر اس جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور نہ ہی وہی دوبارہ اسلام کی امداد میں نازل ہوں گے۔ دراصل یہ مسئلہ ابطال دین مسیحیت کے لئے اٹھایا گیا کیونکہ عیسائیت کی بنیاد ہی اسی عقیدہ پر ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کی صفات سے متصف ہیں اور اسی لئے خدا کا بیٹا ہیں۔

یہ مسئلہ عیسائیت کے ابطال کے لئے بہت بڑی دلیل ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عظیم نبی تھے۔ لیکن سب انبیاء کی مانند بشر تھے اور اپنا دین بنی اسرائیل کو پہنچا کر وفات پا گئے۔ لیکن مسلمانوں کے لئے اسی مسئلہ نے ایک شور محشر بپا کر دیا۔ اور اس مامور من اللہ کے خلاف قیامت خیز ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اور چونکہ اس مامور من اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کی صفات کی مماثلت کی بنا پر اور کچھ احادیث کی روایات کے مطابق مسیح موعود کا دعویٰ پیش کر دیا۔ تو یہ مسئلہ مسلمانوں کے لئے ایک متنازعہ کی صورت اختیار کر گیا۔ کہ اس مامور من اللہ پر کفر کے فتوے صادر کئے گئے اور بجائے اس کی اعانت کے اسے کافر قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ یہ مسئلہ تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ چاہتا ہے کہ کس طرح یہ عقیدہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور دو ہزار سال سے زائد زمانہ تک ان کا بجسد عنصری زندہ رہنا۔ مسلمانوں میں اس قدر راسخ ہو گیا کہ اس کے خلاف اور اس کے رد میں گو قرآن حکیم کی بیّن آیات ہیں۔ مگر مسلمان انہیں قبول کرنے کو تیار نہیں۔ بہر حال اس وقت ہم اس کے تاریخی پہلو پر بحث نہیں کرتے۔ اس کے لئے ایک تحقیق یعنی RESEARCH کی ضرورت ہے۔ ہم اس وقت اس مسئلہ کا قرآن کریم کے ارشادات اور آیات محکمات کے مدنظر بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم نے نمبر دوم و سوم میں اُن آیات کو تفصیلاً وضاحت سے پیش کیا ہے۔ جس کے ماتحت یہ مسئلہ بھی چونکہ اہم متنازعہ فیہ ہے۔ اس لئے انہی آیات کے پیش نظر اس مسئلہ کا حل تلاش کرتے ہیں۔

متذکرہ بالا آیات قرآنی اس بات پر واضح ثبوت ہیں کہ ہر معاملہ میں اس میں آیات محکمات ہیں جن کے معانی اور مطالب کو ذہن نشین کر کے آیات متشابہات کی تاویل کی جائے۔ سو ہم پہلے انسانی زندگی اور موت، خاص کر انبیاءؑ اور رُسل کے بارہ میں جو ذکر ہے۔ ان کو تلاش کریں۔ یہ ایسی آیات محکمات ہونی چاہئیں جو ایک قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہوں۔ جن میں کسی تبدیلی یا تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا
لاتبدیل لخلق اللہ۔ ذالک الدین
القیم ۔ (سورہ روم : ۳۰)

ترجمہ :۔ سو تم یکسو ہو کر دین کی طرف اپنا رُخ کر۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدائش (یا بناوٹ) کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہی قائم رہنے والا دین ہے :

بنی آدم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات کے بارہ میں ذیل کی آیات و محکمات سب سے پہلے غور طلب ہیں :۔

۱۔ سورہ بقرہ کا پانچواں رکوع ایک عظیم الشان اور اہم مضمون یعنی ارتقاء انسان پر مشتمل ہے۔ یہ رکوع مکمل تفسیر انسانی ارتقاء کی مختلف منازل بیان کرتا ہے جس کی شرح میں تو ایک مکمل باب کی ضرورت ہے۔ مگر یہاں صرف اُس آیت کریمہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ جو ایک محکم آیت کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کی مختلف منازل ترقی بیان کرتے ہوئے جب انسان کو شیطان نے پھسلا کر جیسے شجر ممنوعہ یعنی بدی کا پھل چکھنے کی ترغیب دے کر اس کو گناہ میں ملوث کیا تو ان حالات کو یوں بیان کیا :۔

فازلہما الشیطٰن عنہا فاخرجہما
مما کانا فیہ ۔ وقلنا اھبطوا بعضکم
لبعض عدوٌ ۔ ولکم فی الارض مستقرٌ
و متاعٌ الیٰ حین ۔ (البقرہ : آیت ۳۶)

ترجمہ :۔ پس شیطان نے ان دونوں (یعنی مرد اور عورت) کو اس سے پھسلا دیا سو ان دونوں کو (یعنی جنت یا معصومیت) سے نکال دیا جس میں وہ دونوں تھے۔ اور (سب کو یہاں صیغہ تثنیہ سے جمع ہو جاتا ہے۔ یعنی سب بنی آدم جب گناہ میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ تو ہم نے کہا۔ اتر پڑو (یعنی جنت یا سکون قلب سے) کیونکہ (گناہ میں ملوث ہونے سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور (اے بنی آدم) تمہارے (سب کے) لئے اب ٹھکانہ صرف زمین پر ہے جہاں ایک وقت تک تم زندہ رہو گے اور اسی زمین میں ہی تمہاری زندگی کے سامان اور ضروریات ہیں۔ جس سے تم اپنی زمینی زندگی میں فائدہ اٹھا سکتے ہو۔"

اس آیت کریمہ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر انسان یعنی بنی آدم کو بتا دیا کہ تمہاری زندگی اور اس زندگی کا سامان صرف زمین پر ہے۔ یہ خطاب تمام بنی آدم کو ہے اور اس میں کوئی EXEPTION یعنی استثنا نہیں۔ بلکہ اس کے فوراً بعد حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جو سب سے پہلے نبوت کے حامل ہوئے۔ جنکو اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی سے مشرف کر کے اس وقت کے بنی آدم زاد کو گناہوں سے نکالنے کا ذریعہ توبہ بتایا۔ لیکن اس کے باوجود شیطان تو ہر وقت ہر زمانہ اور ہر انسان کے ساتھ گناہ گاری کی رغبت دیتا رہتا ہے۔ اس لئے پھر فرمایا کہ (اے بنی آدم) تم سب کے سب جب (گناہ سے ملوث ہو گئے) تو معصومیت کی جنت سے نکل جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وقتاً فوقتاً تمہاری ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث کرتا رہے گا۔ پس جو ان کی پیروی کرے گا وہ تو اس جنت میں داخل ہو جائے گا۔ جہاں نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن اور نہ غم ہے۔ لیکن انکار کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب بھی مقدر ہے۔ جو آگ کی طرح ان کو جلاتا رہے گا۔ ان آیات بیّنات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ کل بنی آدم کا مقام زندگی زمین ہے۔ اسی زمین پر اس کا بہشت بن جاتا ہے اور یہی زمین اس کے لئے عذاب بن جاتی ہے اور پھر اسی زمین پر ہی سب

انبیاء علیہم السلام پیدا ہوں گے اور بنی آدم کو ہدایت پہنچائیں گے۔" اس میں کوئی استثناء نہیں کہ کوئی نبی آسمان پر جا کر زندہ رہ سکتا ہے۔ اور نہ پھر نزول بغیر سامانِ زندگی کے واپس زمین پر آسکتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر یاد رکھنا چاہیئے جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے اور اس کو دو ہزار سال کے اندر بغیر سامانِ زندگی۔ آسمان پر زندہ رکھنے کا مسئلہ پیش آئے گا۔

۲۔ سورہ الاعراف (۷) میں چند آیات اس بات کی زیادہ وضاحت سے تشریح کرتی ہیں جس کا ذکر سورۃ البقرہ کے پانچویں رکوع میں اوپر کیا گیا ہے۔ سورہ اعراف کی ۱۰ آیت میں ارشاد ہے:۔

ولقد مکّنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم
فیھا معایش قلیلاً ما تشکرون۔

یہ ظاہر ہے کہ یہاں کل بنی آدم کا ذکر ہے۔ جیسا کہ بعد کی آیات سے واضح ہے۔ اس آیت نمبر ۱۰ کے فوراً بعد ذکر ہے:۔

"ولقد خلقنٰکم ثم صوّرنٰکم ثم قلنا
للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم ..." یہ ذکر جو الفاظ جمع کے ہیں۔ تمام بنی آدم کو خطاب کرتے ہیں۔ اور لفظ آدم یہاں بنی آدم کے مترادف ہے۔

اسی ذکر آدم اور اس کی ارتقائی منازل کے ذکر میں اس سورہ اعراف، آیت ۲۵ کے وہی الفاظ جو سورہ بقرہ میں ہیں یعنی:۔

"ولکم فی الارض مستقر ومتاع
الیٰ حین" کے فوراً بعد زیادہ وضاحت سے یوں ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ یہاں بھی تمام بنی آدم مخاطب ہے۔ کیونکہ تمام الفاظ صیغہ جمع کے ہیں:۔

"قال فیھا تحیون وفیھا تموتون
ومنھا تخرجون ہ"

ترجمہ:۔ (اللہ تعالےٰ کہا) اسی (یعنی زمین) میں تم جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔"

یہاں اس قاعدہ کلیہ کو عین صراحت سے فرمایا کہ اے بنی آدم (جس میں کوئی استثناء نہیں) تم سب اسی زمین پر ہی زندہ رہو گے۔ کیونکہ اسی میں تمہاری جسمانی زندگی کا سامان ہے۔ اور اسی میں ہی تم مرو گے یعنی پوری زندگی زمین پر گزارنے کے بعد اسی میں ہی تمہاری موت ہے۔ اور پھر اخراج بعد الموت مقدر ہے ان آیات سے قطعاً واضح ہے۔ کہ کوئی بشر یعنی بنی آدم سوائے زمین کے کسی اور جگہ یعنی آسمان پر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا قانونِ قدرت ہے اور لا تبدیل لخلق اللہ۔ اللہ تعالےٰ کے قواعد زندگی اور موت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔

۳۔ سورہ بنی اسرائیل میں ایک جگہ ذکر ہے کہ کفار آنحضرت صلعم سے کچھ ایسے معجزات کا ظہور مانگتے تھے جن کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ رسول تو بشر ہوتا ہے اور بشریت کے لوازمات میں زمین سے آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں۔ یہ حالت اللہ تعالےٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان فرمائی۔ ذرا ان آیات کریمہ پر غور فرماویں۔ سورہ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۹۰ سے ۹۳ تک ایسے خارق عادت معجزات کی کفار کی طرف سے مانگ ہے۔ چنانچہ آیت ۹۳ میں ایسے معجزات خارق عادت کا ذکر اور اس کا اللہ تعالےٰ کی طرف سے جواب موجود ہے۔ فرمایا:

"او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ
فی السمآء ط ولن نؤمن لرقیک حتیٰ
تنزل علینا کتٰبا نقرؤہ۔ قل سبحان ربی
ھل کنت الا بشرًا رسولاً۔"

ترجمہ: (کفار کہتے ہیں) یا تیرا سونے کا گھر ہو۔ یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے (آسمان پر چڑھنے) کو بھی نہیں مانیں گے۔ جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتارے جسے ہم پڑھ لیں کہ میرا رب (ان باتوں سے) پاک ہے۔ میں (تو) صرف ایک بشر ہوں (جو) رسول (بنا کر بھیجا گیا) ہوں"۔

کیا یہاں اللہ تعالےٰ نے اپنا قانونِ کلیہ بیان نہیں فرمایا کہ ایک بشر خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہو اس کا آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں۔ اگر حضرت عیسےٰ آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت عیسےٰ سے بلند مرتبہ ہیں۔ کیوں انہوں نے آسمان پر چڑھنے سے انکار کیا؟ کیا یہ غور طلب بات نہیں؟

۴۔ اب چند آیات سورہ الفرقان نہایت قابلِ غور ہیں اور محکم آیات میں شمار کی جا سکتی ہیں۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں کفار کی طرف سے آنحضرت صلعم پر ایک یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ آیت ۷ میں کفار آنحضرت صلعم کے بارہ میں کہتے ہیں۔

"وقالوا مال ھٰذا الرسول یاکل الطعام
ویمشی فی الاسواق ط لولا انزل الیہ
ملک فیکون معہ نذیرًا۔"

ترجمہ: اور (کفار) کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں اس کے ساتھ فرشتہ نہ اتارا گیا تو وہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔"

کفار کے اس اعتراض کا جواب اسی سورہ کے دوسرے رکوع میں آیت ۲۰ میں یوں دیا ہے:

"وما ارسلنا قبلک من المرسلین
الا انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی
الاسواق۔ وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ
اتصبرون وکان ربک بصیرًا۔"

ترجمہ: "اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجے۔ مگر وہ یقیناً کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے۔ اور تیرا رب دیکھنے والا ہے"۔

اس آیت کا پہلا حصہ خاص طور پر غور طلب ہے جس میں پہلے رکوع والے اعتراض کا جواب ہے۔ یعنی اے رسول صلعم ہم نے تجھ سے پہلے (جس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام شامل ہیں) جتنے رسول بھیجے تھے (یہاں سب رسول قبل آنحضرت صلعم کے لئے صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے) وہ ضرور اپنی زندگی کے قیام کے لئے کھانا کھاتے تھے اور ضروریات زندگی کے لئے بازاروں میں جاتے تھے۔

اس آیت میں تمام رسولوں کو قبل آنحضرت صلعم ایک ہی قسم میں رکھا ہے اور اس پر اتنا زور دیا ہے کہ گویا ان کا کام ہی کھانا پینا اور بازاروں میں گھومنا تھا۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ وہ تمام انسان تھے اور بشر کی ضروریات کو زندہ رہنے کے لئے پوری کرتے تھے اس آیت سے ایک نظریہ واضح ہے۔ کہ تمام رسول قبل آنحضرت صلعم فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے۔ اگر حضرت عیسےٰ آسمان پر زندہ تھے تو اس کے لئے استثناء ہونا چاہیئے تھا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ آسمان پر زندہ ہیں تو وہ کس طرح یاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق کے مصداق ٹھہر سکتے ہیں۔ کھانا کھانے اور ضروریات زندگی کا سامان صرف زمین پر ہے۔ پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ رہ کر کس طرح کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے ہیں۔ یہ آیت قطعی طور پر دلالت کرتی ہے اور نص صریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام رسولوں کی طرح اپنی طبعی زندگی زمین پر گزار کر فوت ہو چکے ہیں ورنہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کفار کے اعتراض کا جواب کافی اور شافی نہیں رہتا۔

۵۔ سورۂ صف (۶۱) کی آیت ۶ ایک بین محکمات میں سے ہے۔ اور جو بلا شک وشبہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات پر ایک قاطع ثبوت پیش کرتی ہے۔ اور اس امر کے لئے قابلِ غور ہے ارشاد ہے۔

"واذ قال عیسیٰ ابن مریم یٰبنی اسرائیل
انی رسول اللہ الیکم مصدقًا لما بین
یدی من التورٰۃ۔ ومبشرًا برسول
یاتی من بعدی اسمہ احمد ط فلما جاءھم

٥٨ بالبینٰت قالوا ھذا سحر مبین۔"

ترجمہ:۔" اور جب عیسٰے ابن مریم نے کہا۔ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اس کی تصدیق کرتا ہوا جو میرے سامنے توریت سے ہے۔ اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوا جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہے۔ سو جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آیا (یعنی آنحضرت صلعم) تو انہوں نے کہا یہ صریح جادو ہے:

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے دو باتیں قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہیں کہ (۱) حضرت عیسٰے علیہ السلام خود کو صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اسی لئے وہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت موسٰے علیہ السلام کی تورات کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر جا کر امت مسلمہ کے لئے آنا تھا تو اس کا بالکل ذکر نہیں بلکہ صاف اور صریح الفاظ میں وہ اپنے آپ کو صرف بنی اسرائیل کے لئے نبی بنا کر بھیجا جانے کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کا پیغام پہنچا کر وہ دنیا سے رخصت ہو گئے کیونکہ اس کے فوراً بعد وہ فرماتے ہیں کہ میں تو اس دنیا سے بنی اسرائیل کے لئے اپنی نبوت کا فرض ادا کر کے چلا جاؤں گا۔ لیکن میرے جانے کے بعد (یعنی میری وفات کے بعد) میں ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے موسوم ہوگا۔ سو اس بشارت کے مطابق جب آنحضرت صلعم تشریف لے آئے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیشگوئی تو پوری ہو گئی اور بنی اسرائیل پر حجت قائم ہو گئی۔ کہ وہ اس رسول جس کو بائبل برناباس میں صاف طور پر احمد کے نام سے پکارا گیا ہے۔ تو وہی بنی اسرائیل اس بشارت کو جھٹلانے لگ گئے اور آنحضرت صلعم کے پیغام حق کو صریح جادو قرار دیا۔

اب غور کا مقام ہے کہ اگر عام عقیدہ کے مطابق حضرت عیسٰے علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور دوبارہ نازل ہوں گے تو کیا آنحضرت صلعم ان کے بعد آئیں گے۔ وہ رسول جس کی بشارت حضرت عیسٰی علیہ السلام دے چکے تھے وہ تو آ چکا۔ تو لازماً حضرت عیسٰی کے بعد ہی آپ کا مبعوث ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی صورت حضرت عیسٰے نہیں آ سکتے۔

یہ آیت حضرت عیسٰے کی وفات پر نص صریح ہے کیونکہ اگر حضرت عیسٰی اسی جسد عنصری سے واپس امت مسلمہ میں آتے ہیں۔ تو گویا آنحضرت صلعم کا ورود باقی رہ جاتا ہے۔ العیاذاً باللہ۔ طالبین حق اس نص صریح کی روشنی میں کیا یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ حضرت عیسٰےؑ جب آسمان سے واپس امت مسلمہ میں نازل ہوں گے تو کیا رسول کریم صلعم کا انتظار کیا جائے۔ یہ کس قدر دور از قیاس اور بعید از ارشاد باری تعالٰے ہے۔

ہم نے اس باب میں چند محکمات آیات کی تشریح سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی حیات اور ممات کے مسئلہ یا تنازعہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں مگر ہم فی الحال آیات مندکرہ بالا پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اب اگلے باب پنجم میں ہم ان آیات متشابہات پر غور کر کے زیر بحث لائیں گے۔ انشاء اللہ تعالٰے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

" والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ "

افضل الجہاد! کلمۂ حق ہے!

ایک راست باز، حق گو۔ بےباک اور نڈر عالم دین کا انتقال پر ملال

" انا للہ وانا الیہ راجعون! "

حضرت مولانا غلام مرشد صاحب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے مولانا عالم باعمل تھے۔ سال ہا سال تک بادشاہی مسجد لاہور میں خطبات دیتے رہے۔ دنیا کی لالچ۔ طمع۔ حرص سے کلیتہً پاک وصاف تھے۔ بڑے سے بڑا انسان بھی ان سے اپنی مرضی کی بات جس کو وہ خلاف شرع محسوس کرتے ہوں نہیں کہلوا سکتا تھا۔ ساری عمر خدا کی مخلوق کی خدمت اور تعلیم وتعلم میں ان کی گزری۔

حقیقت یہی ہے کہ ان کی رحلت سے علمی ودینی مجلس ومحفلیں سونی ہو گئی ہیں۔ موت العالِم موت العالَم

ان کی رحلت پر بہت ساروں نے لکھا اور اپنے عقیدت وجذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک معروف بزرگ ایم مسعود صاحب جو کہ ایک عرصہ تک ناظم اعلیٰ اوقاف بھی رہے ہیں۔ ان کا مولانا صاحب کے ساتھ لمبا عرصہ تک رہا اور انہیں مولانا کا شاگرد ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ جناب مسعود صاحب روزنامہ مشرق مؤرخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کے اشاعت اسلام ایڈیشن کے پہلے صفحہ پر مولانا غلام مرشد صاحب کے بارے میں ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" مولانا کے علمی فضائل ومکارم کا اندازہ ملک کے جید عالموں کو ہے۔ ہمیں ان کے علم کا اندازہ ان کی راست بازی۔ صاف گوئی اور حق پرستی سے ہوا۔ ہم نے انہیں اپنے اصولوں پر پختہ پایا۔

"میں نے کوئی جماعت کیوں نہیں بنائی"

"مدیر"

ماہنامہ "طلوع اسلام" بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں کسی صاحب کی طرف سے پانچ سوال درج کئے گئے ہیں جن میں سے ایک سوال یہ ہے کہ آپ نے (یعنی جناب پرویز صاحب نے) اب تک کوئی سیاسی یا تبلیغی جماعت کیوں قائم نہیں کی جبکہ قرآن مجید اس کا حکم دیتا ہے؟

اس کے جواب میں جناب پرویز صاحب قرآن کریم کی آیات ۷/۱۵۷، ۳/۱۰۹، ۹/۱۱۲، ۲۲/۴۱، ۹/۷۱ اور ۲۵/۵۵ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"تصریحات بالا سے واضح ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پوری اُمت کا فریضہ ہے نہ کہ کسی خاص گروہ کا اور امت اس فریضہ کو اقتدارِ مملکت کی رُو سے سرانجام دیتی ہے۔ نہ کہ وعظ و نصیحت کے ذریعے"۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت کی کوئی ضرورت نہیں اور جن لوگوں نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ "ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون" سے اس غرض کے لئے ایک علیحدہ جماعت بنانے کے لئے سند پیش کی ہے۔ انہوں نے "منکم" کے لفظ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ غلطی کھائی ہے۔ کیونکہ وہ "من" کے صحیح معنی نہیں سمجھ سکے ہیں۔

اپنے مؤقف کی وضاحت کے لئے انہوں نے "من" کے دو نمایاں معنی بتائے ہیں۔ "یعنی تبعیض" اور "تبئین" "تبعیض" کے اردو میں معنی ہوتے ہیں "میں سے" اور تبعیئن سے مراد ہوتی ہے "پورے کا پورا"۔

"تبعیض یعنی "میں سے" کی تشریح وہ اس آیت سے کرتے ہیں: ھوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن۔" (۶۴/۲) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تم میں سے بعض کافر ہو گئے اور بعض مومن"۔ اور تبعیئن کے لئے انہوں نے ۳۵/۳۱ کا حوالہ دیا ہے:-

"والذی اوحینا الیک من الکتب ھوالحق"۔ اللہ وہ ہے جس نے تیری طرف وہ کتاب نازل کی جو حق پر مبنی ہے"۔ یعنی اللہ نے تمہاری طرف پوری کی پوری کتاب نازل کی" نہ کہ اس کا بعض حصہ اور کچھ حصہ۔ ان کی پیش کی گئی اس تشریح سے کم از کم ہمیں تسلی نہیں ہوئی کیونکہ اگر پہلی آیت میں "منکم" کا لفظ ہے تو "امۃ" کا لفظ نہیں اور دوسری آیت میں نہ "منکم" کا لفظ ہے اور "امۃ" کا۔ چونکہ "ولتکن منکم امۃ" میں "منکم امۃ" کے الفاظ ہیں۔ اس لئے "تبعیض" اور "تبیئن" میں فرق کے اظہار کے لئے ایسی آیات پیش کرنی چاہئیں تھیں جن میں "منکم اور امۃ" کے دونوں الفاظ ہوتے اور ان میں سے کہیں تو مطلب "بعض" یا "میں سے" ہوتا اور کہیں "پورے کا پورا" اور یہ ثابت کیا جاتا کہ ایک الگ جماعت کی ضرورت نہیں اس لئے میں نے کوئی جماعت نہیں بنائی۔ یہ ساری کی ساری امت کا کام ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے۔ اس کے علاوہ پرویز صاحب نے "من" کا لفظ تو لے لیا ہے اور "امۃ" کا لفظ چھوڑ گئے ہیں۔ جس کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں ضروری تھی تاکہ قارئین پر مطلب واضح ہو جاتا۔

اس سے قبل کہ ہم جماعت بنانے کے متعلق کچھ عرض کریں جناب پرویز صاحب کے ان الفاظ پر تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یعنی "امر بالمعروف" اور نہی عن المنکر پوری اُمت کا فریضہ ہے نہ کہ کسی خاص گروہ کا اور امت اس فریضہ کو اقتدارِ مملکت کی رُو سے سرانجام دیتی ہے۔ نہ کہ وعظ و نصیحت کے ذریعے"۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اقتدارِ مملکت ساری امت کے ہاتھ میں کبھی نہیں رہا۔ بلکہ ایک گروہ یا جماعت کے ہاتھ میں رہا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں اقتدارِ اعلیٰ خلیفہ کو حاصل تھا اور وہ اپنے فرائض اپنے مشیروں اور اپنی طرف سے مختلف صوبوں میں مقرر کردہ عمال کے ذریعے انجام دیتا تھا۔ بعد میں خلافت امیہ اور عباسیہ کے دور میں جسے ملوکیت کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ خلیفہ یا بادشاہ کو حاصل تھا اور وہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے ذریعے امورِ سلطنت سرانجام دیتا تھا۔ خلفاء اور ان کے عمال ایک جماعت یا گروہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ نہ کہ انہیں ساری اُمت کی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ یہی ایک جماعت یا گروہ سرانجام دیتا تھا۔ نہ کہ ساری امت۔ خواہ یہ اُمت کتنے ہی ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ نہ ہی مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کی کثرت تھی کہ بحیثیت امت اقتدار ان کو حاصل ہوتا۔

فرض کر لیجئے کہ یہ فریضہ ساری امت کو ہی ادا کرنا تھا تو پھر بھی یہ وہیں ممکن ہو سکتا ہے جہاں مسلمانوں کی کثرت ہو اور اقتدار ان کے ہاتھ میں ہو۔ جیسا کہ آج کل دنیا کے مختلف مسلمان ممالک میں ہے لیکن مسلمان ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور بعض ممالک میں اقلیت میں ہیں جیسا کہ ہندوستان رُوس۔ چین۔ برطانیہ اور امریکہ وغیرہ میں ہیں۔ ان ممالک میں انہیں اقتدار حاصل نہیں وہ غیر مُسلم حکومتوں کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں تو کیا ایسے ممالک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ انہیں اقتدار حاصل نہیں۔ کیا ان میں کوئی ایک فرد یا جماعت ایسی نہیں ہونی چاہیئے جو انہیں نیکیوں کی دعوت دے اور برائیوں سے روکے؟ اور وہ جیسی گندی اور غلیظ زندگی چاہیں بسر کرتے رہیں تا وقتیکہ انہیں اقتدار حاصل ہو جائے؟

خود پاکستان میں جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے نظام حکومت صدارتی رہا ہے یا پارلیمانی اور یا مارشل لاء، اس لئے اقتدار چند ہاتھوں میں رہا ہے۔ اور وہ نظام اسلام کے نفاذ کا دعوے کرتے رہے ہیں۔ آج بھی اس کا نفاذ مارشل لاء حکومت کے ذریعے ہی ہو رہا ہے۔ کیا تمام امت میں سے ہر ایک کو یہ اختیارات اور اقتدار حاصل ہو جائے کہ جسے چاہے پکڑ کر سزا دے اور جسے چاہے بے گناہ قرار دے۔ یہ تو صرف وہی ایک گروہ یا جماعت کر سکتی ہے جس کے پاس اقتدار مملکت ہو۔ اگر ساری امت کا ہی یہ فریضہ ہے تو خود پرویز صاحب نے "طلوع اسلام" کے نام سے گلبرگ میں ایک تحریک کیوں شروع کر رکھی ہے۔ اور اپنے ارد گرد ایک گروہ کیوں جمع کر لیا ہے؟

خود اس برصغیر پاک و ہند میں مسلمان صدیوں برسرِ اقتدار رہے۔ لیکن یہ فریضہ انجام دینے کے لئے کسی مُسلمان بادشاہ کی طرف سے کوئی انتظام نہ تھا حتیٰ کہ اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں بھی دینی مدارس کو کوئی امداد نہ ملتی تھی۔ یہ فریضہ انجام دیا تو ان اولیاء اللہ۔ علماء ربانی اور مجددین دین کے ایک چھوٹے سے گروہ نے جو یا تو باہر سے آئے اور یا نہیں پیدا ہوئے۔ اور انہیں مسلمان بادشاہوں کی سرپرستی حاصل ہوا اور کرنا انہیں قید و بند کی صعوبتیں سہنا پڑیں اور انہی کی مساعی جمیلہ کی بدولت پاکستان بنا۔ اگر اقتدار مملکت یہ فریضہ انجام دیتا تو سارا ہندوستان پاکستان ہوتا۔ آج جن اسلامی ممالک میں امت مسلمہ کو اقتدار حاصل ہے۔ کیا وہاں یہ فریضہ انجام دیا جا رہا ہے؟ قول و فعل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ جب کوئی بات عمل میں نہ آئے تو وہ محض بات تک ہی محدود رہ جاتی ہے۔ اور اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

۱۳ سال کی مکی زندگی میں آنحضرت صلعم کو کوئی اقتدار حاصل نہ تھا لیکن کیا انہوں نے اس فریضہ کو اقتدار حاصل ہونے تک پس پُشت ڈالے رکھا یا جان کا خطرہ مول لے کر اسے ادا کرتے رہے۔ اور وعظ و نصیحت کے ذریعے ہی ادا کرتے رہے۔ جس کے متعلق پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ یہ فریضہ وعظ و نصیحت کے ذریعے ادا نہیں ہوتا۔ حالانکہ "وعظ" اور "نصیحت" کے الفاظ قرآن کریم میں کئی مقامات پر آئے ہیں۔ وعظ کی نسبت تو اللہ تعالےٰ کے ساتھ بھی ہے۔ مثلاً

"واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ یعظکم بہ" (۲۔ ۲۳۱)

"ان اللہ نعما یعظکم بہ" (النساء ۔ ۵۸)

"یعظکم لعلکم تذکرون۔" (النحل: ۹۰)

"یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مؤمنین۔" (النور: ۱۷)

اور قرآن کریم کو "موعظۃ" کہا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

"یایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی للمؤمنین"۔ (یونس: ۵۷) اور قرآن ہی وہ کتاب ہے جس کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام لیا جا سکتا ہے کیونکہ اسی میں سینوں کی ان بیماریوں کے لئے شفاء ہے جو بدی کی جڑ ہیں اور وعظ کا مطلب ہی نیکی کا حکم کرنا اور بدی سے روکنا ہے۔ یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یہ فریضہ وعظ و نصیحت سے سرانجام نہیں دیا جا سکتا جبکہ خود اللہ تعالےٰ وعظ کرتا ہے۔ اور قرآن کریم کو "موعظۃ" فرماتا ہے۔ پرویز صاحب لوگوں کو قرآن کا درس دیتے ہیں لیکن قرآن کے مخالف ۔

سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ وعظ و نصیحت سے کام لیتے رہے ہیں۔ ان میں سے اقتدار تو بہت ہی تھوڑوں کو حاصل ہوا۔ مثلاً صالحؑ کی قوم ثمود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جب شدید زلزلہ سے تباہ ہو گئی تو آپؑ نے فرمایا:

"یٰقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون النٰصحین۔" (اعراف: ۷۹)

اے میری قوم یقیناً میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کی (یعنی تمہارا بھلا چاہا) لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم" (ہود: ۳۴)

اور تمہیں میری نصیحت نفع نہیں دے سکتی۔ اگر میں چاہوں بھی کہ تمہاری خیر خواہی کروں۔" اب ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت صالح علیہما السلام کے پاس کوئی اقتدار مملکت یا اختیارات نہ تھے۔ انہوں نے وعظ و نصیحت سے ہی کام لیا۔ آنحضرت صلعم کو بھی یہی حکم ہے کہ:

ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ"

اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلا۔" یہ نہیں فرمایا کہ جب اقتدار اور اختیار ملے تو اس کے زور سے اللہ کی راہ کی طرف بلانا۔

بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ قرآن کی من پسند تشریحات نے مسلمانوں کو قرآن کے راستہ سے دور پھینک دیا ہے اور یہ غلط تصور پیدا ہو گیا ہے کہ اقتدار، اختیار، حکومت اور ڈنڈے کے زور سے کسی کو نیکی کی راہ پر ڈالا اور بدی سے روکا جا سکتا ہے۔ سختی اور سزا بالآخر بغاوت اور سرکشی پر آمادہ کر دیتی ہے جس سے معاشرہ کا امن تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں عفو و درگذر کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ یہ اصلاح کا ایک احسن طریقہ ہے۔ کوئی بچہ فطرتی طور پر مجرم یا گنہگار پیدا نہیں ہوتا یہ اس کا ماحول ہے جو اسے ایسے بنا دیتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔" کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہر بچہ اپنی صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس کے ماں باپ ہیں جو اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ وہ اپنے گھر اور باہر کی دنیا کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ بچے کی صحیح تربیت وعظ و نصیحت سے ہی ہو سکتی ہے اور یہ وعظ و نصیحت ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا واحد مؤثر ذریعہ ہے۔ سزا سے بچے میں ضد، بغاوت، سرکشی اور نافرمانی کے جذبات ابھرتے اور اس کی اچھی بھلی شخصیت کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس کی نفرت کا پہلا نشانہ اس کے ماں باپ اور بہن بھائی ہوتے ہیں اور پھر سارا معاشرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"او تعفوا عن سوء فان اللہ کان عفوا قدیرا"

یا بدی سے درگذر کرو تو اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔

(البقرہ: ۱۴۹) اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے:

"وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہٖ ویعفوا عن السیاٰت ویعلم ما تفعلون"

اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور بدیوں کو مٹاتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔"

بدی کی تحریک پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر جسم کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ سزا جسم کو ملتی ہے روح کو نہیں۔ اس لئے جب تک روح پاک نہ ہو بدی نہیں مٹ سکتی اور روح کو پاک کرنے کا ذریعہ وعظ و نصیحت دوسرے لفظوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

اس کے بعد ہم اپنے قارئین کے سامنے جماعت بنانے کی ضرورت پر اپنے خیالات پیش کرتے ہیں۔ پرویز صاحب کو "من" کے معانی بتانے کے لئے "تبعیض" اور "تبیین" جیسے ثقیل الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ ان کے مخاطبین میں ہم جیسے لوگ بھی شامل ہیں جنہیں عربی کے منتہی ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں لیکن یہ ضرور جانتے ہیں کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کے لئے آسان بنایا ہے۔ اور یہ ہر انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ہے خواہ وہ عربی کا مبتدی ہے یا نہیں۔ قرآن عرب عجم، شرق و غرب اور اس دنیا میں آباد ساری نسل انسانی کی رہبری کے لئے ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قوانین فطرت سے متصادم ہو۔

قرآن کریم میں ہے: "وما کان المومنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طآئفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون" (التوبہ: ۱۲۲) اور مومنوں کو یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب نکل پڑیں تو کیوں نہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بھی بچیں۔"

یہ آیت معاشرہ میں تقسیم کار کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ تقسیم کار کا اصول اس کائنات کی ہر جاندار اور بے جان چیز میں کارفرما ہے۔ نباتات میں سے ایک درخت کی مثال لیجئے اس کی جڑیں، تنا، شاخیں اور پتے ایک دوسرے سے ساخت اور عمل میں بالکل مختلف ہیں۔ ہر ایک کا کام جدا ہے لیکن باوجود اس کے وہ سارے درخت کی نشوونما میں برابر کے شریک ہیں۔ حیوانات میں ہر جانور کا جسم مختلف اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر عضو کا عمل مختلف ہوتا ہے لیکن ان کے تعاون اور باہمی رابطے سے سارا جسم پرورش پاتا ہے۔ کیڑے مکوڑوں میں شہد کی مکھی اور چیونٹیاں معاشرے میں تقسیم کار کی ایک نمایاں مثال ہیں۔ ذی روح اور غیر ذی روح چیزوں کی ساخت کا بنیادی ذرہ جسے ایٹم کہتے ہیں منفی، مثبت اور غیر جانبدار ذرات پر مشتمل ہے لیکن یہ سب باہم مل کر ایٹم میں ایک توازن برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ انسانی معاشرہ خود تقسیم کار کی ایک واضح مثال ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دیگر معاملات میں تقسیم کار کی طرح انسانی معاشرہ میں ایک ایسی جماعت نہ ہو جس کا واحد مقصد لوگوں کو سیدھے رستے سے بھٹک جانے کی صورت میں انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے اس راستے پر قائم رکھنا ہو، اور ایسا ہوتا رہا ہے اور انسانی معاشرہ میں ایسی جماعت کی ہر زمانے میں ضرورت رہی ہے۔ اور آئندہ بھی رہے گی، اور آیت: "ولتکن منکم امۃ" کے الفاظ اس جماعت کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی ہر زمانے میں ایسی جماعت کا وجود لازمی ہے اور جب اس جماعت کا کام ہی نیکی کی طرف بلانا اور برائی سے روکنا ہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے وجود کو معرض اعتراض کیوں بنایا جائے آخر یہ جماعت کیوں نہیں ہونی چاہیئے۔

اگر اعتراض یہ ہے کہ اس سے تفرقہ بازی اور افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے تو قرآن کریم نے "امۃ" اور "فرقۃ" میں خود ہی فرق کر کے بتا دیا ہے۔ سورۂ آل عمران کی اسی آیت ۱۰۴ سے جس میں ایسی جماعت کا ذکر ہے۔ اگلی آیت ۱۰۵ کے یہ الفاظ ہیں: "ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جآءھم البینٰت واولٰئك لھم عذاب عظیم" اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آ چکی تھیں اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔" (آل عمران ۱۰۵)

اب مسلمانوں کے پاس قرآن کریم اور سنت میں واضح ہدایت موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان میں تفرقہ بازی اور اختلاف موجود ہے ایسی صورت میں تو ایک ایسی جماعت کا ہونا اور بھی ضروری ہے جو ان تفرقات اور اختلافات کو مٹانے کے لئے قرآنی ہدایات کی طرف دعوت دے اور انہیں قرآن پر جمع کرنے کے لئے کوشش کرے۔ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ کیونکہ تفرقہ بازی بھی منکرات میں ہی داخل ہے۔ بلکہ منکرات کی پیروی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ علیم و حکیم و خبیر ہے وہ جانتا تھا کہ مسلمان تفرقہ بازی کا شکار ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

"لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل .... وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ۔ قال ما انا علیہ واصحابی۔" (رواہ البیہقی عن ابن عمر) ترجمہ: ۔ ۔ ۔ ۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میری امت کے ساتھ بھی وہی واقعہ ہو گا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا ۔ ۔ ۔ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے لیکن میری امت کے لوگ ۷۳ فرقے بن جائیں گے۔ اور ایک فرقے کے سوا باقی سب جہنم کے اہل ہوں گے۔ جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ وہ کون ہوں گے تو آپؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریق پر چلیں گے۔" آپ کا اور آپؐ کے اصحاب کا طریق سوائے اس کے اور کون سا تھا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

ایک دوسری حدیث یہ ہے جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الفاظ بھی ہیں۔

" عن انس قال قلت یا رسول اللہ متی یترک الامر بالمعروف والنہی عن المنکر قال اذا ظہر فیکم ما ظہر فی بنی اسرائیل قبلکم۔ قلت ما ذالک یا رسول اللہ۔ قال اذا ظہر الادہان فی خیارکم والفاحشۃ فی شرارکم وتحول الملک فی صغارکم والفقہۃ فی رذالکم "

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کیا ترک کر دیا جائے گا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں برائی کی وہ باتیں ظاہر ہوں گی جو تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ظاہر ہو چکی ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلعم وہ کب ہو گا تو فرمایا جب تم میں سے نیک آدمی دینی کاموں میں سستی کرنے لگ جائیں گے۔ اور شریروں میں برائی بڑھ جائے گی اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں سلطنت چلی جائے گی۔ اور علم فقہ ردی آدمیوں میں آ جائیگا۔"

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کی ذلت و رسوائی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

" کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ ط لبئس ما کانوا یفعلون ط "

وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے۔ کیا ہی برا ہے جو وہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے ان پر لعنت کی۔

مسلمانوں کو اس ذلت اور رسوائی سے بچانے اور تفرقہ بازی اور اختلاف سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت کی تشکیل کی ضرورت کا ذکر کیا ہے جو ان کو اس راستہ پر چلائے جس پر آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ چلتے رہے ایسی جماعت ہر دور میں رہی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں آتا ہے:-

" کان الناس امۃ واحدۃ قف فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین ص وانزل معھم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ ط ..... واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم "

سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کیساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ اور جنہیں وہ کتاب دی گئی تھی انہی نے آپس کی ضد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیلیں آ چکی تھیں پس اللہ نے اپنے حکم سے ان کو جو ایمان لائے اس حق کی طرف ہدایت دی جس میں لوگ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے" (البقرہ: ۲۱۴)

سب لوگ ایک ہی امت ہیں۔ ان میں وقتاً فوقتاً انبیاء آتے رہے اور اپنی اپنی امتوں کے ذریعے ہدایت کا کام سرانجام دیتے رہے۔ لوگ آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف کرتے رہے۔ آخر میں آنحضرت صلعم تشریف لائے۔ آپ کو بھی ایک کتاب دی گئی لیکن لوگ آپس کی ضد کی وجہ سے فرقوں میں بٹ گئے۔ آپ کی امت ایک ہی امت تھی لیکن وہ تفرقہ بازی کا شکار ہو گئی۔ اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہ دیا مانی کو چھوڑ دیئے آج کے حالات اس کی گواہی دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے نفاذ اسلام کے نام سے تحریک چلائی وہ آپس میں متحد نہ رہ سکے اور پھر علیحدہ ہو گئے۔ یہ آپس کی ضد کی وجہ سے ہی ہوا۔ ان حالات میں ایک ایسی جماعت کی اشد ضرورت ہے جو اس تفرقہ بازی اور انتشار کو مٹانے کے لئے آگے بڑھے اور یہ صرف وہی جماعت کر سکتی ہے جو آنحضرت صلعم کی حدیث مذکورہ کے مطابق آپؐ کے اور آپ کے صحابہؓ کے نقش قدم پر ہو۔ لیکن ایسی جماعت کا قیام ہر زید و بکر کا کام نہیں۔ ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کے منشاء کے تحت اس کے مامور ہی قائم کرتے ہیں۔ پہلے انبیاء کرتے تھے اور آنحضرت صلعم کے بعد وہ کرتے ہیں جنہیں مجدد کہا جاتا ہے یہ ہر صدی میں آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ وہ اپنی اپنی جماعتیں بھی قائم کرتے رہے ہیں۔ اس صدی میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد و مسیح موعود نے ایک جماعت یہی فریضہ ادا کرنے کے لئے قائم کی لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ لوگوں نے ضد کی وجہ سے اسے بھی ایک ایسا ہی فرقہ قرار دے دیا۔ جیسے دوسرے فرقے تھے۔ لیکن اگر یہ فرقہ ہے تو یہ وہی فرقہ ہے جس کا ذکر التوبہ ۱۲۲ میں آیا ہے۔ جس کا مقصد دین میں سمجھ حاصل کر کے اپنی قوم کو ڈرانا ہے نہ کہ وہ فرقہ جس کے متعلق یہ آتا ہے:

" ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا "

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقے ہو گئے (الانعام: ۱۶۰، روم: ۳۲) جنہوں نے قرآن کو چھوڑ کر اپنا دین بنا لیا۔ سنت کو ترک کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے ہٹ گئے۔ اس لئے امت اور فرقہ میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ ایک امۃ" یا جماعت اسلام میں قرآن کے راستہ کو اپناتی ہے اور فرقہ ان میں سے ایک علیحدہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ جو اس کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جسے قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس وقت جتنے فرقے ہیں وہ زبان سے تو قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا عمل اس سے قطعاً مختلف ہے۔ ایک جماعت اور فرقہ میں ما بہ الامتیاز یہ امر واضح ہے کہ آیا اس جماعت کا قول اور فعل قرآن اور سنت کے مطابق ہے۔ یا نہ اگر ایسا ہے تو وہ جماعت ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور بدی سے روکے اور اگر اس کے قول اور فعل میں تضاد ہے تو وہ فرقہ ہے کیونکہ اس کا فعل قرآن و سنت سے متصادم ہے۔ اور اس صورت میں اس نے اپنا ایک الگ دین بنایا ہوا ہے جو اس کی اپنی خواہش کی تکمیل کی پیروی میں ہے۔ ایسی جماعت پر جس کا عمل قرآن اور سنت کے مطابق ہو نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی بھلائی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کا فرض عائد ہوتا ہے اور یہ صرف قرآن کریم کی اشاعت سے ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے فرمایا ہے:

" واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا "

(آل عمران: ۱۰۴)

" اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو۔"

اور اس سے اگلی ہی آیت میں " ولتکن منکم امۃ " کے الفاظ ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ امت مسلمہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گی اور اس میں ایک ایسی جماعت کی ہر زمانہ میں ضرورت ہوگی جو اسے قرآن کی طرف دعوت دے کیونکہ صرف قرآن ہی اس تفرقہ کو مٹا سکتا ہے۔

ساری امت اگر یہ فریضہ انجام دے تو کیا خوب لیکن اگر وہ اس سے غفلت برتے تو کیوں ایک ایسی جماعت نہ ہو جو یہ فریضہ سرانجام دے۔ آخر یہ اعتراض کی بات کیوں ہے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے مامور ہی قائم کر سکتے ہیں جنہیں یہ فرض سونپا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا حکم بھی یہی ہے " کونوا مع الصادقین " اور صادقین وہی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سرٹیفکیٹ ملے۔

جماعتِ احمدیہ کے واعظ کیسے ہونے چاہئیں

عملی حالت کا عمدہ ہونا سب سے بہترین وعظ ہے

" یہ امر بہت ضروری ہے۔ کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں لیکن اگر دوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ تو وہ فضول ہے یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں کہ جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں۔ تاکہ ان کے نیک نمونوں کا اثر دوسروں پر پڑے۔"

(الحکم یکم اگست ۱۹۰۲ء)

مغرب خصوصاً برطانیہ میں اشاعتِ اسلام کے نئے حالات

از۔ ڈاکٹر زاہد عزیز ناٹنگھم (انگلستان)

پیغام صلح، مؤرخہ ۹ ستمبر ۱۹۷۹ء میں جناب ناصر احمد صاحب کا ایک مضمون مولانا دوست محمد صاحب مرحوم کی خدماتِ سلسلہ کے متعلق شائع ہوا ہے۔ اس ضمن میں میں اور دیگر ممبران جماعتِ احمدیہ لاہور شاخ انگلستان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا مرحوم کی دو کتب یعنی آئینۂ احمدیت اور تحریکِ احمدیت حصہ دوم۔ ہمیں انگلستان میں نہایت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اول الذکر کتاب لکھ کر جو مولانا مرحوم نے جماعت کی خدمت کی ہے۔ اس کا اظہار ہم نے مولانا صاحب کا ماہ جنوری میں بذریعہ خط شکریہ ادا کیا۔ وجہ یہ تھی کہ اب یہاں بھی مولویوں نے آکر احمدیت کے خلاف سخت پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا ہے۔ اور کئی پرانی مخالفانہ کتابیں مثلاً قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" مولفہ پروفیسر برقی "تقسیم کی ہیں۔ ان اعتراضات کے مکمل اور تسلی بخش جواب "آئینہ احمدیت" میں پائے جاتے ہیں۔ اور جو کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آتے۔ کتاب "تحریکِ احمدیت حصہ دوم" جو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی پہلے پچاس سالوں کی تاریخ ہے۔ ہمارے علم میں کافی اضافہ کرتی ہے۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری جماعت آج جہاں تک پہنچی ہے وہ ہمارے پرانے بزرگوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔

ہم نے مولانا مرحوم کی وفات کی خبر جماعتِ انگلستان کے سہ ماہی رسالے۔

" " کی پہلی اشاعت میں دی۔ اور اسی نمبر میں ہم نے ایک کتاب۔

" " مولفہ مسٹر سپنسر لاون سے ایک اقتباس دیا جس میں مولف نے مولانا مرحوم کا نام لے کر ایک ان کا ۱۹۱۷ء کے پیغام صلح کا ایڈیٹوریل درج کیا تھا۔

مغرب خصوصاً برطانیہ میں اشاعتِ اسلام کے نئے حالات

ناصر احمد صاحب اپنے مضمون کے آخر میں ایک اہم امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں جب وہ لکھتے ہیں کہ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اب مغرب میں نئے حالات پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجوہات ذیل ہیں

اوّل:۔ مسلمان ملکوں کے لئے سیاسی حالات (یعنی کئی مسلمان ملکوں میں حکومتوں کے دعوے کہ انہوں نے نظامِ اسلامی رائج کر رہے ہیں۔ نیز ایران اور عرب ممالک کی دولت۔ جس سے اُن کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے)

دوم:۔ پیدائشی مسلمانوں کا کافی تعداد میں مغربی ممالک میں بسنا۔ خصوصاً پاکستان سے آئے ہوئے لوگ اور اُن کے بچے۔

ان نئے حالات کا مقامی غیر مسلموں پر اثر

مندرجہ بالا تبدیلی حالات کی وجہ سے برطانیہ میں اسلام کا (کسی نہ کسی رنگ میں) آگے سے کہیں زیادہ ذکر ہوتا ہے۔ سکولوں، کالجوں میں اب عیسائیت کے علاوہ دیگر مذاہب بشمول اسلام کورس کا حصہ ہوتے ہیں مختلف قسموں کے ادارے بھی ان مذاہب کے متعلق جاننا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کے پیرؤں کو جن سے ان کا روزگار کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ ان کی مشکلات کو سمجھ سکیں۔ ایسے اقلیتی مذاہب میں سب سے بڑا اسلام ہے۔ یوں کہیئے کہ اب یہاں اشاعتِ اسلام آگے سے بہت زیادہ وسیع پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے جماعتِ انگلستان نے جناب ڈاکٹر نذیر الاسلام کی قیادت میں مفت تقسیم کے لئے چھوٹے چھوٹے پمفلٹ چھپوا کر بڑے پیمانے پر بانٹنے شروع کئے ہیں اب تک کوئی دو درجن پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ایک سکیم کے تحت مرکزی انجمن لاہور کو یہاں کی پبلک لائبریریوں کے پتے بھیجے گئے تھے۔ تاکہ ہماری بڑی بڑی کتب یہاں عام طور پر دستیاب ہوں۔ پچھلے سال سے اب تک دو سو سے زائد لائبریریوں میں چھ کتب کے سیٹ پہنچ چکے ہیں اور انشاء اللہ کل ساڑھے چار سو (۴۵۰) پبلک لائبریریاں سیٹ حاصل کریں گی طوالت کے خوف سے میں جماعتِ انگلستان کے دیگر کاموں کا ذکر یہاں نہیں کرتا۔

مسلمانوں کے اعمال کا اثر

نئے حالات کا ایک اور اہم اثر یہ ہے کہ اب یہاں کے غیر مسلم مسلمان لوگوں کے اعمال اور نمونوں کو آگے سے بہت زیادہ تفصیل میں اور بہت زیادہ نزدیک سے دیکھ رہے ہیں۔ پچھلے کچھ عرصے کی خاص طور پر ایران اور پاکستان سے خبروں کا یہاں اسلام کے نام پر بہت بڑا اثر پڑا ہے اور اسلام کے متعلق پرانی غلط فہمیوں مثلاً (یہ کہ اسلام جبر کا سبق سکھاتا ہے) کو تقویت ملی ہے۔ اور ایسے خیالات کا اظہار یہاں قریباً روزانہ اخبارات، ریڈیو، ٹی وی پر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں کے مقیم مسلمانوں نے بھی اپنے بداعمال سے اپنے مذہب کی بدنامی کروائی ہے۔ اور بدقسمتی سے علماء اب یہاں کے مسلمانوں کے مولوی بننے کے لئے پاکستان سے انگلستان تشریف لے آئے ہیں۔ یقین مانیئے کہ گو اب یہاں اسلام کے متعلق کئی پرانی غلط فہمیاں رفع ہو گئی ہیں لیکن مسلمانوں کے اپنے اعمال (یہاں اور مسلمان ممالک دونوں میں) کی وجہ سے اب اسلام یہاں گلی گلی۔ بازار بازار میں ناحق بدنام ہے۔

ہماری جماعت کا ردّعمل یہ ہونا چاہیئے کہ اوّلاً تو تبلیغ میں یہ بیان کیا جائے کہ ایسے اعمال غیر اسلامی ہیں اور نبی کریم صلعم کی پاک سیرت سے دکھایا جائے کہ اسلام کا قطعی یہ مقصد نہیں کہ کسی ملک کی حکومت پر قبضہ کر کے وہاں اسلامی قانون لوگوں کے گلے میں ٹھونسے جائیں اور اپنی ذاتی اور نفسانی خواہشات کو پورا کیا جائے اور دوم۔ جماعتِ انگلستان کے افراد کو اپنے بزرگوں کی زندگیوں کے حالات پڑھ کر، ان کے نقشِ قدم پر چل کر، یہاں کے لوگوں کے آگے ثابت کرنا ہوگا کہ اعمال کے لحاظ سے حقیقی اسلام کیا چیز ہے۔ اور کیسے اس قسم کا نمونہ اس زمانے میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے رفقاء نے پیش کیا۔ اسی وجہ سے جماعتِ انگلستان کے افراد مرکزی جماعت احمدیہ لاہور سے وابستگی چاہتے ہیں۔ کیونکہ مرکزی جماعت کی روایات تقویٰ کی ہیں اور ہم اس جماعت میں کئی ایک بزرگوں کو جانتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں بلند ترین پاکیزگی و تقویٰ کا نمونہ دکھایا۔ اب واقعات ثابت کرتے ہیں کہ مغرب میں اسلام سے نفرت خود مسلمانوں کے اپنے بداعمال سے بڑھی ہے۔ اس کے ازالے کے لئے اصلی اسلامی کردار دکھانے کی ضرورت ہے۔ اور وہ کردار دکھانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ یعنی ایسے لوگوں سے تعلق قائم کرنا اور پھر اسے مضبوط کرنا۔ جنہوں نے اور جن کے بڑوں نے حضرت مسیح موعود سے وابستہ ہو کر سچے تقویٰ کو حاصل کیا۔

نئے حالات کا مسلمانوں پر اثر:

انگلستان میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں یہ حالات کی ایک اہم تبدیلی ہے کہ اب یہاں کافی تعداد میں مسلمان رہتے ہیں۔ اور وقت کے ساتھ ان میں ایسے لوگوں کی نسبت بڑھ رہی ہے جو اسی ملک میں پیدا ہوئے یا یہیں جوان ہوئے۔ ہماری جماعت کے کام کے لئے یہ ایک انقلابی تبدیلی ہے۔ کیونکہ اب ہم پہلی دفعہ انگلستان میں مسلمانوں میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کر سکتے ہیں اور اپنا اُردو لٹریچر بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

یہاں نئے مسلمان ایسے ماحول میں رہ رہے ہیں جہاں مذاہب کو بڑی تنقیدی نگاہ سے

دیکھا جاتا ہے اور لوگ عام طور پر مذھب کے متعلق سنی سنائی پرانی باتوں کو نہیں مانتے۔ بلکہ عقلی دلائل اور زندہ ثبوت چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول کا یہاں کے مسلمانوں پر بھی اثر ہو رہا ہے۔ یہ اسی قسم کا اثر ہے جیسا آج سے ستر۔ اسی سال پہلے مسلمانوں پر مغرب کے جدید علوم و فلسفے پڑھنے سے ہوا تھا۔ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ خود جانتے ہیں کہ کیسے خود مسلمانوں کے ایمان ان تخیلات اور اعتراضات کی وجہ سے کمزور پڑ چکے تھے۔ اور ان نئے حالات میں صرف احمدیت ہی اسلام پر پختہ ایمان قائم کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

تو اب بھی اسں فضا میں صرف احمدیت کی پیش کی ہوئی زندہ دلائل پر مبنی اسلام کی تصویر دلوں کو فتح کر سکتی ہے

اگر ہم یہاں کے مسلمانوں میں اپنی کتب و دیگر لٹریچر تقسیم کریں۔ جیسے اس کام کو ہم نے پچھلے دو سالوں سے ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب کی قیادت میں شروع کیا ہوا ہے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی نظریں جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف اٹھیں گی۔ اور ہمیں پکا یقین ہے کہ آہستہ آہستہ یہ لوگ اس جماعت سے تعلق قائم کر لیں گے۔ ان کے اپنے مولویوں نے یہاں بھی اپنے غلط عقائد پیش کرنے شروع کئے ہیں۔ مثلاً حیاتِ مسیح وغیرہ، جو کہ یہاں کی آزاد خیال فضا جہاں پر ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ میں قطعاً نہیں چل سکتے۔ اسی طرح اگر عیسائیت اور فلسفہ جدید کے پھیلائے ہوئے خلافِ اسلام اعتراضات کا جواب کہیں ہے تو ہمارے لٹریچر میں ہے۔ جس کے بغیر یہاں کے مقیم مسلمان اور خصوصاً ان کی آئندہ نسلیں۔ ویسے ہی اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔ جیسے اسلامی ملکوں کے مغربی تعلیم حاصل کردہ مسلمان۔

قصہ مختصر کہ ایک طرف تو غیر مسلموں کے اعتراضات اور سونے پر سہاگہ دوسری طرف خود مسلمانوں کے علماء کے غلط عقائد اور نہایت بیہودہ رسمیں جو اسلام کا حصہ سمجھی جاتی ہیں جن سب کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان بالکل ختم ہو گیا۔ یا صرف لفظی رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری جماعت کے لئے انگلستان میں پہلی دفعہ ایک نادر موقع ہے۔ کہ مسلمانوں میں اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کی جائے۔ جس کے لئے اردو پڑھنے والوں کو ہمارا اردو لٹریچر دیا جا سکتا ہے اب تو یہاں کی کئی پبلک لائبریریاں اردو کی بھی کتب رکھتی ہیں۔ اور ایسی لائبریریوں کی فہرست تیار کی جا رہی ہے تاکہ انہیں اردو کتابوں کے سیٹ بھیجے جائیں۔

مغرب میں اشاعتِ اسلام کو نئے خطوط پر منظم کرنا

صحیح قرآنی علم اور ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کو پیش کرنے کی ضرورت

جو ناصر احمد صاحب نے اپنے انگلستان میں قیام کے تجربے کی روشنی میں اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ اب اشاعت اسلام کے کام کو نئے خطوط پر منظم کیا جائے۔ ہماری جماعت احمدیہ لاہور شاخ انگلستان کے نزدیک یہ نئے خطوط وہی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور جو ذیل میں نمبروار دیئے گئے ہیں۔

اول :۔ ہمارے انگریزی لٹریچر کو وسیع ترین پیمانے پر تقسیم کرنا اور چونکہ اب یہاں کے غیر مسلم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے ہیں۔ نیز وہ مسلمانوں کے کئی خلافِ اسلامی عقائد، رسوم اور اعمال سے بھی آگاہ ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنی تبلیغ میں واضح کرنا ہے کہ کس طرح اسلام میں مجدد آ کر اصل دین کو پھر سے قائم کرتے ہیں اور عقائد و اعمال کی غلطیاں دور کرتے ہیں اور کیسے اس زمانے میں یہ کام حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے انجام دیا۔ اور کیسے ہم ان کی جماعت ہوتے ہوئے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک طرف تو لوگ ہمارے لٹریچر سے متاثر ہوں اور دوسری طرف انہیں ہماری جماعت کے نام تک سے ایسی ناواقفیت ہو کہ وہ مخالفین احمدیت کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ہماری ہی مخالفت کریں۔

دوم : جماعت کے ممبران کو حضرت مسیح موعودؑ اور جماعتِ احمدیہ لاہور کے بزرگوں (جن میں سے بعض کی زندگیاں دیکھنے کا ہمیں خود شرف حاصل ہوا ہے) کے تقویٰ و طہارت کی روایات برقرار رکھنے کی تلقین کی جائے۔ کیونکہ یہاں کے لوگ صرف باتیں اور دعوے نہیں، عملی حقیقت بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جماعتِ انگلستان اپنے آپ کو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی شاخ سمجھے اور اس کی روایات اور تاریخ کو اپنی روایات اور تاریخ سمجھے تاکہ پرانے احمدیوں کے نمونے پر عمل کیا جا سکے۔

جن چند ایک اشخاص نے انگلستان میں مرکزی انجمن کے خلاف بغاوت کی ہوئی ہے وہ اور ان کے حامی تقویٰ کا لفظ سن کر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پرانی باتیں ہیں جنہیں بھول جانا چاہیئے۔ اور اب "موڈرن" (یعنی جدید طرز) مولوی پیدا کرنے چاہیئں!! اور وہ مسلمانوں کو اسلامی روایات کی بجائے انگریزوں کے رسم و رواج سکھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً نماز کو نہایت معمولی حیثیت دے کر، نماز کے بعد عیسائیوں کی طرح یا مذہبی گانے گانے پر زور دینا وغیرہ۔

سوم : خاص طور پر یہاں کے مقیم مسلمانوں میں اپنا لٹریچر تقسیم کرنا۔ تاکہ وہ بخوبی اس بات سے آگاہ ہوں کہ اگر اسلام کی کوئی تصویر مقبول و کامیاب ہو سکتی ہے۔ تو وہ وہی ہے جو ہماری جماعت کے لٹریچر میں ہے۔ یہ خاص طور پر ضروری ہے کہ جن غلط عقائد اور رسوم کی وجہ سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ انہیں دور کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ مسلمان اپنے مذہب کی اصل روح سمجھ کر اس پر عمل کریں اور اس پر فخر کریں۔ یعنی یہاں کے مسلمانوں کو یہ دکھلایا جائے کہ ان کے مسائل کا حل صرف احمدیت کی تعلیم میں موجود ہے۔ اور وہ جو اتنا فکر کرتے ہیں۔ کہ ہمارے بچے مغربی ماحول میں بد اعمالیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اس کا حل یہی ہے کہ اسلام کو ٹھیک طرح سمجھا جائے اور پھر جو اس مذہب نے بدی سے پرہیز اور بچاؤ کے طریق بتلائے ہیں اور جن کے متعلق حضرت مرزا صاحبؒ نے بہت روشنی ڈالی ہے۔ ان پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے اور جہاں ہم عام مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ ہندوؤں وغیرہ سے لی ہوئی رسوم و رواج کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ ایسے ہی عیسائیوں یا انگریزوں کی بھی غیر اسلامی رسمیں نہیں اپنانی چاہیئں۔

ہم ناصر احمد صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ نئے خطوط مندرجہ بالا ہی ہو سکتے ہیں۔ کم از کم یہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے۔ جنہیں دل سے احمدیت و اسلام کی بے نظیری اور کامیابی و غلبہ پر یقین ہے۔ یہ قطعی درست نہیں ہو سکتا۔ کہ اس جدید دور میں تقویٰ پیدا کرنے کی بجائے خشک علم پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی یہ خیال ٹھیک ہے کہ ہماری جماعت کے پیدا کردہ علم کلام میں کوئی کمی ہے یا یہ کہ وہ پرانا ہو گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی وفات کے بعد نہ تو ہم نے خود اس کو پوری طرح سمجھنے اور ترقی دینے کی کوشش کی اور نہ ہی اسے دوسروں تک پہنچایا کہ وہ متاثر ہو کر اسے قبول کر لیں۔ اشاعتِ اسلام کے نئے خطوط صرف اپنی ان کمزوریوں کو دور کرنا ہی ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ ہم کم فہمی اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کر ایک طرف تو غیروں کے رسم عقائد اور کاموں کو ترجیح دینا شروع کر دیں اور دوسری طرف خود ہی اپنی جماعت کے مرکز اور مرکزی انجمن کو دقیانوسی قرار دے کر کمزور کرنے کی کوشش کریں۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۱۴/۲۱ نومبر ۱۹۷۹ عیسوی
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ : ۴۱-۴۲
باہتمام تاج دین پرنٹرز آبکاری روڈ لاہور چھپا اور پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۳۰ تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ ڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد: ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۸ نومبر ۵ دسمبر ۱۹۷۹ء | نمبر ۴۴-۴۳

ملفوظات حضرت مجدد صدچہاردھم علیہ السلام

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل نور

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسان کامل کو جو ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ یعنی انسان کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ وارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء ختم المرسلین

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"

اسلام کے اقبال اور غلبہ کی پیشگوئی

• اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بے دل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا۔ حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔ کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آئیں۔ مگر انجام کار اُن کے لئے ہزیمت ہے۔ شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کی رو سے میں کہتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔" اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے۔ اور فتح بھی روحانی تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔ میں متعجب ہوں کہ آپ نے کس سے اور کہاں سے سن لیا اور کیونکر سمجھ لیا کہ جو باتیں اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے پیدا کی ہیں وہ اسلام پر غالب ہیں۔ حضرت خوب یاد رکھو کہ اس فلسفہ کے پاس تو صرف عقلی استدلال کا ایک ادھورا سا ہتھیار ہے اور اسلام کے پاس یہ بھی کامل طور پر اور دوسرے کئی آسمانی ہتھیار ہیں پھر اسلام کو اس کے حملے سے کیا خوف ہے — (آئینہ کمالات اسلام)

جلسہ سالانہ کی اغراض

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

اِس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے ..... اور ان کی معلومات وسیع ہوں۔ اور خدا تعالٰے کے فضل و توفیق سے اُن کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور جماعت کے تعلقاتِ اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ کی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ سو بھائیو! یقیناً سمجھو اس کے لئے ہی جماعت تیار ہونیوالی ہے۔ خدا تعالٰی کسی صادق کو بغیر جماعت نہیں چھوڑتا۔ اِنشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف لے آئیگی۔ خدا تعالٰی نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں جو اسکو روک سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے۔ ہر ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ تعالٰی اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنٰی ادنٰی ہرجوں کی پرواہ نہ کریں خدا مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اسکی راہ میں کوئی محنت صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلاءِ کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔

(حضرت مسیح موعودؑ)

(اشتہار، دسمبر ۱۸۹۲ء)

جلسۂ سالانہ

۱۹۷۹ عیسوی

اَخی مکرمی و محترمی   السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امام زمان حضرت مسیح موعودؑ نے جماعت احمدیہ کو جن خصوصیات سے نوازا ہے ان میں جلسہ سالانہ کا انعقاد ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلامی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ سال کے بعد وابستگانِ سلسلہ ایک جگہ جمع ہو کر تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے عالمگیر پیغام کا جائزہ لینا اور اس کے لئے لائحہ عمل مرتب کر کے آئندہ سال اس پر عمل پیرا ہونے کے ذرائع سوچنا اس اجتماع کا اوّلین مقصد ہے۔ یہ جلسہ نیک و متقی نفوس کا ایک ایسا اجتماع ہے جو قلوب میں رقّت و سوز اور جذب و وارفتگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور اجتماعی دعاؤں کے ذریعہ ہماری بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں علاوہ ازیں اس کے کئی معاشرتی فوائد بھی ہیں جو صرف سالانہ اجتماع سے ہی پورے ہو سکتے ہیں اسکے لئے جماعت کے تمام احباب و خواتین کی شمولیت اس میں بے حد ضروری ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ افراطِ زر کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہو گئی ہے۔ اور عام طور پر ہر فرد کے لئے کچھ مشکلات پیدا ہو گئی ہیں اشاعتِ اسلام کے ذرائع بھی بہت سے اخراجات کے متقاضی ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ موجودہ مخصوص مہنگائی کے پیشِ نظر دل کھول کر جلسہ فنڈ میں چندہ دیں اور اپنی درخشندہ روایات کو قائم رکھیں ۔

(مرزا) مسعود بیگ

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام۔ لاہور

ہفت روزہ ——— پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۲۸ نومبر، ۵ دسمبر ۱۹۷۹ء

اقلیتی مذہب

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا ——— اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان ہوں میں

پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام نے ایک انٹرویو میں مذہب اور سائنس کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے ہمیں خوشی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی شان ربوبیت پر ایک سائنس دان سے بڑھ کر پختہ ایمان کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہماری یہ خوشی اس وقت دوچند ہوتی کہ جب ڈاکٹر صاحب موصوف کا تعلق پاکستان کی عظیم مذہبی اکثریت سے ہوتا۔ اور وہ اپنی تمام خوبیوں اور زینِ اخلاق کے ساتھ "اجماع امت" سے تعلق رکھتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا "اقلیتی مذہب" سے تعلق ان کے احترام اور توقیر میں کسی کمی کا سبب ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی عظمت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس مذہبی تعلق کو کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی لیکن اس سلسلے میں ہمارے ذرائع ابلاغ بالخصوص پاکستان ٹیلی ویژن نے جس غلط بیانی سے کام لیا وہ افسوسناک اور باعث حیرت ہے۔"

(روزنامہ جنگ راولپنڈی مورخہ ۹ نومبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۶)

روزنامہ جنگ نے ان چند سطروں میں بہت سی باتیں بیان کر دی ہیں :-

۱۔ پروفیسر عبد السلام صاحب کا ایک سائنس دان کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پختہ ایمان ہے۔

۲۔ کاش پروفیسر صاحب کا تعلق پاکستان کی عظیم مذہبی اکثریت اور اجماع امت سے ہوتا۔ وہ اقلیتی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ پاکستان کے ذرائع ابلاغ نے احمدیت سے ان کے تعلق کو ظاہر نہیں کیا۔

بے مثال ذہانت اور فطانت کے مالک ڈاکٹر عبد السلام صاحب وہ عظیم پاکستانی سائنس داں ہیں جن کا میٹرک سے پی۔ ایچ۔ ڈی تک سارا تعلیمی اور تحقیقی کیریئر قابل رشک اعزازات اور انعامات سے بھرپور ہے۔ نوبل پرائز نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ جماعت احمدیہ یا بقول جنگ "اقلیتی مذہب" اپنے اس مایہ ناز سپوت پر جتنا بھی فخر کرے اور اللہ تعالے کا شکر ادا کرے کم ہے۔

ہم نے سنا ہے کہ جب پروفیسر صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے بعد پاکستان واپس تشریف لائے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے تو پنجاب یونیورسٹی

کے وائس چانسلر نے جو ان کی ذہانت اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے پروفیسر صاحب کو یہ مخلصانہ مشورہ دیا کہ اگر وہ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں۔

اس مردم شناس وائس چانسلر کی ذہانت کی بھی ہم داد دیتے ہیں جن کی جوہر شناسی کام کر گئی اور پروفیسر عبد السلام نے

یہ ان کے کردار کی عظمت ہے کہ انہوں نے اپنے "اقلیتی مذہب" کو عہدوں پر قربان نہیں کیا کیونکہ ایک سائنس داں کی حیثیت سے جس کی نظر شے کی حقیقت پر ہوتی ہے۔ اور اس حقیقت کو بھی وہ اپنے نظریات اور تجربات کی کسوٹی پر پورے طور پر پرکھ کر قبول کرتا ہے۔ انہیں اپنے اس "اقلیتی مذہب" کی تہ میں کوئی ٹھوس حقیقت نظر آتی ہو اور جسے انہوں نے محض موروثی اور جذباتی طور پر قبول نہ کیا ہو۔

یہ الٰہی برکات کی وجہ سے ہے کہ جماعت احمدیہ کے ایک سائنس دان کو نوبل انعام ملا۔ اور سائنس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی انہی کے حصے میں آئی!

قرآن کریم کے متعلق ہمارا مذہب

قرآن شریف کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ کیسی پاک تاثیر

رکھتا ہے۔ لاکھوں مقدسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کے اتباع سے برکات الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں اور ایک عجیب پیوند مولیٰ کریم سے ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انوار اور الہام ان کے دلوں پر اترتے ہیں اور معارف اور نکات ان کے منہ سے نکلتے ہیں۔ ایک قوی توکل ان کو عطا ہوتا ہے اور ایک محکم یقین ان کو دیا جاتا ہے اور ایک لذیذ محبت الٰہی جو لذت وصال سے پرورش یاب ہے اُن کے دلوں میں رکھی جاتی ہے۔ اگر ان کے وجودوں کو مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حب الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دنیا اُن سے ناواقف اور وہ دنیا سے دُور تر اور بلند تر ہیں۔ خدا کے معاملات ان سے خارق عادت ہیں۔ انہیں پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے۔ انہیں پر کھلا ہے کہ ایک ہے۔ جب وہ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی سنتا ہے۔ جب وہ پکارتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتا ہے۔ جب وہ پناہ چاہتے ہیں تو وہ ان کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ باپوں سے زیادہ اُن سے پیار کرتا ہے اور ان کے در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے۔ پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و روحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور وہ ہر ایک میدان میں ان کی مدد کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اُس کے اور وہ اُن کا ہے"

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۳۱)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارا مذہب

"جن اخلاق فاضلہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن شریف میں ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ سے ہزارہا درجہ بڑھ کر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تمام ان اخلاق فاضلہ کا جامع ہے جو نبیوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے: "انک لعلیٰ خلق عظیم" یعنی تو خلق عظیم پر ہے۔ اور عظیم کے لفظ کے ساتھ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ عرب کے محاورے میں اس چیز کے انتہائی کمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی اس آیت کا مفہوم ہے کہ جہاں تک اخلاق فاضلہ و شمائل حسنہ نفس انسانی کو حاصل ہو سکتے ہیں وہ تمام اخلاق کاملہ تامہ نفس محمدی میں موجود ہیں - - - - - - -

اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا۔ "وکان فضل اللہ علیک عظیما" یعنی تیرے پر خدا کا سب سے زیادہ فضل ہے۔ اور کوئی نبی تیرے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

"براہین احمدیہ صفحہ ۵۰۸ حاشیہ)

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی و سماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا۔ یعنی انسان کامل میں جس کا اتم و اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو وہ نور اس انسان کو دیا گیا"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۶۰)

"وہ انسان جو سب سے زیادہ بزرگ اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث و حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی۔ ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء۔ ختم المرسلین۔ فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"

(اتمام الحجۃ صفحہ ۲۸)

اسلام کے متعلق ہمارا عقیدہ

"یہ دین جو ہمارے پاک نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں آیا۔ اس میں تمام دنیا کی اصلاح منظور تھی۔ اور تمام استعدادوں کے موافق تعلیم دینا مدنظر تھا۔ اسی لئے یہ دین تمام دینوں کی نسبت اکمل اور اتم ہوا۔ اور اسی کا نام بالخصوصیت اسلام رکھا گیا اور اسی دین کو خدا نے کامل کیا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"

یعنی آج میں نے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور بعد میں راضی ہوا کہ تمہارا دین اسلام ہو - - - - - -

اسی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر وہ تمام کام پورا ہو گیا جو پہلے اس سے کسی نبی کے ہاتھ پر پورا نہیں ہوا تھا"

(ست بچن صفحہ ۱۴۹ تا صفحہ ۱۵۲)

مجموعی طور پر ہمارا مذہب

"ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ:

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ"

ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالےٰ اس عالم گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالےٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے۔ اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا کہ جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراط مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ غرض ہمارا ان تمام باتوں پر ایمان ہے جو قرآن شریف میں درج ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے"

(ازالہ اوہام ۱۳۷ تا ۱۳۹)

"میں اُن تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی"

(اشتہار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

حاضر ہے یا اپنے مقامات میں بود و باش رکھتے ہیں اس وصیت
کو توجہ سے سنیں کہ وہ جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر میرے ساتھ
تعلق ارادت اور مریدی کا رکھتے ہیں اس سے غرض یہ ہے
کہ تا وہ نیک چلنی اور نیک بختی اور تقوےٰ کے اعلیٰ درجہ
تک پہنچ جاویں۔ اور کوئی فساد اور شرارت اور بدچلنی اُن
کے نزدیک نہ آسکے۔ وہ پنج وقت نماز باجماعت کے پابند
ہوں۔ وہ جھوٹ نہ بولیں۔ وہ کسی کو زبان سے ایذا نہ دیں۔ وہ
کسی قسم کی بدکاری کے مرتکب نہ ہوں۔ اور کسی شرارت اور
ظلم اور فساد اور فتنہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ غرض ہر ایک
قسم کے معاصی اور جرائم اور ناکردنی اور ناگفتنی اور تمام نفسانی
جذبات اور بے جا حرکات سے مجتنب رہیں۔ اور خدا تعالیٰ
کے پاک دل اور بے شر اور غریب مزاج بندے ہو جائیں
اور زہریلا خمیر ان کے وجود میں نہ رہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اور تمام انسانوں کی ہمدردی ان کا اصول ہو۔ اور خدا تعالےٰ
سے ڈریں اور اپنی زبانوں اور اپنے ہاتھوں اور اپنے دل کے
خیالات کو ہر ایک ناپاک اور فساد انگیز طریقوں اور خیانتوں
سے بچاویں۔ اور پنج وقتہ نماز کو نہایت التزام سے قائم
رکھیں اور ظلم اور تعدی اور غبن اور رشوت اور اتلافِ حقوق
اور بے جا طرفداری سے باز رہیں اور کسی بد صحبت میں
نہ بیٹھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور چاہیئے کہ کسی مذہب
اور کسی قوم اور کسی گروہ کے آدمی کو نقصان رسانی کا ارادہ
مت کرو۔ اور ہر ایک کے لئے سچے ناصح بنو۔ اور چاہیئے کہ
شریروں اور بدمعاشوں اور مفسدوں اور بدچلنوں کو ہرگز تمہاری
مجلس میں گذر نہ ہو اور نہ تمہارے مکانوں میں رہ سکیں کہ وہ کسی
وقت تمہاری ٹھوکر کا موجب ہوں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اور چاہیئے کہ تمہاری مجلسوں میں کوئی ناپاکی اور ہنسی اور ٹھٹھے
کا مشغلہ نہ ہو اور نیک دل اور پاک طبع اور پاک خیال
ہو کر زمین پر چلو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اکثر اوقات
عفو اور درگذر کی عادت ڈالو اور صبر اور حلم سے کام لو اور کسی
پر ناجائز طریق سے حملہ نہ کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا تعالیٰ
چاہتا ہے کہ تمہیں ایک ایسی جماعت بنا دے کہ تم تمام دنیا
کے لئے نیکی اور راستبازی کا نمونہ ٹھہرو۔"

(اشتہار بنام جماعت مؤرخہ ۲۹ مئی ۱۸۹۸ء)

اِن تمام نصائح میں وہ کون سی خلافِ قرآن وہ سنت
بات ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جس سے روکا گیا ہے

٭میری تمام جماعت جو اس جگہ (قادیان) ہیں۔ ناقل)

جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

سورینام جنوبی امریکہ کا ایک ملک ہے پہلے یہ ایک ڈچ کالونی ہوتا تھا اور اس کا نام ڈچ گیانا ہوتا تھا۔ چند سال ہوئے آزاد ہو کر سرینام کہلایا۔ اس کے باشندے یا تو حبشی النسل ہیں جو کسی زمانہ میں غلام بنا کر افریقہ سے لائے گئے تھے یا برصغیر پاکستان و بھارت کے کسی زمانہ کے آئے ہوئے لوگ ہیں جو یہاں کے مستقل باشندے بن چکے ہیں۔ مگر سرینام کے اصل باشندے تو امریکہ کے باقی علاقوں کی طرح RED INDIANS ہی تھے جو اب تھوڑے رہ گئے ہیں۔ علاقہ تو کافی وسیع ہے مگر بیشتر حصہ جنگلات کا ہے جن میں غلامی کے دنوں کے بھاگے ہوئے حبشی یا سرخ انڈین اصل باشندے جھونپڑیاں بنا کر کہیں کہیں رہتے ہیں۔ ان کی مردم شماری ابھی تک ممکن نہیں ہو سکی۔ مگر باقی ملک کی معلوم آبادی تقریباً ساڑھے تین لاکھ ہے۔ ان میں زیادہ تر لوگ عیسائی بنائے جا چکے ہیں مسلمانوں میں ۱۲ سے ۱۵ ہزار تک خدا کے فضل سے لاہوری احمدی جماعت کی تعداد ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کی بیرونی شاخوں میں سے یہ اہم ترین جماعت ہے۔

گولڈن جوبلی

گئے موسم گرما میں سرینام جماعت کے سیکرٹری طیب احمد علی صاحب لاہور تشریف لائے۔ آپ ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں۔ انہوں نے جہاں یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہماری جماعت کو سرینام میں قائم ہوئے پچاس سال ہو گئے۔ وہاں یہ بھی بتایا کہ سرینام کے احمدی چاہتے ہیں کہ وسط نومبر ۷۹ء میں اپنی جماعت کی گولڈن جوبلی منائیں جس میں شرکت کے لئے انہوں نے مرکزی جماعت (لاہور) کو بھی دعوت دی۔ انہوں نے خصوصی اہمیت اس جوبلی کے دوران ہونے والی احمدیہ کانفرنس کو دی اور درخواست کی کہ مرکز ایک ایسا وفد بھیجے جو احمدیہ کانفرنس میں تقریروں کے ذریعے سرینام کے احمدیوں کو اسلام اور احمدیت کے دقائق اور معارف سے آگاہ کرے تاکہ وہ دینی علم اور عمل میں ترقی پائیں۔

جب یہ معاملہ ہماری انجمن میں پیش ہوا تو انجمن نے سرینام کی اہم جماعت کی دلجوئی اور دینی تعلیم و تربیت کی افادیت کے پیش نظر جو بہترین وفد بن سکے اسکی تشکیل کا حکم دیا چنانچہ جب سرینام کو اطلاع آئی کہ وہاں کی جماعت نے ۱۵ سے لیکر ۲۵ نومبر تک گولڈن جوبلی منانے کا فیصلہ کیا ہے جس کے دوران ۲۲، ۲۳ نومبر کو بین الاقوامی احمدیہ کانفرنس ہو گی جو زیر سرپرستی حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سینیئر نائب صدر مرکزی جماعت احمدیہ لاہور منعقد ہو گی تو انجمن کی طرف سے مندرجہ ذیل وفد لے جانے کا فیصلہ ہوا۔ یعنے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سینیئر نائب صدر جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری (جو علالت کی وجہ سے نہ جا سکے) بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ (سابق ترور) اور دو تین اور صاحبان جن میں سے خاکسار نصیر احمد فاروقی بھی تھا مرکز کے وفد میں لنڈن سے محترمہ جمیلہ خان صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ انگلستان اور جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب مبلغ انگلستان و امام احمدیہ ٹرسٹ کو بھی شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ محترمہ جمیلہ خاں صاحبہ تو اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ جا سکیں مگر ان کی جگہ انگلستان کی جماعت احمدیہ نے اپنے سیکرٹری مسٹر شاہد عزیز صاحب کو چنا۔ صدر انجمن نے اپنے مبلغ فجی حافظ شیر محمد صاحب کو بھی لکھا کہ وہ بھی شامل ہونے کی کوشش کریں۔ موصوف حال میں ہی ایک لمبے دورے کے بعد فجی واپس پہنچے تھے اور ابھی ان کی تکان بھی نہ اتری تھی مگر جہاد فی سبیل اللہ میں وہ تھکتے نہیں۔ اس لئے پھر چل پڑے بلکہ جماعت فجی کے صدر صاحب کو بھی ساتھ لاکر جوبلی کی تقریبات میں رونق بڑھائی۔ اسی طرح ہماری تجویز پر امریکہ سے ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب اور مسٹر ظفر عبداللہ صاحب (کیلی فورنیا) کو بھی دعوت دی گئی جس پر یہ دونوں نوجوان فی سبیل اللہ اپنا کافی خرچ کر کے نکل پڑے۔ ایک نوجوان تو ہمارے ساتھ لاہور سے گئے اور ایک نوجوان (مسٹر شاہد عزیز صاحب) لنڈن سے ہمارے ساتھ شامل ہو گئے اور دو مذکورہ بالا نوجوان امریکہ سے ہماری تجویز پر آئے بلکہ مسٹر ظفر عبداللہ صاحب تو اپنی بیگم اور دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو لیکر شامل ہوئے۔ جہاں انہوں نے بمع فیملی شامل ہونے میں کافی خرچ برداشت کیا۔ وہاں چھوٹے بچوں کی وجہ سے انہیں وہ بے فکری نہ تھی جو دوسروں کو تھی۔ پھر بھی یہ قابل تقلید میاں بیوی بمع بچوں کے تمام اجلاسوں میں اور تقریبات میں باقاعدہ شامل ہوتے رہے۔ جہاں اُن کی بچی تو مقامی بچیوں کے ساتھ ملکر کام کاج بھی کرتی رہی۔ اور بیگم ظفر عبداللہ صاحبہ نے خواتین کے اپنے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے ایک نہایت اہم مسئلہ کی طرف توجہ بھی دلائی۔ رات کے بارہ بلکہ دو دو بجے تک کے اجلاس میں یہ نوجوان جوڑا بچوں سمیت شامل ہوتا رہا۔ بچے سو بھی جاتے تو یہ میاں بیوی انہیں گود میں لئے لکڑی کی سخت کرسیوں پر بیٹھے رہتے مگر تقاریر کی طرف ان کی توجہ میں فرق نہ آتا۔ میں نے ان تمام نوجوانوں کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ جب تک ایسے اور انہی کی عمدہ روش پر کئی دوسرے نوجوان (مرد و زن) جو خدا کے فضل سے آگے آ رہے ہیں ہم میں پیدا ہو رہے ہیں تو اس جماعت کا مستقبل انشاء اللہ روشن ہے۔

میرا سفر:- لاہور سے ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اور بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ اور ایک نوجوان ممبر وفد تو پہلے لندن تشریف لے گئے تھے۔ میں ۷ نومبر کو روانہ ہو کر ۸ نومبر کو لندن پہنچا۔ پہلے دن کا تیسرا پہر اور شام تو سفر کی ساری رات جاگنے کی کسر پوری کرنے میں کچھ سوتے اور کچھ ملتے ملاتے گزری۔ دس نومبر کی شام کو محترمہ جمیلہ خان صاحبہ صدر جماعت انگلستان نے بہت مہربانی اور خرچ کر کے لندن اور نواح کے احمدی احباب (مرد و زن) کو اپنے گھر چائے پر مدعو کیا۔ دور سے آنے والوں میں مسٹر زاہد عزیز ناٹنگھم سے اور ایک نومسلم انگریز خاتون سارتھ ہمپٹن سے تکلیف اور خرچ اٹھا کر تشریف لائیں۔ بدقسمتی سے میری جائے قیام کی نسبت ایک غلط فہمی ہو جانے کی وجہ سے مجھے لیجانے والے صاحب مجھ سے رابطہ نہ قائم کر سکے اور میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ پہنچا۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس نومسلم انگریز خاتون کے بارہ میں ہے کہ وہ بیچاری اتنی دور سے آئی اور مجھ سے صرف دس پندرہ منٹ بات چیت کر سکی۔ پھر وہ تو چلی گئی کیونکہ اسکی آخری بس جا رہی تھی۔ مگر باقی مرد و زن بیٹھے رہے۔ آخیر میں محترمہ جمیلہ خان صاحبہ نے ایک تعارفی تقریر کی اور پھر مجھ سے تقریر کرنے کو کہا۔ میں نے سامعین کی خدمت میں عرض کی کہ ہماری لندن کی جماعت کے بارہ میں لوگ عیب جوئی کرتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں اور وہ ٹھیک نہیں (سو اگر وہ نیک نیتی سے ایسا کرتے ہیں تو ہمیں اپنی اصلاح کی باتوں کو توجہ سے سننا چاہیئے۔ اور جہاں واقعی ہم میں کوئی کمی یا نقص ہو اُسے دور کرنا چاہیئے۔) مگر ہمیں تصویر کے دوسرے رُخ کو نہیں بھولنا چاہیئے مثلاً یہ کہ ۱۹۷۱ء میں جب میں اور میری بیوی لندن میں آئے تھے تو یہاں کوئی جماعت نہ تھی۔ اور ایک دو احمدیوں سے ہم نے ملنے کی کوشش کی تو ان کی معروفیات کے باعث اور ہماری معروفیات کے باعث کہ (ہم اپنے مختصر قیام میں فرداً فرداً نامعلوم احمدیوں سے نہ مل سکتے تھے۔) کسی سے ملاقات نہ ہوئی مگر آج جماعت بندی کی برکت سے اور محترمہ جمیلہ خان صاحبہ جیسی قابل اور مستعد صدر ہونے کی برکت سے میں دو چار روز کے قیام میں بھی اپنے اکثر بھائیوں اور بہنوں سے مل سکا اسکے علاوہ بھی ید اللہ فوق الجماعۃ کے مطابق جماعت کر بنانے سے اللہ تعالیٰ کی نصرت میسر آتی ہے۔ تو جماعت تبھی بنتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کی عمدہ باتوں کو دیکھیں اور بنی بنائی جماعت ایسی ٹوٹتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے عیوب کو دیکھیں۔ قرآن پاک میں اور حدیث نبویؐ میں اللہ تعالےٰ کی صفات کو حاصل کرنے کا حکم ہے سو اللہ تعالےٰ اپنے گنہگار بندوں کی چھپی یا دبی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے تو ہی یہ دُنیا چل رہی ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کی طرف دیکھے تو یہ دنیا کبھی چل نہ سکتی تھی۔

بہرحال یہ مختصر اور دلچسپ محفل کم سے کم میرے لئے بہت مفید تھی اور میں محترمہ جمیلہ خان صاحبہ اور ان کے شوہر فیض خان صاحب کا نہایت مشکور ہوں کہ انہوں نے تکلیف اٹھا کر اور کافی خرچ کر کے میرے لئے یہ عمدہ موقع مہیا کیا کہ میں احباب جماعت انگلستان سے مل سکا اور میں اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کا بھی از حد ممنون ہوں جنہوں نے اس سردی میں شام کے اندھیرے میں ایک جگہ جمع ہونے کی تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے دین اور دنیا کے کام سدھارے۔ آمین،

ہالینڈ کی جماعت

۱۴ نومبر کو محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ اور ایک ہمارے محترم رفیق سفر اور میں برٹش ایئرویز کے جہاز سے دوپہر کے دو بجے ایمسٹرڈیم پہنچے۔ وہاں احباب جماعت کو اطلاع تھی اور وہ باوجود دفاتر اور کاروبار کے اوقات ہونے کے ہوائی اڈہ پر جمع تھے۔ اُن میں ۵۰ کلومیٹر دور دارالخلافہ ہیگ کے احباب (مرد و زن) بھی موجود تھے۔ ان سب نے بہت گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا وہاں سے ہم سب ہیگ آئے جہاں حسینی صاحب اور ان کی بیگم کے ہاں چائے پی کر ہم سب کو ہیگ کی سیر کرائی گئی۔ پھر اپنے اپنے ٹھکانوں پر احباب جماعت کے ہاں ہمیں ٹھہرایا گیا۔ رات کے کھانے کے بعد ۸ بجے ہیگ کے مرکز اور مسجد میں احباب ہالینڈ کو جمع ہونا تھا۔ یہ مرکز اور مسجد دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ عمدہ موقعہ کے علاوہ مرکز اور مسجد کی عمارت خصوصاً اندر سے بہت صاف اور نئی اور اچھی حالت میں تھی۔ وہاں دُور دُور سے احباب تکلیف اٹھا کر رات کے وقت میں سردی میں آئے ہوئے تھے۔ ہیگ کے علاوہ ایمسٹرڈیم اور یوٹرکٹ اور راٹرڈیم اور آرن ہائم سے مرد و زن تشریف لائے ہوئے تھے۔ جماعت ہیگ کے صدر نور سردار صاحب سارا وقت ہمارے ساتھ رہے اور استقبال اور سیر کرانے میں وہی پیش پیش تھے۔ جلسہ کی صدارت بھی انہوں نے ہی کی۔ ان کی تعارفی تقریر کے بعد میں نے سورۃ والعصر کے مضمون پر تقریر کی۔ میرے بعد محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ اور باقی رفقائے سفر نے تقاریر کیں جو نہایت پسند کی گئیں۔ بعد میں مشروبات اور کھانے پینے کی چیزوں سے تمام اہل محفل کی خاطر مدارات کی گئی اور یہ دلچسپ اور مفید محفل رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ختم ہوئی۔

ہم نے علی الصبح چلنا تھا۔ پھر بھی صبح کے اندھیرے اور سردی میں کئی ایک احباب نے تکلیف کی اور ہمیں ۵۰ کلومیٹر دور ہوائی اڈہ پر پہنچا کر اور ہمیں سوار کرا کر وہ واپس گئے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مخلص بھائیوں اور بہنوں کو جزائے خیر دے۔ آمین

سفرِ سُرینام

ہمارا ہوائی جہاز صبح ½۹ بجے ایمسٹرڈیم سے روانہ ہوا اور بحر اوقیانوس پر سے اُڑتا ہوا تیسرے پہر ½۲ بجے سُرینام کے دارالخلافہ پیرامریبو پہنچا۔ آگے وہاں بھی احباب جماعت (مرد و زن) ہمارے استقبال کو آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا خواتین نے پھولوں کے ہار پہنائے اور تصویریں کھینچی گئیں۔ یہ ہوائی اڈہ بھی شہر سے کافی دُور ہے۔ (غالباً ۴۰ کلومیٹر) پھر بھی کثرت سے احباب جماعت استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جن میں پروفیسر ڈاکٹر کرامت علی صاحب جو گولڈن جوبلی کی تقریبات کا انتظام کرنے والی کمیٹی کے صدر تھے اور طیب احمد علی صاحب جو سکریٹری تھے اور دیگر اکابرین بھی موجود تھے۔ ہوائی اڈہ سے ایک جلوس بنایا گیا جس کے آگے آگے دو ٹریفک پولیس کے موٹر سائیکل سوار بطور پائلٹ کے تھے اور ایک دو کاروں میں مقامی نوجوان بڑے بڑے جھنڈوں اور کتبوں کو لئے ہوئے تھے۔ یہ جلوس کوئی گھنٹہ بھر میں پیرامریبو کے مرکز احمدیہ پہنچا جہاں اور بھی احباب جماعت (مرد و زن) ہمارے استقبال کو جمع تھے۔ ان سب سے ہمارا تعارف کرایا گیا پھر اُوپر کی منزل میں جو نہایت ہوادار تھی جا کر بیٹھے۔ وہاں مشروبات سے ہماری تواضع کی گئی۔ اسکے بعد سکریٹری طیب احمد علی صاحب نے ایک تقریر میں ہم سب کو خوش آمدید کہا اور میں نے جواب میں ان سب کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ہمارے شاندار استقبال کا انتظام اور ہمیں خوش آمدید کہنے کے لئے اسقدر تکلیف اٹھائی۔ اسکے بعد ہم سب کو مقامی احباب جماعت کے گھروں پر اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچایا گیا۔ ہمارے احباب جماعت میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آسودہ حال ہیں اور جن گھروں میں ہمیں ٹھہرایا گیا وہ سب نہایت عمدہ جگہیں تھیں اور ہمارے میزبان مرد اور خواتین نے ہماری وہ آؤ بھگت کی اور خاطر مدارات کی کہ وہ اسلامی روایات کا بہترین نمونہ اور ہمارے لئے قابلِ تقلید مثال تھی۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب تو پہلے سے سرینام پہنچ چکے ہوئے تھے۔ ہمارے پہنچنے کے بعد اُسی رات امریکہ سے ڈاکٹر نعمان الہیٰ ملک صاحب اور ظفر عبداللہ صاحب بمعہ فیملی پہنچے۔ سرینام کی جماعت نے منجملہ اور انتظامات کی عمدگی کے مہمانوں کے استقبال کا نہایت اچھا انتظام کیا ہوا تھا۔ اگرچہ ہوائی اڈہ شہر سے کافی دُور کوئی ۴۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا مگر دن ہو یا رات بلکہ اکثر پچھلی رات جب بھی کوئی مہمان پہنچتا تھا تو مقامی احباب خصوصاً ایک ذمہ دار صاحب جو استقبال کے لئے نامزد کئے گئے تھے انہیں ہوائی اڈہ سے لے کر ان کے ٹھہرنے کے مقام تک پہنچاتے تھے چنانچہ امریکہ کے آنے والوں کے علاوہ لندن سے ڈاکٹر نذیر الاسلام صاحب اور مسٹر شاہد عزیز صاحب اور فیجی سے مولانا شیر محمد صاحب (صدر جماعت فیجی) اور ہالینڈ سے مولانا جگو صاحب ان کی صاحبزادی اور ایک داماد صاحب۔ الغرض جو مہمان جس وقت پہنچا اس کا دور دراز ہوائی اڈہ پر استقبال کر کے اس کے ٹھہرنے کی جگہ پر اُسے پہنچا دیا جاتا۔ یہ انتظام نہایت قابل تعریف و تقلید تھا۔

گولڈن جوبلی:۔ ۱۵ نومبر کی صبح بلکہ دن بھر مہمان آتے رہے۔ شام کو کھانے کے بعد شکرانہ نماز دو نفل کے لئے جو عشاء کی نماز کے ساتھ رات آٹھ بجے پڑھے گئے مقامی جماعت کے مرد و زن اور مہمان مرد و زن جماعت کے مقامی مرکز میں جمع ہوئے۔ گیانا سے ۳۵ احمدی مرد و زن گولڈن جوبلی میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائے۔ وہ اور ٹرینیڈاڈ کے چند مہمان اردو نہ جانتے تھے بلکہ صرف انگریزی سمجھتے تھے۔ پھر بھی وہ تمام محفلوں میں جہاں اکثر تقاریر اُردو میں ہوتی تھیں باقاعدہ شامل ہوتے تھے۔ اور اگرچہ وہ اردو کی تقاریر کو سمجھ نہ سکتے تھے مگر خاموشی اور توجہ سے بیٹھے سمجھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

۱۶ نومبر بروز جمعہ صبح نو بجے صدر حکومت سرینام از راہِ عنایت باہر سے آئے ہوئے مہمانوں سے اپنے صدارتی محل میں ملاقات کی۔ وہاں مہمانوں کی کافی سے تواضع کی گئی اس کے بعد صدرِ حکومت نے انگریزی میں تقریر کی جس کا جواب دینے کے لئے مجھے کہا گیا۔ چنانچہ میں نے احمدیت کے بین الاقوامی تنظیم ہونے کے علاوہ سیاست سے علیحدہ رہ کر محض خدمتِ دین اور نسلِ انسانی کی روحانی و اخلاقی رہنمائی کو اپنی جماعت کا مقصد بتایا اور صاحب صدر کو توجہ دلائی کہ بیرونی جماعتوں میں سے سرینام کی جماعت تعداد میں سب سے زیادہ [illegible] ہے۔ میں نے صاحب صدر کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی حکومت نے مکمل مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری تمام رعایا کو دے رکھی ہے اور ان سے درخواست کی کہ ان کی حکومت احمدیوں کے حقوق کا خیال رکھے جسکے جواب میں صاحب صدر نے اثباتی رنگ میں اپنا سر ہلایا۔ بالآخر صاحب صدر نے کہا کہ تصویریں اُتروانے کے لئے ہم باہر روشنی میں چلیں۔ وہاں تصویریں اتروائی گئیں جو اگلے دن مقامی اخبارات میں چھپیں۔ اس کے علاوہ سرینام کے چار ریڈیو سٹیشنوں میں سے ایک ہماری جماعت کے معزز رکن اور میرے میزبان جناب رشید پیرخان صاحب کا ہے اُس پر وقتاً فوقتاً اعلان ہوتے رہتے تھے بلکہ محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ کی ۱۵ منٹ تقریر بھی خواتین کے فائدے کے لئے نشر کی گئی۔

جمعہ کی نماز و خطبہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے سپرد تھا اور آپ نے والعصر کی سورت پر ایک نہایت عالمانہ اور رُوح پرور خطبہ دیا۔ اس کے بعد احباب جماعت اور مہمان ایک دُوسرے سے ملتے ملاتے رہے۔ اُسی شام کو کھانے اور نماز کے بعد گولڈن جوبلی کی تقریبات کا باقاعدہ افتتاح اور تعارف سے ہوا جس میں باہر سے آئے ہوئے وفود کے نمائندوں نے مختصر تقاریر کیں جو ریڈیو پر ساتھ ساتھ نشر ہوئیں۔ جماعت لاہور کے وفد کی طرف سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے علاوہ محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ نے اور خاکسار نے تقاریر کیں میں نے جہاں میزبان جماعت اور فرداً فرداً ہر میزبان و میزبانہ کا جو مہمانوں کی اس قدر خاطر مدارات کر رہے تھے شکریہ ادا کیا وہاں مرکزی انجمن (لاہور) نے سرینام کی جماعت کی اہمیت اور ان کی گولڈن جوبلی کی خاطر جو کچھ کیا اس کا ذکر کیا کہ وفد جو بھیجا اُس میں اپنے سینئر وائس پریذیڈنٹ (حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب) اور وائس پریذیڈنٹ (نصیر احمد فاروقی) اور جنرل سیکرٹری جناب مرزا مسعود بیگ صاحب (جو ناسازیٔ طبع کی وجہ سے آ نہ سکے) اور محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ اور دیگر قیمتی ممبران کو جن میں لندن سے اور امریکہ سے اور فیجی سے بھی احباب کو شامل کیا گیا۔ اس سے بہتر وفد نامزد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ جماعت کے مرکز لاہور سے دور دنیا کے دوسرے کونے میں سرینام، گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے اسقدر احمدی مرد و زن کو جمع دیکھ کر ہمارا دل کس قدر خوش ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو آج سے تقریباً ۸۰ سال پہلے اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی تھی کہ:۔

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دوں گا۔"

وہ الہام ہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیا۔ اگر ایک طرف فیجی سے احمدی جمع تھے تو دنیا کے دوسرے کنارے سے امریکہ اور ویسٹ انڈیز کے مرد و زن اس قدر بڑی تعداد میں جمع تھے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی تقریر میں احبابِ ولیسٹ انڈیز خصوصاً سرینام کی جماعت کو اس کی گولڈن جوبلی کی مبارک باد دی اور آئندہ کے لئے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقیات کے لئے دعا کی۔ صدر انجمن لاہور نے اس گولڈن جوبلی کے موقع پر سرینام کی جماعت کو اپنا سب سے قیمتی تحفہ جو ممکن ہو سکتا تھا یعنے اپنا اسلام اور احمدیت پر لٹریچر کی پیش کش کرنے کا فیصلہ کیا تھا جس میں سے کچھ چیدہ کُتب بذریعہ ہوائی ڈاک بھیجدی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ انجمن نے گولڈن جوبلی کے موقع پر جماعت سرینام کو پیش کش کی کہ وہ اگر پانچ (مرد و زن) جو خدمتِ دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنا چاہیں لاہور بھیج سکیں تو انجمن ان کی رہائش کھانے پینے اور دینی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے گی۔ ان تمام پیشکشوں کا اعلان حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں کیا۔ بعد کے دنوں میں جب کبھی سرینام کے کسی دوست نے کہا کہ صدر انجمن لاہور کوئی مبلغ سرینام بھیجے تو میں نے بار بار توجہ دلائی کہ ایک باہر سے آیا ہوا مبلغ جس نے بقول اُن کے سال دو سال رہنا ہو وہ مفید کام نہیں کر سکتا۔ جو کام ان کے اپنے آدمی جنہیں انجمن نے دینی تعلیم و تربیت کی پیش کش کی ہے کر سکتے ہیں جو سرینام میں مستقل طور پر رہیں گے اور اپنے لوگوں کی زبان کے علاوہ ان کے مزاج اور ضروریات کو ایک اجنبی سے بہتر سمجھتے ہوں گے۔ اس طریق کو قرآن پاک نے خود تجویز کیا ہے کہ باہر کی جماعتوں سے چیدہ لوگ دینی مرکز میں آکر اور دینی تعلیم و تربیت حاصل کر کے واپس جائیں اور اپنی اپنی قوموں میں جا کر دینی تعلیم و تربیت کریں۔ افسوس ہے کہ قرآن کریم اور خداوند تعالےٰ کی بات کو چھوڑ کر ہم دوسرے طریق اپنی سمجھ سے بنا لیتے ہیں جن کا وہ فائدہ نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالےٰ کی علیم و حکیم ذات کی بتائی ہوئی راہ کو اختیار کرنے میں ہوتا ہے۔

اگلے روز یعنے ۱۷ نومبر کو رات ۸ بجے جماعت سرینام کے مرکز میں ایک جلسہ بطور یادگار ہوا جس میں صدرِ حکومت سرینام بمع اپنی بیگم کے تشریف لائے اور دوسرے غیر از جماعت مقامی معززین بھی شامل ہوئے۔ جلسہ گاہ کو پھولوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ پہلے تو باہر سے آئے ہوئے احمدی مہمانوں کا تعارف کرایا گیا۔ پھر پروفیسر ڈاکٹر کرامت علی صاحب صدر تقریبات گولڈن جوبلی اور سرینام کے دارالخلافہ پیرا موریبو کی احمدی جماعت کے صدر صاحب نے تقریریں کیں اور اُن کے جواب میں صدر حکومت سرینام نے تقریر کی۔ یہ تمام تقاریر ڈچ زبان میں تھیں اس لئے ان کے نفسِ مضمون کو میں سردست نہیں لکھ سکتا۔ احمدی مقررین نے تو احمدیت کی تحریک پر روشنی ڈالی اور صدرِ حکومت نے اپنی تقریر کے دوران چند فقرے انگریزی میں کہے کہ ایسی تقریبات پر لوگوں کے اجتماع یا تعداد کی وہ اہمیت نہیں جو اس علم و حکمت کی ہوتی ہے جو ایسے موقعوں پر لوگوں کو بتائی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں مقررین کے ایک سناتن دھرمی نمائندہ مقرر نے سرینام کے احمدیوں کو ان کی گولڈن جوبلی کی مبارکباد اور نیک تمناؤں کو ہندی زبان میں ادا کیا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے صدر انجمن کی طرف سے تقریر کرتے ہوئے اسلام کی عالمگیر تعلیمات کا خاص ذکر کیا کہ کس طرح اسلام کا خدا کسی ایک ملک یا قوم کا خدا نہیں بلکہ تمام جہانوں کا اور تمام قوموں کا رب ہے۔ اسی طرح اسلام نسلِ انسانی کی برابری، وحدت اور اخوت کا پیغامبر ہے اور تمام قوموں میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور الہامی کتابوں کے آنے اور ان پر ایمان لانے کو مسلمان کے ایمان کا لازمی جزو قرار دیتا ہے۔ اس لئے اسلام بجا طور پر بین الاقوامی امن و صلح کا مذہب ہے۔ اور اسی میں نسلِ انسانی کی نجات ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ وہ تمام انبیاء اور الہامی کتابوں کی کھوئی ہوئی ہدایت کو قرآن میں محفوظ اور مکمل کر کے پیش کرتا ہے۔ اجلاس کے اختتام پر حاضرینِ جلسہ کی پُرتکلف تواضع کی گئی جس میں صدرِ حکومت اور اُن کی بیگم صاحبہ اور غیر مسلم حاضرین نے بھی شرکت کی۔

تاریخی دِن

۱۸ نومبر کا دن سرینام کی احمدیہ جماعت کیلئے تاریخی دن ثابت ہوا۔ ان کی جو مرکزی مسجد عرصہ سے تھوڑی سی بن کر نامکمل پڑی تھی اس کی تکمیل کے لئے چندہ جمع کرنے کا دن تھا۔ صبح دس بجے کے قریب اس مقصد کے لئے ایک اجتماع ہوا جس میں معمولی تعداد کے مرد و زن حاضر تھے۔ دعا اور قرآنِ کریم کی تلاوت کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ پہلے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے تقریر کی اور چندہ کے لئے اپیل کی پھر ان کے کہنے پر مجھے بھی تقریر کرنے کے لئے کہا گیا۔ بعد جماعت کے انجینئر نصر اللہ صاحب نے مسجد کی تکمیل کا تخمینہ بتایا جو کہ دو لاکھ ۷۵ ہزار سرینامی گلڈر تھا۔ سرینامی گلڈر تقریباً ہمارے تین روپے بیس پیسے کے برابر ہوتا ہے۔ گویا تخمینہ قریباً ۸ لاکھ ۸۰ ہزار روپے کا تھا۔ آخر میں مولانا شیر محمد صاحب نے انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون پر تقریر کی۔

چندہ کے لئے پکارنے کا کام میرے میزبان جناب رشید پیر خاں صاحب نے اپنے ذمہ لیا۔ وہ قریباً ۱۱، ½۱۱ بجے کھڑے ہوئے اور شام کے ½۳ بجے تک مسلسل کھڑے پکارتے رہے۔ ابتداء میں چندہ آہستہ آہستہ شروع ہوا اور ایسا صاف نظر آتا تھا کہ اتنی بڑی رقم کبھی پوری نہ ہو سکے گی۔ صدر انجمن لاہور کے وفد کے ممبروں نے بھی آپس میں مشورہ کر کے پانچ سو پانچ امریکن ڈالر چندہ کا اعلان کیا جس کو ۵ ہزار ۵ سو روپے سمجھ لیجئے اس میں بیشتر حصہ ہمارے امریکہ کے قابلِ قدر نوجوان ڈاکٹر نعمان الہٰی ملک صاحب کا تھا۔ باقی کا ہم مسافروں نے اپنے اپنے سفر خرچ کی رقم میں سے نکال کر دیا۔ بعد میں بیگم ظفر عبداللہ صاحب نے سو امریکن ڈالر اور دیئے اور جو ایک ہزار روپے کے قریب سمجھ لیجئے اور بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ نے بھی اعلان کروا دیا جو مجھے یاد نہیں کہ سو سرینامی گلڈر تھے یا ڈالر۔ بہر حال ۷ ہزار کے قریب چندہ مرکزی انجمن لاہور کے وفد کا سمجھ لیجئے۔

مقامی جماعت کے بچوں، عورتوں اور مردوں نے بھی چندہ کی رقم کا اعلان شروع کیا جو آہستہ آہستہ جا کر کوئی ایک لاکھ ساٹھ ہزار سرینامی گلڈر پہ جا کر رکتا نظر آیا (یعنے کل میزان آتا تھا) جس میں لاہور کے وفد کا چندہ بھی شامل تھا۔ اور ہم میں سے اکثر کو یہ خیال ہوا کہ مطلوبہ رقم دو لاکھ ۷۵ ہزار سرینامی گلڈر کبھی جمع ہو سکیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے رجوع برحمت فرمایا اور مقامی لوگوں نے اپنا چندہ دوگنا کرنا شروع کیا۔ بالآخر کل رقم جا کر قریباً دو لاکھ ۴۰ ہزار سرینامی گلڈر پر رک گئی۔ اس وقت ایک مقامی احمدی دوکاندار نے اعلان کیا کہ بالآخر جو بھی کمی رہ جائے گی اُسے وہ پورا کر دیں گے۔ اس اعلان پر بہت جوش و خروش پھیل گیا اور بعض نوجوانوں نے اس احمدی دکاندار کو جا کر کندھوں پر اٹھا لیا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اُس دن اور بعد کے اعلانات کی کل رقم اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے بہت بڑھ کر چار لاکھ دس ہزار سرینامی گلڈر پر پہنچ گئی۔ یعنے تخمینہ دو لاکھ پچھتر ہزار سے ایک لاکھ ۳۵ ہزار سرینامی گلڈر زیادہ ہو گئی۔ و الحمد للہ ثم الحمد للہ

دینی مالی قربانیوں کے نظارے جو ہم کوئی تین سال سے ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ اپنے سالانہ جلسہ لاہور پر دیکھتے ہیں۔ دور دراز سرینام میں بھی نظر آئے۔ سرینام کی جماعت کا کچھ حصہ جو احمدی نام کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہے اُس نے بھی اس روز جلسہ کیا اور چندہ کیا جو سننے میں آیا کہ فقط ۵ یا ۷ ہزار سرینامی گلڈر پر ختم ہو گیا۔ دراصل حضرت مسیح موعودؑ سے تعلق میں جو تائیدِ الہٰی ہے وہ باہر کہیں نصیب نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اگر لاہور کا وفد نہ آیا ہوتا اور اس نے تقاریر نہ کی ہوتیں تو کبھی اتنی بڑی رقم جمع نہ ہو سکتی تھی۔ مگر دراصل یہ حضرت مسیح موعودؑ امامِ وقت کے ساتھ نصرتِ الہٰی کا جو وعدہ ہے وہ پورا ہوا۔ اس طرح کی مالی قربانیوں کا رُوح پرور نظارہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ جو دور دراز قادیان کے ایک مرحوم امامِ وقت سے رُوحانی تعلق میں اثر ہے وہ دنیادار نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔ "ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم" یہ مبارک قرآن پاک کے الفاظ سورۃ جمعہ میں صحابہؓ کے بعد آنے والے کچھ لوگوں کے لئے آئے ہیں جو اُنہی میں سے ہوں گے۔ اگرچہ ابھی تک (یعنے ان آیات کے اترنے کے وقت تک) ان سے ملے نہیں تھے جب صحابہؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہوں گے تو آپؐ نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا ستارہ پر بھی چلا جائے گا تو ابنائے

فارس میں سے ایک شخص اُسے جاکر واپس لے آئے گا۔ اور وہ شخص واقعات نے حضرت مسیح موعودؑ کو ثابت کیا جنہوں نے پھر وہی ایمان مسلمانوں میں سے ان لوگوں میں پیدا کیا جو آپ سے منسلک ہوئے۔

اس موقع پر ایک اور رُوح پرور نظارہ جو دیکھنے میں آیا وہ ایک نہایت قابلِ قدر بزرگ کا تھا جو ہماری سرینام کی جماعت سے کچھ شکایتوں کی بنا پر علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے تھے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی کوششوں سے وہ بزرگ پھر آکر جماعت میں مل گئے اور بعد میں انہوں نے اعلان کیا کہ مسجد کے موجودہ ڈھانچے پر جو ۲۰ ہزار گلڈر کا قرضہ ہے اُسے وہ ادا کریں گے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم مامورِ وقت کی جماعت کے ساتھ ملنے سے جو ایک باطنی برقی رو انسان کے اندر آجاتی ہے اُس کا یہ نظارہ تھا۔

جلسہ میرزورگ

۱۹ نومبر کو مہمانوں سمیت کچھ مقامی لوگ دریا پار ایک علاقہ کامیو جنے نامی کی سیر کو گئے اور شام واپسی پر ایک قصبہ میرزورگ نامی میں ٹھہرے۔ جہاں ہماری جماعت کی مسجد ہے اور کافی تعداد میں مرد و زن احمدی ہیں۔ رات نماز کے بعد وہاں جلسہ ہوا۔ میں صبح کی سیر و سیاحت میں شامل نہ ہوا تھا اس لئے میں شام کو دریا پار گیا اور مہمانوں کے ساتھ جو سیر کے لئے نہیں گئے تھے شامل جلسہ ہوا۔ دعا کے بعد تقاریر شروع ہوئیں۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اور حافظ شیر محمد صاحب اور مولانا جگو صاحب اور ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ کی تقاریر ہوئیں۔ گیانا کے ایک احمدی امام مولانا رشید صاحب ہر جگہ انگریزی میں تقریر کرتے تھے جس سے گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے لوگ مستفیض ہو سکتے تھے۔ اور بعض اُردو تقریروں کا بھی انگریزی میں مختصر ترجمہ کر دیا جاتا تھا تاکہ ان دو ملکوں کے لوگوں کو مایوسی اور محرومی نہ ہو۔ بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ اپنی تقریر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں یکے بعد دیگرے آسانی سے کر سکتی تھیں۔ بیگم صاحبہ سرینام میں بہت مقبول ہو گئیں اس کی بڑی وجہ تو ان کا علم و فضل اور طرزِ بیان تھا مگر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اگرچہ سرینام کی خواتین ہر قومی کام میں اور جلسوں میں باقاعدہ شامل ہوتی تھیں مگر ان میں سے کوئی خاتون اس طرح فر فر اردو اور انگریزی میں فصاحت اور بے ساختگی کے ساتھ تقریر نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ جلسہ اسقدر دیر تک چلا کہ ہم نے بمشکل رات کے ½ ۱۱ بجے کی آخری ناؤ (FERRY) پکڑی۔ گھر آتے سوتے سلاتے ان تمام دنوں میں ۱۲۔ ایک بلکہ دو تک بجتے رہے۔ وجہ یہ تھی کہ تمام جلسے اور مجلس رات کے ۸ بجے شروع ہونا ہوتی تھیں مگر کبھی نو بجے اور کبھی ½ ۹ بجے شروع ہوتی تھیں۔ اس دیر کا سب سے بڑا نقصان احمدیہ کانفرنس کے پہلے دن ہوا جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

انتظامی معاملات

۲۰ نومبر کو صبح دس بجے مرکز میں سرینام کی جماعت اور مرکزی جماعت کے تعلق اور روابط پر تبادلۂ خیال ہوا جس میں ہالینڈ کے مولانا جگو صاحب اور فیجی کے صدر حافظ شیر محمد صاحب اور بعد میں گیانا کے امام مولانا رشید صاحب بھی شامل ہوئے۔ اس میں لاہور کے وفد نے اس بات پر زور دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی الوصیت کے مطابق آپ کی جانشین مرکزی انجمن احمدیہ لاہور ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے الوصیت میں خود لکھا ہے کہ اس مرکزی انجمن کی بیرونی ممالک میں شاخیں ہوں اور مرکز اور شاخوں کے تعلقات کس طرح ہوں اُنہی ہدایات کے مطابق لاہور کی انجمن کی تبلیغ بلاد غیر کی کمیٹی نے ایک ڈرافٹ آئین تمام شاخوں یعنی بیرونی جماعتوں کو تبصرہ کے لئے بھیجا تھا۔ جو بعد میں قطعی شکل میں تمام بیرونی جماعتوں کو بھیجدیا تھا اور جس کے مطابق جماعت احمدیہ فجی باقاعدہ خوش اسلوبی سے کام کر رہی ہے۔ تمام حاضرینِ محفل نے اس بات پر زور دیا کہ مرکز کی بالادستی اور اسکے ساتھ فرمانبرداری اور وفاداری سے کام کئے بغیر جماعت کا اتحاد اور حسنِ کارکردگی ممکن نہیں اور اس کے متوازی کوئی اور کونسل یا ادارہ بنانا جماعت کے مفاد کے بالکل خلاف ہو گا۔

شام کو سرینام کے مرکز میں ایک جلسہ ہوا جس میں باہر سے آئے ہوئے مہمانوں میں سے بعض نے تقاریر کیں جو اسلام اور احمدیت کے مختلف موضوع پر تھیں۔ چھوٹی مگر نہایت مفید تقاریر تھیں۔

جلسۂ خواتین

۲۱ نومبر کی صبح کو جماعت کے قبرستان اور پیرامور یبو کے نواح میں بعض مساجد میں جاکر وہاں کے احمدیوں سے ملنا تھا مگر چونکہ میں بعض وجوہ سے نہ جا سکا تھا اس لئے اسکے متعلق میں کچھ لکھنے سے معذور ہوں۔ دراصل میری یہ تحریر کوئی باقاعدہ رپورٹ نہیں ہے اور نہ یہ میں نے وفد کے ممبران خصوصاً وفد کے لیڈر کو دکھائی ہے۔ بلکہ یہ تحریر میں وطن واپس جاتے ہوئے رستہ میں قیام جینوا میں جلدی جلدی اپنے حافظہ کی بنا پر لکھ رہا ہوں تاکہ لاہور پہنچتے ہی اخبار پیغام صلح کو دے سکوں تاکہ احباب جماعت کو جلد از جلد اس اہم دورہ کا کچھ علم ہو سکے اس کی باقاعدہ رپورٹ تو وفد کی واپسی پر ہی انجمن کو پیش کی جا سکے گی۔ میری یہ تحریر ایک ذاتی فعل ہے۔ جس میں خامیاں اور نقائص ضرور ہوں گے جس کے لئے میں قبل از وقت وفد سے اور احباب جماعت سے معافی کا خواستگار ہوں۔

۲۱ نومبر کی رات کو خواتین اور نوجوانوں کا جلسہ تھا جس کی صدارت ایک مقامی خاتون نے کی۔ تقریر کرنے والی خواتین میں تمام باہر سے آئی ہوئی تھیں جو (لاہور۔ ہالینڈ۔ امریکہ وغیرہ سے آئی تھیں) نے عمدہ تقاریر کیں۔ مردوں کو بھی اس جلسہ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی مگر مقامی مرد زیادہ نہ تھے۔ البتہ باہر سے آئے ہوئے مرد سب شامل ہوئے۔ ایک مقامی نوجوان نے بھی ڈچ زبان میں بڑے جوش سے تقریر کی مگر چونکہ میں ڈچ زبان نہیں جانتا اس لئے اس کا خلاصہ نہیں دے سکتا۔ خواتین کے جلسہ کا کچھ حصہ ریڈیو پر براڈکاسٹ ہو رہا تھا۔ اور اس دن بلکہ تمام دنوں کی تمام تقاریر کو ٹیپ ریکارڈ کیا جاتا رہا۔ اگرچہ اس ضخیم ٹیپ ریکارڈ کو تحریر میں لانا بہت دقت اور وقت طلب ہو گا۔ خصوصاً اس لئے کہ سرینام کے احباب اگرچہ سادہ اردو [illegible] ہیں۔ مگر اردو لکھنا شاید کم جانتے ہوں۔

مسئلے مسائل

۲۲ نومبر کی صبح کو دس بجے سرینام کے مرکز میں مقامی اور بعض باہر کے آئے ہوئے احمدی امام صاحبان اور مرکز سے آئے ہوئے وفد کے درمیان مذہبی مسائل پر گفتگو ہوئی۔ امام صاحبان نے بہت سے سوال پوچھے جن کا جواب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے دیا اور کبھی ان کے کہنے پر [illegible] نے بھی دیا۔ اس دلچسپ محفل کا اختتام ایک سادہ مگر نہایت لذیذ کھانے پر ہوا جو ایک مقامی نہایت مخلص اور قابلِ قدر بزرگ نے دیا تھا۔

شام کو احمدیہ کانفرنس کا پہلا اجلاس تھا۔ وقت مقررہ نو بجے رات تھا مگر شاید اپنی راتیں جاگ جاگ کر لوگ تھک گئے تھے اس لئے دیر سے یعنے ۹ بجے رات شروع ہوا۔ دعا اور صاحب صدر یعنے پروفیسر ڈاکٹر کرامت علی صاحب کی تمہیدی تقریر کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی تقریر سے احمدیہ کانفرنس کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا موضوع تھا: "قرآن کریم تمام قوموں کے لئے رحمت ہو کر آیا ہے"۔ یہ موضوع منتظمین کانفرنس نے خود ہی تجویز کیا تھا۔ تقریر نہایت جامع اور مضبوط علمی جو قریباً پون گھنٹہ چلی۔ اسکے بعد اس کا مختصر ترجمہ انگریزی زبان میں جماعت احمدیہ انگلستان کے سیکرٹری مسٹر شاہد عزیز صاحب نے کیا۔ تقریر کا اردو متن اور انگریزی متن ضبط تحریر میں آچکے ہیں۔ یہاں اُس کا خلاصہ کرنا ممکن نہیں۔

اس افتتاحی تقریر کے بعد پروفیسر ڈاکٹر کرامت علی صاحب کی تقریر تھی کہ سرینام میں احمدیہ جماعت کی تاریخ کیا ہے۔ نہایت دلچسپ موضوع تھا اور ہم سب اسکو سننے کے منتظر اور شائق تھے اسکے بعد میری تقریر تھی جس کا موضوع تھا کہ انیسویں صدی عیسوی اسلام اور مسلمانوں پر مذہبی رنگ میں کیا سخت خطرات لائی تھی جنکو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس صدی ہجری کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور مہدی بنا کر بھیجا اور آپ نے کس طرح ان ہولناک خطرات سے دین اسلام اور مسلمانوں کو بچایا بلکہ نہ صرف بچایا یعنے دشمن کے حملے کو پسپا کیا بلکہ دشمن کے گھر پر اسلام کا پرچم لہرایا مگر افسوس ہے کہ رات بہت گذر جانے کی وجہ سے نہ تو پروفیسر کرامت علی صاحب کی تقریر ہو سکی نہ میری اور نہ اسکے بعد جناب بلفر عبداللہ صاحب کی۔ جیسا کہ میں بتا آیا ہوں ایک ہفتہ سے روز رات کو ۲ بجتے تھے کہ ۱۲ بجے تمام جلسے مجلس [illegible] کے باعث لوگ تھک گئے تھے۔ اس لئے ۸ کی بجائے ۹ بجے کانفرنس شروع ہوئی تمہیدی تقریروں کے علاوہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی افتتاحی تقریر اور اسکے مجبوراً انگریزی ترجمہ میں کافی وقت لگا۔ گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے مہمانوں کے لئے مجبوراً انگریزی ترجمہ کرنا پڑا تھا۔ پھر چند واقعات ایسے ہوئے کہ جلسہ کے پروگرام نے دوسرا رُخ اختیار کر لیا۔ وہ یوں ہوا کہ مقامی جماعت میں آپس میں کچھ جھگڑے بلکہ مقدمہ تک چل رہا تھا چند نیک خیرخواہوں کی کوشش سے اور بعض محترم بزرگوں کے کہنے پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور وہ جھگڑے اور مقدمہ ختم ہونے کی صورت نکل آئی۔ تو ان نہایت اہم اور

مغفیہ تند بلیوں کا اعلان ضروری تھا اس لئے صاحب صدر (پروفیسر ڈاکٹر کرامت علی صاحب) نے نہ صرف صلح کرانے والوں کو دعوت دی کہ وہ تقریر کریں بلکہ خود صلح کرنیوالوں کو بھی موقعہ دیا کہ وہ مائیکروفون پر آکر اپنے منہ سے صلح صفائی کا اور مقدمہ واپس لینے کا اعلان کریں۔ بلکہ ایک دوسرے سے گلے ملیں۔ ان نیک صلح صفائی کی تقاریر اور گلے ملنے کے روح پرور نظارہ کا سامعین پر نہایت عمدہ اثر ہوا۔ جو میری حقیر رائے میں بہت اچھا ہوا۔ مگر اس میں رات کے ۲ بج گئے اور میں دیکھ چکا تھا کہ لوگ اونگھ رہے تھے۔ اسی کے پیش نظر صدر جلسہ پروفیسر ڈاکٹر کرامت علی صاحب نے اپنی تقریر نہیں کی بلکہ جب انہوں نے مجھے تقریر کرنے کے لئے بلایا تو میں نے بھی مائیکروفون پر جا کر اعلان کیا کہ رات گذر جانے اور سامعین کے تھک جانے کے باعث میں اپنی تقریر کو نہ کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ میرے علاوہ ظفر عبداللہ صاحب کی تقریر بھی رہ گئی مجبوری تھی اگر یہ تقریریں (ڈاکٹر کرامت علی صاحب کی، میری اور ظفر عبداللہ صاحب کی) ہو جاتیں اور بعد میں ان کا ترجمہ ہوتا تو شاید ساری رات گذر جاتی کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

جمعۃ المبارک

۲۳ نومبر کو جمعہ کا خطبہ پڑھانے کے لئے اس خاکسار کو کہا گیا میں نے سورۃ الجمعۃ کی ابتدائی چار آیات کو پڑھ کر سامعین کو جو اکثر سرنام کے مرد و زن تھے یہ کہا کہ قرآن کریم نے جس طرح پہلے ایک امی قوم کو جو اور امتوں کی طرح اکھڑ اور ضدی تھے اور اپنی بدلیوں پر فخر کیا کرتے تھے ان کا تزکیہ کیا جو دنیا کا مشکل ترین کام ہے اور ان کو علم و حکمت کا مخزن بنا دیا خصوصاً باطنی، روحانی اور اخلاقی معرفت کا جو سوائے اعلیٰ ترین انسانوں یعنے انبیاء، صدیق اور صلحاء کے کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ اب بھی کر سکتا ہے۔ جبکہ دنیا کے لوگ اُمّی نہیں اور کچھ نہ کچھ ان کے دماغوں میں روشنی ہے۔ تزکیہ کے لئے جو اوامر و نواہی قرآن کریم میں ہیں وہ آسان سے آسان زبان میں ہیں اور ان کو جاننے کے لئے صرف قرآن کو بامعنی پڑھنے کی ضرورت ہے (دیگر عمل کی نیت سے) اور جو قرآن کا علم و حکمت ہے اسکو پانے کے لئے بھی کسی عالم یا مدرسہ دینیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خود حضور کس عالم سے یا مدرسہ میں پڑھنے گئے۔ مگر بقول حضرت مسیح موعود :۔

امّی و در علم و حکمت بے نظیر زیں چہ باشد حجتِ روشن ترے

آپ سے بڑھ کر کوئی علم و حکمت رکھنے والا نہ پہلے ہوا اور نہ بعد میں ہوگا وجہ یہ ہے کہ آپ دن رات قرآن کریم کو پڑھتے تھے اور اس پر غور فرماتے تھے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ثم ان علینا بیانہ یعنے قرآن کو بار [illegible] یہ جائے اور ہم نے لیا [illegible] قرآن کو بار بار سمجھ کر پڑھنے والے کا آسنا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جاتا ہے اسی طرح حضرت مسیح موعود نے کس عالم سے قرآن کی وہ معرفت پائی جو [illegible] ہے [illegible] کسی مدرسہ میں قرآن پڑھا [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] حضور کے آپ دن رات قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے [illegible] دیکھی ہوتی تھی تو [illegible] سامنے رکھ کر سارے قرآن کو ابتدا سے آخیر تک پڑھ جاتے تھے۔ اسی لئے سرنام میں جو ترجمہ کی اشاعت عام ہو کہ کوئی احمدی عالم نہیں اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ آپ کی ڈچ زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر موجود ہے۔ کمی ہے تو عالم کی نہیں بلکہ علم کی جستجو کی ورنہ عالموں کا عالم یعنے اللہ تعالیٰ یہاں بھی موجود ہے اور خود پڑھانے اور سمجھانے کو تیار ہے۔

احمدیہ کانفرنس : دوسرا اجلاس

احمدیہ کانفرنس کا دوسرا اجلاس جمعہ کی رات کو ۸ بجے ہونا تھا مگر لوگوں کے دیر سے تشریف لانے کے باعث ۹ بجے شروع ہوا پہلی تقریر خاکسار کی تھی موضوع تھا "احمدیت کیا ہے"۔ میں نے حضرت اقدس کی تحریرات سے آپ کا اپنا مذہب کیا تھا اور اپنی جماعت کا کیا ہو وہ پڑھ کر ثابت کیا کہ (۱) احمدیت عین اسلام ہے (۲) یہ خیال کہ وہ بابی یا بہائی مذہب کیطرح کوئی علیحدہ مذہب ہے [illegible] غلط الزام ہے کہ حضرت اقدس نے دعویٰ [illegible] (۳) اور اگر احمدیہ جماعت الگ بنائی گئی تو اس لئے کہ قرآن پاک میں جہاں ولا تفرقوا فرما کر فرقہ بازی کو منع فرمایا وہاں صرف ایک جماعت بنانے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ حکم دیا جو اسلام کی طرف بلانے والی ہو۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ یہ اس صدی میں بنانے والے حضرت مرزا صاحب ہی تھے اور اسپر آپ کی جماعت کی تاریخ بھی گواہ ہے (۴) اگر نام احمدیت اختیار کیا تو وہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی ضرورت کی وجہ سے تھا۔ اور یہ نام آنحضرت صلعم کے نام احمد پر رکھا گیا کہ یہ زمانہ اسلام کے جمال کو ظاہر کرنے کا تھا جو نام احمد ظاہر کرتا ہے (۵) اگر حضرت مرزا صاحب کو اپنے نام کو امر کرنا مقصود ہوتا تو آپ نے جماعت تو ۱۸۸۹ء میں بنائی تھی تو تیرہ سال اس جماعت کا نام کیوں نہ اپنے نام پر رکھ لیا؟ (۶) اگر احمدیت نے مسلمانوں سے بعض فروعی باتوں پر اختلاف کیا تو وہ صرف وہی غلط باتیں ہیں جن کی وجہ سے اسلام کے دشمنوں کو اعتراض کرنے کا موقعہ ملتا تھا یا اسلام کی اشاعت میں وہ غلط فروعی باتیں روک بنتی تھیں یا مسلمانوں کے اپنے ایمان کو متزلزل کرتی تھیں بہرحال یہ فروعی غلطیوں کی اصلاح قرآن اور حدیث کی سند سے کی گئی۔ (۷) احمدیت نے اسلام اور مسلمانوں کے اتحاد کی بنیاد تکفیر بین المسلمین کی مخالفت کر کے اس اصول پر رکھی کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔

میرے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے انگریزی سمجھنے والے احمدیوں کے فائدہ کیلئے انگریزی میں اپنا مقالہ پڑھا کہ اسلام کی حفاظت اور اشاعت میں احمدیت کا کیا کردار رہا ہے۔ اس تقریر کا اُردو میں ترجمہ ہو کر پیغام صلح میں یا کسی اور طرح آنا چاہیئے۔ آپ نے جو جامع تبصرہ کیا اس کا خلاصہ نکالنا مشکل ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ حالت سفر میں میرے پاس اس تقریر کا متن نہیں۔

اسکے بعد بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی انگریزی تقریر کا خلاصہ اُردو میں زبانی کیا۔ اور پھر ان کی اپنی تقریر ہوئی جو حسب سابق بہت مقبول ہوئی۔ اس کے بعد جناب حافظ شیر محمد صاحب نے اس مضمون پر تقریر کی کہ کیا بانی احمدیت نے دعویٰ نبوت کیا تھا؟ اس موضوع پر حافظ صاحب کو ماشاء اللہ خوب عبور اور بصیرت حاصل ہے۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔ حافظ صاحب موصوف اس علاقہ میں پہلے بھی تبلیغ کر چکے ہیں اور بہت مقبول ہیں انکی تقریر جو اس کانفرنس کی آخری تقریر تھی حسب معمول نہایت دلکش اور بصیرت افروز تھی۔ جب میں رات گھر پہنچا تو رات کے دو بج چکے تھے۔

نکیری کا سفر

اگلے دن مہمان اور کچھ میزبان نکیری کے مقام کو گئے جہاں دارالخلافہ پیرامریبو کے بعد شائد سب سے بڑی جماعت ہے۔ یہ سفر جو قریباً ۲۰۰ کلومیٹر تھا بہت لمبا تھا اور جانے والوں کو رات وہاں رہنا تھی۔ اور اگلی شام واپس آنا تھا جبکہ میں نے اسی تیسرے پہر کو واپس روانہ ہونا تھا۔ اس لئے میں تو نہ جا سکا مگر ٹیلیفون پر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی زبانی یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہاں کا سفر اور جلسہ نہایت کامیاب رہا۔ وہاں ہماری جماعت نے ایک بہت خوبصورت اور شاندار مسجد بنائی ہے جس کا افتتاح حضرت ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں کروایا گیا۔ باوجود شدت بارش کے مجمع بہت اچھا تھا۔ تقریریں بھی کامیاب رہیں۔ اور کچھ نئے احمدیوں نے بیعت کی۔

"فالحمد للہ علیٰ ذالک"

خلاصہ

سرنام کی جماعت احمدیہ کی گولڈن جوبلی دیر تک ہماری یادوں میں بسی رہے گی۔ وہاں حضرت مسیح موعودؑ سے الٰہی وعدے کہ "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا" روز روشن کیطرح پورا ہوتے حضرت اقدس کے منجانب اللہ ہونے اور آپکے مشن کی کامیابی کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوتا تھا۔ سرنام کے احمدیوں (مرد و زن) کا اخلاص اور محبت اور میزبانی قابل رشک اور قابل تقلید تھی۔ مہمانوں کے استقبال اور ان کے ٹھہرانے کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ مرکز میں جہاں کچھ مہمان خصوصاً گیانا سے آئے ہوئے مرد و زن ٹھہرے ہوئے تھے اور جہاں تقریباً ہر روز رات کو تمام مہمانوں کو کھانے کی دعوت تھی۔ مقامی احمدی مرد اور خواتین دن رات میزبانی کے کام میں لگے رہتے تھے۔ مردوں کو آلو چھیلنے اور ترکاری بنانے اور دوسرے کھانے پکانے کے کاموں میں لگے دیکھ کر اور خواتین کی ایک اچھی خاصی تعداد کا ہر وقت یعنے صبح و شام کھانے پکانے کے کاموں میں خاموشی سے مصروف دیکھ کر رشک آتا تھا کہ کاش ہمارے ہاں بھی اسی طرح سماجی خدمت کا جذبہ [illegible] اور سب سے بڑھ کر احمدی مرد و زن کی مالی قربانیوں کے مظاہرہ کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا تھا کہ کہاں قادیان کا دور دراز گاؤں اور کہاں سرنام کہ [illegible] کے شروع میں مامور من اللہ کا پیدا ہونا اور کہاں صدی کے آخیر میں یہ جذبہ کہ لوگ (مرد و زن) صرف ایک دفعہ چندہ دے کر بس نہ کرتے تھے بلکہ خود ہی بن کہے اُسے دگنا تگنا کرتے چلے جاتے [illegible] ان کا دل پکار اٹھتا تھا کہ واقعی احمدیت کا پودہ اللہ تعالیٰ کا اپنے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے اور یہ انشاء اللہ بڑھتا چڑھتا رہے گا۔ آمین۔ اللّٰھم آمین۔

میاں رحیم بخش صاحب، کراچی

قسط نمبر (۲)

مسلمانوں کے تمام تنازعات کا فیصلہ کن تصفیہ بروئے قرآن حکیم

" افلا یتدبرون القرآن و لو کان
من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً
کثیراً " (سورہ النساء آیت ۸۲)

اللہ تعالیٰ نے سب کو قرآن حکیم پر تدبر یعنی غور و خوض کرنے کی خاص طور پر ہدایت کی ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اسے سمجھنے کے لئے آسان کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر "

یہ آیت سورہ قمر میں چار مرتبہ دہرائی گئی ہے جس سے اس بات پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ قرآن کو سمجھنا اللہ تعالیٰ نے آسان کر دیا ہے۔ اس آیت کو نمبر ۱۷۔ ۲۲۔ ۳۲۔ اور نمبر ۴۰ میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کون ہے جو اس پر (غور کرے) اور تدبر کرے۔" اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پر اجتہاد کا دروازہ سب تدبر کرنے والوں پر کھول دیا ہے۔ اسی لئے آیات قرآنی کو عقل و فہم کے مطابق سمجھنے کی ہر ایک کو دعوت دی ہے۔

جو آیت کریمہ ہم نے اس باب کے عنوان میں پیش کی ہے اس سے ان مطالب کی توضیح ہو جاتی ہے جو ہم نے ابواب قبل میں بطور واضح اصول اور قوانین کلیہ کے پیش کئے گئے ہیں یعنی اس قرآن حکیم کی آیات پر غور اور تدبر کیا جائے گا تو اس کی آیات میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں پاؤ گے! اور اس پر تدبر کا طریق بھی اصولاً واضح کر دیا کہ قرآن میں آیات محکمات ہیں جو قرآن کا اصل الاصول ہیں پھر اس میں کئی آیات متشابہات ہیں جن کی تاویل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی آیات کی صحیح تاویل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس کے ساتھ راسخ العلم کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ یعنی جو راسخ العلم ہیں وہ تمام آیات قرآنی کو جو صرف ایک ذات واحد کی جانب سے نازل ہوئی ہیں اس لئے ان میں اختلاف اور تضاد نہیں ہوتا لہٰذا جو اصل الاصول یعنی آیات محکمات ہیں ان کی روشنی میں آیات متشابہات کی تاویل ہونی چاہیے۔ لیکن یہ بھی بتا دیا کہ جس نے آیات متشابہات کی تاویل اپنی خواہش کے مطابق کی یا اس لئے تاویل کی کہ اس سے فتنہ پیدا ہو تو اس کی اُسے سزا ملے گی۔ پس ان اصولوں کے پیش نظر ہم ان آیات متشابہات پر غور کریں تو ہمیں قرآن کریم کے صحیح معانی سمجھ میں آجائیں گے۔

جیسا کہ ہم ابواب گذشتہ میں ذکر کر چکے ہیں سب سے بڑا متنازعہ فیہ مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات و زندگی کا ہے۔ یہ عقیدہ عام مسلمانوں میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے یعنی عوام مسلمانان عالم اب تک اسی عقیدہ پر قائم ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ بجسد عنصری موجود ہیں اور وہ اسی جسد عنصری سے نازل ہو کر مسلمانوں کی اصلاح کریں گے اور تمام دنیا میں اسلام کو بزور پھیلائیں گے۔ یہ عقیدہ ظاہر اس قدر عقل سے بعید ہے اور اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ہے۔ بہرصورت ہم ان آیات کریمہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بجسد عنصری زندہ موجود ہیں اور ان کا نزول اسی جسم عنصری سے ہوگا۔ حالانکہ چودھویں صدی اب ختم ہو چکی لیکن مسلمانان عالم اب بھی اسی انتظار میں ہیں کہ کب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ انحصار اس عقیدہ کا اس آیت کریمہ پر ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے:-

" وقولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم
رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ
لہم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک
منہ ما لہم بہ من علم الا اتباع الظن
وما قتلوہ یقیناً ۝ بل رفعہ اللہ الیہ
وکان اللہ عزیزاً حکیماً ۝ " (سورہ النساء آیت ۱۵۸-۱۵۷)

بیان القرآن میں ان آیات کا ترجمہ یوں ہے:

" اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا اور انہوں نے نہ اُسے قتل کیا اور نہ اُسے صلیب پر مارا۔ مگر وہ ان کے لئے اس جیسا بنا دیا گیا اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنا قرب عطا کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اس ترجمہ میں آیت کے جو الفاظ رفعہ اللہ الیہ کے معنی کئے گئے ہیں وہ صحت کے لحاظ سے درست ہیں۔ اور ان الفاظ سے یہ معانی نکالنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھا لیا درست نہیں ہو سکتے۔ ایک تو یہی وجہ ہے کہ آیت محکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ پہلے جن آیات محکمات کا ذکر ہے ان سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی انسان اسی جسد عنصری سے آسمان پر اٹھایا نہیں جا سکتا تو اگر اس آیت کے یہ معنے کئے جائیں تو حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر زندہ اٹھا لیا تو اس سے وہ تضاد پیدا ہوتا ہے جس کو تاویل فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آیت کے الفاظ یوں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا نہ کہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے لئے زمین و آسمان کی کوئی حدود مقرر نہیں۔ اس لئے اس آیت کے کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے سوائے اس کے جو بیان القرآن سے نقل کئے گئے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھانے سے مراد اسے اپنا قرب عطا کرنا ہے۔ دراصل یہ یہودیوں کے ان الزامات کا جواب ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھا کر گویا نعوذ باللہ تورات کے مطابق ان کو ملعون بنانے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایسے الزامات کی تردید کر دی۔ اس طرح کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر تو چڑھوا دیا۔ مگر حضرت عیسیٰ کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ صلیب پر سے زندہ اتار لئے گئے۔ یعنی ان میں زندگی کے آثار موجود تھے۔ جب ان کو اتارا گیا اور ایک باغ میں کسی غار میں ان کو چھپا لیا گیا اور ایک دوا جو اب بھی مرہم عیسیٰ کے نام سے موسوم ہے ان کو لگائی گئی اور وہ صحت یاب ہو کر غار سے بھیس بدل کر نکلے اور اپنے حواریوں سے بھی خفیہ طور پر ملے۔ اور ان کے ساتھ کھانے میں مچھلی کھائی۔ اس بیان کی وضاحت میں ذیل میں کچھ اقتباس بیان القرآن کی تفسیر سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس آیت کے ضمن میں بیان القرآن کی یہ وضاحت قابل غور و تدبر ہے:

صلب کے معنے لغت میں صلیب کے ذریعہ قتل کرنا ہے صرف لٹکانا نہیں۔ یہودیوں میں صلیب کی یہ طرز تھی کہ ایک ٹی کی شکل کی لکڑی پر + یعنی اس قسم کی لکڑی پر ایک شخص کو لٹکا دیا جاتا تھا اور اس کے ہاتھوں اور پاؤں پر میخیں لگادی

جاتی تھیں اور یہودی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ مصلوب کی موت بھوک اور طاقت کے زائل ہو جانے سے واقع ہوتی تھی۔ اور اس لئے بعض اوقات تین دن صلیب پر لٹکے رہتی تھی۔ ہاں موت جلد واقع کرنے کے لئے بعض وقت ٹانگیں توڑ دی جاتی تھیں۔ یہاں حضرت عیسٰے سے قتل و صلب ہر دو کی نفی کی گئی ہے۔ گویا یہ بتایا ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کسی طریق سے حضرت مسیح کی جان ان کے جسم سے جدا نہیں ہوئی نہ بذریعہ قتل نہ بذریعہ صلیب۔۔۔۔۔

مگر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی نفی قتل و صلب سے ان کی موت کی نفی مراد لی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف خود بتاتا ہے کہ کیا ہوا فرمایا:۔

ولٰکن شبّہ لھم

مگر وہ (یعنی حضرت عیسٰے) ان کے لئے (موت کے) مشابہ بنایا گیا جس کے معنے غلطی سے یوں کئے جاتے ہیں کہ کوئی (اور) شخص مسیح کا مشابہ بنایا گیا۔ یہ صریح غلطی ایک قصہ کو ذہن میں رکھ کر کی گئی ہے۔ (یعنی اپنی خواہش کے مطابق) حالانکہ قرآن شریف میں کسی ایسے شخص کا ذکر ہے۔ نہ شبہ (کے لفظ) میں ضمیر سوائے مسیح کے کسی دوسرے کی طرف جا سکتی ہے۔ ذیل کے چند واقعات بتاتے ہیں کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے مگر مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ اترے۔ البتہ صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے وہ مقتول یا مصلوب کے مشابہ ہو گئے۔ اول حضرت مسیح ایک روایت کے مطابق صلیب پر چھ گھنٹے (مرقس ۱۵۔ ۲۵) اور ایک روایت کے مطابق تین گھنٹے سے بھی کم عرصہ رہے۔ (یوحنا ۱۹، ۱۴) دوم یوحنا ۱۹، ۳۲ سے ثابت ہے کہ مسیح کے ساتھ جو دو چور صلیب پر لٹکائے گئے تھے جب ان کو اتارا گیا تو ان کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ سوم جب سپاہی نے مسیح کی پسلی میں بھالے کی نوک ماری تو خون نکلا جو زندگی کی علامت ہے۔۔۔۔۔۔ پنجم مسیح کو دفن کرنے کی بجائے فراخ جگہ میں رکھ کر سامنے پتھر رکھ دیا گیا تاکہ تازہ ہوا آتی رہے (مرقس ۱۵۔ ۴۲)۔۔۔۔ نہم لوقا ۲۴، ۳۹ سے ثابت ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کے ساتھ مل کر آپ نے بھونی ہوئی مچھلی اور شہد کھایا۔۔۔۔۔ دوسری طرف جو روایت پیش کی جاتی ہے نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ انجیل میں نہ کسی تاریخ میں (یعنی من گھڑت کہانی بنا کر) یہ کہا جاتا ہے کہ مسیح کا ہمشکل کسی کو بنا دیا گیا کہ یہودی اسے صلیب دے لیں لیکن اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر کسی کو ہمشکل بنائے بغیر خدا تعالیٰ مسیح کو (آسمان پر) اٹھا لیتا تو کیا یہودی اس کو وہاں سے پکڑ لاتے؟ جو خدا نے ایک ہمشکل بنا کر ان کو دھوکہ میں ڈال دیا۔

پس آیت کے معنی صاف ہیں۔ مسیح قتل اور صلیب سے مرے نہیں بلکہ مشابہ بالمقتول یا مشابہ بالمصلوب ہو گئے اور پھر اس کے بعد کبھی اپنی طبعی موت سے مرے جیسا کہ پچھلی سورت میں متوفیک سے ظاہر ہے۔ (اس لفظ متوفیک پر بحث آئندہ کی جائے گی) یہاں البتہ لفظ رفع کے بارہ میں کچھ زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے۔ رفع کا لفظ کئی جگہ قرآن حکیم میں آیا ہے۔ اور کسی جگہ اس کے معنے کسی جسم کے اوپر اٹھانے کے نہیں ہوئے۔ بلکہ ہر جگہ لفظ رفع کے ساتھ درجات کا لفظ لا کر بتا دیا کہ اللہ کی طرف رفع کے معنی اللہ کی طرف درجات بڑھانے کے ہیں۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:۔

ورفع بعضھم درجات (سورہ بقرہ ۲۵۴)

یہ مکمل آیت یوں ہے:۔

"تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض۔ منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات"

ترجمہ:۔ ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کو مراتب میں (زیادہ) بلند کیا۔" پھر سورہ الانعام آیت ۱۶۵) میں ہے:۔

وھو الذی جعلکم خلٰئف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اٰتٰکم"

ترجمہ:۔ اور وہی ہے جس نے تم کو (یعنی بنی آدم) زمین کا حاکم بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا تاکہ تم کو اس کے بارے میں آزمائے۔" پھر سورہ مریم (۱۹) آیت ۵۶) میں حضرت ادریس کے بارہ میں فرمایا

" واذکر فی الکتٰب ادریس۔ انہ کان صدیقاً نبیاً ورفعنٰہ مکاناً علیاً"

ترجمہ: اور کتاب میں ادریس کا ذکر کر۔ وہ صدیق نبی تھا اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھایا۔" یہ بھی قابل غور بات ہے کہ جہاں جسم کو آسمان پر اٹھانے کا ذکر ہے وہاں لفظ رفع استعمال نہیں ہوا بلکہ ترقیٰ فی السماء ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل (۱۷، آیت ۹۴):

" او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتٰباً نقرؤہ۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً"

ترجمہ:۔ یا تیرے پاس سونے کا گھر ہو یا آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے۔ جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتارے جسے ہم پڑھ لیں۔ کہہ میرا رب پاک ہے۔ میں صرف ایک بشر رسول ہوں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ بشریت کے لحاظ کوئی آسمان پر نہیں چڑھ سکتا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ آسمان پر اسی جسد سے نہیں اٹھا سکتا تو حضرت عیسیٰؑ کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

سب سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ دور حاضرہ میں تاریخی تحقیقات کے نتیجہ میں مغرب کے محققین بھی اب تسلیم کرتے ہیں کہ جس کپڑے میں لپیٹ کر حضرت عیسٰے کو صلیب سے اتارا گیا تھا اس پر اس کے خون کے دھبے اس وقت تک موجود ہیں اور عیسائیت کا یہ بت بھی پاش پاش ہو گیا اور اس عقیدہ پر بھی کاری ضرب لگتی ہے۔ کہ صلیب پر حضرت عیسٰے کی بجائے کوئی دوسرا شخص ان کا ہمشکل چڑھایا گیا۔ ان واقعات کی تفصیل جو صلیب پر حضرت عیسٰے کو چڑھانے اور ان کے اس پر سے زندہ اتارنے کے لئے میاں ممتاز احمد فاروقی مرحوم کی کتاب کسر صلیب کے مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔ مگر باوجود ان مصدقہ وقوعات کے مسلمان عالم اب بھی اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کے نزول کے انتظار میں ہیں۔ اب تو یہ بھی تاریخ سے تصدیق ہو چکی ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنی طبعی عمر گزار کر سرینگر میں مدفون ہیں۔ مسلمانوں کو اب اس عقیدہ کو قطعاً چھوڑ کر اپنے اعمال اور کارکردگی سے اسلام کی دنیا میں اشاعت کرنی چاہیئے۔ اور قرآن مجید کی اتنے وسیع پیمانہ پر ترویج کرنی چاہیے کہ دنیا کا ہر شخص اسلام کے امن کے اصولوں سے روشناس ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو۔

اب ہم حضرت عیسٰے کے متعلق قرآن کریم میں جو الفاظ "ربانی انی متوفیک" ہیں اس کے معانی اکثر زیر بحث رہے ہیں۔ ہم اپنے مضمون کی روشنی میں اس پر کچھ بحث کریں گے۔

سورہ آل عمران آیت ۵۳ میں اور اس سے قبل حضرت عیسٰےؑ کے متعلق ان کی زندگی کے واقعات کا ذکر ہے جس کے آخر میں فرمایا:

" اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمۃ۔ ثم الیّ مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون"

بیان القرآن میں اس کا ترجمہ یوں ہے:۔ جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں اور تجھے ان کے الزام سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں۔ پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹ آنا ہے پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔" (باقی آئندہ)

٭ ٭ ٭ ٭

ہفت روزہ پیغام صلح ۔ لاہور ——— مؤرخہ ۲۲ نومبر، ۵ دسمبر ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۱ ۔ ۴۴۔ ۴۳

ناشر ... پرنٹرز آبکاری روڈ لاہور چھپا کر محمد اعظم علوی پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

نا مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ... روپے
بیرونی ممالک سے ... روپے علاوہ محصول ڈاک

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

... ٹوڈ ایل ۸۳۸
... ٹیلیگرام
فون ۔ ۵۲۷۳۷

جلد: ۶۶ — یوم چہارشنبہ، ۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء — نمبر: ۴۵

(جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء)

جلسہ سالانہ کا مدعا

حضرت امام وقتؑ کے اپنے الفاظ میں

اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور ان کے اندر:

خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد و تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں۔"

(شہادت القرآن)

جلسہ سالانہ میں شرکت

کرنیوالوں کیلئے

حضرت امام وقتؑ کی دعائیں

ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسے کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالیٰ اُن کے ساتھ ہو اُن کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے اور اُن کے ہم و غم دور فرما دے۔ اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں اُن پر کھول دے اور روز آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ اٹھاوے جن پر اس کا فضل اور رحم ہے۔ اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔

اے خدا، اے ذوالمجد والعطا اور رحیم و مشکل کشا ہماری تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔"

"آمین۔ ثم آمین"

ہمارا — سالانہ — اجتماع

خوش آمدید

قارئین پیغام صلح کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ اس سال ہمارا پنیسٹھواں (۶۵) سالانہ جلسہ ۲۵، ۲۶، ۲۷، اور ۲۸ دسمبر کو منعقد ہو رہا ہے۔ دراصل اس جلسہ کی بنیاد حضرت مجدد وقت مسیح موعودؑ نے خود اپنے ہاتھوں سے ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو رکھی اور اس سال یہ جلسہ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک منعقد ہوا۔ اور آئندہ کے لئے بھی آپ نے انہی تاریخوں میں جلسہ منعقد کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے آپ نے ایک اعلان میں جو آپ کی کتاب "فیصلہ آسمانی" کے ساتھ شائع ہوا فرمایا:۔

"اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بعد مسافت یہ میسر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت میں آ کر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالےٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آ جاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہئیے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہو گی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائیگی کہ خدائے تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہو گا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلّ شانہٗ کوشش کی جائے گی۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اگر ہم اس جلسہ کا اجراء دسمبر ۱۸۹۱ء سے شمار کریں تو ہمارا آنے والا جلسہ بجائے پنیسٹھویں (۶۵) کے اٹھاسیواں (۸۸) جلسہ ہو گا۔ اس سے احباب جماعت یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے سلسلہ کو کس قدر برکتوں اور افضال سے نوازا ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کے خلاف بڑے تند و تیز طوفان اٹھتے رہے ہیں اور اگر یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے قائم کردہ سلسلہ نہ ہوتا تو کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ جیسا کہ انسان کے ہاتھوں قائم کی ہوئی دوسری تحریکوں کا انجام ہوتا رہا ہے۔

کتنے خوش نصیب اور بلند بخت تھے وہ لوگ جنہیں حضرت صاحب کی زبان مبارک سے ربانی باتیں اور حقائق و معارف سننے، آپ کے ساتھ نمازیں پڑھنے اور دعاؤں میں شامل ہونے کی وجہ سے تزکیہ نفس کا موقع ملا۔ لیکن آپ کے بعد بھی آپ کے شاگردوں اور تربیت یافتہ بزرگوں نے اس رسم و راہ کو منعقد کر کے قائم رکھنے کی کوشش کی اور کچھ اسی رنگ میں رنگین سوز و گداز کے نظارے دیکھنے میں آئے۔ جو پیالۂ علم و عرفان انہوں نے قادیان کے ایک مرد درویش کے قدموں میں بیٹھ کر اپنے پیاس آشنا ہونٹوں سے لگایا اسی کے نشہ میں مخمور انہوں نے بھی اپنی عبادت میں وہی خضوع و خشوع اور دعاؤں میں وہی دلسوزی پیدا کی اور اس سے اپنے ساتھ ملنے والوں کو بھی سیراب کیا۔

ایک ایک کر کے ان مردان باصفا و باوفا سے یہ میخانہ خالی ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن ہمارے لئے وہ اپنے پاؤں کے کچھ نشان باقی چھوڑ گئے ہیں انہی نشانوں کے طفیل ہم اپنے آنے والے جلسے تک پہنچ سکتے ہیں۔

جن قوموں میں زندہ رہنے کا جذبہ سرد نہیں ہوتا وہ اپنے بزرگوں کی روایات کو بڑے عزم و خلوص اور پیار و محبت سے اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہیں اور ان کے شب و روز اس غم میں بسر ہوتے ہیں کہ کس طرح وہ اپنی ان روایات کو زندہ رکھیں اور اپنی آنے والی نسلوں تک اس رنگ میں منتقل کریں کہ ان کی کشش اور تابناکی پہلے سے فزوں تر ہو۔ اور وہ اس دنیا سے اس اطمینان کے ساتھ گذریں کہ انسانی کوششوں کی امکانی حد تک انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

ہماری روایات دیگر سلسلوں اور جماعتوں کی روایات سے بالکل مختلف ہیں اور ہمارا راستہ ان کے راستوں سے بالکل جدا ہے۔ ہمارا سیاست سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں۔ نہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ ہمیں حکومت اور اقتدار کی کوئی آرزو اور تمنا نہیں ہم نے تو اپنا دامن سیاست سے اس حد تک چھڑا لیا ہے کہ اپنے حق رائے دہی کو بھی ترک کر دیا ہے۔

بانئ سلسلہ احمدیہ نے ہمارے سامنے جو مقصد اور مشن رکھا ہے وہ صرف یہ ہے اور یہی ہماری روایت اور عزم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ دنیا پر روشن ہو۔ آنحضرت صلعم کا نور دنیا میں ظاہر ہو اور کون و مکاں میں پھیل جائے۔ قرآن کریم کی ازلی اور ابدی صداقتیں دنیا کو اپنی طرف کھینچیں۔ تاکہ ہماری باہمی نفرتیں۔ عداوتیں اور خصومتیں مٹ جائیں اور یہ عالم انسانیت امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ جہاں ہر قسم کی تفریقات ختم ہو کر انسان، انسان کا دوست اور ہمدرد بن جائے۔ کیونکہ:۔

"ہمارا نبی وہ نبی کریم ہے جو ایسی خوشبو سے معطر کیا گیا ہے جو تمام مستعد طبیعتوں تک پہنچنے والی اور اپنی برکات کے ساتھ ان پر احاطہ کرنے والی ہے وہ نبی خدا کے نور سے بنایا گیا اور ہمارے پاس گمراہیوں کے پھیلنے کے وقت آیا اور اپنا خوبصورت

ہم پر ظاہر کیا اور ہمیں فیض پہنچانے کے لئے اپنی خوشبو کو پھیلایا۔ اور اس نے باطل پر دھاوا کیا اور اپنے تاراج سے اس کو غارت کیا اور اپنی سچائی میں اعلیٰ درجہ کی طرح نمودار ہوا۔ اس نے اس قوم کو ہدایت فرمائی جو خدا کے وصال کی اُمید نہیں رکھتے تھے۔ اور مردوں کی طرح تھے۔ جن میں ایمان اور نیک عمل اور معرفت کی روح نہ تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ان کو ہدایت کی اور مہذب بنایا اور معرفت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچایا۔"

(نجم الہدیٰ صفحہ ۸تا۹)

اور

قرآن کریم کی صداقتیں وہ صداقتیں ہیں کہ:۔

"(ان) پر کسی قسم کے شبہات کے غبار نہیں کیونکہ وہ ایک ایسا کلام ہے جو ضروری تعلیموں اور ضروری صدایا اور معارف اور دلائل کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور وہ ایک ایسی تعلیم کامل ہے جو تمام انسانی ضرورتوں کو جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے پیش آتی ہیں پوری کرتی ہے اور جو حق کے ثبوت میں دلائل پیش کرنا چاہیے یا جس طرح باطل کا رد کرنا چاہیے اور یا جس طور پر اور اندازہ سے معرفت کی باریک باتیں کرنا چاہیے۔ ان میں سے ایک بات کو بھی اس نے نہیں چھوڑا۔ ۔ ۔ ۔ اور ان تمام تعلیموں اور احکام اور حدود کو نہایت فصیح اور بلیغ اور شیریں اور پسندیدہ پیرایہ میں بیان فرمایا اور یہ ایک ایسا امر ہے جو انسان کی قدرت سے بالاتر ہے۔" (نجم الہدیٰ صفحہ ۱۶)

اور کیونکہ اسلام وہ دین، بزرگ اور سیدھا ہے جو عجائب نشانوں سے بھرا ہوا ہے۔" (نجم الہدیٰ صفحہ ۸)

یہی وہ امور ہیں جن کی طرف ہم دنیا کو توجہ دلانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے گذشتہ اٹھاسی سال سے سال میں ایک مرتبہ جمع ہوتے ہیں تاکہ ہمارا مقصد ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ان فیوض و برکات سے تو محروم ہیں جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ایسے اجتماعات سے حاصل ہوتی تھیں لیکن کم از کم اپنے بھائیوں سے میل ملاقات کا عارضی فائدہ تو ضرور حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اگر اس پر تھوڑا سا غور کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر ہمیں استطاعت حاصل ہو اور ہم سال بھر اپنے ملک میں گھومتے رہیں تو بھی اتنے سارے بھائیوں سے ملاقات نہیں ہو سکتی جتنی جلسہ سالانہ کے موقع پر ہو جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے کئے گئے عہد کو نبھانے، اپنی روایات کو زندہ رکھنے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنا مال جان اور آرام کی ضرورت ہے۔ آئیے یہ چار پانچ دن ہم خدا کے لئے وقف کر دیں اور اپنے سارے غم بھول کر صرف اس ایک غم کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ ہادیٔ کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دینِ کامل کس طرح دنیا پر غالب آئے کیونکہ آپؐ کے تشریف لانے کا مقصد ہی "لیظہرہ علی الدین کلہ" تھا اور یہی حضرت مجدد وقت کا مشن تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم قلیل ہیں اور کم مایہ، لیکن اپنے دلوں سے اس احساسِ قلت اور کم مائیگی کو نکال دیں کیونکہ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ واللہ مع الصابرین۔" اللہ کے حکم سے تھوڑے بھی بہتوں پر غالب آسکتے ہیں کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں بھی اپنی حالتوں کو سنوارنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے بعض شرائط سے مشروط ہوتے ہیں۔ اس بار ہم اپنی نوجوان نسل سے مخاطب ہو کر یہ عرض کریں گے۔ کہ وہ جوق در جوق اپنے اس سالانہ اجتماع میں شامل ہو کر اس بات کا ثبوت فراہم کریں کہ ہم ایک زندہ قوم ہیں اور ہماری زندگی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے وقف ہے۔ کیونکہ اسلام ہمارے نزدیک جور و جفا، ظلم و ستم، فتنہ و فساد، سفاکی اور سنگدلی۔ نفرت و عناد۔ عداوت و دشمنی کا نام نہیں۔ بلکہ امن و سلامتی۔ صلح و صفائی۔ پیار و محبت رحمت و شفقت۔ خلوص اور انسان دوستی۔ آزادیٔ ضمیر اور احترام حقوقِ انسانی کا نام ہے۔ اور یہی قرآن حکیم کا اسلام اور آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ یہی وہ اخلاق کی بلندیاں ہیں جن پر آپؐ خود بھی پہنچے اور نوعِ انسانی کی اس طرف راہنمائی کی۔ انسانوں کی گردن اگر جھکی تو اسی اسلام کے سامنے اور یہی ہمارا آئیڈیل ہے۔

اسکے ساتھ ساتھ کالجوں اور سکولوں میں زیرِ تعلیم ہمارے طلباء اور طالبات اپنے دوستوں اور سہیلیوں کو بھی یہ ترغیب دیں کہ وہ آکر دیکھیں تو سہی کہ ہم کیا ہیں اور کس غرض کے لئے یکجا ہوتے ہیں۔ ہم سے نفرت کیوں کی جاتی ہے اور دُور رہنے کی تلقین کیوں کی جاتی ہے۔ ہم نے کبھی کے سیاسی مقاصد کا راستہ تک نہیں روکا۔ کبھی کے حقوق چھیننے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ ایک پُرامن جماعت کی حیثیت سے ملک کے امن و سلامتی کو کبھی کسی خطرے سے دو چار کرنے کا تصور تک نہیں کیا اور جب اس کی بقا اور سلامتی کے لئے قربانی کی ضرورت پڑی تو کسی سے پیچھے نہیں رہے تو پھر کیوں ہم سے بدگمانی ہے۔ یہ بدگمانیاں اور غلط فہمیاں تب ہی دُور ہو سکتی ہیں کہ ہمیں قریب سے دیکھا جائے۔ یہ فرض ہماری نوجوان نسل بطریقِ احسن انجام دے سکتی ہے۔

مادی وسائل کے علاوہ کامیابی کا ایک اور سب سے بڑا سبب دُعا بھی ہے۔ اجتماعی دعاؤں میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ ان تین چار ایام میں جب سب بزرگ۔ بھائی بہنیں۔ بچے اور بچیاں مل کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے دل تڑپ اور آرزو سے اللہ تعالیٰ سے اسلام کے غلبہ کے لئے دعا کریں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ رات کی تنہائیوں میں آنسوؤں کی راہ اپنا دل اور سینہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیں اور اپنی کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں بلکہ اس کے دین کی نصرت کے لئے ان کی سسکیاں اور چیخیں اس کے دربارِ رحمت سے ٹکرائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ لوٹ والے غرض پکاریں ناکام و نامراد واپس لوٹ آئیں۔ وہ جانتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اس کی رضا اور خلقِ خدا کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کے لئے کرتے ہیں۔ کیونکہ بقول حضرت صاحب ؎

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جُدا
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار
کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض
گر وہ ذلت سے ہو راضی اس پہ ہو عزت نثار

(درثمین صفحہ ۱۰۹)

آخر میں ہم اپنے بھائیوں کی خدمت میں ایک اور عرض بھی کر دیتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دسمبر ۱۸۹۳ء کا جلسہ جگہ کی قلت، رہائشی سہولتوں اور اخراجات کی کمی کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑا۔ قادیان ان دنوں ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ جو آسائشیں اور سہولتیں آج کل میسّر ہیں وہ اس زمانے میں میسّر نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود آپ کے الہام:۔

"یأتون من کل فج عمیق۔"

کے مطابق شمعِ احمدیت کے پروانے برف کے تودوں اور سنگلاخ چٹانوں کو عبور کرتے ہوئے قادیان پہنچتے۔ ان حالات میں تکلیف اور بے آرامی کا ہونا لازمی تھا۔ منتظمین جلسہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ مہمانوں کو کسی قسم کی کوئی شکایت پیدا نہ ہو لیکن انسانی کوششوں میں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے ہم اپنے مہمانوں کی خدمت میں یہ گذارش کریں گے کہ جب وہ اللہ کی رضا کے لئے گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں تو ہماری کوتاہیوں اور خامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صبر سے کام لیں۔ گھر سے باہر گھر جیسا آرام تو میسّر آنا ممکن نہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جس زمانے میں رہائش کا انتظام احمدیہ بلڈنگس میں مسلم ہائی سکول میں ہوتا تھا اور کمروں میں پرال بچھائی جاتی تھی ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جو لذت اس پر سونے میں ملتی ہے۔ وہ پلنگوں اور ریشمی بستروں میں بھی نہیں ملتی۔ روٹی بھی مل گئی تو کھالی نہ ملی تو صبر کر لیا۔ مقصد سامنے ہو تو اس کے لئے تمام راحتیں اور آرام قربان کرنا پڑتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مہمانوں کو خیریت سے لائے اور بخیر و عافیت واپس لے جائے۔ اور جس غرض کے لئے وہ یہ تکلیفیں اٹھا کر تشریف لائیں گے اللہ تعالیٰ سے ان کی دعاؤں اور قربانیوں کی بدولت پوری کرے۔ آمین۔

؎ "اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما۔"

از قلم: ——— میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللهِ

سورۃ الصف ۱۴ میں اس زمانہ کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو ایسی پوری ہوئی ہیں کہ انسان کے دل میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ قرآن کریم واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ سچا ہے۔ مثلاً یہ اہم پیشگوئیاں آج سے چودہ سو سال پہلے کی گئیں کہ :-

الف : ایک زمانہ آئے گا کہ "عیسائی مذہب اسلام پر حملہ آور ہوگا اور وہ یوں کہ عیسائی لوگ اپنے مونہہ کی پھونکوں سے (یعنے اعتراضوں کے ذریعہ) اللہ کے نور (یعنے اسلام) کو مٹانے کی کوشش کریں گے" سو یہ خطرناک حملہ انیسویں صدی عیسوی میں عیسائی پادریوں اور مستشرقین (——— ORIEUT ALIOTS) نے بڑے زور شور سے کیا۔

ب : "مگر اللہ کا نور مٹنا تو کیا اللہ تعالیٰ اُسے اور چمکا دے گا" سو ہم نے دیکھا کہ اسلام کی جن باتوں پر اعتراض تھا مثلاً یہ کہ اُس نے تلوار چلانے کی اجازت دی (چاہے اپنے دفاع کے لئے ہی ہو) برعکس حضرت مسیحؑ کی انتہائی خوبصورت تعلیم کے کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے تو بجائے بدلہ لینے یا دفاع کے اپنی دوسری گال بھی اُس کے آگے کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے وہ حالات پیدا کر دیئے کہ تمام عیسائی اقوام نے دفاعی جنگ کو اس قدر ضروری اور اہم سمجھا کہ آج اُن کے بجٹوں کا بیشتر حصّہ دفاعی جنگ کی تیاریوں پر خرچ ہو رہا ہے۔ اور دفاعی جنگ کرنے والوں اور ان میں مارے جانے والوں کو شہداء اور قومی ہیرو قرار دیا جا رہا ہے۔ دُوسری گال نہ تو اس تعلیم دینے والے کی زندگی میں آگے کی جاتی نظر آتی ہے اور نہ اُس کے ماننے والوں کی زندگیوں میں آج نظر آتی ہے۔

اسی طرح اعتراض تھا کہ اسلام میں جنسی تعلقات (SEX) کے معاملہ میں اتنی ڈھیل ہے کہ طلاق جائز ہے برخلاف حضرت مسیحؑ کی تعلیم کے کہ نکاح آسمان پر ہوتا ہے اس لئے اُسے کوئی زمین پر توڑ نہیں سکتا (سوائے زناکاری کی صورت کے) مگر آج تمام عیسائی ممالک میں یہاں تک کہ رومن کیتھولک ممالک میں بھی جو زیادہ راسخ العقیدہ سمجھے جاتے ہیں طلاق کو اس قدر آسان کر دیا گیا ہے کہ مسلمان ممالک کے مقابلہ وہاں طلاقیں بہت زیادہ ہو رہی ہیں۔

اسی طرح اسلام کے نور کے جس پہلو پر بھی اعتراض کیا گیا وہ اللہ کی شان ہے کہ زیادہ چمک اُٹھا۔ مگر طوالت کے خوف سے میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔

ج : "وہی زمانہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کرے گا۔ اگرچہ دوسرے دین جو شرک میں مبتلا ہوں گے، اُسے کتنا ہی ناپسند کریں۔" یعنے اسلام کی خالص توحید کی وجہ سے دوسرے تمام دین اس کے خلاف ہو جائیں گے کیونکہ ان سب میں شرک آگیا ہوگا۔ شرک کسی رنگ میں بھی ہو توحید کا دشمن ہے۔

اکثر مفسرین قرآن نے لکھا کہ یہ دین اسلام کا غلبہ دوسرے دینوں پر مسیح موعودؑ کے ہاتھوں سے ہوگا۔ اس غلبہ کے لئے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ اسلام پر جو اعتراض ہوں اُن کا جواب دے کر اُنہیں دُور کیا جائے اور اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کیا جائے، اور دوم دوسرے مذاہب کے اندر شرک کی گندگی اور ان کی تعلیم کے نامکمل ہونے بلکہ ناقص ہونے کو (جس کی ایک وجہ ان کی الہامی کتابوں کا ضائع ہو جانا ہے) ظاہر کیا جائے۔

تعجب کا مقام ہے کہ دوسرے مذاہب خصوصاً عیسائیت کا اسلام پر خطرناک حملہ بھی ساری دُنیا کو نظر آیا اور ایک شخص (حضرت مرزا غلام احمد صاحب) نے جو اُس کا مردانہ وار مقابلہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخی حفاظت کی وہ بھی دُنیا نے دیکھی اور اُسی مردِ خدا نے اسلام کو دُوسرے تمام دینوں پر غالب کر کے بھی دکھایا جس پر پچھلے سو سال کی تاریخی اور تحریری شہادت (جو سب میں قطعی گواہی سمجھی جاتی ہے) بصورت لٹریچر آج بھی موجود ہے۔ مگر اس شخص کے دعوئے مسیح موعود کو اکثر نے ماننے سے انکار کیا۔ اگرچہ اس کے سوا نہ تو کسی اور نے مسیح موعودؑ ہونے کا دعوئے کیا اور نہ مسیح موعودؑ کے جو کام تھے انہیں کسی اور نے کر کے دکھایا۔ مزید برآں اس کے دعوے اور تاریخی کارناموں سے قرآن پاک اور احادیث نبوی صلعم کی سراسر تصدیق ہوتی تھی۔

د : "مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ" دینی جہاد "کا نہ ہوگا جس کے لئے وہ اپنی قوم کو پکارے گا : "من انصاری الی اللہ" (یعنے اللہ کے کام میں میرا کون مددگار ہوتا ہے) سو جو اس کی مدد کو آئیں گے۔ اللہ ان کی مدد کرے گا اور بالآخر انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کرے گا۔"

سو ہم نے دیکھا کہ حضرت مرزا صاحب نے اسی اللہ کے کام کو کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی۔

ہ : "اُس جہاد کے لئے مالی قربانیوں اور اپنے نفسوں سے جہاد کرنا پڑے گا" اور وہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ "اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کو زندہ نہ کیا جائے" جو مسیح موعودؑ کی برکت اور فیض سے ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس" یعنے ایمان جو زمین سے اُٹھ کر ثریا پر چلا جائے گا اُسی ابنائے فارس میں سے ایک رجل عظیم واپس لے آئے گا اور یہ ایمان فارسی النسل حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ہی اپنی جماعت میں پیدا کیا کہ اُس نے سو سال دین اسلام کی خدمت میں اپنے مالوں کو پانی کی طرح بہایا۔

نفس سے جہاد

نفس سے جہاد کے عام طور پر یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ

خدا کے رستہ میں اپنی جان تک دی جائے۔ بیشک یہ بھی ایک معنی ہیں مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاد تلوار سے ہو رہا ہو۔ جب جہاد قلم سے یا دلائل سے ہو رہا ہو جیسا کہ اس زمانہ میں ہے تو جان دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سو لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ خدمت دین کے لئے اپنی زندگی وقف کرنا اس کے معنی ہیں۔ وہ بھی ضرور ایک معنی ہیں۔ مگر یہ الفاظ وسیع تر ہیں۔ نفس سے جہاد ان معنوں میں ہے کہ اپنے نفس کے ہوا و ہوس کے خلاف جہاد کیا جائے چنانچہ انہی معنوں کو خود رسول اللہ صلعم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ: جاھدوا اھوآءکم کما تجاھدون اعدآءکم یعنے تم اپنے نفس کے ہواء و ہوس سے اسی طرح جہاد کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔ ہوآء وہ خواہشات انسانی ہیں جو انسان کو نیچے کی طرف لے کر جائیں۔ یعنے اُسے اخلاقی اور روحانی فوائد سے جو ابدی ہیں اور جن کے بغیر انسان حیوان سے بڑھ کر نہیں ہوتا، ہٹا کر عارضی دنیاوی فوائد کی طرف راغب کریں۔ شیطان انہی خواہشات کو اکسا کر انسان کو ہمیشہ کے گھاٹے اور دردناک نقصان میں گرا دیتا ہے۔

جلسۂ سالانہ

ہمارا جلسہ سالانہ جسے اس زمانہ کے مجدد اور مسیح موعود علیہ السلام نے مقرر فرمایا ہے اور جس میں شامل ہونے کو اتنا ضروری ٹھہرایا کہ فرمایا کہ سوائے بیماری کی معذوری کے تمام مومن اس میں شامل ہوں اور اگر ضروری ہو تو سفر خرچ کے لئے تھوڑی تھوڑی رقم سارا سال بچا کر اس سفر کے لئے زاد راہ مہیا کریں یہ بھی اپنے اپنے نفسوں سے ایک جہاد چاہتا ہے۔ اس لئے کہ سردی کے موسم میں گھر بار کے آرام کو چھوڑنا ایک زبردست جہاد چاہتا ہے۔ پھر نفس اور شیطان انسان کو کبھی اپنی نوکری کبھی اپنے کاروبار، کبھی کھیتی باڑی کے کاموں، کبھی کسی اور عذر اور بہانوں سے اس روحانی اجتماع سے روکنا چاہتے ہیں۔ جس روحانی اجتماع کے منجملہ اور فوائد میں سے یہ عظیم الشان فائدہ ہے کہ سال بھر کی غفلت سے جو دل میں دین اور دینی خدمت کی رغبت کم ہو جاتی ہے۔ وہ دور ہو جاتی ہے اور انسان ایک نئی روح لے کر واپس جاتا ہے۔ یا وہ روح انسانی جو کمزوری یا مردگی کی حالت تک پہنچ جاتی ہے۔ اُسے زندہ کر کے واپس لوٹتا ہے۔ اسی بات کو قرآن کریم نے یوں واضح فرمایا ہے کہ یایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (الانفال ۸۔ آیت ۲۴) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو جب وہ تمہیں اُس کے لئے بلاتا ہے جو تمہیں زندگی دیتا ہے۔" ظاہر ہے کہ یہاں جسمانی یا دنیاوی زندگی کا ذکر نہیں بلکہ روحانی زندگی کا ذکر ہے۔ وہ زندگی جو اگر مل جائے تو انسان جسمانی موت پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ حیات جاودانی پا لیتا ہے۔

قرآن کریم کے اسی مقام پر آگے فرمایا ہے کہ "اور جان لو کہ اللہ انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور تم اس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دل دینی یا روحانی کاموں کے لئے آنے سے جو الکسی یا سستی کرتا ہے یا نہ آنے کے لئے بہانے یا عذر گھڑ لیتا ہے۔ اور انسان اپنے دل کے ان رازوں کو دوسروں سے مخفی سمجھتا ہے وہ اللہ سے مخفی نہیں کیونکہ وہ انسان کے دل کے ہتھکنڈوں کو انسان سے بہتر سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انسان کے دل سے خود اُس انسان سے بھی نزدیک تر ہے اور خدا کے آگے جب جانا ہو گا تو وہ انسان سے اس کے دل کے ہتھکنڈوں اور عذر بہانوں کو آگے رکھ کر اپنی روح کو نقصان پہنچانے یا مار دینے کی جواب طلبی کرے گا۔

جلسہ سالانہ کی خالصتاً روحانی غذا بلکہ روحانی زندگی کو جو اس میں شامل ہونے سے ملتی ہے۔ انسان یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا ہے کہ مثلاً اسکی نوکری یا ملازمت ہے تو چھٹی لینی پڑے گی۔ یا بزنس (تجارت یا صنعت) کو ان تین دنوں میں کون دیکھے گا۔ یا کھیتی باڑی کو کون سنبھالے گا۔ ان عذروں یا بہانوں کو سامنے رکھ کر انسان جلسہ سالانہ میں نہیں آتا۔ حالانکہ اپنے نجی کاموں کیلئے سرکاری دفتروں یا دُوسرے اداروں کے ملازم چھٹی لیتے ہی ہیں۔ اسی طرح تاجر اور صنعت کار یا کھیتی باڑی کرنے والے اور موقعوں پر تین چار دن کیا اس سے زیادہ غیر حاضر رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیتے ہیں کہ ان کی تجارت یا انڈسٹری یا کھیتی باڑی کو اتنے دنوں کیلئے کوئی دُوسرا دیکھ لے۔ تو اس دنیا کی عارضی زندگی اور عارضی فوائد کے لئے تو انسان اپنے کام کاج سے تین چار دن کیا اس سے بھی زیادہ عرصہ کیلئے غیر حاضر ہو سکتا ہے مگر روحانی فائدہ کے لئے یا ہمیشہ کی اگلے جہان کی زندگی کے لئے جو روحانی اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیوں نہیں کر سکتا؟ انسان اپنی جان کا کتنا دشمن ہے کہ دنیا کی زندگی کے لئے یا دنیاوی فوائد کے لئے جو چند روزہ ہیں اور مرنے پر بہرحال ختم ہو جاتے ہیں تو سب کچھ کر لیتا ہے مگر مرنے کے بعد کی نہ تو جوابدہی کی پرواہ کرتا ہے اور نہ اگلی ہمیشہ کی زندگی کے لئے کچھ سامان کرتا ہے۔ بلکہ اس زندگی تک کو ٹھکرا دیتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت قرآنی میں واضح کر دیا گیا ہے کہ انسان کو روحانی زندگی جو اگلے عالم میں اُسے زندگی بخشے گی وہ ملتی ہی ہے ایسے روحانی اجتماعوں سے۔

دُنیاوی فِتنے

مگر آخرت یا اس کی زندگی کی کس کو پرواہ ہوتی ہے؟ ایک پنجابی مقولہ ہے "ایہہ جگ مٹھا اوہ جگ کن ڈٹھا"۔ سو قرآن حکیم کا یہ کمال ہے کہ انسان کی تمام کمزوریوں اور باطنی بیماریوں کا فوری علاج فرماتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت کے معاً بعد اگلی آیت یوں ہے:-

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ ۚ واعلموا ان اللہ شدید العقاب (الانفال ۸۔ آیت ۲۵)

"اور اس فتنہ سے اپنا بچاؤ کر لو جو صرف ان لوگوں کو نہ پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں سخت ہے"۔ حضرت امیر مرحوم بیان القرآن میں اس آیت پر نوٹ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: "فتنہ سے مراد دُکھ یا عذاب ہے اور اس (لفظ) پر تنوین اس کی عظمت کے لئے ہے۔" یعنے وہ دکھ یا تکلیف اس سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو گی جس سے بچنے کے لئے تم نے روحانی اجتماع سے کنارہ کشی کی تھی۔ وہ سرکاری محکموں یا دوسرے محکموں کے افسر اور ملازم اور وہ تاجر یا صنعت کار یا وہ زمیندار جو اپنے کام کاج سے تین چار دن کی چھٹی نہیں لے سکتے یا اپنا تھوڑا سا خرچ نہیں کر سکتے جلسہ سالانہ کے روحانی اجتماع میں شامل ہونے کے لئے اُن کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ آخرت پر اگر تمہیں ایمان نہیں تو اس دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے دکھوں یا عذابوں میں ڈال سکتا ہے جو اس سے بہت بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔ جن دکھوں یا نقصانوں سے بچنے کے لئے تم نے اتنی تھوڑی سی قربانی نہیں کی اور ایسے دکھوں یا عذابوں میں جو تمہیں بطور سزا (جیسا کہ الفاظ "اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں سخت ہے" سے ظاہر ہے) آ سکتے ہیں وہ ضروری نہیں کہ صرف تمہیں تک محدود رہیں بلکہ تمہارے ان لواحقین پر بھی آ سکتے ہیں جنہوں نے تمہاری طرح اپنی جانوں پر ظلم نہیں کیا (جیسا کہ الفاظ "ان فتنوں سے اپنا بچاؤ کر لو جو صرف ان کو نہ پہنچیں گے جو تم میں سے ظالم ہیں" سے واضح ہے)۔ سو انسان کو ڈرنا چاہیئے کہ تین چار دن کے لئے اپنی نوکری سے رخصت لینے یا اپنی تجارت یا صنعت یا کھیتی باڑی کے لئے کوئی اور بندوبست کرنے سے اگر انسان کترا کر ایک روحانی اجتماع سے کنارہ کشی کرے گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے فتنہ میں پڑ جائے تو اس کے اور اسکے معصوم بیوی بچوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔ کیا بیماری یا حادثات اگر انسان کو تین چار دن کیا تین چار مہینوں یا سالوں کے لئے کام کاج سے ہٹا نہیں سکتے یا نوکری جا نہیں سکتی؟ یا تجارت میں گھاٹا یا فیکٹری میں ہڑتال ہو کر بہت زیادہ نقصان نہیں ہو سکتا یا قحط سالی سے کھیتی باڑی تباہ نہیں ہو سکتی؟ یہ تو محض دنیاداروں کے لئے تنبیہ ہے (بلکہ اب تو مادہ پرست مغربی سائنسدان بھی اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی کے ثبوت پا کر انہیں مشتہر کر رہے ہیں) ہم تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلعم اور قرآن حکیم اور حضرت مسیح موعود کی صداقت اظہر من الشمس ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلعم اور اس کے قرآن حکیم اور اس کے بھیجے ہوئے مسیح موعودؑ کی باتوں کو کس طرح ٹھکرا سکتے ہیں۔

حضرت مسیح ناصری جو مُردے زندہ کیا کرتے تھے وہ روحانی تھے اسی طرح مسیح موعود بھی روحانی مُردے زندہ کر گیا۔ وہ تو وہ لوگ تھے جو اس کی زندگی میں اس کے پاس گئے۔ اپنے بعد وہ روحانی زندگی پانے کیلئے جلسہ سالانہ کا روحانی [illegible] اجتماع مقرر کر گیا۔ اُس سے محرومی سے بڑھ کر کوئی بدقسمتی باز آنے والے کا اپنا نقصان ہوگا۔
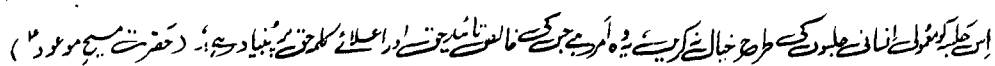
اِس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ حق پر بنیاد ہے۔ (حضرت مسیح موعودؑ)

اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اُن کی معرفت ترقی پذیر ہو پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا۔ اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کیلئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں۔ کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہو رہے ہیں سو بھائیو یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت اُن سب کو اس طرف کھینچ لائیگی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اسکو بدل سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اسکے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے

اِس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں۔ جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے۔ بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا نہ نیچر کی تفریط پسند اور اوہام پرست مخالفوں کا نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ ان میں بیہودہ اور بے اصل اور مخالفِ قرآن روائتوں کو ملانے والے اور خداوند تعالیٰ اس امت وسط کے لئے بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دے گا۔ وہی راہ جس کو قرآن لایا تھا۔ وہی راہ جو رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہؓ کو سکھائی تھی۔ وہی ہدایت جو ابتداء سے صدیق، شہید اور صلحا پاتے رہے یہی ہوگا اور ضرور ہی ہوگا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔ مبارک وہ لوگ جن پر سیدھی راہ کھولی جائے۔ بالآخر میں دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے۔ اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے۔ اور ان کے ہم و غم دور فرما دے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں اُن پر کھول دے۔ اور روزِ آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا! اے ذوالمجد والعطا اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔

"آمین ثم آمین"

"روزنامہ جنگ"۔ (راولپنڈی) ۹ نومبر ۹، ۱۹ء کی اشاعت خصوصی میں ایک صاحب نے یہ سوال پوچھا ہے کہ چودھویں صدی کی کیا اہمیت (خصوصیت) ہے؟ جواب میں لکھا گیا ہے۔ کہ چودھویں صدی کی کوئی اہمیت یا خصوصیت نہیں:

چودھویں صدی کی اہمیت اور خصوصیت سے انکار ایسا ہی ہے جیسا کہ صاف نیلے آسمان پر سورج کے روشن ہونے پر انکار کیونکہ یہی وہ صدی ہے جس میں بڑے بڑے مذہبی اور سیاسی انقلابات رونما ہوئے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز ایجادات ہوئیں۔ انسان نے چاند پر قدم رکھا۔ اور مریخ پر کمندیں ڈالیں۔ علوم و فنون کی ترقی نے قرآن کریم کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ دنیا سمٹ کر ایک ہو گئی۔ ذرائع مواصلات نے تمام ملکوں اور شہروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا۔ پاکستان جیسی اسلامی سلطنت وجود میں آئی۔ مسلمانوں نے سامراجیت کے پنجہ استبداد سے مخلصی پائی۔ تیل کی دریافت نے مشرق وسطیٰ کو ایک قوت بنا دیا کہ وہ اس کی بدولت بڑی بڑی طاقتوں کو آنکھیں دکھانے لگا اور مغرب کی اقتصادیات اور معیشت کی شاہرگ پر اس نے انگلی رکھ دی۔

یو۔ این۔ او۔ میں آخر نو آزاد مسلمان سلطنتیں ایک مضبوط بلاک بن کر ابھریں۔ ایران اور افغانستان میں ابھرنے والی تحریکوں کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی تحریکیں کہا جانے لگا۔ ایک پاکستانی سائنس دان کو طبیعات کے میدان میں نوبل انعام ملا۔ اور اسی صدی میں لاکھوں کلمہ گوؤں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر تمام ممالک میں اس کا اور اپنے اس کارنامے پر داد شجاعت حاصل کرنے کے لئے بھرپور پروپیگنڈہ کیا گیا۔

اس صدی میں رونما ہونے والے واقعات کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو ہزاروں صفحات پر پھیل جائے گی لیکن اس کی اہمیت سے اس لئے انکار کیا جا رہا ہے۔ کہ اس صدی میں ایک مذہبی شخصیت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی بار بار دہرائی گئی احادیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اس صدی کا مجدد اور مسیحِ موعود ہونے کا دعوےٰ کیا جو انکار کرنے والوں کو قابلِ قبول نہیں کیونکہ وہ قرآن کریم کے ان الفاظ کے مطابق "افکلما جاءکم رسول بما لا تھوٰی انفسکم استکبرتم" ان کی خواہش اور تصوّر کے مطابق تشریف نہیں لائے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح حضرت مسیح ابن مریم کا انکار کیا تھا کیونکہ آنے والے مسیح کے متعلق وہ اس غلط خیال میں مبتلا تھے کہ وہ آ کر انہیں دنیا کی بادشاہت اور حکومت دلائے گا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ وہ حضرت عیسےٰؑ کے آنے سے پہلے حضرت الیاس (ایلیاہ) کے آنے کے منتظر تھے لیکن حضرت مسیحؑ نے حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا

"ایلیا جو آنے والا تھا یہی ہے جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔" (متی ۱۰۔ ۱۵۔ ۱۶)

یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضرت صاحب کے انکار نے اس صدی کی اظہر من الشمس خصوصیت اور آنحضرت صلعم کی احادیث کا ہی انکار کرا دیا ہے۔

اس افسوسناک حقیقت کے باوجود چودھویں صدی ہر پڑھے لکھے اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والے انسان کے سامنے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر آ رہی ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلعم کی حدیث مجدد اور حدیثِ نزول مسیح غلط ہیں؟ اگر غلط نہیں اور سب کا اس پر اتفاق ہے تو اس چودھویں صدی کا جس کے ختم ہونے میں صرف ایک سال اور چند دن باقی ہیں مجدد کہاں گیا؟ اگر کوئی ہے تو وہ کہاں ہے اور کون ہے؟ کیونکہ اس سے پہلے تیرہ صدیوں میں مجدد گذر چکے ہیں اور ان کے دعاوی بھی موجود ہیں۔ اسی لئے بعض تحقیق پسند دوستوں کی طرف سے بار بار یہ سوال مختلف پیرایوں میں پوچھا جا رہا ہے۔ لیکن انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا جاتا۔ اور محض ٹال مٹول سے کام لیا جاتا ہے۔ اس رویے سے طبائع میں یہ جستجو کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ صدی گزر جائے گی اور اسی حدیث کے مطابق:-

"ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" کوئی خدا کا بندہ اللہ تعالیٰ سے روح القدس پا کر منصب مجددیت پر کھڑا ہوگا۔ تو یہ سوال اور نمایاں اور واضح ہو کر سامنے آئے گا۔ کہ آیا چودھویں صدی خالی چلی گئی؟ اور بہت ممکن ہے کہ اس وقت مخالفت اور انکار کرنے والے کفِ افسوس ملیں گے کہ ہم نے اپنا قیمتی وقت کیوں کھویا؟ کیوں نہ اس انسان کا ساتھ دے کر تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کا کام کیا تاکہ قرآن اور اسلام کا حسن صورت دنیا پر ظاہر ہوتا۔ اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر چل کے ذریعے امن و صلح کا یہ پیغام دنیا میں آیا۔ جھک جاتی؟ دھوکے اور فریب کا پردہ سچائی کو چھپانے میں زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔

چودھویں صدی کو الوداع اور پندرھویں کو خوش آمدید کہنے کے لئے دو سال تک تقریبات منانے کا اہتمام بھی بڑے زور شور سے ہو رہا ہے۔ اور عوام سے اس بارے میں تجاویز طلب کی جا رہی ہیں۔ ایسی تقریبات ہمیشہ کسی خوشی کے موقع پر منعقد کی جاتی ہیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑا خوشی کا موقع یہ ہوگا کہ اس زمان کے نقشِ پا کو تلاش کر لیا جائے جس نے اس صدی میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے غالب کر دکھایا اور مسلمانوں کو عیسائیت یا آریہ مت کی گود میں جانے سے بچا لیا۔ ورنہ اسلامی ممالک میں تو ایسا اور کوئی غیر معمولی کارنامہ نظر نہیں آتا جس کو خوشی میں دو سال کا قیمتی عرصہ محض تقریبات کی نظر کر دیا جائے۔ اور کوئی ایسا ٹھوس کام نہ کیا جائے جس سے ملک کی حالت بہتر ہو۔ کیونکہ اس ملک کو عظیم مملکت بنانے کے لئے حضرت قائد اعظمؒ نے تقریبات کے انعقاد پر نہیں بلکہ بار بار دیانت۔ خلوص۔ محنت اور کام پر زور دیا ہے۔ اور اتحاد تنظیم اور ایمان کا ماٹو ہمارے سامنے رکھا ہے۔ مگر ۳۲ سال کے عرصہ میں نہ تو اتحاد نظر آیا ہے۔ نہ تنظیم اور نہ ہی ایمان۔ بلکہ ہر طرف خود غرضی۔ افراتفری اور انتشار ہی کا دور دورہ رہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہا اور آج بھی وہ خطرات کے بھنور سے ابھی تک نہیں نکل سکا۔

کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس کا نظریہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے۔ یہی نظریہ قرآن و سنت پر مبنی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ قرآن و سنت کو پس پشت ڈالتے ہوئے ان انسانوں کے نظریات کو ترجیح دینے کی سعی کی جاتی رہی ہے۔ جو محض اپنی خواہش سے بولتے رہے ہیں اور اسی کے مطابق قرآن کریم کو ڈھالتے اور ڈھال رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اس نظریہ کی حفاظت تب ہی ممکن ہے۔ جب خدا کو ایک زندہ خدا، رسول کو ایک زندہ رسول، اور قرآن کو ایک زندہ کتاب مانا اور اس پر عمل کیا جائے۔ اور اسی سے اپنے مسائل کا حل تلاش کیا جائے:

ایک زندہ خدا کی جستجو اور تلاش انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اگر اس کے ذہن میں ایک مافوق البشر ہستی کا تصوّر نہ ہوتا تو وہ اجرام فلکی۔ پتھروں۔ دریاؤں۔ درختوں اور اپنے سے زیادہ طاقتور انسانوں اور جانوروں کے سامنے کبھی سر نہ جھکاتا۔ ارضی اور سماوی آفات سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے انسانی قربانی نہ دیتا۔ کیونکہ یہ آفات بھی

آنکھ سے اوجھل کسی ہستی کے غیظ و غضب کا نتیجہ سمجھی جاتی تھیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ جس کے غیبی ہاتھ میں اس کائنات کا سارا کنٹرول ہے وہ کوئی بہت بڑی طاقت ہے لیکن اس کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے اور پانے کی راہیں اُسے سجھائی نہیں دیتی تھیں۔ اس لئے وہ سرگرداں اور پریشان تھا۔ اس کی اس جستجو، سرگردانی اور پریشانی کے پیشِ نظر خود اُسی ہستی نے اس کی راہنمائی کے لئے ایک سلسلہ جاری فرمایا جسے مذہب کی زبان میں سلسلہ انبیاء کہا جاتا ہے۔ تا آنکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو آخری نبی ہیں۔ جن کے بعد سلسلۂ نبوت اختتام کو پہنچا۔

بات بیان کی ہے:۔

"کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ
اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں
اور اس کے لئے جو حق سے اُترا ہے اور ان لوگوں کی
طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی سو ان پر
لمبا زمانہ گذر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان
میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔" (الحدید: ۱۶)

ظاہر ہے یہ حضرت موسےٰ کی قوم بنی اسرائیل ہے جن پر لمبا زمانہ گذرنے کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور وہ نافرمان ہو گئے۔ ان کی قسی القلبی کا ذکر البقرہ ۷۴ اور الانعام ۴۳ میں بھی ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل پر لمبی مدت گذرنے کے بعد اُن کے دل سخت ہوتے گئے اسی لئے حضرت موسےٰ کے بعد ان میں یکے بعد دیگرے نبی آئے۔ جس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

"ولقد اٰتینا موسی الکتٰب وقفّینا من بعدہٖ بالرسل
واٰتینا عیسی ابن مریم البیّنٰت وایّدنٰہ بروح
القدس۔"

اور یقیناً ہم نے موسےٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد
ہم نے پے بہ پے رسول بھیجے اور ہم نے مریم کے
بیٹے عیسیٰ کو کھلے دلائل دیئے اور روح القدس کے
ساتھ اس کی تائید کی۔"

اگر حضرت موسےٰ کے بعد ان کی قوم توریت کی تعلیم پر قائم رہتی زمانے کے ساتھ ساتھ اُسے اپنی خواہش کے مطابق مسخ نہ کرتی اور اس میں کوئی تحریف اور تبدیلی نہ کرتی جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ تو اسے دوبارہ اس تعلیم پر قائم رکھنے کے لئے اور اس کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے پے بہ پے انبیاء بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جب ایک نبی کے گذر جانے کے بعد لمبے عرصہ تک کوئی دوسرا نبی نہ آتا تو یہ قوم بگڑ جاتی۔ اس کا دل سخت ہو جاتا اور اس کی اصلاح کے لئے ایک دوسرے نبی کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی۔ اس سلسلہ انبیاء کے آخر میں حضرت عیسےٰ تشریف لائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم مثیلِ موسےٰ کہتا ہے یہ مماثلت قرآن کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے:۔

"انا ارسلنا الیکم رسولًا شاھدًا علیکم کما ارسلنا
الی فرعون رسولًا۔"

ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے، جو تم پر گواہ ہے
جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا:

اس لئے آنحضرت صلعم کے سلسلہ کو حضرت موسےٰ کے سلسلہ اور آپ کی قوم کو حضرت موسےٰ کی قوم سے مماثلت ہونی چاہیئے جہاں تک آپ کی قوم کا قوم بنی اسرائیل سے مماثلت کا تعلق ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:

"لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل
حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ لکان فی
امتی من یصنع ذالک وان بنی اسرائیل تفرقت
علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلاث
وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا
من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی"
(رواہ بیہقی عن ابن عمر)

"ترجمہ: امام بیہقی نے حضرت ابنِ عمر سے روایت کی ہے
کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میری امت پر بھی بعینہٖ
وہی واقع ہوگا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔ یہاں
تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے . . . . .
تو میری امت سے بھی بعض ایسا کریں گے۔ اور بنی
اسرائیل ۷۲ فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ لیکن میری
امت کے لوگ ۷۳ فرقے بن جائیں گے۔ اور بجز
ایک فرقہ کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ جب
پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا کہ وہ لوگ
ہیں جو اس طریق پر چلیں گے جس پر میں اور میرے
اصحاب ہیں: (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۴۴)

قوم یہود کے قرآن میں بار بار ذکر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور مسلمان قوم کے موجودہ حالات بھی یہی ثابت کرتے ہیں۔ وہی قوم یہود جس کے متعلق فرمایا گیا تھا:۔

"وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب
من اللہ۔"

کہ ان پر (ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے) ذلت اور محتاجی ڈالی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے۔

یہ قوم آج مشرق وسطیٰ میں ایک نہایت قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود کروڑوں مسلمانوں کے لئے ایک خطرہ بنی ہوئی ہے جس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان آج اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور زیادتی میں مبتلا ہیں۔

اس مماثلت کو سامنے رکھتے ہوئے جو آنحضرت صلعم کی اپنی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہے بلا دن سے لئے یہ بات مقامِ فکر ہے کہ جب بنی اسرائیل میں ان کی اصلاح کے لئے پے بہ پے رسول آتے رہے تو کیا امتِ محمدیہ اس فیض اور برکت سے محروم رہی یا اس میں بھی کوئی ایسا سلسلہ جاری ہونا چاہیئے تھا جو اس امتِ مرحومہ کو ہر زمانے میں راہِ راست پر قائم رکھنے اور اس کی اصلاح کا ذمہ دار ہوتا۔ تاکہ پوری مماثلت قائم ہو جاتی۔ اس کے متعلق بھی ہم آنحضرت صلعم کا ہی قول نقل کرتے ہیں۔

"ابشروا ابشروا انما مثل امتی مثل الغیث لا یدری آخرہ خیر ام اولہ کیف تھلک
امۃ انا اولھا واثنا عشر خلیفۃ من بعدی والمسیح
عیسی بن مریم آخرھا۔"

"ترجمہ: ابوجعفر قمی نے ایک اسناد کے ساتھ یہ حدیث بیان کی
ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہؓ کو مخاطب کر کے
یوں فرمایا کہ خوش ہو، خوش ہو (یہ الفاظ تین دفعہ
دہرائے) کہ میری امت کی مثال مینہ کی مانند ہے۔ یہ
نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر۔ اور وہ
امت کیونکر ہلاک ہو سکتی ہے کہ جس کی ابتداء میں میں ہوں
اور درمیان میں میرے بعد ۱۲ خلیفے ہوں گے اور سب سے
آخری مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔"
(فصل الخطاب، امام محمد یار ساشر ۷۶)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی امت میں خلفاء کا ایک سلسلہ جاری ہونے کی بشارت دی ہے۔ جن کی وجہ سے امت میں نئی زندگی پیدا ہوتی رہے گی جس طرح بارش مردہ زمین کے لئے زندگی کا پیغامِ حیات لاتی ہے۔

سورہ الحدید کی جو آیت ہم اُوپر نقل کر آئے ہیں (۱۶) اس سے اگلی آیت یہ ہے:

"اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا قد بیّنا
لکم الاٰیٰت لعلکم تعقلون۔"

"یہ جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے
بعد زندہ کرتا ہے (یا کرے گا) ہم نے تمہارے لئے
آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔"

اور یہ زمین کس طرح زندہ ہوتی ہے:۔

"وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ
وھو الولی الحمید" (الشوریٰ ۲۸)

جب لوگ مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ بارش اتارتا
اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے۔ جس طرح بارش سے مردہ
کھیتی زندہ ہوتی ہے۔ اسی طرح جب دل مردہ ہو جاتے ہیں
تو ان کو زندہ کرنے کے لئے ایک دوسری قسم کی بارش کی ضرورت

ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالٰے کے بندوں کے ذریعے برسائی جاتی ہے۔ اور جن کا ذکر "خلفا" کے لفظ میں ہوا ہے۔ اور جس پر قرآن کی یہ آیت روشنی ڈالتی ہے۔

"وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت
یستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین
من قبلھم۔"

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان
لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ
وہ انہیں زمین خلیفہ بنائے گا جیسا انہیں خلیفہ
بنایا جو اُن سے پہلے تھے۔" (النور: ۵۵)

اور وہ کیسے خلفاء ہوں گے اس کے متعلق بھی بخاری شریف میں کتاب الانبیاء میں ایک حدیث اس طرح آئی ہے۔ جو حضرت ابی حازمؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

"قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء
کلما ھلک نبی خلفہ نبیٌ وانہ لا نبی بعدی
وسیکون خلفاء فیکثرون۔"

ترجمہ:۔ آپؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح کا
تکفل انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک نبی گذر جاتا
تو اُس کے پیچھے دوسرا نبی آ جاتا اور میرے بعد
کوئی نبی نہیں ہے اور خلیفے ہوں گے اور بہت
سے ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ہمیں
کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا۔ پہلے کی بیعت کے حق
کو پورا کرو۔ اسی طرح بعد میں جو پہلا ہو ان کا
حق ان کو دیتے رہو۔ اللہ ان سے پوچھے گا
کہ انہوں نے کس طرح ان کی نگرانی کی۔"

اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے اپنے بعد آنے والے خلفاؑ کو سلسلہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے مقابل پر رکھا ہے۔ یا یُوں کہئیے کہ ان کا مثیل قرار دیا ہے۔ یعنی آپ کے خلفاء انبیاء بنی اسرائیل کے مثیل ہوں گے جیسے ایک دوسری حدیث میں آپ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔"
"کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے
انبیاء کی طرح ہیں۔"

مندرجہ بالا دونوں احادیث میں آپ کے بعد خلفاء کا ذکر ہے۔ لیکن ان میں سے ایک حدیث میں آپؐ نے خلفاء کی تعداد متعین کر دی ہے۔ یعنی آپؐ کے بعد ۱۲ خلفاء ہوں گے اور آخر میں یعنی ان کے بعد آنے والا خلیفہ مسیح ابن مریم ہوگا۔ یعنی ۱۳ خلیفے آپ کے بعد ۱۳ صدیوں میں ۱۲ خلیفے گذر چکے ہیں۔ جو آپؐ کی صدی کو شامل کر کے ۱۳ صدیاں بنتی ہیں۔ ان کا آنا آنحضرت صلعم کی اس حدیث کے عین مطابق ہے کہ:

"ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس
کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔"

"اور یہی مجددین آپ کے خلفاء اور روحانی جانشین ہیں۔ اب چودھویں صدی کا یہ سوال ہے کہ اس میں آنے والا خلیفہ جسے مسیح ابن مریم کہا گیا ہے۔ کہاں گیا؟ اس خلیفہ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے اس پر سلام بھیجا ہے۔ جیسے کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔

"من ادرک منکم عیسٰی ابن مریم فلیقرئہ
منی السلام۔" (رواہ حاکم عن انس)

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے
جو کوئی عیسٰے ابن مریم کو پائے تو اُسے میری طرف
سے سلام پہنچائے۔"

اب توریت، تاریخ یہود، کتب نصاریٰ و ہنود، احادیث اور اقوالِ علماء و اولیاء امت سے یہ ثبوت ملتا ہے۔ کہ مسیح کا نزول چودھویں صدی میں ہوگا۔ لیکن اس ثبوت سے صرف عقل والے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ ظاہر پرستوں کے لئے اس میں اعتراضات کی گنجائش موجود ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ثبوت تفصیل طلب ہے لیکن ہم مختصر عرض کریں گے:

۱۔ توریت سے ثبوت:

دانیال نبی نے باب ۱۲ میں فرمایا ہے۔ کہ "اس وقت سے جب کہ دائمی قربانی موقوف ہوگی اور بتوں کو تباہ کیا جائے گا اس وقت ۱۲۹۰ دن ہوں گے۔ مبارک ہے جو انتظار کیا جائے گا۔ اور اپنا کام محنت سے کرے گا۔ ۱۳۳۵ روز تک اور لے دانیال تو آخر تک چلا جا اور آرام کر اور اپنے حصے پر آخیر پر کھڑا ہوگا۔"

اب ظاہر ہے کہ دائمی قربانی کی موقوفی اور بتوں کی تباہی آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر ہوئی۔ آنحضرت صلعم کے بعد ۱۲۹۰ اور ۱۳۳۵ دنوں سے مراد ۱۲۹۰ اور ۱۳۳۵ سال ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے کے ہاں ایک یوم سے مراد۔ ایک سال، ایک سول یا ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ لیکن یہاں ہم اگر ایک یوم سے مُراد ایک سو سال بھی لیں تو آنحضرت صلعم کے بعد اس حساب سے ...۱۲۹ سال بنتے ہیں۔ لیکن آپؐ کے بعد صرف چودہ سو سال ہوئے ہیں۔ اور اس میں آپؐ کے زمانہ کی پہلی صدی بھی شامل ہے۔ اس لئے یہاں ایک دن سے مطلب ایک سال ہی لینا ہوگا۔ اور اس طرح ۱۲۹۰ سال اور ۱۳۳۵ سال بنتے ہیں۔ یعنی تیرھویں صدی ہجری کا آخر اور چودھویں صدی کا ابتدائی حصہ بنتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں حضرت مرزا صاحب ظاہر ہوئے۔ اور مسیح ہونے کا دعوٰے کیا۔ جو الفاظ ہم نے اُوپر نقل کئے ہیں اُن سے پہلے کے الفاظ یہ ہیں: "اور بہتوں کو آزمائش میں ڈالا جائے گا اور شریر شرارت سے شور و غوغا مچائیں گے اور شریروں میں سے کوئی نہ سمجھے گا۔ پر اہلِ دانش سمجھ لیں گے۔"

۲۔ تاریخ یہود سے ثبوت:

یہودی اپنی تاریخ ہبوطِ آدم سے شروع کرتے ہیں اور نصاریٰ پیدائشِ مسیح سے۔ اب تاریخ یہود کے مطابق حضرت موسےٰ ۲۵۵۲ھ ہبوطِ آدم میں فوت ہوئے اور حضرت عیسٰی ۳۷۶۲ھ ہبوطِ آدم میں پیدا ہوئے۔ یعنی حضرت موسےٰؑ کی وفات سے حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش تک ۱۲۰۲ سال بنتے ہیں۔ اس طرح حضرت مسیح کو حضرت موسےٰ کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہونا چاہئیے تھا اور وہ ظاہر ہوئے۔ اب سلسلہ بنی اسرائیل اور سلسلہ محمدیہ میں مماثلت کے طور پر اس سلسلہ کے مسیح کو بھی جس کا ذکر احادیث میں ہے چودھویں صدی میں ہی ہونا چاہئیے تھا۔ وہ کہاں ہے؟

۳۔ عیسائیوں کی شہادت

"اب عنقریب دنیا میں ایک نہایت عظیم الشان واقعہ ہونے والا ہے۔ چاروں طرف سے اس کے واسطے نشان جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے نشان کہ زمانہ نے اس قسم کے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ اور نہ دنیا کی تاریخ میں ان کی مثال ملتی ہے۔ اور نہ کلیسا کی تواریخ میں۔ اس واقعہ عظیم کے وقوع پر دنیا اور مذہب ہر دو میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوگا۔ وہ واقعہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے دوبارہ آنے کا ہے۔ جو قوت اور جلال کے ساتھ ہوگا۔

(HIS GLORIUS APPEARING
LONDON)

۴۔ اور تو اور ہندو بھی ایک اوتار کے آنے کے منتظر ہیں۔ وہ اپنے اخبارات میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اس صدی میں گنگا بے برکت ہو جائے گی۔ یعنی ہندو مذہب باطل ہو جائے گا۔

۵۔ اولیاء اللہ کی شہادت:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس کی پیدائش کے الفاظ "چراغ دین" میں بیان کرتے ہیں جس کے اعداد ۱۲۶۸ ہوتے ہیں اور یہ تیرھویں صدی ہوتی ہے مسیح کو چودھویں صدی میں آ جانا چاہیئے تھا۔

۶۔ احادیث سے ثبوت: احادیث میں یہ بھی ہے کہ مسیح

دجال کو قتل کرے گا۔ اور یہ بھی ہے کہ دجال مسیح سے پہلے ہوگا۔ جیسا کہ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۱ پر یہ حدیث درج ہے:

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن ابیانؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا دجال پہلے ہوگا یا عیسیٰ۔ فرمایا اول دجال ہوگا پھر عیسیٰ بن مریم۔

اب دجال کے زمانہ کے متعلق حضرت علیؓ نے اپنے ایک خطبہ میں یہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

ترجمہ، لوگ نمازیں ترک کر دیں گے۔ امانتیں ضائع کی جائیں گی۔ ظلم فخر سے کیا جائے گا۔ اللہ کے حکم میں ضعف آجائے گا۔ امیر فاسق تاجر اور وزیر خائن ہوں گے۔ اراکین ظالم ہوں گے اور قاری فاسق۔ زنا کھلا ہوگا۔ سود کا عام رواج ہوگا۔ قطع رحمی بہت ہوگی۔ گانے والیاں بلائی جائیں گی۔ شراب دن دہاڑے پی جاتی ہوگی۔ پیمان توڑے جائیں گے۔ اور قسمیں ضائع کی جائیں گی۔ باجماعت نماز میں سستی کی جائے گی۔ مسجدیں سجائی جائیں گی۔ لمبے چوڑے منبر کھڑے کئے جائیں گے۔ قرآن کریم آراستہ کئے جائیں گے۔ رشوت لی جاتی اور سود کھایا جائے گا۔ کمینے اور کم عقل عالم بنائے جائیں گے۔ خون کرنا معمولی بات ہوگی۔ عورت اپنے خاوند کی تجارت میں شریک ہوگی۔ اور منبروں پر چڑھ کر لیکچر دیں گی۔ مرد عورتوں کی شکل اختیار کریں گے۔ اور عورتیں مردوں کی۔ گواہ بغیر طلب گواہی دیں گے۔ انسان بظاہر بھیڑوں کی طرح مسکین لیکن باطن میں بھیڑیئے ہوں گے۔ ان کی زبانیں شہد سے میٹھی مگر اندرون بدبودار ہوگا۔ نیک باتیں بری اور بری باتیں نیک سمجھی جائیں گی۔ دین کے سوا باقی باتوں میں غور ہوگا۔ اس وقت خرابی ہی خرابی ہوگی۔

(کنز العمال جلد، صفحہ ۲۶۶، صفحہ ۲۶۷)

ان تمام علامات پر نظر ڈالنے کے بعد کون عقل مند یہ انکار کر سکتا ہے۔ کہ یہ تمام کی تمام اس زمانہ سے متعلق ہیں۔ اس لئے اسی زمانہ میں دجال بھی ہونا چاہیئے۔ اور مسیح ابن مریم بھی۔ آخر دجال اور مسیح کہاں چلے گئے۔

ہم نے یہ ساری گذارشات بڑے اختصار کیساتھ پیش کی ہیں۔ اپنے پاس سے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ قرآن۔ حدیث۔ دیگر مذاہب کی کتب۔ علماء اور اولیاء کے حوالے سے سب کچھ پیش کیا ہے۔ اسے مختصراً پھر دہرائے دیتے ہیں:۔

۱۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسےؑ بتاتا ہے۔

۲۔ اس طرح سلسلہ بنی اسرائیل سلسلہ محمدیہ کا مثیل ہے۔

۳۔ حضرت موسےؑ کے بعد انبیاء آتے رہے۔ اور ان کے بعد چودھویں صدی میں حضرت مسیح ابن مریم آئے۔

۴۔ سلسلہ امت محمدیہ میں خلفاء کا آنا پایہ ثبوت کو پہنچا ہے۔ تا کہ مماثلت پوری ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ۱۲ خلفاء کے آنے کا ذکر کیا ہے اور ان کے بعد آخری خلیفے کا جس کو مسیح ابن مریم کہا ہے۔

۵۔ اس طرح چودھویں صدی میں اس وقت وہ خلیفہ آنا چاہیئے۔ جسے مسیح ابن مریم کہا گیا ہے۔

۶۔ اس امت کے اس مسیح کے ہاتھوں دجال کا خاتمہ مقدر ہے۔

۷۔ دجال کے زمانے کی ساری نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اور مسیح کو دجال کے دنیا پر تسلط کے بعد آنا چاہیئے۔

۸۔ جب نشانیاں پوری ہو چکی ہیں تو دجال اور مسیح دونوں اس صدی میں ہونے چاہیئں۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر وہ کون ہیں اور کہاں ہیں۔

جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اس صدی کا مجدد اور خلیفہ مانتی ہے جسے آنحضرتؐ مسیح ابن مریم فرماتے ہیں۔ بروئے قرآن مسیح ابن مریم وفات پا چکے ہیں۔ مردوں سے دنیا میں نہ کوئی واپس آیا ہے اور نہ آئے گا۔ اس لئے آنے والا مسیح مثیل مسیح ہے۔ نہ کہ وہی مسیح ابن مریم۔ اسرائیلی نبی اور دجال بھی مغربی اقوام ہیں۔ اس مسیح کے ہاتھوں ان کے مذہب کو شکست فاش ہو چکی ہے۔ اور آج وہ خود اپنے من گھڑت باطل عقائد سے رجوع کر رہے ہیں۔ مغرب میں ان کے گرجوں پہ مسجدیں بنائی جا رہی ہیں۔

۹۔ یہود۔ ہنود۔ نصاریٰ اور علماء وصلحاء امت محمدیہ اس بات پر متفق ہیں کہ مہدی اور مسیح کو چودھویں صدی میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ جس کے متعلق ہم ثبوت اوپر دے آئے ہیں۔

۱۰۔ چودھویں صدی کے تقریباً ۲۷ ایسے انسان جنہیں تعلق باللہ کی سعادت حاصل تھی اپنے رؤیا اور کشوف کی بنا پر اس بات کی شہادت دے چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب ہی اس زمانہ میں مہدی اور مسیح اور امام وقت ہیں۔

۱۱۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے دلائل اور شواہد کی بنا پر انہیں اس زمانہ کا مجدد۔ مسیح موعود اور مہدی موعود مانا ہے اور سب کے سب دوسرے فرقوں سے آکر جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے ہیں۔ اور ان میں اس زمانہ کے بڑے جیّد علماء قرآن وحدیث شامل ہیں۔

۱۲۔ اس جماعت کے مقابلہ میں کوئی دوسری ایسی جماعت نہیں جس نے قلت تعداد اور بے سرو سامانی کے باوجود اتنے وسیع پیمانہ پر مشرق ومغرب میں اشاعت اسلام کا کام کیا ہو اور کر رہی ہو۔ اور جس کے ذریعے سینکڑوں غیر مسلم اسلام کی آغوش میں آگئے ہوں۔ اور یہ سعادت دوسری جماعتوں کو باوجود کثرت کے حاصل نہ ہوئی۔

۱۳۔ اتنے بڑے پیمانہ پر اشاعت اسلام کا کام سپین اور ہندوستان میں سینکڑوں سال حکومت کرنے کے باوجود مسلمان سرانجام نہ دے سکے ہوں۔ جس کی وجہ سے سپین سے تو مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا اور ہندوستان میں صرف ایک چھوٹا سا ملک پاکستان بن سکا۔

یہ ساری خصوصیات رخصت ہونے والی اس چودھویں صدی کو ہی حاصل ہیں۔ اس کی اہمیت سے انکار محض تعصب اور ضد کی بنا پر ہے۔ اب اس چودھویں صدی کا اس امت کے علماء اور عوام سے یہ سوال ہے کہ:۔

کیا قرآن کریم۔ احادیث۔ علماء اور صلحاء امت کی یہ شہادت کہ مسیح چودھویں صدی میں ہوگا جھوٹی ہے؟ اگر نہیں تو وہ مسیح وقت کون ہے؟ جب تک اس شخص کی نشاندہی نہ کی گئی جس کے ہاتھ پر کسر صلیب اور قتل خنزیر مقدر تھا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ وہ لوگ جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہ ان تمام شہادات کو جھوٹا اور غیر معتبر سمجھتے ہیں۔

نوٹ:۔ اس مضمون میں اکثر حوالے عسل مصفیٰ حصہ دوم سے دیئے گئے ہیں۔

(مدیر)

انتقال پُر ملال

چوہدری محمد ظفریاب خاں خلف الرشید ڈاکٹر جلال الدین صاحب ۴ دسمبر ۱۹۶۹ء بروز منگل وار بتقاضائے الٰہی حرکت قلب بند ہو جانے کیوجہ سے اپنے خالق حقیقی کو جا ملے۔ ان کی عمر ۳۵ سال تھی۔ ان کے والد صاحب مرحوم ومغفور ڈاکٹر جلال الدین صاحب نے سلسلہ عالیہ احمدیہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے دین حق کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔ مرحوم نے اپنے پیچھے ۲ بیٹے اور تین بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ بڑی لڑکی کے علاوہ سب ذمہ داریاں اپنی بیوہ مسماۃ حمیدہ بیگم دختر چوہدری نظام الدین مرحوم چک نمبر ۴/۲ ایل اوکاڑہ پر چھوڑ گئے ہیں۔ مولا کریم لپسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما دے اور مرحوم کو اعلےٰ علیین میں جوار رحمت میں جگہ عطا فرما دے۔

(آمین! ثم آمین)

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ

اجتماعی روحانیت بڑی مفید چیز ہے

ہمارا سالانہ جلسہ ایک امر جامع ہے

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے متبدل ہو جاتی ہے۔ طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی روحانیت کا انسان نہ ہو اسکی تنہائی اس کی روحانیت کیلئے خطرہ سے خالی نہیں؛ اکیلے آدمی پر شیطانی وساوس اور غفلت و سستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت و سستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد کے قلب میں ہونا چاہیئے ؛

اسی لئے اسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے رب کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حصّہ باجماعت کر دیا تا کہ رب کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا انسان فائدہ اٹھا سکے اور اھدنا الصراط المستقیم کی دعا مانگتے وقت برگزیدگان الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دعا بھی شرف قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلعم کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپؓ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپؓ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپؓ سب خدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتیں۔ آپؓ کے ایک بھتیجے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپؓ سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیتی ہیں۔ ہمارے لئے پیچھے ترکہ کیا چھوڑیں گی؟ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت رنج ہوا۔ اور اپنے بھتیجے کی اس حبّ دنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اُسے کہہ دیا کہ آئندہ میرے گھر میں نہ گھسنا ؛

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے۔ اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی۔ لیکن چونکہ اس کا مکان میں داخلہ بھی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ جب اُس نے آنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھسو۔ اُس نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ اُن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ بھتیجا بھی تھا ؛

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور صحابہؓ نے سفارش کی نتیجہ یہ ہوا کہ معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ رد کیا ہوا بھتیجا بھی باریابی پا گیا۔

اللہ تعالےٰ کے حضور جو جماعت کھڑی ہوتی ہے۔ اُس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی، اِن نیکوں کی دعا کے ساتھ بدوں کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دعا ہوتی ہے۔ اسکو شیخ سعدی صاحب نے اس طرح فرمایا ہے : ؎

شنیدم کہ در روز اُمید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جناب الٰہی کے دربار میں شرف باریابی پا جاتے ہیں جس طرح خدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو باغ میں جہاں پھولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں روڑیوں پر بھی برستی ہے۔ اسی طرح جناب الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز، جماعت کی دعا، جماعت کیساتھ مل کر کوئی خدمت دین کرنے میں جو فضل ربّی کی ہوا اس جماعت پر چلتی ہے تو چھوٹے اور بڑے نیک اور بد سب پر کرم گستری ہوتی ہے ؛

پشاور شہر میں

تربیتی و تبلیغی نشست

رپورٹ: مرزا محمد لطیف شاہد

مؤرخہ ۲۳-۹-۷۹ مسجد احمدیہ پشاور میں ایک تربیتی و تبلیغی نشست کا خطبہ جمعہ سے آغاز کیا گیا خطبہ جمعہ خاکسار نے دیا۔ قرآن مجید کی آیت الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ (یونس) کی تلاوت کر کے البشریٰ کی تشریح کی۔ اور بتایا کہ اولیاء اللّٰہ کی علامتوں میں ایک بڑی علامت یہ ہوا کرتی ہے کہ ان پر رؤیا و صالحہ اور الہام کا دروازہ اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے کھولا جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں بھی ایک عظیم مجدد پیدا ہوا جو اس آیت مبارکہ کا مصداق تھا۔ اس مضمون کو حضرت نبی کریم صلعم نے حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ ان من اُمتی مکلمون ومحدثون۔ "یقیناً میری امت میں بھی ایسے افراد پیدا ہوا کریں گے کہ جن سے اللّٰہ کلام کرے گا اور وہ محدث کہلائیں گے۔" یہی بات علامہ اقبال بھی فرماتے ہیں:-

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی ۔۔۔ اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

چنانچہ قرآن مجید دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول یہ کہ جس کو اللّٰہ تعالیٰ چن لیتا ہے۔ اس کو مصفیٰ غیب پر غلبہ بخشتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-
"اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد صلعم ہے جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے۔ کہ اس کی پیروی اور محبت سے روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں سے انعامات پاتے ہیں۔"

اس کی مزید وضاحت میں حضرت مسیح موعودؑ کے بعض عظیم الشان نشانات سامعین کے ازدیاد ایمان کے لئے پیش کئے گئے۔

نماز جمعہ کے بعد مکرم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جماعت احمدیہ پشاور کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے تلاوت فرمائی۔ عزیزم گوہر علی صاحب نے نہایت برمحل ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ پڑھ کر سنائے۔ جو سامعین کے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئے۔

محترم برادرم محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت پشاور نے وفد کے ارکان کا شکریہ ادا فرمایا کہ وہ تشریف لائے ہیں۔ اور زور دے کر فرمایا کہ ایسے دورے جماعتی زندگی کے لئے بہت ہی ضروری ہیں۔ اور ان کو دوام دینا چاہیئے۔

ازاں بعد محترم بزرگ امیرِ وفد جناب ڈاکٹر اللّٰہ بخش صاحب نے ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ..... تلاوت فرمائی۔ اور نہایت ہی دلنشیں پیرایہ میں حضرت مسیح موعود نے جو روحانی انقلاب پیدا فرمایا ہے۔" پر روشنی ڈالی۔ آپؐ نے صحیح عقائد پر مبنی ایک عظیم الشان علم الکلام پیدا فرمایا۔ اور ایک ایسی مسلم جماعت قائم فرمائی جو آپ کے مشن کی اکناف عالم میں تبلیغ کر رہی ہے۔ اور جو صحیح اقدار کے احیاء کے لئے تن من دھن سے اپنے اس مذہبی فریضہ کی اشاعت میں برسرپیکار ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ نے جن امور کو ان کے آنے سے پون صدی پیشتر خدا سے خبر پاکر بیان فرمایا تھا۔ اس کو دنیا تسلیم کر رہی ہے۔ اور یہ دن یہ روشنی دکھاتا ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے۔ جب یہ رنگ آئے گا کہ حق پھیل جائے گا اور باطل بھاگ جائے گا۔" آپ کا خطاب نہایت انہماک سے سنا گیا۔

جناب ڈاکٹر صاحب کے بعد جناب مخدوم پروفیسر سعد اختر صاحب ایم اے جوائنٹ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے "یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقٰتہٖ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا۔" کی آیت تلاوت فرماکر احباب کو نہایت شیریں و دلربا انداز میں غور و فکر کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اعمالِ صالحہ پر زور دے۔ جماعت میں نئی زندگی پیدا کرنے کی سعی کرے۔ دلوں کو روشن کرنے کی فکر کرے اور بنیان مرصوص بننے کی کوشش کرے اور آپس میں بار بار ملنا چاہیئے۔

آپ نے احباب جماعت کو مؤثر انداز میں آپس میں محبت۔ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونے۔ دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرنے اور جماعت میں سے نوجوانوں کو خاص طور پر آگے بڑھ کر جماعتی کاموں میں حصہ لینے کی تلقین فرمائی۔

آخر میں آپ نے ان چھ امور پر روشنی ڈالی جو کہ ۷/ نومبر ۱۹۷۹ء کے پیغام صلح میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی تحریک پر پشاور شہر و ملحقہ جماعتوں سفید ڈھیری، شیخ محمدی کے پندرہ نوجوانوں نے جلسہ سالانہ میں رضاکارانہ طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔

آخر میں محترم جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جلسہ نے تقاریر پر مختصر سا تبصرہ کیا اور بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ مرکز نے یہ وفد بھجوایا۔ اور ایسے دورے جماعتی زندگی کے لئے بہت ضروری ہیں۔ جماعت کی طرف سے تمام حاضرین کی خدمت میں پُرتکلف عصرانہ پیش کیا گیا۔ اس جلسہ کو کامیاب بنانے میں محترم ڈاکٹر صاحب موصوف صدر جماعت محترم محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبلغ جماعت پشاور، عزیز فضل رحیم صاحب۔ اور دوسرے دوست پیش پیش تھے۔ وفد کے ارکان کا بعض افراد سے انفرادی طور پر ملاقات کا پروگرام تھا۔ اس سلسلہ میں محترم چوہدری سعید احمد صاحب (فرزند محترم بزرگ میاں ظہور احمد صاحب مرحوم) نے اپنی کار اس کام کے لئے وقف کر دی۔ عزیزم شیخ فیاض احمد صاحب نے بھی حتی الامکان امداد فرمائی۔ جزاھم اللّٰہ احسن الجزا۔"

پشاور شہر کے علاوہ۔ سفید ڈھیری میں تین مرتبہ۔ شیخ محمدی میں ایک مرتبہ گیا میرے خیال میں ان دو جماعتوں کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ کہ یہاں کے نوجوان دین کی باتیں سیکھنے کے لئے دل میں کافی تڑپ رکھتے ہیں۔ درس و تدریس کے علاوہ ان مقامات میں سوال و جواب کا سلسلہ بھی رات کو کافی دیر تک جاری رہتا ہے۔ اور ان دو مقامات کے نوجوان خوب دلچسپی سے دین کے مسائل پوچھتے ہیں۔ ازدیادِ علم کے لئے سوال بھی کرتے ہیں۔ اور ان دو مقامات کے نوجوانوں کا عملی نمونہ پاکستان کی دوسری جماعتوں کے لئے قابل رشک ہے۔ سفید ڈھیری میں سردار علی صاحب، محترم عبدالباری صاحب ایڈووکیٹ اور محترم عبدالباری صاحب اس طرح شیخ محمدی میں محترم عطاءالرحمٰن صاحب اور ان کے بچے۔ محترم ملک غلام علی صاحب بڑے ہی قابل قدر اور قیمتی وجود ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ ان احباب کرام کے اخلاص میں برکت دے۔ آمین! — مجموعی طور پر پشاور شہر ملحقہ جماعتوں کا دورہ بڑا ہی کامیاب رہا ہے۔ پشاور شہر کے جلسہ میں راولپنڈی، نوشہرہ، شیخ محمدی، سفید ڈھیری۔ اور بعض دوسرے مقامات کے احباب بھی شامل ہوئے۔

درخواست دعائے صحت

مکرم ڈاکٹر اللّٰہ بخش صاحب چیف ایڈیٹر پیغام صلح کے صاحبزادے سلیم احمد صاحب کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ حالت زیادہ تشویشناک ہونے کی وجہ سے انہیں ملٹری کمبائنڈ ہسپتال میں داخل کرایا گیا ہے۔ عمائدین جماعت اور احباب سلسلہ سے درخواست ہے کہ اس عزیز کے لئے دعائے صحت فرماکر عند اللّٰہ ماجور ہوں کہ اللّٰہ تعالیٰ انہیں صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے اور ان کی فیملی اور چھوٹے چھوٹے بچوں پر رحم فرمائے۔ آمین۔

ہمارا سالانہ جلسہ

قوم کی ترقی اور اتحاد

کے لئے وہ تجویز ہے جسکی بُنیاد

حضرت مسیح موعودؑ

نے اپنے دعویٰ کیبا تھ رکھی اور آپ کی زندگی میں برابر یہ جلسہ ہر سال ہوتا رہا

سالانہ جلسہ کی اغراض

حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ تعلقات جماعت کا استحکام

۲۔ معرفت الٰہی میں ترقی

۳۔ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے

تدابیر کا عملدرآمد میں لانا:

جلسہ پر آنے والے تمام احباب

غور کریں کہ

خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے وہ کیا

ساتھ لا رہے ہیں

ابھی تقریباً ایک ہفتہ باقی ہے۔ اس سے

فائدہ اُٹھائیں

جلسہ پر نہ آنے والے احباب

غور کریں کہ جو

عُذر

آپ دینی اجتماع میں نہ آنے کے لئے کیا کرتے ہیں

کیا اس عُذر نے

کبھی آپ کو اپنے ضروری دنیوی کاموں سے بھی روکا ہے؟

خدا کے دین کی تائید کے لئے

حرکت کرنا ——— تکلیف اُٹھانا ——— ذلت اُٹھانا

زندگی ——— راحت ——— عزت

کا موجب ہے

کیا آپ ایک کو اختیار کر کے دوسری کو حاصل کرینگے؟

بزرگان قوم

سے التماس ہے کہ وہ اپنی حاضری سے نوجوانان قوم کے حوصلے بڑھائیں اور نوجوانوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے دینی جوش کے مظاہرے سے بزرگان قوم کی زندگیوں میں راحت پیدا کریں

(محمد علیؒ)

پروگرام

پینسٹھواں (۶۵) جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

بتاریخ: ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ

بمقام: جامع احمدیہ دار السلام نزد ٹیکسٹ بک بورڈ

۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء بروز بدھ

پہلا اجلاس: زیر صدارت جناب مرزا عبد الرحمٰن بیگ صاحب لاہور

وقت	پروگرام	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولانا عبد الرحمٰن صاحب کمپی
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام	چوہدری محمد حیات صاحب
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات حضرت مسیح موعود	[illegible]
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۳۰	افتتاحی ارشادات	
۱۰-۳۰ تا ۱۱-۱۰	بعثت مجددین	[illegible]
۱۱-۱۰ تا ۱۱-۵۰	امام مہدی کا ظہور	جناب مرزا مسعود بیگ صاحب
۱۱-۵۰ تا ۱۲-۳۰	احیاء اسلام اور تحقیق جدیدہ	ڈاکٹر اللہ بخش صاحب
۱۲-۳۰ تا ۲-۳۰	وقفہ طعام و نماز ظہر و عصر	

دوسرا اجلاس: زیر صدارت جناب ڈاکٹر عبد العزیز صاحب پشاور

وقت	پروگرام	مقرر
۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولانا شفقت رسول صاحب
۲-۴۰ تا ۲-۵۰	ملفوظات حضرت مسیح موعود	پروفیسر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب
۲-۵۰ تا ۳-۲۰	میرے دورہ ہندوستان کے تاثرات	جناب بشارت احمد بقا صاحب
۳-۲۰ تا ۴-۰۰	کیا حضرت مسیح موعودؑ نے بتدریج دعویٰ نبوت کیا؟	جناب چوہدری شکر اللہ خان صاحب منصورہ
۴-۰۰ تا ۴-۳۰	دعا کا فلسفہ	جناب شیخ نثار احمد صاحب

نماز مغرب و عشاء و طعام

۸-۰۰ تا ۹-۰۰ — شبان الاحمدیہ کا اجلاس زیر صدارت جناب کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمٰن صاحب

مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء بروز جمعرات

پہلا اجلاس: زیر صدارت جناب میاں عمر فاروق صاحب [illegible]

وقت	پروگرام	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب راجہ محمد بیدار صاحب کراچی
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام	جناب عبد السلام مبارک صاحب
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ	زاہد جنجوعہ صاحب
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۴۵	مسیح موعود [illegible] اصلاح خلق کے لئے وقت پر بھیجا گیا	جناب میاں محمد احمد صاحب
۱۰-۴۵ تا ۱۱-۱۵	سالانہ رپورٹ	جناب جنرل سیکرٹری صاحب
۱۱-۱۵ تا ۱۲-۴۵	میرے مغربی ممالک کے دورے کے تاثرات	جناب محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب
۱۲-۴۵ تا ۲-۳۰	طعام و نماز ظہر و عصر	

دوسرا اجلاس: زیر صدارت جناب ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب

وقت	پروگرام	مقرر
۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولانا عبد الرحمٰن صاحب کمپی
۲-۴۰ تا ۲-۵۰	ملفوظات حضرت اقدسؑ	جناب چوہدری غفور احمد صاحب
۲-۵۰ تا ۳-۳۰	"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"	جناب محترم مولانا بشیر احمد منٹو صاحب
۳-۳۰ تا ۴-۰۰	عبادت کا فلسفہ	جناب کیپٹن عبد الواحد صاحب
۴-۰۰ تا ۴-۳۰	اسلام کا فلاحی معاشرہ	جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب

نماز مغرب، عشاء و طعام

مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء بروز جمعۃ المبارک

اختتامی اجلاس: زیر صدارت محترم جناب میاں ظہور احمد صاحب

وقت	پروگرام	مقرر
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب مولانا شفقت رسول صاحب
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	ملفوظات حضرت مسیح موعود	جناب منصور جاوید صاحب
۹-۵۰ تا ۱۰-۲۰	شجرہ طیبہ	جناب راجہ محمد بیدار صاحب
۱۰-۲۰ تا ۱۱-۰۰	صداقت مسیح موعود پر نصرت الٰہی کے تازہ نشانات	جناب پروفیسر سعد اختر صاحب
۱۱-۰۰ تا ۱۲-۰۰	نعم المولیٰ و نعم النصیر	جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب
۱۲-۰۰ تا ۱۲-۲۰	اختتامی تقریر و دعا	حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

نماز جمعہ

اذان ۱۲-۳۰، خطبہ ۱۲-۴۰

نماز ۱-۱۰، طعام ۱-۳۰

خادم سعد اختر
مہتمم جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء

الہام ناجدین پرنٹرز آب کاری روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح، احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبد الرؤف لھوکھ

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ ۔ ۵ ڈالر

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

جلد : ۶۶ | یوم چہارشنبہ ۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۷۹ء | شمارہ نمبر: ۴۶

ارشادات مجدد زماں حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لائیں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں۔ . . . . . خداتعالیٰ مخلصوں کو ہر قدم پر ثواب دیتا ہے۔ اور اس کی راہ میں کوئی محنت ضائع نہیں جاتی۔ اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ:-

"اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خداتعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے"۔

(حضرت مجدد زماںؑ)

جلسہ سالانہ کے اغراض و برکات

"اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بارگاہ ارحم الراحمین میں کوشش کی جائے گی کہ خداتعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور پاک تبدیلی بخشے"۔

ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جسقدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اسکے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہٗ کوشش کی جائے گی"۔

ہاتھ سے جانے نہ پائے خدمتِ دیں کا یہ وقت

از جناب ـــ مرتضےٰ خاں حسن

اُٹھو پھر اے عاشقانِ ملتِ بیضا اُٹھو
دیں کی خدمت کے لئے باندھو کمر مردانہ وار

پھر خدا سے نصرت و تائید کے طالب ہوں
پھر کرو مل کر دعائیں با دو چشمِ اشکبار

سر بسجدہ ہوں اگر ہم درگہِ باری میں آج
ہوں گے ہم فضلِ خدا سے کامیاب و کامگار

ہم پہ لازم ہے شریکِ جلسۂ سالانہ ہوں
رکھ گئے جس کی بنا ہیں مہدیٔ عالی وقار

ہم مجاہد ہیں خدا کے فضل سے قاعد نہیں
گھر میں ہم بیٹھے رہیں کاہل نہیں اپنا شعار

بے زری کا کیا ہے شکوہ ہمتِ عالی تو ہے
عزمِ مردانہ دکھاؤ مشکلیں گو ہوں ہزار

ہاتھ سے جانے نہ پائے خدمتِ دیں کا یہ وقت
پھر خدا جانے کہ کب آئیں گے یہ لیل و نہار

ہم تو جیتے ہیں خدا کے دیں کی خدمت کے لئے
حکم ہم کو دے گئے ہیں یوں مسیحِ نامدار

"دوستاں خود را نثارِ حضرتِ جاناں کنید
در رہِ آں یارِ جانی جان و دل قربان کنید

آں دلِ خوش باش را کاندر جہاں جوید خوشی
از پئے دینِ محمدؐ کلبۂ احزاں کنید

از تعیش ہا برون آئید اے مردانِ حق
خویشتن را از پئے اسلام سرگرداں کنید"

یہ پرچہ جس وقت احباب کے ہاتھوں میں پہنچے گا کئی اصحاب جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے لاہور آ رہے ہوں گے اور بعض یہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ ہم ان سب دوستوں کا تہ دل سے خیر مقدم کرتے اور اُن کے اس مبارک سفر کی کامیابی کے لئے دُعا کرتے ہیں جس مبارک کام کے لئے انہوں نے سفر کی صعوبت اُٹھائی اور اپنے گھر بار سے جُدا ہو کر تین دن کی یہ چِلّہ کشی اختیار کی۔ وہ یقیناً اتنا اہم اور بابرکت ہے کہ نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود سے تعلق رکھنے والا کوئی دُوسرا کام اتنا اہم۔ اس قدر مفید اور برکت کا موجب نہیں ہو سکتا۔ خدا کے مسیحؑ نے ہمیں اس راہ پر لگایا ہے۔ جو صرف ایک قوم کی نہیں بلکہ دُنیا جہان کی فلاح و بہبود سے تعلق رکھتا ہے۔ صرف اس دنیا کی نہیں بلکہ دنیا و عاقبت دونوں کی فوز و فلاح کا موجب ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس سے انسان دُنیا کی پستیوں سے اٹھ کر اس معراج کمال پر پہنچ جاتا ہے جو اسکی پیدائش کی اصل غرض ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس سے آقا و غلام، مالک و مملوک اور راعی و رعایا کی تفریق دور ہو کر ایک خدا کی حکومت دلوں پر قائم ہوتی اور رضائے الٰہی کا وہ مقام ملتا ہے جس کے سامنے دنیا کی تمام خوشنودیاں اور تمام عزتیں اور کامیابیاں ہیچ ہیں۔

خدا کا نام دُنیا میں بلند کرنا۔ خدا کی حکومت دلوں پر قائم کرنا۔ تمام انسانوں کو برادری اور اخوت و مساوات کا سبق دے کر ایک خدا کے آگے جھکانا۔ یہ وہ عظیم الشان کام ہے جو انبیائے کرام اور سب سے بڑھ کر ہمارے ہادی و رہبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا اور آپ کے پیروؤں کو محض اس وجہ سے خیر امت کہا گیا کہ اس بھلائی کے کام کو انہوں نے اپنی زندگیوں کا نصب العین بنا لیا۔ جب تک مسلمان اس کام میں منہمک رہے دُنیا جہان کی کامرانیاں اور بھلائیاں اُن کے شاملِ حال رہیں لیکن جب انہوں نے اس کام کو چھوڑ دیا ناکام اور خوار ہو کر رہ گئے۔ اس صدی کے مامور من اللہ نے اس مبارک کام کے لئے پھر ہمیں کھڑا کیا ہے۔

آج مسلمانوں کا

ایک بہت بڑا طبقہ اس کام کو وہ اہمیت نہیں دیتا جو اسکا حق ہے۔ اے مسیح وقتؑ کا ساتھ دینے والے دوستو! آپ کو اسی لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ اور اسی غرض سے یہ تین چار دن کی قربانی بھی آپ پر ڈالی گئی ہے۔ کہ اس ایمان کی روشنی کو لوگوں کے دلوں کے اندر پیدا کرو اور خدا کے اس نور کو دنیا میں پھیلاؤ جو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ملا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس سے دُنیا میں پھر امن و سکون اور اطمینان و راحت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور جس پر چلنے سے رضائے الٰہی میسر آ سکتی ہے؛

وذالك هو الفوز العظيم

اس مبارک کام کے لئے آپ کا صعوبت اٹھا کر یہاں آنا یقیناً بہت بڑی سعادت ہے اور ہم
اس سعادت کے حصول پر اپنے بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں تہ دل سے مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

٭ ٭ ٭

(ادارہ)

ہفت روزہ — پیغام صلح — لاہور — مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۹ء
جلد: ۷۷ ———— شمارہ: ۴۹

جدید افکار

مُرید جب اپنے پیرو مُرشد کی تعریف و توصیف پر اُتر آتے ہیں تو حقیقت سے اتنے دُور چلے جاتے ہیں، جسے قرآن کریم نے "غلو" فرمایا ہے۔ المائدہ ،، میں اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ "اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو گئے اور بہتوں کو گمراہ کیا۔ اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔"

اسی غلو کے تحت یہودیوں نے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنایا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنا کر خدائی کے مقام پر بٹھا دیا۔ قرآن کریم میں اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے جہاں جہاں ان کی زیادتیوں۔ بے اعتدالیوں۔ گمراہیوں اور بے قاعدگیوں سے انہیں روکا اور منع فرمایا گیا ہے۔ اس سے دراصل مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کہیں وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر انہی بدنتائج سے دوچار نہ ہوں۔ جن سے اہل کتاب اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے ہوئے۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے تنبیہ کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی اور اُسی سوراخ میں گھسنے کی کوشش کی جس میں ان سے پہلی قومیں گھسیں جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

مسلمانوں نے بھی غلو سے کام لیتے ہوئے اپنے مذہبی قائدین کو وہ مقام دینے کی کوشش کی ہے جو دراصل اُن کا منصب اور مقام نہ تھا۔ اور اس کے جواز میں انہوں نے ایسے دلائل پیش کئے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد انا للہ وانا الیہ راجعون ہی کہا جا سکتا ہے۔ اندھی عقیدت انسان سے بہت کچھ کرا دیتی ہے۔ ممکن ہے ایسی عقیدت بعض کے نزدیک محل اعتراض نہ ہو لیکن جب اس کی زد قال اللہ اور قال الرسول پر پڑتی ہے تو قابل اعتراض ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کا تدارک لازمی ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلعم کے مقام اور رتبہ کے برابر کس کا مقام ہو گا لیکن جب مخالفین آپ سے زمین میں چشمے بہا لے۔ کھجوروں اور انگوروں کے باغ کا مالک ہونے جس میں نہریں بہتی ہوں۔ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان پر گرانے۔ اللہ اور ملائکہ کو اُن کے سامنے لانے۔ سونے کے گھر کا مالک ہونے۔ آسمان پر چڑھنے اور وہاں سے کتاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تو آپ اپنا حقیقی مرتبہ اور اپنا مقام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میرا رب پاک ہے۔ میں صرف ایک بشر رسول ہوں"
(بنی اسرائیل: ۹۰ - ۹۳)

یعنی یہ تمام باتیں جن کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو میرے رب کے اختیار میں ہیں۔ میں ان پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ میں رسول ہونے کی حیثیت سے اُسی کے احکام کا پابند ہوں۔ جو وہ مجھے حکم دیتا ہے میں وہی کر سکتا اور کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ بھی آپ سے یہی فرماتا ہے: "کہہ میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" (کہف: ۱۱۰) یعنی میرا کام یہ ہے کہ میں تمہیں اللہ کے در پر جھکا دوں اسی طرح جس طرح میں جھکتا ہوں۔

قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ "انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے اپنا رب بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو" (التوبہ: ۳۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عالموں اور راہبوں کو وہ مقام دیا ہے۔ جو اللہ کا مقام ہے۔ اور اس طرح وہ شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

شادی خانہ آبادی

مکرم شیخ وقار احمد پسر شیخ محمد عبداللہ مرحوم کی شادی ہمراہ نورین دختر شیخ عبدالرشید صاحب ۵ نومبر ۱۹۷۹ء کو سیالکوٹ میں ہوئی۔ نکاح مکرم شیخ نثار احمد صاحب نے پڑھایا۔ اس خوشی کے موقعہ پر دولہا کے ماموں ڈاکٹر یوسف احمد صاحب نے مبلغ یکصد/۱۰۰ روپیہ جلسہ سالانہ فنڈ میں عطیہ دیا ہے۔

احباب سلسلہ سے گذارش ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے حضور دعا فرماویں کہ مولا کریم اس تعلق کو جانبین کے لئے بابرکت کرے اور اس جوڑے کو دینی اور دنیوی نعمتوں سے مالامال کرے اور ہر طرح کی خوشیوں سے نوازے۔

"آمین"

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد لاہور

جلسہ سالانہ

"قرآن مجید کی رو سے یہ ایک علامت راستبازوں کی بیان فرمائی گئی ہے کہ ان پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اخبار غیبیہ کا قبل از وقوع اظہار ہوتا ہے۔ اور وہ ایسا واضح ہوتا ہے کہ اہلِ زمانہ میں صاحب بصیرت لوگوں کے ازدیادِ ایمان کا باعث بنتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب اللہ تعالےٰ نے مجددیت کے مقام پر سرفراز فرمایا تو ہزارہا بشارتوں میں سے ایک خبر یہ بھی دی۔

"یاتون من کل فج عمیق۔ وسع مکانک یاتیک من کل فج عمیق"

"یعنی بہت دور دور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اُن کے لئے اپنے مکان کو وسیع کر۔" یہ خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالےٰ کی طرف سے ۱۸۸۲ء کو دی گئی تھی۔ جب کہ آپ کی درویشی۔ سادگی اور الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے قادیان اور قرب و جوار کے رہنے والے بھی اچھی طرح واقف نہیں تھے۔ آپ اپنی اس کیفیت کو ایک شعر میں یوں بیان فرماتے ہیں :۔

شعر

میں تھا غریب و بے کس و گمنام و بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

دُوسری طرف الٰہی بشارتیں یہ مل رہی ہیں کہ لوگ تیرے پاس دور دور سے آئیں گے۔ تیرے ماننے والے زمین کے چاروں اطراف میں پیدا ہو جائیں گے۔ الہام الٰہی میں فرمایا گیا :۔

"اور وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے :" اور یہ بھی الہام وحی سے بشارت ملی کہ :۔

"[illegible] زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا :"

کیا کوئی انسانی دماغ اُن حالات میں جب کہ یہ اخبار دی جا رہی تھیں۔ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے کہ قادیان جیسے گوردہ میں کثرت سے لوگ آئیں گے۔ آپ کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچے گا۔ اب جب کہ یہ پیشگوئیاں ایک حد تک پوری ہو چکی ہیں۔ غور کرنے والوں کے ایمان کو تازہ کرتی ہیں اور انشاء اللہ ابھی وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ لوگ فوج در فوج اس الٰہی سلسلہ کی طاعت کا جوا اپنی گردنوں میں ڈال لیں گے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے ماموریت کے دعوے کے بعد ۱۸۹۱ء میں جلسہ سالانہ کی بنا ڈالی اور اس میں شمولیت کی ان الفاظ میں تحریک فرمائی۔

"حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا۔ جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی اُن میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر یک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔"

(آسمانی فیصلہ)

جلسہ سالانہ کی برکات

قرآن مجید نے اس بات کو خاص طور پر مختلف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ اسلام کی نعمتوں اور برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ ساری دُنیا جو اسلام سے باہر ہے ان کی کیفیت یہ ہے کہ جب کوئی آگ کے گڑھے پر کھڑا ہو اور اُن کے دلوں میں تشتت و افتراق اور ایک دوسرے کے بارے میں نفرت کا لاوہ جوش مار رہا ہے لیکن مسلمان "انما المؤمنون اخوۃ" ۔ عربی زبان میں انما حصر کے معنے آتا ہے کہ اسلام کی برکت یہ ہے کہ اب تم اس کی برکت سے حقیقی بھائیوں جیسے ہو گئے ہو۔ ایک مسلمان جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرتا ہے۔ اور ان کے دل آئینہ کی طرح صاف ہیں۔ لیکن مختلف مقامات پر دور دور رہنے کی وجہ سے ضرورت ہوتی ہے کہ ایسے اسباب و حالات پیدا کئے جائیں کہ سب مومن کچھ وقت کے لئے آپس میں مل بیٹھیں۔ کیونکہ ملنے۔ ملاقات کرنے ، ایک وقت کی مجالست۔ مؤاکلت ، مکالمت ۔ انسان میں قدرتی طور پر محبت کو از سر نو زندہ کر دیتی ہے۔ اس واسطے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

"اجلس بنا ساعۃ نؤمن"

آپس میں دو گھڑی بیٹھ جایا کرو۔ تاکہ اس کے نتیجہ میں تمہارے قلوب کے اندر ایمان ترقی پذیر ہو جائے :

باقاعدگی سے نماز با جماعت میں شمولیت۔ قرآن مجید کا درس۔ جلسہ سالانہ کی تقاریر اور آپس میں ایک دُوسرے کی ملاقات اور قومی و ملی امور پر کھل کر تبادلۂ خیالات۔ افہام و تفہیم کے نتیجہ میں قلوب و اذہان میں جلا پیدا ہو جاتی ہے اور جہاں ایسی دینی مجالس منعقد ہوں۔ یقیناً اللہ تعالےٰ کے افضال و اکرام نازل ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف انفرادی رنگ میں اصلاح و تزکیہ نفس ازدیادِ ایمان۔ تشکک و شبہات سے انسان نجات پا جاتا ہے۔ کچھ دن خاص ماحول میں رہنے اور قال اللہ اور قال الرسول پر پابندی کی وجہ سے انسان کے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ سابقہ زنگ دور ہو جاتا ہے اور یہی تو ما حصل زندگی ہے۔ اور ایسا انسان کتنا خوش بخت ہے کہ جس کو یہ گوہر نعمت و عظمٰی حاصل ہو جائے ؟

جلسہ سالانہ میں شمولیت اور حضرت مجدد زمانؑ کی دلی تڑپ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

ہیں دعا کرتا ہوں کہ ہر یک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں. خدا تعالےٰ اُن کے ساتھ ہو اور ان کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دے اور ان کے ہم و غم دور فرمائے اور ان کو ہر یک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں ان پر کھول دیوے اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے. اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو. اے خدا. اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول فرما کر ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر یک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین ! ثم آمین

(اشتہار، دسمبر ۱۸۹۲ء)

جلسہ میں شامل ہونے والوں کے لئے یہ دعائیں یقیناً مستجاب کا درجہ رکھتی ہیں. خدا کرے کہ ہم لوگ معمولی معمولی مصروفیات یا عذروں کی وجہ سے ان نعمت بے بدل سے محروم نہ رہیں اور بعض اوقات عدم فکر کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں۔ چلو اس سال نہیں اگلے سال ضرور جلسہ میں شامل ہوں گے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اگلا سال اسے نصیب ہوتا بھی ہے یا کہ نہیں. ہم سب وابستگان دامن حضرت مجدد زمانؑ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ بمع اہل و عیال و جملہ اقرباء ضرور جلسہ سالانہ میں شامل ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کے مورد بنیں اللّٰھم آمین !

اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ خاص طور پر جلسہ کی عظمت و اہمیت احباب کرام کو بتائی جائے بعض اوقات کسی تساہل کی وجہ سے اس کو دوسرے معمولی جلسوں کی طرح سمجھ لیا جاتا ہے. حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ سالانہ کی شمولیت کے لئے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

"اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی. کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں"

(اشتہار، دسمبر ۱۸۹۲ء)

گذشتہ دنوں آپ نے اخبار پیغام صلح میں محترم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے "گولڈن جوبلی جماعت سرینام" کا مختصر تعارف اور جماعت کی تعداد اور کامیابی کا تذکرہ فرمایا [illegible] کا مطالعہ کیا ہوگا. کہاں سرینام اور کہاں قادیان [illegible] اللہ سے خبر پا کر فرما رہا ہے :-

"اس [illegible] بنیادی اینٹ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ [illegible] ہے۔ اور اس کے لئے قومیں تیار کی [illegible] اس میں آملیں گی"

اک [illegible] ہے کہ دل میں ہے خوف کردگار

کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی

تکمیل کا [illegible] جلسہ سالانہ بھی ہے

قرآن [illegible] کا ارشاد ہے :-

"[illegible] کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"

"مومنوں [illegible] کوشش کر کے دوسرے مومنوں سے ملنا چاہیئے تاکہ [illegible] انسان کے اندر ایمانی حرارت تیز ہو اور نیکی میں قدم اس کا آگے بڑھے. حضرت رسول مقبول فرماتے ہیں :-

"من استوی یوماہ فھو مغبون" جس کے دو دن برابر ہوں وہ گھاٹے میں ہے. اس ارشاد پر صحابہؓ نے عرض کی حضور دن تو سارے برابر ہی ہوتے ہیں۔ انسان نقصان میں کس طرح رہتا ہے. آپؐ [illegible] فرمایا کہ دیکھو آج جو ایک انسان کو نیک اعمال کرنے کی توفیق [illegible] ہے اس کو آنے والے دن میں اس سے زیادہ کوشش کرنی [illegible] کہ وہ گزرے ہوئے کل سے زیادہ نیک کام کرے. اسی طرح فرمایا کہ مومنوں کی مثال آب رواں کی طرح ہے. اگر [illegible] راستے میں روک ڈال دی جائے. تو وہ پانی رک [illegible] جیسے خراب. بدذائقہ. بدبودار اور غیر نافع ہو جاتا ہے. اگر [illegible] جاری رہے. خواہ تھوڑا ہی چلے تب بھی وہ شیریں خوشبودار اور [illegible] مند ہوتا ہے. یہ ایسی اعلےٰ مثال ہے اگر انسان اس پر غور [illegible] تو اُسے روحانی طور پر بڑا فائدہ ملتا ہے آب رواں کی کیفیت. اور دو دن برابر نہ رہیں بلکہ قدم ترقی پذیر رہے. اس کا ایک بڑا ذریعہ صحبت صالحین بھی ہے۔ کہتے ہیں :-

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

واقعی صحبت کا بڑا ہی اثر ہوتا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے جب چاروں اطراف سے مومنین کا اجتماع ہوتا ہے اور جمع ہونے کا مقصد کوئی دنیاوی معاملہ نہیں محض اللہ کی باتیں سننے کا شغل. اس سے بڑھ کر صالحین کا اجتماع ناممکن ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں :-

"نفس اور اخلاق کی پاکیزگی حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ صحبت صالحین بھی ہے. جس کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے "کونوا مع الصادقین" (البدر ۲۴ ستمبر ۱۹۰۳ء)

اسی طرح حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں :-

"صادقوں کی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے. ان کا نور صدق و استقلال دوسرے پر اثر ڈالتا ہے۔ اور ان کی کمزوریوں کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔ (الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

پھر فرمایا :-

"جو شخص رحمت والے کے پاس آوے گا تو وہ رحمت کے قریب تر ہوگا"

ان کی زیارت سے مصائب دور ہوتے ہیں" (البدر ۹ جنوری ۱۹۰۳ء)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب امام مہدی تشریف لائیں تو ان کو میری طرف سے سلام پہنچاؤ۔ چاہے تم کو گھٹنوں کے بل. برف کے تودوں پر چل کر جانا پڑے۔ خدا کے فضل سے وہ امام ہمارے زمانہ میں تشریف لائے۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ مخالفت کے طوفانوں اور آندھیوں کے باوجود آپ کو صداقت کے ماننے کی سعادت بفضل ایزدی نصیب ہوئی. آپ کے ارشادات پر لبیک کہنا اب ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے چنانچہ آپ جلسہ سالانہ کا مقصد یہ بیان فرماتے ہیں :-

"اس جلسہ سے مدعا اور مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں. ان کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہمی محبت و مؤاخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکساری اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو" (شہادت القرآن)

کاش مولا کریم کا فضل ہمارے شامل حال رہے. جلسہ سالانہ قریب سے قریب تر آرہا ہے. حضرت مسیح موعودؑ کی تڑپ. اس جلسہ کے قیام کا مقصد اور اپنے ماننے والوں کے دلوں میں جو تبدیلی پیدا کرنے کی آرزو آپ کو تھی ہم اپنے اندر پیدا کریں اور ہمارے دل آخرت کی طرف جھک جائیں. حضرت نبی کریمؐ کے ارشاد "تطاوعا ولا تختلفا" اتفاق سے چلنا اور افتراق نہ کرنا ورنہ تم تنکوں سے ہلکے ہو جاؤ گے". اور ہمارے قلوب کی یہ کیفیت ہو جائے جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے :- "واعلم اهلا من خاف الموت خشی الفوت" کہ جس شخص نے آنے والے گھر کو یاد رکھا وہ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے گا". خدا کرے. اے ارحم الراحمین ہم سب کو اپنے فضل سے توفیق دے کہ ہم تیرے احکام پر پورے طور پر چلیں. اپنی کمزوریوں کو خیرباد کہہ دیں. تیرے بندے بنیں. تا اس مقصد عظیم کو حاصل کریں جس کے لئے اللہ نے مامور کو مبعوث فرمایا۔ آمین ؛

دعوت الی اللہ

اس جماعت کا کام ہے

اگر کسی نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح اور انجمنیں ہوتی ہیں ویسے ہی یہ بھی ایک انجمن ہے۔ تو یہ صحیح نہیں۔ آپ کی جماعت کو ایک مامور نے کھڑا کیا اور خدا کے حکم سے کھڑا کیا۔ اس جماعت کا کام ہے :۔

" ادعوا الی اللہ "

خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اپنے لیکچروں کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنے اخبارات کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے بلاؤ۔ مگر تمہارا بلانا خدا تعالیٰ کی خاطر ہو۔ پہلے تمہارے اپنے دلوں میں یقین ہونا چاہئیے۔ کیونکہ یہ اور اس قدر یقین ہونا چاہئیے کہ دوسروں تک پہنچانے کی تڑپ دل کے اندر پیدا ہو جائے۔ اسلام اس لئے نہیں آیا کہ کسی ایک ملک تک محدود رہے۔ یہ مذہب تمام دنیا میں پھیلنے کے لئے آیا ہے۔ آہستہ آہستہ تمام دنیا کو اٹھاؤ اور اسلام کی طرف لانے کی کوشش کرو۔ فی الحقیقت اس کی طرف دنیا کو لانا امام وقت نے آپ کی جماعت کے سپرد کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس کے اہل ثابت نہ ہوں۔ یہی ہمارا اصل کام ہے۔ دعوت الی اللہ کا بڑا بلند مقام ہے اس مقام پر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو خدا کی طرف بلاؤ۔ یہی فرض ہے۔ جو تمہارے اوپر ڈالا گیا ہے۔ تم اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو ؛

جلسہ سالانہ تین دن کا چلہ ہے :

تزکیہ نفس اور خدا تعالیٰ کے لئے مجدد وقت نے تجویز کیا

اس جلسہ کی غرض تزکیہ نفس اور خدا سے لوگوں کو ملانا ہے ؛

صوفیوں نے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے چلّے ایجاد کئے۔ ایک چھوٹا سا چلّہ ہمیں بھی اس زمانہ کے مجدد نے بتایا ہے۔ اور وہ ہمارا سالانہ جلسہ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی غرض اس جلسہ کو مقرر کرنے سے سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ وہ لوگ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں سال بھر میں ایک دفعہ اکٹھے ہو جایا کریں اور جب ایک ہی خیال کے لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان کا خیال بھی مجتمع ہو کر زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ اس خیال میں بڑی قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس سے تمام غفلتیں دور ہو کر ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے ؛

جلسہ سالانہ میں

شریک ہونے والے دوستوں کو

حضرت امیر مرحوم کے

ہدایات

میں جلسہ سالانہ کے متعلق تین باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اور جماعت کے ان تمام دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں جو اس جلسہ سالانہ میں شریک ہوں گے، جلسہ کے دن ہمارے لئے مجاہدے کے تین دن ہیں۔ ان تین دنوں میں اپنے مجاہدے سے ثبوت دو دکھاؤ کہ خدا تعالیٰ کے سامنے تم اپنی تمام خواہشات کو ہیچ سمجھتے ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ سب دوست جو جلسہ سالانہ میں شریک ہوں وہ اہتمام سے نماز باجماعت کی خصوصیت سے پابندی کریں۔ ہر چیز سے مقدم اس بات کو سمجھیں جلسہ کے دنوں میں ظہر و عصر و مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع ہوتی ہیں جن میں ہر شخص بڑی آسانی کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے سو اس مجاہدہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ باہر سے آنیوالے لوگ، مقامی لوگ اور جو سکے تو وہ لوگ بھی جو جلسہ کے کام پر لگے ہوئے ہوں نماز باجماعت ادا کریں اور اس چیز کو ہر بات پر مقدم کریں۔

دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ سب لوگ بھی ہر ایک وہ شخص جس کو میرا یہ پیغام پہنچے ان تین دنوں میں خاص طور پر تہجد کی نماز پڑھیں۔ جو لوگ مہمان نوازی پر ہوں گے ان کے لئے جگانے کا ہم بندوبست کر سکتے ہیں اور وہ لوگ جو گھروں میں ہوں گے وہ بھی تہجد کی نماز پڑھیں۔ جلسہ کی تاریخوں میں ہر ایک شخص تہجد کی کم از کم دو رکعت ادا کرے اور تہجد میں دعا کرے میں دو دعاؤں کی سفارش کرتا ہوں ایک تو وہ دعا جو سورۃ البقرہ کے آخر میں آتی ہے اور جس میں دعا کا خاتمہ اس بات پر ہوتا ہے : فانصرنا علی القوم الکافرین اور دوسری حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا ہے : وایوب اذ نادیٰ ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ اور ایوب نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ انبیاء کی دعائیں اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ خدا تعالیٰ کا نام دنیا میں پہنچانے کے لئے۔ ان کے راستے میں مشکلات ہوتی ہیں اور ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے وہ خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں۔ کہ یہ کام بہت بڑا ہے تو ہماری مدد فرما۔ سب دوست مل کر تین دن کے لئے دعا کریں۔ تاکہ ہماری دعائیں اکٹھی ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں پہنچیں اور اللہ تعالیٰ اسلام کو کفر پر غالب کرے اور اس غلبہ کے لئے ہم کو طاقت اور ضروری سامان عطا فرمائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ لیکچروں کی پابندی اختیار کریں بغیر اس خیال کے کہ فلاں شخص کا لیکچر ہے اسے ضرور سننا چاہئیے۔ معلوم نہیں کہ کس شخص کے منہ سے کوئی بات نکل جائے جو ... یہ میری تین درخواستیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موقعہ پر مل کر ہمارے قلوب سے ... نکلیں۔ یہ بڑا مشکل مقام ہے۔ کوئی شخص اپنے بازو سے حاصل نہیں کر سکتا۔ خدا کے ہاں جو کچھ قبول ہو عاجزی سے ہوتا ہے۔ امید ہے کہ جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والے تمام دوست ان تین باتوں کو مدنظر رکھیں گے اور انعام کے ساتھ انہیں عملی جامہ پہنائیں گے۔

اصلاح کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ دنیا کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ جوڑا جائے

اسلام کے غلبہ کے سوائے کوئی راہ دنیا کے امن و اتحاد کی نہیں

ہمارا سالانہ جلسہ غلبہ اسلام کے ذرائع سوچنے اور اسلام کو دنیا میں پہنچانے کے رستے تلاش کرنے اور اس کے لئے سامان مہیا کرنے کے لئے منعقد ہو رہا ہے

قومی اجتماعات اور سالانہ جلسے دنیا میں ہر قوم اور ملک کی طرف سے منعقد ہوتے ہیں لیکن شاید ہی کوئی ایسا اجتماع ہو جس کے پیش نظر اس قدر بلند اغراض ہوں جیسی ہمارے سالانہ جلسہ کی غرض ہے۔ اللہ کا نام دنیا میں بلند کرنا۔ دنیا کو اس امن و اتحاد کا پیغام دینا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور جس کے ذریعہ سے دنیا ان مصائب اور تکالیف، اس بدامنی اور پریشانی سے نکل کر جو اس وقت اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس دشمنی اور عناد۔ تباغض اور تحاسد۔ باہمی نفرت اور حقارت کو چھوڑ کر جو قوموں اور ملکوں کی تباہی اور بربادی کا موجب ہو رہی ہیں۔ اخوت و مساوات اور عالمگیر برادری کا رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

یہ وہ غرض ہے جو اس زمانہ کے مامور اور مجدد نے ہمارے سامنے رکھی اور غور کر کے دیکھا جائے تو یہی ایک چیز ہے جس کو حاصل کئے بغیر دنیا میں نہ امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ موجودہ مصائب اور پریشانیاں کسی طرح ختم ہو سکتی ہیں۔ اس وقت انسان انسانوں کو کھا لے کے لئے دوڑ رہا ہے۔ قومیں قوموں کو ہڑپ کر لے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی اصلاح کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ دنیا کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ جوڑا جائے اور اس حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرایا جائے کہ تمام قومیں ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں۔ ملک، وطن اور رنگ و نسل کے اختلاف و افتراق کے باوجود مساوی حقوق اور آزادانہ زندگی بسر کر لے کا یکساں حق رکھتی ہیں۔ یہ نظریہ صرف اسلام نے پیدا کیا اور صرف نظریہ ہی نہیں بلکہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھنے والوں میں اخوت و مساوات پیدا کر کے قومی نسلی اور لونی امتیازات کے باوجود قوموں اور ملکوں میں محبت اور اتحاد قائم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دنیا میں امن و اتحاد پیدا کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

اسلام نے ایک خدا کو منوا کر تمام مخلوق کے اندر اخوت و مساوات قائم کر دی اور آج دنیا اگر امن کا منہ دیکھ سکتی ہے تو اسی ایک ذریعہ سے کہ اس واحد خدا کے آستانہ پر جھک کر اور محمد رسول اللہ کی غلامی میں آ کر، مساوات و محبت و اتحاد کا سبق حاصل کیا جائے۔ یہ وہ سبق ہے جو عملی رنگ میں دنیا دیکھ چکی ہے۔

حضرت مجدد وقت نے اسی پیغام اخوت کو دنیا میں لے جانے اور اسی محبت و اتحاد کو اکناف عالم میں پہنچانے کے لئے ہمیں کھڑا کیا ہے۔ اور ہمیں بتایا ہے کہ اسلام کے غلبہ کے سوائے کوئی راہ دنیا کے امن و اتحاد کی نہیں۔ اس غلبہ کا وقت اب قریب ہے لیکن اس کو قریب تر لانے کے لئے ہماری کوششوں اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ایسی جدوجہد جن کے لئے حضرت امام وقتؑ کا ارشاد گرامی ہے:۔

"اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رکھے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں نہ قبول کر لیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔" (فتح اسلام)

ہمارا سالانہ جلسہ انہیں کوششوں کے ذرائع سوچنے، اسلام کو دنیا میں پہنچانے کے رستے تلاش کرنے اور اس کے لئے سامان مہیا کر لے کے لئے منعقد ہو رہا ہے۔ یہ وہ بلند ترین غرض ہے جو دنیا کی اور مجالس اور اجتماعات میں نظر نہیں آتی۔

اس لئے آئیے!

اور اس جلسہ میں شامل ہو کر اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی تدابیر کیجئے۔ خود آئیے اور دیگر بھائیوں کو بھی ساتھ لائیے کہ اسی میں آپ کی اور تمام دنیا کی خوشحالی مضمر ہے۔"

اتمامِ حُجّت

میں نے

خدا تعالیٰ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے

اگر تم انصاف سے بات کرو تو تم اپنی اندرونی حالت پر آپ ہی گواہ ہو سکتے ہو کہ بجائے خدا پرستی کے ہردم دُنیا پرستی کا ایک قوی ہیکل بُت تمہارے دل کے سامنے ہے۔ جس کو تم ایک ایک سیکنڈ میں ہزار ہزار سجدے کر رہے ہو۔ اور تمہارے تمام اوقاتِ عزیز دنیا کی ایک بک میں ایسے مستغرق ہو رہے ہیں کہ تمہیں دوسری طرف نظر اٹھانے کی فرصت نہیں کبھی تمہیں یاد بھی ہے کہ انجام اس ہستی کا کیا ہے؟ کہاں ہے تم میں انصاف، کہاں ہے تم میں امانت، کہاں ہے تم میں وہ راستبازی اور خداترسی اور دیانت داری اور فروتنی جس کی طرف تمہیں قرآن کریم بلاتا ہے۔ تمہیں کبھی بھولے بسرے برسوں میں بھی تو یاد نہیں آتا کہ ہمارا کوئی خدا بھی ہے۔ کبھی تمہارے دل میں نہیں گذرتا کہ اس کے کیا کیا حقوق تم پر ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ تم لے کوئی غرض کوئی واسطہ کوئی تعلق اس قیوم حقیقی سے رکھا ہوا ہی نہیں۔ اور اس کا نام تک لینا مشکل ہے اب چالاکی سے تم لڑو گے کہ ہرگز ایسا نہیں لیکن خدا تعالےٰ کا قانونِ قدرت تمہیں شرمندہ کرتا ہے۔ جب کہ وہ تمہیں جتلاتا ہے کہ ایمانداروں کی نشانیاں تم میں نہیں۔ اگرچہ تم اپنی دُنیوی فکروں اور سوچوں میں بڑے زور سے اپنی دانشمندی اور متانت رائے کے مدعی ہو مگر تمہاری لیاقت تمہاری نکتہ رسی تمہاری دُور اندیشی صرف دُنیا کے کناروں تک ختم ہو جاتی ہے۔ اور تم اپنی عقل کے ذریعہ سے ایک دوسرے عالم کا ایک ذرا سا گوشہ بھی نہیں دیکھ سکتے جس کی سکونت ابدی کے لئے تمہاری روحیں پیدا کی گئیں۔ تم دُنیا کی زندگی پر ایسے مطمئن بیٹھے ہو جیسے کوئی شخص ہمیشہ رہنے والی ایک چیز پر مطمئن ہوتا ہے۔ مگر وہ دوسرا عالم جس کی خوشیاں سچے اطمینان کے لائق اور دائمی ہیں وہ ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی تمہیں یاد نہیں آتا؟ کیا بدقسمتی ہے کہ ایک بڑے اہم امر سے تم قطعاً غافل اور آنکھیں بند کئے بیٹھے ہو اور جو گذشتنی امور ہیں ان کی ہوس میں دن رات سرپٹ دوڑ رہے ہو۔ تمہیں خوب خبر ہے کہ بلاشبہ وہ وقت تم پر آنے والا ہے کہ جو ایک دم میں تمہاری زندگی اور تمہاری ساری آرزوؤں کا خاتمہ کر دے گا مگر یہ عجیب شقاوت ہے کہ باوجود اس علم کے پھر اپنے تمام اوقات دُنیا طلبی میں ہی برباد کر رہے ہو اور دنیا طلبی بھی صرف وسائل جائزہ تک محدود نہیں بلکہ تمام ناجائز وسیلے جھوٹ اور دغا سے لے کر ناحق کے خون تک تم نے حلال کر رکھے ہیں اور ان تمام شرمناک جرائم کے ساتھ جو تم میں پھیلے ہوئے ہیں کہتے ہو کہ آسمانی نور اور آسمانی سلسلہ کی ہمیں ضرورت نہیں۔ بلکہ اس سے سخت عداوت رکھتے ہو۔ اور تم نے خدا تعالےٰ کے آسمانی سلسلہ کو بہت ہلکا سمجھ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ذکر کرنے میں بھی تمہاری زبانیں کراہت سے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ اور بڑی رعونت اور ناک چڑھانے کی حالت میں ہجو کا حق ادا کرتی ہیں۔

اور تم بار بار پوچھتے ہو کہ ہمیں کیونکر یقین آوے کہ یہ سلسلہ من جانب اللہ ہے۔ میں اس کا جواب دے چکا ہوں۔ کہ اس درخت کو اس کے پھلوں سے اور اس نیّر کو اس کی روشنی سے شناخت کرو گے۔

میں نے ایک دفعہ یہ پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اب تمہارے اختیار میں ہے کہ اس کو قبول کرو یا نہ کرو اور میری باتوں کو یاد رکھو یا لوحِ حافظہ سے بھلا دو۔

> جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارو
> یاد آئیں گے تمہیں میرے سخن میرے بعد

(فتحِ اسلام۔ سلسلہ تصنیفات احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۵۵۲ و صفحہ ۵۵۳)

حضرت امیر قوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نبی کریم صلعم کی پاکیزہ زندگی ہمیں ایک بلند مقام کیطرف بلا رہی ہے ؛

انسان کو خدا سے ملانا جماعت احمدیہ کی اصل غرض ہے ؛

قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ——— "اے پیغمبر کہہ دے میری عبادت اور میری قربانیاں اور میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے"

غیر اقوام تعلیم اسلام کو اپنا رہی ہیں ؛

اسلام کی بہت سی چیزیں مسلمانوں نے چھوڑی ہوئی ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں غیر مسلموں نے اسلام کی بہت سی خوبیاں لے لی ہیں بلکہ موجودہ قومیں جو بہت کچھ ہم کو اوج ترقی پر نظر آتی ہیں۔ انہوں نے بہت کچھ اسلام سے لیا ہے۔ خواہ وہ اسلام کو اچھی نظر سے نہ دیکھنے والی لیکن فی الواقع انہوں نے اسلام سے اور مسلمانوں سے بہت کچھ لیا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام نے زندگی کا ایک مقصد مسلمانوں کے سامنے رکھا تھا۔ اس مقصد کو مسلمانوں نے چھوڑا ہوا ہے۔ بس غیر قومیں، غیر مسلم بڑی حد تک زندگی کے اسی بلند مقصد کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔

مسلمانوں کی غفلت:- یہ الفاظ بعض لوگوں کو شائد عجیب معلوم ہوں کہ اغیار تو زندگی کے بلند مقصد کی تلاش میں ہیں اور مسلمان اس کی تلاش میں بھی نہیں لیکن یہ امر واقع ہے۔ مسلمانوں نے محکومیت کے زمانہ میں جو کچھ مغرب سے سیکھا ہے۔ وہ اتنا ہی ہے۔ کہ ہماری دنیا کس طرح بن سکتی ہے۔ روپیہ اور مال کس طرح کما سکتے ہیں۔ اور یہ دنیا کی چند روزہ عزت کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ زندگی بس اتنی ہی نہیں ہے کہ کما لیا۔ پہن لیا اور جمع کر لیا، اولاد کی پرورش کر دی۔ آپ خود بھی غور کریں کہ کیا زندگی صرف اتنی ہی ہے۔ زندگی کا ایک اور بڑا مقصد بھی ہے۔ اور وہ روحانی زندگی ہے۔

روحانی تسکین کی جستجو:- کس قدر زبردست تڑپ ہے دنیا کی سب چیزیں اس کے سامنے ہیں۔ یہ نہیں کہ اس کو پتہ نہیں کہ روٹی کمانی ہے۔ اچھا کپڑا پہننا ہے۔ مکان بنانا ہے۔ راحت و آرام کرنا ہے۔ یہ سب معلوم ہے مگر اس دنیا کے اندر ایک اور لَو اور تلاش بھی انسان کو لگی ہوئی ہے یہ مال و دولت زندگی کا مقصد نہیں ہو سکتا۔ زندگی کا مقصد کوئی روحانی چیز ہو سکتی ہے کیونکہ زندگی ان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اس کا مقصد بھی کوئی روحانی چیز ہونا چاہیئے۔ زیر عنوان آیت، قل ان صلواتی ۔ ۔ ۔ للہ رب العالمین۔ یہ دراصل انسان کی زندگی میں جو خلا ہے۔ جو کمی ہے۔ نظر نہیں آتا کہ وہ کس کے لئے زندہ رہے کس کے لئے مرے۔ یہ اس خلا کو پورا کرتی ہے۔ زندگی کا مقصد دکھاتی ہے۔ اتنا بلند کہ اس سے بلند تر مقصد ہو ہی نہیں سکتا ؛

رسول اللہ صلعم کی زندگی کا مقصد

حکم تو نبی کریم صلعم کو ہے کہ لوگوں کو کہہ دو کہ میری زندگی کا یہ مقصد ہے مگر بتانا یہی مقصود ہے۔ کہ لوگوں کے سامنے ان کی زندگی کا اصل مقصد رکھ دیا جائے۔ ان صلواتی۔ میری عبادت، میری نماز۔ میں پڑھتا ہوں، پانچ وقت کے علاوہ آدھی آدھی رات، دو تہائی رات خدا کے حضور کھڑے ہوتے تھے۔ یہ تو آپ کی نماز تھی۔ خدا سے تعلق تھا۔ ونسکی اور میری قربانی۔ کیا عید کے دن بکرے یا دنبے کی قربانی مطلب ہے۔ نہیں بلکہ مطلب ہے کہ اپنی زندگی کو مخلوق خدا کی بہتری کے لئے قربان کر دینا۔ انبیاء کی یہی قربانی ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو تمام و کمال مخلوق خدا کی خدمت میں لگا دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت

آپ کی نماز۔ خدا سے تعلق اتنا زبردست تھا کہ رات کو نیند نہیں آتی۔ اس قدر تڑپ اور شوق ہے خدا سے تعلق پیدا کرنے کا کہ اسوقت جب دن بھر کا تھکا ماندہ آرام سے لیٹنا چاہتا ہے تاکہ اس کی تھکان دور ہو اور اس کے دل میں بشاشت پیدا ہو آپ کو خدا کے حضور کھڑے ہونے سے راحت ملتی ہے۔ آپ کی کروٹ کو بستر پر آرام نہیں ملتا۔ کتنا بلند مقام ہے۔

خدمت خلق کے لئے زندگی وقف کر دی۔

مگر نرا زہد و عبادت پر آپ کا کمال ختم نہیں ہو جاتا۔ اگر خدا سے تعلق کا یہ حال ہے۔ تو انسانوں سے تعلق اس سے کم نہیں۔ آپ اپنے آپ کو ان کی بہتری کے کاموں میں لگا دیتے ہیں۔ جسمانی طور پر جو انسان کی خدمت ہو سکتی ہے۔ وہ بھی کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر اپنے آپ کو اس کام پر لگا دیتے ہیں۔ کہ انسان روحانی ترقی بھی کریں اور بہتر انسان بن جائیں

رضائے الٰہی منتہائے مقصود تھا

لیکن یہ بھی غرض نہیں۔ بلکہ غرض ہے للہ رب العالمین۔ خدا کی عبادت بھی کرتا ہوں۔ انسان کی خدمت میں بھی اپنے آپ کو لگایا ہوا ہے۔ مگر جو کچھ کرتا ہوں۔ للہ رب العالمین، جو کچھ ہو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو۔ جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرما رہا ہے۔

مقصد ہے صرف اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ؛
مقصد ہے اللہ کے نام کو دنیا میں بلند کرنا ؛
مقصد ہے مخلوق خدا کو خدا کے در پر جھکانا ؛

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور	مؤرخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۹ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸	شمارہ نمبر ۴۶

باہتمام تاجدین پرنٹرز آب کاری روڈ لاہور میں چھپا اور پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش